ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ عظیم تر کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ ۲)

تفسیر مدارک التنزیل

وحقائق التاویل

مع ترجمۂ قرآن المسمّٰی بہ

برکات القرآن

تصنیف

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے (یہ) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے
(البقرۃ: ۲)

تفسیر مدارک التنزیل
وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمیٰ بہ

برکات القرآن

جلد سوئم
(الروم تا الناس)

تصنیف
علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم
علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی
(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر مدارک التنزیل (جلد سوئم)

سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّة | بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٦٠ رُكُوْعَاتُهَا ٦

سورۃ الروم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ساٹھ آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۗ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۗ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۗ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

الم○ رومی مغلوب ہو گئے○ نہایت قریب کی زمین (شام) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے○ چند سالوں میں' حکم تو اوّل و آخر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے○ اللہ تعالیٰ کی مدد پر' وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ بہت غالب بے حد مہربان ہے○ (یہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے○

روم کے غلبہ کی خبر سے نبوت و قرآن کی حقانیت اور کفار کی مذمت

۱'۲- ﴿الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ رومی مغلوب ہو گئے یعنی فارس (ایران) نے روم پر غلبہ پا کر فتح حاصل کر لی۔

۳- ﴿فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ﴾ قریب ترین زمین میں یعنی سرزمین عرب کے قریب ترین زمین میں' کیونکہ عرب کے نزدیک مشہور سرزمین انہیں کی زمین ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ عرب کی سرزمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے اور وہ ملک شام کے گردونواح کا علاقہ ہے یا ان کی اپنی زمین مراد ہے' اس بناء پر ("الارض" کا) لام مضاف الیہ کے قائم مقام ہے "ای فی ادنی ارضھم الی عدوھم" یعنی دشمن کی طرف اپنی زمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے ﴿وَهُمْ﴾ اور وہ یعنی اہل روم ﴿مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ﴾ مغلوب ہونے کے بعد یعنی فارس سے مغلوب ہونے کے بعد [اور یہ لام کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور "غَلَبْ" (مفتوح لام) اور "غَلْبْ" (لام ساکن ہے) دونوں مصدر ہیں اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے] ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ عنقریب وہ فارس پر غالب آ جائیں گے [اور اس پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا (فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) کے ساتھ تعلق ہے]۔

٤- ﴿فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ﴾ چند سالوں میں اور یہ (بِضْع) تین سال سے لے کر دس سال تک کے عرصہ پر بولا جاتا ہے' روم اور فارس کی ازرعات اور بصریٰ کے درمیان جنگ ہوئی' جس میں فارس روم پر غالب آ گئے اور اس وقت فارس کا بادشاہ کسریٰ پرویز تھا اور یہ خبر مکہ مکرمہ میں پہنچی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مغموم ہو گئے کیونکہ فارس کے باشندے مجوسی (آتش پرست) تھے اور روم کے باشندے اہل کتاب تھے جب کہ مشرکین مکہ خوش و خرم ہو گئے اور انہوں نے (مسلمانوں سے) کہا کہ تم اور نصرانی دونوں اہل کتاب ہو' جب کہ ہم اور اہل فارس اَن پڑھ لوگ ہیں اور ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب

آ گئے اور ہم بھی تم پر ضرور غالب آ جائیں گے تو یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! چند سال بعد رومی فارسیوں پر ضرور غالب آئیں گے' یہ بات سن کر ابی بن خلف نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو' پھر اس نے حضرت ابوبکر صدیق سے ایک شرط لگالی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا پابند ہوگا کہ ہارنے کی صورت میں دس اونٹنیاں دے گا اور تین سال تک مدت مقرر کر لی' پھر حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم معاہدہ میں اضافہ کرو اور اس سے زیادہ دور کی مدت مقرر کراؤ' چنانچہ دونوں نے باہمی رضامندی سے ایک سو اونٹنیوں پر نو سال تک شرط مقرر کر لی اور ابی بن خلف' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیر لگنے سے زخمی ہو گیا تھا اور اس زخم کی وجہ سے مر گیا اور حدیبیہ کے دن یا بدر کے دن روم فارس پر غالب آ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے ابی بن خلف کی اولاد سے شرط کی اونٹنیاں لے لیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان کو صدقہ کر دو[1]

یہ ایک روشن ترین دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت صحیح اور برحق ہے اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ یہ علم غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔[2] اور یہ واقعہ جوئے کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا' حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا عقیدہ شرک نہیں بلکہ علم غیب حضور کی نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ آپ کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من احب ان یسال عن شیء فلیسال عنه فواللّٰه لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم به ما دمت فی مقامی هذا'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۲) ''جو شخص کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے بارے میں سوال کرے' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتادوں گا' جب تک میں اس جگہ میں ہوں''۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ان اللّٰه زوی لی الارض حتی رایت مشارقها ومغاربها'' (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا' یہاں تک کہ میں نے اس کے تمام مشرقوں کو اور اس کے تمام مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔

(۳) حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھ گئے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا' پھر آپ اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا'' ''فاخبرنا بما کان وبما هو کائن فاعلمنا احفظنا'' (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۰) ''سو آپ نے جو کچھ پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا تھا سب کچھ ہمیں بیان فرما دیا' سو ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے''۔

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے ''فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم'' (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷) ''سو آپ نے خلقت کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنتی منزلوں میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کی منزلوں میں داخل ہونے تک سب کچھ بتا دیا' اسے جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا اس سے وہ بھول گیا''۔

بے شمار احادیث پیش کی جا سکتی ہیں' مگر اختصار کے پیش نظر انہی چند احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

[2] رواہ الترمذی: ۳۱۹۴

سے یہی منقول ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے مذہب میں فاسد سودے (عقود فاسدہ) سود وغیرہ کی طرح دار الحرب (غیر مسلم ملک) میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جائز ہوتے ہیں اور ان دونوں حضرات نے اس مسئلہ کی صحت پر اس واقعہ سے استدلال کیا ہے ﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی' یعنی ہر چیز سے پہلے بھی اور ہر چیز کے بعد بھی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ کہ جب وہ مغلوب ہوئے اور جب وہ غالب ہوئے' گویا کہا گیا کہ رومیوں کے غالب ہونے سے پہلے اور وہ ان کے مغلوب ہونے کا وقت ہے اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد اور وہ ان کے غالب ہونے کا وقت ہے' یعنی رومیوں کا پہلے مغلوب ہونا اور بعد میں ان کا غالب آ جانا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے فیصلے سے ہوا' چنانچہ ارشاد ہے: ''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' (آل عمران: ۱۴۰) ''اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں''۔ ﴿وَيَوْمَئِذٍ﴾ اور اس دن (یعنی) جس دن رومی فارس پر غالب آ جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کے غلبہ کا وعدہ پورا فرمائے گا ﴿يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ مسلمان خوش ہوں گے۔

۵- ﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہل کتاب (رومیوں) کو ان لوگوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمایا جن کے پاس کتاب نہیں تھی تا کہ کفارِ مکہ غیظ وغضب میں جلیں کیونکہ انہوں نے رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منائی تھیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کی صداقت کا اظہار کیا' اس لیے کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو رومیوں کے غالب آنے کی خبر دی تھی [اور ''با'' ''یفرح'' کے متعلق ہے' سو اس لیے ''بِنَصْرِ اللّٰهِ'' پر وقف کیا جائے گا' البتہ ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا] ﴿يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ اپنے دشمنوں پر بہت غالب ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ وہ اپنے اولیاء (یعنی) دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

۶- ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ'' ''اور یہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے' پس یہ ارشاد باری تعالیٰ (وَعْدَ اللّٰهِ) ''وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعْدًا'' کے قائم مقام ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے پکا وعدہ فرما لیا ہے ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ فارس کے خلاف روم کی مدد کرنے کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

وہ تو صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہی ہیں O اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں O

۷- ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ وہ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ یہ ''یعلمون'' ''لایعلمون'' سے بدل ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ عدم علم جو سراسر جہل ہے کے درمیان اور وجود علم جو تحصیل

دنیا سے تجاوز نہیں کرتا' کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ''ظاهرًا من الحیوۃ الدنیا'' سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دنیا کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے' سو اس کا ظاہر تو وہی ہے جسے جاہل لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کے نقش و نگار اور اس کی خوش نما زیب و زینت اور آرائش سے لطف اندوز ہونا اور اس کا باطن یہ ہے کہ یہ دنیا آخرت کی جزا کا ذریعہ ہے اور اس دنیا سے آخرت کی طرف نیک اعمال کا زادِ راہ تیار کیا جاتا ہے اور ظاہر کے نکرہ ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری چیزوں میں سے صرف ایک ظاہر کو جانتے ہیں ﴿وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ آخرت سے غافل ہیں اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک وہ لوگ آخرت سے غفلت کے مخزن و منبع اور سرچشمہ ہیں [اس میں دوسرا ''هُمْ'' مبتدا ہے اور ''غافلون'' اس کی خبر ہے اور مبتدا و خبر مل کر جملہ ہوا اور یہ جملہ پہلے ''هُمْ'' کی خبر ہے]۔

۸- ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور وفکر نہیں کیا [ایک احتمال یہ ہے کہ ''فی انفسهم'' ظرف ہے] گویا فرمایا گیا: اور کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں تفکر کو ثابت نہیں کیا یعنی اپنے دلوں میں جو غور وفکر سے خالی ہیں اور تفکر تو صرف دلوں میں ہوتا ہے لیکن وہ متفکرین (غور وفکر کرنے والوں) کے حال کی تصویر زیادہ پیش کرتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''اعتقده فی قلبك'' اسے اپنے دل میں پختہ کرلو [اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''فی انفسهم'' ''تفکر'' کا صلہ ہے] جیسے ''تفکر فی الامر واجال فیه فکره'' کہ اس نے اپنے معاملہ میں غور وفکر کیا اور اس نے اس میں اپنی فکر کو خوب گھمایا' اور اس بناء پر اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور وفکر نہیں کیا جو دیگر مخلوقات سے ان کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور وہ دوسروں کے احوال سے بڑھ کر اپنے دلوں کے احوال کو خوب جانتے ہیں' پس وہ لوگ ان عجیب و غریب حکمتوں میں غور وفکر اور تدبر کریں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری اور باطنی حکمتیں عطا کی ہیں' وہ چھوڑنے کے لائق نہیں بلکہ غور وفکر کے قابل ہیں اور ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کی انتہاء ایک وقت کی طرف ہو جس میں نیکی کرنے پر نیک اور اچھی جزا دی جائے اور برائی کرنے پر اسی کی مثل بری سزا دی جائے تاکہ یہ لوگ اس وقت جان لیں کہ بے شک باقی تمام مخلوقات بھی اسی طرح ہے' اس کا معاملہ بھی حکمت و تدبیر پر جاری ہے اور سب کی انتہاء اسی وقت کی طرف ہے ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' ان سب کو بے کار و بے فائدہ پیدا نہیں کیا [یہ محذوف قول کے متعلق ہے' اس کا معنی یہ ہے: (اولم یتفکروا) ''فیقولوا هذا القول'' اور کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا تاکہ وہ بھی یہی بات کہتے (کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور دیگر مخلوقات کو بے کار پیدا نہیں کیا) اور بعض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات جان لیتے (یعنی اس قول سے پہلے ''فیعلموا'' ہے) کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام زمین و آسمان و دیگر تمام مخلوقات کو بغیر زبردست حکمت کے محض باطل و بے کار پیدا نہیں فرمایا اور نہ یہ کہ یہ تمام چیزیں ہمیشہ رہیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو برحق و مبنی برحکمت اور مقرر مدت تک کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کے لیے ایک مدت ضروری ہے' جہاں یہ اختتام پذیر ہوں گی اور وہ قیامت کا قیام ہے اور وہ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کا وقت ہے' کیا تم نے یہ ارشاد نہیں دیکھا: ''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ O'' تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک ہم نے تمہیں محض عبث و بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہیں لوٹائے جاؤ گے O ان کے ترک کا نام کیسا رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عبث و بے کار نہیں لوٹیں گے؟ ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء و سزا کا ﴿لَكٰفِرُوْنَ﴾ البتہ انکار کرتے ہیں' اور علامہ

زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ البتہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا بویا تھا اور انہوں نے اس کو زیادہ آباد کیا تھا جتنا انہوں نے اس کو آباد کیا ہے اور ان کے رسول ان کے پاس روشن دلائل لائے' سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم وستم کرتا اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم وستم کرتے تھے O پھر جن لوگوں نے حد سے بڑھ کر برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا' اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے O

۹ ۔ ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ اور کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی' سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے جو لوگ گزر چکے ان کا انجام کیسا ہوا۔ یہ آیت مبارکہ کفار مکہ کی زمین میں سیر وسیاحت اور سفر کرنے اور نافرمان وسرکش امتوں میں سے عاد وثمود وغیرہم جیسی تباہ شدہ قوموں کے آثار ونشانیوں کی طرف دیکھنے کی تقریر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ﴾ وہ لوگ ان سے زیادہ سخت طاقتور تھے اور انہوں نے بیلوں کو جوت کر زمین کو تیار کیا اور اس میں کھیتی باڑی کی ﴿وَعَمَرُوْهَآ﴾ اور انہوں نے اس کو آباد کیا یعنی ہلاک کردہ اور تباہ شدہ قوموں نے اس زمین کو آباد کیا تھا ﴿اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا﴾ اس سے زیادہ جتنا اہل مکہ نے آباد کیا تھا یعنی ان لوگوں نے اہل مکہ کی آبادکاری سے زیادہ آبادکاری کی تھی [''اکثر'' محذوف مصدر کی صفت ہے اور ''مِمَّا'' میں ''مَا'' مصدریہ ہے] ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ﴾ اور ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے تھے [اس پر وقف کیا جائے گا' محذوف کے حق کی وجہ سے ''ای فلم یؤمنوا فاھلکوا'' یعنی جب وہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے] ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا (یعنی) اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا ان پر ظلم کرنے کے لیے نہیں تھا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم وستم کرتے تھے (یعنی) لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ انہوں نے ایسے عمل کیے جنہوں نے ان کی ہلاکت کو واجب کر دیا۔

۱۰ ۔ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى﴾ پھر جن لوگوں نے بُرے عمل کیے ان کا انجام بہت بُرا ہوا' اور معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں دنیا میں ہلاکت وبربادی کی سزا دی گئی' پھر ان کی آخرت کی سزا بہت بری ہوگی' مگر یہاں مضمر کی جگہ

مشہور کر دیا گیا ہے اور وہ ''الذین اساء وا'' ہے' یعنی وہ سزا جو تمام سزاؤں سے بدترین سزا ہے' وہ آخرت میں ملے گی اور وہ دوزخ کی آگ ہے' جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿اَنْ كَذَّبُوْا﴾ اصل میں ''لِاَنْ كَذَّبُوْا'' ہے یا ''بِاَنْ كَذَّبُوْا'' ہے یعنی اس لیے کہ انہوں نے تکذیب کی اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''اَسَاءُ وْا'' بہ معنی ''كَفَرُوْا'' ہے ﴿بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ﴿وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی پھر کافروں کا نتیجہ دوزخ ہوئی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے' پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم مایوس ہو جائیں گے O اور ان کے شریکوں میں سے ان کی سفارش کرنے والے نہیں ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن وہ (ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں گے O سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ جنت کے باغ میں خوش ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت و تسبیح اور مسلم و کافر کے انجام کا بیان

۱۱ - ﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے (یعنی) پہلے بھی اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا (یعنی) وہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابو عمرو اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُرْجَعُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲ - ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اس وقت مجرم لوگ (یعنی) مشرکین مایوس و ناامید ہو جائیں گے۔ ''يبلس'' بہ معنی ''يَيْئَسُ وَيَتَحَيَّرُ'' ہے یعنی ناامید و حیران ہو جائے گا' جیسے کہا جاتا ہے: ''ناظرته فابلس'' میں نے اس سے مناظرہ کیا تو وہ ناامید و حیران ہو کر ساکت و خاموش ہو گیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص دلائل پیش کرنے سے عاجز و لاجواب ہو کر مایوس و حیران ہو جاتا ہے۔

۱۳ - ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ اور ان کے شریکوں میں سے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان کی سفارش نہیں کریں گے [مصحف عثمانی میں ''شُفَعٰٓؤُا'' لکھا گیا ہے کہ الف سے پہلے واؤ ہے جیسے سورت شعراء میں ''عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ'' لکھا گیا ہے اور اسی طرح ''السُّوْٓاٰی'' لکھا جاتا ہے یعنی ''یا'' سے پہلے ہمزہ کو ثابت کرنے کے لیے الف کو اس حرف کی صورت پر لکھا جاتا ہے جس سے اس کی حرکت پیدا ہوتی ہے] ﴿وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کر دیں گے یعنی مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کفر کریں گے اور وہ ان کا انکار کر دیں گے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ دنیا میں انہی معبودوں کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے۔

۱۴ - ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن مسلم و کافر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ ''یتفرقون'' میں ''ھم'' ضمیر مسلمانوں اور کافروں سب کے لیے ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے بعد کا کلام اس پر رہنمائی کر رہا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۵ - ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ باغ میں رہیں گے یعنی وہ جنت کا باغ ہے [اور ''رَوْضَـة'' کو نکرہ لانے کی وجہ سے ایک تو اس کی تعظیم و تفخیم اور دوسرا اس کے معاملہ کو مبہم رکھنا مقصود ہے] ﴿ يُّحْبَرُوْنَ ﴾ وہ خوش و خرم رہیں گے'' حبرہ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو اس قدر خوشی و مسرت حاصل ہو کہ اس خوشی کے لیے اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک اٹھے اور اس کے چہرے میں خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں' پھر خوشی کی کئی وجوہات کے احتمال کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے' چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے گی (جس سے ان کی خوشی دوبالا ہو جائے گی) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہیں جنت میں جنتی جوڑے اور تاج پہنائے جائیں گے (جن سے وہ خوش ہوں گے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا (جو باکرہ حوریں تسبیحات الٰہی پر مشتمل کلام مترنم آواز میں گا کر سنائیں گی)۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا' سو یہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ○ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو ○ اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور دِن کے آخری وقت اور جب تم ظہر کرتے ہو ○ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے' اور اسی طرح تم بھی (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ○

۱۶ - ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کو جھٹلایا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴾ سو انہیں لوگوں کو عذاب میں حاضر رکھا جائے گا (یعنی) انہیں عذاب ہی میں ٹھہرایا جائے گا' اس سے غائب نہیں ہونے دیا جائے گا اور نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا'' (المائدہ:۳۷) ''اور ان کو وہاں سے نہیں نکالا جائے گا''۔

۱۷ - جب اللہ تعالیٰ نے (جنت کے) وعدہ اور (عذاب جہنم) کی وعید (دھمکی) کا ذکر کیا تو اس کے بعد اب ان چیزوں کا ذکر کیا جو وعدہ تک پہنچاتی ہیں اور وعید سے نجات دلاتی ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو' اور تسبیح سے اس کا ظاہر مراد ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ہر بُرائی اور عیب سے پاک ہونا اور ان اوقات میں خیر و بھلائی

کے ساتھ اس کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنا جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نئے سرے سے نمودار ہوتی رہتی ہیں یا نمازیں ادا کرنا مراد ہے' چنانچہ جب حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا ذکر پاتے ہیں؟ تو فرمایا: ہاں! اور یہی آیت مبارکہ تلاوت کی [''سبحان'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں اور عیبوں سے پاکیزگی بیان کرو جو اس کی شان کے لائق نہیں یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے نمازیں پڑھا کرو ﴿حِیْنَ تُمْسُوْنَ﴾ جب تم شام کرتے ہو تو مغرب اور عشاء کی نماز پڑھا کرو ﴿وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ اور جب صبح کرتے ہو تو فجر کی نماز پڑھا کرو۔

۱۸- ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام تعریفیں آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کے لیے ہے [یہ جملہ معترضہ ہے اور ''فی السموات''، ''الحمد'' سے حال ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والے تمام اہل تمیز حضرات پر واجب ولازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کیا کریں ﴿وَعَشِیًّا﴾ اور دن کے آخری وقت نماز عصر پڑھا کرو [اور یہ ''حین تمسون'' پر معطوف ہے] ﴿وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ اور جب ظہر کرتے ہو تو نماز ظہر پڑھا کرو۔ ''اَظْهَرَ'' یعنی وہ ظہر کے وقت میں داخل ہوا' اور اکثر اہل علم حضرات کا قول یہ ہے کہ پنجگانہ نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض کی گئیں۔

۱۹- ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے (یعنی) پرندے کو انڈے یا انسان کو نطفہ سے یا مؤمن کو کافر سے نکالتا ہے ﴿وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ﴾ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے (یعنی) انڈے پرندے سے یا نطفہ کو انسان سے یا کافر کو مؤمن سے [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' ابو عمرو' ابو بکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''المیت'' کو دونوں جگہ تخفیف کے ساتھ (''یا'' کو ساکن) پڑھا گیا ہے' ان کے علاوہ کی قراءت میں ''المیّت'' کی ''یا'' کو تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے] ﴿وَیُحْیِ الْاَرْضَ﴾ اور وہ زمین کو درختوں' پودوں اور سبزہ جات کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد (یعنی) اس کے خشک اور بنجر ہونے کے بعد ﴿وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اور اسی طرح تمہیں نکالا جائے گا یعنی ان مذکورہ بالا چیزوں کے نکالنے کی طرح تمہیں قبروں سے نکالا جائے گا [حمزہ' علی کسائی اور خلف کی قراءت میں ''تَخْرُجُوْنَ'' (''تا'' مفتوح اور ''را'' مضموم فعل مضارع معروف باب ''نصر ینصر'' سے) ہے اور ''وکذالك'' میں کاف تشبیہ ''تخرجون'' کے ساتھ محلاً منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ ابتداء میں تخلیق کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا' اس ذات اقدس کی قدرت میں برابر ہیں' جو مردے کو زندہ سے اور زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ''فسبحان اللّٰہ حین تمسون'' سے لے کر ''وکذالك تخرجون'' تک اور سورۃ الصافات کی آخری تین آیات پڑھے گا' تو اس کے لیے آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں اور زمین کی مٹی کے ذروں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی' پھر جب وہ شخص انتقال کر جائے گا تو اس کو قبر میں ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیوں کا اجر وثواب دیا جائے گا اور حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت ''فسبحان اللّٰہ حین تمسون وحین تصبحون'' سے لے کر ''وکذالك تخرجون'' تک پڑھ لیا کرے گا تو اس دن اس کے جو اَوراد و وظائف پڑھنے سے رہ گئے ہوں گے' ان کا اجر وثواب پالے گا اور جو اسے شام کے وقت پڑھ لیا کرے گا تو جو وظائف اور اَوراد اس رات اس سے ترک ہو گئے ہوں گے' ان کا اجر وثواب پالے گا۔[1]

[1] رواہ ابوداؤد: ۵۰۷۶

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر تب ہی تو تم انسان ہو کر پھیلتے جا رہے ہو O اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت قائم کر دی' بے شک اس میں البتہ اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O

قدرتِ الٰہی کے مظاہر و انعامات کا بیان

۲۰ - ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ربوبیت و پرورش کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ اس نے تمہیں یعنی تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ﴿ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ ﴾ پھر جب ہی تو تم انسان ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ﴿ تَنْتَشِرُوْنَ ﴾ تم ہر طرف پھیلتے جا رہے ہو اور تم اپنی ضروریاتِ زندگی میں تصرف کرتے پھرتے ہو [اور ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ثم فاجاتم وقت کونکم بشرًا منتشرین فی الارض'' پھر تم اچانک بروقت انسان ہو کر زمین میں پھیلنے لگ گئے ہو]۔

۲۱ - ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور اس کے بعد دوسری عورتوں کو مردوں کی پشتوں سے پیدا کیا گیا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری ہم شکل و ہم جنس عورتیں پیدا کیں' کسی دوسری جنس سے نہیں اور یہ اس لیے کہ ایک جنس کے دو افراد کے درمیان محبت و الفت اور سکون و آرام پایا جاتا ہے اور جب کہ دو مختلف جنسوں کے دو افراد کے درمیان منافرت و اجنبیت پائی جاتی ہے'' سکن الیہ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کی طرف مائل ہوتا ہے ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت قائم کر دی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان میاں بیوی کے رشتہ کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم و کرم اور مہربانی کرنے کے عمل کو جاری فرما دیا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مودة'' سے جماع (ہم بستری) کی طرف اشارہ ہے اور ''رحمة'' سے اولاد کی طرف اشارہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مودّت و محبت نوجوان بیوی کے لیے اور رحمت سن رسیدہ بیوی کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مودّت و رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے (والفرك من الشيطان) اور فرک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے' یعنی بیوی کا خاوند سے بغض و عناد رکھنا اور خاوند کا بیوی سے بغض و عناد رکھنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتی ہے' سو وہ جانتے ہیں کہ دنیا کا قیام نسل در نسل کی افزائش کے پائے جانے سے ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے‘ بے شک اس میں علم والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے ہی ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا‘ بے شک اس میں اس قوم کے لیے جو غور سے سنتے ہیں ضرور نشانیاں ہیں O

۲۲- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ﴾ اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کی نشانیوں میں سے ہے یعنی لغات و بولیوں کا ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہونا یا یہ کہ بولنے کی مختلف قسموں کا ہونا اور اس کی مختلف شکلوں کا ہونا ﴿وَاَلْوَانِكُمْ ؕ﴾ اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا جیسے سیاہ اور سفید اور سرخ اور گندمی وغیرہ اور ان رنگتوں کا مختلف ہونا باہمی تعارف و پہچان کے لیے ضروری ہے‘ ورنہ اگر سب کی شکلیں ایک دوسرے سے ملتی ہوتیں اور سب کے سب ہم شکل ہوتے اور سب ایک رنگ و شکل پر متفق ہوتے تو آپس میں تجاہل و التباس اور اشتباہ واقع ہوتا اور ایک دوسرے کی پہچان ناممکن ہو جاتی اور باہمی مصلحتیں معطل و ختم ہو جاتیں اور اس میں قدرتِ الٰہی کی روشن ترین دلیل ہے کیونکہ تمام انسان ایک باپ سے پیدا ہوئے اور وہ اب اس قدر کثرت سے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا لیکن اس کے باوجود تمام انسان ایک دوسرے سے شکل وصورت میں‘ بولیوں میں اور لب ولہجہ میں مختلف ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں [''عَالَم'' (لام پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے اور امام حفص کی قراءت میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ ''عَالِم'' کی جمع ہے اور لام کے نیچے زیر کی شہادت درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ دے رہا ہے: ''وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ O'' (العنکبوت: ۴۳) اور اس کو نہیں سمجھتے مگر علم والے (یعنی جاننے والے) O]۔

۲۳- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (یعنی رزق) کو تلاش کرنا۔ یہ لف ونشر کے باب سے ہے (یعنی) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو اس کا فضل (رزق) تلاش کرنا‘ مگر پہلے دو قرینوں اور دوسرے دو قرینوں کے درمیان فاصلہ رکھا گیا ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ تمہارا دونوں زمانوں (رات اور دن) میں سونا اور ان دونوں زمانوں میں تمہارا رزق تلاش کرنا‘ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اور جمہور اہل اسلام اوّل پر متفق ہیں کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور سب سے زیادہ درست معانی وہی ہوتے ہیں جن پر قرآن مجید کی دلالت ہو ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں یعنی جو غور وفکر اور بڑے تدبر کی سماعت کے ساتھ اور یاد رکھنے والے کانوں کے ساتھ سنتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں خوف و امید دلانے کے لیے بجلی دکھلاتا ہے اور وہ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے' پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو عقل رکھتی ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب وہ پکار کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گے O اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے' سب اسی کے حکم کے تابع ہیں O

۲۴- ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے [''یریکم'' میں دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ حرف ''اَنْ'' پوشیدہ ہے' اصل میں ''اَنْ یُّرِیَكُمْ'' ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس فعل کو مصدر کے قائم مقام کیا گیا ہے اور انہیں دو وجھوں کے ساتھ (درج ذیل) مثال کی تفسیر کی گئی ہے ''تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ'' معیدی کا کلام سننا تمہارے لیے اس کے دیکھنے سے بہتر ہے'' ای ان تسمع'' یعنی اصل میں ''ان تسمع'' ہے یا پھر (مصدر کے قائم مقام) ''سماعك'' ہے] ﴿ خَوْفًا ﴾ بجلی کی کڑک سے ڈراتا ہے یا بارش نہ برسنے سے ڈراتا ہے ﴿ وَّطَمَعًا ﴾ اور بارش کے برسنے کی امید بھی دلاتا ہے یا مسافر کو ڈراتا ہے اور حاضر و مقیم کو امید دلاتا ہے [اور یہ دونوں مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں' مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے یعنی ''ارادۃ خوف و ارادۃ طمع'' ہے یا دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی خائفین وطامعین ہے] ﴿ وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ اور وہ آسمان سے نازل کرتا ہے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے] ﴿ مَآءً ﴾ پانی یعنی بارش ﴿ فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ ﴾ پھر وہ اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' جو عقل رکھتی ہے (یعنی) وہ اپنی عقلوں سے سوچتے اور غور وفکر کرتے ہیں۔

۲۵- ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں یعنی تمام زمین و آسمان محض اس کے قائم رکھنے کی وجہ سے یا اس کی تدبیر و حکمت کی وجہ سے بغیر ستون کے باقی و ثابت ہیں ﴿ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾ پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین میں سے اٹھانے کے لیے بلائے گا تو تم اچانک اسی وقت اپنی قبروں سے نکل پڑو گے۔ یہ ''یریکم'' کی طرح مفرد معنی پر جملہ واقع ہے' گویا فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آسمانوں اور زمین کا بغیر ستون کے قائم رہنا اور رُکا رہنا ہے' پھر مُردوں کا قبروں سے نکلنا ہے جب انہیں ایک دفعہ پکارا جائے گا کہ ''یا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اُخْرُجُوْا'' اے قبروں والو! تم اپنی

قبروں سے باہر نکل آؤ اور مقصد و مراد یہ ہے کہ بغیر توقف کے فوراً نکل پڑو اور اس کو "ثُمَّ" کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے قیام پر اس لیے عطف کیا گیا ہے تاکہ قبروں سے نکلنے کے معاملے کی بڑائی کو اور اس طرح کی چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا جائے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے قبروں والو! کھڑے ہو جاؤ' تو اولین و آخرین میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا' مگر سب کے سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے' جیسا کہ فرمایا: "ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ O" (الزمر: ٦٨) "پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو فوراً وہ لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے O" [اور پہلا "اِذَا" شرط کے لیے ہے اور دوسرا مفاجات کے لیے ہے اور یہ شرط کے جواب میں "فَا" کے قائم مقام ہے اور "مِنَ الْاَرْضِ" فعل کے متعلق ہے مصدر کے نہیں' جیسے کہا جاتا ہے: "دعوته من مكان كذا" میں نے اس کو اس طرح کے مکان سے بلایا' ممکن ہے کہ "مَكَانَكَ" ہو اور یہ بھی ممکن ہے "مكان صاحبك" ہو]۔

۲۶- ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' سب اسی کے فرماں بردار ہیں' وہ اپنے اندر اس کے افعال کے وجود کے لیے ہمہ وقت فرماں بردار رہتے ہیں' اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنتے یا وہ عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ اسی کی شان ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O اس نے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال تمہارے لیے بیان فرمائی کہ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اس رزق میں تمہارا شریک ہے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے کہ تم سب اس (رزق) میں برابر ہو' تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم اپنوں سے ڈرتے ہو' اسی طرح ہم اس قوم کے لیے اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو عقل رکھتی ہے O بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی' سو اسے کون ہدایت دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا' اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے O

۲۷- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتداء کرتا ہے' پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی پہلی بار بھی وہی اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرتا ہے' پھر وہی قبروں میں سے اٹھانے کے لیے دوبارہ پیدا کر کے زندہ کرے گا ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ﴿اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ تمہارے نزدیک اس پر بہت آسان ہے

کیونکہ پہلی بار پیدا کرنے سے دوبارہ اس کا اعادہ کرنا تمہارے نزدیک آسان ہے' سو اب تم اعادہ (دوبارہ اٹھانے) کا انکار کیوں کرتے ہو۔ ''اَهْوَنُ'' بہ معنی ''اَيْسَرُ'' آسان ترین ہے [''وهو اهون عليه'' میں صلہ کو مؤخر کیا گیا ہے' جب کہ سورۂ مریم:۹ میں ''هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ'' میں صلہ کو مقدم کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہاں اختصاص کا قصد کیا گیا ہے لیکن یہاں اختصاص کے لیے کوئی معنی نہیں ہے] اور علامہ ابوعبیدہ اور علامہ زجاج وغیرہما نے کہا کہ ''اَهْوَنُ'' اور ''هَيِّنٌ'' ہم معنی ہیں' اس لیے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا جا سکتا ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا'' (الاحزاب:۳۰) ''اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے'' جیسا کہ کہتے ہیں: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اى كبير'' یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اعادہ فی نفسہٖ بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت سے آسان ہے یا یہ معنی ہے کہ پیدا کرنے کی نسبت سے اعادہ کرنا مخلوق کے لیے آسان ہے کیونکہ ان کا ایک حالت پر قائم ہونا زیادہ آسان ہے اس سے کہ وہ پہلے نطفہ ہوں' پھر لوتھڑا ہوں' پھر گوشت ہوں' پھر ان کی تخلیق کی تکمیل ہو ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور تمام زمین میں اسی (اللہ تعالیٰ) کی شان بلند و بالا ہے یعنی اعلیٰ وصف صرف اسی اللہ تعالیٰ کا ہے' اس کے سوا کسی کا نہیں ہے اور وہی اس کے ساتھ مشہور و معروف ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کا وصف جو تمام مخلوقات کی زبان پر اور تمام دلائل کی زبان پر جاری و ساری ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مقدورات پر پوری طرح قادر ہے' وہ پہلی بار پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنے وغیرہما مقدروات میں سے کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ہر مقدور پر غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ بڑا دانا ہے' وہی ہے جس کے علم و حکمت سے پُر فیصلہ جات پر ہر فعل جاری و ساری ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ''المثل الاعلیٰ'' سے ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' (الشوریٰ:۱۱) مراد ہے (یعنی) ''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے''۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ سب سے بلند و بالا وصف اسی کا ہے اور وہ وحدانیت کا وصف ہے' جس کی تائید و توثیق درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کر رہا ہے۔

۲۸ - ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال بیان فرمائی' سو اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس شخص کے لیے بیان فرمائی ہے جس نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے شریک ٹھہرا لیے [''من'' ابتداء کے لیے ہے] گویا فرمایا کہ اس نے ایک مثال لی ہے اور اسے تمہاری قریب ترین چیز میں سے لیا ہے اور وہ تمہاری اپنی جانیں ہیں ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اے آزادوں کی جماعتو! کیا تمہارے لیے تمہارے غلاموں میں سے کوئی ہے [''من'' تبعیض کا ہے] ﴿مِّنْ شُرَكَآءَ﴾ تمہارا شریک [''من'' استفہام کی تاکید کے لیے زائد ہے' یہ استفہام نفی کے قائم مقام ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک انسان دوسرے انسان کی طرح ہوتا ہے اور ایک غلام دوسرے غلام کی طرح ہوتا ہے' اس بناء پر کیا تم اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے ایسی مثالیں پسند کرتے ہو کہ ان میں سے بعض تمہارے ساتھ شریک ہوں ﴿فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ تمہارے ان مالوں اور جائیدادوں میں جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَاَنْتُمْ﴾ سو تم آزادوں اور غلاموں کی تمام جماعتیں ﴿فِيْهِ﴾ اس رزق میں ﴿سَوَآءٌ﴾ آزاد اور غلام کے درمیان بغیر کسی تفریق کے تم سب برابر ہو کہ تمہارے غلام تمہارے مالوں میں اسی طرح تصرف و خرچ کریں جس طرح تم خود اپنے مالوں میں تصرف و خرچ کرتے ہو ﴿تَخَافُوْنَهُمْ﴾ تم ان سے ڈرتے ہو یعنی اے آقاؤں کی جماعت! تم اپنے مالوں میں

اپنے غلاموں کی برابری کی شرکت سے ڈرتے ہو کہ تم اس صورت میں ان کی اجازت کے بغیر اپنے اموال میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکو گے' محض ملامت کرنے والے کے خوف کی وجہ سے جو تمہیں ان کی طرف سے لاحق ہوگا [یہ "سواء" کی ضمیر فاعل سے حال ہے] ﴿كَخِيفَتِكُمْ﴾ "ای خيفة كخيفتكم" یعنی ایسا ڈر جیسے تم ڈرتے ہو ﴿أَنفُسَكُمْ﴾ اپنے لوگوں سے یعنی جس طرح آزاد لوگ مشترکہ اُمور میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں' سو جب تم اپنوں کے لیے یہ شرکت پسند نہیں کرتے تو تم تمام آزادوں اور غلاموں کے بادشاہ اور رب الارباب کے لیے اس کے بعض بندوں کو اس کا شریک کیوں کر ٹھہراتے ہو؟ ﴿كَذَٰلِكَ﴾ [کاف تشبیہ محلاً منصوب ہے] یعنی اس تفصیل کی طرح ﴿نُفَصِّلُ الْآيَاتِ﴾ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں یعنی ہم ان کو تفصیل کے ساتھ واضح کر کے بیان کرتے ہیں کیونکہ مثالوں کے ذریعے معانی کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور ان کی وضاحت کی جاتی ہے ﴿لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو مثالوں کے بیان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔

۲۹- پھر جب کفارِ مکہ کفر و شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض فرما لیا اور ارشاد فرمایا: ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ بلکہ جب لوگوں نے اپنی جانوں پر شرک کر کے ظلم کیا' جیسا کہ ارشاد ہے: "إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ O" (لقمان: ۱۳) "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے O"۔ انہوں نے پیروی اختیار کر لی ﴿أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اپنی خواہشات کی علم کے بغیر یعنی انہوں نے جہالت کی وجہ سے اپنی خواہشات کی پیروی کی ﴿فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ سو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہو' یعنی اصل میں "اضله الله" ہے ﴿وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾

سو آپ اپنا رخ زیبا دینِ حنیف پر قائم رکھیے' اللہ تعالیٰ کی خلقت وہی ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا' اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں' یہی سیدھا دین ہے' اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاؤ اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ O ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ کئی گروہ ہو گئے' ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے O

دینِ حنیف کو اپنانے کی تاکید اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۰- ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنا چہرۂ انور دینِ حق پر قائم رکھیں (یعنی) سو آپ اپنا چہرہ مبارک اس دین کی طرف سیدھا رکھیں اور برابر اسی کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھیں' اس سے اِدھر اُدھر' دائیں اور بائیں

اطراف توجہ مت کیجئے اور یہ حکم دراصل ایک تمثیل ہے' دین حق پر توجہ رکھنے کی اور اس پر پوری طرح قائم و دائم رہنے کی اور اس کی تبلیغ کے اسباب کے لیے اہتمام کرنے کی' کیونکہ جو شخص کسی چیز کا اہتمام کرتا ہے تو وہ اپنی نگاہ اسی پر مرکوز رکھتا ہے اور اپنی نظر اسی کی طرف سیدھی کر لیتا اور اپنا چہرہ اسی کی طرف سیدھا رکھتا ہے ﴿حَنِيفًا﴾ تمام باطل ادیان سے منہ موڑ کر دین حق پر قائم رہنے والا [یہ ماموراور دین سے حال ہے] ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ﴾ ''ای الزموا فطرة الله'' یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو' اور ''فطرة'' بہ معنیٰ ''خِلقت'' ہے' کیا تم نے ارشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ'' کی طرف نہیں دیکھا اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو توحید اور دینِ اسلام قبول کرنے والے' اس سے روگردانی نہ کرنے والے اور اس کا انکار نہ کرنے والے بنا کر پیدا کیا ہے' اس لیے کہ یہ دین عقل کے لیے جاذب ہے اور صحیح نظر کے لیے قائد و رہنما ہے' یہاں تک کہ اگر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دین اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے دین و مذہب کو اختیار نہیں کریں گے اور ان میں سے جو لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں' وہ صرف جن و انس کے شیطانوں کے اُکسانے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے' چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا کہ ''كُلُّ عِبَادِيْ خَلَقْتُ حُنَفَآءَ فَاجْتَالَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ عَنْ دِيْنِهِمْ وَاَمَرُوْهُمْ اَنْ يُّشْرِكُوْا بِيْ غَيْرِيْ'' میں نے اپنے تمام بندوں کو توحید پرست پیدا کیا' پھر شیطانوں نے انہیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور انہوں نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک ٹھہرائیں[1] اور حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَوَاهُ هُمَا اللَّذَانِ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ'' ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ ہی وہ لوگ ہیں جو اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں[2] اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ایمان باللہ پر پیدا کیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی تمام پیدا ہونے والی اولاد کو چیونٹیوں کی طرح نکالا اور ان کو ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنایا کہ بے شک وہ ان کا خالق و مالک ہے اور ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا'' (الاعراف:۱۷۲) ''اور جب آپ کے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں' سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی''۔ پس ہر بچہ اس اولاد میں سے ہے جس نے گواہی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق و مالک ہے' سو اللہ تعالیٰ کی ''فطرة'' اللہ تعالیٰ کا دین ہے ﴿الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا' یعنی ''فَطَرَ'' بہ معنیٰ ''خَلَقَ'' ہے ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی نہیں' یعنی یہ مناسب و لائق نہیں کہ اس فطرت کو تبدیل کر دیا جائے یا متغیر کیا جائے' اور زجاج نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین تبدیل نہیں ہوگا اور اس معنیٰ پر اس کے بعد آنے والا یہ کلام رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہ دین بڑا پکا اور مضبوط ہے یعنی یہ سیدھا دین ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۱- ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ اس کی طرف رجوع کرنے والے [یہ ''الزموا'' کی ضمیر سے حال ہے اور یہ ارشاد ''واتقوہ''

[1] رواہ مسلم فی کتاب الجنۃ' حدیث: ۶۳' واحمد فی مسندہ ج ۴ ص ۱۶۲

[2] رواہ البخاری فی کتاب الجنائز باب: ۹۲' ابوداؤد فی کتاب السنۃ باب: ۱۷' الترمذی فی کتاب القدر باب: ۵' الموطأ فی کتاب الجنائز حدیث: ۵۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۳۳-۱۷۵

"واقیموا" "ولا تکونوا" اس مضمر پر معطوف ہیں' یا ارشاد باری تعالیٰ "فاقم وجهك" سے حال ہیں] کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم حقیقت میں آپ کی امت کے لیے حکم ہے تو گویا فرمایا: "فاقیموا وجوهکم منیبین الیه" سوتم اپنے چہروں کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے سیدھا رکھو۔ یا تقدیر عبارت یوں ہے: "کونوا منیبین الیه" کہ تم اس کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ' اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ "ولا تکونوا من المشرکین" ﴿وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور تم اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو یعنی نماز کو اس کے اوقات میں صحیح طریقے پر ادا کیا کرو ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور تم شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں۔

۳۲- ﴿مِنَ الَّذِيْنَ﴾ [یہ "المشرکین" سے حرف جارہ کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے] ان لوگوں میں سے ﴿فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ﴾ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور انہوں نے اپنی مختلف خواہشات کے سبب مختلف دین بنا لیے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "فارقوا" ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے] یعنی انہوں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا ﴿وَكَانُوْا شِيَعًا﴾ اور وہ کئی گروہ بن گئے' ہر ایک گروہ اپنے پیشوا کی پیروی کرتا ہے' جس نے اسے گمراہ کیا ﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے (یعنی) ہر گروہ اپنے مذہب پر مسرور و خوش ہے اور وہ اپنے باطل مذہب کو حق گمان کرتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ اپنی طرف سے ان کو رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو عطا کی ہیں' سوتم زندگی کا لطف اٹھالو' پس عنقریب تم جان لو گے O یا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شریکوں کی گواہی دیتی ہے O

۳۳- ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے جیسے سخت کمزوری کا لاحق ہو جانا یا کوئی بیماری یا قحط یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف ﴿دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً﴾ تو وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں' پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انہیں رحمت کا مزہ چکھاتا ہے اور تکلیف سے نجات عطا کرتا ہے ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے۔

۳۴- ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں ["لیکفروا" میں یہ لام "کَی" کا ہے یا پھر وعید کے لیے لام امر ہے] ﴿فَتَمَتَّعُوْا﴾ سوتم اپنے کفر و شرک کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھالو [یہ امر وعید کا ہے] ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ سوتم عنقریب اپنے فائدہ اٹھانے کا وبال جان لو گے۔

۳۵- ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ ﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی حجت و دلیل نازل کی ہے' سو وہ (انہیں) بتلاتی ہے' اور اس حجت کا کلام کرنا اور بولنا مجاز ہے' جیسا کہ کہتے ہیں: ''کتابه ناطق بكذا'' کہ اس کی کتاب اس طرح بولتی ہے'' وهذا مما نطق به القرآن'' اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ قرآن مجید کلام کرتا ہے اور اس کا معنی ہے: گواہی دینا' گویا فرمایا: سو وہ ان کے شرک اور اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے ﴿ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴾ جس کے ساتھ شرک کرتے تھے [''مـا'' مصدر یہ ہے یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' یا ''مـا'' موصولہ ہے اور ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی پس وہ حجت اس امر کے ساتھ کلام کرتی اور گواہی دیتی ہے جس کے سبب وہ شرک کرتے ہیں] یا اس آیت مبارکہ کا یہ معنی ہے کہ کیا ہم نے ان پر گواہ نازل کیا ہے یعنی فرشتہ نازل کیا ہے جس کے ساتھ برہان و دلیل ہے' سو وہ فرشتہ اس برہان کے ساتھ شرک کی صحت کی گواہی دیتا ہے' جس کی وجہ سے یہ مشرکینِ مکہ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں' اور اگر ان کے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اسی وقت ناامید ہو جاتے ہیں O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور وہ تنگ بھی کر دیتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے O

۳۶- ﴿ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً ﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی کوئی نعمت عطا کرتے ہیں جیسے بارش کا بروقت برسنا یا خوش حالی و فراخ روزی کا حاصل ہو جانا یا صحت و تندرستی کا ہونا ﴿ فَرِحُوْا بِهَا ﴾ تو وہ لوگ اس پر خوش ہو کر اتراتے اور اکڑتے ہیں ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ ﴾ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یعنی کوئی مصیبت جیسے خشک سالی و قحط سالی یا غربت و تنگ دستی یا کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ﴾ ان کرتوتوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں (یعنی) ان کے گناہوں کی بدبختی کے سبب ﴿ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴾ تو وہ لوگ فوراً اسی وقت رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں [پس ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور شرط کا جواب ہے اور ''فـا'' کا نائب ہے کیونکہ یہ دونوں تعقیب (تاخیر) کے معنی میں مشترک ہیں]۔

۳۷- ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور وہ جس کا چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے' اللہ تعالیٰ نے (سوالیہ جملہ سے) ان پر انکار کیا ہے کہ بے شک وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی روزی فراخ کرنے والا ہے اور وہی روزی تنگ کرنے والا ہے تو اب انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہیں کرتے جن کی وجہ سے انہیں سختی کے ساتھ سزا دی جاتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت کے ساتھ ان کی طرف رجوع فرمالے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰

سو آپ قرابت دار کو اس کا حق عطا کر دیں اور مسکین اور مسافر کو یہ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں' اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیںO اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے' سو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور تم جو زکوٰۃ کا مال اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے دیتے ہو' سو یہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیںO وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا' کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو' اس کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک و برتر ہے جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیںO

صدقہ وزکوٰۃ دینے' سود سے بچنے اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ کفارِ مکہ کو جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی ہیں' وہ ان کے ان گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو اس کے بعد اب بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کا ادا کرنا واجب ہے اور بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کو ترک کرنا واجب و لازم ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ سو (اے محبوب!) رشتہ دار کو اس کا حق عطا کیجئے' اس کے ساتھ صلہ رحمی' صدقہ و خیرات اور نیکی کیجئے ﴿وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ﴾ اور مسکین و نادار اور مسافر کو بھی صدقہ و خیرات میں سے ان کا وہ حصہ عطا کیجئے جو ان کے لیے مقرر و فرض کر دیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ محارم کا نان ونفقہ واجب ہے (یعنی قریبی رشتہ داروں کو بوقت ضرورت کھانا کھلانا اور ان پر حسب استطاعت خرچ کرنا لازم ہے) جیسا کہ یہی ہمارا مذہب ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی مذکورہ بالا افراد کے حقوق ادا کرنا یہ ﴿خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی رضا چاہتے ہیں (''وجہ'' کا معنی ذات ہے' چہرہ نہیں) یعنی وہ لوگ اپنی نیکیوں میں خالص اس کی رضا چاہتے ہیں ﴿وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

۳۹- ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ اور تم سود لینے کے لیے جو مال لوگوں کو دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے' مطلب یہ ہے کہ تم جو مال سود کھانے کے لیے لوگوں کو سود کی شرح پر دیتے ہو تاکہ وہ

لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے اور تا کہ زیادہ ہوتا رہے اور ان کے مال میں اضافہ کرے ﴿فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ تو ایسا مال اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں بڑھتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اس میں برکت عطا کی جاتی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "ربا" سے یہاں حلال مال مراد ہے یعنی اور تم جو کچھ تحفے تحائف اپنے دوست احباب کو دیتے ہو تا کہ تم ان کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرو اور تا کہ لوگ تمہارے تحائف سے بڑھ کر تمہیں تحائف دیں' سو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں نہیں بڑھتے کیونکہ تم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ارادہ نہیں کرتے ﴿وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ اور تم زکوٰۃ میں سے (یعنی) صدقہ و خیرات میں سے جو کچھ دیتے ہو جب کہ تم اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو (یعنی) تم اس کے ذریعے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو' اس کے ذریعے بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتے اور نہ ریا اور دکھاوا چاہتے ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ تو یہی لوگ بڑھانے والے ہیں (یعنی) یہی لوگ اپنی نیکیاں کئی گنا بڑھانے والے ہیں اور "مضعف" کی نظیر "مقوی" اور "موسر" اور "یسار" ہے' جن کا معنی ہے: قوت والے (مال دار) [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر مد کے "اَتَیْتُمْ" ہے (جب کہ جمہور قراء کے نزدیک مد کے ساتھ "اٰتَیْتُمْ" ہے) یعنی اور جو کچھ تم سود دینے کے لیے چھپاتے ہو۔ نافع مدنی کی قراءت میں "لِیَرْبُوْا" کی بجائے "لِتُرْبُوْا" ("تا" مضموم اور واؤ ساکن باب افعال سے) ہے یعنی تا کہ تم ان کے مالوں میں اضافہ کرو' اور ارشاد باری تعالیٰ "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ" میں بہترین التفات ہے کیونکہ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے' گویا فرمایا گیا کہ جس نے یہ کام کیا تو اس کا طریقہ مخاطبین کا طریقہ ہے اور اصل میں "المضعفون به" ہے کیونکہ اس کے لیے ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ما موصولہ کی طرف لوٹتی ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ اصل میں "فاھلھا ھم المضعفون" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ و خیرات کرنے والوں کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا کیونکہ انہیں ایک نیکی پر دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا]۔

۴۰- پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودوں اور ان کے خداؤں کے عجز و بے بسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا [یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ﴾ پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا' یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے کے ساتھ صرف وہی مختص ہے ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ﴾ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے یعنی کیا تمہارے بتوں میں جن کو تم گمان کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ان میں کوئی ایسا ہے ﴿مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ جو ان کاموں میں سے یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے میں سے کچھ کر سکے یعنی ان کاموں میں سے کچھ کر سکے' سو جب انہوں نے عاجز آ کر کوئی جواب نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو محال و ناممکن قرار دے کر ارشاد فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ مشرکین کے من گھڑت شریکوں سے پاک و برتر ہے [اور "مِنْ" پہلا اور دوسرا اور تیسرا' ان میں سے ہر ایک مشرکین کے شریکوں (بتوں) کے عجز و بے بسی کی تاکید اور اپنے پرستاروں سے ان کی جہالت کی تاکید کرنے کے لیے مستقل ہے]۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ان گناہوں کے سبب جو لوگوں نے کمائے تا کہ وہ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے جو انہوں نے کیے تھے تا کہ وہ باز آ جائیں O فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو پھر غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' ان میں اکثر لوگ مشرک تھے O سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیں اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے O

گناہوں کے وبال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۴۱- ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا' جیسے قحط سالی وخشک سالی اور بارشوں کی قلت وبندش اور کھیتوں میں کیڑے وغیرہ پڑنا اور تجارت میں منافع کی کمی اور انسانوں اور جانوروں میں اموات کی کثرت اور سیلابوں کی کثرت اور غرقابی کی تباہی اور ہر چیز سے برکات کا ختم ہو جانا[1] ﴿بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ ان گناہوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے کمائے (یعنی) ان کے گناہوں اور ان کے کفر وشرک کے سبب (دنیا میں فتنہ وفساد برپا ہو گیا) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ'' (الشوریٰ: ۳۰) ''اور تمہیں جو کچھ مصیبت وتکلیف پہنچتی ہے تو اس کا سبب وہ جرائم ہیں جن کا تمہارے ہاتھوں نے ارتکاب کیا ہے''۔ ﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾

[1] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی حنفی نے دنیا میں فتنہ وفساد پھیلنے کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے چند احادیث نبوی بیان کی ہیں' عبرت وسبق کے حصول اور اصلاح معاشرہ کے پیش نظر یہاں ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) کسی قوم میں فحاشی وبے حیائی کا اعلانیہ ظاہر ہو جانا' اس قوم میں طاعون وغیرہ اور دردوں کی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

(۲) جب معاشرہ میں ناپ تول میں کمی اور لین دین میں بددیانتی عام ہو جاتی ہے تو گھریلو اور ملکی پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ظالم بادشاہ کا تسلط ہو جاتا ہے اور قحط وخشک سالی مسلط ہو جاتی ہے۔

(۳) زکوٰۃ ادا نہ کرنا' بارش کے بند ہونے کا سبب بن جاتا ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو بارش کبھی نہ ہوتی۔

(۴) جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی عہد شکنی کر کے بے وفا ہو جاتی ہے تو پھر اس سبب سے ان پر دشمنانِ دین کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(۵) جب کسی قوم میں لوگوں کے اموال وجائیدادوں کو ناحق لوٹا جاتا ہے اور حکمران قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر ان پر عمل کرنا ترک کر دیتے ہیں تو یہ جرائم ان میں باہمی جنگ وجدال' قتل وغارت اور خون ریزی کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۶) جب کسی ملک وقوم میں سودی کاروبار کی لعنت عام ہو جاتی ہے تو وہاں زلزلے اور زمین میں دھنسانے کے واقعات رونما ہو جاتے ہیں اور بعض بدکردار لوگوں کی بُرائیوں کی وجہ سے پوری قوم پر تکلیف دہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لہٰذا ان احادیث مبارکہ کے پیش نظر ہر انسان پر لازم ہے کہ دنیا میں امن وسکون قائم رکھنے اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارے' یہی بڑی کامیابی ہے۔ (تفسیر روح البیان' الجزء الحادی والعشرون' سورۃ الروم: ۴۱)

تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے جو انہوں نے خود کیے ہیں یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ اسی دنیا میں چکھا دے اس سے پہلے کہ آخرت میں انہیں تمام اعمال پر سزا دی جائے [قنبل کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''لِنُذِیْقَھُمْ'' ہے] ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ تا کہ وہ لوگ ان گناہوں سے باز آ جائیں جن کے ارتکاب پر گامزن ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی عبرت ناک سزا کے لیے گناہوں کو سبب قرار دینے کی درج ذیل ارشاد کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔

۴۲- ﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا ان میں اکثر لوگ مشرک تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ زمین میں سیر و سیاحت کریں اور چل پھر کر غور سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو کیسے ہلاک کیا اور ان کو ان کے گناہوں کے سبب کیسی بدترین سزا کا مزہ چکھایا۔

۴۳- ﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ ﴾ سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیے۔ ''قیم'' کا معنی ہے: بہت سیدھا راستہ جس میں بالکل ٹیڑھا پن نہ ہو ﴿ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ ﴾ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کو کسی صورت میں ٹالا نہیں جا سکتا۔ ''مَرَدّ'' یہ مصدر ہے بہ معنی رد کرنا اور واپس کرنا ﴿ مِنَ اللَّهِ ﴾ [یہ ''یاتی'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دن آ جائے جس کو کوئی نہیں ٹال سکتا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا'' (الانبیاء: ۴۰) ''سو وہ لوگ اس کو ٹال نہیں سکیں گے'' [یا یہ ''مَرَدّ'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی نہیں ٹالے گا' اس کے بعد کہ اس کے لانے کا فیصلہ کر چکا ہے اور نہ اس کی طرف سے اسے کبھی ٹالا جا سکے گا ﴿ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴾ اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے' اصل میں ''یتصدعون'' ہے یعنی قیامت کے دن لوگ نیک و بد ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے (نیک جنت میں اور بدکار دوزخ میں جائیں گے)۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾

جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا' اور جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں O تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو نیک جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا O اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور تا کہ وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو O

۴۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے نیاز اور بے پرواہ ہونے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ﴾

جس نے کفر اختیار کر لیا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا یعنی اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ یَمْهَدُوْنَ ﴾ اور جن لوگوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں یعنی وہ اپنی ہی جانوں کے فائدے کے لیے نیک عمل کرتے ہیں' جو بھی اپنی جان کے لیے تیاری کرتا ہے' وہ اپنا بستر تیار کرتا ہے اور اسے سنوارتا ہے تا کہ اس کے لیٹنے کی جگہ میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اس کی قبر کو مکدر و بدمزہ کر دے' جیسے سوجنا اور شکل وصورت تبدیل ہونا وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کے سبب ان کے لیے جنت تیار کی جارہی ہے' سو اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی اور ظرف کی تقدیم دونوں جگہ میں اس پر رہنمائی کرنے کے لیے کی گئی ہے کہ کفر کا ضرر اور اس کا نقصان صرف کافر کی طرف لوٹے گا' صرف اسی کو کفر کا نقصان پہنچے گا کسی اور کو نہیں اور ایمان اور نیک عمل کا نفع صرف مؤمن کی طرف لوٹے گا' اس کے سوا کسی اور کو یہ نفع اور فائدہ نہیں پہنچے گا۔

۴۵- ﴿ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اپنے فضل یعنی اپنی عطا سے جزا دے [''لیجزی''، ''یمهدون'' کے متعلق ہے اور اس کی تعلیل ہے جب کہ ضمیر کی بجائے ''الذین امنوا وعملوا الصالحات'' کی تصریح اس بات کی تقریر کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مؤمن فلاح اور نجات حاصل کرے گا] ﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کافروں کو دھتکارنے اور ان کے ساتھ برعکس معاملہ کرنے کے لیے ایک تقریر کے بعد دوسری تقریر ہے (کہ مؤمن کو جنت اور کافر کو دوزخ میں جانا ہوگا)۔

۴۶- ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیٰحَ ﴾ کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے' یہ جنوب اور شمال اور صباء (مشرق سے چلنے والی) کی ہوائیں ہیں اور یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اور لیکن دبور (پچھوائی) کی ہوا عذاب کی ہوا ہے اور اسی سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِیَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِیْحًا''[1] اے اللہ! اس کو ریاح (رحمت کی ہوا) بنا اور اس کو ریح (عذاب کی ہوا) نہ بنا' اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بھیجنے کے کئی فائدے گنوائے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ مُبَشِّرٰتٍ ﴾ خوش خبری دینے والی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہواؤں کو بارش کی خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے ﴿ وَّلِیُذِیْقَکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے یعنی وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھانے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے اور وہ بارش کا برسانا مراد ہے اور اس زرخیزی کا حصول مراد ہے جو بارش کے بعد ہے اور اس راحت وسکون کا حصول مراد ہے جو ہوا کے چلنے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے' نیز زمین وغیرہ کا تر وتازہ ہو جانا [''ولیذیقکم''، ''مبشرات'' پر معطوف ہے' اس معنی کی بناء پر کہ گویا فرمایا گیا: تا کہ وہ تمہیں خوش خبری دے اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے] ﴿ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْکُ ﴾ اور تا کہ ہواؤں کے چلنے کے وقت سمندر میں کشتیاں چلیں ﴿ بِاَمْرِهٖ ﴾ اس کے حکم سے یعنی اس کی تدبیر اور اس کی تکوین سے' جیسے ارشاد ہے: ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ O'' (یٰسین: ۸۲) ''بے شک اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے: ہو جا' تو وہ فوراً ہو جاتی ہے O'' ﴿ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے بحری تجارت مراد ہے ﴿ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴾ اور تا کہ تم اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

---

[1] رواہ ابو یعلی: ۲۴۵۶' والطبرانی کما فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۶-۱۳۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے' پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا انتقام لیا اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہےO اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں' پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے' سو آپ اس کے اندر سے مینہ نکلتا ہوا دیکھتے ہیں' پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر وہ چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے تو وہ اس وقت خوشیاں مناتے ہیںO

۴۷- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کے پاس بھیجا' سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے یعنی پس ایک گروہ ان پر ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا اور اس مضمر اور اضافی کلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ﴾ پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا' انتقام و بدلہ لے لیا یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا' ان کو دنیا میں ہلاک کر کے ہم نے بدلہ لے لیا ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہمارے ذمہ کرم پر مسلمانوں کی مدد کرنا واجب و لازم ہے یعنی مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر واجب و لازم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کو رسولوں کے ساتھ نجات دی جائے اور کبھی ''حَقًّا'' پر وقف کیا جاتا ہے اور اس کا اب معنی یہ ہوگا: اور اس کی طرف سے بدلہ لینا واجب و لازم ہے' پھر آغاز کیا جائے گا کہ ''علينا نصر المؤمنين'' ہم پر مسلمانوں کی مدد کرنا لازم ہے اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔

۴۸- ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''الريح'' ہے] ﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾ سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں ﴿فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ اس بادل کو آسمان کی سمت میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ'' (ابراہیم: ۲۴) ''اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں'' ﴿كَيْفَ يَشَآءُ﴾ وہ جس طرح چاہتا ہے شمال کی جانب سے یا جنوب کی جانب سے یا دبور کی جانب سے یا صبا کی جانب سے ﴿وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا﴾ اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے [''كِسَفٌ''، ''كِسْفَةٌ'' کی جمع ہے' بہ معنی بادل کا ٹکڑا] یعنی اللہ تعالیٰ اس کو پھیلا دیتا ہے' کبھی آسمان کی طرف سے لیتا ہے اور کبھی بغیر پھیلائے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے جدا جدا کر دیتا ہے [یزید اور ابن ذکوان کی قراءت میں سین

ساکن کے ساتھ ''کِسْفًا'' ہے] ﴿ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ﴾ سو آپ بارش کو دیکھیں گے کہ وہ تمام حالتوں میں اس کے اندر یعنی اس کے درمیان میں سے نکلتی ہے ﴿ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش کو پہنچا دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے شہروں اور ان کی زمینوں پر پہنچا دیتا ہے ﴿ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ تو وہ اسی وقت فوراً خوشیاں مناتے ہیں (یعنی) وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اگرچہ ان پر اس کے اتارے جانے سے پہلے ہی وہ ناامید ہو چکے تھے O سو تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھو کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے' بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O اور اگر ہم نقصان دِہ ہوا بھیج دیں اور وہ کھیتی کو زرد دیکھ لیں تو وہ ضرور اس کے بعد بھی کفر کریں گے O سو آپ (دلوں کے) مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں O اور آپ (دل کے) اندھوں کو گمراہی سے ہدایت پر نہیں لا سکتے' آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' سو وہ تو فرماں بردار ہیں O

۴۹- ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ ﴾ اور اگرچہ ان پر بارش کے اتارنے اور برسانے سے پہلے وہ ﴿ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ اس سے پہلے' تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا'' (الحشر:۱۷) ''سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہوں گے' وہ دونوں اس میں ہمیشہ رہیں گے'' اور تاکید کا معنی اس میں یہ ہے کہ اس بات پر دلالت کرنا کہ بارش نہ برسنے کا زمانہ ان پر لمبا ہو گیا ہے' پس اس لیے ان کی مایوسی مستحکم ہو گئی' سو اس بارش کی خوشی ان کے غم کی مقدار پر ہو گی ﴿ لَمُبْلِسِيْنَ ﴾ البتہ مایوس ہو گئے۔

۵۰- ﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش کی نشانیوں کی طرف دیکھئے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اٰثار'' (جمع) ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''اثر'' (مفرد) ہے] ﴿ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہونے کے بعد پودوں' درختوں' سبزہ جات اور مختلف اقسام کے پھلوں کے ساتھ کس طرح زندہ کر دیتا ہے ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ ﴾ بے شک وہ یعنی اللہ تعالیٰ ﴿ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ ضرور مُردوں کو زندہ کرے گا یعنی بے شک وہ قادر خدا جو زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے' وہی انسانوں کو ان کے

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا' پس یہ بے جان وغیرآباد اور بنجر چیزوں کے زندہ کرنے کے ذریعے مُردوں کے زندہ کرنے پر استدلال ہے ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' یعنی اور وہ مقدورات میں سے ہر چیز پر قادر ہے اور یہ مُردوں کو زندہ کرنا مقدورات میں سے ہے' دلیل یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

۵۱- ﴿ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا ﴾ اور اگر ہم ہوا کو بھیج دیتے یعنی دبور (عذاب کی ہوا) ﴿ فَرَاَوْهُ ﴾ اور وہ (کفار) اسے دیکھ لیتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی کو دیکھ لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد بارش ہے اور اس کی نشانی ہرے بھرے پودے' درخت اور سبزہ جات ہیں اور جس نے جمع کے ساتھ (فَرَاَوْهُمْ) پڑھا ہے' اس نے ضمیر کو اس کے معنی کی طرف لوٹایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا معنی ''نبات'' ہے اور ''نبات'' کا اسم قلیل اور کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے' اس لیے کہ یہ مصدر ہے جب کہ زمین سے اگنے والی ہر چیز کو ''نبات'' کہا جاتا ہے ﴿ مُصْفَرًّا ﴾ (یعنی اگر کفارِ مکہ اپنی اپنی کھیتی کو) اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھ لیتے (تو ناامید ہو کر کفر کرتے) اور ''مُصْفَرًّا'' اس لیے فرمایا کہ یہ زرد رنگ حادثاتی طور پر پیدا ہوا اور بعض مفسرین نے فرمایا (کہ اس کا معنی یہ ہے:) کفارِ مکہ بادل کو زرد دیکھ لیتے کیونکہ زرد بادل بارش نہیں برساتا [اور ''وَلَىِٕنْ'' میں لام قسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اسے حرفِ شرط پر داخل کیا گیا ہے اور قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام ''لَظَلُّوْا'' ہے]اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''لَیَظَلُّنَّ'' ﴿ لَظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴾ البتہ وہ اس کے بعد ضرور کافر ہو جائیں گے یعنی کھیتی کے زرد ہو جانے کے بعد یا خوشی کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت مبارکہ میں) ان کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جب ان پر بارش برسنا رُک جاتی ہے تو وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور وہ ناامید ہو کر اپنی ٹھوڑیاں اپنے سینوں پر ڈال دیتے ہیں' پھر جب اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت (بادل) پہنچاتا ہے اور انہیں بارش عطا کرتا ہے تو وہ بہت خوش ہو کر اتراتے ہیں' پھر جب وہ ہلاکت خیز ہوا بھیجتا ہے اور ان کے ہرے بھرے لہلہاتے سبز کھیتوں کو زرد و پیلا کر دیتا ہے تو وہ تنگ دل ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر دیتے ہیں' پس ان تمام حالات میں بُری صفت پر گامزن رہتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فضل و کرم پر بھروسا رکھتے' مگر وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور ان پر لازم تھا کہ بارش کی نعمت پر شکر ادا کرتے اور اس پر اس کی حمد و ثناء کرتے اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتے اور اس کی مصیبت پر صبر کرتے' لیکن وہ کفر کرتے تھے۔

۵۲- ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ''ای موتی القلوب'' یعنی آپ دلوں کے مردوں (کفار) کو نہیں سنا سکتے یا یہ (کفارِ مکہ) مُردوں کے حکم میں ہیں' سو آپ یہ امید نہ رکھیں کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔[1]

---

[1] واضح ہو کہ سماعِ موتی کے منکرین اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب انسان مر جاتے ہیں تو وہ زندوں کی پکار نہیں سن سکتے حالانکہ یہ استدلال چند وجوہ سے غلط ہے: (ا) ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں اور سورۃ النمل کی آیت مبارکہ: ۸۰ میں موتی سے وہ مُردے مراد نہیں جن کی روح جسم سے خارج ہو جانے کی وجہ سے مُردہ کہلاتے ہیں' بلکہ یہاں موتی سے کفارِ مکہ مراد ہیں جن کی روحیں ان کے جسموں میں موجود تھیں اور عرفی معنی میں زندہ تھے مگر چونکہ انہوں نے مقصدِ زندگی کو نہیں پایا یعنی وہ دینِ اسلام قبول نہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل نہیں کر سکے' اس لیے وہ دل کے مُردہ ہیں' چنانچہ مفسرین کرام نے موتی سے یہی معنی مراد لیا ہے' چند حوالے ملاحظہ ہوں: تفسیر مدارک التنزیل الجزء الثالث ص ۲۶۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' ج ۲ ص ۲۰۶' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' ج ۲ ص ۳۱۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر معالم التنزیل الجزء الثالث' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سکتا ہے لیکن جب وہ پشت پھیر لے تو وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ اشارے سے سمجھ سکتا ہے [ابن کثیر کی قراءت میں ''وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ'' ہے یعنی خود بہرا آدمی پکار کو نہیں سن سکتا (یعنی ''لَا يَسْمَعُ'' باب افعال کی بجائے باب ''سَمِعَ يَسْمَعُ'' سے ہے نیز مخاطب کی بجائے غائب ہے اور ''اَلصُّمُّ'' مفتوح کی بجائے مضموم ہے)]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ مُردوں کے سننے کا ثبوت تو خود قرآن مجید میں مل جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا'' (البقرہ:۲۶۰) ''(اے ابراہیم!) پھر تم ان (ذبح شدہ پرندوں) کو بلاؤ وہ تمہارے پاس تیزی سے چل کر آئیں گے'' اس آیت مبارکہ کے اس مذکورہ حصہ سے تین مسائل ثابت ہو رہے ہیں: ایک مُردوں کو پکارنے کا جواز' دوسرا مُردوں کے سننے کا جواز' تیسرا پکارنے والے کے پاس آنے کا جواز۔ ''وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَO'' (الزخرف:۴۵) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائےO''۔ یہاں اس آیت کریمہ کے تحت ایک یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ قول ایک تو اس لیے درست نہیں ہے کہ یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی جب کہ اہل کتاب مدینہ منورہ میں رہتے تھے' دوسرا یہ کہ اس آیت مبارکہ میں ''مِنْ رُّسُلِنَا'' کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براہِ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کو براہِ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس' ابن جبیر' زہری اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ شب معراج تمام انبیاء و رسل کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ آپ اپنے سے پہلے انبیائے کرام سے دریافت کیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کی عبادت کی اجازت دی ہے۔ حضور نے فرمایا: مجھے تعلیماتِ الٰہی کافی ہیں اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیائے کرام توحید کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے رہے۔ (روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص۸۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۱' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۵۳' مدارک التنزیل ج ۲ ص ۵۲۶' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر صاوی الجزء الرابع ص ۵۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبہ مصطفےٰ البابی' مصر)

تنبیہ: لہٰذا دیگر احتمالات مراد لینے میں ایک تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی' دوسرا ظاہر کلام سے عدول لازم آئے گا' تیسرا حدیث کے مقابلے میں رائے لازم آئے گی۔

''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَOفَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَO'''' سو ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا' پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئےO پھر حضرت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میرے قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی لیکن تم نے نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کیاO'' اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مُردے سنتے ہیں کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کی موت کے بعد یہ کلام اور خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو بعد وفات دور سے بھی سن لیتے ہیں' اسی لیے ہر نمازی حضور ﷺ کو التحیات میں سلام کرتا ہے حالانکہ جو سلام نہ سن سکے' اسے سلام کرنا منع ہے جیسے سویا ہوا یا بے ہوش' ایسے ہی جو سلام کا جواب نہ دے سکے اسے بھی سلام کرنا منع ہے جیسے نماز میں یا قضائے حاجت میں مشغول۔ (تفسیر نور العرفان ص ۲۵۵' حاشیہ قرآن' مطبوعہ پیر بھائی کمپنی' لاہور) امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہاں دو قول ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵۳- ﴿وَمَآ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡىِ﴾ اور آپ اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے یعنی دلوں کے اندھوں کو آپ ہدایت نہیں دے سکتے [حمزہ کی قراءت میں (فعل مضارع معروف مخاطب کے ساتھ) ''وَمَا تَهۡدِى الۡعُمۡىَ'' ہے] ﴿عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ﴾ ان کی گمراہی سے یعنی آپ کے لیے ممکن نہیں کہ آپ اندھوں کو ایسے راہِ راست کی طرف ہدایت دیں جس سے وہ گمراہ ہو چکے ہیں اپنی طرف سے ان کو اس راہِ حق کی طرف اشارہ کر کے ﴿اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو (سنا سکتے ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرماں بردار ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پہلا قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے خطاب وکلام فرمایا' ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان کی ترتیب میں قوم کی ہلاکت کا ذکر پہلے ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کے خطاب اور گفتگو کا ذکر بعد میں ہے' جس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کے بعد مردوں سے نداء اور گفتگو کی گئی' دوسری وجہ یہ ہے کہ ''فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ'' میں حرف ''فا'' ہے: ''وَاِنَّ الۡفَآءَ مِمَّا تَدُلُّ عَلَى التَّعۡقِيۡبِ'' اور بے شک حرف ''فا'' ان حروف میں سے ہے جو تاخیر (التعقیب مع الوصل) پر دلالت کرتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ قوم کی ہلاکت مقدم اور پہلے ہے اور خطاب وکلام مؤخر اور بعد میں ہوا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خطاب اور کلام قوم کی ہلاکت سے پہلے ہوا ہے لیکن اس صورت میں اس واقعہ کی ترتیب قائم نہیں رہے گی بلکہ تقدیم وتاخیر لازم آئے گی اور حرف ''فا'' کا معنی اپنی جگہ صحیح نہیں رہے گا بلکہ غلط ہو جائے گا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

اعتراض: قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے خطاب کیسے فرمایا؟ جواب: جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بدر کے مقتولوں سے خطاب وکلام فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثامن ص ۱۶۶۔۱۶۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۷۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت) شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: کہتے ہیں کہ حضرت صالح اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا: یا تو اسی طرح جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا جیسے شعراء' دیار وطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات کی مرعی (رعایت) نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۲۰۷' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

''فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ ۚ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ○'' (الاعراف: ۹۳) ''پھر حضرت شعیب علیہ السلام ان سے منہ پھیر کر روانہ ہوئے اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' سو اب میں کافروں پر غم کیسے کروں ○''۔ یعنی جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آ چکا تو پھر آپ نے وہاں سے روانگی کے وقت ان سے یہ خطاب فرمایا۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۷۴۳' قدیمی کتب خانہ' کراچی' تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۸۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی نظیر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت میں پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء التاسع ص ۸۔۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: سماعِ موتی کے ثبوت کی احادیثِ مبارکہ وغیرہ ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفاطر: ۲۲ کے تحت پیش کی جائیں گی' وہیں مطالعہ فرمائیں۔

احکام وادامر کے مطیع وفرماں بردار ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ۭ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا' پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت عطا کی' پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا' وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور وہ سب کچھ جاننے والا بہت قدرت رکھنے والا ہے O اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی' وہ اسی طرح پھر جایا کرتے تھے O اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا' وہ کہیں گے: بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حشر کے دن تک رہے ہو' سو یہ حشر کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے O سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے راضی نامہ قبول نہیں کیا جائے گا O

انسان کی زندگی کے تین مدارج اور قیامت میں کفار کی رسوائی کا بیان

۵۴۔ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے (یعنی) نطفہ سے پیدا فرمایا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ O فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ O'' (المرسلات:۲۱-۲۰) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا O سو ہم نے اسے محفوظ جگہ میں رکھا O''۔

﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے کمزوری کے بعد قوت دی یعنی (بچپن کی کمزوری کے بعد) جوانی کا حال اور سخت و مضبوط بالغ کیا ﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا دیا اور بہت بڑی عمر کا بنایا ﴿ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ﴾ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (یعنی) کمزور اور طاقتور اور جوان اور بوڑھا ﴿ وَهُوَ الْعَلِیْمُ ﴾ اور وہ ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے ﴿ الْقَدِیْرُ ﴾ وہ ان کو تبدیل کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے اور احوال میں یہ تبدیلی خوب واضح دلیل ہے' صانع علیم و قدیر ذات پر [اس آیت کریمہ میں تمام جگہ عاصم اور حمزہ کی قراءت میں '' ضعف '' میں ضاد پر فتح (زبر) ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ضمہ (پیش) ہے اور حضرت حفص نے اسی قراءت کو اختیار کیا اور یہ دونوں لغتیں درست ہیں' لیکن ضمہ کی قراءت زیادہ قوی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے '' مِنْ ضَعْفٍ '' (ضاد پر زبر) پڑھا تو آپ نے مجھے '' مِنْ ضُعْفٍ '' (ضاد پر پیش) پڑھایا]۔

۵۵- ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن ساعت یعنی قیامت قائم ہوگی اور قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا کی ساعتوں اور گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہوگی یا اس لیے کہ یہ اچانک واقع ہوگی' جیسے تم جس سے جلدی کام کرانا چاہتے ہو تو کہتے ہو: ''فِیْ سَاعَةٍ'' کہ جلدی اور اسی وقت کرؤ اور اب ''ساعة''،''قیام'' کا اسم علم (ذاتی نام) ہوگیا ہے جیسے ''النجم'' ہر ستارے کی بجائے صرف ثریا کا اسم علم (ذاتی نام) ہوگیا ہے ﴿يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ مجرم و گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے (یعنی) کفار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں یا پھر دنیا میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور وہ لوگ قبروں میں یا دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے اور قیامت کی سختیوں میں اس دن طویل و دراز قیام کی وجہ سے اسے بہت ہی تھوڑا خیال کریں گے یا وہ بھول جائیں گے یا پھر وہ جھوٹ بولیں گے [''یقسم المجرمون'' پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ''ما لبثوا غیر ساعة'' قسم کا جواب ہے] ﴿كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ﴾ اسی طرح وہ پھر جایا کرتے تھے یعنی جس طرح آج قیامت میں قسمیں کھا کر جھوٹ بول رہے ہیں' اسی طرح یہ کافر دنیا میں بھی سچ سے جھوٹ کی طرف پھر جایا کرتے تھے اور زندگی کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور بس اور ہم آخرت میں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔

۵۶- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ﴾ اور جن لوگوں کو علم دین اور ایمان عطا کیا گیا' وہ کہیں گے اور وہ فرشتے ہوں گے یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین ہوں گے ﴿لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم میں جو لوحِ محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلہ میں قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ کفار نے جو کچھ کہا اور اس پر قسمیں کھائیں' مسلمانوں نے ان کی تردید کر دی اور انہوں نے انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا' پھر مسلمانوں نے اٹھنے کے دن سے انکار کرنے پر کفار کو ڈانٹتے ہوئے اس کو اپنے (درج ذیل) قول سے ملا دیا: ﴿فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ سو یہ ہے اٹھنے کا دن (یعنی قیامت کا دن) لیکن تم دنیا میں نہیں جانتے تھے کہ یہ حق ہے کیونکہ تم نے حق کی طلب اور اس کی پیروی کرنے میں بہت کوتاہی کی تھی [یہ ''فا'' شرط کے جواب کے لیے ہے جس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے اور اس کی مقدر عبارت یوں ہے:] ''ان کنتم منکرین البعث فهذا یوم البعث الذی انکرتموه'' (یعنی) اگر تم مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے تو یہ ہے اٹھنے کا وہ دن جس کا تم نے انکار کیا تھا۔

۵۷- ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ﴾ سو اس دن ظالموں (یعنی) کافروں کو ان کی معذرت و عذر نفع نہیں دے گی [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''لا ینفع'' ہے] ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اور ان سے رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کر کے اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر لو' جیسے کہا جاتا ہے: ''استعتبنی فلان فاعتبته'' یعنی فلاں آدمی نے مجھ سے رضا مندی طلب کی تو میں نے اسے راضی کیا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ
لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ

﴿ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ ۶۰ ع ۷

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی آیت لائیں تو کافر لوگ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں ہو مگر باطل پر O اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے O سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ آپ کو سبک نہ کریں جو یقین نہیں رکھتے O

قرآن مجید کی فضیلت' کفار کی مذمت اور صبر کا حکم

۵۸ - ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی آیت پیش کریں گے تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے' وہ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں مگر باطل پر' یعنی اور البتہ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر مضمون اور ہر ایک مسئلہ کو اس قدر خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ گویا وہ اپنے عجیب و غریب اور اپنے انوکھا و نرالہ ہونے میں ایک معیاری مثال ہے اور ہم نے ان پر ہر ایک واقعہ کو عجیب شان کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے قیامت کے دن اٹھائے جانے والوں کی صفت و کیفیت اور ان کے قصے کا بیان اور وہ جو کچھ وہاں کہیں گے اور جو کچھ ان سے کہا جائے گا اور ان کی جو معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے جو ان کی رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس وقت توبہ کے ذریعے ان کا راضی نامہ قبول کیا جائے گا اور لیکن ان کے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ جب بھی آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت مبارکہ پیش کرنے کے لیے لائیں گے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ آپ جھوٹ اور باطل چیز ہمارے پاس لے کر آئے ہیں۔

۵۹ - ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے' یعنی اس چھاپ کی طرح اور وہ مہر لگانا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے صرف ان جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جن کے بارے میں اپنے اختیار سے گمراہی پر چلنا اس کے علم میں آ چکا ہے' یہاں تک کہ وہ لوگ حق پرستوں کو باطل پرست اور اہل حق کو اہل باطل قرار دے دیتے ہیں اور وہ لوگ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں ذلیل ترین ہوتے ہیں۔

۶۰ - ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ سو آپ ان کی اذیتوں اور تکلیفوں یا ان کی عداوت و دشمنی پر صبر کیجئے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا اور دین اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا کرے گا' سچا اور برحق ہے' وہ ہر حال میں اپنے وقت آنے پر ضرور پورا ہوگا اور اس وعدہ کا وفا ہونا لازم ہے ﴿ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ کر دیں یعنی جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو خفت و ہلکے پن اور ان کے خلاف عذاب کی دعائے ضرر کرنے کی جلد بازی پر برانگیختہ نہ کر دیں یا وہ جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں' اس کی وجہ سے آپ کو خفت و ہلکے پن اور بے چینی و گھبراہٹ پر برانگیختہ نہ کر دیں کیونکہ وہ لوگ یقیناً گمراہ ہو چکے ہیں' حق میں بہت شک کرنے والے ہیں' ان سے یہ بات بعید نہیں [قاری یعقوب کی قراءت میں نون ساکن کے ساتھ "وَلَا يَسْتَخِفَّنْكَ" ہے]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۂ لقمان مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی چونتیس آیات' چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝٢ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝٣ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٦

الم○ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں○ نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں○ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں○ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ اپنی بے علمی کی وجہ سے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں' اور اسے ہنسی مذاق بنا لیں' انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے○

نیک مسلمانوں کے لیے جنت کی بشارت اور قرآن سے تکبر کرنے والے موسیقاروں کے لیے...... ذلت ناک عذاب کا بیان

۲'۱- ﴿الٓمّٓ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ ''حکیم'' بہ معنی ''ذی الحکمۃ'' یعنی حکمت والی کتاب ہے یا پھر کتاب کو اسناد مجازی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ہدایت اور رحمت ہیں [یہ دونوں آیات سے حال ہیں اور ان کا عامل ''تلك'' میں اشارہ کا معنی ہے۔ حمزہ کی قراءت میں یہ دونوں اس بناء پر مرفوع ہیں کہ ''تلك'' مبتدا ہے اور ''ایات الکتاب'' اس کی خبر ہے اور ''ھدی ورحمۃ'' خبر کے بعد خبر ہیں یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہیں] ''ای ھو اوھی ھدی ورحمۃ'' ﴿لِّلْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی وہ کتاب یا وہ آیتیں جو نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں مذکورہ نیکیوں پر عمل کرتے ہیں:

٤- ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کی نظیر اوس کا یہ قول ہے کہ ''المعی'' وہی شخص ہے جو تجھے یقین سے جانتا ہے جیسا کہ اس نے دیکھا اور سنا ہے' یا یہ معنی ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے جو ان تمام کاموں پر عمل کرتے ہیں جو اچھے اور نیک کام ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان تین صفات کی فضیلت کی بناء پر ان پر قائم رہنے والوں کو مخصوص کر لیا۔

[illegible]

شانِ نزول: یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور [illegible] ایران سے [illegible] کہانیاں لکھی ہوئی کتابیں خرید کر لاتا اور قریش کو پڑھ کر سناتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے کہانیاں سناتے ہیں، میں تمہیں بادشاہوں کے قصے کہانیاں سناتا ہوں، چنانچہ لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف راغب و مائل ہو جاتے اور قرآن مجید کو سننا چھوڑ دیتے اور "لھو" ہر وہ باطل مشغلہ ہے جو نیکی اور بھلائی سے غافل و لاپروا کر دے [illegible] غافل کر دے جو آدمی چاہتا ہے اور "لھو الحدیث" رات کو لوگوں کے ساتھ بے اصل قصے کہانیاں بیان کرنا اور گانے گانا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں قسم کھا کر فرماتے تھے کہ "لھو الحدیث" سے گانے گانا مراد ہے اور بعض مفسرین علمائے اسلام نے فرمایا کہ گانا گانا دل کو فاسد کر دیتا ہے اور مال و دولت کو ضائع کر دیتا ہے اور رب تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے ان میں سے ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر، سو وہ دونوں اس کو اپنے پاؤں مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] رواہ الطبرانی کمافی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۱۹

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ عادتیں اپنا لے گی تو اس پر بلاؤں اور مصیبتوں کا نزول شروع ہو جائے گا' آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ کون سی عادتیں ہیں؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: (۱) جب مالِ غنیمت کو ذاتی دولت بنالیا جائے گا (۲) اور امانت کو لوٹ کا مال بنالیا جائے گا (۳) اور زکوٰۃ کو تاوان وجرمانہ قرار دیا جائے گا (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا (۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا (۷) اور اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی (۹) اور سب سے زیادہ رذیل (کمینے) شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا (۱۰) شریر آدمی کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی (۱۱) اور شرابیں پی جائیں گی (۱۲) ریشم پہنا جائے گا (۱۳) اور گانے والیوں کو (۱۴) اور موسیقی کے آلات کو اپنایا جائے گا (۱۵) اور اس امت کے بعد میں آنے والے اپنے سے پہلے لوگوں کو بُرا کہیں گے' اس وقت تم سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسنے (زلزلوں) کا اور مسخ (شکلیں بگڑنے) کا انتظار کرو۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۴۸ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والی لونڈیوں کو نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو اور نہ انہیں گانے کی تعلیم دو اور نہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی ہے اور ان کی قیمت وصول کرنا حرام ہے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے ناچنے گانے والی لونڈی اس لیے خریدی کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس سے گانا سنے گا اور اس کا ناچ وغیرہ دیکھے گا' یہ شخص جب مر جائے گا تو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ موسیقی کی کمائی اور کتے کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۴۸ ۔ ۲۴۷ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۰ ۔ ۴۸۹ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۶۸ 'مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور''اشتراء''،''شراء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: خریدنا' جیسا کہ نضر بن حارث کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے یا اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے کہ''اِشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ''(آل عمران: ۱۷۷)''انہوں نے ایمان کے عوض میں کفر خرید لیا'' یعنی انہوں نے ایمان کو کفر میں تبدیل کر لیا اور انہوں نے کفر کو ایمان پر پسند کر لیا یعنی انہوں نے باطل بات کو حق بات پر اختیار کر لیا [اور''لھو'' کی اضافت''الحدیث'' کی طرف بیانیہ بہ معنی''مِنْ'' ہے] کیونکہ''لھو''، ''حدیث''(بات) بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی عمل بھی''لھو'' ہوتا ہے (جیسے کرکٹ وغیرہ مختلف کھیل) سو''لھو'' کو''حدیث'' کے ساتھ بیان کر دیا اور یہاں''لھو الحدیث'' سے بُری بات مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ گانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے' جس طرح پانی سبزہ اُگاتا ہے۔
(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۶۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مظہری نقشبندی پانی پتی لکھتے ہیں کہ گانے گانا حرام ہے' ایک تو اس آیت مبارکہ کی وجہ سے کیونکہ یہ''لھو الحدیث''(بے ہودہ کلام) ہیں' دوسرا ان احادیث مبارکہ کی وجہ سے جن کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے (جن سے گانے گانا حرام قرار دیا گیا ہے) اور صوفیائے کرام نے فرمایا کہ (۱) جس شخص کا دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہو اور اسی کی یاد میں اس قدر منہمک ہو کہ اس کا دل غیر اللہ کی یاد سے خالی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو (۲) اور صوفیانہ کلام گانے والا شخص محل شہوت نہ ہو (یعنی عورت اور نابالغ لڑکا نہ ہو) (۳) اور محفل سماع اغیار (نا اہل اللہ) سے خالی ہو (۴) نماز وغیرہ کا وقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے سماع جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ صوفیانہ کلام کے سماع کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے دل میں پوشیدہ جامد و ساکن محبت کی آگ متحرک و مشتعل ہو جاتی ہے (اور اللہ تعالیٰ اور اہل اللہ سے عقیدت و محبت دوچند ہو جاتی ہے) اور یہی محبت عوام کے حق میں حرمت سماع کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ عوام کے دل عورتوں اور لڑکوں کی محبت میں مشغول ہوتے ہیں' سو اس لیے سماع کے وقت ان کی یہ محبت مشتعل ہو جاتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے اور لیکن جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے غیر سے خالی ہوتے ہیں' ان کے حق میں سماع محبت الٰہی کی ترقی کا باعث بن جاتی ہے' سو اس لیے ان کے حق میں سماع مستحب ہے اور وہ نصوص جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے' ان کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس غنا کو حرام قرار دیتی ہے' جو''لھو الحدیث''(یعنی بے ہودہ کلام جیسے مرد و عورت کے باہمی عشق و محبت کے عرفی گانوں پر مشتمل) ہو اور صوفیائے کرام کے سماع کا اس غنا سے کوئی تعلق نہیں ہے (کیونکہ سماع میں صرف حمدیہ اور نعتیہ اشعار کو مترنم آواز میں سنایا جاتا ہے) اور اسی طرح جن احادیث مبارکہ سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ بھی مخصوص البعض ہیں کیونکہ دوسری ایسی احادیث مبارکہ بھی ہیں جو (مہذب کلام پر مشتمل) غنا کے مباح و جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں' سو ہم حرمت غنا کی احادیث مبارکہ کو لہو و لعب اور بے ہودہ گانوں پر محمول کرتے ہیں' جو فسق و فجور اور بدکاری کا محرک و باعث بنتے ہیں۔ علامہ مظہری نے مباح غنا کے ثبوت میں بہت سی احادیث مبارکہ نقل کی ہیں' مگر یہاں اختصار کی وجہ سے بطور نمونہ صرف تین احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں' جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے' حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چہرہ مبارک کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں' اسے امام بخاری نے روایت کیا اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی کسی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لِیَضِلَّ'' (''یَا'' مفتوح کے ساتھ) ہے] یعنی تا کہ وہ اپنی اسی گمراہی پر ثابت قدم رہے جس پر پہلے قائم تھا اور اس میں مزید ترقی کرے ﴿عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید سے ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ بے علمی کے سبب یعنی اس گناہ سے اپنی جہالت کے سبب جس پر وہ قائم ہیں ﴿وَّیَتَّخِذَهَا﴾ کہ مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح جانور گھاس کھا جاتا ہے [''لهو الحدیث'' کی اضافت تبعیض کی ہے] گویا فرمایا گیا: اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بعض ایسی باتیں خرید کر لاتے ہیں' جو لہو اور لعب ہوتی ہیں ﴿لِیُضِلَّ﴾ تا کہ وہ بہکا دے یعنی تا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے اور قرآن مجید کی تلاوت سننے سے روک دے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں منصوب (یعنی ذال پر زبر) ہے کہ ''لیضل'' پر معطوف ہے اور جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس نے اسے ''یشتری'' پر معطوف قرار دیا ہے] اور تا کہ وہ اسے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ کو ﴿هُزُوًا﴾ تمسخر بنالیں [حمزہ کی قراءت میں ''زا'' اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے (هزؤا) اور امام حفص کی قراءت میں بغیر ہمزہ ''زا'' مضموم ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''زا'' اور ہمزہ دونوں مضموم (هُـزُؤًا) ہیں] ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے یعنی وہ عذاب انہیں ذلیل وخوار کر دے گا [اور ''مَنْ'' اپنے ابہام کی وجہ سے واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے] یعنی نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۝۸ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹

اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے' سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والے چین کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' اور وہ سب پر غالب بہت بڑی حکمت والا ہے O

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری لڑکے سے کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا' لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں' آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے' حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انصار ایک ایسی قوم ہے جن میں گانے کا شوق ہے' سو کاش! تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ کہتا: ''اتیناکم اتیناکم' فحیانا وحیاکم'' (ترجمہ) ''ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں' سو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے''۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک دعوت ولیمہ میں حضرت قرظ بن کعب اور ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت بچیاں گا رہی تھیں' تو میں نے کہا: اے رسول اللہ کے صحابیو! اور اے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والو! تمہارے پاس یہ کام کیا جا رہا ہے' سو ان دونوں نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو اور اگر تم چاہو تو چلے جاؤ کیونکہ ولیمہ کے وقت گانے کی ہمیں رخصت دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۰-۲۴۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

۷- ﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا ﴾ اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے' وہ تکبر کرنے اور اپنے آپ کو بہت بڑا شخص خیال کرنے کی وجہ سے آیاتِ الٰہی میں تدبر اور غور وفکر کرنے سے اور قرآن مجید کی طرف کان لگا کر توجہ کرنے سے اعراض وروگردانی کر لیتا ہے ﴿ كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ﴾ گویا اس نے اس کو سنا ہی نہیں اور اس شخص کے حال کو اس میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس نے اسے سنا ہی نہیں [اور یہ "مُسْتَكْبِرًا" سے حال واقع ہو رہا ہے اور اصل میں "كَأَنَّهُ" ہے اور اس کی ضمیر شان کی ضمیر ہے] ﴿ كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ﴾ گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ اور ثقل ہے [اور یہ "لَمْ يَسْمَعْهَا" سے حال ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں "أُذْنَيْهِ" (ذال ساکن) ہے] ﴿ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اسے دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں۔

۸'۹- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان کے لیے چین کے باغات ہیں [اور اس پر وقف نہیں کرنا کیونکہ ﴿ خَالِدِينَ فِيهَا ﴾ "لهم" میں ضمیر سے حال ہے (یعنی) ان کے لیے چین کے باغات ہیں جب کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے] ﴿ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے [یہ دونوں تاکید کرنے والے مصدر ہیں' پہلا اپنی ذات کی تاکید کر رہا ہے اور دوسرا اپنے غیر کی تاکید کر رہا ہے' کیونکہ "لهم جنات النعیم" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے چین کے باغات کا وعدہ کر لیا' پس وعدہ کے معنی کو "وعد" کے لفظ سے مؤکد و پختہ کیا گیا ہے اور "حقًّا" ثبات پر دلالت کرتا ہے' سو اس لیے وعدہ کے معنی کی اس کے ساتھ تاکید کی گئی ہے اور یہ دونوں "لهم جنات النعیم" کی تاکید ہیں] ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے (یعنی) وہ ذات جس پر کوئی چیز غالب نہ آسکے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب کے ساتھ ذلیل ورسوا کرے گا ﴿ الْحَكِيمُ ﴾ وہ جو کچھ کرتا ہے' اس میں بڑا حکمت والا ہے' سو اس لیے وہ اپنے دوستوں کو ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُونَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝۱۱ ع

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جنہیں تم دیکھتے ہو اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اُگائے O یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے' سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں' انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے' بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا بیان

۱۰- ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا ["عمد" جمع ہے' اس کا واحد "عماد" ہے] ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ جنہیں تم دیکھتے ہو اور لوگوں کا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھنا یہ ارشادِ باری تعالیٰ "بِغَيْرِ

عَمَدٍ'' کی دلیل ہے جیسے تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ ''اَنَا بِلَا سَیْفٍ وَّلَا رُمْحٍ تَرَانِیْ'' میں بغیر تلوار اور بغیر نیزے کے ہوں کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو [''ترونها'' کی ضمیر ''سمٰوٰت'' کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے کیونکہ یہ مستانفہ (الگ مستقل کلام) ہے یا ''عمد'' کی صفت ہونے کی بناء پر جر کے محل میں ہے] یعنی بغیر ستونوں کے دیکھے جاتے ہیں یعنی بے شک آسمانوں کے ستون ایسے ستون ہیں جو دیکھے نہیں جا سکتے اور وہ ہیں قدرتِ الٰہی سے ان کا رُکا ہوا ہونا ﴿ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ ﴾ اور اس نے زمین میں ثابت وقائم رہنے والے مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا ﴿ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ ﴾ ''لئلا تضطرب بکم'' تاکہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے ﴿ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۗ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ﴾ اور اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے (بارش کا) پانی برسایا' پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے حسین وجمیل اور بہترین غلہ جات ومیوہ جات کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

۱۱- ﴿ هٰذَا ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوقات کی طرف اشارہ ہے' جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے ﴿ خَلْقُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی خلق یعنی اس کی مخلوق ﴿ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے' یعنی ان کے معبود۔ اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو ڈانٹا اور جھڑکا ہے کہ یہ تمام بڑی بڑی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہیں' سو تم مجھے دکھاؤ کہ تمہارے معبودوں نے کون سی مخلوق پیدا کی ہے' یہاں تک کہ وہ تمہارے نزدیک عبادت کے مستحق قرار پائے ﴿ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ بلکہ ظلم وستم کرنے والے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈانٹنے اور ان کو جھڑکنے سے عدول کر کے ایسی گمراہی میں ان کی ہلاکت پر مہر ثبت فرمائی' جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۗ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور البتہ بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل ستائش ہے O اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اور وہ اسے نصیحت کر رہا تھا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا' بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے O اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت فرمائی' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اسے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے (وہ وصیت یہ تھی) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O

حضرت لقمان کا تذکرہ

۱۲- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت ودانائی عطا فرمائی۔ یہ حضرت لقمان بن باعوراء تھے' جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے اور بعض نے کہا کہ وہ آزر کی اولاد میں سے تھے اور انہوں

نے ایک ہزار سال زندگی پائی تھی اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے' پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث کیے گئے تو انہوں نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میں حضرت داؤد علیہ السلام کے علمی فتاویٰ پر اکتفاء کیوں نہ کروں' جب کہ انہیں نبی مبعوث کر کے میری کفایت کر دی گئی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان درزی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ بڑھئی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ چرواہا تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت لقمان' بنی اسرائیل کے قاضی تھے جو ان کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے' اور حضرت عکرمہ اور حضرت شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت لقمان نبی تھے' مگر جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان صرف حکیم تھے نبی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تھا تو انہوں نے حکمت کو اختیار کر لیا اور حکمت کا معنی یہ ہے کہ قول و فعل میں حق پر قائم رہ کر صحیح راستے پر چلنا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان نے ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو [''ان'' مفسرہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ یعنی تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو' کیونکہ حکمت کا عطا کرنا قول کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اصل حکمت اور حقیقی علم یہی ہے کہ ان دونوں پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کرنے کی تفسیر شکر ادا کرنے کی ترغیب کے ساتھ کی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حکیم (صاحب حکمت) نہیں ہو سکتا جب تک اپنے قول' اپنے فعل اور اپنی معاشرتی زندگی اور اپنی صحبت میں حکیم نہیں ہو جاتا اور حضرت ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی نعمتوں کی وجہ سے نہ کی جائے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: شکر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھو اور بعض حضرات نے کہا کہ شکر کی کماحقہ ادائیگی سے عجز کا اقرار شکر ہے' خلاصہ یہ ہے کہ دل کا شکر معرفت الٰہی اور زبان کا شکر حمد الٰہی اور اعضاء کا شکر اطاعت و فرماں برداری ہے اور سب میں عجز کا نظریہ سب کے قبول ہونے کی دلیل ہے ﴿ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ بلاشبہ اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے کیونکہ شکر کا نفع اور فائدہ اسی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ ادائیگی شکر سے مزید نعمت کا ارادہ کرتا ہے ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے ﴿ حَمِيْدٌ ﴾ وہ اپنی ذات میں محمود و قابل تعریف ہے' وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد و ثناء بیان کی جائے اور اگرچہ اس کی کوئی تعریف نہ بھی کرے۔

۱۳- ﴿ وَاِذْ ﴾ ''ای واذکر اذ'' یعنی اور یاد کیجئے جب ﴿ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ ﴾ حضرت لقمان نے اپنے انعم یا اشکم نامی بیٹے سے فرمایا ﴿ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ اور وہ اس کو نصیحت کرتا تھا کہ اے میرے بیٹے! تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہرگز نہ کرنا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یا بنی'' میں ''یا'' ساکن ہے اور حفص کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ہے] ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے' کیونکہ اس میں بے نعمت ذات جس کے پاس کسی قسم کی نعمت نہیں' کے درمیان اور صاحب نعمت خدا جس سے ہر قسم کی نعمت ملتی ہے' کے درمیان برابری کی جاتی ہے۔

۱۴- ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی' اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھا' یعنی وہ کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے مزید کمزور ہو گئی یعنی صنفی کمزوری پر حمل کے بوجھ کی کمزوری کی وجہ سے مزید کمزوری ہو گئی یعنی اس کی کمزوری زیادہ ہو گئی اور اس میں اضافہ ہو گیا

کیونکہ حمل (پیٹ میں بچہ یا بچی) جب بڑھتا جاتا ہے اور بڑا ہوتا جاتا ہے تو اس کا بوجھ اور ضعف وکمزوری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ﴾ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے یعنی دودھ پیتے بچہ کی دودھ چھڑائی دو سال پورے ہو جانے پر ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ﴾ یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر [یہ "وصینا" کی تفسیر ہے یعنی ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ ہمارا شکر ادا کرے اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرے اور ارشاد باری تعالیٰ "حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ" مفسر (سین مفتوح مشدد) اور مفسر (سین مکسور مشدد) کے درمیان جملہ معترضہ ہے] کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت فرمائی تو جو مشقتیں اور تکلیفیں ماں نے برداشت کیں اور بچے کے بوجھ کو اٹھانے اور دودھ پلانے' پھر دودھ چھڑانے کی طویل مدت میں جو مشقتیں دیکھتی رہی' ان کو الگ ذکر کر کے ماں کا عظیم ترین حق بیان کیا اور حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں نمازیں ادا کیں' اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جس نے پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے دعائے مغفرت کی تو اس نے ان دونوں کا شکر ادا کیا۔ ﴿اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ تو اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں' سو تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھا ساتھ دے' اور تو اس کے راستے کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کر لیا ہے' پھر تم سب نے میری طرف لوٹ آنا ہے' سو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے O

---

۱۵ - ﴿وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ معبود کے علم کی نفی سے خود معبود کی نفی مراد ہے یعنی تو میرے ساتھ اس کو شریک نہ ٹھہرا جو کچھ بھی نہیں' اس سے بت مراد ہیں ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ سو تو مشرک کے معاملہ میں ان دونوں کی اطاعت نہ کر اور ان کا کہا نہ مان ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھی طرح ساتھ دے ["معروفا" مصدر محذوف کی صفت ہے "ای صحابا معروفا"] یعنی اچھا ساتھ دے کہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق' حلم و بردباری' برداشت' نیکی اور صلہ رحمی کے ساتھ پیش آ' ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ اور ان لوگوں کی راہ پر چل اور پیروی کر' جو میری طرف رجوع لائے یعنی اپنے دین کے بارے میں صرف مؤمنوں کی راہ پر چل اور اس کے معاملے میں اپنے والدین کی راہ پر نہ چل اور اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا تجھے حکم دیا گیا ہے اور حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ تو ہر اس شخص کی صحبت اختیار کر جس پر تجھے میری خدمت وعبادت اور اطاعت کے انوار نظر آئیں ﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم نے میری طرف لوٹ آنا ہے یعنی تیرا اور تیرے ماں باپ کا انجام کار میری بارگاہ میں لوٹ آنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے' پس میں تمہیں تمہارے ایمان پر جزائے خیر عطا کروں گا اور میں تمہیں تمہارے کفر پر سزا دوں گا اور ان دونوں آیتوں کو جملہ معترضہ کے طور پر بالتبع شرک کی ممانعت کے

بارے میں حضرت لقمان کی وصیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے یعنی بے شک ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ہم نے اس کو حکم دیا کہ شرک میں ان کی اطاعت نہ کرنا اگرچہ وہ پوری کوشش کرکے تجھ پر دباؤ ڈالیں کیونکہ شرک قبیح ترین وبدترین عمل ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿16﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿17﴾

اے میرے بیٹے! بے شک وہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور لائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے خوب خبر رکھنے والا ہےO اے میرے بیٹے! نماز قائم کیا کر اور نیکی کا حکم دیا کر اور بُرائی سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ پر آن پڑے اس پر صبر کیا کر' بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہےO

---

۱۶ - ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ اے میرے بیٹے! بے شک یہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو [نافع مدنی کی قراءت میں پیش کے ساتھ ''مِثْقَالُ'' ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور ''مثقال'' کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''حبّة'' کی طرف مضاف ہے جیسا کہ (میمون بن قیس شاعر نے) کہا: ''كَمَا شَرِقَتْ صَدْرُ الْقَنَاةِ مِنَ الدَّمِ'' جیسا کہ نیزہ کا سینہ خون سے رنگین وروشن ہو گیا' اور ''كان'' (تَكُ) تامہ ہے' باقی قراء کی قراءت میں زبر (مِثْقَالَ) ہے اور ضمیر بُرائی اور نیکی کی ہیئت کے لیے ہے] یعنی کوئی نیکی یا بُرائی چھوٹا ہونے میں اگرچہ رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو ﴿فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ﴾ پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی پھر وہ اپنے چھوٹے ہونے کے باوجود کسی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو جیسے پتھر کی چٹان کا پیٹ یا عالم بالا میں ہو یا عالم سفلی (زمین کی تہہ) میں ہو اور اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ پتھر کی وہ چٹان مراد ہے جو زمین کے اوپر ہوتی ہے اور یہی ''سجین'' ہے جس میں کفار کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور وہ زمین کی جنس سے نہیں ﴿يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ضرور لائے گا اور اس کے ساتھ اس کے عامل سے حساب لے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے' اس کا علم ہر پوشیدہ چیز تک پہنچ جاتا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ بڑا خبردار ہے' اس کی حقیقت کو خوب جاننے والا ہے یا وہ ہر پوشیدہ چیز کے نکالنے میں بہت باریک بین ہے' اس کے ٹھکانا سے خوب خبردار ہے۔

۱۷ - ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو مشقت ومصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر' جب تو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے یا یہ کہ جو محنت ومشقت تجھے پہنچے اس پر صبر کر کیونکہ یہ صبر انعام وبخشش کا وارث کر دیتا ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ عمل جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں یہ ﴿مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ہمت کے کاموں سے

ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں میں سے اس کو ضروری اور یقینی قرار دیا ہے یعنی اس کو بہ طور وجوب اور لزوم کے قطعی قرار دیا ہے یعنی اس کو حتمی و لازم حکم قرار دیا [اور یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے اور یہ اصل میں ''من معزومات الامور'' سے ہے] یعنی یہ کام حتمی لازمی اور یقینی و فرض کاموں میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبادات باقی امتوں پر فرض تھیں اور ان کے معمولات میں فرض کے طور پر شامل تھیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

ع ۸ ۱۱

اور تو (تکبر کی وجہ سے) لوگوں سے اپنے رخسار نہ پھیر اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل' بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا O اور تو اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ' بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے O

۱۸۔ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ اور تو لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر' یعنی تو تکبر و غرور کی وجہ سے لوگوں سے روگردانی اور اعراض نہ کر [ابوعمرو' نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تصاعر'' ہے اور یہ ''تصعر'' کے ہم معنی ہے اور ''صعر'' ایک بیماری بھی ہے جو اونٹ کو لگتی ہے' جس سے اس کی گردن جھک جاتی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگوں سے بات چیت کرو تو عاجزی کے ساتھ اپنا پورا چہرہ لوگوں کی طرف متوجہ کر کے بات کیا کرو اور ان سے اپنے چہرے کا ایک حصہ اور ایک جانب نہ پھیرنا جیسے متکبر لوگ کرتے ہیں ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل [''مرحا'' مفعول مطلق ہے' فعل محذوف کا ''ای تمرح مرحا'' یعنی تو اترا کر اکڑتا ہوا چلتا ہے' یا یہ مصدر ہے اور حال کے موقع پر واقع ہے یا مفعول لہ ہے یعنی تو اترانے اور اکڑنے کی وجہ سے نہ چل] ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ''مختال'' بہ معنی متکبر ہے اور ''فخور'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو تکبر و فخر کے طور پر اپنے مناقب و فضائل شمار کرتا ہو۔

۱۹۔ ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ اور تو اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر' ''قصد'' کا معنی ہے: بلندی اور پستی یا لمبائی اور کوتاہی کا درمیان یعنی اس میں اعتدال کی راہ پر چل' یہاں تک کہ دو چالوں کی درمیانی چال چل کہ کمزور چیونٹیوں کی چال کی طرح بالکل آہستہ بھی نہ چل اور ہوشیار و چالاک دوڑنے والے کی طرح تیز دوڑ بھی نہ چل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تیز رفتار چلنا مؤمن کے وقار کو ختم کرتا ہے اور لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد کہ جب آپ چلتے تو تیز رفتار چلتے' تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق سُست رفتار نہیں چلتے تھے بلکہ اس سے قدرے تیز درمیانہ رفتار چلتے' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام یہود کی طرح دوڑتے ہوئے چلنے سے اور نصرانیوں کی طرح سُست رفتار چلنے سے منع کرتے تھے' لیکن اس کے درمیان چال چلنے کا کہتے تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چلتے وقت عاجزی اور تواضع کرتے ہوئے اپنی نگاہیں اپنے قدموں پر رکھو ﴿وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ﴾ اور اپنی آواز کو پست کر اور اسے کم کر یعنی اپنی آواز پست

کر ﴿ اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ ﴾ بے شک تمام آوازوں میں سے بدترین وقبیح ترین آواز ﴿ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴾ البتہ گدھے کی آواز ہے کیونکہ پہلے اس کی باریک آواز ہوتی ہے اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے جیسے دوزخیوں کی آواز ہوگی اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز کی آواز تسبیح الٰہی ہوتی ہے ماسوا گدھے کی آواز کے کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی آواز کو بدترین فرمایا اور بلند آواز میں بات کرنے والوں کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے میں اور ان کی آواز کی گدھے کی چیخ کے ساتھ تمثیل بیان کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ آواز بلند کرنا انتہائی مکروہ کام ہے اور اس کی وہ روایت تائید کرتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات بہت پسند تھی کہ آدمی آہستہ بولے اور یہ بات ناپسند فرماتے کہ کوئی آدمی بلند آواز میں بولے [''صوت الحمیر'' واحد لایا گیا اور جمع کر کے ''اصوات'' نہیں لایا گیا کیونکہ ہر ایک گدھے کی علیحدہ علیحدہ آواز کا اظہار مراد نہیں' اس لیے جمع نہیں لایا گیا بلکہ حیوان کی جنس ''صوت'' مراد ہے اور تمام اجناسِ اصوات میں بدترین آواز اس جنس کی صوت ہے' پس اس کا واحد لانا واجب ہے]۔

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں' اور لوگوں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے O اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کتاب کی پیروی کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا' اور کیا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو O

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکروں اور شکر گزاروں کا بیان

۲۰- ﴿ اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں اور بادلوں وغیرہ کو ﴿ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی سمندروں' دریاؤں' نہروں' وادیوں' چشموں اور معدنیات اور جانوروں وغیرہ کو تمہارے کام میں لگا دیا ﴿ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتیں تمام و پوری کر دیں [''اَسۡبَغَ'' بہ معنی ''اَتَمَّ'' ہے۔ نافع مدنی' ابو عمرو' سہل اور حفص کی قراءت میں ''نِعَمَهٗ'' (جمع) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''نِعۡمَةً'' (واحد) ہے] اور نعمت ہر وہ نفع اور فائدہ ہے جس کے ساتھ کسی پر احسان کیا جائے ﴿ ظَاهِرَةً ﴾ ظاہری نعمتیں وہ جو مشاہدہ اور معائنہ سے معلوم کی جائیں ﴿ وَّبَاطِنَةً ؕ ﴾ اور باطنی نعمتیں وہ جو صرف دلیل سے معلوم کی جائیں' پھر بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ظاہری نعمتیں

آنکھیں' کان' زبان اور جسم کے دیگر ظاہری اعضاء وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتیں دل' عقل' فہم وفراست اور جو اس کے مشابہ ہیں (جیسے روح' معرفت' بصیرت اور تدبر وفکر) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں روایت بیان کی گئی ہے: اے اللہ! تو مجھے اپنے بندوں پر سب سے پوشیدہ نعمت کے بارے میں بتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر میری سب سے پوشیدہ نعمت نفس ہے اور بعض نے فرمایا کہ احکامِ شریعت کا آسان ہونا اور وسائل کا زیادہ ہونا مراد ہے اور خَلق (حسنِ صورت' قد وقامت جسمانی ساخت) اور خُلق (اخلاقِ حسنہ میں مروت' نیک سیرتی' مہذب گفتگو' شفقت ومحبت) اور عطایا (رزق' مال واولاد' خدام' صحت وعافیت اور امن) کا پانا اور بلایا (غربت وذلت' بیماری' دشمن کا خوف وغیرہ) کا دور ہونا اور مخلوق میں مقبولیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تیری تخلیق کا موزوں ومناسب اور مساوی ہونا ظاہری نعمت ہے اور تیرے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا باطنی نعمت ہے۔[1]

شانِ نزول: اس آیت مبارکہ کا درج ذیل حصہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوا تھا اور بے شک اس کا ذکر سورۃ الحج: ۸ میں گزر چکا ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ اور لوگوں میں سے ایک شخص (نضر بن حارث) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے۔

۲۱ - ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور کیا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا یہ کفارِ مکہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے' اگرچہ شیطان ان کو بلاتا ہو یعنی اس حال میں کہ شیطان ان کو دوزخ کی بڑھکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ

---

[1] (۱) مقاتل نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی نعمت سے مراد اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا ہے۔ (۲) مجاہد اور وکیع نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد زبان ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل ہے۔ (۳) نقاش نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد لباس ہے اور باطنی نعمت گھر کا ساز وسامان ہے۔ (۴) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت لذت جماع ہے۔ (۵) ظاہری نعمت دنیا کی زیب وزینت ہے اور باطنی نعمت آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہے۔ (۶) ظاہری نعمت مال ودولت اور صحت وعافیت اور باطنی عبادت اور ریاضت کی توفیق ہے۔ (۷) ظاہری نعمت حسن صورت ہے اور باطنی نعمت اچھے اخلاق اور نیک سیرت ہے۔ (۸) ظاہری نعمت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور باطنی نعمت اس کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کا قبول کرنا ہے۔ (۹) ظاہری نعمت علماء کی تبلیغ اور تصنیف وتالیف ہے اور باطنی نعمت وہ علم اور حکمت ہے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پائے (۱۰) ظاہری نعمت ماں باپ ہیں اور باطنی نعمت اساتذہ اور مشائخ ہیں (۱۱) ظاہری نعمت حکام اور سلاطین کی حکومت ہے اور باطنی نعمت اولیاء اور اتقیاء کی ولایت ہے۔ یہ چند نعمتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو غیر متناہی (بے شمار) ہیں' وہ فرماتا ہے: ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' (ابراہیم: ۳۴) ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے''۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۲۷۲)

نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۲۴﴾

اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو بے شک اس نے مستحکم رسی کو مضبوطی سے تھام لیا' اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے ○ اور جس شخص نے کفر اختیار کر لیا ہے' سو اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈال دے' ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے' پھر ہم انہیں بتا دیں گے جو کچھ انہوں نے عمل کیے' بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے ○ ہم انہیں تھوڑا نفع پہنچائیں گے' پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے ○

۲۲- ﴿وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے [یہاں ''اِلٰی'' کی طرف متعدی کیا گیا ہے جب کہ ''بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ'' (البقرہ:۱۱۲) میں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] سو لام کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنا چہرہ' اور (وجهه) اپنے چہرے سے اس کی ذات اور اس کا نفس مراد ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا یعنی اسی کے لیے خالص کر لیا اور ''اِلٰی'' کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنے آپ اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا' جیسا کہ سامان آدمی کے سپرد کیا جاتا ہے جب اس کی طرف دیا جاتا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس کی طرف سپرد کر دینا ہے ﴿وَهُوَ مُحۡسِنٌ﴾ اور وہ اپنے اعمال و کردار اور معاملات میں نیکوکار بھی ہو ﴿فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی﴾ تو بے شک اس نے پختہ رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور ''عروہ'' ہر وہ چیز ہے جس کو اپنی حفاظت کے لیے مضبوط باندھ لیا جائے اور ''وُثۡقٰی''، ''اَوۡثَق'' کی تانیث ہے (جیسے ''صغرٰی''، ''اصغر'' کی تانیث ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسا کرنے والے شخص کے حال کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنا چاہتا ہے اور وہ اپنی حفاظت کے لیے مضبوط و پختہ رسی کو مضبوطی سے باندھ لیتا ہے جس کے ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہے' پھر بے خوف ہو کر اس کو پکڑ کر نیچے اترتا ہے ﴿وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ﴾ اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی تمام کام اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں' سو وہی ان پر جزا اور سزا دے گا۔

۲۳- ﴿وَمَنۡ كَفَرَ﴾ اور جس شخص نے کفر کیا اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد نہیں کیا اور اسلام قبول نہیں کیا ﴿فَلَا یَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ﴾ سو آپ کو اس کا کفر غم میں نہ ڈال دے [یہ ''حَزَنَ'' (باب نصر ینصر) سے ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''یحزنك'' (یا پر پیش اور زا کے نیچے زیر) ''اَحۡزَنَ'' (باب افعال) سے ہے] یعنی جس نے کفر اختیار کر لیا ہے' اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کر دے کیونکہ ﴿اِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ فَنُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا﴾ ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے' پھر ہم بتا دیں گے ان کو جو کچھ انہوں نے کیا' سو ہم ان کو ان کے اعمال پر سخت سزا دیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے خوب جانتا ہے' سو ان کے ساتھ اسی کے مطابق سزا کا معاملہ فرمائے گا۔

۲۴- ﴿نُمَتِّعُهُمۡ قَلِیۡلًا﴾ ہم ان کو دنیا میں تھوڑے عرصہ تک دنیوی فوائد و منافع دیتے رہیں گے ﴿ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ﴾ پھر ہم ان کو سخت ترین عذاب کی طرف لے جانے پر مجبور کر دیں گے۔ کفار کو لازمی عذاب پہنچانے اور ان کو عذاب میں داخل کرنے کو اس مجبور شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو کسی چیز کی طرف اس کی مرضی کے خلاف مجبور کر کے لے جایا جائے اور ''غلظ'' اجسامِ غلیظہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' پھر اس کو معانی میں بہ طور مستعار استعمال کیا جاتا ہے اور

یہاں بھی اسے مستعار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس سے شدت وسختی اور ثقل و بوجھ مراد ہے کہ ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے' آپ فرمائیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریف کیا ہوا ہے O اور بے شک اگر روئے زمین پر جتنے درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے O تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں دوبارہ زندہ کرنا نہیں ہے مگر ایک جان کی مثل' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان کا بیان

۲۵- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے)' فرمائیے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں'۔ کفار کے اس اقرار پر کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمینوں کو اکیلے اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے' ان پر الزام دیا گیا ہے کہ پھر واجب وضروری ہے کہ تمام تعریفیں بھی اسی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں اور شکر بھی اسی کا ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے کسی غیر کی عبادت نہ کی جائے' پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے کہ یہ ان پر لازم ہے اور جب اس پر انہیں تنبیہ کی جاتی ہے تو باز نہیں آتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔

۲۶- ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بے نیاز ہے' وہ حمد وثناء بیان کرنے والوں کی حمد وثناء سے بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہی تمام محامد اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اگرچہ وہ لوگ اس کی تعریف بیان نہ بھی کریں۔

۲۷- مشرکین مکہ نے ایک دفعہ کہا: بے شک یہ وحی ایسا کلام ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بتلایا کہ بے شک اس کا کلام کبھی ختم نہیں ہوگا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کر رہے ہو○ یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں سب باطل ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے○

۲۹- ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں داخل کر دیتا ہے ﴿ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو بندوں کے منافع اور فوائد کے لیے کام میں لگا رکھا ہے ﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یعنی سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے اپنے فلک (مدار) میں چل رہا ہے اور اپنی اپنی منازل کو مقررہ مدت تک (یعنی) قیامت تک یا معین و مقرر وقت تک طے کر رہا ہے' سورج سال کے آخر تک اپنی منازل کو طے کر لیتا ہے اور چاند اپنی منازل کو مہینے کے آخر تک طے کر لیتا ہے ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح خبردار ہے' جو کچھ تم اعمال کرتے ہو [عیاش کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے]۔

نیز یہ آیت مبارکہ رات دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے اور کم اور زیادہ ہونے پر اور سورج اور چاند کے اپنے اپنے مدار میں ایک اندازے اور حساب پر چلتے رہنے پر اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے تمام اعمال پر محیط ہونا' اس کی قدرت کی عظمت اور اس کی حکمت کے کمال کی دلیل ہے۔

۳۰- ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں' وہ باطل ہیں [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی عراقیوں کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یدعون'' ہے] ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے یعنی یہ وہ وصف ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کے ان عجائب کی وجہ سے موصوف ہے جن سے تمام زندہ قدرت و اختیار رکھنے والے اور علم رکھنے والے عاجز ہیں' سو بھلا وہ بے جان پتھر وغیرہ جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے' کیسے قدرت و اختیار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بلاشبہ صرف اس سبب سے معبود ہے کہ وہ یقیناً حق ہے' اس کی الوہیت و معبودیت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کی الوہیت باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے اور وہی سب سے بڑا بادشاہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور جب انہیں کوئی موج پہاڑوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں' اپنے عقیدہ کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے' پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بہت غدار سخت ناشکرا ہوتا ہے ○

۳۱- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چلتی ہے (یعنی) اس کے احسان اور اس کی رحمت سے یا ہوا سے کیونکہ ہوا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے [''الفلك'' (لام پر پیش) بھی پڑھا گیا ہے اور ہر ''فُلْكٌ'' (لام ساکن) میں ''فُلُكٌ'' (لام پر پیش) پڑھنا جائز ہوتا ہے' جیسا کہ ہر ''فُلُكٌ'' (لام مضموم) میں ''فُلْكٌ'' (لام ساکن) پڑھنا جائز ہوتا ہے] ﴿لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾ تا کہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھا دے (یعنی) دریا میں اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے' جب تم اس میں کشتی پر سوار ہو کر سفر کرنے لگو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہے ﴿شَكُوْرٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت بڑا شکر کرنے والا ہے اور یہ دونوں مؤمن کی صفتیں ہیں' سو ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے' پس گویا ارشاد فرمایا کہ بے شک اس میں ہر مؤمن کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

۳۲- ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ﴾ اور جب انہیں یعنی کفار کو کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے ﴿كَالظُّلَلِ﴾ پہاڑوں کی طرح (یعنی) جب موج بلند ہوتی ہے تو پھر پہاڑوں کی طرح بہت اونچائی پر پہنچ کر نیچے لوٹ آتی ہے اور ''ظلة'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جو تجھ پر سایا بن جائے' پہاڑ ہوں خواہ بادل ہوں یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اپنے عقیدہ کو (یا اپنی اطاعت کو یا اپنی عبادت کو) اسی کے لیے دل سے خالص کرتے ہوئے ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں یعنی ایمان اور اخلاص پر باقی رہتے ہیں' جو ان سے ظاہر ہوا تھا اور وہ کفر کی طرف نہیں لوٹتے یا وہ کفر وظلم میں میانہ اور متوسط رویہ اختیار کر لیتے ہیں' بعض دفعہ ڈانٹ ودھتکار سے متاثر ہو جاتے ہیں اور کفر میں غلو اور شدت نہیں کرتے یا وہ اس اخلاص پر معتدل رہتے ہیں جس پر وہ دریا میں تھے' یعنی بے شک وہ اخلاص جو خوف کے وقت پیدا ہوتا ہے وہ کسی کے لیے باقی نہیں رہتا اور مقصد قلیل ونادر ہوتا ہے ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور ہماری آیتوں کا یعنی ان کی حقیقت کا انکار نہیں کرے گا ﴿اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾ مگر بہت غدار ودھوکے باز اور اپنے رب تعالیٰ کا بہت ناشکرا' اور ''ختار''، ''ختر'' سے ماخوذ ہے' اور ''ختر'' کا معنی ہے: بدترین غدار۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا‘ اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ دے سکے گا‘ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے‘ سو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان مکار دھوکے میں نہ ڈال دےO

۳۳- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا [اصل میں ”لا یجزی فیہ“ ہے‘ پھر اسے حذف کر دیا گیا ہے] یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کچھ ادا نہیں کر سکے گا ﴿ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْــــًٔا ﴾ اور نہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دے سکے گا [یہ تاکید کے طریقہ پر وارد ہوا ہے اس پر وارد نہیں ہوا وہ جو معطوف علیہ ہے کیونکہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ”ھُوَ“ اور ”مولود“ بھی متصل ہیں] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے جن کے بڑے بزرگ آباء و اجداد کفر کی حالت میں فوت ہو گئے تھے‘ سو اس خطاب سے ان کی اس امید کے خاتمہ کا ارادہ کیا گیا ہے کہ ان کے آباء و اجداد آخرت میں شفاعت کر کے انہیں فائدہ پہنچائیں گے اور ”مولود“ کے لفظ میں اس معنی کی تاکید ہے کہ بے شک ان بیٹوں میں سے اگر کوئی ایک بیٹا اپنے قریبی باپ جس کی صلب سے پیدا ہوا‘ کی شفاعت کرے گا تو اس کی شفاعت اس کے (کافر) باپ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی تو بھلا دور کے اجداد کے حق میں کیسے سفارش قبول کی جائے گی کیونکہ ولد بیٹے اور بیٹے کے بیٹے پر بھی بولا جاتا ہے‘ بہ خلاف مولود کے کیونکہ یہ حقیقی صلبی بیٹے پر بولا جاتا ہے اور بس‘ تفسیر کشاف میں اسی طرح ہے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے قبور سے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب ہو گا اور اعمال کے مطابق جزا ملے گی‘ برحق اور سچا ہے ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ سو تمہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ اس کی نعمتیں حقیر ہیں اور اس کی لذتیں فانی اور عارضی ہیں ﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور شیطان مکار تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے یا دنیا یا آرزوئیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم‘ اور وہی بارش نازل کرتا ہے‘ اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے‘ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کرے گی‘ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی‘ بے شک اللہ تعالیٰ خوب

جاننے والا بتانے والا ہے○

علوم خمسہ[1] کا بیان

۳۴- ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہی بارش کو نازل کرتا ہے [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور عاصم کی قراءت میں ''زا'' کی تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ہے اور یہ اس فعل پر معطوف ہے جس کا ظرف تقاضا کرتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ان اللّٰہ یثبت عندہ علم الساعة وینزل الغیث) فی ابانہ من غیر تقدیم ولا تاخیر'' بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت ہے اور وہی بارش کو اس کے وقت میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے نازل کرتا ہے] ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے جو ماں کے پیٹوں میں ہوتا ہے' لڑکا ہے یا لڑکی اور مکمل ہے

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ اور چند احادیث مبارکہ میں علوم خمسہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے' جس کی وجہ سے بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو بھی نہیں ہے جب کہ محققین علماء نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے انبیاء اور متعلقہ ملائکہ اور خصوصاً حضور سید عالم ﷺ کے لیے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان علوم خمسہ کی تخصیص کی وجہ نجومیوں' کاہنوں اور دیگر سائنسی ذرائع سے یقینی جاننے کی نفی مقصود ہے' چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی انہیں خود بہ خود نہیں جان سکتا' جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خود بہ خود جانتا ہے اس نے قرآن کریم کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی۔ انبیاء ان اُمور غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کا یہ جاننا اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے سے ہے' اس آیت سے مراد (انبیاء کے علوم کی نفی نہیں بلکہ) کاہنوں' نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ سمجھتے ہیں' ان کی تردید ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ایک ہی فقرے میں ساری الجھنوں کا خاتمہ کر دیا' لکھتے ہیں: ''ھذہ مفاتیح الغیب التی استاثر اللہ تعالی بعلمھا ولا یعلمھا احد الا بعد اعلامہ تعالی بھا'' یعنی یہ اُمور خمسہ مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا پس انہیں کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم سکھا دے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۲۰_۲۱۹)

نوٹ: اس آیت مبارکہ کے مفہوم کی مختصر وضاحت کے بعد قرآنی ترتیب کے مطابق انبیاء و ملائکہ اور خاص کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ان اُمور خمسہ کے علم کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حبیب خدا کے لیے قیامت کے علم کا ثبوت: حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں حضرت امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دآبۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعۃ المبارک کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعۃ المبارک کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا ناقص ہے ﴿ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ ﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی وہ نیک ہو خواہ بد ہو کہ وہ کل کیا کرے گی' اچھایا بُرا اور بسا اوقات انسان نیک کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے' پھر اس سے بُرا کام ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان بُرا کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے' لیکن اس سے نیک کام ہو جاتا ہے ﴿ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ ﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی یعنی اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں مرے گی اور بسا اوقات آدمی ایک سرزمین پر قیام پذیر ہو جاتا ہے اور وہیں مکان بنا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس جگہ کو نہیں چھوڑوں گا مگر تقدیر کا تیر اسے ایسی جگہ پھینک دیتا ہے' جس کا خیال بھی اس کے دل میں کبھی نہیں آیا تھا' یہاں تک کہ وہیں موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ روایت میں ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کو غور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا' صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لَا تَاْتِیۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً'' (الاعراف:۱۸۷) ''قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی''۔ ''فَیَاْتِیَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ O'' (الشعراء:۲۰۲) ''اور ان پر قیامت اچانک آئے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا O''۔

اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے' اس کے مکذب بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوعِ قیامت کی تمام نشانیاں' مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

(۲) بارش کے نزول کا علم: اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی' اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کل علم (یا ذاتی علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش کے نزول کی خبر دی ہے: ''ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ O'' (یوسف:۴۹) ''اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر بارش نازل کی جائے گی اور اس سال وہ انگور کا رس بھی خوب نچوڑیں گے O''۔ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں' چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی' بیروت ص ۸۲' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' دار احیاء التراث العربی' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰) حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے (یہ حدیث ہر چند کہ صراحۃً موقوف ہے' لیکن حکماً مرفوع ہے)۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی' جب تک اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱)

(۳) ماؤں کے رحموں کا علم: قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کے پیٹ سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی: ''قَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ O'' (الذاریات:۲۸) ''فرشتوں نے کہا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے دیکھنے لگا اس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ شخص کون ہے؟ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ ملک الموت ہے اس نے عرض کیا کہ گویا یہ میری روح قبض کرنا چاہتا ہے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اٹھا کر لے جائے اور ہندوستان کے کسی شہر میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا پھر ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں جو اس شخص کو مسلسل غور سے دیکھ رہا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے اس پر تعجب آ رہا تھا کیونکہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہندوستان میں جا کر اس کی روح قبض کروں حالانکہ وہ یہاں آپ کے پاس موجود تھا اور اس آیت مبارکہ میں علم اللہ تعالیٰ کے لیے درایت بندوں کے لیے قرار دی گئی ہے کیونکہ درایت میں مکر و مگر اور حیلہ و بہانہ کا معنی پایا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی جان نہیں جان سکتی اگرچہ وہ اپنے مخصوص ظن و قیاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ مت ڈریں اور انہوں نے اسے علم والے لڑکے (اسحاق) کی بشارت دیO''۔ اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے: ''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى'' (آل عمران: ۳۹) ''پس فرشتوں نے زکریا کو آواز دی جب کہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے''۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے: ''قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّاO'' (مریم: ۱۹) ''جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ لڑکا دوںO''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے' وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے' اے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶)

حضرت ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے آج رات بہت خطرناک خواب دیکھا ہے' حضور نے فرمایا: وہ کیا ہے' عرض کیا: وہ بہت سخت خواب ہے' آپ نے فرمایا: بتاؤ! وہ کیا ہے' تو عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے' سو حضور نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے' میری بیٹی فاطمہ ان شاء اللہ بیٹا جنے گی' جو تمہاری گود میں آئے گا' چنانچہ حضرت فاطمہ نے حضرت حسین کو جنم دیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق وہ میری گود میں دیئے گئے۔

(مشکوۃ رقم الحدیث: ۶۱۸۰۔ ص ۵۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۲۳)

(۴) کل اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کاری کر کے غلہ جمع کریں' پھر اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے' ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے' قرآن مجید میں ہے: ''قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَO ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَO'' (یوسف: ۴۸۔۴۷) ''یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوا اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کےO پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے ماسوا اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گےO''۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور حیلہ کو عمل میں لائے اور انسان کے لیے اس کے کسب اور اس کے انجام سے زیادہ کوئی چیز مخصوص نہیں ہے جب اسے ان دونوں کی معرفت کا کوئی ذریعہ اور طریقہ حاصل نہیں ہے تو ان دو کے ماسوا کو جاننا کس قدر زیادہ بعید ہے اور لیکن وہ نجومی جو بارش برسنے اور موت کے آنے کے وقت کی خبر دے دیتے ہیں تو وہ صرف ظن و قیاس سے کام لے کر اور ستاروں میں غور وفکر اور نظر کر کے بتاتے ہیں اور جو دلیل سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہوتا' اس بناء پر کہ وہ محض گمان ہوتا ہے اور گمان علم نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''مفاتیح الغیب خمس '' غیب کی کنجیاں پانچ ہیں' اور آپ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ان پانچ چیزوں کو (ذاتی طور پر) جاننے کا دعویٰ کیا تو بے شک اس نے جھوٹ بولا اور خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا اور اس سے اپنی عمر کی مدت پوچھی تو اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں' چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ اسی طرح حضرت یوسف نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق بتایا: ''یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَّاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِO'' (یوسف: ۴۱) ''اے میرے قیدخانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے' تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہےO'' اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی اور ہمارے نبی کریم سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو قیامت تک بلکہ دخولِ جنت اور دخولِ دوزخ تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہم کو ابتدائے آفرینش سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے' جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲) اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''لاعطین الرایۃ غدا یفتح اللہ علی یدیہ'' میں کل جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵)۔

آپ نے فرمایا: ''منزلنا غدا ان شاء اللہ بخیف بنی کنانہ'' کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہوگی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' دہلی) اسی طرح آپ نے اپنی بیٹی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت کی خواتین کی ملکہ اور سردار قرار دیا۔ (متفق علیہ' مشکوٰۃ ص ۵۶۸) نیز آپ نے اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا۔ (رواہ الترمذی' مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

(۵) مرنے کی جگہ کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا کہ تمہیں سولی دی جائے گی۔ (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی' اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا' نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں' سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے' جیسا کہ خود علامہ نسفی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملک الموت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے آدمی کی سرزمین ہند میں روح قبض کرنے کی روایت بیان کی ہے اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موت کے فرشتے نے اپنی انگلیوں سے پانچ کا اشارہ کیا' سو اس کی تعبیر بتانے والوں نے یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے پانچ سال اور پانچ مہینے اور پانچ دن مراد ہیں' لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان پانچ علوم کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا' وہ سب سے خبردار ہے اور حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ سورۂ لقمان کی تلاوت کثرت سے کیا کرو کیونکہ اس میں بہت سی عجیب باتیں ہیں۔

آیاتہا ۳۰	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	رکوعاتہا ۳

سورۃ السجدہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی تیس آیات' تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳

الم○ یہ کتاب پروردگارِ عالم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے○ کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اسے از خود گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں○

قرآن اور صاحب قرآن کی شان

۱'۲- ﴿الٓمّٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے' اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے [اس سورت کے نام ہونے کی بناء پر ''الم'' مبتدا ہے اور ''تنزیل الکتاب'' اس کی خبر ہے اور اگر ان کو حروف کے لیے تعدید قرار دیا جائے تو پھر ''تنزیل'' اس بناء پر مرفوع ہوگا کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ کہ یہ مبتدا ہے اور ''لا ریب فیه'' اس کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا کہ یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳) خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات' بلاواسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور اولیاء کو بھی ہے اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۲۹۱۔ ۲۸۶) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ قتل گاہ کربلا کی مٹی کے بارے میں بھی بتا دیا کہ وہ سرخ ہے اور اپنی وفات کے پچاس سال بعد مدینہ منورہ سے کربلا تشریف لے گئے اور حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کے دن ان کے خون کو ایک شیشی میں جمع کر لیا' جیسا کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عباس کی خواب کی روایات سے ثابت ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۳۔ ۵۷۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' دہلی)

"من رب العالمین" ہے اور "لاریب فیہ" جملہ معترضہ ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں اور اس میں ضمیر مضمون جملہ کی طرف لوٹتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کو عاجز کرنے والی ہے اور اس جیسی کتاب شک وشبہ سے بہت دور ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے درج ذیل ارشاد کی طرف اعراض فرمایا ض

۳- ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یعنی کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اس کتاب قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے [کیونکہ "ام" منقطعہ بہ معنیٰ "بل" اور ہمزہ ہے] اس کا معنی یہ ہے: (بل ایقولون افتراہ) بلکہ کیا وہ کفارِ مکہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ اس ارشاد میں ان کے قول کا انکار ہے اور اس سے تعجب کا اظہار ہے کیونکہ قرآن مجید کا معاملہ ظاہر اور واضح ہو چکا ہے' اس بناء پر کہ عرب کے بڑے بڑے ماہر بلغاء اس قرآن مجید کی صرف تین آیات کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں ﴿بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ﴾ بلکہ وہ حق ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انکار سے اثبات کی طرف اعراض فرمایا کہ بے شک یہ کتاب برحق ہے ﴿مِنۡ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے (نازل کی گئی ہے) اور اس کو (حضور سید عالم حضرت) محمد ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑ کے پیش نہیں فرمایا جیسا کہ کفار نے تعصب وعناد اور جہالت کی وجہ سے کہا ﴿لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا﴾ تا کہ آپ ایسی قوم کو یعنی اہل عرب کو ڈرسنائیں ﴿مَّاۤ اَتٰىهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہیں آیا [اس میں "ما" نافیہ ہے اور یہ جملہ "قوما" کی صفت ہے] ﴿لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ﴾ شاید وہ ہدایت پالیں۔ یہ ترجی (امید رکھنا) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے (کیونکہ آپ ہی نے ڈرسنایا) جیسا کہ یہ ارشاد ہے کہ "لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى O" (طٰہٰ:۴۴) "شاید وہ (فرعون) نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے O" اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لیے ترجی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۝۵

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا' تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ سفارشی تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے O وہ آسمان سے زمین تک کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف چڑھتا ہے' اس دن کو جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے جسے تم گنتے ہو O

۴- ﴿اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' چھ دن میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (یعنی) اس نے عرش کو پیدا کر کے اس پر غالب ہوا ﴿مَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ﴾ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ماسوا نہ کوئی

حمایتی ہے اور نہ کوئی سفارشی ہے یعنی جب تم رضائے الٰہی کی حدود سے بڑھ جاؤ گے تو تم اپنے لیے کوئی حمایتی نہیں پاؤ گے یعنی تم کوئی ایسا مددگار اپنے لیے نہیں پاؤ گے جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی پاؤ گے جو تمہارے لیے سفارش کر سکے ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے مواعظ حسنہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۵- ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہی کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی دنیا کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے ﴿مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قائم ہونے تک ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ پھر وہ اسی کی طرف چڑھتا ہے یعنی پھر وہ ہر کام اسی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ وہ اس میں اپنا حکم نافذ کرے ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ اس دن میں جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ دنیا کے دنوں میں جنہیں تم شمار کرتے ہو اور مشبہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو انسان کی جسمانی ساخت کے مشابہ ماننے والا فرقہ) ''اِلَيْهِ'' کے ارشاد سے جہت وسمت کے اثبات کے لیے استدلال نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسے جس طرف لے جانا چاہتا ہے لے جاتا ہے یا (جب دنیا کے فنا ہونے کے بعد حکام کے احکام وتدابیر ختم ہو جائیں گی تو) اس کی تدبیر اور اس کا حکم اسی کی طرف جائے گا جیسا کہ وہ درج ذیل ارشادات سے استدلال نہیں کر سکتے: ''اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ'' (الصافات:۹۹) ''بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں''۔ ''اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ'' (العنکبوت:۲۶) ''بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر جانے والا ہوں''۔ ''وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ'' (النساء:۱۰۰) ''اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف نکلتا ہے''۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا بہت غالب بے حد مہربان ہے O اسی نے ہر چیز کو اچھا پیدا کیا اور اس نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا O پھر اس نے اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصہ سے بنایا O پھر اس کو ہموار کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو O

۶- ﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہی پوشیدہ وچھپی ہوئی اور ظاہر وعیاں سب کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کارنامہ ہائے مذکورہ کے ساتھ متصف ہے' جن کا اوپر ذکر گزر چکا ہے اور جو کچھ مخلوقات سے مخفی و پوشیدہ ہے اور جو کچھ مخلوقات مشاہدہ کرتی ہے' سب کو وہ خوب جاننے والا ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ اس کا حکم اور اس کی تدبیر سب پر غالب ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ بے حد مہربان ہے' اس کا لطف وکرم اور آسانیاں سب کو پہنچ رہی ہیں [اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس پر وقف نہیں کیونکہ (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ''الَّذِيْ'' اس کی صفت ہے]۔

۷- ﴿الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اسی نے ہر چیز کو خوب بنایا یعنی اس نے ہر چیز کو حسین بنایا کیونکہ ہر چیز اسی ترتیب پر

مرتب ہے جس کا حکمت و دانائی تقاضا کرتی ہے ﴿خَلَقَهٗ﴾ [کوفی' نافع اور سہل کی قراءت میں ''شیءٍ'' کی صفت ہونے کی بناء پر (لام پر فتح فعل ماضی واحد مذکر) ''خَلَقَهٗ'' ہے یعنی ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اسے بلاشبہ حسین بنایا ہے اور ان کے علاوہ (ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی) کی قراءت میں بدل ہونے کی بناء پر (لام ساکن مصدر) ''خَلْقَهٗ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بہترین تخلیق فرمائی] ﴿وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔

۸۔ ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی نسل (یعنی) اس کی اولاد کو پانی کے نچوڑ (نطفہ) سے بنایا ﴿مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ ضعیف وحقیر پانی یعنی منی سے (پیدا فرمایا) [اور یہ ''سلالۃ'' سے بدل ہے]۔

۹۔ ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار بنایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انسان کے قالب کی شکل و صورت کو معتدل اور اس کے اعضاء کو ہموار بنایا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍO'' (التین:۴) ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا فرمایاO'' ﴿وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح داخل کی' [''نَفَخَ'' بہ معنیٰ ''اَدْخَلَ'' ہے اور ''مِنْ رُّوْحِهٖ'' میں اختصاص کی اضافت ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی زندگی بخش چیز داخل کی جو اس کی ذات اقدس اور اس کے علم کے ساتھ مخصوص ہے ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم اپنے کانوں سے سنو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اپنے دل سے سمجھو ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو' ای تشکرون قلیلا'' یعنی تم تھوڑا سا شکر ادا کرتے ہو۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ
بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

ع ۱۱

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے' بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیںO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

۱۰۔ ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور انہوں نے کہا' کہنے والا صرف اکیلا ابی بن خلف تھا اور تمام کفار اس کی اس بات پر راضی تھے' اس لیے اس ایک کی بات کو ان سب کی طرف نسبت کر کے ''قالوا'' کہا گیا ہے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ﴾ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے یعنی ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہم زمین کی مٹی میں گھل مل جائیں گے' جس سے ہم جدا اور ممتاز نہیں ہو سکیں گے جیسا کہ پانی دودھ میں گم ہو جاتا ہے یا ہم زمین میں دفن ہو کر غائب ہو جائیں گے [علی کسائی کی قراءت میں ''ضَلِلْنَا'' لام مکسور کے ساتھ ہے ''ضَلَّ يَضِلُّ'' (باب ''سمع يسمع'') اور ''ضَلَّ يَضِلُّ'' (باب ''ضرب يضرب'') دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور ''ءاذا اضللنا'' میں ظرف محلاً منصوب ہے اور عامل ''نبعث'' ہے' جس پر درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے:] ﴿ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ﴾ کیا ہم یقیناً نئے سرے سے پیدا ہوں گے ﴿بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ

رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا ذکر کیا تو اب اس سے زیادہ بلیغ کی طرف اعراض فرمایا اور وہ یہ کہ کفار ان تمام چیزوں کے منکر ہیں جو آخرت میں واقع ہوں گی' صرف دوبارہ زندہ ہونے کے منکر نہیں۔

۱۱۔ ﴿ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی تمہیں موت کا وہ فرشتہ وفات دیتا ہے جو تمہاری روحیں قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' پھر اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کر کے پیش کیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یہی معنی ہے اور ''توفي'' کا معنی ہے: نفس کو پورا لے لینا' اور وہ روح ہے یعنی تم سب کی روحیں اکیلا موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام قبض کر لیتا ہے اور یہ تمہارے اس قول سے ہے کہ ''توفيت حقي من فلان'' میں نے فلاں آدمی سے اپنا حق پورا پورا لے لیا۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنا حق بغیر کسی نقصان کے پورا اور مکمل لے لیا ہو اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کے لیے زمین کو لپیٹ دیا گیا ہے اور اس کو اس کے لیے طشت کی طرح کر دیا گیا ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے' لے لیتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ملک الموت ارواح کو بلاتا ہے تو وہ اس کی دعوت قبول کر لیتی ہیں' پھر وہ اپنے معاونین کو حکم دیتا ہے' وہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا آمر یعنی حکم دینے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کے افعال کا خالق ہے' سو درج ذیل آیات اور اس آیت مبارکہ کے درمیان موافقت و جمع کی یہی ایک وجہ ہے: ''تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا'' (الانعام:۶۱) ''ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں'' اور ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا'' (الزمر:۴۲) ''اللہ تعالیٰ جانوں کی موت کے وقت ان کی روحوں کو وفات دے دیتا ہے''۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے' (اور کہیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا ہے اور ہم نے سن لیا ہے' سو آپ ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیں ہم نیک عمل کریں گے بے شک اب ہم یقین کرنے والے ہیں ○ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ہر جان کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے یہ قول سچا ثابت ہوا کہ میں ضرور بالضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ○ سو تم عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو تم آج اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے' بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے کی

طرح چھوڑ دیا ہے اور اب تم ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو عمل تم کرتے تھے O

مجرموں کے انجام کا بیان

۱۲- ﴿ وَلَوْ تَرٰى ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے' یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا ہر ایک انسان کے لیے ہے [اور ''لَوْ'' امتناعیہ اور جواب محذوف ہے یعنی ''لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا'' البتہ آپ بہت بڑا معاملہ دیکھتے] ﴿ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور یہ مجرم لوگ وہی مشرکین و کفار ہیں جو قیامت کے دن کہیں گے کہ ''ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ'' (السجدہ:۱۰) ''کیا جب ہم زمین میں (دفن ہو کر) غائب ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھیں گے'' [اور ''لَوْ'' اور ''اِذْ'' ماضی کے لیے ہیں اور یہاں یہ صرف اس لیے جائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوقع موجود و ثابت کے قائم مقام ہے اور ''تَرٰی'' کا مفعول مقدر نہیں جس پر یہ مشتمل ہو جاتا اور ''اِذْ'' ظرف ہے اس کا] گویا فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ دیکھتے جب مجرم و گناہ گار لوگ ﴿ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ ﴾ ذلت و رسوائی اور شرم و حیا اور ندامت و پشیمانی کی وجہ سے اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کے پاس حساب دینے کے لیے [یہاں حذف کے حق کی وجہ سے وقف کیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد عبارت یوں مقدر ہے:] ''یقولون'' ﴿ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا ﴾ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ کے وعدے اور وعید (دھمکی) کی سچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿ وَسَمِعْنَا ﴾ اور آپ سے آپ کے رسولوں کی تصدیق ہم نے سن لی ہے یا یہ کہ ہم دنیا میں اندھے اور بہرے بنے رہے لیکن اب ہم نے سن لیا اور دیکھ لیا ہے ﴿ فَارْجِعْنَا ﴾ سو اب ہمیں دنیا کی طرف واپس بھیج دے ﴿ نَعْمَلْ صَالِحًا ﴾ ہم نیک عمل کریں گے یعنی ہم ایمان و اطاعت اختیار کر لیں گے ﴿ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴾ بے شک اب ہم حساب و کتاب اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین کرتے ہیں۔

۱۳- ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو دنیا میں ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اپنے پاس سے وہ لطف و کرم عطا کر دیتے جس کی وجہ سے اگر وہ اسے اختیار کر لیتے تو ضرور ہدایت حاصل کر لیتے لیکن ہم نے ان کو وہ لطف و کرم عطا نہیں کیا کیونکہ ہمیں ازل سے معلوم ہے کہ وہ کفر کو اختیار کریں گے اور اسی کو ترجیح دیں گے اور یہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف حجت ہے' سو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ وہ ہر شخص کو وہ لطف عطا کرے گا جس کے سبب وہ ہدایت حاصل کرنے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو لطف و ہدایت عطا کر دی لیکن اس نے ہدایت حاصل نہیں کی اور انہوں نے اس آیت مبارکہ کی جبری مشیت کے ساتھ تاویل کی ہے اور یہ تاویل فاسد و غلط ہے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اس کا فساد معلوم ہو چکا ہے ﴿ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ اور لیکن میرا قول برحق ہے کہ میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا (یعنی) اور لیکن میرا قول واجب و ثابت ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بے شک ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوزخ کے مستحق ٹھہریں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے میں علم ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں آ کر انکار و تکذیب کو اختیار کریں گے اور جن و انس کی تخصیص میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ایسے اعمال سے معصوم و محفوظ رہیں گے جن کے سبب وہ دوزخ کے مستحق بنتے۔

۱۴- ﴿ فَذُوْقُوْا ﴾ ''العذاب'' سو تم عذاب کا مزہ چکھو ﴿ بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ اس عمل کی وجہ سے جس کے سبب تم نے آج کے دن کی ملاقات کے عمل کو ترک کر دیا تھا اور وہ ہے اس دن کی ملاقات پر ایمان لانا ﴿ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ﴾

بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے شخص کی طرح عذاب میں چھوڑ دیا ہے ''نسینا'' بہ معنیٰ ''ترکنا'' ہے ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ اور تم ہمیشہ کا عذاب چکھو یعنی ایسے دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان اعمال کے سبب جو تم کفر وشرک اور معصیت ونافرمانی کی صورت میں کرتے تھے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جائیں تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار سے خوف اور امید کے ساتھ دعا کرتے ہیں' اور ہم نے ان کو جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں O

نیکوکار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۱۵- ﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا﴾ بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں ان کی یاد دلائی جائے یعنی انہیں ان آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے تو ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا﴾ وہ سجدے میں گر جاتے ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے فروتنی اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے اس کے حضور میں سجدے میں گر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی جو توفیق عطا فرمائی' اس نعمت اسلام پر شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں ﴿وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی تعریف کرتے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ ایمان لانے اور اسے سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے۔

۱۶- ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ان کے پہلو بستروں اور سونے کی جگہوں سے بلند اور دور و الگ رہتے ہیں۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم کو عطیہ بخشا اور وہ یہ کہ انہیں اپنے ساتھ مناجات کی اجازت عطا فرما دی اور انہیں اپنا قرب رکھنے والوں میں سے بنا دیا' پھر اس پر ان کی مدح وتعریف بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ''تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ'' ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اور ﴿يَدْعُوْنَ﴾ ''داعین'' ''عابدین لہ'' وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں اس کو پکار پکار کر (اور) وہ اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿رَبَّهُمْ﴾ ﴿خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ [دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنے اور اس کی رحمت کی امید رکھنے کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور یہ تہجد گزار ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اس سے رات کو اٹھ کر بندے کا عبادت کرنا مراد ہے[1] اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان کے پہلوؤں نے غفلت کے بستر پر آرام کرنے سے انکار کر دیا ہے اور قربت کا بستر طلب کر لیا ہے یعنی رات کی نماز' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] رواہ احمد ج ۵ ص ۲۳۲_۲۳۲

نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء اخیرہ کی نماز تک نوافل کی نماز (نماز اوابین) پڑھتے رہتے تو ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی [1] اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتے 'اس سے پہلے نہیں سوتے تھے ﴿ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں جو رزق عطا کیا ہے' وہ اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾
اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے (یہ) ان کے اعمال کا صلہ ہے جو کرتے تھے O تو کیا وہ شخص جو مؤمن ہے وہ اس طرح ہو سکتا ہے جو فاسق ہے' وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے O لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی کے لیے بسنے کے باغات ہوں گے ان اعمال کے عوض میں جو وہ کرتے تھے O

۱۷۔ ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ ﴾ سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے [''مَا'' بہ معنی ''الذی'' ہے' حمزہ اور یعقوب کی قراءت میں ''یَا'' ساکن کے ساتھ حکایت نفس (فعل مضارع متکلم) ہے] ﴿ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک سے' یعنی کوئی نہیں جانتا جو ان کے لیے عزت وکرامت تیار کی گئی ہے ﴿ جَزَآءً ﴾ بدلہ [یہ مصدر ہے] یعنی انہیں جزائے خیر دی جائے گی ﴿ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ اس کے عوض میں جو وہ اعمال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ عبادت گزار قوم نے دنیا میں چھپا کر اعمال (نماز تہجد وغیرہ) ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ آدھی رات میں نماز پڑھنا مراد ہے تا کہ جزا عمل کے مطابق ہو جائے۔

۱۸۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیات میں) بیان فرمایا کہ جو شخص اطاعت وفرماں برداری اور عبادت وریاضت اور ایمان واسلام کے نور میں مشغول ہے' وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو کفر وشرک اور معصیت ونافرمانی اور گناہوں کی ظلمت وتاریکی میں مبتلا ہو چکا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ﴾ تو کیا جو شخص مؤمن ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو فاسق یعنی کافر ہے ﴿ لَا یَسْتَوٗنَ ﴾ وہ لوگ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے [اور ''کان مؤمنا'' اور ''کان فاسقا'' دونوں ''مَنْ'' کے لفظ پر محمول ہونے کی بناء پر (واحد ہیں کیونکہ ''مَنْ لفظًا'' مفرد اور معنًا جمع ہے) اور ''لا یستوون''، ''من'' کے معنی پر محمول ہے' جس کی دلیل درج ذیل ارشاد ہے:]

۱۹۔ ﴿ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ﴾ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے بسنے کے باغات ہیں۔ یہ بہشتوں میں سے ایک قسم ہے جس میں شہداء کی روحیں پناہ حاصل کرتی ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب ہے ﴿ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ مہمانی ہے' ان کے عوض میں جو اعمال وہ کرتے تھے (یعنی) ان کے اعمال پر عطیہ ہے اور ''نزل'' آنے والے مہمان کے لیے تیار کیا جانے والا عطیہ ہے

[1] رواہ ابن مردویہ: حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۵۱۲

(خواہ وہ کھانا پینا ہو یا رہائش وغیرہ ہو) پھر عام ہو گیا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾

ع ۱۱ / ۱۵

اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے انہیں دوبارہ اسی میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم (دوزخ کی) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O اور ہم ضرور بالضرور انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں O اور اس سے بڑھ کر کون زیادہ ظالم ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی' پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں O

نافرمان کفار کا انجام

۲۰- ﴿ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ماویٰ یعنی ان کا ٹھکانا اور ان کی منزل دوزخ کی آگ ہے ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ﴾ وہ جب بھی اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں واپس لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے دربان ان سے کہیں گے: ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ تم دوزخ کی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں فاسق سے کافر مراد ہے کیونکہ تکذیب (جھٹلانا اور انکار کرنا) ایمان کا مقابل ہے۔

۲۱- ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى ﴾ اور بے شک ہم ان (اہل مکہ) کو چھوٹے یا قریب ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے یعنی دنیا کے عذاب قید و بند اور قتل و غارت میں گرفتار کریں گے اور (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے ضرر کی وجہ سے) سات سال قحط میں مبتلا کر کے محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے عذاب میں گرفتار کریں گے ﴿ دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾ بہت بڑے عذاب سے پہلے (یعنی) آخرت کے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کے عذاب میں مبتلا کر کے اس کا مزہ چکھائیں گے' پھر انہیں آخرت کے عذاب میں پہنچایا جائے گا' اور دارانی سے منقول ہے کہ ادنیٰ عذاب سے دنیا کی ذلت و رسوائی مراد ہے اور عذاب اکبر سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''العذاب الادنی'' سے قبر کا عذاب مراد ہے (اور عذاب اکبر سے آخرت کا عذاب مراد ہے) ﴿ لَعَلَّهُمْ ﴾ تاکہ عذاب ادنیٰ میں مبتلا ہو کر عذاب دیئے جانے والے کفار مکہ ﴿ يَرْجِعُوْنَ ﴾ کفر و شرک سے (توحید و ایمان کی طرف) رجوع کر کے توبہ کر لیں۔

۲۲- ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ﴾ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات یعنی قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کی گئی ﴿ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ﴾ پھر اس نے ان سے منہ موڑ لیا یعنی وہ ان سے پھر گیا اور ان میں تدبر اور غور وفکر نہیں کیا اور "ثم" استبعاد کے لیے ہے یعنی بے شک اس قسم کی واضح ترین اور روشن ترین اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنے والی اور سعادتِ عظمیٰ سے کامیاب کرنے والی آیاتِ مبارکہ سے نصیحت حاصل کرنے کے بعد منہ پھیر لینا عقل کے نزدیک بہت بعید ہے جیسے تم اپنے ساتھی کو فرصت کے ترک کرنے کو بہت بعید خیال کرتے ہوئے کہو کہ کیا تم نے اس طرح کی فرصت کا وقت پایا' پھر اس کو غنیمت نہیں سمجھا ﴿ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں' اور "من المجرمين" کی بجائے "منه" نہیں فرمایا گیا کیونکہ اسے جب ہر ظالم سے زیادہ بڑا ظالم قرار دیا گیا' پھر عام مجرموں کو انتقام لینے سے ڈرایا گیا تو بے شک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے زیادہ بڑے ظالم کو انتقام کا حصہ سب سے زیادہ پہنچے گا اور اگر ضمیر لائی جاتی تو پھر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ
جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی' سو آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیاO اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے جب انہوں نے صبر کیا' اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھےO بے شک آپ کا پروردگار ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان اُمور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھےO

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا تذکرہ

۲۳- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات شریف عطا فرمائی ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ ﴾ سو آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں' یا آپ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں شک نہ کرنا' یا قیامت کے دن میں شک نہ کرنا' یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کرنے میں شک نہ کرنا' حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح منقول ہے ﴿ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا (یعنی) اور ہم نے جو کتاب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی' اسے ان کی قوم کے لیے ہدایت بنا دیا تھا۔

۲۴- ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو امام و پیشوا بنا دیا تھا [عاصم کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ "اَئِمَّةً" ہے] ﴿ يَّهْدُوْنَ ﴾ وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام کی جو باتیں تورات شریف میں تحریر تھیں' ان کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے ﴿ بِاَمْرِنَا ﴾ ان کو ہمارے حکم سے اس کی

دعوت دیتے تھے جب کہ انہوں نے حق پر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر صبر کیا' یا انہوں نے گناہوں سے پرہیز کرنے پر صبر کیا ﴿ لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ جب انہوں نے صبر کیا (تو ہم نے انہیں قوم کا امام بنا دیا) [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''لِمَا صَبَرُوْا'' (لام مکسور اور ''مَا'' موصول غیر مشدد) ہے یعنی دنیا سے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر کرنے کا ثمرہ یعنی پھل اور نتیجہ لوگوں کی امامت و پیشوائی کا ملنا ہے ﴿ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ ہماری آیتوں یعنی تورات شریف پر یقین رکھتے تھے' وہ ایسا علم جانتے تھے جس سے انہیں شک وشبہ پریشان نہیں کرتا تھا۔

۲۵- ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ قیامت کے روز انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان یا مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جن اُمور میں وہ اختلاف کرتے تھے' پس حق پرست اور باطل پرست ظاہر ہو جائیں گے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں' بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' تو کیا وہ سنتے نہیں O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم (بارش کے) پانی کو بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں' پھر ہم اس کے ذریعہ سے کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں' تو کیا وہ دیکھتے نہیں O

اہل مکہ کو غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے کا بیان

۲۶- ﴿ اَوَلَمْ يَهْدِ ﴾ اور کیا اللہ تعالیٰ نے (اہل مکہ کو) ہدایت نہیں دی [حرف واؤ معطوف علیہ منوی پر عطف کے لیے ہے' جو معطوف کی جنس سے ہے یعنی ''اولم یدع'' اور ''یَهْدِیْ'' بہ معنی ''یُبَیِّنْ'' ہے اور اس کا فاعل ''اللّٰہ'' ہے جس کی دلیل زید کی قراءت ہے جو یعقوب سے روایت کی گئی ہے اور وہ ہے ''نَهْدِ''] ﴿ لَهُمْ ﴾ ان کے لیے (یعنی) اہل مکہ کے لیے ﴿ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جیسے عاد اور ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم۔ [''کم'' کو ''یهد'' کا فاعل بنانا جائز نہیں کیونکہ حرف ''کم'' استفہام کے لیے ہے' اس لیے وہ اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور خود ''اھلکنا'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] ﴿ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ﴾ وہ ان کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں یعنی اہل مکہ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں دورانِ سفر ان کے گھروں اور ان کے ملکوں اور شہروں کے پاس سے گزرتے ہیں ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا وہ لوگ وعظ و نصیحت کی باتیں غور سے نہیں سنتے' تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کرتے۔

۲۷- ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ ﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم پانی کو چلاتے ہیں (یعنی) ہم بارش اور نہروں' وادیوں کے پانی کو چلا کر لے جاتے ہیں ﴿ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ ﴾ بنجر اور ویران زمین کی طرف یعنی ایسی زمین کی

طرف جس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو یعنی منقطع ہو چکا ہو خواہ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے یا جانوروں کے چرا جانے کی وجہ سے اس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو اور اس زمین کو ''جرز'' نہیں کہا جاتا' جس میں سبزہ نہیں اُگتا جیسے شور والی زمین جس کی دلیل (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا﴾ سو ہم اس کے ذریعے (یعنی) پانی کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں (یعنی پیدا کر کے اگاتے) ہیں ﴿تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ﴾ اس کھیتی میں سے ان کے چوپائے اس کی گھاس' چارہ' پتے اور بھوسہ وغیرہ کھاتے ہیں اور وہ خود اس کے دانے اور پھل کھاتے ہیں ﴿اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ﴾ تو کیا وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں کہ وہ مردوں کے زندہ کیے جانے پر دلیل حاصل کرتے (کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ویران زمین کو پانی سے زرخیز اور ہرا بھرا بنا دیتا ہے' اسی طرح وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مردوں کو زندہ فرمائے گا)۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہوO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گیO سو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور انتظار کریں بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیںO

۲۸- ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح و نصرت یا یہ فیصلہ کب واقع ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَO'' (الاعراف:۸۹) ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہےO''۔ اور مسلمان کہنے لگے کہ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں مشرکین پر فتح عطا فرمائے گا' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' چنانچہ جب مشرکین نے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: ''مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ'' یہ فتح کب ہوگی یعنی کس وقت ہو گی ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بے شک یہ فتح تمہیں حاصل ہوگی۔

۲۹- ﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کا دن یعنی قیامت کا دن' اور یہ مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہوگا یا وہ دن مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان (مشرکین) پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا یا بدر کا دن یا فتح مکہ کا دن مراد ہے ﴿لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اس دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی اور یہ کلام بہ ظاہر ان کے سوال کے جواب کے مطابق نہیں لیکن جب ان کی غرض فتح کے وقت کے متعلق سوال کرنے سے تکذیب و استہزاء کے طور پر جلد از جلد مطالبہ کرنا ہے تو انہیں ایسے طریقے پر جواب دیا گیا' جس سے ان کے سوال کی غرض معلوم ہو جائے' پس ان سے کہا گیا کہ تم جلدی طلب نہ کرو اور نہ مذاق اُڑاؤ' پس گویا میں تمہارے پاس ہوں اور تم نے وہ حاصل کر لیا ہے اور اس دن میں پہنچ چکے ہو اور تم ایمان بھی لا چکے ہو لیکن ایمان نے تمہیں کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا اور تم نے عذاب پانے کی صورت میں مہلت بھی طلب کر لی لیکن تمہیں مہلت نہیں دی گئی' اور جس نے فتح مکہ یا بدر کے دن کے ساتھ اس کی تفسیر کی تو پھر مشرکین میں سے صرف مقتولین مراد ہوں گے کیونکہ حالتِ قتل

میں ان کے ایمان نے انہیں نفع نہیں دیا جیسا کہ فرعون کو غرق ہونے کے وقت اس کے ایمان لانے نے کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا تھا۔

۳۰۔ ﴿ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ ﴾ سو آپ ان سے اعراض فرمالیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کا اور ان کی ہلاکت کا انتظار کیجئے ﴿ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴾ بے شک وہ تم پر غلبہ پانے کا اور تمہاری ہلاکت کا انتظار کرنے والے ہیں' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے' جب تک پہلے'' الم تنزیل '' سورۃ السجدہ اور'' تبارك الذی بیده الملك '' سورۂ ملک نہیں پڑھ لیتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص '' الم تنزیل '' ایک دفعہ اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تین دن تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: '' سورۃ الم تنزیل '' کا نام مانعہ ہے کیونکہ یہ عذاب قبر کو روکتی ہے۔

سورۃ الاحزاب مدنیۃ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	آیاتھا ۷۳ رکوعاتھا ۹

سورۃ الاحزاب مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی تہتر آیات' نو رکوع ہیں

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٢﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٣﴾

اے (غیب کی خبریں بتانے والے) پیغمبر! اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر قائم رہیے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بڑا حکمت والا ہے ○ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب خبردار ہے ○ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے ○

حضور سید عالم ﷺ کو چار اہم ترین احکام کی تلقین

نوٹ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم سورتِ احزاب کی آیات کی تعداد کتنی بیان کرتے ہو؟ حضرت زر بن حبیش نے فرمایا کہ سورتِ احزاب کی تہتر آیات ہیں' حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: پس قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کی ابی قسمیں اٹھایا کرتا ہے! بے شک یہ سورتِ احزاب' سورتِ بقرہ کے برابر یا اس سے زیادہ لمبی تھی (لیکن بعد میں بہت سی آیات منسوخ کردی گئیں) اور بے شک ہم نے اس سورت میں رجم کی یہ آیت کریمہ بھی پڑھی تھی کہ '' الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم '' جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کاری کریں تو تم ضرور سنگسار کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے۔ حضرت ابی کی مراد یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ بھی اسی مجموعہ میں سے ہے جو قرآن مجید میں سے (خصوصاً اس سورت میں سے جو بہت سی آیات کو) منسوخ قرار دیا گیا ہے اور لیکن جو حکایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ اضافی آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں موجود صحیفہ میں تھیں' پھر انہیں گھریلو بکری کھا گئی تھی' سو یہ ملحدوں اور

رافضیوں کی من گھڑت تالیفات وتحریرات میں سے ہے۔[1]

۱- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ [نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "النبیئ" ("نبا" سے ماخوذ ہے)] یعنی اے ہماری وحی سے خبریں پہنچانے والے ہمارے اسرار ورموز کے محافظ و معتمد' ہمارے خطاب کو ہمارے دوستوں تک پہنچانے والے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو پکارتے ہوئے نام لے کر فرمایا: "یا ادم' یا موسٰی" ("یاعیسٰی بن مریم' یاداؤد' یا زکریا' یا یحیی" اور "یا ابراھیم" وغیرہم) اس طرح "یامحمد" کہہ کر نہیں پکارا (بلکہ اوصاف جمیلہ کے ساتھ "یا ایھا النبی' یا ایھا الرسول' یا ایھا المزمل" اور "یا ایھا المدثر" کہہ کر پکارا) یہ محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتکریم اور آپ کی فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے کیا اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (الفتح:۲۹) جیسے ارشاد میں اسم مبارک کی تصریح صرف لوگوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (نیز اس میں نداء نہیں ہے) ﴿ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر ثابت قدم اور اس پر ہمیشہ قائم رہیں اور اس میں بڑھتے جائیں کیونکہ یہ تقویٰ ایک ایسا باب ہے جس کے درجات کی انتہاء معلوم نہیں کی جا سکتی ﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے اور کسی چیز پر نہ ان کی مدد کیجئے اور نہ ان سے مدد لیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان' عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی' جنگ اُحد کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اور منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابیّ کے پاس آ کر ٹھہرے اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے امان طلب کی تو آپ نے اس شرط پر انہیں امان دے دی کہ وہ آپ کے پاس آ کر گفتگو کر لیں' چنانچہ انہوں نے آ کر کہا: آپ ہمارے معبودوں کا مذمت کے ساتھ ذکر کرنا چھوڑ دیں اور آپ (لوگوں سے) یہ فرمائیں کہ ہمارے یہ بت قیامت میں شفاعت کریں گے اور پجاریوں کو فائدہ اور نفع پہنچائیں گے اور منافقین نے اس بات پر ان کی تائید کی (جس سے آپ کو دکھ ہوا اور آپ کو ناگوار گزرا) جس پر مسلمانوں نے ان کو قتل کرنا چاہا (تو آپ نے امان کی وجہ سے انہیں منع کر دیا) اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی یعنی امان دینے کے عہد کو توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اہل مکہ میں سے کافروں کی اور اہل مدینہ میں سے منافقوں کی اطاعت نہ کریں جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی خباثت کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ (اور) ان کے قتل کرنے کے معاملہ کو مؤخر کرنے میں بڑا حکمت والا ہے۔

۲- ﴿ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جو آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ وہ اس سے خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو' وہ ان کے اعمال کو بھی اور تمہارے اعمال کو بھی ہمیشہ سے خوب جانتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "بما تعملون" میں فعل کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "اتبع" سے مراد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام دونوں ہیں [اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یعملون" ہے

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ہر وہ روایت جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے تو سمجھو وہ روایت یا تو موضوع (یعنی من گھڑت) ہے یا پھر مؤول ہے (کہ کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا بلکہ منسوخ ہو گیا ہے)۔
(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۴۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

یعنی کفار و منافقین جو کچھ تمہارے خلاف مکر و فریب اور سازشیں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال سے خوب خبردار ہے۔

۳۔ ﴿وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں اور آپ اپنا ہر کام اسی کی طرف منسوب کر دیں اور اپنا ہر معاملہ اسی کی تدبیر کی طرف سپرد کر دیں ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے' وہی حفاظت فرمانے والا ہے اور ہر کام و معاملہ اسی کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ یہ جملہ لفظ کے اعتبار سے اگرچہ خبر ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے: (اے محبوب!) آپ اللہ تعالیٰ کے وکیل و کارساز ہونے پر اکتفاء کریں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے' اور نہ اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا' اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا' یہ تمہارے اپنے مونہوں کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی حق کی راہ دکھاتا ہے ○ تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے' پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں' اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا' اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کہا (اس پر گناہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○

کسی آدمی کے دو دل ہونے' بیوی کو ماں کہنے اور کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کی ممانعت

٤۔ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو (یعنی ماں کہتے ہو) تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کے پیٹ میں دو دل جمع نہیں کیے اور نہ ہی ایک عورت میں بیوی اور ماں کا رشتہ جمع کیا ہے اور نہ ایک آدمی میں حقیقی بیٹے اور لے پالک بیٹے کو (یکساں) جمع کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایک انسان کے لیے دو دل نہیں بنائے کیونکہ اس صورت میں ایسا انسان دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا وہ افعالِ قلوب میں سے جو فعل اور کام دو دلوں میں سے ایک کے ساتھ کرے گا وہی فعل اور کام دوسرے دل کے ساتھ بھی کرے گا تو ایسی حالت میں ان دو دلوں میں سے ایک دل فضول و زائد ہوگا' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور یا پھر ایک دل کے ساتھ ایک کام کرے گا تو دوسرے دل کے ساتھ

کوئی اور کام کرے گا تو اس طرح وہ ایک حالت میں دو متضاد کاموں کے ساتھ متصف ہو جائے گا' پس وہ بیک وقت چاہنے والا بھی ہوگا اور نہ چاہنے والا و ناپسند کرنے والا بھی ہوگا' علم والا بھی ہوگا اور ظن و گمان کرنے والا بھی ہوگا' یقین کرنے والا بھی ہوگا اور شک کرنے والا بھی ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ بھی نہیں کیا کہ ایک عورت کسی آدمی کی ماں بھی ہو اور اس کی بیوی بھی ہو کیونکہ ماں مخدومہ ہوتی ہے اور بیوی خادمہ ہوتی ہے (ماں کی خدمت کی جاتی ہے اور بیوی سے خدمت لی جاتی ہے) اور ان دونوں میں منافات ہے (کہ ایک دوسرے کے منافی اور متضاد ہے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی جائز قرار نہیں دیا کہ ایک شخص کسی آدمی کا لے پالک بیٹا بھی ہو اور اسی کا حقیقی بیٹا بھی ہو کیونکہ حقیقی بیٹا نسب کے ثبوت میں اصل ہے جب کہ لے پالک بیٹے کا نام کی حد تک عارضی تعلق ہوتا ہے' اس کے علاوہ کچھ نہیں تا کہ ایک شخص میں اصل ہونا اور غیر اصل (فرع) ہونا جمع نہ ہو جائے۔

شانِ نزول: اور یہ منہ بولے بیٹے کی مثال' اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان فرمائی ہے اور یہ قبیلہ کلب کے ایک آدمی تھے' جنہیں بچپن میں قید کر کے غلام بنالیا گیا تھا' پھر انہیں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے خرید لیا تھا' پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے شادی کی تو انہوں نے حضرت زید آپ کو ہبہ کر دیئے' پھر حضرت زید کے باپ حارثہ بن شراحیل اور چچا دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضرت زید کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ گھر چلے جائیں' چنانچہ حضرت زید نے اپنے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کی بجائے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو آپ نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور انہیں اپنا بیٹا بنالیا اور اسی بناء پر لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہتے تھے' پھر جب حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور نبی کریم ﷺ نے شادی کر لی تو منافقوں نے کہا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) سے شادی کر لی ہے حالانکہ خود آپ اس سے منع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی' اور بعض حضرات نے کہا کہ منافقین کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے لیے دو دل ہیں' ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل اپنے صحابہ کرام کے ساتھ ہے اور بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک شخص ابو معمر عرب میں سب سے زیادہ تیز حافظہ والا شخص تھا' جسے عرب کے لوگ ذوالقلبین (دو دلوں والا) کہتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب فرمائی اور اس کو ظہار اور متبنیٰ کے بیان میں بیان کیا [اور "رَجُلٍ" کو نکرہ اور "قلبین" پر حرف "مِنْ" اور "جوف" کا ذکر محض تاکید کے لیے ہے اور "اللّٰائی" ہمزہ کے بعد "یا" کے ساتھ ہوتی ہے جہاں بھی ہو' یہ عاصم کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت ہے اور نافع مدنی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں "اللّاء" بغیر "یا" کے ہے اور یہ "اَلّتِی" کی جمع ہے اور عاصم کی قراءت میں "تُظٰہِرُوْنَ" ہے "ظاھر" سے ماخوذ (باب مفاعلہ) ہے] اور ظہار اس وقت منعقد ہوتا ہے جب خاوند اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تو مجھ پر اس طرح (حرام) ہے جس طرح میری ماں کی پشت (یا پیٹ مجھ پر حرام) ہے [علی کسائی' حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں "تَظَاھَرُوْنَ" (باب تفاعل سے) ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تَظَّاھَرُوْنَ" (ظاء مشدد) ہے اور یہ "اِظَّاھَرَ" سے بہ معنی "تَظَاھَرَ" ہے' باقی قراء کے نزدیک "تَظَّھَّرَ" (ظاء اور ھاء مشدد) ہے' یہ "اِظَّھَّرَ" سے بہ معنی "تَظَھَّرَ" ہے اور اس کو "مِنْ" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ "بُعْد" کے معنی کو متضمن ہے] کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس کی نظیر: "الٰی من امراتہ" کہ فلاں شخص اپنی بیوی سے ایلاء کر کے اس سے

دور ہو گیا اور علیحدگی اختیار کر لی [چونکہ یہ بھی ''تباعد'' کے معنی کو متضمن ہے اس لیے حرف ''مِنْ'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے ورنہ ''الّٰی'' اصل میں ''الذی'' ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے قسم اٹھائی] اور اب اس کا یہ حکم نہیں ہے (بلکہ ظہار کی صورت میں طلاق نہیں حرمت لازم آئے گی' جو کفارہ ادا کرنے پر ختم ہو جائے گی) [''دعی'' فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے اور یہ وہ ہے جسے منہ بولا بیٹا پکارا جائے اور ''ادعیاء'' افعلاء کے وزن پر جمع ہے مگر یہ شاذ ہے اس لیے کہ اس کا باب بہ معنی فاعل آتا ہے جیسے ''تقی'' واحد اور ''اتقیاء'' جمع ہے اور ''شقی'' واحد اور ''اشقیاء'' جمع ہے اور یہ جمع ''رمی'' اور ''سمی'' کی مثل میں نہیں آتی' محض لفظی تشبیہ کی بناء پر ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے یعنی تمہارا بیوی کو یہ کہنا کہ وہ ماں ہے اور لے پالک کو یہ کہنا کہ یہ بیٹا ہے یہ صرف تمہاری زبانی باتیں ہیں' ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ''ابن'' (بیٹے) اور اسی طرح ''ام'' (ماں) کا رشتہ ولادت سے متعلق ہے (جس کی ولادت ہوئی وہ بیٹا یا بیٹی اور جس سے ولادت ہوئی وہ ماں ہے) ﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے یعنی وہ جس کا ظاہر بھی حق ہو اور باطن بھی حق ہو ﴿وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ﴾ اور وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کی راہ دکھاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حق اور ہدایت کیا ہے اور حق کی راہ کیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۵- ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لے پالک بیٹوں کو ان کے اصل باپوں کی طرف منسوب کر کے بلانا یہ دو امروں میں سے عدل و انصاف میں زیادہ داخل ہے اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی آدمی کو کوئی لڑکا پسند آتا تو وہ اسے اپنا بیٹا بنا کر اپنے ساتھ ملا لیتا اور اپنی میراث میں اپنی اولاد میں سے اپنے لڑکے کے حصہ کے برابر کا اسے وارث بنا دیتا تھا' پھر اس لڑکے کو اس آدمی کا بیٹا کہہ کر فلاں بن فلاں کہا جاتا [پھر اس کلام الٰہی کی فصاحت و بلاغت اور ترتیب میں غور سے دیکھیے کہ انشائیہ جملوں کو جمع کیا' پھر ان سے جملہ خبریہ الگ کیا اور ان کے درمیان میں رکھا' پھر ان سے جملہ اسمیہ الگ کر لیا اور اسے ان کے درمیان رکھا' پھر جملہ انشائیہ الگ کیا] ﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے جن کی طرف تم ان کو منسوب کر سکو ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ تو دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں'' ای فهم اخوانكم فى الدين واولياؤكم فى الدين ''یعنی پس وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور دین میں تمہارے دوست ہیں (یعنی وہ تمہارے اسلامی بھائی اور اسلامی دوست ہیں) سو تم کہو کہ یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا دوست ہے اور اے میرے بھائی اور اے میرے دوست! مقصد یہ کہ وہ دینی بھائی اور دینی دوست ہیں ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا یعنی ممانعت سے پہلے نادانی میں غلطی سے تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں ﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کیا (یعنی) لیکن گناہ اس صورت میں ہوگا کہ ممانعت اور نہی کے وارد ہونے کے بعد جو تم نے اپنے دلی ارادہ کے ساتھ بُرائی کی یا تم پر اس وقت گناہ نہیں ہوگا جب تم نے کسی غیر کے بیٹے کو غلطی کے طور پر اور زبان کی سبقت کرنے پر کہا: اے میرے بیٹے! اور لیکن جب تم جان بوجھ کر دل کے ارادہ کے ساتھ کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کے لیے اے بیٹا کہو گے تو پھر تم پر گناہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ عموم کے طور پر معافی صرف غلطی پر ہوگی اور جان بوجھ کر بُرائی کرنے پر معافی نہیں ہوگی' پھر یہ حکم اپنے عموم کی وجہ سے غلطی سے لے پالک بیٹا بنانے کو اور جان بوجھ کر لے پالک بیٹا بنانے کو دونوں کو شامل ہوگا اور پھر جب لے پالک بیٹا مجہول النسب ہو اور بیٹا بنانے والے سے چھوٹا ہو' تو اس کا اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر

منہ بولا بیٹا اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا اور اگر منہ بولا بیٹا اس سے بڑی عمر کا ہوا تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا غلام آزاد ہو جائے گا اور لیکن معلوم النسب ہونے کی صورت میں منہ بولا بیٹا بنانے سے نسب ثابت نہیں ہوگا' البتہ اگر وہ اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا [''مَا'' محلاً مجرور ہے کیونکہ پہلے ''مَا'' پر معطوف ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے' وہ غلطی کرنے پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور جان بوجھ کر برائی کرنے پر توبہ قبول کر لیتا ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

نبی کریم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک ہیں اور ان کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں' اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دوسرے مسلمانوں اور مہاجروں سے زیادہ ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے نیک برتاؤ کرو' یہ کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے O

حضور سید عالم ﷺ کی فضیلت اور تمام انبیائے کرام سے میثاق

٦- ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ حضور نبی کریم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین و دنیا کے معاملات میں سے ہر معاملہ میں ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان کی اپنی جانوں کے حکم سے زیادہ ان پر نافذ و جاری ہے' سو ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ حضور کے سامنے اپنی جانیں قربان کریں اور وہ اپنی جانیں حضور پر فدا کریں یا یہ معنی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی جانوں سے بڑھ کر ان پر مشفق و مہربان ہیں اور آپ ان کی جانوں سے بڑھ کر ان کے لیے مفید و نافع ہیں[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O'' (التوبہ:۱۲۸) ''آپ مسلمانوں پر بہت شفقت فرمانے والے بے حد مہربان ہیں O''۔ اور

[1] اس آیت مبارکہ کا تیسرا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں کیونکہ ''اَوْلٰی'' بہ معنی ''اَقْرَبُ'' ہے جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''(اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ) اَیْ اَحَقُّ وَاَقْرَبُ اِلَيْهِمْ (مِنْ اَنْفُسِهِمْ)'' یعنی نبی کریم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں اور ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) نیز دار العلوم دیوبند کے بانی شیخ محمد قاسم نانوتوی اپنی ایک کتاب ''تحذیر الناس'' میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں' کیونکہ ''اَوْلٰی'' بہ معنی ''اَقْرَبُ'' ہے اور اگر بہ معنی ''اَحَبُّ'' یا ''اَوْلٰى بِالتَّصَرُّفِ'' ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی۔ (تحذیر الناس ص ۱۴' مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی) اور اس معنی سے واضح ہو گیا کہ حضور نبی کریم ﷺ آفتاب کی طرح اپنے اصل جسم اقدس کے ساتھ اپنے مقام (یعنی قبر انور) میں قیام پذیر رہ کر بھی اپنی نورانیت کی وجہ سے مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں' نیز نانوتوی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۱۶ پر لکھا ہے کہ سو جیسے طلوع آفتاب وجودِ نور پر مقدم ہے' ایسے ہی تحقیق اولویت بہ معنی اقربیت تحقیق اولویت بالتصرف اور اولویت بہ معنی احبیت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے کہ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک و مختار ہیں اور آپ ان کے (روحانی و اسلامی) باپ ہیں اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا (دینی) باپ ہوتا ہے اور اسی لیے تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہوئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین میں ان کے باپ ہیں ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ اور ان (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں (یعنی) ان سے نکاح کی حرمت و ممانعت میں اور ان کی تعظیم و تکریم اور ادب و عزت میں مسلمانوں کے لیے مائیں ہیں اور وہ اس کے علاوہ میراث میں (نیز پردہ کرنے میں' خلوت نشینی میں اور مسلمانوں کے ساتھ سفر کرنے میں) اجنبی عورتوں کی طرح ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حرمت و ممانعت ان کی بیٹیوں کی طرف نہیں پہنچتی ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ اور قرابت دار و رشتہ دار ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ وراثت میں وارث بننے کے لیے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان دینی رشتہ داری (مواخات و بھائی چارے) اور ہجرت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن قرابت داری اور نسبی رشتہ کی بناء پر وارث نہیں بنتے تھے' پھر بعد ازاں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور قرابت داری اور رشتہ داری کے حق پر میراث میں ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا ﴿فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (یعنی) اس کے حکم اور اس کے فیصلہ میں یا لوح محفوظ میں یا جس میں اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت فرض فرمایا ہے (یعنی قرآن مجید) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ﴾ مہاجروں اور مسلمانوں میں سے' ممکن ہے کہ یہ عبارت "اولو الارحام" کا بیان ہو یعنی مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ مسلمانوں میں سے قرابت دار و رشتہ دار ایک دوسرے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پر مقدم ہوگی۔ (تحذیر الناس ص ۱۶)

اور اس آیت مبارکہ کا چوتھا معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے محبوب ہیں یعنی "اَوْلٰی" بہ معنی "اَحَبُّ" ہے جیسا کہ متفق علیہ اور صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و پیارا ہو جاؤں' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے حق میں اس مقام و مرتبہ پر فائز ہیں تو ان پر واجب و لازم ہے کہ آپ انہیں ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان پر ان کی جانوں کے حکم سے زیادہ نافذ و جاری ہو اور آپ کا حق ان کے نزدیک ان کی جانوں کے حقوق سے زیادہ قابل ترجیح ہو اور مؤمنوں کا اپنی جانوں پر شفقت کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شفقت کرنا مقدم ہو۔

اور اس آیت مبارکہ کا پانچواں معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے لیے اولیٰ بالتصرف ہیں یعنی دین و دنیا کے تمام معاملات میں آپ کو ان پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف و اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ ان کے حق میں وہی فیصلے کریں گے جن میں ان کی مصلحت و بھلائی اور فلاح و نجات اور کامیابی و کامرانی ہوگی۔

شانِ نزول: چنانچہ اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو لوگوں کو اس میں جانے کا حکم دیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے اپنے ماں باپ سے اجازت لے لیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر تصرف و فیصلہ جات کا اختیار رکھتے ہیں اور جب آپ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں تو آپ کو ان کے ماں باپ کے اختیار سے بہ طریق اولیٰ زیادہ اختیار حاصل ہو گیا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وراثت میں زیادہ حق دار ہیں اجنبیوں کے مقابلے میں اور ممکن ہے کہ حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہو یعنی رشتہ دار حق قرابت نسبی کی وجہ سے میراث میں ان مسلمانوں سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں جو صرف قرابت دینی (مواخات کا رشتہ) کا حق رکھتے ہیں یعنی انصار مدینہ اور جو صرف حق ہجرت رکھنے والے مسلمان ہیں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ﴾ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن تمہارا اپنے دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا جائز ہے اور وہ یہ کہ تم اپنے ان دوستوں میں سے جسے پسند کرو اس کے لیے کچھ وصیت کر دو پس یہ ترکہ وصیت کی بناء پر ملے گا' وراثت کی بناء پر نہیں [اور ''تفعلوا'' کو ''الی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ بھلائی کرو' کے معنی میں ہے] اور ''اولیاء'' سے وہ مسلمان مہاجر مراد ہیں جو ولایت دینی (مواخات کا تعلق) رکھتے ہیں ﴿ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴾ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے یعنی رشتہ داروں کا باہمی ایک دوسرے کا وارث ہونا لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى
وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ
صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

ع ۸ ۱۷

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا تھا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے' اور ہم نے ان سب سے بڑا پکا عہد لیا تھا O تا کہ وہ سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۷- ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ﴾ اور جب ہم نے تمام پیغمبروں سے پختہ عہد لیا (یعنی اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے تبلیغ رسالت اور دین حق کی دعوت دینے کا پکا عہد لیا تھا ﴿ وَمِنْكَ ﴾ اور خاص کر آپ سے' اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والوں سے اس لیے پہلے کیا گیا ہے کہ یہ عطف ان حضرات کی فضیلت و بزرگی کو بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور تمام صاحب شریعت ہیں' سو جب (سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ ان حضرات انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں تو اس لیے آپ کا ذکر مبارک ان سب سے پہلے کیا گیا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو البتہ اسی کا سب سے پہلے ذکر کیا جاتا جس کا زمانہ مقدم ہوتا ﴿ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ مریم کے بیٹے سے اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا اور میثاق کے ذکر کا اعادہ صرف اتصال وصف کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

۸- ﴿ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں سے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کرے اور پوچھے ﴿ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ ان کے سچ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لیے فرمایا تھا' یا یہ معنی ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تصدیق کرنے والے مسلمانوں سے ان کی تصدیق کے بارے میں پوچھے' اس لیے کہ جو شخص کسی سچ بولنے والے سے یہ کہے کہ تم نے سچ بولا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا' یا یہ معنی ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے پوچھے کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا تھا اور یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ''

(المائدہ:۱۰۹) ”جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ تمہیں (اپنی قوموں کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا“ ﴿ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے انکار کرنے والے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ ”اَخَذْنَا“ پر معطوف ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اپنے دین کی دعوت دینے کے لیے تاکید فرمائی تا کہ وہ ایمان لانے والوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یا یہ اس کلام پر معطوف ہے جس پر ”لیسئل الصادقین“ دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: سو وہ مؤمنوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۱۱

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو جب (کفارِ عرب کے) لشکر تم پر آن پہنچے تو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر (بھیجے) جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے O جب تم پر بلندی کی جانب سے اور پستی کی جانب سے وہ لشکر آن پہنچے اور اس وقت آنکھیں حیرت زدہ ہو کر پتھرا گئیں اور دل (ڈر کے مارے) نرخروں تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح گمان کرنے لگے O وہاں مسلمانوں کو خوب آزمایا گیا اور انہیں سختی سے جھنجھوڑا گیا O

مسلمانوں کی سخت آزمائش میں ثابت قدمی پر انعام الٰہی

۹- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو یعنی تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے دن تم پر انعام کیا تھا اور وہ غزوۂ خندق کا دن مراد ہے اور یہ غزوۂ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا تھا ﴿ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ ﴾ جب تمہارے پاس (جنگ کرنے کے لیے) بہت سے لشکر پہنچ گئے یعنی بہت سے مختلف گروہ بہت بڑے لشکر کی صورت میں آ گئے اور یہ قریش مکہ اور قبیلہ غطفان اور قبیلہ بنو قریظہ اور قبیلہ بنو نضیر (اور دیگر کا ذکر آگے آ رہا ہے) پر مشتمل مختلف گروہ آئے تھے ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا ﴾ سو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی، یعنی بادِ صبا (مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی آندھی) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بادِ صبا کے ذریعے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو بادِ دبور (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی آندھی) کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا[1] ﴿ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ اور (ہم نے ان پر) ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھ سکے تھے اور وہ فرشتوں کے لشکر تھے اور وہ ایک ہزار تھے اللہ تعالیٰ نے ان

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب: ۲۶، مسلم فی کتاب الاستسقاء حدیث: ۱۷، احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۲۴۔ ۲۲۲

تمام کفار پر موسم سرما کی سرد ترین رات کو یخ ٹھنڈی مشرق سے چلنے والی آندھی کو بھیج دیا' جس نے ان کے اجسام کو گرد وغبار سے آلودہ کر کے ان کے اندر سردی کی سختی کو داخل کر دیا اور ان کے چہرے مٹی سے بھر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے خیموں کی میخیں اکھیڑ دیں اور ان کی طنابیں اور رسیاں کاٹ دیں اور آگ بجھا دی اور ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے گھوڑے خوف کے مارے ایک دوسرے کے ساتھ بدک کر بھاگ پڑے اور کفار کے دلوں میں رعب وخوف ڈال دیا گیا تھا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے چاروں اطراف سے یہ آواز بلند نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام کفار سہم گئے اور بغیر لڑائی کے شکست کھا گئے اور جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار کی آمد کی خبر سنی تو آپ نے اسی وقت صحابہ کرام کو بلا کر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے اردگرد بہت بڑی لمبی چوڑی خندق کھدوائی' پھر آپ نے تین ہزار مہاجرین وانصار صحابہ کرام کو جنگ کے لیے تیار فرمایا اور آپ نے اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ اس طرح متعین فرمائی (کہ سلع نامی پہاڑ پشت کی طرف رہا اور) خندق اسلامی لشکر اور کفار قوم کے درمیان حائل ہو گئی اور آپ نے حکم دیا کہ بچوں اور عورتوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے اور خوف وڈر شدت اختیار کر گیا تھا کیونکہ قریشِ مکہ مختلف قبائل کے ساتھ دس ہزار کا جنگ جو لشکر لے کر آئے تھے اور بنو کنانہ اور اہل تہامہ کو ابوسفیان لے کر آیا تھا اور یہی ان کا قائد ولیڈر تھا اور بنو غطفان ایک ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ اہل نجد بھی شامل تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا اور عامر بن طفیل ہوازن کے لوگوں کو لے کر آیا تھا اور ان کے ساتھ یہودیوں میں سے بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی شامل ہو گئے تھے اور ان دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کفار) کے درمیان تقریباً ایک مہینہ گزر گیا اور ماسوا تیر اندازی اور پتھر پھینکنے کے ان کے درمیان کوئی اور جنگ نہ ہوئی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت ومدد نازل فرمائی ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھتا ہے' یعنی اے مؤمنو! خندق کھود کر اس میں محفوظ ہو جانے اور حضور نبی کریم ﷺ کی معاونت پر ثابت قدم رہنے کے تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے [ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یعملون'' ہے] یعنی کفار کی بغاوت وسرکشی اور اللہ تعالیٰ کے نور (دین اسلام) کے مٹانے میں ان کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

۱۰ - ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ جب تمہاری مشرق کی جانب سے وادی کی بلندی سے بنو غطفان اور تمہاری مغرب کی جانب سے وادی کی پستی سے قریش مکہ تم پر آن پہنچے [یہ ''اذ جاء تکم'' سے بدل ہے] ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ﴾ اور جب آنکھیں جھک گئیں اور اپنی جگہ سے ہٹ گئیں اور ان کی نظر برابر ویکساں نہ رہی' حیرت کے سبب یا ان کی آنکھیں ہر چیز سے ہٹ گئیں اور خوف کے مارے صرف اپنے دشمن کی طرف متوجہ رہیں ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ اور دل نرخروں تک پہنچ گئے'' حنجرۃ'' کا معنی ہے: سر اور گردن کے درمیان کا گوشت اور اس سے انتہائے حلقوم مراد ہے اور حلقوم گلے کی وہ جگہ ہے جہاں سے کھانا پینا اندر داخل ہوتا ہے' مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب غم وگھبراہٹ کی شدت سے یا غیظ وغضب کی وجہ سے پھیپھڑے پھولتے ہیں تو اوپر کی طرف بڑھ جاتے اور گلے کے سر کی طرف ان کے اٹھنے کے سبب دل بھی اوپر کی طرف بلند ہو جاتے ہیں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ دلوں کے مضطرب وبے قرار اور بے چین ہونے کی مثال بیان کی گئی ہے' اگرچہ حقیقت میں وہ گلوں تک نہیں پہنچے تھے۔ ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں نے رسول اکرم نبی محترم ﷺ سے عرض کی کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم پڑھیں (تو ہمارا خوف جاتا رہے) کیونکہ دلوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ خوف کے مارے گلوں تک پہنچ گئے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! وہ

یہ ہے کہ تم یوں کہو: ''اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا''[1] اے اللہ! ہماری شرم گاہوں کو چھپا لے (یعنی ہماری عزتوں کی حفاظت فرما) اور ہمیں خوف و ڈر سے امن عطا فرما ﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے' یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے' ان مسلمانوں میں سے جو مخلص حضرات (یعنی صحابہ کرام) تھے وہ ثابت قدم رہے اور ان کے دل مضبوط رہے لیکن ان میں سے کمزور دل اور منافقین ایک طرف علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے' پھر پہلے مخلص حضرات نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں امتحان میں مبتلا کر کے آزما رہا ہے' سو انہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور اس امتحان کو برداشت کرنے سے کمزور و عاجز نہ ہو جائیں اور لیکن رہے دوسرے لوگ (یعنی منافقین اور کمزور و مریض دل) تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی گمان کیا جو ان کی طرف سے (آیت: ۱۲ میں) بیان کیا گیا ہے [ابو عمرو بصری اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''الظنون'' وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے ہے اور یہی قیاس کے مطابق ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ ''الظنونا'' ہے' وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے اور ابن کثیر مکی اور علی کسائی اور حفص کی قراءت میں وقف کی حالت میں الف کے ساتھ ہے اور اس کی مثال سورۃ الاحزاب: ۶۶ میں ''الرسولا'' اور سورۃ الاحزاب: ۶۷ میں ''السبیلا'' ہے' فصل کی حالت میں الف زیادہ کیا جاتا ہے' جیسا کہ قافیہ میں الف زیادہ کر دیا جاتا ہے:

''اقلی اللوم عاذل والعتابا'' اے ملامت کرنے والے ملامت کم کرنا۔

اور یہ سارے اسماء مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ ہیں]۔

۱۱- ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ یہاں (اس جنگ میں) مسلمانوں کو آزمایا گیا تھا اور انہیں ایمان پر صبر کرانے کے لیے امتحان میں مبتلا کیا گیا تھا ﴿وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ اور انہیں بہت سخت جھنجھوڑا گیا اور انہیں خوف و ڈر کے ذریعے بہت سخت ہلایا گیا۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے' کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ نہیں کیا مگر فریب کا O اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب (مدینہ منورہ) کے رہنے والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے' سو تم واپس لوٹ چلو' اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگنے لگا' وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں' حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے' وہ نہیں چاہتے مگر بھاگنا O

---

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۲۵' وابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۴' وابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۱

منافقین کی حالت نفاق کا بیان

۱۲- ﴿ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ اور جب منافقین کہنے لگے [یہ پہلے جملے " واذ زاغت الابصار " پر معطوف ہے] ﴿ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ اور وہ لوگ کہنے لگے جن کے دلوں میں بیماری ہے' بعض اہل علم نے فرمایا کہ واؤ کے ساتھ منافقین کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

الی الملك القرم و ابن الهمام ولیث الکتیبة فی المزدحم

" سردار و بادشاہ اور ابن ہمام اور لشکر کے شیر وقائد کی طرف بھیڑ میں"۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دین اسلام کی سمجھ بوجھ نہیں ہے گویا منافقین انہیں کی طرف مائل ہیں کہ ان میں بھی وہی شک وشبہ داخل ہو چکا ہے ﴿ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے جو دشمنوں پر غلبہ اور فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے' وہ صرف دھوکا ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ معتب بن قشیر نے جب کفار کے مختلف حملہ آور لشکر دیکھے تو کہنے لگا کہ (حضور سیّد عالم) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے فارس وروم کے فتح ہونے کا وعدہ کرتے ہیں جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی شخص خوف کے مارے بول و براز کے لیے باہر نہیں جا سکتا' یہ وعدہ تو صرف دھوکا ہے۔

۱۳- ﴿ وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ ﴾ اور جس وقت ان منافقین میں سے ایک گروہ نے کہا اور یہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ﴿ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ ﴾ اے مدینہ منورہ کے رہنے والو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یعنی تمہارے لیے یہاں کوئی جائے قرار نہیں رہی اور نہ کوئی مکان ہے جس میں تم ٹھہر سکو یا تم اس میں رہائش رکھ سکو' یثرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے[1] [روایت حفص میں " لَا مُقَامَ " میں پہلا میم مضموم ہے] ﴿ فَارْجِعُوْا ﴾ سوتم کفر کی طرف یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکر سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ چلو ﴿ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ ﴾ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بنو حارث نبی سے اجازت مانگنے لگا ﴿ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ﴾ اور وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ اور خطرے میں ہیں ﴿ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾ اور وہ بالکل غیر محفوظ نہیں تھے' وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے [" العورۃ " بہ معنی

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " من سمّی المدینة یثرب فلیستغفر اللّٰه تعالٰی هی طابة هی طابة هی طابة " جو شخص مدینہ منورہ کا یثرب نام لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے' یہ تو طابہ ہے' طابہ ہے' طابہ ہے (عمدہ خوشبودار شہر) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہا کرو کیونکہ یہ طیبہ (پاک وخوشبودار شہر) ہے۔ " ومن قال یثرب فلیستغفر اللّٰه تعالٰی ثلاث مرّات هی طیبة هی طیبة هی طیبة " اور جو شخص اسے یثرب کہہ دے تو اسے چاہیے کہ وہ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر کے معافی مانگے' یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے' یہ طیبہ ہے۔ اور خفاجی کے حواشی میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا اب کراہت تنزیہ کے ساتھ مکروہ ہے کہ یہ نام ملامت وعار کی نشاندہی کرتا ہے (کیونکہ یثرب کا معنی ملامت وعار اور فساد ومرض گاہ ہے)۔ (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۹' الجزء الحادی والعشرون' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' نیز تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۰۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۹۰' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر)

خلل کے ہے اور ''العورة'' بہ معنی ''ذات العورة'' خلل ونقصان والا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے جیسا کہ ''عَوِرَ الْمَكَانُ عَوَرًا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں چوروں اور دشمنوں کا خطرہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''عَوْرَةٌ'' ہو اور ''عَوِرَةٌ'' کا مخفف ہو] انہوں نے معذرت پیش کی کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں' ان میں دشمنوں اور چوروں کے نقصان پہنچانے کا خطرہ ہے کیونکہ وہ غیر محفوظ ہیں' سو انہوں نے آپ سے اجازت مانگی تا کہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت کر کے پھر آپ کی طرف واپس لوٹ آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار دیا کیونکہ انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا' وہ صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

اور اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے فوجیں آ جاتیں' پھر ان سے فتنہ وفساد برپا کرنے کو کہا جاتا تو وہ اس میں ضرور شامل ہو جاتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی سی O اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے' اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تمہیں فائدہ نہیں دیا جائے گا مگر تھوڑا O

۱۴- ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان پر مدینہ منورہ میں یا ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں [یہ ''دخلت علی فلان داره'' سے ماخوذ ہے (کہ ''دخلت'' کا اسناد ان کے ''بیوت'' کی طرف ہے یعنی ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں)] ﴿مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾ مدینہ کے تمام اطراف سے اور تمام سمتوں سے یعنی اگر یہ مختلف گروہوں پر مشتمل کفار کا لشکر جس کے خوف وڈر سے مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ رہے ہیں ان کے شہر مدینہ منورہ میں یا چاروں اطراف سے خود ان کے گھروں میں داخل ہو جائے اور ان کے بیوی بچوں پر حملہ آور ہو' ان کو لوٹنے اور قیدی بنانے لگ جائے ﴿ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ﴾ پھر اس گھبراہٹ و پریشانی کے وقت انہیں فتنہ کی طرف یعنی انہیں اسلام سے پھر کر کفر کی طرف لوٹنے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کی طرف بلایا جائے ﴿لَاٰتَوْهَا﴾ تو وہ ضرور اس سوال و بلاوے کا جواب دیں گے (اور مرتد ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے) [اہل حجاز کی قراءت میں بغیر مد کے ''لَاَتَوْهَا'' ہے] بعض وہ لوگ اس بلاوے پر ضرور آئیں گے اور فتنہ وفساد کا کام کرنے لگ جائیں گے ﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ اور وہ فتنہ کا جواب دینے کے لیے دیر نہیں لگائیں گے مگر تھوڑی سی جتنی دیر میں سوال و جواب ہو (یعنی بغیر وقفہ کے فتنہ وفساد میں کود پڑیں گے) یا یہ معنی ہے کہ منافقین مرتد ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر چند روز' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ اب اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے اور عذر تراش رہے ہیں

تا کہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد کرنے سے اور کفار کے لشکروں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھاگ جائیں' جنہوں نے ان پر خوف وڈر اور رعب و دہشت طاری کر رکھی ہے اور یہی کفار کے لشکر اگر ان پر حملہ آور ہو کر ان کے کھیتوں اور ان کے گھروں کو لوٹنے لگ جائیں اور ان پر کفر پیش کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ تم مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ٹوٹ پڑو تو یہ منافقین فوراً اس دعوت کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کوئی بہانے وغیرہ نہیں بنائیں گے اور یہ صرف اس لیے کہ ان کو اسلام سے نفرت اور کفر سے محبت ہے۔

۱۵- ﴿ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں یعنی بنو حارثہ غزوۂ خندق سے پہلے یا کفار کے لشکروں کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کر چکے ہیں کہ ﴿ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ﴾ یہ پیٹھ پھیر کر اور شکست کھا کر نہیں بھاگیں گے ﴿ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق باز پرس ہوگی' جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے ورنہ اس کا مطالبہ کیا جائے۔

۱۶- ﴿ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ اگر تم موت سے یا لڑائی سے بھاگو گے تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تم نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑا سا یعنی اگر تمہاری اجل (آخری وقت) آ چکی ہے تو تمہیں بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اگر تمہاری اجل ابھی نہیں آئی اور تم بھاگ گئے تو تم دنیا میں تھوڑا عرصہ نفع اٹھا سکو گے اور وہ تمہاری زندگی کا عرصہ ہے اور وہ بہت تھوڑا ہے اور ایک مروانی شخص کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے جب گزرنے لگے تو ڈر کے مارے جلدی گزر رے' تو یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے انہیں سنائی گئی' پس انہوں نے جواب میں کہا کہ میں بھی اسی قلیل زندگی کی طلب میں جلدی سے گزر رہا ہوں۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا لے گا اگر وہ تمہیں دکھ دینا چاہے یا وہ تم پر اپنی رحمت کرنا چاہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی نہیں پائیں گے اور نہ کوئی مددگار ○ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے جہاد سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والوں کو کہ ہماری طرف چلے آؤ' اور وہ (کفار کے خلاف) جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم ○ وہ تم پر بہت بخیل ہیں' پھر جب خوف آتا ہے تو آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ

ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی چھا جاتی ہے' پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو وہ تمہیں تیز وطرار زبانوں سے ایذاء پہنچاتے ہیں وہ نیکی پر بہت بخیل ہیں' یہی لوگ دل سے ایمان نہیں لائے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے' اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے O

۱۷- ﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچالے گا یعنی اس عذاب وغیرہ سے جس کو تم پر اللہ تعالیٰ نازل کرنے کا ارادہ فرمالے ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا﴾ اگر وہ تمہیں تکلیف و دکھ دینے کا ارادہ کرلے (یعنی) تمہارے اجسام میں قتل وغارت یا اس کے علاوہ کسی صورت میں وہ تمہیں عذاب دینا چاہے ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ یا وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمالے یعنی خیر و عافیت اور صحت و سلامتی کے ساتھ تمہاری عمر دراز کر دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تم پر رحمت و کرم کرنے سے کون روک سکتا ہے اگر وہ تمہارے ساتھ رحمت و مہربانی کا ارادہ فرمالے کیونکہ عصمت میں منع کا معنی پایا جاتا ہے ﴿وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ اور وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار نہیں پائیں گے [''نصیر'' بہ معنی ''ناصر'' ہے]۔

۱۸- ﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے منع کرنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نصرت وامداد سے لوگوں کو منع کرتے ہیں یعنی روکتے ہیں اور وہ روکنے والے منافقین ہیں ﴿وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ﴾ اور وہ اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں ﴿هَلُمَّ اِلَیْنَا﴾ تم ہماری طرف چلے آؤ یعنی تم اپنے آپ کو ہمارے پاس قریب لے آؤ اور محمد (ﷺ) کو چھوڑ دو [اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے' سو وہ واحد اور جمع کے درمیان مساوات و برابری کے قائل ہیں اور لیکن قبیلہ بنو تمیم' تو وہ واحد کے لیے ''هلمّ'' یا ''رجل'' اور جمع کے لیے ''هلمّوا'' یا ''رجال'' کہتے ہیں اور یہ وہ آواز ہے جس کے ساتھ فعل متعدی نام رکھا جاتا ہے جیسے ''احضر وقرّب'' حاضر کر اور نزدیک کر] ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور وہ جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم یعنی وہ صرف ریاکاری اور دکھاوا کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے آ جاتے ہیں اور حاضری لگوا لیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں جتنی دیر میں ان کی آمد و حاضری کو دیکھ لیا جائے' پھر وہ واپس پھر جاتے ہیں۔

۱۹- ﴿اَشِحَّةً﴾ [یہ ''شَحِیْحٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی بخیل ہے اور ''یاتون'' کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] یعنی وہ لوگ جنگ میں شرکت کرنے کے لیے آنے میں بہت بخیل ہیں ﴿عَلَیْكُمْ﴾ وہ تم پر بہت بخیل ہیں' وہ تمہارے لیے فتح و نصرت' کامیابی و کامرانی اور مالِ غنیمت کا حصول ہرگز نہیں چاہتے ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب دشمن کی طرف سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خوف و ڈر کا وقت آ جاتا ہے تو ﴿رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ﴾ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اس حالتِ خوف میں آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ ان کی آنکھیں دائیں اور بائیں پھرتی رہتی ہیں ﴿كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ اس شخص کی طرح جس کو موت ڈھانپ لیتی ہے (یعنی) جس طرح وہ شخص جس پر موت کی سکرات چھا جاتی ہے تو وہ آنکھیں پھاڑ کر گھماتا ہے' اسی طرح یہ منافق لوگ خوف و ڈر' ذلت و رسوائی اور آپ کی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں دائیں بائیں گھما کر دیکھتے ہیں ﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب وہ خوف و ڈر ختم ہو جاتا ہے اور انہیں امن و سکون حاصل ہو جاتا ہے اور اموالِ غنیمت جمع کیے جاتے ہیں تو ﴿سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ وہ تمہیں تیز وطرار زبانوں سے ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں سختی کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور وہ تم سے گفتگو کرتے ہوئے زبان درازی کر کے تمہیں ایذاء و تکلیف اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ فصاحت سے بولنے والے خطیب کو

"خطیب مسلق" اور گفتگو میں مبالغہ آمیزی کرنے والے کو "رجل مسلاق" کہا جاتا ہے یعنی یہ منافقین کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے حصہ سے بڑھ کر زیادہ مال غنیمت دیا جائے کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں موجود تھے اور ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ کی ہے اور تم ہماری وجہ سے اپنے دشمن پر غالب و کامیاب ہو سکے ہو ﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾ وہ نیکی کے کاموں میں بہت بخیل ہیں یعنی وہ مالِ غنیمت پر بخیل ہونے کا طعنہ دیتے ہوئے تمہیں مخاطب کرتے ہیں جب کہ وہ خود نیکی کے کاموں پر بہت بخیل ہیں ["اشحۃ"، "سلقوکم" سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا﴾ یہی لوگ حقیقت میں ایمان نہیں لائے بلکہ صرف زبانوں سے ایمان کا اظہار کیا ﴿فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلبی اور مخفی و پوشیدہ کفر کی وجہ سے ان کے ظاہری اعمال کو باطل و نامقبول قرار دے دیا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ان کے اعمال کو برباد کرنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

ع ۲/۱۸ ۱۲

وہ لشکر کفار کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نہیں گئے، اور اگر وہ لشکر دوبارہ آ جائیں تو یہ لوگ یہی خواہش کریں گے کہ کاش وہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے وہاں وہ تمہاری خبریں پوچھا کرتے، اور اگر وہ تمہارے درمیان میں ہوتے تو وہ (کفار سے) جنگ نہ کرتے مگر بہت کم O

۲۰- ﴿يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا﴾ وہ منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ کفار کے لشکر مغلوب نہیں ہوئے اور نہ وہ چلے گئے حالانکہ وہ واپس جا چکے ہیں ﴿وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ﴾ اور اگر کفار کے لشکر دوبارہ مدینہ منورہ حملہ کرنے آ جائیں تو یہ منافقین خواہش کریں گے کہ کاش! یہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے ["البادون"، "البادی" کی جمع ہے، بہ معنی دیہاتی] یعنی منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! یہ مدینہ منورہ سے باہر کسی گاؤں میں نکل جاتے اور دیہاتیوں کے درمیان موجود رہتے تاکہ انہیں اپنے بارے میں امن واطمینان حاصل ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی لڑائی اور جنگ کی مصیبت سے الگ اور دور رہتے ﴿يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ﴾ وہ مدینہ منورہ کی جانب سے ہر آنے والے آدمی سے تمہاری خبریں دریافت کرتے اور تم پر آنے والے حالات کے بارے میں پوچھتے ﴿وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ﴾ اور اگر وہ تم میں موجود رہتے اور بہانے بنا کر مدینہ منورہ کی طرف اپنے گھر کو لوٹ کر نہ جاتے اور جنگ چھڑ جاتی تو ﴿مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا﴾ وہ تمہارے ساتھ مل کر دشمن سے نہ لڑتے مگر بہت کم محض دکھاوے اور عار کے خوف سے شہرت کے لیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

بے شک رسول اللہ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہےO اور جب مسلمانوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا' تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس (فوجوں کی آمد) نے ان میں اضافہ نہیں کیا مگر ایمان میں اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے میںO

رسولِ خدا کے اسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کا بیان

۲۱- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے ["اسوة" ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت عاصم کی قراءت میں ہے] یعنی نمونہ اور یہ وہ نمونہ ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے یعنی اس کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: "في البيضة عشرون منًّا حديدًا" خود وزن میں بیس سیر لوہا ہے یعنی بذاتِ خود خود کا بیس سیر لوہا ہے' یہ اس کی اپنی مقدار ہے (مقصد یہ کہ "فی" کا حرف تحسین کلام کے لیے ہے لیکن معنی میں یہ زائد ہے اور بذاتِ خود رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے) یا رسول اللہ کی ہستی میں اچھی اور عمدہ خصلت و عادت ہے' جس کا حق یہ ہے کہ اس کی اتباع و پیروی کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس کفار سے جہاد و مقاتلہ کیا ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے [بعض نے کہا کہ "لمن"، "لکم" سے بدل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ضمیر مخاطب سے بدل جائز نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ "لمن"، "حسنة" کے متعلق ہے" ای (اسوة حسنة) كائنة (لمن كان)" یعنی آپ کی زندگی ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے] ﴿وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے یعنی خوف و ڈر میں اور امید میں' نیز تنگی اور خوش حالی میں' ہر حال میں وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو۔

۲۲- ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ﴾ اور جب مسلمانوں نے کفار کے لشکر دیکھے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں مسلمانوں سے وعدہ لیا تھا کہ امتحان کی مصیبت میں مبتلا کر کے انہیں جھنجھوڑا جائے گا' یہاں تک کہ وہ اسی سے فریاد کریں گے اور اسی سے امداد مانگیں گے' چنانچہ فرمایا: "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌO" (البقرہ: ۲۱۴) "کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کو بہت زیادہ سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں بہت جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ (اس زمانہ کے) رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے' کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہےO"۔ پھر جب کفار کے مختلف قبائل پر مشتمل لشکر آ گئے اور مسلمان بھاری لشکر دیکھ کر مضطرب و بے چین ہو گئے اور سخت رعب کی وجہ سے مرعوب ہو گئے تو اس وقت ان مسلمانوں نے ﴿قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچا وعدہ فرمایا تھا اور مسلمانوں نے جان لیا کہ بے شک جنت اور فتح و نصرت ان کے لیے واجب ہو گئی ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (غزوۂ خندق سے پہلے) ایک دن صحابہ

کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ بے شک بہت بڑے لشکر نو یا دس دن بعد تم پر حملہ کرنے کے لیے تمہارے پاس آنے والے ہیں' پھر جب صحابہ کرام نے کفار کے ان لشکروں کو دیکھا کہ حسب ارشادِ نبوی مقررہ مدت پر آ گئے ہیں تو اس وقت صحابہ کرام نے یہ کہا تھا اور ''ھٰذا'' سے اسی لشکر کی طرف اشارہ ہے یا آزمائش کی طرف اشارہ ہے ﴿وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ اور کفار کے حملہ آور لشکروں کے اجتماع اور ان کی آمد کو دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا' ماسوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر ایمان رکھنے میں اور اس کی قضاء وقدر کو تسلیم کرنے اور اس پر راضی رہنے میں اضافہ ہوا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۴﴾

مؤمنوں میں سے بعض ایسے باہمت مرد ہیں جنہوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں' اور انہوں نے (اپنا وعدہ) ذرا بھی نہیں بدلا O تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر صلہ عطا فرمائے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۲۳- ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ مسلمانوں میں سے بعض باہمت مخلص مردوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا' جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا ''ای فیما عاھدوہ علیہ'' یعنی وہ اس میں سچے ثابت ہوئے جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا [پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس مثال میں ہے کہ ''صدقنی سن بکرہ ای صدقنی فی سن بکرہ'' یعنی اس نے اپنے نوجوان اونٹ کی عمر بتانے میں مجھ سے سچ بولا ہے' سو اس میں بھی حرف جار حذف کر دیا گیا اور فعل کو براہِ راست اس کی طرف متعدی کر دیا گیا]۔

دراصل صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے بعض آدمیوں نے نذر (منّت) مان لی کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر دشمنانِ دین سے جنگ کریں گے تو ثابت قدم رہیں گے اور کفار سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے جائیں اور یہ حضرات حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ' حضرت سعد بن زید' حضرت امیر حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ﴾ سو ان میں سے بعض نے اپنی نذر کو پورا کیا یعنی وہ شہید و فوت ہوئے جیسے حضرت امیر حمزہ سیّد الشہداء اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور نذر پوری کرنا موت سے عبارت ہے کیونکہ مخلوقات میں سے ہر جان دار کے لیے موت ضروری ہے' پس موت کو نذر سے تعبیر کیا جو ہر زندہ کی گردن میں اس کے ذمہ لازم ہے' پس جب کوئی زندہ مر جاتا ہے تو اس کی منّت یعنی اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ اور ان میں سے بعض انتظار کرتے ہیں یعنی شہادت کی موت کا انتظار کر رہے ہیں جیسے حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ﴿وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ اور انہوں نے اپنے عہد کو بالکل تبدیل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس میں کسی قسم کا تغیر کیا اور نہ وہ شہید ہوئے بلکہ وہ شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کلام میں اہل نفاق اور بیمار دلوں میں سے جنہوں نے اپنے

عہد کو تبدیل کر دیا تھا' ان بدبختوں پر طنز کیا گیا ہے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے: ''وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ'' (الاحزاب:۱۵)'' اور البتہ بے شک انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے''۔

۲۴- ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر (یعنی) ان کے عہد پورا کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ﴾ اور اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے گا اگر چاہے گا جب وہ توبہ نہیں کریں گے ﴿اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اگر وہ توبہ کریں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمًا﴾ گناہوں کو مٹا کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ منافقوں کے بارے میں یہ قرار دیا گیا کہ گویا انہوں نے اپنا بُرا انجام خود چاہا کیونکہ انہوں نے عہد شکنی کر کے بُرا انجام اختیار کر لیا جیسا کہ سچوں نے اپنا عہد پورا کر کے سچے اور نیک انجام کا ارادہ کیا تھا' اس لیے کہ دونوں فریق اجر و ثواب اور عذاب میں سے اپنے اپنے انجام کی طرف چلائے گئے تو گویا وہ دونوں گروہ اپنی اپنی طلب میں یکساں اور برابر ہیں اور اپنے اپنے انجام کی تحصیل میں کوشاں ہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

ع ۱۹

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ ناکام واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہیں کی' اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کی کفایت فرما دی' اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غلبہ والا ہے ○ اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب و خوف ڈال دیا' (چنانچہ) تم ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو تم قید کرتے ہو ○ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور ایسی سرزمین کا وارث بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قدرت رکھنے والا ہے ○

کفار وغیرہ کی ناکامی کا بیان

۲۵- ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا تھا (یعنی) حملہ آور مختلف قبائل کے کفار لشکروں کو ناکام و نامراد کر کے ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ واپس لوٹا دیا [''بغیظھم'' حال ہے'' ای مُغِيْظِيْنَ''] یعنی وہ اپنے دلوں کی جلن اور قلبی غیظ و غضب سے بھرے ہوئے (ناکام واپس لوٹ گئے) جیسے ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ''تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ'' (المؤمنون: ۲۰) ''زیتون کا درخت تیل لے کر اُگتا ہے'' ﴿لَمۡ يَنَالُوۡا خَيۡرًا﴾ انہوں نے کوئی بھلائی نہیں پائی (یعنی) فتح و کامیابی یعنی انہوں نے مسلمانوں پر فتح و کامیابی حاصل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق فتح و کامیابی کو ''خیر'' کا نام دیا ہے [اور یہ ''خیرًا'' حال ہے یعنی کامیاب نہ ہونے والے] ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الۡقِتَالَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں تیز آندھی اور فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی کفایت فرمائی ﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيۡزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غالب ہے (یعنی) زبردست قدرت رکھنے والا غالب ہے۔

۲۶- ﴿وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیچے اتار لیا جنہوں نے ان کی مدد کی تھی (یعنی) جنہوں نے کفار کے لشکر کی مدد کی تھی ﴿مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے یعنی بنی قریظہ ﴿مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ﴾ ان کے قلعوں سے [''صیاصی'' جمع ہے اور اس کا واحد ''صیصة'' ہے' جس کا معنی ہے: وہ چیز جس سے پناہ اور حفاظت حاصل کی جائے] ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام اس رات کی صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' جس رات میں کفار کے لشکر شکست کھا کر بھاگ گئے تھے اور مسلمان خندق سے نکل کر واپس مدینہ منورہ کے شہر میں اپنے گھروں میں واپس آ چکے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تھے' اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اپنے حیزوم نامی گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے کے چہرے اور زین پر گرد و غبار پڑی ہوئی تھی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا: اے جبریل! یہ کیسے ہوا' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں کفار کے لشکروں کو بھگانے کے لیے ان کا پیچھا کرتا رہا ہوں' سو رسول اللہ ﷺ گھوڑے کے چہرے اور اس کی زین سے گرد و غبار جھاڑنے لگ گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ابھی تک فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں اتارے' بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے ان کی طرف سفر اختیار فرمائیں اور میں بھی انہیں کی طرف جانے کا قصد کر رہا ہوں' کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح توڑ پھوڑ کر ہلاک کرنا ہے جس طرح انڈا صفا پہاڑ کے پتھر پر توڑا جاتا ہے اور بے شک وہ تمہاری ہلاکت کے لیے امید و آرزو رکھتے ہیں' سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ بے شک جس قدر فرماں بردار سننے والے ہیں' وہ سب تیار ہو جائیں آج نماز عصر بنی قریظہ میں جا کر پڑھنی ہے' چنانچہ حضور نے اپنے لشکر کے ساتھ پچیس راتوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے اترو تو انہوں نے انکار کر دیا' آپ نے پھر فرمایا کہ تم حضرت سعد بن معاذ کی ثالثی اور ان کے حکم پر نیچے اتر آؤ تو وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے' چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا: میرا ثالثی فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ان میں سے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے تو اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ بے شک تم نے وہی فیصلہ کیا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر فیصلہ کیا ہے' پھر ان سب کو اتار لیا اور مدینہ منورہ کے بازار میں ایک خندق (گڑھا) کھودی گئی اور ان کو وہاں لا کر ان کی گردنیں اڑائی گئیں (اور ان کی لاشوں کو خندق میں دبا دیا گیا) اور یہ لوگ تقریباً آٹھ سو سے لے کر نو سو تک تھے اور بعض نے کہا کہ چھ سو جنگ جو تھے اور سات سو قیدی تھے[1] ﴿وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''الرعب'' میں عین پر ضمہ (پیش) ہے] ﴿فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ﴾ ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور وہ مرد تھے [''فریقا'' ارشادِ باری تعالیٰ ''تقتلون'' کی وجہ سے منصوب ہے]

[1] اُنظر سیرت ابن ہشام (ج ۲ ص ۲۴۴ و ما بعدھا)

﴿ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴾ اور تم ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو اور وہ گروہ عورتوں اور بچوں کا تھا۔

۲۷- ﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا یعنی مویشیوں اور نقد رقوم اور ساز و سامان کا تمہیں وارث بنایا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار کی بجائے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے والے مہاجرین کو بنی قریظہ کی جائیداد یں عطا فرمادی تھیں اور آپ نے انصار مدینہ سے فرمایا تھا کہ بے شک تم (تو پہلے ہی سے) اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہو[1] ﴿ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی زمین کا وارث بنا دیا' جس پر تم نے جنگ کے ارادے سے قدم نہیں رکھے اور وہ مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے (جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوئی تھی) یا (یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی سرزمین کا وارث بنا دیا ہے جس پر ابھی تک تم نے قدم نہیں رکھے اور وہ) فارس (ایران) ہے اور روم ہے یا خیبر ہے یا پھر ہر وہ زمین مراد ہے جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے فتح ہوتی رہے گی ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب بتانے والے) پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیں' اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور میں تمہیں خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم تمام نیکوکاروں کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ○ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کی) حرکت کرے گی تو اس کو دگنی سزا دی جائے گی' اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ○

آیاتِ تخییر کے جواب میں ازواجِ مصطفےٰ کے حسنِ انتخاب کا بیان

۲۸- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا ﴾ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش چاہتی ہو یعنی اگر دنیا کی خوش بختی اور مال و دولت کی کثرت و فراوانی چاہتی ہو ﴿ فَتَعَالَيْنَ ﴾ سو تم آؤ' یہ دراصل ''تعال'' سے ماخوذ ہے' یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے والے مکان میں رہنے والے کو بلاتا ہے' پھر کثرت سے استعمال ہونے لگا' یہاں تک کہ ہر جگہ میں استعمال ہونے لگا اور ''تعالین''

[1] اخرجہ الواقدی (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۵۳۴)

کا معنی یہ ہے کہ تم دونوں کاموں میں سے کسی ایک کے لیے اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے متوجہ ہو اور اس سے ان ازواجِ مطہرات کا بذاتِ خود اٹھ کر آنا مراد نہیں ہے' جیسا کہ یہ قول ہے: ''فَـامَ یُهَـدِّدُنِـی'' وہ مجھے جھڑکنے لگا ﴿ اُمَتِّعْکُنَّ ﴾ میں تمہیں کچھ مال دے دوں (یعنی) میں تمہیں طلاق کا متعہ عطا کر دوں (مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ حق مہر کے علاوہ تن ڈھانپنے کے لیے جو شلوار' قمیص' دوپٹہ اور پردہ کی بڑی چادر دی جاتی ہے' اسے متعۂ طلاق کہا جاتا ہے) اور یہ متعۂ طلاق ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے ماسوا اس مطلقہ عورت کے جس کو دخول (مخصوص صحبت) سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو (کیونکہ ایسی مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے) ﴿ وَاُسَرِّحْكُنَّ ﴾ اور میں تمہیں چھوڑ دوں (یعنی) اور میں تمہیں طلاق دے دوں ﴿ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴾ خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح چھوڑ دینا' جس میں ضرر و نقصان نہ ہو۔

شانِ نزول: حضور سیّد الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دنیا کی کچھ خوش حالی چاہی' پہننے کے لیے اچھا لباس اور کھانے پینے کے لیے وافر و وسیع مقدار میں نان نفقہ اور خرچہ وغیرہ کا مطالبہ کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلا کر مطالبہ پر اتحاد کر لیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و غم پہنچا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آغاز کیا کیونکہ تمام بیویوں میں آپ کو یہی زیادہ محبوبہ و پیاری تھیں' سو آپ نے اختیار دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ انہیں پڑھ کر سنائی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو دنیا کے مقابلے میں اختیار کر لیا' پھر تمام بیویوں نے اسی کو اختیار کر لیا۔[1]

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں ایک معاملہ تم پر پیش کرنے کے لیے تمہارے سامنے ذکر کر رہا ہوں' مگر تم اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تم پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لینا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ پس میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔[2]

---

[1] واضح رہے کہ فقہ جعفری کے حامل مفسّر علامہ السید امداد حسین الکاظمی المشہدی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت مجیدہ آیت تخییر کہلاتی ہے' اس میں ازواجِ نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالِ دنیا اور آسودگی چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں مالِ دنیا دے کر رخصت کر دیں گے اور اگر وہ صحبتِ رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرنا چاہیں تو فبہا۔ واقعہ یوں ہے کہ مدینہ کے قریب یہودیوں کی کچھ زمین آنحضرت ﷺ کے ہاتھ لگی' آپ نے اسے مہاجرین پر بانٹ دیا جس سے ان کی گزران کی صورت نکل آئی اور انصار پر ان کا خرچ ہلکا ہو گیا' دو سال بعد خیبر کے یہودیوں کی زمین بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی' اس سے حضرت محمد ﷺ کے سب اصحاب آسودہ ہو گئے۔ ازواجِ رسول نے جب دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں فقر و فاقہ رہتا تھا' اس کے بارے میں بعض ازواج نے رسول ﷺ سے کچھ بول چال کی' حضرت محمد ﷺ نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے' پھر مہینہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی' حضرت محمد ﷺ گھر میں آئے اور سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ ہی سے پوچھا کہ وہ مالِ دنیا لے کر رخصت ہونا چاہتی ہیں یا صحبتِ رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہیں' حضرت عائشہ نے اللہ اور رسول کی مرضی اختیار کی پھر اسی طرح سب نے۔

(تفسیر المتقین ص ۵۴۶' حاشیہ: ۲' مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی' انصاف پریس' ریلوے روڈ' لاہور)

[2] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۵

مسئلہ: اور طلاق میں تخییر (طلاق میں اختیار دینے) کا حکم یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی سے کہے "اِخْتَارِی" تو (طلاق کو) اختیار کر لے اور بیوی کہہ دے: "اِخْتَرْتُ نَفْسِی" کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا' تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی اور جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو کچھ واقع نہیں ہوگا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے گی تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو پھر ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲۹ - ﴿وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم نیکو کاروں کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ["مِنْكُنَّ" میں حرف "مِنْ" بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے]۔

۳۰ - ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو بُری حرکت کرے گی' "فاحشۃ" کا معنی ہے: قباحت و بے حیائی میں سخت بُری حرکت ﴿مُّبَيِّنَةٍ﴾ صریح جس کی بُرائی و بے حیائی ظاہر ہو [یہ "بَيَّنَ" سے ماخوذ ہے اور بہ معنی "تَبَيَّنَ" ہے (یعنی ظاہر و عیاں) کیہ ابن کثیر مکی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "یا" مفتوح کے ساتھ (اسم مفعول) "مُبَيَّنَةٍ" ہے] بعض نے کہا کہ "فَاحِشَة" سے مراد ازواجِ مطہرات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنا ہے اور بعض نے کہا: اس سے زنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس و مطہر رسول کو اس طرح کی ازواج سے معصوم و محفوظ رکھا ہے ﴿يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ﴾ اس کے لیے دوگنا عذاب دیا جائے گا [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "نُضَعِّفْ" (باب تفعیل نون متکلم عین مشدد مکسور اور "فا" ساکن کے ساتھ) ہے جب کہ ابو عمرو بصری' یزید اور یعقوب کی قراءت میں "يُضَعَّفْ" (باب تفعیل عین مشدد مفتوح اور "فا" ساکن فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿ضِعْفَيْنِ﴾ ان کے علاوہ دوسری عورتوں کی نسبت انہیں دگنا عذاب دیا جائے گا' اس لیے کہ جو کام دیگر عورتوں کے لیے قبیح و بُرا ہے' وہ ان کے لیے زیادہ قبیح و بُرا ہے' سو نافرمانی کی قباحت و بُرائی کی زیادتی' فضیلت و بزرگی کی زیادتی کے تابع ہے' لہٰذا جس قدر فضیلت و بزرگی اور شان زیادہ ہوگی' اسی قدر نافرمانی کرنے کی قباحت و بُرائی زیادہ ہوگی' اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کی فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان کی طرح دنیا بھر کی عورتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور اس لیے جاہل و ان پڑھ نافرمانی کرنے والے سے پڑھے لکھے علم والے کی نافرمانی کی مذمت و سزا زیادہ سخت ہے کیونکہ علم والے کی نافرمانی بے علم کی نافرمانی سے زیادہ قبیح و بُری ہے اور اس لیے آزاد کی سزا غلام کی سزا سے زیادہ ہوتی ہے اور کافر کو سنگسار نہیں کیا جائے گا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور یہ سزا یعنی ازواجِ مطہرات کی سزا کو دوگنا کر کے دینا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

الجزء ٢٢

اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اسے دگنا ثواب عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے O اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ لالچ کرے اور تم نیک بات کہو O

ازواج مطہرات کو احکام و آداب کی تلقین

۳۱- ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی' ''القنوت'' کا معنی ہے: عاجزی کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا ﴿وَتَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور وہ نیک عمل کرتی رہے گی تو ﴿نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ ہم اسے دوگنا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے یعنی ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ثواب کا دوگنا ثواب عطا کیا جائے گا [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُؤْتِهَا'' ہے] ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے' جلیل القدر اور بڑی شان والی روزی اور وہ جنت ہے۔

۳۲- ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اے نبی کی بیویو! تم دیگر عام عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو یعنی تم عام عورتوں کے گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کی طرح نہیں ہو' جب عورتوں کی جماعتوں کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کیا جائے تو ان میں سے کوئی گروہ فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان میں تمہارے مساوی اور برابر نہیں[1]

[اور ''احد'' اصل میں بہ معنی ''وحد'' ہے اور اصل میں ''واحد'' تھا (پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے خلافِ قیاس تخفیف کے لیے واؤ کو حذف کر دیا گیا)' پھر اس کو عام نفی کے تحت استعمال کے لیے وضع کیا گیا' اس میں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب مساوی ہیں] ﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ اگر تم ڈرتی ہو (یعنی) اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری چاہتی ہو یا اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ تو تم نرمی سے بات نہ کرو یعنی جب تم پس پردہ مردوں سے بات کرو تو تم عاجزی کے ساتھ یعنی نرم و لچک دار لہجہ میں بات نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے للچا کر باتیں کرتی ہیں ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ پس جس کے دل میں غلط لالچ اور فسق و فجور کی بیماری ہو گی وہ کوئی غلط امید لگائے گا ﴿وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور تم سخت لہجہ میں بولنے کے باوجود نیک بات کہو۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے ہر ایک زوجہ' حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل و برتر ہو حالانکہ اس طرح نہیں ہے' اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ ازواج مطہرات' امہات المؤمنین ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہونے کے شرف کی حیثیت سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں' لیکن تمام حیثیات کے اعتبار سے افضل نہیں ہیں' سو اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض دوسری حیثیات کے اعتبار سے ان میں سے ہر ایک سے افضل ہوں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے جزو ہونے کی حیثیت سے تو تمام خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۴-۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور تم پہلی جاہلیت (کے زمانہ) کے بناؤ سنگھار کی طرح بناؤ سنگھار کر کے ظاہر نہ کرو اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور وہ تمہیں خوب پاک صاف رکھےO اور تم وہی یاد کرتی رہو جو تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کی باریکی کو جاننے والا (اور) ہر چیز کی حقیقت کی خبر رکھنے والا ہےO

۳۳- ﴿وَقَرْنَ﴾ اور تم ٹھہری رہو [نافع مدنی اور ھبیرہ کے علاوہ عاصم کوفی کی قراءت میں قاف مفتوح ہے اور اس کی اصل ''اِقْرَرْنَ'' تھی' پھر پہلے راء کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور اس کا فتح اس کے ماقبل قاف کو دے دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے اسے بھی گرا دیا گیا ''قَرْنَ'' رہ گیا) یا ''قَارَیقار'' (باب سمع یسمع) سے ماخوذ ہے جب جمع ہو جائے اور باقی قراء کی قراءت میں ''قِرْنَ'' (قاف مکسور باب ضرب یضرب سے) ہے اور ''وَقَرَ یَقِرُ وَقَارًا'' سے ماخوذ ہے یا پھر ''قَرَّ یَقِرُّ'' سے ماخوذ ہے اور اصل میں ''اِقْرِرْنَ'' تھا' پھر تکرار سے بچنے کے لیے پہلی ''رَا'' کو حذف کر دیا گیا اور اس کا کسرہ قاف پر منتقل کر دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے گرا دیا گیا)] ﴿فِىْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں [ابوعمرو بصری' نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''بَــا'' مضموم ہے] ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ اور تم پہلے زمانۂ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو یعنی قدیم زمانۂ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح تم اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرو' اور ''تبرّج'' کا معنی ہے کہ چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا اور چلنے کے وقت اترا کر اور اکڑ کر مٹک مٹک کر چلنا' یا اس کا معنی ہے کہ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی نمائش کرنا اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ'' (لَا تَبَرَّجْنَ) تَبَرُّجًا مِثْلَ تَبَرُّجِ النِّسَآءِ فِى الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ''تم اس طرح زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کرو جس طرح قدیم جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں بن سنور کر اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش کرتی تھیں' اور اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تھی یا پھر وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان میں گزرا تھا یا پھر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا زمانہ مراد ہے اور یہ جاہلیت اُولیٰ (قدیم اور پہلا دورِ جہالت) ہے اور جہالت اُخریٰ (جدید اور دوسرا دورِ جاہلیت) وہ زمانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سرورِ انبیاء محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان گزرا ہے یا پھر جاہلیت اُولیٰ سے مراد اسلام سے پہلے کفر و شرک کا زمانہ ہے اور جاہلیت اُخریٰ سے اسلام کے مبارک زمانہ میں فسق و فجور اور بدکاری و گناہ گاری کی جاہلیت مراد ہے ﴿وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہاں پہلے خصوصی طور پر نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا' پھر اطاعت کی صورت میں تمام عبادات کا عمومی طور پر حکم دیا' ایک تو اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ سب سے افضل عبادات ہیں' دوسرا اس لیے کہ جو شخص ان دونوں کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا تو یہ دونوں

ارکانِ اسلام اسے دیگر عبادات کی طرف کھینچ لے جائیں گے ﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کے گناہ کی نجاست و ناپاکی کو دور رکھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں[1] اور ''عنکم'' میں ضمیر مخاطب اس لیے مذکر لائی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل پاک میں سے عورتیں اور مرد سب مراد ہیں اور ''اھل البیت'' نداء کی وجہ سے منصوب ہے کہ اصل میں ''یا اھل البیت'' ہے یا مدح کی بناء پر منصوب ہے ﴿وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا﴾ اور وہ تمہیں گناہوں کی نجاست سے خوب پاک صاف رکھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو بیان کیا ہے ان میں کچھ چیزوں سے ازواجِ مطہرات کو منع کیا ہے اور کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں کی نصیحت کی ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت گناہوں کا ارتکاب نہ کریں اور تاکہ تقویٰ وطہارت اور تزکیہ وتصفیہ کے ذریعے گناہوں سے پرہیز کرتے رہیں اور ذنوب (گناہوں) کے لیے ''رجس'' کو اور تقویٰ کے لیے ''طھر'' کو استعمال کیا گیا کیونکہ جس طرح انسان کا بدن نجاستوں سے آلودہ ہو جاتا ہے' اسی طرح بُرائیوں کا ارتکاب کرنے والے کی عزت وآبرو بھی گناہوں سے آلودہ ہو جاتی ہے اور لیکن نیکیوں کی وجہ سے عزت وآبرو پاکیزہ ترین ہو جاتی ہے' جس طرح پانی سے کپڑا پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس میں عقل مندوں کے لیے منہیات وممنوعات اور محرمات سے نفرت دلائی گئی ہے اور امر وفرائض کے بجالانے میں انہیں ترغیب دی گئی ہے۔

۳۴- ﴿وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے (یعنی) قرآن مجید میں سے جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے اسے یاد کیا کرو ﴿وَالۡحِکۡمَةِ﴾ اور حکمت ودانائی کی باتوں کو یعنی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کے بیان کو یاد کیا کرو ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی باریکیوں کو خوب جانتا ہے ﴿خَبِیۡرًا﴾ ان کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے یعنی (اے نبی کی پاک دامن بیبیو!) وہ تمہارے تمام افعال اور تمہارے تمام اقوال اور تمہارے تمام احوال کو خوب جانتا ہے' سو تم اس کے حکم کی مخالفت اور اس کی

---

[1] کیونکہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ پاک کو اہل بیت کہہ کر پکارا گیا ہے' جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور کی ازواجِ پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ کے بعد بھی حضور کی ازواجِ پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان میں اصالۃً کسی اور کا ذکر کر دیا جائے' ورنہ آیات بے ربط ہو جائیں گی' لہٰذا اس جگہ ازواجِ پاک کا اہل بیت میں داخل ہونا یقینی ہے' بلکہ آیت کا خطاب اوّلاً ان ہی سے ہے مگر چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت حسن مجتبیٰ' حضرت حسین سیّد الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بذاتِ خود ایک چادر میں لے کر ''اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ'' فرما کر اور ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ تلاوت فرما کر اہل بیت میں شامل وداخل فرمایا' اس لیے یہ حضرات بھی اہل بیت میں یقیناً داخل ہیں اور فضیلت تطہیر کے مستحق ہیں' اگرچہ اس قرآنی خطاب کی اوّلین مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ پاک ہیں اور چونکہ لفظ اہل بیت مذکر ہے' اس لیے یہاں ضمیر مذکر لائی گئی ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا: ''قَالَ لِاَھۡلِهِ امۡکُثُوۡٓا'' اور ''لَعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ○'' (القصص:۲۹) اور جیسے فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ سے فرمایا تھا: ''اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ'' (ھود:۷۳) بہرحال بیت سکنیٰ کے اعتبار سے ازواجِ مطہرات اور بیت نسب کے اعتبار سے اولاد امجاد' داماد اور نواسے نواسیاں سب اس آیت مبارکہ میں داخل ہیں۔

۱۲ غوثوی

ممانعت اوراس کے رسول کی نافرمانی سے بچتی رہو۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ۞

مردوں اور عورتوں کی قابلِ اعزاز خوبیاں

شانِ نزول: اور جب حضور نبی کریم ﷺ کی ازواجِ پاک کے حق میں (ان کی عظمت و شان میں اضافہ کرنے والے) اوامر و نواہی اور آداب پر مشتمل آیاتِ مبارکہ جتنی اللہ تعالیٰ نے نازل کرنی تھیں' وہ نازل فرما دیں تو مسلمانوں کی عورتوں نے کہا کہ ہماری شان میں تو کوئی آیت مبارکہ نازل نہیں ہوئی' سو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی شان میں یہ (درج ذیل) آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ مسلم وہ شخص ہے جو جنگ کے بعد سلامتی میں داخل ہو جائے' مطیع وہ شخص ہے جو سرکشی نہ کرے یا اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' اسی کی ذات اقدس پر پورا پورا بھروسا رکھے' یہی وہ شخص ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا (یعنی کامل مسلمان ہو گیا) ﴿وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول اور ان تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق و تسلیم کرنے والے مرد و خواتین جن کی تصدیق کرنا واجب و لازم ہے ﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں (یعنی) اپنے ارادوں و نیتوں میں اور اپنے اقوال و گفتار میں اور اپنے افعال و اعمال اور سیرت و کردار میں سچائی پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعات و عبادات کے بجا لانے پر اور تمام برائیوں اور تمام گناہوں سے بچنے پر صبر کرنے والے مرد و خواتین ﴿وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں (یعنی) ظاہر و باطن اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی

اختیار کرنے والے مرد وخواتین یا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حضرات وخواتین ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں' خواہ وہ صدقہ فرض ہو (جیسے زکوٰۃ' قربانی اور صدقہ' فطر وغیرہ) یا نفل ہو (مسجد و مدرسہ و دیگر فلاحی کاموں پر مال و دولت خرچ کرنا) ﴿وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' خواہ فرض روزے ہوں (جیسے ماہِ رمضان اور نذر اور کفارہ کے روزے) خواہ نفلی روزے ہوں (جیسے ہر ماہ کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے اور نو دس محرم اور ہر پیر کے روزے وغیرہ وغیرہ) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو شخص ہر ہفتہ میں ایک درہم صدقہ کیا کرے گا وہ خیرات کرنے والوں میں سے (سخی) ہوگا اور جو شخص ہر مہینے میں ایامِ بیض (تیرہ' چودہ' پندرہ تاریخ) میں روزے رکھا کرے گا' سو وہ (ہمیشہ) روزے رکھنے والوں میں سے ہوگا ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ﴾ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد حضرات (یعنی حرام کاری' بدکاری' زنا کاری اور) ان تمام بُرے کاموں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں جو کسی صورت میں حلال نہیں ﴿وَالْحٰفِظٰتِ﴾ اور تمام حرام کاموں سے اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد (یعنی) ''سبحان اللّٰہ' الحمد للّٰہ'' اور ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور ''اللّٰہ اکبر'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد و ثناء اور استحقاقِ عبادت اور بڑائی بیان کر کے اور قرآن مجید کی تلاوت کر کے اور علم کے حصول میں مشغول ہو کر کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو' اور معنی یہ ہے کہ ''والحافظات فروجهن'' ﴿وَالذّٰكِرٰتِ﴾ ''اللّٰہ'' (یعنی) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی عورتیں [اور چونکہ ماقبل کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے' اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس آیت کریمہ میں مؤنثات کا ذکور پر عطف کے درمیان اور ایک جوڑے کا دوسرے جوڑے پر عطف کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے کی مثال یہ ارشاد ہے: ''ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا'' (التحریم:۵) یہ اس بات کی مثال ہے کہ دونوں جنس مختلف ہیں اور دونوں ایک حکم میں مشترک ہیں' پس ان دونوں کے درمیان عطف کا واسطہ ضروری اور لازمی ہے اور لیکن دوسرے میں صفت کا صفت پر حرفِ جمع کے ساتھ عطف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ان عبادات وکمالات کے جامع مردوں اور عورتوں کے لیے ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعات و عبادات اور ان کی ان خوبیوں پر مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک وہ کھلم کھلا گمراہی میں بھٹک گیا O

رسولِ خدا کے فیصلے پر کسی مسلمان کو ردِّ عمل کا اختیار نہیں

شانِ نزول: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت امیمہ کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا' جس پر حضرت زینب بنت جحش نے انکار کر دیا اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن جحش نے بھی انکار کر دیا تو یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۶- ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ اور کسی مسلمان مرد کے لیے (جائز نہیں) اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے (جائز) ہے یعنی کسی مسلمان مرد کے لیے صحیح اور جائز نہیں ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے بھی صحیح اور جائز نہیں ہے کہ ﴿اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا﴾ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول یعنی جب رسول اللہ ﷺ معاملات میں سے کسی معاملہ کا فیصلہ فرما دیں تو (یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم امر کے لیے ہے' ورنہ مراد صرف حضور کا فیصلہ ہے) ﴿اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہ جائے یعنی مسلمانوں کے جس معاملے میں رسول اکرم ﷺ فیصلہ فرما دیں تو اس معاملہ میں مسلمانوں کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی مرضی استعمال کر کے جو چاہیں کریں' بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ اپنی رائے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کے تابع کر دیں اور وہ اپنے اختیار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار کے تابع کر دیں (چنانچہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی) تو ان دونوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ "رضینا یا رسول اللہ" اے اللہ تعالیٰ کے محترم رسول! ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کر دیا اور آپ نے حضرت زید سے حضرت زینب کو ان کا حق مہر دلا دیا [''لَهُمْ'' میں ضمیر کو جمع کر کے لایا گیا ہے اگر چہ اس کا حق یہ تھا کہ اسے واحد لایا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکور نفی کے تحت واقع ہونے کی بناء پر عام ہو گیا ہے اور وہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کو شامل ہو گیا ہے' اس لیے ضمیر کو معنی کے لحاظ سے جمع لایا گیا ہے' لفظ کے لحاظ سے نہیں لایا گیا اور کوفیوں کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَکُوْنَ'' ہے ''الخیرۃ'' کا معنی ہے: اختیار' اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہوتا ہے] ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں بھٹک گیا ہے' سو اگر نافرمانی خدا اور رسول کے فیصلے کو رد کرنے اور اس کو قبول کرنے سے انکار پر مشتمل ہو گی تو یہ کفر کی گمراہی ہے اور اگر نافرمانی فیصلہ کو قبول کرنے' اس کے وجوب کا اعتقاد رکھنے کے باوجود ترکِ عمل پر مشتمل ہو گی تو یہ نافرمانی اور گناہ کی گمراہی ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور جب آپ اس شخص سے فرمانے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا کہ اپنی بیوی

کو اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں اسے چھپانے لگے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہا کریں پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دے دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے O

منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کے جواز کا بیان

۳۷- ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نعمت سے مالا مال کر دیا یہی وہ نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے جلیل القدر ہے ﴿وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ اور آپ نے بھی آزاد کر کے اور منہ بولا بیٹا بنا کر اس پر انعام فرمایا' سو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے اور اس کے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہے اور وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں[1]

﴿اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ﴾ تم اپنی بیوی یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس روکے رکھو اور یہ اس لیے فرمایا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح کر دیا تو اس کے بعد ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت زینب کو دیکھا تو آپ کے دل میں حضرت زینب کی محبت خود بخود داخل ہو گئی اور آپ نے فوراً فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ'' اللہ تعالیٰ پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا ہے' اور یہ کلمات آپ نے اس لیے فرمائے کہ آپ کا دل اس سے پہلے حضرت زینب کی چاہت و محبت سے بالکل خالی تھا اور آپ کے دل نے اسے کبھی نہیں چاہا تھا اور حضرت زینب نے آپ کا ''سبحان اللّٰہ'' کہنا سن لیا اور حضرت زید کی گھر واپسی پر حضرت زینب نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت زید بن حارثہ سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں حضرت زینب کی صحبت کی نفرت و کراہیت ڈال دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت زینب کی رغبت پیدا کر دی' چنانچہ حضرت زید نے خود رسول خدا ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک و شبہ لاحق ہو گیا ہے؟ حضرت زید نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا' لیکن وہ اپنی خاندانی فضیلت و عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو مجھ سے بڑا خیال کرتی ہیں اور مجھے غلام سمجھ کر اپنی بڑھائی جتانے کے لیے میری تحقیر کرتی ہیں' اس کے جواب میں حضور سید عالم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ'' کہ تم اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو' سو اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور یہ نہی تنزیہ (کراھت) کی ہے کیونکہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ عورت کو طلاق نہ دی جائے یا یہ معنیٰ ہے کہ (اے زید!) اللہ تعالیٰ سے ڈرو' سو تکبر اور شوہر کو دکھ دینے کی طرف نسبت کر کے حضرت زینب کی مذمت و برائی بیان نہ کرو ﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپا رہے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے یعنی آپ اپنے دل میں یہ بات چھپا رہے ہیں کہ اگر حضرت زید بن

[1] حضرت زید بن حارثہ کا مختصر تذکرہ اسی تفسیر مدارک میں سورۃ الاحزاب: ۴ کی تفسیر میں گزر چکا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں' تفصیل کے لیے تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۶' سورۃ الاحزاب: ۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حارثہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو آپ ان سے نکاح کرلیں گے اور یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ جس چیز کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل میں مخفی رکھا تھا' وہ ایک تو حضرت زینب کے ساتھ دل کی بستگی اور دوسرا حضرت زید کا حضرت زینب کو طلاق دے کر جدائی اختیار کرنے کی خواہش تھی۔[1]

﴿ وَتَخْشَى النَّاسَ ﴾ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں یعنی آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ کہیں گے: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے ﴿ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہیں یعنی آپ حضرت زید سے فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جب کہ آپ نے اپنے دل میں یہ ارادہ پوشیدہ رکھا ہوا ہے کہ حضرت زید اپنی بیوی کو اپنے پاس نہ رکھے (اور طلاق دے دے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو) اور آپ لوگوں کی باتوں اور ان کے طعنوں سے ڈرتے ہیں' حالانکہ اس بارے میں آپ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو یہ زیادہ مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ وحی پہنچائی جاتی ہے' اس میں سے اگر آپ کچھ چھپانا چاہتے تو البتہ یہی آیت مبارکہ چھپالیتے [''وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ'' اور ''وَتَخْشَى النَّاسَ'' اور ''وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ'' میں سب واؤ حال کے لیے ہیں]
﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ﴾ پھر جب حضرت زید نے اپنی حاجت اس سے پوری کرلی' ''الوطر'' کا معنی حاجت ہے' چنانچہ جب کوئی شخص اپنی حاجت پوری کرلیتا ہے' جس میں اس کی کوئی اہمیت مطلوب ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''قضى منه وطره'' فلاں شخص نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی' اور اب معنی یہ ہوا کہ جب حضرت زینب میں حضرت زید کی کوئی حاجت باقی نہ رہی اور اس سے حضرت زید کا کوئی مطلب نہ رہا اور اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی تو ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کردیا۔

مروی ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول خدا حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء

---

[1] علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا' وہ یہی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے بتادیا تھا کہ حضرت زینب کا نکاح آپ کے ساتھ کردیا جائے گا' جب حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے' لہٰذا عنقریب یہ بی بی آپ کی بیوی ہوجائے گی اور آپ اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا یہ وعدہ ضرور پورا کرے گا اور سب لوگوں پر ظاہر فرمادے گا کہ یہ آپ کی بیوی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''زَوَّجْنٰكَهَا'' کہ ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا ہے' جس کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کو اس کے ساتھ محبت ہوگئی ہے اور یہ محبت خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پیدا کردی ہے' ورنہ آپ ایسے نہیں کہ غیر عورت سے محبت کریں کیونکہ آپ تو معصوم ہیں اور جو محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہو' وہ محبت قابل تعریف ہے' حدیث شریف میں ہے کہ ''حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ'' تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لیے محبوب بنادی گئی ہیں' خوشبو' عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان چیزوں سے خود محبت ہوتی تو ''حُبِّبَ'' کی بجائے ''اَحْبَبْتُ'' فرماتے۔

مسئلہ: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام علیہم رحمۃ الرحمان کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے ہیں' کیونکہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان' مترجم بنام فیوض الرحمان' پارہ ۲۱' ص ۴۴۔۴۳)

نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ با اعتماد و باوثوق کسی کو نہیں پاتا' تم حضرت زینب کو میرے نکاح کا پیغام پہنچا آؤ' چنانچہ حضرت زید نے فرمایا کہ میں اس کے گھر گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں خوش خبری اور مبارک ہو کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے' پس حضرت زینب یہ خوش خبری سن کر بہت خوش ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور ان کے ساتھ شبِ زفاف فرمائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی پر جس قدر بہترین ولیمہ کیا' اس قدر اپنی دیگر بیویوں میں سے کسی بیوی سے شادی کے موقع پر نہیں کیا کیونکہ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور لوگوں کو روٹی اور گوشت کھلایا گیا اور یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا (جب کہ ایسے موقع پر عموماً چھوہارے اور کھجوریں کھلائی جاتی ہیں) ﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے' جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں (یعنی طلاق دے دیں) بعض نے کہا کہ ''قضائے وطر'' کا معنی ہے: حاجت کو پالینا اور اپنی مراد کو حاصل کر لینا ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے (یعنی) جس حکم کے نافذ کرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالیتا ہے وہ حکم ضرور لامحالہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور یہ مثال اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم نبی محترم و معظم کی حضرت زینب سے شادی ہو جانے کا ارادہ فرمالیا تو وہ ہو کر رہی۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾

نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمادیا' اللہ تعالیٰ کا (یہ) دستور ان لوگوں میں جاری رہا جو پہلے گزر چکے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے○ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتے' اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا○

۳۸- ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ﴾ پیغمبر خدا پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے از خود مقرر فرمادیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کر دیا اور انہیں اس کا حکم دے دیا اور وہ حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کرنا مراد ہے' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عورتوں کی جتنی تعداد مقرر و مقدر فرمادی ہے' اتنی تعداد تک ان سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ﴿سُنَّةَ اللَّهِ﴾ [''سنة'' اسم ہے جس کو مصدر کے قائم مقام مقرر کیا گیا ہے اور یہ ''ما كان على النبی من حرج'' کی تاکید ہے' جیسے عرب کا قول ہے: ''تربا'' اور ''جندلا'' مصدر کے قائم مقام اسم ہیں] گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک دستور اور طریقہ ہے' جو اس نے گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جاری و ساری رکھا ہے اور یہ کہ ان پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مباح اور جائز قرار دے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نکاح وغیرہ کے معاملہ میں وسعت و گنجائش عطا کر رکھی ہے اور ان کے نکاح میں بہت سی آزاد عورتیں ہونے کے علاوہ بہت بڑی تعداد لونڈیوں کی ہوا کرتی تھی' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں ایک سو خواتین تھیں اور تین سو لونڈیاں تھیں اور حضرت

سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں ﴿فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ان حضرات میں جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی انبیائے کرام میں جو آپ سے پہلے گزر چکے ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا (ہر) کام ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ہر کام کا فیصلہ قطعی اور حکم یقینی ہوتا ہے [اور اس پر وقف نہیں کرنا چاہیے اگر (درج ذیل آیت) ''الذین یبلغون'' کو پہلے ''الذین'' سے بدل قرار دیا جائے تو اور اگر ''الذین یبلغون'' کو بدل کی بجائے محلاً مرفوع یا مدح کی بناء پر منصوب قرار دیا جائے تو پھر اس پر وقف کیا جائے گا یعنی ''ھم الذین یبلغون'' یا ''اعنی الذین یبلغون'']۔

۳۹ - ﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات (لوگوں کو) پہنچاتے ہیں اور صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ'' اور اے محبوب! آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کے معاملہ میں لوگوں کی ملامت سے ڈرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ صرف اسی سے ڈرتے رہیں' اس آیت مبارکہ میں تصریح و توضیح کرنے کے بعد اب اس جگہ تعریض بیان فرمائی کہ انبیائے کرام تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں[1]

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے' وہی ڈرنے والے کی کفایت فرمائے گا یا وہی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں پر محاسبہ فرمائے گا' پس وہی اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ

ع

[1] دراصل انبیائے کرام علیہم السلام کو تقاضائے بشریت کے تحت وقتی طور پر خوف لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ فرعون کے دربار میں جادوگروں کے جادو کے سبب جب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگیں تو بہ تقاضائے بشریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف و ڈر لاحق ہوا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى O'' (طٰہٰ: ۶۸) ''(اے موسیٰ!) بالکل نہ ڈرو بے شک تم ہی غالب رہو گے O''۔ نیز جب فرعون کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا' تو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے کہا تھا کہ ''رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى O قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى O'' (طٰہٰ: ۴۵-۴۶) ''اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا O اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بالکل نہ ڈرو' بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' میں سنتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں O'' اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ'' (یوسف: ۱۳) ''اور مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا'' اس لیے جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہونے کا ذکر ہے وہ یہی خوف ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرنے کا ذکر ہے' وہاں شانِ نبوت اور اللہ تعالیٰ پر ان کے پختہ ایمان و یقین کا اظہار ہے۔ غوثوی مہاروی

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۝٤٣ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۝٤٤

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا کرو O اور تم صبح اور شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو O وہی تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور وہ مؤمنوں پر بہت رحم فرمانے والا ہے O جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے' اس دن ان کو سلام کہہ کر دعا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر وثواب تیار کر رکھا ہے O

حبیبِ خدا امت کے روحانی باپ اور آخری نبی ہیں

۴۰۔ ﴿مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں تا کہ آپ کے درمیان اور اس آدمی کے درمیان وہی رشتہ ثابت ہو جائے' جو ایک باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان حرمت مصاہرہ (سسرالی رشتہ کی حرمت) اور حرمت نکاح کی صورت میں ثابت ہو جاتا ہے اور ''من رجالکم'' سے بالغ جوان مرد مراد ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بالغ نہیں تھے (نیز حسنین کریمین حقیقی نہیں مجازی بیٹے ہیں) اور آپ کے حقیقی صاحب زادے حضرت طیب و طاہر اور حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلوغت سے پہلے بچپن میں وفات پا گئے تھے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور اصل میں ''ولکن کان رسول اللّٰہ'' ہے (یعنی) اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا روحانی اور معنوی باپ ہوتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ امت پر اپنے نبی اور رسول کی تعظیم وتوقیر اور اس کا ادب واحترام اور اطاعت واجب ولازم ہوتی ہے اور رسول پر اپنی امت کی نصیحت وخیر خواہی اور شفقت ورحمت واجب ہوتی ہے' باقی احکام میں نہیں جو باپ اور بیٹوں میں ثابت ہوتے ہیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے انہیں مردوں میں سے ایک مرد ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اولاد نہیں ہیں' سو اس لیے حضرت زید کا حکم وہی ہو گا جو تمہارا حکم ہے اور متبنّٰی ہونا محض اختصاص اور قرب کی وجہ سے منہ بولا بیٹا کہلاتا ہے ورنہ وہ نہ حقیقی بیٹا بن جاتا ہے اور نہ اس کا نسب سے کوئی تعلق ہوتا ہے ﴿وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ ''خاتَم''[1] عاصم کی قراءت میں ''تا'' پر فتح (زبر) ہے' بہ معنی تابع یعنی ان سب (نبیوں) کے آخر میں آنے والا' مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی شخص اب نبی نہیں بنے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے

[1] واضح رہے کہ لغت کی بعض کتب میں ''خاتم'' کا معنی مہر لگانا بھی لکھا ہے' جس سے منکرین ختم نبوت یہ معنی مراد لے لیتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر لگانے والے ہیں' آپ نے جس پر مہر لگا دی وہی نبی ہو گا اور جس پر آپ نے مہر نہیں لگائی وہ نبی نہیں بن سکے گا' حالانکہ یہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے اور صحیح معنی یہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا' لیکن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا اور اس پر ختم نبوت کی مہر لگا کر باب نبوت بند کر دیا گیا تا کہ کوئی کذاب و دجال اور مکار وعیار' فریبی شخص نبوت کا دعویٰ کر کے اس میں داخل نہ ہو سکے' پھر قرآن مجید میں جہاں ''ختم'' کا معنی مہر لگانا ہوتا ہے' وہاں ''ختم'' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے نبوت عطا کی گئی تھی (اس لیے ان کے دوبارہ دنیا میں آنے سے ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا' نیز) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے تو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے' گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے [اور حضرت عاصم کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''خَاتِم'' میں ''تَا'' مکسور (زیر) ہے بہ معنی تابع (آخر میں آنے والا) اور یہ ختم کا اسم فاعل ہے اور اس کی تقویت اور تائید وتصدیق حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس (درج ذیل) قراءت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کا کلمہ صرف ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ'' (البقرہ:۷) ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے'' نیز فرمایا: ''اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ'' (یٰسین:۶۵) ''ہم اس دن (قیامت میں) ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ'' (الشوریٰ:۲۴) ''سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہارے دل پر مہر لگا دیتا''۔ قارئین کرام! اختصار کے پیش نظر مزید صرف تین آیات' چند احادیث اور چند اقوال مفسرین تحریر کیے جاتے ہیں:

(۱) ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تمہارے اوپر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا''۔ دین مکمل' نعمت مکمل اور اسلام پر رضائے الٰہی کا واضح اظہار رسول اکرم ﷺ کے آخری نبی اور آخری رسول ہونے کا اعلان ہے کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی' اس لیے کہ احکام الٰہی مکمل ہو گئے کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا جب آپ کا دین نامکمل ہوتا اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی رہ گئی ہوتی تو اس کی تکمیل کے لیے اور نبی کو بھیجا جاتا' لیکن جب دین مکمل ہو گیا' نعمت تمام ہو گئی اور دین اسلام کو پسند کر لیا گیا تو اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) ''(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت سے لے کر قیامت تک تمام انسانوں کے فقط آپ رسول ہیں' لہٰذا اگر آپ کے بعد نبوت کا اجراء جائز وممکن مانا جائے تو پھر آپ تمام انسانوں کے رسول نہیں ہوں گے' حالانکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ نبوت کا اجراء ناممکن ومحال ہے۔

(۳) ''وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○'' (الانبیاء:۱۰۷) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے○''۔ یاد رہے کہ ہر نبی اپنی اپنی امت کے لیے مشفق ومہربان اور رحمت ہوتا ہے اور تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بن کر آنے والی فقط حضور سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات ہے' لہٰذا اب اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ممکن مانا جائے تو آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے کیونکہ جس قوم کا کوئی اور نبی ہو گا' وہی اس قوم کے لیے رحمت ہو گا حالانکہ یہ اس آیت مبارکہ کے خلاف ہے' اس لیے آپ کے بعد نبی کا آنا ناممکن ومحال ہے۔

ختم نبوت کے متعلق احادیث مبارکہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتًا فاحسنه واجمله الّا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هل لا وضعت هذه اللبنة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین''۔ (بخاری کتاب الفتن' باب خاتم النبیین' رقم الحدیث:۳۵۳۵' تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۴۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوجاتی ہے: ''وَلٰكِنۡ نَبِيًّا خَتَمَ النَّبِيّٖنَ'' اور لیکن آپ نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ نبوت ختم فرمادیا] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' لباب التاویل عرف خازن ج ۳ ص ۵۰۳ تا ۵۰۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۵۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس کو بہت حسین وجمیل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ ایک کونے میں چھوڑ دی' سو لوگ اس گھر کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے حسن وجمال پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہاں یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ سو میں وہ اینٹ ہوں (جس سے ایوانِ نبوت کی تکمیل ہوگئی ہے) اور میں تمام نبیوں کے بعد آخری نبی ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**فضّلت علی الانبیاء بستٍّ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون** '' (مشکوٰۃ ص ۵۱۲' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' بحوالہ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳) ''مجھے تمام انبیائے کرام پر چھ خوبیوں کی وجہ سے فضیلت وبرتری عطا کی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ میں بے شمار معانی بیان کرنے کی قوت) عطا کی گئی (۲) اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی (۳) اور میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کیے گئے (۴) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنادیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے''۔

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''**انت منّی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی**'' میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۳' متفق علیہ باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا' آپ نے فرمایا: ''**ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللّٰه بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمّی وانا العاقب الذی لیس بعده نبیٌّ**'' (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۵' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل ص ۵۰۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ص ۳۵۱' ج ۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) 'بے شک میں محمد (ﷺ) ہوں اور میں احمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹادے گا اور میں وہ حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر اٹھایا جائے گا اور میں وہ عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا''۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث نبوی بیان کی' جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**وانه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبیّ اللّٰه وانا خاتم النبیین لا نبیّ بعدی**'' (مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل ثانی ص ۴۶۵' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' رواہ ابوداؤد کتاب الفتن' والترمذی) ''اور بے شک عنقریب میری امت میں تیس کذاب (بہت جھوٹ بولنے والے) ہوں گے' ان میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے حالانکہ میں تمام نبیوں کے آخر میں آنے والا (خاتم النبیین) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

(۶) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر بن الخطاب**'' (مشکوٰۃ باب مناقب عمر' فصل ثانی ص ۵۵۸' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' رواہ الترمذی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح بیان کرنے کا حکم

۴۲،۴۱ - ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو (یعنی) حمد وثناء کی جتنی اقسام ہیں ان سب کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی توصیف وتعریف' عظمت وشان اور خوبیاں بیان کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رقم الحدیث:۳۶۸۶' الحاوی للفتاویٰ ج ا ص ۳۶۹' مطبوعہ مکتبۃ النوریہ الرضویہ)'' بہ فرضِ محال اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو البتہ (حضرت) عمر بن خطاب ہوتے''۔

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی'' (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۷۲)'' بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا''۔

(۸) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا قائد المرسلين ولا فخر وانا خاتم النبيين ولا فخر وانا اول شافع و مشفع ولا فخر'' (رواہ الدارمی' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین' فصل ثانی ص ۵۱۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)'' میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں' اور میں خاتم النبیین (سب نبیوں کے آخر میں آنے والا) ہوں اور فخر نہیں' اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے اور فخر نہیں''۔

(۹) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انی عند الله مكتوب خاتم النبيين وانّ 'ادم لمنجدل فی طينته وساخبركم باول امری دعوة ابراهيم وبشارة عيسى ورويا امی الّتی رات حين وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام'' (رواہ فی شرح السنۃ ورواہ احمد عن ابی امامۃ' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی ص ۵۱۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)'' بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین (سب سے آخری نبی) لکھا جا چکا تھا حالانکہ اس وقت حضرت آدم مٹی میں گوندھے جا رہے تھے اور میں تمہیں اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں' حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور بے شک ان کے لیے ایک نور برآمد ہوا جس سے ان کے لیے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے''۔

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''كنت اول النبيين فی الخلق واخرهم فی البعث'' (تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۸۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۱' ص ۹۷' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)'' میں تخلیق وپیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے ہوں اور اعلانِ نبوت میں سب سے آخری نبی ہوں''۔

ختم نبوت کے متعلق مفسرین کے چند اقوال

(۱) علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''فقد اخبر الله تعالٰی فی كتابه ورسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی السنة المتواترة عنه انه لانبی بعده ليعلموا ان كل من ادعٰی هذا المقام بعده فهو كذّاب افّاك دجّال ضالٌ ومضلٌّ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں' تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا' وہ کذاب ہے' جھوٹا ہے دجال ہے' گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یاد کرو اور تم اسے بہت کثرت سے یاد کیا کرو ﴿ وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ﴾ اور تم صبح وشام اس کی تسبیح بیان کیا کرو "بکرۃ" کا معنی ہے: دن کا آغاز اور شروع (یعنی صبح) اور "اصیل" کا معنی ہے: دن کا آخر (یعنی شام) ان دو اوقات کا خصوصیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سیّد محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی (ص ۴۱ الجزء الثانی والعشرون مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

"وکونہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصرحت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر" یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین (سب سے آخری نبی) ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح وتوضیح قرآن و سنت نے کی ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس دعویٰ پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) علامہ ابن الحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ اپنی تفسیر بحر محیط میں رقم طراز ہیں:

"ومن ذھب الی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع او الی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق یجب قتلہ وقد ادّعی ناس النبوۃ فقتلھم المسلمون علی ذالک وکان فی عصرنا شخص من الفقراء ادّعی النبوۃ بمدینۃ ما لقہ فقتلہ السلطان بن الاحمر ملک الاندلس بغرناطۃ وصلب حتی تناثر لحمہ" یعنی جس شخص کا نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا۔ وہ اسی حال میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۷۲۔۷۳)

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:

جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ اپنے اس جھوٹے دعویٰ میں نص قطعی کا منکر ہے اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس لیے کہ حق اور باطل کا فرق اور امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو آدمی اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہو گا وہ کافر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لا نبی بعدی"۔ (تفسیر روح البیان ص ۶۸ پارہ: ۲۲ مترجم مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

ختم نبوت کے متعلق فقہاء اسلام کے چند اقوال

درج ذیل فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یا آپ کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور جو اس کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے (الف) امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ (ب) قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ (ج) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ (د) علامہ سلطان محمد القاری الحنفی متوفی ۱۰۱۴ھ (ہ) علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی ۷۵۴ھ (و) علامہ محمد الشربینی الشافعی (ز) علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ۔ ان کے اقوال کی تفصیل تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۴۷۱ تا ۴۷۲ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ان دو اوقات میں جمع ہو جاتے ہیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم (صبح وشام) کہا کرو: ''سبحان اللّٰہ'' اور ''الحمد للّٰہ'' اور ''اللّٰہ اکبر'' اور ''لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم'' اور یہ دونوں فعل یعنی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور اس کی تسبیح بیان کرنا' صبح اور شام کے اوقات کی طرف متوجہ کیے گئے ہیں' جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''صم وصل یوم الجمعۃ'' جمعۃ المبارک کے دن روزہ رکھ اور نماز پڑھ' اور تسبیح بیان کرنا بھی ذکر خدا کی ایک قسم ہے' لیکن جس طرح تمام فرشتوں میں سے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے ذکر کو ان کی فضیلت کی بناء پر مخصوص کیا جاتا ہے' اسی طرح ذکر الٰہی کی تمام اقسام میں سے تسبیح کے ذکر کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ ذکر کی تمام اقسام پر تسبیح کی فضیلت ظاہر کی جائے کیونکہ تسبیح کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ان تمام صفات سے پاک ثابت کیا جائے جو اس کی شایانِ شان نہیں اور نہ وہ اس کی ذاتِ اقدس پر جائز ہو سکتی ہیں' پھر اس تسبیح کے لیے ''بکرۃ'' اور ''اصیلا'' کے اوقات مقرر و مخصوص کیے گئے اور ''بکرۃ'' سے نمازِ فجر مراد ہے اور ''اصیلا'' سے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں یا پھر ''بکرۃ'' سے فجر کی نماز اور ''اصیلا'' سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان

۴۳- ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) ہے جو تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں) جب نمازی کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے رکوع اور سجود میں جھک جاتا ہے تو یہ کلمہ بطور مستعار ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے غیر پر شفقت ومہربانی کرنے کے لیے جھک جاتا ہے' جیسے عیادت کرنے والا بیمار پر شفقت کرتے ہوئے اس پر جھک جاتا ہے اور عورت اپنے بچے پر شفقت ورحمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس پر جھک جاتی ہے' پھر یہ کثرت سے بولا جانے لگا' یہاں تک کہ یہ رحمت ومہربانی اور ''رافت'' کے معنی میں استعمال کیا گیا' اور اسی معنی میں اہل عرب کا یہ قول بولا جاتا ہے: ''صلی اللّٰہ علیك'' یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم وکرم اور مہربانی فرمائے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے لیے دعائے رحمت کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ ''اللھم صل علی المؤمنین'' یعنی اے اللہ! تو مسلمانوں پر رحم فرما۔ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو اس لیے صلوٰۃ یعنی رحمت بھیجنے والا قرار دیا گیا ہے کہ وہ مستجاب الدعوۃ (مقبول دعا والے) ہیں' گویا وہ رحمت ومہربانی کرنے والے ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم وکرم فرماتا ہے اور تم پر مہربانی کرتا ہے کہ تمہیں خیر وبھلائی کی طرف بلاتا ہے اور وہ تمہیں کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نماز پڑھنے اور عبادت واطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے ﴿لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَٰتِ إِلَى النُّورِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے (یعنی) گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر عبادات واطاعت کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بے حد مہربان ہے اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ سے رحمت مراد ہے۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سورت احزاب کی (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ''إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ'' (الاحزاب:۵۶) ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرف وخیر عطا فرمایا' اس میں ہمیں بھی شریک رکھا ماسوا اس شرف وکرم کے' سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما دی۔

٤٤- ﴿تَحِيَّتُهُمْ﴾ ان کی دعا (یعنی) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعا [اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے] ﴿يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ﴾ جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کا جس دن دیدار کریں گے ﴿سَلٰمٌ﴾ سلام کہنا ہوگا (یعنی) اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنوں کو دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ''السلام علیکم'' تم سب پر سلام ہو ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر وثواب تیار کر رکھا ہے یعنی جنت۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور (جنت کی) خوش خبری سنانے والا اور (جہنم سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے○ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)○ اور مؤمنوں کو خوش خبری سنا دیجئے کہ بے شک ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے○ اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے اور آپ ان کی ایذاء رسانی پر انہیں چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں' اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے○

شانِ مصطفےٰ کا بیان

٤٥- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾[1] اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ان تمام افرادِ امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف آپ کو نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان کی تکذیب پر اور ان کی تصدیق پر آپ کو گواہ بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی گواہی اور آپ کی بات امت کے حق میں اور امت کے خلاف دونوں صورتوں میں ہر حال میں قبول کی

[1] واضح رہے کہ ''شاھد'' کا معنی حاضر وناظر بھی ہے اور گواہی دینے والا بھی ہے' کیونکہ ''شاھد'' کا لفظ ''شھود'' اور ''شھادۃ'' سے مشتق ہے اور امام راغب اصفہانی ان کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الشھود والشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ'' ''اما بالبصر او البصیرۃ'' ''شھود'' اور ''شھادۃ'' کا معنی ہے: حاضر ہونا بمع مشاہدہ (دیکھنے) کے خواہ وہ دیکھنا آنکھوں کی بینائی سے ہو یا بصیرت (قلبی آنکھ) کے نور سے ہو۔ (مفردات عربی ج ۲ ص ۲۷۷' مطبوعہ مصر) اس معنی کے بیان سے واضح ہو گیا کہ ''شـــاھـد'' کے معنی میں حاضر ہونا اور مشاہدہ (دیکھنا) دونوں چیزیں داخل ہیں' اس لیے ''شاھد'' کا معنی حاضر وناظر اور گواہی دینے والا دونوں صحیح ہیں' کیونکہ ''شاھد'' (گواہی دینے والا) موقع پر حاضر و موجود بھی ہوتا ہے اور موقع کا ناظر ومشاہدہ کرنے والا بھی ہوتا ہے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گواہ ہونا چار وجوہ کی بناء پر ہے:

(۱) آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات وصفات کے شاہد ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○'' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے○ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے○ اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے○ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے○

(۲) آپ اپنی امت اور انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' (البقرہ: ۱۴۳) ''اور رسول تم پر گواہ ہوں گے'' نیز ارشاد ہے: ''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا○'' (النساء: ۴۱) ''سو اس وقت کیا حالت ہوگی جب ہم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گی' جیسا کہ ایک عادل ومنصف کی بات وگواہی مقدمہ کے فیصلہ میں قبول کی جاتی ہے [اور "شاھدًا" حال مقدر ہے' جیسے "مررتُ برجل معه صقر صائلًا به غدًا" میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جس کے ساتھ شکرا تھا' وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا] یعنی شکرے کے ساتھ شکار کرنا ابھی مقدر ومخفی ہے' جس کا ظہور کل شکار کے وقت ہوگا (لہٰذا آپ کو شاہد وگواہ تو بنا دیا گیا ہے مگر آپ کی شہادت وگواہی ابھی مقدر ومخفی ہے' اس کا اظہار قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب آپ گواہی دیں گے) ﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ "للمؤمنين بالجنة" اور (ہم نے آپ کو) مسلمانوں کے لیے جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر (بھیجا ہے) ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ "للكافرين بالنار" اور کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر (بھیجا ہے)۔

۴۶- ﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے دعوت دینے والے ہیں (یعنی) اس کے حکم اور اس کی توفیق سے [اور یہ سب حال کی بناء پر منصوب ہیں] ﴿وَّسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ اور روشن چراغ ہیں' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے شرک کی تاریکیوں کو دور کرکے توحید کی راہیں روشن کر دیں اور اس کے ذریعے گمراہوں نے ہدایت پائی' جیسا کہ رات کی تاریکیاں روشن چراغ سے جگمگا پڑتی ہیں اور اس کے سبب راہ راست حاصل کی جاتی ہے اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ "سراجًا منیرًا" سے مراد قرآن مجید ہے مگر اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "وذا سراج منیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہر ایک امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ○"۔

(۳) آپ نے دنیا میں احوالِ آخرت یعنی جنت ودوزخ اور میزان وپل صراط وغیرہم کی گواہی دی۔

(۴) آپ آخرت میں احوالِ دنیا یعنی نیکی وبدی' اطاعت ونافرمانی اور اصلاح وفساد' خیر وشر کی گواہی دیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۸۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۹۷۸ء)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر وناظر ہونے کی توضیح

صوفیائے کرام اور بعض علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر وناظر ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جسد اصلی اور اپنے معروف ومخصوص تشخص کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں' حتیٰ کہ کوئی معاند ومخالف یہ کہے کہ جب تم کرسی پر بیٹھو تو بتاؤ کرسی کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں یا نہیں ہیں' اگر آپ کرسی کے نیچے نہیں ہیں تو ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں اور اگر کرسی کے نیچے ہیں تو تم بڑے بے ادب اور گستاخ ہو کہ حضور کرسی کے نیچے ہیں اور تم کرسی کے اوپر بیٹھے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر وناظر کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے جسم اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ بعینہٖ ہر جگہ موجود ہیں بلکہ آپ اپنے جسد اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ اپنے روضۂ انور میں جلوہ فرما ہیں اور وہاں آپ کے مختلف اشغال ہیں' آپ قبر منور میں نماز پڑھتے ہیں' تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں' صفاتِ باری کا مطالعہ کرتے ہیں' زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں' ان کی درخواستوں پر توجہ فرماتے ہیں' ان کے لیے دعا فرماتے ہیں اور ان کی شفاعت کرتے ہیں' آپ پر اعمالِ امت پیش کیے جاتے ہیں' آپ نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں' کائنات ملاحظہ فرماتے ہیں اور جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں' جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں' بعض اوقات کسی کی عیادت فرماتے ہیں' کسی کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں' کسی ستم رسیدہ کی مدد کرتے ہیں' کسی کو حدیث پڑھاتے ہیں' کسی کو فقہی مسئلہ بتاتے ہیں اور کسی کو محض اپنے جمال دل نواز سے شادکام کرتے ہیں اور اگر آپ ایک وقت میں متعدد جگہ جانا چاہیں تو بہ یک وقت متعدد جگہ جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۴۸ تا ۷۴۹)

نوٹ: مسئلہ حاضر وناظر کی مدلل ومفصل تحقیق ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۴۷ تا ۷۶۲' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور

او تالیا سراجًا منیرًا'' اور روشن چراغ والے یا روشن چراغ کی تلاوت کرنے والے اور ''سراج'' کو ''منیر'' کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چراغ کا تیل جب کم ہو جاتا ہے اور اس کی بٹی ہوئی بتی باریک ہو جاتی ہے تو پھر وہ روشنی نہیں دیتا' یا اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ہماری وحدانیت کی گواہی دینے والے اور ہماری رحمت کی خوش خبری سنانے والے اور ہمارے غضب و ناراضگی سے ڈرانے والے اور ہماری عبادت کی طرف (لوگوں کو) بلانے والے اور روشن چراغ یعنی آپ ہماری ذاتِ بابرکات کے لیے روشن حجت اور واضح دلیل ہیں۔

۴۷- ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوش خبری سنا دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بہت بڑا فضل ہے (یعنی) بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

۴۸- ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کفار ومنافقین کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے۔ اس نہی سے مراد کفار سے اجتناب کرنے پر برانگیختہ کرنا اور اسی اجتناب کی حالت پر جس پر پہلے سے گامزن ہیں' اسی پر آپ کو قائم ودائم اور ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ﴾ اور آپ ان کی ایذاء کو چھوڑ دیئے۔ یہ ایذاء اور تکلیف دینے کے معنی میں ہے' پس اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی کفار ومنافقین آپ کو جو ایذاء اور تکلیف دیتے ہیں' آپ اس کو ایک طرف کر دیجئے اور آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کیجئے اور نہ آپ ان کی ایذاء سے خوف زدہ ہوں۔ (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) یا یہ مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کفار ومنافقین کی کارروائیوں کا انتقام لینے کے لیے آپ ان کو ایذاء پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیجئے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اسی پر بھروسا رکھیے' کیونکہ وہی ان کے مقابلے میں آپ کی کفایت کرے گا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اور اس معاملہ میں وہی کفایت کرے گا' تمام اُمور اسی کی طرف سپرد کیے گئے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ صفات کے ساتھ متصف فرمایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں آپ کو مناسب خطاب کے ساتھ مخاطب فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شاہد کے مقابلے میں آپ کو اپنے ارشاد ''بشر المؤمنین'' کے ساتھ مخاطب فرمایا کیونکہ آپ اپنی امت پر گواہ ہیں اور وہ باقی تمام سابقہ امتوں پر گواہ ہوں گے اور یہ بہت بڑا فضل ہے اور ''مبشرًا'' کے مقابلے میں کفار ومنافقین سے اعراض کرنے کو بیان فرمایا کیونکہ جب آپ ان سے اعراض کریں گے تو آپ کی تمام تر توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہو جائے گی اور یہ بشارت وخوش خبری کے مناسب ہے اور ''نذیرًا'' کے مقابلے میں ''وَدَعْ اَذٰھُمْ'' کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ فی الحال ان کی ایذاء کو ترک کر دیں گے اور آپ کو ایذاء پہنچانے پر جلد یا بہ دیر عذاب کا آنا ضروری ہے تو کفار ومنافقین کو ایذاء پہنچانے پر مستقبل کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور ''داعیا الی اللہ باذنہ'' کے مقابلے میں آپ کو ''وتوکل علی اللّٰہ'' کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر بھروسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ پر ہر مشکل کو آسان کر دے گا اور ''سراجًا منیرًا'' کے مقابلے میں ''کفٰی باللّٰہ وکیلا'' کو بیان فرمایا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے برہان بنا کر منور کر دیتا ہے' وہ اس لائق ہے کہ وہ تمام مخلوق کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ کے وکیل وکارساز ہونے پر اکتفاء کرے۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرلو پھر تم ان سے صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو سو تم انہیں کچھ فائدہ مند چیزیں دے دو اور تم انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دو o

غیر مدخولہ مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں

۴۹- ﴿يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو یعنی شادی کرو اور ''نکاح'' کا معنی اصل میں جماع کرنا ہے اور عقد شادی کا نام نکاح رکھنا محض ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے' کیونکہ یہ عقد ہی نکاح کے مقصد تک پہنچنے کا راستہ ہے جیسا کہ شراب کا نام گناہ رکھا جاتا ہے کیونکہ شراب گناہ کا سبب ہے اور جیسا کہ راجز کا قول ہے: ''اسمنة الأبال فی سحابه'' اونٹوں کا موٹاپا اور ان کی کوہانوں کا بلند ہونا اس کے تالاب کے پانی کی وجہ سے ہے۔ یہاں اونٹوں کے موٹاپے کو پانی کا نام دیا گیا ہے کیونکہ پانی اونٹوں کے موٹاپے اور کوہانوں کے بلند ہونے کا سبب ہے اور قرآن مجید میں ''نکاح'' کے لفظ سے صرف عقد کا معنی مراد ہوتا ہے کیونکہ جماع کے معنی سے اس کی تجرید ہو جاتی ہے جب کہ قرآن کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ جماع کے لیے بطور کنایہ لفظ ''ملامسة ومماسّة'' (ہاتھ لگانا اور چھونا) اور ''قربان'' (میاں بیوی کی قربت) اور ''تغشی'' (ڈھانپنا) اور ''اتیان'' (پاس آنا) استعمال کیے گئے ہیں اور ''مؤمنات'' کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان مرد کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسلمان عورت سے نکاح کرے اگرچہ اہل کتاب خواتین اس حکم میں مسلمان عورتوں کے مساوی ہیں ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ پھر تم ان کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو (یعنی) خلوت صحیحہ سے پہلے جیسے منکوحہ کو ہاتھ لگانا اور چھونا (یا میاں بیوی کا تنہائی میں رہنا) ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ سو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم گنا کرو اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں پر عدت گزارنا واجب ولازم ہے اور ''تعتدّونها'' کا معنی ہے کہ تم اس کی گنتی پوری کرو (جب تین حیض ختم ہو جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی) [یہ ''تفتعلون'' کے وزن پر باب افتعال ''عدّ'' سے مشتق ہے] ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ سو تم انہیں کچھ فائدے کی چیزیں دے دو اور ''متعه'' اس عورت کو دینا واجب ہے جس کو خاوند نے اس کے ساتھ ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی ہو اس کے علاوہ کے لیے نہیں ﴿وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ اور تم انہیں اچھے طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور تم انہیں محض نقصان پہنچانے کے لیے روک کر نہ رکھو اور تم انہیں اپنے گھروں سے نکال دو کیونکہ تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ٘ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا٘ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۰﴾

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کی وہ بیویاں آپ کے لیے حلال کر دیں ہیں جن کو آپ حق مہر ادا کر چکے ہیں اور آپ کی مملوکہ کنیزیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں عطا فرمائیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور مسلمان عورت اگر وہ اپنی جان نبی کریم کے لیے نذر کر دے اگر نبی کریم اس سے نکاح کرنا چاہیں' یہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں' بے شک ہمیں وہ سب کچھ معلوم ہے جو ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے حق میں ان پر فرض کر دیا ہے (اور یہ خصوصی اجازت آپ کے لیے صرف اس لیے ہے) تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نکاح کی خصوصی اجازت

۵۰- ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ اے نبی! (غیب کی خبریں سنانے والے) بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کو آپ ان کی اجرت (یعنی) ان کے حق مہر ادا کر چکے ہیں کیونکہ مہر بضع (مباشرت وغیرہ) کی اجرت ہے اور اس لیے علامہ کرخی حنفی نے کہا کہ بے شک لفظ اجرت کے ساتھ نکاح جائز ہے اور ہمارا (جمہور احناف کا) جواب یہ ہے کہ نکاح کی شرط دوام و ہمیشگی ہے اور اجرت کی شرط مقرر و معین وقت ہے اور ان دونوں کے درمیان تضاد ہے اور ''ایتاؤھا'' کا معنی ہے: عورتوں کو ان کا حق مہر نقدا ادا کرنا یا اس کو عقد نکاح میں فرض و مقرر کرنا اور اس کی مقدار کا نام لینا ہے ﴿ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ ﴾ اور وہ کنیزیں جو آپ کے دائیں ہاتھ مبارک کی ملکیت میں آ چکیں' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ غنیمت میں سے عطا فرمائی ہیں اور وہ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا اور پھر ان سے شادی کر لی ﴿ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ٘ ﴾ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور ''مع'' اقتران واتصال کے لیے نہیں بلکہ ان کی موجودگی کے لیے ہے' بس جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَO'' (النمل: ۴۴) ''اور میں نے حضرت سلیمان کے ساتھ تمام جہانوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام کو قبول کر لیا ہےO''۔

اور حضرت ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا' سو میں نے (کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے) معذرت پیش کی تو آپ نے میری معذرت قبول فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

مبارکہ نازل فرمائی جس میں چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد میں سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی، نکاح حلال کر دیا مگر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی[1] ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ اور مسلمان عورت اگر اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے ہبہ (نذر) کر دے یعنی ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورتوں میں سے وہ عورت بھی حلال کر دی ہے جس کے دل میں یہ خیال واقع ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرے اور حق مہر کا مطالبہ نہ کرے، اگر آپ اس سے متفق ہو جائیں [اور اس لیے اسے نکرہ بیان کیا گیا ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ مستقبل کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ان ازواج میں سے آپ کے پاس کوئی زوجہ محترمہ ہبہ سے نہیں آئی تھی، بعض اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے ہبہ کرنے والی حضرت میمونہ بنت حارث یا حضرت زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھی [اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذف لام کی تقدیر پر تعلیل کی بناء پر ''ان'' کو مفتوح پڑھا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر ''ان'' کے پڑھا ہے] ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا﴾ اگر حضور نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ ''استنکح'' کا معنی ہے: نکاح کی طلب وخواہش اور اس میں رغبت جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ ''نکح'' اور ''استنکح'' کا ایک معنی ہے اور دوسری شرط پہلی شرط کی تقیید ہے، مطلب یہ ہے کہ نکاح حلال ہونے میں عورت کا اپنے آپ کو ہبہ کرنا شرط ہے اور ہبہ میں رسول اکرم ﷺ کے نکاح کی طلب ورغبت شرط ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورت کو حلال کر دیا ہے، اگر وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کر دے اور آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں، کیونکہ حضور کا اس کو چاہنا ہبہ کو قبول کرنا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت احکام میں یکساں ہیں، ماسوا ان احکام کے جن کو دلیل شرعی نے آپ کے لیے مخصوص کر دیا ہو ﴿خَالِصَةً﴾ بغیر مہر کے [یہ ''وھبت'' کی ضمیر سے حال ہے یا پھر مصدر مؤکد ہے یعنی جو عورتیں ہم نے آپ کے لیے حلال قرار دیں ہیں وہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے'' ''خالصۃ'' بہ معنی خلوص ہے اور مصادر میں ''فاعلۃ'' کا وزن غیر مقبول ہے جیسے ''عافیۃ'' اور ''کاذبۃ''] ﴿لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف آپ کے لیے دوسرے مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ آپ کے علاوہ باقی سب کے لیے حق مہر ادا کرنا واجب ہے اگرچہ نام لے کر مقرر نہ بھی کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ﴾ اگر نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ اس ارشاد میں خطاب سے غائب کی طرف عدول ہے پھر (''لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ'' میں) خطاب کی طرف رجوع ہے تاکہ یہ اعلان کیا جائے کہ بے شک یہ اختصاص نبوت کی وجہ سے آپ کی تعظیم وتکریم کے لیے ہے اور اس کو مکرر بیان کرنا بھی آپ کی تعظیم وتکریم کے لیے ہے ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ بے شک ہمیں وہ معلوم ہے جو ہم نے ان (مردوں) پر ان کی بیویوں کے حق میں فرض کر دیا ہے یعنی جو مہور ہم نے آپ کی امت پر ان کی بیویوں کے بارے میں واجب ولازم کر دیئے ہیں یا ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے جو حقوق واجب کر دیئے ہیں (وہ ہمیں خوب معلوم ہیں) ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ اور وہ کنیزیں جو خرید وغیرہ حصول ملک کے طریقوں سے ان کی ملکیت میں آچکی ہیں ﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ تاکہ (اے محبوب!) آپ پر کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو'' ''حَرَجٌ'' بہ معنی ''ضِيْقٌ'' یعنی تنگی ہے، پھر یہ ارشاد باری تعالیٰ سابق کلام (خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کے ساتھ متصل ہے اور ارشاد (قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۴

اِیْمَانُهُمْ) جملہ معترضہ ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ (تنگی کی حالت میں) اپنے بندوں کو وسعت عطا فرما کر بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾

(اے محبوب!) آپ ان میں سے جس کو چاہیں دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں' اور جس کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اس کو آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں' یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور وہ سب اس پر راضی رہیں جو کچھ آپ نے انہیں عطا کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت حلم والا ہے O اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے میں اور بیویاں تبدیل کر لیں اور اگر چہ ان کا حسن و جمال آپ کو بہت پسند ہو ماسوا ان کنیزوں کے جو آپ کی ملکیت میں آ جائیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے O

۵۱- ﴿ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ﴾ آپ ان (ازواجِ مطہرات) میں سے جس کو چاہیں پیچھے ہٹا دیں اور مؤخر کر دیں [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' خلف اور حفص کی قراءت میں ''تُرْجِیْ'' یا ساکن بغیر ہمزہ کے ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''تُرْجِئُ'' ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے] ﴿ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ﴾ اور آپ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے ساتھ ملا لیں' یعنی آپ ان میں سے جس کا بستر چاہیں چھوڑ دیں اور آپ جس کو چاہیں اس کے ساتھ ہم بستر ہو جائیں یا آپ جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس روکے رکھیں یا آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں باری مقرر کر دیں اور جس کے لیے چاہیں اس کی باری مقرر نہ کریں یا آپ اپنی امت کی عورتوں میں جس کے ساتھ چاہیں شادی نہ کریں اور جس کے ساتھ چاہیں شادی کر لیں اور یہ ارشاد اصل غرض کا جامع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا تو طلاق دیں گے اور یا روکے رکھیں گے' پھر جب آپ روک لیں گے تو اس کے ساتھ ہم بستر ہوں گے یا اس کے بستر پر جانا ترک کر دیں گے اور آپ باری مقرر کریں گے یا باری مقرر نہیں کریں گے اور جب آپ طلاق دے دیں گے اور اپنے پاس سے دور کر دیں گے تو پھر یا تو اس مطلقہ معزولہ کو الگ کر کے اسے طلب نہیں کریں گے یا اسے طلب کر لیں گے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ان میں سے جن کو دور کر دیا تھا' وہ حضرت جویریہ' حضرت سودہ' حضرت صفیہ' حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں' سو آپ ان ازواجِ مطہرات کے لیے جو چاہتے اور جیسا چاہتے باری مقرر کر لیتے' اور جن بیویوں کو آپ نے اپنے پاس جگہ دی تھی ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ' حضرت ام سلمہ اور

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ ازواج کو (باری میں) مؤخر کر دیا اور چار ازواج کو اپنے پاس جگہ دی' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ باوجودیکہ حضور کو ازواج مطہرات کے بارے میں آزادی دی گئی اور آپ کو اختیار دیا گیا' لیکن آپ نے ان میں باری برابر تقسیم کر رکھی تھی ماسوا حضرت سودہ کے کیونکہ انہوں نے اپنی رات کی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی تھی اور انہوں نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن آپ کی ازواج کے زمرہ میں اٹھائی جاؤں ﴿وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ اور جن ازواج کو آپ نے الگ کر دیا ہے' ان میں سے جس کو آپ طلب کر لیں گے تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یعنی آپ نے جن بیویوں کو باری سے مؤخر کر کے اپنے بستر سے الگ کر دیا ہے' ان میں سے جس کو آپ اپنے بستر پر بلا لیں اور جس کے ساتھ صحبت کرنا چاہیں تو آپ پر اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے یعنی یہ بات نہیں ہے کہ جس بیوی کو آپ نے ہم بستری سے مؤخر کر دیا ہے' اس کو اپنے پاس واپس لوٹا لینا جائز نہ ہو [اور ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''فَلَا جُنَاحَ'' اس کی خبر ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ہے اور یہ معاملہ جو آپ کی مشیت اور آپ کے ارادہ کے سپرد کیا گیا ہے یہ ﴿أَدْنٰى أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ﴾ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور آپ نے جو کچھ انہیں دیا ہے' وہ سب اس پر راضی رہیں یعنی یہ اختیار ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے غم کی قلت اور ان سب کی رضا کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ کا یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ان کے دل مطمئن اور پرسکون ہو جائیں گے اور ان میں سوکنوں پر غیرت کرنا ختم ہو جائے گا اور انہیں خوشی حاصل ہوگی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی [''کلھن''، ''یرضین'' کی نون ضمیر کی تاکید ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''کلھن'' کو مقدم کر کے ''ویرضین کلھن بما اتیتھن'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''کلھن'' کو ''اتیتھن'' میں ''ھن'' ضمیر کی تاکید کی بناء پر منصوب پڑھنا شاذ (خلاف قیاس) ہے] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اس میں اس بی بی کے لیے وعید (دھمکی) ہے جو ازواجِ مطہرات میں سے اس معاملہ پر راضی نہیں ہوئی' جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر کر دیا اور یہ معاملہ اپنے محترم و مکرم رسول کی مشیت کے سپرد کر دیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَلِيْمًا﴾ بہت بڑے حلم والا ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا' پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۵۲- ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ آپ کے لیے مزید عورتیں حلال نہیں ہیں [اور ابوعمرو اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''لا تحل'' فعل مؤنث ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ فعل مذکر ہے کیونکہ جمع کی تانیث غیر حقیقی ہوتی ہے اور جب بغیر فصل فعل مذکر جائز ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَقَالَ نِسْوَةٌ'' (یوسف: ۳۰) تو فصل کے ساتھ بہ طریق اولیٰ جائز ہے] ﴿مِنْ بَعْدُ﴾ وسعت کے بعد کیونکہ یہ وسعت رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا نصاب ہے جیسا کہ آپ کی امت کے لیے چار بیویاں نصاب ہے ﴿وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ﴾ اور نہ آپ ان کے بدلہ میں دوسری ازواج کر سکتے یعنی ان کو طلاق دے کر اور معنی یہ ہے کہ آپ ان تمام نو بیویوں کے بدلے یا ان میں سے بعض کے بدلے انہیں طلاق دے کر دوسری ازواج سے نکاح کر کے تبدیل نہیں کر سکتے' یہ محض ازواجِ مطہرات کی تعظیم و تکریم کی خاطر ہے اور انہیں اس بات پر انعام وصلہ عطا کرنا ہے جو انہوں نے دنیا اور دنیا کی زیب وزینت کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم اور آخرت کو اختیار کر لیا اور انہیں پر راضی ہوگئیں اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں بیویوں پر اکتفاء فرمایا اور یہ نو بیویاں وہی ہیں

جو آپ کے وصال تک آپ کے نکاح میں رہیں' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت سودہ' حضرت ام سلمہ' حضرت صفیہ' حضرت میمونہ' حضرت زینب بنت جحش اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ["مِنْ اَزْوَاجٍ" میں حرف "مِنْ" نفی کی تاکید کے لیے ہے جو جنس ازواج کی حرمت کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے] ﴿ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ﴾ اور اگرچہ ان کا حسن و جمال آپ کو پسند ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس کا حسن آپ کو پسند آیا تھا وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے آپ کی زندگی میں آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں یعنی یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کا نسخ یا سنت سے ہوا یا پھر ارشادِ باری تعالیٰ "انا احللنا لك ازواجك" سے ہوا ہے اور ترتیب نزولی' ترتیب مصحف کے مطابق نہیں (کیونکہ وسعت عامہ اور اجازت عامہ کی آیت مبارکہ قرآن میں پہلے ہے جب کہ نزول بعد میں ہوا ہے) ﴿ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ﴾ ماسوا ان کنیزوں کے جو آپ کی ملکیت میں ہیں' یہ ان عورتوں سے استثناء ہے جو آپ پر حرام کر دی گئیں ماسوا لونڈیوں کے ["وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" "تبدل یعنی" تتبدل" کی ضمیر فاعل سے محلاً حال ہے' مفعول سے نہیں وہ جو "من ازواج" ہے اس لیے کہ یہ تنکیر میں کمزور ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "مفروضا اعجابك بهن" اور "ما ملكت" میں کلمہ "ما"' "النساء" سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان اور محافظ ہے اور یہ حدود سے تجاوز کرنے پر خوف و ڈراوا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو ماسوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے جب کہ کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم داخل ہو جاؤ' پھر جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو' بے شک یہ بات نبی کریم کو ایذاء دیتی ہے' سو وہ تم سے شرم وحیاء کرتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے نہیں شرماتا' اور جب تم ان سے کوئی برتنے کی چیز مانگنا چاہو تو تم ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ

تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ عمل ہے' اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو' بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے○

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بے اجازت جانے اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان

۵۳ - ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ﴾ اے ایمان والو! تم نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے جب کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو [''ان یوذن لکم'' محلاً حال ہے یعنی تم اپنے لیے اجازت حاصل کیے بغیر نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ' یا ظرف کے معنی میں ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''وقت ان یؤذن لکم'' تمہیں جس وقت اجازت دی جائے اور ''غیر نٰاظرین'' ''لا تدخلوا'' سے حال ہے اور حرف استثناء ظرف زمان اور حال دونوں کے لیے ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم نبی کریم کے گھروں میں صرف اجازت ملنے کے وقت جاؤ اور تم کھانا پکنے کے انتظار میں آپ کے گھروں میں نہ جاؤ یعنی وہاں جا کر منتظر نہ رہنا پڑے اور اس سے قوم کے وہ افراد مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور آپ کے گھر میں آ جاتے اور بیٹھے رہتے اور کھانا پکنے کے لیے انتظار کرتے رہتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے کھانے کا انتظار کرنے والے مسلمانو! تم نبی کریم کے گھر میں نہ آ جاؤ مگر جب تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو اس وقت آ جاؤ پہلے کھانا حاصل کرنے کا انتظار نہ کرو اور ''اناء الطعام'' کا معنی ہے: کھانے کا پکنا' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''انی الطعام انی'' جیسے یہ قول ہے کہ ''قلاہ قلیّ'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اناہ'' کا معنی ہے: اس (کھانے) کا وقت یعنی طعام کے وقت اور اس کے کھانے کی گھڑی کا انتظار نہ کرو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ کیا' جس میں کھجوریں اور ستو اور بکری کا گوشت پیش کیا گیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو کھانے کی دعوت دے دیں' چنانچہ حضرت انس نے سب لوگوں کو دعوت دے دی اور لوگ گروہ در گروہ یکے بعد دیگرے آنا شروع ہو گئے' سو ایک گروہ آ کر کھانا کھاتا اور باہر چلا جاتا' پھر ایک اور گروہ اندر آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا' یہاں تک کہ حضرت انس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے سب لوگوں کو دعوت دے دی تھی حتیٰ کہ کوئی شخص نہیں رہا جس کو میں نے دعوت نہ دی ہو (اور سب کھانا کھا چکے ہیں) تو حضور نے فرمایا کہ کھانا اٹھا لو اور لوگ منتشر ہو گئے' صرف تین آدمی باقی رہ گئے جو باتوں میں مشغول ہو چکے تھے اور وہ بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تا کہ یہ آدمی باہر چلے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام کیا اور انہوں نے آپ کے لیے خیر و برکت کی دعائیں دیں اور آپ واپس لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں آدمی بیٹھے باتوں میں مشغول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ شرم و حیاء کرتے تھے' سو اس لیے آپ پھر واپس چلے گئے' جب انہوں نے آپ کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو باہر چلے گئے اور آپ واپس گھر لوٹ آئے اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] ﴿ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ﴾ اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم آ جاؤ اور جب تم کھانا کھا چکو تو وہاں سے چلے

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۹۸_۱۰۵_۲۰۰' البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۴' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸ (۸۷_۸۹_۹۰)

جاؤ اور متفرق ہو جاؤ ﴿ مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ﴾ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔ اس کلام میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جی لگا کر طویل و دراز مجلس قائم کر کے باتوں میں مشغول ہو کر بیٹھے رہنے سے منع کیا گیا ہے [یہ "ناظرین" پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہے یا پھر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے "ای لا تدخلوها مستانسین لحدیث"]۔

﴿ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ﴾ بے شک (تمہارا) یہ طریقہ نبی کریم ﷺ کو ایذاء دیتا ہے' سو وہ تم سے شرم و حیاء کرتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں اپنے گھر سے نکالنے سے حیاء کرتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی بے شک تمہیں نکالنا حق ہے' جس سے شرمانا اور حیاء کرنا مناسب نہیں ہے اور جب شرم و حیاء ایسی صفت ہے جو حیاء دار کو بعض کاموں سے روک دیتی ہے تو "وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں رُکتا اور نہ وہ حق کو ترک کرتا ہے جیسا کہ حیاء دار تم سے حق کو ترک کر دیتا ہے اور یہ ادب ہے' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بوجھ بن کر دیر تک بیٹھے رہنے والوں کو سکھاتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ تمہیں دیر تک بوجھ بن کر بیٹھے رہنے والوں کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو برداشت نہیں کیا اور واضح طور پر فرما دیا کہ "فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا" سو جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر اور متفرق ہو جاؤ ﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی استعمال کی چیز بطورِ ادھار یا بطورِ حاجت مانگو تو تم ان سے استعمال کی چیز پردے کے پیچھے ہو کر مانگو۔ "هُنَّ" ضمیر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ "بیوت النبی" اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے' اس لیے کہ نبی کے گھروں میں ان کی بیویاں رہتی ہیں ﴿ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے شیطان کے وسوسوں اور اس کے خطروں اور فتنہ پھیلانے والوں کی فتنہ انگیزیوں سے بچنے کے لیے یہ عمل سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

شانِ نزول: اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات اس آیت مبارکہ کے نزول سے پہلے مردوں کے سامنے آتی جاتی تھیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی بیویوں پر پردے کا نفاذ چاہتے تھے اور وہ یہ پسند کرتے تھے کہ پردے کے متعلق کوئی آیت مبارکہ نازل ہو جائے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک و بد سب آتے جاتے ہیں' کاش! آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں' سو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی [1]۔

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان (طلحہ بن عبد اللہ تیمی) نے کہا کہ کیا ہمیں روک دیا گیا ہے کہ ہم اپنے چچا کی بیٹیوں (یعنی ازواجِ مطہرات) سے ہرگز کوئی بات چیت نہ کریں مگر پردے کے پیچھے ہو کر؟ البتہ اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ وصال فرما گئے تو میں ان کی فلاں بیوی سے نکاح کر لوں گا' سو اس کے جواب میں (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوْا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَدًا ﴾ اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینا تمہارے لیے صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح صحیح ہے ﴿ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ بے شک یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے یعنی بہت بڑا گناہ ہے۔

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۰

إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۗ وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ' سو اللہ تعالیٰ تو یقیناً ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں ہیں' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے O

۵۴- ﴿إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا﴾ اگر تم نبی کریم ﷺ کو ایذاء اور دکھ دینے یا ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے سے کوئی چیز ظاہر کرو ﴿أَوْ تُخْفُوهُ﴾ یا تم اس کو اپنے دلوں میں چھپا لو ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شانِ نزول: اور جب پردے کی آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور کی بیویوں کے آباء واجداد اور بیٹوں اور دیگر اعزہ واقارب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم بھی ازواجِ مطہرات سے پردے کے پیچھے ہو کر بات کریں گے؟ تو ان کے جواب میں (درج ذیل آیت مبارکہ) نازل ہوئی:

۵۵- ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ﴾ ان پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں اور نہ اپنے بھتیجوں اور نہ اپنے بھانجوں اور نہ اپنی عورتوں کے بارے میں یعنی مسلمان عورتوں کے بارے میں ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ اور نہ ان کنیزوں کے بارے میں جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں' یعنی ان پر ان حضرات وخواتین سے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اور یہاں اس آیت مبارکہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا' کیونکہ یہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں اور قرآن مجید میں چچا کو باپ کا نام دیا گیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِلٰـهَ اٰبَـآئِكَ اِبْـرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ '' (البقرہ: ۱۳۳) ''اور ہم آپ کے باپوں حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے''۔ حضرت اسماعیل حضرت یعقوب علیہما السلام کے چچا ہیں (جس طرح آزر' حضرت ابراہیم کے چچا ہیں مگر قرآن میں اسے حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہے) اور ازواجِ مطہرات کے غلام جمہور کے نزدیک ان کے لیے اجنبیوں کی طرح ہیں' پھر کلام کو غیب سے خطاب کی طرف نقل کیا گیا ہے اور اس نقل میں بڑی زبردست فضیلت وشان ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ پردے کے متعلق تمہیں جو حکم دیا گیا اس میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور اس میں پردے کی وحی نازل کی گئی ہے اور اس میں تم احتیاط کرتی رہو ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے (یعنی) وہ خوب جاننے والا ہے۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہید وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں کو جانتا ہو' جیسا کہ وہ ظاہری اعضاء کی حرکات وسکنات کو جانتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝٥٦ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝٥٧ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٥٨ ع

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو O بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذاء دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا تو بے شک انہوں نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھالیا O

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام پڑھنے کے فضائل

٥٦- ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں[1] اے ایمان والو! تم (بھی) آپ پر درود بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ'' اے اللہ! تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیج' یا تم یوں کہو: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ'' اللہ تعالیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتا رہے

[1] اگرچہ ''صلوٰۃ'' کے معنی رحمت' دعا' استغفار' تعظیم وتکریم' برکت اور نماز کے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ''يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ'' میں فرشتوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا ہے' اس لیے یہاں مشترک معنی یہ مراد لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمد وثناء' فضیلت وبزرگی اور آپ کی عظمت وشان بیان کرتے ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نبی کریم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نبی کریم کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں' نیز حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم پر برکتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نزولِ برکات کی دعا کرتے ہیں جب کہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ بہ معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار ہے اور حضرت ابو العالیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نبی کریم پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے نبی کریم کی حمد وثناء بیان کرتا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۴' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کے متعلق کئی مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے محبوب نبی کریم کی حمد وثناء اور آپ کی تعظیم وتکریم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ اور تم (نبی کریم پر) خوب سلام بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: ''اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' اے اللہ! تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سلامتی نازل فرما' یا یہ معنی ہے کہ تم ان کے امر اور ان کے حکم کی اطاعت کرو اور تم ان کے فرماں بردار رہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کرتا ہے۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ سے (صحیح بخاری' تفسیر سورۃ الاحزاب' باب:۱۰' میں) اور اس کے علاوہ نے حضرت ربیع بن انس سے اور حلیمی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے ذکر جمیل کو بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت پر عمل باقی رکھ کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرما رہا ہے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنا کر اور آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا فرما کر اور مقامِ محمود پر فائز کر کے اوّلین و آخرین پر آپ کی فضیلت و بزرگی کو ظاہر فرما کر اور آپ کو تمام مقربین پر مقدم فرما کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرمائے گا اور صلوٰۃ کی یہ تفسیر عطف کے ذریعے کسی اور کو آپ کے ساتھ درود میں شامل کرنے کے منافی نہیں ہے' جیسے آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے مطابق اور اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی' الجزء الثانی والعشرون ص ۷۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

صلوٰۃ و سلام کی فضیلت میں چند احادیث کا بیان

(۱) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجد میں) بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا' اور نماز ادا کی' پھر اس نے کہا: ''اللھم اغفرلی وارحمنی'' اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تو نے بہت جلدی کی' جب تو نماز ادا کر لے تو بیٹھ جا' پھر اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان حمد و ثناء بیان کر اور مجھ پر درود شریف پڑھ' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کر' راوی نے کہا کہ پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی' پھر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثناء بیان کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا' تو حضور نے اس سے فرمایا: اے نمازی! اب تو دعا کر' تیری دعا قبول کر لی جائے گی۔ (رواہ الترمذی' ابوداؤد' نسائی)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دے گا اور اس کے دس درجے بلند فرما دے گا۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد' والنسائی' والحاکم وصححہ)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۴) انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو زمین میں سیر و سیاحت کرتی پھرتی ہے (اور جب میرا کوئی امتی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو) وہ میرے امتی کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(رواہ النسائی' والدارمی)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' یہاں تک کہ میں اسے سلام کہتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶) اور انہیں سے مروی ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر مبارک کو عید نہ ٹھہراؤ' بلکہ مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔ (رواہ الترمذی)

(۷) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں تشریف لائے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت مبارکہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں' سو جب کسی مسلمان بندے کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اس شخص کے حق میں کہتے ہیں: ''غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ'' اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے' اور اللہ تعالیٰ اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ کے چہرۂ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار عیاں ہو رہے تھے اور (صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر) آپ نے فرمایا: بے شک میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آ کر عرض کیا کہ بے شک آپ کا پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی آپ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ درود شریف پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر ایک مرتبہ سلام پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ سلام پڑھوں گا۔ (رواہ النسائی)

(۸) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت درود شریف پڑھتا ہوں' سو میں آپ پر کس قدر درود شریف پڑھا کروں' آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو پڑھا کرو' میں نے عرض کیا کہ وقت کا ایک چوتھائی حصہ' آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے بہت بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا کہ نصف وقت آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا' آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا: وقت کا دو تہائی حصہ' آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو' سو اگر تم اس سے بھی زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا' میں نے عرض کیا کہ آئندہ میں (فرائض سے زائد) تمام اوقات آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا' آپ نے ارشاد فرمایا: تب تو یہ درود شریف تمہارے تمام قسم کے رنج وغم دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بے شک دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے' اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی یہاں تک کہ تم اپنے نبی پر درود شریف پڑھ لو۔ (رواہ الترمذی)

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر (۷۰) مرتبہ درود پڑھیں گے۔ (رواہ احمد)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر اس وقت تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے' سو وہ بندہ چاہے تو تھوڑا پڑھے' چاہے تو زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ (رواہ البغوی)

(۱۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا' اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھ دیا جائے گا اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (رواہ عبد الرزاق فی الجامع بسند حسن)

(۱۳) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اور شام کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا' اس کو قیامت کے روز میری شفاعت حاصل ہوگی۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن)

صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنے کی مذمت وسزا

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود (ہلاک) ہو جائے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور اس کی ناک خاک آلود ہو جائے جس پر ماہِ رمضان المبارک آئے اور چلا جائے مگر وہ مغفرت طلب نہ کرے اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جائے' جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور جب کسی مسلمان بندے کے پاس میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں: ''لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ'' اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے' اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں کہتے ہیں: آمین[1]

پھر یہ صلوٰۃ وسلام امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ (اور امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام طحاوی اور علامہ ابن الھمام) (مظہری) کے نزدیک کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھنا واجب (اور فرض) ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ذکر کیا جائے' آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور یہی محتاط قول ہے اور اسی پر جمہور علمائے اسلام متفق ہیں اور اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ بالتبع کسی اور کو بھی شامل کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں' یہ جائز ہے' جیسے کہا جائے: ''صلی اللّٰہ علی النبی وآلہ'' اور لیکن جب کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اہل بیت میں سے کسی پر مستقل درود شریف پڑھتا ہے تو یہ مکروہ (قابل نفرت عمل) ہے اور یہ طریقہ کار روافض (اہل تشیع) کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دینے کی سزا کا بیان

۵۷- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں' یعنی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام نامی اسم گرامی تو صرف تشریف وتعظیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے' یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذاء کو بطور مجاز ایسے فعل کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی نہیں ہوتے' جیسے کفر اور نبوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں ایذاء کا مجازی معنی اس لیے مقرر کیا گیا ہے' تاکہ ایک لفظ میں حقیقت اور مجاز جمع نہ ہو جائیں' کیونکہ ایذاء کا حقیقی معنی تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں متصور ہو سکتا ہے ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ دنیا میں اور آخرت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کو دونوں جہانوں میں اپنی رحمت سے محروم اور دور کر دیا ہے ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے مگر وہ (ان کی خدمت نہ کر کے) جنت حاصل نہ کر سکے۔

(رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ)

(۲) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے تو وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ (رواہ الطبرانی)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا تو وہ یقیناً شقی اور بدبخت ہو گیا۔ (رواہ ابن السنی)

(۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا۔ (رواہ الترمذی وامام احمد)

(۵) حضرت حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔ (رواہ الطبرانی)

نوٹ: یہ تمام احادیث مبارکہ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۶ تا ۳۷۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) سے بمع تقدیم وتاخیر منتخب کی گئی ہیں۔

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۳

توہین آمیز اور ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے[1]

مسلمانوں کو ایذاء دینے کا گناہ

۵۸- ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا ﴾ اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر کسی خطاء کے ارتکاب کے ایذاء اور دکھ دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذاء کو مطلق بیان کیا گیا ہے جب کہ اس آیت مبارکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایذاء کو مقید بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دینا ہر حال میں اور ہمیشہ کے لیے ناحق اور ناجائز ہے اور لیکن یہ ایذاء جو مسلمانوں کو دینا ہے' یہ کبھی حق ہوتی ہے جیسے حدود و تعزیرات کی سزا اور کبھی یہ ناحق اور باطل ہوتی ہے (جیسے بغیر جرم کے الزام تراشی کی ایذاء وغیرہ)۔

شانِ نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منافقین میں سے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب و شتم کر کے انہیں تکلیف و دکھ اور ایذاء پہنچاتے تھے اور وہ لوگ آپ کو سنا سنا کر سب بکتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان زانیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر جانے والی عورتوں کا پیچھا کرتے تھے' جب کہ یہ عورتیں اس حرکت کو ناپسند کرتی تھیں اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم کسی کتے یا کسی خنزیر کو ناحق تکلیف اور ایذاء دو تو پھر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذاء دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے ﴿ فَقَدِ احْتَمَلُوْا ﴾ تو بے شک انہوں نے اٹھایا اور برداشت کر لیا ﴿ بُهْتَانًا ﴾ بہت بڑی تہمت کو ﴿ وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ اور صریح و ظاہر گناہ کو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اے نبی! آپ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمائیے کہ وہ اپنی بڑی چادریں اپنے (پورے جسم کے) اوپر اوڑھ لیا کریں' یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں' پھر انہیں ستایا نہ جائے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

مسلم خواتین کو اپنے چہروں اور جسموں کو چھپانے کا حکم

۵۹- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ﴾ اے نبی! آپ

[1] جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں یا آپ کے دین کے بارے میں یا آپ کے نسب میں یا آپ کی صفات میں سے کسی صفت میں یا عیب کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر صراحت کے ساتھ یا کنایہ یا تعریض یا اشارہ کے ساتھ طعن کر کے آپ کو تکلیف اور ایذاء دی تو وہ بلاشبہ کافر ہو گیا اور علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے دل میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھا' وہ مرتد ہو گیا تو گالی دینے والا بطریق اولیٰ مرتد ہے اور اس شخص کو ہمارے نزدیک بطور حد قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۱ تا ۳۸۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمادیں کہ وہ اپنی بڑی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیا کریں۔ ''جلباب'' کا معنی ہے: ایسی بڑی چادر جو پورے جسم کو چھپالے' جیسے لحاف اور بڑا کمبل ہوتا ہے' یہ معنی علامہ مبرد سے منقول ہے اور ''یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ'' کا معنی یہ ہے کہ عورتیں اپنی بڑی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں اور ان کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے تمام اطراف کو چھپالیا کریں۔ جب کپڑا عورت کے چہرے سے پھسل جائے تو اسے کہا جاتا ہے: ''ادنی ثوبك علی وجهك'' تو اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لے' اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے' یعنی تم اپنی چادر کا بعض اور زائد حصہ اپنے چہروں پر لٹکالو کہ چہرے پلو سے چھپ جائیں یہاں تک کہ تم آزاد خواتین لونڈیوں سے ممتاز ہو جاؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ مسلم خواتین اپنی بڑی چادروں کے بعض حصہ سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیا کریں یعنی تاکہ مسلم خواتین لونڈیوں کی طرح صرف قمیص شلوار اور دوپٹہ پہن کر عام لباس میں گھٹیا اور بے وقار نہ بنیں' حالانکہ ان کے گھروں میں ان کی خاطر دو یا دو سے زیادہ بڑی چادریں ہوتی ہیں اور پردے کا یہ حکم اس لیے ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم خواتین بھی زمانہ جاہلیت کی عادت کے مطابق استعمال کا عام لباس پہنتی تھیں اور اس زمانہ کی عورت قمیص اور دوپٹہ پہن کر (پردے کی بڑی چادر اوڑھے بغیر) باہر آتی جاتی تھی' آزاد اور لونڈی میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا تھا اور جب عورتیں رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے نکل کر باہر کھجوروں کے جھنڈ اور زمین کی نشیبی وادیوں میں جاتیں تو نوجوان لڑکے لونڈیوں کی خاطر ان کا پیچھا کرتے اور بسا اوقات لونڈیوں کے گمان میں آزاد عورتوں کا پیچھا شروع کر دیتے تھے' سو اس لیے مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس میں لونڈیوں کے لباس سے مختلف وضع قطع اختیار کریں' وہ اس طرح کہ مسلم خواتین بڑی چادروں اور کمبلوں سے اپنے سروں اور اپنے چہروں کو ڈھانپ کر باہر نکلا کریں تاکہ ان کے بارے میں کوئی بدکار لالچی ہرگز لالچ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾ پردے کا یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ قریب ہے تاکہ انہیں ایذاء نہ دی جائے یعنی یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے تاکہ ان کا پیچھا نہ کیا جائے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِیْمًا﴾ ان کو بہترین آداب کی تعلیم دے کر ان پر بے حد رحم و کرم فرمانے والا ہے۔

لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۛۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

مباہلۃ ۱۲ منہ المنافقین ۱۲

الترجمہ

البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں' باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے' پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر بہت تھوڑا عرصہ O ان پر لعنت کی جائے گی' وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے گا O اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ کار ان لوگوں میں جاری رہا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیں گے○

منافقین کو قتل کی دھمکی

٦٠- ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں فسق و فجور کی بیماری ہے' باز نہ آئے اور یہ دلوں کے مریض زنا کار لوگ ہیں (جن کے دل بدکاری کی وجہ سے بیمار ہو چکے ہیں)' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ'' (الاحزاب:٣٢)''سو وہ شخص للچائے گا جس کے دل میں بیماری ہے'' ﴿وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ اور جو لوگ مدینہ منورہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں بُری اور جھوٹی خبریں اڑایا کرتے اور وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ مسلمانوں کی فوجیں شکست کھا گئی ہیں اور مسلمان مجاہدوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اور وہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے' پس وہ لوگ ان جھوٹی خبروں کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو شکستہ کرتے اور ان کو رنج و غم میں مبتلا کر دیتے' چنانچہ ''ارجف بـکـذا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حقیقت کے برعکس اور خلافِ واقعہ جھوٹی خبر سناتا ہے کیونکہ یہ خبر متزلزل اور غیر ثابت ہے اور یہ ''رجـفـة'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی زلزلہ اور تھرتھرانا ہے ﴿لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ البتہ ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف اُبھاریں گے اور ترغیب دیں گے (یعنی) ہم ضرور آپ کو ان کے قتل کا حکم دیں گے یا ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے ﴿ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ﴾ پھر وہ آپ کے پاس اس میں یعنی مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے [اور یہ ''لنغرینك'' پر معطوف ہے کیونکہ جائز ہے کہ اس کو قسم کا جواب بنایا جائے' اس لیے کہ یہ قول درست ہے کہ ''لئن لم ینتهوا لا یجاورونك'' البتہ اگر وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر وہ آپ کے پاس پڑوس میں ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے اور جب جلاوطن کرنا اور ملک بدر کرنا ان تمام مصائب و آلام سے بڑھ کر ہے جو انہیں پہنچائے گئے تو اس کو حرف ''ثـمّ'' کے ساتھ معطوف کر دیا گیا کیونکہ اس معطوف کا حال معطوف علیہ کے حال سے بہت دور ہے] ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا سا عرصہ ٹھہر سکیں گے' اور معنی یہ ہے کہ اگر منافقین اپنی عداوت و دشمنی اور اپنے مکر و فریب سے اور فساق و بدکار لوگ اپنے فسق و فجور اور اپنی بدکاری و زناکاری سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ضرور حکم دیں گے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ایسے کام کریں جو انہیں دُکھ اور تکلیف پہنچائیں' پھر آپ انہیں مدینہ منورہ خالی کرنے کی خواہش پر مجبور کر دیں اور آپ انہیں یہاں تک مجبور و بے بس کر دیں کہ وہ مدینہ منورہ میں محض تھوڑا عرصہ ٹھہر سکیں' جیسے مسافر تھوڑی سی دیر کے لیے ٹھہرتا ہے' پھر کوچ کر جاتا ہے' سو اسی کا نام ''اغراء'' رکھا گیا ہے اور یہ مجاز کے طور پر تحریک و ترغیب دینا اور اُکسانا ہے۔

٦١- ﴿مَّلْعُوْنِيْنَ﴾ [یہ بطور ذم و شتم یا بطور حال منصوب ہے یعنی یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ منورہ میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی بن کر رہیں گے' سو استثناء ظرف اور حال دونوں پر اکٹھے داخل ہے' جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ ''اخذوا'' سے منصوب نہیں ہے کیونکہ کلمہ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا] ﴿اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا﴾ وہ لوگ جہاں کہیں پائے جائیں گے ﴿اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴾ انہیں پکڑ کر گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں چن چن کر ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا اور ''قُتِّلُوْا'' میں تشدید قتل کی تکثیر پر دلالت کرتی ہے۔

٦٢- ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ [یہ مصدر مؤکد کی جگہ میں واقع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے یہی دستور ان لوگوں میں جاری و ساری کر دیا ہے جو انبیائے کرام کے ساتھ منافقت کا رویہ اختیار کر لیتے تھے کہ وہ جہاں کہیں پائے جائیں' انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے

﴿فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں" "خَلَوْا" بہ معنی "مَضَوْا" ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ اپنا دستور ہرگز تبدیل نہیں کرتا بلکہ وہ تمام امتوں میں ایک دستور اور ایک ہی طریقہ جاری و ساری رکھتا ہے۔

یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۶۵﴾ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ﴿۶۸﴾

ع

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے: بے شک اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہی ہو O بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مددگار O اس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ کر دیئے جائیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی' سو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بہکا دیا تھا O اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما O

قیامت کا علم اور کفار کا انجام

۶۳- ﴿یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ﴾ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں (کہ کس دن' کس تاریخ کو اور کب واقع ہوگی)۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اُڑانے کی نیت سے جلد بازی کرتے ہوئے قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے اور یہود محض امتحان لینے کی نیت سے قیامت کے متعلق آپ سے سوال کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اور دیگر تمام الہامی کتابوں میں قیامت کا علم مخفی رکھا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں کہ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم کے لیے بیان کیا کہ بے شک قیامت کا وقوع قریب آ چکا ہے[1]

[1] واضح رہے کہ سورۃ الجن میں قیامت کے وقوع کے متعلق حضور سے درایت کی نفی کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" (الجن: ۲۶۔۲۷) "وہی غیب کو جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا O سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ اس آیت مبارکہ سے ایک تو یہ واضح ہو گیا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر اللہ تعالیٰ نے جلد بازی کرنے والے مشرکین کو دھمکانے کے لیے اور امتحان لینے والے یہودیوں کو خاموش کرانے کے لیے (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہو (یعنی) ''شیئًا قریبًا'' قیامت عنقریب وقوع پذیر ہونے کی چیز ہے یا اس لیے کہ ''الساعة'' زمان کے معنی میں ہے۔

٦٤- ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (یعنی) بہت سخت جلانے والی آگ۔

٦٥- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اس سے جہمیہ فرقہ کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گے [اور ''سعیرًا'' پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ''خالدین'' ''لهم'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مدد کرنے والا جو انہیں بچا سکے۔

٦٦- ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ (اے محبوب!) اس دن کے منظر کو یاد کیجئے جس دن ان کے چہروں کو الٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور انہیں دوزخ کے تمام جہات و اطراف میں گھمایا جائے گا' جیسے گوشت کے چھوٹے ٹکڑے ہانڈی میں اس وقت گھومنے لگ جاتے ہیں جب ہانڈی آگ کی تیزی کی وجہ سے اُبلنے اور جوش مارنے لگتی ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' دوسرا یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے مخصوص غیوب پر آگاہ فرما دیتا ہے اور یہ علمِ غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی تمام علامات بیان کرنے کے ساتھ قیامت کے وقوع کا مہینہ محرم اور تاریخ دس محرم اور دن جمعۃ المبارک بیان فرمایا' لیکن صرف سن نہیں بتایا کہ آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تا کہ قرآن مجید کی خبر کی صداقت کہ قیامت اچانک واقع ہوگی' قائم و دائم رہے۔

علامہ عارف باللہ حضرت احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

''وھذا انما ھو وقت السوال والا فلم یخرج نبینا صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی اطلعه اللہ علی جمیع المغیبات ومن جملتھا الساعة لکن امر بکتم ذالك'' اور یہ علم قیامت کی نفی صرف سوال کے وقت تھی ورنہ ہمارے محترم و مکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات پر آگاہ فرما دیا' جن میں قیامت کا علم بھی شامل ہے لیکن آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۷۰' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' بمصر)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے' پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی کی باعتبار ماضی' مستقبل' حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکامِ غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ ''فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الی اخر الایة'' (الجن' رکوع: ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی اور اکوانِ غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا۔ ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا' جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوانِ غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ (تفسیر عثمانی' حاشیہ قرآن مجید ص ۵۳۸' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

ان کے چہروں کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ چہرہ انسان کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ومکرم ہوتا ہے یا چہروں سے تمام اجسام مراد ہیں ﴿ يَقُولُونَ ﴾ [یہ ''تقلب'' سے حال ہے یعنی] حالانکہ وہ دوزخ میں الٹے مونہوں ڈالے جانے کے وقت افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴾ اے کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی ہوتی اور ہم نے رسول کریم کی اطاعت وفرماں برداری اور اتباع کی ہوتی تو آج ہم اس خطرناک عذاب سے نجات حاصل کر لیتے' سو یہ لوگ اس وقت تمنا اور آرزو کریں گے' جب انہیں ان کی یہ تمنا نفع اور فائدہ نہیں دے گی۔

٦٧- ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا ﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں کی اطاعت کی تھی اور اس سے کفار کے سردار مراد ہیں جنہوں نے اپنے ان پیروکاروں کو کفر اختیار کرنے کی تلقین کی تھی اور انہوں نے کفر وشرک کو ان کے سامنے خوب صورت انداز میں پیش کر کے انہیں کفر وشرک اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا [''سادتنا''، ''سید'' کی جمع ہے اور ابن عامر شامی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''ساداتنا'' (دال کے بعد الف) ہے اور یہ جمع الجمع یعنی جمع کی جمع ہے] ﴿ وَكُبَرَآءَنَا ﴾ اور ہم نے اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی (یعنی) ہم میں سے جو عمر رسیدہ اور بڑی عمر کے بزرگ تھے یا جو ہمارے اصحاب علم رہبر تھے ﴿ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴾ سو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا [نیز ''ضل السبیل'' اور ''اضلہ ایاہ'' دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور ''السبیل'' کے آخر میں الف بڑھا کر ''السبیلا'' محض آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے' دوسرا یہ کہ دیگر آیات کے ساتھ موافقت ہو جائے تا کہ آیات کے فواصل اشعار کے قوافی کے مشابہ ہو جائیں اور اس الف کے اضافہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس پر وقف کرنے کا علم ہو جائے اور دوسرا یہ کہ یہ الف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام یہاں پر ختم ہو گیا اور اس کے بعد مستقل نیا جملہ ہے]۔

٦٨- ﴿ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے ایک گمراہ ہونے پر اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے پر ﴿ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴾ اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما [عاصم کی قراءت میں ''با'' کے ساتھ ''کبیرًا'' ہے تا کہ یہ سخت ترین اور بہت زیادہ لعنت کرنے پر دلیل بن جائے اور اس کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''ثا'' کے ساتھ ''کثیرًا'' ہے تا کہ لعنت کی زیادہ تعداد پر دلالت کرے]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو ایذاء دی' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کی تکلیف دہ باتوں سے بری فرما دیا' اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت وآبرو والے تھے O اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صحیح بات کہا کرو O وہ تمہارے اعمال کو تمہارے لیے درست کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل

کر لی○

ایذاء رسانی کی ممانعت اور کامیابی کی ضمانت کا بیان

شانِ نزول: جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے کر جدائی اختیار کر لی تو سیّد عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا' جس پر بعض لوگوں نے طعن و تشنیع اور زبان درازی شروع کر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لے پالک بیٹے کی بیوی سے شادی رچالی۔ جب یہ باتیں ان حضرات نے سنیں تو انہیں' خصوصاً حضور کو بہت رنج والم اور دکھ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۶۹- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء اور دکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بَری فرما دیا جو کچھ انہوں نے کہا تھا [''مَــا'' مصدریہ ہے یا پھر موصولہ ہے] اور ان میں سے جو بھی ہو لیکن مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ان باتوں سے بَری فرمایا' جو آپ کے لیے موجب نقص وعیب اور اذیت وتکلیف کا باعث تھیں' ایک تو وہی بدکارہ اور فاسقہ وفاجرہ عورت کی بات ہے' جسے قارون نے تیار کیا اور اس سے یہ چاہا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائے گی یا پھر بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا الزام مراد ہے (جب کہ حضرت ہارون مقام تیہ میں طبعی موت سے انتقال کر گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زندہ کر دیا اور انہوں نے انہیں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے قتل سے بَری اور بے قصور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے بَری قرار دے کر فرمایا: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ'' (الاحزاب: ۴۰) ''حضرت محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں'' ﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان اور رتبہ والے اور مستجاب دعا تھے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت اعمش نے ''وکان عبدًا للّٰہ وجیهًا'' پڑھا ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے بڑی وجاہت والے بندے تھے۔

۷۰- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو (یعنی) سچی اور صحیح بات یا مستقیم اور سیدھی بات جو حق کی طرف مائل ہو اور ''سـداد'' کا معنی ہے: حق کی طرف جانے والا سیدھا راستہ اور انصاف کی بات کہنا اور اس کا مطلب ومراد یہ ہے کہ لوگوں کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ناحق اور انصاف کے خلاف معمولی بات کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے اور انہیں اس بات پر ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سچی اور صحیح اور مبنی بر انصاف حق سچ کی بات کیا کریں کیونکہ زبان کی حفاظت اور حق سچ کی بات ہر خیر و بھلائی کی بنیاد ہے اور ''سدیدًا'' پر وقف نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ اس امر کا جواب (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۷۱- ﴿ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست کر دے گا (یعنی) وہ تمہاری عبادت و ریاضت اور اطاعت وفرماں برداری کو قبول فرمالے گا یا وہ تمہیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا یعنی ان کو مٹا دے گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے میں اور اپنی بات چیت کو درست رکھنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' سو بلاشبہ اگر تم یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ

تمہیں تمہاری طلب کی غرض وغایت عطا فرمائے گا' وہ یہ کہ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمالے گا اور ان پر تمہیں اجر وثواب عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور بُرائیوں کو مٹا دے گا اور یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ کی توثیق کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے سے ممانعت پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ زبان کی حفاظت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم پر مبنی ہے تا کہ ان پر نہی کے ساتھ امر کو بھی بیان کر دیا جائے' اس لیے کہ نہی کی اتباع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وعید کو متضمن ہے اور امر کی اتباع وعید بلیغ کی ضامن ہے' پس اذیٰ سے روکنے والا اور اسے ترک کی دعوت دینے والا مضبوط ہو جائے گا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی' اور جب اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی کو اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا تو اس کے فوراً بعد اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ایک امانت پیش کی تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس میں خیانت کی' بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا بڑا نادان ہے O تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی توبہ قبول فرمائے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

امانتِ الٰہی کا بیان

۷۲- ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی' اور اللہ تعالیٰ امانت سے اطاعت مراد لیتا ہے اور حملِ امانت کا معنی ہے: خیانت کرنا' جیسے کہا جاتا ہے کہ "فلان حامل الامانة ومحتمل لها" فلاں آدمی امانت اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہے یعنی فلاں آدمی یہ امانت اس کے مالک کو ادا نہیں کرتا تا کہ اپنے ذمہ سے عہدہ برا اور بَری ہو جائے کیونکہ امانت گویا امانت دار پر سوار ہوتی ہے اور وہ اس کو اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: "رَكِبَتْهُ الدُّيُوْنُ ' وَلِيَ عَلَيْهِ حَقٌّ " فلاں پر قرض سوار ہو گیا ہے' اس پر حق مسلط ہو گیا ہے' پھر جب وہ اسے ادا کر دے گا تو وہ اس پر سوار نہیں رہے گا اور نہ وہ اسے اٹھانے والا کہلائے گا' یعنی بے شک یہ تمام بڑے بڑے اجرام واجسام (یعنی) آسمان' زمین اور پہاڑ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے اطاعت گزار ہیں جیسے ان کی اطاعت ہوتی ہے اور یہ وہ اطاعت ہے جو جمادات سے ادا ہو سکتی ہے (یعنی تکوینی اطاعت مراد ہے لیکن تشریعی نہیں) اور یہ جمادات اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس اطاعت کے ساتھ مطیع وفرماں بردار ہوتے ہیں جو ان کے لائق ومناسب ہوتی ہے' اس اعتبار سے کہ یہ ایجاد وتکوین (یعنی تخلیق) میں اور مختلف اشکال میں مساوی

ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے سامنے رُک نہیں سکتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ O'' (حم السجدہ:۱۱) ''پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا حالانکہ اس وقت وہ دھواں تھا' پس اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا: تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے' ان دونوں نے کہا: ہم اپنی خوشی سے فرماں بردار بن کر آئے ہیں O'' اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بے شک سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت اور جانور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور بے شک بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر سے گر پڑتے ہیں اور لیکن رہا انسان جو اس کے لائق و مناسب ہے (اور وہ تشریعی اطاعت ہے) اس میں اس کا حال ان جمادات کے حال کی طرح نہیں ہے ان کی اس (تکوینی) اطاعت میں جو ان کے لیے صحیح ہے اور جو ان کے لیے لائق و مناسب ہے اور (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا یہی معنی ہے: ﴿فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا﴾ سو انہوں نے اس امانت کے اٹھانے سے معذرت کر لی یعنی انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہ وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکیں گے۔[1]

﴿وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور وہ اس سے ڈر گئے (یعنی) اور وہ اس امانت میں خیانت کرنے سے ڈر گئے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اور انسان نے اسے اٹھا لیا یعنی اس نے اس امانت میں خیانت کی اور اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ اس امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور اس کی ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکے گا اور وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکے گا ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا﴾ بے شک وہ بڑا ظالم ہے کیونکہ وہ امانت کی ادائیگی کا تارک ہے ﴿جَهُوْلًا﴾ بہت بڑا نادان ہے کیونکہ اس نے اس امانت

---

[1] یاد رہے کہ تفسیر مدارک کے مصنف علیہ الرحمۃ نے اگرچہ اختصار کے پیش نظر امانت کا صرف ایک معنی بیان کیا ہے کہ امانت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مراد ہے لیکن علامہ بغوی اور علامہ مظہری نے (درج ذیل) سات معانی بیان کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے اطاعت اور وہ فرائض مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض و لازم کر دیئے ہیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت سے مراد نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا اور سچ بولنا اور ناپ تول میں انصاف کرنا اور ان سب سے اہم لوگوں کی امانتیں ادا کرنا ہے۔

(۳) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے فرائض کی ادائیگی اور حدودِ دین کی حفاظت مراد ہے۔

(۴) حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے اوامر و نواہی مراد ہیں (اوامر وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے اور نواہی وہ ممنوعات ہیں جن سے بچنا واجب ہے)۔

(۵) حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے روزہ' غسلِ جنابت اور دیگر عبادات مراد ہیں جن میں ریا کو دخل نہیں۔

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرم گاہ کو پیدا کیا اور انسان سے فرمایا کہ یہ امانت ہے' میں اسے تیرے پاس امانت رکھ رہا ہوں' سو شرم گاہ ایک امانت ہے' کان امانت ہیں' آنکھیں امانت ہیں' ہاتھ امانت ہیں اور پاؤں امانت ہیں اور جو شخص امانت دار نہیں' وہ ایمان دار نہیں۔

(۷) حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امانت سے لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں اور ایفائے عہد مراد ہے' سو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی امانت میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو خیانت نہ کرے اور کسی کے ساتھ وعدہ کر کے عہد شکنی نہ کرے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

میں غلطی کی جو اسے نیک بخت بنا سکتی تھی' بشرطیکہ وہ اس پر قائم رہتا اور وہ اسے صحیح طریقے سے ادا کرتا تھا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ کافر اور منافق امانت اٹھانے والے ہیں یعنی امانت میں خیانت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اطاعت و فرماں برداری اختیار نہیں کی اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے چونکہ اطاعت کی ہے' اس لیے انہیں ''كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' نہیں کہا جا سکتا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک جس امانت کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے' یہ اتنی اہم اور عظیم الشان چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب بڑے اجسام آسمان اور زمین اور پہاڑ پر اس عظیم الشان امانت کو پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے جب کہ انسان نے اپنی کمزوری کے باوجود اسے اٹھا لیا' بے شک یہ بڑا ظالم اور بہت نادان ثابت ہوا کیونکہ اس نے امانت کو اٹھا لیا' پھر اسے پورا نہیں کیا اور اس کا ضامن تو بن گیا لیکن پھر وہ اپنی اس ضمان میں خیانت کر بیٹھا اور اس قسم کا کلام عرب کی زبان میں بہت استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید انہیں کے اسلوب اور انداز پر نازل ہوا ہے۔

۷۳- ﴿لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ [اس آیت مبارکہ میں لام علّت اور سبب بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہاں عذاب دینے کا ذکر ادب سکھانے کی نظیر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ضربته للتاديب'' کہ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے مارا ہے' ''جَهُوْلًا'' پر وقف نہ کیا جائے] ﴿وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول فرمالے [اعمش کی قراءت میں ''وَيَتُوْبُ'' مرفوع پڑھا گیا ہے تاکہ حامل کے فعل کے لیے علّت کو قاصر قرار دیا جائے اور ''ويتوب الله'' سے آغاز کیا جائے] اور اس کا مشہور معنی یہ ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والے کافروں اور منافقوں کو عذاب دے اور ان کے علاوہ جنہوں نے امانت میں خیانت نہیں کی' ان کی توبہ قبول کرلے کیونکہ جب کسی وفادار پر توبہ کے ذریعہ نظر رحمت کی جاتی ہے تو یہ بھی مستقبل کے عذاب سے نجات کی ایک قسم ہوتی ہے [یا پھر ''لیعذب'' کا لام علّت کی بجائے عاقبت کے لیے ہے] یعنی انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا' پھر انجام کار بدبختوں کو عذاب دینے اور نیک بختوں کی توبہ قبول کرنے کی طرف لوٹ گیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمًا﴾ اپنے مسلمان بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ سباء مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی چوّن آیات' چھ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے اور

آخرت میں اسی کے لیے حمد وثناء ہوگی' اور وہ بڑا حکمت والا بہت خبردار ہے○ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے' اور وہ بڑا مہربان بہت بخشنے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کی شان اور مسلم وکافر کے انجام کا بیان

۱- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اگر ''الحمد'' میں لام عہد کا ہے تو اس سے مخصوص و معین حمد وثناء مراد ہے' سو اس صورت میں اس سے وہ حمد مراد ہوگی جو خود محمود (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنی حمد وثناء کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف جو خود بیان کی ہے وہ اسی کا خاصہ ہے' اس جیسی تعریف کوئی اور نہیں کر سکتا) اور اگر یہ لام استغراق کا ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ تمام محامد کا وہی مستحق ہے' تمام قسم کی تمام تعریفیں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور ''لِلّٰهِ'' میں لام تملیک کا ہے کیونکہ اصل میں تعریف بیان کرنے والے کا خالق وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' سو تعریف کا مالک بھی اسی کی ملکیت میں ہے اور توصیف وتعریف کا اہل بھی وہی ہے ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' پیدائش کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے اور قبضہ کے اعتبار سے' سب اسی کے لیے ہے' پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ ہر حال میں اس کی تعریف وتوصیف کی جائے' پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں اسی کی حمد وثناء بیان کی جائے گی جیسا کہ دنیا میں اسی کی تعریف وتوصیف بیان کی جاتی ہے کیونکہ دنیاء وآخرت دونوں جہانوں میں تمام نعمتیں اسی مولیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں مگر یہاں دنیا میں اس کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف واجب ولازم ہے' اس لیے کہ دنیا دارِ تکلیف ہے (اس میں انسان حمد الٰہی کا مکلف ہے) اور وہاں آخرت میں واجب نہیں کیونکہ وہاں انسان مکلف نہیں ہوگا اور البتہ اہل جنت اخروی نعمتوں سے مسرور وخوش ہو کر اور اجر عظیم پانے پر لذت وراحت پا کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہیں گے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ'' (الزمر:۷۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا''۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ'' (الفاطر:۳۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم ورنج کو دور کر دیا'' ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے میں وہی بہت بڑا حکمت والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ جزا اور بدلے کے دن جو اس کی تعریف کریں گے' ان کے باطن کو وہ خوب جاننے والا اور پوری طرح خبردار ہے۔

۲- ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو مُردوں اور دفینوں (بارش کے قطروں اور مختلف اجناس کے بیجوں اور مختلف کیڑوں) میں سے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے [یہ جملہ مستانفہ ہے اور ''مَا یَلِجُ'' بہ معنیٰ ''مَا یَدْخُلُ'' ہے] ﴿وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ اس زمین سے نباتات (یعنی درخت' پودے' باغات اور انگوریاں) اور معدنیات سے (نیز بلوں اور سوراخوں میں سے کیڑے مکوڑے ودیگر جنگلی حیوانات) باہر نکلتے ہیں ﴿وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو کچھ آسمان سے بارشوں اور مختلف اقسام کی برکتوں (مثلاً فرشتوں' کتابوں' تقدیروں' رزقوں' رحمتوں اور مغفرتوں) میں سے نازل ہوتا ہے ﴿وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (یعنی) جو کچھ فرشتوں اور دعاؤں (ارواحِ مؤمنین' اعمالِ صالحہ اور مظلوموں کی فریادوں) میں سے آسمان کی طرف چڑھتا ہے ﴿وَهُوَ الرَّحِیْمُ﴾ اور وہ اپنی تمام مخلوقات پر جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے نازل کر کے بے حد رحم فرمانے والا ہے ﴿الْغَفُوْرُ﴾ نافرمانی کرنے والے گناہ گار مسلمانوں کو (توبہ کرنے پر) بہت بخشنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ فرمایئے: کیوں نہیں! میرے رب تعالیٰ کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے گی' وہی غیب کا جاننے والا ہے' اس سے ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب میں ہےO تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان ہی کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہےO اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کی ان ہی کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہےO

۳- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کے منکروں نے کہا کہ ﴿لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ اس جملے میں انہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کی نفی کر دی اور قیامت کے آنے کا انکار کر دیا ﴿قُلْ بَلٰى﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ کیوں نہیں! وہ ضرور آئے گی۔ لفظ ''بَلٰی'' کے ذریعے نفی کے بعد قیامت کے آنے کا اثبات کیا گیا ہے اس بناء پر کہ ''بَلٰی'' کا معنی ہے کہ بات اس طرح نہیں بلکہ وہ ضرور آئے گی ﴿وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ اور مجھے اپنے رب تعالیٰ کی قسم! البتہ وہ تم پر ضرور آئے گی۔ اس کلام مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بطور تاکید قیامت کے اثبات کا اعادہ کیا گیا ہے کیونکہ تاکید و تشدید میں یہی مقصود ہے اور وہ ہے اللہ عزوجل کے ساتھ قسم کی تاکید کرنا' پھر اس قسمی تاکید کو مقسم بہ کے بعد آنے والے وصف کے ساتھ دراز کیا گیا ہے اور وہ وصف یہ ارشاد ہے کہ ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ وہی غیب کا جاننے والا ہے' کیونکہ مقسم بہ (رب تعالیٰ) کے حال کی عظمت و رفعت مقسم علیہ (قیامت) کے حال کی قوت و اثبات اور اس کی استقامت کا اعلان و اظہار کرتی ہے' اس لیے کہ یہ کسی معاملہ پر گواہی دینے کے قائم مقام ہوتی ہے اور جب مستشھد بہ (رب تعالیٰ) ارفع و اعلیٰ مرتبہ کا ہوگا تو گواہی زیادہ قوی اور زیادہ مؤکد ہوگی اور اسی طرح مستشھد علیہ (ثبوت قیامت) زیادہ ثابت اور زیادہ پختہ ہوگا اور جب قیامت کا قیام غیوب کے مشاہیر میں سے ہے اور خفاء و پوشیدگی میں زیادہ داخل ہے تو اس کے وصف کا غیب کے جاننے والے رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بلند و بالا ہونا زیادہ اولیٰ ہے [نافع اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''عَالِمُ الْغَيْبِ'' میں ''عالم'' مرفوع ہے'' ای ھو عالم الغیب'' یعنی وہی غیب جاننے والا ہے جب کہ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے طور پر (علام الغیب) ہے] ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ﴾ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے [علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''زا'' کے نیچے زیر ہے (یعنی باب ضرب یضرب ہے) چنانچہ ''عزب'' اور ''یعزب'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی غائب اور دور ہو جائے] ﴿مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر

(یعنی) چھوٹی چیونٹی کے برابر ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَآ أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرُ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے (یعنی) ذرّہ برابر سے چھوٹا اور نہ ذرہ برابر سے بڑا ﴿إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ﴾ مگر روشن کتاب میں ہے (یعنی) مگر لوحِ محفوظ میں ہے [''ولا اصغر'' اور ''ولا اکبر'' دونوں مرفوع ہیں اور ''مثقال ذرّۃ'' پر معطوف ہیں اور ''اِلَّا'' بہ معنی ''لٰکِنَّ'' ہے یا پھر مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''فی کتاب مبین'' خبر ہے]۔

٤- ﴿لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے۔ یہ مغفرت وبخشش ان کے لیے ہے جنہوں نے ایمان کے مدارج میں کوتاہی نہیں کی ﴿وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ ان لوگوں کے لیے عزت کی روزی ہے جنہوں نے احسان کے راستوں پر صبر کیا۔ یہ ''لَتَاْتِیَنَّکُمْ'' کے متعلق ہے اور ''لیجزی'' میں لام اس کی علت بیان کرنے کے لیے ہے (یعنی قیامت اس لیے آئے گی تاکہ نیک مسلمانوں کو جزائے خیر اور غیر مسلموں کو سزا دی جائے)۔

٥- ﴿وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيٰتِنَا﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی (یعنی) انہوں نے قرآن مجید کو رد کرنے میں کوشش کی ﴿مُعٰجِزِينَ﴾ عاجز کرنے والے' غالب آنے والے اس گمان کی بناء پر کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے (یعنی کفار ہمیں عاجز کرنے اور ہم پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ ہماری گرفت سے بچ جائیں) [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''معجزین'' ہے] یعنی وہ لوگوں کو ہماری آیات (قرآنی) کی اتباع سے اور ان میں غور وفکر کرنے سے روکتے تھے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عجز وکمزوری کی طرف منسوب کرتے تھے ﴿أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب میں سے دردناک عذاب ہے [ابن کثیر مکی' حفص اور یعقوب کی قراءت میں ''اَلِیْمٌ'' عذاب کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی عذاب کے درمیان میں سے دردناک عذاب۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''الرجز'' کا معنی ہے: بدترین اور برا عذاب' اور دیگر قراء کی قراءت میں ''اَلِیْمٍ'' مجرور ہے کہ ''رجز'' کی صفت ہے]۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيٓ إِلٰى صِرٰطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے' اور وہ اس ذات کے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب پر غالب (اور) تمام خوبیوں کے لائق ہے O اور کافروں نے کہا کہ کیا ہم ایسے آدمی کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل پارہ پارہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے' تو بے شک تم دوبارہ نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے O

اہلِ علم مسلمانوں کی شان اور کفارِ مکہ کی مذمت

٦- ﴿وَيَرَى﴾ اور دیکھتے ہیں ''اَیْ یَعْلَمُ'' یعنی جانتے ہیں [یہ جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور وہ لوگ جو آپ کی امت

میں سے ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے یا اہل کتاب کے وہ علماء مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا' جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما (لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ سورت مکی ہے اگر چہ مکی سورت میں آیت مدنی ہوسکتی ہے) ﴿الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید ﴿هُوَ الْحَقَّ﴾ وہ حق ہے یعنی سچ ہے [''ھو'' ضمیر فصل ہے اور ''الحق'' دوسرا مفعول ہے یا ''لیجزی'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] یعنی اہل علم پختہ علم کے ساتھ قیامت کے آنے کے بارے میں خوب جانتے ہیں کہ بے شک قیامت کا آنا برحق ہے' اس پر ان کے یقین میں مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا ﴿وَيَهْدِيْٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے یا وہ قرآن مجید ہدایت دیتا ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ سب پر غالب (اور) تمام تعریفوں کے لائق خدا کی راہ کی طرف اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

۷- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے کہا (یعنی) قریش مکہ کے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ﴾ کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں بتائیں۔ کفار مکہ ''رَجُلٍ'' سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا قصد کرتے تھے اور اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ذاتی نام سے قریش مکہ میں مشہور و معروف تھے اور آپ کا اعلانِ نبوت بھی ان کے ہاں مشہور تھا' لیکن انہوں نے آپ کی ذاتِ مبارک اور آپ کے مشن سے اَن جان بن کر اور تجاھل برتنے کے لیے ''رجل'' کو نکرہ بیان کیا اور تجاھل کا باب بلاغت میں ہے ﴿يُنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ وہ تمہیں بتاتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو بے شک تم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھو گے یعنی وہ تمہیں بہت سے عجائبات میں سے کئی عجیب باتیں بیان کرتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تم نئی پیدائش میں پیدا کیے جاؤ گے' اس کے بعد کہ تم ریزہ ریزہ اور چورہ چورہ ہو کر مٹی میں مل چکے ہو گے اور تمہارے پرانے اجسام بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے ''کل ممزق'' کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں ہر قسم کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گا [اور ''مُمَزَّق'' مصدر میمی بہ معنی تمزیق ہے اور ''اِذَا'' میں عامل وہ فعل ہے جس پر ''اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ'' دلالت کرتا ہے یعنی ''تُبْعَثُوْنَ'' اور ''جدید'' ''فعیل'' کے وزن پر ہے اور بصریوں کے نزدیک بہ معنی فاعل ہے جیسے ''جَدَّ جَدِيْدٌ'' اور ''قَلَّ'' ''قلیل'' ہے اور ''اِنَّكُمْ'' میں ہمزہ کو مفتوح پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی خبر میں لام ہے]۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۸ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۹ ع

کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے' بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور بہت دور کی گمراہی میں گرفتار ہیں O تو کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین میں سے احاطہ کیے ہوئے ہیں' اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا

دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانی ہے O

۸- ﴿اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے (یعنی) کیا یہ نبی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ حشر ونشر کی خبر سنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے [''افتریٰ'' میں ھمزہ استفہام کا (سوالیہ) ہے اور وصل کا ھمزہ گرا دیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی] ﴿اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ﴾ یا انہیں جنون ہو گیا ہے جو انہیں اس وہم میں ڈالتا ہے اور ان کی زبان پر ایسی بات جاری کر دیتا ہے ﴿بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ﴾ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (مستقبل میں) عذاب میں مبتلا ہوں گے اور وہ (فی الحال) دور کی گمراہی میں گرفتار ہو چکے ہیں' پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ میں افتراء اور جنون میں سے کچھ بھی نہیں اور آپ ﷺ کسی پر افتراء و بہتان تراشی اور جنون و دیوانگی دونوں سے مبرّا اور پاک ہیں بلکہ افتراء وجنون کی بات کہنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے خود دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور وہ اب بھی ایسی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں جو انہیں حق سے دور لے جا رہی ہے اور وہ اس سے غافل ہو چکے ہیں اور یہی بدترین جنون ہے' کفار کے عذاب میں گرفتار ہونے کو ان کے گمراہی میں مبتلا ہونے کے ساتھ معلق بیان کیا گیا ہے' گویا یہ دونوں ایک وقت میں ہونے والے ہیں کیونکہ جب عذاب گمراہی کے لوازم میں سے ہے تو دونوں کو گویا متصل قرار دیا گیا ہے [''ضــلال'' کا وصف بعید اسناد مجازی میں سے ہے کیونکہ اصل میں ''بعید''، ''ضال'' گمراہ ہونے والے کی صفت ہے کیونکہ وہی راہِ حق سے دور ہوتا ہے]۔

۹- ﴿اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ﴾ سو کیا انہوں نے اس طرف نہیں دیکھا کہ ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین نے انہیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے' اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں [علی کسائی کی قراءت میں ''نخسف'' کی ''فا'' کو ''بِھِمۡ'' کی ''با'' میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے' محض اس لیے کہ ''فا'' اور ''با'' کے درمیان مخرج میں تقارب ہے (کہ دونوں شفوی ہیں) اور بعض قراء نے اس ادغام کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ''فا'' کی آواز ''با'' پر زیادہ ہوتی ہے] ﴿اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ﴾ یا ہم ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں یعنی کیا وہ اندھے ہو گئے ہیں کہ انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا اور بے شک آسمان وزمین دونوں نے وہ جہاں بھی رہیں اور وہ جہاں بھی جائیں' ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہر طرف سے انہیں گھیرا ہوا ہے' وہ ان دونوں کے اطراف سے شگاف ڈال کر نکل نہیں سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی سے بھی نہیں نکل سکتے' جس میں وہ رہ رہے ہیں اور وہ اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر آسمان سے (آگ کے گولے اور) ٹکڑے گرا دے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا ہے اور اس کے محترم ومکرم رسول کی نبوت کا انکار کیا ہے اور ان کی تعلیمات کا انکار کیا ہے جیسا کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اور ایکہ کے رہنے والوں پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئی تھیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر کوفی قراء نے تینوں افعال کو ''یا'' کے ساتھ ''ان یشأ یخسف بھم الارض او یسقط'' پڑھا ہے اور حضرت حفص کی روایت ''کِسَفًا'' میں سین مفتوح ہے (اور یہ ''کسفۃ'' کی جمع ہے)] ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) آسمان اور زمین کی طرف عبرت کی نگاہ سے دیکھنے میں اور ان دونوں میں غور وفکر اور تدبر وسوچنے میں اور ان چیزوں کی طرف غور سے دیکھنے میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار پر دلالت کرتی ہیں ﴿لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ﴾ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور نشانی اور رہنمائی موجود ہے کیونکہ رجوع کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرنے سے خالی نہیں ہوتا' جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے

اور قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہے اور ان لوگوں کو عذاب وسزا دینے پر بھی قادر ہے جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا خصوصی فضل عطا فرمایا' (اور حکم دیا کہ) اے پہاڑو! تم اس کے ساتھ تسبیح پڑھو اور اے پرندو! (تم بھی)' اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور کڑیاں جوڑنے میں مناسب اندازے کا لحاظ رکھیں اور تم نیک عمل کرو' بے شک تم جو کچھ عمل کرتے ہو میں اسے خوب دیکھنے والا ہوں O اور سلیمان کے لیے ہوا کو تابع بنا دیا اس کی صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور اس کی شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا' اور جنوں میں سے کچھ اس کے سامنے اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے' اور ان میں سے جو ہماری حکم عدولی کرے گا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے خصوصی فضائل کا بیان

۱۰- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے خصوصی فضل و احسان عطا فرمایا کہ (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اور اے پرندو! تم (حضرت) داؤد علیہ السلام کے ساتھ میری تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے رہو۔ ''اوبی'' ''تاویب'' سے ماخوذ ہے یعنی تم حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے پھرو اور پہاڑوں کی تسبیح بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تسبیح پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ان کی تسبیح اس طرح سنتے تھے جس طرح تسبیح بیان کرنے والے انسانوں کی تسبیح سنتے تھے' اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

اور اس عبارت میں ایسی عظمت و رفعت کا بیان ہے جو کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ یہاں اس عبارت میں پہاڑوں کو ان عقل مندوں کے قائم مقام کیا گیا ہے جن کو جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تو وہ اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں بلاتا ہے تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور بلاوے کا جواب دیتے ہیں اور پہاڑوں اور پرندوں کو یہ خطاب و ندا صرف یہ بتانے کے لیے ہے کہ کوئی حیوان اور جماد نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کے تابع اور مطیع و فرماں بردار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما دیتا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنا فضل عطا کیا کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے تھے' تو یہ عظمت و رفعت حاصل نہ ہوتی [''یا جبال'' ''فضلا'' سے بدل ہے یا ''اتینا'' سے بدل ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''قولنا یا جبال او قلنا یا جبال'' ہمارا فرمان تھا کہ اے پہاڑو!' یا ہم نے فرمایا: اے پہاڑو!' اور

"وَالطَّيْرَ" نصب کی حالت میں "جبال" کے محل پر عطف ہے اور "وَالطَّيْرُ" رفعی حالت میں لفظ "جبال" پر عطف ہے]۔

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا اور ہم نے اس کو آپ کے لیے مٹی اور آٹے کی طرح نرم بنا دیا کہ آپ اسے آگ میں گرم کیے بغیر اور ہتھوڑا مارے بغیر جیسے چاہتے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر گھما دیتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس قدر مضبوط قوت عطا کی تھی کہ آپ موم کی طرح لوہے کو جیسے چاہتے موڑ دیتے تھے اور اسے موم کی طرح آسانی سے استعمال کر لیتے تھے۔

۱۱- ﴿اَنِ اعْمَلْ﴾ "اَنْ" بہ معنی "اَیْ" ہے۔ "اَیْ اَمَرْنَاهُ اَنِ اعْمَلْ" ﴿سٰبِغٰتٍ﴾ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ مکمل اور کشادہ زرہیں تیار کریں۔ "سابغات"، "سبوغ" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: دراز اور کامل زرہ بنانا اور حضرت داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے زرہ بنائی تھی اور آپ ایک زرہ بنا کر چار ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے' پس ان میں سے کچھ (دو ہزار درہم) اپنے اوپر اور اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتے تھے اور کچھ (دو ہزار درہم) فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیتے تھے' اور بعض حضرات نے بیان فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس تبدیل کر کے ایک اجنبی شخص بن کر لوگوں سے اپنے بارے میں پوچھتے اور ان سے فرماتے کہ تم لوگ (حضرت) داؤد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ وہ کیسے بادشاہ ہیں؟ سو لوگ آپ کے عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ پر آپ کی تعریف کرتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو ایک آدمی کی صورت میں متشکل فرما کر آپ کے پاس بھیج دیا' چنانچہ آپ نے حسب عادت اس سے اپنے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن ان میں ایک عادت ہے' کاش! وہ عادت ان میں نہ ہوتی' آپ نے پوچھا: وہ کون سی عادت ہے جو نہیں ہونی چاہیے' اس نے کہا کہ وہ عادت یہ ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کو بیت المال سے کھانا کھلاتے ہیں' سو آپ نے اسی وقت اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! میرے لیے کوئی سبب بنا دے کہ میں بیت المال سے بے نیاز ہو جاؤں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی ﴿وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازے کا خیال رکھیں' زرہ کے حلقے برابر برابر جوڑیں تاکہ ان کی وضع مناسب ہو اور آپ زرہ کی کیلیں نہ اتنی باریک بنائیں کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر نہ سکیں بلکہ گھومتی رہیں اور نہ اس قدر موٹی ہوں کہ ان سے حلقے ٹوٹ جائیں اور "سرد" کا معنی ہے: زرہوں کی کڑیاں جوڑنا یا زرہیں بُننا ﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اور تم نیک عمل کرو (یعنی) خالص عمل جو قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس میں جمع کا خطاب آپ کو اور آپ کے جملہ اہل و عیال کو ہے ﴿اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ تم جو جو اعمال کرتے رہتے ہو بے شک میں ان سب کو خوب دیکھتا رہتا ہوں' سو میں ان پر تمھیں ضرور جزائے خیر عطا کروں گا۔

۱۲- ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ﴾ "اَیْ سَخَّرْنَا لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ" یعنی ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر اور ان کے تابع کر دیا اور وہ باد صبا تھی (یعنی مشرقی ہوا جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے) [ابوبکر کوفی اور حماد اور فضل کی قراءت میں "الریح" مرفوع ہے' "اَیْ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحُ مُسَخَّرَةٌ"] یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا ہے اور ان کے حکم کے تابع بنا دیا گیا ہے ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ صبح کے وقت اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور شام کے وقت اس کی رفتار اسی طرح ایک ماہ کی مسافت تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام (اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر ہوا پر سوار ہو جاتے اور) صبح کے وقت دمشق سے ہوا آپ کو اڑا کر روانہ ہوتی اور آپ فارس کے

ایک شہر اصطخر میں پہنچ کر قیلولہ فرماتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اور آپ شام کے وقت اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں پہنچ کر گزارتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کی مسافت ہے اور بعض اہل علم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح ناشتہ رئے کے شہر میں اور شام کا کھانا سمرقند میں پہنچ کر کھاتے تھے ﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ اور ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے قطر کا چشمہ بہا دیا یعنی پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ''قطر'' کا معنی ہے: تانبا' اور یہ زرد رنگ ہوتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی کی طرح بہنے والا بنا دیا' چنانچہ یہ چشمہ ایک ماہ میں تین دن پانی کی طرح بہتا تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے نہیں پگھلتا تھا اور اس کا نام ''عین القطر'' تانبا کا چشمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ آخر کار یہ پھر تانبا بن جاتا ہے ﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اور جنوں میں سے کچھ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آپ کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے [اور ''ومن الجن'' میں ''مِنْ'' نصب کے محل میں واقع ہے'' ای سخرنا لہ من الجن من یعمل الخ''] یعنی ہم نے ان کے لیے بعض جنوں کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے سامنے ان کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے' ''باذن ربہ'' بہ معنی ''بامر ربہ'' ہے ﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا﴾ اور ان جنوں میں سے جو جن ہمارے اس حکم سے روگردانی کرے گا جو ہم نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کے بارے میں دیا ہوا ہے تو ﴿نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے (یعنی) آخرت کا عذاب اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا تھا' سو جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا تو وہ فرشتہ آگ کا کوڑا اس کو زور سے مارتا جو اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتا۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

وہ سلیمان کے لیے جو آپ چاہتے محلات اور تصویریں اور بڑے بڑے حوض کی طرح پراتیں اور ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے' اے آل داؤد! تم میرا شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرتے رہو اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں O پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے انہیں (یعنی جنات کو) اس کی موت کے متعلق آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والی ایک دیمک نے جو اس کے عصا کو کھاتی رہی' سو جب وہ گر پڑے تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت ناک عذاب میں مبتلا نہ رہتے O

۱۳- ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾ وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے وہی کام کرتے جو آپ

چاہتے' بہت مضبوط محلات تیار کرتے یعنی وہ مسجدیں بناتے تھے اور مکانات تیار کرتے تھے ﴿ وَتَمَاثِيلَ ﴾ اور مورتیاں تیار کرتے یعنی وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جنات نے آپ کے لیے آپ کی کرسی کے نیچے دو شیر اور اوپر کے حصے میں دو گدھ بنادیئے' چنانچہ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو دونوں شیر آپ کے لیے اپنے دونوں بازو پھیلا دیتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو دونوں گدھ اپنے پروں کے ساتھ آپ پر سایا کرتے اور اس زمانہ میں تصویر بنانا جائز تھا ﴿ وَجِفَانٍ ﴾ اور وہ بڑے بڑے لگن' تھال اور پراتیں تیار کرتے تھے" جفان "' "جفنة " کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: بہت بڑا پیالہ' تھال اور پرات ﴿ كَالْجَوَابِ ﴾ " جابية " کی جمع ہے اور یہ بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ لگن اور پرات اتنا بڑا ہوتا تھا کہ ایک ہزار آدمی بیٹھ کر اس میں سے کھانا کھا سکتے تھے [ابن کثیر مکی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں " یا " کے ساتھ " كالجوابی " ہے' ابوعمرو نے وصل کی حالت میں انہیں کی موافقت میں " كالجوابی " " یـا " کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے بغیر " یـا " صرف کسرہ پر اکتفاء کیا ہے] ﴿ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ﴾ اور چولہوں پر جمی رہنے والی (پتھروں سے یا تانبے کی بنی ہوئیں) بڑی بڑی دیگیں جو بہت بڑی ہونے کی وجہ سے چولہوں سے نہیں اتاری جا سکتیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ایسی دیگیں یمن میں ہوا کرتی تھیں اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ﴾ اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو یعنی تم ملکی باشندوں پر رحم و کرم کرو اور تم اپنے پروردگار سے خیر و عافیت کا سوال کیا کرو۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی منقول ہے [" شکرا " مفعول لہ ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے] یعنی شکر کرنے کے لیے نیک عمل کرو یا یہ معنی ہے کہ تم اس کا خوب شکر ادا کرو کیونکہ " اعملوا " کا معنی بھی شکر کرو ہے' اس اعتبار سے کہ منعم (انعام دینے والا) کے لیے کوئی عمل کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے یا یہ مفعول بہ ہے یعنی بے شک ہم نے تمہارے لیے جنوں کو مسخر کر دیا ہے' تم جو چاہتے ہو وہ تمہارے لیے کام کرتے ہیں' سو تم بھی شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شکر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی تمام تر توانائیاں اور کوششیں اپنے معبود برحق کے سامنے خرچ کر دینا شکر ہے ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں (یعنی) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے اور اپنی پوری کوشش شکر ادا کرنے میں خرچ کرنے والے' جو اپنے دل سے اور اپنی زبان سے اور اپنے اعضاء سے عقیدت و ایمان اور اعتراف و اقرار اور محنت و مشقت کے ساتھ شکر ادا کرنے میں مشغول رہتے ہوں' بہت کم ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو اپنے تمام حالات میں شکر کرتا رہتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شکر گزار وہ ہے جو شکر ادا کرنے پر بھی شکر ادا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو شکر کرنے کے باوجود اپنے آپ کو شکر سے عاجز خیال کرے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے رات اور دن کے اوقات کو اپنے اہل خانہ پر تقسیم کر رکھا تھا' چنانچہ تمام اوقات میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا مگر اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آل میں سے کوئی نہ کوئی آدمی نماز میں مشغول ہوتا۔

۱۴- ﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ﴾ پھر جب ہم نے ان پر یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ﴿ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ ﴾ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر یعنی جنوں کو یا داؤد علیہ السلام کی آل کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر کسی نے آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والے جانور نے یعنی لکڑی کھانے والے ایک چھوٹے سے کیڑے نے آگاہ کیا اور وہ دیمک تھی جسے سُرفہ کہا جاتا تھا۔ " الارض " دیمک کا فعل ہے اس لیے " دابة " یعنی

دیمک کی ''الارض'' کی طرف اضافت کی گئی ہے (کیونکہ ''ارض'' کا معنی کھانا ہے دیمک کو ''ارضۃ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لکڑی کو کھا جاتا ہے جیسے آسمان کے مقابلے میں زمین کو ''ارض'' کہا جاتا ہے کہ یہ اجسام بنی آدم کو کھا جاتی ہے) چنانچہ ''ارضت الخشبة الارضة'' اس وقت بولا جاتا ہے جب لکڑی کو دیمک کھا جاتی ہے ﴿ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ﴾ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھاتی رہی' اور ''منساۃ'' سے آپ کا عصا مبارک مراد ہے کیونکہ آپ اس سے دفاع کا کام لیتے تھے یعنی موذی جانوروں کو بھگا دیتے تھے [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں بغیر ہمزہ ''منساۃ'' ہے] ﴿ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ ﴾ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر گر پڑے تو جنوں نے واضح طور پر جان لیا' اس کے بعد کہ یہ معاملہ ان کے عوام اور بوڑھوں پر مشتبہ ہو چکا تھا ﴿ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾ کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد وہ ذلت ناک عذاب میں گرفتار نہ رہتے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کے نصب ہونے کی جگہ پر بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی' پھر بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے آپ وفات پا گئے اور اپنی موت سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت کر دی تھی' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل کا حکم دیا' پھر جب آپ کی عمر میں سے صرف ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی موت کو ان پر پوشیدہ رکھے یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل سے فارغ ہو جائیں اور تاکہ علم غیب کے بارے میں ان کا دعویٰ باطل ہو جائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر ترپن (۵۳) سال تھی اور جب آپ بادشاہ بنے تھے تو اس وقت تیرہ سال عمر تھی' اسی طرح وہ چالیس سال بادشاہ رہے اور بیت المقدس کی بنیاد کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب آپ کی بادشاہت کے چار سال گزر چکے تھے' اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ افریدون آیا تاکہ آپ کی کرسی پر بیٹھے لیکن جب وہ کرسی کے قریب آیا تو دو شیروں نے اس کی پنڈلی پر اپنے پنجے مارے' جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی ٹوٹ گئی' پھر اس کے بعد کسی کو جراءت نہ ہوئی کہ وہ اس کرسی کے قریب جا سکے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾

بے شک اہل سبا کے لیے ان کے گھروں میں ایک نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں تھے' (اور ان سے کہا گیا کہ) تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' یہ پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار بہت بخشنے والا ہےO پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بہت زور کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دو باغوں کو دو ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا جن کے پھل کڑوے تھے اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے تھوڑے سے درخت تھےO یہ ہم نے ان کو اس وجہ سے سزا دی کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کوO

اہل سبا کے عروج وزوال کا بیان

۱۵- ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ﴾ بے شک اہل سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی ہے [''سبا'' الحی کی تاویل میں منصرف ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں ''قبیلۃ'' کی تاویل میں غیر منصرف ہے اور حمزہ اور حفص کی قراءت میں ''مَسْكَنِهِمْ'' میں سین ساکن اور کاف مفتوح اور نون مکسور ہے جب کہ علی کسائی اور خلف کی قراءت میں سین ساکن ہے مگر کاف اور نون مکسور ہیں یعنی ''مَسْكِنِهِمْ'' ہے اور یہ ان کی رہائش کی جگہ ہے اور یہ ان کا شہر تھا اور یہ ان کی وہ زمین تھی جس میں وہ لوگ یمن کے قریب رہائش پذیر تھے یا ان میں سے ہر ایک کی رہائش گاہ مراد ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے ہاں ''مساکنھم'' ہے اور ''ایۃ''، ''کَانَ'' کا اسم ہے] ﴿جَنَّتٰنِ﴾ دو باغ تھے [اور یہ ''ایۃ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''الایۃ جنتان''] دونوں باغ ایک نشانی تھے اور ان دونوں کے نشانی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے باشندوں نے جب اللہ تعالیٰ کے شکر سے روگردانی کی اور اس سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت چھین لی تا کہ وہ لوگ عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور نعمتوں پر ناشکری اور کفر کی جس روش پر وہ گامزن تھے' اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹ جائیں یا اللہ تعالیٰ نے ان دو باغات کو ایک نشانی قرار دیا یعنی ایسی نشانی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے احسان اور اس کے شکر کے وجوب پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے ﴿عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ﴾ دائیں طرف اور بائیں طرف۔ دونوں میں سے ایک جماعت مراد ہے' ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب میں واقع تھی اور دوسری جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب میں واقع تھی اور دونوں جماعتوں میں ہر ایک' ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر گویا وہ ایک باغ ہے جیسا کہ آباد شہروں میں دو باغ ہوتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے دو دو باغ تھے' ایک باغ اس کی رہائش گاہ کی دائیں جانب ہوتا اور دوسرا باغ اس کی رہائش گاہ کی بائیں جانب میں ہوتا تھا ﴿كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ﴾ تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف بھیجے گئے تھے انہوں نے ان لوگوں سے جو فرمایا تھا یہ اس کی حکایت ہے یا یہ اس کی حکایت ہے جو کہنے والے کی زبان نے ان سے کہا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے یہ کہا جائے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تو اس کے بعد فرمایا کہ ﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ یعنی یہ شہر جس میں تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے بڑا پاکیزہ اور عمدہ شہر ہے اور تمہارا رب تعالیٰ جس نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے اور تم سے شکر ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہے وہ شکر ادا کرنے والوں کو بہت بخشنے والا پروردگار ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صنعاء سے تقریباً چوبیس کلومیٹر کے فاصلے پر سبا شہر واقع ہے اور یہ سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا' یہاں کے رہنے والے بڑے خوش حال تھے' کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھ کر باغ کے درختوں کے درمیان سے گزرتی تو اس کا ٹوکرا ان پھلوں سے بھر جاتا تھا جو خود بخود گرتے تھے' اسے ہاتھ سے توڑنا نہیں پڑتا تھا اور یہ تمام شہروں سے پاکیزہ شہر تھا' اس میں نہ مچھر ہوتے اور نہ مکھیاں اور نہ پسّو اور نہ بچھو ہوتے تھے اور اس میں نہ سانپ ہوتے تھے اور باہر کے مسافروں میں جو مسافر یہاں سے گزرتا تو اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے اس کی جوئیں مر جاتی تھیں۔

۱۶- ﴿فَأَعْرَضُوا﴾ سو ان لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و تعلیم سے روگردانی کی اور ان کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں جانتے ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ پس ہم نے ان پر بہت سخت زوردار سیلاب چھوڑ دیا یعنی سخت ترین بارش ان پر برسائی گئی یا ''العرم'' اس وادی کا نام ہے جس سے سیلاب کا

پانی ان پر چھوڑا گیا تھا یا پھر "عــرم" سے وہ چوہے مراد ہیں جنہوں نے بند میں سوراخ کر دیئے جس کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور وہ لوگ سیلاب میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے' چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے سرکشی اور ظلم وستم کا بازار گرم کیا اور انبیائے کرام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چوہوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے بند کے نیچے سے سوراخ کر دیئے (اور بند ٹوٹ گیا) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلابی پانی میں غرق کر دیا ﴿ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ﴾ اور ہم نے ان کے مذکورہ دو باغوں کے عوض میں انہیں دو باغ تبدیل کر کے دیئے [اور "جنتین" کو مذکورہ دو باغوں کا بدل قرار دینا صرف مشاکلت اور کلام کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ: ۴۰) "اور برائی کا بدلہ اسی کی مانند برائی ہے"] ﴿ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ ﴾ خاردار کڑوے پھل والے "الاکــل" کا معنی پھل ہے' یہ پھل بھاری بھی ہوتا ہے اور ہلکا بھی [اور یہ نافع مدنی اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ہے] اور "الـخـمـط" پیلوں کا درخت (حالانکہ اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے) یا اس سے ہر خاردار درخت مراد ہے ﴿ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴾ اور جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیری کے کچھ درخت۔ "الاثل" ایک درخت ہے' اُردو میں اسے جھاؤ کا درخت کہتے ہیں' یہ طرفاء نامی درخت کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ اس سے بڑا ہوتا ہے اور اس کی لکڑی عمدہ ہوتی ہے [اور جس نے "الاکل" کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "ذواتی اکلٍ اکل خمطٍ" تھی' پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور "اکل" کو تنوین کے ساتھ پڑھنے والا ابو عمرو کے علاوہ ہے یا پھر "اکل" موصوف ہے' اس کی صفت "خمط" ہے' گویا یوں کہا گیا ہے کہ بدمزہ پھل والے درخت' اور ابو عمرو کی قراءت کی وجہ یہ ہے کہ "اکــل الخمط البریرۃ" کے معنی میں ہے' سو گویا فرمایا گیا کہ پیلوں کے درخت کے پھل اور "اثل" اور "سدر" دونوں "اکل" پر معطوف ہیں "خمط" پر معطوف نہیں کیونکہ "اثــل" بے پھل درخت ہوتا ہے] حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیری کے درختوں کو قلت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ جن باغوں کو تبدیل کیا گیا ہے' ان میں یہ بہترین اور لذیذ پھل دار درخت ہے' یہی وجہ ہے کہ یہ درخت جنت کے باغوں میں بھی ہوگا (دراصل بیری کا درخت دو قسم کا ہوتا ہے' ایک وہ جس کا پھل لذیذ و میٹھا ہونے کی وجہ سے کھایا جاتا ہے' جب کہ دوسرا وہ ہے جس کا پھل کڑوا اور سخت کھٹا ہوتا ہے' جو کھایا نہیں جا سکتا' مذکورہ آیت میں یہی مراد ہے)۔

۱۷- ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ﴾ ہم نے انہیں یہ سزا اس لیے دی کہ انہوں نے کفر و ناشکری کی "اَیْ جَزَیْنَاهُمْ ذَالِكَ بِكُفْرِهِمْ" یعنی ہم نے ان کو یہ سزا ان کے کفر اور ناشکری کی وجہ سے دی تھی ["ذلك"، "جزینا" کا دوسرا مفعول ہے جو اپنے فعل سے مقدم ذکر کیا گیا ہے] ﴿ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴾ اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کو [یہ ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت ہے (جس میں فعل معروف جمع متکلم ہے) جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں ہے: "وَهَلْ يُجَازٰى اِلَّا الْكَفُوْرُ" "اور سزا صرف ناشکروں کو دی جاتی ہے" (یعنی فعل مضارع غائب مجہول) یعنی اس قسم کی سزا صرف انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے یا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں یا یہ "هـل يـعـاقـب" کے معنی میں ہے کیونکہ "الـجـزاء" اگرچہ عام ہے چنانچہ یہ "مـعـاقـبـت" کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور "ثــواب" کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں خاص معنی مراد ہے اور وہ عقاب یعنی سزا ہے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کے زمانہ میں تھے جسے زمانہ فترت کہا جاتا ہے]۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا اٰمِنِينَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾

اور ہم نے ان لوگوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنادیں اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کے لیے منزلیں مقرر کردیں' تم ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن وامان کے ساتھ سیر وسیاحت کروO سو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں داستانیں بنادیا اور ہم نے ان کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا' بے شک بہت زیادہ صبر کرنے والوں (اور) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والوں کے لیے اس میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیںO اور بے شک ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا' سو مسلمانوں کی جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی اختیار کر لیO اور شیطان کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں تھا مگر تا کہ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں سے ممتاز کردیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہو چکے ہیں' اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہےO

۱۸- ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا﴾ اور ہم نے ان سبا والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی گوناگوں نعمتوں اور بہترین چشموں کے ذریعہ خوش حالی عطا کی تھی اور یہ شام کے ملک کی بستیاں تھیں ﴿قُرًى ظَاهِرَةً﴾ نمایاں بستیاں بنادی تھیں جو ایک دوسرے کے نزدیک تھیں' اسی قرب کی وجہ سے ایک بستی سے دوسری کو دیکھا جا سکتا تھا' پس یہ بستیاں دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے عیاں تھیں اور یہ مسافروں کے لیے نمایاں تھیں کیونکہ یہ ان کے راستوں سے دور نہیں تھیں' اس لیے ان پر یہ پوشیدہ نہیں ہو سکتی تھیں اور یہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں' جو سبا سے لے کر ملک شام تک ایک دوسرے کے قریب ملی ہوئی تھیں ﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ اور ہم نے سفر کے لیے منزلیں مقرر کردیں یعنی ہم نے ان بستیوں کو سفری سہولت کے لیے معین ومناسب مقدار پر بنایا تھا تا کہ مسافر ایک بستی میں قیلولہ (دوپہر کو آرام کرنے کے لیے سونا) کریں اور شام کو دوسری بستی میں جا کر آرام کریں یہاں تک کہ وہ ملک شام تک پہنچ جائیں ﴿سِيرُوا فِيهَا﴾ اصل میں ''وقلنا لھم سیروا فیھا'' ہے (یعنی) اور ہم نے انہیں حکم فرمایا کہ تم ان بستیوں میں سیر وسیاحت کیا کرو۔ یہاں بہ ظاہر قول نہیں ہے لیکن جب انہیں سیر وسیاحت کی قدرت اور قوت دی گئی اور اس کے تمام اسباب ان کے لیے مہیا کر دیئے تو گویا انہیں اس کا حکم دیا گیا ﴿لَيَالِيَ وَأَيَّامًا اٰمِنِينَ﴾ یعنی تم ان بستیوں میں اگر چاہو تو رات کو سیر کرو اور اگر چاہو تو دن کو سیر کرو کیونکہ اوقات کے اختلاف سے امن مختلف نہیں ہوتا' یا یہ معنی ہے کہ تم

ان بستیوں میں امن وامان کے ساتھ سیر کرو کسی دشمن سے نہ ڈرو اور نہ بھوک سے اور نہ پیاس سے اگر چہ تمہارے سفر کی مدت دراز ہی کیوں نہ ہو جائے اور دن ورات طویل کیوں نہ ہو جائیں۔

۱۹ - ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ سو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں دوری ڈال (یعنی) انہوں نے کہا: اے کاش! دور دراز کے سفر ہوتے اور ہم سواریوں پر سوار ہو کر سفر کرتے اور تجارت کے کاروبار میں خوب نفع حاصل کرتے اور ہم اپنے جانوروں اور اسباب کی وجہ سے غریبوں پر فخر کرتے۔ دراصل اہل سبا نعمتیں حاصل کر کے اترا گئے اور تکبر وغرور میں آ گئے اور عافیت وتندرستی سے اکتا گئے اور وہ محنت ومشقت کے خواہاں ہوئے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں "بَعِّدْ" (باب تفعیل کا امر) ہے] ﴿وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور انہوں نے کفر وشرک کے کلمات بول کر اور نعمتوں پر ناشکری اور انبیائے کرام کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ سو ہم نے ان کو افسانے اور داستانیں بنا دیا جنہیں لوگ بیان کرتے ہیں اور ان کے حالات سے تعجب کرتے ہیں ﴿وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ اور ہم نے ان کو خوب ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر دیا' لوگ ان کی تفریق کی مثال بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اہل سبا تتر بتر ہو گئے اور سبا کے قبیلے منتشر ہو گئے' چنانچہ قبیلہ غسان' ملک شام میں چلا گیا اور قبیلہ انمار' یثرب (مدینہ منورہ کا سابق نام) میں اور قبیلہ جذام' تہامہ میں اور قبیلہ ازد' عمان میں چلا گیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بے شک اس میں البتہ گناہوں اور بُری خواہشات سے صبر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والوں کے لیے یا ہر مؤمن کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں کیونکہ ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے۔

۲۰ - ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ [اہل کوفہ کے قراء کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ "صَدَّقَ" ہے یعنی شیطان نے ان پر اپنا گمان سچا ثابت کر دیا یا شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا پایا اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے تخفیف کے ساتھ "صَدَقَ" پڑھا ہے یعنی وہ اپنے گمان میں سچا ثابت ہوا] ﴿فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف مسلمانوں کے ایک گروہ کے علاوہ سب نے اس (شیطان) کی پیروی اختیار کر لی ["عَلَيْهِمْ" میں اور "فَاتَّبَعُوْهُ" میں ضمیر "هُمْ" اہل سبا کی طرف لوٹتی ہے یا پھر تمام اولادِ آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد "اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" میں مسلمانوں کو قلیل اور تھوڑا قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان کفار کی نسبت کم اور تھوڑے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O" (الاعراف:۱۷) "اور آپ ان میں بہتوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے O"]۔

۲۱ - ﴿وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور جن لوگوں کے بارے میں ابلیس اور شیطان کا گمان سچا ثابت ہوا تھا' ان پر شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لیے کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں تھا ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ﴾ تاکہ جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے ہم اسے اس شخص سے ممتاز کر دیں جو اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے (یعنی) تاکہ ہم جس کو عدم کی حالت میں اپنے ازلی ابدی علم کے ساتھ جانتے تھے' اسے حالت وجود میں موجود کر کے اپنے علم کو ظاہر کر دیں اور تغیر وحدوث صرف معلوم پر جاری ہوا (کہ پہلے معدوم تھا اور اب موجود ہو گیا) لیکن علم الٰہی پر جاری نہیں ہوا ﴿وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے اور وہ ہر چیز کا محافظ ہے [اور فعیل اور مفاعل دونوں آپس میں بھائی بھائی ہیں (سو اس لیے حفیظ اور محافظ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں' یعنی ہم معنی ہیں]۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

آپ فرمائیے کہ تم ان کو پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود گمان کرتے ہو' وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کے لیے ان دونوں کی ملکیت میں کوئی شراکت ہے' اور نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس (کسی کی) شفاعت فائدہ نہیں دے گی ماسوا اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا' یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی' تو وہ کہیں گے: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے' وہ کہیں گے کہ حق فرمایا' اور وہ عالی شان بڑا بزرگ ہے O آپ فرما دیجئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے کون رزق عطا کرتا ہے' فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ' اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں O

معبودانِ باطلہ کے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۲۲- ﴿قُلِ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی قوم کے مشرکین سے فرمائیے کہ ﴿ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کو بلاؤ جن کو تم گمان کرتے ہو یعنی تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود خیال کرتے ہو [اصل میں "زعمتموهم الهة من دون الله" ہے' سو پہلا مفعول "هم" ضمیر ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور اسے حذف کر دیا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ: "اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ" (الفرقان:۴۱) میں اسے حذف کر دیا گیا ہے' یہ حذف تخفیف کے لیے کیا گیا ہے تاکہ موصول اپنے صلہ سے مل کر طویل کلام نہ ہو جائے اور دوسرا مفعول "الهة" ہے اور اس کو بھی حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی صفت "من دون الله" کے ساتھ موصوف ہے اور جب موصوف کلام میں سمجھا جاتا ہو تو اس وقت اس کی صفت کو موصوف کے قائم مقام کر کے موصوف کا حذف جائز ہوتا ہے' پس "زعمتم" کے دونوں مفعول دو مختلف اسباب کی وجہ سے محذوف ہیں] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہو اور جن کے نام اللہ تعالیٰ کے نام پر تم رکھے ہوئے ہو' ان کو پکارو اور ان اُمور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں ان کی پناہ ڈھونڈو' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرتے ہو اور تم ان کو پکارنے پر ان کے جواب کا انتظار کرو جیسا کہ تم اللہ تعالیٰ کی استجابت کا انتظار کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ آسمانوں میں ایک ذرّہ کے برابر کسی بھلائی یا بُرائی یا نفع یا نقصان کے مالک نہیں ہیں ﴿وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ وہ زمین میں کسی چیز کے مالک ہیں ﴿وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾ اور نہ اُن کے لیے ان دونوں جنسوں کی تخلیق کرنے میں کوئی شراکت وحصہ داری ہے اور نہ ہی ملکیت میں کوئی حصہ داری ہے ﴿وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾ اور نہ ان معبودوں میں سے کوئی

اللہ تعالیٰ کے لیے معاون و مددگار ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تدبیر میں اس کی مدد کرے مقصد یہ ہے کہ ان کے معبود اس صفت میں عاجز و بے بس ہیں تو بھلا ان کو پکارنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور ان سے کیسے امیدیں وابستہ کرنا صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔

۲۳- ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فائدہ نہیں دے گی، مگر اس کے لیے فائدہ دے گی، جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا یعنی جس کی خاطر شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی اجازت ملے گی، صرف اسی کے لیے شفاعت مفید ہوگی اور یہ دوسرا لام اس طرح ہے جس طرح اس قول میں ہے کہ ''اَذِنَ لِزَیْدٍ لِعَمْرٍو'' یعنی عمرو کی خاطر زید کو اجازت دی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ کفار کے اس قول کی تکذیب و تردید کررہی ہے کہ ''هٰٓـؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' (یونس:۱۸) ''یہ بت (معبودانِ باطلہ) اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے'' (حالانکہ مشرکین و کفار کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی[1]) [امام عاصم کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ماسوا اعمش کے ''اُذِنَ'' (فعل ماضی مجہول) ہے] ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جائے گی، یعنی اللہ تعالیٰ جو شفاعت کی اجازت کے متعلق کلام فرمائیں گے تو اس کی وجہ سے شفاعت کرنے والوں اور جن کی شفاعت کی جائے گی ان دونوں قسم کے لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ و پریشانی دور کردی جائے گی [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَزَّعَ'' (فعل ماضی معروف باب تفعیل سے) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور فرمادے گا اور ''تفزیع'' کا معنی ہے: گھبراہٹ و پریشانی کو دور کرنا۔ ''حَتّٰى'' اس کلام کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے، جو یہاں سمجھ میں آتا ہے کہ پہلے سفارش اور سفارشیوں کے لیے امید رکھنے والوں کو گھبراہٹ و پریشانی اور اجازت کے لیے انتظار اور توقف کی زحمت اٹھانی پڑے گی کہ آیا ان کے لیے شفاعت کی اجازت ملے گی یا نہیں ملے گی، گویا فرمایا ہے کہ وہ لوگ انتظار کریں گے اور کافی دیر تک گھبراہٹ کی حالت میں امیدوار رہیں گے، یہاں تک کہ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جائے گی تو ﴿قَالُوْا﴾ وہ لوگ ایک دوسرے سے باہم سوال کریں گے اور پوچھیں گے: ﴿مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ﴾ تمہارے پروردگار نے کیا ارشاد فرمایا ہے ﴿قَالُوا الْحَقَّ﴾ وہ کہیں گے: (ہمارے پروردگار نے) حق فرمایا ہے، یعنی سچ ارشاد فرمایا اور وہ شفاعت کی اجازت ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ اور وہ اونچی شان والا بڑا بزرگ ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ والا اور سب سے بڑا بزرگ ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس دن بات نہیں کرسکے گا، مگر اس کی اجازت ملنے کے بعد بات کرسکے گا اور کوئی شفاعت نہیں کرسکے گا مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا، اس کے لیے شفاعت کی اجازت عطا فرمادے گا۔

۲٤- ﴿قُلْ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ نے ''قُل'' فرما کر حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کفارِ مکہ کو اس ارشادِ باری تعالیٰ کی تقریر سنائیں کہ ﴿مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں سے اور زمین سے تمہیں کون رزق عطا کرتا ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! خود ہی فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے۔ اس ارشاد میں

---

[1] بت تو کفار و مشرکین کی شفاعت اس لیے نہیں کرسکیں گے کہ ان کا مرتبہ سفارشیوں سے کم تر ہے کیونکہ سفارشی کے لیے مقرب خدا ہونا ضروری ہے اور وہ ایمان دار اور پرہیزگار ہوسکتا ہے نیز خود کفار و مشرکین شفاعت کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی شفاعت کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ کفر و شرک کی سرکشی میں منہمک و مستغرق ہیں اور انبیائے کرام اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر دوبارہ حکم دیا کہ آپ خود ہی جواب دے دیجئے اور انہیں اس بات کے اقرار پر قائل کیجئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے اور یہ ارشاد اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ کفار مکہ اپنے دلوں میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے مگر وہ اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اگر وہ اپنے مونہوں سے اقرار کر لیتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا کرتا ہے تو لازمی طور پر انہیں کہا جاتا کہ پھر تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے اور اس پر ان بتوں کو ترجیح کیوں دیتے ہو جو رزق وغیرہ دینے پر قدرت و اختیار کچھ نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل ارشاد میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں الزام دینے اور انہیں خاموش کرانے کے بعد ان سے فرما دیں کہ اگر وہ اپنی زبانوں سے اپنے اقرار میں مزید نہیں بڑھ سکتے تو وہ اس اقرار سے کوتاہی نہیں کر سکتے کہ ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ موحدین اور مشرکین کے دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقینی طور پر ہدایت اور صریح گمراہی میں سے کسی ایک پر ضرور ہے اور یہ اس منصف و عادل کا کلام ہے جس کی بات ہر دوست و دشمن سنتا ہے' جیسے تو اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے اور گزشتہ تقریر میں دلائل گزر چکے ہیں' جو اس بات پر واضح طور پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت پر ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے' لیکن بطور تعریض کلام کرنا خصوصاً سخت جھگڑالو مخالف سے تبلیغی غرض تک پہنچنے کے لیے بہترین طریقہ ہے اور اس کی مثال تمہارا اپنے جھوٹے فریق سے یہ کلام ہے کہ "اِنَّ اَحَدَنَا لَکَاذِبٌ" بے شک ہم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے' اور "هدی" اور "ضلال" پر داخل کیے گئے حروف جارہ اس لیے مختلف لائے گئے کہ صاحب ہدایت گویا تیز رفتار گھڑ سوار ہے' جدھر چاہتا ہے اسے دوڑا کر لے جاتا ہے اور گمراہ شخص گویا تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے' وہ نہیں جانتا کہ وہ کس طرف جائے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَکَآءَ کَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۷﴾

آپ فرما دیجئے کہ ہمارے اعمال کے متعلق تم سے نہیں پوچھا جائے گا اور تمہارے اعمال کے متعلق ہم سے نہیں پوچھا جائے گاO فرمائیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا' پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے گا اور وہ سب سے بڑا فیصلہ فرمانے والا سب کچھ خوب جاننے والا ہےO فرمائیے کہ مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز نہیں! بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے سب سے بڑا حکمت والا ہےO

۲۵-﴿قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (اگر) ہم نے جرائم کیے ہیں تو ان کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو' ان کے متعلق ہم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام پہلے سے زیادہ انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس میں جرم و خطاء کو اپنی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اس سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے اور عمل کو "مُخَاطَبِیْن" کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ وہ مامور بہ ہے' اس کے بجالانے پر جزا

مقرر کی گئی ہے۔

۲۶- ﴿قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہمیں جمع فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا ﴿ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ (یعنی) بغیر ظلم و زیادتی کے اور بغیر جانب داری کے فیصلہ کر دے گا ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ﴾ اور وہی سب سے بڑا حاکم ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہی فیصلہ جات کو سب سے بہتر اور سب سے خوب تر جانتا ہے۔

۲۷- ﴿قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (اے کافرو!) تم مجھے اپنے وہ معبود دکھاؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر ملا دیا ہے اور اس کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرالیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے اس لیے ''ارونی'' کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے کے کبیرہ گناہ سے خبردار کر دیں اور انہیں شرکِ الٰہی کی حالت سے آگاہ کر دیں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں یہ کلمہ ڈرانے دھمکانے اور تنبیہ کرنے کے لیے آتا ہے یعنی تم اس بات سے ڈرو اور اس شرکیہ بات سے بچو اور تم اپنی گمراہی سے آگاہ ہو کر اس سے باز آجاؤ ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ﴾ بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے سو اس کا کوئی شریک نہیں [اور ''ھو'' ضمیر شان ہے] ﴿الْحَكِیْمُ﴾ وہ اپنے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی میں بڑا دانا اور بہت حکمت والا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O فرما دیجئے کہ تمہارے لیے وعدے کا ایک دن مقرر ہے تم اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم آگے بڑھ سکو گے O

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ اور قیامت کا بیان

۲۸- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے (یعنی) ہم نے آپ کو ایسی رسالت عامہ سے نوازا ہے جو تمام بنی آدم کو عام ہے سب کو شامل ہے اور سب پر محیط ہے اس لیے کہ جب آپ کی نبوت و رسالت سب کو شامل ہے تو اس نے سب کو روک دیا کہ ان میں سے اب کوئی انسان رسالت محمدی ﷺ سے باہر نہیں ہو سکتا ہے[1]

[1] حضور سید عالم ﷺ کی رسالت عامہ کا ثبوت قرآن و احادیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا'' (الاعراف: ۱۵۸) ''(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ لغت میں ''کَآفَّةً'' کا معنی احاطہ کرنا ہے اور آیت مبارکہ کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے میں تمام لوگوں کے لیے جمع کرنے والا رسول بنا کر بھیجا ہے [اور ''کـافـة'' کو کاف (ضمیر مخاطب مفعول) سے حال قرار دیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ''ۃ'' اس معنی کی بناء پر مبالغہ کے لیے ہے جیسے ''روایة'' اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) ''تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا O'' (الفرقان:۱) ''بہت بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائے O''۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سیّد عالم ﷺ کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات' سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کو عالم کہتے ہیں' جس میں تمام خلق داخل ہے' علاوہ ازیں مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَآفَّةً'' یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ (ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ خوبیاں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) مجھے ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ عطا کیا گیا ہے (۲) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے' سو میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے تمام غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں (۴) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی اپنی خاص قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے جاتے تھے'' وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً'' اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دیگر تمام انبیائے کرام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جامع کلمات (مختصر الفاظ میں بہت زیادہ معانی بیان کرنا) عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب و دبدبہ کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد (یعنی پاک) اور پاک ہونے کا آلہ (قابل تیمم) بنا دیا گیا ہے (۵) ''وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَآفَّةً'' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) ''وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ'' اور میرے ساتھ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۵) امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۶) امام ابن ابی حاتم نے حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر نے بھی یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

(۷) امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو عرب و عجم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' سو اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم و معظم' افضل و اعلیٰ اور سب سے زیادہ آپ ہی کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی جائے گی۔

(۸) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو تمام عرب و عجم اور تمام امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۴۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

''علامۃ'' میں ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے | ﴿بَشِيْرًا﴾ آپ ﷺ توحید و رسالت کے اقرار کرنے والے ایمان ... والے کو فضل و کرم کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرنے والے ... آپ ﷺ عدل و انصاف کے سبب ڈرانے والے ہیں ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے' سو اس لیے ان کی جہالت و نادانی نے انہیں آپ کی مخالفت پر اُبھارا اور وہ آپ کے مخالف ہو گئے۔

۲۹- ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کے آنے کا وعدہ کب پورا ہو گا اور اس میں ''هٰذا'' سے اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا'' (سبا:۲۶) محبوب! فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا'' ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو۔

۳۰- ﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وعدہ کا دن تمہارے لیے مقرر ہے [''میعاد'' وعدہ کا ظرف مکان یا ظرف زمان ہے لیکن یہاں ظرف زمان مراد ہے جس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ''مِيْعَادٌ يَوْمٌ'' (''یوم'' مرفوع) پڑھا گیا ہے' اس صورت میں ''یوم''' ''میعاد'' سے بدل ہوگا اور لیکن اضافت کی صورت میں یہ اضافت بیانیہ ہو گی جسے ''بعیر سانیہ'' کہتے ہیں] ﴿لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم اس سے آگے جا سکو گے یعنی تم مہلت حاصل کر کے نہ اس سے پیچھے رہ سکو گے اور نہ جلدی کر کے تم اس کی طرف پہنچ سکتے ہو اور ان کے سوال کے مطابق جواب کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسی کے متعلق سوال کیا تھا اور وہ راہِ راست پر آنے کے لیے نہیں بلکہ وہ قیامت کا انکار محض عناد کی وجہ سے کرتے تھے' پس یہ ڈرانے اور دھمکانے والا جواب ان کے عناد و انکار پر مشتمل سوال کے مطابق ہے اور بے شک وہ لوگ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جو ان پر اچانک آن پڑے گا' سو وہ لوگ اس سے نہ پیچھے رہ سکیں گے اور نہ اس سے آگے جا سکیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور کافروں نے کہا: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی' اور کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' وہ ایک دوسرے کی بات کو رد کر رہے ہوں گے' اس وقت دبے ہوئے کمزور لوگ تکبر کرنے والے سرداروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مسلمان ہو جاتے ○ متکبر سردار کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی بلکہ تم خود مجرم ہو ○

منکرین اسلام کی ذلت ورسوائی کا بیان

۳۱- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا (یعنی) ابوجہل اوراس کے دیگر ساتھی قریش مکہ نے کہا کہ ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس پر جو آپ کے آگے ہے یعنی ہم نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی دوسری کتابوں کو مانتے ہیں یا آگے مستقبل میں آنے والی قیامت اور جنت ودوزخ کو ہم نہیں مانتے' یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے ہونے کا انکار کر دیا اوراس سے بھی انکار کر دیا جس پر قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے کہ حقیقی جزاء کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ اور کاش! آپ ظالموں کواس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے (یعنی) انہیں قید کر کے اپنے رب تعالیٰ کے پاس محاسبہ کرنے کے لیے روک لیا جائے گا اوراس وقت ﴿ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ﴾ وہ لوگ باہمی جھگڑے میں ایک دوسرے کی بات کی تردید کریں گے اوراس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے معاملات کے انجام کی اور آخرت میں خودان کے انجام کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یا پھر مخاطب سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آخرت میں انہیں محاسبہ کے لیے قیدی کی حالت میں رکا ہوا دیکھ لیتے جب کہ وہ باہمی گفتگو میں ایک دوسرے پر گھٹیا الزام لگا رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر بات پلٹا رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات کی تردید کر رہے ہوں گے تو ضرور تم عجیب عبرت ناک منظر دیکھتے' بہرحال ''لَوْ'' کے جواب کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا ﴾ جن لوگوں کو دنیا میں کمزور سمجھ رکھا گیا تھا یعنی پیروکار اور پس ماندہ لوگ اس وقت کہیں گے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ ان لوگوں سے جو سرکش بنے ہوئے تھے یعنی سرداروں اور لیڈروں سے (کہیں گے کہ) ﴿ لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مسلمان ہو جاتے (یعنی) اگر تم ہمیں کفر وشرک کی طرف نہ بلاتے تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ پر اوراس کے محترم ومکرم رسول پر ایمان لے آتے اور مسلمان ہو جاتے۔

۳۲- ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى ﴾ متکبر وسرکش سردار اپنے کمزور وپس ماندہ پیروکاروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں پہلا اسم یعنی ''نحن'' حرف انکار ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے سردار اس بات سے انکار کر دیں گے کہ انہوں نے کمزور اور پس ماندہ پیروکاروں کو ایمان قبول کرنے سے روکا تھا اور وہ یہ ثابت کریں گے کہ خود ان پس ماندہ پیروکاروں نے اپنے آپ کو ہدایت قبول کرنے سے روک کر رکھا تھا اور انہیں سرداروں کی طرف سے پورا پورا اختیار حاصل تھا ﴿ بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ ﴾ اس کے بعد کہ وہ ہدایت تمہارے پاس آ چکی تھی [اس کلام میں حرف ''اذ'' کو فعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے حالانکہ ''اِذْ'' اور ''اِذَا'' ان حروف ظروف میں سے ہیں جو لازمی طور پر ظرفیت کے لیے استعمال ہوتے ہیں' اس لیے کہ زمان میں جس قدر وسعت و گنجائش ہوتی ہے' اس کے غیر میں اس قدر وسعت نہیں ہوتی' سو اس لیے اس کی طرف ظرف زمان کو مضاف کیا گیا ہے] ﴿ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴾ بلکہ تم خود ہی مجرم یعنی کافر ہو کہ تم نے خود گمراہی کو ہدایت کے بدلے اختیار کر لیا اور تم نے خود ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی اور ہماری تحریک وترغیب اور ہمارے کہنے پر تم نے گمراہی اختیار نہیں کی تھی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ

اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ هَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝

دبے ہوئے کمزور لوگ متکبر سرداروں سے کہیں گے: بلکہ یہ تمہاری رات و دن کی فریب کاری تھی جب تم ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا حکم دیتے تھے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت و شرمندگی چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے انہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر انہیں کاموں پر جو وہ کرتے تھے O

۳۳- ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا﴾ اور کمزور و پس ماندہ لوگ متکبر و سرکش سرداروں سے کہیں گے [پچھلی آیت "قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا" میں حرف عطف نہیں لایا گیا ہے' اس لیے کہ کمزور لوگوں کا پہلا کلام "یقول الذین استضعفوا" گزر چکا ہے' سو اس کے جواب میں استیناف (الگ مستقل جملے) کے طریقہ پر حرف عطف کو حذف کر دیا گیا ہے' پھر کمزوروں کا کلام دوبارہ لایا گیا تو اس کو ان کے پہلے کلام پر عطف کیا گیا ہے] ﴿بَلۡ مَكۡرُ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ بلکہ رات اور دن کی سازش تھی "بل مکرکم بنا فی اللیل والنہار" بلکہ رات اور دن میں ہمارے ساتھ تمہاری سازش کارفرما تھی [چونکہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے اس لیے "لیل" کو مفعول بہ کے قائم مقام کیا گیا اور "مکر" کو اس کی طرف مضاف بنا دیا گیا ہے' یا پھر اسنادی مجازی کی بناء پر ان کے "لیل و نہار" کو مکر و فریب کار قرار دیا گیا ہے] یعنی رات اور دن نے طویل صحت و تندرستی اور سلامتی کے ذریعے ہمارے ساتھ سازش و فریب کاری کی تھی' یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ تم حق پر ہو ﴿اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ﴾ کیونکہ تم اس وقت ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور ہم اس کے لیے شریک ٹھہرائیں (یعنی) ہم اوروں کو اللہ تعالیٰ جیسا معبود قرار دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب متکبر و سرکش سرداروں نے "انحن صددناکم" کہہ کر کمزور و پس ماندہ پیروکاروں کے کفر کا سبب بننے سے انکار کر دیا اور "بل کنتم مجرمین" کہہ کر ثابت کر دیا کہ کمزوروں کا کفران کے اپنے کسب اور ان کے اپنے اختیار کی بناء پر ہے تو کمزور و پس ماندہ پیروکاروں نے "بل مکر اللیل والنہار" کہہ کر ان پر حملہ کیا اور اپنے انکار سے ان کے انکار کو باطل قرار دے دیا' گویا انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس جرم کا ارتکاب ہماری وجہ سے نہیں ہوا بلکہ رات اور دن کو ہمیشہ ہمارے ساتھ تمہاری سازش و فریب کاری کی وجہ سے ہوا تھا اور کفر و شرک کرنے اور بتوں کو خدا جیسا معبود قرار دینے کی ترغیب تم نے ہمیں دی تھی ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ﴾ اور وہ اپنی ندامت و شرمندگی چھپائیں گے (یعنی) وہ ندامت و پشیمانی کو چھپائیں گے یا اسے ظاہر کریں گے اور یہ "اسرّوا" لغۃ الاضداد سے ہے اور وہ ظالم ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" (سباء:۳۱) "جب ظالموں کو ان کے رب تعالیٰ کے پاس روک کر کھڑا کیا جائے گا" چنانچہ متکبر و سرکش سردار تو اپنے گمراہ ہونے پر اور دوسروں کو گمراہ کرنے پر نادم و پشیمان ہوں گے اور دبے ہوئے کمزور و پس ماندہ لوگ اپنے گمراہ ہونے پر اور گمراہ کرنے والوں کی پیروی کرنے پر پشیمان و شرمندہ ہوں گے ﴿لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (یعنی) جب وہ دوزخ کو دیکھیں گے ﴿وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ﴾ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے "ای فی اعناقھم" یعنی ان کی گردنوں میں' ضمیر کی بجائے صراحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ صراحت اس بات پر دلالت کرے کہ وہ لوگ طوقوں کے مستحق تھے ﴿هَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ انہیں صرف اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر وہ دنیا

میں عمل کرتے رہے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا (نبی) نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں نے کہا کہ تمہیں جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیںO اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں' اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گاO فرمایئے: بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ وہ تمہیں ہمارے ہاں مقرب کر دیں' مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرلے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ وہ جو بھی نیک عمل کریں گے اس پر انہیں دوگنا اجر و ثواب ملے گا اور وہ جنت کے بالاخانوں میں امن کے ساتھ رہیں گےO

پیغمبروں کے ساتھ سرکش مال داروں کے رویّے کا بیان

۳۴- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ﴾ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا (یعنی) نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں اور سرداروں نے کہا کہ ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک جس مشن کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور اس آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تکالیف کی وجہ سے تسلّی و تشفی دی گئی ہے' جن میں آپ کو اپنی قوم کی طرف سے آزمایا گیا کہ آپ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے تھے' آپ کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ کفر کیا اور کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نبی کبھی نہیں بھیجا گیا مگر وہاں کے خوش حال باشندوں نے اس سے وہی کچھ کہا جو کچھ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اور انہوں نے مال و دولت اور اولاد کی وسعت و کثرت پر فخر و غرور کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۳۵- ﴿وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور انہوں نے کہا: ہم مال و دولت اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اس کلام سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم و معزز ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور انہوں نے دنیا میں اپنے حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی تھی اور انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و معظم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی صورت میں اس قدر وسیع رزق عطا نہ فرماتا اور اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و ادنیٰ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی سے محروم نہ کرتا' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو باطل قرار دیا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے وہ

جیسے چاہتا ہے اسے تقسیم کرتا ہے' سوبعض اوقات نافرمان پر مال و دولت کو وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور مطیع وفرماں بردار پر مال و دولت کو تنگ و کم کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس کر دیتا ہے (کہ فرماں بردار کو مال دار اور نافرمان کو تنگ دست کر دیتا ہے) اور بعض اوقات دونوں کو مالی وسعت عطا فرما دیتا ہے اور بعض اوقات دونوں کو تنگ دست بنا دیتا ہے' سو ثواب کے معاملے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳۶- ﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے" قدر الرزق" کا معنی ہے: رزق کو تنگ کر دیتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ" (الطلاق:۷) "اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے نان نفقہ دے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے" ﴿ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۷- ﴿ وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی ﴾ اور نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی ہے جو تمہیں ہمارے قریب کر دیں["ای وما جماعة اموالکم ولا جماعة اولادکم (بالتی تقربکم)" یعنی اموال اور اولاد میں "جماعة" کا معنی اس لیے مراد لیا گیا ہے کہ جمع مکسر ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو' تانیث کے حکم میں برابر ہے اور "زلفٰی" اور "زلفة"' "قربٰی" اور "قربة" کی طرح ہیں اور یہ محلاً منصوب ہے "ای تقربکم قربةً" جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا○" (نوح:۱۷)]۔

﴿ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے [یہ "تقربکم" میں "کُمْ" ضمیر مخاطب سے استثناء ہے] یعنی مال و دولت کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر نیک مسلمان کا وہ مال اللہ تعالیٰ کا اسے مقرب بنا دیتا ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اولاد کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر اس شخص کی اولاد اسے مقرب خدا بنا دیتی ہے' جسے اس نے خیر و بھلائی کی تعلیم دی ہو اور انہیں دین کا فقیہ و ماہر عالم دین بنایا ہو اور انہیں نیکی اور اطاعت میں پختہ کر دیا ہو [اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ "اِلَّا" بہ معنی "لٰکِنَّ" ہے اور "مَنْ" اس کے جواب کی شرط ہے] ﴿ فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ سو یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال پر دوگنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا["جزاء الضعف" میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے' اس کی اصل یوں ہے: "فاولئک لهم ان یجاوزوا ثم جزاء الضعف" ہے اور "جزاء الضعف" کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایک نیکی پر دس گنا بڑھا کر نیکیاں دی جائیں گی اور یعقوب کی قراءت میں "جزاءً الضعفُ" ("جزاءً" تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور "الضعف" مبتدا کی بناء پر مرفوع ہے جس کی خبر "لهم" ہے) اس بناء پر کہ اصل میں "فاولئک لهم الضعف جزاءً" ہے اور "بما عملوا" بہ معنی "باعمالهم" ہے] ﴿ وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ ﴾ "ای غرف منازل الجنة" اور وہ لوگ بالا خانوں میں ہوں گے یعنی وہ جنت کی بالائی منزلوں میں ہوں گے [قاری حمزہ کسائی کوفی کی قراءت میں "فی الغرفة" (جمع کی بجائے واحد) ہے] ﴿ اٰمِنُوْنَ ﴾ امن و امان کے ساتھ رہیں گے (یعنی) جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کے خوف و ڈر اور ہر قسم کی مصیبت و تکلیف سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

اَلَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ

اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی لوگ حاضر کر کے عذاب میں ڈالے جائیں گے ○ فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور کسی کے لیے تنگ کر دیتا ہے' اور تم جو چیز خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدلہ (تمہیں ضرور) دے گا' اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے ○ اور وہ ایک دن ان سب کو جمع کرے گا' پھر وہ فرشتوں سے فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے ○

کفارِ مکہ کی سرکشیوں کا انجام

۳۸- ﴿وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ﴾ اور جو لوگ ہمیں عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں کو باطل ثابت کرنے میں کوششیں کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہیں حاضر کر کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

۳۹- ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ اور وسیع کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ ''یبسط'' بہ معنی ''یُوَسِّعُ'' ہے یعنی وسیع اور کشادہ کر دیتا ہے ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور تم جو کچھ خرچ کرو گے [اس میں حرف ''مَا'' شرطیہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور ''من شیء'' اس کا بیان ہے] ﴿فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ﴾ سو وہ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ صدقہ میں خرچ ہونے والے مال کا معاوضہ ضرور عطا فرمائے گا' اس کے سوا کوئی معاوضہ دینے والا نہیں ہے' خواہ وہ دنیا میں مال و دولت کی صورت میں بدلہ عطا فرما دے یا پھر آخرت میں اجر و ثواب کی صورت میں بدلہ عطا فرما دے [یہ شرط کا جواب ہے] ﴿وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے (یعنی) وہی سب کو کھلانے والا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر وہ شخص جو روز دیتا ہے اور خرچ کرتا ہے جیسے بادشاہ اپنے لشکر وغیرہ پر اور آقا اپنے غلام پر اور انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رزق سے خرچ کرتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں پر جاری فرما دیا اور وہی اللہ تعالیٰ رزق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان اسباب کو پیدا کرنے والا ہے جن کے ذریعے رزق پانے والے رزق حاصل کرتے ہیں اور بعض حضرات سے یہ حمد منقول ہے کہ ''**الحمد للّٰه الذی اوجدنی وجعلنی ممن یشتھی**'' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے ان لوگوں میں سے بنایا جو کھانے پینے کی خواہش رکھتے اور انہیں بھوک لگتی ہے کیونکہ کئی لوگ کھانے کی خواہش رکھتے ہیں مگر روزی نہیں پاتے اور کئی لوگ روزی تو خوب رکھتے ہیں مگر کھانے کی خواہش اور اشتہاء نہیں رکھتے۔

٤٠- ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا' پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ خطاب تو فرشتوں سے ہے لیکن مقصود

کفار کو ڈرانا اور دھمکانا ہے اور جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ'' (المائدہ:۱۱۶) ''کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے معبود بنالو'' [اور ان دونوں میں حفص اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (''یحشرھم'' اور ''یقول'' ہے)]۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

وہ عرض کریں گے: آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں آپ ہی ہمارے دوست ہیں وہ نہیں' بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں اکثر لوگ انہیں (جنوں) پر یقین رکھنے والے ہیں ○ سو آج تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے نہ نفع کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان کا' اور ہم ظالموں سے فرمائیں گے کہ تم اس آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ○

٤١-﴿قَالُوْا﴾ ''ای الملائکۃ'' وہ عرض کریں گے یعنی فرشتے کہیں گے: ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات اقدس اس سے منزہ ومبرّا ہے اور پاک ہے کہ تیرے ساتھ تیرے کسی غیر کی عبادت کی جائے ﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا﴾ آپ ہمارے حامی و ناصر اور ہمارے دوست ہیں۔ ''موالاۃ'' (دوستی) ''معاداۃ'' (دشمنی) کا متضاد ومخالف ہے اور یہ ''موالاۃ'' مفاعلہ کے وزن پر ''ولی'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قریب ہونا اور ''ولی'' ''موالی'' اور ''موالی'' دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہی وہ پاک ذات ہیں جس سے ہم محبت و دوستی کرتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ﴾ ان (کفار و مشرکین) سے ہمارا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی دوستی نہیں ہے' سو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی اور کفار کی عداوت و دشمنی ثابت کر کے واضح کر دیا کہ جو کفار ان کی عبادت کرتے تھے' وہ ان کی عبادت سے راضی نہیں بلکہ وہ ان کی شرکیہ عبادت سے بَری اور بے زار ہیں' اس لیے کہ جو اس صفت پر ہوگا اس کا حال کفار کے حال کے منافی ہوگا ﴿بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ﴾ بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے یعنی شیطانوں کی عبادت کرتے تھے کیونکہ کفار نے غیر اللہ کی عبادت و پرستش میں انہیں (شیطانوں) کی اطاعت تھی یا شیاطین بتوں کے اندر داخل ہیں کہ جب بتوں کی عبادت کی جاتی تو ان کی عبادت کے ساتھ ان شیاطین کی عبادت بھی کی جاتی یا پھر شیاطین نے جنوں میں سے ایک قوم کی خیالی تصویریں ان کے ذہنوں میں ڈال دیں اور کہا کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں' پس تم انہیں کی عبادت و پرستش کیا کرو ﴿اَكْثَرُهُمْ﴾ ان میں اکثر انسان یا اکثر کفار ﴿بِهِمْ﴾ ان پر (یعنی) جنات پر ﴿مُّؤْمِنُوْنَ﴾ یقین وایمان رکھنے والے ہیں۔

٤٢-﴿فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ﴾ سو آج تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی کے نقصان کا کوئی اختیار رکھتا ہے کیونکہ آج کے دن سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو واحد لاشریک ہے اور اس میں کوئی کسی کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور کوئی کسی کے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' اس لیے کہ آخرت کا گھر ثواب و عذاب کا گھر اور اجر و ثواب اور عقاب و عذاب دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' پس آخرت کا حال دنیا کے حال سے مختلف ہے کیونکہ دنیا دار التکلیف ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اور دنیا میں لوگ آپس میں اکٹھے رہتے ہیں' ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نفع بھی پہنچاتے ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نفع اور

نقصان دینے والا نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴾ اور ہم ظالم لوگوں سے کہیں گے: جنہوں نے عبادت کو اس کی اصل جگہ کی بجائے ناحق جگہ میں استعمال کیا کہ تم اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ ؕ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتیں تو کہتے کہ یہ تو نہیں مگر ایک ایسا آدمی جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور کہتے: یہ تو نہیں مگر گھڑا ہوا بہتان اور کافروں نے حق کے بارے میں کہا جب وہ ان کے پاس آیا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادوO اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجاO اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا اور یہ لوگ ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا' سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا' سو میرا انکار کرنا کیسا رہاO

کفارِ مکہ کو سابق کفار کے انجام کے تذکرہ سے انتباہ

٤٣- ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ﴾ اور جب ان پر ہماری روشن اور واضح آیتیں پڑھی جاتیں یعنی جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا تو ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہتے یعنی مشرکین کہتے: ﴿ مَا هٰذَآ ﴾ یہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں ہیں ﴿ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ ﴾ مگر ایک آدمی ہے جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے ﴿ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ ﴾ انہوں نے کہا کہ یہ یعنی قرآن مجید نہیں ﴿ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ ﴾ مگر گھڑا گھڑا یا بہتان ہے ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا یعنی اصل میں "وقالوا" ہونا چاہیے تھا مگر اسم ضمیر سے اسم ظاہر کی طرف عدول کفار کے عظیم ترین انکار کی اور اللہ تعالیٰ کے سخت ترین غضب و ناراضگی کے اظہار کی دلیل ہے ﴿ لِلْحَقِّ ﴾ حق (یعنی) قرآن مجید کے متعلق یا نبوت کے تمام لوازمات کے متعلق ﴿ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا اور وہ اس کی مثل کلام لانے سے عاجز آ گئے (تو انہوں نے کہا کہ) ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ یہ نہیں ہے یعنی یہ حق نہیں ہے مگر کھلم کھلا جادو ہے' کفار مکہ نے قرآن مجید اور امر نبوت کے متعلق یہ یقین کر لیا کہ یہ یقیناً جادو ہے' پھر ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا کہ ان کا جادو ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے' ہر عقل مند جو ان کے بارے میں غور و فکر کرے گا' وہ انہیں جادو کہے گا۔

٤٤- ﴿ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا ﴾ اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں یعنی ہم

نے مشرکین مکہ کو کوئی کتابیں وغیرہ نہیں دیں جن کو وہ پڑھتے ہوں کہ ان میں شرک کے صحیح ہونے پر کوئی مضبوط دلیل ہو ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا (یعنی) ہم نے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا' جو انہیں شرک پر عذاب سے ڈراتا تاکہ وہ شرک نہ کرتے اور اس سے بچ جاتے۔

٤٥- پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی طرف سے تکذیب کرنے اور جھٹلانے پر ڈرایا اور ارشاد فرمایا: ﴿ وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی اور جھٹلایا یعنی کفارِ مکہ سے پہلے گزشتہ امتوں اور گزشتہ قوموں نے رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا تھا جس طرح انہوں نے جھٹلایا ﴿ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَآ اٰتَيۡنٰهُمۡ ﴾ اور وہ اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا یعنی اہل مکہ تو اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو پہلے لوگوں کو طویل و لمبی عمریں اور جسمانی قوتیں اور اموال کی کثرت و فراوانی دی گئی تھیں ﴿ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴾ سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا تو گزشتہ جھٹلانے والے لوگوں کے لیے عذاب و ہلاکت کی صورت میں میرا انکار کیسا رہا' پس کفارِ مکہ کو اس طرح کے عذاب سے بچنا چاہیے یعنی جب گزشتہ قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا انکار ہلاکت و تباہی کی صورت میں ان پر آ گیا اور انہیں ان کی مدد کی طلب نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جن سے وہ مدد طلب کرتے تھے تو ان کفارِ مکہ کا کیا حال ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ''فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ'' فرمایا حالانکہ ''وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ'' کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ''وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ'' کا معنی یہ ہے کہ کفارِ مکہ سے پہلے لوگوں نے تکذیب کے فعل کا ارتکاب کیا اور اس پر جراء ت و اقدام کیا تو رسولوں کی تکذیب کو مسبب عنہ قرار دیا گیا اور یہ کسی کہنے والے کے اس قول کی طرح ہے کہ ''اقدم فلان علی الکفر فکفر بمحمد ﷺ'' یعنی فلاں آدمی نے کفر کرنے پر اقدام کیا تو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کر لیا۔

قُلۡ اِنَّمَآ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ۝٤٦ قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝٤٧

فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہو جاؤ' پھر غور و فکر کرو کہ تمہارے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے' وہ تو نہیں مگر آگے آنے والے سخت ترین عذاب سے تمہیں صرف ڈرانے والے ہیں○ فرمائیے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' سو وہ تمہارے لیے ہے' میری اجرت تو نہیں مگر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے○

حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غور و فکر کرنے کی نصیحت

٤٦- ﴿ قُلۡ اِنَّمَآ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت یعنی ایک خصلت کی نصیحت کرتا ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا ﴾ کہ تم کھڑے ہو

جاؤ] یہ ''بواحدۃ'' کا عطف بیان ہے اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ یہ بدل ہے اور ان دونوں وجہوں پر یہ محلاً مجرور ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ محلاً مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ''ھی ان تقوموا'' وہ ایک نصیحت یہ ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ یا پھر یہ اس تقدیر پر منصوب ہے کہ اس سے پہلے ''اعنی'' مقدر ہے |اور ان کے قیام سے مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھ جائیں اور آپ کے مجمع سے دور اِدھر اُدھر چلے جائیں یا یہ کہ بیٹھنے کی بجائے کسی چیز کی طرف جانے کے ارادے سے کھڑے ہو جائیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں تمہیں صرف نصیحت کرتا ہوں اگر تم نے اس پر صحیح طریقہ سے عمل کر لیا تو تم حق کو پالو گے اور تم نجات حاصل کر لو گے ''وَھِیَ اَنْ تَقُوْمُوْا'' ﴿لِلّٰهِ﴾ اور وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہو جاؤ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھڑے ہو جاؤ نہ حمیت و نخوت کے لیے اور نہ مذہبی تعصب دکھانے کے لیے بلکہ محض حق کی طلب میں کھڑے ہو جاؤ ﴿مَثْنٰى﴾ دو دو ﴿وَفُرَادٰى﴾ اور ایک ایک (ہو کر کھڑے ہو جاؤ) ﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا﴾ پھر تم حضرت سرورِ عالم محمد مصطفےٰ ﷺ کے معاملے میں اور جو تعلیمات آپ لے کر تشریف لائے ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرو لیکن رہے دو تو وہ دونوں غور و فکر کریں اور صحیح سوچیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی فکر و سوچ کا ماحاصل اپنے ساتھی پر پیش کرے اور وہ دونوں اس معاملہ میں عدل و انصاف اور سچ پر مبنی سوچ کے ساتھ غور و فکر کریں یہاں تک کہ سچی اور صحیح سوچ ان دونوں کو حق تک پہنچا دے گی اور اسی طرح ایک اور اکیلا شخص عدل و انصاف کے ساتھ اپنے دل میں غور و فکر کرے اور اپنی فکر و سوچ کو اپنی عقل پر پیش کرے اور دو دو اور ایک ایک کو دعوتِ غور و فکر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اجتماع میں لوگوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور دینی غیرت کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور تعصب کی وجہ سے صحیح سوچ میں رکاوٹ آ جاتی ہے اور ایسی صورت میں انصاف کم ہو جاتا ہے اور ظلم و ناانصافی بڑھ جاتی ہے اور تعصب کا جذبہ جوش مارنے لگتا ہے جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی باتیں ہوتی ہیں اور اپنے مذہب کی نصرت و حمایت کی وجہ سے خلافِ مذہب حق بات کو سنا نہیں جاتا اور اختلاف بڑھ جاتا ہے [اور ''تتفکروا'' ''تقوموا'' پر معطوف ہے]

﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ تمہارے صاحب یعنی سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ میں کوئی جنون نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پھر تم غور و فکر کرو تو تم جان لو گے کہ تمہارے اس صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ﴾ وہ صرف تمہیں آگے آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والے ہیں ''بین یدی'' بہ معنی ''قدام'' آگے آنے والا ہے اور وہ آخرت کا عذاب ہے اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''بُعِثْتُ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ'' مجھے قیامت کے آگے بھیجا گیا ہے[1]

تبلیغ پر طلب اجرت کی نفی کا بیان

۴۷- پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میرا محبوب ڈرسنانے پر کوئی اجرت و معاوضہ طلب نہیں کرتا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے پر کوئی اجرت و مزدوری نہیں مانگتا ﴿فَهُوَ لَكُمْ﴾ سو وہ تمہارے لیے ہے' یہ شرط کی جزا ہے اس کی تقدیر اس طرح ہے: ''اَیُّ شَیْءٍ سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ'' میں نے تم سے اجرت میں کون سی چیز مانگی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا'' (الفاطر: ۲) ''اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں'' اور اس کا معنی اور مطلب اجرت کے سوال کی بالکل مکمل نفی کرنا ہے جیسے ''مالی فی ھذا فھو لك'' اس میں

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۱۰' مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷ (۴۳-۴۵)' نسائی ج ۳ ص ۱۸۸' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵

میرے لیے جو کچھ ہے' سو وہ تیرے لیے ہے" "ای لیس لی فیہ شیء" یعنی میرے لیے اس میں کچھ نہیں ہے ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ﴾ میری اجرت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو اور حفص کی قراءت میں "اِنْ اَجْرِیَ" کی "یا" مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں "یا" ساکن ہے] ﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے' سو وہ خوب جانتا ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرنے اور تمہیں اس کی توحید کی طرف دعوت دینے پر اجرت وصلہ نہیں مانگتا مگر صرف اسی سے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اھْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۭ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (میرے دل میں) حق القاء فرماتا ہے' وہی غیبوں کو خوب جاننے والا ہےO فرما دیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ مرنے کے بعد اٹھائے گاO فرما دیجئے کہ اگر بفرضِ محال میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میرے گمراہ ہونے کا وبال صرف میری ذات پر ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ سب کچھ سننے والا بہت نزدیک ہےO

حق و باطل کا بیان

۴۸- ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (مجھ پر) حق القاء فرماتا ہے اور "قذف" کا معنی ہے: قرعہ اندازی کا تیر پھینکنا اور ڈالنا اور اسی طرح دفع کرنا اور رکھنا ہے' پھر اسے القاء کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ ارشادات ہیں: "وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ" (الاحزاب:۲۶) "اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈال دیا"۔ "اَنِ اقْذِفِیْہِ فِی التَّابُوْتِ" (طٰہٰ:۳۹) "یہ کہ تو اُسے صندوق میں ڈال دے" اور "یَقْذِفُ بِالْحَقِّ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کی طرف حق القاء فرماتا ہے اور ان پر حق نازل فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ حق کے ذریعہ باطل کو دور پھینکتا ہے تو اسے مٹا دیتا ہے اور اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے ﴿عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے [یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ "یقذف" کی ضمیر سے بدل ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے "ای ھُوَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ" یعنی وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے]۔

۴۹- ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق آ گیا ہے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید آ گیا ہے ﴿وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ﴾ اور باطل نہ کسی کو پہلے پیدا کرتا ہے اور نہ کسی کو دوبارہ لوٹاتا ہے یعنی باطل مٹ گیا اور ہلاک و تباہ ہو گیا کیونکہ ابتداء اور اعادہ زندہ کی صفات میں سے ہے' سو ان دونوں کے معدوم ہونے سے ہلاکت مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ" (الاسراء:۸۱) "حق آ گیا اور باطل مٹ گیا" اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ایک درخت کی لکڑی کعبہ معظمہ کے اردگرد نصب بتوں کو چھوتے جاتے اور فرماتے جاتے: "جَآءَ الْحَقُّ

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا' جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ'' [1] حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا' حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ کرے گا۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ باطل سے بت مراد ہیں اور بعض نے فرمایا کہ ابلیس مراد ہے کیونکہ وہی صاحب باطل ہے یا اس لیے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شیطان ''شــاط'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: وہ ہلاک ہوا' کیونکہ جب کوئی ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''شــاط'' وہ ہلاک ہو گیا ہے یعنی شیطان کسی کو پیدا نہیں کرتا اور نہ بت کسی کو پیدا کرتے ہیں اور نہ وہ کسی کو دوبارہ اٹھائیں گے' پس پیدا کرنے والا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

گمراہی کے الزام پر کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متواضعانہ جواب

شانِ نزول: جب کفارِ مکہ نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کر کے گمراہ ہو گئے ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالك) تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کی اور ارشاد فرمایا:

۵۰- ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بفرضِ محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میری گمراہی کا وبال میری ذات پر ہو گا یعنی بفرضِ محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو یہ گمراہی میری طرف سے ہو گی اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہو گا ﴿وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ﴾ اور اگر میں ہدایت پر ہوں (اور یقیناً ہوں) تو یہ اس لیے ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی نازل فرماتا ہے' سو اسی نے میری طرف وحی بھیج کر مجھے ہدایت پر گامزن فرما دیا اور تقابل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا: ''(وَاِنِ اهْتَدَيْتُ) فانما اهتدى لها'' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو بلاشبہ میں صرف اپنی ذات کے لیے ہدایت پر ہوں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا'' (الزمر:۴۱) ''سو جس نے ہدایت حاصل کی تو اپنے فائدے کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو بلاشبہ وہ صرف اپنی ذات پر گمراہی کا وبال ڈالتا ہے'' اور لیکن یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے کے متقابل ہیں کیونکہ ہر وہ چیز جو نفس پر پڑے گی اور اس کے لیے نقصان دِہ ثابت ہو گی تو وہ اسی کی وجہ سے ہو گی اور اسی کے سبب ہو گی اس لیے کہ نفس ہی بُرائی کا حکم دینے والا ہے اور مفید و نافع چیزوں میں جو چیز اس کے لیے فائدہ مند اور نفع بخش ہو گی تو وہ صرف اس کے رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت اور اس کی توفیق کی وجہ سے ہو گی اور یہ حکم ہر مکلّف کے لیے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم اور اپنے معصوم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کریں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلیل القدر اور عظیم المرتبہ ہونے کے باوجود اور سیدھے راستے پر گامزن ہونے کے باوجود جب آپ اس کے حکم کے تحت داخل ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے بطریق اولیٰ اس حکم میں داخل ہیں ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے جو میں تم سے کہتا رہتا ہوں ﴿قَرِيْبٌ﴾ وہ میرے اور تمہارے سب کے نزدیک ہے' وہ مجھے بھی جزائے خیر عطا فرمائے گا اور وہ تمہیں بھی سزا دے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۷۷' البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸۷' مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۱

بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

اور کاش! آپ کفار کو اس وقت دیکھتے جب وہ گھبرا رہے ہوں گے اور بھاگ نہیں سکیں گے اور انہیں نزدیکی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O اور وہ کہیں گے: ہم اس پر ایمان لائے' اور انہیں اتنی دور کی جگہ سے ایمان کیسے حاصل ہو سکتا ہے O اور بے شک وہ اس سے پہلے اس کے ساتھ کفر کر چکے تھے' اور وہ بہت دور کی جگہ سے غیب کے متعلق بدگمانی کی جھوٹی باتیں کرتے تھے O اور (اس روز) ان کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جسے وہ چاہتے ہوں گے ایک پردہ ڈال دیا جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے کفار کی جماعتوں کے ساتھ کیا گیا' بے شک وہ تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے O

کفار کی ندامت و گھبراہٹ کا بیان

۵۱- ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى ﴾ اور کاش! آپ دیکھتے [اس کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر آپ اس وقت دیکھتے تو البتہ بہت بڑا ہولناک معاملہ اور بہت دہشت ناک معاملہ دیکھتے ﴿ اِذْ فَزِعُوْا ﴾ جب وہ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے روز قبروں سے اٹھتے وقت یا موت کے وقت مضطرب و پریشان اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا پھر جب وہ غزوۂ بدر کے دن خوف کے مارے گھبرائے ہوئے تھے ﴿ فَلَا فَوْتَ ﴾ سو وہ بھاگ نہیں سکیں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نکل سکیں گے ﴿ وَاُخِذُوْا ﴾ اور انہیں پکڑ لیا جائے گا [یہ "فزعوا" پر معطوف ہے] یعنی جب وہ مضطرب و گھبرائے ہوئے ہوں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا تو اس وقت ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی [یا یہ "فلا فوت" پر معطوف ہے] اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے تو وہ بچ نہیں سکیں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا ﴿ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴾ نزدیک کی جگہ سے یعنی موقف سے پکڑ کر دوزخ کی آگ کی طرف لے جائے گا' جب وہ قبروں سے اٹھیں گے یا جب وہ مریں گے تو انہیں زمین کی اوپر کی سطح سے زمین کی گہرائی میں لے جایا جائے گا یا بدر کے صحرا سے اس کے قلیب نامی کنویں میں پھینک دیا جائے گا۔

۵۲- ﴿ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ﴾ اور جب وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں (یعنی) ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ آپ کا ذکر "مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ" (سباء:۴۶) میں گزر چکا ہے یا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴾ اور انہیں دور کی جگہ سے ایمان لانا کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ "التناوش" کا معنی ہے: کسی چیز کو پانا اور حاصل کرنا یعنی وہ توبہ کیونکر پائیں گے اور کیسے حاصل کریں گے حالانکہ وہ ان سے بہت دور ہو چکی ہے' مقصد یہ ہے کہ بے شک توبہ تو ان کی طرف سے دنیا میں قبول کی جاتی تھی اور وہ یقیناً گزر چکی ہے اور آخرت سے بہت دور ہو گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ان کی ایسی طلب کی تمثیل ہے جو حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ یہ ہے کہ اس وقت بھی انہیں ان کا ایمان لانا اس طرح نفع اور فائدہ دے جس طرح مسلمانوں کو دنیا میں ان کے ایمان نے فائدہ دیا اور ان کے حال کی اس شخص کے حال کے ساتھ مثال دی گئی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ دور سے ایک چیز حاصل کر لے

جس طرح دوسرا شخص صرف ایک ہاتھ کی مقدار کے فاصلہ سے کسی چیز کو حاصل کرتا ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ اور ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "التناؤش" ہے اور یہ ہمزہ واؤ سے تبدیل کیا گیا ہے کیونکہ ہر وہ واؤ جو مضموم ہو اور اس کا ضمہ لازمی ہو تو تمہیں اختیار ہے چاہو تو اسے ہمزہ سے بدل دو اور اگر چاہو تو نہ بدلو جیسے "اُدْؤُرْ وَتَقَاؤُمْ" ہے اور اگر چاہو تو "اُدْوُرْ" اور "تَقَاوُمْ" کہہ دو اور ثعلب نے کہا: "التناؤش" ہمزہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: دور سے حاصل کرنا' اور "التناوش" بغیر ہمزہ کے ہو تو پھر معنی ہوگا: نزدیک سے حاصل کرنا]۔

۵۳- ﴿وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک وہ اس سے پہلے (یعنی) عذاب دیکھنے سے پہلے یا پھر دنیا میں وہ آپ کے ساتھ کفر کر چکے تھے ﴿وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ﴾ اور وہ بن دیکھے تیر پھینکتے ہیں [یہ "قد کفروا" پر معطوف ہے اور یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] یعنی وہ لوگ (دنیا میں) غیب کے بارے میں باتیں کرتے تھے یا غائب چیز کے بارے میں باتیں کرتے تھے' چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہوگا اور نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی جنت بنی ہے اور نہ دوزخ بنی ہے ﴿مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ﴾ دور کی جگہ سے یعنی سچ سے یا حق سے یا راہِ راست سے دور یا پھر ان کا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا مراد ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ شاعر' ساحر و جادوگر اور کذاب و جھوٹے ہیں اور یہ امر مخفی اور غیب کی گفتگو ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو نہ جادو کرتے دیکھا اور نہ شعر و اشعار پڑھتے دیکھا اور نہ آپ کو جھوٹ بولتے دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے حال اور مرتبہ و شان سے بہت دور بن دیکھے غیب کی یہ باتیں کہنا شروع کر دیں' اس لیے کہ یہ بہت بعید بات ہے کہ آپ قریش مکہ کے سامنے جادو اور اشعار پیش کریں اور آپ کی عادتِ مبارکہ جو اہل مکہ کے درمیان مشہور و معروف اور مجرب تھی اس سے بہت بعید بات ہے کہ آپ ان کے سامنے جھوٹ بولتے [اور ابوعمرو کی قراءت میں "ویقذفون" مبنی بر مفعول ہونے کی بناء پر فعل مجہول ہے] یعنی کفار کے پاس ان کے شیاطین غیب کی باتیں لاتے اور وہی انہیں اس کی تلقین کرتے تھے اور اگر تم چاہو تو اس کو ارشادِ باری تعالیٰ "وقالوا امنا به" کے متعلق کر دو' اس بناء پر یہ ان کی طلب کی تمثیل بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت میں "امنا" ہم ایمان لائے کہہ کر دنیا میں جو انہوں نے ایمان کو معطل کر دیا تھا اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ مطلب اس شخص کے لیے ناممکن ہے جو دنیا میں بن دیکھے دور کی جگہ سے تیر تکے چلاتا رہا اور اٹکل پچو سے باتیں بناتا رہا اور ظن و گمان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس سے بہت بعید اور غائب ہے اور یہ جائز ہے کہ "امنا به" کی ضمیر کو عذابِ شدید کی طرف لوٹایا جائے' جو ارشادِ باری تعالیٰ: "بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ O" (سبا: ۴۶) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ لوگ آخرت کے معاملے کو دنیا کے معاملے پر قیاس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: اگر معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح تم بیان کرتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی اور عذاب و ثواب ہوگا تو پھر ہمیں عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم و معظم ہیں' سو یہ تھا ان کی طرف سے غیب کی بات کرنا اور یہ واقعی غیب ہے اور اسے بہت دور کی سمت سے پھینکا گیا ہے کیونکہ دار الجزاء (آخرت) کو دار التکلیف (دنیا) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۵۴- ﴿وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾ اور ان کفار کے درمیان اور ان کی خواہش و چاہت کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے گا (اور قیامت کے روز ان کی چاہت یہ ہوگی کہ) اس روز ان کا ایمان لانا مفید ثابت ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل ہو جائے اور جنت میں دخول کی کامیابی حاصل ہو جائے یا یہ کہ انہیں دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ان کی طرف سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ "وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا

رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ''(السجدہ:۱۲) ''اور کاش! آپ اس وقت مشرکوں کو ملاحظہ فرماتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (اور عرض کریں گے:) اے ہمارے پروردگار! (اب) ہم نے دیکھ لیا ہے اور سن لیا ہے' سو آپ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیں تا کہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہمیں یقین آ گیا ہے''O اور وہ افعال جو (فعل ماضی کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں وہ) یہ ہیں: ''فَزِعُوْا'' اور ''اُخِذُوْا'' اور ''حِیْلَ'' یہ سب ایک معنی کے لیے ہیں اور ان سب سے مستقبل کا معنی مراد ہے کیونکہ ان کا تحقق ضرور وقوع پذیر ہوگا ﴿كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ﴾ جس طرح اس سے پہلے ان جیسے کفار کے ساتھ کیا گیا ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ﴾ بے شک وہ لوگ بھی رسولوں اور مرنے کے بعد اٹھنے کے معاملے میں شک میں مبتلا تھے ﴿مُرِيبٍ﴾ تردد میں ڈالنے والا 'یہ ''من ارابہ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو شک میں ڈال دے۔ یہ کلام پاک اس شخص کا رد کر رہا ہے' جس نے گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ شک پر عذاب نہیں دے گا۔

آیاتہا ۴۵ رکوعاتہا ۵	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O	(۳۵) سورۃ فاطر مکیۃ (۴۳)
اس کی پینتالیس آیات' پانچ رکوع ہیں	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO	سورۂ فاطر مکی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو از سر نو پیدا کرنے والا فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے' جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہےO اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لیتا ہے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہےO

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے تکذیبی رویّہ کا بیان

۱- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی حمد وثناء کرنے کی تعلیم دینے اور اپنی عظمت کے اظہار کے لیے اپنی ذات کی خود تعریف بیان فرمائی ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے اور ان کو بغیر مادہ ونقشہ کے پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ''فاطر'' کا معنی نہیں سمجھتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ دو اعرابی ایک کنوئیں کے بارے میں میرے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: ''اَنَا فَطَرْتُهَا اَىْ اِبْتَدَاْتُهَا'' میں نے اسے کھودا ہے' یعنی سب سے پہلے ابتداء میں میں نے اسے بنایا ہے ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾ وہ

فرشتوں کو اپنے مخصوص بندوں کی طرف رسول اور پیغام بر بنانے والا ہے (جو بہ ذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے نبیوں اور رسولوں کی طرف پہنچاتے تھے) ﴿اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کے دو دو پر ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک کے دو دو پر ہیں اور ایک گروہ کے تین تین پر ہیں اور ممکن ہے کہ تیسرا پر دو پروں کے درمیان پشت کے وسط میں ہو اور ان دونوں کو قوت کے ساتھ دراز کرتا ہو اور ایک گروہ کے چار چار پر ہیں [''اولو''،''ذو'' کا اسم جمع ہے اور یہ ''رسلا'' سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے اور ''اجنحة''،''جناح'' کی جمع ہے اور ''مثنی و ثلاث و رباع'' تینوں ''اجنحة'' کی صفات ہیں اور منصرف صرف اس لیے نہیں کہ ان میں عدل مکرر ہے اور یہ اس لیے کہ یہ تینوں اسماء اعداد کے الفاظ سے ایک صیغے سے دوسرے کی طرف معدول کیے گئے ہیں (''اثنان''،''اثنان'' سے ''مثنٰی'' اور ''ثلاثة''،''ثلاثة'' سے ''ثلاث'' اور ''اربعة''، ''اربعة'' سے ''رباع'' کی طرف عدول کیا گیا) جیسا کہ عمر عامر سے معدول ہے اور یہ اسماء تکرار سے غیر تکرار کی طرف معدول کیے گئے ہیں] ﴿یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ﴾ وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پروں اور دیگر چیزوں میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے[1]

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ تخلیق میں اضافے کا مطلب ہے: خوب صورت چہرہ، خوب صورت آواز، خوب صورت بال، خوب صورت تحریر اور آنکھوں میں ملاحت ہو اور یہ آیت مبارکہ مطلق تخلیق میں ہر قسم کے اضافہ کو شامل ہے، مثلاً دراز قد ہونا اور شکل وصورت کا معتدل ہونا اور صائب الرائے ہونا اور زبان میں روانگی ہونا اور مسلمانوں کے دلوں میں محبت اور اس جیسی دیگر چیزیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲- ﴿مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے۔''رحمة'' میں عموم پیدا کرنے اور اسے مبہم رکھنے کے لیے نکرہ لایا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''من اية رحمة'' کوئی رحمت ہو خواہ وہ رزق ہو یا بارش ہو یا صحت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ سو اسے کوئی روکنے والا نہیں (یعنی) کوئی شخص اس کے روکنے اور اس کو بند کرنے پر قدرت واختیار نہیں رکھتا اور ''فتح'' کا لفظ اطلاق وارسال (چھوڑنے اور کھولنے) کے لیے بطور استعارہ لایا گیا ہے جیسا کہ اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ ﴿وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے (یعنی) منع کر دیتا ہے اور بند کر دیتا ہے تو پھر اس کے روک لینے کے بعد کوئی شخص اسے چھڑانے والا نہیں ہوتا [اور ''فلا ممسك لها'' میں مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے جو شرط کے معنی پر مشتمل اسم کی طرف لوٹتی ہے، رحمت کے معنی کے لیے پھر اس کو مذکر بیان کیا مرجوع الیہ کے لفظ پر محمول کر کے کیونکہ اس میں تانیث نہیں ہے، اس لیے پہلے رحمت کی وضاحت و تفسیر کی گئی ہے، پس تفسیر وتوضیح ضمیر کی اتباع میں عمدہ ہوتی ہے اور دوسرے کی تفسیر نہیں کی گئی سو اصل تذکیر پر چھوڑ دیا گیا ہے]۔

---

[1] امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی، آپ نے ارشادِ باری تعالیٰ ''لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی○'' ''بے شک حضور نے اپنے رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں○'' کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔ علامہ جار اللہ زمخشری نے بعض کتب کے حوالے سے بیان کیا کہ فرشتوں کی ایک قسم کے چھ پر ہوتے ہیں، دو پروں کے ساتھ وہ اپنے جسموں کو لپیٹ لیتے ہیں اور وہ دو پروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اُمور میں سے کسی امر کے لیے اُڑتے ہیں اور وہ دو پروں کو اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کی بناء پر اپنے چہروں پر لٹکائے رہتے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت اس امت پر اس وقت تک کشادہ اور کھلا رہے گا جب تک اس امت کے بہترین افراد بدترین لوگوں کے ساتھ نرمی نہیں کریں گے اور اس کے نیک و پرہیزگار حضرات اس کے بُرے اور نافرمان لوگوں کی تعظیم نہیں کریں گے' اور علماء و قراء اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حکامِ بالا کی مدد نہیں کریں گے' سو جب یہ حضرات ایسے کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت و شفقت ان سے چھین لے گا۔ (احیاء العلوم للغزالی ج ۲ ص ۱۵۰) ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ ﴾ اور وہ اپنی رحمت کے بھیجنے اور روکنے پر پوری طرح قادر و غالب ہے ﴿ الْحَكِيمُ ﴾ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہی بھیجتا اور روکتا ہے جس کے بھیجنے اور روکنے کا حکمت تقاضا کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٣﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤﴾

اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو' کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق عطا کرتا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے' اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O

۳- ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو زبان سے بھی اور دل میں بھی یاد کیا کرو اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے جیسے بچھونے کی طرح زمین کو پھیلانا و بچھانا اور آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی راہوں کو بیان کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجنا اور تخلیق میں سب سے بڑی نعمت پر تنبیہ فرمائی اور وہ ہے منعم و محسن کا واحد لاشریک ہونا' چنانچہ فرمایا: ﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ [''غیر'' اپنے موصوف کے محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ خالق مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور وہ ''لکم'' ہے اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''غیر'' کو اپنے موصوف کے لفظ پر محمول کر کے مجرور پڑھا گیا کیونکہ ''خالق'' حرف ''من'' کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے] ﴿ يَرْزُقُكُم ﴾ جو تمہیں رزق دیتا ہے [یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خالق کی صفت ہو یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے] ﴿ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے کھیتی باڑی اور دیگر مختلف اقسام کے نباتات کے ذریعے ﴿ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [یہ جملہ مفصولہ ہے' اس کا اعراب کے محل سے کوئی تعلق نہیں] ﴿ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴾ سو تم کس وجہ سے توحید سے منہ موڑ کر شرک کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

٤- ﴿ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعہ قریش مکہ پر طعن فرما کر ان کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا بہت بُرے طریقے سے سامنا کیا اور انہوں نے آیات الٰہیہ کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول اکرم کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے کے انبیائے کرام علیہم السلام میں آپ کے لیے نمونہ موجود ہے اور اسی لیے ''رُسُلٌ'' کو نکرہ لایا گیا ہے یعنی بہت بڑی اور کثیر تعداد والے' آیات لانے اور ڈرانے والے' بڑی

طویل ولمبی عمریں پانے والے اور بڑے صبر و استقلال اور عزم و ہمت والے رسولوں کی تکذیب کی گئی' مگر انہوں نے صبر کیا' اس لیے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور تقدیر کلام یہ ہے: ''وان یکذبوك فتاس بتکذیب الرسل من قبلك'' اور اگر کفارِ مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ اپنے سے پہلے انبیاء ورسل کی تکذیب وجھٹلانے کے ذریعے صبر کیجئے [کیونکہ جزاءِ شرط کے بعد ہوتی ہے اور اگر اسے ظاہر پر جاری رکھا جائے تو جزاءِ شرط پر سابق ہو جائے گی' پس ''فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ'' کو ''فتاس'' کی جگہ رکھا گیا ہے کہ سبب کے ذریعے مسبّب سے بے نیازی مل گئی ہے یعنی تکذیب کے ذریعے ''تاسی'' سے بے نیازی مل گئی ہے] ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ اور تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ جانے' اور جھٹلائے گئے رسولوں اور نبیوں کو جزائے خیر عطا کرنے' اور جھٹلانے والے کفار کو سزا دینے کی وجہ سے یہ کلام وعدہ اور وعید دونوں پر مشتمل ہے [ابن عامر شامی' حمزہ' علی کسائی' خلف یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''تا'' مفتوح (''تَرْجِعُ'' فعل مضارع معروف) ہے]۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۗ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے' اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں کوئی فریب دینے والا فریب میں نہ ڈال دے O بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو' بے شک وہ اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں O

شیطان کی فریب کاری پر انسانوں کو تنبیہ

۵- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (یعنی) مرنے کے بعد اُٹھنے اور نیکیوں پر جزا اور برائیوں پر سزا کا وعدہ سچا ہے' ضرور ہو کر رہے گا ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ سو تمہیں دنیا کی زندگی غرور میں نہ ڈال دے (یعنی) پس تمہیں دنیا دھوکے میں نہ ڈال دے اور دنیا کی عیاشی اور اس کے فوائد و منافع کی رنگینیاں اور لذتیں تمہیں آخرت کے عمل سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی نعمتوں کی طلب سے غافل و بے خبر نہ کر دیں ﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور تمہیں کوئی فریب دینے والا اللہ تعالیٰ کے بارے میں فریب میں نہ ڈال دے یعنی شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ وہ تمہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت و ریاضت سے اور تمہیں عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔

٦- ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ ﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے جس کی عداوت و دشمنی ظاہر ہے' تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا وہ کیا' لیکن تم اس کے ساتھ اس شخص کی طرح معاملہ کرتے ہو جیسے اس کے حال کا کچھ علم نہیں ہے ﴿ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ سو تم اپنے عقائد اور اپنے افعال میں اسے دشمن بنائے رکھو اور وہ تم سے اس کے سوا اور کوئی رویہ نہ پائے' جو صرف اس کی عداوت و دشمنی پر دلالت کرتا ہو' خواہ تمہارے معاملات پوشیدہ ہوں یا علانیہ ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پوشیدہ کارروائی کا خلاصہ بیان کیا اور اس کی پیروی کرنے والے کی غلطی کا اظہار کیا کہ شیطان کی

غرض و غایت جس کو وہ اپنے گروہ کو دعوت دینے میں پیش نظر رکھتا ہے' وہ یہ ہے کہ وہ انہیں ہلاکت کے گھاٹ میں اتار دے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ بے شک شیطان اپنے گروہ کو صرف اس لیے دعوت دیتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۠(۷) اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۫ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۸) ع

جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے O سو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما کر دیا گیا ہو اور وہ خود بھی اسے نیک عمل خیال کرتا ہو (تو کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہو سکتا ہے' ہرگز نہیں)' سو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے' پس آپ کا دل ان (کی گمراہی) پر غم ناک نہ ہو' بے شک اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں O

۷- ﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ﴾ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' ان کے لیے سخت عذاب ہے یعنی سو جس نے شیطان کی دعوت کو قبول کر لیا اور کافر ہو گیا جب اس نے اسے دعوت دی تو ایسے شخص کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ ایسا شخص اس کے گروہ میں سے ہو گیا یعنی اس کے پیروکاروں میں سے ہو گیا ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور انہوں نے شیطان کی نہ دعوت قبول کی اور نہ اس کے گروہ میں شامل ہوئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے' اس لیے کہ انہوں نے بہت بڑا جہاد کیا ہے۔

۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فریقوں (مسلم و کافر) کا ذکر فرمایا تو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ﴾ سو کیا جس شخص کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہو اور وہ اس کو شیطان کے آراستہ کرنے اور خوش نما بنانے کی وجہ سے نیک عمل خیال کرتا ہو' اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے آراستہ نہیں بنایا گیا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۫ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے' پس آپ کا دل ان پر حسرت ناک نہ ہو' اور علامہ زجاج نے ذکر کیا کہ مطلب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے آراستہ کر دیئے گئے' اس پر آپ کا دل افسوس ناک ہوتا ہے؟ جواب کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ'' دلالت کر رہا ہے یا یہ معنی ہے کہ تو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے آراستہ کر دیئے گئے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے' سو جواب حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ

مَنْ یَّشَآءُ'' دلالت کر رہا ہے [یزید کی قراءت میں ''فَلَا تُذْهِبْ نَفْسَكَ'' (باب افعال سے) ہے یعنی آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کر دیں ''حسرات'' مفعول لہ ہے یعنی آپ اپنے آپ کو حسرت وغم کی وجہ سے ہلاک نہ کر دینا اور ''علیهم'' ''تذهب'' کا صلہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''هلك عليه حبًّا ومات عليه حزنًا'' فلاں شخص اس پر محبت وعشق کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور فلاں آدمی اس پر غم ورنج کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور ''علیهم''، ''حسرت'' کے متعلق کرنا جائز نہیں کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے پہلے نہیں آتا] ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ یہ کلام ان کے لیے ان کی بُری کارکردگی پر سزا دینے کی وعید (یعنی دھمکی) ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓىِٕكَ هُوَ یَبُوْرُ ۝۱۰

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا' سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' پھر ہم اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں' اسی طرح مرنے کے بعد اٹھنا ہے O جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' پاکیزہ کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور جو نیک عمل ہے اسے اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے' اور انہیں کی سازش تباہ ہو گی O

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور بتوں کی بے بسی کا بیان

۹۔ ﴿وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''الریح'' ہے] ﴿فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ﴾ سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''مَیِّت'' کی ''یا'' مشدد ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''یا'' ساکن ہے] ﴿فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ پھر ہم اس کے ذریعہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں (یعنی) ہم بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کر دیتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے بادل کے ضمن میں بارش کا ذکر گزر چکا ہے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ اس کے مردہ ہو جانے کے بعد (یعنی) اس کے خشک و بنجر ہو جانے کے بعد اور ''فتثیر'' محض اس لیے فرمایا گیا ہے تا کہ اس حال کی حکایت بیان کی جائے جس میں ہوائیں بادل کو اٹھا کر واقع ہوتی ہیں اور اس صورت کو سامنے لایا جائے' جو رب تعالیٰ کی قدرت واختیار پر رہنمائی کرتی ہے اور لوگ بھی اسی طرح کوئی کام کرتے ہیں جس میں عجیب وغریب حال کے ساتھ ایک قسم کا امتیاز وخصوصیت پائی جائے اور اسی طرح بادل کو کسی مردہ شہر کی طرف لے جانا اور زمین کو اس کے مردہ اور بنجر ہو جانے کے بعد بارش کے ذریعے زندہ کرنا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ''فَسُقْنَا'' اور ''اَحْیَیْنَا'' دونوں کو غائب کے لفظ سے جمع متکلم کی طرف اس لیے منتقل کیا گیا ہے کہ یہ اختصاص میں زیادہ دخیل ہیں اور قدرتِ ربانی پر دلالت ورہنمائی زیادہ کرتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ اسی طرح اٹھنا ہے یعنی جس طرح

اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے' اسی طرح وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک ایسے پانی سے زندہ فرمائے گا جسے عرش کے نیچے سے برسائے گا جس سے تمام مخلوق کے اجسام اُگنا شروع ہو جائیں گے۔

۱۰۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں' دنیا کی عزت بھی اور آخرت کی عزت بھی اور کفار نا ہنجار بتوں سے عزت حاصل کرتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّاO'' (مریم:۸۱) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے عزت وغلبہ کا باعث بن جائیںO'' اور جو لوگ صرف اپنی زبانوں کے ساتھ ایمان لائے جب کہ ان کے دل زبانوں کے موافق نہیں' وہ مشرکین سے عزت وغلبہ حاصل کرتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًاO'' (النساء:۱۳۹) ''جو لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنا لیتے ہیں کیا وہ ان کے ہاں عزت طلب کرتے ہیں' سو بے شک تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہےO'' پس اللہ تعالیٰ نے واضح بیان کر دیا کہ تمام عزتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' سو اب معنی یہ ہوگا کہ جو عزت چاہتا ہے ''فَلْيَطْلُبْهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس طلب کرے' پس ''فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا'' کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت بھی کرتا ہے اور اس سے بے نیاز بھی کرتا ہے' اس لیے کہ جو چیز بھی طلب کی جاتی ہے' وہ اس کے مالک سے طلب کی جاتی ہے جس کے پاس وہ چیز ہوتی ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: ''من اراد النصیحة فھی عند الابرار'' جو شخص نصیحت چاہتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے پاس ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نصیحت انہیں نیک لوگوں سے حاصل کرے مگر اس کے قائم مقام ایسا کلام بنایا گیا جو اس پر دلالت کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ ''ان ربکم یقول کل یوم انا العزیز فمن اراد عزّ الدارین فلیطع العزیز'' بے شک تمہارا پروردگار روزانہ پکار کر اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں' سو جو شخص دونوں جہانوں کی عزت چاہتا ہے تو وہ عزیز ترین خدا کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرلے' پھر اللہ تعالیٰ نے پہچان بیان کر دی کہ جس کے ساتھ عزت حاصل کی جاتی ہے' وہ ایمان اور نیک عمل ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہی سربلندی عطا کرتا ہے اور ''الیہ'' کا معنی یہ ہے کہ پاکیزہ کلمات قبول و رضا کے مقام کی طرف چڑھتے ہیں اور ہر وہ نیک عمل اور پاکیزہ کلمات جو قبولیت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں' وہی رفعت و سربلندی اور اونچائی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور یہ ایسے محل کی طرف چڑھائی کرتے ہیں جس میں صرف اسی کا حکم نافذ و جاری ہوتا ہے اور ''الکلم الطیّب'' سے توحید کے کلمات مراد ہیں یعنی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' [اور قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ''الطیّبة'' مؤنث ہوتا لیکن ہر وہ جمع جس کے واحد اور اس کے درمیان فرق صرف تائے تانیث سے ہوا سے مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے] اور عمل صالح سے خالص عبادت مراد ہے یعنی پاکیزہ کلمات ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' نیک عمل کو بلند کر دیتے ہیں پس ''الکلم'' رافع ہیں اور عمل مرفوع ہے کیونکہ موحد کے ماسوا کسی کا عمل قبول نہیں کیا جاتا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ رافع اللہ تعالیٰ ہے اور عمل مرفوع ہے یعنی نیک عمل کو اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ عمل رفع پر موقوف ہے اور پاکیزہ کلمات خود بہ خود چڑھ جاتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نیک عمل عامل (عمل کرنے والے) کو سربلند کر دیتا ہے اور اسے معزز بنا دیتا ہے یعنی جو شخص عزت ووقار چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے' سو

وہی نیک عمل ہی تو ہے جو بندے کو سر بلند کر دیتا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ اور جو لوگ بُرائیوں کی تدبیریں کرتے ہیں [''السیّئات'' مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ''المکرات السیئات'' بُری سازشیں کیونکہ مکر غیر متعدی فعل ہے چنانچہ ''مکر فلان عملہ'' نہیں کہا جاتا] اور اس سے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق قریش مکہ کی سازش مراد ہے جب انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازش تیار کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ'' (الانفال: ۳۰) ''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے) جب کفارِ مکہ آپ کے خلاف سازش تیار کرنے لگے تا کہ وہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا آپ کو ملک بدر کر دیں'' ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾ ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہوگا ﴿ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴾ اور انہیں کا مکر وفریب ہی برباد ہوگا [''ومکر اولئک'' مبتدا ہے اور ''ھو'' ضمیر فاعل ہے اور ''یبور'' خبر ہے] یعنی انہیں لوگوں کا مکر وفریب خاص کر تباہ ہوگا یعنی فاسد و باطل ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے خلاف ناکام نہیں ہوئی جب اللہ تعالیٰ انہیں مکہ مکرمہ سے نکال کر بدر میں لے آیا اور ان کو قتل کیا اور ان کو بدر کے کنویں میں مقید کر دیا' پس ان کی ساری سازشیں انہیں پر جمع ہو گئیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشاد ثابت ہو گئے: ''وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَO'' (الانفال: ۳۰) ''اور وہ سازش کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرمانے لگا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہےO'' اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ'' (فاطر: ۴۳) ''اور بُرے مکر وفریب (کا وبال) نہیں پڑتا مگر اس کے کرنے والے پر''۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے' پھر نطفہ سے پیدا فرمایا' پھر اس نے تمہارے جوڑے بنائے' اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ اس کی عمر میں سے کچھ کمی کی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں تحریر ہو چکا ہے' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہےO

۱۱- ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ پھر اس نے تمہیں نطفہ (مرد و زن کے پانی سے) پیدا فرمایا' پھر اس نے تمہارے مختلف اقسام کے جوڑے بنائے (سرخ' سفید' کالے اور گندمی رنگ والے) یا یہ کہ اس نے تمہیں مرد اور عورت بنایا ﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾ اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم کے ساتھ [''بعلمہ'' محلاً حال ہے] یعنی مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ﴾ اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی'' ای (وما یعمر من احد'' یعنی کسی شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور اسے ''معمّر'' (بوڑھا) اس لیے کہا کہ آخر کار اس نے بڑھاپے کی عمر کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ﴾ اور نہ اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں تحریر ہو چکا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں یا انسان کے صحیفہ میں تحریر ہو چکا ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان یا تو معمر ہوگا یعنی لمبی اور طویل عمر پانے والا ہوگا یا ناقص عمر والا یعنی اس کی عمر تھوڑی ہوگی' پھر اگر اس کی عمر پر مزید اضافہ کیا جائے جب کہ اس کا برعکس تو

محال ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا کہ ''وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ'' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تسامح (چشم پوشی) برتی گئی اور اس کی تاویل میں سامعین کی فہم وفراست پر بھروسا کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص کی عمر میں کمی وبیشی کا محال ہونا ان پر مشتبہ نہیں رہ سکتا اور اسی اسلوب پر عرب کے لوگوں کا کلام جاری وساری ہوتا ہے چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نہ اجر وثواب عنایت کرے گا اور نہ اسے سزا دے گا مگر حق کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ صحیفہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس کی عمر اتنے اتنے سال ہوگی' پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے: ایک دن اس کی عمر کم ہو گئی ہے' دو دن کم ہوگئی' یہاں تک کہ اس کی عمر کا آخری دن آجاتا ہے' پس یہ ہے اس کی عمر کا کم ہو جانا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ معمر وہ شخص ہوتا ہے جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ جائے اور نقص عمر والا وہ ہوتا ہے جو ساٹھ سال پورے ہونے سے پہلے مرجائے[1] ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا۔ یا عمر کا زیادہ اور کم ہونا ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر سہل اور آسان ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں' یہ میٹھا خوش ذائقہ ہے اس کا پانی خوش گوار ہے اور یہ نمکین وکھارا ہے' اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو' اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۝

۱۲ - ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ﴾ اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ یہ میٹھا ہے یعنی ان میں سے ایک میٹھا

[1] علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب کی وجہ سے بڑھتی گھٹتی ہے' جیسا کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس کے بعد مرجائے گا' پھر اگر وہ حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی' ورنہ چالیس سال کی عمر میں مرجائے گا' اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر حج نہ پڑھنے کی وجہ سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسی سال ہوگی ورنہ پچاس سال ہوگی۔

(۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ اور صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں۔

(۲) جب کوئی آدمی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کی عمر کے صرف تین دن باقی رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے' ایسے ہی جب کوئی آدمی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے۔

(۳) والدین کی خدمت گزاری عمر کو بڑھاتی ہے' جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر کو تبدیل کر دیتی ہے (یہ تقدیر معلق کی بات ہے جس میں تبدیلی ہوتی ہے لیکن تقدیر مبرم میں تبدیلی نہیں ہوتی کہ وہ اٹل ہوتی ہے)۔

(تفسیر روح البیان مترجم ۲۱ پارہ' ص ۴۷۰' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

ہے ﴿فُرَاتٌ﴾ بہت میٹھا نہایت خوش گوار اور بعض علماء نے فرمایا: فرات وہ پانی ہوتا ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے ﴿سَآئِغٌ شَرَابُهٗ﴾ اس کا پانی خوش گوار ہاضمہ دار اور اپنی مٹھاس کی وجہ سے حلق میں آسانی سے جلد اُترنے والا ہے اور اسی وجہ سے اس کا پانی خوش ذائقہ ہوتا ہے ﴿وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ نمکین و کھاری ہے (یعنی) سخت نمکین ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ پانی ہے جو اپنی نمکینی اور کڑواہٹ کی وجہ سے حلق کو جلا دیتا ہے ﴿وَمِنْ كُلٍّ﴾ ''ومن کل واحد منهما'' اور ان دونوں دریاؤں میں سے ہر ایک دریا سے ﴿تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ مچھلی ہے ﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ اور تم ان میں سے زیور نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو اور وہ موتی اور مرجان ہیں ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ﴾ اور تم اس میں (یعنی) ہر ایک دریا میں کشتیوں کو دیکھو گے کہ وہ چلتے وقت پانی کو چیرتے ہوئے گزرتی ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ ''مخرت السفينة الماء'' یعنی کشتی نے پانی کو چیر پھاڑ دیا اور یہ ''ماخرة'' کی جمع ہے ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو (یعنی) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو کیونکہ اگرچہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک مذکور نہیں ہوا لیکن اس سے پہلے مذکور ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر مذکور نہ بھی ہوتا تو کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ معنی اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے لیے دو دریاؤں ایک میٹھے اور ایک نمکین و کڑوے کی مثالیں بیان فرمائی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے بالتبع دونوں دریاؤں کی صفتوں میں ان سے متعلقہ اپنی نعمتیں اور اپنی عطائیں بھی بیان فرما دیں اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان کو بالتبع بیان نہ کیا ہو بلکہ اس لیے بیان فرمایا کہ دو جنسوں کو دو دریاؤں کے ساتھ تشبیہ دی جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے نمکین و کڑوے دریا کو کافر پر فضیلت و ترجیح دی کہ بلاشبہ نمکین و کڑوا دریا بعض منافع میں خوش ذائقہ اور میٹھے دریا کے ساتھ مشترک ہے اور وہ یہ ہیں: مچھلیوں کا حصول اور موتیوں اور مرجان کا حصول اور ان دونوں میں کشتیوں کا چلنا جب کہ کافر ہر قسم کے نفع سے بالکل خالی ہے بلکہ وہ (درج ذیل) ارشاد کے طریقہ پر ہے: ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً'' پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے' سو وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا: ''وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ'' (البقرہ: ۷۴) ''اور بے شک بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور بے شک بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں''۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۭ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے' اور اسی نے سورج اور چاند کو تابع فرمان بنا دیا' ہر

ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے' اور اس کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں O اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے' اور اگر (بفرضِ محال) وہ سن بھی لیں تو وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے' اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے' اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی دوسرا خبر دینے والا نہیں ہے O

۱۳- ﴿ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ﴾ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کے اوقات کو دوسرے میں داخل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے زائد پندرہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور ناقص نو گھنٹے کا رہ جاتا ہے) ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت میں سب سے زیادہ روشن ترین سورج اور چاند کو ان کی مسافت کے اعتدال کے لیے پابند حکم بنا دیا ﴿ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن ان دونوں کی حرکت و رفتار ختم ہو جائے گی ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے' اسی کی بادشاہی ہے ["ذالکم" مبتدا ہے اور باقی مترادف خبریں ہیں یا پھر "الله ربکم" دو خبریں ہیں اور "له الملك" ابتدائیہ جملہ ہے جو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کے اقتران واتصال کے لیے واقع ہوا ہے کہ] ﴿ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ اور اس کے سوا جن کو تم پوجتے ہو یعنی وہ بت جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ("تدعون" بہ معنی "تعبدون" ہے) ﴿ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ﴾ وہ گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ "قطمیر" کا معنی گٹھلی کا چھلکا ہے' جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح ایک باریک سا پردہ ہوتا ہے [قتیبہ کی قراءت میں "یدعون" ہے]۔

۱٤- ﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ ﴾ اگر تم ان کو بلاؤ یعنی بتوں کو تو ﴿ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ﴾ وہ تمہارے بلاوے کو نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں ﴿ وَلَوْ سَمِعُوْا ﴾ اور اگر وہ سن لیں (یعنی) اگر وہ بر سبیل فرض (بفرضِ محال) سن لیں تو ﴿ مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ﴾ وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے کیونکہ وہ اس الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے جس کے تم ان کے دعوے دار ہو (کہ وہ معبود ہیں) حالانکہ وہ اس سے بَری ہیں ﴿ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ﴾ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے (یعنی) تم جو ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اور تم جو ان کی عبادت کرتے تھے' وہ اس کا انکار کریں گے اور وہ کہیں گے: "مَا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ O" (یونس:۲۸) "تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O" ﴿ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ﴾ اور جس طرح اللہ تعالیٰ خبر دینے والا ہے' اس طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے گا (یعنی) اے غرور کے اسباب میں مفتون و مبتلا انسان! تمہیں کوئی اس طرح خبر نہیں دے گا جس طرح "خبیر" (خبریں دینے والا) اللہ تعالیٰ پوشیدہ اُمور کی مبنی بر حقیقت خبر سناتا ہے اور تمہیں کوئی مخبر (خبر دینے والا) کسی کام کی خبر اس طرح نہیں سنائے گا' جس طرح اس کام کو خوب جاننے والا اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر سنائے گا' اس سے مراد و مقصد یہ ہے کہ ہر کام کی خبر دینے والا صرف ایک خدا ہے' جو تمہیں حقیقت پر مبنی خبر سناتا ہے نہ کہ دوسرے مخبرین اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ حقیقت ہے جو میں نے تمہیں بتوں کی حالت کے بارے میں بتا دی ہے اور یہی حق ہے کیونکہ بتوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بلاشبہ میں ہی بتانے والا ہوں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

أُخْرٰی ؕ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ
إِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ
تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تمام تعریفوں کے لائق ہے O اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے O اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں O اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی تو اس کے بوجھ میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا' اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو' بے شک آپ صرف ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں' اور جو شخص پاکیزہ بنے گا تو بے شک وہ صرف اپنے فائدے کے لیے پاکیزہ بنے گا' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے O اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہیں O اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی (برابر ہیں) O اور نہ سایا اور نہ دھوپ (برابر ہیں) O

تمام مخلوق کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر

۱۵- ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام مخلوق ہر سانس' ہر قدم اور ہر لحہ میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ تمام مخلوق کا وجود بھی اسی کی وجہ سے ہے اور تمام مخلوق کی بقاء بھی اسی کی وجہ سے ہے ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿ الْحَمِيْدُ ﴾ وہی قابل ستائش ہے کہ ہر زبان پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقارت کے لیے ان کا نام فقراء نہیں رکھا بلکہ بے نیازی اختیار کرنے پر طعن و تعریض کرنے کے لیے انسان کو فقراء فرمایا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو غنی کے ساتھ موصوف فرمایا جو تمام غنیوں اور دولت مندوں کو کھلانے پلانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت ''الحمید'' کا ذکر فرمایا تا کہ اس کے ذریعے اس بات پر رہنمائی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے جو اپنے غنا کے ساتھ اپنی مخلوق کو نفع اور فائدہ پہنچاتا ہے' وہ ان پر انعام فرمانے والا جواد و سخی ہے کیونکہ ہر غنی اپنے غنا کے ساتھ نفع نہیں پہنچاتا مگر جب غنی ہونے کے ساتھ جواد و منعم بھی ہو' سو جب وہ سخاوت کرے گا اور انعام فرمائے گا تو انعام یافتہ تمام لوگ اس کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کریں گے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی ذات اقدس کے لیے غنا کا اور ان کے لیے فقر کا فیصلہ فرمایا' پس جو شخص غنا کا دعویٰ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے محجوب و محروم رہے گا اور جو شخص اپنے فقر کا اظہار کرے گا تو اس کا فقر اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گا' سو ہر بندے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ خفیہ اللہ تعالیٰ کا محتاج بن جائے اور غیر سے تعلق توڑ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کی عبودیت و بندگی خالص ہو جائے' پس عبودیت یہی عاجزی و انکساری اور تواضع اختیار کرنا ہے اور اس کی علامت و پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ

کسی سے سوال نہ کرے۔

حضرت امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرے گا' وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت طلب کرے گا وہ کبھی ذلیل ورسوا نہیں ہوگا۔

حضرت الحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کا محتاج بنے گا' اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنا حاصل ہوگا اور جب بھی فقر واحتیاج بڑھے گا' تب ہی غنا بڑھے گا۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ کے لیے فقر غنا سے بہتر ہے کیونکہ فقر میں عاجزی و پستی ہے اور غنا میں تکبر و بڑھائی اور بے نیازی ہے اور تواضع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا زیادہ سے زیادہ اعمال لے کر اس کی طرف رجوع کرنے سے بہتر ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اولیائے کرام کی تین صفات ہیں: (۱) ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسا رکھنا (۲) اور ہر چیز میں اسی کا محتاج رہنا (۳) اور ہر چیز سے اسی کی طرف رجوع کرنا۔

حضرت ابوبکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ فقر میں بندہ بلائیں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے اور اس کا مصیبتیں برداشت کرنا پوری عزت ہے۔

۱۶- ﴿اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو عدم وفنا کی طرف لے جائے' سو اس لیے کہ اس کا غنا ازل میں تمہارے ساتھ نہیں تھا ﴿وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ﴾ اور وہ نئی مخلوق لے آئے اور وہ تمہاری حمد کے بغیر بھی محمود ہے۔

۱۷- ﴿وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ہے (یعنی) پیدا کرنا اور فنا کرنا اللہ تعالیٰ پر ممتنع نہیں ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

۱۸- ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (یعنی) اور کوئی گناہ گار جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی اور ''وِزۡرٌ'' اور ''وَقۡرٌ'' دونوں ہم معنی ہیں اور ''وزر الشیء'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کا بوجھ اٹھاتا ہے اور ''وَازِرَۃٌ'' نفس کی صفت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر جان صرف اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گی' جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا' کوئی جان کسی دوسری جان کے گناہ میں ماخوذ نہیں ہو گی جیسا کہ دنیا کے جابر لوگ ایک وارث کے بدلے میں دوسرے وارث کو پکڑ لیتے ہیں اور ایک پڑوسی کے بدلے میں دوسرے پڑوسی کو پکڑ لیتے ہیں اور ''ولا تزر وازرۃ'' فرمایا ہے لیکن ''ولا تزر نفس'' نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمام بوجھ اٹھانے والی جانیں ماسوا اپنے بوجھ کے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گی اور رہا (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ'' (العنکبوت: ۱۳) ''اور البتہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے'' تو یہ آیت مبارکہ گمراہ کرنے والے گمراہوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی اٹھائیں گے' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں ان کا قول ذکر کر کے ان کو کیسے جھٹلا دیا ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَمَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ O'' (العنکبوت: ۱۲) ''اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو

اٹھائیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے' بے شک وہ جھوٹے ہیںO'' ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ ﴾ اور اگر بوجھ اٹھانے والی بلائے گی یعنی اگر گناہوں کا بوجھ اٹھانے والی جان کسی کو بلائے گی ﴿ اِلٰی حِمْلِهَا ﴾ اپنے بوجھ کی طرف یعنی اپنے گناہوں کی طرف تاکہ دوسرا شخص اس سے اس کے کچھ گناہوں کو اٹھالے ﴿ لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ﴾ اس میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اور اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو یعنی جس کو بلایا گیا ہے اور یہ ''وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ'' سے سمجھا جاتا ہے اور رشتہ دار سے مراد جیسے باپ ہے یا اولاد یا بھائی وغیرہ اور ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' اور ''وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ'' میں فرق یہ ہے کہ پہلا ارشاد اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس کے انصاف پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ کوئی جاندار بغیر گناہ کے نہیں پکڑا جائے گا اور دوسرے ارشاد میں اس بات کا بیان ہے کہ اس روز کسی فریاد کرنے والے کے لیے کوئی فریادرس نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب کسی جان پر اس کا بوجھ بھاری ہو جائے گا' اگر وہ کسی کو بلائے گی کہ اس کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے تو اس کے بلانے پر جواب نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی فریادرسی کی جائے گی' اگرچہ جسے بلایا گیا ہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ بے شک آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں [''بالغیب'' فاعل سے یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب سے غائب ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ عذاب ان سے غائب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بالغیب'' کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر تنہائی میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب کہ اس پر کسی غیر کو اطلاع نہیں ہوتی ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ لوگ نماز کو اس کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم رکھتے ہیں ﴿ وَمَنْ تَزَكّٰی ﴾ اور جو شخص عبادات و اطاعات کے بجالانے اور گناہوں کے ترک کرنے کے سبب پاکیزگی حاصل کرتا ہے ﴿ فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ﴾ تو وہ صرف اپنے فائدے اور اپنے بھلے کے لیے پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو ان کے خوف و ڈر اور ان کی اقامت نماز کی تاکید کر رہا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل تزکیہ و پاکیزگی کے ارکان میں سے ہیں ﴿ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴾ اور (سب نے) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور یہ کلام تزکیۂ نفس کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

۱۹ - ﴿ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں' یہ کافر و مومن یا جاہل و عالم کی مثال بیان کی گئی کہ جیسے اندھا شخص اور دیکھنے والا شخص برابر نہیں' اسی طرح کافر و مومن اور جاہل و عالم برابر نہیں ہیں۔

۲۰ - ﴿ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴾ اور نہ تاریکیاں اور نہ نور برابر ہیں' ظلمات کفر کی مثال ہے اور نور ایمان کی مثال ہے۔

۲۱ - ﴿ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴾ اور نہ سایا اور نہ دھوپ برابر ہیں'' ظل'' سے حق یا جنت مراد ہے اور ''حرور'' سے باطل یا دوزخ مراد ہیں' یعنی جس طرح سایا اور دھوپ برابر نہیں' اسی طرح حق و باطل اور جنت و دوزخ برابر نہیں۔ ''حرور'' گرم ہوا کو کہا جاتا ہے جیسے گرم لو ہوتی ہے مگر گرم لو دن کو چلتی ہے اور ''حرور'' رات اور دن دونوں میں چلتی ہے' یہی علامہ فراء سے منقول ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۲۶﴾ ع

اور برابر نہیں ہوتے زندے اور نہ مردے' بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں O آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈر سنانے والا گزرا ہے O اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا' (جب) ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو میرا انکار (عذاب) کیسا رہا O

سماعِ موتیٰ کا بیان اور رسولوں کی تکذیب کا انجام

۲۲- ﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ﴾ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں۔ اس میں ایک تو ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے کہ یہ زندوں کی طرح ہیں اور دوسری ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے (بلکہ کفر پر اڑے رہے) کہ یہ مردوں کی طرح ہیں [اور حرف نفی ''لا'' کا اضافہ محض نفی کے معنی کی تاکید کے لیے کیا گیا ہے اور ان آیات میں عاطفہ واؤں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اس کی بعض جوڑے کو جوڑے سے ملاتی ہیں اور بعض طاق کو طاق سے ملاتی ہیں] ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سناتے جو قبروں میں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اسلام میں داخل ہوگا اور کون اسلام میں داخل نہیں ہوگا' سو اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت چاہتا ہے اسے ہدایت عنایت کر دیتا ہے (اور جس کی ہدایت نہیں چاہتا اسے ہدایت کی توفیق نہیں دیتا) اور لیکن رہا آپ کا معاملہ تو آپ پر چونکہ ان کا معاملہ مخفی ہوتا ہے' سو اس لیے آپ ہدایت سے محروم لوگوں کے لیے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں اور اس آیت مبارکہ میں کفار کو موتیٰ (مردوں) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے مردے سنائی گئی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے' اسی طرح کفر پر اصرار کرنے والے کفار بھی حق کی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے[1]

[1] واضح ہو کہ اسماعِ موتیٰ (مردوں کو سنانے) کی نفی اور سماعِ موتیٰ (مردوں کے سننے) کے ثبوت کی چند وجوہات' نیز سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیاتِ مبارکہ' سورۃ الروم: ۵۲ کے حاشیہ میں بیان کر دی گئی ہیں' اب یہاں سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں چند احادیث مبارکہ اور علماء کے چند اقوال بیان کیے جاتے ہیں:

سماعِ موتیٰ کے ثبوت میں احادیث مبارکہ کا بیان

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن بیس سے زائد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۳-﴿اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا نَذِیۡرٌ﴾ آپ تو نہیں مگر ڈر سنانے والے یعنی آپ پر لازم نہیں مگر صرف یہی کہ آپ لوگوں کو تبلیغ کریں اور انہیں ڈرائیں' پھر جسے ڈرایا گیا ہے اگر وہ ان میں سے ہوا جو ڈراوے کو سن کر قبول کر لیتے ہیں تو نفع پائے گا اور اگر وہ کفر پر اصرار کرنے والوں میں سے ہوا تو آپ پر کچھ لازم نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قریش کے سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا' پھر وہاں تشریف لے گئے اور ان کو بہ آواز بلند پکارتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اور اے عتبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا نہیں پایا' سو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا ہے' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو ایسے اجسام سے گفتگو فرمار ہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ وقدرت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! ''مَا اَنۡتُمۡ بِاَسۡمَعَ لِمَا اَقُوۡلُ مِنۡهُمۡ'' تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت عبید بن مرزوق سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت مسجد کی خدمت کرتی تھی' پھر وہ فوت ہوگئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وفات کی اطلاع نہیں کی گئی تھی' چنانچہ حضور اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ قبر کس کی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ام محجن کی ہے' حضور نے فرمایا: وہی جو مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی' صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے لوگوں کی صفیں بنائیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی' پھر اس سے فرمایا کہ تو نے کون سا عمل سب سے افضل پایا ہے' اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ''یارسول اللّٰہ! اَتَسۡمَعُ'' اے اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا وہ سنتی ہے؟ ''قَالَ مَا اَنۡتُمۡ بِاَسۡمَعَ مِنۡهَا'' آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ نہیں سنتے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا کہ اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد کی خدمت سب سے بہتر عمل ہے۔

(۳) امام بیہقی اور امام حاکم وغیرہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد سے واپس لوٹتے وقت (شہدائے اسلام) حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ کرام کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اَشۡهَدُ اَنَّكُمۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ اللّٰهِ تَعَالٰى'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہو' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''فَزُوۡرُوۡهُمۡ وَسَلِّمُوۡا عَلَيۡهِمۡ فَوَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيۡهِمۡ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوۡا عَلَيۡهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ'' پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو' سو اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! قیامت تک ان پر کوئی شخص سلام نہیں کرے گا مگر وہ اسے اس کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

(۴) علامہ ابن عبدالبر اور عبدالحق اشبیلی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس کی تمام اسناد صحیح ہیں کہ جو شخص اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اس کو سلام کرے تو وہ اسے پہچان لیتا ہے اور اسے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

(۵) ابن ابی الدنیا نے حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ اسے لے کر جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اور وہ اس روح سے کہتا ہے: ''اَتَسۡمَعُ مَا يُقَالُ لَكَ'' کیا تو سن رہی ہے یہ جو کچھ تیرے بارے میں کہا جارہا ہے' پھر جب وہ فرشتہ اس کی قبر پر پہنچتا ہے تو اس روح کو اس کی لاش کے ساتھ دفن کر دیتا ہے۔

(۶) صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ ''اِنَّ الۡعَبۡدَ اِذَا وُضِعَ فِیۡ قَبۡرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنۡهُ اَصۡحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسۡمَعُ قَرۡعَ نِعَالِهِمۡ'' بے شک بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۴- ﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ ﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے [''بالحق'' ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول دونوں میں سے کسی ایک سے حال ہے یعنی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم حق کو ظاہر کرنے والے ہیں یا یہ کہ بے شک ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا کہ آپ حق کو بیان کرنے والے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے'' ای ارسالا مصحوبا بالحق ''یعنی آپ کو حق کے ساتھ ملا کر بھیجا ہے] ﴿ بَشِيۡرًا ﴾ آپ وعدۂ الٰہی کے مطابق بہشتوں و دیگر اخروی نعمتوں کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿ وَّنَذِيۡرًا ؕ ﴾ اور آپ وعید و دھمکی کے ذریعہ دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں ﴿ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ ﴾ [اس میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی ''وَمَا مِنْ اُمَّةٍ قَبْلَ اُمَّتِكَ''] اور آپ کی امت سے پہلے کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے اور ''اُمَّةٌ'' بہت بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ'' (القصص: ۲۳) ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے کنویں پر لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو پایا''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مسلمان ساتھی اس سے رخصت ہو کر واپس جانے لگتے ہیں تو بے شک وہ اپنی قبر میں ان کے جوتوں کی آہٹ ضرور سنتا ہے۔

نوٹ: یہ تمام احادیث تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون (اکیس پارہ) ص ۵۵ تا ۵۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور سے ماخوذ ہیں' (فالحمد للہ علیٰ ذالک) نیز میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنے کی اور قبر والوں کو سلام کرنے کی اور نکیرین کے سوالوں کے جواب دینے کی تمام احادیث مبارکہ سماعِ موتی (مردوں کے سننے) کی دلیلیں ہیں۔

علماء کے اقوال

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) علامہ ابن قیم نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد سماعِ موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے' لکھتے ہیں: ''والسلف مجمعون علٰی ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیّت یعرف زیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ'' یعنی سلف صالحین کا سماعِ موتی پر اجماع اور اتفاق ہے اور ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

(۲) علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ متعدد احادیث اور اقوالِ علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''والذی یحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتٰی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ'' یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماعِ موتی ثابت ہے۔ واللہ اعلم

(۳) سید انور شاہ صاحب' فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححہ ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیّت فانہ یرد علیہ ویعرفہ ان کان یعرفہ فی الدنیا'' میں (سیّد انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماعِ موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحبِ مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمالیا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماعِ موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مزارات پُر انوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۷ تا ۵۸۸' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ' لاہور)

اور ہر زمانے کے باشندوں کو امت کہا جاتا ہے اور یہاں ہر زمانہ کے لوگ مراد ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان نذارت (ڈرانے) کی علامات ونشانیاں باقی تھیں' سو اس لیے یہ امتیں ڈرانے والے پیغمبر سے خالی نہیں رہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ڈرانے کے آثار وعلامات ختم ہو گئے تو سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث کیا گیا ﴿ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴾ مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے جو انہیں سرکشی ونافرمانی کی خامی اور کفر وشرک اور ناشکری کے بُرے انجام سے ڈراتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے ''بشیر'' اور ''نذیر'' دونوں کے ذکر کے بعد اس آیت مبارکہ کے آخر میں ''بشیر'' کی بجائے صرف ''نذیر'' کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے' اس لیے کہ نذارت بشارت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے' سو نذارت کا ذکر بشارات کے ذکر پر دلالت کرتا ہے۔

۲۵ - ﴿ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ ﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور صحیفے لے کر تشریف لائے تھے [''جآء تهم رسلهم'' حال ہے اور ''وَقَدْ'' پوشیدہ مقدر ہے] ''بالبيّنات'' سے معجزات مراد ہیں اور ''زبر'' سے صحیفے مراد ہیں ﴿ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴾ اور روشن کتاب یعنی تورات' انجیل اور زبور۔ اور جب یہ چیزیں ان کی جنس میں سے ہیں تو ان چیزوں کو اسناد مطلق کے ساتھ ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے' اگرچہ ان میں سے بعض ان سب میں موجود ہیں اور وہ معجزات ہیں اور بعض چیزیں ان کے بعض میں ہیں اور وہ زبور اور کتاب ہے اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

۲۶ - ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُ ﴾ پھر میں نے پکڑ لیا یعنی میں نے سزا دی ﴿ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ کافروں کو مختلف اقسام کی سزا ﴿ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴾ سو میرا ان پر انکار اور میرا ان کو عذاب دینا کیسا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى
اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ
اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل اگائے جن کے رنگ مختلف ہیں' اور پہاڑوں میں کئی قسم کے راستے ہیں سفید اور سرخ جن کے رنگ مختلف ہیں اور بہت سیاہ کالے پہاڑ ہیں O اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی اسی طرح مختلف رنگ کے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے O بے شک

جو لوگ کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور وہ اس مال میں سے کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو رزق عطا فرمایا ہے وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگاO

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

۲۷- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے (یعنی) بارش کے پانی کے ذریعے پھلوں کو پیدا کیا ﴿مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا﴾ ان کے رنگ (یعنی) ان کی اجناس مختلف ہیں جیسے انار' سیب' انجیر اور انگور اور ان کے علاوہ دیگر وہ نعمتیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں' کچھ سرخ ہوتے ہیں اور کچھ زرد ہوتے ہیں اور کچھ سبز ہوتے ہیں اور اسی طرح اور رنگ ہیں ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ﴾ اور پہاڑوں میں مختلف راستے ہیں' ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں' یہ ''جُدَّةٌ'' کی جمع ہے' جیسے ''مُدَدٌ''، ''مُدَّةٌ'' کی جمع ہے ﴿بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ﴾ کچھ سفید ہیں اور کچھ سرخ ہیں' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت کالے سیاہ پہاڑ بھی ہیں [اور ''غرابیب''، ''غربیب'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: سیاہ کالا اور یہ ''اسود'' کی تاکید کے لیے آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''اسود غربیب'' بہت کالا سیاہ اور یہ سیاہی میں بہت گہرا ہوتا ہے اور اس میں بہت زیادہ کالا سیاہ ہوتا ہے اور اسی سے ''غـراب'' (کالا سیاہ کوّا) ماخوذ ہے اور تاکید کا حق یہ ہے کہ وہ مؤکد کے بعد ہو جیسے ''اصفر فاقع'' گہرا زرد رنگ' مگر اس کا مؤکد اس سے پہلے مضمر ہے اور جو اس کے بعد ''سُوْدٌ'' ہے یہ مضمر کی تفسیر ہے اور یہ صرف تاکید کے استحکام کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ تاکید ایک معنی پر دو طریقوں سے دلالت کرے ایک اظہار سے دوسرا اضمار سے اور حذف مضاف کو مقدر ماننا واجب و لازم ہے یعنی اس ارشاد میں ''(ومن الجبال) ذو جدد بیض وحمر وسود''] اور پہاڑوں میں مختلف رنگ والے راستے ہوتے ہیں سفید' سرخ اور سیاہ' یہاں تک کہ یہ کلام تمہارے اس قول کی طرف لوٹ جائے: ''ومن الجبال مختلف الوانه'' اور پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''ثمرات مختلفا الوانها'' (فاطر:۲۷) ''پھلوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں''۔

۲۸- ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ﴾ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ مختلف ہیں یعنی ان میں سے بعض کے رنگ مختلف ہیں ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی جس طرح پھلوں اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''الم تر ان اللّٰہ انزل من السمآء مآء'' اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی قدرت کی علامات اور اس کی صنعت کی نشانیوں کو شمار کیا گیا اور مختلف اجناس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا اور ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی صفات پر استدلال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی

[1] واضح ہو کہ اس آیت میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو محض تاریخ' فلسفہ اور دنیاوی اور مروّجہ علوم کے عالم ہوں بلکہ اس سے مراد علمائے دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں' قرآن' حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہوں' ان کو قدر ضروری احکام شرعیہ مستحضر ہوں اور ان کو اتنی مہارت حاصل ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو اس کی متعلقہ کتابوں سے نکال سکتے ہوں اور ان کے دل میں خوف خدا ہو' جس کی بناء پر وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں' اور جو شخص بے عمل ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' فرید بک سٹال' لاہور)

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ بے شک میری مخلوق میں سے مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذات کا علم و عرفان رکھنے والے علماء جنہوں نے اس کی ذات کو اس کی صفات سے جان کر پہچان لیا' سو انہوں نے اس کو معظم و مکرم جانا اور جس شخص کا علم زیادہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ ہوگا اور جس شخص کا علم بہت کم ہوگا وہ بے خوف ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو مقدم کرنا اور ''العلماء'' کو مؤخر کرنا' اس بات کا علان ہے کہ اس کلامِ الٰہی کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں' ان کے علاوہ دیگر لوگ خوف خدا نہیں رکھتے اور اگر اس کو برعکس پڑھا جائے: ''اِنَّمَا یَخْشَی الْعُلَمَآءُ مِنْ عِبَادِهِ اللّٰهَ'' تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک علمائے دین صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ'' (الاحزاب:۳۹) اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صرف وہی ڈرتا ہے جو میرے جبروت وتسلط اور میری عزت وعظمت اور میری سلطنت وغلبہ کا علم رکھتا ہے۔

(۲) حضرت مسروق نے فرمایا کہ عالم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جاہل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غرور کرتا ہے۔

(۳) حضرت امام شعبی سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ مجھے بتایئے عالم کون ہے؟ تو امام شعبی نے فرمایا: ''انما العالم من خشی اللہ عزوجل'' بے شک عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۳ ص ۵۶۹۔ ۵۷۰' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل للخازن ج ۳ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۴' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۴) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: ''من لم یخش اللہ فلیس بعالم'' جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا سو وہ عالم نہیں۔

(تفسیر لباب التاویل للخازن ج ۳ ص ۵۳۴' تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' بحوالہ تفسیر قرطبی)

(۵) حضرت مقاتل نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا وہی ہوتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم رکھتا ہے۔ (تفسیر لباب التاویل ج ۳ ص ۵۳۴)

(۶) حضرت مجاہد نے فرمایا: ''انما العالم من خشی اللہ عزوجل'' بے شک عالم صرف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۵)

(۷) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''لیس العلم عن کثرۃ الحدیث لکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ'' زیادہ باتیں بنانا علم نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا علم ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۷' نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

(۸) حضرت امام مالک فرماتے ہیں: کثرت روایات کا نام علم نہیں اور علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر' ضیاء القرآن)

(۹) حضرت احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ قرآن وسنت کی تعلیم اور ان کی اتباع کا نام علم ہے جن کی اتباع ہم پر فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۸)

(۱۰) حضرت الشیخ العارف الاجل شہاب الدین السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''من لاخشیۃ لہ فھو لیس بعالم'' جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں تو وہ عالم نہیں ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱۱) حضرت سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ ''من افقہ اھل المدینۃ قال اتقاھم لربہ عزوجل'' اہل مدینہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے'' اور ان دونوں میں فرق ہے' سو پہلے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ خوف و ڈر رکھنے والے صرف وہی علمائے دین ہیں اور دوسرے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک جس ذات سے ڈرا جاتا ہے اور جس کا خوف و ڈر رکھا جاتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ' حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت محمد ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءَ'' پڑھا ہے اور اس قراءت میں خشیت سے عظمت وفضیلت کی طرف استعارہ ہے (کیونکہ ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ'' (الحجرات: ۱۳) کے تحت عزت وعظمت صرف خشیت سے حاصل ہوتی ہے) اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف علمائے دین کو عزت وعظمت عطا کرتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد بخشنے والا ہے۔ یہ خشیت کے وجوب کی علت ہے کیونکہ یہ نافرمانوں کو سزا دینے اور ان کو گرفتار کرنے پر اور اطاعت گزاروں کو ثواب عنایت کرنے اور ان سے درگزر کرنے پر دلالت کر رہا ہے اور ثواب وعذاب دینے والے کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

حاملینِ قرآن کا بیان

۲۹- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (یعنی) جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر دوام و ہمیشگی اختیار کر لیتے ہیں ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق عطا فرمایا ہے' وہ اس میں کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں یعنی وہ نفلی صدقات وخیرات کو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور فرض صدقات کو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں یعنی وہ لوگ قرآن مجید پر عمل کرنے کی حلاوت کی وجہ سے صرف اس کی تلاوت پر قناعت نہیں کرتے (بلکہ دیگر مذکورہ بالا نیکیاں بھی کرتے ہیں) ﴿یَّرْجُوْنَ﴾ وہ امید رکھتے ہیں [یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿تِجَارَةً﴾ تجارت کی' یہ عبادت واطاعت پر طلب ثواب کی امید ہے ﴿لَّنْ تَبُوْرَ﴾ یہ تجارت کبھی گھاٹے میں ہرگز نہیں رہتی یعنی یہ ایک ایسی تجارت ہے جس سے گھاٹا اور نقصان منتفی وختم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے ہمیشہ مٹا دیا گیا ہے' اب کبھی نقصان نہیں ہوگا۔

لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِیْۤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو اپنے رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵)

(۱۲) حضرت حسن بیان فرماتے ہیں کہ فقیہ (ماہر عالم دین) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے' آخرت میں رغبت کرے' اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴' بحوالہ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۹۹)

(۱۳) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: ''ان الفقیہ حق الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ ولم یرخص لہم فی معاصی اللہ تعالٰی ولم یؤمن ہم من عذاب اللہ تعالٰی ولم یدع القرآن رغبتہ عنہ الی غیرہ'' بے شک صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں انہیں جری نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے اور قرآن مجید کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵' بحوالہ تفسیر قرطبی)

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ﴿۳۲﴾

تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر و ثواب پورا پورا عطا کرے اور ان کو اپنے فضل و کرم سے مزید عطا فرمائے' بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے O اور جو کتاب ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے نازل کی ہے وہ حق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O پھر ہم نے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے' سو ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اور ان میں سے بعض میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں' اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے O

۳۰- ﴿ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر و ثواب پورا عطا فرما دے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو مال خرچ کرنے پر اپنے پاس سے ان کے اعمال کا ثواب بھرپور عطا فرمائے [یہ ''لَنْ تَبُوْرَ'' کے متعلق ہے] ﴿ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں مزید عطا فرمائے گا' ان کی قبریں کشادہ کر کے یا ان کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں قبول کر کے جنہوں نے ان کے ساتھ احسان کیا ہوگا یا ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا کر یا اپنی ملاقات کا وعدہ پورا کر کے مزید عطا فرمائے گا [یا ''یرجون'' محلاً حال ہے یعنی حالانکہ وہ امید رکھنے والے ہیں اور ''لیوفیهم'' کا لام اور اس کا مابعد ''یتلون'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی انہوں نے یہ تمام اعمال تلاوتِ قرآن اور اقامتِ نماز اور راہِ الٰہی میں اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرنا صرف اسی مقصد کے لیے کیا تھا اور ''اِنَّ'' کی خبر درج ذیل ارشاد ہے:] ﴿ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴾ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بہت بخشنے والا ہے اور ان کے نیک اعمال کے لیے قدر دان ہے یعنی انہیں قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا فرمائے گا۔

۳۱- ﴿ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ ﴾ اور ہم نے جو کتاب یعنی قرآن مجید آپ کی طرف وحی کیا ہے وہ حق ہے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ اپنے سے پہلے گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' [''مُصَدِّقًا'' حال مؤکد ہے کیونکہ حق اس تصدیق سے جدا نہیں ہوتا] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت خبردار (اور) خوب دیکھنے والا ہے' سو وہ آپ کو خوب جانتا ہے اور آپ کے احوال کو خوب دیکھتا ہے اور وہ آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے کہ آپ کی طرف اس قسم کی سراسر معجز کتاب کو وحی کیا جائے جو دیگر تمام الہامی کتابوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی ہے۔

۳۲- ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ ﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا یعنی ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید وحی کیا' پھر ہم نے آپ کے بعد اس کا وارث بنایا یعنی ہم نے اس کی وراثت کا حکم دیا (یا ہم نے اس کی وراثت کا فیصلہ کیا) ﴿ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا

﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا اور وہ آپ کی امت ہے' صحابہ کرام ہیں اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے اہل علم مسلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیگر تمام امتوں پر منتخب کر لیا اور اس کو معتدل و میانہ رو امت بنایا تا کہ یہ امت تمام لوگوں پر گواہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسولوں میں سے سب سے افضل رسول کی طرف منسوب کر کے امت محمدی ﷺ کی کرامت و شرافت کے ساتھ مخصوص فرما لیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی مراتب پر تقسیم کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ سو ان میں سے بعض اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے امیدوار بنائے گئے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ اور ان میں سے بعض درمیانہ راہ پر چلنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نیک اعمال کے ساتھ کچھ بُرے اعمال کو ملا لیا ہے ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ﴾ اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ معنی قرآن مجید کے موافق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" (التوبہ:۱۰۰) "اور مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ میں سے سب سے پہلے (ایمان میں) سبقت کرنے والے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: "وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا" (التوبہ:۱۰۲) "اور دوسرے حضرات جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے نیک عمل کو بُرے عمل کے ساتھ ملا دیا" اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: "وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝" (التوبہ:۱۰۶) "اور دوسرے حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کا امیدوار رکھا گیا ہے خواہ وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۝" اور حدیث شریف میں بھی یہی ترتیب بیان کی گئی ہے' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے سبقت کرنے والے سابق و اوّل ہیں اور میانہ روی اختیار کرنے والے نجات پانے والے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو بخش دیا جائے گا۔[1]

اور حضور ﷺ سے مروی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا کہ سبقت کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور میانہ روی اختیار کرنے والوں سے آسان حساب لیا جائے گا' پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور لیکن اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو روک لیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ انہیں ہرگز نجات نہیں دی جائے گی' پھر انہیں رحمت الٰہی اپنی آغوش میں لے لے گی اور انہیں جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ رواہ ابو الدرداء[2] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک اثر مروی ہے' جس میں آپ نے فرمایا کہ "سابق" سے نجات پانے والے مراد ہیں اور "مقتصد" سے امیدوار مراد ہیں اور ظالم سے نعمت کا انکار کیے بغیر نہ شکر کرنے والا مراد ہے کیونکہ تینوں کے لیے جنت میں جانے کا حکم ہے اور سلف صالحین کا اس کے بارے میں ارشاد ہے:

(۱) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: "ظالم" سے کبیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور "مقتصد" سے صغیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور "سابق" جو تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے والا ہو۔

(۲) حضرت حسن بصری نے فرمایا: "ظالم" وہ جس کی برائیاں زیادہ ہوں اور "سابق" وہ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں اور

---

[1] رواہ ابن مردویہ کمافی الدر المنثور ج ۷ ص ۲۵' وذکرہ القرطبی فی تفسیر ج ۱۴ ص ۳۴۶' ورواہ العقیلی فی الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۴۴۳

[2] مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۹۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۵' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۳

''مقتصد'' وہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں۔

(۳) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مؤمنین ہیں' جن کے درجے مختلف ہیں اور لیکن کفار کی صفت اس کے بعد بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ'' (فاطر: ۳۶) ''اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے'' اور لیکن رہے یہ تینوں طبقات تو یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرما لیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ان میں سے بعض ''سابق'' ہیں اور بعض ''مقتصد'' ہیں اور بعض ''ظالم'' ہیں اور یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''الذین اصطفینا من عبادنا'' میں شامل ہیں اور وہ سب مسلمان ہیں اور اسی پر جمہور متفق ہیں اور ''ظالم'' کا ذکر اس لیے پہلے کیا گیا تا کہ ان کی کثرت کی اطلاع دی جائے اور ''مقتصدین'' تو ان ظالموں کی نسبت قلیل ہیں اور ''سابقون'' ان سے بھی قلیل ہیں اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''ظالم'' کا ذکر پہلے کیا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مایوس نہ ہو جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا ذکر پہلے اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اسے بتایا جائے کہ اس کا گناہ اسے اس کے رب تعالیٰ سے بالکل دور نہیں لے گیا (توبہ کر کے قرب حاصل کر سکتا ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انسان کے تین احوال ہیں: ایک معصیت اور دوسرا توبہ اور تیسرا استقامت' اور حضرت سہل نے فرمایا کہ ''سابق'' سے عالم دین اور ''مقتصد'' سے متعلم اور ''ظالم'' سے جاہل مراد ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ''سابق'' وہ ہے جو اپنی آخرت کی کامیابی میں مشغول ہے اور ''مقتصد'' وہ جو اپنے معاش اور اپنی آخرت دونوں میں مشغول ہو اور ''ظالم'' وہ جو اپنی آخرت سے غافل ہو کر صرف اپنے معاش میں مشغول رہتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ''ظالم'' وہ جو غفلت و عادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور ''مقتصد'' وہ جو شوق و ذوق اور خوف کے ساتھ اس کی عبادت کرتا ہو اور ''سابق'' وہ جو اللہ تعالیٰ کو مستحق عبادت جان کر استحقاق و ہیبت کی بناء پر اس کی عبادت کرتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ''ظالم'' وہ جو دنیا کو حلال اور حرام دونوں طریقوں سے حاصل کرتا ہو اور ''مقتصد'' وہ جو محنت و مشقت اٹھا کر صرف حلال طریقے سے دنیا کو حاصل کرتا ہو اور ''سابق'' وہ جو دنیا سے منہ پھیر لے اور بغیر ضرورت کے اس کی طرف توجہ نہ کرے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''ظالم'' وہ جو دنیا کا طالب ہو اور ''مقتصد'' وہ جو آخرت کا طالب ہو اور ''سابق'' جو مولیٰ کا طالب ہو ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اس کے علم سے یا اس کی توفیق سے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ یعنی کتاب الٰہی قرآن مجید کی وراثت حاصل کرنا ﴿هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ﴾ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ ۙالَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

دائمی جنتوں میں وہ داخل ہوں گے ان میں اِن کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ان میں ان کے لباس

ریشمی ہوں گے O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے ہر قسم کا غم و رنج دور کر دیا' بے شک ہمارا پروردگار البتہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے O جس نے اپنے فضل و کرم سے دائمی قیام گاہ میں ہمیں ٹھہرایا' جس میں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ پہنچے گی O

حاملینِ قرآن کے انعام اور منکرین کے انجام بد کا بیان

۳۳- ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے یعنی وہ تینوں فریق دائمی بہشتوں میں جائیں گے [''جنات عدن'' ''ذالك'' کی دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا اور ''یدخلونها'' اس کی خبر ہے اور ابو عمر کی قراءت میں ''يُدْخَلُوْنَهَا'' (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا﴾ ان کو ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے یعنی انہیں سونے کے ایسے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا [''اساور'' ''اسورة'' کی جمع ہے اور ''اسورة'' ''سوار'' کی جمع ہے ''سوار'' کا معنی ہے: کنگن اور ''لؤلؤا'' نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ منصوب ہے اور ''اساور'' کے محل پر معطوف ہے ''ای یحلون اساور ولؤلؤا'' یعنی انہیں کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے] ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ اور ان میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا کیونکہ اس میں لذت بھی ہے اور زیب و زینت بھی ہے۔

۳۴- ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا (یعنی) دوزخ کی آگ کا خوف و غم یا موت کا خوف و غم یا دنیا کے غموں کو ہم سے دور کر دیا ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ﴾ بے شک ہمارا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا ہے' وہ تمام قصوروں کو بخش دے گا اگر چہ وہ بہت زیادہ ہوں گے ﴿شَكُوْرٌ﴾ بہت بڑا قدر دان ہے' وہ عبادات کو قبول فرما لیتا ہے اگر چہ وہ بہت کم ہوں۔

۳۵- ﴿الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ﴾ جس نے ہمیں دائمی قیام گاہ میں ٹھہرایا یعنی اقامت گاہ جس سے ہم نہ کوچ کریں گے اور نہ ہم اس سے جدا ہوں گے' کہا جاتا ہے: ''اقمت اقامة ومقاما ومقامة'' (سب مصدر ہیں' اسم ظرف نہیں ہیں) ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے ہمیں دائمی قیام گاہ بہشت میں ٹھہرایا ہے' ہمارا اپنا کوئی استحقاق نہیں ﴿لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ﴾ ہمیں اس میں کوئی تکلیف و مشقت نہیں پہنچے گی ﴿وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ﴾ اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ و سستی لاحق ہوگی [قاری ابو عبد الرحمان السلمی نے ''لَغُوْبٌ'' کو لام مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے] اور یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو جاتی ہے' یعنی ہمیں کسی ایسے عمل کا مکلف نہیں کیا جائے گا جو ہمیں کمزور کر دے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

نصیر ۳۷

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O اور وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (اس عذاب سے) نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف ان اعمال کے جو پہلے کرتے تھے' (جواب میں کہا جائے گا:) اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس تو ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا تھا' سو تم (اب عذاب کا) مزہ چکھو' پس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں O

۳۶- ﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے' ان پر قضا نہیں آئے گی کہ وہ مر جائیں [''فیموتوا'' نفی کا جواب ہے اور یہ ''اَنْ'' ناصبہ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی دوبارہ موت کی قضاء ان پر نہیں آئے گی کہ وہ (عذاب سے) امن و سکون حاصل کرلیں ﴿ وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ﴾ اور ان سے اس کا عذاب (یعنی) دوزخ کی آگ کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح (یعنی) اس سزا کی طرح ﴿ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴾ ہم ناشکرے کو سزا دیتے ہیں [ابو عمرو کی قراءت میں ''یُجْزٰی كُلُّ كفور'' ہے]۔

۳۷- ﴿ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ ﴾ اور وہ لوگ اس میں چیخ و پکار کریں گے اور چلائیں گے' فریاد طلب کریں گے [اور یہ ''یفتعلون'' کے وزن پر باب افتعال سے ہے] اور ''صراخ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: زور سے چیخ کر چلانا اور اس کو فریاد کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ فریاد کرنے والا فریادی اپنی آواز کو بہت بلند کرتا ہے ﴿ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف اس کے جو ہم کرتے تھے یعنی وہ لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ کی آگ سے نکال اور ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دے' ہم وہاں جاکر کفر کے عوض ایمان لے آئیں گے اور ہم نافرمانی اور گناہوں کے بجائے اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے اور نیک عمل کریں گے' پھر دنیا کی زندگی کی مقدار کے برابر عرصہ گزر جانے کے بعد انہیں جواب دیا جائے گا کہ ﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ﴾ کیا ہم نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاص کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور ممکن ہے کہ ''مَا'' نکرہ موصوفہ ہو یعنی عمر عطا کرنا ''یتذکر فیہ من تذکر'' یہ ہر عمر کو شامل ہے جس میں مکلف انسان اپنی حالت کی اصلاح کرنے پر قادر ہو اور اگر چہ بہت کم ہو مگر ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا لمبی عمر میں زیادہ اہم ہوتا ہے' پھر بعض نے کہا کہ وہ اٹھارہ سال ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس سال ہے اور بعض نے کہا: ساٹھ سال ہے ﴿ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ ﴾ اور تمہارے پاس ایک ڈر سنانے والا آیا تھا (یعنی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے یا بڑھاپا (یا قرآن مجید) اور یہ ''اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ'' پر عطف ہے کیونکہ یہ لفظاً استفہام ہے اور معنی کے اعتبار سے خبر ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''قَدْ عَمَّرْنَاكُمْ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ'' بے شک ہم نے تمہیں دراز زندگی عطا کی تھی اور تمہارے پاس ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا تھا ﴿ فَذُوْقُوْا ﴾ ''العذاب'' سو تم عذاب کا مزہ چکھو ﴿ فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴾ سو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کی مدد کر سکے۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے' بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہےO وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر اختیار کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں میں ان کا کفران کے رب تعالیٰ کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر سخت بغض وعناد کا' اور کافروں میں ان کا کفر زیادہ نہیں کرتا مگر نقصان کوO

اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کی شان اور کفر وشرک کے نقصان کا بیان

۳۸- ﴿إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) ان دونوں میں جو کچھ تم سے غائب اور پوشیدہ ہے' اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ کلام علت کی طرح ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سینوں اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں تو پھر وہ دنیا کی تمام غیب چیزوں کو یقیناً جانتا ہے اور ''ذات الصدور'' سے اس کی پوشیدہ باتیں اور ارادے مراد ہیں اور ''ذات'' یہ ''ذو'' کی مؤنث ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں ہے کہ ''ذو بطن خارجة جارية''[1] خارجہ کے پیٹ سے لڑکی ہوگی یعنی اس کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ لڑکی ہوگی' اس لیے کہ حمل پیٹ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی طرح پوشیدہ خیالات و باتیں سینوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور ''ذو'' صحبت کے معنی کے لیے بنایا گیا ہے۔

۳۹- ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ جانشین کے لیے خلیفہ بولا جاتا ہے اور اس کی جمع ''خلائف'' آتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ اور جانشین بنایا اور بے شک اس نے زمین میں تصرف کی چابیوں کا تمہیں مالک بنا دیا اور اس نے تمہیں اس کی ہر چیز پر مسلط کر دیا اور اس نے تمہارے لیے زمین کے منافع وفوائد کو مباح و جائز قرار دے دیا تاکہ تم عقیدۂ توحید اور عبادت واطاعت پر اس کا شکر ادا کرو ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ سو تم میں سے جس نے کفر اختیار کر لیا اور اس عالی شان قسم کی نعمت کی ناشکری کی ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ﴾ تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا (یعنی) اس کے کفر کا وبال اسی پر لوٹے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی ہے اور آخرت کا خسارہ ہے' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا﴾ اور کافروں میں ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر بغض وعناد میں اور ''مقتا'' کا معنی ہے: سخت ترین بغض ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا﴾ اور کافروں کا کفران میں نہیں بڑھاتا مگر خسارہ کو (یعنی) ہلاکت ونقصان کو۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

[1] رواہ مالک فی المؤطا ج ۲ ص ۷۵۲

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾

فرما دیجئے کہ تم بھلا مجھے اپنے شریکوں کے بارے میں بتلاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے پس وہ اس کی کسی واضح دلیل پر قائم ہیں' بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے مگر صرف مکر و فریب کاO بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں' اور اگر وہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا' بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہےO

۴۰۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے مشرکو!) کیا تم اپنے شریکوں کے بارے میں مجھے بتلا سکتے ہو' تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت و پرستش کرتے ہو (یعنی) اپنے معبودوں کے متعلق جن کو تم نے عبادت میں شریک ٹھہرا لیا ہے ﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے [یہ "ارءیتم" سے بدل ہے کیونکہ "ارءیتم" کا معنی ہے: "اخبرونی"] گویا فرمایا گیا کہ "اخبرونی عن ھٰؤلآء الشرکآء وعما استحقوا بہ الشرکۃ" مجھے ان شریکوں کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کس سبب کی وجہ سے شرکت کے مستحق ٹھہرے ہیں' مجھے یہ بھی دکھاؤ کہ زمین کے حصوں میں سے کون سا حصہ ہے جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا خود مستقل پیدا کیا ہے ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ﴾ کیا ان کی آسمانوں میں شرکت ہے (یعنی) کیا ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت و حصہ داری ہے (کہ اس کی وجہ سے وہ الوہیت میں شریک ہوں) ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ﴾ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ واضح دلیل پر قائم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں' سو اس کتاب کی وجہ سے وہ حجت و برہان رکھتے ہیں [علی کسائی' ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "بیّنات" (واحد کی بجائے جمع) ہے] ﴿بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا﴾ بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر مکر و فریب کا اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ "هٰٓـؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یونس:۱۸) "یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے" ["بَعْضُهُمْ" "الظّٰلِمُوْنَ" سے بدل ہے اور ان دونوں سے سردار اور بڑے لوگ مراد ہیں جب کہ "بَعْضًا" سے پیروکار مراد ہیں]۔

۴۱۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں (یعنی) اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی اصل جگہ سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے کیونکہ "امساك" کا معنی منع ہے ﴿وَلَئِنْ زَالَتَآ﴾ اور اگر بفرضِ محال وہ دونوں اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو ﴿اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ﴾

﴿مِّنۢ بَعْدِهٖ﴾ اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا [پہلا ''مِنْ'' نفی کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور دوسرا ''مِنْ'' ابتداء کے لیے ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے' جلد سزا نہیں دیتا اس لیے آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے حالانکہ ان دونوں کے لیے مناسب تھا کہ وہ کلمہ شرک کی بناء پر مشرکین پر گر پڑتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ'' (مریم:۹۰) ''قریب ہے کہ اس (شرک) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے''۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرسنانے والا آیا تو وہ ضرور تمام امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے' پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا تشریف لایا تو صرف ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا O زمین میں تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے' اور بُری سازش نازل نہیں ہوتی مگر اس کے کرنے والے پر' سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں ماسوا پہلے لوگوں کے دستور کے' سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے' اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی ہیرا پھیری نہیں پائیں گے O

کفارِ مکہ کو جھوٹی قسم کھانے اور بُری سازش کرنے پر انتباہ

۴۲- ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی پکی قسم کھا کر کہا [''جهد ايمانهم'' میں ''جهد'' مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی پکی قسمیں یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی وہ اپنی قسموں میں بہت کوشش کرنے والے ہیں] ﴿لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ البتہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آ گیا تو وہ گزشتہ امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے قریشِ مکہ کو خبر پہنچی کہ اہل کتاب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ ان کے پاس رسول تشریف لائے مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر ہمارے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو ہم ان امتوں میں سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ہم اس امت میں سے ہوں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امتوں میں ایک (یکتا) ہے' اس بناء پر کہ وہ دوسری امتوں پر ہدایت و استقامت میں فضیلت و برتری رکھتی ہے' جیسا کہ بڑی مصیبت کے لیے کہا جاتا ہے: ''هي احدى الدواهي'' یہ مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ﴾ پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا آ گیا (یعنی) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو مبعوث کیا گیا ﴿ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴾ تو ان کی نفرت میں اور اضافہ ہو گیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی آمد نے ان میں صرف نفرت اور حق سے دوری کو بڑھا دیا [اور یہ مجازی اسناد ہے]۔

۴۳۔ ﴿ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ﴾ زمین میں تکبر کرنے اور بری سازش کرنے کی وجہ سے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ان میں رسول کی آمد پر نفرت میں اضافہ محض تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے ہوا [یا یہ حال ہیں] یعنی کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تکبر و غرور کرنے والے اور مکر و فریب کرنے والے ہیں اور اس کی اصل ''وان مکرو السیئ'' اور یہ کہ انہوں نے بُرا فریب کیا یعنی بُری سازش، پھر اور بُری سازش، پھر اور بُری سازش اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَا يَحِيْقُ ﴾ اور نہیں گھیرتا اور نہ نازل ہوتا ہے ﴿ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ﴾ بُرا مکر و فریب مگر اس کے کرنے والے پر اور بے شک بدر کے دن ان کے مکر و فریب نے انہیں گھیر لیا تھا اور جیسا کہ کہاوت ہے کہ ''من حفر لاخيه جبًّا وقع فيه مكبًّا'' جو شخص اپنے کسی بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گر پڑتا ہے ﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر پہلے لوگوں کے دستور کا اور وہ ان گزشتہ امتوں پر عذاب نازل کرنا ہے جنہوں نے کفارِ مکہ سے پہلے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور معنی یہ ہے کہ کفارِ مکہ آپ کو جھٹلانے کے بعد اب کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر صرف اسی بات کا کہ ان پر اسی طرح عذاب نازل ہو جائے جس طرح ان سے پہلے رسولوں کے جھٹلانے والے لوگوں پر عذاب نازل ہوا تھا اور اس کے لیے ان کے استقبال کو ان کی طرف سے اس عذاب کا انتظار قرار دیا گیا ہے ﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو بدلتا ہوا ہرگز نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دستور رسولوں کے جھٹلانے والوں سے انتقام لینا ہے، یہ ایک ایسا دستور ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بدلتا اور نہ اس کو اوقاتِ مقررہ سے پھیرتا ہے بلکہ یہ کام یقیناً ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ قوت و طاقت میں ان سے بہت زیادہ سخت تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ ہی زمین میں ہے، بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ○ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بداعمال پر پکڑ لیتا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے تو پھر روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک ان کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا وقت

آ جائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا O

۴۴۔ ﴿ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ﴾ اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس وہ غور وفکر سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا۔ کفارِ مکہ پر اس لیے شہادت و دلیل پیش کی گئی ہے کہ یہ لوگ ملک شام' یمن اور عراق کی طرف اپنے سفر کے دوران گزشتہ نافرمان قوموں کے ویران واجاڑ محلات ومکانات کے آثار اور خود ان قوموں کی ہلاکت و بربادی اور ان کی تباہی کی علامات کا مشاہدہ کرتے تھے ﴿ وَکَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْہُمْ ﴾ اور وہ لوگ ان سے یعنی اہل مکہ سے بہت زیادہ سخت جان تھے ﴿ قُوَّۃً ﴾ قوت وطاقت اور قدرت واختیار میں' پھر بھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے راہِ فرار اختیار کر کے بھاگ نہ سکے ﴿ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعْجِزَہٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اس کو کوئی چیز آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ زمین میں یعنی زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ نکل سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز بچ سکتی ہے بلکہ ہر چیز اس کے قابو میں ہے ﴿ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا ﴾ بے شک وہ ان کو خوب جاننے والا ہے (اور) ان پر بہت قدرت واختیار رکھنے والا ہے۔

۴۵۔ ﴿ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کارناموں پر پکڑ لیتا جو انہوں نے کمائے (یعنی) انہوں نے جن گناہوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا ہے' ان پر اگر اللہ تعالیٰ فوراً پکڑ لیتا تو ﴿ مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہْرِہَا مِنْ دَآبَّۃٍ ﴾ اللہ تعالیٰ روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا (بلکہ سب کو ہلاک کر دیتا) زمین پر چلنے والے ہر ذی روح کو "دآبۃ" کہا جاتا ہے [ضمیر مؤنث "ارض" کی طرف لوٹی ہے یعنی "علی ظھر الارض" ہے کیونکہ "ارض" کا ذکر پیچھے "لِیُعْجِزَہٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ" میں کیا جا چکا ہے] ﴿ وَلٰکِنْ یُّؤَخِّرُہُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مقرر وقت تک مہلت دے دیتا ہے (یعنی) قیامت کے دن تک ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیْرًا ﴾ پھر جب ان کا وقت آ جائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا یعنی اس پر ان کے معاملہ کی حقیقت اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کی حکمت مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔

سورۃ یٰسٓ مکیۃ ۳۶	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O	آیاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵
سورۂ یٰسٓ مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O	اس کی تراسی آیات' پانچ رکوع ہیں

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُہُمْ فَہُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِہِمْ فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِہِمْ اَغْلٰلًا فَہِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَہُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸

یٰسٓ O حکمت والے محکم قرآن مجید کی قسم O بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں O سیدھے راستے پر O بہت غالب وعزت والے (اور) بے حد مہربان (خدا) کا اتارا ہوا ہے O تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو نہیں

ڈرایا گیا' سو وہ غافل ہیں O بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں' سو وہ ٹھوڑیوں تک پہنچ چکے ہیں' پس وہ اپنے سروں کو اونچے کیے ہوئے ہیں O

سورتِ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تفسیر

۱- ﴿یٰسٓ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قبیلہ بنو طے کی لغت میں اس کا معنی ہے: ''یا انسان'' (اس سے انسانِ کامل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں) اور حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حدیث شریف میں ہے: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان اللّٰہ تعالٰی سمّانی فی القراٰن بسبعة اسماء محمد' واحمد وطٰهٰ ویٰس والمزّمّل والمدّثّر وعبد اللّٰہ'' [1] بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میرے سات نام رکھے ہیں: (۱) محمد (۲) احمد (۳) طٰہٰ (۴) یٰسین (۵) مزمّل (۶) مدثر (۷) عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور بعض علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: ''یا سیّد'' [علی کسائی' حمزہ' خلف' حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''یٰس'' میں ''یا'' کے فتح (زبر) کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے (اس سورت کے فضائل اس کے آخر میں بیان کیے گئے ہیں)]۔

۲- ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ حکمت والے قرآن کی قسم! یا تو اس لیے کہ یہ حکمت بیان کرنے والی دلیل ہے یا اس لیے کہ یہ حکیم کا کلام ہے' سو اس لیے اس کو متکلم کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے اور اس میں کفارِ مکہ کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''لَسْتَ مُرْسَلًا'' (الرعد: ۴۳) ''آپ رسول نہیں ہیں''۔

۴- ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے پر ہیں [یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ ''مرسلین'' کا صلہ ہے] یعنی جتنے رسولوں کو بھیجا گیا ہے' وہ سب صراطِ مستقیم پر گامزن تھے یعنی سیدھے راستے پر قائم تھے اور وہ دین اسلام ہے۔

۵- ﴿تَنْزِيْلَ﴾ [ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں اس بناء پر منصوب ہے کہ اصل میں ''اقرأ تنزیل'' یعنی اس نازل شدہ قرآن کو پڑھیے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے ''اَیْ نُزِّلَ تَنْزِيْلَ'' اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هُوَ تَنْزِيْلُ'' اور یہ مصدر بہ معنی مفعول ہے] ﴿الْعَزِيْزِ﴾ اپنی کتاب کی نظم کی فصاحت کی وجہ سے عناد و بغض رکھنے والوں کے اوہام پر غالب ہے ﴿الرَّحِيْمِ﴾ اپنے خطاب کے معنی کی لطافت کی وجہ سے ہدایت والوں کی عقلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

۶- ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا [''لتنذر'' میں لام متصل بہ معنی ''مرسل'' ہے] ''اَیْ اُرْسِلْتَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ'' یعنی آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا [''ما انذر'' میں ''ما'' جمہور کے نزدیک نافیہ ہے اور یہ جملہ ''قومًا'' کی صفت ہے] یعنی آپ ایسی قوم کو ڈر سنائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا۔ اس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہیں: ''لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ'' (السجدہ: ۳) ''تاکہ آپ ایسی قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا''۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ O'' (سبا: ۴۴) ''اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا O'' [یا پھر یہ ''ما'' موصولہ ہے اور مفعول ثانی کی بناء پر منصوب ہے] یعنی آپ

[1] رواہ بنحوہ ابن عدی وابن عساکر (کنز العمال: ۳۲۱۶۹)

انہیں اس عذاب سے ڈرائیں جس سے ان کے آباء واجداد کو ڈرایا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّـآ اَنْذَرْنٰـكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًاO'' (النباء:۴۰) ''بے شک ہم نے تمہیں ایسے عذاب کا ڈر سنا دیا ہے جو عنقریب آنے والا ہےO'' [یا یہ ''ما'' مصدر یہ ہے] یعنی تا کہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جیسا کہ ان کے باپ دادا کو ڈرایا گیا تھا ﴿فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ سو وہ غافل ہو چکے ہیں [اگر ''ما'' کو نافیہ قرار دیا جائے تو پھر یہ نفی کے متعلق ہوگا یعنی ان کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا' سو وہ غافل ہیں ورنہ وہ ''انك لمن المرسلين لتنذر'' کے متعلق ہوگا یعنی بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں تا کہ آپ ڈرائیں' جیسا کہ تم کہو: ''ارسلتك الى فلان لتنذره فانه غافل او فهو غافل'' یعنی میں نے تجھے فلاں آدمی کے پاس بھیجا ہے تا کہ تو اسے ڈرائے کیونکہ وہ یقیناً غافل ہے یا سو وہ غافل ہے]۔

۷- ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی جو بات ان پر ثابت ہو چکی ہے' وہ یہ ہے: ''لَاَمْلَـئَنَّ جَهَنَّـمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَـعِيْنَO'' (السجدہ:۱۳) ''میں جنوں اور انسانوں سب سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گاO'' یعنی یہ بات ان کے ساتھ متعلق ہو چکی ہے اور ان پر ثابت اور واجب ہو چکی ہے' اس لیے کہ یہ کفار ان لوگوں میں سے ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ بے شک یہ کفر پر مریں گے۔

۸- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کفارِ مکہ کے کفر پر اَڑے رہنے کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ کہ بے شک ان کے واپس لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ وہ حق کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جن کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق پڑے ہوں' جن کے سبب ان کے سر اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور اب نہ وہ حق کی طرف اپنی گردنوں کو جھکا سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے سروں کو اس کے لیے نیچے کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ اب ان کے لیے غور وفکر اور سوچ و بچار کی صلاحیت نہیں رہی اور نہ ان کے پاس اب بصیرت رہی ہے' ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جو دو دیواروں کے درمیان گھر چکے' نہ وہ اپنے آگے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے پیچھے دیکھ سکتے ہیں اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ میں غور وفکر کی نظر سے اندھے ہو چکے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ﴾ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں' سو وہ ٹھوڑیوں تک ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ پس وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ وہاں تک گردنوں کے گرد چمٹے ہوئے ہیں ﴿فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ سو وہ اپنے سروں کو اونچا اٹھائے ہوئے ہیں' جب اونٹ پانی پی کر سیراب ہو جاتا ہے تو اپنے سر کو اوپر اٹھا لیتا ہے' اس وقت کہا جاتا ہے: ''قمح البعير فهو قامح'' اور یہ اس لیے کہ جو طوق مغلول کی گردن میں ہوتا ہے' اس کے دونوں سرے ٹھوڑی کے نیچے جہاں باہم ملتے ہیں وہاں گول حلقہ ہوتا ہے جس میں سے ڈنڈی کا سر انکل کر ٹھوڑی کے نیچے تک پہنچتا ہے' سو وہ سر کو جھکنے نہیں دیتا' پس وہ ہمیشہ اپنا سر اوپر اٹھائے رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⁩⁽⁹⁾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⁽¹⁰⁾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ

كَرِيْمٍ ⑪ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کردی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کردی ہے سو ہم نے ان کو ڈھانپ لیا ہے پس وہ دیکھ نہیں سکتے O اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے O بے شک آپ تو صرف اسے ڈرسنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمن سے بن دیکھے ڈرے سو آپ اس کو مغفرت و بخشش اور عزت کے اجر و ثواب کی خوش خبری سنا دیں O بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیج دیئے ہیں اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہم نے ہر چیز کو ایک روشن کتاب میں گن رکھا ہے O

۹۔ ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ﴾ اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنادی [حمزہ علی کسائی اور حفص کی قراءت میں دونوں ''سَدًّا'' میں سین مفتوح ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: جو انسان کے عمل سے تیار ہو وہ فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے تیار ہو جیسے پہاڑ وغیرہ تو وہ ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے] ﴿ فَاَغْشَيْنٰهُمْ ﴾ سو ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا یعنی ہم نے ان کی آنکھوں کو چھپا لیا اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ﴿ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ سو وہ حق اور رشد و ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ قبیلہ بنی مخزوم کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ ایک دفعہ ابو جہل نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے (سرورِ عالم حضرت) محمد (مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ضرور آپ کا سر کچل دے گا'' چنانچہ ایک دن اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے ساتھ ایک بھاری پتھر لے کر آپ کے قریب آیا تا کہ وہ اس پتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دے لیکن جب وہ آپ کو پتھر مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھانے لگا تو اس نے جونہی اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اس کا ہاتھ اس کی اپنی گردن سے چمٹ گیا اور پتھر اس کے ہاتھ سے چمٹ گیا' بہت پریشان ہوا' یہاں تک کہ بڑی مشکل سے گردن سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گیا اور انہیں جا کر سارا واقعہ سنایا تو ایک دوسرے مخزومی نے کہا کہ میں انہیں اس پتھر کے ساتھ قتل کر کے آتا ہوں' چنانچہ وہ بھی آپ کے قریب آیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا۔

۱۰۔ ﴿ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا آپ انہیں نہ ڈرائیں' وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر و یکساں ہے (مگر آپ کو تبلیغ پر اجر و ثواب ملے گا) اور معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اس قدر گمراہ کر دے' اس کو ڈرانا مفید و نافع نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ آیت مبارکہ غیلان قدری پر تلاوت فرمائی تو غیلان قدری نے کہا: میں نے گویا یہ آیت مبارکہ پہلے پڑھی ہی نہیں' میں آپ کو گواہ بنا کر تقدیر کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں' یہ سن کر حضرت عمر نے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر اس نے سچی توبہ کی ہے تو اس کی توبہ قبول فرما لے اور اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس پر ایسے شخص کو مسلط کر دے جو اس پر بالکل رحم نہ کرے' چنانچہ ہشام بن عبد الملک نے اسے اپنے پاس بلا کر گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا کر دمشق کے بڑے

دروازے پر سولی پر لٹکوادیا۔[1]

۱۱- ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ ﴾ بے شک آپ صرف اس شخص کو ڈرسنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف وہ شخص نفع اور فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن مجید کی پیروی کرے ﴿ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ﴾ اور وہ بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہو حالانکہ اس نے اسے دیکھا بھی نہیں ﴿ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ ﴾ سو آپ اس کو مغفرت و بخشش کی بشارت سنادیں اور وہ اس کے گناہوں سے درگزر کرنا ہے اور اسے معاف کرنا ہے ﴿ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴾ اور عزت کے اجر و ثواب کی بشارت سنادیں یعنی جنت کی۔

۱۲- ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے (اور) ہم ہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے یا ہم ہی ان کو شرک سے نکال کر ایمان کی طرف لے جائیں گے ﴿ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا ﴾ اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے (یعنی) انہوں نے جو نیک اعمال اور ان کے علاوہ دیگر جو اعمال بھی آگے بھیج دیئے ہیں ہم انہیں لکھ رہے ہیں ﴿ وَاٰثَارَهُمْ ﴾ اور ان کے نشانات (یعنی) جو نیکی کے نشانات ان سے عملی طور پر ختم ہو چکے ہیں (لیکن صدقہ جاری کے طور پر باقی ہیں) جیسے جو کسی کو تعلیم کے ذریعہ سکھا دیا اور پڑھا دیا' یا کوئی دینی کتاب لکھ دی یا ٹھہرنے کے لیے سرائیں یا مسافر خانے یا مسجد جس کو انہوں نے بنا دیا' یا پھر برائی کے نشانات جیسے ٹیکس جن کو ظالم حکمرانوں نے عوام رعایا پر لگایا ہوتا ہے اور اسی طرح ہر نیک طریقہ یا بُرا طریقہ جس کو جاری اور رائج کیا جاتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○'' (القیامہ: ۱۳) ''اور اس دن (قیامت کے دن) انسان کو بتا دیا جائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا ہے ○'' یعنی اس نے اپنے اعمال میں جو کچھ آگے بھیجا ہے اور اس نے اپنے آثار و نشانات میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ وہ آثار ان کے نمازِ جمعہ اور پنجگانہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے جانے والے قدم ہیں ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ ﴾ اور ہر چیز کو ہم نے گن رکھا ہے اور ہم نے اسے بیان کر رکھا ہے ﴿ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ روشن کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں کیونکہ یہی کتابوں کی اصل ہے اور ان کی پیشوا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے' جب اس میں کئی رسول تشریف لائے ○ جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے' سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ تائید کی' سو انہوں نے فرمایا: بے شک ہمیں تمہاری

[1] قدریوں کا عقیدہ ہے کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کے بارے میں کوئی عمل دخل نہیں' اس لیے انسان کے افعالِ بد کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

طرف پیغام دے کر بھیجا گیا ہےO انہوں نے کہا: تم تو نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہوO رسولوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیںO

پیغمبروں کو اپنے جیسا کہنے والے انطاکیہ شہر کے کفار کا قصہ

۱۳ - ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ایک شہر والوں کی مثال ان (کفارِ مکہ) کے لیے بیان کیجئے (یعنی) مثال دے کر انہیں نصیحت کیجئے یہ کلام اہل عرب کے اس قول میں سے ہے کہ ''عندی من هذا الضرب كذا ای من هذا المثل ''یعنی میرے پاس اس مثال میں سے یوں ہے اور ''هذه الاشياء على ضرب واحد ای علی مثال واحد ''یعنی یہ تمام چیزیں ایک ہی مثال پر ہیں اور معنی یہ ہے: ''(واضرب لهم مثلاً) مثل اصحاب القرية ای انطاكية ''اور آپ ان (کفارِ مکہ) کے لیے ایک مثال بیان کیجئے یعنی انطاکیہ شہر کے رہنے والوں کی مثال بیان کیجئے یعنی آپ ان کے لیے ایک عجیب وغریب قصہ بیان کیجئے جو انطاکیہ شہر میں رہنے والوں کا قصہ ہے [اس میں دوسرا ''مثل '' پہلے کا بیان ہے] ﴿اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ جب اس شہر میں بھیجے گئے رسول تشریف لائے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے جو اس شہر کے باشندوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجے گئے تھے اور وہ لوگ بت پرست تھے [''اذ'' ''اصحاب القرية'' سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔

۱٤ - ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ جب ہم نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے حکم سے دو سچے رسولوں کو بھیجا سو جب وہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا اور وہ حبیب نجار تھا چنانچہ اس نے ان دونوں سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تا کہ ہم تمہیں بتوں کی عبادت کرنے کی بجائے خدائے رحمٰن کی عبادت کرنے کی دعوت دیں سو حبیب نجار نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم بیماروں کو تندرست وشفاء یاب کرتے ہیں اور ہم مادر زاد نابینے اور کوڑھ کے بیماروں کو شفاء یاب کرتے اور نابینا کو بینا کرتے ہیں اور برص والوں کو تندرست کر دیتے ہیں اور حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا اور انہوں نے اس کے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے تو وہ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا اور حبیب نجار یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا اور یہ خبر فوری طور پر پھیل گئی (اور لوگ گروہ در گروہ شفاء یابی کے لیے ان حضرات کے پاس آنے لگے یہاں تک) کہ ان دونوں مقدس رسولوں کے مبارک ہاتھوں سے بہت بڑی مخلوق شفاء یاب وتندرست ہو گئی سو ان دونوں حضرات کو بادشاہ نے بلا لیا اور کہا کہ کیا ہمارے معبود کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! ضرور ہے وہی ہمارا معبود ہے جس نے تمہیں اور تمہارے معبودوں کو پیدا کیا بادشاہ نے کہا: ٹھہرو! یہاں تک کہ تمہارے معاملے میں غور وفکر کر لوں پھر وہاں کے مشرک لوگ ان رسولوں کے پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے ان کو بہت مارا اور بعض نے فرمایا کہ انہیں قید کر دیا گیا تھا پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیسرے رسول حضرت شمعون کو بھیج دیا جو اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے خاص کارندوں کے ساتھ دوستی کر کے ان کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے اس کی خبر بادشاہ کو پہنچائی تو بادشاہ نے اس کو بلا کر بات چیت کی تو وہ بھی مانوس ہو گیا چنانچہ ایک دن حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے تو کیا آپ نے ان کی بات سنی ہے بادشاہ نے کہا کہ نہیں! پھر بادشاہ نے ان دونوں حضرات کو بلایا تو حضرت شمعون نے ان سے کہا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور

ہر جاندار کو رزق عطا کرتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں' پھر حضرت شمعون نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور صفات بیان کرو مگر مختصر بیان کرو' انہوں نے فرمایا: وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا اور حکم دیتا ہے' حضرت شمعون نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے' انہوں نے فرمایا کہ بادشاہ جو آرزو کرے ہم پوری کر دیں گے' چنانچہ بادشاہ نے ایک پیدائشی اندھا لڑکا منگوایا اور ان دو رسولوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ لڑکا تندرست ہو کر انکھیارا ہو گیا اور سب کچھ دیکھنے لگا' پھر حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اپنے معبودوں سے سوال کرو کہ وہ بھی اس قسم کا کام کریں تو وہ کر دیں گے اور کیا انہیں یہ کمال حاصل ہے' بادشاہ نے کہا: تم سے میری کوئی بات چھپی نہیں ہے' حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں' پھر بادشاہ نے عرض کیا کہ اگر تمہارا معبود مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے تو ان دونوں رسولوں نے سات دن سے مرے ہوئے بچے کے حق میں دعا فرمائی تو وہ بچہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا' اور کہنے لگا: بے شک مجھے مرنے کے بعد دوزخ کی سات وادیوں پر پھیرا گیا کیونکہ میں کفر وشرک پر مرا تھا اور اب میں تمہیں کفر وشرک پر قائم رہنے سے ڈراتا ہوں' تم کفر وشرک سے بچو اور توبہ کر کے ایمان لے آؤ' اور اس نے کہا کہ ابھی آسمان کے ساتوں دروازے کھول دیئے گئے ہیں' سو میں ایک حسین و جمیل نوجوان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں جو ان تینوں کے لیے سفارش کر رہے ہیں' بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تین افراد کون ہیں؟ بچے نے کہا: وہ حضرت شمعون اور یہ دو نوجوان ہیں' سو بادشاہ بڑا حیران ہوا' چنانچہ جب حضرت شمعون نے دیکھا کہ بچے کی بات بادشاہ میں تاثیر کر گئی ہے تو اسے نصیحت کی تو وہ خود بھی ایمان لے آیا اور اس کی قوم بھی ایمان لے آئی اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے زور سے چیخ ماری' پس وہ سب ہلاک ہو گئے ﴿فَكَذَّبُوهُمَا﴾ سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا (یعنی) اس شہر کے رہنے والوں نے دونوں رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ سو ہم نے تائید کی (یعنی) سو ہم نے تقویت پہنچائی [ابو بکر کوفی کی قراءت میں تخفیف یعنی بغیر شد کے ''فَعَزَزْنَا'' ہے] یہ ''عز یعزہ'' سے ماخوذ ہے جب کوئی غالب آ جاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے یعنی سو ہم غالب آ گئے اور زبردست قابو کر لیا ﴿بِثَالِثٍ﴾ تیسرے رسول کے ساتھ اور وہ حضرت شمعون ہیں (کذا اخرج ابن المنذر عن سعید بن جبیر. مظهری) [اور مفعول بہ کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مراد ''معزز بہ'' کا ذکر ہے اور وہ حضرت شمعون ہیں] اور اس میں کتنی لطیف تدبیر و منصوبہ بندی کی گئی ہے' یہاں تک کہ حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا اور جب کلام کو اغراض میں سے کسی خاص غرض کے ساتھ مقرر کر کے بیان کیا جاتا ہے تو پھر کلام کو اسی غرض کے لیے چلایا جاتا ہے اور اسی کی طرف توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے گویا اس کے ماسوا کو ترک کر دیا جاتا ہے ﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ سو انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں یعنی ان تینوں نے اس شہر میں رہنے والوں سے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۱۵- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی شہر کے رہنے والے کفار نے کہا: ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ تم تو صرف ہماری طرح بشر ہو[1] [یہاں ''بَشَرٌ'' مرفوع ہے جب کہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں منصوب ہے: ''مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ

[1] اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا اور اپنے جیسا بشر سمجھنا کفار کا عقیدہ اور طریقہ ہے جب کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ انبیائے کرام کی بشریت بے مثل و بے مثال ہوتی ہے اور ان کی بشریت سب سے ممتاز ہوتی ہے کیونکہ ایک تو ان کی بشریت تمام بشری آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے' دوسرا یہ کہ ان کی بشریت نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بشریت کے باوجود فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں۔

اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ O'' (یوسف:۳۱) ''یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ ہے O'' اس لیے کہ یہاں حرف ''اِلَّا'' کی وجہ سے نفی ختم ہو چکی ہے اور اب حرف ''مَا'' لَیْسَ'' کے مشابہ نہیں رہا اور وہ اپنے عمل کے ساتھ ثبت ہو گیا ہے] ﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ﴾ اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی یعنی وحی نازل نہیں فرمائی ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو (یعنی) تم صرف جھوٹے ہو۔

۱۶- ﴿قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ انہوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف البتہ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں [دوسرے ''مرسلون'' کو لام کے ساتھ مؤکد کر کے ''لمرسلون'' لایا گیا ہے پہلے کو نہیں کیونکہ پہلا ''مرسلون'' محض خبر ہے اور دوسرا انکار کا جواب ہے پس یہاں تاکید زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور ''ربنا یعلم'' تاکید میں قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ ان کا قول ہے: ''شھد اللّٰہ و علم اللّٰہ'' یعنی اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے]۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ہم پر لازم نہیں مگر واضح طور پر پہنچا دینا O انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے تمہیں منحوس سمجھا ہے اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے ضرور دردناک عذاب پہنچے گا O رسولوں نے فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے کیا (تم اس لیے منحوس سمجھ رہے ہو کہ) تمہیں نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو O

۱۷- ﴿وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ اور ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر صاف پہنچا دینا یعنی کھلم کھلا تبلیغ کرنا اور پہنچانا اور آیات و دلائل کے ساتھ ایسا واضح کیا گیا ہو جو اس کی صحت پر گواہ ہو جائے۔

۱۸- ﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم تمہیں نحوست تصور کرتے ہیں (یعنی) ہماری نحوست تمہاری وجہ سے ہے اور یہ اس لیے کہا کہ وہ لوگ ان رسولوں کے دین کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے دلوں کو اس دین حق سے نفرت تھی اور جاہلوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی انہیں آرزو ہوتی ہے وہ اسی کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی کو ان کی طبیعتیں قبول کرتی ہیں اور جس سے وہ نفرت کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں وہ اس کو منحوس قرار دیتے ہیں پھر اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں: اس شخص کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے اور اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو کہتے ہیں: یہ فلاں کی برکت سے ہوا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان پر بارش برسنا رک گئی تھی اس لیے انہوں نے اسے نحوست قرار دیا اور کہا: ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ اگر تم اپنی اس بات سے باز نہ آئے ﴿لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ تو البتہ ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور ہم تمہیں ضرور قتل کریں گے یا ہم تمہیں ضرور جلاوطن کر دیں گے یا ہم تمہیں ضرور گالیاں دیں گے سب و شتم کریں گے ﴿وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (یعنی) تمہیں جلانے والا عذاب ضرور پہنچے گا اور یہی سب سے زیادہ سخت عذاب ہے۔

۱۹- ﴿قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ﴾ رسولوں نے فرمایا: تمہاری نحوست یعنی تمہاری نحوست کا سبب ﴿مَّعَكُمْ﴾ تمہارے ساتھ ہے اور وہ کفر وشرک ہے ﴿اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ﴾ کیا اگر تمہیں نصیحت کی جائے اور تمہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے (تو تم اسے نحوست قرار دو گے اور سنگسار کرنے اور عذاب دینے کی دھمکیاں دو گے) [کوفی قراء اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ استفہام اور حرف شرط کے ساتھ ''اَىِٕنْ'' ہے جب کہ ابو عمرو کی قراءت میں ہمزہ ممدودہ اس کے بعد ''یا'' مکسور ''اٰیِنْ'' ہے اور ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ مقصورہ اس کے بعد ''یا'' مکسورہ ''اَیِنْ'' ہے اور یزید کے ہاں تخفیف کے ساتھ ''ذُكِرْتُمْ'' ہے] ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم زیادتی کرنے والی قوم ہو (یعنی) تم نافرمانی اور گناہ کرنے میں حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو' پس اسی وجہ سے تم پر نحوست نازل ہوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی طرف سے نہیں آئی اور نہ ان کی نصیحت کرنے کی وجہ سے آئی ہے یا یہ کہ تم اپنی گمراہی اور اپنی بغاوت و سرکشی میں حد سے بڑھنے والے ہو کیونکہ تم انہیں نحوست قرار دیتے ہو جن سے تبرک حاصل کرنا واجب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو○ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں○

حضرت حبیب نجار کے ایمان وشہادت اور اس کی قوم میں سے کفار کے انجام کا بیان

۲۰- ﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی﴾ اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور وہ حضرت حبیب نجار تھا اور وہ ایک پہاڑ کے غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا' پھر جب اسے رسولوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ ان کے پاس آیا اور اپنے دین کا اظہار کیا اور اس نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرات جس مشن کو لے کر تشریف لائے ہیں اس پر کوئی اجرت طلب کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا کہ نہیں ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اس نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم ان رسولوں کی پیروی اختیار کر لو۔

۲۱- ﴿اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا﴾ تم ان حضرات کی پیروی کر لو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے ﴿وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ہدایت پر ہیں یعنی وہ رسول ہدایت یافتہ ہیں' سو اس کی قوم کے لوگوں نے پوچھا: کیا تم بھی انہیں کے دین پر ہو تو اس نے جواب میں فرمایا:

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ

مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾

اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O کیا میں اس کے سوا اوروں کو معبود بنالوں اگر رحمٰن مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو ان (بتوں) کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے O بے شک اس وقت میں ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا O بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں' سو تم میری بات سنو O اس سے فرمایا گیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا: کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے O جس کے سبب میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں سے قرار دیا O اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے O وہ سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار چیخ' پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے O

۲۲- ﴿وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس ذاتِ اقدس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ "فطرنی" بہ معنی "خلقنی" ہے یعنی اس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (یعنی) اور تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں "وَمَالِيْ" میں "یا" ساکن ہے]۔

۲۳- ﴿ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ کیا میں اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا اوروں کو معبود بنالوں یعنی کیا میں بتوں کو معبود بنالوں؟ [کوفی کی قراءت میں "اتخذ" میں دو ہمزے ہیں] ﴿اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ﴾ اگر رحمٰن مجھے ضرر پہنچانا چاہے [یہ شرط ہے اور اس کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے:] ﴿لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ﴾ تو ان کی شفاعت مجھے کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے عذاب سے چھڑا سکیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں "یا" کے اثبات کے ساتھ "وَلَا يُنْقِذُوْنِيْ" اور "فَاسْمَعُوْنِيْ" (یٰس:۲۵) ہے]۔

۲۴- ﴿اِنِّيْٓ اِذًا﴾ بے شک میں اس وقت یعنی جب میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کو معبود بنالوں گا تو اس وقت میں ﴿لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ضرور کھلم کھلا گمراہی میں ہوں گا جو ہر ایک پر ظاہر اور واضح ہوگی۔

۲۵- اور جب جناب حبیب نجار نے اپنی قوم کو نصیحت کی تو انہوں نے آپ کو سنگسار کرنا شروع کیا' لیکن وہ سنگسار کے ذریعے قتل ہونے سے پہلے جلدی سے رسولوں کے پاس پہنچا اور ان سے عرض کیا کہ ﴿اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ﴾ بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں' سو تم میری بات سنو یعنی میرے ایمان کی بات سنو تاکہ تم اس پر میرے لیے گواہ بن جاؤ اور پھر جب وہ قتل کر دیئے گئے تو

۲۶- ﴿قِيْلَ﴾ "لَهٗ" ﴿ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ اس کے لیے فرمایا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا' اور اس کی قبر انطاکیہ شہر کے بازار میں واقع ہے اور "قیل" فرمایا گیا ہے لیکن "قیل له" نہیں فرمایا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بات کہی گئی ہے اس کے بیان کے لیے یہ کلام چلایا گیا ہے لیکن جس شخص کے لیے بات کہی گئی ہے' اس کے بیان کے لیے یہ کلام نہیں چلایا گیا کیونکہ وہ معلوم و معین ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ مخلوق ہو چکی ہے اور

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جب قوم کے لوگوں نے جناب حبیب نجار کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس اوپر اٹھالیا اور اب وہ جنت میں ہیں اور آسمانوں اور زمین کے فنا ہونے تک وہ فوت نہیں ہوں گے' پھر جب وہ جنت میں داخل ہوئے اور اس کی عالی شان نعمتوں کو دیکھا تو ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اس نے کہا: اے کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے۔

۲۷- ﴿ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ ﴾ کہ مجھے میرے پروردگار نے بخش دیا ہے یعنی میرے لیے میرے رب تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کو جان لیتے یا وہ اس ذاتِ اقدس کو جان لیتے جس نے مجھے بخش دیا ہے ﴿ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر کے مجھے معززین میں سے بنایا ہے۔

۲۸- ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا یعنی ہم نے حبیب نجار کے قتل ہو جانے یا اس کے اوپر اٹھائے جانے کے بعد اس کی قوم پر انہیں عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا [''وَمَا اَنْزَلْنَا'' میں حرف ''ما'' نافیہ ہے] ﴿ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴾ اور نہ ہم اتارنے والے تھے (یعنی) اور ہماری حکمت میں یہ صحیح نہیں تھا کہ ہم جناب حبیب نجار کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نازل کریں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض حکمتوں کی بناء پر نہیں بلکہ بعض اسباب و وجوہ کی بناء پر ہر قوم کو ہلاک کرنے کا اس وقت فیصلہ جاری کرتا ہے' جب اس کے اسباب تقاضا کرتے ہیں۔

۲۹- ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ انطاکیہ کے کفار کی گرفت ہلاکت یا عذاب و سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار خطرناک چیخ و چنگاڑ تھی' حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری تھی ﴿ فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴾ پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے (یعنی مر گئے) جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے معاملہ کے لیے صرف ایک فرشتے کی چیخ کو کافی قرار دے دیا اور ان کی ہلاکت کے لیے آسمان کے لشکروں میں سے کسی لشکر کو نہیں اتارا جیسا کہ غزوۂ بدر کے دن اور خندق کے موقع پر فرشتوں کے لشکر اتارے گئے تھے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲

وقف غفران ۔ ع

ہائے افسوس ان بندوں پر کہ جن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے ۝ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر چکے ہیں بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر واپس نہیں آئیں گے ۝ اور سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے ۝

کفار کی سرکشیوں پر اظہارِ افسوس

۳۰- ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اے افسوس! ان بندوں پر کہ ان کے پاس کوئی رسول آتا تو وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ''حسرة'' کا معنی ہے: سخت ترین افسوس و غم اور یہ ان کفار پر افسوس کرنے کے لیے نداء ہے گویا اس کے لیے کہا گیا ہے کہ اے افسوس و ندامت! ادھر آ' پس تیرے احوال میں سے ایک حال یہ

ہے جو تیرا حق ہے کہ تو اس میں حاضر ہو جا اور وہ رسولوں کے ساتھ ان کے مذاق اڑانے کا حال ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ کفار اس بات کے مستحق ہیں کہ غمگین و نادم ان پر غم و ندامت کا اظہار کریں اور افسوس کرنے والے ان کے حال پر افسوس کریں یا یہ کہ کفار پر فرشتوں کی طرف سے اور جنوں اور انسانوں میں سے مسلمانوں کی طرف سے اظہارِ افسوس کیا گیا ہے۔

۳۱- ﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفارِ مکہ کو معلوم نہیں اور کیا کفارِ مکہ نہیں جانتے کہ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں ہیں [''کم''، ''اھلکنا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''یروا'' کا عمل ''کم'' میں موقوف ہے کیونکہ حرف ''کم'' میں اس سے پہلے عامل عمل نہیں کرتا' خواہ ''کم'' استفہام کے معنی میں ہو یا خبر کے معنی میں ہو اس لیے کہ اس کا استعمال اصل میں استفہام کے لیے ہے مگر اس کا معنی پورے جملے میں نافذ ہوتا ہے] ﴿اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے [اور یہ ارشاد ''کم اھلکنا'' سے بدل ہے مگر معنی کی بناء پر' لفظ کی بناء پر نہیں' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے] (ترجمہ:) کیا اہلِ مکہ نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' جن کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی ان کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں۔

۳۲- ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ اور بے شک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے [ابن عامر شامی' عاصم کوفی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''لَمَّا'' کا میم مشدد ہے بہ معنی ''اِلَّا'' ہے اور ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''لَمَا'' ہے یہ اس بناء پر ہے کہ ''مَا'' تاکید کے لیے صلہ ہے اور ''اِنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے (اصل میں ''اِنَّ'' ہے) اور یہ لامحالہ لام کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور ''كُلٌّ'' میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے] اور معنی یہ ہے کہ ''ان کلھم محشرون مجموعون محضرون للحساب او معذبون'' بے شک وہ تمام لوگ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے جمع کر کے حاضر کیے جائیں گے یا عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے [اور بے شک ''کل'' کی ''جمیع'' کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ ''کل'' احاطہ کا فائدہ دیتا ہے اور ''جمیع'' ''فعیل'' کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے] اور اس کا معنی ہے: اجتماع یعنی روزِ محشر ان سب کو جمع کر دے گا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ان (اہلِ مکہ) کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے' جسے ہم نے زندہ کیا اور اس میں سے اناج پیدا کیا' سو وہ اسی میں سے کھاتے ہیں ○ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے جاری کر دیئے ○

تا کہ وہ اس کے پھل میں سے کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے اسے نہیں بنایا' تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے O پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ان چیزوں میں سے بھی جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان کی جانوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے O اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے' جس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ اسی وقت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O

دلائل قدرت سے محشر برپا کرنے پر استدلال

۳۳- ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ اور ان (اہل مکہ) کے لیے ایک نشانی مردہ زمین (یعنی) خشک و بنجر زمین ہے یعنی یہ ایک ایسی علامت ہے جو اس مسئلہ پر رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو بھی ضرور زندہ کرے گا [''اية'' مبتدا ہے اور ''لهم'' اس کی خبر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''اية'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہو اور ''لهم'' اس کی صفت ہو اور ''الارض الميتة'' اس کی خبر ہو اور ''الميتة'' بہ معنیٰ ''يابسة'' ہے یعنی خشک و بنجر نیز نافع مدنی کی قراءت کے مطابق ''یا'' مشدد ہے (یعنی ''الميّتة'')] ﴿اَحْيَيْنٰهَا﴾ ہم نے اس کو بارش کے ذریعہ زندہ فرمایا [یہ جملہ مستانفہ ہے جو یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ مردہ زمین قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی ہے اور اسی طرح ''نسلخ'' ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الارض'' اور ''الليل'' کو فعل کے ساتھ موصوف کیا جائے کیونکہ ان دونوں سے مطلق جنس مراد ہے معین و مخصوص ''ارض و لیل'' مراد نہیں ہیں' سو ان افعال کی صفت لانے میں ان کے ساتھ نکرات کا معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ یہ شعر ہے:

ولقد امرّ على اللئيم يسبّني   فمضيت ثمة قلت لا يعنيني

''اور بے شک میں ایک کمینے شخص کے پاس سے گزرا جو مجھے گالیاں دے رہا تھا' سو جب میں وہاں سے گزرا تو میں نے (دل میں) کہا کہ وہ میرا ارادہ نہیں کرتا ہوگا''۔]

﴿وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا﴾ اور ہم نے اس میں سے دانے (اناج) پیدا کیے ہیں ''حَبًّا'' سے جنس مراد ہے (معین و مخصوص نوع کے دانے مراد نہیں بلکہ زراعت کی تمام اجناس و انواع کے دانے مراد ہیں) ﴿فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ﴾ سو وہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں' ظرف کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے تا کہ یہ اس بات پر رہنمائی کرے کہ سب سے عظیم ترین خوراک جس پر معیشت کا دارومدار ہے وہ یہی دانے ہیں جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی صحت بھی اسی رزق پر قائم ہے اور جب اناج کم رہ جاتا ہے تو قحط پڑ جاتا ہے اور نقصان ہو جاتا ہے اور جب یہ اناج ختم ہو جاتا ہے تو ہلاکتیں شروع ہو جاتی ہیں اور مصیبتیں آن پڑتی ہیں۔

۳۴- ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ اور ہم نے اس میں (یعنی) زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے ہیں ﴿وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ﴾ اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیئے [اخفش کے نزدیک حرف ''مِنْ'' زائدہ اور اس کے علاوہ کے نزدیک مفعول محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ما ينتفعون به'' جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں]۔

۳۵- ﴿لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ﴾ تا کہ وہ لوگ اس کے پھلوں میں سے کھائیں' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی تا کہ لوگ ان پھلوں میں سے کھائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''مِنْ ثُمُرِهٖ'' (''ثا'' اور میم پر پیش) ہے] ﴿وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ﴾ اور وہ جسے ان کے ہاتھوں نے بنایا یعنی اور ان پھلوں میں سے بھی کھائیں

جنہیں ان کے ہاتھوں نے تیار کیا جیسے اپنے ہاتھوں سے زمین میں پھل دار درختوں کے بیجوں کی بیجائی کرنا اور اس کے پودے لگانا' پھر انہیں پانی پلاتے رہنا اور ان کی صفائی اور کانٹ چھانٹ کرنا اور ان کی حفاظت کرنا' یہاں تک کہ پھل پک کر اپنی انتہا کو پہنچ جائیں یعنی بے شک پھل اصل میں اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کے پیدا کرنے سے تیار ہوتا ہے لیکن اس میں بنی آدم کی محنت ومشقت کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں اور اصل میں ''لیا کلوا من ثمرنا'' ہے یعنی تا کہ لوگ ہمارے پھلوں میں سے کھائیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَجَعَلْنَا وَفَجَّرْنَا'' [پھر کلام تکلم سے غیبت کی طرف بطور التفات منتقل کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''من ثمره'' کی ضمیر ''النخیل'' کی طرف لوٹتی ہو اور ''الاعناب'' کو چھوڑ دیا گیا اور اس کی طرف رجوع نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ''النخیل'' کے حکم میں معلوم ہے' اس لیے کہ یہ بھی انہیں میں سے ہے جن کے پھل کھائے جاتے ہیں یا مذکور پھل مراد ہوں اور وہ باغات ہیں (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) جیسا کہ رؤبہ نے کہا: (شعر کا ترجمہ) اس میں محض سفید اور سفید وسیاہ سے مخلوط نشانات ہیں گویا جسم کے چمڑے میں کوڑھ کے سفید داغ ہیں' سو اس سے کہا گیا تو اس نے کہا: میں نے گویا یہی ارادہ کیا ہے۔ امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ضمیر کے بغیر ''وما عملت'' ہے اور یہ اہل کوفہ کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے اور اہل حرمین' بصرہ اور شام کے مصاحف میں ضمیر کے ساتھ ''وما عملته'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''ما'' نافیہ ہے' اس بناء پر کہ پھل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' اس کو انسانی ہاتھوں نے تیار نہیں کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہیں] ﴿اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ﴾ تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اس میں نعمت کے حصول پر شکر ادا کرنے کی ترغیب وتحریک دی گئی ہے۔

۳۶- ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام مختلف اقسام وانواع کے جوڑے پیدا کیے ہیں ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ﴾ جنہیں زمین اُگاتی ہے جیسے کھجوریں' درخت' کھیتیاں اور دیگر پھل آور درخت اور بیلیں ﴿وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور خود ان کی جانوں میں سے نر اور مادہ اولاد ﴿وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور اس میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے (یعنی) اور ایسی چیزوں کے بھی جوڑے پیدا کیے جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلع وآگاہ نہیں فرمایا اور نہ ان کی معرفت تک تم پہنچ سکتے ہو چنانچہ وادیوں میں' دریاؤں اور سمندروں میں بے شمار مخلوق کے جوڑے ہیں' جنہیں لوگ نہیں جانتے۔

۳۷- ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں (یعنی) ہم دن کو رات سے اس طرح نکال لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ دن کی روشنی میں سے کچھ نہیں رہتا یا ہم اس سے دن کی روشنی اس طرح چھین لیتے ہیں جس طرح کالے آدمی کی سفید قمیص اتار لی جائے' پھر اس وقت خالی جسم رہ جائے جیسے کالا سیاہ حبشی شخص ہوتا ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان تاریک فضا ہے' پس اس کا کچھ حصہ سورج کی روشنی کا لباس پہن لیتا ہے جیسے تاریک گھر میں چراغ جلایا جائے' پھر جب چراغ غائب ہو جائے گا تو گھر تاریک ہو جائے گا ﴿فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ﴾ سو وہ اسی وقت اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں (یعنی) وہ اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝۳۹ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا

ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنْ نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿۴۳﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۴﴾

اور سورج اپنی منزلِ مقصود کی طرف چلتا رہتا ہے' یہ ایک زبردست بے انتہا علم رکھنے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہےO اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دیں ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو کر لوٹ آتا ہےO نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے' اور ہر ایک اپنے مدار میں رواں دواں رہتا ہےO اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیاO اور ہم نے ان کے لیے اس کی مثل اور چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیںO اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر نہ تو ان کے لیے کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ انہیں چھڑایا جا سکے گاO مگر ہماری طرف سے (ان پر) رحمت ہو جائے اور ایک مقرر وقت تک فائدہ پہنچانا ہوO

۳۸- ﴿وَالشَّمْسُ﴾ اور سورج (یعنی) اور ایک نشانی ان کے لیے سورج ہے جو ﴿تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ اپنی مقرر کردہ منزل کی طرف چلتا رہتا ہے (یعنی) اپنی مقرر و معین منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مدار سے وہاں تک سال کے آخر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جب وہ اپنی سفری منازل طے کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے یا پھر سورج اپنی معین و مخصوص حد کے لیے روزانہ ہماری آنکھوں کی نگاہ کے سامنے چلتا ہے اور وہ معین حد مغرب ہے یا یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے دنیا کے فنا ہونے تک (یعنی قیامت تک) چلتا رہے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ اس انداز پر اور باریک حساب پر اس کا چلنا ﴿تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ﴾ ایک زبردست ہستی کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جو اپنی قدرت کی وجہ سے ہر مقدور پر غالب ہے ﴿الْعَلِيمِ﴾ ہر معلوم کو خوب جاننے والا ہے۔

۳۹- ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ﴾ اور ہم نے چاند کے لیے (منزلیں) مقرر کر دی ہیں [''القمر'' اپنے ماقبل مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی ''قدّرناہ'' تفسیر کر رہا ہے اور ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابو عمرو اور سہل کی قراءت میں مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر ''قدّرناہ'' ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ہے: ''وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْقَمَرُ'' اور ان کے لیے ایک نشانی چاند ہے] ﴿مَنَازِلَ﴾ (اور ہم نے چاند کے لیے) منزلیں (مقرر کر دیں) اور وہ کل اٹھائیس منزلیں ہیں' چاند ہر رات ان میں سے کسی ایک منزل میں اترتا ہے' نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے بلکہ مقرر کیے ہوئے نظام کے مطابق ایک انداز سے پر برابر پہلی رات سے لے کر اٹھائیسویں رات تک مسلسل چلتا رہتا ہے' پھر جب مہینہ اختتام کو پہنچتا ہے تو ایک یا دو راتیں چھپ جاتا ہے اور ''قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ'' میں مضاف محذوف کو مقدر ماننا ضروری ہے کیونکہ خود چاند کی منزلیں مقرر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے یعنی ہم نے چاند کے نور کی منزلیں مقرر کر دیں جن میں اس کی روشنی گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے' یا یہ کہ ہم نے چاند کے سفر کی منزلیں مقرر کر دیں' پس منازل اسم ظرف ہے' پھر جب چاند اپنی آخری منزلوں میں پہنچتا ہے تو باریک اور کمان کی طرح ہو جاتا ہے ﴿حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ﴾ کھجور کے خوشے کی باریک لکڑی جب خشک اور کمان کی طرح ہو جاتی ہے اور یہ ''فعلون'' کے وزن پر ہے اور ''انعراج'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: ٹیڑھا ہونا

﴿الْقَدِیْمِ﴾ ایک سال سے پرانی چیز' اور جب کھجور کے خوشہ کی شاخ یا ٹہنی پرانی ہو جاتی ہے تو باریک اور ٹیڑھی اور زرد و پیلی ہو جاتی ہے' سو اس لیے ان تین وجوہ کی بناء پر چاند کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

٤٠- ﴿لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ﴾ سورج کے لائق نہیں یعنی سورج کے لیے آسان نہیں اور درست نہیں اور نہ اس کے لیے ممکن ہے ﴿اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور ایک وقت میں اس کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کی سلطنت و بادشاہی میں مداخلت کر سکے' ورنہ چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی کیونکہ سورج اور چاند میں سے ہر ایک کی اپنے اپنے وقت میں بادشاہی ہے' پس سورج دن کا بادشاہ ہے اور چاند رات کا بادشاہ ہے ﴿وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ اور نہ رات دن سے آگے بڑھنے والی ہے (یعنی) اور رات دن سے آگے نہیں بڑھ سکتی یعنی رات بھی ایک نشانی ہے اور دن بھی ایک نشانی ہے اور وہ (سورج و چاند) دونوں روشن کرنے والے ہیں اور یہ معاملہ اسی ترتیب پر ہمیشہ جاری رہے گا' یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو جمع کر دے گا اور اس دن سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا ﴿وَكُلٌّ﴾ [اور اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی ''كلهم'' ہے اور یہ ضمیر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے] اور ہر ایک ﴿فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ اپنے اپنے مدار (آسمان) میں تیر رہا ہے (یعنی سب سیارے) اپنے اپنے مدار میں رواں دواں اور سفر کرتے رہتے ہیں۔

٤١- ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ اور ان (مکہ والوں) کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ ''مشحون'' بہ معنی ''مملوء'' بھری ہوئی ہے اور ''ذرّیّة'' سے اولاد مراد ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کشتی میں سوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور دراصل اہل مکہ اپنی اولاد کو برّی اور بحری راستوں سے تجارت کے لیے مختلف ممالک بھیجتے تھے یا پھر ''ذریّة'' سے ان کے آباء واجداد مراد ہیں کیونکہ ''ذریة'' کا لفظ لغتِ اضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہو سکتے ہیں اور اس معنی کی بناء پر ''فلك'' سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہوگی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان کی ذرّیّت کو کشتی میں سوار کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سابق آباء واجداد کو سوار کیا ہے اور یہ خود اور ان کی اولاد ان کی پشت میں ہونے کی وجہ سے سوار ہوئے تھے اور خود ان کی بجائے صرف اولاد کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ ان پر احسان جتانے میں زیادہ بلیغ و مؤثر ہے۔

٤٢- ﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ﴾ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی طرح اور سواریاں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں' جیسے اونٹ (گھوڑے' خچر اور گدھے) اور یہ خشکی کی سواریاں ہیں یا خشکی کی کشتیاں ہیں۔

٤٣- ﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں (یعنی) دریا میں ڈبو دیں ﴿فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ﴾ تو پھر ان کو بچانے کے لیے کوئی فریاد رس نہیں ہوگا یا پھر فریاد کرنے کے لیے چلاّنا اور پکارنا نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ﴾ اور نہ انہیں چھڑایا جا سکے گا اور نہ انہیں نجات دی جائے گی۔

٤٤- ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ﴾ مگر ہماری طرف سے رحمت ہو جائے اور مقرر وقت تک فائدہ اٹھانے کی مہلت دی جائے یعنی اور انہیں غرق ہو جانے کے بعد چھڑایا نہیں جا سکتا مگر صرف ہماری رحمت کی وجہ سے اور مقررہ مدت کے اختتام تک انہیں زندگی کا فائدہ پہنچانے کی وجہ سے [سو یہ دونوں مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں]۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا

تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائےO اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیںO اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے' تو کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا' تم تو نہیں ہو مگر کھلی گمراہی میںO اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہوO وہ انتظار نہیں کرتے مگر ایک چیخ کا جو انہیں پکڑ لے گی حالانکہ وہ باہم جھگڑتے ہوں گےO سو وہ نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گےO

کفارِ مکہ کی سرکشیوں اور بخل کا بیان

۴۵- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی تم اپنے سابقہ گناہوں سے ڈرو اور پیچھے آنے والے ان گناہوں سے بچو جو تم بعد میں کرنے والے ہو یا یہ کہ تم ان حوادثات سے ڈرو جن میں ان امتوں کو مبتلا کیا گیا تھا جو تم سے پہلے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا کرتی تھیں اور تم قیامت کے معاملہ سے ڈرو جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے یا یہ کہ تم دنیا کے فتنہ اور آخرت کی سزا سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تا کہ تم پر رحم کیا جائے (یعنی) تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بن جاؤ اور "اِذَا" کا جواب مضمر ہے یعنی جب انہیں یہ سب کچھ کہا گیا تو انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ ممکن ہے کہ "اِذَا" کا جواب محذوف ہو کیونکہ درج ذیل آیت مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

۴۶- ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی کفار مکہ کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر نشانی اور ہر نصیحت آنے پر منہ پھیر لیتے ہیں اور روگردانی اختیار کر لیتے ہیں [پہلا "مِنْ" نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرا "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے]۔

۴۷- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم خرچ کرو' اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے یعنی جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تم فقیروں' محتاجوں اور ضرورت مندوں کو صدقہ وخیرات ادا کیا کرو ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ﴾ تو کفار نے مسلمانوں سے کہا کہ کیا ہم ان کو

کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں کچھ بے دین لوگ رہتے تھے' جب انہیں مسکینوں اور فقیروں پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نادار و محتاج پیدا کیا ہے ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ تم تو نہیں ہو مگر کھلی گمراہی میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کفار سے فرمایا گیا کہ تم محض کھلی گمراہی میں مبتلا ہو' یا یہ مسلمانوں کا کلام ہے جو انہوں نے کفار سے کہا تھا یا پھر مسلمانوں کو کفار کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

۴۸- ﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم اس میں سچے ہو جو تم کہتے ہو۔ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔

۴۹- ﴿مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً﴾ اہل مکہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا اس سے نفخہ اولیٰ مراد ہے ﴿تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ﴾ وہ انہیں پکڑ لے گی اور وہ آپس میں جھگڑتے ہوں گے [قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں "خا" ساکن اور صاد مخفف یعنی غیر مشدد "یَخْصِمُوْنَ" ہے اور "خصمة" سے ماخوذ ہے (باب ضرب یضرب ہے) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی جھگڑے میں غالب آ جائے اور باقی قراء نے صاد کو مشدد پڑھا ہے یعنی "یَخِصِّمُوْنَ" اصل میں "یَخْتَصِمُوْنَ" ہے' پھر "تا" کو صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے' ابن کثیر مکی کی قراءت میں "تا" مدغمہ کی حرکت "خا" کی طرف منتقل کر کے "خا" کو فتح دیا گیا۔ نافع مدنی کی قراءت میں "خا" ساکن ہے اور یحییٰ کی قراءت میں "یا" اور "خا" دونوں مکسور ہیں کیونکہ "یا" کو کسرہ دینے میں "خا" کے تابع رکھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک "یا" مفتوح اور "خا" مکسور ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہیں نفخہ اولیٰ کی چیخ پکڑ لے گی اور وہ اس وقت اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے۔

۵۰- ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً﴾ پس وہ وصیت نہیں کر سکیں گے (یعنی) پس وہ اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ کی وصیت نہیں کر سکیں گے ﴿وَّلَا اِلٰى اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹنے پر قادر ہوں گے بلکہ وہ جونہی زوردار چیخ کی آواز سنیں گے' فوراً مر جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا
مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ
نَفْسٌ شَیْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے چلیں گے ○ کفار کہیں گے: ہائے ہماری خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' (ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا ○ وہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ' پس اچانک وہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے ○ سو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جو کچھ تم کرتے تھے ○

روزِ محشر کے برپا ہونے اور اہل جنت کا بیان

۵۱- ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور صور میں پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نفخہ ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام جاندار مر جائیں گے دوسری دفعہ سب زندہ ہو جائیں گے) اور ''صور'' کا معنی سینگ ہے یا پھر ''صور'' واؤ مفتوح کے ساتھ ''صورۃ'' کی جمع ہے یعنی تمام صورتوں میں روحیں پھونکی جائیں گی ﴿فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ﴾ پس وہ تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے'' احداث'' بہ معنی قبور ہے'' ینسلون'' تیز تیز دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے۔

۵۲- ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: ﴿يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ ہائے خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا اور حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ کفار پر نیند طاری ہوگی' جس میں وہ نیند کا مزہ پائیں گے' پھر جب ان قبروں کو زندہ کر کے اٹھانے کے لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں زوردار چیخ ماریں گے تو اس وقت کفار کہیں گے کہ ہمیں کس نے اٹھا دیا ﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔ یہ فرشتوں کا کلام ہے جو کفار کے جواب میں کہیں گے یا پرہیزگار و نیک مسلمانوں کا کلام ہے یا پھر یہ بھی کفار کا کلام ہے' انہوں نے دنیا کی زندگی میں رسولوں سے جو کلام سنا تھا' اس کو وہ یاد کریں گے اور پہلے سوال کریں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ پھر خود اپنے آپ کو اس کلام کے ذریعے جواب دیں گے کہ یہ تو وہی ہے جس کا رب رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا' یا وہ اس کلام کے ذریعے ایک دوسرے کو جواب دیں گے یا پھر ''ما'' مصدریہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ رحمٰن کا وعدہ ہے اور رسولوں کا سچ ہے تو گویا موعود اور مصدوق کو وعد اور صدق کا نام دے دیا گیا ہے یا ''ما'' موصولہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ھذا الذی وعدہ الرحمن والذی صدقہ المرسلون'' یعنی یہ وہ وعدہ ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور یہ وہ وعدہ ہے جس کے بارے میں رسولوں نے سچ فرمایا تھا یعنی جس وعدہ میں رسولوں نے سچ بولا تھا۔

۵۳- ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ وہ نفخۂ اخیرہ نہیں ہوگا مگر ایک زوردار چیخ اور چنگھاڑ ہوگی ﴿فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ پس اچانک وہ سب کے سب ہمارے پاس حساب و کتاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔

۵۴- پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس جواب کا ذکر کر دیا جو اس روز ان سے فرمایا جائے گا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو آج کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی قدر جس قدر تم عمل کرتے تھے۔

إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

بے شک جنت والے آج دل پسند مشغلوں میں خوش ہو کر لطف اندوز ہوں گے ○ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ○ اس میں ان کے لیے پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ مانگیں

گے O بے حد مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا O

٥٥- ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ﴾ بے شک جنتی لوگ آج (بروزِ قیامت) مشغلوں میں ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بہشتی کسی نہ کسی نعمت میں مشغول ہوں گے اور "فی شغل" کا کوئی وصف بیان نہیں کیا گیا جب کہ اس "شغل" سے مراد یہ ہے کہ باکرہ یعنی کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنا اور نہروں کے کناروں پر سیر و تفریح کرنا اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں آرام کرنا یا یہ کہ آلاتِ موسیقی بجانا یا پھر خدائے جبار کی ضیافت و مہمانی میں مشغول ہونا [ابن عامر شامی اور کوفی کی قراءت میں شین اور غین دونوں مضموم ہیں جب کہ ابن کثیر مکی نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں شین مضموم ہے اور غین ساکن ہے] ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ [یہ دوسری خبر ہے اور یزید کی قراءت میں بغیر الف کے "فَكِهُوْن" ہے] "فاكه" اور "فكه" دونوں کا معنی ہے: نعمتوں سے خوش ہونے والا اور نعمتوں سے لذت حاصل کرنے والا اور اسی سے "فاكهة" ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: پھل کیونکہ اس کے ساتھ بھی لذت و مزہ حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح "فكاهة" ہے خوش طبعی اور دل لگی کرنا۔

٥٦- ﴿هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہوں گے ["هم" مبتدا ہے اور "وازواجهم" اس پر معطوف ہے اور "في ظلال" حال ہے اور یہ "ظل" کی جمع ہے اور یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سورج کی دھوپ نہیں پڑتی، جیسے "ذئاب"، "ذئب" کی جمع ہے یا یہ "ظلة" کی جمع ہے جیسے "برام"، "برمة" کی جمع ہے اور اس کی دلیل قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت "في ظُلَل" ہے جو "ظلة" کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہیں سورج کی دھوپ سے چھپا لے] ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ﴾ مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ["ارائك"، "اريكة" کی جمع ہے اور یہ دلہن کے کمرہ میں مزین و آراستہ تخت ہوتا ہے یا دلہن کے کمرہ میں بچھایا ہوا قیمتی قالین۔ "متكئون" تکیے لگا کر آرام کرنے والے یہ "هم" کی خبر ہے یا پھر "في ظلال" حال کی بجائے "هم" کی خبر ہے اور "على الارائك متكئون" جملہ مستانفہ ہے]۔

٥٧- ﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ﴾ ان کے لیے اس (جنت) میں ہر قسم کے بہترین میوہ جات و پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ "يدّعون"، "يفتعلون" کے وزن پر "دعا" سے ماخوذ ہے یعنی ہر وہ چیز جسے جنتی لوگ مانگیں گے ان کو مل جائے گی یا جس چیز کی وہ آرزو اور خواہش کریں گے اور تمنا کریں گے وہ انہیں مل جایا کرے گی، یہ اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "ادع على ما شئت" یعنی تمہیں جس کی تمنا ہو یا جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔ فرّاء نے کہا کہ یہ "دعوی" سے ماخوذ ہے یعنی جنتی حضرات اس چیز کا دعویٰ نہیں کریں گے، جس کے وہ مستحق نہیں ہوں گے۔

٥٨- ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ رحیم و کریم پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم کی خاطر براہِ راست یا فرشتوں کی وساطت سے ان پر سلام بھیجے گا اور یہی اہل جنت کی تمنا ہوگی اور یہ ان کو حاصل ہوگی، اس سے انہیں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: بے شک تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے فرشتے سلام کے تحفے لے کر جنتیوں پر پیش کریں گے۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَ

لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤO اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہےO اور یہ کہ تم میری عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہےO اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے' تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھےO یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھاO آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھےO

مشرکینِ مکہ کی شامت' عہد کی یاددہانی اور اعضاء کی گواہی

۵۹- ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور اے مجرمو! تم علیحدہ ہو جاؤ (یعنی) اور تم مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور تم ان سے جدا ہو جاؤ اور یہ اس وقت کہا جائے گا جب مسلمانوں کو جمع کیا جائے گا' پھر انہیں بہشت کی طرف لے جایا جائے گا اور حضرت ضحاک نے بیان فرمایا کہ ہر کافر کے لیے دوزخ میں ایک گھر ہے جس میں وہ رہے گا نہ وہ کسی کو دیکھ سکے گا اور نہ اسے کبھی دیکھا جا سکے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ

۶۰- ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ''عہد'' کا معنی ہے: وصیت کرنا' چنانچہ جب کوئی شخص کسی کو وصیت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ''عهد اليه'' اور اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد لینا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں عقلی دلائل کو جمع کر دیا تھا اور ان پر سمعی (شرعی) دلائل نازل فرمائے گا اور شیطان کی عبادت کا مطلب ہے کہ شیطان ان کی طرف جو وسوسے ڈالتا اور جو کام ان کے لیے مزین و آراستہ کرتا' ان میں شیطان کی اطاعت کرنا۔

۶۱- ﴿ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ ﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو (یعنی) مجھے واحد لاشریک مانو اور میری اطاعت کرو ﴿ هٰذَا ﴾ یہ اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو شیطان کی نافرمانی اور رحمٰن کی اطاعت کرنے کے بارے میں کفارِ مکہ سے لیا گیا تھا ﴿ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ سیدھا راستہ یعنی انتہائی سیدھا راستہ جس سے زیادہ سیدھا راستہ اور کوئی نہ ہو۔

۶۲- ﴿ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ ﴾ اور بے شک شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے [ابن کثیر مکی' عاصم اور سہل کی قراءت میں ''جِبِلًّا'' میں جیم اور ''با'' مکسور ہیں اور لام مشدد ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں جیم اور ''با'' مضموم اور لام مشدد ''جُبُلًّا'' ہے اور ابن عامر شامی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں لام مخفف ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک جیم اور ''با'' مضموم اور لام مخفف ہے' یہ تمام لغات مسلّم ہیں اور اس کا معنی خلق ہے] ﴿ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ استفہام کے ذریعے کفار و مشرکین کو عقل سے فائدہ نہ اٹھانے پر ڈانٹا گیا ہے۔

۶۳- ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ کفر و شرک کی صورت میں تمہیں اس میں جانا ہوگا' لہٰذا

۶۴- ﴿ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے (یعنی) تم اپنے کفر کے سبب اور دوزخ کے وجود سے انکار کے سبب اس میں داخل ہو جاؤ۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اوران کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اوران کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھےO اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے' سو وہ راستہ کی طرف بڑھنا چاہتے تو وہ کیسے دیکھ سکتےO اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھر بیٹھے ان کی صورتیں بدل دیتے' سو وہ نہ تو آگے بڑھ سکتے اور نہ وہ واپس لوٹ سکتےO

٦٥- ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے یعنی ہم ان کو بات کرنے سے روک دیں گے ﴿وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ اوران کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ کفارومشرکین انکار کریں گے اور جھگڑا کریں گے تو ان کے پڑوسی اوران کے گھر والے اوران کے قبیلے کے لوگ ان کے خلاف گواہی دیں گے تو کفار و مشرکین قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ وہ شرک کرنے والے نہیں تھے' سواس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی اوران کے ہاتھ اوران کے پاؤں بولیں گے اوران کے خلاف گواہی دیں گے اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ عرض کرے گا کہ میرے اوپر صرف میرا نفس گواہی دے' سواس لیے اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اوراس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بولو! تو وہ اس بندے کے اعمال کے بارے میں بولنا شروع کردیں گے' پھر دورانِ کلام اس کے منہ سے مہر کھول دی جائے گی تو وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم پر لعنت و پھٹکار ہو میں تو تمہاری طرف سے جھگڑ رہا تھا[1]

٦٦- ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ﴾ اوراگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ان کی آنکھیں مٹا دیتے' ہم انہیں ضرور اندھا کر دیتے اوران کی بینائی زائل کردیتے اور''طمس'' کا معنی ہے: آنکھ کے خول کو مٹا دینا' یہاں تک کہ برابر ہو جائے اورنشان باقی نہ رہے ﴿فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ﴾ سو وہ راستے کی طرف بڑھنا چاہتے [حرف جار محذوف ہے اور براہ راست فعل متعدی ہے' اصل میں ''فاستبقوا الی الصراط'' تھا] ﴿فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ﴾ تو اب وہ کیسے دیکھتے حالانکہ ہم نے ان کی آنکھیں تو مٹادی ہیں[''انّٰی'' بہ معنی ''کیف'' ہے]۔

٦٧- ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ﴾ اوراگر ہم چاہتے تو ان کی شکلیں بدل دیتے کہ انہیں بندر اور خنزیر بنادیتے یا انہیں پتھر بنادیتے ﴿عَلٰى مَكَانَتِهِمْ﴾ ان کے گھر میں [ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''علی مکاناتھم'' (جمع) ہے اور ''مکانة'' اور ''مکان'' ایک ہی ہے جیسے ''مقامة'' اور ''مقام'' ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم انہیں ان کے گھروں میں مسخ کر دیتے یہاں تک کہ وہ گناہ کی جراءت نہ کرتے] ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا﴾ سو وہ نہ جاسکتے یعنی وہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر یا یہ کہ ﴿مُضِيًّا﴾ وہ نہ آگے جاسکتے ﴿وَّلَا يَرْجِعُوْنَ﴾ اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔

[1] رواہ مسلم فی کتاب الزہد رقم الحدیث: ١٧' نیز ٢٩٦٩' النسائی فی الکبریٰ رقم الحدیث: ١١٦٥٣

وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۹﴾ لِّیُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الۡقَوۡلُ عَلَی الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۰﴾

اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں' اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں' تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتےO اور ہم نے اپنے رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے' وہ تو نہیں ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآنO تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر عذاب کی بات ثابت ہو جائےO

عمر کی درازی سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال

۶۸- ﴿وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ﴾ اور ہم جس کو زیادہ بڑی عمر دیتے ہیں تو ہم اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں۔ ''تنکیس'' اور ''نکس'' دونوں کا معنی ہے: کسی چیز کو پلٹ کر الٹ کر دینا کہ چیز کے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر ہو جائے یعنی ہم جس آدمی کو زیادہ لمبی عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو ہم الٹ کر دیتے ہیں' چنانچہ وہ آدمی طاقت ور ہونے کی بجائے ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے اور وہ جوان رہنے کی بجائے بوڑھا ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ بے شک ہم نے انسان کو کمزور جسم کے ساتھ اور عقل و خرد اور علم سے خالی پیدا کیا' پھر ہم نے اسے بڑھانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوت کو پہنچ کر مکمل جوان ہو گیا اور اس کی قوت و طاقت مکمل ہو گئی اور وہ پورا عقل مند ہو گیا اور اس نے وہ سب کچھ جان لیا جو اس کے لیے فائدہ مند ہے اور جو چیزیں اس کے لیے نقصان دہ ہیں' پھر جب وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے ﴿فِی الۡخَلۡقِ ؕ﴾ پیدائش میں الٹ کر دیا (یعنی) پھر ہم نے اسے گھٹانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنی جسمانی کمزوری اور اپنی عقل کی کمی اور علم سے خالی ہونے میں ایسی حالت کی طرف لوٹ گیا جو بالکل بچے کی حالت کے مشابہ ہوتی ہے جس طرح تیر کو الٹ کیا جاتا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ اس کے نیچے کر دیا جاتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَیۡلَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا'' (النحل:۷۰) ''اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ وہ جاننے کے بعد نہ جانے''۔ [''نـنکسہ'' میں امام عاصم کوفی اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت کے مطابق پہلا نون مضموم دوسرا مفتوح اور کاف مکسور مشدد ہے (یعنی باب تفعیل سے ہے) اور باقی قراء کے نزدیک پہلا نون مفتوح دوسرا ساکن اور کاف مضموم مخفف (باب نصر ینصر) ہے] ﴿اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ﴾ تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے' بے شک جو ذاتِ اقدس انہیں جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور قوت سے کمزوری کی طرف اور کامل عقل سے قلتِ عقل کی طرف اور تمیز و پہچان کی کمی کی طرف پلٹنے پر قادر ہے وہ ان کی آنکھیں مٹانے پر اور ان کو ان کے گھروں میں مسخ کرنے پر اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے [نافع مدنی' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ'' ہے]۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر نہ کہنے کی حکمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

۶۹- اور کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا کرتے تھے (اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے) ان کے ردّ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ﴾ اور ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا یعنی ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو شعراء کے کلام کی طرح شعر کہنا نہیں سکھایا[1] یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم شعر میں نہیں سکھائی' جس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعر موزون اور مقفیٰ کلام ہوتا ہے جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہے' سو قرآن مجید میں بھلا وزن اور قافیہ کہاں؟ پس اگر تحقیق کی جائے تو قرآن مجید کے درمیان اور شعر میں کوئی مناسبت نہیں ہے ﴿وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ﴾ اور نہ وہ آپ کی شان کے لائق ہے (یعنی) شعر کہنا آپ کے لیے درست نہیں اور نہ آپ کے حال (منصب نبوت) کے لائق ہے اور اگر آپ شعر کہنا بھی چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے یعنی ہم نے آپ کو ایسا عظیم الشان نبی و رسول بنایا ہے کہ اگر آپ شعر کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے اور آپ اسے آسانی سے نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہم نے آپ کو اُمّی بنایا کہ آپ مہارت کے ساتھ لکھ نہیں سکتے تھے تاکہ آپ کا اُمّی ہونا (آپ کی نبوت کے لیے) مثبت و مستحکم حجت ہو جائے اور شک وشبہ بالکل ختم ہو جائے اور لیکن آپ کا یہ کلام

اَنَـا الـنَّـبِـيُّ لَا كَـذِبْ　　اَنَـا ابْـنُ عَـبْـدِ الْـمُـطَّـلِبْ
هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ　　وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ[1]

''میں نبی ہوں جھوٹ نہیں' میں جناب عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں'
تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے' اور تو نے یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں پائی ہے''۔

سو یہ آپ کا محض وہ کلام ہے جو آپ نے سلیقے کے مطابق بغیر کسی بناوٹ اور بغیر کسی تکلف کے موزون بیان فرما دیا لیکن اتفاق سے بغیر قصد اور بغیر ارادہ یہ کلام وزن اور قافیہ کے مطابق جاری ہو گیا' آپ نے موزون کلام کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی جیسا کہ لوگوں کے خطبات' رسائل اور ان کے محاوروں میں اتفاقیہ موزون اشیاء ہوتی ہیں اور ان کو کوئی شخص شعر نہیں کہتا کیونکہ ایسا کلام کہنے والا وزن کا قصد نہیں کرتا جب کہ شعر میں وزن اور قافیہ کا قصد ضروری ہے' علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''لقیت'' کو سکون کے ساتھ اور ''کذب'' کی ''با'' کو مفتوح اور ''المطلب'' کی ''با'' کو مکسور پڑھا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شعر کی جنس سے ہونے کی نفی کر دی تو ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ وہ تو نہیں یعنی جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآن یعنی یہ تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت' جس کے ذریعہ انسانوں اور جنوں کو نصیحت کی جاتی ہے اور یہ تو نہیں مگر قرآن' آسمانی کتاب ہے جو محرابوں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی عبادت گاہوں میں تلاوت کی جاتی ہے اور اس کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت سے دین و دنیا کی کامیابی حاصل کی جاتی ہے' پھر بھلا اس عظیم الشان قرآن مجید کے درمیان اور اس شعر کے درمیان کتنا بڑا اور واضح فرق ہے جو شیطان کے وسوسوں سے تیار کیا جاتا ہے۔

---

[1] معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا (یہ مطلب نہیں کہ آپ مبنی بر حقیقت اچھا موزون ومقفّٰی کلام بالکل نہیں کہہ سکتے) یا یہ کہ قرآن کی تعلیم شعر نہیں اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے خواہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم اوّلین و آخرین تعلیم فرمائے گئے جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کی معلومات واقعی اور نفس الامری (حقیقت پر مبنی) ہیں' کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے' وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامنِ تقدس اس سے پاک ہے' اس میں شعر بہ معنی موزوں کلام کے جاننے اور اس کے صحیح و سقیم اور جید و رڈی کو پہچاننے کی نفی نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں طعن کرنے والوں کے لیے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علومِ کائنات عطا فرمائے' اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۵۴۴' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

۷۰- ﴿لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا﴾ تا کہ وہ قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کو ڈرسنائیں جو زندہ ہے (یعنی) عقل مند غور وفکر سے کام لینے والا ہے کیونکہ غافل آدمی مردہ آدمی کی طرح ہے یا یہ کہ جس شخص کا دل زندہ ہے ﴿وَيَحِقَّ الْقَوْلُ﴾ اور بات ثابت ہو چکی ہے (یعنی) اور عذاب کی بات ثابت اور واجب ہو چکی ہے ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر جو غور وفکر نہیں کرتے اور وہ مردوں کے حکم میں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾
وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا
يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

وقف لازم

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جن چیزوں کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے' سو وہ ان کے مالک ہیں O اور ہم نے ان جانوروں کو ان کا فرماں بردار بنا دیا' سو ان میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں اور پینے کی لذیذ چیزیں ہیں' تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے O اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے ہیں شاید ان کی مدد کی جائے O وہ تو ان کی مدد نہیں کر سکتے' اور وہ تو ان کے ایسے لشکر ہیں جنہیں (ان کے خلاف) حاضر کیا جائے گا O سو ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کر دیں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ اعلانیہ کرتے ہیں O

انعامات پر شکر کرنے کی ترغیب اور بت پرستی کی مذمت

۷۱- ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے ان کے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں سے جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا یعنی یہ چوپائے اس مخلوق میں سے ہیں جس کی پیدائش بلاشرکت غیرے ہم نے خود کی ہے اور ہمارے علاوہ اس کی پیدائش پر بذاتِ خود کوئی قادر نہیں ہے ﴿فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ پس اب وہ ان کے مالک بن گئے ہیں یعنی یہ چوپائے ہم نے انہیں کی خاطر پیدا کیے ہیں' پھر ہم نے انہیں کو ان کا مالک بنا دیا ہے' سو اب وہ ان میں اس طرح اپنا تصرف و اختیار استعمال کرتے ہیں جس طرح مالک تصرف کرتا ہے' وہی ان سے نفع اٹھانے کے لیے مخصوص ہیں یا یہ کہ وہی ان پر قابض و غالب ہیں۔

۷۲- ﴿وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا مطیع وفرماں بردار بنا دیا ہے ورنہ ان پر کون غالب آ سکتا تھا' اگر اللہ تعالیٰ ان کو تابع نہ بناتا اور ان کو مسخر نہ کرتا اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سوار ہونے والوں پر لازم اور واجب کر دیا کہ وہ اس نعمت پر شکر ادا کریں اور تسبیح و پاکی بیان کریں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ O'' (الزخرف:۱۳) ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے فرماں بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے O'' ﴿فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ﴾ سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور یہ وہ چوپائے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے (جیسے اونٹ' گھوڑے' خچر اور گدھے وغیرہ) ﴿وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان

میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں (جیسے اونٹ' بھینسیں' گائیں' بکریاں اور بھیڑیں وغیرہ) یعنی ہم نے چوپایوں کو فرماں بردار بنا دیا تاکہ وہ لوگ سواری کے قابل جانوروں کی پشتوں پر سوار ہوں اور وہ حلال جانوروں کا گوشت کھائیں۔

۷۳- ﴿ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ﴾ اور ان کے لیے ان جانوروں میں بہت سے فائدے ہیں جیسے چمڑے' اون اور گوبر وغیرہ ﴿ وَمَشَارِبُ ﴾ اور پینے کی چیزیں' اس سے دودھ مراد ہے اور یہ ''مشــرب'' کی جمع اور یہ پینے کی جگہ ہے یا پینا مراد ہے ﴿ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴾ تو کیا وہ لوگ ان چوپایوں کے انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

۷۴- ﴿ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے تاکہ ان کی مدد کی جائے یعنی شاید ان کے بت اس وقت ان کی مدد کر سکیں جب انہیں کوئی مشکل پیش آ جائے۔

۷۵- ﴿ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ﴾ وہ ان کی مدد نہیں کر سکیں گے یعنی ان کے معبود اپنی عبادت کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ﴿ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴾ اور وہ ان کے ایسے لشکر ہیں جنہیں حاضر کیا جائے گا یعنی کفار بتوں کے معاون و مددگار ہیں' ان کی خدمت کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کفار نے بتوں کو اس لیے معبود بنا لیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی مدد کریں اور ان کے لیے سفارش کریں حالانکہ انہوں نے جو کچھ سوچ رکھا ہے معاملہ اس کے خلاف ہوگا' کیونکہ قیامت کے دن ان بتوں کو لشکر کی صورت میں ان کے لیے تیار کیا جائے گا اور انہیں ان کے عذاب کے لیے حاضر کیا جائے گا' اس لیے ان کو جلانے کے لیے ان بتوں کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔

۷۶- ﴿ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ﴾ سو ان کی بات آپ کو غم زدہ نہ کرے یعنی ان کا آپ کو جھٹلانا اور ایذاء دینا اور ان کا ظلم و ستم کرنا' آپ کو غم زدہ نہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مضموم اور ''زا'' مکسور ''حزنہ'' اور ''احزنہ'' سے ماخوذ ہے] ﴿ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ ﴾ بے شک ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ اپنی عداوت و دشمنی کو چھپاتے ہیں ﴿ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴾ اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور ہم یقیناً ان کو اس پر سزا دیں گے' سو آپ جیسی شخصیت کا حق یہ ہے کہ آپ اس وعید (دھمکی) پر تسلی رکھیں اور آپ اپنے دل میں آخرت کے دن اپنی صورتِ حال اور ان کی صورتِ حال پیش نظر رکھیں تاکہ اس کی وجہ سے غم و فکر دور ہو جائے اور آئندہ غم و رنج لاحق نہ ہو [اور جس کا یہ گمان ہے کہ جس شخص نے ''اِنَّا نَعْلَمُ'' میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کے معنی کو صحیح سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اس کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ اس کو لام تعلیل کے حذف پر محمول کرنا ممکن ہے (یعنی اصل میں ''لانــا نـعلم'' ہو) اور یہ قرآن مجید اور شعروں میں اکثر ہے بلکہ ہر کلام میں ہوتا ہے اور اسی بناء پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تلبیہ ہے: ''ان الحــمـد والنعمة لك''[1] امام ابوحنیفہ نے کسرہ اور امام شافعی نے فتحہ پڑھا ہے' رحمۃ اللہ علیہما اور دونوں دلیل پر مبنی ہیں' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فتحہ کی صورت میں ''قــولـهم'' سے بدل ہوگا' گویا کہا گیا کہ آپ کو یہ بات غمگین نہ کرے کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ اس کا فساد ظاہر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی کسرہ میں بھی لازم آئے گا جب اسے ''قــولـهـم'' کا مفعول قرار دیا جائے' پس ظاہر ہو گیا کہ ''حزن'' کا تعلق اور عدم تعلق اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کے ساتھ ''اِنَّ'' کے کسرہ اور فتحہ پر موقوف نہیں بلکہ وہ اس پر موقوف ہے کہ فتحہ کی حالت تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے' بدل کا معنی نہیں جیسا کہ کسرہ کی صورت میں تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے گا' مفعولیت کا نہیں بہر حال اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بناء پر غم سے منع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پوشیدہ اور علانیہ خباثتوں کو خوب جانتا ہے اور غم سے منع کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے آپ کو غم لاحق ہو چکا تھا' جیسا

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:۱۵۴۹' مسلم رقم الحدیث:۱۱۸۴

کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ O" (القصص:۸٦) "سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں O"۔ "وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O" (الانعام:۱۴) "اور آپ مشرکوں میں سے نہ ہو جائیں O"۔ "وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ" (القصص:۸۸) "اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے"۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا O اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال گھڑلی اور اپنی پیدائش بھول گیا' اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ گل سڑ گئیں O فرما دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا' اور وہ ہر قسم کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کی' سو تم اس میں سے اچانک آگ سلگاتے ہو O

انسان کی پہلی تخلیق سے مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کرنے پر استدلال

شانِ نزول: اور یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب اس نے ایک بوسیدہ اور پرانی گلی سڑی ہڈی کو اٹھایا اور وہ اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ٹکڑے کرنے لگا اور کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بوسیدہ ہو جانے کے بعد زندہ کر لے گا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ تجھے بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔[1]

۷۷- ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ﴾ اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ (یعنی) مرد کے آلہ تناسل کے سوراخ سے نکلنے والے سفید پانی سے پیدا کیا ہے' وہ آلہ جو گندگی (پیشاب) کی نالی ہے ﴿فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ پس وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا' جس کا جھگڑا سب پر عیاں ہے یعنی پس وہ اب تک اپنی اصلی خساست اور اپنی ابتدائی پستی پر قائم ہے' وہ اپنے پروردگار سے جھگڑنے کے درپے رہتا ہے اور مردوں کی ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان کے زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے' پھر اس کا جھگڑنا اس کا لازمی وصف بن گیا اور یہ جھگڑا ہمہ اوقات اس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے حالانکہ وہ بے جان سے جاندار ہو کر پلا بڑھا اور اب وہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا انکار کرتا ہے اور یہ انتہائی سخت مجادلہ ہے۔

۷۸- ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا﴾ اور وہ بوسیدہ ہڈی کو توڑ کر ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے ﴿وَنَسِيَ خَلْقَهُ﴾ اور وہ منی سے اپنی تخلیق کو بھول گیا ہے حالانکہ یہ ہڈی کے زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے ["خلقہ" میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی ہمارا اس کو پیدا کرنا] ﴿قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ اس نے کہا کہ اس ہڈی کو کون زندہ کرے گا

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۴٦

حالانکہ وہ گل سڑ کر چورہ چورہ ہو چکی ہے ["رمیم" گلی سڑی ہڈی کا اسم ہے صفت نہیں' جیسے "رمة" اور "رفات" ہے' پس یہی وجہ ہے کہ مؤنث نہیں آتا جب کہ یہ مؤنث کی خبر واقع ہو رہا ہے] اور جو لوگ ہڈی میں حیات کو ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ مردہ کی ہڈی ناپاک ہوتی ہے کیونکہ موت اس میں اثر کرتی ہے اور اس سے پہلے اس میں حیات داخل تھی' وہ اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں جب کہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ہڈی پاک ہوتی ہے اور اسی طرح مردہ کے بال اور پٹھے پاک ہوتے ہیں' اس لیے کہ ان میں زندگی نہیں ہوتی' پس موت ان میں کوئی اثر نہیں کرتی اور اس آیت مبارکہ میں ہڈی کے زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی پہلی حالت میں واپس لے آئے گا' جس طرح پہلے حساس و زندہ شخص میں لیس دار اور رطوبت دار تھی۔

۷۹- ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جس نے ابتداء میں پیدا کیا تھا' وہی دوبارہ پیدا کرے گا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے' اس سے کسی مخلوق کے اجزاء پوشیدہ نہیں ہیں اگرچہ وہ دریا میں یا خشک صحرا میں بکھیر دیئے جائیں' سو اللہ تعالیٰ ان کو ہر جگہ سے جمع کر لے گا اور جیسے انسان پہلے تھا' ویسے اسے دوبارہ کر دے گا۔

۸۰- ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو پیدا کیا' پس تم اچانک اس میں سے آگ روشن کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے عجائبات کا ذکر فرمایا جیسے سبز درخت سے آگ کو پیدا کرنا حالانکہ آگ پانی کے متضاد ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے' اور وہ چقماق ہے جس کے ساتھ عرب کے باشندے آگ جلاتے ہیں اور زیادہ تر مرخ اور عفار نامی درختوں سے آگ روشن کی جاتی ہے اور اہل عرب کی مثالوں میں سے ایک یہ مثال ہے کہ "فی کل شجر نار" ہر درخت میں آگ ہوتی ہے' جب کہ مشہور یہ ہے کہ مرخ اور عفار نامی درختوں سے آگ روشن ہوتی ہے کہ آدمی مسواک کے برابر دو شاخیں ان دونوں درختوں میں سے کاٹ لیتا ہے اور وہ دونوں شاخیں سبز اور ہری ہوتی ہیں' ان سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں' پھر مرخ جو کہ مذکر ہے' کی شاخ کو عفار جو کہ مؤنث ہے' کی شاخ پر رگڑا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آگ روشن ہو جاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہر درخت میں آگ ہوتی ہے' ماسوا ایک انگور کے درخت کے' محض اس مصلحت کی بناء پر کہ دھوبی کپڑے صاف کرنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں' سو جو ذات پانی اور آگ کو درخت میں جمع کرنے پر قادر ہے' وہ انسان میں موت و حیات کو باری باری لانے پر بھی قادر ہے اور دو متضاد چیزوں میں سے کسی ایک کو کسی دوسری پر باری باری لانا عقل کے نزدیک زیادہ آسان ہے' دو متضاد چیزوں کو بغیر ترتیب اکٹھے جمع کرنے سے اور "الشجر" لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے اور معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے' اس لیے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں اس کی صفت "الاخضر" لائی گئی ہے اور معنی کے اعتبار کر کے اس کو "الخضر آء" بھی پڑھا گیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے باوجودیکہ یہ دونوں عظیم ترین وجود رکھنے والی مخلوق ہے تو وہ انسانوں کے پیدا کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط بَلٰى ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وقف غفران
ع ۵ ۱۶

اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان کی (پیدائش کی) طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں' کیوں نہیں! اور وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہےO بے شک اس کی شان تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہےO سو پاک ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

۸۱- ﴿ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' وہ آسمانوں اور زمین کی بہ نسبت ان کی طرح چھوٹی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں' یا ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں' کیونکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی طرح ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے ﴿ بَلٰی ﴾ یعنی اے محبوب! فرمادیجئے کہ کیوں نہیں! وہ تو اس پر قادر ہے ﴿ وَهُوَ الْخَلّٰقُ ﴾ اور وہ بہت سی مخلوق پیدا کرنے والا ہے ﴿ الْعَلِیْمُ ﴾ بہت سی معلومات رکھنے والا ہے۔

۸۲- ﴿ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗ ﴾ بے شک اس کا کام صرف یہ ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ ﴿ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے' پس وہ پیدا ہو جاتی ہے یعنی پس وہ ہونے والی چیز ہر حال میں موجود ہو جاتی ہے' سو خلاصہ یہ ہے کہ تمام مکوّنات اس کی تخلیق اور اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی ایجاد کو لفظ ''کُــنْ'' سے تعبیر کیا' جس میں کاف اور نون کے بغیر کوئی اور لفظ نہیں' یہ صرف ایجاد کی جلدی کے لیے بیان کیا' گویا فرمایا کہ جس طرح تم پر ''کُــنْ'' کہنا بھاری نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ پر پہلی بار پیدا کرنا اور انہیں دوبارہ پیدا کرنا بھی کوئی بھاری اور مشکل نہیں [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فیکون'' کو ''یقول له'' پر معطوف کر کے اس کے آخر کو منصوب پڑھا گیا ہے لیکن رہا رفع تو اس صورت میں یہ جملہ مبتدا خبر ہے کیونکہ اس کی اصل ''فھو یکون'' ہے اور یہ اپنی مثل پر معطوف ہے اور وہ ''امره ان یقول له کن'' ہے]۔

۸۳- ﴿ فَسُبْحٰنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان تمام سے پاک ہے جن کو مشرکین اس کے متعلق بیان کرتے ہیں اور لفظ ''سبحان'' کے ذریعے مشرکین کی ان بکواسات پر تعجب کا اظہار ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیں ﴿ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے ''ای ملك كل شیء'' یعنی ہر چیز کی بادشاہی (''ملك'' مصدر ہے' اس کے آخر میں) مبالغہ کے لیے واؤ اور ''تا'' کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی وہ ہر چیز کا مالک و مختار ہے ﴿ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور تم سب مرنے کے بعد بغیر کسی فرار اور بچاؤ کے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تَرْجِعُوْنَ'' ہے]۔

سورۃ یٰسین کے فضائل

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَّاِنَّ قَلْبَ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ''۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۷) ''بے شک ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور بے شک قرآن مجید کا دل سورۃ یٰسین ہے''۔

(۲) جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ سے سورۃ یٰسین کی تلاوت کی' اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کو اس قدر اجر و ثواب عطا فرمائے گا' گویا اس نے بائیس (۲۲) مرتبہ قرآن مجید کو پڑھ لیا ہے۔

(۳) جو شخص اپنی کسی حاجت کو پیش نظر رکھ کر سورۃ یٰسین تلاوت کرے گا' اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے گی۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سورتِ یٰسین کی تلاوت کرے گا اگر وہ بھوکا ہے تو اللہ تعالیٰ کھانا عطا فرما کر اس کا پیٹ بھر دے گا اور اگر وہ پیاسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے پانی سے سیراب کر دے گا اور اگر وہ لباس کا ضرورت مند ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لباس عطا فرمائے گا اور اگر وہ کسی وجہ سے خوف زدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو امن عطا فرمائے گا اور اگر وہ پریشان ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور فرما دے گا اور اگر وہ گھبرایا ہوا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو اطمینان و سکون عطا فرمائے گا اور اگر وہ فقیر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور اگر وہ قید میں ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو رہائی عطا فرمائے گا اور اگر گرفتار شدہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے خلاصی اور نجات عطا فرمائے گا اور اگر وہ گمراہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے گا اور اگر وہ مقروض ہوا تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں میں سے اس کا قرض ادا فرما دے گا اور اس سورت کو "دافعة" اور "قاضية" کہا جاتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہر بُرائی اور بیماری دور ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(۳۷) سُورَةُ الصّٰفّٰت مَكِّيَّة (۵۶) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — آیاتہا ۱۸۲ رکوعاتہا ۵

سورۃ الصّٰفّٰت مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ایک سو بیاسی آیات، پانچ رکوع ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

قسم ہے قطار میں ہو کر صف باندھنے والوں کی○ پھر خوب جھڑکنے والوں کی○ پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی○ بے شک تمہارا برحق معبود ایک ہی ہے○ وہی آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے اور تمام مشرقوں کا مالک ہے○ بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا○ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا○ وہ عالم بالا کی طرف کان لگا کر نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے مارا جاتا ہے○ بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○ مگر جو شیطان کوئی بات اچک کر لے چلا تو بھڑکتا ہوا تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے○

صفاتِ الٰہیہ سے اس کی توحید پر استدلال

سورتِ والصافات مکی ہے اور اس کی آیات ایک سو اکیاسی یا ایک سو بیاسی ہیں۔

۱- ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ قسم ہے قطار در قطار صف باندھنے والوں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے چند گروہوں کی یا پھر خود ان کی ذوات کی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ "الصافات" سے نماز میں آ کر صفیں باندھنے والے مراد ہیں۔

۲- ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ پھر بہت جھڑکنے والوں کی قسم۔ "زاجرات" سے بادلوں کو چلانے والے فرشتے مراد ہیں اور الہام کے ذریعے گناہوں سے روکنے والے مراد ہیں۔

۳-﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴾ پھر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی قسم۔ ''فالتالیات'' سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں وغیرہ میں سے کلام اللہ کی تلاوت کرنے والے مراد ہیں اور یہ حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے یا پھر شریعت اسلامی پر بہت عمل کرنے والے علمائے دین کی ذوات کی قسمیں بیان فرمائی گئیں ہیں' چنانچہ ''الصافات'' سے ان حضرات کا نمازِ تہجد اور دیگر پنجگانہ نمازوں کے لیے آنا مراد ہے'' فالزاجرات'' سے مواعظ ونصائح کے ذریعے جھڑکنا مراد ہے اور'' فالتالیات'' سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت وتعلیم اور اس کے احکام کا درس دینا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جو میدانِ جہاد میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں اور سواری کے گھوڑوں کو جہاد کی خاطر تیز دوڑانے کے لیے جھڑکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی اور قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھتے ہیں [''صَفًّا'' تاکیدی مصدر ہے اور اسی طرح'' زجرًا'' ہے اور حرف'' فَا'' فضیلت و برتری میں صفات کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے' پس فضیلت کو پہلے صفیں باندھنے والوں' پھر جھڑکنے والوں' پھر تلاوت کرنے والوں کے لیے مقید کیا گیا یا پھر اس کا برعکس بھی مراد ہوسکتا ہے]۔

٤-﴿ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴾ بے شک تمہارا معبودِ برحق ایک ہی ہے' یہ قسم کا جواب ہے' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کفارِ مکہ کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ''اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ O'' (ص:۵) ''کیا اس (رسولِ اکرم) نے تمام معبودوں کو ایک معبود قرار دیا ہے' بے شک یہ بات بہت عجیب ہے O''۔

۵-﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ وہی تمام آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے [یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے'' ای ھو رب السموت والارض ''یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے] ﴿ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴾ اور مشرقوں کا مالک ہے یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہیں اور وہ تین سو ساٹھ جگہیں ہیں اور اسی طرح سورج کے غروب ہونے کی جگہیں بھی تین سو ساٹھ ہیں' سورج ہر روز ان میں سے ایک مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورج دو دن میں ایک جگہ سے نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے اور لیکن رہا'' رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ O'' (الرحمٰن:۱۷) دو مشرقوں کا مالک ہے اور دو مغربوں کا مالک ہے' تو اس سے موسمِ گرما اور موسمِ سرما کے دو مشرق اور ان کے دو مغرب مراد ہیں اور لیکن رہا'' رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ '' (المزمل:۹) تو اس سے جہت اور سمت مراد ہے کیونکہ مشرق بھی ایک سمت ہے اور مغرب بھی ایک سمت ہے۔

٦-﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا ﴾ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو مزین وآراستہ کیا جو تمہارے نزدیک ہے'' دنیا''،'' ادنٰی'' کی تانیث ہے بہ معنی قریب ﴿ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴾ ستاروں کی زینت کے ساتھ [امام حفص اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں'' الکواکب''،'' زینۃ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا یعنی ستاروں کی زینت کے ساتھ اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں'' زیـنـۃ'' کے محل سے بدل بنا کر مفعول ہونے کی بناء پر'' الکواکب'' کو منصوب پڑھا گیا ہے یا'' اعنی'' مضمر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا مصدر منوّن مفعول میں عمل کر رہا ہے اور ان کے علاوہ نے مصدر کو فاعل کی طرف مضاف مانا یعنی آسمانِ دنیا کو ستاروں نے آراستہ کیا ہے اور اس کی اصل'' بِـزِيْنَةِ الکواکبُ'' ہے یا اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو حسین وجمیل بنایا ہے کیونکہ آسمانِ دنیا کو خود ستاروں کے حسن وجمال کی وجہ سے آراستہ کیا گیا ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں اس کی اصل'' بـزِيـنـةٍ الكَوَاكِبَ'' ہے]۔

۷- ﴿ وَحِفْظًا ﴾ اور محفوظ رکھنے کے لیے [یہ ''زینۃ'' کے معنی یعنی محل پر محمول معطوف ہے] اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ستاروں کو آسمان کی زینت اور شیطانوں سے حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ'' (الملک:۵) ''اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں کے ساتھ مزیّن و آراستہ کیا اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مار بھگانے والا بنایا ہے'' [یا فعل معلل مقدر ہے گویا فرمایا گیا ہے: ''وحفظا من کل شیطان زیّنّاها بالکواکب'' ہر شیطان سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کو ہم نے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا' یا اس کا معنی یہ ہے کہ ''حفظناها حفظا'' ہم نے اس کو خوب محفوظ بنایا ہے] ﴿ مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴾ ہر سرکش (یعنی) اطاعت سے خارج شیطان سے۔

۸- ﴿ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ﴾ وہ عالمِ بالا کا کلام نہیں سن سکتے یعنی فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کو ''ملأ اعلٰی'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں رہتے ہیں اور انسانوں اور جنوں کو ''ملأ اسفل'' (عالم زیریں) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زمین کے رہنے والے ہیں [''لَا يَسَّمَّعُوْنَ'' میں ''هم'' ضمیر (کل شیطان) کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ شیاطین کے معنی میں ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفی قراء کے نزدیک ''يَسَّمَّعُوْنَ'' میں سین اور میم مشدد مفتوح ہیں' اس کی اصل ''يَتَسَمَّعُوْنَ'' ہے اور ''تَسَمَّعَ'' کا معنی ہے: سماعت کو طلب کرنا یا سماعت کو چاہنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''تَسَمَّعَ فَسَمِعَ'' فلاں شخص نے سننا چاہا تو اس نے سن لیا اور مناسب تو یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ کے طور پر الگ کلام شروع کیا گیا ہوتا کہ شیاطین کا چوری چھپے کلام سننے کا حال بیان کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ بے شک وہ فرشتوں کے کلام سننے پر قدرت نہیں رکھتے' یا ''یتسمعوا'' ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی اصل ''لئلا یسمعوا'' ہے' پھر لام کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ''جِئْتُكَ اَنْ تُكْرِمَنِيْ'' میں لام کو حذف کیا گیا ہے (کہ اصل میں ''لِاَنْ تُكْرِمَنِيْ'' ہے) پس اب ''ان لا یسمعوا'' باقی رہ گیا' پھر ''اَنْ'' کو بھی حذف کر دیا گیا اور اس کے عمل کو چھوڑ دیا گیا' جیسا کہ اس قول میں ہے کہ ''اَلَا اَيُّهٰذَا الزَّاجِرِيْ اُحْضُرُ الْوَغٰى'' اور اس میں ''تعسف'' ہے' اس لیے اس جیسی عبارت سے قرآن مجید کو محفوظ رکھنا واجب ہے کیونکہ ان دونوں حرفوں میں سے ہر ایک حرف کو الگ رد نہیں کیا جاتا لیکن ان دونوں کا اجتماع غیر مانوس ہے اور ''سمعتُ فلانا یتحدث'' اور ''سمعتُ الیه یتحدث'' کے درمیان اور ''سمعتُ حدیثه'' اور ''سمعتُ الٰی حدیثه'' کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو فعل براہِ راست متعدی ہوتا ہے وہ صرف سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے اور جو فعل ''اِلٰی'' کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے وہ کان لگا کر سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے] ﴿ وَيُقْذَفُوْنَ ﴾ اور ان پر تیز شعلہ پھینکا جاتا ہے ﴿ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴾ آسمان کی تمام اطراف سے جس طرف سے بھی وہ کلامِ ملائکہ چوری کرنے اوپر چڑھتے ہیں۔

۹- ﴿ دُحُوْرًا ﴾ بھگانے کے لیے' [یہ مفعول لہ ہے] یعنی شیطانوں کو آسمان کی طرف اوپر جانے سے روکنے اور بھگانے کے لیے انگارے پھینکے جاتے ہیں۔ ''دحور'' کا معنی بھگانا اور دفع کرنا ہے' یا پھر حال کی بناء پر ''مدحورین'' ہے یا اس لیے کہ ''قذف'' اور ''طرد'' قریب المعنی ہیں سو گویا فرمایا گیا کہ انہیں انگارے پھینک کر بھگایا جاتا ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴾ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے' ''واصب'' بہ معنی دائم ہے اور ''وصوب'' سے ماخوذ ہے' یعنی بے شک دنیا میں ان پر انگارے اور شعلے پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

۱۰- ﴿ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ﴾ مگر جو شیطان اچک لے جائے [اس میں ''مَنْ''' ''لا یسمعون'' کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] یعنی شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سکتے مگر کوئی ایک شیطان جو اچانک چوری چھپے کچھ نہ کچھ

بات اچک لے یعنی چھین لے' مطلب یہ کہ شیطان ان کے کلام میں سے کوئی چیز جلدی سے اچانک چھین لے ﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ﴾ پس فوراً اس کا تیز شعلہ پیچھا کرتا ہے یعنی پھینکا ہوا ستارہ ﴿ثَاقِبٌ﴾ چمکتا ہوا' روشن۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۵

سو آپ ان (کافروں) سے پوچھئے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مضبوط و دشوار ہے یا ان (دوسری بڑی چیزوں) کی جن کو ہم نے پیدا کیا ہے' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں O اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے O اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں O اور کہتے ہیں کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو O کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو (بھی اٹھایا جائے گا) O فرمایئے: ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے O سو یقیناً وہ صرف ایک زوردار جھڑک ہوگی' پس وہ اچانک دیکھنے لگیں گے O اور کہیں گے: ہائے ہماری بربادی! یہ تو سزا کا دن ہے O یہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O

کفارِ مکہ کے احمقانہ روّیوں کا بیان

۱۱- ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ سو آپ ان سے سوال کیجئے (یعنی) سو آپ کفارِ مکہ سے یہ بات پوچھئے کہ ﴿اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا ان کی تخلیق زیادہ سخت ہے یعنی کیا وہ اپنی تخلیق و پیدائش میں زیادہ مضبوط و قوی ہیں' یہ ان (اہلِ عرب) کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "شدید الخلق وفی خلقه شدّة" فلاں کی تخلیق مضبوط اور قوی ہے اور اس کی تخلیق میں قوت و مضبوطی ہے' یا یہ معنی ہے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار و سخت ہے' اس معنی کی بناء پر کہ اس آیت مبارکہ میں قیامت اور حشر و نشر کے انکار کرنے پر کفارِ مکہ کا ردّ کیا گیا ہے اور بے شک جس ذاتِ اقدس پر اتنی بڑی مخلوقات (ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں) کی تخلیق و پیدائش آسان ہے اور اس پر ان کا ایجاد و اختراع کرنا مشکل و دشوار نہیں ہے تو اس پر انسان کی تخلیق و پیدائش بہت ہی آسان ہے ﴿اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ﴾ یا ان کے علاوہ وہ مخلوقات زیادہ قوی اور مضبوط ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ اس سے وہ مخلوقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے یعنی فرشتے' ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان دونوں کے درمیان (سورج' چاند' ستارے' سمندر' دریا' پہاڑ' بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا درخت' ہاتھی وغیرہ) [اور کلمہ "مَنْ" عقلاء کی غیر عقلاء پر تغلیب کی وجہ سے لایا گیا ہے اور اس پر اس کی قراءت دلالت کرتی ہے' جس نے "ام من عددنا" تشدید اور تخفیف

دونوں کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴾ بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ''لازب'' بہ معنی ''لاصق'' چپکنے والی یا بہ معنی لازم' چمٹنے والی' جدا نہ ہونے والی ہے اور ایک قراءت میں ''من طین لازم'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ انسان کے کمزور مخلوق ہونے پر شہادت و گواہی ہے کیونکہ جو چیز مٹی سے بنائی جائے گی وہ جسمانی صلابت و مضبوطی کے ساتھ متصف نہیں ہوگی یا یہ ان پر حجت و دلیل ہے کہ جو لیس دار مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں' وہ مٹی ہی (کی طرح کمزور) ہیں تو بھلا وہ ان ہی کی طرح مٹی سے دوبارہ پیدا کیے جانے سے کیونکر انکار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: ''ءَ اِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ'' (الرعد:۵) ''کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم دوبارہ ایک نئی پیدائش میں ظاہر ہوں گے'' اور یہ معنی اس کی تائید و توثیق کرتا ہے جس کی پہلے تلاوت کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔

۱۲ - ﴿ بَلْ عَجِبْتَ ﴾ بلکہ آپ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا (لیکن) ﴿ وَیَسْخَرُوْنَ ﴾ اور وہ تو آپ کا اور آپ کے تعجب کا مذاق اڑاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ تو مرنے کے بعد اٹھنے پر ان کے انکار کی وجہ سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے معاملے کا مذاق اڑاتے ہیں [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''تا'' مضموم (فعل واحد متکلم) ہے یعنی بلکہ میں نے ان کے انکارِ بعثت کا انکار کر دیا اور تعجب اس ڈر یا گھبراہٹ کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کو بہت بڑا خیال کرتا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حق میں خوف و ڈر اور گھبراہٹ کے معنی کو خالی کرنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر خوف و ڈر جائز نہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! فرما دیجئے کہ میں نے تعجب کیا]۔

۱۳ - ﴿ وَاِذَا ذُکِّرُوْا لَا یَذْکُرُوْنَ ﴾ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے (یعنی) ان کی عادت اور ان کا طریقہ یہی ہے کہ بے شک جب انہیں کسی چیز کی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۱۴ - ﴿ وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً ﴾ اور جب وہ لوگ (کفارِ مکہ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ اور اسی طرح کا کوئی اور معجزہ تو ﴿ یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴾ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اس کا مذاق اڑانے کے لیے بلاتے ہیں یا وہ مذاق اڑانے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔

۱۵ - ﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ اور انہوں نے معجزہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو (یعنی) یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ محض کھلا جادو ہے۔

۱۶ - ﴿ ءَ اِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم یقیناً ضرور اٹھائے جائیں گے یعنی کیا ہمیں اس وقت اٹھایا جائے گا جب ہم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہوں گے اور اس میں شروع کا ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

۱۷ - ﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ اور کیا ہمارے پہلے آباء و اجداد کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا [یہ ''اِنَّ'' اور اس کے اسم کے محل پر معطوف ہے یا ''لمبعوثون'' میں ضمیر پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا کیونکہ یہ بہت بعید ہے' ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد تو بہت پہلے گزر چکے ہیں' سو ان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا عقل کے نزدیک بہت بعید اور باطل ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ

ساکن ہے یعنی کیا ہم میں سے کسی ایک کو دوبارہ اٹھایا جائے گا' یہ دراصل انکار میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے]۔

۱۸- ﴿ قُلْ نَعَمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ جی ہاں! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا [علی کسائی کی قراءت میں نون مفتوح کے بجائے مکسور ہے اور دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ اور تم ذلیل و رسوا ہو گے۔

۱۹- ﴿ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾ پھر بے شک وہ صرف ایک زوردار ڈانٹ اور جھڑک ہو گی [یہ مقدر شرط کا جواب ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "اِذَا كَانَ كذالك فما هي الّا زجرة واحدة" یعنی جب معاملہ اسی طرح ہو گا تو پھر وہ نہیں ہو گی مگر ایک خطرناک چیخ اور جھڑک اور "هـي" کسی چیز کی طرف نہیں لوٹتی کیونکہ مبہم ضمیر ہے' اس کی وضاحت اس کی خبر کرتی ہے اور یہ جائز ہے کہ "فانما البعثة زجرة واحدة" ہو یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے لیے ایک چیخ دار جھڑک کافی ہو جائے گی اور وہ نفخۂ ثانی ہو گا اور "زجـرة" کا معنی چیخ مارنا ہے' چنانچہ جب چرواہا اونٹوں یا بکریوں کو چیخ کر جھڑکتا ہے تو اس وقت بولا جاتا ہے: "زجر الراعی الابل او الغنم"] ﴿ فَاِذَا هُمْ ﴾ سو اچانک وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہو جائیں گے ﴿ یَنْظُرُوْنَ ﴾ وہ اپنے بُرے اعمال کی طرف دیکھتے ہوں گے یا وہ اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب کا انتظار کرتے ہوں گے۔

۲۰- ﴿ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا ﴾ اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری بربادی۔ "ویـل" وہ کلمہ ہے جسے ہلاکت و تباہی کے وقت کہنے والا کہتا ہے ﴿ هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴾ یہ تو بدلے کا دن ہے یعنی آج وہ دن ہے جس میں ہمیں اعمال پر بدلہ دیا جائے گا یعنی ہمیں ہمارے اعمال پر سزا دی جائے گی۔

۲۱- ﴿ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴾ یہ فیصلہ کا دن ہے (یعنی) یہ انصاف کا دن ہے اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے کا دن ہے ﴿ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے' پھر اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ "هٰـذا یـوم الـدین" سے "احشروا" تک ایک دوسرے کے ساتھ کفار کا کلام ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہو جو اس دن کفار کے ساتھ کریں گے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ "یا ویلنا هٰذا یوم الدین" کفار کا کلام ہو اور "هٰذا یوم الفصل" کفار کو جواب دینے کے لیے فرشتوں کا کلام ہو۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾

(اے فرشتو!) تم ظالموں کو اور ان کے ہم مثل ساتھیوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے سب کو جمع کر لو ○ اللہ تعالیٰ کے ماسوا' سو تم ان کو دوزخ کا راستہ دکھا دو ○ اور تم ان کو روک لو بے شک ان سے سوال کیے جائیں گے ○ تمہیں کیا ہو

گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے O بلکہ وہ سب آج گردنیں جھکائے فرماں بردار بن کر کھڑے ہوں گے O اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے بہکانے آتے تھے O وہ کہیں گے بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے O اور ہمارا تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش قوم تھے O

روزِ محشر کے قیام اور مُسلم و کافر کے اعمال وانجام کا بیان

۲۲،۲۳- ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ تم ان لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ خطاب فرمائے گا کہ تم ظالموں یعنی کافروں کا اکٹھا کر لو ﴿ وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ اور ان کے ساتھیوں کو یعنی ان کے ہم مثل اور ان جیسے لوگوں کو بھی ان کے ساتھ جمع کر لو یا شیطانوں میں سے ان کے ساتھیوں کو یا ان کی کافرہ عورتوں کو ان کے ساتھ جمع کر لو [اس میں واؤ بہ معنی ''مَعَ'' ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کو ''ظلموا'' میں پوشیدہ ضمیر پر عطف کر کے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ O مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے یعنی بتوں کو بھی ان کے ساتھ اکٹھا کر لو ﴿ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴾ سو تم ان کو دوزخ کی راہ دکھا دو۔ اصمعی سے منقول ہے کہ دین میں رہنمائی کرنے کے لیے ''هُدًى'' استعمال ہوتا ہے اور راستہ کے معنی میں ''هداية'' استعمال ہوتا ہے۔

۲- ﴿ وَقِفُوْهُمْ ﴾ اور تم انہیں ٹھہراؤ یعنی اور تم ان کو روک لو ﴿ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴾ بے شک ان سے ان کے اقوال اور ان کے افعال کے بارے میں سوال کیے جائیں گے۔

۲۵- ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مدد نہیں کرتے یعنی تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے اور یہ دراصل ایک دوسرے کی مدد کرنے سے عاجز و بے بس ہونے پر انہیں ڈانٹنا ہو گا کیونکہ اس سے پہلے دنیا میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ابوجہل کے لیے جواب ہے کیونکہ اس نے غزوۂ بدر کے دن کہا تھا: ''نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ O'' (القمر: ۴۴) ''ہم سب مل کر بدلہ لیں گے O'' [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے ''ای ما لکم غیر متناصرین'' یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے]۔

۲۶- ﴿ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴾ بلکہ وہ آج سر تسلیم خم کیے ہوئے کھڑے ہوں گے (یعنی) مطیع و فرماں بردار ہوں گے یا بے شک وہ ایک دوسرے سے سر جھکا کر بات کریں گے اور ان کی یہ ذلت وخواری عاجزی اور بے بسی کی وجہ ہو گی' سو وہ سب کے سب عاجز و بے بس ہوں گے' کوئی مدد کرنے والا نہیں ہو گا۔

۲۷- ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے یعنی تابع اور متبوع اور پیروکار اور پیشوا' نیز عوام اور سردار ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) ﴿ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہوئے باہم جھگڑیں گے' چنانچہ

۲۸- ﴿ قَالُوْٓا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار و عوام اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴾ بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے (یعنی) پوری قوت وغلبہ کے ساتھ تم ہمارے پاس آتے تھے کیونکہ ''یمین'' کو قوت کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ گرفت و پکڑ واقع ہوتی ہے یعنی بے شک تم ہمیں پوری قوت وغلبہ کے ساتھ گمراہی پر اُبھارتے اور اس پر راغب کرتے تھے اور تم گمراہی اختیار کرنے پر ہمیں مجبور کرتے تھے۔

۲۹۔ ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے یعنی کافروں کے سردار اور بڑے رئیس اپنے پیروکاروں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے: ﴿بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے یعنی بلکہ تم نے خود ایمان سے انکار کر دیا تھا اور تم نے قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود ایمان سے منہ پھیر لیا تھا اور تم نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کر لیا تھا' تمہیں کوئی مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

۳۰۔ ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور ہمیں تم پر کوئی تسلط و غلبہ حاصل نہیں تھا' جس کے ذریعے ہم تم سے تمہارا اختیار چھین لیتے اور ہم بہ زور تمہاری قوت و قدرت سلب کر لیتے ﴿بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ﴾ بلکہ تم سرکش قوم تھے (یعنی) بلکہ تم بغاوت و سرکشی اختیار کرنے والی قوم تھے۔

فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷﴾

سو ہم پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو گئی ہے بے شک ہم ضرور چکھنے والے ہیں O سو ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا تھا بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے O سو بے شک وہ آج عذاب میں شریک ہوں گے O بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O بے شک یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے O اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں O (ایسا نہیں!) بلکہ وہ حق لے کر تشریف لائے اور رسولوں کی تصدیق و تائید کی O

۳۱۔ ﴿فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ﴾ سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت و لازم ہو گئی کہ ﴿اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ﴾ ہم یقیناً (عذاب الٰہی) چکھنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی وعید (دھمکی) ہم سب پر واجب و لازم ہو گئی کہ ہم ضرور لامحالہ اس کا عذاب چکھنے والے ہیں کیونکہ اسے ہمارے حال کا بہ خوبی علم ہے اور اگر وعید کو جیسے ہے ویسے حکایۃً بیان کیا جاتا تو پھر ارشاد ہوتا: ''اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوْنَ'' بے شک تم عذاب الٰہی ضرور چکھنے والے ہو' لیکن مخاطب سے متکلم کی طرف عدول کیا گیا ہے' یہ محض اس لیے کہ وہ خود اپنے بارے میں اقرار کریں اور اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے: ''فَقَدْ زَعَمَتْ هَوَازِنُ قَلَّ مَالِیْ'' بے شک قبیلہ ہوازن نے یہ گمان کر لیا ہے کہ میرا مال کم ہو گیا ہے۔ اور اگر شاعر اس کا قول بیان کرتا تو یوں کہتا کہ ''قَلَّ مَالُكَ''۔

۳۲۔ ﴿فَاَغْوَیْنٰكُمْ﴾ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ ہم نے تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تھا ﴿اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ﴾ بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے' سو ہم نے تمہیں اس لیے گمراہ کرنا چاہا تھا تاکہ تم بھی ہماری طرح گمراہ ہو جاؤ۔

۳۳۔ ﴿فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ بے شک وہ سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے یعنی بے شک پیروی کرنے والے عوام اور جن سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ سب کے سب قیامت کے دن عذاب میں اس طرح شریک ہوں گے جس طرح وہ دنیا میں رہ کر گمراہی میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔

۳۴-﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴾ بے شک ہم مجرموں کے ساتھ یعنی مشرکوں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ یہاں ''مجرمین'' سے مشرکین مراد ہیں' مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس عجیب وغریب فعل کی مثل ہر مجرم کے ساتھ کرتے ہیں کہ جرائم وگناہوں کے رہبروں اور رہزنوں دونوں کو اکٹھے عذاب میں شریک کرتے ہیں۔

۳۵-﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ بے شک یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے ہیں (یعنی) بے شک یہ لوگ جب توحید کا کلمہ سنتے تھے تو اس سے تکبر کرتے تھے اور شرک کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔

۳۶-﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ وہ لوگ ''شاعر مجنون'' سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات مراد لیتے تھے [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''أَئِنَّا'' ہے]۔

۳۷-﴿ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ ﴾ بلکہ رسول اللہ ﷺ حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس میں مشرکینِ مکہ کا رد کیا گیا ہے ﴿ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ'' (آل عمران:۳) ''آپ اپنے سے پہلے رسولوں' نبیوں اور کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں''۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو O اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے O ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص وبرگزیدہ بندوں کے O یہی وہ لوگ ہیں جن کا رزق معلوم ہے O ہر قسم کے بہترین پھل ہوں گے اور وہ باعزت ہوں گے O نعمتوں والی جنت میں رہیں گے O ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے O

۳۸'۳۹-﴿ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۚ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو O اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے' اس سے زیادہ نہیں۔

۴۰-﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ماسوا [کوفی اور نافع مدنی کی قراءت میں ''مخلصین'' میں لام مفتوح ہے اور اسی طرح جو اس کے بعد آئیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے۔ یہ استثناء منقطع ہے]۔

۴۱-﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ انہیں برگزیدہ بندوں کا رزق معلوم ہے۔

۴۲-﴿ فَوَاكِهُ ۚ ﴾ بہترین ومزے دار پھل ہیں ''رزق معلوم'' کی تفسیر وتوضیح ''فواكه'' کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ ہر وہ پھل ہے جس کے ذریعہ لذت ومزہ حاصل کیا جائے اور صحت کی حفاظت کے لیے قوت حاصل نہ کی جائے گی کیونکہ ان کے اجسام ہمیشہ کے لیے مضبوط ومستحکم پیدا کیے جائیں گے' سو جنت میں جس قدر پھل کھائے جائیں گے وہ صرف لذت کے لیے کھائے جائیں گے' یہ بھی جائز ہے کہ ''رزق معلوم'' سے مخصوص رزق مراد ہو' جسے چند خصوصیات پر پیدا کیا گیا ہو جیسے ذائقہ' خوشبو اور لذت سب سے بہترین اور اچھی ہو' اور وہ سب سے زیادہ خوب صورت ہو' اور بعض علمائے تفسیر کا قول ہے کہ

اس سے وہ رزق مراد ہے جس کا وقت معلوم ومعیّن ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا O '' (مریم:۶۲) ''اور ان کو بہشت میں ان کا رزق صبح وشام ملا کرے گاO'' اور نفس انسانی کو اس سے راحت وسکون ملے گا ﴿وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ﴾ اور انہیں بہشت میں بہت تعظیم وتکریم اور بڑی عزت کے ساتھ رکھا جائے گا۔

۴۳- ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ دائمی نعمتوں والی بہشتوں میں رہیں گے [یہ ظرف بھی ہوسکتا ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے اور ایک خبر کے بعد دوسری خبر بھی ہوسکتا ہے اور اسی طرح درج ذیل آیت میں ہوسکتا ہے:]

۴۴- ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے مسند نشین ہوں گے''تقابل'' کی صورت میں سرور وخوشی اور انس ومحبت زیادہ کامل ہوتی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

شراب کا جام چشمہ سے بھر کر ان پر پھرایا جائے گاO سفید شراب پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ ہوگیO نہ اس میں سر درد ہوگا اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گےO اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گیO گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیںO سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم سوال کریں گےO ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک میرا ایک ساتھی تھاO وہ کہتا تھا کہ کیا تو یقیناً تصدیق کرنے والوں میں سے ہےO کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں ضرور جزاء وسزا دی جائے گیO وہ کہے گا: کیا تم اسے جھانک کر دیکھو گےO

۴۵- ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ﴾ ان (جنتیوں) پر شراب کا بھرا ہوا جام گھمایا جائے گا۔ شیشے کے جس گلاس میں شراب پلائی جاتی ہے اسے ''كَاْسٌ'' کہا جاتا ہے اور خود شراب کو بھی ''كَاْسٌ'' کہا جاتا ہے اور امام اخفش سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ''كَاْسٌ'' آیا ہے اس سے شراب مراد ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے [ابوعمرو کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے ''كَاسٌ'' ہے اور حمزہ کوفی کی قراءت میں وقف کی حالت میں بغیر ہمزہ کے ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ ''كَاْسٌ'' ہے] ﴿مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ چشمہ سے بہتی شراب یا بہتی نہر مراد ہے۔''معین'' وہ چشمہ جس سے پانی پھوٹ کر زمین کی ظاہری سطح پر بہنے لگتا ہے' جو دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے ظاہر وعیاں ہوتا ہے۔ شراب کو اسی چیز (چشمہ) کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جس کے ساتھ پانی کو متصف کیا جاتا ہے کیونکہ جنت میں شراب نہروں میں بہتی ہوگی' جیسا کہ دنیا میں پانی نہروں میں بہتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ''

(محمد:۱۵)''اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ اور مزے دار ہوں گی''۔

۴۶- ﴿ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾ سفید پینے والوں کے لیے لذیذ [''بیضاء'' اور ''لذۃ''، ''کاس'' کی صفات ہیں کہ جنت کی شراب دودھ کی طرح سفید اور پینے میں نہایت مزے دار ہوگی گویا وہ خود بعینہ لذت و مزہ ہے یا یہ کہ ''ذَاتَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِيْنَ'' پینے والوں کے لیے خوب لذت والی ہے]۔

۴۷- ﴿ لَا فِيْهَا غَوْلٌ ﴾ نہ اس میں دردِ سر ہوگا یعنی اس کے پینے سے عقل زائل نہیں ہوگی جیسا کہ دنیا کی شراب ہوتی ہے اور یہ ''غاله ' يغوله ' غولا'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کو ہلاک اور ختم کر دیا جائے ﴿ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴾ اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے۔ ''ینزفون'' بہ معنی ''یسکرون'' ہے یعنی دماغ پر نشے کا چڑھ جانا۔ یہ ''نُزِفَ الشارب'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب شراب پینے کی وجہ سے ہوش وحواس اور عقل ختم ہو جائے (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے سے ہو جاتا ہے) اور ''سکران'' کے لیے ''نزیف'' اور ''منزوف'' بولا جاتا ہے [علی کسائی کوفی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''يُنْزِفُوْنَ'' (فعل مضارع معروف) ہے] یعنی جنتی حضرات جنتی شراب پینے سے بے ہوش نہیں ہوں گے یا ان کا شراب پینا کبھی ختم نہیں ہوگا' یہ ''انزف الشارب'' سے ماخوذ ہے جب کسی کی عقل زائل ہو جائے یا جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔

۴۸- ﴿ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ﴾ اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی حوریں ہوں گی' جو اپنی نگاہیں صرف شوہروں تک موقوف رکھیں گی اور وہ اپنی نگاہیں ان کے علاوہ غیروں کی طرف نہیں اٹھائیں گی ﴿ عِيْنٌ ﴾ بڑی آنکھوں والی۔ یہ ''عیناء'' کی جمع ہے یعنی بڑی اور کشادہ آنکھوں والی۔

۴۹- ﴿ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ گویا وہ پوشیدہ یعنی محفوظ انڈے ہیں' حوروں کو صفائی اور ستھرائی میں شتر مرغ کے انڈوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپا کر گرد و غبار سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل عرب بھی انہیں کے ساتھ عورتوں کو تشبیہ دیتے ہیں اور انہیں باپردہ سفید انڈے کہتے ہیں۔

۵۰- ﴿ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال کریں گے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی لوگ جنت میں شراب پئیں گے اور وہ شراب کے بارے میں ایک دوسرے سے اس طرح گفتگو کریں گے جس طرح دنیا میں شراب پینے والوں کی عادت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

''اور لذت دینے والی چیزوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا ماسوا بزرگوں کی باتوں کے جو ہمیشہ راحت پہنچاتی ہیں''۔

سو جنتی حضرات ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے ان باتوں کے متعلق پوچھیں گے جو دنیا میں ان کے حق میں یا ان کے خلاف وقوع پذیر ہوئی تھیں [مگر یہاں فعل ماضی ''فَاَقْبَلَ'' اس بناء پر لایا گیا جو عرب کی خبروں میں مشہور و معروف ہے کہ فعل ماضی واقعہ کے تحقق اور اس کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور یہ آیت ''یطاف علیھم'' پر معطوف ہے]۔

۵۱'۵۲- ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ○ يَّقُوْلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا○ جو مجھے کہتا تھا کہ کیا تو بھی قیامت کے دن کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہے [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاِنَّكَ'' ہے]۔

۵۳- ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا اور سزا دی جائے گی۔ ''لمدینون'' بہ معنی ''لمجزیون'' ہے اور دین سے ماخوذ ہے' جس کا معنی جزا ہے۔

٥٤- ﴿قَالَ﴾ وہ کہنے والا اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا: ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ کیا تم دوزخ کی آگ کی طرف جھانکنا چاہتے ہو تاکہ میں تمہیں وہ ساتھی دکھا دوں۔ بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ جنت میں روشن دان ہوگا جس سے جنتی حضرات دوزخیوں کی طرف دیکھیں گے یا خود اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: کیا تم دوزخ کی طرف دیکھنا چاہتے ہو تاکہ تمہیں دوزخیوں کے مرتبے کے مقابلے میں اپنا مرتبہ معلوم ہو جائے۔

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾

سو وہ جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے دوزخ کے درمیان دیکھے گا O وہ کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا O اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں ضرور (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوتا O سو کیا اب تو ہم نہیں مریں گے O ماسوا اپنی پہلی موت کے اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا O بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے O سو اس طرح کی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O کیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت O بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے O بے شک یہ وہ درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O

٥٥- ﴿فَاطَّلَعَ﴾ پھر وہ مسلمان دوزخ کی طرف جھانکے گا ﴿فَرَاٰهُ﴾ تو وہ اپنے غیر مسلم ساتھی کو دیکھے گا کہ وہ ﴿فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ دوزخ کے درمیان میں ہے یعنی اس کے وسط میں ہے۔

٥٦- ﴿قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ﴾ مسلمان کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک قریب تھا کہ تو دنیا میں مجھے ہلاک کر دیتا ["اِنْ" ثقیلہ (مشدد) سے مخففہ (غیر مشدد) ہے اور یہ "كَادَ" پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ یہ "كَانَ" پر داخل ہوتا ہے اور لام "اِنْ" خفیفہ اور "اِنْ" نافیہ کے درمیان فرق کے لیے آیا ہے اور "اردآء" کا معنی ہلاک کرنا ہے اور یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "لتردینی" پڑھا جاتا ہے]۔

٥٧- ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ﴾ اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا احسان نہ ہوتا اور وہ اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے تھام کر رکھنے کی توفیق اور کفر و شرک سے بچانا ہے ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ تو میں ضرور ان لوگوں میں سے ہوتا جنہیں عذاب دوزخ میں حاضر کیا گیا' جیسے تجھے اور تیرے جیسے ساتھیوں کو عذاب میں حاضر کیا گیا ہے۔

٥٨'٥٩- ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ O اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ کیا اب تو ہم نہیں مریں گے O سوائے پہلی موت کے (جو دنیا میں ہم مر چکے) اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ [اس میں "فا" عطف کے لیے ہے' جو محذوف پر ہے' جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "انحن مخلّدون منعمون فما نحن بميّتين ولا معذبين" کیا ہم اب ہمیشہ رہیں

گے (اور) نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے سواب ہم نہیں مریں گے اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا] مطلب یہ ہے کہ بے شک یہ حال صرف نیک مسلمانوں کا ہوگا اور وہ موت کو صرف پہلی بار دنیا میں چکھیں گے اس کے برعکس کفار ہر لمحہ موت کی آرزوئیں کرتے رہیں گے اور ایک دانا سے پوچھا گیا کہ بدترین موت کون سی ہے؟ اس نے فرمایا: وہ موت جس کی آرزو کی جائے۔ بہرحال یہ بات مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل کو بیان کرنے کے لیے اور اپنے دوزخی ساتھی کو سنانے کے لیے کہے گا تاکہ یہ بات اس کے لیے ڈانٹ اور جھڑک ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف ہو [''موتتنا'' مصدر کی بناء پر منصوب ہے اور استثناء متصل ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ''لا نموت الا مرّة'' ہم نہیں مریں گے مگر صرف ایک مرتبہ یا پھر یہ استثناء منقطع ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''لکن الموتة الاولی قد کانت فی الدنیا'' لیکن پہلی موت جو دنیا میں ہو چکی] پھر مسلمان اپنے ساتھی کو ڈانٹتے ہوئے کہے گا:

۶۰- ﴿اِنَّ ھٰذَا﴾ بے شک یہ یعنی یہ حال جس میں ہم جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز اور محظوظ ہو رہے ہیں ﴿لَھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ ضرور یہی بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے پھر اللہ عز و جل نے ارشاد فرمایا:

۶۱- ﴿لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ اس قسم کی بڑی کامیابی کے حصول کے لیے عمل کرنے والوں کو ضرور عمل کرنا چاہیے اور بعض کا قول ہے کہ یہ بھی اسی مسلمان کا کلام ہے۔

۶۲- ﴿اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا﴾ کیا یہ بہترین مہمانی ہے؟ یعنی جنت کی نعمتیں اور کھانے پینے کی اور دوسری لذیذ و مزے دار چیزیں ﴿اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ﴾ یا تھوہر کا درخت بہترین مہمانی ہے؟ ''نزل'' وہ خوراک و طعام ہے جو مکان اور گھر آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور ''زقوم'' ایک بہت کڑوا درخت ہے جو حجاز مقدس کے علاقے تہامہ میں پایا جاتا ہے۔

۶۳- ﴿اِنَّا جَعَلْنٰھَا فِتْنَۃً لِّلظّٰلِمِیْنَ﴾ بے شک ہم نے اس کو آخرت میں ظالموں کے لیے عذاب اور مشقت و تکلیف کا سبب بنا دیا ہے اور دنیا میں اس کو ظالموں کے لیے بہت بڑی آزمائش بنا دیا اور یہ اس طرح کہ کافروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں درخت کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے سوانہوں نے اس کی تکذیب کر کے اس سے انکار کر دیا۔

۶۴- ﴿اِنَّھَا شَجَرَۃٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ﴾ بے شک یہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس درخت کا اُگاؤ دوزخ کی گہرائی سے ہوتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے شعلوں کی انتہاء تک پہنچتی ہیں۔

طَلْعُھَا کَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّھُمْ لَاٰکِلُوْنَ مِنْھَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْھَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾
ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَھُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾
اِنَّھُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَھُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَھُمْ عَلٰۤی اٰثٰرِھِمْ یُھْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ
قَبْلَھُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْھِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ
عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾

اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں O سو بے شک وہ اس میں سے کھائیں گے' پھر بھی اس سے ان کے پیٹ نہیں بھریں گے O پھر بے شک اس کے اوپر ان کے لیے کھولتے گرم پانی کی آمیزش ہوگی O پھر انہیں یقیناً دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگا O بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا O پھر بھی وہ انہیں کی راہوں پر دوڑتے رہے O اور بے شک ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے بہت سے گمراہ ہوچکے O اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا تھا O سو آپ دیکھ لیں کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا O ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے O

۶۵- ﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ﴾ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ ''طلع'' کھجور کے شگوفے کا نام ہے' پھر اس کو تھوہر کے درخت کے لیے عاریۃً استعمال کیا گیا اور اس کو شیاطین کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی تاکہ یہ اس کی کراہت کی انتہاء پر دلالت کرے' نیز اس کے منظر کی قباحت پر دلالت کرے کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شیطان نہایت مکروہ اور قبیح ہوتا ہے' اس لیے کہ ان کا اس کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ محض شر اور بُرا ہے اور جب کہ بعض نے کہا کہ شیطان سے بلند چوٹی والے سانپ مراد ہیں' جو سخت ڈراؤنے اور نہایت بدصورت ہوتے ہیں۔

۶۶- ﴿فَإِنَّهُمْ لَاٰكِلُونَ مِنْهَا﴾ سو بے شک وہ لوگ اس میں سے کھائیں گے (یعنی) اس تھوہر کے درخت میں سے یا اس کے شگوفوں میں سے کھائیں گے ﴿فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا الْبُطُونَ﴾ لیکن وہ اس میں سے اپنے پیٹ نہیں بھر سکیں گے (یعنی) ان پر اس قدر شدت کی سخت بھوک غالب آجائے گی کہ ان کے پیٹ نہیں بھریں گے۔

۶۷- ﴿ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ﴾ پھر بے شک ان کے لیے اس کے کھانے پر کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی' جو ان کے چہروں کو جلا دے گا اور ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شراب کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ O'' (المطففین: ۲۷) ''اور اس میں آبِ تسنیم کی ملاوٹ ہوگی O'' اور معنی یہ ہے کہ پھر وہ کفار تھوہر کے درخت سے اپنے پیٹ بھریں گے لیکن وہ تو سخت گرم ہوگا جو ان کے پیٹوں کو جلا دے گا اور ان کو پیاسا بنا دے گا' پھر انہیں پیاس کے عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے فوراً پانی مہیا نہیں کیا جائے گا بلکہ بڑی دیر بعد ملے گا' پھر وہ بھی سخت ترین گرم ہوگا کیونکہ اس مشروب (جو سرخ خون یا سیاہ پیپ ہوگا) میں کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی۔

۶۸- ﴿ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ﴾ پھر بے شک ان کو دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگا یعنی بے شک فرشتے انہیں ان کے گھروں سے نکال کر ہانکتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے اور یہ دوزخ کے درکات (درجے) ہیں جن میں ان کو ٹھہرایا جائے گا' لیکن پہلے ''زقوم'' کے درخت کی طرف لے جایا جائے گا' جس میں سے وہ کھائیں گے' یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں گے اور انہیں شدت کی پیاس لگے گی اور پھر اس کے بعد انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا' پھر انہیں درکاتِ جہنم کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا اور اس میں ''تراخی'' کا معنی ظاہر ہے۔

۶۹'۷۰- ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ O فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ﴾ بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا O تو یہ بھی ان کی راہوں پر دوڑتے چلے گئے۔ اس آیت مبارکہ میں کفار کے شدائد و تکالیف میں مبتلا ہونے کے استحقاق کی علت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے: دین کے معاملہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید کرنا اور گمراہی میں ان کی پیروی کرنا اور دلیل کی اتباع کو ترک کرنا' اور ''اهراع'' کا معنی ہے: بہت تیز چلنا' گویا وہ دوڑتے ہیں۔

۷۱- ﴿ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور بے شک ان سے پہلے یعنی قریش مکہ کی قوم سے اگلے لوگوں میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو چکے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ جاہل باپ دادوں کی تقلید اور حق کے معاملہ میں غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو چکے۔

۷۲- ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴾ اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے والوں کو بھیجا تھا یعنی گزشتہ امتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا تھا جنہوں نے اپنی اپنی امت کو بُرے انجام سے ڈرایا تھا۔

۷۳- ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ سو آپ دیکھئے کہ ڈرائے گئے لوگوں کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا' یعنی جن لوگوں کو ڈرایا گیا اور انہیں خوف دلایا گیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

۷۴- ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے یعنی سوائے ان بندوں کے جو ان میں سے ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا' یا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے لیے خالص کر لیا تھا [دونوں قراءتوں کی بناء پر]۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ
جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ
اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور بے شک نوح نے ہمیں پکارا' سو ہم ہی سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی O اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنایا O اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر بعد میں آنے والوں میں باقی رکھ چھوڑا O تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو O بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O

حضرت نوح علیہ السلام کی شان اور ان کی قوم کے انجام کا بیان

اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں میں ڈرانے والوں کے بھیجنے اور ڈرائے جانے والے کافروں کے بُرے انجام کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان کی اس دعا کا ذکر فرمایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس وقت مانگی تھی جب آپ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۷۵- ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ ﴾ اور بے شک نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا (یعنی) انہوں نے ہم سے دعا کی تا کہ ہم انہیں غرق ہونے سے نجات دے دیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس نداء اور پکار سے ان کی یہ دعا مراد ہے کہ ''فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ O'' (القمر:۱۰) ''پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں' پس تو (ان سے) انتقام لے O'' ﴿ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴾ سو ہم سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں [''نعم'' پر جو لام داخل ہے وہ محذوف قسم کا جواب ہے اور مخصوص بالمدح بھی محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ''ولقد ناد

نوح فوالله لنعم المجیبون نحن ''اور بے شک نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ضرور سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں اور ''نَادَانَا'' فعل جمع متکلم محض اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے انہیں سب سے اچھا جواب دیا اور ہم نے ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی اور ہم نے ان سے پورا پورا انتقام لیا۔

۷۶- ﴿ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ ﴾ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو اور جو آپ پر ایمان لائے تھے ان کو اور آپ کی اولاد کو نجات دے دی ﴿ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ بہت بڑی تکلیف سے (یعنی) غرق ہونے کے غم سے۔

۷۷- ﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنا دیا اور ان کے علاوہ سب کو فنا اور ختم کر دیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمام انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے تین صاحب زادے تھے: (۱) سام اور یہ عرب' فارس اور روم کے باپ ہیں (۲) اور حام ہیں اور یہ سوڈان کے مشرق سے لے کر مغرب تک سب کے باپ ہیں (۳) اور یافث اور یہ ترک اور یاجوج وماجوج کے باپ ہیں۔

۷۸- ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ اور ہم نے نوح علیہ السلام کے لیے ان کے بعد آنے والی امتوں میں یہ کلمہ باقی رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ ہے:

۷۹- ﴿ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ ﴾ حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو یعنی تمام لوگ ان پر خوب سلام بھیجتے رہیں اور وہ لوگ ان کے حق میں دعا کرتے رہیں اور یہ کلام بطورِ حکایت بیان کیا گیا ہے جیسے تم کہو کہ ''قرات سورة انزلناها'' میں نے سورت ''انزلناها'' کو پڑھا ہوا ہے ﴿ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں میں یعنی یہ سلام ان تمام لوگوں میں ثابت اور جاری وساری رہے اور ان میں سے کوئی بھی سلام پڑھنے سے خالی نہ رہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلا پر سلام کو ثابت و قائم رکھے گا اور وہ سلام کو فرشتوں اور جن وانس میں ہمیشہ جاری وساری رکھے گا اور وہ سب کے سب ان پر آخر تک سلام پڑھتے رہیں گے۔

۸۰- ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی علت اس عظیم الشان اعزاز کے سبب یہ بیان کی گئی کہ بے شک وہ نیک انسان تھے۔

۸۱- ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک وہ ہمارے اہل ایمان بندوں میں سے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے نیک ہونے کی علت بیان کی کہ بے شک وہ ایمان دار بندے تھے تاکہ آپ کو ایمان کی اہمیت اور اس کی عظمت و بزرگی دکھائی جائے اور بے شک یہ ایمان حمد وثناء اور تعظیم وتکریم کی صفات میں سے انتہائی اہم اور اعلیٰ صفت ہے۔

۸۲- ﴿ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو یعنی کافروں کو غرق کر دیا۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

وقف لازم

فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

اور بے شک ابراہیم انہیں کے گروہ میں سے ہیںO جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئےO جب انہوں نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہوO کیا بہتان لگا کر تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود چاہتے ہوO سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہےO پھر انہوں نے غور سے ایک نظر ستاروں کی طرف دیکھاO اور فرمایا: بے شک میں بیمار ہونے والا ہوںO سو وہ پیٹھ پھیر کر ان کے پاس سے چلے گئےO پھر وہ چھپ کر ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے اور فرمایا: کیا تم کھاتے نہیں ہوO تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہوO پھر چھپ کر دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے لگےO

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے احوال کا بیان

۸۳- ﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور بے شک انہیں کے گروہ میں سے البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ سے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لوگوں میں سے ہیں جو دین کے بنیادی عقائد میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے یا اللہ تعالیٰ کے دین پر سختی کے ساتھ عمل کرنے میں اور تکذیب کرنے والوں کی مخالفت پر صبر کرنے میں ان کے تابع ہوئے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ تھا اور ان دونوں حضرات کے درمیانی عرصہ میں صرف دو پیغمبر گزرے ہیں' ایک حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے حضرت صالح علیہ السلام۔

۸٤- ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صحیح وسالم دل کے ساتھ حاضر ہوئے [''اذ'' کا تعلق اس کے ساتھ ہے جو لفظ ''شیعہ'' میں تابع کا معنی دیتا ہے] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے ہیں جو اپنے دین اور اپنے تقویٰ میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے' اس وقت جو اپنے رب تعالیٰ کے پاس کفر وشرک سے سلامت دل کے ساتھ یا آفاتِ قلوب سے سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئے' وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے [یا پھر ''اِذْ'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ ''اُذْکُرْ'' ہے] اور سلامت دل کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے پاس آنے کا یہ معنی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنا دل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے اس خلوص کو جانتا ہے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد کی مثال بیان فرمائی۔

۸٦'۸۵- ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ﴾ جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہوO کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو [''اذ'' پہلے ''اذ'' سے بدل ہے اور ''افکًا'' مفعول لہ ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''اتریدون اٰلھة من دون اللّٰہ افکًا'' کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو' اور مفعول بہ ''اٰلھة'' کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے تاکہ تخصیص کا فائدہ حاصل ہو جائے اور مفعول لہ کو مفعول بہ پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کے نزدیک زیادہ اہم ہے کہ آپ مشرکین کو عار دلا سکیں اور انہیں شرمندہ کر سکیں کہ وہ اپنے شرک کے معاملہ میں بدترین

کر چلے گئے۔

۹۱- ﴿ فَرَاغَ اِلٰۤی اٰلِهَتِهِمْ ﴾ سو حضرت ابراہیم چھپ کر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ اور ان کی طرف مائل ہوئے ﴿ فَقَالَ ﴾ اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ تم کھاتے کیوں نہیں اور اس وقت ان کے پاس مختلف اقسام کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔

۹۲- ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو [چونکہ حضرت ابراہیم نے بتوں کے ساتھ ذوی العقول کے ساتھ خطاب فرمایا' اس لیے واؤ اور نون کے ساتھ جمع ذوی العقول ''لاتنطقون'' بولا]۔

۹۳- ﴿ فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًا ﴾ پس حضرت ابراہیم چپکے سے ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو مارنے لگے گویا فرمایا کہ پس آپ نے ان کو زبردست مارنا شروع کر دیا کیونکہ ''راغ علیهم'' بہ معنی ''ضربهم'' ہے یا ''فراغ علیهم یضربهم ضربا ای ضاربا'' سو حضرت ابراہیم نے ان کی طرف رخ کیا (اور) ان کو مارنا شروع کر دیا یعنی ان کو خوب مارنے والے ﴿ بِالْیَمِیْنِ ﴾ دائیں ہاتھ سے یعنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ زوردار مارنا شروع کیا کیونکہ دایاں ہاتھ سب سے زیادہ زخمی کرنے والا ہے اور دونوں ہاتھوں میں یہ زیادہ سخت ہے یا قوت ومضبوطی میں دایاں بائیں سے زیادہ سخت ہوتا ہے' یا پھر ''یمین'' بہ معنی قسم ہے اور ''با'' سببیہ ہے یعنی اس قسم کے سبب ان کو مارا جو آپ نے اس سے پہلے کھائی تھی اور وہ یہ ہے کہ ''وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ'' (الانبیاء:۵۷) ''اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے خلاف ضرور کوئی تدبیر کروں گا''۔

فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾

پھر لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے O اس نے فرمایا کہ کیا تم اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے معبودوں کی عبادت کرتے ہو O اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا کہ اس کو جلانے کے لیے ایک عمارت تیار کرو' پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O سو انہوں نے اس کے ساتھ فریب کرنا چاہا تو ہم نے ان کو نیچا (ذلیل) کر دیا O اور اس نے فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہی عنقریب میری رہنمائی کرے گا O

۹۴- ﴿ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ ﴾ سو وہ لوگ حضرت ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے [''یزفون'' ''زفیف'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: جلدی اور تیزی سے چلنا۔ قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''یا'' مضموم کے ساتھ ''یُزِفُّوْنَ'' (باب افعال) ہے اور ''ازفّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی تیز دوڑنے میں داخل ہوتا ہے] اور گویا ان لوگوں میں سے بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو توڑتے ہوئے دیکھ لیا اور بعض نے نہیں دیکھا تھا' پھر جنہوں نے ان کو بت توڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا' وہ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے' پھر وہ دوسرے لوگ بھی جنہوں نے بت توڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور وہ آ کر دیکھنے والوں سے کہنے لگے: ''مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ O'' (الانبیاء:۶۰) ''ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے' بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O'' پھر ان سب نے یک

زبان ہو کر کہا کہ ہم تو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور تم نے انہیں توڑ ڈالا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو جواب میں فرمایا:

۹۵- ﴿قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ (حضرت ابراہیم نے) فرمایا: کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو؟

۹۶- ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور تم پتھروں اور لکڑیوں میں سے جو بت تراش کر تیار کرتے ہو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے [یا "مَا" مصدریہ ہے" ای وخلق اعمالکم "یعنی اور اسی نے تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے] اور یہ معتزلہ فرقہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خالق ہے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

۹۷- ﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا﴾ انہوں نے کہا: ان کے لیے یعنی ان کی خاطر یا ان کی وجہ سے پتھروں کی ایک عمارت تیار کرو جس کی لمبائی تیس (۳۰) ہاتھ اور چوڑائی بیس (۲۰) ہاتھ ہو (اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو) ﴿فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ﴾ پھر ان کو پکڑ کر بھڑکتی ہوئی سخت آگ میں پھینک دو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر وہ آگ جس کے شعلے جوش مارتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوں وہ "جحیم" کہلاتی ہے۔

۹۸- ﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ سو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے سازش کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا (اور آگ میں ڈال دیا) ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ تو ہم نے ان کو آگ میں ڈالنے کے وقت نیچا کر دیا کہ ان کو مغلوب ومقہور اور ناکام ونا شاد کر دیا (کہ ہم نے آگ کو گلزار بنا دیا)۔

۹۹- چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرودی سے باہر تشریف لائے ﴿وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ اور فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں کہ جس جگہ کی طرف میرا رب تعالیٰ مجھے جانے کا حکم دے گا اسی طرح میں چلا جاؤں گا ﴿سَيَهْدِيْنِ﴾ وہی عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا (یعنی) عنقریب اللہ تعالیٰ اسی طرح میری رہنمائی فرمائے گا جس میں میری اور میرے دین کی اصلاح ہوگی اور وہی میری حفاظت فرمائے گا اور وہی مجھے خیر کی توفیق عطا فرمائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں حالتوں (وقف اور وصل) میں "یا" کے اظہار کے ساتھ "سَيَهْدِيْنِيْ" پڑھا گیا ہے]۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما ○ سو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی ○ پھر جب وہ اس کے ساتھ کاروبار کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا: اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے

ذبح کر رہا ہوں اب سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا: اے میرے باپ! آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب ان دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا لیا O اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! O بے شک تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا' بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور ایک کھلی آزمائش تھی O اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری اور انہیں ذبح کرنے کا حکم

۱۰۰ - ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک بیٹا عطا فرما (یعنی) بعض صالحین میں سے اور اس سے بیٹا مراد ہے کیونکہ لفظ "ھبة" اکثر بیٹے پر بولا جاتا ہے۔

۱۰۱ - ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ﴾ سو ہم نے اسے بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔ یہ بشارت تین چیزوں پر مشتمل تھی (۱) وہ لڑکا ہوگا لڑکی نہیں (۲) بردباری اور حوصلہ مندی کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچے کو حلم کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا اور (۳) بے شک وہ حلیم و حوصلہ مند ہوگا اور بھلا اس لڑکے کے حلم و بردباری سے بڑھ کر کس کا حلم و حوصلہ ہوسکتا ہے کہ جب اس کے باپ نے اس پر ذبح کا حکم سامنے رکھا تو اس حوصلہ مند لڑکے نے کہا: "سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ O" (الصافات:۱۰۲) "اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O" پھر اس نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔

۱۰۲ - ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ پھر جب وہ لڑکا اپنے باپ کے ساتھ کاروبار کے قابل ہو گیا (یعنی) وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کے مشاغل اور اس کی ضروریات میں کام آنے کے قابل ہو گیا اور کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی عمر کو پہنچ گیا [اور "معه"، "بلغ" کے متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائے گا کہ باپ بیٹا دونوں اکٹھے دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچے حالانکہ ایسا نہیں اور نہ "السعی" کے متعلق ہوسکتا ہے کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہوسکتا' سو اب بیان ہونا باقی رہے گا] (اس صورت میں معنی یہ ہوگا) گویا جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ" پھر جب بیٹا اپنے باپ کے ساتھ اس حد کو پہنچ گیا' جس میں وہ دوڑ دھوپ کرنے پر قادر ہو گیا' کہا گیا کہ کس کے ساتھ؟ جواب دیا: اپنے باپ کے ساتھ اور اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! [حفص کی قراءت میں "بُنَيَّ" میں "یَا" مفتوح ہے جب کہ باقی قراء کے نزدیک "یَا" مکسور ہے]

﴿اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اپنا بیٹا ذبح کیجئے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں' جیسے بیداری میں وحی کی جاتی ہے اور صرف "رَاَيْتُ" (فعل ماضی) نہیں فرمایا' اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے یہ خواب بار بار دیکھا تھا' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ترویہ کی رات (آٹھویں ذوالحج کی رات) خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ بِذَبْحِ اِبْنِكَ هٰذَا" بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تو اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دے' پھر جب صبح ہوئی تو اٹھے اور سارا دن صبح سے شام تک اسی کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے کہ آیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے ہے' سو اس لیے آٹھویں ذی الحج کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے' پھر جب نویں ذی الحج کی رات آئی تو پھر اسی طرح دوبارہ خواب دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ خواب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' سو اسی وجہ سے نویں ذی الحج کو یوم

عرفہ کہا جاتا ہے' پھر تیسری رات (یعنی دسویں رات) اسی خواب میں دیکھا تو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اسی وجہ سے دسویں ذوالحج کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہا جاتا ہے [اہل حجاز اور ابوعمرو کی قراءت میں دونوں یائے متکلم مفتوح ہیں] ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ سوتم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ''تری'' ''رؤیۃ العین'' (آنکھ سے دیکھنا) سے نہیں بنا بلکہ ''الرأی'' سے بنا ہے' جس کا مطلب ہے کہ اس ذبح کے معاملہ میں تمہاری ذاتی رائے اور مشورہ کیا ہے اور یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے مشورہ نہیں لیا تھا کہ آپ ان کی رائے اور ان کے مشورہ کی طرف رجوع کرلیں گے بلکہ ان کی رائے اور مشورہ اس لیے لیا تھا تا کہ آپ جان لیں کہ حضرت اسماعیل یہ حکم سن کر آیا گھبرا جاتے ہیں یا صبر کرتے ہیں؟ [علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں (''تا'' مضموم اور ''را'' مکسور باب افعال سے) ''تُرِی'' ہے] یعنی تمہاری اس میں کیا رائے ہے غور کرو اور اس کا اظہار کرو ﴿قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ کو اس کے متعلق جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے ''ای ما تؤمر به'' یعنی اس (ذبح) کے بارے میں تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اور ایک قراءت میں ''ما تؤمر به'' پڑھا گیا ہے ﴿سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے ذبح ہونے پر صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ذبیح علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ میری پیشانی پکڑ لیجئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان بیٹھ جائیے تا کہ جب چھری چلنے پر مجھے تکلیف پہنچے تو تڑپ کر آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچاؤں اور آپ مجھے سیدھا لٹا کر اس طرح ذبح نہ کیجئے کہ آپ میرے چہرے کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اس حالت میں مجھے دیکھ کر آپ کو مجھ پر رحم آجائے بلکہ آپ مجھے چہرے کے بل الٹا لٹا دیں تا کہ میرا چہرہ زمین کی طرف نیچے ہونے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آئے اور ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ آپ مجھے چہرہ کے بل الٹا کر کے اس لیے لٹا دینا تا کہ جب آپ مجھے ذبح کریں تو میں اس وقت سجدہ میں ہوں اور میری امی جان کو میرا اسلام کہہ دینا اور اگر آپ سے ہو سکے تو میری قمیص میری امی جان کو لوٹا دینا اور ممکن ہے میری قمیص پا کر انہیں صبر کرنا آسان ہو جائے۔

۱۰۳ تا ۱۰۵- ﴿فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا﴾ پھر جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے سر تسلیم خم کر دیا اور دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے گردنیں جھکالیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ﴿وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾ اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل پر زمین پر لٹا دیا اور چھری کو ان کے حلق پر رکھ کر چلایا تو چھری نے ذبح نہ کیا' پھر جب دوبارہ آپ نے چھری کو ان کی گدی پر رکھا تو چھری سیدھا چلنے کی بجائے الٹ ہو گئی اور (تیسری بار) پکارا اور آواز دی گئی کہ اے ابراہیم! بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا' ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ذبح کرنے کی وہ جگہ اس پتھر کے پاس ہے جو منیٰ میں ہے اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے یعنی سو جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے اپنے سر جھکا دیئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ اور ہم نے اسے آواز دے کر پکارا: اے ابراہیم! ۝ آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا یعنی ہم نے تمہیں خواب میں جو بیٹے کو ذبح کے لیے سپرد کر دینے کا حکم دیا تھا آپ نے اسے حقیقت میں ثابت کر دیا تو وہی ہوا جو ہونا تھا' جس کو حال بیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی وصف اس کا احاطہ کر سکتا ہے' جیسے ان دونوں کو خوش خبری کا ملنا اور ان

جھوٹ اور محض باطل پر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''افکًا'' مفعول بہ ہو یعنی کیا تم محض جھوٹا بہتان چاہتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ''افکًا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''الھۃ من دون اللّٰہ'' اس بناء پر کہ یہ بذاتِ خود بہت بڑا جھوٹا بہتان ہے یا پھر ''افکًا'' حال ہے یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود چاہتے ہو اس حال میں کہ تم بدترین جھوٹ بولنے والے ہو]۔

۸۷- ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ حالانکہ تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا گمان ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور وہ تمہیں کیسی سزا دے گا کیونکہ تم اس کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرتے ہو اور تم جانتے بھی ہو کہ وہی حقیقی منعم (نعمتیں دینے والا) ہے سو اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے [''مَا'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''ظنکم'' اس کی خبر ہے اصل میں ''ای شئ ظنکم'' ہے]۔

۸۸- ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک نگاہِ عبرت سے ستاروں کی طرف دیکھا یعنی انہوں نے ستاروں کو دیکھنے کے لیے ایک نگاہ آسمان کی طرف ڈالی اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ اب کیا تدبیر کریں یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو یہ دکھایا کہ آپ اس وقت ستاروں میں غور و فکر کر رہے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا علم نجوم پر بڑا پختہ اعتقاد تھا سو حضرت ابراہیم نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ آپ ستاروں کی چال سے اپنے بیمار ہونے پر رہنمائی طلب کر رہے ہیں۔

۸۹- ﴿فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی میں بیماری کے قریب ہوں کہ عنقریب بیمار ہونے والا ہوں اور وہ طاعون کی بیماری ہے اور ان لوگوں پر سب بیماریوں سے زیادہ یہی طاعون کی بیماری غالب تھی (اور یہ ایک متعدی بیماری ہے) اور وہ لوگ متعدی بیماری سے بہت ڈرتے تھے سو اس لیے وہ لوگ آپ کے پاس سے اپنے عید کے میلے کی طرف بھاگ پڑے تاکہ وہ آپ سے الگ تھلگ ہو کر جدا ہو جائیں اور وہ آپ کو بت خانہ میں اکیلا چھوڑ گئے آپ کے ساتھ کوئی شخص نہیں تھا چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہیں ان کے ساتھ کرنا چاہیے تھے اور وہ لوگ علمِ نجوم کو حق کہتے تھے پھر اس کے سیکھنے میں مشغول ہونا منسوخ کر دیا گیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے مگر تعریض کرنا جائز ہے۔[1]

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ کلام میں توریہ استعمال کیا یعنی عنقریب بیمار ہونے والا ہوں (مگر کفار سمجھے ابھی بیمار ہیں توریہ ذو معنی لفظ بولنے کو کہتے ہیں) یا یہ کہ جس کے گلے میں موت کا پھندا لگا ہو وہ بیمار ہی ہوا اور اسی سے یہ مثال ہے: بیماری سے سلامتی کافی ہے اور ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے کہا: فلاں آدمی مر گیا ہے حالانکہ وہ صحیح و سالم تھا تو ایک اعرابی نے جواب دیا کہ جس کی گردن میں موت کا پھندہ پڑا ہو کیا وہ صحیح ہے؟ یا پھر حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارے کفر کے سبب ''سقیم النفس'' ہوں (یعنی میری روح بیمار ہے)۔

۹۰- ﴿فَتَوَلَّوْا﴾ سو انہوں نے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ﴾ حضرت ابراہیم کے پاس سے پیٹھ موڑ

---

[1] تعریض کا معنی یہ ہے کہ فعل کی نسبت جس کی طرف ہو وہ مراد نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کوئی دوسرا مراد ہو جس طرح حضرت ابراہیم نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی لیکن اس سے قوم مراد تھی یعنی ''ان قومی سقیم'' بے شک میری قوم بیمار ہے کیونکہ کفر و شرک کی بیماری میں وہی قوم مبتلا تھی جیسے پولیس افسر جرم سے انکار کرنے پر مجرموں سے کہے کہ یہ جرم میں نے کیا ہے۔ یہ تعریض ہے بہرحال حذف مضاف کی مثال ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف: ۸۲) ہے یعنی ''وَسْئَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ''۔ غوثوی مہاروی

دونوں کا اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنا اور ان دونوں کا ان نعمتوں پر شکر کرنا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائی تھیں کہ بہت بڑی آزمائش کو دور کرنا اس کے بعد کہ وہ ان پر نازل ہو چکی تھی' یا اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اسے قبول فرمالیا اور ''نادیناہ'' اس پر معطوف ہے ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو رنج و بلا اور شدت و مصیبت سے نجات دینے کے بعد احسان وانعام اور مسرت وخوشی کے عطا کرنے کی علت ہے۔

۱۰۶- ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴾ بے شک یہ ضرور کھلم کھلا آزمائش تھی (یعنی) یہ ایک ایسی واضح اور کھلی آزمائش تھی جس میں صرف مخلص بندے کامیاب ہو کر دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں یا یہ واضح مشقت ومحنت تھی۔

۱۰۷- ﴿ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ ﴾ اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک ذبیحہ دیا۔ ذبح ہر وہ جانور ہے جسے بطور قربانی ذبح کیا جا سکتا ہو' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس ذبح سے وہ مینڈھا مراد ہے جس کو جناب ھابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرمالیا تھا اور یہ مینڈھا جنت میں چرتا اور پلتا رہا یہاں تک کہ اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح کیا گیا اور انہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے منقول ہے کہ اگر حضرت اسماعیل کی قربانی مکمل ہو جاتی کہ خود حضرت اسماعیل کو ذبح کیا جاتا تو یہ قربانی تمام مسلمانوں کے لیے سنت قرار پاتی اور لوگ اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے ﴿ عَظِیْمٍ ﴾ بڑے جسم والی موٹی قربانی یعنی جسیم وعظیم مینڈھا اور قربانیوں میں ایسا ہی جانور ذبح کرنا سنت ہے' جو صحت مند اور توانا ہو' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھاگ کر جمرہ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ابراہیم نے وہاں پہنچ کر اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ اسے پکڑ لیا اور منٰی کے پاس لا کر ذبح کر دیا' چنانچہ جمرہ کے پاس سات کنکریاں مارنے کی سنت آج تک باقی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دنبے کو ذبح کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور (حضرت اسماعیل) ذبیح علیہ السلام نے کہا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ' وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' سو اب یہ کلمات (نو ذوالحج کی صبح سے تیرہ ذوالحج کی عصر تک ہر فرض با جماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ بہ آواز بلند پڑھنا' واجب اور تین مرتبہ) پڑھنا سنت باقیہ ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کی نذر مان لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے بدلے میں ایک بکری ذبح کرے۔

اور زیادہ ظاہر اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عبد اللہ ابن عباس' حضرت عبد اللہ ابن عمر اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے' رضی اللہ تعالیٰ عنہم' کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے کہ ''اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ''[1] میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں' سو ان میں سے ایک آپ کے جدّ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کے بیٹے دس کی تعداد تک پہنچ گئے تو اپنے آخری بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں گے اور حضرت عبد اللہ سب سے آخری بیٹے تھے (اور تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل' بااخلاق' خداترس' نیکوکار انسان تھے جس کی وجہ سے قریش مکہ نے حضرت عبد المطلب کو مشورہ دیا اور مطالبہ بھی کیا کہ ان کو قربان کرنے کی بجائے ان کے

[1] مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۵۵۴

بدلے میں اونٹ ذبح کیے جائیں) چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بدلہ میں ایک سو اونٹ قربان کیے اور اس لیے بھی کہ مینڈھے کے دونوں سینگ بنو اسماعیل کے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے' یہاں تک کہ حجاج بن یوسف اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کے جلنے کے ساتھ وہ بھی جل گئے اور امام اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' انہوں نے کہا: میں نے ابوعمرو ابن العلاء سے ذبح کے بارے میں سوال کیا' انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل تم سے کہاں غائب ہوگئی ہے' کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب رہتے تھے اور مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام رہتے تھے اور یہ وہی بیٹے ہیں جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا' اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے' جہاں ذبح کا واقعہ پیش آیا تھا' جب کہ حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبداللہ ابن مسعود' حضرت عباس اور تابعین کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل حضرت یعقوب کا ایک خط ہے' جو حضرت یوسف علیہ السلام کو لکھا گیا تھا کہ "**من یعقوب اسرائیل اللّٰہ بن اسحاق ذبیح اللّٰہ بن ابراھیم خلیل اللّٰہ**"۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَفَدَيْنٰهُ" اور ہم نے اس کا فدیہ دیا ہے' اگرچہ فدیہ دینے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس کی طرف سے فدیہ عطا کیا گیا تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ذبح کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مینڈھا حضرت ابراہیم کو دیا تھا تاکہ وہ اسے اپنے بیٹے کے عوض میں بطورِ فدیہ قربان کرسکیں اور یہاں ایک بہت بڑا اعتراض ہے اور وہ یہ کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور اس کے حلق پر چھری چلائی' یہ ذبح کے حکم میں ہے یا نہیں' سو اگر یہ ذبح کے حکم میں ہے تو پھر فدیہ اور بدلہ دینے کا کیا معنی ہوا' کیونکہ فدیہ کا مطلب تو ہے بدل دے کر ذبح سے نجات حاصل کرنا اور اگر یہ ذبح کے حکم میں نہیں تو پھر "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا" کا کیا معنی ہوا' کیونکہ خواب تب سچا ہوگا جب خواب پر عمل کرتے ہوئے ذبح پایا جائے اور وہ صحیح نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری کوشش صَرف کردی' اپنے بیٹے کو لٹایا اور پوری قوت سے اس کے حلق پر چھری بھی چلائی اور ذبح کرنے والا ذابح جو کچھ کارروائی کرتا ہے وہ آپ نے کردی لیکن اللہ تعالیٰ نے چھری کو حلق کاٹنے سے منع کردیا اور یہ ممانعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل اور کوشش کو عیب دار نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک دنبہ عطا فرمایا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دنبہ کے ذبح کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جانِ مبارک کے عوض میں اس (خواب والے ذبیحہ) کی حقیقت کے قائم مقام بنادیں اور یہ ذبح کے حکم کے لیے نسخ نہیں ہے بلکہ قربانی کا حکم باقی رہا البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ایک مینڈھا جنت سے بطورِ فدیہ بھیجا گیا تھا لیکن نسخ کے طور پر نہیں بھیجا گیا اور یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا تاکہ ذبح کا حکم آخر حال تک برقرار رہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیٹے کے حق میں ذبح کے حکم دینے میں قربانی دینا مطلوب تھی اور یہ اعزاز حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیے بغیر فدیہ سے حاصل ہوگیا اور حالت انکشاف تک صبر ومجاہدہ کا امتحان بھی ہوگیا اور پھر نسخ تو حکم پر عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے' اس سے پہلے نہیں ہوتا اور نیز قرآن مجید میں اس ذبح کو فدیہ قرار دیا گیا ہے' نسخ قرار نہیں دیا گیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اور ہم نے اس قربانی کو بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھ چھوڑا ہےO ابراہیم پر سلام ہوO اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیںO بے شک وہ ہمارے اعلیٰ کردار کے حامل مسلمان بندوں میں سے تھےO اور ہم نے اسے اسحاق پیغمبر کی خوش خبری دی جو نیک بندوں میں سے ہیںO اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر اپنی برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکوکار ہوگا اور کوئی کھلم کھلا اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگاO

۱۰۸'۱۰۹- ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حسن تعریف اور ذکرِ خیر ان کے بعد آنے والی نسلوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے [اس پر وقف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو" "ترکنا" کا مفعول ہے]۔

۱۱۰- ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ عطا کرتے ہیں [یہاں "انّا" نہیں فرمایا جیسا کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ ہوتا ہے' اس لیے کہ یہ اسی قصہ میں پہلے گزر چکا ہے' پھر پہلے ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کر کے دوبارہ ذکر کرنے کو ترک کر کے تخفیف حاصل کی گئی ہے]۔

۱۱۱- ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی بشارت

۱۱۲- ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا﴾ اور ہم نے ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو ان کے بیٹے اسحاق پیغمبر کی (ولادت کی) خوش خبری دی ["نبیًّا"، "اسحاق" سے حال مقدرہ ہے اور مضاف محذوف کو مقدر ماننا واجب ہے" ای (وبشرناہ بہ) وجود (اسحاق نبیا)" یعنی اور ہم نے ان کو اسحاق پیغمبر کی پیدائش کی بشارت دی یعنی اس کی مقدرہ نبوت موجود ہوگی' پس حال میں الوجود عامل ہے' فعلِ بشارت نہیں] ﴿مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیک لوگوں میں سے ہوں گے [یہ دوسرا حال ہے] اور اس کو صرف حمد وثناء اور تعریف کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ ہر نبی لازمی طور پر نیکوں میں سے ہوتا ہے۔

۱۱۳- ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل فرمائیں یعنی ہم نے ان دونوں پر دین ودنیا کی برکتیں نازل فرمائیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کی اولاد کے بارے میں برکتیں نازل فرمائیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اس طرح برکتیں نازل فرمائیں کہ ان کی پشت سے نسل در نسل ایک ہزار پیغمبر پیدا فرمائے' جن میں سے سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور ان میں سب سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ﴾ اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار ہوں گے یعنی مسلمان ہوں گے ﴿وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ اور کچھ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے یعنی کافر ہوں گے ﴿مُبِيْنٌ﴾ ظاہر اور واضح' یا یہ معنی ہے کہ کچھ تو لوگوں سے نیک سلوک کرنے والے ہوں گے اور کچھ شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے اپنی جانوں پر ظلم وستم کرنے والے ہوں گے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بدی اور نیکی کمینگی اور شرافت کا معاملہ خاندان اور نسب پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خاندانی اطوار اور نسبی فطرتوں کو منہدم کر دیتا ہے اور نیز اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی نسلوں میں ظلم و ستم کا رائج ہو جانا' ان حضرات میں عیب ونقص پیدا نہیں کرتا کیونکہ آدمی کو اپنے بُرے عمل پر عیب دار کیا جاتا ہے اور اپنے

ہاتھوں سے جرائم کے ارتکاب پر اسے سزا دی جاتی ہے لیکن اپنے خاندان اور اولاد در اولاد کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان فرمایاO اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑے دُکھ سے نجات عطا فرمائیO اور ہم نے ان کی مدد کی' سو وہی غالب ہو گئےO اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دیO اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ پر چلایاO اور ہم نے ان دونوں کی تعریف پیچھے آنے والے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑیO موسیٰ اور ہارون پر سلام ہوO بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیںO بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیںO اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہوO

حضرات موسیٰ وہارون اور الیاس کا تذکرہ

۱۱٤- ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون علیہما السلام پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا اور ''مَنَنَّا'' بہ معنی ''اَنْعَمْنَا'' ہے۔

۱۱۵- ﴿وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوم کو بہت بڑے دکھ سے نجات عطا کی کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے یا پھر مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی قوم سے اور ان کے ظلم وستم سے نجات عطا فرمائی۔

۱۱٦- ﴿وَنَصَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کی یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی اور ان دونوں کی قوم کی مدد کی ﴿فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ سو وہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہو گئے۔

۱۱۷- ﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دی جو اپنے (احکام و مسائل کے) بیان میں کامل ومکمل ہے اور وہ کتاب تورات ہے۔

۱۱۸- ﴿وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ پر چلائے رکھا (یعنی) اہل اسلام کا راستہ اور یہ ان حضرات کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَO'' (الفاتحہ:۷) ''ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کاO''۔

۱۱۹ تا ۱۲۲ - ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ اور ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے O حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر سلام ہو O بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں O بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں O

۱۲۳ - ﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور بے شک (حضرت) الیاس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ حضرت الیاس بن یاسین ہیں' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کے مطابق ''الیاس'' کی جگہ ''وان ادریس لمن المرسلین'' ہے۔

۱۲۴ - ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو (یعنی) کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

کیا تم بعل (بت) کی عبادت کرتے ہو اور تم سب سے اچھا پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو O (یعنی) اللہ تعالیٰ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے O سو انہوں نے اسے جھٹلایا تو بے شک انہیں ضرور پکڑ کر حاضر کیا جائے گا O ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے O اور ہم نے اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے O ال یاسین پر سلام ہو O بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیں O

---

۱۲۵ - ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا ﴾ کیا تم بعل بت کی عبادت کرتے ہو۔ ''اتدعون'' بہ معنیٰ ''اتعبدون'' ہے' بعل ایک بت کا نام ہے جو سونے سے بنایا گیا تھا اور یہ بیس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنائے گئے تھے' وہاں کے لوگ اس کی عبادت کے فتنے میں مبتلا ہو گئے اور وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے' یہاں تک کہ چار سو خدام اس کی خدمت کرتے تھے اور وہاں کے پجاری ان خدام کو انبیاء قرار دیتے تھے اور ان کے جس علاقہ میں یہ بت نصب تھا' اس کو بک کہا جاتا تھا اور وہ ملک شام کے شہروں میں ایک شہر ہے' پھر بعد میں بعل اور بک کو مرکب کر کے اس شہر کا نام بعلبک پڑ گیا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو صحراؤں اور جنگلوں پر مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو دریاؤں اور سمندروں پر مقرر کیا گیا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام فوت ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ وہ دونوں زندہ ہیں ﴿ وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴾ اور تم

سب سے بہترین خالق کو چھوڑتے ہو (یعنی) اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑتے ہو' جو سب سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

۱۲۶ - ﴿ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرتے ہو) جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے [ابوبکر کوفی اور ابوعمر کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں تمام منصوب ہیں ''احسن'' سے بدل ہونے کی بناء پر اور ان کے علاوہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی بناء پر تمام مرفوع ہیں]۔

۱۲۷'۱۲۸ - ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ سو ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا تو بے شک انہیں ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیا جائے گا ○ اس کی قوم میں سے ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ○

۱۲۹'۱۳۰ - ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ○ ﴾ اور ہم نے اس کی تعریف پچھلے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑی ○ ال یاسین پر سلام ہو ○ یعنی حضرت الیاس اور اس کی مسلمان قوم پر سلام ہو' جیسے اہل عرب کا قول ہے کہ ''الخبیبون'' یعنی ابوخبیب حضرت عبداللہ بن زبیر اور اس کی قوم [ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں ''آل یاسین'' ہے کیونکہ حضرت الیاس کے باپ کا نام یاسین ہے' سو اس لیے ''آل'' کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے]۔

۱۳۱'۱۳۲ - ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں ○

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات دی ○ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی ○ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا ○ اور بے شک تم صبح کے وقت ان پر ضرور گزرتے ہو ○ اور رات کو بھی تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف چلے گئے ○ سو انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہی قرعہ میں مغلوب رہنے والوں میں سے ہو گئے ○ سو اسے مچھلی نے نگل لیا اور اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے ○ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور اس دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا ○

حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کا تذکرہ

۱۳۳ تا ۱۳۵ - ﴿ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ○ ﴾ اور بے شک

حضرت لوط علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں○ جب ہم نے ان کو اوران کے تمام گھر والوں کو نجات بخشی○ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی (یعنی) باقی ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔

۱۳۶- ﴿ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ''دَمَّرْنَا'' بہ معنی ''اَهْلَكْنَا'' ہے۔

۱۳۷- ﴿ وَاِنَّكُمْ ﴾ اور بے شک تم اے مکہ مکرمہ میں رہنے والو! ﴿ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ البتہ تم ان پر صبح کے وقت ضرور گزرتے ہو (یعنی) تم صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔

۱۳۸- ﴿ وَبِالَّيْلِ ﴾ اور رات کو بھی تم اسی راستے سے گزرتے ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو یعنی تم اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں ملک شام کی طرف جاتے ہوئے رات' دن ان کے تباہ شدہ مکانات کے پاس سے گزرتے ہو' تو کیا تمہارے اندر عقل نہیں ہے کہ تم ان سے عبرت و سبق حاصل کرو' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کے قصوں کو سلام پر ختم نہیں فرمایا جیسا کہ ان دونوں سے پہلے قصوں کو سلام پر ختم فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے اسی پر اکتفاء فرمالیا ہے۔

۱۳۹' ۱۴۰- ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○ اِذْ اَبَقَ ﴾ اور بے شک (حضرت) یونس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں○ جب وہ جلدی میں نکل کر چلے گئے۔ ''اباق'' کا مطلب ہے کہ ایسی جگہ بھاگ جانا جہاں تلاش نہ کیا جا سکے' چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے (اور یہ عمل شانِ نبوت کے خلاف تھا) اس لیے اس کو مجازاً ''اباق'' کہا گیا ﴿ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴾ بھری ہوئی کشتی کی طرف اور دراصل حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا' پھر جب اس میں تاخیر ہوئی تو آپ وہاں سے چھپ کر نکل گئے اور دریائی سفر کا ارادہ کر لیا اور کشتی میں سوار ہو گئے' لیکن کشتی دریا میں چلتے چلتے اچانک رک گئی' جس پر ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا کشتی میں موجود ہے کیونکہ دریائی سفر کرنے والوں کا گمان تھا کہ جب کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہو جائے تو کشتی نہیں چلتی بلکہ رُک جاتی ہے' چنانچہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکل آیا' سو آپ نے فرمایا: وہ غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) سے بھاگا ہوا ہوں اور اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا' سو اسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

۱۴۱- ﴿ فَسَاهَمَ ﴾ تو انہوں نے قرعہ ڈالا' سو انہوں نے تیر اندازی کے ذریعہ ایک مرتبہ یا پھر تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تھی اور ''مساهمة'' قرعہ اندازی کے طور پر تیر ڈالنے کو کہا جاتا ہے ﴿ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴾ سو وہ قرعہ ڈالنے پر مغلوب رہنے والوں میں سے ہو گئے (اس کے بعد آپ نے کشتی میں کھڑے ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی)۔

۱۴۲- ﴿ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴾ پس ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے (یعنی) ملامت میں داخل ہو گئے۔

۱۴۳- ﴿ فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴾ سو اگر وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے (یعنی) تسبیح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں میں سے نہ ہوتے یا وہ یہ کلمات ''اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○'' (الانبیاء:۸۷) ''تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے' بے شک میں ہی حد سے بڑھ

جانے والوں میں سے ہوں O'' کہنے والوں میں سے نہ ہوتے' یا وہ اس سے پہلے نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاں تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں نماز مراد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو نیک عمل اس کو سر بلند کر دیتے ہیں۔

۱۴۴- ﴿لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ تو وہ لوگوں کے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اس کا ظاہر مطلب تو یہی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہتے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مچھلی کا پیٹ ان کے لیے قیامت کے دن تک قبر ہو جاتا اور جب کہ حضرت یونس علیہ السلام (تسبیح کی برکت سے) مچھلی کے پیٹ میں تین دن یا سات دن یا پھر چالیس دن ٹھہرے تھے اور امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے دن میں دوپہر کے وقت نگلا تھا اور اسی روز شام کے وقت دریا کے باہر پھینک دیا تھا۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ ﴿١٤٦﴾
وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٤٧﴾ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٨﴾

پھر ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے O اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا O اور ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O سو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک معین مدت تک زندگی کا فائدہ پہنچایا O

۱۴۵- ﴿فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ﴾ سو ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا (یعنی) پھر ہم نے اس کو ایسی خالی جگہ میں ڈال دیا جس میں نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی عمارت تھی (جس کے سایا میں آرام کر سکتے) ﴿وَهُوَ سَقِيمٌ﴾ اور وہ مچھلی کے نگلنے اور اس کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے بیمار و کمزور تھے اور مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا بدن مبارک اس طرح کمزور اور نرم ہو گیا تھا جس طرح پیدائش کے وقت بچے کا بدن کمزور و نرم ہوتا ہے۔

۱۴۶- ﴿وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ﴾ اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا[1] (یعنی) ہم نے ان کے اوپر سائبان بنا دیا جس طرح مکان انسان پر سایا دار خیمہ ہوتا ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ کدو کا درخت تھا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پاس مکھیاں جمع نہیں ہوتیں اور یہ تمام درختوں میں سے جلدی اُگتا ہے اور بہت جلد پودا بن کر ہر چار اطراف پھیلتا اور بلند ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ یقیناً کدو کو پسند فرماتے ہیں' حضور نے فرمایا: جی ہاں! کیونکہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

[1] واضح رہے کہ کدو کی بیل ہوتی ہے جو زمین پر پھیلتی ہے' مگر یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ کدو کا درخت قد والے درختوں کی طرح شاخیں رکھتا تھا اور اس کے بڑے بڑے پتوں کے سایا میں آپ آرام کرتے تھے اور بہ حکمِ الٰہی روزانہ ایک بکرا آتی اور اپنا تھن حضرت یونس کے دہن مبارک میں دے کر آپ کو صبح و شام دودھ پلایا کرتی تھی' یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک کی جلد شریف یعنی کھال مضبوط ہو گئی اور اپنے موقع سے بال مبارک جمے اور جسم مبارک میں قوت و توانائی آ گئی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۵۴۳' حاشیہ: ۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

۱۴۷- ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ﴾ اور ہم نے اس کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔اس سے وہ قوم مراد ہے جس کی طرف مچھلی کے نکلنے سے پہلے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے سو یہاں ''فـقـد'' مضمر ہے (اور اصل میں ''وقـد ارسلناہ الخ'' ہے) ﴿اَوْ یَزِیْدُوْنَ﴾ یا وہ اس سے بھی زیادہ تھے (یعنی) جب دیکھنے والا اس قوم کو دیکھتا تو یہ دیکھنے والے کی نگاہ میں اس سے زیادہ محسوس ہوتے تھے اور وہ کہہ دیتا کہ یہ ایک لاکھ آدمی ہیں یا اس سے زیادہ ہیں اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلکہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہی بات امام فراء اور جناب ابو عبیدہ نے کہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

۱۴۸- ﴿فَاٰمَنُوْا﴾ سو وہ حضرت یونس علیہ السلام پر اور جو کچھ آپ کو دے کر بھیجا گیا تھا' اس سب پر ایمان لے آئے ﴿فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ﴾ تو ہم نے انہیں ان کی مقرر کردہ مدت حیات تک زندگی کا فائدہ پہنچایا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

سو آپ ان سے پوچھئے کہ کیا آپ کے رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیںO کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا ہے اور وہ اس وقت حاضر تھےO خبردار ہو جاؤ بے شک وہ اپنے جھوٹے بہتان سے کہتے ہیںO کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیںO کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹے چھوڑ کر بیٹیاں پسند کر لیںO تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہوO تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہوO کیا تمہارے لیے کوئی واضح دلیل ہےO سو تم اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہوO

کفارِ مکہ کے باطل نظریات کی تردید

۱۴۹- ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ﴾ (اے محبوب!) سو آپ ان (کفارِ مکہ) سے پوچھئے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لیے بیٹیاں ہیں اور خود ان کے لیے بیٹے ہیں [یہ آیت مبارکہ اس سورت کے شروع میں موجود اپنی جیسی آیت مبارکہ پر معطوف ہے یعنی ''فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا'' (آیت:۱۱) پر اور اگرچہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے] اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کے انکار کرنے کی وجہ کے بارے میں قریش مکہ سے باز پرس کرنے اور ان سے پوچھنے کا اپنے رسول اکرم کو حکم دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام کا سلسلہ چلایا اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل کلام کو جاری رکھا' پھر اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول کو حکم دیا کہ آپ قریشِ مکہ سے اس نامنصفانہ اور ظالمانہ تقسیم کی وجہ کے بارے میں پوچھیں جو انہوں نے از خود تقسیم کر رکھی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں اور خود اپنے لیے بیٹے مقرر کر رکھے تھے' چنانچہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے حالانکہ خود ان کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے اور ان کے ذکر سے سخت نفرت کرتے تھے۔

۱۵۰- ﴿ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴾ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا اور وہ اس وقت حاضر تھے۔ ''شاھدون'' کا معنی ''حاضرون'' ہے اور فرشتوں کی تخلیق کے وقت مشاہدہ کے لیے ان (کفار) کے علم کی تخصیص محض ان کا مذاق اڑانے اور ان کی جہالت ثابت کرنے کے لیے کی گئی ہے کیونکہ جس طرح انہیں مشاہدہ کے ساتھ یہ معلوم نہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں کوئی علم نہیں' نہ اخبار صادقہ (سچی خبروں) کے ذریعے اور نہ غور وفکر اور استدلال کے ذریعے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے دلوں کی کیفیات تک خوب جانتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات دل کے اطمینان سے کہتے ہیں گویا انہوں نے ان کی تخلیق کا مشاہدہ کیا ہے اور دراصل یہ ان کی انتہائی جہالت کی بات ہے۔

۱۵۲'۱۵۱- ﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ خبردار! بلاشبہ یہ بات اپنے جھوٹ سے کہتے ہیں ۝ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ اپنی بات میں ضرور جھوٹے ہیں۔

۱۵۳- ﴿ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو منتخب کرلیا ہے [ہمزہ مفتوح استفہام (سوال کرنے کے لیے یعنی سوالیہ) ہے اور یہ استفہام ان کو ڈرانے' دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ہے اور ہمزہ وصل کو حذف کردیا گیا ہے کیونکہ ہمزہ استفہام نے اس سے بے نیاز کردیا ہے]۔

۱۵۴- ﴿ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم اس فاسد و باطل حکم کا فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟

۱۵۵- ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے [حمزہ کوفی' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب نصر ینصر) پڑھا گیا ہے]۔

۱۵۶- ﴿ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴾ کیا تمہارے لیے کوئی ایسی واضح حجت و دلیل ہے جو تم پر آسمان سے نازل کی گئی ہو کہ واقعی فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۱۵۷- ﴿ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ ﴾ پس تم اپنی وہ کتاب لاؤ جو تم پر نازل کی گئی ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۵۸ۙ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۵۹ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۰ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝۱۶۱ۙ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝۱۶۲ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝۱۶۳ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۱۶۴ۙ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاۤفُّوْنَ ۝۱۶۵ۚ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝۱۶۶

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قائم کردی' اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے ۝ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۝ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ۝ سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ۝ تم سب اس کے خلاف کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ۝ ماسوا اس کے جو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والا ہے ۝ (فرشتے کہتے ہیں:) اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لیے ایک مقام معلوم ہے ۝ اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہیں ۝ اور بے شک ہم ضرور تسبیح بیان کرنے والے ہیں ۝

۱۵۸-﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرالی۔ یہاں جنوں سے فرشتے مراد ہیں یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور فرشتوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرالی کیونکہ فرشتے بھی جنوں کی طرح آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کا گمان تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں سے شادی کر لی اور ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے پیدا ہوئے ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴾ اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک جنہوں نے یہ بات کہی ہے وہ ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیے جائیں گے۔

۱۵۹-﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو اولاد اور بیوی سے مبرّا اور منزّہ اور پاک بیان فرمادیا ہے۔

۱۶۰-﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے [یہ "من المحضرین" سے استثناء منقطع ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے [اور "سبحان اللہ" استثناء کے درمیان اور مستثنیٰ منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء "یصفون" کی واؤ جمع سے واقع ہو] یعنی یہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی ناشائستہ صفات بیان کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی نازیبا صفات بیان کرنے سے مبرّا ہیں۔

۱۶۱ تا ۱۶۳-﴿فَاِنَّكُمْ﴾ سو بے شک اے مکہ مکرمہ کے رہنے والو! تم ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ﴾ تم اور وہ تمہارے معبود سب کے سب اس پر (یعنی) اللہ تعالیٰ کے متعلق گمراہ نہیں کرسکتے ﴿اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ﴾ مگر اس کو (گمراہ کر سکتے ہو) جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے یعنی تم کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ہو سوائے دوزخیوں کے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکے ہیں کہ وہ اپنے بُرے اعمال کے سبب دوزخ میں جانے کے مستحق ہیں اور ان کی بداعمالیوں کے باعث ان پر دوزخ واجب ولازم ہو چکی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "فتن فلان علی فلان امراته" کہ فلاں آدمی نے فلاں شخص کے خلاف اس کی بیوی کو گمراہ کردیا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اے یہ بات کہنے والو! تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو' تم سب بتوں کی عبادت کے لیے کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ہو' سوائے اس شخص کے جس پر تقدیر میں دوزخ میں داخل ہونا واجب ولازم ہو چکا ہے یعنی وہ دوزخ کی آگ میں ضرور داخل ہوگا اور بعض کا قول ہے کہ تم گمراہ نہیں کرسکتے مگر اس شخص کو جس پر ازل میں پہلے ہی گمراہی واجب ولازم ہو چکی ہے ["صال" میں لام مکسور ہے اور "مَآ اَنْتُمْ" میں "مَا" نافیہ ہے اور "فٰتنین" کی وجہ سے "مَنْ" محلاً منصوب ہے اور حضرت حسن کی قراءت میں "صَالُ الجحیم" لام مضموم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ جمع ہو اور نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہو اور واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی ہے اور وہ "الجحیم" میں لام ہے اور "مَنْ" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے' چنانچہ "ھو" کو اس کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے اور "صالون" کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے]۔

۱۶۴-﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے عبادت و معرفت میں ایک مقام معلوم ومقرر ہے' اس مقام سے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا [یہ فرشتوں کا کلام ہے' اصل میں "وَمَا مِنَّآ اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" ہے' پھر "اَحَدٌ" موصوف کو حذف کر کے اس کی صفت "اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے]۔

۱٦۵-﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہوتے ہیں (یعنی) ہم نماز میں اپنے قدموں کو برابر رکھ کر صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم عرشِ الٰہی کے اردگرد صف بستہ ہو کر مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

۱٦٦-﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ضرور تسبیح کرتے ہیں (یعنی) ہم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور عیبوں سے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں یا یہ کہ نماز پڑھتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس سے پہلے "سبحان اللّٰہ عما یصفون" سے یہاں تک فرشتوں کے کلام میں سے ہو یہاں تک کہ ان کے ذکر کو ارشادِ باری تعالیٰ "ولقد علمت الجنة" میں ان کے کلام سے پہلے متصل بیان کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک فرشتوں کو معلوم ہے اور وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب العزت کا شریک وہم جنس کہہ کر ان پر بہتان تراشتے ہیں' اس لیے فرشتے کہتے ہیں کہ "سبحان اللّٰہ عما یصفون" سو وہ اللہ تعالیٰ کو ان شرکیہ باتوں سے منزہ اور پاک ثابت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور انہیں اس سے بری قرار دیتے ہیں اور وہ کافروں سے کہتے ہیں کہ تم اور تمہارے معبود اس کی مخلوق میں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو' ماسوا ان کے جو دوزخ والوں میں سے ہیں اور ہم بھلا رب تعالیٰ کے کیسے شریک وہم جنس ہو سکتے ہیں' ہم تو اس کے سامنے محض عاجز وادنیٰ بندے ہیں' ہم میں سے ہر ایک کے لیے عبادت واطاعت گزاری میں ایک مقام معلوم ہے جس سے کوئی بھی اِدھر اُدھر پھر نہیں سکتا کیونکہ کامیاب ہونے اور اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے خشوع وخضوع کے اظہار کے لیے ایسا پابند ہونا ضروری ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں کو برابر کر کے صف بستہ رہتے ہیں' ہم تسبیح وبزرگی بیان کرنے والے ہیں جیسا کہ بندوں پر اپنے پروردگار کی اطاعت کے لیے واجب ہے اور بعض اہل علم حضرات کا فرمان ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے یعنی ہم مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوگا مگر قیامت کے دن اس کے اعمال کی مقدار کے مطابق اس کے لیے ایک مقام معلوم ہوگا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝" (الاسراء:۷۹) "عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۝" پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اعمال کا تذکرہ کیا اور یہ کہ بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں صف بندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں سے تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں جو چیزیں اس کے لیے جائز نہیں ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾

اور بے شک وہ کہتے ہیں۝ اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی۝ تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے۝ پھر انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا' سو عنقریب وہ جان لیں گے۝ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے گزر چکا ہے' جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا۝ بے شک ان کی مدد ضرور کی جائے گی۝ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۝ سو آپ ان سے ایک مقررہ عرصہ تک اعراض کر لیجئے۝ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۝ تو کیا وہ

ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۝

مُرسلین کے غلبہ اور مشرکین کے انجام کا بیان

۱۶۷ تا ۱۷۰ - ﴿وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور بے شک وہ کہا کرتے تھے یعنی حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے قریش مکہ کے مشرکین کہا کرتے تھے کہ ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ بے شک اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی یعنی ہم سے پہلے وہ لوگ جن پر تورات اور انجیل وغیرہ نازل کی گئی تھی اگر ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے پاس ہوتی تو ﴿لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے ہو جاتے کیونکہ ہم ضرور اپنی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتے اور پھر جب انہوں نے ہمیں جھٹلایا جیسا کہ دیگر کفار نے جھٹلا دیا تھا اور جب انہوں نے ہماری مخالفت کی جیسا کہ سابق کفار نے مخالفت کی تھی تو ان کے پاس ذکر آیا' جو سیّد الاذکار تھا (یعنی رسولِ عربی ﷺ تشریف لائے جو سیّد الانبیاء والرسل تھے) اور ان کے ساتھ ایک کتاب بھی نازل کی گئی تھی جو تمام کتابوں کی سردار تھی (یعنی قرآن مجید) ﴿فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار کر دیا' سو وہ لوگ اپنے جھٹلانے کے انجام اور انتقام کی صورت میں اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب الٰہی کو عنقریب جان لیں گے [''وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ'' میں حرف ''اِنْ'' دراصل ثقیلہ (ہمزہ مکسور اور نون مشدد مفتوح ''اِنَّ'') سے مخففہ (ہمزہ مکسور اور نون ساکن) بنایا گیا ہے اور لام ''اِنْ'' خفیفہ اور ''اِنْ'' نافیہ میں فرق کرنے کے لیے لایا گیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ''اِنْ'' خفیفہ تو ضرور ہے لیکن نافیہ نہیں) اور ''اِنَّ'' کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بات کو نہایت مؤکد و مستحکم کر کے اور اس میں پوری محنت و کوشش کرنے کے بعد اسے بہت مضبوط و پختہ کر کے بیان کرتے تھے' سو ان لوگوں کے پہلے روّیے کے درمیان اور ان کے آخری روّیے کے درمیان کس قدر فرق و تضاد پایا جاتا ہے]۔

۱۷۱ تا ۱۷۳ - ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے پہلے سے گزر چکا ہے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور اس کلمہ سے درج ذیل ارشاد مراد ہے کہ ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ بے شک ضرور صرف انہیں کی مدد کی جائے گی۝ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا' اور بے شک ہم نے اسے کلمہ کہا ہے حالانکہ وہ کلمات ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلمات کو ایک ہی معنی میں جمع کر دیا جائے تو پھر وہ ایک کلمہ کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں میدانِ جنگ اور دلائل کے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے دشمنوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں ان کو ان کے دشمنوں پر بہت بڑے بلند درجات عطا فرمائے گا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ کسی جنگ میں کوئی نبی اور رسول مغلوب نہیں ہوا (بلکہ ہمیشہ غالب رہا ہے) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اگر انبیائے کرام کی دنیا میں مدد نہیں کی گئی (جیسے شہید ہونے والے پیغمبر) تو آخرت میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور خلاصہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مشن کی اساس و بنیاد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غالب و اکثر مواقع پر کامیابی و کامرانی اور فتح و نصرت اور غلبہ ہی ہے اگرچہ بعض مواقع پر امتحان و آزمائش کی خاطر شکست و کمزوری بھی ہو جاتی ہے لیکن اعتبار تو غالب و اکثر مواقع کا ہے[1]

[1] یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام کے غالب و منصور کرنے کا وعدہ صرف ان انبیائے کرام کے لیے تھا جن کو کفار سے جہاد کرنے کا مامور ٹھہرایا گیا تھا' چنانچہ میدانِ جہاد میں کسی نبی کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی نبی میدانِ جنگ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۷۴- ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴾ سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض فرما لیجئے (یعنی) تھوڑی سی مدت تک ان سے روگردانی کر لیجئے اور یہ وہ مدت ہے جس میں ان کو مہلت دی گئی ہے یا پھر غزوۂ بدر کے دن تک یا مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے دن تک۔

۱۷۵- ﴿ وَّاَبْصِرْهُمْ ﴾ اور آپ انہیں دیکھتے رہیں یعنی آپ یہ دیکھتے رہیے کہ اس دن ان کو کیا کچھ عذاب پہنچتا ہے ﴿ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴾ سو وہ بھی عنقریب اپنا یہ انجام دیکھ لیں گے اور یہ "سوف" وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے' بُعد و دوری کے معنی کے لیے نہیں ہے' یا یہ معنی ہے کہ آپ اس وقت انہیں دیکھنا جب انہیں عذاب دیا جائے گا' سو وہ عنقریب اپنے انکار کا انجام دیکھ لیں گے یا آپ انہیں بتائیے کہ وہ عنقریب جان لیں گے۔

۱۷۶- ﴿ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ تو کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں کہ اس کے وقت سے پہلے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

پھر جب ان کے صحن میں (عذاب الٰہی کا لشکر) اترے گا تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بدترین ہو گی O اور آپ ان سے ایک معین عرصہ تک اعراض کر لیجئے O اور دیکھتے رہیے' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے O آپ کا عزت والا پروردگار ہر اس عیب سے پاک ہے جو مشرکین بیان کرتے ہیں O تمام پیغمبروں پر سلام ہو O اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک و پروردگار ہے O

۱۷۷- ﴿ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ پھر جب وہ عذاب ان کے گھروں کے صحن میں نازل ہو گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بُری ہو گی جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا ["المنذرین" میں لام جنس کا ہے جو مبہم ہوتا ہے کیونکہ "سَآءَ" اور "بِئْسَ" اسی کا تقاضا کرتے ہیں] بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد مراد ہے اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کو اس کے بعد کہ انہیں پہلے ڈرایا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اس لشکر کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مغلوب رہا ہے' انجام کار غلبہ ہی رہا ہے اور جن انبیائے کرام کو شہید کیا گیا وہ نہ تو میدانِ جنگ میں شہید ہوئے اور نہ وہ کفار سے جنگ کرنے کے مامور ٹھہرائے گئے تھے۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳' ص ۲۸۶' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

نیز علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ نصرت و غلبہ سے مراد میدانِ جنگ میں ان کو غالب و منصور رکھنا ہے' چنانچہ انبیائے کرام میں سے کوئی نبی میدانِ جنگ میں شہید نہیں کیا گیا۔ حضرت امام سدی نے فرمایا کہ غلبہ و نصرت سے حجت و دلیل مراد ہے کہ انبیائے کرام دلائل کے میدان میں کفار سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ غالب و منصور رہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۱۵۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

مانند قرار دیا گیا جس کے بعض خیر خواہوں نے اپنی قوم کو اس لشکر کے حملہ آور ہونے سے ڈرایا لیکن انہوں نے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی' یہاں تک کہ وہ اچانک ان کے گھروں کے صحنوں میں ان پر ٹوٹ پڑا اور ان پر لوٹ مار شروع کر دی اور چونکہ ان کے لوٹ مار اور غارت گری کرنے کی عادت صبح کے وقت ہوتی ہے' سو اس لیے اس لوٹ مار کو "صباح" کا نام دیا جاتا ہے' اگرچہ کسی دوسرے وقت میں کیوں نہ واقع ہو۔

۱۷۸'۱۷۹۔ ﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ اور آپ ان سے ایک مختصر عرصہ تک اعراض فرما لیجیے ۝ اور آپ دیکھتے رہیے' سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے' اور اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی در تسلی دی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کی تاکید در تاکید کی جائے اور اس میں ایک زائد فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فعلوں کو مفعول کی قید سے مطلق و آزاد رکھا گیا ہے اور یہ کہ بے شک آپ بھی اور وہ بھی اسے دیکھ لیں گے جس کا ذکر احاطہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو تو مختلف اقسام کی خوشیاں اور مسرتیں ملیں گی اور ان کو مختلف انواع کے دُکھ درد اور تکلیفیں ملیں گی اور بعض مفسرین نے فرمایا: ان دو مکررہ آیات میں سے ایک سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور دوسری سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

۱۸۰۔ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ﴾ آپ کا عزت والا رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے "عزۃ" کی طرف "رب" کی اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ رب تعالیٰ ہی عزت کے ساتھ مخصوص ہے گویا فرمایا: "ذوالعزۃ" کہ اللہ تعالیٰ عزت والا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں: صاحب صدق' سچ بولنے والا کیونکہ وہ صدق کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ کسی کے لیے عزت نہیں ماسوا اللہ تعالیٰ کے کہ وہی عزت والا ہے اور وہی عزت کا مالک ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ" (آل عمران:۲۶) "آپ جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرما دیتے ہیں" ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کفار مکہ کی من گھڑت بیان کردہ اولاد' بیوی اور شریک سے پاک ہے۔

۱۸۱۔ ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو' اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مخصوص رسولوں پر سلام کے بعد اب آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجنے کا عام ذکر محض اس لیے فرمایا کہ ہر ایک پیغمبر پر خصوصیت کے ساتھ سلام کے ذکر کرنے میں طوالت ہو جاتی۔

۱۸۲۔ ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اللہ تعالیٰ کی یہ حمد و ثناء دشمنانِ دین کے ہلاک کرنے پر اور انبیائے کرام علیہم السلام کی مدد کرنے پر ہے' یہ سورت ان باتوں کے ذکر پر بھی مشتمل ہے جو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہی تھیں اور جن چیزوں کو اس کی طرف منسوب کیا' جن سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے اور ان چیزوں کا بھی ذکر ہے جو رسولوں نے ان کی طرف سے برداشت کیں اور آخر کار کفار کے خلاف انبیائے کرام کی جو مدد کی گئی اس کا بھی ذکر ہے' پھر آخر میں اس سورت کو ایسی آیات پر ختم کیا گیا جو ان تمام باتوں کی جامع ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ کی ان تمام باتوں سے تنزیہ اور پاکی بھی ہے جو مشرکین نے بیان کی تھیں اور رسولوں پر سلام بھی بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور مؤمنوں کے لیے حسن خاتمہ اور اخروی نعمتیں جو مقدر فرمائی ہیں' ان پر اس کی حمد و ثناء بھی کی گئی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو اس کی تعلیم دینا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مشمولات سے کبھی غافل نہ ہوں اور نہ اس کے قرآن مجید میں ودیعت رکھے گئے احکام سے یا الوداعی کلمات سے کبھی غافل ہوں' اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اس کا اجر و ثواب پورا پورا ناپا جائے تو وہ جب مجلس سے اٹھے' اس

سورت کی آخری تین آیات "سبحان ربك" سے آخر تک پڑھ لیا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ صٓ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی اٹھاسی آیات' پانچ رکوع ہیں

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶

صٓ نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم ○ بلکہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ تکبر اور مخالفت میں ہیں ○ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں' سو انہوں نے پکارا حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا ○ اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا' اور کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ○ کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے ○ اور ان کے سردار (یہ کہہ کر) چلے گئے کہ تم چلو اور اپنے معبودوں پر صابر رہو بے شک یہ کوئی مطلوب بات ہے ○

صٓ اور قرآن مجید کی حکمتیں

۱- ﴿صٓ﴾[1] حروف تہجی میں سے اس حرف کو ایک تو چیلنج کے طور پر' دوسرا قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر تنبیہ کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے' پھر اس کے بعد قسم کا ذکر فرمایا جس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس جواب پر چیلنج دلالت کر رہا ہے' گویا فرمایا: ﴿وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ﴾ نصیحت والے قرآن مجید کی قسم یعنی فضیلت وعظمت والے قرآن کی قسم! بے شک یہ معجز کلام (عاجز کرنے والا اور بے مثل کلام) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "صٓ" مبتدا محذوف کی خبر ہو' اس بناء پر کہ یہ سورت کا نام ہے' گویا فرمایا: یہ "صٓ" ہے یعنی یہ ایک ایسی سورت ہے جس نے تمام عرب والوں کو عاجز کر دیا ہے" والقراٰن ذی الذکر" اس طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو: "هٰذَا حَاتِمٌ وَاللّٰهِ" اللہ کی قسم! یہ شخص حاتم طائی ہے۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص حاتم طائی کی طرح سخاوت میں بہت مشہور ومعروف ہے اور اسی طرح قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے' گویا ارشاد فرمایا: مجھے "صٓ" اور نصیحت والے قرآن کی قسم! بلاشبہ یہ سراسر معجزہ ہے' پھر آگے کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

[1] حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ "صٓ" اسم الصمد اور صادق الوعد کی چابی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ "ص" کا معنی ہے: "صَدَقَ محمد رسول الله" یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اللہ کے رسول ہیں' نے سچ فرمایا۔ حضرت ضحاک نے فرمایا: "صٓ" کا معنی ہے: "صدق الله" یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ (تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۳ ص ۷۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۵۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

کفارِ مکہ کے تکبر و مخالفت کا بیان

۲- ﴿ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ ﴾ بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر میں ہیں کہ اس کتاب کی تصدیق کرنے اور اس پر یقین رکھنے سے تکبر کرتے ہیں اور حق کا اعتراف واقرار کرنے سے تکبر کرتے ہیں ﴿ وَّ شِقَاقٍ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول کی مخالفت میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ''عزۃ و شقاق'' کو نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ نکارت کفار کی مخالفت وتکبر کی شدت وسختی اور ہٹ دھری پر دلالت کرے اور ایک قراءت میں ''فی غرّۃ'' پڑھا گیا ہے یعنی کفارِ مکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان پر واجب تھا کہ حق میں غور وفکر کرتے اور اس کی اتباع کرتے۔

۳- ﴿ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ﴾ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر ڈالا (یعنی اے محبوب!) ہم نے آپ کی قوم قریشِ مکہ سے پہلے کتنی سرکش امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس میں تکبر وغرور اور مخالفت کرنے والوں کے لیے بڑی وعید (دھمکی) ہے ﴿ فَنَادَوۡا ﴾ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ہمیں پکارا اور فریاد کی اور مدد چاہی ﴿ وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴾ حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا [''لات'' اصل میں ''لا'' مشبہ ''بلیس'' ہے اس پر تائے تانیث زیادہ کی گئی ہے جیسے ''رُبَّ'' اور ''ثَمَّ'' پر تاکید کے لیے تائے تانیث زیادہ کی جاتی ہے اور اس ''لا'' پر تائے تانیث زیادہ کرنے کی وجہ سے اس کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے چنانچہ ''لَاتَ'' صرف ''الاحیان'' پر داخل ہوتا ہے اور اس کے دو معمولوں میں سے ایک محذوف ہوتا ہے' اسم یا خبر' دونوں کا اکٹھے ظاہر ہونا جائز نہیں بلکہ منع ہے اور یہ خلیل اور سیبویہ کا مذہب ہے اور اخفش کے نزدیک یہ ''لا'' نفی جنس کا ہے جس پر ''تا'' زیادہ کی گئی ہے اور یہ ''احیان'' (جمع ''حین'') کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور ''حین مناص'' ''لا'' نفی جنس کے اسم ہونے کی بناء پر منصوب ہے (اور خبر محذوف ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ولاحین مناص لھم'' اور خلیل وسیبویہ کے نزدیک اس بناء پر منصوب ہے کہ یہ ''ولات الحین حین مناص'' ہے ''ای ولیس الحین حین مناص'' یعنی اور وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا (بلکہ وہ یاس وناامیدی کا وقت تھا)]۔

٤- ﴿ وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ﴾ اور انہوں نے تعجب کیا کہ انہیں میں سے یعنی انہیں کی جنس سے ایک ڈر سنانے والا رسول ان کے پاس تشریف لایا ہے یعنی وہ لوگ بنی نوع انسان اور جنس بشر سے نبی ورسول کا ہونا عقل سے بہت بعید اور ناممکن ومحال خیال کرتے تھے (جب کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے' انہیں فخر سے اپنا معبود قرار دیتے) ﴿ وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے (اور) بہت بڑا جھوٹا ہے۔

(نعوذ باللّٰہ من ذالك)

٥- ﴿ اَجَعَلَ الۡاٰلِـہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ﴾ کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود قرار دے دیا' بے شک یہ بہت عجیب چیز ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں ''وقالوا'' نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے غضب وناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے اور دوسرا اس بات پر رہنمائی کرنے کے لیے کہ ایسی احمقانہ بات پر صرف وہی کافر جراءت کرتے ہیں جو کفر میں حد سے بڑھ چکے ہوتے ہیں اور سرکشی وگمراہی میں منہمک و مستغرق ہو چکے ہوتے ہیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ سچا رسول قرار دے دے' یہ اسے کاذب وساحر کہیں اور توحید سے تعجب کرنے لگیں' حالانکہ یہ روشن ترین حق ہے اور وہ شرک پر تعجب نہیں کرتے حالانکہ وہ محض باطل ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور کفارِ قریش کو شاق وناگوار گزرا' چنانچہ کفار کے سرداروں میں سے پچیس افراد جمع ہوئے اور جناب ابوطالب کے پاس چلے

گئے اوران سے جا کر کہا کہ آپ ہمارے بڑے سردار ہیں اور آپ کو معلوم ہے ان بے وقوفوں نے جو کچھ کیا ہے' ان کی مرادہ مسلمان صحابہ تھے جو کفر وشرک چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیں' سو جناب ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلالیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم ہے' یہ آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں' آپ اپنی قوم کے ساتھ اعتدال کا رویہ اپنائیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو' تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارا اور ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیں' ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیتے ہیں' چنانچہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: تم میرا ایک کلمہ قبول کرلو تو تم پورے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمہارے تابع ہو جائے گا' انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے' کہ ایک کیا دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم کہو' ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پس یہ کلمۂ توحید سن کر سارے سردار بگڑ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: ''اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ O'' ''کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے O'' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] یعنی یہ بہت زیادہ عجیب بات ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عجیب وہ چیز ہے جس کی مثال ہے اور ''عجاب'' وہ چیز ہے جس کی مثال نہ ہو۔

٦ - ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا﴾ اور ان کے سردار چل پڑے کہ تم بھی چلو (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ نے سرداران قریش کے پچیس ارکان پر مشتمل وفد کو مسکت جواب دے کر انہیں لاجواب کر دیا تو جناب ابوطالب کی مجلس سے قریش کے یہ سردار ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے بگڑ کر کھڑے ہوگئے کہ چلو چلتے ہیں یہاں ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں' اور ''ان'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے یعنی چلو کیونکہ گفت وشنید کی باہمی مجلس سے جانے والوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی بات کرتے اور باہمی مکالمہ کے درمیان جو بات چیت جاری رہی' اس پر باہمی تبادلہ خیال کرتے تو گویا ان کا اٹھ کر چلے جانا ہی باہمی بات چیت کے معنی کو متضمن تھا ﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ اور تم اپنے معبودوں کی عبادت پر صبر کرو اور اس پر ثابت قدم رہو' بے شک یہ عقیدۂ توحید ایک ایسا امر ہے جس کا باقاعدہ ارادہ کیا گیا ہے یعنی اس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا ہے اور اس نے اس امر کو نافذ و جاری کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے' سو اس لیے اُسے کوئی رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اسے ٹال سکتا ہے اور اس میں سوائے صبر کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں یا یہ حوادثاتِ زمانہ کا ایک ایسا خطرناک منصوبہ ہے' جس کے ذریعے ہماری تباہی اور بربادی کا ارادہ کیا گیا ہے' سو اس لیے ہمارا اس سے بچنا ناممکن ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝٧ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝٩ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝١٠ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝١١

ہم نے یہ بات پچھلے مذہب میں بھی نہیں سنی' یہ تو نہیں مگر من گھڑت بات ہے O کیا ہم میں سے یہ ذکر (قرآن) اسی

---

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۶۲' الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۲' الحاکم ج ۲ ص ۴۳۲' ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۸۶

پر اتارا گیا ہے' بلکہ وہ میرے ذکر (قرآن) کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' بلکہ انہوں نے ابھی تک میرا عذاب نہیں چکھاO کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں وہ تو سب پر غالب بہت عطا فرمانے والا ہےO کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے' سو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جائیںO یہ کفار کے لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو یہیں شکست کھائے گاO

۷۔ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ ہم نے یہ توحید کی بات کبھی نہیں سنی ﴿فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾ آخری دین میں (یعنی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں' یہی وہ دین ہے جو تمام دینوں میں آخری دین ہے کیونکہ عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل تھے' توحید کے قائل نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے یہ توحید کی بات قریش کے مذہب میں کبھی نہیں سنی جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد (باپ دادا) کو پایا ہے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ یہ عقیدۂ توحید نہیں مگر جھوٹ اور من گھڑت ہے جس کو (سرورِ انبیاء حبیب کبریاء حضرت) محمد (مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) نے اپنے دل سے گھڑ کر جھوٹ پیش کیا۔

(نعوذ باللہ من ذٰلک)

۸۔ ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ کیا ہم (سرداروں) میں سے صرف اسی پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے" الذکر" سے مراد قرآن مجید ہے۔ کفارِ مکہ حسد کے مارے اس سے انکاری تھے کہ ان سرداروں کی موجودگی کسی اور کو عظمت وشرف اور فضیلت وبرتری کے کسی عظیم الشان منصب وعہدے کے ساتھ مخصوص کیا جاسکتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے اس پر کتاب کو نازل کیا جاسکتا ہے ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ﴾ بلکہ وہ لوگ میرے نصیحت سے بھرپور قرآن مجید کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ بلکہ انہوں نے ابھی تک عذاب نہیں چکھا' پھر جب وہ اسے چکھ لیں گے تو اس وقت ان کے دلوں میں جو شک وشبہ اور حسد' کینہ اور بغض موجود تھا' سب ختم ہو جائے گا یعنی یہ لوگ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کریں گے جب تک ان کو عذاب نہیں پہنچے گا' پھر جب انہیں عذاب پہنچے گا تو اس وقت وہ تصدیق کریں گے۔

۹۔ ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جو بہت بہت عطا فرمانے والا سب پر زبردست غالب ہے' یعنی وہ رحمت کے خزانوں کے مالک نہیں ہیں کہ وہ جن کو چاہیں نواز دیں اور جن سے چاہیں روک دیں اور وہ چاہیں تو نبوت کے عظیم منصب کے لیے اپنے سرداروں میں سے کسی کو منتخب کر لیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس منصب سے برطرف کر دیں بلکہ رحمت اور اس کے تمام خزانوں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے' جو اپنی تمام مخلوق پر زبردست غالب وجابر ہے' بہت بہت عطا فرمانے والا ہے' وہ اپنے عطیات حسب موقع جس کو چاہتا ہے جتنے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' وہ اسی کے مطابق تقسیم کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کی وضاحت کی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۰۔ ﴿اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے' یہاں تک کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کے معاملات میں کلام کرتے ہیں اور اللہ معبودِ برحق کی تدابیر میں گفتگو کرتے ہیں جن کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے' جو عزت وکبریائی کا مالک ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب وناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کا استہزاء کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ کفار مخلوقات کی تدبیر ومنصوبہ بندی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رحمت کی تقسیم میں تصرف کر سکتے ہیں ﴿فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ

جائیں (یعنی) وہ ان سیڑھیوں اور راستوں پر چڑھ جائیں جن کے ذریعے وہ آسمان تک پہنچ جائیں تا کہ وہ پورے جہاں کی اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کی تدبیر کریں اور وہ جس کو چاہیں اس پر وحی کو نازل کریں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے خلاف مدد کرنے کا وعدہ کر کے ارشاد فرمایا (درج ذیل):

۱۱۔ ﴿ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴾ یہ لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو وہاں شکست خوردہ ہوگا' مراد یہ ہے کہ جمع ہو کر حملہ کرنے والے کفار میں سے یہ ایک حقیر لشکر ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے والا ہے لیکن عنقریب یہ شکست خوردہ ہوگا' سو آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں جو یہ کہتے رہتے ہیں اور نہ آپ ان باتوں سے رنجیدہ و غمگین ہوں جو یہ لوگ آپ کے خلاف منصوبے بناتے رہتے ہیں [''جُندٌ'' مبتدا ہے ''مَا'' نکرہ مبتدا کی تقویت کے لیے اس کا صلہ ہے اور ''هنالك'' سے بدر کی طرف اشارہ ہے یا ان کی شکست کی جگہ کی طرف اشارہ ہے یا اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جس میں سب بیٹھ کر چرب زبانی سے اس قسم کی نازیبا باتیں کہنے کے لیے جواب تیار کرتے تھے جیسا کہ اہل عرب چرب زبانی کرنے والے کے لیے کہتے ہیں: یہ اس کے اہل نہیں' تم اس کے اہل نہیں' مبتدا کی خبر ''مَهْزُوْمٌ'' ہے اور ''من الاحزاب' جُندٌ'' کے متعلق ہے یا پھر ''مهزوم'' کے متعلق ہے]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

ع ۱۴ ۱۰

ان سے پہلے (حضرت) نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا O اور ثمود اور (حضرت) لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے (جھٹلایا)' یہ وہی گروہ ہیں O ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا' سو ان پر میرا عذاب لازم ہو گیا O اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہوگا O اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے O

تکذیب کے سبب گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا بیان

۱۲۔ ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ﴾ ان سے پہلے (یعنی) اہل مکہ سے پہلے قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کو اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا تھا ﴿ ذُو الْأَوْتَادِ ﴾ میخوں والے۔ بعض کا قول ہے: فرعون کے پاس میخیں اور رسیاں ہوتیں تھیں جن کے ذریعے اس کے سامنے کھیل پیش کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ فرعون اپنی رعایا میں سے جب کسی کو سزا دیتا تو چار میخوں کے ساتھ دیتا' دو میخیں ہاتھوں اور دو پاؤں میں گاڑ دیتا تھا۔

۱۳۔ ﴿ وَثَمُودُ ﴾ اور ثمود اور اس کے پیروکار حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے ان کے پاس حضرت صالح کو نبی بنا کر بھیجا گیا لیکن انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا ﴿ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴾ اور حضرت لوط علیہ

السلام کو اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا ﴿ وَاَصْحٰبُ لْئَیْکَةِ ﴾ ایکہ یعنی جنگل کے رہنے (یا بہ کثرت درختوں اور جھاڑیوں کے علاقہ میں رہنے یا ایکہ کے شہر میں رہنے) والوں نے اپنے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا تھا ﴿ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴾ یہ وہی گروہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشارہ ''اُولٰٓئِكَ'' سے یہ بتلانا چاہا کہ جن گروہوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب پر شکست دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا' ان میں سے کچھ یہ ہیں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی گروہ ہیں کہ ان میں سے تکذیب پائی گئی تھی۔

۱۴- ﴿ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ﴾ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا' اس سے پہلی دو آیات میں جملہ خبریہ کی صورت میں ابہام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب (جھٹلانے) کا ذکر فرمایا' جن میں ''مُكَذَّبِیْنَ'' (جن کو جھٹلایا گیا تھا) کی وضاحت بیان نہیں فرمائی' پھر اب جملہ استثنائیہ لایا اور اس میں اس بات کی وضاحت بیان فرمائی اور جن کو جھٹلایا گیا تھا ان کو بیان فرمایا اور وہ رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ ذکر کیا کہ ان گروہوں میں سے ہر ایک نے تمام رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ ان میں سے کسی ایک رسول کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے' اس لیے کہ ان تمام پیغمبروں کی دعوت متحد اور ایک ہے اور جھٹلانے کے تکرار میں اور اس کے ابہام کے بعد اس کی وضاحت کرنے میں اور پہلے جملہ خبریہ اور پھر جملہ استثنائیہ میں تقسیم کر کے اس کے تکرار میں اور پھر استثنائیہ جملہ کو تاکید کے طریقہ پر لانے میں مبالغے کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں' جس نے ان پر مہر لگا دی کہ وہ سخت ترین اور مکمل ترین عذاب کے مستحق ہیں' پھر ارشاد فرمایا: ﴿ فَحَقَّ عِقَابِ ﴾ سو ان پر میرا عذاب ثابت و لازم ہو گیا یعنی پس اسی وجہ سے واجب ہو گیا ہے کہ میں انہیں ایسا سخت عذاب دوں جیسا کہ عذاب دینے کا حق ہے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں ''لَمَّا یذوقوا عذابی'' اور ''فحقّ عقابی'' ''یا'' متکلم کے ساتھ پڑھا گیا ہے]۔

کفارِ مکہ کی حماقت کا بیان

۱۵- ﴿ وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا یعنی اہل مکہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو کہ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلا صور پھونکنا مراد ہے اور یہ بہت بڑی گھبراہٹ کا دن ہوگا ﴿ مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴾ اس کے لیے مہلت نہیں ہوگی [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فـــا'' پر ضمہ (پیش) ہے] یعنی اس چیخ کے وقوع میں اتنا وقفہ بھی نہیں جتنا ''فواق'' کا ہوتا ہے اور وہ دودھ دوہنے والے کے دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ مراد ہے (کیونکہ اونٹنی کے دودھ کا طریقہ یہ ہے کہ دودھ دوہ کر تھوڑی دیر وقفہ کیا جاتا ہے تا کہ اونٹنی کا بچہ دودھ پیے تو دودھ اتر آئے' جب اترنے لگتا ہے تو پھر دوہ لیتے ہیں) یعنی جب اس کا وقت آئے گا تو اتنی دیر بھی پیچھے نہیں ہٹے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کے لیے رجوع نہیں ہوگا اور نہ اُسے لوٹایا جائے گا' یہ ''افاق المریض'' سے ماخوذ ہے' جب مریض بیماری سے دوبارہ صحت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ''فواق الناقة'' اس ساعت اور وقت کو کہتے ہیں جب اونٹنی کا دودھ اس کے تھنوں کی طرف لوٹنے لگتا ہے اور اس چیخ سے ایک دفعہ صور پھونکنا مراد ہے' پس یہی ایک چیخ سب کی موت کے لیے کافی ہو جائے گی' دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا اور نہ اس چیخ کو لوٹایا جائے گا۔

۱۶- ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ﴾ اور انہوں نے (یعنی کفارِ مکہ نے) کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دیجئے (یعنی) جنت میں ہمارا حصہ ہمیں جلد دے دیا جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے تو کفارِ مکہ نے تمسخر کے طور پر کہا کہ اس میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلدی

سے دنیا ہی میں دے دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ جس عذاب کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے' اس عذاب میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلد از جلد دنیا میں دے دیا جائے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ" (الحج:۴۷) "اور وہ آپ سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کر رہے ہیں' اور اصل میں "قط" کا معنی ہے: کسی چیز کا حصہ کیونکہ چیز کا حصہ اس کا ٹکڑا ہی ہوتا ہے' یہ "قَطَّهٗ" سے ماخوذ ہے جب اس کے ٹکڑے کر دے اور انعامی رقعہ کو بھی "قط" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ حساب و کتاب کے دن سے پہلے یعنی قیامت کے دن سے پہلے۔

﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۱۷ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝۱۸ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۱۹ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝۲۰﴾

(اے محبوب!) وہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور آپ ہمارے قوت والے بندے داؤد کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو فرماں بردار بنا دیا وہ عصر سے شام تک اور طلوعِ آفتاب سے اشراق کے وقت تک تسبیح بیان کرتے رہتے O اور پرندوں کو (ہم نے فرماں بردار بنا دیا) جو تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے' سب اس کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے O اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کا علم عطا فرما دیا O

۱۷- ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ وہ لوگ آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور صبر کے ذریعے ان پر غلبہ پانے اور ان کی تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنے کے بارے ہیں آپ کو جو مکلف بنایا گیا ہے' اس میں صبر کر کے اپنے آپ کو (بفرضِ محال) پھسلنے سے محفوظ رکھیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی شان

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے بندے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں جو عزت و کرامت حاصل ہے' اس کو یاد کیجئے' بھلا انہوں نے معمولی سی بے صبری کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معمولی سا عتاب بھی سہنا پڑا ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ دین میں قوت والا ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے اور یہ "ذا الاید" کی علت اور اس کی وجہ ہے' مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور یہ سب سے زیادہ سخت اور دشوار روزے ہیں اور آپ آدھی رات عبادت کرتے تھے۔

۱۸- ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ﴾ بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا تھا' بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں کے تابع فرمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب ان کو اپنے ساتھ چلانے اور لے جانے کا ارادہ فرماتے تو پہاڑ اسی وقت آپ کے ساتھ چل پڑتے اور آپ جدھر اور جہاں تک لے جانا چاہتے وہ پہاڑ اُدھر اور وہاں تک چل پڑتے تھے ﴿يُسَبِّحْنَ﴾ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے تھے [یہ حال ہونے کی بناء پر "مُسَبِّحَات" کے معنی میں ہے اور "مُسَبِّحَات" کی بجائے "يُسَبِّحْنَ" اس لیے اختیار کیا گیا ہے تا کہ فعل کے حدوث و

تجدد پر دلالت کرے اور پہاڑوں کی تسبیح بھی وقفہ وقفہ سے اور وقتاً فوقتاً ہوتی تھی] ﴿ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴾ صبح و شام یعنی دن کے دونوں اطراف اور ''عشـی'' سے عصر کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مراد ہے اور ''الاشـراق'' سے اشراق کا وقت مراد ہے اور یہ سورج کے روشن ہونے کے وقت تک ہوتا ہے یعنی جب سورج خوب شعاعیں بکھیرنے لگتا ہے اور یہ چاشت کا وقت ہوتا ہے اور لیکن سورج کے شروق کا معنی ہے: سورج کا طلوع ہونا' جیسے کہتے ہیں: ''شرقت الشمس'' سورج طلوع ہو کر چکا۔ ''تشرق'' سورج چمک رہا ہے یا چمکے گا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ چاشت کی نماز اسی آیت مبارکہ سے معلوم کی گئی ہے۔

۱۹- ﴿ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ﴾ اصل میں ''وَسَخَّرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً'' ہے اور ہم نے پرندوں کو تابع فرمان بنا دیا کہ وہ ہر طرف سے جمع ہو جاتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو اس کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور تسبیح پڑھتے تھے' پس ان کے ''محشور'' ہونے کا یہی معنی ہے ﴿ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴾ پہاڑوں اور پرندوں میں سے ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی ان کی تسبیح کی وجہ سے وہ بھی تسبیح بیان کرتے تھے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کرتے تھے اور ''مسبح'' کی بجائے ''اواب'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''اواب'' بہ معنی ''توّاب'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی رضا کی طرف بہت رجوع کرنا ہے اور آپ کی عادت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتے تھے اور ہمیشہ اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''لہ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اور پرندے سب اللہ تعالیٰ کے لیے رجوع کرنے والے تھے یعنی تسبیح بیان کرنے والے تھے اور تسبیح الٰہی پڑھنے کے لیے بہت رجوع کرنے والے تھے۔

۲۰- ﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ ﴾ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط و قوی کر دیا تھا بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے محل کے اردگرد تینتیس (۳۳) ہزار فوجی رات کو پہرہ دیتے تھے ﴿ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ ﴾ اور ہم نے اسے حکمت یعنی زبور اور شرعی احکام کا علم عطا فرمایا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو' وہ حکمت ہے ﴿ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی (یعنی) عدالتی فیصلوں کا علم اور مقدمات و جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت و ہمت اور حق و باطل میں فرق کرنے کی قوت و استعداد' اور دو چیزوں کے درمیان امتیاز کرنے کو ''فصل'' کہتے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ واضح اور دوٹوک کلام ''فصل'' ہے اور یہاں فعل بہ معنی مفعول ہے جیسے ''ضرب الامیر'' ہے اور ''فصل الخطاب'' کلام میں سے ایسا واضح خلاصہ جو بیان کیا جائے تو مخاطب پر بات روشن ہو جائے اور اس کو کوئی اشتباہ نہ رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فصل'' بہ معنی ''فاصل'' ہو جیسے ''صوم'' اور ''زور'' اسم فاعل کے معنی میں آتے ہیں اور ''فصل الخطاب'' سے فاصل کلام مراد ہے جو صحیح اور فاسد اور حق و باطل کو ایک دوسرے سے واضح طور پر جدا کر دے اور حضرت داؤد کا کلام مقدمات اور فیصلہ جات اور ملک کی تدبیر میں اور مشوروں میں ایسا ہی ہوتا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''فصل الخطاب'' سے مدعی سے گواہ اور مدعیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کرنا مراد ہے کیونکہ یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے اور امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ''فصل الخطاب'' سے حضرت داؤد علیہ السلام کا ''اَمَّا بَعْدُ'' فرمانا مراد ہے اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''اَمَّا بَعْدُ'' فرمایا کیونکہ جب آپ کوئی عظیم الشان اور اہم مضمون بیان کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد و ثناء سے شروع کرتے' پھر جب آپ

حمد و ثناء کے بعد مضمون شروع کرنا چاہتے تو دونوں کے درمیان ''امّا بعد'' کہہ کر فاصلہ کرتے تھے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی' جب وہ دیوار کے اوپر سے کود کر عبادت گاہ میں داخل ہوئے O جب وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں' (ہم) دو جھگڑنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیں اور نا انصافی نہ کیجئے اور آپ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے O بے شک یہ میرا بھائی ہے' جس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دنبی ہے' سو اس نے کہا ہے کہ تم اپنی یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دو اور وہ بات کرنے میں مجھ پر غالب آ گیا ہے O

حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف من گھڑت روایت کی تردید

۲۱- ﴿وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آ چکی ہے [اس کا استفہام (سوالیہ) ہونا ظاہر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ خبر عجیب ترین خبروں میں سے ہے اور ''الخصم'' اور ''الخصماء'' یہ دونوں واحد اور جمع دونوں پر بولے جاتے ہیں' اس لیے کہ ''الخصم'' اصل میں مصدر ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''خصمه خصمًا''] ﴿إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ جب وہ دیوار کے اوپر سے پھلانگ کر عبادت گاہ میں داخل ہو گئے (یعنی) جب وہ باہر سے عبادت گاہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور اس کے اندر اتر گئے اور ''سور'' بلند دیوار کو کہا جاتا ہے اور ''محراب'' کا معنی ہے: کمرہ یا مسجد یا مسجد کا صدر مقام [حرف ''اِذْ'' محذوف عامل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَهَلْ اَتَاكَ نَبَأُ تَحَاكُمِ (الْخَصْمِ)'' ہے یا پھر ''الخصم'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے]۔

۲۲- ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ جب وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اندر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو دو آدمیوں کی شکل میں متشکل کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھیج دیا تھا' سو انہوں نے ان کے پاس اندر جانا چاہا تو انہوں نے عبادت کے لیے مخصوص دن میں اسے عبادت میں مشغول پایا اور محافظوں نے انہیں دروازے سے اندر جانے سے روک دیا تو اس لیے وہ دیوار پھلانگ کر عبادت گاہ میں ان کے پاس پہنچ گئے' سو انہیں محسوس بھی نہ ہوا مگر یہ کہ انہوں نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پایا تو آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ وہ عبادت گاہ میں فیصلہ جات سنانے کے دن کے علاوہ عبادت کے مخصوص دن میں ان کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس لیے بھی کہ وہ دروازے کی بجائے دیوار کے اوپر سے کود کر اترے تھے اور وہ پردے اور گوشہ نشینی کے دن آئے تھے جب کہ محافظ ارد گرد پہرہ دے رہے تھے' وہ کسی کو اندر نہیں آنے دیتے تھے [یہ ''اِذْ'' پہلے ''اِذْ'' سے بدل ہے]

﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ ﴾ انہوں نے کہا: آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں ہم تو دو جھگڑنے والے دعوے دار ہیں۔ ''خصمان'' مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ نَحْنُ خَصْمَان'' یعنی ہم دونوں جھگڑنے والے ہیں کہ ﴿ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم وستم اور زیادتی کی ہے ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ ﴾ سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ سچا فیصلہ فرمادیں اور آپ ناانصافی نہ کیجئے۔ ''لاتشطط'' ''الشطط'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور حق میں خطا کرنا ﴿ وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴾ اور آپ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کریں اور آپ ہمیں درمیانہ راستہ دکھائیں اور دلیل وحجت کی راہ دکھائیں اور مقصد یہ ہے کہ عین حق اور محض حق کا راستہ دکھائیں۔

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایثار وقربانی کے جذبہ کے تحت یہ رسم ورواج تھا کہ جب کسی آدمی کو کسی کی بیوی پسند آجاتی تو وہ آدمی بیوی کے شوہر سے درخواست کرتا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی خاطر طلاق دے دے تا کہ عدت کے بعد وہ آدمی اس سے نکاح کرلے اور یہ عادت صرف غم خواری اور ہمدردی کے تحت تھی اور (جب مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ صحابۂ کرام کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا عقد کیا گیا تو) انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس طرح کا ایثار کیا تھا' چنانچہ ایک دفعہ اُوریا یہودی کی بیوی پر حضرت داؤد علیہ السلام کی اتفاقی نظر پڑ گئی اور آپ کو وہ پسند آگئی اور آپ نے اُوریا سے اسے طلاق دے کر چھوڑ دینے کی درخواست کی تو اسے آپ کی بات رد کرتے ہوئے شرم وحیاء محسوس ہوئی' سو اس لیے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح کرلیا اور یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں تھیں' چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ چونکہ آپ بہت بڑے مرتبے پر فائز ہیں اور آپ کی بیویاں بھی بہت ہیں' اس لیے یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں کہ آپ ایک ایسے شخص سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کریں جس کے پاس صرف ایک بیوی ہے بلکہ آپ پر واجب ولازم تھا کہ آپ اپنی خواہش پر غلبہ پالیتے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھتے اور آپ اس امتحان میں صبر کا مظاہرہ کرتے' جس میں آپ کو آزمایا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات کا یہ قول ہے کہ اُوریا نے اس عورت کو صرف نکاح کا پیغام بھیجا تھا (لیکن ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا) پھر اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا' چنانچہ اس کے گھر والوں نے آپ کو ترجیح دی' پس حضرت داؤد علیہ السلام کی کوتاہی صرف اس قدر تھی کہ آپ نے کثرت سے بیویاں رکھنے کے باوجود اپنے ایک مسلمان بھائی کے پیغام پر اپنا پیغام دے دیا اور بس۔

اور وہ جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اُوریا کو ملک شام کے ایک علاقہ بلقاء کی جنگ میں بار بار بھیجتے رہے اور چاہتے تھے کہ اُوریا وہاں جنگ میں قتل کر دیا جائے تا کہ آپ اس کی بیوی سے شادی رچالیں' سو ایسا کرنا تو عام مسلمانوں میں سے نیکی کی فہم وفراست رکھنے والے آدمی کے لائق نہیں ہے تو بھلا قوم کے سردار عظیم الشان انبیائے کرام علیہم السلام میں سے اس قدر معصوم نبی کے لیے ایسا کرنا کیسے ممکن ہے (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا' یہ اسرائیلی روایت موضوع ومن گھڑت ہے)۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث بیان کرے گا' جو قصہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اسے ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بہتان تراشی کی حد اور سزا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس یہی روایت بیان کی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل حق میں سے ایک بزرگ مردِ حق موجود تھا' سو انہوں نے یہ روایت بیان کرنے والے شخص کی تکذیب کی یعنی

اسے جھوٹا قرار دیا اور اس روایت کی تردید کی اور فرمایا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ اس طرح ہے جس طرح کتاب اللہ یعنی قرآن مجید میں ہے تو اس کے خلاف کچھ چاہنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور اگر یہ قصہ اس طرح ہوتا جس طرح تم نے ذکر کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شان کے پیش نظر ان کی پردہ داری رکھتے ہوئے اس قصہ کا ذکر نہیں فرمایا تو پھر اب اس کا اظہار کرنا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات سن کر فرمایا: میرے کانوں کے لیے یہ کلام سننا ان تمام کلاموں سے محبوب تر (بہت پیارا) ہے جن پر سورج طلوع ہوا ہے۔[1]

---

[1] حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے امام رازی فرماتے ہیں: "والذی اذهب اليه ان ذالک باطل" کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں: ہمیں ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کے فرمودات سے اعتبار اٹھ جاتا۔ قصہ گو لوگوں نے منصب نبوت کے متعلق جو کہانیاں گھڑی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہیں۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں۔ جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۲۳۵ پ ۲۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اس اسرائیلی روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اوریا کو قتل کرایا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے متعلق بھی سخت عیب باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیا جاتا ہے چہ جائیکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے (پھر زمخشری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا واقعہ بیان کیا ہے جس کو صاحب مدارک نے بیان کیا ہے)۔

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اسرائیلی روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے جائز نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام ایسے فعل سے منزہ اور پاک ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۵۷ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مفسرین نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ضعیف ہے ائمہ اس سے روایت نہیں لیتے پس اولیٰ یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے اس پر ایمان رکھیں اور اس کا علم اللہ کے سپرد کریں۔ بہتر یہ ہے کہ قرآن میں جو لکھا ہے اور جس پر یہ مشتمل ہے وہ حق ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور یہ تمثیل جو اللہ تعالیٰ نے (ان آیات میں) حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کے لیے بیان کی ہے یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے صرف اس قدر طلب اور خواہش تھی کہ اُوریا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو آپ اس کی بیوی سے نکاح کر لیں اور بس۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کو تصریح کی بجائے تمثیل وتعریض اور اشارہ وکنایہ کے طور پر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ ملامت کرنے میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ جب غور وفکر کرنے والا تعریض کے سبب تمثیل کو اپنے شعور تک لے جائے گا تو یہ تمثیل ذہن میں خوب نقش ہو جاتی ہے اور دل میں خوب جم جاتی ہے اور اس میں خوب تاثیر پذیر ہو جاتی ہے' نیز اس میں کھلم کھلا باتوں کو ترک کرنے میں حسن ادب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

۲۳- ﴿اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے [''اخی'' ''ھٰذا'' سے بدل ہے یا پھر ''انّ'' کی خبر ہے] اور اس سے دینی اور اسلامی بھائی مراد ہے یا محبت والفت اور دوستانہ بھائی مراد ہے یا شرکت وحصہ داری کا بھائی مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' بے شک اکثر شریک وحصہ دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ اس کی ننانوے بھیڑیں ہیں اور میری فقط ایک بھیڑ ہے [حضرت حفص کی قراءت میں ''وَلِیَ'' میں ''یَا'' مفتوح پڑھی جاتی ہے] اور ''نعجة'' سے عورت مراد ہے اور جب یہ ایک مسئلہ کی صورت پیش کی گئی ہے اور اس مسئلہ کو فرض کر لیا گیا ہے تو دو فرشتوں کو اس مسئلہ کے دریافت کرنے کے لیے دو انسانوں کی شکل میں متشکل فرض کر لینا ممنوع نہ رہا' جیسے تم کہتے ہو کہ میری بکریاں چالیس ہیں اور تمہاری بکریاں بھی چالیس ہیں اور ہم نے ان کو باہم ملا دیا ہے اور (پھر ایک سال گزر جانے پر) تمہارے ذمہ زکوٰۃ چالیس بکریوں میں سے نہ چار بکریاں ہوں گی اور نہ اس کی چوتھائی (یعنی نہ ایک بکری) بلکہ تم دونوں پر دو بکریاں لازم ہوں گی ﴿فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا﴾ سو اس نے کہا: تم اس (اپنی دنبی) کا مجھے کفیل و مالک بنا دو' اور حقیقت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی دنبی (بیوی) بھی مجھے دے دے' میں اس کی کفالت کروں گا جیسا کہ میں خود اپنی ماتحت دنبیوں (بیویوں) کی کفالت کر رہا ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو اس کو میرا کفیل بنا دے یعنی تو اسے میرا نصیب اور میرا حصہ بنا دے ﴿وَعَزَّنِیْ﴾ اور اس نے مجھے اپنے دباؤ میں کر لیا ہے اور وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''عزہ یعزہ'' وہ اس پر غالب آ گیا (یا) وہ اس پر غالب آ جاتا ہے ﴿فِی الْخِطَابِ﴾ بحث وتمحیص اور جھگڑے میں یعنی وہ حجت بازی' دلیل بازی اور بحث ومباحثہ میں مجھ سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ قادر الکلام ہے اور خطاب سے جھگڑالو حجت باز کا مباحثہ مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ میں نے عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس نے بھی اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا اور وہ خطاب میں مجھ سے بازی جیت گیا یعنی وہ نکاح کے پیغام میں مجھ پر غالب آ گیا کیونکہ میری بجائے اس نے اس عورت سے شادی کر لی اور تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اُوریا کے قصے کو ایک آدمی کے قصے کے مماثل ومشابہ قرار دیا گیا ہے' جس کے پاس صرف ایک دنبی ہے اور اس کے ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور پھر بھی اس کا ساتھی ایک سو دنبیوں کی تعداد پوری کرنا چاہتا ہے' اس لیے وہ اپنے ساتھی کی ایک دنبی میں بھی لالچ رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ دنبی اس کی ملکیت سے نکل جائے اور میری ملکیت میں آ جائے اور وہ اپنی مراد کو پانے کے لیے ایک حریص جھگڑالو کی طرح اس معاملہ میں اپنے ساتھی سے جھگڑتا ہے اور یہ معاملہ صرف اسی کے پاس جھگڑے کا تصفیہ اور فیصلہ کرانے کے لیے پیش کیا گیا ہے تا کہ وہ اس معاملہ کا فیصلہ اسی کے مطابق کرے جو اس نے (درج آیت مبارکہ میں) کہہ کر فیصلہ کیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٥﴾

السجدۃ ۱۰

فرمایا: بے شک اس نے تیری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے' اور بے شک شرکاء میں سے بہت سے لوگ ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں ماسوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں' اور داؤد نے گمان کیا کہ بے شک ہم نے اس کا صرف امتحان لیا ہے' سو اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی اور وہ سجدے میں گر پڑے اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیاO سو ہم نے اس کی مغفرت قبول کر لی اور بے شک ہمارے پاس اس کے لیے ضرور قرب خاص اور بہترین ٹھکانا ہےO

۲۴- ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اس نے اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملانے کے لیے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص ظالم قرار پا کر اس فیصلہ کی وجہ سے ہار گیا [اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور اس میں اس مدعی کے ساتھی کے فعل سے انکار ہے اور ''سؤال'' مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ اضافت کے معنی کو متضمن ہے' اس لیے اسے متعدی کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس شخص نے اپنی دنبیوں میں اضافہ کرنے کے لیے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر تجھ پر بہت بڑا ظلم کیا اور بے شک حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے شخص (مدعیٰ علیہ) کو اس کے اعتراف کر لینے کے بعد ظالم قرار دیا تھا لیکن قرآن مجید میں اس کو بیان اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ معلوم ہے' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس (دوسرے شخص مدعیٰ علیہ) نے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس (مدعی) سے اس کی ایک دنبی بھی میں لے لوں اور اپنی دنبیوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لوں جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اگر تم نے یہ ظلم و زیادتی کی تو میں تیرے یہ یہ اعضاء توڑ دوں گا اور آپ نے اس کے ناک اور اس کی پیشانی کی طرف اشارہ کیا تو اس شخص نے کہا: اے داؤد علیہ السلام! آپ تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کے یہ یہ اعضاء توڑ دیئے جائیں اور آپ نے ایسا ایسا کیا ہے (کہ اپنے ساتھی اُوریا کی بیوی کو طلاق دلوا کر اور خود نکاح فرما کر اپنی بیویوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لی ہے) پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے غور سے دیکھا تو ان میں سے کسی کو نہ پایا (کیونکہ مسئلہ سمجھا کر دونوں فرشتے اپنی اصلی شکل میں واپس چلے گئے) سو آپ نے اس میں پیش آنے والی اپنی اجتہادی خطاء[1] کو پہچان لیا ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ اور بے شک شرکاء اور حصہ داروں میں سے بہت سے لوگ

[1] اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کسی کی بیوی پسند آنے پر اس کے شوہر سے طلاق دلوا کر اس سے خود نکاح کر لینا مباح و جائز تھا لیکن اعلیٰ درجات کے حامل انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مباح عمل ذاتی و نفسانی طلب کے وقت مرتبۂ نیکی سے ساقط ہو کر خطاء کے مساوی ہو جاتا ہے' اس لیے کہا جاتا ہے: ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین خدا کے نزدیک (طلب عوض کی نیت سے) گناہوں کا درجہ رکھتی ہیں' سو اس بناء پر یہ جائز عمل بھی آپ کی اجتہادی خطا ٹھہرا۔

ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [مستثنیٰ منصوب ہے اور وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے اور مستثنیٰ منہ ''بعضهم'' ہے] ﴿ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ﴾ اور وہ بہت تھوڑے ہیں [''مَا'' ابہام کے لیے ہے اور ''هم'' مبتدا ہے اور ''قليل'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ بے شک ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے جان لیا اور یقین کر لیا کہ بے شک ہم نے ان کا امتحان لیا ہے اور یہاں علم کے معنی کے لیے ظن کو عاریتاً اس لیے لیا گیا ہے کہ ظن غالب علم کے قریب ہے ﴿ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا ﴾ سو آپ نے اپنی اجتہادی خطاء پر اپنے پروردگار سے مغفرت و بخشش طلب کی اور جھک کر گر پڑے یعنی آپ اپنے چہرے کے بل اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں رکوع، سجدہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ رکوع میں اس کی نیت کی ہو (جیسے سجدۂ تلاوت بہ شرطِ نیت رکوع میں ادا ہو جاتا ہے) کیونکہ مراد محض ایسا عمل ہے جو آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت تواضع اور عاجزی کی صلاحیت رکھتا ہو اور نماز میں رکوع کا عمل محض تواضع اور عاجزی کے لیے کیا جاتا ہے، بہ خلاف اس رکوع کے جو نماز سے باہر کیا جائے ﴿ وَأَنَابَ ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن رات مسلسل سجدہ کرتے رہے اور آپ سوائے فرض نماز یا سوائے ضروریات کے سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے اور آپ کے آنسو نہیں تھمتے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں کی وجہ سے اس جگہ سبزہ اُگ آیا تھا اور آپ جو پانی پیتے تھے' اس میں سے دو تہائی آنسو بن کر نکل جاتے تھے۔

۲۵ - ﴿ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ﴾ سو ہم نے ان کی خاطر اس کو یعنی ان کی اجتہادی لغزش کو بخش دیا ﴿ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴾ اور بے شک ان کے لیے ہمارے پاس ضرور خاص قرب ہے اور واپس لوٹ کر آنے کا بہترین ٹھکانا ہے اور وہ جنت ہے۔

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾

ع ۱۲/۱۱

اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں اپنا خلیفہ بنا لیا ہے' سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور خواہش کی پیروی بالکل نہ کریں' سو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دے گی' بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کا دن بھلا دیا ہے ○

۲۶ - ﴿ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ﴾[1] اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین پر نائب بنایا ہے یعنی

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے ضمن میں منہیہ (حاشیہ) تحریر فرمایا ہے' جو پیش خدمت ہے:

(۱) ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات طلحہ' زبیر' کعب اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرات طلحہ' زبیر نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل و انصاف کرتا ہے اور ان میں مساوی طور پر مال تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہم نے زمین پر حکومت چلانے کے لیے آپ کو خلیفہ اور نائب بنایا ہے یا یہ کہ ہم نے آپ کو آپ سے پہلے حق کو قائم کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کا جانشین بنایا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا حال اور مرتبہ توبہ کے بعد بھی اسی طرح باقی رہا' جس طرح توبہ سے پہلے آپ کا حال اور مرتبہ باقی تھا' اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا یعنی جب تم خلیفہ بن گئے تو اب تم لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنا یا یہ معنی ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ اور خواہش کی پیروی نہ کرنا یعنی اپنے فیصلوں میں خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرنا ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ سو ورنہ خواہشاتِ نفسانی تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دیں گی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بھٹک جاتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے' اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے یعنی ان کا عذاب کے دن کو بھلا دینا سبب ہے سخت عذاب کا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار پیدا نہیں کیا' یہ صرف انہیں لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' سو کافروں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے○ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کرتا ہے' پھر حضرت کعب نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے علاوہ بھی کوئی شخص اس مجلس میں خلیفہ اور بادشاہ میں فرق جانتا ہے۔

(۲) حضرت سلمان نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں خلیفہ ہوں یا میں بادشاہ ہوں' میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی زمین میں سے تم نے ایک درہم (چاندی کا سکہ) یا اس سے کم یا زیادہ لے لیا اور اسے ناحق جگہ استعمال کیا تو پھر تم بادشاہ ہو خلیفہ نہیں ہو' سو حضرت عمر نے عبرت حاصل کی۔

(۳) حضرت سلمان ابن ابی العوجاء نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہوں' تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے' آپ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ حق و انصاف کے ساتھ لیتا ہے اور وہ حق کی جگہ میں خرچ کرتا ہے اور بے شک آپ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی طرح کرتے ہیں اور بادشاہ لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے' اِس سے لیتا ہے اور اُس کو دے دیتا ہے' حضرت عمر سن کر خاموش رہے۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! بے شک خلافت نہ مال و دولت جمع کرنے کا نام ہے اور نہ اس کو تقسیم کرنے کا نام ہے بلکہ خلافت حق پر عمل کرنے اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر پکڑنے کا نام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں' یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے O یہ کتاب جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور تا کہ عقل و دانش رکھنے والے نصیحت حاصل کریں O

زمین وآسمان ودیگر مخلوق کی تخلیق بے مقصد نہیں

۲۷- ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان جس قدر مخلوق ہے ان سب کو بے کار و بے فائدہ اور بے مقصد پیدا نہیں کیا' جس کی تخلیق کی کوئی حکمت بالغہ نہ ہو یا محض باطل و بے کار ہو' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'' وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ O '' (الانبیاء:۱۶)'' اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی تمام مخلوق کو کھیل تماشا کے لیے پیدا نہیں کیا O '' اور'' بـاطلا '' کی تقدیر'' ذُوْ بَاطِلٍ '' ہے یا'' عَبَثًا '' ہے' پھر اس کی جگہ'' بـاطلا '' کو رکھا گیا ہے یعنی ہم نے ان دونوں کو اور ان دونوں کے درمیان تمام مخلوق کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ مضبوط و قوی حق کے لیے پیدا کیا اور وہ یہ کہ بے شک ہم نے ایسے اشخاص ونفوس پیدا کیے جن میں ہم نے عقل و دانش کو امانت رکھا اور ہم نے ان کو قوت و اختیار عطا کیا اور ہم نے ان پر ان کے اسباب اور وجوہات بیان کیے' پھر ہم نے ان کو بہت سے منافع اور فوائد کے لیے مکلف بنایا اور ہم نے ان کے لیے سزا اور جزائے خیر تیار کی ہے' ان کے اعمال کے عین مطابق ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان مخلوق کے بے کار و باطل پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ﴿ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے یعنی کافروں کا یہ نظریہ ہے کہ زمین و آسمان اور دیگر مخلوق بے کار پیدا کی گئی ہے کسی حکمت کی بناء پر نہیں'' ظن '' بہ معنی'' مظنون '' ہے کہ یہ'' مظنون '' (گمان) ان کا ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے اور بے شک کفار کو یہ گمان کرنے والا قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو بے کار پیدا کیا ہے کسی حکمت کی وجہ سے نہیں' باوجودیکہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ مخلوق ان دونوں کے درمیان ہے' سب کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے' جیسا کہ ارشاد ہے:'' وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ '' (لقمان:۲۵)'' اور اے محبوب! اگر آپ ان (کفارِ مکہ) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حشر ونشر اور حساب و کتاب اور ثواب وعقاب سے ان کے انکار نے یہاں تک پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوقات بے کار پیدا کی ہیں تو انہیں یہی قرار دیا گیا کہ گویا وہ یہی گمان رکھتے ہیں اور وہ یہی کہتے ہیں' کیونکہ جزاء ہی وہ تصور ہے کہ خلق عالم میں حکمت جس کے علت ہونے کا تقاضا کرتی ہے' سو جس نے روزِ جزاء کا انکار کر دیا اس نے تخلیق عالم میں حکمت کا بھی انکار کر دیا ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴾ سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے' آگ کے عذاب سے۔

نیک و بد ہرگز برابر نہیں ہو سکتے

۲۸- ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دین گے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے۔ ['' اَمْ '' منقطعہ استفہام کے لیے ہے' اس کے معنی میں انکار کا معنی شامل ہے] اور مطلب یہ ہے کہ اگر جزاء و سزا اور حشر ونشر اور حساب و کتاب کا عقیدہ باطل ہو' جیسا کہ کفار کہتے ہیں تو پھر نیکی کرنے والوں اور فساد پھیلانے

والوں اور پرہیز گاروں' گناہ گاروں کے احوال برابر ہو جائیں گے اور جوان کو باہم برابر سمجھے' وہ سفیہ و بے وقوف ہوتا ہے اور وہ حکیم و دانا نہیں ہوتا۔

نزولِ قرآن کا مقصد

۲۹- ﴿ كِتٰبٌ ﴾ ''اَیْ هٰذَا كِتَابٌ'' یعنی یہ ایک کتاب ہے [گویا ''کتاب'' خبر ہے' اس کا مبتدا ''هٰذَا'' ہے جو یہاں محذوف ہے ''اَنْزَلْنَاهُ اِلَیْكَ''، ''کتاب'' کی پہلی صفت ہے اور ''مُبَارَكٌ'' دوسری صفت ہے] ﴿ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ ﴾ اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے جو بابرکت کتاب ہے' اس سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید بہت بابرکت کتاب ہے ﴿ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ ﴾ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور سوچ سمجھ کر پڑھیں اور اس میں جو احکامات ونواھیات بیان کیے گئے ہیں ان سے واقفیت و آگاہی حاصل کریں اور ان کے مطابق عمل کریں' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک اس قرآن مجید کو غلاموں اور بچوں نے بھی پڑھا ہے مگر انہیں اس کے معانی کا علم حاصل نہ ہو سکا' انہوں نے اس کے حروف وکلمات کو یاد کر لیا اور انہوں نے اس کے حدود واحکام اور اوامر ونواہی کو ضائع کر دیا [اور اس کی اصل ''لِیَتَدَبَّرُوْا'' ہے اور ایک قراءت میں اسی طرح پڑھا گیا ہے جب کہ یزید کی قراءت میں دو تاؤں میں سے ایک کو حذف کر کے فعل مخاطب ''لِتَدَبَّرُوْا'' پڑھا گیا ہے] ﴿ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ اور تاکہ عقل و دانش رکھنے والے عقل مند لوگ اس قرآن مجید میں غور وفکر کر کے اس سے نصیحت وعبرت حاصل کریں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا وہ بہت اچھے بندے تھے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O جب اس کے سامنے پچھلے پہر تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے O تو سلیمان نے فرمایا: بے شک میں نے اپنے پروردگار کی یاد کے لیے گھوڑوں سے محبت کی' یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا O اسے میرے پاس واپس لوٹا لاؤ' پھر وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا O اور بے شک ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا' پھر وہ رجوع لایا O اس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو' بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے O پھر ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے نرمی

سے چلتی جہاں وہ پہنچنا چاہتے O اور عمارتیں بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تمام شیطانوں کو (اس کے تابع کر دیا) O

حضرت سلیمان کا تذکرہ

۳۰- ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ﴾ اور ہم نے (حضرت) داؤد کو (حضرت) سلیمان علیہما السلام عطا فرمایا ﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ وہ بہت بہترین بندے ہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام بہت اچھے بندے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں اور اس قول کی کوئی وجہ نہیں (کیونکہ اس آیت سے حضرت سلیمان کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے) [پھر مخصوص بالمدح محذوف ہے] ﴿ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ممدوح اور قابل تعریف ہونے کی علت اور سبب کو بیان فرمایا کہ وہ ''اوّاب'' ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہیں۔

۳۱- ﴿ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ ﴾ جب اس پر یعنی حضرت سلیمان پر پیش کیے گئے ﴿ بِالْعَشِيِّ ﴾ پچھلے پہر یعنی ظہر کے بعد ﴿ الصّٰفِنٰتُ ﴾ ایسے گھوڑے جو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے اور چوتھا پاؤں کھڑا کر کے اس کے سم کے صرف کنارے کو زمین پر ٹکانے والے ﴿ الْجِيَادُ ﴾ تیز رفتار گھوڑے ''جواد'' کی جمع ہے کیونکہ ایسے تیز رفتار گھوڑے دوڑتے ہوئے تیزی سے اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہیں' ان کو صفون کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ہجان میں نہیں ہوتے اور یہ صرف عراب میں ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو صفون اور جودۃ دونوں صفات کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تاکہ ان میں دونوں بہترین قابل تعریف صفات جمع ہو جائیں' ایک ٹھہرنے کی خوبی اور دوسری چلنے کی خوبی کے لیے یعنی جب یہ گھوڑے کھڑے ہوتے ہیں تو پورے اطمینان کے ساتھ اور باوقار طریقے کے ساتھ بالکل جم کر اپنی اپنی جگہ میں ٹھہرے رہتے ہیں اور جب چلتے ہیں تو بہت تیز رفتاری کے ساتھ نہایت ہلکے پھلکے ہو کر تیز بھاگتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''الجیاد'' ''الجید'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: لمبی گردن والے گھوڑے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین کے باشندوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور اس جنگ میں ایک ہزار عمدہ گھوڑے حاصل ہوئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کے اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے وارث بنے تھے اور ان کے باپ نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے اور بعض کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دریائی گھوڑے تھے' جن کے پر بھی تھے' انہیں جنات نے دریا سے نکال کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا' پھر ایک دن آپ ظہر کی نماز پڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے تو جہاد کے لیے ان گھوڑوں کو دیکھنے کی خاطر سامنے لانے کا حکم دیا' چنانچہ یہ گھوڑے باری باری آپ کے سامنے پیش کیے جاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ نماز سے بے خبر ہو گئے حالانکہ نماز آپ پر فرض تھی' جس کے فوت ہو جانے سے آپ کو بہت غم لاحق ہوا' چنانچہ آپ نے گھوڑوں کو دوبارہ منگوایا اور اللہ تعالیٰ کے تقرب میں انہیں ذبح کر دیا اور صرف ایک سو گھوڑا باقی رہ گیا اور لوگوں کے پاس اس عمدہ نسل جیاد کے جو گھوڑے اب مل جاتے ہیں وہ انہیں باقی رہ جانے والے سو گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو قرب الٰہی میں ذبح کر ڈالا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بہتر بدلہ عطا فرما دیا تھا اور وہ یہ کہ ہوا آپ کے تابع کر دی گئی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی۔

۳۲- ﴿ فَقَالَ إِنِّيْٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ﴾ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں نے (جنگی) گھوڑوں سے اس قدر محبت کی کہ اپنے پروردگار کی یاد سے دور ہو گیا یعنی میں نے گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب تعالیٰ

کے ذکر پر ترجیح دی۔ علامہ زجاج سے اسی طرح مروی ہے‘ سو ”اَحْبَبْتُ“ بہ معنی ”اٰثَرْتُ“ ہے‘ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى“ (نصلت:۱۷) ”سو ثمود کی قوم نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کیا (یعنی ترجیح دی)“ اور ”عن“ بہ معنی ”عَلٰی“ ہے اور اس آیت مبارکہ میں گھوڑوں کو ”خیر“ فرمایا گیا ہے گویا وہ بذاتِ خود خیر ہیں کیونکہ ان سے ایک بہت بڑی خیر (جہاد) وابستہ ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”الخیل معقود بنواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ“ [1] یعنی خیر (اجر وثواب اور مالِ غنیمت) گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ قیامت کے دن تک باندھی گئی ہے اور حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ”احببت“ بہ معنی ”جلست“ ہے جیسے ”جلست من احباب البعیر“ یعنی میں اونٹوں کی محبت وجہ سے بیٹھا رہا اور ”بعیر“ سے اونٹوں کا گلہ یعنی ریوڑ مراد ہے۔

”حب الخیر“ یعنی مال و دولت کی محبت [”حب“ مفعول لہ ہے جو اپنے مفعول ”خیر“ کی طرف مضاف ہے] ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا [یا ”تورات“ کی ضمیر ”الصافنات“ کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تیز رفتار گھوڑے رات کے پردے میں یعنی تاریکی میں چھپ گئے اور جو اس بات کی دلیل ہے کہ ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے‘ وہ ”العشی“ کا پہلے ذکر گزر جانا ہے اور مضمر کے لیے ذکر کا بیان یا ذکر کی دلیل کا ہونا واجب ولازم اور ضروری ہے]۔

۳۳- ﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ﴾ اس کو میرے پاس واپس لوٹا کر لے آؤ‘ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم سورج کو میرے پاس واپس اپنی جگہ لوٹا کر لے آؤ تا کہ میں عصر کی نماز ادا کر سکوں‘ چنانچہ آپ کے حکم پر آپ کی خاطر سورج کو واپس عصر کی جگہ لوٹا یا گیا اور آپ نے نمازِ عصر ادا فرمائی یا یہ معنی ہے کہ تم تیز رفتار گھوڑوں کو واپس لے آؤ ﴿فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگے اور چھونے لگے یعنی آپ تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو چھونے لگے یعنی کاٹنے لگے کیونکہ انہوں نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا تھا [اور ”سوق“، ”ساق“ کی جمع ہے جیسے ”دار“ کی جمع ”دور“ آتی ہے] اور جب کوئی کسی کی گردن مار دے تو کہتے ہیں: ”مسح علاوتہ“ اور جب کوئی کتاب کے کنارے اپنی تلوار سے کاٹ دے تو کہتے ہیں: ”مسح المسفر الکتاب“ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام صرف نماز کے لیے بطور کفارہ کیا تھا یا پھر سورج کے واپس لوٹنے پر شکر الٰہی ادا کرنے کے لیے یہ کام کیا تھا اور اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز تھا‘ سو اس لیے ان کو ذبح کرنا تلف وضائع کرنا نہ ہوا‘ جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان پر اپنے ہاتھوں کو استحسان وتعجب کے طور پر پھیرا تھا۔

۳۴- ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کو خوب آزمایا۔ ”فتنّا“ بہ معنی ”اِبْتَلَیْنَا“ ہے ﴿وَاَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾ اور ہم نے اس کی شاہی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا‘ پھر وہ رجوع لایا (یعنی) پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

بعض علمائے اسلام نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیس سال تک حکومت کرنے کے بعد آزمایا گیا اور آپ کا امتحان لیا گیا اور اس امتحان وآزمائش کے بعد بھی آپ نے بیس سال تک حکومت کی تھی اور آپ کا امتحان یہ تھا کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو کر کہنے لگے: اگر یہ بچہ زندہ رہا تو پھر ہم قید سے رہا نہیں ہوں گے‘ کیونکہ حضرت سلیمان

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۸۴۹‘ مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۱

کے بعد ان کے تابع ہو جائیں گے' لہٰذا ہماری نجات کا یہی راستہ ہے کہ ہم اسے کسی وقت قتل کر دیں یا پھر ہم اسے اپاہج بنا دیں' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شیطانوں کی اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ شیطانوں کی شرارت کے خوف کی وجہ سے اپنے بیٹے کی پرورش و تربیت بادل سے کرانے لگے' کیونکہ بادل نے آپ کے حکم سے آپ کے بیٹے کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا' پھر ایک روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے بیٹے کو مردہ حالت میں آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا' جس کی وجہ سے آپ اپنی خلافِ اولیٰ کوتاہی سے آگاہ ہو گئے کہ آپ نے اس بچہ کی پرورش میں اپنے رب تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسا کیوں نہیں کیا اور ظاہری سبب کیوں اپنایا۔

اور ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس حقوقِ زوجیت ادا کرنے جاؤں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک گھڑ سوار مجاہد پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بات کہتے وقت ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کہنا بھول گئے' پھر آپ نے ستر بیویوں کے پاس چکر لگایا' صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا تھا اور اس نے بھی ایک لنگڑا بچہ جنم دیا تھا' جسے آپ کی کرسی پر لایا گیا اور آپ کی گود میں رکھ دیا گیا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہہ دیتے تو تمام بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے اور وہ تمام گھوڑوں پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے۔ اور لیکن یاد رہے کہ جو حدیث آپ کی انگوٹھی اور شیطان کے متعلق اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت پرستی کی بیان کی جاتی ہے' یہ یہودیوں کی باطل و من گھڑت روایتوں میں سے ایک باطل و من گھڑت روایت ہے۔

٣٥- ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ﴾ حضرت سلیمان نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو یعنی میرے سوا کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنی بخشش طلب کی' پھر حکومت کی عطا طلب کی کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی یہ عادتِ جاریہ ہے کہ وہ سوال سے پہلے استغفار کرتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صفت کی سلطنت کا سوال اس لیے کیا تا کہ ایسی سلطنت آپ کے لیے معجزہ قرار پائے لیکن کسی حسد وغیرہ کی بناء پر یہ سوال نہیں کیا تھا اور حضرت سلیمان سے پہلے کسی کے لیے ہوا کو اور شیاطین کو مسخر و تابع نہیں بنایا گیا تھا' پھر جب آپ نے دعا کی تو آپ کے لیے ہوا کو اور شیاطین (یعنی جنات) کو مسخر کر دیا گیا اور یہ خلافِ عادت آپ کا معجزہ قرار پایا ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک آپ تو بہت زیادہ عطا فرمانے والے ہیں۔

٣٦- ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً﴾ سو ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر و تابع کر دیا جو آپ کے حکم سے نہایت نرمی سے چلتی ''بامرہ'' کا معنی ہے: ''بامر سلیمان'' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر ہوا چلتی تھی اور ''رخاء'' کا معنی ہے کہ ''لَیِّنَةٌ طَیِّبَةٌ'' عمدہ اور نرم ہوا جو آندھی کی طرح تیز نہ چلتی ہو [ابو جعفر کی قراءت میں ''الریاح'' پڑھا گیا ہے اور ''تجری'' ''الریح'' سے حال ہے اور ''رخاء'' ''تجری'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿حَیْثُ اَصَابَ﴾ جہاں آپ پہنچتے (یعنی) جہاں کا آپ قصد و ارادہ فرماتے' ہوا اُدھر روانہ ہو جاتی' جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ''اصاب الصواب واخطا الجواب'' یعنی فلاں شخص نے درست کا ارادہ کیا اور جواب غلط دیا۔

٣٧- ﴿وَالشَّیٰطِیْنَ﴾ [یہ ''الریح'' پر معطوف ہے] ''اَیْ وَسَخَّرْنَا لَهُ الشَّیَاطِیْنَ'' یعنی اور ہم نے (حضرت)

سلیمان علیہ السلام کے لیے شیطانوں (جنات) کو مسخر و تابع کر دیا ﴿كُلَّ بَنَّآءٍ﴾ ہر تعمیر کرنے والے معمار کو مسخر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تعمیرات میں سے جو چاہتے' یہ جنات وہی تعمیر کرنے لگ جاتے تھے [یہ ''الشیاطین'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّغَوَّاصٍ﴾ اور ہر غوطہ خور کو مسخر کر دیا یعنی وہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے دریاؤں میں سے موتی اور جواہرات نکال کر لاتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دریا اور سمندر سے موتی نکلوائے اور اس کا مطلب و معنی یہ ہے کہ ہم نے (حضرت) سلیمان کے لیے شیاطین میں سے ہر معمار اور ہر غوطہ خور کو مسخر اور تابع کر دیا۔

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے O یہ ہماری بخشش ہے' پس چاہے احسان کرو چاہے روک رکھو تم پر کوئی حساب نہیں O اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس خاص قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O

۳۸- ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ﴾ اور ہم نے دوسرے جنات کو بھی مسخر کر دیا جو بیڑیوں میں باندھے گئے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سرکش شیاطین و جنات کو ادب سکھانے اور فساد سے روکنے کے لیے زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیا کرتے تھے اور ''صَفَد'' کا معنی بیڑی ہے اور ''عطاء'' کو بھی ''صفد'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی منعم علیہ کو گویا باندھ دیا جاتا ہے اور اسی سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ''مَنْ بَرَّكَ فَقَدْ اَسَرَكَ وَمَنْ جَفَاكَ فَقَدْ اَطْلَقَكَ'' جس نے تیرے ساتھ نیکی کی تو بے شک اس نے تجھے قیدی بنالیا اور جس نے تجھ پر ظلم کیا تو بے شک اس نے تجھے آزاد کر دیا [''واٰخرین'' ''کل بنّآء'' پر معطوف ہے اور یہ بدل کے حکم میں ہے]۔

۳۹- ﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا﴾ یہ ہماری عطاء اور بخشش ہے (یعنی) یہ حکومت و سلطنت اور یہ مال و دولت اور تسخیر و خوش حالی ہماری عطاء اور بخشش ہے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَامْنُنْ﴾ سو احسان کر (یعنی) اس میں سے جس کو جو چاہے عطا کر دے۔ یہ ''منۃ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی عطا کرنا ہے ﴿اَوْ اَمْسِكْ﴾ یا عطاء و بخشش سے روک لے اور حضرت سلیمان علیہ السلام جب عطاء و بخشش کرتے تو اجر و ثواب دیا جاتا اور اگر روک لیتے تو آپ گناہ گار نہیں ہوتے تھے کیونکہ آپ کو دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار حاصل تھا بہ خلاف آپ کے غیر کے (یعنی آپ کے علاوہ جو مال دار خرچ نہیں کرے گا' گناہ گار ہوگا) ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [یہ ''عطآؤنا'' کے متعلق ہے اور بعض نے کہا: یہ اس سے حال ہے] یعنی یہ ہماری عطاء ہے جو بہت زیادہ ہے' جس کا حساب کرنا اور شمار کرنا ممکن نہیں ہے یا یہ کہ یہ ہماری تسخیر ہماری عطاء ہے' تم شیاطین میں سے جس کو چاہو آزاد کر کے اس پر احسان کرو اور جس کو چاہو زنجیروں میں جکڑ کر روک کر رکھو بغیر حساب کے یعنی اس معاملہ میں تم پر کوئی حساب نہیں۔

۴۰- ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور بے شک (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس قرب خاص اور بہترین ٹھکانا ہے [''لزلفی'' ''انّ'' کا اسم ہے اور ''لہ'' خبر ہے اور ''عند'' میں خبر عامل ہے]۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ ط وقف لازم

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور ہمارے خاص بندے ایوب کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک مجھے شیطان نے دکھ اور تکلیف کے ساتھ چھولیا ہے O (ہم نے حکم دیا:) تم اپنا پاؤں زمین پر مارو' یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کے لیے O اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اور عطا فرمادیئے محض اپنی رحمت اور عقل مندوں کی نصیحت کی وجہ سے O اور (ہم نے حکم دیا:) تم اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لو' پھر اس کے ساتھ (اپنی بیوی کو) مارو اور قسم نہ توڑو' بے شک ہم نے اسے صابر پایا' وہ بہترین بندے ہیں' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

۴۱- ﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور اس سے دعا مانگی ["ایوب" "عبدنا" سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے اور "اِذْ" بھی اسی سے بدل اشتمال ہے] ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ ﴾ بے شک شیطان نے مجھے مشقت و تکلیف کے ساتھ چھولیا ہے۔ یہ اس کلام کی حکایت ہے جس کے سبب حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا ["بِنُصْبٍ" نون مضموم صاد ساکن عام قراءت ہے اور یزید کی قراءت میں نون اور صاد دونوں مضموم ہیں' یعنی "بِنُصُبٍ" ہے یہ "نُصْب" (نون مضموم اور صاد ساکن) کی تثقیل ہے اور یعقوب کی قراءت میں "بِنَصَبٍ" (نون و صاد دونوں مفتوح) ہیں' جیسے "اشد و رشد" اور ھبیرہ کی قراءت میں اصل میں مصدر ہونے کی بناء پر "نَصْب" (نون مفتوح صاد ساکن) ہے] اور معنی ایک ہے اور وہ ہے: مشقت و دکھ دینا ﴿ وَّعَذَابٍ ﴾ درد اور تکلیف' اور اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری مراد ہے اور وہ مختلف اقسام کی تکلیفیں اور دردیں مراد ہیں جو بیماری کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک میں پائی جاتی تھیں اور بعض کا قول ہے کہ اس سے شیطان کے وہ وسوسے مراد ہیں جو آپ کی حالتِ مرض میں شیطان آپ کے دل و دماغ میں ڈالتا رہتا تھا جیسے آپ پر نازل کی گئی' مصیبت و تکلیف اور بیماری کو خوف ناک حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور آپ کو ان آزمائشوں سے نفرت و کراہت دلانا اور جزع و فزع اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار کر کے واویلا کرنے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے پر اُکسانا' سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کی اور اس کی پناہ ڈھونڈی کہ وہ خود اس آزمائش میں اس کی کفایت فرمائے یا اپنی توفیق سے اس کے دفاع میں مدد فرمائے اور اسے صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ایک روایت بیان کی گئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی صرف تین مسلمان عیادت و بیمار پرسی اور دیکھ بھال کرتے تھے' پھر ان میں سے ایک مرتد ہو گیا' حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو ایک قول کے مطابق شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور صالحین کو آزمائشوں میں مبتلا نہیں کرتا اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اس آزمائش اور بیماری کے سبب کے بارے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک بکری ذبح کی اور اسے خود کھایا' مگر آپ کا ایک پڑوسی بھوکا رہا یا یہ کہ آپ نے

ایک مرتبہ کسی بُرائی کو دیکھا لیکن اسے ختم کرنے کی بجائے خاموش رہے یا پھر اس امتحان و بیماری کا صرف یہ سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے اس آزمائش میں مبتلا کیا' اس سے پہلے آپ کی کوئی کوتاہی وغیرہ نہیں تھی۔[1]

۴۲- ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ یہ وہ کلام ہے جس کے ساتھ حضرت ایوب علیہ السلام کو جواب دیا گیا یعنی ہم نے ان کے پاس (حضرت) جبریل علیہ السلام کو بھیجا جس نے ان سے جا کر کہا: ''ار کض بر جلك'' اپنا پاؤں

[1] حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا آخری سبب جو علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے یہ مقامِ نبوت کے موافق ہونے کی بناء پر زیادہ صحیح اور مناسب ہے' بہرحال حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن اور نفرت کرتے۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے (اس لیے آپ کے جسم مبارک میں کیڑے پڑ جانے کی بیماری یا چیچک کی بیماری یا گوشت کے گل سڑ جانے کی اسرائیلی روایات صحیح نہیں ہیں) صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مر جانے اور ان کے بیمار ہونے پر صابر رہنے کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے۔ ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں ہر روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ سال سے ان پر رحم و کرم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ میں اپنے گھر گیا تاکہ میں ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں' کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی: ''اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝'' (صٓ:۴۲) ''(زمین پر) اپنی ایڑی مارئیے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ۝''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار ہیں' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست کوئی شخص نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جَو کا کھلیان تھا' اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جَو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۱۵ تا ۱۱۶' بحوالہ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۴-۳۷۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۱۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۸۱-۵۸۲' حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

مارو یعنی اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ اور وہ ملک شام کے علاقہ جابیہ کی سرزمین تھی' چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس پر اپنا پاؤں مارا' پس اس جگہ سے ایک چشمہ اُبلنے لگا تو آپ سے کہا گیا کہ ﴿ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ یہ نہانے اور پینے کا ٹھنڈا چشمہ ہے یعنی یہ پانی ہے جس سے تم غسل کرو اور اس سے پیو بھی' سو تمہارا ظاہر و باطن صحیح سلامت اور درست ہو جائے گا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں مارنے کی وجہ سے آپ کے لیے دو چشمے جاری ہو گئے تھے' چنانچہ ایک چشمہ سے آپ نے غسل فرمایا اور دوسرے چشمہ سے آپ نے پیا' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی ظاہری اور باطنی بیماری دور ہوگئی۔

۴۳۔ ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ﴾ اور ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ان کے فوت شدہ گھر والوں کو زندہ کر دیا اور ان کے برابر مزید عطا فرما دیئے ﴿ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴾ اپنی طرف سے ان پر رحمت و مہربانی کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی ہماری یہ عطاء اور بخشش حضرت ایوب علیہ السلام پر خصوصی رحمت کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے ہے کیونکہ جب عقل مند لوگ یہ بات سنیں گے کہ ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام پر ان کے مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے انعام و احسان فرمایا تو مصیبت پر صبر کرنے میں انہیں ترغیب ملے گی۔

۴۴۔ ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا ﴾ اور آپ اپنے ہاتھ میں ایک سو تنکوں کا ایک جھاڑو لے لیں (یعنی) گھاس کا چھوٹا گٹھا یا پھولوں کا ایک گچھا وغیرہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ درخت کی شاخوں کا گٹھا مراد ہے ﴿ فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴾ سو اس کو لے کر اپنی بیوی کو مارو اور قسم نہ توڑو' در اصل حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات پر ناراض ہو کر بیماری کی حالت میں یہ قسم کھائی تھی کہ جب وہ تندرست ہو جائیں گے تو وہ اپنی بیوی کو ایک سو کوڑے ماریں گے' سو آپ کی بیوی نے آپ کی بہترین خدمت کی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی پر آسانی اور نرمی فرمائی تا کہ ان کی قسم پوری ہو جائے' وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ایک سو تنکے والی جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ماریں اور یہ رخصت اب بھی باقی ہے اور یہ واجب ہے کہ مضروب کو سو کوڑوں کی بجائے سو تنکوں کی جھاڑو میں سے ہر ایک تنکا لگنا چاہیے تا کہ قسم کا کفارہ ادا ہو جائے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قسم کھانے کے سبب کے بارے میں ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آنے میں تاخیر کر دی اور آپ کے سینے میں درد شروع ہو گیا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے دو رسیاں دو روٹیوں کے عوض میں فروخت کر دیں جن کا سہارا لے کر آپ چلتے تھے' جب آپ کھڑے ہوتے تھے ﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ﴾ بے شک ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو مصیبتوں پر بڑا صبر کرنے والا پایا (یعنی) ہم نے جان لیا ہے کہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے والے ہیں' ہاں! البتہ انہوں نے اس دکھ اور تکلیف کی شکایت ضرور کی تھی اور رحم و کرم کی طلب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کو جزع فزع اور بے صبری نہیں کہتے' سو البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْۤ اِلَى اللّٰهِ'' (یوسف:۸۶) ''بے شک میں اپنے غم و رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں'' علاوہ ازیں حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس لیے شفاء طلب کی تھی کہ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ان کی قوم غلط فہمی کا شکار ہو کر کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ شیطان ان کی طرف یہ وسوسہ ڈالتا رہتا تھا کہ اگر حضرت ایوب علیہ السلام نبی ہوتے تو اس طرح کی بیماری اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے جس میں اب مبتلا ہو چکے ہیں اور نیز آپ اللہ تعالیٰ کی

اطاعت وعبادت کرنے کی قوت وطاقت کے حصول کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آپ کی بیماری کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ آپ کے جسم مبارک میں سے ماسوا آپ کے دل اور زبان کے کوئی حصہ بیماری سے سلامت نہیں رہا تھا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ حضرت ایوب علیہ السلام بہت بہترین اور بڑے اچھے بندے تھے ﴿اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

اور آپ ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو بڑی قوتوں والوں اور بہت نظر وفکر رکھنے والے تھے O بے شک ہم نے ان کو دارِ آخرت کی یاد کے لیے خالص کر لیا O اور بے شک وہ ہمارے نزدیک بہترین پسندیدہ لوگوں میں سے تھے O اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے' اور یہ سب کے سب اچھوں میں سے ہیں O

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں سے انبیائے کرام کا ذکر خیر

۴۵- ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندوں حضرات ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''عَبْدَنَا'' (واحد) پڑھا گیا ہے' سو جس نے جمع ''عبادنا'' پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم اور اس کے بعد والے ''عبادنا'' کے عطف بیان ہوں گے اور جس نے واحد ''عبدنا'' پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام اکیلے اس کا عطف بیان ہوں گے اور ان کی اولاد کو ''عبدنا'' پر معطوف قرار دیا جائے گا]۔

اور جب اکثر وبیشتر اعمال ہاتھوں کے ذریعے ظہور پذیر ہوتے ہیں تو ہر عمل میں انہیں غالب قرار دیا گیا اور ہر عمل میں کہا گیا کہ ''هٰذَا مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْهِمْ'' یعنی یہ عمل بھی انہیں اعمال میں سے ہے جن کو ہاتھوں نے سرانجام دیا ہے اگرچہ وہ عمل ہاتھوں کے ذریعے نہ کیا گیا ہو یا بعض کام کرنے والے لوگوں کے ہاتھ کٹ جانے کی وجہ سے ان کے ہاتھ نہیں ہوتے اور اسی بناء پر درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ وارد ہوا کہ ﴿اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴾ ہاتھوں والے اور نگاہوں والے یعنی کام کرنے والے اور غور وفکر کرنے والے' گویا جو لوگ آخرت کے اعمال نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور نہ وہ دین داری کے معاملات میں غور وفکر کرتے ہیں تو وہ اپاہج لوگوں کے حکم میں ہیں' جو اپنے اعضاء سے کسی قسم کے اعمال بجالانے پر قدرت نہیں رکھتے اور یہ مسلوب العقل یعنی بے عقلوں کے حکم میں ہیں' جن کے پاس غور وفکر کرنے اور سوچنے کی صلاحیت نہیں ہے یا پھر اس میں ہر اس شخص پر طنز ہے جو اللہ تعالیٰ کے کام نہیں کرتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بصیرت رکھتا ہے اور انہیں مجاہدہ اور غور وفکر کرنے کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود ان کو چھوڑ دینے پر ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔

۴۶- ﴿اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ﴾ بے شک ہم نے ان کو خوب خالص کر لیا (یعنی) بے شک ہم نے ان کو ایک خالص خصلت وعادت کے ساتھ اپنا مخلص وخالص بنالیا ہے' جس میں کسی قسم کی آمیزش وملاوٹ نہیں ﴿ذِكْرَى الدَّارِ﴾ گھر کی یاد' اور ''الدار'' سے آخرت کا گھر مراد ہے اور معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد کے لیے خالص کر لیا یعنی ہم نے ان کو اپنا ایسا مخلص وخالص بنالیا ہے کہ وہ لوگوں کو بھی آخرت کے گھر کی یاد دہانی کراتے ہیں اور وہ انہیں دنیاداری

ترک کر کے دین داری اختیار کرنے اور آخرت کے گھر کی فکر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ کار رہا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ حضرات آخرت کو کثرت سے بہت یاد کرتے ہیں اور بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور دنیا کے ذکر کو بھلا دیتے ہیں [''ذکری'' محلاً منصوب ہے کیونکہ اس سے پہلے ''اعنی'' فعل متکلم پوشیدہ ہے یا یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''هِیَ'' ضمیر مبتدا پوشیدہ ہے یا یہ ''خالصة'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''بخالصة ذكرى الدار'' اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے کیونکہ ''خالصة ذكرى'' بھی ہوتی ہے اور ''غير ذكرى'' بھی ہوتی ہے اور ''ذكرى'' مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی دارِ آخرت کے ذکر کو خالص کر دیا گیا اور بعض نے کہا کہ ''خالصة'' بہ معنی خلوص ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے] یعنی ان کے لیے آخرت کے گھر کی یاد خالص کر دی گئی ہے اس طرح کہ وہ آخرت کی یاد کو کسی دوسری مہم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے بلکہ ان کا اہم ترین مقصد صرف آخرت کی یاد ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اور بعض نے کہا کہ ''ذكرى الدار'' سے دنیا میں ثنائے جمیل اور حسن تعریف مراد ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جس کے ساتھ ان کو خالص کر لیا گیا ہے چنانچہ جس طرح اس خوبی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح ان کے علاوہ کسی کا ذکر اس دنیا میں نہیں کیا جاتا اور درج ذیل ارشاد سے بھی اس کی تائید وتوثیق ہو جاتی ہے: ''وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا O'' (مریم:۵۰) ''اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان (ان کے ذکر جمیل) کو بلند کر دیا ہےO''۔

۴۷- ﴿وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ﴾ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک ضرور برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں (یعنی) وہ اپنے ہم جنس اشخاص میں سے بہترین و برگزیدہ ہیں ﴿الْأَخْيَارِ﴾ پسندیدہ ومنتخب کردہ اور بہترین لوگ ہیں [یہ ''خَيِّر'' کی جمع ہے یا ''خير'' کی جمع ہے جس میں تشدید کی بجائے تخفیف کے ساتھ ہے جیسے ''اموات'' ہے کہ یہ ''ميّت'' (''یا'' مشدد کے ساتھ) کی جمع ہے یا ''مَيْتٌ'' (''یا'' ساکن کے ساتھ) کی جمع ہے]۔

۴۸- ﴿وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ﴾ اور (اے محبوب!) اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے [''اليسع'' میں حرف تعریف داخل کیا گیا ہے] ﴿وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ﴾ اور وہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں [''كُلٌّ'' میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں یعنی اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے]۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۹﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُفَتَّحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہےO ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے

دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے O وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں بہت سے پھل اور مشروب مانگیں گے O اوران کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی ہم عمر لڑکیاں ہوں گی O یہ وہی ہے جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا O بے شک یہ ہمارا عطا کیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O یہ تو (پرہیزگاروں کے لیے) ہے' اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور بہت بُرا ٹھکانا ہے O دوزخ ہے' جس میں وہ داخل ہوں گے' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

پرہیزگاروں اور سرکشوں کے انجام کا بیان

۴۹- ﴿هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ یہ ہے شان اور بے شک پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہے یعنی یہ شرف وفضیلت اور یہ شان ومرتبہ اور یہ ذکر جمیل ہے جس کے ساتھ انہیں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا اور بے شک اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بہترین ٹھکانا بھی ہے جس کی طرف لوٹ کر جائیں گے یعنی دنیا میں تو انہیں حسن تعریف اور ذکر جمیل کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا اور آخرت میں ربِ جلیل کی مغفرت وبخشش کی طرف لوٹ کر جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھکانے کی خوبی کی کیفیت کو بیان کیا اور فرمایا کہ

۵۰- ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ ہمیشہ قیام کرنے اور ٹھہرنے کے باغات ہیں جن کے دروازے اُن کے لیے کھلے ہوں گے [''جَنّٰتِ عَدْنٍ''،''حسن مآب'' سے بدل ہے اور''مُفَتَّحَةً''،''جنات'' سے حال ہے کیونکہ وہ ''عدن'' کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اور''عدن''اسم علم ہے اور اس میں عامل وہی ہے جو''لِلْمُتَّقِيْنَ'' میں معنیٰ فعل ہے اور''لَهُمُ الْاَبْوَابُ''مرفوع اس لیے ہے کہ یہ''مُفَتَّحَةً''کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی اصل میں''لهم الابواب منها''ہے' پھر اسے حذف کر دیا گیا جیسا کہ درج ذیل قول میں محذوف ہے:''فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى O''(النازعات:۳۹)''سو بے شک دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے O''یعنی''لهم''یا''ابوابها''لیکن پہلا زیادہ بہتر ہے یا پھر''لهم الابواب''بدل ہے''مفتحة''کی ضمیر سے اور''جنات''کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے جس کی تقدیر یہ ہے: ''مفتحة هي الابواب''اور یہ بدل اشتمال ہے]۔

۵۱- ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ﴾ وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے (راحت وسکون کے ساتھ) بیٹھے ہوں گے' وہ ان میں بہت سے پھل اور بہت سی شرابِ طہور مانگیں گے [''متکئین''،''لهم''کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل''مفتحة''ہے اور اصل میں''شراب کثیر''ہے یعنی بہت سی شراب' پھر پہلے''کثیر''پر اکتفاء کر کے دوسرے کو حذف کر دیا گیا]۔

۵۲- ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی لڑکیاں ہوں گی جو اپنی نگاہوں کو صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی ﴿اَتْرَابٌ﴾ بہ یک وقت پیدا ہونے والی ہم عمر' ہم عصر ایک دوسرے کے برابر عمر والیاں سہیلیاں ہوں گی کیونکہ ہم زمانہ اور ہم عصر دوستوں میں باہمی محبت و پیار زیادہ ثابت وقائم رہتا ہے اور گویا وہ بہ یک وقت پیدا ہونے والی نرم ونازک' ہم عمر دوشیزہ ہوں گی کیونکہ نوخیزی نے انہیں بہ یک وقت چھولیا (یعنی ایک ہی وقت میں سب بلوغت کو پہنچیں)۔

۵۳- ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ یہ ہے وہ جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی ایسے دن کے لیے جس میں ہر شخص کو ان اعمال کا پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کیے تھے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں''یا''کے ساتھ''یوعدون''پڑھا گیا ہے]۔

٥٤- ﴿ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جس کو فنا نہیں یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا [اور" ماله من نفاد" یہ جملہ "الرزق" سے حال ہے اور عامل اشارہ ہے]۔

٥٥- ﴿ هٰذَا ﴾ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ متقیوں اور پرہیزگاروں کا معاملہ ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ذکر کر دیا گیا ہے ﴿ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور بُرا ٹھکانا ہے یعنی ان کی مرجع گاہ بہت بُری ہے۔

٥٦- ﴿ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ دوزخ جس میں وہ سرکش لوگ داخل ہوں گے' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے' ان دوزخیوں کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہوگی اس کو اس بچھونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو "نائم" (سونے والا) بچھاتا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ
مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۭ
اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا
ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ
النَّارِ ﴿٦٤﴾

ع ۱۴

یہ (سرکشوں کے لیے) ہے' سو انہیں چاہیے کہ وہ اسے چکھیں کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ O اور اسی طرح کے اور کئی اقسام کے عذاب ہوں گے O یہ ایک اور فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسنے والی ہے' انہیں کوئی خوشی نہیں ہوگی' بے شک وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے O وہ کہیں گے: بلکہ تم ہو کہ تمہیں خوشی نہ ملے' تم ہی اسے ہمارے لیے آگے لے آئے ہو' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! جو اس کو ہمارے لیے آگے لے کر آیا ہے' اسے آگ میں دوگنا عذاب بڑھا کر دے O اور وہ کہیں گے: ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کو مذاق بنا رکھا تھا یا ان سے آنکھیں پھر گئی تھیں O بے شک دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا ضرور برحق ہے O

٥٧- ﴿ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴾ یہی تو ہے' سو انہیں چاہیے کہ وہ اس کو چکھیں کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ یعنی یہ کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ ہے' سو وہ لوگ اس کو چکھیں [پس "هٰذا" مبتدا ہے اور "حمیم" اس کی خبر ہے اور "غسّاق" خبر پر معطوف ہے اور "فلیذوقوه" جملہ معترضہ ہے] یا یہ معنی ہے کہ عذاب تو یہی ہے' سو وہ اسے چکھیں' پھر آغاز کیا اور فرمایا: وہ کھولتا ہوا سخت گرم ترین پانی اور پیپ ہے' "غسّاق" وہ گندا پانی ہوگا جو دوزخیوں کے جسموں سے سڑنے گلنے سے نکلے گا' چنانچہ جب آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو کہا جاتا ہے: "غسقت العین" آنکھ آنسو بہانے لگی' اور بعض

حضرات نے فرمایا: ''حمیم'' اس قدر شدید گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا جو اپنی حرارت کی وجہ سے دوزخیوں کے ہونٹوں کو جلا دے گا اور ''غسّاق'' اس قدر یخ ٹھنڈی پیپ ہوگی کہ اپنی ٹھنڈک کی وجہ سے منہ کے سارے راستے کو جلا دے گی [حمزہ کوفی' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں سین مشدد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ اس کو مشدد اور مخفف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے]۔

۵۸- ﴿ وَّاٰخَرُ ﴾ یعنی اور دوسرا عذاب یا یہ کہ دوسرا چکھنا ﴿ مِنْ شَكْلِهٖٓ ﴾ اسی کی شکل کا ہوگا یعنی مذکورہ بالا پہلے عذاب کی طرح ہوگا [ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''وَاُخَرُ'' (ہمزہ مضموم) ہے] یعنی اور دوسرے عذاب جو چکھائے جائیں گے وہ سختی اور قباحت میں پہلے چکھائے گئے عذاب کی طرح ہوں گے ﴿ اَزْوَاجٌ ﴾ مختلف اقسام کے گوناگوں عذاب [یہ ''اخر'' کی صفت ہے کیونکہ کئی قسم کے عذاب ہونا جائز ہے]۔

۵۹- ﴿ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ﴾ یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی یہ ایک اور بہت بڑی جماعت ہے جو دوزخ میں تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی تمہاری صحبت ومعیّت میں دوزخ کی آگ میں جائے گی اور ''اقتحام'' کا معنی ہے: کسی چیز میں سختی کے ساتھ داخل ہونا اور ''قُحْمَۃ'' کا معنی ہے: شدت وسختی' اور یہ سرکشوں کے اس کلام کی حکایت ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کریں گے یعنی وہ یہ کہیں گے اور فوج سے ان کے وہ پیروکار مراد ہیں جو ان کے ساتھ گمراہی میں گھس گئے تھے' سو وہ قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ عذاب میں گھسیں گے ﴿ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ﴾ انہیں خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔ دوزخیوں کی طرف سے اپنے پیروکاروں کے لیے بددعا ہے' جیسے تم جس کو دعا دو تو اس سے کہو: ''مرحبا بك'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کشادہ اور نرم زمین میں اتارے جو فراخ ہو تنگ نہ ہو یا تیرا ملک وشہر کشادہ وفراخ ہو' پھر بددعا دینے کے لیے اس پر حرف ''لا'' نافیہ داخل کیا جاتا ہے اور ''بِهِمْ'' ان کا بیان ہے جن کو بددعا دی گئی ہے ﴿ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴾ بے شک وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور یہ ان کی بددعا قبول ہونے کی علت ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ'' دوزخ کے فرشتوں کا کلام ہے جو وہ کفار کے سرداروں سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں کہیں گے اور ''لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ'' سرداروں کا کلام ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ سارا کلام دربان فرشتوں کا ہے۔

۶۰- ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اپنے سرداروں سے کہیں گے ﴿ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ﴾ بلکہ تم ہی ہو کہ تمہارے لیے خوش آمدید نہ ہو یعنی وہ دعا جو تم نے ہمارے خلاف مانگی ہے' اس کے زیادہ حق دار تم ہی ہو اور وہ اس کی علت اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ﴾ تم ہی تو ہو جو اس عذاب کو ہمارے آگے لے کر آئے ہو [ضمیر مفعول عذاب کی طرف لوٹتی ہے یا ان کے دوزخ میں دخول کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بے شک تم نے ہی اس کی طرف ہمیں دعوت دی تھی' سو ہم نے تمہاری پیروی میں کفر اختیار کر لیا ﴿ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ کی آگ۔

۶۱- ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: ﴿ رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا ﴾ اے ہمارے پروردگار! جو شخص یہ عذاب ہمارے لیے آگے لایا' سو تو اس کو دوگنا عذاب بڑھا کر دے یعنی کئی گنا بڑھا کر ﴿ فِي النَّارِ ﴾ دوزخ کی آگ میں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہم سے دوگنا عذاب دیجئے اور اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا'' (الاعراف:۳۸) ''اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں

گمراہ کیا تھا' سو آپ انہیں دگنا عذاب دیجئے'' اور یہ کہ جتنا عذاب پیروکاروں کو دیا جائے اتنا اور بڑھا کر گمراہ کرنے والے سرداروں کو دیا جائے۔

٦٢- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے: یعنی کفار کے رئیس وسردار کہیں گے [''وقالوا'' میں ''ھم'' ضمیر کفار کے رؤسا کی طرف لوٹتی ہے] ﴿مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ ہمیں کیا ہوا کہ ہم یہاں ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم بُروں میں سے شمار کرتے تھے یعنی غریب وفقیر مسلمانوں کو یہاں دوزخ میں ہم نہیں دیکھ رہے جن کو ہم دنیا میں حقیر وذلیل اور بُرا خیال کرتے تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی خیر وبھلائی اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

٦٣- ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ کیا ہم نے ان کو مذاق وہنسی بنا رکھا تھا [امام عاصم کے علاوہ دیگر اہل عراق کے نزدیک یہ خبر ہے اور ہمزہ وصل کا ہے' اس بناء پر یہ ''رجالا'' کی صفت ہے' یہ ''کنا نعدھم من الاشرار'' کی طرح ہے یعنی جس طرح ہم ان کو بُروں میں سے شمار کرتے تھے' اسی طرح ہم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک اس کا ہمزہ استفہام انکاری قطعی ہے (ہمزہ وصل محذوف ہے) یہ اس بناء پر ہے کہ کفار ان غریب مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے انکار کریں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور نافع مدنی' حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف اور مفضل کی قراءت میں ''سُخریًّا'' سین مضموم کے ساتھ ہے] ﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ﴾ یا ان سے آنکھیں پھر گئی ہیں' یہ ''مَالَنَا'' سے متصل ہے یعنی ہمیں کیا ہوا کہ ہم انہیں دوزخ کی آگ میں نہیں دیکھ رہے' گویا وہ اس میں نہیں ہیں بلکہ ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں' پس اس لیے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے حالانکہ وہ اسی میں ہیں۔ دراصل کفار مکہ اپنے معاملے میں پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ جنتی لوگوں میں سے ہیں اور یہ مسلمان دوزخیوں میں سے ہیں مگر حقیقت میں ان پر ان کا اپنا ٹھکانا مخفی اور پوشیدہ تھا۔

٦٤- ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ جسے ہم نے ان کی طرف سے باہمی جھگڑا بیان کیا ہے وہ ﴿لَحَقٌّ﴾ ضرور برحق ہے اور وہ ضرور سچ ہے جو ہر حال میں لازمی طور پر ہوگا اور یہ ضرور ہوگا کہ دوزخ میں کفار آپس میں جھگڑتے ہوئے باتیں کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ دوزخیوں کا باہمی جھگڑنا ہے اور جب کفار کے باہمی کلام کو اور ان کے درمیان جو سوال وجواب جاری ہوں گے' ان کو اس کلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو دو جھگڑنے والے جھگڑالوؤں کے درمیان واقع ہوتی ہے تو اس کا نام جھگڑا رکھ لیا گیا کیونکہ کفار کے سرداروں کا یہ کہنا کہ ''لا مرحبا بھم'' پیروکاروں کو خوش آمدید نہ ہو' اور پیروکاروں کا یہ کہنا ''بل انتم لا مرحبا بکم'' بلکہ تمہیں کے لیے خوش آمدید نہ ہو' یہ جھگڑے کے باب سے ہے' سو اس لیے ان کے سارے کلام کو جھگڑا کہا گیا کیونکہ ان کا کلام جھگڑے پر مشتمل ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک میں تو صرف ڈرسنانے والا ہوں' اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

وہ ایک ہے سب پر غالب ہےO وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہےO فرما دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہےO تم اس سے منہ پھیر کر غافل ہو چکے ہوO مجھے عالم بالا کے بارے میں کیا معلوم جب وہ جھگڑتے ہیںO میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ میں یقیناً تمہیں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوںO

منصب نبوت' عذاب سے ڈرانا اور توحید سمجھانا ہے

٦٥- ﴿قُلْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ مشرکین مکہ سے فرما دیں کہ ﴿إِنَّمَآ أَنَا۠ مُنذِرٌ﴾ بے شک میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی) میں تو صرف ڈر سنانے والا رسول ہوں' میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ﴿وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک دینِ حق اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور تم یہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿الْوَاحِدُ﴾ اکیلا اور یکتا ہے' اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی شریک ہے ﴿الْقَهَّارُ﴾ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے۔

٦٦- ﴿رَبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا مالک ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' بادشاہی اسی کے لیے ہے اور تمام جہانوں کی تربیت و ربوبیت اور پرورش اسی کے لیے ہے ﴿الْعَزِيزُ﴾ غالب ہے جب وہ سزا دیتا ہے تو وہ مغلوب و عاجز نہیں ہوتا ﴿الْغَفَّارُ﴾ ان کو بہت بخشنے والا ہے' جو اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

٦٧- ﴿قُلْ هُوَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہ یعنی یہ جو میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں ڈر سنانے والا رسول ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ ﴿نَبَؤٌا عَظِيمٌ﴾ بہت بڑی خبر ہے' اس جیسی خبر سے روگردانی نہیں کر سکتا مگر جو سخت غافل و بے خبر ہو' پھر بھی

٦٨- ﴿أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ﴾ تم اس سے روگردانی کرنے والے غافل ہو۔

٦٩- ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰٓ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ مجھے عالم بالا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا جب فرشتے جھگڑتے تھے۔ اس آیت مبارکہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر اور اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے' وہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم بالا کے بارے میں اور وہاں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کے بارے میں جو خبریں بیان کی ہیں' وہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا علم اس سے پہلے آپ کو ہرگز حاصل نہیں تھا' پھر بعد ازاں آپ نے اس کو جان لیا اور آپ نے علوم کے حصول میں وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو لوگ غیر معلوم چیزوں کے جاننے میں اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات سے تعلیم حاصل کرنا اور کتابیں پڑھنا' سو اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم بالا میں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوا ہے[1] [امام حفص کی روایت میں ''مَا كَانَ لِيَ'' میں ''یَا'' مفتوح ہے]۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میرا رب تعالیٰ میرے پاس سب سے زیادہ حسین صورت میں آیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ حضور نے خواب کا واقعہ بیان فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں' میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی ''فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ'' سو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے میں نے سب جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں' میں نے کہا: جی ہاں! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۰- ﴿اِنْ یُّوْحٰۤى اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ بے شک میں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں'' ای لانما انا نذیر مبین ''یعنی مجھے اس لیے وحی کی جاتی ہے کہ میں اعلانیہ ڈر سنانے والا ہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اِلَّا لِاَنْذَارِ '' مجھے صرف ڈر سنانے کے لیے وحی کی جاتی ہے [پھر لام کو حذف کر کے ''انما'' کے ہمزہ کو نصب دے دیا گیا ہے کیونکہ ''یُوْحٰی ''فعل کا عمل اس کی طرف پہنچتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو] اس معنی کی بناء پر کہ ''مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اِلَّا هٰذَا وَهُوَ اَنْ اُنْذِرَ وَاُبَلِّغَ وَلَا اُفَرِّطَ فِیْ ذٰلِكَ''میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہی اور وہ یہ کہ میں تمہیں ڈر سناتا ہوں اور میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور میں اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا یعنی مجھے حکم نہیں دیا جاتا مگر صرف یہی ایک اور اس کے علاوہ مجھے کوئی حکم نہیں دیا جاتا [یہ بھی جائز ہے کہ ''اِنَّمَا'' میں ہمزہ مکسور ہو حکایت کی بناء پر یعنی مگر یہی قول اور وہ یہ کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ بے شک میں صرف ڈر سنانے والا ہوں اور میں کسی اور چیز کا دعویٰ نہیں کرتا] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''نَبَاٌ عَظِیْمٌ'' سے کسی شخص سے سنے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنا اور اس کی خبر دینا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ''نبأ عظیم '' قرآن مجید ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''نبأ عظیم'' (بہت بڑی خبر) قیامت کا دن ہے اور ''ملأ اعلیٰ'' سے اصحاب قصہ مراد ہیں یعنی رائے دینے والے فرشتے اور حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس مردود' کیونکہ یہ سب آسمان میں رہتے تھے اور انہیں کے درمیان گفتگو ہوتی تھی [اور ''اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ'' محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ جھگڑے کے وقت مجھے فرشتوں کے کلام کا علم نہیں ہے]۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کفارات میں اور کفارات (گناہوں کو مٹانے والے اعمال) یہ ہیں: نمازوں کے بعد مسجدوں میں ٹھہرنا اور پنجگانہ نمازوں کی جماعت کے لیے پیدل چل کر جانا اور مشقت و تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا اور جو یہ کام کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے نکل کر اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! جب آپ نماز پڑھ لیں تو یہ دعا کیا کریں: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ '' اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور ناداروں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب آپ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو آپ میری روح کو اس حال میں قبض کر لینا کہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا: درجات کو بلند کرنے والے اعمال یہ ہیں: سلام کو پھیلانا' اور کھانا کھلانا' اور رات کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۴۸' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۶۹' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۳۔ ۴۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۴۲ تا ۱۴۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾

جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوںO سو جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑناO پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیاO سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیاO فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا' کیا تو نے تکبر کیا یا تو تکبر کرنے والوں میں سے تھاO اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیاO اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا' سو بے شک تو مردود ہےO اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہےO

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

۷۱- ﴿ إِذْ قَالَ رَبُّكَ ﴾ (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ کے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کی زبانی (فرشتے کی وساطت سے) ﴿ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴾ فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں اور فرمایا: ''إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ'' (البقرہ: ۳۰) ''بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں' فرشتوں نے کہا کہ کیا اس میں تو ایسے شخص کو نائب بنائے گا' جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا'' [''اذ قال ربك'' ''اذ یختصمون'' سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۷۲- ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ ﴾ پھر جب میں اس کو برابر بنالوں یعنی جب میں اس کی خلقت کو مکمل و پورا کرلوں اور میں اس کی جسمانی ساخت کو برابر سنوارلوں ﴿ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ﴾ اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں جسے میں نے پیدا کیا ہے۔ ''من روحی'' میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت و نسبت اپنی طرف محض تخصیص و تشریف کے لیے کی ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو حیات و زندگی عطا کی' میں نے اسے زندہ کیا اور میں نے اسے حساس (محسوس کرنے والا) اور متنفس (سانس لینے والا متحرک الارادہ) بنایا ﴿ فَقَعُوا لَهُ ﴾ سو تم اس کے آگے گر پڑو [یہ ''وقع یقع'' سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے] یعنی تم حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے زمین پر گر پڑو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اسے سجدہ کرو ﴿ سَاجِدِينَ ﴾ اسے سجدہ کرنے کے لیے گر پڑو' بعض کا قول ہے: سجدہ سے صرف جھکنا مراد ہے جو فرشتوں کی تواضع پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے تھا (اور حضرت آدم علیہ السلام صرف قبلہ بنے تھے) یا پھر یہ تعظیمی سجدہ تھا (کیونکہ سجدۂ عبادت ہمیشہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے)۔

۷۳- ﴿ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴾ پس تمام فرشتوں نے جمع ہو کر سجدہ کیا۔ لفظ ''کل'' احاطہ کرنے اور گھیرنے کے لیے ہے اور ''اجمعون'' اجتماع کے لیے ہے' پس اس کا مفاد و مطلب یہ ہوا کہ اوّل سے لے کر آخر تک تمام کے تمام فرشتوں نے جمع ہو کر ایک ہی وقت میں سجدہ کیا' الگ الگ گروہ در گروہ ہو کر مختلف اوقات میں سجدہ نہیں کیا۔

۷۴۔ ﴿اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ﴾ سوائے ابلیس (شیطان) کے اُس نے تکبر و غرور کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا یعنی سجدہ کرنے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔

۷۵۔ ﴿قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ﴾ اے ابلیس! تجھے کس نے منع کیا کہ تو سجدہ کرتا" ای ما منعك عن السجود "یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟ ﴿لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ﴾ اس کے لیے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا یعنی اپنے حکم کی تعمیل اور اپنے خطاب کی تعظیم کے لیے میں نے بغیر کسی واسطہ کے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اور بے شک یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دو ہاتھوں والے لوگ اپنے اکثر و بیشتر اعمال کو اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں' اس لیے ہاتھوں کے اعمال کو باقی ان تمام اعمال پر غالب قرار دیا گیا جو ہاتھوں کے بغیر بھی کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ دل کے عمل کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے: یہی وہی کام ہے جسے تمہارے ہاتھوں نے سرانجام دیا اور یہاں تک کہ جس کے لیے ہاتھ نہیں ہوتا' اسے بھی کہا جاتا ہے کہ تیرے ہاتھ (کاروبار میں) خوب تیز چلتے رہیں اور تیرا منہ بھرا رہے اور یہاں تک کہ تمہارے اس قول کے درمیان کہ " یہ کام تم نے کیا ہے" اور اس قول کے درمیان کہ " یہ کام تمہارے ہاتھوں نے کیا ہے" کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور اسی سے یہ ارشاد ہے: "مِمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَا" (یٰسین: ۷۱) "اس میں سے جسے ہمارے ہاتھوں نے بنایا" اور یہ ارشاد "لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ" "اس کے لیے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ﴿اَسۡتَكۡبَرۡتَ﴾ کیا تو نے تکبر اور غرور کیا ہے۔ یہ استفہامِ انکاری ہے یعنی تو نے بغیر استحقاق کے تکبر کیا ہے ﴿اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ﴾ یا تو متکبروں میں سے تھا' انہیں میں سے تو فوقیت اور بڑھائی والا بن گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو ہمیشہ سے تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟

۷۶۔ ﴿قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ﴾ شیطان نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی میں سے پیدا کیا ہے یعنی اگر اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہوتا تب تو میں اسے سجدہ کر لیتا کیونکہ میرے جیسا مخلوق ہوتا بھلا اب میں اسے کیسے سجدہ کروں جو مجھ سے ادنیٰ اور کم تر ہے کیونکہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ مٹی پر غالب ہے اور اسے کھا جاتی ہے[1] [پہلے جملہ یعنی "خلقتنی من نار" پر دوسرا جملہ معطوف ہو کر عطف بیان اور عطف توضیح ہے]۔

---

[1] ابلیس کا یہ زعم (اور گمان) تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے:

(۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(۲) مٹی امین ہے کہ مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اُگا کر بیج کو پھر کئی گنا بڑھا کر لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے کہ اس میں جو کچھ ڈالا جائے' آگ اسے بھسم کر دیتی ہے۔

(۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے' مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے اور روئی حاصل ہوتی ہے' جس سے انسانوں کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے' اس میں معدنیات ہیں' جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا نہیں ہے بلکہ بگڑ جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۷-﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ سوتو اس سے یعنی جنت سے یا آسمانوں سے یا تو اپنی اس اصلی خلقت سے نکل جا' جس میں تو اب تک رہا' اس لیے کہ شیطان نے اپنی خلقت پر تکبر اور فخر وغرور کیا تھا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو تبدیل کر دیا' پہلے وہ سفید تھا اس کے بعد اسے کالا سیاہ بنا دیا اور وہ پہلے حسین اور خوب صورت تھا' اس کے بعد اسے قبیح اور بدصورت بنا دیا اور پہلے وہ نورانی اور روشن تھا' اس کے بعد ظلمانی اور تاریک بنا دیا ﴿فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے یعنی تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) آگ خود بہ خود قائم نہیں ہو سکتی' اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے' سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ' محتاج سے (غنی ہونے کی بناء پر) افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں' مثلاً اس سے کھانا پکتا ہے' روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے' اگر کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے' سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے' اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے' زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو ''فراش''' ''بساط'' اور ''قرار'' بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے' دھمکانے اور عذاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر وثواب کا منبع بنا دیا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے' تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا گیا' انبیائے کرام علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے حتیٰ کہ اس کو ''اسفل السافلین'' میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۷۸)

حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم انکسار اور تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷)

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہوتا تو کسی مرکب کے تحقق (پائے جانے) کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

(۱) علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ'' اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درگاہِ الٰہی سے راندہ گیا ہے (اور تجھے رحمت الٰہی سے دور پھینک دیا گیا ہے) شیطان نے مٹی سے پیدا کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تکبر و غرور کیا اور اسی وجہ سے وہ پھسل گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اس کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب کے اجلال و بزرگی اور اس کے حکم کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس کے حکم کی اتباع اور پیروی کی (تو مطیع اور معصوم برقرار رہے) لیکن شیطان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے اور اسے ترک کر کے مردود اور ملعون قرار پایا۔

۷۸۔ ﴿وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ﴾ اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے یعنی میری طرف سے تجھے ہر خیر و بھلائی سے دور اور محروم کر دیا گیا ہے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ''لَعْنَتِیَ'' ہے] ﴿اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ قیامت کے دن تک یعنی روزِ جزا تک اور یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شیطان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی انتہاء قیامت تک ہے' پھر ختم ہو جائے گی' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دنیا میں شیطان پر صرف اکیلی لعنت ہے' پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو لعنت کے ساتھ عذاب بھی مل جائے گا' سو وہاں انفرادیت ختم ہو جائے گی (یعنی صرف لعنت ہی نہیں' لعنت کے ساتھ عذاب بھی ہوگا) یا یہ کہ جب رحمت کے اوقات کے دوران اس پر لعنت جاری رہی تو رحمت کے اوقات کے نہ ہونے کے دوران اس پر بہ طریق اولیٰ لعنت جاری رہے گی اور بھلا اس پر لعنت کیسے ختم ہو سکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ''O (الاعراف: ۴۴) ''سو ایک منادی ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے O''۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی
یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

اس نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا O فرمایا: سو تو بلاشبہ مہلت والوں میں سے ہے O ایک معلوم و معیّن وقت کے دن تک O

۷۹ تا ۸۱ - ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ O قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ O اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا O اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O ایک معلوم وقت کے دن تک۔ اور معلوم وقت سے وہ مراد ہے جس میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور اس دن سے وہ دن مراد ہے جس وقت صور پھونکنے کے اجزاء میں سے کوئی جز پایا جائے گا اور ''المعلوم'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دن اور وہ وقت معلوم اور معیّن ہے' نہ آگے ہوگا اور نہ پیچھے ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کُنْ'' سے بنایا اور حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' فرمایا: ''خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (ص: ۷۵)۔

(۳) اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لیے بنایا: ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' (البقرہ: ۳۰)۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے ابلیس سے افضل تھے اور اس کا ''انا خیر منه'' کہنا بے جا غرور اور جھوٹا تکبر تھا۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۵۰ تا ۱۵۱' فرید بک سٹال لاہور' تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳' ص ۴۴۵ تا ۴۴۸)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا O ماسوا تیرے ایسے بندوں کے جو ان میں سے برگزیدہ ہیں O فرمایا: سو یہ سچ ہے' اور میں سچ ہی فرماتا ہوں O ضرور میں تجھ سے اور ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے O

۸۲'۸۳- ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا- شیطان نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور غلبہ مراد ہے ﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ مگر میں ان میں سے تیرے برگزیدہ بندوں کو گمراہ نہیں کر سکوں گا [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مخلصين'' کا لام مکسور ہے]-

۸٤- ﴿قَالَ فَالْحَقُّ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ سچ ہے [علی کسائی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں مبتدا ہونے کی بناء پر ''الحق'' مرفوع ہے' ''ای الحق قسمی'' مجھے حق کی قسم ہے یا پھر خبر کی بناء پر مرفوع ہے: ''ای انا الحق'' یعنی میں حق ہوں' اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک یہ منصوب ہے' اس بناء پر کہ یہ مقسم بہ ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ ''اَللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا'' اللہ کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا' یعنی لفظ ''اللّٰه'' کے شروع میں حرف ''بَا'' قسمیہ حذف کر دی گئی ہے' اصل میں ''بـاللّٰه لافعلن كذا'' تھا' اسی طرح اصل میں ''بـالحق'' تھا' حرف ''بَا'' قسمیہ حذف کر دیا گیا ہے' پھر اسے نصب دیا گیا ہے اور اس قسم کا جواب ''لَاَمْلَئَنَّ'' ہے] ﴿وَالْحَقَّ أَقُولُ﴾ اور میں سچ ہی کہتا ہوں [یہ مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور ''الحق'' منصوب ہے ''اقول'' کی وجہ سے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''ولا اقول الا الحق'' اور میں حق سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا' اور حق سے یا تو اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک مراد ہے' جو درج ذیل ارشاد میں ہے: ''بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ'' (الحج:۶۲) ''اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے'' یا پھر حق سے وہ حق مراد ہے جو باطل کی نقیض اور ضد ہے' اللہ تعالیٰ نے اس حق کی قسم فرما کر اس کی عظمت و شان کو بڑھا دیا ہے۔

۸۵- ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ﴾ میں ضرور دوزخ کو تجھ سے بھر دوں گا یعنی تیری جنس سے اور وہ تمام شیاطین ہیں ﴿وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو تیری پیروی کریں گے ﴿أَجْمَعِينَ﴾ یعنی ان میں پیروی کرنے والوں اور جن کی پیروی کی جائے گی' سب سے دوزخ کو بھر دوں گا' ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O اور تم کچھ مدت کے بعد ضرور اس کی خبر کو جان لو گے O

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعلانِ حق

۸۶- ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے (اے کفارِ مکہ) اس کی تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا [''علیہ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف یا پھر وحی کی طرف لوٹتی ہے] یعنی میں قرآن مجید اور وحی کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تصنع اور بناوٹ کرتے ہیں اور ایسی چیز کا اپنے لیے دعویٰ کرتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے اور تم مجھے کبھی بھی تصنع اور بناوٹ کرنے والا اور ایسی چیز کا دعوے دار ہرگز نہیں پاؤ گے جو میرے پاس نہیں' تاکہ میں نبوت کو ازخود اپنے لیے جائز قرار دے دوں اور میں ازخود اپنے آپ قرآن بنا بنا کر پیش کروں (ایسا ہرگز نہیں)۔

۸۷- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مجھ پر نازل کیا ہے' سو میں اسی قرآن مجید کی تمہیں تبلیغ کرتا ہوں۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تکلف کرنے والے کی تین علامتیں ہیں: (۱) جو اپنے سے بڑے طاقتور اور غالب سے کسی چیز کے حصول میں جھگڑا کرے (۲) اور ایسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے' جسے حاصل کرنے کی قدرت و طاقت نہ رکھتا ہو (۳) اور ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔

۸۸- ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ﴾ اور تم ضرور اس کی خبر جان لو گے (یعنی) قرآن مجید کی خبر اور جو کچھ اس میں وعدے اور وعیدیں اور حشر و نشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے' تم سب کچھ جان لو گے۔

﴿بَعْدَ حِيْنٍ﴾ کچھ عرصہ بعد (یعنی) موت کے بعد یا غزوۂ بدر کے دن یا پھر قیامت کے دن تمہیں قرآن مجید کی شان معلوم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورتِ مبارکہ کا آغاز بھی ذکر (نصیحت بھرے قرآن مجید) سے کیا اور اس کا اختتام بھی ذکر (قرآن مجید) پر کیا۔

(۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۷۵ رُكُوْعَاتُهَا ۸
سورۃ الزمر مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی پچھتر آیات' آٹھ رکوع ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾

وقف لازم

یہ کتاب بہت عزت والے بڑی حکمت والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ○ بے شک ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے' سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اسی کے لیے دین کو خالص کر کے ○ سن لو خالص دین اللہ

تعالیٰ ہی کے لیے ہے' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے' (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں' بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو O

قرآن کی حقانیت اور شرک کی مذمت

۱- ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ اس کتاب کو یعنی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے [''تنزیل الکتاب'' مبتدا ہے اور ''من اللّٰہ'' اس کی خبر ہے یعنی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل کیا گیا ہے' یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ''من اللّٰہ'' جار مجرور ''تنزیل'' کا صلہ ہے یا یہ صلہ نہیں بلکہ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''هٰذَا تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ هٰذَا مِنَ اللّٰهِ'' یہ کتاب نازل کی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (خود ساختہ نہیں ہے)] ﴿ الْعَزِيْزِ ﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہی میں سب پر غالب و زبردست ہے (لیکن اس پر کوئی غالب نہیں) ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ وہ اپنی تدبیر اور منصوبہ سازی میں بہت بڑا حکمت والا اور سب سے بڑا دانا ہے۔

۲- ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک ہم نے اس کتاب کو آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا کتاب کے لیے عنوان کی طرح ہے اور دوسرا اس تعلیم کا بیان ہے جو کتاب میں ہے ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے' اس کے لیے دین کو باطن کی صفائی اور عقیدۂ توحید کے ذریعے شرک اور ریاء سے خالص کر کے [پھر ''دین''، ''مخلصا'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳- ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ خبردار خالص دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی یہ خالص دین وہ ہے جس کا اختصاص و استحقاق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے' وہ اس طرح کہ عبادت کو ہر قسم کے شرک کی ملاوٹ سے خالص و پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے کیونکہ وہ تمام غیوب و اسرار (مخفی و پوشیدہ چیزوں) سے آگاہ ہے' کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالص دین ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی گواہی دینا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خالص دین صرف اسلام ہے (اس کے سوا باقی تمام ادیان شرک کی آمیزش کی وجہ سے غیر خالص ہیں) ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو کارساز بنالیا یعنی معبود بنالیا [یہ سارا کلام مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' جس کی تقدیر عبارت یہ ہے:] ''(والذین عبدوا الاصنام یقولون'' اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت شروع کر دی' وہ کہتے ہیں کہ ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں'' ''زلفی'' مصدر ہے یعنی مقرب بنانا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب مسلمانوں نے مشرکینِ مکہ سے کہا کہ بتاؤ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو مشرکینِ مکہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے' پھر جب مسلمانوں نے ان سے کہا کہ پھر تم بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں تا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنا دیں' اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں جھگڑے والے فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا (کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر جنت میں بھیج دے گا اور مشرکوں کو ناکام

قرار دے کر دوزخ میں بھیج دے گا) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے علم میں آچکا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کرلے گا یعنی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور اس شخص کے کفر اختیار کرتے وقت اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتا اور لیکن اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اور ان کا جھوٹ بولنا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کو معبود بنالیا تھا' ان میں سے بعض کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان کا تعاقب کیا اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ⑤

اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو مخلوق پیدا کرتا ہے اس میں جسے چاہتا چن لیتا' وہ اس سے پاک ہے' وہ واحد اللہ تعالیٰ ہے جو سب پر غالب ہے ○ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا' ہر ایک معین وقت تک کے لیے چلتا رہے گا' خبردار! وہ سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہے ○

٤- ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو پیدا کرتا ہے اس میں سے جسے چاہتا چن لیتا یعنی اگر تمہارے گمان کے مطابق اولاد کا اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا اپنا بیٹا بنالیتا' نہ کہ اس کو جسے تم پسند کرتے ہو اور جو تم چاہتے ہو ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں اور ان کی طرف سے اس کی طرف منسوب کی گئی اولاد سے پاک ہے اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلیل ہے کہ ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو واحد ہے سب پر غالب ہے یعنی بے شک وہ واحد و یکتا ہے' وہ انداد و شرکاء سے مبرّا ہے' وہ جزئیت اور اولاد سے بہت بلند و بالا ہے' وہ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے اور ان (مغلوب) چیزوں میں سے ان کے معبود بھی ہیں تو بھلا ایسی ذات بابرکات کے لیے ہمسر و شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔

٥- پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق اور دن اور رات میں سے ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹنے اور سورج و چاند کی تسخیر اور قیامت تک ان کے چلتے رہنے اور انسانوں کی کثیر در کثیر تعداد کے باوجود ایک جان سے بنانے اور چوپایوں کے پیدا کرنے کے ذریعے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب پر غالب ہے' اس پر کوئی غالب نہیں ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ ﴾ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے' اور ''تکویر'' کا معنی ہے: لپیٹنا' ایک دوسرے کو ملانا جیسے کہا جاتا ہے: ''کار العمامة علی راسه و کوّرها'' فلاں آدمی نے اپنے سر پر پگڑی کو

لپیٹنا اور پگڑی کے بل ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر باندھے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دن رات میں سے ہر ایک دوسرے کو چھپا لیتا ہے جب وہ اس پر طاری ہوتا ہے پس ایک دوسرے کے چھپا لینے کو ایک ایسی ظاہر چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب اس کو کسی پر لپیٹا جائے تو اس کو نظروں سے چھپا لے (جیسے لباس ہے کہ وہ پہننے والے کے جسم کو چھپا لیتا ہے) یا یہ معنی ہے کہ یہ دن رات موسم کی تبدیلی کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آتے جاتے رہتے ہیں (کہ گرمیوں میں دن رات کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لیتا ہے اس لیے دن بڑے ہو جاتے ہیں جب کہ سردیوں میں رات دن کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لیتی ہے اس لیے راتیں بڑی ہو جاتی ہیں) سو اس تعاقب کو پگڑی کے بلوں کے ایک دوسرے کے پیچھے اوپر نیچے آنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن تک ﴿ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ ﴾ خبردار! وہ ہر اس شخص کو سزا دینے پر پوری طرح غالب و قادر ہے جو سورج اور چاند کی تسخیر سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتا اور ان کی تسخیر پر ایمان نہیں لاتا ﴿ الْغَفَّارُ ﴾ وہ ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جو (کائنات کی تسخیر و تخلیق میں) غور و فکر کرتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے پھر ان کی تدبیر کرنے والے مدبر و خالق پر ایمان لے آتا ہے۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٦﴾

اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اُتارے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیروں میں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے بادشاہی اسی کے لیے ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو O

۶- ﴿ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾ اسی (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی دو چھوٹی پسلیوں سے بنایا بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے غبار کے باریک ذرّوں کی طرح نکالا گیا پھر اس کے بعد حضرت حوا کو پیدا کیا گیا ﴿ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ جوڑے) اتارے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جانوروں کو بنایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیدا کیا پھر ان کو زمین پر اتارا یا اس لیے کہ جانور نباتات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور نباتات پانی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو بارش کی صورت میں زمین پر اتارا تو گویا اس نے جانوروں کو اتارا ﴿ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ ﴾ آٹھ جوڑے اونٹ اور گائے اور بھیڑ اور بکری کے نر اور مادہ جیسا کہ سورت انعام میں بیان کیا گیا ہے اور جب کوئی چیز اکیلی ہو تو "فرد" اور "وتر" کہلاتی ہے اور جب اس کے ساتھ اس کی جنس میں سے دوسری چیز ملائی جائے تو اس کا نام "زوج" رکھا جاتا ہے ﴿ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری تخلیق کے بعد تخلیق کرتا ہے پھر نطفہ (سفید پانی یعنی منی) ہوتا ہے پھر "علقة" (جما ہوا خون)

ہوتا ہے پھر "مضغة" (لوتھڑا) ہوتا ہے پھر تخلیق مکمل ہوتی ہے ﴿ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ﴾ تین اندھیروں میں پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ ہوتا ہے یا باپ کی پشت کا اندھیرا اور ماں کے پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اندھیرا ﴿ ذٰلِكُمُ ﴾ وہ عظیم الشان ذات جس کے یہ معمولات ہیں وہ ﴿ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ہے تمہارا پروردگار ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کدھر منہ اٹھائے پھرے جا رہے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس کے غیروں کی عبادت کی طرف کیوں کر پھر جاتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں بیان کیا کہ وہ ان سب سے غنی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۞

اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے بے شک وہ سینوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے ۞ اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے اس کی طرف رجوع کر کے پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پہلے جو اس سے دعا مانگتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بھٹکا دے فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا عرصہ فائدہ اٹھا لے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے ۞

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا بیان

۷- ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ﴾ اگر تم کفر اختیار کر لو تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے یعنی تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج و ضرورت مند ہو کیونکہ کفر تمہیں نقصان دے گا اور ایمان تمہیں فائدہ دے گا ﴿ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ارادہ سے ہوتا ہے ﴿ وَاِنْ تَشْكُرُوْا ﴾ اور اگر تم شکر کرو گے اور ایمان لے آؤ گے تو ﴿ یَرْضَهُ لَكُمْ ﴾ وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ شکر کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ وہ تمہاری کامیابی کا ذریعہ اور سبب ہے سو اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں جنت عطا فرمائے گا [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں "یَرْضَهُ" کی "ھا" کے ضمہ کو اشباع کے ساتھ (یعنی واؤ

مدہ کے ساتھ کھینچ کر) پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی' ہشام اور عاصم کی قراءت میں یحییٰ اور حماد کے علاوہ "ھا" کے ضمہ کو بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی "یَرْضَہُ" کی "ھا" کو ساکن کر کے پڑھتے ہیں] ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ﴾ پھر تم نے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) تمہیں اپنے اعمال پر بدلہ پانے کے لیے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم اعمال کرتے رہے تھے (یعنی) پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کر دے گا اور ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا ﴿اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے پوشیدہ حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۸- ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ﴾ اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف' مصیبت اور سختی پہنچتی ہے ﴿دَعَا رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ﴾ تو اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے' اس کی طرف رجوع کر کے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگنے لگ جاتا ہے اور اس کے علاوہ کسی سے دعا نہیں مانگتا' اس آیت مبارکہ میں انسان سے ابوجہل مراد ہے یا ہر کافر مراد ہے اور "مس" اعراض میں مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَةً مِّنْہُ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے (یعنی) جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو ﴿نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ﴾ اس کو بھول جاتا ہے جس کی طرف رجوع کر کے پہلے دعا مانگتا تھا یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے جس کی بارگاہ میں آہ و زاری کر کے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا یا یہ کہ وہ شخص اس تکلیف و مصیبت کو بھول جاتا ہے' جس سے نجات پانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا ["مَا" بہ معنیٰ "مَنْ" ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰیٓ O" (اللیل:۳)] ﴿وَجَعَلَ لِلّٰہِ اَنْدَادًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناتا ہے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی مثل اور ہمسر ٹھہراتا ہے ﴿لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ﴾ تا کہ وہ لوگوں کو اس کی راہ یعنی دین اسلام سے بہکا دے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور یعقوب کی قراءت میں "لِیَضِلَّ" میں "یا" مفتوح ہے یعنی تا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے اسلام سے بہک جائے] ﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِکُفْرِکَ قَلِیْلًا﴾ اے محمد (ﷺ)! فرما دیجئے کہ (اے کافر شخص!) تو دنیا میں اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لے [اس میں "تمتع" کا امر محض دھمکانے کے لیے ہے] ﴿اِنَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ بے شک تو دوزخ کی آگ والوں میں سے ہے (یعنی) اس میں رہنے والوں میں سے ہے۔

اَمَّنْ ہُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّہٖ ؕ قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾

کیا وہ شخص جو فرماں بردار ہے رات کی گھڑیاں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ نافرمان کی طرح ہو سکتا ہے)' فرما دیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں' بے شک نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں O

۹- ﴿اَمَّنْ﴾ [ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "اَمَنْ" کی میم کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا

ہے اس بناء پر کہ ہمزہ استفہام ''مَنْ'' پر داخل ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''اَمَّنْ'' کی میم کو مشدد اس بناء پر پڑھا گیا ہے کہ اس پر ''اَمْ'' داخل ہے (یعنی اصل میں ''اَمْ'' ''مَنْ'' تھا پہلی میم کو دوسری میم میں مدغم کرکے ''اَمَّنْ'' پڑھا گیا ہے) اور ''مَنْ'' مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے] اصل میں ''امن'' ﴿هُوَ قَانِتٌ﴾ ''کَمَنْ هُوَ کَفِیْرٌ'' یعنی کیا وہ شخص جو مطیع اور فرماں بردار ہے وہ نافرمان اور گناہ گار کی طرح ہوسکتا ہے ''قانت'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار اور یہاں خبر کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس پر کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ ہے اس سے پہلے کافر کا ذکر اور اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ''قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ'' ﴿اٰنَآءَ الَّیْلِ﴾ رات کے اوقات اور اس کی گھڑیاں ﴿سَاجِدًا وَّقَآئِمًا﴾ سجدہ اور قیام کرنے والا (یعنی عبادت کرنے والا) [یہ دونوں کلمے ''قانت'' کی ضمیر سے حال ہیں] ﴿یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ﴾ وہ آخرت سے یعنی عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے ﴿وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے یعنی جنت کی اُمید رکھتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے کہ مؤمن کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ وہ خوف اور اُمید کے درمیانی حال پر قائم رہے' وہ اس طرح کہ ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھے اور اپنے عمل پر بھروسا نہ رکھے اور دوسری طرف اپنے عمل میں کوتاہی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے' پھر جب امید ورجاء حد سے بڑھ جائے تو ''امن'' کہلاتی ہے اور جب خوف اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو ''ایاس'' (ناامیدی) کہلاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَO'' (الاعراف:۹۹) ''سو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف و نڈر نہیں ہوتی مگر نقصان اٹھانے والی قومO''۔ ''اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَO'' (یوسف:۸۷) ''بے شک کافروں کی قوم کے ماسوا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس نہیں ہوتاO''۔ پس واجب ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی اپنی حد سے نہ بڑھے ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کیا وہ برابر ہوسکتے ہیں یعنی جو لوگ علم بھی رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں گویا جو شخص علم کے باوجود عمل نہیں کرتا اس کو عالم قرار نہیں دیا جائے گا اور اس میں ان لوگوں کی بہت مذمت ہے جو علوم تو حاصل کرتے ہیں لیکن پھر اطاعت و عبادت اختیار نہیں کرتے اور وہ صرف علوم میں بحث ونظر اور مناظرہ ومجادلہ اور علمی جھگڑوں میں مبتلا رہتے ہیں' پھر دنیا میں مبتلا ہوجاتے ہیں' سو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''جھلاء'' ہیں کیونکہ ''قانتین'' (عبادت گزاروں) کو ''علمآء'' قرار دیا گیا ہے جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں یا پھر تشبیہ مراد ہے یعنی جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں اسی طرح مطیع وفرماں بردار اور عاصی و نافرمان بھی برابر نہیں ہیں ﴿اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ بے شک صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ''الباب''، ''لب'' کی جمع ہے بہ معنی عقل یعنی اللہ تعالیٰ کے وعظ سے صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾

(اے میرے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو‘ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے بہترین اجر ہے‘ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے‘ بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب حساب کے بغیر بھرپور دیا جائے گاO فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اسی کے لیے دین کو خالص کر کےO اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوںO فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو بلاشبہ مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہےO

ایمان اور احسان کی فضیلت

۱۰- ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو [اکثر قراء کے نزدیک ''یا عِبادِ'' بغیر ''یا'' پڑھا گیا ہے (جب کہ بعض کے نزدیک ''یا عبادی'' پڑھا گیا ہے)] ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ تم اپنے رب تعالیٰ کے اوامر واحکام پر عمل کر کے اور اس کے نواہی اور ممنوعات سے اجتناب وپرہیز کر کے اس سے ڈرتے رہو ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بہت اچھا اجر وثواب ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں اطاعت وفرماں برداری اختیار کی [اور ''فی'' کا ''احسنوا'' کے ساتھ تعلق ہے ''حسنۃ'' کے ساتھ نہیں] اس کا معنی یہ ہے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیے‘ ان کے لیے آخرت میں بہترین اور بہت اچھا اجر وثواب ہوگا اور وہ جنت میں جانا ہے [یعنی ''حسنۃ'' موصوف نہیں ہوتی اور علامہ سدی نے ''فی'' کو ''حسنۃ'' کے ساتھ متعلق کیا ہے] اور اس نے ''حسنۃ'' کی تفسیر صحت اور عافیت کے ساتھ کی ہے اور ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے‘ کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ عذر پیش کریں کہ وہ اپنے اپنے وطن میں وافر نیکی کرنے پر قادر نہیں تھے تو انہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تو بہت وسیع اور بہت کشادہ ہے اور اس کے ممالک بہت زیادہ ہیں تو تم دوسرے ممالک کی طرف منتقل ہو جاتے اور غیر ممالک کی طرف ہجرت کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی پیروی اختیار کر لیتے تا کہ تمہاری اپنی نیکیوں میں ایک اور نیکی کا اضافہ ہو جاتا اور تمہاری اپنی عبادت میں ایک اور عبادت کا اضافہ ہو جاتا ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ﴾ بے شک اپنے ممالک سے ہجرت کرنے اور اپنے خاندانوں کو چھوڑنے اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کی خاطر مختلف تکلیفیں جھیلنے اور مصیبتیں برداشت کرنے پر صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب بھرپور دیا جائے گا ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ بے حساب‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس قدر زیادہ اجر دیا جائے گا کہ حساب کرنے والے کا حساب اس کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اسے معلوم کیا جا سکے گا [اور یہ ''اجر'' سے حال ہے یعنی بہت زیادہ ثواب دیا جائے گا]۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عبادت کا حکم

۱۱- ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں‘ اصل میں ''بان اعبد اللّٰہ'' ہے ﴿مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یعنی مجھے اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے دین کے اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲ - ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان میں بنوں اور مجھے اس (دین میں اخلاص اختیار کرنے) کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں یعنی میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان سب سے سابق ومقدم اور اوّل رہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اخلاص ہی کی وجہ سے دین میں سبقت اور اوّلیت حاصل ہوتی ہے' سو جس نے اخلاص اختیار کرلیا وہ سابق واوّل ہو گیا' پس پہلے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا گیا اور دوسرا حکم سبقت کے لیے دیا گیا ہے' پس ان دونوں کی جہتیں مختلف ہونے کی وجہ سے ان کو مختلف مرتبہ پر نازل کیا گیا' سو اس لیے ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کرنا صحیح اور درست ہے۔

۱۳ - ﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (بفرضِ محال) اگر میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے (یعنی) یہ اسے فرمایئے جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ ایک دفعہ قریش کے کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کی طرف نہیں دیکھتے؟ اور آپ کی قوم کے سردار لات اور عزّیٰ کی عبادت کرتے ہیں' پس یہ آیت مبارکہ ان کی تردید کے لیے نازل کی گئی ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

فرما دیجئے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے O سو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو' آپ فرما دیں: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا' خبردار ہو جاؤ! یہی کھلم کھلا نقصان ہے O ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی سائبان ہوں گے' یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! پس تم مجھ ہی سے ڈرو O

۱۴ - ﴿ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں جب کہ میں نے اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرلیا ہے' سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص کر دی اور اپنے دین کو بھی اسی کے لیے خالص کر رکھا ہے' کسی غیر اللہ کے لیے نہیں اور پہلے خبر دی گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبادت کے ساتھ اخلاص کا حکم دیا گیا' سو اس لیے پہلا کلام عین فعل اور اس کے اثبات میں واقع ہوا ہے اور دوسرا کلام اس ذات کے بارے میں واقع ہوا ہے' جس کے لیے یہ فعل کیا جاتا ہے اور اس لیے اس پر (درج ذیل) ارشاد مرتب کیا گیا ہے۔

آخرت کا خسارہ کفار کے لیے ہے

۱۵- ﴿ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ سوتم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو (لیکن میں تو صرف اسی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا رہوں گا) اور یہ حکم کفار کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اور اظہارِ غضب کے لیے دیا گیا ہے کیونکہ انہیں کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اپنے بڑوں کے دین کی مخالفت کی تو یقیناً آپ خسارے اور نقصان میں رہیں گے تو ان کے ردّ میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ﴿ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے یعنی کامل و مکمل خسارے اور نقصان میں وہ لوگ ہیں جو خسارے کی وجوہ اور اسباب کے جامع اور حامل ہیں ﴿ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ جنہوں نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں ہلاک کر کے دائمی خسارے میں ڈال دیا ﴿ وَاَهْلِیْهِمْ ﴾ یعنی اور جنہوں نے اپنے گھر والوں کو خسارے اور نقصان میں ڈال دیا ﴿ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن کیونکہ انہوں نے اپنے گھر والوں کو گمراہ کیا تھا' سو اس لیے وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ان کفار کے خسران و نقصان کو انتہائی قبیح وصف کے ساتھ بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴾ خبردار! یہی واضح اور کھلم کھلا خسران و نقصان ہے' [کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو پہلے حرف تنبیہ کے ساتھ شروع کیا' پھر مبتدا اور خبر کے درمیان "ھو" ضمیر کے ساتھ فاصلہ کیا اور پھر "الخسران" کو معرفہ بیان کیا اور اس کی صفت "المبین" لایا] اور یہ اس لیے کہ اس نے جنت کے بدلے میں دوزخ کی آگ کو حاصل کیا اور جنت کے بہترین درجات کے بدلے میں دوزخ کے درکات (طبقات) کو حاصل کیا۔

۱۶- ﴿ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ ﴾ ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور کثیف و غلیظ آگ کے دھواں دار بادل ہوں گے ﴿ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ﴾ اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور یہ دوسرے سائبان ہوں گے یعنی آگ انہیں چاروں اطراف سے گھیر لے گی ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ جو آگ کا وصف بیان کیا گیا ہے یا یہ جو سائبان ہیں ﴿ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ﴾ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اس کے مناہی اور ممنوعات سے بچیں ﴿ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴾ اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرو اور اس کے پیچھے نہ پڑو جو میری ناراضگی کا موجب ہو' اللہ تعالیٰ نے انہیں دوزخ کی آگ سے ڈرایا' پھر انہیں اپنی ذات سے ڈرایا۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۚ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے رہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوش خبری ہے' سو آپ میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں O جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس کی سب سے اچھی چیز کی پیروی کرتے ہیں'

یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ عقل والے ہیں O سو کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی' تو کیا آپ اس شخص کو بچالیں گے جس پر آگ میں جانا واجب ہو چکا ہے O لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O

شیطان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی شان

۱۷- ﴿وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور جو لوگ شیطان سے بچتے رہے۔ ''طاغوت'' سے شیاطین مراد ہیں [یہ ''فعلوت'' کے وزن پر ہے اور ''طغیان'' سے ماخوذ ہے جیسے ''ملکوت'' اور ''رحموت'' ہے مگر اس میں قلب ہے کہ لام کلمہ عین کلمہ پر مقدم ہے' یہ شیطان پر بھی بولا جاتا ہے اور شیاطین پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ ''طاغوت'' مصدر ہے اور اس میں مبالغہ ہے اور یہ مصدر کے نام پر ہے' گویا شیطان بعینہٖ ''طغیان'' ہے اور اس کی بناء مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ''رحموت'' کا معنی ہے: وسیع رحمت اور ''ملکوت'' کا معنی کشادہ اور بڑا ملک اور قلب صرف اختصاص کے لیے ہے کیونکہ یہ غیر شیطان پر نہیں بولا جاتا اور یہاں اس سے جمع مراد ہے اور ''الطواغیت'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿اَنْ یَّعْبُدُوْهَا﴾ [یہ ''الطاغوت'' سے بدل الاشتمال ہے] یعنی وہ لوگ اس (شیطان) کی عبادت سے بچتے رہے ﴿وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا' ان کے لیے خوش خبری ہے' یہ اجر وثواب کی خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ملاقات کر کے انہیں خوش خبری سنائیں گے اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس وقت بھی فرشتے انہیں خوش خبری سنائیں گے ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ تو میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں۔

۱۸- ﴿الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ جو بڑے غور سے بات کو سنتے ہیں' پھر اس کی سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں' یہ وہی لوگ ہیں جو شیطانوں کی عبادت سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور مائل رہے اور یہ لوگ اس لیے مراد ہیں کہ یہ اجتناب اور انابت کے ساتھ اس (سماعت واتباع) کی صفت پر قائم ہیں' [سو اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے] مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دین میں بڑے کھرے ہیں جو حسن اور احسن اور فاضل اور افضل میں فرق کرتے ہیں' چنانچہ جب ان کے سامنے دو عمل پیش کیے جائیں ایک واجب اور ایک مستحب' تو وہ واجب کو اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح مباح اور مستحب میں سے مستحب کو اختیار کرتے ہیں' غرضیکہ وہ ہر اس عمل کے خواہش مند رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب حاصل کرنے کا زیادہ ذریعہ بنتا ہے اور جس پر ثواب بہت ملتا ہو یا یہ کہ وہ قرآن وغیرہ سنتے ہیں یا غیر کی بجائے قرآن مجید کی پیروی کرتے ہیں یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنتے ہیں تو ان میں سے بہتر پر عمل کرتے ہیں' جیسے قصاص اور عفو میں سے عفو کو اختیار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یا وہ قوم کے ساتھ باتیں سنتے ہیں جن میں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی ہوتی ہیں تو وہ اچھی باتیں لوگوں سے بیان کرتے ہیں اور بُری باتوں سے رُکے رہتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ ہی عقل مند ہیں یعنی یہی لوگ اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

۱۹- ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ﴾ سو کیا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپ اسے بچالیں گے جس پر دوزخ کی آگ میں جانا لازم ہو چکا ہے۔ اصل کلام یوں ہے: کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت یعنی واجب ہو چکی ہے تو آپ اسے بچالیں گے [یہ جملہ شرطیہ ہے جس پر انکار کا ہمزہ داخل ہے اور حرف

''فا''جزاء کا''فا''ہے پھر شروع میں وہ''فا''داخل کیا گیا ہے جو محذوف پر عطف کے لیے ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''ءانت مالك امرھم فمن حق علیه العذاب فانت تنقذہ؟''] کیا آپ ان کے معاملہ کے خود مالک ہیں سو جس پر عذاب واجب ہو چکا ہو تو آپ اسے بچا لیں [اور دوسرا ہمزہ وہی پہلا ہے جسے انکار کے معنی کی تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور''من فی النار''کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے یعنی''تنقذہ''ہے پس یہ آیت کریمہ اس بناء پر ایک جملہ ہے] یا اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات واجب ہو چکی ہے وہ اس سے نجات پالے گا اور آپ اسے چھڑا لیں گے یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور پہلے سے اس کے علم میں ہو کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے تو اسے بچانے کی کوئی قدرت واختیار نہیں رکھتا۔

۲۰- ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں یعنی جنت میں ان کے لیے عالی شان بلند و بالا محلات ہیں اور ان کے اوپر ان سے بھی اونچے عالی شان محلات تعمیر کیے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے لیے دوزخ میں آگ کے بلند و بالا سائبان ہوں گے اور ڈرنے والوں اور پرہیزگاروں کے لیے جنت میں عالی شان محلات ہوں گے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں یعنی ان کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ [''وعد''مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ''لھم غرف''کا معنی ہے:''وعدھم اللّٰہ ذالك''یعنی اللہ تعالیٰ ان سے اس کا وعدہ کر چکا ہے]۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کر دیتا ہے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پھر وہ سوکھ جاتی ہے سو آپ اسے زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O

۲۱- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے یعنی بارش برساتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ زمین میں ہر پانی پس وہ آسمان ہی سے ہے کیونکہ بارش کا پانی آسمان سے پہاڑوں پر نازل ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے تقسیم کر دیتا ہے ﴿فَسَلَكَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ بارش کے پانی کو داخل کر دیتا ہے ﴿يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ زمین کے چشموں میں اور وادیوں میں اور ایسی جگہوں میں جہاں سے پانی نکلتا ہے جیسے جسموں میں رگیں ہوتی ہیں [اور''ینابیع''حال کی بناء پر منصوب ہے یا ظرف کی بناء پر اور''فی الارض''''ینابیع''کی صفت ہے] ﴿ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے یعنی پانی کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں (یعنی) اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں سبز اور سرخ اور زرد اور سفید یا اس کی اقسام مختلف ہوتی ہیں گندم جو کشمش اور اس کے علاوہ دیگر زمینی پیداوار ﴿ثُمَّ يَهِيْجُ﴾ پھر وہ خشک ہو کر سوکھ جاتی ہے ﴿فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ پس اس کی

تروتازگی اور خوب صورتی کے بعد اس کو آپ زرد اور پیلا دیکھیں گے ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیتا ہے' "حطام" کا معنی ہے کہ پودے وغیرہ کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دینا اور اسے ریزہ ریزہ کر دینا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک پانی کے نازل کرنے میں اور کھیتی کے نکالنے میں ﴿لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ضرور عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے' یہ ضرور یاد دہانی اور تنبیہ ہے کہ ایک صانع اور حکیم کا ہونا ضروری ہے اور بے شک یہ سب کچھ اسی صانع اور حکیم کی تقدیر اور تدبیر سے معرضِ وجود میں آ رہا ہے' یہ سب بے کار و بے فائدہ نہیں ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے' پس وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے نور پر ہے (اس جیسا ہو جائے گا جو سنگ دل کافر ہے) سو ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے جس کا کلام ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے' جس سے ان کے چمڑوں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے چمڑے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے لیے نرم ہو جاتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں O

مسلم و کافر برابر نہیں ہو سکتے

۲۲۔ ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے یعنی اس کا سینہ کشادہ کر دیا ہے اور اس نے ہدایت اختیار کر لی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرح صدر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے دل میں نورِ ہدایت داخل ہوتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے' پھر آپ سے عرض کی گئی کہ اس کی کوئی علامت اور نشانی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! دائمی گھر آخرت کی طرف رجوع کرنا' دھوکے کے گھر دنیا سے دور ہو جانا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا[1] ﴿فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (ہدایت) پر ہے (یعنی) وہ بیان اور بصیرت پر ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور اس نے ہدایت قبول کر لی ہے' اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے

[1] رواه الترمذي الحكيم في نوادر الاصول رقم الحديث: ۷۶۱' تفسیر ابن کثیر ج ۱۲ ص ۱۸۰۔۱۸۱' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۵۵' تنبیہ الغافلین للسمرقندی ص ۷۶۔۳۔

مہر لگادی' سو اس کا دل سخت ہو گیا ہے' سو اس کلام کو حذف کر دیا ہے کیونکہ اس پر درج ذیل کلام دلالت کر رہا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پس ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب یعنی جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے یا اس کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سختی اور سنگ دلی کا اضافہ ہو جاتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:۱۲۵) ''سو ان کی نجاست پر اور نجاست بڑھا دی'' ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں جن کی سرکشی ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی فضیلت وتاثیر کا بیان

۲۳- ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا﴾ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آغاز اور اس پر ''نَزَّلَ'' کی بناء محض ''احسن الحدیث'' کی عظمت وشان بڑھانے کے لیے ہے [''کتابا''، ''احسن الحدیث'' سے بدل ہے یا اس سے حال ہے] ﴿مُّتَشَابِهًا﴾ سچ میں اور بیان میں اور وعظ ونصیحت میں اور حکمت ودانائی' فصاحت وبلاغت میں اور اعجاز وغیرہ میں اس کی آیات ایک دوسری سے ملتی جلتی اور ایک جیسی ہیں ﴿مَّثَانِيَ﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) بار بار دہرائی جاتی ہے کیونکہ اس کے قصے اور اس کی خبریں اور اس کے احکام اور اس کے اوامر اور اس کے نواہی اور اس کے وعدے اور اس کی وعیدیں اور اس کے مواعظ کو کئی بار دہرایا جاتا ہے' سو یہ قرآن مجید کے ''متشابہ'' ہونے کا بیان ہے کیونکہ اس کے دہرائے جانے والے اور بار بار بیان کیے جانے والے قصے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا: اس کلام پاک کو نماز میں بار بار تلاوت کر کے دہرایا جاتا ہے لیکن اس سے کوئی ملال اور اکتاہٹ نہیں ہوتی [اور واحد کو جمع کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ کتاب تفاصیل والا مجموعہ ہے اور کسی چیز کی تفاصیل اس کا مجموعہ ہوتی ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم کہتے ہو کہ قرآن مجید سات حصوں والا اور سورتوں اور آیتوں والا ہے' سو اسی طرح تم یہ کہہ سکتے ہو کہ قرآن مجید کے قصے اور احکام اور مواعظ کو بار بار بیان کیا جاتا ہے لہٰذا ''مثانی'' جمع ''کتاب'' واحد کی صفت ہے اور یہ ''مثنی'' کی جمع ہے یا تمیز کی بناء پر منصوب ہے' یہ ''متشابها'' کی تمیز ہے جیسے تم کہو کہ ''رایتُ رجلًا حسنا شمائل'' میں نے ایک خوب صورت خصلتوں والے آدمی کو دیکھا ہے' اور معنی یہ ہے کہ یہ ایک جیسا دہرایا جانے والا کلام ہے] ﴿تَقْشَعِرُّ﴾ کانپنے اور لرزنے لگتے ہیں ﴿مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اس کی تلاوت سن کر ان لوگوں کے چمڑوں کے رونگٹے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' جب بدن اور جسم بہت سخت بے قابو ہو کر اُچھلنے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''اقشعرّ الجلد'' کہ بدن سخت کانپنے لگا اور اس کا معنی یہ ہے: جب متقی حضرات قرآن مجید کی تلاوت سنتے ہیں اور اس کی وعید کی آیات سنتے ہیں تو ان پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی طاری ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے ان کے جسم اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے کسی مسلمان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس سے اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں[1] ﴿ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پھر ان کے چمڑے' بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتے ہیں یعنی جب رحمت کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چمڑے اور ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور ان سے وہ خوف وڈر زائل اور ختم ہو جاتا ہے جو انہیں پہلے لاحق تھا [اور یہاں فعل کو حرف ''اِلٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا

1 مجمع الزوائد ج۱۰ص ۳۱۰

کہ یہ فعل حرف ''الٰی'' کی وجہ سے فعل متعدی کے معنی کا حامل ہو جاتا ہے] گویا کہا گیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مطمئن اور نرم ہو جاتے ہیں' ان میں گھٹن نہیں رہتی اور رحمت کا ذکر کیے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اس لیے اکتفاء کیا گیا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر چکی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اصل ہے' اس لیے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا تو دل میں صرف یہی خیال آئے گا کہ وہ رؤف اور رحیم ہے اور پہلے صرف ''جلود'' کا ذکر کیا گیا' پھر اس کے متصل دوبارہ ''قلوب'' کا ذکر کیا گیا کیونکہ خشیت کا محل ''قلب'' یعنی دل ہے' پس خشیت کا ذکر ''قلوب'' کے ذکر کو متضمن ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کتاب کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کتاب ﴿هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور ان بندوں میں سے یہ ہدایت پانے والے وہ لوگ ہیں جن کا ہدایت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آ چکا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے یعنی اس میں ضلالت و گمراہی کو پیدا کر دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ تو اس کو حق کی طرف کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

سو کیا وہ شخص جو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا (وہ جنتی کی طرح ہو سکتا ہے)' اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم (دنیا میں) کمایا کرتے تھے O ان سے پہلے جن لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تھا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا تھا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا O سو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں انہیں ذلت کا مزہ چکھایا' اور آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہے' کاش! وہ جانتے O

جنتی اور دوزخی برابر نہیں

۲۴- ﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پس کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا' وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو عذاب سے مامون و محفوظ ہے [پھر خبر کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس کے نظائر میں حذف کیا گیا ہے] اور ''سوء العذاب'' سے سخت ترین اور بدترین عذاب مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی انسان خوف ناک چیزوں میں سے کسی خوف ناک اور خطرناک چیز کا سامنا کرتا ہے تو وہ اس کا اپنے ہاتھ سے دفاع کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے چہرے کو بچا لے کیونکہ یہ تمام اعضاء میں سے اہم ترین اور عزیز ترین عضو ہے اور جس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا' پس وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکے گا مگر صرف اپنے چہرے کے ذریعے جس کو خوف ناک چیز سے کسی اور عضو سے بچاتا تھا اور اس کی حفاظت کرتا رہتا تھا ﴿وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ظالموں سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کی آگ پر مقرر دربان ان سے کہیں گے: ﴿ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے یعنی اب تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔

۲۵ - ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ سو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا (یعنی) ایسی سمت سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا اور نہ ان کے دل میں کبھی تصور آیا تھا کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا' اس دوران میں وہ امن کے ساتھ بڑے آرام اور سکون سے عیاشی میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک ان کی امن کی جگہوں میں عذاب آن پہنچا۔

۲۶ - ﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ﴾ سو انہیں اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا (یعنی) خواری اور پستی جیسے شکلوں کا بگڑ جانا اور زمین میں دھنسا دینا اور قتل و غارت اور جلاوطنی و ملک بدری اور اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مزہ چکھایا گیا ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یہ سارے عذاب انہیں دنیا کی زندگی میں دیئے گئے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور دنیا کے عذاب سے آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہوگا ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ اگر وہ جان لیتے تو ضرور وہ ایمان لے آتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ
مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

ع ۱۰ / ۱

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O یہ قرآن عربی زبان میں ہے' جس میں بالکل کجی نہیں ہے تاکہ وہ ڈریں O اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی ایسا غلام ہے جس کی ملکیت میں کئی جھگڑالو شریک ہیں اور ایک آدمی سالم ایک آدمی کا غلام ہے' کیا وہ دونوں غلام مثال میں برابر ہیں' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں O پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑو گے O

قرآن مجید کی مثالوں کا مقصد نصیحت ہے

۲۷ - ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ دھیان کریں اور نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

۲۸ - ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے [''قُرْاٰنًا''، ''هٰذَا'' سے حال مؤکد ہے کہ ''عَرَبِيًّا'' سے اس کی تاکید کر دی گئی ہے جیسے تم کہو کہ ''جاء نی زید رجلًا صالحًا وانسانًا عاقلًا'' میرے پاس زید آیا جب کہ وہ ایک نیک آدمی اور عقل مند انسان ہے' سو تم نے اس میں ''رَجُلًا'' اور ''اِنْسَانًا'' کو مؤکد کیا ہے یا یہ مدح کے طور پر منصوب ہے] ﴿غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ﴾ بغیر کجی کے ہے (یعنی) یہ قرآن مجید مستقیم اور صحیح و سالم ہے اور ہر قسم کے تناقض اور اختلاف سے پاک

ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے ''غیر ذی عوج'' کی جگہ ''مستقیما'' نہیں فرمایا (حالانکہ یہ مختصر ہے) کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی کجی بھی نہیں ہو سکتی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ''عِـوَج'' سے شک و شبہہ مراد ہے یعنی اس قرآن مجید میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کفر و شرک سے بچیں۔

۲۹- ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی [''رَجُلًا''، ''مَثَلًا'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ جس میں بہت سے لڑاکے جھگڑالو اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے والے شریک ہیں ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا﴾ اور ایک آدمی ایسا غلام ہے جو شرکت سے سلامت ہے [''سَلَمًا'' مصدر ہے ''سَلِمَ'' فعل ہے] اور معنی یہ ہے کہ یہ غلام متعدد آقاؤں کی شرکت سے سلامتی والا ہے ﴿لِّرَجُلٍ﴾ صرف ایک آدمی کا غلام ہے یعنی یہ غلام شرکت سے پاک صرف اسی آدمی کا خالص غلام ہے (اسی طرح مسلمان صرف ایک اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ ہے جب کہ مشرک کئی معبودوں کا مشترک بندہ ہے) [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''سَالِمًا'' ہے] یعنی اسی ایک آقا کا خالص غلام ﴿هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾ کیا وہ دونوں غلام مشترک اور خالص مثال میں برابر ہو سکتے ہیں [''مَثَلًا'' صفت کے معنی میں ہے اور یہ تمیز ہے اور معنی یہ ہے کہ ان دونوں کی صفت اور ان دونوں کا حال برابر ہو سکتا ہے اور جنس کے بیان کی وجہ سے تمیز میں واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اور ''مثلین'' (تثنیہ) بھی پڑھا گیا ہے] ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے' اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں' یہاں ایک کافر کی اور اس کے معبودوں کی مثال بیان کی گئی ہے' ایسے غلام کے ساتھ جس میں بہت سے جھگڑالو آقا شریک ہیں' ان میں سے ہر ایک دعوے دار ہے کہ یہ غلام اسی کا ہے' پس وہ سب اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اپنی اپنی مختلف خدمتوں کے لیے اس کو بلاتے ہیں اور وہ حیران یہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کون اس کی خدمت سے راضی ہے اور وہ اپنی حاجات میں ان میں سے کس پر اعتماد کرے اور ان میں سے اپنا رزق کس سے طلب کرے اور ان میں سے کس سے رحم و کرم کی التماس کرے' پس اس کی توجہ اور ارادہ منتشر ہو گیا ہے اور اس کا دل بکھر گیا ہے اور دوسری طرف مسلمان ہے جو صرف ایک واحد لاشریک آقا کا غلام اور بندہ ہے' پس اس کا مقصود اور مرکز توجہ ایک ہے اور اس کا دل مجتمع ہے۔

اسلام دشمنی پر کفار کی مذمت

۳۰- ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ بے شک آپ کو موت آئے گی یعنی عنقریب آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں اور تخفیف کے ساتھ ''مَیْتٌ'' اس کو کہا جاتا ہے جس پر موت طاری ہو چکی ہو (یعنی مردہ یا جنازہ)' علامہ خلیل نے کہا کہ ابو عمرو نے اشعار پڑھے ہیں:

وتسالنی تفسیر مَیْتٍ ومَیِّتٍ　　فدونك وقد فسرتُ ان كنتَ تعقل

فمن كان ذا روح فذالك مَيِّتٌ　　وما الميتُ الا من الى القبر يحمل

''اور تم مجھ سے ''مَیْت'' (مخفف) اور ''مَیِّت'' (مشدد) کی تفسیر اور وضاحت پوچھتے ہو تو لو میں نے تفسیر کر دی ہے اگر تم عقل مند ہو' سو جو شخص روح والا (زندہ) ہے تو وہ ''مَیِّت'' (عنقریب مرنے والا) ہے اور ''مَیْت'' (مخفف) تو نہیں مگر وہ (مردہ) شخص جس کو قبر کی طرف (دفنانے کے لیے) اٹھا کر لے جایا جاتا ہے''۔

دراصل کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی موت کا انتظار کرتے تھے چنانچہ اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت سب کے لیے عام ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا' لہٰذا کسی کی موت کے انتظار کرنے میں اور فانی کا فانی کی بُرائی چاہنے کا کوئی معنی نہیں (یعنی کوئی فائدہ نہیں) اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی موت کی اطلاع دی اور تمہیں تمہاری موت کی اطلاع دی یعنی آپ اور وہ سب موت کے احاطہ میں ہیں' اس لیے کہ جو چیز ضرور ہونے والی ہوتی ہے پس وہ گویا یقینی طور ہو گئی ہے۔

٣١- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ﴾ پھر بے شک تم یعنی بے شک آپ اور وہ لوگ کفار مکہ' اصل میں ضمیر مخاطب ''کُمْ'' کو ضمیر غائب پر غالب کر دیا گیا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس باہم جھگڑو گے' سوائے محبوب! آپ ان (کفار مکہ) پر حجت پیش فرمائیں کہ آپ نے انہیں یقیناً تبلیغ کی تو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ نے دعوتِ دین میں خوب محنت اور بہت جدوجہد کی لیکن وہ لوگ عناد و نفرت میں مبتلا ہو گئے اور آپ کی بہت مخالفت کی اور وہ قیامت کے دن بے کار اور بے فائدہ عذر اور بہانے پیش کریں گے' چنانچہ پیروکار اور عوام یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت و فرماں برداری کی تھی' سو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا تھا اور ان کے سردار اور بڑے کہیں گے کہ ہمیں شیطانوں نے اور ہمارے پہلے آباء و اجداد نے گمراہ کر دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کہا کہ ہمارا جھگڑا کیسے ہوگا کیونکہ ہم تو تمام صحابہ رسول باہم بھائی بنے ہوئے ہیں' پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو تب انہوں نے کہا کہ یہ ہے ہمارا جھگڑا' اور حضرت ابو العالیہ نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ اہل قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ جھگڑا ان خون ریزیوں' قتل و غارت اور ان مظالم کے بارے میں ہوگا جو ان لوگوں کے درمیان باہم دنیا میں واقع ہوئے تھے' لیکن پہلی وجہ مراد لینا زیادہ بہتر و مناسب ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت میں فرمایا:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ
اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

الجزء ٢٤

سو اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور سچ کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آن پہنچے' کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ۝

٣٢- ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ﴾ سو اس شخص سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ اس آیت کریمہ میں انہیں کا بیان ہے جن کے درمیان قیامت کے دن جھگڑا برپا ہوگا اور ''كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی اور شریک کی نسبت و اضافت کی ہے' اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹا بہتان باندھا ہے ﴿وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ﴾ اور اس نے سچ اور حق کو جھٹلا دیا (یعنی) اس نے ایسے پیغام کو جھٹلایا جو بذاتِ خود عین صدق ہے یعنی بعینہٖ حق سچ ہے اور یہ وہ پیغام ہے' جس کو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ﴿اِذْ جَآءَهٗ ؕ﴾ جب وہ پیغام اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے اچانک یک دم جھٹلا دیا اور اس نے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کا اہتمام کیے بغیر اور غور و فکر اور سوچ بچار کیے بغیر جوں ہی وہ پیغام سنا تو بغیر کسی وقفہ کے فوراً جھٹلا دیا جیسا کہ انتقام لینے والے لوگ

جونہی کچھ سنتے ہیں تو فوراً ردِّعمل کر دیتے ہیں ﴿ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴾ کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے' یعنی ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا اور حق اور سچ کو جھٹلا دیا' دوزخ میں ٹھکانا ہے اور ''للکافرین'' کے لام تعریف میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ لَہُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿ۚۖ۳۴﴾ لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا وَیَجۡزِیَہُمۡ اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ وَیُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿ۚ۳۶﴾ وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جو یہ سچ لے کر تشریف لایا اور جس جس نے اس کی تصدیق کی وہ سب پرہیزگار ہیںO ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہےO تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے وہ بُرے کام مٹا دے جو انہوں نے کیے تھے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر و ثواب عطا فرما دے جو وہ کرتے تھےO کیا اللہ تعالیٰ بندے کے لیے کافی نہیں' اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور خداؤں سے ڈراتے ہیں' اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیںO اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں' کیا اللہ تعالیٰ غالب بدلہ لینے والا نہیںO

اسلام دوستی پر صحابہ کرام کی فضیلت

۳۳- ﴿ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ ﴾ اور جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں' آپ ہی حق لے کر تشریف لائے اور سب سے پہلے اس پر خود ہی ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی' سو اس لیے اس حق اور سچ کی تصدیق کرنے والوں سے آپ خود اور آپ کے تمام پیروکار مراد ہیں' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اور آپ کی تمام پیروکار قوم مراد ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَO'' (المؤمنون:۴۹) ''اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تاکہ وہ سب ہدایت پر چلیںO'' ﴿ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴾ یہی متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں' اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ'' سے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور ''وَصَدَّقَ بِہٖ'' سے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک جو سچ لے کر تشریف لائے' وہ حضرت محمد رسول اللہ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی' وہ مؤمنین (صحابہ کرام) مراد ہیں اور یہ سب صحیح ہے'

اسی طرح مفسرین نے فرمایا[اور عربیت میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ''جَآءَ'' اور ''صَدَّقَ'' دونوں کا ایک فاعل ہونا چاہیے کیونکہ تغائر ''الذی'' کے اضمار کا تقاضا کرتا ہے اور یہ جائز نہیں یا قبل الذکر اضمارِ فاعل لازم آئے گا اور یہ بھی قیاس سے بہت دور ہے]۔

٣٤'٣٥۔﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے یہی نیکیاں کرنے والوں کا صلہ اور انعام ہے O تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ بُرائی دور کر دے جو انہوں نے کی اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر وثواب عطا فرمادے جو عمل وہ کرتے تھے [''اسوا'' اور ''احسن'' کی اضافت کسی چیز کی بغیر تفصیل کے اپنے بعض کی طرف اضافت کرنے کے قبیل سے ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ ''اشج'' بنی مروان میں سے سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے]۔

٣٦۔﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''عبادہ'' ہے یعنی کیا اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور مؤمنوں کو کافی نہیں اور یہ (درج ذیل ارشاد کی) طرح ہے: ''اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝'' (الحجر:٩٥) ''بے شک ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں O'' نفی کے کلمہ پر ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کفایت کے اثبات کے معنی اور اس کی تقریر کا افادہ حاصل ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے لیے کافی ہے] ﴿ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ ﴾ اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے خداؤں سے ڈراتے ہیں یعنی وہ آپ کو بتوں سے ڈراتے ہیں' جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ قریشِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: بے شک ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ہمارے معبود آپ کو ہلاک نہ کر دیں اور ہمیں یہ بھی خوف ہے کہ آپ پر کوئی مصیبت نہ آ جائے کیونکہ آپ ان کے عیب بیان کرتے ہیں ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔

٣٧۔﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دیتا ہے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہوتا ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور منع کرنے والا نہیں ﴿ ذِي انْتِقَامٍ ﴾ وہ انتقام لینے والا ہے' جو اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور اس میں قریش مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے اور مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ان کفار سے ضرور انتقام لے گا اور کفار کے خلاف مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کفار بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ

اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ۴

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے' تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے' آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کرسکیں گے یا وہ اگر مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکیں گے' آپ فرمادیں: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں O آپ فرمادیں: اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کررہا ہوں' سوعنقریب تم جان لوگے O کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا O بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت قبول کرلی تو اپنے ہی فائدے کے لیے قبول کی' اور جس نے گمراہی اختیار کرلی تو بے شک وہ گمراہی صرف اسی پر پڑے گی' اور آپ ان پر نگران نہیں O

کفارِ مکہ کے لیے تنبیہات

۳۸ - ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا ہے)' آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو' اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر اور نقصان پہنچانا چاہے' بیماری یا فقر و فاقہ یا اس کے علاوہ کوئی اور مصیبت ﴿هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ﴾ تو کیا وہ (بت) اس کے ضرر کو دور کرسکیں گے یعنی اس کی سختی کو مجھ سے دور کردیں گے ﴿اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ﴾ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے' صحت و تندرستی دے دے یا غنی کردے یا ان دونوں کی طرح کوئی اور بھلائی عطا کردے ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ تو کیا وہ (بت) اس کی رحمت کو روک سکیں گے [''ان ارادنی اللّٰہ'' میں قاری حمزہ کوفی کے سوا باقی سب نے ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے اور ''کاشفاتُ ضرہ'' اور ''ممسکات رحمتہ'' میں ''کاشفات'' اور ''ممسکات'' کی ''تا'' پر اصل کی بناء پر ابوعمرو بصری کی قراءت میں تنوین ہے] اور آپ کے لیے مسئلہ فرض کیا گیا کہ اگر آپ سوال کریں' ان کے لیے فرض نہیں کیا گیا کیونکہ انہیں لوگوں نے آپ کو بتوں کی طرف سے ضرر و نقصان اور ہلاکت پہنچنے سے ڈرایا تھا' سو اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ پہلے ان پر یہ بات پختہ کرکے ثابت کردیں کہ تمام جہان کا خالق اکیلا اللہ تعالیٰ ہے' پھر اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد ان سے فرمائیں کہ اگر تمام جہانوں کا خالق جس کا تم نے بھی اقرار کرلیا ہے' مجھے نقصان پہنچانا چاہے یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا تم اس کے خلاف کرنے کی قدرت و اختیار رکھتے ہو' پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں خاموش کرادیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن سکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما

دیجئے کہ بتوں کے نقصان سے بچانے کے لیے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ توکل وبھروسا کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے کافروں سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ''قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ'' فرمائیے: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ'' فرمانے کے بعد بتوں کے لیے ''كَاشِفَات'' اور ''مُمْسِكَات'' مؤنث کے کلمات بیان فرمائے کیونکہ ان کے بت مؤنث (مادہ) تھے اور وہ لات' عزیٰ اور مناۃ ہیں اور دراصل اس میں ان کفار کا اور ان کے معبودوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

٣٩'٤٠- ﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ (یعنی) جس حال پر تم قائم ہو اور تم عداوت و دشمنی کی جس سمت پر جم چکے ہو [اور ''مكانة'' بہ معنی مکان ہے' سو ''مكانة'' معنی کے لیے مستعار ہے جیسا کہ یہاں مستعار لیا گیا ہے اور ''حيث'' زمان کے لیے مستعار لیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں مکان کے لیے ہیں] ﴿اِنِّيْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں'' اى على مكانتى ''یعنی میں اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں اور اس کو اختصار کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں زیادہ سخت وعید ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ کی حالت دن بہ دن روزانہ قوت میں بڑھتی جارہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا حامی و ناصر اور آپ کا زبردست مددگار ہے' کیا تم نے اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر ذلت ناک عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل و رسوا کر دے گا اور کس پر قائم و دائم (ہمیشہ رہنے والا) عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو کیسے ڈرایا اور دھمکایا کہ ان کے خلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھرپور مدد کی جائے گی اور آپ کو ان پر دنیا و آخرت دو جہانوں میں غالب و فاتح اور عالی و کامیاب و کامران رکھا جائے گا کیونکہ جب ان کفار پر ذلت و رسوائی اور عذاب آئے گا تو یہی آپ کی عزت و غلبہ ہے' اس اعتبار سے کہ کسی کے لیے غلبہ تب مکمل ہوتا ہے جب اس کے دوست و احباب کو عزت و احترام ملے اور اس کے دشمن ذلیل و خوار ہو جائیں [اور ''يخزيه''، ''مقيم'' کی طرح عذاب کی صفت ہے' یعنی اسے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور وہ غزوۂ بدر کا دن مراد ہے اور دائمی عذاب سے دوزخ کا عذاب مراد ہے اور ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ''مكاناتكم'' ہے]۔

٤١- ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا ہے ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کی خاطر اور قرآن مجید کی طرف ان کی حاجات و ضروریات کی خاطر تاکہ انہیں خوش خبری سنائی جائے اور انہیں ڈرایا جائے جس سے گناہوں پر اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کے لیے ان کے دواعی اور اسباب مضبوط و مستحکم ہو جائیں گے ﴿بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ﴾ مبنی برحق کتاب ہے' سو جس نے ہدایت قبول کر لی تو اس نے اپنے فائدے ہی کے لیے قبول کی (یعنی) سو جس نے ہدایت اختیار کر لی تو اس نے اپنے آپ کو ہی نفع اور فائدہ پہنچایا ﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ﴾ اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تو اس گمراہی کا وبال صرف اسی پر پڑے گا (یعنی) اور جس نے گمراہی کو اختیار کر لیا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا ﴿وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور آپ ان پر نگران و محافظ نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں خبر دی کہ وہ ہی ان پر قادر ہے اور وہی ان کا محافظ و نگران ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے' پھر جس پر موت کا حکم جاری ہو گیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مقرر مدت تک چھوڑ دیتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور سفارشی بنا رکھے ہیں' فرمایئے : اور کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں O فرما دیجئے کہ تمام سفارش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت و حفاظت اور بتوں کی بے بسی کا بیان

۴۲- ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾ اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ ''الانفس'' سے ارواح مراد ہیں اور ''توفی'' سے ان پر موت طاری کرنا مراد ہے اور موت یہ ہے کہ کسی شخص کی وہ روح نکال لی جائے جس کے ساتھ اس کی حیات' حرکت' احساس اور ادراک یعنی فہم و فراست قائم تھی [1]

﴿وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ اور جس روح کے بدن پر موت کا وقت نہیں آیا' اس کی روح نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے اور ان ارواح کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے جن کے ابدان پر موت نہیں آئی یعنی نیند کے وقت ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے محض سونے والوں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کیونکہ سونے والے نیند کی حالت میں چیزوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ ان میں وہ کوئی تصرف کر سکتے ہیں جیسا کہ خود مردے بھی اسی طرح ہوتے ہیں اور اسی سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ'' (الانعام:۶۰) ''اور وہی (اللہ) ہے جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے'' ﴿فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان ارواح کو روک لیتا ہے جن کے ابدان پر وہ حقیقی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے یعنی ان ارواح کو ان کے جسموں میں زندہ رکھنے کے لیے واپس نہیں لوٹاتا ﴿وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى﴾ اور

[1] اس روح کو نفس حیات' نفس روح اور روحِ سلطانی کہا جاتا ہے' اس کے نکل جانے پر موت کبریٰ' موتِ حقیقی اور موتِ دائمی واقع ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے حیات' حرکت' احساس اور ادراک ختم ہو جاتا ہے جب کہ نیند کی حالت کے وقت نکلنے والی روح کو نفس تمیز' نفس عقل' نفس ناطقہ اور روحِ سیلانی کہا جاتا ہے' اس کے نکل جانے پر موتِ صغریٰ' موتِ مجازی اور عارضی موت طاری ہو جاتی ہے' جس میں حیات' حرکت' احساس اور ادراک قائم رہتے ہیں' صرف نیند کے غلبہ کی وجہ سے عارضی طور پر ہوش و حواس معطل ہو جاتے ہیں' اس لیے امتیاز اور تصرف کی قوت قائم نہیں رہتی۔ غوثوی

دوسری روح کو چھوڑ دیتا ہے (یعنی) سونے والی روح کو چھوڑ دیتا ہے ﴿اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ مقررہ مدت تک (یعنی) موت آنے کی مقررہ مدت تک اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "اللّٰہ یتوفی الانفس" کا معنی یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان ارواح کو پوری طرح لے لیتا ہے اور ان کو قبض کر لیتا ہے اور یہ وہ "انفس" ہیں جن کے ساتھ حیات اور حرکت قائم رہتی ہے" ویتوفی الانفس (التی لم تمت فی منامها)" اور جن اشخاص کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا' اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے اور یہ انفسِ تمیز ہیں' مفسرین کرام نے فرمایا کہ سو جس کی روح کو نیند میں قبض کیا جاتا ہے وہ نفس تمیز ہے' نفس حیات نہیں ہے کیونکہ جب نفس حیات جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی سانس بھی ختم ہو جاتی ہے حالانکہ سونے والا سانس لیتا ہے اور دراصل ہر انسان کے دو نفس ہیں' ان میں سے ایک نفسِ حیات ہے اور یہ وہ روح ہے جو موت کے وقت بدن سے الگ ہوتی ہے اور دوسری روح نفس تمیز ہے اور یہ وہ روح ہے جو نیند کے وقت بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور مفسرین کرام نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ہر انسان میں دو چیزیں ہوتی ہیں' ایک نفس دوسری روح' ان دونوں کے درمیان ایسا رشتہ باقی رہتا ہے جیسا کہ سورج اور اس کی شعاع کے درمیان باقی رہتا ہے' پس نفس تو وہ ہے جس کے ساتھ عقل اور تمیز قائم ہوتی ہے اور روح وہ ہے جس کے ساتھ سانس اور حرکت قائم رہتے ہیں' سو جب بندہ سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نیند کے وقت اگرچہ روح خارج ہو جاتی ہے لیکن اس کی شعاعیں جسم میں باقی رہتی ہیں' سو وہ انہیں کی وجہ سے خواب دیکھتا ہے' پھر جب اسے نیند سے بیدار کیا جاتا ہے تو اس کی روح ایک لمحہ میں فوراً جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ سونے والے کی روح جب آسمان میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں جو خواب دیکھتی ہے تو وہ خواب سچے ہوتے ہیں اور جب اس کی روح کو واپس چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس کے بعد جو خواب دیکھتی ہے وہ جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ وہ شیطان کے القاء ہوتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بے شک زندوں کی روحیں اور مردوں کی روحیں خواب میں ایک دوسرے سے باہم ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہو کر گفتگو کرتی ہیں' جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے' اس کی روح کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ان کے اپنے اجسام کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہے' جب تک ان کی زندگی کی مدت ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بے شک نیک مسلمانوں کی روحیں نیند کے دوران آسمان میں چڑھ جاتی ہیں' پھر ان میں سے جو پاک (یعنی باوضو اشخاص کی روحیں) ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور جو روحیں پاک نہیں ہوتیں' انہیں وہاں سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مرنے والوں اور سونے والوں کی روحوں کے قبض کرنے میں اور پھر ان کے روکنے میں اور ان کے چھوڑنے میں مدتِ حیات تک ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم پر نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور ان میں اپنے افکار اور اپنی سوچوں کو دوڑاتے اور گھماتے ہیں اور ان سے عبرت اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

۴۳- ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے (یعنی) کیا قریشِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم بغیر از خود اپنی طرف سے اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے

اپنے بتوں کے بارے میں کہا تھا کہ "هٰـؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ" (یونس:۱۸) "یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے" حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا ﴿ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (اے محبوب! ان سے) فرما دیجئے کہ کیا اگر چہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ عقل رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شفاعت کریں گے اگر چہ وہ ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ان کے پاس عقل ہے۔

٤٤- ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام شفاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے' سو اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا [" جميعا " حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لیے ہے وہی سب کا مالک ہے۔ یہ کلام "لِلّٰـهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا" کی تقریر اور تاکید ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک اور بادشاہ ہے تو شفاعت وسفارش کا مالک بھی وہی ہے' اس لیے کہ ہر چیز میں یہ بھی شامل ہے اور اس کی ملک میں داخل ہے ﴿ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' یہ بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی آج بھی اسی کی ہے' پھر قیامت میں بھی تم سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے' سو اس دن بھی صرف اسی کی بادشاہی ہوگی تو دنیا اور آخرت دونوں کی بادشاہی اسی کے لیے ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان (کے بتوں) کا ذکر کیا جائے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں O عرض کیجئے: اے میرے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غائب اور ظاہر کے خوب جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O

٤٥- ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ ﴾ اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس معنی کا دارومدار وحدہٗ پر ہے یعنی جب صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تو ﴿ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ان کے دل متنفر اور تنگ ہو جاتے ہیں ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی جب ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے خواہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے یا اس کا ذکر نہ کیا جائے تو ﴿ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے بتوں کی محبت میں فریفتہ ہو چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کہا جاتا ہے تو وہ لوگ نفرت کرتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اس کلمہ میں ان کے معبودوں کی نفی کی گئی ہے اور "استبشار" اور "اشمئزاز" دونوں ایک

دوسرے کے مدمقابل اور ایک دوسرے کے متضاد ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے معنی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے' پس ''استبشار'' یہ ہے کہ جس کو بشارت سنائی گئی ہے اس کا دل سرور وخوشی سے خوب بھر جائے یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس خوشی کے سبب کھل اٹھے اور خوشی کے آثار چمک اٹھیں اور ''اشمئزاز'' یہ ہے کہ اس کا دل غم ورنج اور غضب وغصہ سے بھر جائے یہاں تک کہ اس کے چہرے کے چمڑے پر انقباض ونفرت ظاہر ہو جائے [''اذا ذکر'' میں جو عامل ہے وہی ''اذا مفاجاۃ'' کا عامل ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وقت ذکر الذین من دونه فاجووا وقت الاستبشار'' یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اس وقت اچانک خوش ہو جاتے ہیں]۔

۴۶۔﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (اے محبوب!) عرض کیجئے: اے میرے اللہ! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! [یعنی ''یا فاطِرَ'' ہے اور یہ وصف نہیں جیسا کہ مبرد اور فراء نے کہا ہے] ﴿عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب وحاضر کے جاننے والے (یعنی) پوشیدہ اور نہاں کے اور اعلانیہ اور عیاں کے جاننے والے ﴿اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے جن اُمور میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ ہدایت اور گمراہی کے بارے میں اور بعض نے کہا کہ یہ محاکمہ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشرکین کے خلاف پیش کیا جائے گا اور حضرت ربیع بن مسیب نے فرمایا: میں کوئی آیت مبارکہ ایسی نہیں جانتا جس کی میرے سامنے تلاوت کی گئی اور اس کا مطلب پوچھا گیا ہو مگر میں نے اس کا جواب دیا ہے ماسوا اس آیت مبارکہ کے۔

حضرت ربیع بن خثیم کے متعلق مروی ہے کہ وہ بہت کم کلام کرتے تھے' جب انہیں سیّدنا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو لوگوں نے کہا: اب ضرور بولیں گے تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا' صرف یہ کہا: آہ! کیا واقعی ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا ہے' اور یہی آیت مبارکہ پڑھی اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا: کیا اس امام عالی مقام کو شہید کر دیا گیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ خود اپنی گود میں بٹھایا کرتے تھے اور ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر چوما کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹

اور اگر ظالموں کے لیے زمین کا تمام سامان اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور سامان بھی ہوتا تو وہ قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دیتے' اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہو گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے ○ اور انہوں نے جو کمایا اس کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہی (عذاب) گھیر لے گا

جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں' تو کہتا ہے: یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کی گئی ہے' بلکہ یہ تو آزمائش ہے' اور لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O

مظالم کی وجہ سے ظالموں کے انجام کا بیان

۴۷- ﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اگر بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا وہ سب ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی مل جائے [''ہ'' ضمیر کلمہ ''ما'' کی طرف لوٹتی ہے] ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ تو وہ لوگ قیامت کے دن بُرے عذاب (یعنی) اور اس کی سختی سے بچنے کے لیے وہ سب کچھ فدیہ دے دیں گے ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی اور اس کا شدید عذاب ظاہر ہوگا جو ان کے گمان و خیال میں بھی کبھی نہیں آیا تھا اور نہ ان کے ذہنوں نے اس کے بارے میں کبھی سوچا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لوگ کچھ اعمال ایسے کریں گے جن کو وہ نیکیاں سمجھیں گے لیکن وہ (قیامت کے دن) بُرائیاں ہوں گے۔

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو پڑھا اور فرمایا: ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے' ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی موت کے وقت رونے لگے اور بہت گھبرا گئے' آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں کتاب اللہ کی ایک آیت مبارکہ کی وجہ سے ڈر رہا ہوں اور انہوں نے یہی آیت تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن میرے لیے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جائے جسے میں نے بُرا گمان نہ کیا ہو۔

۴۸- ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے' ان کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی یعنی ان کے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی' جن کا انہوں نے خود ارتکاب کیا تھا یا یہ کہ ان کی کمائی کی بُرائیاں اس وقت ظاہر ہو جائیں گی جب ان کے اعمال نامے پیش کیے جائیں گے حالانکہ پہلے وہ ان سے پوشیدہ تھیں یا پھر ان کے اعمال کی سزائیں ان کے سامنے آ جائیں گی ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور ان پر نازل ہوگا اور انہیں گھیر لے گا ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (یعنی) ان کے استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کا وبال اور عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

۴۹- ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ﴾ سو جب کسی آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے' ہم سے لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے' پھر جب ہم اسے اپنا فضل و کرم عطا کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر فضل و کرم کرتے ہوئے کوئی احسان کرتے ہیں۔ ''خوّلنی'' اس وقت کہا جائے گا جب تجھے کوئی شخص بغیر معاوضہ کے کچھ عطا کرے ﴿نِعْمَةً مِّنَّا﴾ ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں [اس پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ''اذا'' کا جواب ہے] ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ وہ کہتا ہے کہ بے شک یہ سب کچھ صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کیا گیا ہے کیونکہ میرے اندر کمال

اور استحقاق موجود ہے یا اس لیے کہ مجھے کمانے کے اسباب اور طریقوں کا علم ہے' یہ میرے ہنر کا نتیجہ ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا: ''عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ'' (القصص:٧٨) [''اوتیتہ'' میں مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے حالانکہ یہ ضمیر ''نعمۃ'' کی طرف لوٹتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف معنی کے اعتبار سے مذکر ضمیر ذکر کی گئی ہے کیونکہ ''نِعْمَةً مِّنَّا'' کا مطلب ہے: ''شیئا من النعمۃ وقسمًا منھا'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اِنَّمَا'' میں ''مَا'' موصولہ ہے' ''مَا'' کافہ نہیں ہے' سو ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی ''ان الذی اتیتہ علٰی علم''] ﴿بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ﴾ بلکہ یہ آزمائش ہے۔ اس شخص کی بات کا انکار کیا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے جو نعمت دی ہے' اس کی وجہ وہ نہیں جو تو کہہ رہا ہے (بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ) بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی یہ نعمت تیرے لیے ایک آزمائش اور امتحان ہے کہ آیا تو اس پر شکر ادا کرتا ہے یا تو ناشکری کرتا ہے [اور جب خبر مؤنث ہے یعنی ''فتنۃ'' تو اس کی وجہ سے مبتدا کو بھی مؤنث لایا گیا اور ''اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ'' کی موافقت میں ''بل ھو فتنۃ'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان کے اکثر و بیشتر لوگ نہیں جانتے کہ بے شک یہ نعمت ایک آزمائش ہے [اور اس آیت مبارکہ کو ''فا'' کے ساتھ عطف کرنے میں اور اس سورت کے شروع میں اس کی مثل (آیت:٨) کو واؤ کے ساتھ عطف کرنے میں یہ سبب ہے کہ یہ آیت مبارکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ'' کا مسبب واقع ہو رہی ہے' اس معنی کی بناء پر کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر مبارک سے نفرت کرتے اور بتوں کے جھوٹے معبودوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں' سو جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کو پکارتے ہیں جس کے ذکر سے نفرت کرتے ہیں ان کو نہیں پکارتے جن کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان آیت مبارکہ جملہ معترضہ ہے' پھر اگر یہ کہا جائے کہ جملہ معترضہ کا حق یہ ہے کہ وہ جن کے درمیان معترض ہوا ہے ان کی تاکید کرے' اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ معترضہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اکرم ﷺ کی دعا کا ذکر ہے' جو آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے مانگی اور اس دعا میں ارشاد ''اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ'' پھر اس کے بعد جو بہت بڑی وعید ہے' یہ مصائب و آلام میں بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے' بتوں کے ذکر پر خوش ہونے اور ذکر الٰہی سے نفرت کرنے کے انکار کی تاکید ہے' گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے اور میری اس قوم کے درمیان جو آپ پر اس طرح کی جرأت کرتے ہیں کوئی فیصلہ نہیں کرے گا ماسوا آپ کے' اور ارشاد ''وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا'' ان (قریش مکہ) کو اور دیگر ہر ظالم کو شامل ہے' اگر اسے عام قرار دیا جائے یا پھر انہیں کے ساتھ خاص ہے' اگر اسے انہیں کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے گویا کہا گیا ہے کہ اگر ان ظالموں کے لیے تمام روئے زمین کا تمام ساز و سامان اور اس کے برابر مزید بھی ہو جائے تو یہ لوگ سب کچھ اس عذاب سے نجات کے عوض میں دے دیں گے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا ہے اور لیکن پہلی آیت مبارکہ مسبب واقع نہیں ہوئی اور وہ تو اپنے ماقبل جملہ کے مناسب ایک جملہ ہے اور بس' سو اس لیے اس کو واؤ کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے جیسے ''قام زید وقعد عمرو'' اور اس کے مسبب واقع ہونے کا بیان اس طرح ہے کہ تم کہو: ''زید مؤمن باللہ فاذا مسّہ ضر التجا الیہ'' پس یہ بالکل واضح طور پر مسبب ہے' پھر تم کہو: ''زید کافر باللہ فاذا مسّہ ضر التجا الیہ'' سو تم یہاں بھی ''فا'' لائے جیسا کہ وہاں ''فا'' لائے ہو گویا کافر نے جب مؤمن کی التجا کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف التجاء کی تو اس نے التجاء میں اپنے کفر کو سبب قرار دینے میں ایمان کا قائم مقام بنا دیا]۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝٥٠ فَاَصَابَهُمْ

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۱ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲

بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا' سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ ان کے کام نہیں آیا تھا O سو ان کی اپنی کمائیوں کی بُرائیاں ان کو پہنچیں اور ان میں سے ظالموں کو ان کی اپنی کمائیوں کی بُرائیاں عنقریب پہنچیں گی' اور وہ (ہمیں) عاجز کرنے والے نہیں O اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں O

٥٠- ﴿قَدْ قَالَهَا﴾ بے شک یہی بات کہی تھی اور وہ یہ قول ہے: ''اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ'' (الزمر:٤٩) ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے جو ان (مشرکین مکہ) سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی قارون اور اس کی قوم کیونکہ قارون نے کہا تھا: ''اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ'' اور اس کی قوم اس پر راضی تھی تو گویا ان سب نے کہا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ امتوں میں اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی کہا ہو ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ سو ان کو ان کے اس مال و دولت نے کوئی فائدہ نہ دیا جو وہ دنیا کے مال و متاع میں سے کماتے رہے اور اس میں سے جو کچھ جمع کرتے رہے۔

٥١- ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ﴾ سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس کی بُرائیاں ان کو پہنچیں یعنی ان کی کمائی کی بُرائیوں کی سزا ان کو پہنچی (کہ انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا) یا بُرائی کی سزا کو بُرائی صرف مشابہت کی بناء پر کہا گیا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ:٤٠) ''اور بُرائی کی سزا اس کی مثل بُرائی ہے'' ﴿وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کیا (یعنی) آپ کی قوم کے مشرکین میں سے جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر اختیار کر لیا ﴿سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ﴾ انہوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی برائیاں عنقریب انہیں ضرور پہنچیں گی یعنی جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو ان کی بُرائیوں کی سزا ملی تھی' اسی طرح ان کو بھی ان کی بُرائیوں کی سزا ضرور ملے گی' چنانچہ ان مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کا رزق بند کر دیا گیا اور ان پر سات سال تک مسلسل قحط پڑا تھا ﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والے نہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وسعت و کشادگی اور خوش حالی عطا فرمائی' چنانچہ سات سال بارشیں برسیں' جس سے خوش حالی لوٹ آئی' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ

٥٢- ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا رزق گزارہ کے مطابق کر دیتا ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے بغیر کوئی رزق کو نہ فراخ کرنے والا ہے اور نہ کم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿ۙ۵۵﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO اور تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گیO اور تم اس بہترین (قرآن) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر نہ ہوO

مشرکین کے سوا تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت و رحمت کا اعلان

۵۳- ﴿قُلۡ﴾ اے (میرے پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ﴾ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے (یعنی) جنہوں نے نافرمانیوں اور گناہوں میں اضافہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی اور نافرمانیوں کے کاموں اور گناہوں میں غلو اور انتہاء کر دی ﴿لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور مایوس نہ ہو جاؤ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا (یعنی) شرک کے ماسوا سب گناہوں کو معاف فرما دے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری قراءت میں ہے: "یغفر الذنوب جمیعا ولا یبالی" "اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا اسے کوئی پرواہ نہیں اور "مبالاۃ" (پرواہ) کی نفی کی نظیر خوف کی نفی ہے' جیسا کہ ارشاد ہے کہ "وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰهَاO" (الشمس:۱۵) "اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے انجام سے نہیں ڈرتاO"۔ اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی[1]

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی شخص کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی' اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کیا' اس کو بہت گناہ ہوگا قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًاO (الفرقان:۷۰)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہےO (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ یہ آیت کریمہ لے کر اس کے عوض میں مجھے دنیا اور اس کا تمام ساز وسامان دے دیا جائے[1] ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ﴾ بے شک وہی بڑے بڑے گناہوں کی ستر پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ بدترین مشکلات ومشقات اور قبیح ترین غموم دور کر کے بے حد مہربانی فرمانے والا ہے [ابوعمرو بصری' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "یا" ساکن کے ساتھ "عِبَادِیْ" ہے جب کہ ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں نون مکسور کے ساتھ "لَا تَقْنِطُوْا" ہے]۔

٥٤- ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ اور تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور تم اس کی بارگاہ میں توبہ کرو ﴿وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اور اسی کی رضا کے لیے عمل خالص کرلو ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی' اگر تم عذاب کے آنے سے پہلے توبہ نہیں کرو گے۔

٥٥- ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور تم اس بہترین کلام (قرآن مجید) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: "اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرے' ہوسکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (النساء:٤٨)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے' میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی' کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر:٥٣)

اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے' پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ) لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر بیٹھیں؟ آپ نے فرمایا: یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١٠ ص ٢٨٠۔ ٢٨٢' بحوالہ جات: المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١١٤٨٠' شعب الایمان ج ٥ ص ٤٢٤' رقم الحدیث: ٧١٤٠' تاریخ دمشق الکبیر ج ٦٥ ص ٣١٦' رقم الحدیث: ١٤١٤٨' مختصر تاریخ دمشق ج ٢٦ ص ٢٦٣' مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٠١)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ١٠ ص ٣٢٥٣' رقم الحدیث: ١٨٤٠١' الجامع لاحکام القرآن جز ١٥ ص ٢٤٠' زاد المسیر ج ٦ ص ١٠٤' النکت والعیون ج ٥ ص ١٣١' الدر المنثور ج ٧ ص ٢٠٢' روح البیان ج ٨ ص ١٧١' روح المعانی جز ٢٤ ص ٢٣' اسباب النزول رقم الحدیث: ٦٦٠۔

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٠٠

الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ'' (الزمر:١٨) ''جولوگ بات غور سے سنتے ہیں' پھر بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں'' ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو یعنی اچانک تم پر عذاب آ جائے جب کہ تم بالکل غفلت میں ہو گویا تم اپنی غفلت کی زیادتی کے باعث بالکل بے خوف ہو اور تمہیں کسی چیز کا ڈر نہ ہو۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٥٩﴾

کہ کوئی جان یہ کہہ دے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کی اور بے شک میں ہنسی مذاق اُڑانے والوں میں سے تھاO یا وہ کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتاO یا وہ کہہ دے جب وہ عذاب دیکھے کہ اگر میرے لیے دوبارہ (دنیا میں) واپس لوٹ جانا ممکن ہوتا تو میں نیکیاں کرنے والوں میں سے ہو جاتاO ہاں! کیوں نہیں! بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں' سو تو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا تھاO

٥٦- ﴿اَنْ تَقُوْلَ﴾ ''ای لئلا تقول'' یعنی تاکہ کوئی یہ نہ کہے ﴿نَفْسٌ﴾ کوئی جان یا کوئی شخص [اس کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے بعض اشخاص مراد ہیں اور وہ کافر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اشخاص میں سے مخصوص افراد مراد ہوں یا تو کفر میں سخت اصرار کرنے کے ساتھ یا عظیم عذاب کے ساتھ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کثرت وعموم مراد ہو] ﴿یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ ہائے افسوس! اس بناء پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوتاہی کی ہے (یعنی) میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں یا اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوتاہی کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''فی ذکر اللّٰہ'' ہے اور ''جنب'' بہ معنی جانب ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''انا فی جنب فلان' وجانبه وناحیته'' میں فلاں آدمی کی دائیں طرف اور اس کی ایک جانب اور اس کی ایک طرف میں ہوں' ''وفلان لین الجانب والجنب'' اور فلاں آدمی نرم پہلو' نرم طبیعت اور مان لینے والا ہے' پھر اہل عرب نے کہا کہ ''فرط فی جنبه وفی جانبه'' سے مراد ''فی حقه'' ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ جب تم نے کسی آدمی کے مکان اور اس کی جگہ کے بارے میں کوئی معاملہ ثابت کر دیا تو بلاشبہ تم نے خود اس آدمی کے بارے میں اس معاملے کو ثابت کر دیا اور اسی کنایہ کے باب سے یہ حدیث ہے کہ ''من الشرك الخفی ان یصلی الرجل لمکان الرجل' ای لاجله'' شرک خفی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور آدمی کے مکان اور مقام کی وجہ سے نماز پڑھے یعنی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے طریق میں کوتاہی کی اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنا ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ﴾ اور بے شک میں ہنسی اور مذاق اڑانے والوں میں

سے تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہی کافی نہیں تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت وفرماں برداری کو ضائع کر دیا' یہاں تک کہ پھر وہ ہنسی مذاق اڑانے والوں میں بھی شامل ہو گیا [اور ''وان کنت'' محلاً حال کی بناء پر منصوب ہے (''ان'' مثقلہ سے مخففہ ہے) ''یا حسرتی'' میں ''تا'' پر الف یائے متکلم سے بدلا ہوا ہے اور اصل کی بناء پر ''یَا حَسْرَتِیْ'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''یا حسرتای'' عوض ومعوض منہ کو جمع کر کے بھی پڑھا گیا ہے] گویا اس نے کہا: میں نے کوتاہی کی اور میں ہنسی مذاق اڑانے والا تھا یعنی میں نے اس حال میں کوتاہی کی کہ میں اس وقت دین حق اور اہل دین کا مذاق اڑانے والا تھا۔

۵۷- ﴿ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ ﴾ یا وہ جان یہ کہہ دے کہ اگر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا یعنی مجھے ہدایت عطا کرتا تو ﴿ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴾ میں پرہیز گاروں میں سے ہوتا (یعنی) میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو شرک سے بچتے اور پرہیز کرتے رہے۔ حضرت الشیخ امام ابومنصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ کافر تو معتزلہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا عارف وعالم نکلا اور اسی طرح وہ کفار جو قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے کہیں گے: ''لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ'' (ابراہیم:۲۱) ''اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے'' یعنی وہ کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کی توفیق دیتا اور وہ ہمیں ہدایت عطا کرتا تو ہم ضرور تمہیں اس کی طرف دعوت دیتے لیکن ہمارے دنیا میں آ کر گمراہی اور سرکشی کو اختیار کرنے کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے حاصل تھا' سو اس لیے اس نے ہمیں رسوا کیا اور ہمیں ہدایت کی توفیق عطا نہیں کی حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور ان کو ہدایت کی توفیق بھی دی لیکن انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس لطف وکرم ہے' جس کو وہ عطا ہو جائے تو وہ ہدایت پالیتا ہے اور وہ توفیق اور عصمت ہے اور جس کو وہ عطا نہ کیا جائے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور سرکش ہو جاتا ہے اور اس کو عذاب اور حق کو ضائع کرنا پسند آ جاتا ہے' اس کے بعد اس کو پسند کرنے کی وجہ سے اس کی تحصیل کا اسے اختیار اور اقتدار دے دیا جاتا ہے۔

۵۸- ﴿ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً ﴾ یا وہ جان جب عذاب دیکھے تو یہ کہہ دے کہ اگر میرے لیے ایک دفعہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ کر واپس جانا ممکن ہوتا ﴿ فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاتا (یعنی) میں موحدین میں سے ہو جاتا۔

۵۹- ﴿ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ ہاں کیوں نہیں! بلکہ تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں' سو تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا۔ ''بلٰی'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کی تردید کر دی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلکہ تیرے پاس تو میری آیات آئی تھیں اور میں نے سرکشی سے ہدایت کو اور باطل سے راہِ حق کو تیرے لیے واضح طور پر بیان کر دیا تھا اور میں نے تجھے سرکشی پر ہدایت کو اختیار کرنے اور باطل پر حق اختیار کرنے کی قدرت وطاقت بھی عطا کی تھی لیکن تو نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور اس کو ضائع کر دیا تھا اور تو نے اسے قبول کرنے سے تکبر کیا تھا اور تو نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو ترجیح دی تھی اور میں نے تجھے جس کا حکم دیا تھا تو اس کے خلاف میں مشغول ہو گیا تھا' سو کوتاہی اور تضییع تیری طرف سے ہوئی تھی' لہٰذا آج تیرا کوئی عذر قبول نہیں [اور ''بلٰی'' نفی تقدیری کا جواب ہے کیونکہ ''لو ان اللہ ھدانی'' کا معنی ہے کہ ''مَا ھُدِیْتُ'' یعنی مجھے ہدایت نہیں دی گئی اور جواب کو اس کے ساتھ متصل اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ نفس کی حکایت ترتیب کے مطابق ضروری تھی' پھر اس کے بعد جواب ہوتا ہے جس کا جواب تقاضا کرتا ہے]۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں O اور اللہ تعالیٰ شرک سے بچنے والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا' انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے O آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہے' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

٦٠- ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اور قیامت کے دن آپ انہیں دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے ساتھ متصف بیان کیا جو اس پر جائز ہی نہیں جیسے شریک اور اولاد کی اس کی طرف نسبت کرنا اور اس سے صفاتِ حمیدہ کی نفی کرنا ﴿وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ﴾ ان کے چہرے سیاہ کالے ہوں گے [''وجوھھم'' مبتداء ہے اور ''مسودۃ'' اس کی خبر ہے اور مبتداء وخبر مل کر جملہ ہو کر حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اگر ''تری'' آنکھ کی رؤیت سے ہے اور اگر دل کی رؤیت سے ہو تو پھر مفعول ثانی ہے] ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ کیا دوزخ میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں؟ اور یہ ''واستکبرت'' کی طرف اشارہ ہے۔

٦١- ﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات عطا فرمائے گا جو شرک سے پرہیز کرتے رہے [نون ساکن اور جیم مخفف کے ساتھ بابِ افعال سے ''یُنْجِی'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿بِمَفَازَتِهِمْ ۫﴾ اپنی کامیابی کے سبب اور اپنی فلاح وسعادت کے سبب اور ''فَازَ بِکَذَا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنی مراد میں کامیاب وکامران ہو جاتا ہے اور (درج ذیل ارشاد) ''بمفازتھم'' کی تفسیر ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ انہیں کوئی تکلیف (یعنی) دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے' گویا پوچھا گیا کہ ان کی کامیابی کیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ''لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْٓءُ'' انہیں کوئی تکلیف نہیں چھوئے گی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں رنج وغم اور تکلیف ودکھ سے نفی کے ساتھ نجات عطا کرے گا یعنی نہ ان کے ابدان کو ایذاء وتکلیف پہنچے گی اور نہ ان کے دلوں کو حزن وملال اور رنج وغم پہنچے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نجات کے سبب تکلیفوں سے بچا لے گا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ'' (آل عمران:١٨٨) ''سو آپ انہیں عذاب سے دور نہ سمجھیں'' یعنی اس سے نجات پانے کے سبب کیونکہ نجات سب سے بڑی کامیابی ہے اور ان کی نجات کا سبب نیک عمل ہیں اور اس لیے حضرت عبد اللہ ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''المفازۃ'' کی تفسیر وتوضیح اعمالِ حسنہ سے کی ہے اور جائز ہے کہ وہ اپنی فلاح کے سبب نجات پائیں کیونکہ نیک عمل فلاح کا سبب ہیں اور وہ جنت میں داخلہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ نیک اعمال کو بذاتِ خود کامیابی ونجات قرار دیا جائے کیونکہ یہی فلاح وکامیابی کا سبب ہیں [اور پہلی تفسیر پر ''لایمسھم'' کے لیے اعراب کا محل کوئی نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک مستقل الگ نیا کلام ہوگا اور دوسری تفسیر پر حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا اور امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں (جمع کے ساتھ) ''بمفازاتھم'' پڑھا گیا ہے]۔

٦٢- ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں معتزلہ اور ثنویہ دونوں فرقوں کی تردید کردی گئی ہے ﴿وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا محافظ ونگہبان ہے۔

٦٣- ﴿لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اس کی ملکیت میں ہیں[1] یعنی وہی ان کے ہر معاملے کا مالک ہے اور وہی ان کا محافظ ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ خزانوں کا محافظ اور ان کے معاملے کا مدبر (تدبیر کرنے والا) وہی ہے جو ان کی چابیوں کا مالک ہے اور اسی میں سے ان (اہل عرب) کا یہ قول ہے: ''فلان القیت الیہ مقالید الملك'' فلاں آدمی کو پورے ملک یا پوری بادشاہی کی چابیاں دے دی گئیں اور ''مقالید'' بہ معنی ''مفاتیح'' (چابیاں) ہے اور اس کا واحد ''مقلید'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بعینہٖ لفظ سے اس کا واحد نہیں ہے اور اصل میں یہ کلمہ فارسی کا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے ''مقالید'' (چابیاں) کی تفسیر اور اس کا مطلب پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: (١) ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (٢) اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' (٣) ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' (٤) ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' (٥) ''وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' (٦) ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝''۔

قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی نے تفسیر مظہری کے حاشیہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور علامہ سیّد محمود حنفی بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس حدیث مبارکہ کے بیان کردہ ان کلمات کے پڑھنے کے فوائد بھی بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام یہ کلمات دس مرتبہ پڑھا کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ چھ خوبیاں عطا فرمائے گا: (١) ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا (٢) اسے بے حساب و بے شمار اجر وثواب دیا جائے گا (٣) بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کیا جائے گا (٤) اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا (٥) اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معیت وسنگت نصیب ہوگی (٦) اس کی موت کے وقت اس کے پاس بارہ فرشتے حاضر ہوں گے جو اسے جنت کی خوش خبری سنائیں گے اور حشر کے دن یہی فرشتے اسے قبر سے میدانِ محشر میں دلہن کی طرح لے جائیں گے اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے جب وہ شخص گھبرائے گا تو وہ فرشتے اس سے کہیں گے: تم نہ گھبراؤ کیونکہ تم امن وامان پانے والوں میں سے ہو' پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کا بہت آسان حساب لے گا' پھر اسے جنت میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا' چنانچہ اسے وہ فرشتے اس طرح میدانِ محشر سے جنت کی طرف لے جائیں گے' جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں داخل کر دیں گے جب کہ باقی لوگ حساب کی سختی میں ہوں گے۔ (رواہ ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیہقی فی الاسماء والصفات والعقیلی)

(تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والعشرون ص ٢٢' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر مظہری ج ٨ ص ٢٣٠' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر مترجم ج ٤ ص ١٥' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

آیتوں کے ساتھ کفر وانکار کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ" وینجّی اللّٰہ الذین اتقوا" کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفروشرک اور بُرے کاموں سے پرہیز کرنے والوں کو ان کی کامیابی کے سبب نجات عطا فرمائے گا اور کفروشرک اور سرکشی کرنے والے نقصان اٹھائیں گے اور خسارے میں رہیں گے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اس پر محافظ ونگہبان ہے' سو اس سے مکلفین کے اعمال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی ان پر جزاء دے گا یا جو کچھ اس کے ساتھ متصل ہے وہ یہ کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس کا دروازہ کھولنے والا ہے اور جنہوں نے کفروشرک اختیار کرلیا اور اس طرح کے معاملے سے انکار کر دیا تو وہی لوگ نقصان اور گھاٹا پانے والے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے "لہ مقالید السمٰوٰت والارض" کی تفسیر اور اس کا مطلب دریافت کیا' تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں اور اس کی تفسیر کے بارے میں سوال نہیں کیا' اس کی تفسیر یہ ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"[1]

اور اس پر اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے یہ ایسے کلمات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی فضیلت وعظمت کو بیان کیا جاتا ہے اور یہی کلمات تمام آسمانوں اور زمینوں کی خیر کی کنجیاں ہیں' جو شخص پرہیزگاروں میں سے ان کلمات کو پڑھا کرے گا' اسے یہ سب بھلائیاں پہنچیں گی ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کریں گے اور اس کی توحید کے اور اس کی فضیلت وعظمت کے کلمات کا انکار کریں گے تو ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ وہی لوگ نقصان اٹھانے والے اور گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں O اور بے شک آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ (بفرضِ محال) اگر آپ (حضرات) نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا

[1] رواہ البیہقی فی کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۱۴' وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۵

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا' اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند تر ہے جن کو وہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کا حکم اور شرک کی ممانعت

٦٤- ﴿قُلْ﴾ (اے محبوب!) آپ ان سے فرما دیجئے جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف بلاتے ہیں ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ﴾ تو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں نون مشدد اور "یا" مفتوح کے ساتھ "تَاْمُرُوْنِّيَ" ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں خفیفہ کے ساتھ "تَاْمُرُوْنَنِيْ" ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ایک نون خفیفہ کے ساتھ "تَاْمُرُوْنِيْ" ہے اور "اَفغیر" مفعول مقدم "اعبد" فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "تَاْمُرُوْنِّيْ" جملہ معترضہ ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا میں اس بیان کے بعد بھی تمہارے حکم پر غیر اللہ کی عبادت کروں؟ ﴿اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ اے اللہ تعالیٰ کی توحید سے جاہلو۔

٦٥- ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور بے شک آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے یعنی آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف (توحید کے بارے میں) وحی بھیجی گئی ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (بفرضِ محال) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے "لئن اشرکت" فعل مخاطب واحد بیان فرمایا حالانکہ شرک سے ممانعت کی وحی تو انبیائے کرام کی پوری جماعت کو کی گئی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: اے محبوب! آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اگر آپ نے (بفرضِ محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور اسی طرح آپ سے پہلے انبیائے کرام کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے [اس میں پہلا لام محذوف قسم کی تاکید ہے اور دوسرا جواب کا لام ہے اور یہ جواب دو جوابوں کے قائم مقام ہے' میری مراد قسم اور شرط کے جواب ہیں] بے شک یہ کلام باوجود یکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے انبیاء اور رُسل شرک ہرگز نہیں کرتے' اس لیے صحیح اور درست ہے کہ اس کلام میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس سے مراد آپ کے غیر ہیں یعنی آپ کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور اس لیے کہ یہ خطاب آپ کو بطورِ فرض کیا گیا ہے اور محالات کا فرض کرنا صحیح ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ نے راز کی باتوں میں میرے ماسوا کسی کو آگاہ کیا اور کسی اور کو شریکِ راز کیا تو پھر میرے اور آپ کے درمیان جو راز ہیں' وہ ضرور ضائع ہو جائیں گے۔

٦٦- ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ﴾ بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس آیت مبارکہ میں اس کی تردید ہے جس کا کفارِ مکہ نے آپ کو اپنے معبودوں کی عبادت کا حکم دیا تھا گویا فرمایا کہ کفارِ مکہ جن کی عبادت کا آپ کو حکم دیتے ہیں آپ ان کی عبادت ہرگز نہ کریں بلکہ اگر آپ نے عبادت کرنی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے [پھر شرط کو حذف کر دیا گیا ہے اور مفعول بہ کو اس کے عوض میں فعل امر سے مقدم کر دیا گیا ہے (تاکہ حصر و تخصیص کا فائدہ ہو)] ﴿وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور آپ شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور آپ اس نعمت کا شکر ادا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولادِ آدم کا سردار بنا کر آپ پر انعام فرمائی ہے۔

کفار کی مذمت اور قیام قیامت کا تذکرہ

٦٧- ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو نہیں پہچانا جیسا اس کی عظمت و شان کا حق ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور جب تمام چیزوں میں سے ایک چیز عظیم الشان ہو' اسے جب انسان پہچان لیتا ہے جیسا کہ اس کی پہچان کا حق ہے تو پھر وہ اس کی قدر کرتا ہے' جیسا اس کی قدر کا حق ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے جیسا کہ اس کی تعظیم و تکریم کا حق ہوتا ہے (لیکن جب کفارِ مکہ نے سب سے بڑی عظیم الشان ذات کی قدر نہیں کی تو ان کے بارے میں) کہا گیا: ''وما قدروا اللّٰه حق قدره'' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظمت اور اپنی جلالتِ شان پر تمثیل و تخییل کے طریقے پر آگاہ فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے اور اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کی تصویر پیش کرنا اور اس کی جلالت و بڑائی کی حقیقت سے آگاہ کرنا مراد ہے اور کچھ نہیں کیونکہ جب کسی چیز کو مکمل اور پوری طرح پکڑ لیا جائے تو یہ پکڑنے والے کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور اس سے مٹھی میں لینا مراد نہیں اور نہ دائیں ہاتھ میں لینا مراد ہے نہ تو حقیقی جہت سے اور نہ مجازی جہت سے اور ''الارض'' سے ''الارضون السبع'' مراد ہیں یعنی زمین سے ساتوں زمینیں مراد ہیں اور اس کی گواہی ''جمیعًا'' اور ''والسمٰوٰت'' دے رہے ہیں اور اس لیے کہ یہ جگہ تعظیم و کبریائی کی جگہ ہے' سو یہ مبالغہ کا تقاضا کرتی ہے [''الارض'' مبتدا ہے اور ''قبضته'' اس کی خبر ہے اور ''جمیعًا'' حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی جب زمین جمع ہو جائے گی تو قیامت کے دن اسی کے تصرف میں ہوگی اور (قاف مفتوح) ''قَبْضَةٌ'' کا معنی ہے: ایک دفعہ مٹھی بھرنا اور (قاف مضموم) ''قُبْضَةٌ'' کا معنی ہے: ایسی مقدار جو ہاتھ کی ہتھیلی کے قبضہ میں آسکے' یہ مصدر ہے اور دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ و ملک میں ہوں گی یعنی تمام زمینیں صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ والی ہوں گی' وہی سب کو اپنے قبضوں میں سے ایک قبضہ میں پکڑ لے گا یعنی بے شک تمام زمینیں اپنی بڑائی اور اپنی وسعت و کشادگی کے باوجود اس کے قبضوں میں سے صرف ایک قبضہ میں ہوں گی' گویا وہ ان سب کو ایک ہتھیلی میں قبضہ کر کے پکڑ لے گا' جیسے کہتے ہیں: ''الجزور اکلة لقمان'' ایک ذبح شدہ بکری لقمان کی خوراک ہے یعنی ایک بکری اس کی صرف ایک وقت کی خوراک کے لیے پوری ہوتی ہے اور جب ''قبضة'' (قاف مضموم) کا معنی مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کیونکہ اب معنی یہ ہوگا کہ تمام زمینیں اتنی مقدار کی ہوں گی کہ ان کو ایک ہتھیلی میں پکڑ لیا جائے گا اور ''مطویّات''، ''طَیٌّ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: جمع کرنا اور لپیٹنا' یہ ''نشر'' (پھیلانا) کی ضد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ'' (الانبیاء: ١٠٤) ''اس دن ہم آسمانوں کو ایسے لپیٹیں گے جیسے سجل نامی فرشتہ نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے'' اور صحیفوں کو لپیٹنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ انہیں اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ''قبضته'' سے اللہ تعالیٰ کا ملک و تصرف مراد ہے کہ زمین کے طبقات اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہوں گے جس میں مداخلت اور جھگڑا کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور ''بیمینه'' سے اللہ تعالیٰ کی قدرت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ''مطویات بیمینه'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے سبب تمام آسمان فنا کر دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی تھی کہ وہ ان کو ضرور فنا کرے گا ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کی شرکت سے پاک اور بلند تر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ

کی قدرت وعظمت اس (شرک) سے بہت بعید اور دور ہے اور وہ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کی طرف شریکوں کی نسبت کی جائے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾

ع ٤

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور شہیدوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس قدر اس نے عمل کیے ہوں گے اور وہ ان کاموں کو جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں O

٦٨ - ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور (جب) صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے (یعنی) مر جائیں گے ماسوا ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض حضرات نے کہا: وہ عرشِ اعظم کو اٹھانے والے فرشتے مراد ہیں یا رضوان اور حور اور مالک اور زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) مراد ہیں ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى﴾ پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا [یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ "ونفخ في الصور" کا معنی ہے: ایک دفعہ صور میں پھونکا جائے گا' پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا اور اس کو حذف کر دیا گیا کیونکہ "اخرٰی" اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس لیے کہ وہ پہلے سے معلوم ہے کہ اس جگہ کے علاوہ دوسری کئی جگہ اس کا ذکر آ چکا ہے] ﴿فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ سو وہ اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور وہ مبہوت و حیران شخص کی طرح تمام اطراف میں آنکھیں گھما کر دیکھیں گے کہ نا معلوم کب انہیں اچانک بلایا جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ اچانک کھڑے ہو کر اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کریں گے اور یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو دفعہ صور پھونکا جائے گا' پہلا موت کے لیے اور دوسرا لوگوں کو اٹھا کر میدانِ محشر میں جمع کرنے کے لیے اور جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا' پہلا صور صرف گھبراہٹ کے لیے پھونکا جائے گا جس سے تمام لوگ گھبرا جائیں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ" (النمل: ٨٧) "اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ گھبرا جائیں گے" اور دوسرا موت کے لیے اور تیسرا اعادہ کے لیے۔

۶۹- ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ اور زمین اپنے رب تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جائے گی یعنی اس کے عدل و انصاف سے روشن ہو جائے گی' یہ بطور استعارہ مراد ہے' چنانچہ عادل بادشاہ سے کہا جاتا ہے: ''اشرقت الافاق بعدلك واضاءت الدنیا بقسطك'' سارا جہاں تیرے عدل کی وجہ سے چمک گیا ہے اور ساری دنیا تیرے انصاف کی وجہ سے روشن ہوگئی ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کے ظلم کی وجہ سے تمام ممالک تاریک ہو گئے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''الظلم ظلمات یوم القیامة'' قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہوگا۔[1]

اسم ''رب'' کی ''ارض'' کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ اسے مزین و آراستہ کرتا ہے' اس اعتبار سے کہ وہی اس میں اپنے عدل و انصاف کو پھیلاتا ہے اور وہ اس میں اپنے انصاف کے ترازو نصب کرتا ہے اور زمین کے باشندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور تم یہ نہیں دیکھو گے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ کے عدل سے زیادہ آراستہ کیا گیا ہو اور نہ اس سے زیادہ کوئی زمین کو آباد کرنے والا ہے اور حضرت امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نور کو پیدا کر دے اور اس کے ذریعے میدانِ محشر کو روشن کیا جائے اور نور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ اور کتاب یعنی اعمال کے صحیفے رکھ دیئے جائیں گے' لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے یا پھر ''الکتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ﴾ اور نبیوں کو لایا جائے گا تا کہ ان سے ان کا پروردگار تبلیغ رسالت کے بارے میں اور جو ان کی قوم نے انہیں جواب دیا تھا اس کے بارے میں سوال کرے ﴿وَالشُّهَدَآءِ﴾ اور گواہوں کو لایا جائے گا (یعنی) حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر زمانے کے نیک لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق گواہی دیں گے ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان یعنی بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق یعنی انصاف کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو ظلم کی نفی پر ختم فرمایا' جس طرح کہ اس کو عدل و انصاف کے اثبات کے ساتھ شروع کیا تھا۔

۷۰- ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ اور ہر جان کو پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے عمل کیا ہو گا یعنی اس کے اعمال کی جزاء پوری دی جائے گی ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ بغیر کسی کتاب اور بغیر کسی گواہ کے خود سب کچھ جانتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت ''وھم لا یظلمون'' کی تفسیر ہے یعنی ہر شخص نے جو نیک اور بُرے عمل کیے ہوں گے' ان پر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا' نہ بُرائی میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ نیکی میں کمی کی جائے گی۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾
قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

[1] رواہ البخاری فی کتاب المظالم باب: ۸' رقم الحدیث: ۲۴۴۷' مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹' الترمذی فی کتاب البر رقم الحدیث: ۸۳

اور کافروں کے جدا جدا گروہ بنا کر انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی حاضری سے ڈراتے تھے' وہ کہیں گے: جی ہاں! کیوں نہیں! لیکن عذاب کا حکم کافروں پر سچا ثابت ہو گیاO کہا جائے گا کہ تم دوزخ کے دروازوں میں اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے' پس تکبر کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہےO

کافروں اور پرہیزگار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۷۱- ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا' انہیں انتہائی سختی کے ساتھ ہانکا جائے گا جس طرح قیدیوں کو قید خانہ کی طرف اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو قتل کرنے کے لیے سختی کے ساتھ ہانکا جاتا ہے ﴿زُمَرًا﴾ [یہ حال ہے] یعنی الگ الگ گروہ بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے ہانکا جائے گا ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہ سات دروازے ہیں [کوفیوں نے دونوں جگہ ''فُتِحَتْ'' کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے ''فُتِّحَتْ'' پڑھا ہے)] ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ اور ان سے دوزخ کے نگران کہیں گے (یعنی) دوزخ کے وہ محافظ فرشتے جنہیں دوزخ والوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے یعنی اولادِ آدم میں سے رسول نہیں آئے تھے ﴿يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا﴾ جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتوں کو تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے یعنی تمہیں اس وقت کی حاضری سے ڈراتے تھے اور یہ ان کے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا وقت ہوگا' قیامت کا دن مراد نہیں ہے ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ وہ لوگ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس رسول تشریف لائے تھے اور انہوں نے آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر ہمیں سنائی تھیں ﴿وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہو گیا یعنی اور لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) فرمان واجب اور لازم ہو گیا کہ ''لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَO'' (السجدہ: ۱۳) ''میں ضرور جہنم کو تمام کافر جنوں اور تمام کافر انسانوں سے بھر دوں گاO'' یہ ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ہوا' جیسا کہ انہوں نے خود کہا: ''غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَO'' (المومنون: ۱۰۶) ''ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ قوم تھےO'' سو انہوں نے ان اعمال کا ذکر کیا جن کی وجہ سے عذاب کا حکم ان پر واجب ہو گیا اور وہ ان کا کفر و شرک اور گمراہی ہے۔

۷۲- ﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ان سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے دروازوں میں سے اندر داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے' [یہ حال مقدرہ ہے] یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے ﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے [اس میں لام جنس کا ہے کیونکہ ''مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ'' ''بئس'' کا فاعل ہے اور ''بئس'' کا فاعل لامِ جنس کے ساتھ معرّف ہوتا ہے یا پھر اس کی مثل کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فبئس مثوى المتكبرين جهنم'']۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ

أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے اس کے محافظ فرشتے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو' سو اب تم اس میں داخل ہو جاؤ' ہمیشہ رہو گے O اور کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں ٹھہریں' پس عمل کرنے والوں کا بہت بہترین اجر و ثواب ہے O اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں' اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O

٧٣- ﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ﴾ اور جو لوگ (دنیا میں) اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان کی سواریوں کو ہانک کر لے جانا مراد ہے کیونکہ یہ حضرات رضا و خوشنودی اور کرامت و عزت کے گھر سواریوں پر سوار ہو کر ہی جائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنہیں بعض بادشاہوں کے پاس آنے والے وفود میں سے عزت و شرف اور احترام و اکرام دیا جاتا ہے[1] ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے [اس کے بعد کئی جملے بیان کیے گئے ہیں اور جو جملے اس کے بعد بیان کیے گئے ہیں وہ شرطیے ہیں' مگر ان کی جزا محذوف ہے اور اسے اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ وہ جنتیوں کے ثواب کی صفت کے بارے میں ہے' سو اس کا حذف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا وصف احاطہ نہیں کر سکتا] اور علامہ زجاج نے کہا: اس کی اصل عبارت اس طرح ہے: "حتی اذا جاء وھا" ﴿ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴾ "دخلوھا" یہاں تک کہ جب پرہیزگار حضرات جنت کے پاس پہنچیں گے اور ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو' سو اب تم جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے [پھر "دخلوھا" کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ کلام اس پر دلیل ہے اور ایک

[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا O" (مریم: ٨٥) "اس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس سوار کر کے لے جائیں گے O"۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مؤمنین متقین حشر میں اپنی قبروں سے سوار کر کے اٹھائے جائیں گے اور ان کی سواریوں پر طلائی مرصع زینیں اور پالان ہوں گے۔
(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ٨٤٧' حاشیہ: ١٥' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

قوم نے کہا: ''(حتی اذا جآء وھا) جآء وھا (وفتحت ابوابھا)'' ہے پس ان کے نزدیک ''جآء وھا'' محذوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ جب پرہیزگار مسلمان جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھلنے کے ساتھ ہی ان کا اس میں جانا وقوع پذیر ہو جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دوزخ کے دروازے تو صرف اس وقت کھلیں گے' جب دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے اور لیکن جنت کے دروازے جنتیوں کے آنے سے پہلے کھول دیئے جائیں گے' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ O'' (ص: ٥٠) ''بسنے والے باغ کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے O'' سو اس لیے واؤ لایا گیا ہے گویا فرمایا کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور بلاشبہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھل چکے ہوں گے اور ''طبتم'' کا معنی ہے کہ تم نافرمانیوں کی میل سے صاف ستھرے ہو اور گناہوں کی خباثت سے پاک ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ یعنی تم دنیا میں پاک باز رہے ہو اور تم خبیث و ناپاک نہیں رہے ہو یعنی تم گندے اور بُرے کاموں والے نہیں بنے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارے لیے پاک مقام ہے اور جنت میں دخول کا سبب طہارت و پاکیزگی کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ جنت طیّب و پاکیزہ لوگوں کا گھر ہے اور پاک لوگوں کا ٹھکانا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کی میل سے پاک بنایا اور ہر قسم کی گندگی سے اسے صاف ستھرا بنایا ہے' پس اس میں وہی داخل ہوں گے جو اس کے مناسب و لائق ہوں گے اور اس کی صفتِ طہارت کے ساتھ متصف ہوں گے۔

٧٤- ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ ﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچا کر دکھایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہم سے آخرت کی نعمتوں کا جو وعدہ کیا تھا وہ آج ہم سے پورا کر دیا ﴿ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ﴾ اور اس نے ہمیں اس زمین (یعنی) جنت کی زمین کا وارث بنا دیا اور واقعی انہیں اس کا وارث بنا دیا گیا ہے یعنی اس کا انہیں مالک بنا دیا گیا ہے اور انہیں اس میں تصرف کرنے کی کھلی آزادی ہوگی' جیسے وہ چاہیں گے کریں گے اور اپنی وراثت میں ان کے تصرف اور اس میں ان کی وسعت کو وارث کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ ﴾ ہم جنت میں جہاں چاہیں گے ٹھہریں گے' یعنی اہل جنت حضرات میں سے ہر ایک کو حاجت سے بڑھ کر اور اتنی وسیع اور کشادہ جنت عطا کی جائے گی جس کی توصیف و تعریف بیان نہیں کی جا سکتی' پس جنت میں سے جہاں وہ چاہیں گے وہاں اپنی قرارگاہ و آرام گاہ اور ٹھکانا بنا لیں گے [''نتبوا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴾ سو دنیا میں عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب جنت کی صورت میں ملنا بہت بہترین اجر و ثواب ہے۔

٧٥- ﴿ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ ﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے اردگرد حلقہ بنا کر اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں یعنی وہ ''سبحان اللّٰہ ' الحمد للّٰہ ' ولا الٰہ الا اللّٰہ ' واللّٰہ اکبر'' یا پھر ''سبوح قدوس' ربّ الملآئکۃ والرّوح'' کہتے رہتے ہیں اور فرشتے یہ کلمات مقدسہ صرف روحانی لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں' تعبد کے لیے نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں ہیں [''حآفین'' ''الملآئکۃ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور حرف ''مِن'' ابتدائے غایت کے لیے ہے] یعنی فرشتوں کی حلقہ بندی کا آغاز عرش کے اردگرد سے ہوتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' وسیع ہوتا جاتا ہے ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا (یعنی) انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان حق کے ساتھ یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا ﴿ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور کہا جائے گا یعنی جنتی حضرات بہشت میں داخل ہوتے وقت شکر ادا کرنے کے لیے کہیں گے کہ تمام حمدیں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو

تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ''(یونس:۱۰)'' اور ان کی دعا کا اختتام اس پر ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○'' اور رسول اللہ ﷺ سورت بنی اسرائیل اور سورت زمر کو روزانہ ہر رات پڑھا کرتے تھے[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ المؤمن مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پچاسی آیات' نو رکوع ہیں

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥

حامیم ○ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو سب پر غالب بہت علم والا ہے ○ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا' بڑے انعام والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں نہیں جھگڑتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' سو ان کا شہروں میں خوب گھومنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے ○ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد اور بہت سے گروہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول پر غلبہ پانے کا پختہ ارادہ کیا تا کہ وہ اسے گرفتار کرلیں اور انہوں نے باطل کے ذریعے جھگڑا کیا تا کہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں' سو میں نے ان کو پکڑ لیا' پس میرا عذاب کیسا رہا ○ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہو گیا کہ وہ یقیناً دوزخی ہیں ○

اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان اور کفار کی تکذیب وانجام کا بیان

اس سورت کے دو نام ہیں: (۱) سورۃ المؤمن (۲) سورۃ غافر' اور یہ سورت مکی ہے اور اس کی پچاسی (۸۵) آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حامیم سے شروع ہونے والی یہ ساتوں سورتیں مکی ہیں (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک)۔

۱- ﴿حٰمٓ﴾ [حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف' یحییٰ اور حماد رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت میں اسے اور اس کے بعد آنے والی حامیم کو امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں فتح اور کسرہ (زبر' زیر) کے درمیان (بین بین) پڑھا جاتا

[1] رواہ احمد ج ۶ ص ۶۸۔ ۱۲۲۔ ۱۸۹' الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۰۲' الحاکم ج ۲ ص ۴۳۴' ابو یعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ۴۶۴۳

ہے اور باقی قراء کے نزدیک تفخیم کے ساتھ (پُر کر کے) پڑھا جاتا ہے] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

۲- ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ ''ای ھٰذا تنزیل الکتاب'' یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ﴾ بہت غلبہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یعنی وہ اپنے غلبہ کی وجہ سے اس بات کا خوب دفاع کرنے والا ہے کہ اس پر کوئی بہتان تراش کسی جھوٹی بات کا بہتان لگا سکے ﴿الْعَلِيْمِ﴾ وہ بہت جاننے والا ہے' اسے بھی جو اس کی تصدیق کرتا ہے اور جو اسے جھٹلاتا ہے' سو یہ مشرکین کے لیے دھمکی ہے اور مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے۔

۳- ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ﴾ گناہ گاروں کے گناہ کی پردہ پوشی کرنے والا اور انہیں بخشنے والا ہے ﴿وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف اور اپنے رب تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والوں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ مخالفین پر سخت عذاب بھیجنے والا ہے ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ عارفین پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے یا سب سے بے نیاز و بے پرواہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لیے ''غافر الذنب وقابل التوب'' گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے جس نے صدق دل سے ''لا الله الا الله محمد رسول الله'' کہا اور وہ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے جس نے یہ کلمہ صدق دل سے نہیں کہا اور ''توب ، ثوب'' اور ''أوب'' رجوع کے معنی میں مشترک ہے اور ''الطول'' کا معنی ہے: غنا اور فضل و کرم۔

[پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ صفات معرفہ اور نکرہ میں مختلف کیوں ہیں حالانکہ موصوف تو معرفہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رہے ''غافر الذنب'' اور ''قابل التوب'' تو یہ دونوں معرفہ ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دونوں فعلوں کا حدوث مراد نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ دونوں فعل انفصال کی تقدیر میں ہوں' سو ان دونوں کی اضافت غیر حقیقی ہے اور بے شک اس اضافت سے صرف ثبوت و دوام مراد ہے اور رہا ''شدید العقاب'' تو یہ اصل میں ''شدید عقابه'' ہے' پس یہ نکرہ ہو گیا ہے اور بعض نے کہا: یہ بدل ہے صفت نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ نکرہ ان معارف کے درمیان میں آ گیا ہے تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ یہ تمام کلمات بدل ہیں صفات نہیں] اور واؤ ''وقابل التوب'' میں ایک نکتہ کی بناء پر داخل کی گئی اور وہ یہ ہے کہ اس نے توبہ کرنے والے گناہ گار کے لیے دو رحمتوں کے جمع ہونے کا افادہ کیا ہے' ایک یہ کہ اس کی توبہ قبول کر کے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ گناہ مٹا کے اسے ایسا پاک قرار دیا جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں' گویا فرمایا کہ وہ مغفرت اور قبولیت کا جامع ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے رہنے والے ایک بہادر اور بہت خوف خدا رکھنے والے آدمی کو نہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا' آپ کو بتایا گیا کہ وہ شراب پینے لگ گیا ہے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت منشی کو فرمایا: تم لکھو: ''من عمر الی فلان سلام علیك وانا احمد الیك الله الذی لا اله الا هو بسم الله الرحمن الرحیم'' پھر ''حٰم'' سے ''الیه المصیر'' تک لکھ کر خط ختم کر دیا اور اپنے قاصد کو خط دے کر فرمایا کہ یہ رقعہ اسے اس وقت تک نہیں دینا جب تک کہ نشہ کی حالت سے باہر نہ آ جائے' پھر جب ہوش میں آ جائے تو اسے یہ رقعہ دے دینا' پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ تم اس کے حق میں توبہ کی توفیق کی دعا کرو' پھر جب وہ صحیفہ اسے ملا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور کہنے لگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری مغفرت و بخشش کا وعدہ فرمالیا ہے اور اپنے عذاب سے مجھے ڈرایا ہے' چنانچہ وہ بار بار دہراتا گیا یہاں تک کہ رونے لگ گیا' پھر وہ شراب پینے سے باز آ گیا اور وہ اچھی

طرح رُک گیا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوگئی' جب اس کی توبہ کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو آپ نے اپنے پاس حاضرین سے فرمایا: تم اسی طرح کیا کرو' جب تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ وہ راہِ راست سے پھسل گیا ہے تو تم اس کی اصلاح کرو اور اسے سیدھا کر دو اور اس کے لیے دعا کرو کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو اور تم اس کے خلاف شیطان کے معاون نہ بنو ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے [یہ بھی ''ذی الطول'' کی طرح صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو] ﴿ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

٤- ﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' وہی انہیں جھٹلانے اور ان کا انکار کرنے کے لیے ان میں بحث و مباحثہ اور جھگڑا کرتے ہیں اور اس پر یہ ارشادِ مبارک دلالت کر رہا ہے: ''وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ'' (غافر:٥)''اور انہوں نے باطل کے ساتھ جھگڑا کیا تا کہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں''' اور لیکن مشتبہ آیات کی وضاحت کرنے اور مشکل آیات کے حل کرنے اور ان سے معانی کو حاصل کرنے اور اہل کج اور بد مذہب کا رد کرنے کے لیے بحث و مباحثہ کرنا اور جھگڑنا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے ﴿ فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴾ سوائے مخاطب! تمہیں ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے (یعنی) ان کا رائج و نقد تجارتیں اور منافع بخش کاروبار کرنا اور لوٹ مار کے باوجود صحیح و سالم رہنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ آخر کار ان کا انجام آخرت کے عذاب کی طرف جانا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی اور بتلایا کہ بے شک ان (کفارِ مکہ) سے پہلے جن امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا وہ سب ہلاک کر دی گئی تھیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

٥- ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ﴾ ان (قریش مکہ) سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿ وَالْاَحْزَابُ ﴾ اور دیگر گروہوں نے بھی اپنے رسولوں اور نبیوں کو جھٹلایا تھا یعنی جن لوگوں نے اپنے رسولوں کے خلاف گروہ بندی کر لی اور ان کے سخت دشمن بن گئے اور ان کا مقابلہ کیا اور وہ عاد' ثمود' قومِ لوط علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر گروہ تھے ﴿ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ان کے بعد (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ ﴾ اور ان امتوں میں سے ہر ایک امت نے اپنے اپنے رسول کے ساتھ مخالفت کا پختہ ارادہ کر لیا' وہ یہ تھیں: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے علاوہ مختلف امتوں کے گروہ ﴿ لِيَاْخُذُوْهُ ﴾ تا کہ وہ اس پر غالب آ جائیں اور اسے قابو کر لیں' پھر وہ اسے قتل کر دیں اور ''اخیذ'' کا معنی ہے: کسی کو گرفتار کرنا اور قید کرنا' تو ''لیاخذوہ'' کا معنی ہوا: تا کہ وہ اس کو گرفتار کر لیں اور قید کر لیں ﴿ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ ﴾ اور انہوں نے اپنے رسولوں سے باطل یعنی کفر کے ذریعے جھگڑا کیا ﴿ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ ﴾ تا کہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں (یعنی) تا کہ وہ لوگ اس کے ذریعے اہل ایمان کے ایمان کو ختم کر ڈالیں ﴿ فَاَخَذْتُهُمْ ﴾ پھر میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا یعنی جب انہوں نے اپنے رسولوں کو گرفتار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہیں رسولوں کے گرفتار کرنے کے ارادے پر یہ سزا دی گئی کہ میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو سخت ترین سزا دی [ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت کے مطابق ''فَاَخَذْتُهُمْ'' میں ذال کو ''تا'' میں مدغم کرنے کی بجائے مظہر کر کے پڑھا گیا ہے (جب کہ نافع مدنی وغیرہ کی قراءت میں ذال کو ''تا'' میں مدغم کیا گیا ہے)] ﴿ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی تم ان کے شہروں کے پاس سے گزرتے ہو اور تم اس (ہلاکت و تباہی اور عذاب) کی علامات و نشانیاں دیکھتے ہو (جس سے تمہیں عبرت حاصل کر کے اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے) اور یہ ایک ایسی تقریر

ہے جس میں تعجب کا معنی پایا جاتا ہے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''عقابی'' ہے]۔

٦ - ﴿ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان ان کافروں پر بھی سچا ثابت ہو گیا ہے کہ بے شک یہ دوزخی ہیں یعنی اس وجوب کی طرح کفار پر ان کا دوزخی ہونا واجب ہو گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح جڑ سے اکھیڑنے والے عذاب کے ساتھ دنیا میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا' اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ کے عذاب میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے [یا پھر یہ لام تعلیل اور ایصال فعل کے محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] اور ''الذین کفروا'' سے قریش مکہ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ان سابقہ امتوں کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا' اسی طرح ان قریش مکہ کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے کیونکہ انہیں ایک علت (رسولوں کی تکذیب) جمع کر دیتی ہے کہ یہ سب دوزخی ہیں [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''کلمات ربك'' ہے اور ''انهم اصحاب النار'' محلاً مرفوع ہے اور ''کلمة ربك'' سے بدل ہے اور ''انهم اصحاب النار'' پر وقف کرنا لازم اور ضروری ہے کیونکہ وصل کر کے (ملا کر) پڑھا جائے تو پھر ''الذین یحملون العرش'' میں عرش اٹھانے والے اور اردگرد حلقہ بنانے والے فرشتے ''اصحاب النار'' کی صفت ہو جائیں گے اور اس کا فساد ظاہر ہے]۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع اور کشادہ ہے' سو تو ان کو بخش دے جنہوں نے توبہ کر لی اور تیری راہ پر چل پڑے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے ○

مسلمانوں کے لیے فرشتوں کا دعائے مغفرت کرنا

٧ - ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ ﴾ جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں یعنی عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد حلقہ بنانے والے اور وہ کرّوبیین فرشتے ہیں جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کے پاؤں سب سے نچلی زمین تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کے سر عرش کے آر پار نکلے ہوئے ہیں اور انہوں نے عرش کو اپنے کندھوں پر بڑی عاجزی کے ساتھ اٹھایا ہوا ہے' وہ اپنی نگاہیں اوپر کی طرف نہیں اٹھاتے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح اور شام روزانہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کو سلام کیا کریں' یہ حکم صرف ان کی تمام فرشتوں پر فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عرش کے اردگرد ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں قطار در قطار ہو کر تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) پڑھتے ہوئے اس کا طواف کرتے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں

صفیں باندھے تکبیر اور تہلیل میں مصروف ہیں' انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں پر رکھا ہوا ہے اور ان کے پیچھے بھی مزید ایک لاکھ فرشتوں نے صف بندی کی ہوئی ہے' انہوں نے ایمان کو بائیں کندھوں پر رکھا ہے' ان میں سے ہر ایک الگ الگ تسبیح پڑھتا ہے جس کے ساتھ دوسرے کسی فرشتے کی تسبیح نہیں ملتی ﴿ یُسَبِّحُوْنَ ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکی بیان کرتے ہیں ["اَلَّذِیْنَ" مبتدا ہے اور "یُسَبِّحُوْنَ" اس مبتدا کی خبر ہے] ﴿ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ یعنی اس کی تعریف کے ساتھ کیونکہ "بـا" اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتوں کی تسبیح حمد و ثناء اور تعریف کے ساتھ جمع ہے ﴿ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ اور وہ فرشتے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا فائدہ ایمان کی عظمت و فضیلت اور اس کی بزرگی کا اظہار ہے اور ایمان لانے کی ترغیب دینا مقصود ہے اور اس کے باوجود کہ ہمیں معلوم ہے کہ بے شک عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد کے فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ سب مؤمن ہیں' جیسا کہ کئی جگہ ایمان کی اصلاح کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کا وصف بیان کیا گیا ہے اور جیسا کہ اعمالِ خیر کے ذکر کے بعد فرمایا: "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (البلد:١٧) سو اس کے ذریعے بھی ایمان کی فضیلت و عظمت کا اظہار کیا ہے اور "ویـؤمـنـون بـه" ارشاد فرمانے میں تناسب کی رعایت بھی کی گئی ہے ﴿ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ اہل ایمان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرتے ہیں' گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ فرشتے خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا بھی کرتے ہیں جو ایمان لانے میں ان کے حال کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں اشتراک لازمی تقاضا کرتا ہے کہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اگرچہ وہ ایک دوسرے سے دور رہائش پذیر ہوں ﴿ رَبَّنَا ﴾ "ای یـقـولـون ربـنـا" یعنی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! [اور یہ محذوف حال ہے] ﴿ وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے' سو رحمت اور علم یہ دو وہ خوبیاں ہیں جو معنوی طور پر ہر چیز کو محیط ہیں کیونکہ اصل میں "وسع كل شیء رحمتك وعلمك" ہے کہ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے لیکن کلام کو اصل سے ہٹایا گیا ہے کہ فعل کا اسناد صاحب رحمت اور صاحب علم کی طرف کر دیا گیا ہے' [اور ان دونوں کو تمیز کی بناء پر منصوب قرار دیا گیا ہے] یہ محض رحمت و علم کے وصف میں مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿ فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا ﴾ سو تو ان کے لیے مغفرت و بخشش فرما دے جنہوں نے توبہ کر لی ہے یعنی ان میں سے جن کی توبہ تیرے ازلی اور ابدی علم میں آ چکی ہے کیونکہ رحمت اور علم کے ذکر کے یہی مناسب ہے ﴿ وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ ﴾ وہ تیری راہ پر چل پڑے یعنی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا جس کی تو نے دعوت دی ہے ﴿ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴾ اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ ع

اے ہمارے پروردگار! اور تو ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جو ان کے باپ دادا' اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہیں' بے شک تو بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے○ اور تو

ان کو برائیوں سے بچالے اور اس دن جس کو تو برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بے حد رحم کیا' اور یہی بہت بڑی کامیابی ہےO

۸- ﴿ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِلَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور تو انہیں دائمی بہشتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکوں سے وعدہ کیا ہوا ہے [''مَنْ'' محلاً منصوب ہے کہ یہ ''وادخلھم'' کی ''ھم'' ضمیر پر یا پھر ''وعدتھم'' میں ''ھم'' ضمیر پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جن کا تو نے ان کے باپ دادا' بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہیں ان سے جو وعدہ کیا ہوا ہے ﴿ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴾ بے شک تو ہی سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! تو ایسا غالب و جابر بادشاہ ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اور تو اپنی بادشاہی اور عزت و غلبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حکمت و دانائی سے خالی کوئی کام نہیں کرتا اور تیری حکمت کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو پورا فرمائیں۔

۹- ﴿ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ﴾ اور تو انہیں برائیوں سے بچالے یعنی برائیوں کی سزا سے بچالے اور وہ دوزخ کی آگ کا عذاب ہے ﴿ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ﴾ اور جس کو تو اس دن برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بہت بڑا رحم فرمایا ﴿ وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ اور وہ یعنی عذاب کو دور کرنا وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُم بِأَنَّهٗ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَإِن يُشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انہیں پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے ضرور بہت بڑھ کر ہے کیونکہ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہوO وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا' سو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو کیا اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہےO یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم ایمان لے آتے ہو' سو حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سب سے بلند و بزرگ تر ہےO

کفار پر اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کے سبب کا بیان

۱۰- ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے انہیں پکار کر کہا جائے گا (یعنی) جب قیامت کے دن کفار دوزخ کی آگ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ خود اپنی جانوں پر غضب ناک ہو رہے ہوں گے تو دوزخ

کے دربان فرشتے انہیں پکار کر کہیں گے کہ ﴿ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی اور غضب سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے" ای لمقت الله انفسکم اکبر من مقتکم انفسکم "یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کا تمہاری جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونا تمہارا اپنی جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے' سوایک دفعہ "انفسکم" کے ذکر نے بے نیاز کر دیا اور "مقت" کا معنی ہے: بہت سخت بغض و نفرت اور ناراضگی ﴿ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴾ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور تم کفر پر اصرار بھی کرتے ہو اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار سے کہا جائے گا: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر اس لیے ناراض ہے کہ تمہارے نفوس تمہیں برائی اور کفر و شرک اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں' جب انبیائے کرام علیہم السلام تمہیں ایمان کی طرف بلاتے ہیں تو تم ان کی بات کا انکار کر دیتے ہو اور تم ایمان کی بجائے کفر اختیار کر لیتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ناراض و غضب ناک ہونا' اس سے کہیں زیادہ سخت ہے کہ تم آج دوزخ میں آ کر اپنے آپ پر ناراض و غضب ناک ہو رہے ہو کیونکہ تمہیں دوزخ میں تمہاری اپنی خواہشات کی پیروی لے کر آئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کا تم پر ناراض ہونا تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا" (العنکبوت:٢٥) "پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور تم ایک دوسرے پر لعنت کرو گے" ["اذ تدعون" زمخشری کے نزدیک پہلے "مقت" کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ تعلیل کے لیے ہے اور جامع العلوم وغیرہ نے کہا کہ "اذ تدعون" فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر "لمقت الله" دلالت کر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت ناراض ہوا جب انہیں ایمان کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا اور پہلے "مقت" کی وجہ سے منصوب نہیں ہے کیونکہ "لمقت الله" مبتدا ہے اور وہ مصدر ہے اور اس کی خبر "اکبر من مقتکم" ہے اس لیے وہ "اذ تدعون" میں عمل نہیں کرے گا کیونکہ جب مصدر کی طرف سے کوئی خبر دی جائے تو اس کے ساتھ کسی چیز کو متعلق کرنا جائز نہیں ہوتا جو اس کا صلہ بنے کیونکہ اس سے خبر دینا اس کے مکمل ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا متعلق ہونا اس کے ناقص ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور یہ دوسرے "مقت" کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہے' اس لیے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں اور یہ اس لیے کہ کفار اپنے آپ پر دوزخ میں جا کر ناراض ہوں گے اور جب کہ ایمان کی دعوت انہیں دنیا میں دی گئی تھی]۔

١١- ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا یعنی دو دفعہ موت دینا اور دو دفعہ زندہ کرنا' یا دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں' ان کو عدم سے پیدا کرنا پہلی موت ہے (یعنی ماں کے شکم میں روح پھونکنے سے پہلے کی حالت جو محض عدم ہے) اور دنیا میں زندگی کی مدت ختم ہونے پر طبعی موت دینا دوسری موت ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کی پیدائش کو موت (مرنے) کی بجائے مجازاً "اماتة" (مارنا) قرار دیا جائے جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ کہا جائے: پاک ہے وہ ذات جس نے مچھر کے جسم کو چھوٹا بنایا اور ہاتھی کے جسم کو بڑا بنایا اور یہاں پر بڑے سے چھوٹے کی طرف انتقال نہیں (کہ پہلے مچھر بڑا تھا' پھر چھوٹا بنایا) اور نہ چھوٹے سے بڑے کی طرف انتقال ہے (کہ پہلے ہاتھی چھوٹا تھا' پھر بڑا بنا دیا بلکہ) اس میں سبب یہ ہے کہ صغر اور کبر (چھوٹا اور بڑا) دونوں ایک مصنوع پر جائز ہیں' پھر جب صانع نے ان دو جائزوں میں سے ایک کو اختیار کر لیا تو یقیناً دوسرے جائز سے مصنوع کو پھیر لیا' پس صانع کا اس کو اس سے پھیرنا مصنوع کو اس سے منتقل کرنا ہے اور دو زندگیوں میں سے ایک دنیا کی زندگی مراد ہے

اور دوسری زندگی دوبارہ صور پھونکنے پر زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے (یہاں برزخی زندگی یعنی قبر کی زندگی کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ ان دونوں سے مختلف اور غیر ظاہر و غیر محسوس ہے) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ''وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ'' (البقرہ:٢٨) ''اور تم مردہ تھے سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا'' اور بعض حضرات نے کہا کہ پہلی موت سے دنیا کی طبعی موت مراد ہے' دوسری قبر میں مردے سے سوالات کرنے اور جوابات لینے کے لیے زندگی دینے کے بعد موت مراد ہے اور پہلی زندگی سے قبر کی زندگی مراد ہے جو سوالات و جوابات کے لیے مرنے کے بعد عطا کی جائے گی اور دوسری زندگی سے نفخہ ثانی پر زندہ کر کے اٹھنا مراد ہے ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾ سو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے۔ دراصل جب کفار موت دینے اور زندگی دینے کے عمل کو اپنے اوپر بار بار دیکھ لیں گے تو انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے' اسی طرح وہ دوبارہ زندگی کے اعادہ پر بھی ضرور قادر ہے' سو اس لیے وہ اپنے ان گناہوں کا اعتراف کر لیں گے جن کا انہوں نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا جیسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور کفر و شرک' نیز ان کے تابع دیگر گناہ اور نافرمانیاں ﴿فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ تو کیا اب یہاں دوزخ کے عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یعنی نکلنے کی صورت جلد یا بہ دیر تا کہ ہم اس عذاب سے خلاصی حاصل کر لیں' پھر کیا یہ ناامیدی اور مایوسی اس سے پہلے واقع ہو جائے گی' سو نہ نکلنا ہوگا اور نہ نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا؟ اور یہ کلام اس شخص کا ہوتا ہے جس پر مایوسی اور ناامیدی غالب آ چکی ہو اور وہ لوگ یہ بات صرف حیرانگی کی وجہ سے کہیں گے اور اس لیے انہیں اس کے مطابق جواب دیا جائے گا اور وہ یہ ارشاد ہے کہ

١٢- ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کی طرف تمہیں بلایا جاتا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جاتے تو تم ایمان لے آتے یعنی یہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اور جس سے اب کبھی تمہارے لیے کوئی راستہ نکلنے کا نہیں رہا' اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ تمہارا کفر کرنا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر تمہارا ایمان لانا ہے ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ﴾ سو حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اس لیے اس نے تمہارے خلاف دائمی عذاب کا فیصلہ فرمالیا ﴿الْعَلِيِّ﴾ اس کی شان بہت بلند ہے' سو اس کا فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا ﴿الْكَبِيْرِ﴾ اس کی بادشاہی بہت بڑی ہے' سو اس کی سزا کی کوئی حد نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ خوارج کے ایک گروہ حروریہ نے گویا اپنے قول ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی سے لیا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حروراء کے باشندوں نے بغاوت کر دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا: ''اَلْمُحَكِّمُوْنَ'' ہیں' یعنی وہ کہتے ہیں: ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' چنانچہ یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس کا جو مطلب و مراد خوارج بیان کرتے ہیں' وہ باطل ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ

مِنْهُمْ شَىْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾

وہی تو ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتا مگر وہ جو رجوع کرتا ہےO سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اور اگرچہ کفار بُرا مانیںO درجوں کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے' وہی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی کو نازل کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائےO جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کچھ چھپا نہیں رہے گا' آج کس کی بادشاہی ہے' ایک اللہ تعالیٰ کی جو سب پر غالب ہےO آج ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا اس کا بدلہ دیا جائے گا' آج ظلم نہیں ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہےO

اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان اور اس کی خالص عبادت کا بیان

١٣- ﴿ هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے' ہوا' اندھیری' بادل' گرج' بجلی اور کڑک وغیرہ ﴿ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ﴾ اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے (یعنی) بارش برساتا ہے کیونکہ یہ رزق کا سبب ہے ﴿ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ اور نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر جو رجوع کرتا ہے (یعنی) اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے عبرت وسبق حاصل کرتا ہے مگر وہ جو شرک سے توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' سو معاند ومخالف عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتا' پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے والوں کے لیے فرمایا [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) ''يُنْزِلُ'' ہے]۔

١٤- ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کو پکارو (یعنی) سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' ''ادعوا'' بہ معنی ''اعبدوا'' ہے ﴿ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ اسی کے لیے دین کو شرک سے خالص کرتے ہوئے ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور اگرچہ کفار بُرا مانیں اور تمہارا اخلاص انہیں ناگوار ہو اور اگرچہ تمہارے دشمن جو تمہارے دین پر نہیں ہیں' وہ اس خالص دین کی وجہ سے تم پر عیب لگائیں اور تنقید کریں۔

١٥- ﴿ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ ﴾ وہ درجات کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے' وہ روح الامین کو وحی دے کر بھیجنے والا ہے' یہ تینوں ارشادِ باری تعالیٰ ''ھُوَ'' کی خبریں ہیں جو ارشادِ باری تعالیٰ ''الذی یریکم'' پر مرتب ہے یا یہ تینوں محذوف مبتدا کی خبریں ہیں اور ''رفیع الدرجات'' کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بلند کرنے والا ہے یا وہ دنیا میں اپنے نیک بندوں کے درجوں کو مرتبے میں بلند کرنے والا ہے یا پھر جنت میں ان کی منازل کو بلند کرنے والا ہے اور ''ذو العرش'' وہ اپنے عرش کا مالک ہے' جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے جسے اس نے فرشتوں کے طواف کرنے کے لیے پیدا فرمایا' محض اپنی عظمت وشان کے اظہار کے لیے باوجودیکہ وہ اپنی بادشاہی میں سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور ''الروح'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یا اس سے وحی مراد ہے جس کے ذریعے دلوں کو زندگی ملتی ہے ﴿ مِنْ اَمْرِهٖ ﴾ اپنے حکم کے سبب یا اپنے حکم کے ساتھ ﴿ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ ﴾ اپنے بندوں میں سے جس

پر چاہتا ہے تا کہ وہ ڈرائے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ڈرائے یا وہ ڈرائے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور وہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور اس پر حضرت یعقوب کی قراءت (فعل مخاطب) ہے یعنی ''لِتُنْذِرَ'' ﴿یَوْمَ التَّلَاقِ﴾ تا کہ آپ ملاقات کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں کیونکہ اس دن میں آسمان والوں اور زمین والوں کی اور اگلوں اور پچھلوں کی باہمی ملاقات ہوگی [ابن کثیر مکی اور یعقوب کی قراءت میں ''التلاقی'' ہے]۔

١٦- ﴿یَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ﴾ اس دن وہ ایسے ظاہر ہوں گے کہ نہ انہیں پہاڑ چھپا سکیں گے اور نہ ٹیلے اور نہ کوئی عمارت ﴿لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ﴾ ان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گی یعنی ان کے اعمال اور ان کے احوال میں سے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بات اس وقت ارشاد فرمائے گا جب اسے کوئی جواب نہیں دے سکے گا' پھر اللہ تعالیٰ خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب ہے یعنی جس نے تمام مخلوق پر موت کے ذریعے غلبہ پالیا [''الیوم''، ''لِمَنْ'' کے مدلول کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ''لمن ثبت الملك في هذا الیوم'' آج کس کے لیے بادشاہی ثابت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا اور کہے گا: ''لمن الملك الیوم'' آج کس کی بادشاہی ہے' تو اہل محشر جواب دیں گے: ''للّٰه الواحد القهار'' اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب و قابض ہے۔

١٧- ﴿اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب ثابت ہوگیا کہ آج کے دن بادشاہی صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتائج کو شمار کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا' اس نے دنیا میں جو کچھ نیک اور بد عمل کیے ہوں گے اور یہ کہ سب لوگ ظلم و ستم سے محفوظ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور یہ کہ بے شک حساب و کتاب میں تاخیر نہیں کی جائے گی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا حساب دوسرے کے حساب سے باز نہیں رکھے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا ایک ہی وقت میں حساب لے لے گا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ
مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿١٨﴾ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾
وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿٢٠﴾

ع ١١

اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیں جب کہ دل حلقوم کے پاس غم کے مارے رُکے رہیں گے' ظالموں کے لیے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہنا مان لیا جائے O وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے O اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے' اور اس کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O

۱۸ - ﴿ وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡاٰزِفَۃِ ﴾ اور آپ انہیں عنقریب آنے والے دن سے ڈرائیں (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرائیں اس کا یہ نام ''آزفہ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''آزفۃ'' کا معنی ہے: قریب اور نزدیک یعنی قیامت کے قرب کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے ﴿ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَی الۡحَنَاجِرِ ﴾ اس وقت دل حلقوم کے پاس پہنچ جائیں گے یعنی گلے کی ہڈی تک یعنی ان کے دل دہشت کے مارے اپنی اصل جگہ سے اوپر چڑھ آئیں گے اور حلقوم کے ساتھ لپٹ جائیں گے سو نہ تو وہ باہر نکل پڑیں گے کہ موت واقع ہو جائے اور وہ مر جائیں اور نہ وہ اپنی اصل جگہ کی طرف لوٹیں گے کہ وہ سانس لے سکیں اور راحت وسکون کرسکیں [یہ ''یوم الآزفۃ'' سے بدل ہے] ﴿ کٰظِمِیۡنَ ﴾ وہ حلقوم کے پاس رُک جائیں گے' یہ ''کظم القربۃ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کا سرا کس کر باندھ دیا جائے اور یہ دلوں کے لیے محال ہے' اس لیے اصحاب قلوب پر محمول ہے اور اس کو جمع سالم اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''کظم'' کے ساتھ متصف ہوتا ہے جب کہ غصہ پینا عقلاء کے افعال سے ہے۔

﴿ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ حَمِیۡمٍ ﴾ ظالموں کے لیے (یعنی) کافروں کے لیے کوئی حمایت کرنے والا' دوستی کرنے والا اور شفقت ومحبت کرنے والا نہیں ہوگا ﴿ وَّ لَا شَفِیۡعٍ یُّطَاعُ ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی اطاعت کی جائے یعنی جس کی شفاعت قبول کی جائے کیونکہ اطاعت حقیقت میں اپنے سے بڑے کی کی جاتی ہے اور یہاں شفاعت اور اطاعت دونوں کی نفی مراد ہے' جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

''ولا ترى الضبّ بها ينجحر'' اور تم نہیں دیکھو گے کہ گوہ اپنے لیے بھٹ یا سوراخ بناتی ہو' اس شعر میں گوہ اور اس کے بھٹ بنانے کی نفی مراد ہے اور اگرچہ بہ ظاہر لفظ اطاعت کی نفی کا احتمال رکھتا ہے' شفاعت کی نفی کا نہیں' چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ان کے لیے کبھی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

۱۹ - ﴿ یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ ﴾ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو خوب جانتا ہے۔ ''خائنۃ'' مصدر بہ معنی خیانت ہے' جیسے ''عافیۃ'' بہ معنی ''معافات'' ہے اور مراد یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو چور نظروں سے دیکھنا جن کا دیکھنا حلال نہیں ہے ﴿ وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴾ اور جو کچھ سینے چھپاتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (یعنی) اور جو کچھ امانت اور خیانت اور اچھے بُرے اسرار ورموز وغیرہ سینے چھپاتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اجنبی عورت کو چور نظروں سے شہوت کے ساتھ دیکھنا' پھر اپنے دل میں اس کے حسن وجمال کے بارے میں غور وفکر کرنا مراد ہے اور جو لوگ اس کے پاس حاضر وموجود ہیں' وہ اس کی چور نظروں اور شہوت سے بھرپور سوچ کو نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے [''یعلم خائنۃ الاعین'' ایک خبر ہے ''ھُوَ'' کی خبروں میں سے جو کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''ھو الذی یریکم 'ایاتہ'' میں موجود ہے جیسے ''یلقی الروح'' ہے اور لیکن ''یلقی الروح'' ارشادِ باری تعالیٰ ''لینذر یوم التلاق'' سے معطل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''یوم التلاق'' یعنی قیامت کے دن کے احوال کا ذکر مستقل بیان فرمایا اور یہ ''ولا شفیع یطاع'' تک ہے کیونکہ یہ دوسرے معتقدات سے دور ہے]۔

۲۰ - ﴿ وَ اللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جس کی یہ صفات ہوں گی وہ صرف انصاف کا فیصلہ کرے گا ﴿ وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ ﴾ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے (یعنی) اور ان کے معبود کسی چیز کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے اور یہ کفار کے ساتھ تمسخر ہے کیونکہ جو قدرت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا' اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ فیصلہ کرتا ہے یا وہ فیصلہ نہیں کرتا ہے

[نافع مدنی کی قراءت میں "یدعون" کی بجائے "تدعون" ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا ہے ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ یہ کلام مبارک ارشادِ باری تعالیٰ "يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ O" (غافر:۱۹) کی تقریر ہے اور کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب سنتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ عمل کرتے ہیں انہیں خوب دیکھ رہا ہے اور بے شک وہ انہیں ان اعمال پر سخت سزا دے گا اور یہ کلام مبارک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان تمام معبودوں پر طعن ہے جن کی کفار عبادت کرتے ہیں کہ وہ نہ کچھ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے' وہ ان سے قوت و طاقت میں اور زمین پر عمارات بنانے میں بہت سخت تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا' اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں تھا O یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے' سو انہوں نے کفر اختیار کر لیا' پس اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا' بے شک وہ بہت طاقتور ہے سخت عذاب دینے والا ہے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا O

رسولوں کی تکذیب پر کفار کی ہلاکت کا بیان

۲۱- ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا تھا یعنی ان (کفارِ مکہ) سے پہلے جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کو جھٹلایا تھا ان کے معاملے کا آخری انجام کیسا بھیانک ہوا تھا ﴿كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ پہلے لوگ تو ان سے بہت زیادہ سخت طاقتور تھے ["هم" ضمیر فصل ہے اور اس کا اصل میں حق یہ ہے کہ اس کو دو معرفوں کے درمیان لایا جائے مگر "اشد منهم" معرفہ کے مشابہ ہے کیونکہ معرفہ کی طرح اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا' سو اس لیے اس کو اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "اشد منكم" ہے] ﴿وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین پر تاریخی نشانات بنانے پر سخت محنتی تھے یعنی مضبوط قلعے اور محلات تعمیر کرنے میں سخت قوت آزمائی کرتے تھے ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں ان کے گناہوں کے سبب سخت سزا دی ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتی۔

٢٢ - ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ وہ یعنی یہ گرفت اس سبب سے ہوئی کہ بے شک وہ ﴿ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ ﴾ ایسے لوگ تھے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا بے شک وہ بہت قوت رکھنے والا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ سخت عذاب دینے والا ہے' جب وہ سزا دیتا ہے۔

٢٣ - ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے نو معجزات کے ساتھ بھیجا ﴿ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور ایک خاص روشن دلیل کے ساتھ اور ظاہر حجت کے ساتھ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع ٨

فرعون اور ھامان اور قارون کی طرف بھیجا' سو انہوں نے کہا: بہت جھوٹا جادوگر ہے O پھر جب وہ ہماری طرف سے حق کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دو' اور کافروں کا کوئی فریب ایسا نہیں ہوتا مگر وہ ضائع ہو جاتا ہے O اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور تا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارے' بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا یا وہ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا O اور موسیٰ نے فرمایا: بے شک میں ہر اس متکبر سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا O

٢٤ - ﴿ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا ﴾ فرعون اور ھامان اور قارون کی طرف' سو انہوں نے کہا: "ھُوَ" ﴿ سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ وہ جھوٹا جادوگر ہے' پس انہوں نے واضح اور روشن معجزہ کو جادو اور جھوٹ قرار دیا۔

٢٥ - ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق یعنی نبوت کے ساتھ ان کے پاس پہنچے ﴿ قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو یعنی جس طرح پہلے قتل کا منصوبہ جاری تھا' اسی طرح ان ایمان لانے والوں پر بھی وہی قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر دو ﴿ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ ﴾ اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو تا کہ ان سے گھروں کی خدمت لی جائے ﴿ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ اور کافروں کا مکر و فریب صرف ضائع ہو جاتا ہے یعنی فرعونیوں نے پہلی مرتبہ جس خوف کی طرف سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا تو اس منصوبہ نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کا

فیصلہ نافذ ہو کر رہا اور وہ جس (بچہ) سے ڈرتے تھے' اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا' چنانچہ قتل کا یہ دوسرا منصوبہ بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور پہلی مرتبہ فرعون بچوں کے قتل سے محض اس لیے رُک گیا تھا کہ اگر سب بچے قتل ہو گئے تو خدمت گزار ختم ہو جائیں گے' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو گئے اور اس نے محسوس کیا کہ وہی کچھ واقع ہو گیا ہے جس کا اسے ڈر تھا تو وہ بنی اسرائیل پر دوبارہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے یہ گمان کر کے قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر دیا کہ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعاون سے رُک جائیں گے اور اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کا مکر وفریب دونوں مرتبہ ضائع جائے گا۔

۲۶- ﴿ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی ﴾ اور فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دوں' کیونکہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تو اس کے درباری یہ کہہ کر اسے قتل سے روک دیتے تھے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کا تجھے خوف ہے اور یہ اس سے کمزور اور معمولی انسان ہے اور یہ صرف جادوگر ہے اور جب تو اسے قتل کر دے گا تو لوگوں پر شبہہ ڈال دے گا اور وہ یقین کر لیں گے کہ تو دلیل کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے اور ظاہر ہے کہ فرعون کو یہ یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ معجزات ہیں جادو نہیں اور لیکن فرعون میں دغابازی تھی اور بہت قاتل اور خون ریز سفاک شخص تھا اور قتل وخون ریزی اس کے لیے معمولی چیز تھی تو بھلا وہ اس شخص کو کیسے قتل نہ کرتا جس کے بارے میں اسے محسوس ہو چکا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو اس کے ملک کو تباہ اور برباد کر دے گا مگر وہ اس بات سے ڈرتا تھا کہ اگر آپ کو قتل کرنا چاہا تو اسے فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿ وَلۡیَدۡعُ رَبَّهٗ ۚ ﴾ اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ کی دعا سے بہت خوف تھا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی ﴾ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں' یہ محض اپنی قوم پر یہ ظاہر کرنا تھا اور انہیں یہ باور کرانا تھا کہ یہی لوگ ہیں جو اس کو قتل سے روکے ہوئے ہیں حالانکہ اس کے دل میں قدرتی ہولناک گھبراہٹ تھی' جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رکھا ہوا تھا ﴿ اِنِّیۡۤ اَخَافُ ﴾ بے شک مجھے یہ خوف اور ڈر ہے کہ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو ﴿ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ ﴾ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا اور جس دین پر تم اس وقت گامزن ہو اس کو وہ تبدیل کر دے گا اور اس وقت وہ لوگ فرعون کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ﴿ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴾ یا یہ کہ (حضرت) موسیٰ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا اور زمین میں فساد سے قتل و غارت کرنا' ایک دوسرے پر حملے کرنا' لڑائی جھگڑا کرنا مراد ہے' جس کی وجہ سے امن وامان ختم ہو جاتا ہے' کھیتی باڑی اور باہمی کاروبار' محنت مزدوری' زندگی کے تمام مسائل معطل و بے کار ہو جاتے ہیں اور لوگ قتل و غارت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں' گویا فرعون نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ تمہیں اپنے دین کی طرف دعوت دے کر تمہارے دین کا تمہارے لیے خاتمہ کر دے گا یا وہ تمہاری دنیا تم پر فاسد وتباہ کر ڈالے گا کیونکہ اس کے سبب سے کئی فتنے ظاہر ہو جائیں گے [نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں ''ان یظهر'' میں ''یا'' مضموم ہے اور ''الفساد'' میں دال مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا'' مفتوح اور دال مضموم ہے اور پہلا قول ''ان یبدل'' کے موافق ہے' اس لیے وہی بہتر ہے اور اہل کوفہ کے علاوہ دیگر کے نزدیک ''وَاَنۡ'' ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین اور دنیا دونوں کو فاسد وتباہ کر دے گا]۔

۲۷- ﴿ وَقَالَ مُوۡسٰۤی ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ دراصل جب حضرت موسیٰ نے فرعون کی وہ باتیں سنیں

جو اس نے آپ کے قتل کرنے کے بارے میں اپنی قوم سے کی تھیں' تو اس وقت آپ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾ بے شک میں ہر تکبر کرنے والے سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول ''ربکم'' میں ان کو ترغیب دینا ہے کہ وہ بھی آپ کی پیروی کریں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں' جس طرح حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''من کل متکبر '' اس لیے فرمایا تا کہ آپ کا استعاذہ فرعون وغیرہ تمام جابروں کو شامل ہو جائے اور تا کہ تعریض کے طریقہ پر ہو جائے' سو یہ زیادہ بلیغ ہے اور تکبر سے مراد حق کے لیے یقین سے تکبر چاہنا اور یہی سب سے زیادہ بدترین وقبیح ترین تکبر چاہنا ہے اور یہ روّیہ تکبر چاہنے والے کی کمینگی کی دلیل ہے اور اس کی بہت زیادہ پست ذہنی کی علامت ہے اور اس کے ظلم کی انتہاء کی دلیل ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ '' وہ متکبر حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ اس لیے کہ جب کسی آدمی میں تکبر اور یوم جزاء کی تکذیب اور آخرت سے بے نیازی جمع ہو جائیں تو اس میں بدبختی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں پر بے باکی کے اسباب مکمل ہو جاتے ہیں اور ایسا آدمی بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے [''عُذْتُ'' اور ''لُذْتُ'' ہم معنی ہیں اور ابو عمرو' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''عُذْتُ'' کی بجائے ادغام کے ساتھ ''عُتُّ'' پڑھا گیا ہے]۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝۲۸

اور فرعون کی آل میں سے ایک مسلمان مرد نے کہا' جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا: کیا تم اس مرد کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا' اور اگر (بفرضِ محال) وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا' اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتا ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا' بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے بہت جھوٹ بولنے والے شخص کو ہدایت نہیں دیتا O

فرعون کی فریب کاری اور آل فرعون کے مسلمان کی حق گوئی

۲۸ - ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ﴾ اور آل فرعون میں سے ایک مسلمان مرد نے فرمایا جو ایمان چھپاتا تھا' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قبطی قوم کا ایک آدمی تھا جو فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور وہ پوشیدہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا [اور ''من آل فرعون'' ''رجل'' کی صفت ہے] اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا [اور ''مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ'' ''یَكْتُمُ'' کے متعلق ہے اور اسی کا صلہ ہے] یعنی جو اپنا ایمان چھپاتا تھا وہ آل فرعون سے تھا اور اس کا نام سمعان تھا یا حبیب تھا یا خربیل یا حزبیل تھا (بعض نسخوں میں حزبیل کی بجائے حزقیل بھی لکھا

ہے)اور پہلا قول ظاہر ہے ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ ﴾ کیا تم اس آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے' اصل میں ''لِاَنْ یَّقُوْلَ'' ہے (لام تعلیل کا ہے' ترجمہ اسی کے مطابق ہے) اور یہ اس کی طرف سے بہت بڑا انکار ہے' گویا اس مسلمان مرد نے یہ کہا کہ کیا تم اس قدر بدترین فعل کا ارتکاب کرتے ہو جو کہ ایک محترم جان کا قتل ہے جسے شہید کرنا حرام اور ممنوع ہے اور تمہارے لیے اس فعل کے ارتکاب پر ماسوا کلمۂ حق کہنے کے اور کوئی سبب نہیں ہے اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ ﴿ رَبِّیَ اللّٰهُ ﴾ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمہارا پروردگار بھی ہے' اکیلا اس کا پروردگار نہیں ﴿ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ حالانکہ بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے یعنی انہوں نے اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے صرف ایک دلیل کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ وہ اس ذاتِ اقدس کی طرف سے بہت سی روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے جس کی طرف ربوبیّت اور پالنے کی نسبت کی گئی ہے اور اس کا اعتراف اور اقرار کرنا ان کے لیے استدراج ہے [یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ﴾ اور اگر (بفرضِ محال) وہ جھوٹے ہوئے تو ان کے جھوٹ کا وبال انہیں پر ہوگا اور اگر وہ سچے ہوئے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا' اس آیت مبارکہ میں اس مسلمان آدمی نے ان پر تقسیم کے طریقہ پر حجت پیش کی تھی' سو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ میں دو حال سے خالی نہیں' یا تو وہ جھوٹے ہوں گے یا وہ سچے ہوں گے' پھر اگر وہ جھوٹے ہوئے تو اس کے جھوٹ کا وبال بھی صرف اسی پر ہوگا اور وہ اس سے خطاء نہیں جائے گا اور اگر وہ سچے ہوئے تو جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا بعض حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا اور اس مسلمان مرد نے ''کل الذی یعدکم'' نہیں فرمایا باوجودیکہ یہ سچ بولنے والے نبی کا وعدہ ہے' یہ محض ان پر نرمی کا روّیہ اپنانے کے لیے اور انصاف کی راہ پر چلانے کے لیے' سو اس لیے وہ چیز بیان کی جو ان کے تسلیم کرنے کے زیادہ قریب ہے اور اس میں ''کل عذاب'' پہنچنے کی نفی بھی نہیں ہے' پس گویا اس مسلمان مرد نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس کے سچے ہونے کی صورت میں کم از کم اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ دنیا کا عذاب ہے اور اس عذاب میں تمہاری ہلاکت ہوگی اور ان سے دنیا اور آخرت دونوں عذابوں کا وعدہ کیا گیا تھا اور ''کاذب'' کی ''صادق'' پر تقدیم بھی اسی قبیل سے ہے اور بعض کی ''کل'' کے ساتھ تفسیر کرنا نہایت کمزور ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے تجاوز کرنے والا اپنے دعویٰ کرنے میں بہت جھوٹ والا ہوتا ہے اور یہ بھی بدمعاملگی کے باب سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا اور اس کو ہلاک کر دے گا یا پھر اگر وہ حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو نبوت کی ہدایت عطاء نہیں فرمائے گا اور نہ اس کو واضح معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ مضبوط کرے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ آل فرعون کے مسلمان مرد نے ان کے وہم میں یہ خیال ڈال دیا کہ ''مسرف'' سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مراد لیا ہے حالانکہ وہ خود فرعون مراد لے رہے تھے (کیونکہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرا کے ''مسرف'' اور الوہیت کا دعویٰ کر کے کذّاب بھی تھا)۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ

الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾

اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تم زمین پر غالب ہو' سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری کون مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آجائے' فرعون نے کہا کہ میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جو میں درست سمجھتا ہوں اور میں تمہیں ہدایت جاری نہیں کرتا مگر بھلائی کی راہ کی O اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر پہلے گروہوں کے دن جیسا خوف ہے O جیسے قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کا دستور تھا' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا O

٢٩- ﴿ یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ ﴾ اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تمہیں غالب اور حاوی ہو ["ظاہرین"، "لکم" میں "کم" ضمیر مخاطب سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فِی الْاَرْضِ ﴾ مصر کی سرزمین میں ﴿ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری مدد کون کرے گا اگر وہ عذاب ہم پر آ گیا یعنی بے شک آج تم ملک مصر کے بادشاہ ہو اور تم یہاں کے تمام لوگوں پر غالب ہو اور تم ان پر حاوی ہو چکے ہو' سو تم اپنے حکومت کے معاملہ کو اپنے آپ پر خراب نہ کرلو اور تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ یعنی اس کے عذاب کے درپے نہ ہو جاؤ کیونکہ تم اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے ہو اگر وہ تم پر آجائے اور نہ تمہیں اس سے کوئی بچا سکے گا اور آلِ فرعون کے اس مردِ مجاہد مسلمان نے "یَنْصُرُنَا" اور "جَآءَنَا" (جمع متکلم کے فعل) بیان فرمائے' یہ محض اس لیے کہ وہ قرابت اور رشتہ داری کی بناء پر انہیں میں سے تھا اس لیے فرمایا تاکہ انہیں بتادے اور انہیں معلوم کرادے کہ یہ ان کا بہت بڑا خیر خواہ ہے اور یہ ان کے ساتھ اس میں شریک ہے ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی ﴾ فرعون نے کہا: میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جس کو میں درست خیال کرتا ہوں یعنی میں اپنی رائے کے ذریعے تمہیں مشورہ نہیں دیتا مگر یہی مشورہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اسے قتل کر دیا جائے یعنی اسے قتل کرنا ہی بہتر اور درست رائے ہے اور یہ جو تم اسے قتل نہ کرنے کی بات کرتے ہو یہ درست نہیں ہے ﴿ وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴾ اور میں اپنی اس رائے کے ذریعے تمہاری رہنمائی نہیں کر رہا مگر صحیح اور درست راستے کی رہنمائی کر رہا ہوں یا یہ کہ میں تمہیں نہیں بتلاتا ہوں مگر وہی جس کو میں خود درست اور صحیح جانتا ہوں اور میں اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا اور نہ میں تم سے اس کے خلاف کچھ چھپاتا ہوں جو میں ظاہر کر رہا ہوں یعنی اس کی زبان اور اس کا دل اس بات پر متفق ہیں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے' وہ صحیح ہے اور بے شک فرعون نے جو کچھ کہا' سفید جھوٹ کہا' سو وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سخت خوف محسوس کرتا تھا لیکن بہ ظاہر مضبوط اور بے پرواہ بن کر رہتا تھا اور اگر اس کو آپ سے کوئی خوف محسوس نہ ہوتا تو وہ کسی سے مشورہ نہ لیتا اور نہ وہ اس معاملہ کو مشورہ پر موقوف رکھتا۔

٣١'٣٠- ﴿ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴾ اور جو (آلِ فرعون میں سے) ایمان لا چکا تھا' اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں تم پر گزشتہ گروہوں کے دن جیسا خوف محسوس کرتا ہوں یعنی ان کے دنوں جیسا [اور یہ اس لیے کہ جب اس نے "یوم" کو "احزاب" کی طرف مضاف کیا اور اس نے اپنے (درج ذیل) قول

سے ان کی تفسیر بیان کی ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد والوں کا دستور اور طریقہ جاری ہو چکا ہے) اور کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہا کہ ان میں سے ہر گروہ اور ہر امت کے لیے ہلاکت وتباہی کا الگ الگ دن تھا تو اس لیے جمع کی بجائے واحد پر اکتفاء کیا] اور کفر وشرک‘ تکذیب اور دیگر گناہوں کے اعمال میں ان فرعونیوں کا طریقہ اور عادت انہیں گزشتہ گروہوں اور امتوں کے طریقہ اور عادت جیسا تھا اور انہوں نے ان گزشتہ قوموں کے طریقہ اور عادت سے ہونے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی [پس مضاف کو محذوف ماننا واجب ولازم ہے’’ای (مثل) جزآء دابھم ‘‘یعنی ان کے دستور کی سزا کی طرح اور دوسرا’’مثل‘‘اس لیے منصوب ہے کہ پہلے’’مثل‘‘کا عطف بیان ہے] ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے وہ اس طرح کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب دے یا وہ جس قدر عذاب کے مستحق ہوں اس سے زیادہ عذاب دے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا عین انصاف ہے کیونکہ وہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں اور یہ (درج ذیل) ارشاد’’وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ O‘‘(فصلت:۴۶) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے ظلم کے ارادے کی نفی کر دی گئی اور جو اپنے بندوں پر ہر قسم کے ظلم کے ارادہ سے دور ہے‘ وہ ظلم سے بہ طریق اولیٰ دور ہوگا‘ بہت دور اور معتزلہ کی یہ تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے ایک دوسرے پر ظلم کریں عقل وخرد سے بہت دور ہے‘ کیونکہ اہل لغت نے کہا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے:’’لا ارید ظلما لك‘‘تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میں تم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا‘ اور یہ دنیا کے عذاب سے ڈرانا ہے‘ پھر اس نے انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا‘ چنانچہ اس نے کہا کہ

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ ۚ

اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر اس دن کا ڈر ہے جب ایک دوسرے کو پکاریں گے O اس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹ جاؤ گے‘ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا‘ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں O اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف روشن نشانیاں لے کر آئے تھے‘ سو وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تم اس کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب وہ انتقال کر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی کو رسول بنا کر ہرگز نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے O

٣٢- ﴿ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر ایک دوسرے کو چیخ کر پکارنے کے دن کا خوف اور ڈر ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ چیخ و پکار کا دن وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں پکارنے کی حکایت بیان فرمائی کہ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ'' (الاعراف:٤٤) ''اور جنتی حضرات دوزخیوں کو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے: بے شک ہمارے پروردگار نے ہم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا تو کیا تمہارے پروردگار نے تم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ تم نے ٹھیک پالیا' وہ جواب میں کہیں گے: جی ہاں!''۔ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ○'' (الاعراف:٤٨) ''اور اعراف والے ان لوگوں کو بہ آوازِ بلند پکاریں گے جن کو وہ ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے: کیا تمہاری جماعت نے اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس تکبر نے تمہیں کوئی فائدہ دیا؟○''۔ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'' (الاعراف:٥٠) ''اور دوزخی جنتیوں کو بلند آواز سے پکاریں گے کہ تم تھوڑا سا پانی اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق عطا کیا ہے' اس میں سے کچھ ہم پر انڈیل دو' اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن بہ آوازِ بلند پکار کر اعلان کیا جائے گا کہ خبردار ہو جاؤ! فلاں آدمی بلاشبہ ایسا سعادت مند اور نیک بخت ہو گیا ہے کہ اب اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں بنے گا' خبردار ہو جاؤ! بے شک فلاں شخص ایسا شقی اور بد بخت ہو گیا ہے کہ اس کے بعد اب کبھی وہ نیک بخت نہیں بنے گا۔

٣٣- ﴿ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ﴾ جس دن تم پیٹھ موڑ کر پھر جاؤ گے (یعنی) حساب و کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف پھر جائیں گے ﴿ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی بچانے والا اور روکنے والا اور کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہوگا ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا اور اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

٣٤- ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اور بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اس سے پہلے روشن دلیلیں لے کر تمہارے پاس تشریف لائے تھے اور بعض حضرات نے کہا: یہ حضرت یوسف بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام ہیں جو بیس سال تک ان میں نبی بن کر قیام پذیر رہے اور بعض حضرات نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون وہی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا' اس کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا کی یہاں تک کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک تک زندہ رہا اور جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ وہ کوئی دوسرا فرعون تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس معجزات لے کر تشریف لائے تھے ﴿ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ﴾ وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تو تم اس کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہے' سو تم نے اس میں شک کیا تھا اور ہمیشہ تم شاکی رہے ﴿ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ﴾ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہہ دیا: اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا' تم نے بغیر دلیل کے اپنی طرف سے خود ہی فیصلہ کر لیا یعنی تم اپنے کفر پر قائم رہے اور تم نے یہ گمان کر لیا اب تم پر نئی حجت واجب نہیں کی جائے گی ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بہت شک کرنے والا ہوتا ہے' یعنی اس گمراہی کی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی میں

چھوڑ دیتا ہے جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کرنے والا اپنے دین میں بہت شک کرنے والا ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بہت ہی ناپسند ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر' سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہےO اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید میں ان راستوں تک پہنچ جاؤںO جو آسمانوں کے راستے ہیں' پس میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ لوں اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے بُرے عمل خوش نما بنا دیئے گئے اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی سازش تباہی میں ہی ڈال دی گئیO

۳۵- ﴿ اِلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ ﴾ جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں [یہ "من هو مسرف" سے بدل ہے اور اس کو اس سے بدل بنانا جائز ہے اور وہ جمع ہے کیونکہ اس سے ایک حد سے تجاوز کرنے والا مراد نہیں بلکہ ہر "مسرف" مراد ہے] ﴿ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (یعنی) ان کے رد کرنے میں اور ان کو باطل کرنے میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ ﴾ بغیر حجت اور بغیر دلیل کے ﴿ اَتٰىهُمْ ؕ ﴾ کہ ان کے پاس آئی ہو ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ ﴾ وہ (جھگڑنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بڑا قابل نفرت عمل ہے یعنی بہت بڑا ناپسندیدہ عمل ہے ["کبر" کا فاعل ضمیر ہے "من هو مسرف" میں "مَنْ" کا کلمہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے' سو بدل "الذين يجادلون" کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے اور "هو" ضمیر جو "مَنْ" کی طرف لوٹتی ہے' اسے اس کے لفظ کے اعتبار پر محمول کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "الذين يجادلون" کو ابتداء کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور اس صورت میں مضاف کو محذوف ماننا ضروری ہے' جس کی طرف "کبر" کی ضمیر راجع ہوگی اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "جدال الذين يجادلون كبر مقتا"] ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر و سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے [اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "قلب" تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں "قلب" تکبر اور تجبر کا موصوف ہوگا' اس لیے کہ یہی دل میں تکبر و سرکشی کا منبع و مرکز ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں: "سمعت الاذن" کانوں نے سنا اور یہ درج ذیل ارشاد کی طرح ہے: "فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ" (البقرہ: ۲۸۳) "سو اس کا دل گناہ گار ہے" حالانکہ اگرچہ پورا انسان گناہ گار ہوتا ہے]۔

۳۶- ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم پر اپنا اثر ورسوخ اور اپنا رعب قائم رکھنے کے لیے یا پھر اپنی جہالت کی وجہ سے کہا کہ ﴿ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا ﴾ اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند و بالا محل تیار کر اور بعض حضرات نے کہا کہ ''صرح'' اس بلند و بالا عمارت کو کہا جاتا ہے جو ہر طرف سے دیکھنے والوں کو دور سے نظر آنے لگے اور کسی بلند اور اونچے پہاڑ' ٹیلے اور درخت وغیرہ کی وجہ سے دیکھنے والے سے مخفی اور پوشیدہ نہ رہے اور اسی وجہ سے جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''صرح الشیء'' ﴿ لَعَلِّيْٓ ﴾ [حجازی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''لَعَلِيَ'' ''یا'' مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] معنی یہ ہے کہ شاید میں ﴿ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴾ راستوں تک پہنچ جاؤں [پھر اس کی عظمت بڑھانے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہاں ایک بہت بڑے معاملہ کا قصد و ارادہ کیا گیا ہے' اس کا بدل لا کر اس کی وضاحت کی گئی]۔

۳۷- ﴿ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ ﴾ آسمانوں کے دروازوں تک یعنی آسمانوں کے راستوں اور اس کے دروازوں تک اور ہر وہ چیز جو ان کی طرف لے جائے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز تک پہنچا دے تو وہ اس کا سبب کہلائے گی جیسے رسّی اور ڈول وغیرہ ﴿ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ﴾ پس میں موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اور معنی یہ ہے کہ پس میں اس دیکھ لوں [''فاطلع'' امام حفص کی قراءت میں منصوب ہے' یہ ''ترجی (لعلی)'' کا جواب ہے کیونکہ ''ترجی'' کو ''تمنی'' کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کے نزدیک ''ابلغ'' پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے] ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ﴾ اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں یعنی بے شک میں موسیٰ (علیہ السلام) کو اس قول میں کہ میرے علاوہ بھی اس کا کوئی معبود ہے ضرور جھوٹا گمان کرتا ہوں ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اسی طرح (یعنی) اور اس زیب و زینت اور اس ممانعت کی طرح ﴿ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ فرعون کے لیے اس کا ہر برا عمل خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا (یعنی سبیلِ مستقیم سے روکا گیا) [قاری یعقوب اور کوفی قراء کے علاوہ کے نزدیک ''صَدّ'' میں صاد مفتوح ہے یعنی اس کے غیر نے روک دیا یا پھر اس نے خود کو روک لیا اور مزین و آراستہ بنانے والا شیطان ہے جو اپنے وسوسوں سے آراستہ بنا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ'' (النمل:۲۴) ''اور شیطان نے ان کے لیے ان کے برے اعمال کو خوش نما بنا دیا اور انہیں راہِ راست سے روک دیا'' یا پھر خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے: ''زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ O'' (النمل:۴) ''ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر دیا' سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں O''] ﴿ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴾ اور فرعون کا ہر مکر و فریب صرف خسارے اور ہلاکت میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ

إِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُونَنِيٓ إِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾

اور جو ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھا دوں گا O اے میری قوم! بے شک یہ دنیاوی زندگی صرف تھوڑا سا فائدہ ہے' اور بے شک آخرت ہی دائمی گھر ہے O جو شخص بُرا کام کرے گا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی مگر اسی کے برابر اور جو نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور وہ ایمان دار ہو' سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے انہیں اس میں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو O

آلِ فرعون کے مردِ مؤمن کی ایمان افروز تبلیغ

٣٨- ﴿وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ﴾ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری اتباع کرو [ابن کثیر مکی' قاری یعقوب اور سہل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں "اتبعونی" (یائے متکلم کے ساتھ) ہے] ﴿اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ میں تمہیں رشد و ہدایت اور خیر و بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا" "رَشَادٌ" "غَيٌّ" (گمراہ و سرکش ہونا) کا متضاد ہے اور اس کلام میں تصریح کی طرح فرعونیوں پر تعریض و طعن ہے کہ جس راہ پر فرعون اور اس کی قوم قائم ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اس مردِ مؤمن نے پہلے اجمال کے ساتھ کہا' پھر اس کی تفسیر بیان کی' سو اس نے دنیا کی مذمت اور اس کی حقیر حالت سے آغاز کیا' چنانچہ اس نے کہا:

٣٩- ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ﴾ اے میری قوم! بے شک یہ دنیا کی زندگی حقیر سا سامان ہے (یعنی) تھوڑا سا فائدہ ہے' سو اس میں قیام کرنا شر اور بُرائی کی جڑ ہے اور فتنوں کا سرچشمہ ہے اور جب کہ آخرت کی تعظیم کی تعریف کی گئی اور بیان کیا گیا ہے کہ بے شک یہی وطن ہے اور مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ اور بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے' پھر اس مردِ مؤمن نے دنیا کے نیک و بد اعمال کا ذکر کیا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا تاکہ انسان ان کاموں سے باز رہے جو ہلاکت و تباہی کا باعث بنتے ہیں اور ان کاموں کے لیے چست و ہوشیار اور تیار رہے' جو قرب کا باعث بنتے ہیں۔

٤٠- ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ جو شخص بُرا عمل کرے گا تو اس کو بُرائی کے برابر سزا دی جائے گی (اس سے زیادہ نہیں) اور جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا [ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری' یزید اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "يُدْخَلُوْنَ" ("یا" مضموم فعل مضارع مجہول) ہے]۔

٤١- پھر اس نے دونوں دعوتوں میں موازنہ بیان کیا' ایک اس کی اپنی دعوت جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا ہے جس کا پھل اور نتیجہ نجات ہے اور دوسری دعوت فرعون اور اس کے پیروکاروں کی تھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور کفر و شرک کرنے کی تھی' جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہو [ابو عمرو بصری اور اہل حجاز کی قراءت میں "مَالِيَ" میں "یا" مفتوح ہے]۔

تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ لَیۡسَ لَہٗ دَعۡوَۃٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ہُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذۡکُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرالوں جس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں' اور میں تمہیں سب پر غلبہ رکھنے والے بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں O حق تو یہ ہے کہ بے شک تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو اس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O سوعنقریب تم اسے یاد کرو گے جواب میں تم سے کہہ رہا ہوں' اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے O

۴۲- ﴿تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ﴾ تم مجھے بلاتے ہو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں [ہدایت کی طرح دعا بھی کبھی ''الٰی'' سے متعدی ہوتی ہے اور کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے' چنانچہ ''دعاہ الٰی کذا'' بھی اور ''دعاہ لہ'' بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ''ھداہ الی الطریق'' اور ''ھداہ لہ'' کہا جاتا ہے اور یہ پہلے ''تدعوننی'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ﴾ اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں یعنی اس کی ربوبیت کے ساتھ' اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے گویا یوں کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جو معبود نہیں اور جو معبود نہیں اسے معبود جاننا کیسے صحیح ہوگا ﴿وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ﴾ اور میں تمہیں سب پر غالب بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں اور وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور نداء کا تکرار انہیں زیادہ سے زیادہ تنبیہ کرنا اور انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے ہے اور اس نداء میں یہ بات بھی ہے کہ یہ لوگ اس کی قوم ہیں اور یہ بھی کہ وہ آل فرعون سے ہیں اور واؤ تیسری نداء میں لائی گئی' دوسری نداء میں نہیں لائی گئی کیونکہ دوسری نداء اس کلام پر داخل ہے جو مجمل کا بیان اور اس کی تفسیر ہے بہ خلاف تیسری نداء کے۔

۴۳- ﴿لَا جَرَمَ﴾ [بصریوں کے نزدیک حرف ''لا'' اس دعوت کی تردید کے لیے ہے جس کی طرف مردِ مؤمن کی قوم نے اسے بلایا تھا اور ''جَرَمَ'' فعل بہ معنی ''حَقَّ'' ہے اور ''اَنَّ'' ''مَا'' کے ساتھ اس فعل کے فاعل کی جگہ پر ہے] یعنی قومِ فرعون کی دعوت کا بطلان واجب اور ثابت ہے' یہی حق ہے ﴿اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ لَیۡسَ لَہٗ دَعۡوَۃٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ﴾ بے شک تم مجھے صرف اس چیز کی طرف بلاتے ہو جس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں فائدہ دے گا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم مجھے جن معبودوں کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہو انہوں نے خود اپنی عبادت کی دعوت کبھی نہیں دی یعنی سچے اور برحق معبود کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ بندوں کو عبادت اور اطاعت کی طرف دعوت دے اور تم جن معبودوں کی

عبادت کی دعوت دیتے ہو وہ خود اس کی دعوت نہیں دیتے اور نہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی معبود کے لیے دعوت دینا نہ دنیا میں قبول ہوگا اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہے کہ دعوت وہ ہوتی ہے جو مقبول ہو جائے' لہٰذا جو دعوت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس کا کوئی نفع ہوگا تو وہ دعوت نہ ہونے کے برابر ہوئی یا یہ کہ استجابت کو دعوت کا نام دیا گیا ہے جس طرح جس فعل پر جزا مرتب ہوتی ہے' اسے جزاء کا نام دیا جاتا ہے' چنانچہ عرب کا مقولہ ہے: ''کما تدین تدان'' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ﴿ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) اور بے شک ہم سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا ﴿ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے (یعنی) شرک کرنے والے مشرکین ﴿ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ وہی دوزخی ہیں۔

٤٤- ﴿ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ ﴾ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں عنقریب تم اسے یاد کرو گے یعنی جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے ﴿ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ انہیں اسی سے ڈرایا اور دھمکایا جاتا تھا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَمْرِیْ'' میں ''یا'' مفتوح پڑھی جاتی ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال و افعال اور ان کے انجام سے خوب آگاہ ہے کیونکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اس کو ان تمام سازشوں کی برائیوں سے بچا لیا جنہیں فرعونی اس کے خلاف تیار کرتے تھے اور فرعونیوں کو برے عذاب نے گھیر لیا ○ وہ لوگ صبح اور شام کو آگ پر پیش کیے جاتے ہیں' اور جس دن قیامت قائم ہوگی' تو (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو ○ اور جب وہ دوزخ کی آگ میں آپس میں جھگڑیں گے تو کمزور ان سے کہیں گے جنہوں نے تکبر کیا تھا کہ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم ہم سے دوزخ کے آگ کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو ○

آل فرعون کے مؤمن کی حفاظت اور فرعونیوں کے لیے عذاب کا بیان

٤٥- ﴿ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس مرد مؤمن کو فرعونیوں کی سازشوں کی برائیوں سے بچا لیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کی سختیوں سے اور ان کے مخالف راہِ حق اختیار کرنے پر اس مرد مؤمن کو مختلف اقسام

کے عذاب دینے کے لیے ان کے بُرے ارادوں سے بچالیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بے شک آل فرعون کا وہ مردِ مؤمن (تبلیغ کرنے کے بعد ان کی سازشِ قتل محسوس کر کے) وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ میں جا کر چھپ گیا' چنانچہ فرعون نے اس کی تلاش میں تقریباً ایک ہزار افراد اس کے پیچھے بھیجے تھے' سو ان میں سے بعض کو جنگلی درندے کھا گئے اور جو ان میں سے صحیح سلامت واپس لوٹ آئے تھے انہیں فرعون نے سولی پر لٹکا دیا تھا ﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا تھا (یعنی) اور ان پر بہت بُرا عذاب نازل ہوا (کہ سب کو دریا میں ڈبو دیا گیا) اور ''حــاق'' بہ معنی ''نزول'' ہے۔

٤٦- ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾ ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے (یعنی) اور ان کو دوزخ کی آگ پر جلانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے' چنانچہ جب امیر وقت قیدیوں کو تلوار سے قتل کر دے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''عـرض الامام الاسارى عـلى السيف'' [''الـنـار سوء العذاب'' سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے گویا پوچھا گیا کہ ''سـوء الـعـذاب'' کیا ہے تو جواب میں کہا گیا: ''هُوَ الـنَّارُ'' وہ آگ ہے' یا پھر یہ خود مبتدا ہے اور اس کی خبر ''يُعْرَضُوْنَ عَـلَيْهَا'' ہے] ﴿غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ صبح اور شام کو یعنی انہیں ان دو وقتوں میں دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے درمیانی عرصہ میں یا کسی دوسری جنس کا عذاب دیا جاتا ہے یا اس دوران ان سے بالکل عذاب دور کر دیا جاتا ہے اور آرام کی مہلت دی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن اور جائز ہے کہ صبح اور شام سے دائمی عذاب مراد ہو اور یہ عذاب تو انہیں دنیا (عالمِ برزخ) میں دیا جاتا ہے ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن دوزخ کے محافظ فرشتوں سے کہا جائے گا: ﴿اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ تم فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو یعنی دوزخ کے عذاب میں' اور یہ آیت مبارکہ عذابِ قبر کی دلیل ہے[1] [نافع مدنی' حمزہ کوفی' علی کسائی' حفص' خلف اور یعقوب کی قراءت

---

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی' تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ''وفیـه دليل عـلى بقاء النفس وعذاب القبر وقد دلت الاحـاديث عليه وانعقد عليه الاجماع'' اور یہ آیت مبارکہ قبر کے عذاب اور روح کی بقاء پر دلیل ہے اور عذابِ قبر پر بہت سی حدیثیں دلالت کرتی ہیں اور اس پر اجماعِ امت قائم ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱۔۲۶۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے بہت بڑی دلیل ہے' پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۴ ص ۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ الشیخ اسماعیل الحقی الحنفی لکھتے ہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسانی روح کو بقاء اور عذابِ قبر حق ہے کیونکہ ''عـرض'' (دوزخ پر پیش کیا جانا) منجملہ عذاب سے ایک ہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی کہ یہ قیامت میں ہوگا' اس لیے کہ قیامت کا ذکر تو بعد میں ''ویوم تقوم الساعة الخ'' میں ہے۔ (تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۴' ص ۲۰۵' مکتبہ اویسیہ' بہاولپور)

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کا ثبوت

نوٹ: عذابِ قبر سے برزخ کا عذاب مراد ہے یعنی مرنے کے بعد سے قیامِ قیامت تک خواہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جائے یا سولی پر لٹکا کر چھوڑ دیا جائے یا پانی میں ڈبو دیا جائے یا اسے کوئی جانور کھا جائے' بہر حال اللہ تعالیٰ جسے عذاب دینا چاہے گا اسے عذاب ہوگا' چونکہ اکثر و بیشتر مُردوں کو قبروں میں دفن کیا جاتا ہے' اس لیے عذابِ قبر کہا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ''اَدْخِلُوْا'' (ہمزہ قطعی اور ''خا'' مکسور کے ساتھ باب افعال) ''ادخال'' سے پڑھا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں (ہمزہ وصل اور ''خا'' مضموم باب نصر ینصر سے) ''اُدْخُلُوْا'' پڑھا گیا ہے] یعنی ان (فرعونیوں) سے کہا جائے گا کہ ''اُدْخُلُوْا یَا (آل فرعون اشد العذاب)'' اے فرعونیو! تم سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل ہو جاؤ یعنی دوزخ کے عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

٤٧- ﴿وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ﴾ ''(و) اذکر وقت تخاصمهم'' ﴿فِی النَّارِ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب وہ (فرعونی) دوزخ کی آگ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے ﴿فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا﴾ سو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جنہوں نے (دنیا میں) تکبر کیا تھا یعنی رئیسوں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے [''تبعا''، ''تابع'' کی جمع ہے جیسے ''خدم''، ''خادم'' کی جمع ہوتی ہے]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے جسموں میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے: اے آل فرعون! یہ تمہارا ٹھکانا اور اصلی مقام ہے اور یہ معمول ان کے ساتھ یوں ہی جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(۲) حضرت قتادہ، مقاتل، سدی اور کلبی نے بیان فرمایا کہ جب تک دنیا قائم ہے روزانہ صبح و شام ہر کافر کی روح کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے تو جنتی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اگر دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے تو دوزخی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس کی طرف لے جانے کے لیے اٹھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۸۷، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

(۴) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا: عذابِ قبر سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، اس پر حضرت صدیقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! عذاب قبر حق ہے، فرماتی ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(۵) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں کہیں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں اور مؤمنوں کی روحیں چڑیاؤں کے قالب میں ہوتی ہیں اور جہاں وہ چاہتی ہیں جنت میں چگتی رہتی ہیں اور عرش کے تلے قندیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴، اُردو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

(۶) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ایذاء اور دُکھ دینے سے باز رہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۷) حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(تفسیر روح البیان اُردو، پارہ: ۲۴، ص ۲۰۵، مطبوعہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور)

﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴾ سو کیا تم ہم سے دوزخ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو۔ "مغنون" بہ معنی "دافعون" ہے "نصیبا" بہ معنی "جزءًا" ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا
دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾

ع ۱۵

جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب اس میں ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے O اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے O وہ کہیں گے: اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح معجزات لے کر نہیں آئے تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! وہ آئے تھے' فرشتے کہیں گے: پھر تم خود دعا کرو' اور کافروں کی ایسی کوئی دعا نہیں ہوگی مگر وہ ضائع ہو گی O

٤٨- ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ ﴾ تکبر کرنے والے سردار کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں یعنی ہم سب کے سب اس میں ہیں کوئی کسی کے کام نہیں آ سکتا ["کل" میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل میں "کُلُّنَا" ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یقیناً یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی لوگ دوزخ میں چلے جائیں۔

٤٩- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ﴾ اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے منتظم و محافظ فرشتوں سے کہیں گے (یعنی) دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے نگران فرشتوں سے کہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے "لخزنتها" ضمیر کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا' اس لیے جہنم کے ذکر سے اس کی ہولناکی' خوفناکی اور اس کی گھبراہٹ کا اظہار مقصود ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ جہنم کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ دوزخ کا سب سے بہت دور گڑھا ہے' جیسے اہل عرب کا قول ہے کہ "جھنّام" بہت دور گڑھا ہے اور کفار میں سب سے زیادہ نافرمان سرکش کفار اس دوزخ میں ڈالے جائیں گے' سو شاید جو فرشتے ان کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں' وہ ان کی پکار کا اس لیے جواب دیں گے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ حاصل ہوگا' پس اس لیے دوزخی دعا مانگنے کے لیے انہیں کی طرف قصداً متوجہ ہوں گے ﴿ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴾ تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ دنیا کے دن کے برابر ایک دن کا عذاب ہم سے ہلکا کر دے۔

٥٠- ﴿ قَالُوْٓا ﴾ وہ کہیں گے یعنی دوزخ کے نگران فرشتے طویل اور لمبے عرصہ کے بعد انہیں ڈانٹتے ہوئے جواب دیں گے اور کہیں گے: ﴿ اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ ﴾ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں آئے تھے یعنی کیا یہ قصہ نہیں ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر تشریف لاتے رہے۔ "تاتیك رسلكم" قصہ کی تفسیر ہے ﴿ قَالُوْا بَلٰى ۭ ﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: کیوں نہیں! جی ہاں وہ تشریف لائے تھے ﴿ قَالُوْا ﴾ نگران فرشتے کہیں

گے یعنی نگران فرشتے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے ان سے کہیں گے: ﴿ فَادْعُوْا ﴾ سوتم خود دعا مانگو لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی ﴿ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴾ اور کافروں کی دعا تو صرف ضائع ہوتی ہے یعنی باطل ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ دوزخ کے منتظم ونگران فرشتوں کا کلام ہو۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے اور ایمان والوں کی بھی دنیا کی زندگی میں اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے O جس دن ظالموں کو ان کا عذر فائدہ نہیں دے گا اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو رہنمائی عطا فرمائی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا O جو عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان

۵۱- ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مسلمانوں کی ضرور مدد کریں گے' دنیا کی زندگی میں بھی اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے یعنی دنیا اور آخرت میں' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دونوں جہانوں میں حجت ودلیل اور اپنے دشمنوں پر فتح وکامیابی کے ساتھ مدد کرتا رہے گا اور ان کو دشمنانِ دین پر غلبہ عطا فرمائے گا' اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان لینے کی غرض سے بعض اوقات انہیں مغلوب بھی کیا جائے گا' لیکن انجام کار اہل حق کے لیے بہتر ہوگا' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تیار کرے گا جو ان کے دشمنوں سے انتقام لیں گے اور وقتی شکست کا بدلہ لیں گے اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہوگا[''یوم'' منصوب ہے اور یہ جار اور مجرور کی جگہ پر محمول ہے جیسا کہا جاتا ہے: ''جئتك فی امس والیوم'' اور ''الاشهاد'' ''شاهد'' کی جمع ہے جیسے ''اصحاب'' ''صاحب'' کی جمع ہے اور رازی نے ہشام سے ''تا'' کے ساتھ ''تقوم'' کی قراءت نقل کی ہے] اور ''الاشهاد'' سے مراد انبیاء اور محافظ فرشتے ہیں کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام تو اللہ رب العزۃ کی بارگاہ میں کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی اور حق کو جھٹلانے کی گواہی دیں گے اور محافظ فرشتے ہر انسان کے اعمال پر گواہی دیں گے جو اس نے کیے ہوں گے۔

۵۲- ﴿ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ﴾ اس روز ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہیں دے گا یعنی ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا[یہ ''یوم یقوم'' سے بدل ہے اور نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں (''یا'' کے ساتھ) ''لا ینفع'' ہے] ﴿ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ اور ان کے لیے لعنت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے (ظلم وستم کی بناء پر) دور اور محروم کر دیئے گئے ہیں ﴿ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ اور ان کے لیے بُرا گھر ہے یعنی ان کے لیے آخرت کا گھر بہت بُرا ہے اور وہ وہاں کا عذاب مراد ہے۔

۵۳- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رہنمائی عطا فرمائی۔ اس سے وہ تمام تعلیمات مراد ہیں جو آپ کو دین کے بارے میں معجزات اور تورات شریف اور دیگر اسلامی احکام وقوانین کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں ﴿وَاَوْرَثْنَا بَنِیٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا یعنی تورات اور انجیل اور زبور کا کیونکہ کتاب اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

۵۴- ﴿هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے یعنی گواہی دینے اور یاددہانی کرانے کے لیے ہے [ان دونوں کا منصوب ہونا مفعول لہ کی بناء پر ہے یا پھر حال کی بناء پر ہے]۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی امت کی مغفرت کی دعا کیجئے اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئےO بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے سینوں میں سوائے تکبر کے کچھ نہیں جب کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں' سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ ہر ایک کی سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہےO آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے ضرور بہت بڑی ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO

کفار کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم

۵۵- ﴿فَاصْبِرْ﴾ سو اے محبوب! آپ ان مصائب وآلام اور غموں پر صبر کیجئے جو آپ کی قوم آپ کو پہنچاتی ہے ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یعنی آپ کے کلمہ اور دین کو بلند وبرتر کرنے اور آپ کی مدد کرنے کا میرا وعدہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ برحق اور سچا ہے (ضرور پورا ہوگا) ﴿وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ ''ای لذنب امتك'' یعنی اور آپ اپنی امت کے گناہوں کی بخشش مانگئے ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ اور آپ صبح وشام اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی آپ اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کی حمد وثناء کی ہمیشہ پابندی کیجئے اور اس پر ہمیشہ قائم رہیے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شام سے عصر کی نماز اور صبح سے فجر کی نماز مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ ''سبحان الله وبحمده'' کہا کریں۔

۵۶- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو [اس پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ''اِنَّ'' کی خبر درج ذیل ارشاد

ہے:] ﴿ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ ﴾ ان کے سینوں میں صرف تکبر اور غرور ہے اور وہ آگے بڑھنے اور سب سے بڑا سردار بننے کا ارادہ کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ ان سے بڑھ کر کوئی نہیں' سو اس لیے وہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں اور آپ کی آیات کو رد کرتے ہیں' یہ سب کچھ محض اس خوف اور ڈر سے کرتے ہیں کہ کہیں آپ ان سے آگے نہ بڑھ جائیں اور وہ آپ کے ماتحت نہ ہو جائیں اور وہ آپ کے حکم کے تابع نہ ہو جائیں کیونکہ ہر بادشاہ اور سردار نبوت کے ماتحت ہوتا ہے یا وہ حسد اور بغاوت کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ آپ کی بجائے نبوت ان کے لیے ہو جائے اور اس پر درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے: ''لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ'' (الاحقاف:۱۱) ''اگر اس میں بھلائی ہوتی تو یہ (مسلمان) ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت کر کے نہ پہنچتے'' یا وہ جھگڑا کر کے آیات کو رد کرنا چاہتے ہیں ﴿ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ﴾ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی) وہ تکبر و غرور کر کے مقتضاء اور اس کے موجب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس کا تعلق نبوت و حکومت اور سرداری چاہنے کے ساتھ ہے' یا آیات کو دفع کرنے کا ارادہ کرنا ہے ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے (یعنی) پس آپ ہر اس شخص کے مکر وفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے جو آپ سے حسد اور کینہ رکھتا ہے اور آپ سے بغاوت و سرکشی کرتا ہے ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ ﴾ بے شک وہ سب کچھ سننے والا ہے' جو کچھ آپ کہتے ہیں اسے بھی اور جو کچھ کفارِ مکہ کہتے ہیں اسے بھی وہ خوب سنتا ہے ﴿ الْبَصِيْرُ ﴾ سب کچھ دیکھنے والا ہے' جو آپ عمل کرتے ہیں اسے اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں انہیں بھی وہ خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ ان پر آپ کی مدد ضرور کرے گا اور وہ آپ کو ان کے شر سے ضرور بچائے گا۔

۵۷ - ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ جب کفارِ مکہ کا اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرنا مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار پر مشتمل تھا اور یہی جھگڑے کی اصل اور اس کی بنیاد تھی تو ان پر آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے حجت قائم کی گئی' اس لیے کہ وہ اس بات کا اقرار اور اعتراف کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو جو اتنے بڑے بڑے اجسام کی تخلیق پر قادر ہے وہ کمزور انسان کی تخلیق پر بطریق اولیٰ قادر ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کیونکہ وہ ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے اس لیے کہ ان پر غفلت غالب ہوتی ہے۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جو بُرے کام کرنے والا ہے برابر نہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے O اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' بے شک جو

لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے ○

٥٨- ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا اور ایمان دار اور نیک لوگ اور برا آدمی برابر نہیں ہو سکتے [''لَا'' زائدہ (تحسین کلام کے لیے) ہے] ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو [اہل کوفہ کی قراءت میں دو تاؤں کے ساتھ (فعل مخاطب) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ایک ''یا'' اور ایک ''تا'' کے ساتھ (فعل جمع مذکر غائب) ''یتذکرون'' اور ''قلیلًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے' اصل میں ''تذکرًا قلیلا یتذکرون'' ہے اور ''مَا'' زائدہ ہے]۔

٥٩- ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں' اس کا آنا ضروری اور لازمی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے' اس لیے کہ اعمال پر جزاء ضروری اور لازمی ہے تاکہ مخلوق کی تخلیق صرف فنا کے لیے نہ ہو جائے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے یعنی اس کے آنے کی تصدیق نہیں کرتے۔

٦٠- ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ ﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: مجھ سے دعا مانگو (یعنی) صرف میری عبادت کرو ﴿ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ میں تمہارے لیے (تمہاری دعا اور عبادت کو) قبول کرلوں گا اور میں اس پر تمہیں ثواب عطا کروں گا' سو دعا عبادت کے معنی میں قرآن مجید میں بہت جگہ استعمال ہوئی ہے' اس پر (درج ذیل) یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے کہ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ ﴾ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر و غرور کرتے ہیں ﴿ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ﴾ وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: ''الدعآء هو العبادة'' دعا عبادت ہی ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب ہے: تم مجھے واحد اور یکتا مانو' میں تمہیں بخش دوں گا اور یہ دعا کی عبادت کے ساتھ تفسیر ہے' پھر عبادت کی توحید کے ساتھ تفسیر ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے طلب کرو اور جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''سَيُدْخَلُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿ دٰخِرِيْنَ ﴾ ذلیل ہو کر ''داخرین'' بہ معنی ''صاغرین'' ہے یعنی ذلیل و خوار اور رسوا ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے ○ وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' تو تم کہاں بھٹکتے جا رہے ہو ○ اسی طرح وہ لوگ بھٹکتے پھر رہے

تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھےO

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کا بیان

٦١- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا [یہ ''نہار'' کی ''مبصرا'' کی طرف مجازی اسناد ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں دیکھنا تو دن والوں کے لیے ہوتا ہے ''لیل'' کو مفعول لہ کے ساتھ اور ''نہار'' کو حال کے ساتھ ملایا گیا ہے اور نہ تو دونوں حال ہیں اور نہ دونوں مفعول لہ ہیں' یہ محض مقابل کے حق کی رعایت کے لیے کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مقابل ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرتا ہے اور اس لیے اگر یوں کہا جاتا کہ ''لِتُبْصِرُوْا فِيْهِ'' تو وہ فصاحت فوت ہو جاتی جو مجازی اسناد میں ہے اور اگر ''سَاكِنًا'' کہا جاتا تو حقیقت مجاز سے ممتاز نہ ہوتی کیونکہ ''لیل'' سکون کے ساتھ حقیقتاً موصوف ہوتی ہے کیا تم اہل عرب کے اس قول کو نہیں دیکھتے ہو: ''لیل ساج؟ وساکن لاریح'' (کیا) رات دیوار ہے؟ حالانکہ ساکن وجامد ہے ہوا نہیں ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''لمفضل'' یا ''لمتفضل'' نہیں فرمایا اس لیے کہ ''فضل'' سے عموم (نکرہ) مراد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا فضل کرتا ہے کہ کوئی فضل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ بے شک صرف نسبت سے حاصل ہوتا ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ اور لیکن بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ'' نہیں فرمایا تاکہ ''الناس'' کے ذکر کا دوبارہ تکرار لازم نہ آئے' اس لیے کہ اس تکرار میں ان کے کفرانِ نعمت کی تخصیص مراد ہے اور بے شک یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کی ناشکری کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌO'' (الحج:٦٦) ''بے شک انسان البتہ بہت ناشکرا ہےO'' ایک اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌO'' (ابراہیم:٣٤) ''بے شک انسان بڑا ظالم ہے بہت ناشکرا ہےO''۔

٦٢- ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ وہی تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے دن اور رات کو پیدا کیا ﴿ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' یہ مترادف خبریں ہیں یعنی وہ ان اوصاف کا جامع ہے' الوہیت' ربوبیت' ہر چیز کی تخلیق اور وحدانیت کا ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ سو تم کیونکر' کیسے اور کس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ کر بتوں کی عبادت کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

٦٣- ﴿ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴾ اسی طرح وہ لوگ پھیرے جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتا اور وہ حق کو طلب نہیں کرتا اسے ایسے ہی پھیرا جاتا ہے جیسا کہ ان کو پھیرا گیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَىُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿٦٥﴾ قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ ۫ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿٦٦﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اس نے تمہاری صورتوں کو سب سے اچھا بنایا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا' وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے O وہ (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم اسی کی عبادت کرو جب کہ تم اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلو' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آ چکی ہیں' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پالنے والے کے حضور میں گردن جھکا دوں O

٦٤- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ (یعنی) ٹھکانا بنایا اور آسمان کو تمہارے اوپر چھت بنایا ﴿ وَّ صَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ ﴾ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں' سو اس نے تمہاری صورتیں سب سے اچھی بنائیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شکل وصورت سے زیادہ اچھی شکل وصورت کسی جان دار کی نہیں بنائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چوپایوں کی طرح حالت رکوع کی مثل جھکا ہوا اور منحنی نہیں بنایا ﴿ وَّ رَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ﴾ اور اس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا کیا ہے (یعنی) کھانے کی لذیذ ومزے دار چیزیں عطا کیں ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

٦٥- ﴿ هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ ﴾ وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم اسی سے دعا مانگا کرو (یعنی) پس تم اسی کی عبادت کرو' "فادعوہ" بہ معنی "فاعبدوہ" ہے ﴿ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ ﴾ دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے یعنی عبادت کو شرک اور ریاء و دکھاوے سے خالی اسی کے لیے خالص کرو یہ کہتے ہوئے کہ ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جو شخص "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے تو اس کے بعد "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ" اسے ضرور کہنا چاہیے۔

٦٦- اور جب کفار نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتوں کی عبادت کا مطالبہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آ چکی ہیں اور وہ قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ عقل اور وحی ہے ﴿ وَ اُمِرۡتُ

﴿ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے گردن جھکا دوں (یعنی) میں اطاعت گزار رہوں اور فرماں بردار بن کر رہوں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تمہیں بچہ (بنا کر ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے' پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ' پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ' اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے وفات دے دی جاتی ہے اور تا کہ تم ایک مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ تا کہ تم عقل سے کام لوO وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' سو جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہےO

۶۷- ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ﴾ وہی ہے جس نے تمہیں یعنی تمہاری اصل کو پیدا کیا ﴿ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ مٹی سے' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے شکم سے) نکالتا ہے [''طفلا'' کہہ کر واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے جنس کا بیان مراد ہے] ﴿ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ﴾ پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ [یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ''(ثم) یبقیکم (لتبلغوا)'' پھر وہ تمہیں زندہ باقی رکھتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ اور اسی طرح ﴿ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ﴾ پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ [ابن کثیر' حمزہ کوفی' علی کسائی' حماد' یحییٰ اور اعشیٰ کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ''شِیُوْخًا'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ اور تم میں سے کچھ لوگ اس سے پہلے فوت کر دیئے جاتے ہیں یعنی جوانی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے یا بڑھاپے سے پہلے ﴿ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى ﴾ اس کا معنی یہ ہے: اور یہ تمہارے ساتھ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ تم مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ اور وہ موت کا وقت ہے یا قیامت کا دن مراد ہے ﴿ وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ اور تا کہ تم عقل سے کام لو اور اس میں جو عبرتیں اور دلیلیں ہیں ان کو سمجھو۔

۶۸- ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی ہے' پھر جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے فوری طور پر بہت جلد اس کو بنا لیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ

فِيٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾
ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا
عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں' کہاں پھیرے جاتے ہیںO جنہوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا' سو عنقریب وہ جان لیں گےO جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیروں کے ساتھ انہیں گھسیٹا جائے گاO کھولتے ہوئے پانی میں' پھر انہیں دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گاO پھر ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک ٹھہراتے تھےO اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں' وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم تو پہلے سے ہی کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کر دے گاO

کتب الٰہی کے منکروں کی سزا کا بیان

۶۹- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ اس سورت میں جھگڑے کا تین جگہ ذکر کیا گیا ہے' پس اس لیے یہ جائز ہے کہ یہ تین قوموں کے بارے میں ذکر کیے گئے ہوں یا یہ تین قسموں کے جھگڑے ہوں یا ایک ہی جھگڑا مراد ہو لیکن اس کی بار بار تاکید کی گئی ہو۔

۷۰- ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ ﴾ ان لوگوں نے کتاب کو جھٹلا دیا (یعنی) قرآن مجید کو جھٹلا دیا ﴿ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ﴾ اور (انہوں نے) اسے بھی جھٹلا دیا جس کے ساتھ ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تھا (یعنی) سابقہ کتب کو بھی جھٹلا دیا تھا ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ سو عنقریب وہ جان لیں گے۔

۷۱'۷۲- ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ﴾ کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے [''اذ'' ظرف زمان ماضی ہے اور یہاں اس سے مستقبل مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فسوف یعلمون'' پس عنقریب وہ جان لیں گے' اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ مستقبل کے اُمور کی خبر دیتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے' اس لیے اسے ماضی کے لفظ ''ما کان'' اور ''وجد'' کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور معنی مستقبل مراد ہوتا ہے] ﴿ وَالسَّلٰسِلُ ﴾ اور زنجیروں میں جکڑے ہوں گے [یہ ''الاغلال'' پر معطوف ہے اور ''فی اعناقھم'' خبر ہے] اور معنی یہ ہے: کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوں گی ﴿ يُسْحَبُوْنَ ○ فِي الْحَمِيْمِ ﴾ ان کو سخت گرم اور کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا ﴿ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾ پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ ''یسجرون''، ''سجر التنور'' سے لیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور ایندھن سے بھر جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں جب دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ آگ میں گھر جائیں گے' ان کے پیٹ آگ سے بھر جائیں گے اور پُر ہو جائیں گے۔

۷۳'۷۴- ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے کہ ﴿ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ تمہارے وہ کہاں ہیں جن کو تم شریک ٹھہراتے تھےO جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے یعنی وہ بت جن

کی تم عبادت کرتے تھے ﴿ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا ﴾ وہ کہیں گے: وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں اور وہ ہماری آنکھوں سے چھپ گئے ہیں' سو ہم انہیں نہیں دیکھتے اور ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے ﴿ بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ﴾ بلکہ ہم تو اس سے پہلے ہی ان کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی ہمارے لیے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بے شک وہ بت کچھ نہیں اور نہ ہم ان کی کچھ عبادت کرتے تھے' جیسے تم کہو کہ میں نے فلاں آدمی کو گمان کیا کہ وہ کوئی چیز ہے' سو اچانک معلوم ہوا کہ وہ کچھ نہیں' یہ اس وقت کی بات ہے جب تم اس کے بارے میں خبر دو لیکن تم اس کے پاس کوئی بھلائی نہ پاؤ ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کر دے گا (یعنی) جس طرح ان کے معبود ان سے گم ہو جائیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پجاری کافروں کو ان بتوں سے گم کر دے گا یہاں تک کہ اگر کفار اپنے معبودوں کو تلاش کریں گے یا ان کے معبود ان کفار کو تلاش کریں گے تو ایک دوسرے کو مل نہیں سکیں گے یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھگڑنے والوں کو گمراہ کر دیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ باقی کافروں کو بھی گمراہ کر دے گا' ان میں سے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی معلوم ہے کہ وہ دین پر گمراہی کو پسند کریں گے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾
اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾

یہ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہو کر اتراتے تھے اور اس لیے تم اکڑتے تھے O تم دوزخ کے دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' سو تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے O سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دے دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو (پھر بھی) وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے O

۷۵ - ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ (یعنی) وہ عذاب جو تم پر نازل کیا جائے گا تو ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اکڑتے اور غرور کرتے تھے (یعنی) اس کا سبب یہ ہے کہ تم ناحق خوش ہوتے اور اکڑتے تھے اور وہ شرک اور بتوں کی عبادت کرنا مراد ہے' چنانچہ ان سے کہا جائے گا:

۷۶ - ﴿ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ ﴾ تم دوزخ کے ان ساتوں دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے تقسیم کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ O" (الحجر: ۴۴) "اس کے سات دروازے ہیں ان میں سے ہر دروازہ کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے O" ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی) ان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ سو حق سے تکبر کرنے والوں کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہے اور وہ جہنم ہے۔

٧٧-﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ کفار کو ہلاک کر دیا جائے گا برحق ہے سچا ہے ضرور پورا ہوگا ﴿ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ ﴾ پس اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں (تو پھر بھی انہوں نے ہمارے پاس ہی لوٹ آنا ہے)[''فاما نرینك'' کی اصل ''فَاِنْ نُرِكَ'' اور ''مَا'' زائدہ ہے شرط کے معنی کی تاکید کے لیے ہے اور اسی لیے تو فعل کے آخر میں نون لاحق کیا گیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم ''ان تکرمنی اکرمك'' نہیں کہتے ہو لیکن ''اما تکرمنی اکرمك'' کہتے ہو] ﴿ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴾ سو انہیں ہماری طرف لوٹایا جائے گا [یہ جزاء ہے جو ''نتوفینك'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''نرینك'' کی جزاء محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''فاما نرینك بعض الذی نعدهم فذاك''] سو اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ بدر کے دن ان کا قتل ہو جانا ہے تو یہی ہوگا یا اگر ہم آپ کو غزوۂ بدر کے دن سے پہلے وفات دے دیں تو قیامت کے دن انہیں پھر بھی ہمارے پاس ہی لوٹایا جانا ہے سو ہم اس دن ان سے سخت ترین انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾ ع

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ان میں سے بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا' اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے' سو جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت باطل والے نقصان اٹھائیں گے٥

٧٨-﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ہے (یعنی) انہیں آپ سے پہلے اپنی اپنی امت کی طرف بھیجا گیا تھا ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ﴾ ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیئے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیے' بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں' چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے اور چار ہزار نبی باقی لوگوں میں سے بھیجے گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی نبی بنا کر بھیجا' سو قرآن مجید میں جن انبیائے کرام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے انہیں میں سے یہ بھی ہے[1] ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ

[1] علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
شرح المقاصد میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے' پھر میں نے عرض کیا: رسل کرام کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔ علمائے اسلام نے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ انبیائے کرام کی گنتی کے متعلق تعین نہ کیا جائے' اس لیے کہ خبر واحد اپنی جملہ شرائط کے باوجود صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے' وہ بھی صرف فروع (احکام و مسائل) میں فائدہ دیتی ہے' عقائد میں فائدہ نہیں دیتی۔
(تفسیر روح البیان مترجم' پارہ: ٢٤' ص ٢٧٥' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

﴿ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾ اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی معجزہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش کرے۔ کفار مکہ کی طرف سے تعصب وعناد کی بناء پر من پسند معجزات طلب کرنے پر یہ جواب دیا گیا ہے یعنی بے شک ہم نے بہت سے رسولوں کو دنیا میں بھیجا اور ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے سو پھر میرے لیے کیسے جائز ہوگا کہ میں تمہارے دل پسند معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کروں جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہو اور وہ اسے پیش کرنے کی مجھے اجازت دے دے ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا یعنی قیامت کا دن اور کفار مکہ کے معجزات طلب کرنے کے بعد یہ ان کی تردید اور وعید (دھمکی) ہے ﴿ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ حق کے ساتھ سچا فیصلہ کیا جائے گا اور وہاں اس روز باطل پرست خسارے اور نقصان میں رہیں گے (یعنی) بغض وعناد رکھنے والے کفار جنہوں نے اپنی پسند کے معجزے کا مطالبہ کیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تا کہ ان میں سے بعض پر تم سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ○ اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں اور تا کہ ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے○ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے○ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا' وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زیادہ سخت تھے اور زمین میں عمارتیں بنانے میں زیادہ سخت تھے' سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا○

اللہ تعالیٰ کے انعامات اور منکروں کے انجام بد کا بیان

۷۹- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے (یعنی) اونٹ پیدا کیے" جعل" بہ معنیٰ" خلق" ہے ﴿ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ تا کہ تم ان سے کسی پر سوار ہو اور ان سے کسی کو کھاؤ یعنی تا کہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاؤ۔

۸۰- ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ﴾ اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں یعنی دودھ' اون اور چمڑے وغیرہ ﴿ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ اور تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہوتی

ہے یعنی تا کہ تم ان پر سوار ہو کر ان اُمور و مقاصد تک پہنچ سکو جن کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے ﴿وَعَلَيْهَا﴾ اور ان پر (یعنی) ان جانوروں پر ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾ اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو یعنی تم صرف اکیلے اونٹوں پر سوار نہیں ہوتے بلکہ تم جنگلوں اور صحراؤں میں اور خشکی کے سفر میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتیوں میں سوار ہوتے ہو۔

٨١- ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ﴾ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں [اور ''ایَّ'' ''تنکرون'' کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ مشہور و معروف لغت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور تمہارا یہ قول کہ ''فایۃ آیات اللّٰہ'' بہت کم استعمال ہوتا ہے' اس لیے کہ مذکر اور مؤنث میں فرق صرف اسماء میں ہوتا ہے صفات میں نہیں جیسے ''حمار'' کی مؤنث ''حمارۃ'' غریب ہے اور یہ ''ایّۃ'' سے زیادہ غریب ہے کیونکہ یہ مبہم ہے]۔

٨٢ - ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ﴾ ''عَـدَدًا'' تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' سو وہ غور سے دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا' وہ لوگ تو تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھے ﴿وَاَشَدَّ قُوَّةً﴾ ''بَـدَنًا'' اور وہ لوگ بدنی اور جسمانی قوت و طاقت میں قریش مکہ سے زیادہ سخت تھے ﴿وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین میں مکانات و محلات اور پانی جمع کرنے کے لیے حوض تعمیر کرنے کے لیے بہت سخت محنتی تھے ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ سو ان کو ان چیزوں نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جو وہ کمایا کرتے تھے [''فما اغنی عنھم'' میں حرف ''ما'' نافیہ ہے]۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع ٧/١٤

سو جب ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اسی پر خوش رہے جو دنیا کا علم ان کے پاس تھا اور ان کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو ایک ہے اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کر دیا جن کو ہم شریک ٹھہراتے تھے O سو ان کے ایمان نے انہیں اس وقت فائدہ نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو یقیناً اس کے بندوں میں گزر چکا ہے' اور وہاں اس وقت کفار نقصان میں رہے O

٨٣ - ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ پھر جب ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور روشن دلائل لے کر آئے تو وہ دنیا کے اسی علم پر خوش رہے جو ان کے پاس تھا۔ ان کے علم سے دنیا کے معاملات کا علم اور ان معاملات کو بروئے کار لانے کے لیے تدبیر اختیار کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کی معرفت مراد ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ O'' (الروم: ٧)

"وہ دنیا کی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل ہی غافل اور بے خبر ہیں O" پھر جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دینیات کے علوم لائے اور یہ علوم ان کے علم سے بہت دور تھے کیونکہ وہ دنیا کو ترک کرنے اور خواہشات اور لذت کی چیزوں سے باز آنے کی ترغیب دیتے تھے تو اس لیے انہوں نے ان علوم کی طرف توجہ نہیں دی اور انہوں نے ان علوم کو حقیر قرار دیا اور انہوں نے ان کا مذاق اڑایا اور یقین کر لیا کہ ان کے دنیاوی علم سے زیادہ کوئی علم فائدہ اور نفع دینے والا نہیں ہے' سو وہ اس پر خوش ہو گئے یا پھر فلاسفہ اور دھریوں کا علم مراد ہے کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی کو سنا تو انہوں نے اس کو رڈ کر دیا اور انہوں نے اپنے علم کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے علم کو حقیر جانا اور سقراط کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق سنا اور اس سے کہا گیا: کاش! تم ان کی طرف ہجرت کر کے جاتے اور ان کے علم سے مستفید ہوتے تو اس نے کہا کہ ہم خود مہذب قوم ہیں' ہمیں کسی ایسے شخص کی حاجت اور ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب کی تعلیم دے یا یہ مراد ہے کہ وہ رسولوں کی تعلیمات پر ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے کی خوشی کی طرح خوش ہوئے' گویا کہا کہ تم رسولوں کے معجزات کا مذاق اُڑاؤ اور وہ جو کچھ وحی کا علم لے کر آئے ہیں' اس کا مذاق اڑاؤ جب کہ وہ اس پر خوش ہوتے اور اکڑتے تھے اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کو اس چیز نے گھیر لیا تھا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یا پھر رسولوں کی خوشی مراد ہے یعنی جب رسولوں نے ان کی جہالت کو اور حق کا مذاق اڑانے کی ان کی روش کو دیکھا اور انہوں نے ان کے بُرے انجام کو جان لیا اور ان کی جہالت اور مذاق اڑانے پر انہیں جو سزا ملے گی اس کو جان لیا تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہوئے جو انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا گیا اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جب کہ کافروں کو ان کی جہالت اور مذاق اڑانے کی سزا نے گھیر لیا۔

٨٤- ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو (یعنی) ہمارے عذاب کی سختی کو دیکھا ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ﴾ تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور جن چیزوں کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے' ان کا ہم نے انکار کر دیا ہے۔

٨٥- ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انہیں کچھ فائدہ اور نفع نہ دیا یعنی ان کے ایمان کا ان کو نفع دینا صحیح اور درست نہ ہوا (کیونکہ یاس اور ناامیدی کے وقت ایمان لانا قابل قبول نہیں) ﴿سُنَّتَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے' بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے قائم مقام ہے اور اسی طرح تاکیدی مصادر ہوتے ہیں ﴿الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ﴾ جو بلاشبہ اس کے بندوں میں گزر چکا ہے کہ نزولِ عذاب کے وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا اور رسولوں کو جھٹلانے والوں پر عذاب ضرور نازل ہوتا ہے ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اس وقت کفار خسارے میں اور نقصان میں رہیں گے اور کفار تو تمام اوقات میں نقصان میں رہتے ہیں لیکن ان کا نقصان اس وقت واضح ہو کر سامنے آ جائے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھیں گے ["ھنالك" اسم مکان ہے لیکن یہاں زمان کے معنی کے لیے مستعار لیا گیا ہے' واضح ہو کہ ان آیات میں بار بار حرف "فا" کا ایک دوسرے کے پیچھے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ "فما اغنی عنھم"، "کانوا اکثر منھم" کا نتیجہ ہے اور "فلما جاء تھم"، "فما اغنی عنھم" کے بیان اور تفسیر کی مانند ہے جیسے یہ قول ہیں: "رزق زید المال" زید کا رزق مال ہے اور "فمنع المعروف فلم یحسن الی الفقراء" سو فلاں آدمی نیکی سے روک دیا گیا' پس اس نے محتاجوں کے ساتھ نیکی نہیں کی' اور "فلما راوا باسنا"

ارشاد باری تعالیٰ: ''فلما جاء تھم'' کے تابع ہے' گویا فرمایا: سوانہوں نے کفر کیا' پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ایمان لے آئے' اور اسی طرح ''فلم یك ینفعھم'' ان کے ایمان لانے کے تابع ہے جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ لیا]۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

سورۂ حٰمٓ السجدہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی چوّن آیات' چھ رکوع ہیں

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝۴ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝۵

حٰمٓ ۝ یہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ۝ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو (عربی) جانتے ہیں ۝ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہے' سوان میں سے اکثر لوگوں نے منہ پھیر لیا' پس وہ نہیں سنتے ۝ اور انہوں نے کہا: جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک پردہ ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے بے شک ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ۝

قرآن مجید کے نزول کی حکمت اور کفار کے عناد و انکار کا بیان

سورت فصلت (یا حٰم سجدہ) مکی ہے اور اس کی چوّن (۵۴) آیات ہیں۔

۱ تا ۳ - ﴿حٰمٓ ۝ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ﴾ یہ کتاب بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو عربی جانتے ہیں [اگر ''حٰم'' کو اس سورت کا نام قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہوگا اور ''تنزیل'' اس کی خبر ہوگی اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو پھر ''تنزیل'' مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور ''کتاب''، ''تنزیل'' سے بدل ہوگا یا خبر کے بعد دوسری خبر ہوگی یا پھر یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہوگی یا ''تنزیل'' مبتدا ہے اور ''من الرحمن الرحیم'' اس کی صفت ہے ''کتاب'' اس کی خبر ہے اور ''قرانا عربیا'' اختصاص اور مدح کی بناء پر منصوب ہے' یعنی اس مفصل کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جس کی صفت اس طرح اور اس طرح ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ وہ عربی قرآن ہے اور ''لقوم''، ''تنزیل'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''فصلت'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کی خاطر نازل کی گئی ہے یا اس کی آیتیں انہیں کے لیے مفصل بیان کی گئی ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اپنے ماقبل اور اپنے مابعد کی طرح یہ بھی صفت ہے یعنی ''(قرانا عربیا) کائنا (لقوم) عرب'']

﴿ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ﴾ اس کی آیتیں مختلف معانی کے لیے الگ الگ اور جدا جدا بیان کی گئی ہیں مثلاً بعض احکام کے لیے اور بعض مثالیں بیان کرنے کے لیے اور بعض مواعظ یعنی وعظ ونصیحت کے لیے اور بعض وعدوں کے لیے اور بعض وعیدوں (ڈرانے) کے لیے وغیرہ وغیرہ کے لیے بیان کی گئی ہیں ﴿ لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''ای لقوم عرب'' یعنی یہ کتاب عرب کے لیے نازل کی گئی جو یہ جانتے ہیں کہ ان کی اپنی عربی زبان میں جو آیات ان پر نازل کی گئی ہیں' انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۴- ﴿ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ یہ قرآن مجید (نیکوں کو جنت کی) خوش خبری سنانے والا ہے اور (بدکاروں کو دوزخ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہے [یہ دونوں کلمے ''قرانا'' کی صفات ہیں] ﴿ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ سو ان میں سے بہت سے لوگوں نے روگردانی کی' پس وہ نہیں سنتے یعنی وہ قبول نہیں کرتے جیسے تم کہو: ''تَشَفَّعْتُ اِلٰى فُلَانٍ فَلَمْ يَسْمَعْ قَوْلِىْ'' ''میں نے فلاں آدمی کو سفارش کی تو اس نے میری بات نہیں سنی' حالانکہ اس نے اس کی بات سنی تھی' لیکن جب اس نے اس کی بات قبول نہ کی اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو گویا اس نے اسے نہیں سنا۔

۵- ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِىْٓ اَكِنَّةٍ ﴾ اور انہوں نے کہا: ہمارے دل پردوں میں ہیں [''اكنة'' بہ معنی ''اغطية'' ہے یعنی پردے' یہ ''كنان'' کی جمع ہے اور ''اغطية''، ''غطاء'' کی جمع ہے] ﴿ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ اس سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (یعنی) توحید سے ﴿ وَفِىْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ﴾ اور ہمارے کانوں میں ثقل اور بوجھ ہے جو آپ کی بات سننے سے مانع ہے ﴿ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک حجاب اور پردہ ہے اور یہ تمام مثالیں اس بات کے لیے ہیں کہ ان کے دل حق قبول کرنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے بہت دور ہیں گویا وہ غلاف کے اندر اور پردوں میں چھپے ہوئے ہیں' ان میں کوئی چیز نافذ اور جاری نہیں ہوسکتی اور ان کے کان آپ کی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے گویا وہ بہرے ہیں اور دونوں مذاہب اور دونوں ادیان باہمی دوری کی وجہ سے گویا ان کے اور جس عقیدہ پر وہ قائم ہیں اس کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ اور جس عقیدۂ توحید پر آپ قائم ہیں اس کے درمیان مخفی اور پوشیدہ پردہ حائل ہے اور پہاڑ یا اس طرح کی کوئی آڑ ہے جو اتفاق واتحاد سے رکاوٹ ہے جو ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے ﴿ فَاعْمَلْ ﴾ سو آپ اپنے دین پر عمل کیجئے ﴿ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴾ بے شک ہم اپنے دین پر عمل کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ ہمارے مشن کے مٹانے کے لیے کام کیجئے اور ہم آپ کے مشن کو مٹانے کے لیے کام کرنے والے ہیں اور حرف ''مِنْ'' کے اضافے کا فائدہ یہ ہے کہ پردے کا آغاز دونوں اطراف سے ہے' سو درمیان کی مسافت دونوں اطراف سے پردے سے گھری ہوئی ہے' اس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور اگر ''بيننا وبينك حجاب'' کہا جاتا تو پھر معنی صرف یہ ہوتا کہ پردہ دونوں اطراف کے درمیان میں حائل ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ ع

ع ۸/۱۵

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں (جن یا فرشتہ نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' سو تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم اسی سے بخشش طلب کرو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے بالکل منکر ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسا اجر وثواب ہے جو کبھی ختم نہیں کیا جائے گا O

٦- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔[1] اس آیت مبارکہ میں ان (کفارِ مکہ) کے قول "قُلُوْبُنَا فِیْ اَكِنَّةٍ" ہمارے دل پردوں میں ہیں' کا جواب دیا گیا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ارشاد فرمایا: بے شک میں فرشتہ نہیں ہوں اور بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں اور بے شک میری طرف تو وحی کی جاتی ہے جب کہ تمہاری طرف نہیں' سو میری طرف وحی آنے کی وجہ سے میری نبوت

[1] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ "لَسْتُ مَلَكًا وَّلَا جِنِّيًّا لَا يُمْكِنُكُمُ التَّلَقِّيْ مِنْهُ وَهُوَ رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ" میں نہ تو فرشتہ ہوں اور نہ جن ہوں کہ تمہارے لیے اس سے استفادہ ناممکن ہو جائے۔ اس آیت مبارکہ میں ان (کفارِ مکہ) کے قول "بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ" کی تردید کی گئی ہے۔
(تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والعشرون ص ۹۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)
حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "علمه الله تعالٰى التواضع" یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تواضع اور عاجزی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۸۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)
حضرت صدر الافاضل علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کی بڑی ایمان افروز تشریح فرمائی ہے کہ
میں دیکھا بھی جاتا ہوں' میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بہ ظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سینے میں آئے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو' البتہ میری بجائے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے اور نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں' ہمارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا ہوں' سو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے' اس لیے کہ میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔
فائدہ: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر "انا بشر مثلکم" فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں' وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو اس لیے کسی اُمتی کو روا اور جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے' یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے' ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔
(تفسیر خزائن العرفان ص ۸۵۷' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور) نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ تشبیہ سورۂ کہف: ۱۱۰ کے تحت تفسیر مدارک کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح اور ثابت ہوگئی اور جب میری نبوت صحیح ہوگئی تو تم پر میری اتباع اور میری پیروی کرنا واجب ہوگئی اور میری طرف جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس میں ایک یہ ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے ﴿فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ﴾ سو تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم عقیدۂ توحید اور عبادت کے اخلاص کے ساتھ اسی اللہ تعالیٰ کی طرف برابر قائم و دائم رہو دائیں اور بائیں نہ جاؤ اور نہ تم ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرو جن کو شیطان نے تمہارے دوست اور سفارشی بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر لیا ہے ﴿وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ اور تم اس کی بارگاہ میں شرک سے معافی اور مغفرت طلب کرو ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور شرک کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۷-﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے (یعنی) جو لوگ نہ زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ مشرکین وہ کام نہیں کرتے جس کے ساتھ زکوٰۃ دینے والے متصف ہیں اور وہ ایمان لانا ہے ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں (یعنی) وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور اجر و ثواب اور عذاب و سزا ملنے کا انکار کرتے ہیں اور بے شک یہاں آخرت کے انکار کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر متصل اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ انسان کے لیے سب سے زیادہ پیاری چیز اس کا مال ہوتا ہے اور یہی مال انسان کی روح کو پراگندہ اور منتشر کر دیتا ہے' پھر جب کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ سخاوت اس کی استقامت اور اس کی نیت کی سچائی اور اس کے ارادہ کے خالص ہونے کی قوی دلیل بن جاتی ہے اور اس لیے دنیا کے بچے کھچے مال زکوٰۃ میں سے بعض نادار کفار کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے کچھ مال دیا جاتا تھا جنہیں ''مؤلفة القلوب'' کہا گیا ہے' اس کرم نوازی کی وجہ سے ان کا تعصب ٹھنڈا پڑ جاتا اور ان کا انتقام کا جذب نرم پڑ جاتا اور بنو حنیفہ کا قبیلہ صرف زکوٰۃ روک لینے کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور اس میں مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ روکنے سے سخت ڈرایا گیا ہے۔

۸-﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے (یعنی) کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ بیماروں اور لنگڑوں اور سخت بوڑھوں کے حق میں نازل ہوئی' ان کو اسی طرح اجر و ثواب ملتا رہے گا جس طرح یہ لوگ ان عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے عمل کرتے تھے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ
اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ
اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو' وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O اور اس نے بلند و بالا بھاری پہاڑ اس میں نصب کر دیئے اور

اس نے اس میں برکت رکھی اور اس نے اس میں بسنے والوں کے لیے چار دنوں میں ان کی غذائیں مقرر فرمائیں' جو سب مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں○ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' سو اس نے اسے اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے عرض کیا: ہم اپنی خوشی سے حاضر ہوئے○

قدرتِ الٰہی کے مناظر اور عاد و ثمود کے بدانجام کے ذریعے کفر و شرک کی مذمت

۹۔ ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا فرمایا' اتوار اور پیر کو' یہ دو دن صرف انسانوں کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا﴾ اور تم اس کے لیے بہت سے شریک اور مماثل و ہمسر ٹھہراتے ہو ﴿ذٰلِكَ﴾ پہلے جو گزر چکا ہے اس کو اسی نے پیدا کیا ہے جو ﴿رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور تمام موجودات کا خالق و مالک اور سب کا آقا ہے اور سب کا مربی ہے۔

۱۰۔ ﴿وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں (یعنی) زمین میں ثابت و قائم رہنے والے مضبوط و بھاری پہاڑوں کو بنایا ﴿مِنْ فَوْقِهَا﴾ جو اس کی سطح سے بلند اور اوپر اٹھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر پہاڑوں کو اس لیے بلند کیا تاکہ پہاڑوں کے فائدے اور ان کے منافع تلاش کرنے والوں کے لیے ظاہر ہو جائیں اور تاکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ بے شک زمین اور پہاڑ بھاری بھرکم بوجھ پر بوجھ ہونے کے باوجود سب اپنے روکنے والے اور ٹھہرانے والے کے محتاج ہیں اور وہ صرف اللہ عزوجل ہے ﴿وَبٰرَكَ فِیْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکتیں رکھی ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی کے دریا اور چشمے اور کھیتیاں اور درخت' باغات اور پھل وغیرہ کی بہت سی برکتیں رکھی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "بارك فیها" بہ معنی "اکثر خیرها" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی خیر و بھلائی کو بہت بڑھا دیا ہے ﴿وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کے باشندوں کے لیے روزیاں اور ان کی زندگی گزارنے کی ضروریات اور ان کی دنیا کی بھلائی تمام چیزیں مقدر و مقرر فرما دیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "واقسم فیها اقواتها" پڑھا ہے ﴿فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ﴾ چار دنوں میں بلکہ چار دنوں کے تتمہ میں اور تتمہ سے دو دن مراد ہیں (دو دن پہلے جن میں زمین تخلیق ہوئی اور دو دن یہ جن میں اہل زمین کی روزیوں کو مقدر کیا گیا تو مجموعہ چار دن ہوئے) جیسے تم کہو: "سرت من البصرة الی بغداد فی عشرة والی الکوفة فی خمسة عشر" میں نے بصرہ سے کوفہ تک دس دن میں سفر کیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں یعنی پندرہ کے تتمہ میں اور اس کو مقدر ماننا ضروری ہے' اس لیے کہ اگر ظاہر پر کلام کو جاری کیا جائے تو پھر آٹھ دن ہو جائیں گے' یہ اس لیے کہ پہلے ارشاد ہوا: "خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ" اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا' پھر ارشاد ہوا: "وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام" اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بسنے والوں کی روزیاں چار دن میں مقرر کیں' پھر ارشاد ہوا: "فقضاهن سبع سموت فی یومین" پھر اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پورے سات آسمان بنا دیئے' سو یہ بیان دوسری جگہ فرمائے گئے ارشاد "فی ستة ایام" کے خلاف ہو جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور بدھ کے روز درخت' پانی' آبادی اور جنگل پیدا کیے تو اس طرح یہ چار دن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے جمعرات کے روز آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعة المبارک کے دن ستاروں' سورج' چاند اور فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن کی آخری ساعت (عصر اور مغرب کے درمیان) پیدا کیا ہے[1] اور بعض اہل علم

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۲۷' مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹

حضرات نے فرمایا کہ یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت قائم ہوگی ﴿سَوَآءً﴾ [یعقوب کی قراءت میں ''سَوَآءٍ'' مجرور ہے اور ''ایام'' کی صفت ہے ''ای فی اربعة ایام مستویات تامات'' یعنی برابر پورے چار دنوں میں اور یزید کی قراءت میں ''سَوَآءٌ'' مرفوع ہے (مبتدا محذوف کی خبر ہے) ''ای ھی سَوَآءٌ'' یعنی وہ برابر ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے نزدیک مصدر کی بناء پر منصوب ہے ''ای استوت سَوَآءً'' بہ معنی ''استوآءً'' ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿لِلسَّآئِلِيْنَ﴾ مانگنے والوں کے لیے' یہ ''قدر'' کے متعلق ہے ''ای قدر فیھا الاقوات لاجل الطالبین لھا المحتاجین الیھا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں روزیاں مقدر و مقرر کر دیں ہیں' روزی طلب کرنے والوں اور روزی کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خاطر کیونکہ ہر کوئی روزی کا طالب اور سائل ہے یا یہ محذوف کے متعلق ہے' گویا کہا گیا ہے: یہ اختصاص اس آدمی کی وجہ سے ہے جو سوال کرے کہ کتنی مدت میں زمین کو پیدا کیا گیا اور اس میں کیا کچھ ہے؟

۱۱ - ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' سو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی خوشی سے حاضری کے لیے آ گئے۔ یہ کلام آسمان کے لیے ایجاد الٰہی سے مجاز ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا' اہل عرب کہتے ہیں: ''فعل فلان کذا ثم استوٰی الی عمل کذا'' ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آدمی نے پہلا کام مکمل کر لیا ہے' پھر اس نے دوسرا کام شروع کیا اور اس آیت مبارکہ سے یہی سمجھا تا ہے کہ آسمان کی پیدائش زمین کی پیدائش کے بعد ہوئی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی فرمایا ہے اور انہیں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر کو پیدا فرمایا جس کا طول اور عرض (لمبائی اور چوڑائی) ایک ہزار ضرب دس ہزار سال (ایک کروڑ سال کی) مسافت تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس جوہر کی طرف ہیبت و رعب کی نظر سے دیکھا تو پگھل گیا اور کانپنے لگا اور خوف زدہ ہو کر تھر تھرانے لگا' پھر اس پر آگ مسلط کر دینے کی وجہ سے اس سے دھواں اُبھرا اور اوپر بلند ہو گیا اور جھاگ جمع ہو گئی اور پانی کے اوپر ٹھہری رہی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھاگ کو زمین بنا دیا اور دھوئیں کو آسمان بنا دیا اور آسمان اور زمین کو آنے اور حاضر ہونے کے حکم اور ان دونوں کا حکم کی تعمیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دونوں معرضِ وجود میں آ جائیں' سو ان دونوں نے حکم عدولی نہیں کی بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا' وہ دونوں بن گئے اور موجود ہو گئے اور وہ دونوں اس معاملہ میں مطیع و فرماں بردار مامور کی طرح ہو گئے جس پر مطاع آمر کا حکم وارد ہوتا ہے اور حاضری کے حکم میں آسمان کے ساتھ زمین کا ذکر بھی کیا گیا ہے حالانکہ زمین کو آسمان سے دو دن پہلے پیدا کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے مادے کو پہلے پیدا کیا گیا لیکن اسے پھیلایا نہیں گیا' پھر آسمان کو پیدا کرنے کے بعد زمین کو پھیلایا گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا O'' (النازعات:۳۰) ''اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین کو پھیلایا O'' سو معنی یہ ہوا کہ تم دونوں اسی شکل و صورت اور وصف کے ساتھ آؤ جس پر تم دونوں کا آنا مناسب ہو' اے زمین! اپنے بسنے والوں کے لیے پھیل کر بچھونا اور قرار گاہ اور ٹھکانا بن کر آ' اور اے آسمان! تو اپنے بسنے والوں کے لیے قبہ اور چھت بن کر آ' اور آنے کا معنی ہے: حصول اور وقوع پذیر ہونا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اَتٰی عَمَلُهٗ مَرْضِيًّا'' اس کا عمل پسندیدہ واقع ہوا' پھر ارشادِ باری تعالیٰ ''طوعًا او کرھًا'' زمین و آسمان میں قدرتِ الٰہی کی تاثیر کے بیان کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک ان دونوں کا قدرتِ الٰہی کی تاثیر سے مانع ہونا محال ہے جیسے تم اپنے ماتحت سے کہتے ہو کہ ''لَتَفْعَلَنَّ هٰذَا شِئْتَ اَوْ اَبَيْتَ وَلَتَفْعَلَنَّهٗ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا'' تو نے یہ کام ضرور کرنا ہے تو چاہے یا انکار کرے اور تو نے اسے ضرور کرنا ہے خوشی یا ناخوشی سے [اور یہ

دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں اور بہ معنیٰ "طائعتین او مکرھتین" ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہ اعتبار لفظ "سمٰوات" اور "ارضون" ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو مخاطبات اور مجیبات قرار دیا گیا اور "طلوع" اور "کرہ" کے ساتھ موصوف کیا گیا تو کہا گیا "طائعین" جو "طائعات" کی جگہ میں ہے جیسے ارشاد ہے: "سٰجِدِیْنَ" (یوسف: ۴)]۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر اس نے دو دن میں ان کے سات آسمان بنا دیئے اور اس نے ہر آسمان میں اس کے متعلقہ کام کا حکم بھیجا' اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا' اور اس کو محفوظ کر دیا' یہ سب پر غلبہ رکھنے (اور) سب کچھ جاننے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہے O پھر اگر وہ روگردانی کر لیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں سخت کڑک والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جیسا کہ سخت کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O جب ان کے پاس ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ہر طرف رسول تشریف لائے (اور فرمایا) کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو البتہ فرشتوں کو نازل کر دیتا' سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا یقیناً انکار کرنے والے ہیں O

۱۲- ﴿فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سات آسمان بنا دیئے (یعنی) ان کی تخلیق کو محکم و مستحکم بنا دیا' جیسے کسی شاعر نے کہا: "وعلیھما مسرودتان قضاھما" اور ان دونوں پر دو زرہیں تھیں جن کی بناوٹ مستحکم و مضبوط تھی ["ھن" "ضمیر" "السماء" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ "السماء" اسم جنس ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر مبہم ہو جس کی تفسیر ارشاد "سبع سمٰوات" کر رہا ہے اور دونوں کے منصوب ہونے میں فرق ہے کہ پہلا حال کی بناء پر منصوب ہے اور دوسرا تمیز کی بناء پر] ﴿فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ دو دنوں میں جمعرات اور جمعہ کے دن میں ﴿وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی بھیجی (یعنی) جس چیز کی تخلیق کا اور اس کی تدبیر کا اس میں حکم دیا گیا جیسے فرشتوں کی اور دیگر نورانی مخلوق وغیرہ کی تخلیق کا حکم دیا گیا ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ اور ہم نے دنیا کے آسمان کو مزین اور آراستہ کر دیا (یعنی) جو زمین کے نزدیک آسمان ہے ﴿بِمَصَابِيْحَ ڰ﴾ چراغوں یعنی ستاروں کے ساتھ ﴿وَحِفْظًا ۭ﴾ اور ہم نے اس کو ستاروں کے ذریعے چوروں سے محفوظ بنا دیا ہے ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ﴾ یہ نظام ایک زبردست غالب کا مقرر کیا ہوا ہے جو سب پر غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوگا ﴿الْعَلِيْمِ﴾ وہ تمام اُمور و معاملات کے موقعوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۳- ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پھر اگر وہ اس بیان کے بعد بھی ایمان سے منہ پھیر لیں ﴿فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا اور خوف زدہ کرتا ہوں' وہ ایسا عذاب ہے جس کا وقوع بہت سخت ہوگا اور

اصل میں ''صاعقة'' وہ عذاب ہے جس میں سخت گونج دار ہولناک آواز کے ساتھ آگ ہوتی ہے ﴿مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ جیسے عاد اور ثمود پر سخت کڑک والا عذاب آیا تھا۔

۱۴- ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے رسول تشریف لائے یعنی ان کے پاس ہر طرف سے رسول آ کر تبلیغ کرتے رہے اور وہ حق پر لانے کے لیے ان کے بارے میں ہر قسم کی تدبیر پر عمل کرتے رہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان کی طرف سے ہمیشہ اعراض' روگردانی اور فرار کو پایا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے انہیں ان سے پہلے امتوں پر آنے والے خدائی عذاب سے ڈرایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا [''ان'' بہ معنیٰ ''ای'' ہے یا ثقیلہ سے مخففہ ہے' اس کی اصل ''بانّه'' ہے] ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی قوم نے جواب دیا کہ ﴿لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ اگر ہمارا پروردگار رسولوں کو بھیجنا چاہتا تو وہ ضرور فرشتوں کو نازل کر دیتا [''شآء'' کا مفعول بہ محذوف ہے' اصل میں ''لو شآء ربنا ارسال الرسل'' تھا' ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے] ﴿فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم انسان ہو اور تم فرشتے نہیں ہو تو ہم تم پر اور جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ''ارسلتم به'' کہنا رسول بنا کر بھیجنے کا اقرار نہیں ہے اور بے شک یہ تو صرف رسولوں کے کلام پر مبنی ہے اور اس میں تمسخر اور مخول ہے' جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ''اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝'' (الشعراء:۲۷) ''بے شک تمہارا رسول جسے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' وہ ضرور دیوانہ ہے ۝'' اور یہ ارشاد ''فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝'' کفار کی طرف سے حضرت ہود' حضرت صالح اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے' جنہوں نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تھی۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ قریش مکہ نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا کیونکہ یہ سب سے اچھی گفتگو کرتا تھا تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرے اور دیکھے کہ آپ اس کی باتوں کا کیا جواب دیتے ہیں' چنانچہ عتبہ بن ربیعہ' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ حطیم کعبہ میں تشریف فرما تھے' اس نے جس قدر سوالات کیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کے جوابات دیئے' پھر حضور ﷺ نے اس کے سامنے یہی سورت تلاوت فرمائی' یہاں تک کہ جب آپ نے ''مثل صاعقة عاد و ثمود'' کو پڑھا تو اس نے آپ کو رحم و کرم کی قسم دی اور آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ڈر کے مارے فوراً بھاگ کھڑا ہوا کہ کہیں ان لوگوں پر عذاب آ جائے اور یہی خبر جا کر قریش کو سنائی اور کہا کہ بے شک میں جادو کو اور شعر گوئی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں' سو اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نہ تو جادوگر ہیں اور نہ شاعر ہیں' قریش کے لوگوں نے کہا: تو بے دین ہو گیا ہے' کیا تو نے ان کے کلمہ کا سمجھ کر جواب نہیں دیا؟ عتبہ نے کہا: نہیں اور مجھے ان کو جواب دینا نہیں آتا' حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا: یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تاکہ تم معلوم کر لو کہ بے شک وہ تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے عاد اور ثمود کے عذاب کا ذکر بیان فرمایا' چنانچہ (درج ذیل آیت میں) فرمایا:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو لیکن رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقتور کون ہے؟ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ سخت قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O

کفر وشرک کے سبب عاد وثمود پر عذاب

۱۵- ﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ سو لیکن رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا یعنی انہوں نے اپنے علاقہ میں وہاں کے تمام باشندوں پر ایسی بڑھائی چاہی جس کے وہ مستحق نہیں تھے اور انہیں اپنی قوت کی زیادتی اور اپنے اجسام کے بڑے ہونے پر گھمنڈ تھا یا وہ امارت کے استحقاق کے بغیر اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے زبردستی اپنی سرزمین پر حاکم و رئیس بن گئے ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ﴾ اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقت والا کون ہے؟ دراصل عاد کی قوم کے لوگ بڑے دراز قد لحیم وجسیم تھے اور ان کی قوت وطاقت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ان میں سے کوئی آدمی پہاڑ میں سے بہت بڑا بھاری پتھر اپنے ہاتھ سے اکھیڑ کر اٹھا لیتا تھا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں اور مشاہدہ نہیں کیا (یعنی) اور کیا انہوں نے اس قدر یقینی اور پختہ علم حاصل نہیں کر لیا اور انہیں اس قدر پختہ علم معلوم نہیں ہوا جو مشاہدہ کے قائم مقام ہوتا ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ قوت والا ہے اور وہ ان سے بہت زیادہ وسیع اور بڑی قدرت و اختیار والا ہے کیونکہ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے حالانکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صرف بعض چیزوں پر قادر ہیں ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے [اور یہ "فاستكبروا" پر معطوف ہے] یعنی وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ حق ہے لیکن وہ دین حق کا اس طرح جان بوجھ کر انکار کرتے تھے جس طرح امانت دار جان بوجھ کر امانت سے انکار کر دیتا ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

پھر ہم نے ان پر سخت زوردار آواز والی یخ ٹھنڈی آندھی بھیجی منحوس دنوں میں تاکہ ہم دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی O اور لیکن رہے ثمود سو ہم نے

ان کو سیدھا راستہ دکھایا' پس انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کر لیا تو انہیں ذلت ناک عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھےO اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لے آئے تھے اور وہ ڈرتے رہتے تھےO

۱۶- ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا﴾ پھر ہم نے ان پر زوردار آواز والی آندھی بھیجی جو خوف ناک گرج دار تیز آندھی تھی' یعنی اس کے تیز چلنے کی وجہ سے گڑگڑاہٹ اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی تھیں یا یہ معنی ہے کہ بہت ٹھنڈی تیز آندھی تھی کہ سخت ترین ٹھنڈک کے سبب وہ جسموں کو جلاتی تھی اور لفظ ''صر'' کا تکرار تاکید کے لیے ہے' جس کا معنی ٹھنڈ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ اس سے ''دبور'' آندھی مراد ہے (یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی تیز آندھی جسے پچھوائی ہوا کہا جاتا ہے) ﴿فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ منحوس دنوں میں یعنی جن دنوں میں ان پر نحوست و بدنصیبی طاری کی گئی [اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور نافع مدنی کی قراءت میں (''حا'' ساکن) ''نَحْسَات'' ہے اور ''نَحِسَ نَحَسًا'' یہ ''سَعِدَ سَعِدًا'' کی نقیض کی ہیں اور یہ ''نَحِسَ'' کی جمع ہے (بکسر الحاء) یا ''نَحْس'' (بسکون الحاء) کی جمع ہے اور یہ ''نحس'' مخفف ہے یا فعل کے وزن پر صفت ہے یا مصدر کا وصف ہے] اور یہ آندھی شوال کے آخر میں ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک مسلسل چلتی رہی تھی اور جس قوم کو بھی عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ بدھ کا دن تھا ﴿لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں [''الخزی'' کا معنی ہے: ذلت و رسوائی اور عذاب کی اضافت ''الخزی'' کی طرف اس بناء پر کی گئی ہے کہ یہ عذاب کی صفت ہے' گویا فرمایا: ''عَذَابٌ خِزْيٌ'' جیسے تم کہو: ''فعل السوء'' (اضافت کے ساتھ) اس سے مراد ''الفعل السوء'' ہو (موصوف صفت) اور اس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے] ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ ذلت ناک اور زیادہ رسوا کن ہوگا [اور یہ اسنادِ مجازی میں سے ہے اور ''عذاب'' کو ''خزی'' کے ساتھ موصوف کرنا ''معذبین'' کو ''خزی'' کے ساتھ موصوف کرنے سے زیادہ بلیغ ہے' سو تیرے دونوں قولوں ''هو شاعر'' اور ''وله شعر شاعر'' میں بہت فرق ہے] ﴿وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان کی ان بتوں کی طرف سے امداد نہیں کی جائے گی جن کی وہ لوگ محض اس بناء پر عبادت کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں گے۔

۱۷- ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ﴾ اور لیکن رہے ثمود تو ہم نے انہیں ہدایت دی تھی یعنی ہم نے ان کے لیے رشد و ہدایت کو بیان کیا تھا [''ثمود'' کو مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دینا زیادہ فصیح ہے کیونکہ یہ حرف ابتداء کے بعد واقع ہوا ہے اور ''فهدیناهم'' اس کی خبر ہے اور منصوب ہونے کی صورت میں اس سے پہلے فعل مضمر ہوگا جس کی تفسیر ''فهدیناهم'' کر رہا ہے] ﴿فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ سو انہوں نے ہدایت پر اندھے پن (گمراہی) کو پسند کر لیا (یعنی) سو انہوں نے ایمان پر کفر کو اختیار کر لیا ﴿فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ﴾ پس انہیں ہولناک کڑک والے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا ﴿الْهُوْنِ﴾ ذلت ناک اور رسوا کن [''عذاب'' کو ''هون'' کے ساتھ مبالغہ کے لیے موصوف کیا گیا ہے یا پھر ''الهون''، ''العذاب'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ان کاموں کے سبب جو وہ کرتے تھے یعنی ان کی کمائی کی وجہ سے اور وہ ہے ان کا شرک و کفر کرنا اور ان کا دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنا اور حضرت الشیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہدایت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک احتمال ہدایت کو بیان کرنا اور واضح کرنا مراد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور دوسرا احتمال ان میں ہدایت کو پیدا کرنا ہو' سو وہ لوگ ان دو وجوہ کی بناء پر ''مهتدین'' (ہدایت پانے والے) ہو گئے' پھر انہوں نے اس کے بعد کفر و شرک کو اختیار کر لیا تھا اور انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر جب ہدایت کی

نسبت خالق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی ہوتا ہے: بیان کرنا اور توفیق دینا اور ہدایت کے فعل کو پیدا کرنا اور جب ہدایت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی صرف بیان کرنا ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور صاحب کشاف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ''ھَدَیْتُہٗ'' میں نے فلاں آدمی کو ہدایت کی' اس کا معنی یہ ہے کہ اس آدمی کو ہدایت حاصل ہوگئی ہے' جس پر دلیل تمہارا یہ کہنا ہے کہ ''ھَدَیْتُہٗ فَاھْتَدٰی'' میں نے اس کو ہدایت دی تو اس نے ہدایت پالی تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اس آدمی کو مقصود اور مطلوب حاصل ہو گیا جیسا کہ تم کہتے ہو: ''رَدَعْتُہٗ فَارْتَدَعَ'' میں نے اسے روکا تو وہ رُک گیا' سو بھلا اب ہدایت کو صرف راہ دکھانے کے لیے استعمال کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو قدرت و اختیار دیا اور نبی کے ذریعے ان کے تمام شکوک وشبہات زائل کر دیئے اور ان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا تھا تو گویا ان اسباب کی تحصیل کی وجہ سے ان کو مقصد حاصل ہو گیا' جو ہدایت کو واجب کرتے ہیں اور ہدایت کا تقاضا کرتے ہیں۔

اور صاحبِ کشاف نے یہ حیلہ بازی اس لیے کی ہے کیونکہ اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ تخلیق ہدایت کے ساتھ تفسیر کرے' اس لیے کہ یہ اس کے مذہب فاسد کے خلاف ہے (کیونکہ معتزلیوں کے مذہب میں بندہ اپنے تمام افعال کا خود ہی خالق ہوتا ہے)۔

۱۸- ﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو اس (مذکورہ بالا) خوف ناک کڑک والے عذاب سے نجات دی جو ایمان لے آئے تھے یعنی انہوں نے اندھے پن (گمراہی) پر ہدایت کو اختیار کر لیا تھا ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرنے سے ڈرتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا
شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا
لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جانے کی خاطر جمع کیا جائے گا تو انہیں روک لیا جائے گا O یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان کے خلاف ان اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے O اور وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ تعالیٰ نے گویائی عطاء کی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے اور اسی نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور تم (اپنے گناہوں کو اس ڈر سے) نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے کان

اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم نے یہ گمان کر لیا کہ تم جو کچھ اعمال کرتے ہو ان میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا O

دشمنانِ خدا کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی اور عذاب کا بیان

١٩ - ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف جمع کیا جائے گا یعنی اگلے پچھلے تمام کفار کو روزِ محشر جمع کیا جائے گا [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں ''نحشر اعداء اللّٰه'' ہے] ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ سو ان کے پہلے لوگوں کو ان کے آخری لوگوں کے لیے روک لیا جائے گا یعنی کفار کی پہلی جماعتوں کو روک لیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی پچھلی جماعتیں ان سے مل جائیں اور یہ دوزخیوں کی کثرت اور ان کی بہتات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل ''وَزَعْتُهٗ'' سے ماخوذ ہے ''اَیْ کَفَفْتُهٗ'' یعنی میں نے اس کو روک دیا۔

٢٠ - ﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے (یعنی) جب وہ آگ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور حرف ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے بے شک دوزخ کی آگ کے پاس ان کے آنے کا وقت لامحالہ وہی ہو گا جس میں ان کے خلاف گواہی دی جائے گی اور اس سے خالی ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان چیزوں کے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اور چمڑوں کی گواہی حرام چیزوں کو چھونے کے بارے میں ہو گی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ شرم گاہوں سے کنایہ ہے (یعنی شرم گاہیں ان کے خلاف بدکاری کی گواہی دیں گی)۔

٢١ - ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ اور کفار اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ہے کیونکہ کفار اپنے خلاف اپنے اعضاء کی گواہی کو بعید از قیاس بہت بڑا عجوبہ خیال کرتے ہوئے تعجب کی بناء پر سوال کریں گے ﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ وہ کہیں گے: ہمیں اس اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی ہے جس نے ہر جاندار چیز کو گویائی کی قوت عطاء کی ہے اور معنی یہ ہے کہ ہمارا بولنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب و غریب نہیں ہے کیونکہ وہ ہر جاندار سے گفتگو کرانے پر پوری طرح قادر ہے ﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی نے پہلی بار بھی تمہیں پیدا کیا تھا اور تم اب بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی وہ تمہیں جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور تمہیں جزاء وسزا دینے کے لیے دوبارہ لوٹانے پر پوری طرح قادر ہے۔

٢٢ - ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ اور تم اس بات سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے گواہی دیں گے یعنی بے شک تم بُرائیوں اور گناہوں کے ارتکاب کے وقت دیواروں اور پردوں کے ذریعے چھپا کرتے تھے لیکن تم اس خوف و ڈر سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے کیونکہ تم نہیں جانتے تھے کہ وہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ تم تو مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھنے اور جزاء اور سزا کے بالکل منکر تھے ﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور لیکن تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان اعمال میں سے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو (یعنی) لیکن تم تو اپنے گمان کے مطابق چھپتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت سے وہ اعمال نہیں جانتا جو تم کرتے ہو اور وہ تمہارے

پوشیدہ اعمال ہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ۝ وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ۝ ع

اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا تھا اسی نے تمہیں ہلاک کر دیا' سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو O سو اگر وہ صبر کریں گے تو دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کریں گے تو وہ رضامندی قبول کیے جانے والوں میں سے نہیں ہوں گے O اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر دیئے' سو انہوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور ان پر وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزشتہ امتوں پر ثابت ہو چکا تھا' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے O

٢٣ - ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ﴾ اور یہی تمہارا وہ گمان ہے جس نے تمہیں اپنے پروردگار کے بارے میں ہلاک کر ڈالا ہے (یعنی) اور یہ وہ گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا [''وذالکم'' مبتدا ہے اور ''ظنکم'' خبر ہے اور ''الذی ظننتم بربکم'' اس کی صفت ہے اور ''اردکم'' دوسری خبر ہے یا پھر ''ظنکم''، ''ذالکم'' سے بدل ہے اور ''اردکم'' خبر ہے] ﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ سو تم خسارہ پانے والوں اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو۔

٢٤ - ﴿فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ پھر اگر وہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے یعنی سو اگر وہ صبر کریں گے تو صبر انہیں کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں دے گا اور وہ آگ میں جلنے سے بچ نہیں سکیں گے ﴿وَاِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ﴾ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو منانا چاہیں گے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن کا منانا قبول کر لیا جائے گا (یعنی) اور اگر وہ رضامندی کی خواہش کریں گے تو ان کی رضامندی قبول نہیں کی جائے گی یا اگر وہ واپسی کی درخواست کریں گے اور وہ ہے ان کے لیے اسی طرف رجوع کرنا جس کو وہ چاہتے ہوں گے' محض اس عذاب سے گھبراہٹ کی بناء پر جس میں وہ مبتلا ہوں گے تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی اور ان کو واپسی کا پروانہ عطا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں جواب دیا جائے گا۔

٢٥ - ﴿وَقَیَّضْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان کے لیے مقرر کر دیئے یعنی ہم نے مشرکین مکہ کے لیے مقرر کر دیئے جیسے کہا جاتا ہے: ''ھذان ثوبان فیضان ای مثلان'' یہ دونوں کپڑے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یعنی ایک جیسے ہیں ''مقایضة'' بہ معنی معاوضہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے: ''سلطنا علیھم'' ہم نے ان پر مسلط کر دیئے ﴿قُرَنَآءَ﴾ ساتھی (یعنی) شیطانوں میں سے ساتھی اور دوست ان کے لیے مقرر کر دیئے جاتے ہیں' یہ ''قرین'' کی جمع ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ O'' (الزخرف:٣٦) ''اور جو شخص رحمان کی یاد سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہے O'' ﴿فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾

﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ سو وہ ساتھی ان کے لیے خوش نما بنا دیتے ہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی ان کے جو اعمال پہلے گزر چکے اور جن پر انہوں نے پختہ عزم کر رکھا ہے یا "مَا بین ایدیھم" سے دنیا کے اُمور و معاملات اور خواہشات کی پیروی کرنا مراد ہے اور جو ان کے پیچھے ہیں (یعنی) آخرت کے معاملات اور یہ کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھنا اور نہ کوئی حساب و کتاب ہونا ہے اور نہ جزاء اور سزا ہونی ہے ﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ﴾ اور ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ثابت ہو چکا ہے یعنی عذاب کا کلمہ ["فی امم" محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ "علیھم" کی ضمیر سے حال ہے] یعنی ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ہونے والا ہے ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ بے شک وہ تمام امتیں ان (کفارِ مکہ) سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک وہ خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے تھے۔ تمام کفار کے مستحقِ عذاب ہونے کے لیے یہ علّت ہے اور "ھم" ضمیر ان (کفارِ مکہ) اور سابق تمام امتوں کے لیے ہے کہ سب کے سب خسارے میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو بالکل نہ سنو اور اس (کی تلاوت میں) بے ہودہ باتیں کرو تا کہ تم غالب ہو جاؤ O سو ہم کافروں کو ضرور سخت عذاب چکھائیں گے اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے O یہ ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا جو دوزخ کی آگ ہے انہیں کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O اور کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تا کہ وہ سب سے نیچے والوں میں سے ہو جائیں O

کفار کے بُرے اعمال کی وجہ سے بُرا انجام

٢٦ - ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو نہ سنو جب اسے پڑھا جائے ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اور اس کی تلاوت میں بے ہودہ باتیں کرو تا کہ غالب ہو جاؤ اور تم ان کے ساتھ ایسے کلام کے ذریعے معارضہ اور مقابلہ کرو جسے سمجھا نہ جا سکے یہاں تک کہ اس کو تشویش و پریشانی اور اشتباہ و التباس لاحق ہو جائے اور تم اس کی قراءت پر غالب آ جاؤ اور "لغو" غیر معتبر اور بے ہودہ کلام ہوتا ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

٢٧ - ﴿فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ہم انہیں ضرور سخت عذاب

چکھائیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الذین کفروا'' سے وہی بے ہودہ اور لغو باتیں کرنے والے اور ان کا حکم دینے والے خاص کر مراد ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الذین کفروا'' سے عام کفار مراد ہوں تا کہ ان کے ذکر کے تحت سب کفار جمع ہو جائیں ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ کرتے تھے یعنی اور ہم انہیں ان کے بہت بُرے اعمال پر بہت بڑی سخت سزا دیں گے اور بدترین عمل سے ان کا کفر و شرک کرنا مراد ہے۔

٢٨- ﴿ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا ہے [''ذٰلك'' سے ''اسوا'' کی طرف اشارہ ہے اور واجب ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو'' (اَسْوَاَ) جَزَآءِ (الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) '' تا کہ یہ اشارہ درست ہو جائے] ﴿ النَّارُ ﴾ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے [یہ ''جزآء'' کا عطف بیان ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے] ﴿ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ﴾ ان کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یعنی دوزخ کی آگ فی نفسہ ہمیشہ کا گھر ہے جیسے تم کہو: ''لك في هٰذه الدار دار السرور'' تمہارے لیے یہ گھر سرور کا گھر ہے جب کہ تمہاری مراد بعینہ دار ہو ﴿ جَزَآءً ﴾ یعنی اس سزا کے ساتھ انہیں بدلہ دیا جائے گا ﴿ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

٢٩- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا ﴾ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ دونوں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا یعنی شیطانوں کے وہ دونوں گروہ ہمیں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''را'' ساکن کے ساتھ ''اَرْنَا'' ہے کیونکہ کسرہ ثقیل ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے ''فَخْذَ'' اور ''فَخِذَ'' کہا ہے اور ابوعمرو دوری کی قراءت میں بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے] ﴿ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے کیونکہ شیطانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک جنات میں سے اور دوسری انسانوں میں سے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ'' (الانعام:١١٢) ''اور اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے'' ﴿ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں تا کہ وہ دوزخ کی آگ میں سب سے نیچے والے لوگوں میں سے ہو جائیں' انہیں گمراہ کرنے پر یہی سزا دینی چاہیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ ط نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ع

ع ٤

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے:) تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے جی چاہیں گے اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تم مانگو گے○ یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی○

دین پر استقامت اختیار کرنے پر مسلمانوں کا نیک انجام

۳۰۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب تعالیٰ اور پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے یعنی جنہوں نے توحید (و رسالت) کا اقرار کیا ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر وہ اس پر قائم رہے (یعنی) پھر وہ اقرار پر اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ استقامت اختیار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فعل اور عمل کے اعتبار سے اس طرح استقامت اختیار کی جس طرح انہوں نے قول اور اقرار کے اعتبار سے استقامت اختیار کی تھی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی' پھر صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کی کہ استقامت والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی گناہ نہ کیا ہو' آپ نے فرمایا: تم نے تو اس کو بہت سخت معاملہ پر محمول کیا ہے' چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے توحید کا اقرار کیا اور اس پر اس طرح قائم اور ثابت قدم رہے کہ پھر کبھی بتوں کی عبادت کی طرف رجوع نہیں کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے زندگی میں لومڑی کی طرح مکر وفریب نہیں کیا یعنی جنہوں نے منافقت کو نہیں اپنایا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا اور فرائض کو ادا کیا۔

حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے ہر فانی چیز سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور باقی رہنے والی چیزوں میں رغبت اختیار کر لی اور بعض نے کہا: استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ اقرار کے بعد قرار اور ثابت قدم ہو اور اقرار کے بعد فرار نہ ہو ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ موت کے وقت ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿اَلَّا تَخَافُوْا﴾ کہ تم خوف نہ کرو یعنی تم جو کچھ آگے بھیج رہے ہو اس پر خوف نہ کرو [''اَلَّا'' اصل میں ''اَنْ لَّا'' ہے اور یہ ''اَنْ'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے یا یہ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کی اصل ''بِاَنَّهٗ لَا تَخَافُوا'' ہے اور اس میں ضمیر شان کی ہے] ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اور تم اس پر غم نہ کرو جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو' سو خوف تو اس غم کو کہتے ہیں جو کسی ناگوار امر کے واقع ہونے کی بناء پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور ''حزن'' اس غم کو کہتے ہیں جو کسی مفید اور نافع چیز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جاتا ہے یا وہ غم جو کسی نقصان دِہ چیز کے حصول پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ہر قسم کے غم و رنج سے امن و امان لکھ دیا ہے' سو تم کوئی غم ہرگز نہیں چکھو گے ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ اور تمہیں اس جنت کی خوش خبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) جس جنت کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اس پر تم خوش ہو جاؤ۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس وقت روحیں بدنوں سے جدا ہوتی ہیں' اس وقت خدائے رحمان کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور کہتے ہیں: تم ایمان کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ کرو اور جو غلطیاں ہو چکیں ان پر غم نہ کرو اور تم جنت میں جانے کے لیے خوش ہو جاؤ' جس کا گزشتہ زمانے میں تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

۳۱- ﴿ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ جس طرح شیاطین نافرمانوں اور گناہ گاروں کے ساتھی اور ان کے بھائی' تو اسی طرح فرشتے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں متقیوں اور پرہیزگاروں کے مددگار اور ان کے دوست ہیں ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ ﴾ اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ تمام نعمتیں میسر ہوں گی جن کو تمہارے دل اور جی چاہیں گے ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴾ اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہوگی جو تم مانگو گے (یعنی) جو تمنا کرو گے۔

۳۲- ﴿ نُزُلًا ﴾ مہمانی ہوگی' وہ مہمان کا رزق ہے اور ''نزیل'' کا معنی مہمان ہے [اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہے' یہ ھائے محذوف سے حال ہے یا پھر ''ما'' سے حال ہے] ﴿ مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴾ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے [یہ اس کی صفت ہے]۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اس سے زیادہ بہترین کلام کس کا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ بُرائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو' سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یک دم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے O اور وہ عمدہ خصلت نہیں دی جاتی مگر انہیں لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور وہ نہیں دی جاتی مگر بڑے نصیب والے کو O اور (اے انسان!) اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے O

نیکی کی دعوت دینے والے کی شان کا بیان

۳۳- ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور اس سے زیادہ اچھا کلام کس کا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو' اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور وہ نیک اور خالص عمل کرتا ہو ﴿ وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں' یہ محض دین اسلام پر فخر کا اظہار کرنے کے لیے اور اس کے لیے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کے لیے کہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام بھی اس آیت مبارکہ کے مصداق میں شامل ہیں یا اذان کہنے والے مؤذنین مراد ہیں یا اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف رہنمائی کرنے والے اور دعوت دینے والے تمام حضرات مراد ہیں۔

٣٤- ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں آپ بُرائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو یعنی نیکی اور بُرائی اپنی اپنی ذات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' سو جب آپ کے سامنے دو نیکیاں درپیش ہوں تو آپ اس نیکی کو اپنا لیجئے جو سب سے بہتر ہو' پھر آپ اس بُرائی کو عمدہ طریقے سے دور کریں جو آپ کے دشمنوں کی طرف سے آپ پر عائد کی جاتی ہو' جیسا کہ اگر کوئی آدمی آپ کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو اچھائی یہ ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر کر لیں اور جو سب سے زیادہ اچھائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس کی بُرائی کی جگہ اس کے ساتھ نیکی اور احسان کریں مثلاً جو آپ کی مذمت کرے تو آپ اس کی تعریف کریں یا جو آدمی آپ کے بیٹے کو قتل کر دے تو آپ اس سے قصاص کی بجائے اپنے بیٹے کا خون بہا لے کر اپنے دشمن پر احسان کریں ﴿ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴾ سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یکدم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے (یعنی) جب آپ یہ کام کریں گے تو آپ کا سخت دشمن پلٹ کر گہرا دوست بن جائے گا' آپ کا مخلص چاہنے والا محب ہو جائے گا' پھر ارشاد فرمایا:

٣٥- ﴿ وَمَا يُلَقَّاهَا ﴾ اور وہ نہیں ملتی یعنی یہ خصلت جو بُرائی کے مقابلہ میں نیکی کرنے کی ہے' نہیں ملتی ﴿ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ﴾ مگر صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں (یعنی) مگر صبر کرنے والوں کو ملتی ہے ﴿ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ اور وہ نہیں ملتی مگر بہت بڑے نصیب والے کو' (یعنی) مگر خیر و بھلائی والے آدمی کو جسے خیر و بھلائی میں سے بہت بڑے حصے اور بہت بڑے نصیب کی توفیق عطا کی گئی [اور یہاں "فادفع بالتی ھی احسن" ("فا" سببیہ کے ساتھ) نہیں فرمایا' اس لیے کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ میں بُرائی کے جواب میں کیسے کروں تو اس کے جواب میں کہا گیا: "ادفع بالتی ھی احسن" "تم اس بُرائی کو سب سے اچھے طریقے سے دور کرو اور بعض نے کہا: "لا" تاکید کے لیے زائدہ ہے' نفی کا معنی مراد نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ "لاتستوی الحسنۃ والسیئۃ" "نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی اور اس تفسیر کی بناء پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "ادفع بالتی ھی حسنۃ" کہا جائے لیکن "التی ھی احسن" کو "حسنۃ" کی جگہ رکھا گیا تاکہ بھلائی کے ساتھ دفاع میں زیادہ مبالغہ کیا جا سکے' اس لیے کہ جس نے کسی بُرائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کیا' اس کے لیے آسان ہے کہ وہ اس سے کم کے ساتھ بُرائی کا دفاع کرے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "بالتی ھی احسن" کا معنی یہ ہے کہ غضب کے وقت صبر کرنا اور جہالت و نادانی کے بدلے بردباری اور حوصلہ کرنا اور بُرائی کے بدلے معاف کر دینا اور "حظ" کا مطلب ثواب بیان کیا گیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! جنت سے بڑا نصیب اور بڑا حصہ اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سفیان بن حرب اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' کیونکہ یہ اسلام لانے سے پہلے حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے سخت ایذاء اور تکلیفیں پہنچانے والے دشمن ہوا کرتے تھے' پھر اسلام لانے کے بعد آپ کے گہرے اور مخلص خیر خواہ دوست و حامی بن گئے۔

٣٦- ﴿ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ ﴾ اور (اے انسان!) اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے (تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو) "نزغ" کو "نخس" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (دونوں کا معنی اُکسانا' برانگیختہ کرنا ہے) اور شیطان انسان کو اُکساتا اور برانگیختہ کرتا ہے گویا اس کے اُکسانے اور اس کے اُبھارنے کی وجہ سے انسان نامناسب اقدام کر لیتا ہے اور "نزغ" (مصدر) کو "نازغ" قرار دیا گیا' جیسا کہ کہا جاتا ہے: "جد جدہ" یا پھر "واما ینزغنک" سے مراد

''نازغ'' ہے اور شیطان کے لیے مصدر کے ساتھ وصف بیان کیا گیا یا اس سے شیطان کا گمراہ کرنا اور بھلانا مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ بھلائی کے ساتھ بُرائی کے دفاع کی تمہیں جو وصیت اور تاکید کی گئی ہے اگر اس سے شیطان تمہیں گمراہ کرنا چاہے یا اسے تم سے بھلانا چاہے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اس کے شر سے بچنے کے لیے اور اپنے حلم و بردباری پر قائم رہ کر چلتے رہو اور اس کا کہنا نہ مانو ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ﴾ بے شک وہ تمہاری پناہ طلب کرنے کی دعا اور فریاد کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ شیطان کے اُکسانے کو خوب جاننے والا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿٣٨﴾ السجدۃ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٣٩﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو○ پھر اگر وہ تکبر کریں تو وہ (فرشتے) جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں، وہ رات اور دن اسی کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ نہیں تھکتے○ اور اس کی نشانیوں میں سے (یہ بھی ہے) کہ بے شک تم زمین کو خشک دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ کھیتی سے تروتازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے، بے شک جس نے اس کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے○

اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے لیے قدرت کی نشانیوں کا بیان

٣٧- ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت و رہنمائی کرنے والی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں جو معین حد پر ایک دوسرے کے تعاقب میں رواں دواں رہتے ہیں اور مقررہ مقدار پر باری باری دونوں چلتے رہتے ہیں ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند ہیں جو دونوں مقدر مسافت اور مقررہ نور کے ساتھ مختص ہیں ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ تم نہ تو سورج کے لیے سجدہ کرو، اور نہ چاند کے لیے کیونکہ یہ دونوں مخلوق ہیں اگرچہ ان کے منافع اور فوائد بہت زیادہ ہیں ﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اور تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کیا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر اس کی عبادت کرتے ہو [اور ''خلقھن'' میں ''ھُنَّ'' ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے (یعنی ان تمام نشانیوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس لیے وہی خالق عبادت کا مستحق ہے نہ کہ یہ مخلوق) یا یہ ضمیر ''لیل''، ''نہار'' اور ''شمس'' اور ''قمر'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ غیر ذوی العقول جماعت کا حکم مؤنث کے حکم کی مثل ہوتا ہے یا پھر ستاروں کی طرف لوٹتی ہے جیسے ''الاقلام بریتھا'' اور ''لا اقلام

بریتھن " کہنا جائز ہے] اور ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوں جیسے صابئین ستاروں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ستاروں کو سجدہ کرنے سے اصل میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کا قصد اور ارادہ کرتے ہیں' اس لیے اس آیت مبارکہ میں انہیں اس واسطہ سے روکا اور منع کیا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سجدوں میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت کیا کریں' اگر وہ واقعی اس کی عبادت کرتے ہیں اور وہ مؤحد اور توحید پرست بن کر رہیں' مشرک و شرک کرنے والے بن کر نہ رہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ اور اللہ تعالیٰ کا عابد نہیں کہلاتا۔

٣٨- ﴿ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ ﴾ پھر اگر وہ تکبر کریں تو جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں یعنی فرشتے ﴿ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴾ وہ اس کے لیے رات اور دن تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں نہ وہ اکتاتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ پھر اگر وہ تکبر کریں اور انہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل نہ کریں اور واسطہ کے بغیر براہِ راست عبادتِ الٰہی سے انکار کر دیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے والے اور سجدہ کرنے والے کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کے بڑے مقرب و خاص بندے ہیں جو رات اور دن شریکوں سے اللہ تعالیٰ کی براءت اور اس کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور " عند ربك " سے قرب و مرتبہ اور کرامت و عزت مراد ہے اور ہمارے (احناف کے) نزدیک سجدۂ تلاوت " لا يسئمون " پر کیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک " تعبدون " پر کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ محتاط ہے۔

٣٩- ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بے شک آپ دیکھتے ہیں کہ زمین خشک و بنجر ہوتی ہے (یعنی) سوکھ کر غبار آلود ہوتی ہے " خشوع " کا معنی انتہائی عاجزی ہے' سو اس زمین کی حالت کے بیان کے لیے بطور مجاز لیا گیا جب زمین قحط کی وجہ سے خشک ہو جاتی ہے' اس پر کوئی سبزہ وغیرہ نہیں رہ جاتا ﴿ فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ ﴾ سو جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں ﴿ اهْتَزَّتْ ﴾ تو زمین میں سبزہ اُگ کر لہلہانے لگتا ہے اور جھومنے لگتا ہے ﴿ وَرَبَتْ ﴾ اور وہ سبزہ اور گھاس وغیرہ بڑھ کر بلند اور اونچا ہو جاتا ہے ﴿ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ بے شک جس نے اس (خشک زمین) کو زندہ کیا ہے البتہ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے مُردوں کو اٹھانے پر ضرور قادر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں رہتے' تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا' تم جو چاہو عمل کرو' بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ خوب دیکھنے والا ہے O

بے شک جن لوگوں نے نصیحت (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آئی' اور بے شک وہ البتہ بڑی عزت والی کتاب ہےO باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے' یہ بڑی حکمت والے بہت تعریف کیے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہےO

منکرینِ قرآن کی مذمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

۴۰- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلائل میں زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے حق سے روگردانی کر لیتے ہیں اور حق سے پھر جاتے ہیں اور ''الحد الحافر ولحد'' اس وقت بولے جاتے ہیں جب گورکن سیدھی قبر کھود کر اس سے ایک کنارے کی طرف پھر جائے اور بغلی قبر کھودنے لگ جائے' پھر اس لفظ کو قرآن مجید کی آیات کی تاویل وتشریح میں صحیح اور استقامت کے طریقے سے انحراف واعراض کرنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''یَلْحَدُوْنَ'' (بفتح الیاء' باب فتح یفتح) ہے] ﴿لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا﴾ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ وہ ہم سے چھپے رہ سکتے ہیں' اور یہ انحراف اور تحریف کرنے پر کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے ﴿اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ تو کیا جو شخص دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے گا۔ یہ کافر اور مؤمن کے لیے ایک مثال بیان کی گئی ہے (کہ کافر دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب کہ مؤمن امن میں رہے گا) ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ تم جو چاہو عمل کرو۔ یہ سخت ترین دھمکی اور بہت بڑا ڈراوا ہے اور وعید (دھمکانے) میں مبالغہ ہے ﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ تم جو اعمال کرتے ہو بے شک وہ انہیں خوب دیکھنے والا ہے' سو وہ ان اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

۴۱- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ﴾ بے شک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ کفر و انکار کیا' اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اس میں طعن وتشنیع کرتے تھے اور اس کی تاویل میں تحریف کیا کرتے تھے ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا [''اِنَّ'' کی خبر محذوف ہے' ای یعذبون او ھالکون او (اولئك ینادون من مکان بعید)'' ہے یعنی قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں کو عذاب دیا جائے گا یا انہیں ہلاک کیا جائے گا یا انہیں کو دور جگہ سے پکارا جائے گا اور جو ان دونوں کے درمیان کلام ہے' معترضہ ہے] ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ﴾ اور بے شک یہ البتہ بڑی عزت وغلبہ والی کتاب ہے یعنی ایسی کتاب ہے جس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کی حمایت کی وجہ سے محفوظ کتاب ہے۔

۴۲- ﴿لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ﴾ اس کے پاس باطل نہیں آسکتا (یعنی) وہ نہ تبدیل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں تناقض وتخالف ہو سکتا ہے ﴿مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یعنی تمام وجوہ میں سے کسی وجہ سے اس میں باطل کا گزر نہیں ہو سکتا (آگے پیچھے کا ذکر کثرتِ استعمال کی وجہ سے کیا گیا ہے) ﴿تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ﴾ (یہ قرآن) حمد وثناء کے مستحق بہت بڑے حکمت والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ

ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۴۴﴾

آپ کے لیے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا' بے شک آپ کا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا ہےO اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بناتے تو وہ ضرور یہی کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا' کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے' اے محبوب! فرما دیجئے یہ مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت اور شفاء ہے' اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر مشتبہ ہے' یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جاتا ہےO

۴۳- ﴿مَا یُقَالُ لَكَ﴾ آپ کے لیے نہیں کہا جاتا (یعنی) آپ سے آپ کی قوم نہیں کہتی ﴿اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ﴾ مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا تھا یعنی جس طرح گزشتہ انبیاء و رسل کی قوموں کے کفار اذیت ناک اور تکلیف دہ کلمات (جیسے ساحر' مجنون اور شاعر وغیرہ) کہتے تھے اور ان پر نازل شدہ کتابوں کے بارے میں طعنے (جیسے بناوٹی اور من گھڑت) دیتے تھے اسی طرح آپ کی قوم آپ سے کہتی ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ بے شک آپ کا پروردگار البتہ ضرور بہت بخشنے والا اور اپنے انبیائے کرام پر بہت رحم و کرم فرمانے والا ہے ﴿وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ﴾ اور وہ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اسی طرح ارشاد فرما رہا ہے جس طرح اس نے آپ سے پہلے رسولوں سے ارشاد فرمایا تھا اور وہ ارشاد یہی ہے کہ ''اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍO'' بے شک آپ کا رب تعالیٰ اپنوں کو بہت بخشنے والا ہے اور اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہےO

۴۴- ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ﴾ اور اگر اس کو یعنی ذکر کو بناتے ﴿قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا﴾ عجمی قرآن یعنی عجمی زبان کا قرآن بناتے' دراصل کفارِ مکہ بغض و عناد اور تعصب کی بناء پر کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا جیسا یہ مطالبہ کرتے ہیں تو ﴿لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ﴾ البتہ وہ کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا یعنی وہ عناد کی وجہ سے کہتے: قرآن مجید کو عربی زبان میں واضح طور پر بیان کیوں نہیں کیا گیا تاکہ ہم اس کو سمجھ لیتے ﴿ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ﴾ کیا یہ قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاَعْجَمِیٌّ'' ہے' پہلا ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی انہوں نے انکار کر دیا اور انہوں نے کہا: کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے یا جس قوم کی طرف قرآن بھیجا گیا ہے وہ عربی ہے اور باقی حضرات نے ایک استفہامی ممدودہ ہمزے کے ساتھ پڑھا ہے] اور عجمی وہ کلام ہوتا ہے جو غیر فصیح ہو اور اس کا کلام سمجھ میں نہ آتا ہو خواہ وہ عجم میں سے ہو یا عرب میں سے اور عجمی عجم کی قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ فصیح ہو یا غیر فصیح اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے پاس کسی بھی طریقہ پر آ جاتیں تو وہ ان میں کوئی نہ کوئی دشواری اپنے لیے ڈھونڈ لیتے کیونکہ وہ لوگ حق کے طالب نہیں ہیں اور وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتا تو وہ ضرور قرآن ہی ہوتا' پس یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل ہے کہ جب فارسی زبان میں قراءت کی جائے تو نماز جائز ہوگی ﴿قُلْ هُوَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ یعنی یہ

قرآن مجید ﴿لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى﴾ ایمان رکھنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿وَّشِفَآءٌ﴾ اور (یہ قرآن مجید) سینوں اور دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے لیے شفاء ہے کیونکہ شک وشبہ (روحانی) بیماری ہے ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ اور جو لوگ (اس قرآن پر) ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''للذین 'امنوا'' پر معطوف ہے''ای ھو للذین 'امنوا ھدی وشفآء وھو للذین لا یؤمنون فی 'اذانھم وقر''یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے تو ہدایت اور شفاء ہے اور یہ قرآن ایمان نہ لانے والوں کے لیے ان کے کانوں میں بوجھ ہے یعنی ان کے کان قرآن مجید سننے سے بہرے ہیں مگر یہ کہ اس میں ''عاملین'' پر عطف کیا جائے اور یہ اخفش کے نزدیک جائز ہے یا یہ مبتدا محذوف ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(والذین لا یؤمنون) ھو (فی 'اذانھم وقر)''اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ قرآن ان کے کانوں میں بوجھ ہے یا پھر ''(فی 'اذانھم) منه (وقر)'' ہے یعنی اس کی وجہ سے ان کے کانوں میں بوجھ ہے] ﴿وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى﴾ اور وہ یعنی قرآن ان پر ظلمت وتاریکی اور مشتبہ ہے ﴿اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ﴾ یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جائے گا' یعنی بے شک ان لوگوں کا قرآن مجید کو قبول نہ کرنے اور اس سے نفع حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گویا انہیں دور کی مسافت سے قرآن مجید پر ایمان لانے کے لیے پکارا جاتا ہے' جہاں سے وہ نہیں سن سکتے اور بعض نے کہا کہ کفار کو قیامت کے دن دور جگہ سے بدترین ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی' سو اس میں اختلاف کیا گیا' اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک وہ اس سے تردّد میں ڈالنے والے شک میں ہیںO جو نیک عمل کرے گا تو اپنی جان ہی کے فائدے کے لیے کرے گا اور جو بُرا عمل کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا' اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیںO

حضرت موسیٰ کی کتاب میں بنی اسرائیل کے اختلاف کا بیان

۴۵- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی' سو اس میں اختلاف کر دیا گیا' چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بعض نے کہا کہ یہ کتاب برحق ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ باطل ہے جیسا کہ آپ کی قوم قریش مکہ نے آپ کی کتاب قرآن مجید میں اختلاف کیا ہے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے عذاب کی تاخیر کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح تباہ و برباد اور ہلاک کر دیتا جس طرح جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کیا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ کلمہ سابقہ سے قیامت کے دن فیصلہ کرنے کا وعدہ مراد ہے اور بے شک اسی دن میں تمام جھگڑوں کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿وَاِنَّهُمْ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) اور بے شک کفار ﴿لَفِیْ شَكٍّ﴾

﴿مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾ ضرور اس کے بارے میں تردّد میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔

٤٦- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اس کا نفع اسی کی جان کے لیے ہوتا ہے ﴿وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ اور جو شخص بُرے عمل کرتا ہے تو اس کا ضرر اس کی ذات پر پڑے گا ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں کہ وہ بُرے عمل نہ کرنے والے کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾

قیامت کا علم اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے' اور پھلوں میں سے کوئی بھی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ مادہ میں سے کوئی حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے' اور جس دن وہ انہیں پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں' وہ کہیں گے: ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے O اور ان سے وہ گم ہو گئے ہیں جن کی وہ اس سے پہلے عبادت کرتے تھے اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کی علمی شان اور بت پرستی کی مذمت

٤٧- ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف پھیرا جاتا ہے یعنی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا علم صرف اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے' لہٰذا جس آدمی سے قیامت کے آنے کے بارے میں سوال کیا جائے کہ قیامت کب واقع ہو گی تو اس آدمی پر واجب اور لازم ہے کہ وہ کہہ دے کہ اس کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ اور پھلوں میں سے کوئی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے یعنی پھلوں میں سے کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا اور نہ حمل اٹھانے والی مادہ اپنا حمل اٹھاتی ہے اور نہ کوئی بچہ جننے والی مادہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو خوب جاننے والا ہے' وہ حمل کے دنوں کی تعداد کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام اوقات کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی جانتا ہے کہ ہونے والا بچہ ناقص ہے کہ مکمل ہے اور نر ہے کہ مادہ (بچہ ہے یا بچی ہے) اور خوب صورت ہے یا بدصورت ہے وغیرہ وغیرہ [''اکمام''، ''کم'' کی جمع ہے' جس کا معنی پھل نکلنے سے پہلے شگوفہ یا غلاف ہے' جس میں نکلنے والا پھل محفوظ ہوتا ہے' قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''ثمرات'' الف کے ساتھ (''ثمرۃ'' کی جمع) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک بغیر الف کے ''ثمرۃ'' ہے] ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکار کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے گمان پر شرکاء کی نسبت و اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا'' (الانعام: ٩٤) ''اور ہم تمہارے ساتھ تمہاری سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کے

متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں' اور اس آیت مبارکہ میں ان کے ساتھ مسخری اور ٹھٹھا مخول کیا گیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا گیا ہے ﴿قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ﴾ وہ کہیں گے: ہم نے تجھے بتلا دیا ہے (یعنی) ہم نے تجھے آگاہ کر دیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر بیان کر دی ہے اور یہی زیادہ ظاہر اور مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس کو پہلے ہی سے جانتا ہے اور عالم کو آگاہ کرنا محال ہے لیکن عالم کو کسی چیز کی خبر بیان کرنا تو اس سے اس کے علم کا ثبوت واضح ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک اے اللہ! اس وقت ہمارے دلوں میں جو کچھ ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہ باطل گواہی نہیں دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے تو گویا انہوں نے اسے بتلا دیا کہ ﴿مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ﴾ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے یعنی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ گواہی دے کہ آپ کے ساتھ اور معبود شریک ہیں اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر وہ آپ کی توحید کا اعتراف کرنے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھ رہا کیونکہ اس روز مشرکین ان سے گم ہوں گے اور ان کے معبودانِ باطلہ ان سے گم ہو چکے ہوں گے' یہ مشرکین ڈانٹ ڈپٹ کے وقت انہیں نہیں دیکھ سکیں گے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ شریکوں (یعنی بتوں) کا کلام ہے یعنی ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے جو یہ گواہی دے کہ انہوں نے ہماری طرف شرک کی نسبت کی تھی۔

۴۸۔ ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ﴾ اور ان مشرکین سے وہ معبود گم ہو جائیں گے جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ ''يَدْعُوْنَ'' بہ معنی ''يَعْبُدُوْنَ'' ہے کہ جن بتوں کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے اور ان کے کام نہیں آئیں گے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے (یعنی) دنیا میں ﴿وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ﴾ اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے کہیں بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ ''ظَنُّوْا'' بہ معنی ''ايقنوا'' ہے کہ وہ یقین کر لیں گے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مایوس و ناامید ہو جاتا ہے O اور اگر اسے تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اپنی طرف سے اس کو رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ ضرور کہے گا: یہ میرے لیے ہے' اور میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال نہیں کرتا' اور البتہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک اس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہو گی' سو جن لوگوں نے کفر کیا ہے ہم انہیں ان اعمال سے ضرور آگاہ کریں گے جو انہوں نے کیے اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھائیں گے O اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا کر دور ہو جاتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا ہو جاتا ہے O

انسان کا حرص کبھی ختم نہیں ہوتا

۴۹- ﴿ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ ﴾ انسان نہیں تھکتا (یعنی) کافر انسان کبھی نہیں اُکتاتا جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً'' (الکہف:۳۶) ''اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا'' ﴿ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ﴾ بھلائی مانگنے سے (یعنی) انسان مال و دولت کی وسعت و فراخی اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی طلب میں کبھی نہیں تھکتا اور نہ ہی ان کی مانگ میں کبھی اُکتاتا ہے [اور اصل میں ''من دعآئه الخیر'' تھا پھر فاعل کو حذف کر دیا گیا اور ''دعاء'' کو مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا] ﴿ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ ﴾ اور اگر اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری ﴿ فَيَـُٔوْسٌ ﴾ تو وہ خیر و بھلائی اور مال و دولت سے مایوس ہو جاتا ہے ﴿ قَنُوْطٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اس میں دو طریقوں سے مبالغہ کیا گیا' ایک فعول کے وزن پر کلمہ کو لانے کے طریقہ سے اور دوسرا تکرار کے طریقہ سے اور ''قنوط'' یہ ہے کہ انسان پر مایوسی کا اثر ظاہر ہونے لگے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے یعنی اس کی امید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ٹوٹ جائے اور یہ صفت کافر کی ہوتی ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ O'' (یوسف:۸۷) ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہوتے مگر کفار لوگ O''۔

۵۰- ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ﴾ اور اگر ہم اس (انسان) کو اپنی طرف سے کوئی رحمت کا مزہ چکھا دیں اس کے بعد کہ اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہلے پہنچ چکی ہو تو وہ ضرور یہی کہے گا کہ یہ میرے لیے ہے (یعنی) اور جب ہم اس سے کوئی بیماری وغیرہ دور کر کے صحت و تندرستی عطا کرتے ہیں اور تنگ دستی و غربت کو دور کر کے مال و دولت میں خوش حالی اور فراخ روزی عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے: یہ میرے لیے ہے یعنی یہ میرا حق ہے جو مجھے مل گیا ہے کیونکہ نیک اعمال اور خاندانی فضیلت و برتری اور خیر و بھلائی جو مجھے حاصل ہے' اس کی وجہ سے میں اس کا مستحق ہوں یا یہ معنی ہے کہ یہ میرے لیے ہے' مجھ سے کبھی زائل نہیں ہوگی ﴿ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ﴾ اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا یعنی میں اس کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ قائم ہوگی ﴿ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ ﴾ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹایا گیا جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں تو ﴿ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی یعنی جنت یا بہترین حالت عزت و کرامت اور نعمت ہوگی' وہ دنیا کے معاملہ پر آخرت کے معاملہ کو قیاس کر کے یہ کہے گا: ﴿ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ﴾ سو ہم کفر اختیار کرنے والے لوگوں کو ضرور آگاہ کریں گے جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں (یعنی) عذاب کو واجب کرنے والے اعمال کی حقیقت سے ہم انہیں ضرور آگاہ اور خبردار کریں گے' جو انہوں نے دنیا میں رہ کر کیے ہیں ﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے جو ان سے کبھی کم نہ ہوگا۔ ''غلیظ'' بہ معنی شدید ہے۔

۵۱- ﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ ﴾ اور جب ہم انسان پر کوئی احسان کرتے ہیں تو وہ اعراض کر لیتا ہے۔ یہ انسان کی سرکشی کی دوسری قسم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اترا جاتا ہے اور غرور و تکبر کرتا ہے' پس وہ اپنے منعم اور اپنے محسن کو بھول جاتا ہے اور اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس سے منہ پھیر لیتا ہے ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ﴾ اور وہ اپنی طرف دور ہو جاتا ہے (یعنی) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس سے دعا مانگنے سے دور ہو جاتا ہے یا وہ بذاتِ خود

روگرداں ہو کر دور چلا جاتا ہے اور تکبر و غرور اختیار کر لیتا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ''جانبہ'' کو ''نفسہ'' کی جگہ پر رکھا جائے کیونکہ کسی چیز کے مکان اور اس کی جہت کو اس کے نفس کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جیسا کہ کاتبوں کا قول ہے: ''کتبت الی جھتہ والی جانبہ العزیز'' میں نے اس کی عزیز و پیاری جہت اور اس کی جانب خط لکھا ہے۔ ان کی مراد نفس اور اس کی ذات ہوتی ہے تو گویا فرمایا کہ وہ انعام پانے کے بعد اپنی ذات کے ساتھ دور ہو جاتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ﴾ اور جب اسے ضرر و نقصان اور فقر و غربت پہنچتی ہے ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ﴾ تو وہ لمبی چوڑی کثرت سے دعا کرنے والا بن جاتا ہے یعنی وہ ہمیشہ دعا مانگنے پر متوجہ رہتا ہے اور وہ گڑگڑانا اور آہ و زاری کرنا شروع کر دیتا ہے اور ''عریض'' کے لفظ کو ہمیشہ اور کثرت سے دعا مانگنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور یہ اجسام کی صفت سے ہے جیسا کہ ''غلیظ'' کے لفظ کو سخت عذاب کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور ''فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ'' کے ارشاد کے درمیان اور ''فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ'' کے ارشاد کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ پہلا کسی قوم کے بارے میں ہے اور دوسرا کسی دوسری قوم کے بارے میں ہے یا ایک ہی قوم مراد ہے لیکن وہ قوم نا امید خشکی میں ہوتی ہے اور دعا مانگنے والی دریا میں ہوتی ہے یا دل میں نا امید ہوتی ہے اور زبان سے دعا مانگتی ہے یا پھر بتوں سے نا امید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والی ہوتی ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم بھلا بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم نے اس کے ساتھ کفر کیا تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو حق کی مخالفت میں دور جا پڑا O عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی جانوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ حق ہے' کیا تمہارا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے O سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' سنو! بے شک وہی ہر چیز کو محیط ہے O

۵۲- ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم نے دیکھ لیا (یعنی) مجھے خبر دو اور مجھے بتلاؤ کہ ﴿اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو پھر تم اس کے ساتھ کفر کرو (یعنی) پھر اس بات کا انکار کر دو کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ﴿مَنْ اَضَلُّ﴾ ''مِنْکُمْ؟'' تم میں سے کون زیادہ گمراہ ہوگا؟ ﴿مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ﴾ اس شخص سے جو قرآن کی مخالفت اور گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہو۔ یہ ان کے حال اور صفت کا بیان ہے [''من اضل'' کے بعد ''منکم'' مقدر ہے مگر یہ کہ ''مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ'' کو ''منکم'' کی جگہ رکھا جائے]۔

۵۳- ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ﴾ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے (یعنی) مشرق اور مغرب

میں بہت سے ممالک فتح کر کے ﴿ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور فتح مکہ کے دن ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں خود ان کی اپنی جانوں میں دکھادیں گے ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ یہاں تک کہ ان کے لیے ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ یعنی قرآن مجید یا دین اسلام حق ہے ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اور کیا آپ کا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے [''بربك'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''یکف'' کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے اور ''اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'' اس سے بدل ہے' اس کی مقدر عبارت یوں ہے: ''اولم یکفهم ان ربك علی كل شیء شهید''] اور کیا انہیں یہی کافی نہیں کہ بے شک آپ کا پروردگار ہر چیز پر گواہ ہے؟ یعنی کیا انہیں آپ کے پروردگار کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟ اور اس کا معنی یہ ہے کہ آفاق اور خود ان کی اپنی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے اظہار کے اس وعدے کو عنقریب وہ دیکھ لیں گے اور وہ اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے اور اس وقت ان پر واضح طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید ہر قسم کے غیب کو جاننے والے اس خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے۔

۵۴- ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴾ سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ سنو! بے شک وہ ہر چیز پر محیط ہے وہ تمام چیزوں کو خوب جاننے والا ہے اور ان کی تفاصیل کو اور ان کے ظواہر کو اور ان کے بواطن کو سب کچھ جاننے والا ہے' سو اس سے کوئی چھپنے والی چیز چھپی ہوئی نہیں رہتی' سو وہی ان کے کفر پر اور اپنے پروردگار کی ملاقات میں شک کرنے پر انہیں سخت سزا دے گا۔

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	آیاتہا ۵۳ رکوعاتہا ۵
سورۃ الشوریٰ مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی ترپن آیات' پانچ رکوع ہیں

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا رہا ہے' جو سب پر غالب ہے' بہت حکمت والا ہے ○ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور وہ بلند مرتبہ والا بہت عظمت والا ہے ○ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے بخشش کی طلب کرتے ہیں' خبردار رہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کی شان' قرآن کے نزول کی حکمت اور کفار کی مذمت

سورت شوریٰ مکی ہے اور اس سورت کی ترپن آیات ہیں۔

۱'۲- ''کھٰیٰعٰص'' (مریم:۱) کے خلاف ''حٰمٓ'' کی کتابت ''عسق'' سے الگ اور جدا اس لیے کی گئی ہے کہ ''حٰمٓ'' اپنی ہم مثل (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک ''حٰمٓ'' سے شروع ہونے والی سورتوں) کے موافق ہو جائے اور اس لیے کہ بے شک ''حٰمٓ'' اور ''عٓسٓقٓ'' دو آیتیں ہیں اور ''کھٰیٰعٰص'' ایک آیت ہے۔

۳- ﴿ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے یعنی اس وحی کی طرح یا اس کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی آپ سے پہلے دیگر انبیاء و رسل کی طرف ﴿ اللّٰهُ ﴾ یعنی جن معانی پر یہ سورت مشتمل ہے' اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی انہیں معانی کی مانند اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی نازل فرماتا ہے اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی انہیں معانی کی وحی نازل کرتا رہا اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں معانی کو قرآن مجید میں اور تمام آسمانی کتابوں میں بار بار بیان کرتا رہا ہے کیونکہ ان معانی میں بہت بڑی تنبیہ اور اس کے بندوں پر بہت بڑا لطف و کرم ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوئی صاحب کتاب نبی نہیں گزرا مگر اس کی طرف ''حٰمٓ O عسق'' کی وحی کی گئی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یوحٰی'' میں ''حا'' مفتوح ہے' اس قراءت کی بناء پر اسم جلالہ اللہ کو رفع دینے والا وہ ہے جس پر ''یوحٰی'' دلالت کر رہا ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ وحی نازل کرنے والا کون ہے' تو جواب میں کہا گیا: اللہ تعالیٰ ہے] ﴿ الْعَزِيْزُ ﴾ جو اپنے قہر کے ساتھ سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل میں درست اور صحیح ہے۔

٤- ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے' سب کا سب اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کی ملکیت میں ہے اور سب کا وہی بادشاہ ہے ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ ﴾ اور وہی ہے جس کی شان بہت بلند ہے ﴿ الْعَظِيْمُ ﴾ اس کی برہان بہت بڑی ہے۔

۵- ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ﴾ قریب ہے تمام آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا شان اور اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے قریب ہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور اس کی دلیل اس آیت مبارکہ کا ''العلی العظیم'' کے بعد آنا ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنے کے سبب قریب ہے کہ تمام آسمان پھٹ پڑیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاO اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاO'' (مریم:۹۰-۹۱) ''قریب ہے کہ تمام آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں O کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیا O'' اور ''مِنْ فَوْقِهِنَّ'' کا معنی یہ ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کا آغاز آسمانوں کی اوپر کی سمت سے ہو گا اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ کہا جاتا کہ ''يَتَفَطَّرْنَ مِنْ تَحْتِهِنَّ'' یعنی تمام آسمان اپنے نیچے سے اس جہت سے پھٹ پڑیں گے جس سے کفر و شرک کا کلمہ آیا کیونکہ کفر و شرک کا کلمہ ان لوگوں سے آیا جو آسمانوں کے نیچے رہتے ہیں' لیکن اس میں مبالغہ کیا گیا ہے' پس یہ کلمہ اوپر کی جہت میں بھی مؤثر قرار دیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان نیچے کی جہت چھوڑ کر اوپر کی جہت سے پھٹ جائیں اور بعض حضرات نے فرمایا: ''من فوقھن'' کا مطلب ''من فوق الارض'' یعنی زمین کے اوپر پھٹ جائیں' سو کنایہ زمین کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ ''الارضین'' کے معنی میں ہیں اور بعض اہل علم کا فرمان ہے کہ آسمانوں پر فرشتوں کی کثرت کے سبب قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آسمان چرچراتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے' کیونکہ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی خالی نہیں مگر ہر جگہ فرشتے قیام' رکوع اور سجدے کی

حالت میں عبادت میں مصروف رہتے ہیں[1] [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں "یکادُ"، "یا" کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "ینفطرن" ہے] ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور فرشتے اپنے پروردگار کی عظمت وشان کو دیکھ کر عاجزی کے ساتھ اس کی حمد وثناء اور تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (یعنی) ان میں سے مسلمانوں کے لیے مغرب طلب کرتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (المؤمن:۷) "اور وہ اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کی وجہ سے ان پر خوف وڈر طاری رہتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے اس کی توحید کو بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس پر جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر حمد وثناء بیان کرتے ہیں جو اس نے اپنے لطف وکرم سے انہیں عطا فرمائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے مشرکین کی حرکات کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور زمین پر رہنے والے مسلمانوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں جو اس کلمہ سے بَری ہیں یا وہ اپنے پروردگار سے زمین والوں کے لیے حلم کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد عذاب نہ دے ﴿اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ خبردار رہو! بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کے لیے بہت بخشش فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۫ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور جن لوگوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا متولی بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھے ہوئے ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O اور اسی طرح ہم نے عربی زبان میں قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے گرد ونواح والوں کو ڈرسنائیں اور آپ جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا O کیا انہوں نے اس کے سوا متولی بنا رکھے ہیں سو اللہ تعالیٰ ہی تمام اُمور کا متولی ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O

۶- ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو دوست بنا لیا یعنی انہوں نے

[1] رواہ احمد ج۵ ص ۱۷۳ الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰

اللہ تعالیٰ کے لیے بہت سے شریک اور ہمسر بنا لیے ﴿ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر نگہبان ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے احوال اور ان کے اعمال پر نگران اور ان پر مطلع ہے' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں' سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور سزا دے گا ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں' نہ تو آپ کو ان پر مقرر کیا گیا ہے اور نہ ان کے اُمور و معاملات آپ کے سپرد کیے گئے' بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں اور بس۔

۷- ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اسی طرح اور اسی کی مانند ﴿ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور یہ اس آیت مبارکہ کے معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا نگران و محافظ ہے آپ نہیں' بلکہ آپ ڈر سنانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معنی کو اپنی کتاب قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے [پس کاف تشبیہ ''اوحینا'' کا مفعول بہ ہے] ﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ [یہ مفعول بہ سے حال ہے] یعنی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور وہ قرآن مجید ہے جو واضح عربی زبان میں آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى ﴾ تاکہ آپ ام القریٰ (کے باشندوں) کو ڈر سنائیں یعنی مکہ مکرمہ (کے رہنے والوں) کو کیونکہ زمین کو مکہ مکرمہ کے نیچے سے چار اطراف پھیلایا گیا تھا اس لیے کہ یہ تمام روئے زمین کے حصوں سے افضل و اعلیٰ اور بزرگ ترین جگہ ہے اور ''ام القریٰ'' سے وہاں کے رہنے والے مراد ہیں ﴿ وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ اور جو اس کے گرد و نواح میں رہنے والے اہل عرب ہیں' ان کو بھی ڈر سنائیں ﴿ وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ ﴾ اور آپ جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرایئے (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرایئے کیونکہ اسی میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے [یہ جملہ معترضہ ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں چنانچہ ''انذرته كذا'' اور ''انذرته بكذا'' دونوں طرح کہا جاتا ہے اور بے شک ''لتنذر ام القرى'' پہلے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور ''وتنذر يوم الجمع'' دوسرے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے] ﴿ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴾ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا یعنی اور ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ان میں سے ایک گروہ دوزخ میں جائے گا [اور ضمیر دونوں مجموعوں کے لیے ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ قیامت کا روز تمام مخلوق کے لیے جمع ہونے کا دن ہے۔

۸- ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ضرور ایک جماعت بنا دیتا یعنی سب کو مسلمان بنا دیتا ﴿ وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسلام کے ساتھ مکرم و معزز کر دیتا ہے ﴿ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا (یعنی) کافروں کے لیے نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی دفاع کرنے والا ہوگا ''الظالمون'' سے کفار مراد ہیں اور ''ولی'' سے سفارشی مراد ہے اور ''نصیر'' سے دافع مراد ہے۔

۹- ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ﴾ کیا انہوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنا لیا ہے' سو اللہ تعالیٰ ہی سب کا دوست و مددگار ہے ''فا'' شرط مقدر کا جواب ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر ولی کے انکار کے بعد کہا گیا کہ اگر ''ولی'' سے حق مراد ہے تو اللہ تعالیٰ ہی برحق ولی ہے اور وہی اس بات کا حق دار ہے' اکیلے اسی کو لازمی طور پر متولی اور دوست بنا لیا جائے اور اس کے ماسوا کوئی برحق ولی اور دوست نہیں ہے ﴿ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہے' پس اکیلا وہی اس بات کا حق دار ہے کہ تمام اُمور میں اسی کو متولی اور متصرف بنایا جائے نہ کہ اسے جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾

اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو' اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے' اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے بھی جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں بڑھاتا ہے' اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' اور وہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہیں' وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے' بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اختلافی مسائل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۱۰- ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی حکایت ہے جو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے جو کفار کسی دینی مسئلہ میں تمہارے خلاف ہو جائیں اور تم اور وہ دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں مختلف ہو جاؤ ﴿فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور وہی مسلمانوں میں سے اہل حق کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا ﴿ذَٰلِكُمُ﴾ وہی جو قیامت کے روز تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے ﴿اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا پروردگار ہے میں نے اسی پر بھروسا کر رکھا ہے۔ اس میں دشمنانِ دین کے مکر و فریب کی تردید کی گئی ہے ﴿وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ اور میں اسی کی طرف رجوع رکھتا ہوں وہی کفار کے شر کے مقابلے میں میری کفایت فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ علوم میں سے جس علم کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو جائے جس کی رسائی کے تم مکلف نہیں ہو اور اس علم تک رسائی حاصل کرنے کا تمہارے پاس کوئی طریقہ بھی نہیں ہے تو تم کہہ دیا کرو: "اللہ اعلم" یعنی اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے' جیسے روح وغیرہ کی معرفت۔

۱۱- ﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے [اس کا مرفوع ہونا اس بناء پر ہے کہ یہ "ذالکم" کی خبروں میں سے ایک خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هو فاطر الخ"] ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے (عورتوں کی صورت میں) جوڑے بنائے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس بنی نوع انسان میں سے (عورتوں کے) جوڑے بنائے ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا﴾ اور

چوپایوں میں سے جوڑے (نر اور مادہ) بنائے یعنی اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لیے بھی ان کی جنس سے جوڑے پیدا فرمائے ہیں ﴿یَذْرَؤُكُمْ﴾ وہی تمہیں پھیلاتا ہے (یعنی) وہ تمہیں بڑھاتا اور زیادہ کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''ذَرَا اللّٰهُ الْخَلْقَ بَثَّهُمْ وَكَثَّرَهُمْ'' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پھیلا دیا اور ان کو نسل در نسل بڑھا دیا اور بہت زیادہ کر دیا ﴿فِيْهِ﴾ اس تدبیر میں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جانوروں کے جوڑے بنائے یہاں تک کہ ان کے مذکروں (نروں) اور ان کی مؤنثوں (ماداؤں) کے درمیان اولاد اور نسل در نسل کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ''بِهٖ'' فرمانے کی بجائے ''فِيْهِ'' کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس تدبیر کو ان کو پھیلانے اور کثرت سے بڑھانے کے لیے منبع و معدن اور سرچشمہ بنا دیا گیا اور ''یَذْرَؤُكُمْ'' میں ''كُمْ'' ضمیر مخاطبین اور جانوروں کی طرف لوٹتی ہے' اس میں عقل مند مخاطبوں کو غیر عقل مند غائبوں پر غلبہ دے دیا گیا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک تشبیہ کے کلمے (کاف اور مثل) کو تمثیل اور مماثلت کی نفی کی تاکید و توثیق کے لیے مکرر لایا گیا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''ليس مثله شيء'' اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں ''مثل'' زائد ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''ليس كهو شيء'' اس کی مثل کوئی چیز نہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا'' (البقرہ: ۱۳۷) ''سو اگر وہ (یہود و نصاریٰ) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح (اے اصحابِ رسول!) تم ایمان لے آئے ہو تو وہ یقیناً ہدایت پا لیں گے'' اور یہ اس لیے کہ اس کلام سے مثلیت کی نفی مراد ہے اور جب کاف یا ''مثل'' (کسی ایک) کو زیادہ قرار نہیں دیا جائے گا تو ''مثل'' کا اثبات ہو جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے ''ليس كذاته شيء'' مراد ہے یعنی اس کی ذات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے' اس لیے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں: ''مثلك لا يبخل'' ''تیرے جیسا کوئی بخیل نہیں۔ اس کلام سے مخاطب کی ذات سے بخل کی نفی مراد ہوتی ہے اور وہ کنایہ کے طور پر اس میں مبالغہ کرنے کا قصد کرتے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اس شخص سے بخل کی نفی کر دی جو اصل مخاطب کا قائم مقام ہے تو انہوں نے اصل مخاطب سے بھی یقیناً بخل کی نفی کر دی' پھر جب معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً کنایہ کے باب سے ہے تو اب ''ليس كالله شيء'' کے درمیان اور ''ليس كمثله شيء'' کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا مگر یہ کہ کنایہ فائدہ دیتا ہے گویا یہ دونوں عبارتیں ایک معنی دیتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مماثلت کی نفی ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد بھی ہے: ''بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ'' (المائدہ: ۶۴) ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ اور کھلے ہوئے ہیں'' سو اس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) جواد اور بہت سخی ہے' نہ ہاتھ کا تصور ہے اور نہ اس کے کشادہ ہونے کا تصور ہے کیونکہ اس سے صرف جود و سخا مراد ہے یہاں تک کہ اہل عرب اس کلام کو اس کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے ہاتھ نہیں ہوتے' سو اسی طرح اس کو اس ذات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل ہو اور اس ذات کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل نہ ہو ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ﴾ اور وہ بغیر کانوں کے تمام مسموعات کو خوب سننے والا ہے ﴿الْبَصِيْرُ﴾ وہ بغیر آنکھوں کے تمام مرئیات (دیکھی جانے والی چیزوں) کو خوب دیکھنے والا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ کوئی یہ وہم نہ کر لے کہ جس طرح اس کی کوئی مثل نہیں' اسی طرح اس کی کوئی صفت بھی نہیں۔

۱۲- ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی (اللہ تعالیٰ) کی ملکیت میں ہیں۔ اس کی تفسیر سورۃ الزمر میں گزر چکی ہے ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی کم کر دیتا ہے یعنی تنگ کر دیتا ہے ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے

شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی روشن راستہ مقرر کیا جس کی اس نے نوح کو وصیت کی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور جس کی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو' مشرکین پر وہ دین بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی طرف منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے' اور وہ اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے O

انبیائے کرام کے متحدہ دین کو قائم رکھنے کا حکم

۱۳- ﴿شَرَعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اور ظاہر کر دیا ﴿لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ تمہارے لیے وہ دین جس کی اس نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو وصیت و تاکید کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور جس کی ہم نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسی دین کو بیان کر کے مقرر و مشروع فرمایا جو حضرت نوح علیہ السلام کا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا اور جو ان دونوں حضرات کے درمیان انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث کیے گئے تھے ان کا دین تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس مشروع اور مقرر کردہ دین کی تفسیر بیان کی جس میں اس کے رسولوں میں سے یہ بلند مرتبہ رسول مشترک ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور اس سے دین اسلام کو قائم رکھنا مراد ہے' جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے تمام رسولوں اور پیغمبروں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور روزِ جزاء پر ایمان لانا اور ان تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانا جن کے قائم کرنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس دین سے شریعتیں اور احکام و مسائل مراد نہیں کیونکہ سب پیغمبروں کی شریعتیں اور ان کے احکام و مسائل مختلف اور الگ الگ تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا'' (المائدہ:۴۸) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے'' [''ان اقیموا الدین'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''شَرَعَ'' کے مفعول اور تمام معطوفین علیہ سے بدل ہے یا پھر استیناف کی بناء پر مرفوع ہے' گویا پوچھا گیا کہ وہ مشروع کیا ہے؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ دین اسلام کو قائم رکھنا ہے] ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اور تم اس میں گروہ بندی نہ کرو اور تم دین میں اختلاف نہ کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ تم گروہ بندی نہ کرو کیونکہ جماعت رحمت ہے اور گروہ بندی عذاب ہے ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ﴾ مشرکوں پر گراں ہے (یعنی) ان پر دشوار ہے اور ان پر بہت بھاری ہے ﴿مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ جس مشن کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم

کرنا اور عقیدۂ توحید اختیار کرنا ﴿اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے' چن لیتا ہے اور جمع کر لیتا ہے ﴿اِلَیْهِ﴾ اپنے دین کی طرف راہِ راست کی ہدایت اور توفیق عطا کر کے ﴿مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ جس کو چاہتا ہے اور وہ اپنے دین کی طرف اس کو ہدایت عطا کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کرنے پر متوجہ ہوتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ؕ

اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی مگر ان کے پاس علم آ جانے کے بعد محض باہمی حسد اور ضد بازی کی وجہ سے' اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک مقررہ مدت تک (مہلت دینے کا) حکم پہلے سے نہ آ چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ ضرور اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیںO سو اس لیے آپ (انہیں اتفاق کی طرف) بلائیں' اور آپ خود ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا' اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اور آپ (انہیں) فرما دیں کہ میں اس پر ایمان لایا جو کتاب بھی اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں' اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال' ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا' اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہےO

فرقہ بندی اختیار کرنے پر اہل کتاب کی مذمت

١٤- ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا﴾ اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی یعنی اہل کتاب اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد فرقہ بندی اور گروہ بندی میں نہیں بٹے ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا (یعنی) مگر اس کے بعد کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ فرقہ بندی کرنا یقیناً گمراہی ہے اور یہ ایک ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی مذمت بیان فرمائی اور اس پر وعید (دھمکی) سنائی گئی ﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی بغاوت و سرکشی اور حسد و کینہ اور ضد و ہٹ دھرمی اور چودھراہٹ و سرداری کی طلب اور ناحق فخر و مباہات کی خواہش کی وجہ سے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک مقرر مدت تک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ بات ہے کہ ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّO'' (القمر: ٤٦) ''بلکہ قیامت ان کے وعدے کی جگہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہےO'' ﴿لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ﴾ تو ان کے

درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا (یعنی) انہیں ضرور اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا' جب انہوں نے جدا جدا مختلف فرقے اور گروہ بنا لیے تھے کیونکہ انہوں نے تفرقہ بازی میں پڑ کر بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر لیا تھا ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا۔ یہ وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے وہ ﴿ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ﴾ اپنی اس کتاب کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں' وہ اس پر ایسا ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہوتا ہے ﴿ مُرِیْبٍ ﴾ وہ شک وشبہ جو تردد اور الجھن میں داخل کرنے والا ہو اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اہل کتاب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی بعثت (اعلانِ نبوت) کا علم آ جانے کے بعد وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُO'' (البینۃ:۴) ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ مختلف فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن دلیل آ چکیO'' اور بے شک جن لوگوں کو ان (اہل کتاب) کے بعد کتاب (قرآن) کا وارث بنایا گیا وہ مشرکین مکہ ہیں کیونکہ تورات اور انجیل کا اہل کتاب کو وارث بنانے کے بعد انہیں کو قرآن مجید کا وارث بنایا گیا۔

۱۵- ﴿ فَلِذٰلِكَ ﴾ سو اس فرقہ بندی کی وجہ سے اور اس کے سبب کفر کے مختلف گروہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے ﴿ فَادْعُ ﴾ پس آپ ان سب کو ملت حنیفیہ قدیمہ پر متفق ومتحد ہو جانے کی دعوت دیتے رہیں ﴿ وَاسْتَقِمْ ﴾ اور آپ خود اسی پر اور اس کی دعوت دیتے رہنے پر قائم ودائم اور ثابت قدم رہیے ﴿ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے (یعنی) جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ اور ان کی مختلف باطل وناجائز خواہشات کی پیروی بالکل نہ کیجئے اور ان کا کہنا ہرگز نہ مانیے ﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ﴾ اور آپ انہیں فرما دیجئے کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان لا چکا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے' خواہ کوئی کتاب ہو بشرطیکہ صحت کے ساتھ ثابت ہو کہ اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا مراد ہے کیونکہ فرقہ بندی کرنے والے بعض پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًاO اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًاO'' (النساء:۱۵۰-۱۵۱) ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور ہم بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (ایمان و کفر) کے درمیان ایک راستہ بنا لیںO یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہےO'' ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فیصلہ کرتے وقت تمہارے درمیان انصاف کروں جب تم ایک دوسرے سے جھگڑ پڑو اور پھر تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آ جاؤ ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یعنی ہم سب اس کے بندے ہیں ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِO'' (الکافرون:۶) ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہےO'' اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک ہم تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جائیں گے اور تم ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جاؤ گے ﴿ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ﴾ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں یعنی کوئی ذاتی جھگڑا نہیں کیونکہ حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے اور برہان ودلیل میں تم ہار چکے ہو' سو اب جھگڑا کرنے کی حاجت نہیں رہی اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے کوئی حجت بازی پیش نہیں کی جائے گی اور نہ جھگڑا کیا جائے گا' اس لیے کہ دو جھگڑنے والوں

میں سے ایک اپنی یہ حجت پیش کرے گا اور دوسرا اپنی یہ حجت پیش کر دے گا ﴿ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ﴾ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا ﴿ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ اور فیصلہ کے لیے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہی ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور وہی ہمارے لیے تم سے انتقام لے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو قبول کر لیا گیا ہے ان کی حجت بازی باطل ہے ان کے پروردگار کے نزدیک اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے O اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے' اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو O

۱۶- ﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں (یعنی) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ ﴾ اس کے بعد کہ اسے قبول کر لیا گیا ہے (یعنی) بہت سے لوگوں نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اور وہ دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں لیکن وہ لوگ محض اس لیے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ وہ دوبارہ ان کو جاہلیت کے دین کی طرف لے جائیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا'' (البقرہ:۱۰۹) ''اہل کتاب میں سے اکثر لوگوں نے چاہا کہ کاش تمہارے ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں مرتد بنا کر کافر کر لیں'' چنانچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اور ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہیں' سو ہم تم سے بہتر ہیں اور ہم تم سے حق کے زیادہ حق دار ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ غزوۂ بدر کے دن مشرکین کے بارے ہیں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی دعائے ضرر قبول کیے جانے کے بعد اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے تھے ﴿ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ ﴾ ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان کی خصومت اگرچہ شک و شبہہ پر مبنی تھی لیکن اسے حجت محض ان کے زعم باطل کی وجہ سے کہا گیا کیونکہ وہ لوگ اپنی خصومت و حجت بازی کو اپنے باطل گمان میں دلیل سمجھتے تھے ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ ﴾ ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان پر ان کے اپنے کفر و انکار کی وجہ سے خدا کا غضب ہے ﴿ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾ اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۱۷- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے کتاب کو نازل فرمایا یعنی جنس کتاب ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق اور سچ کے ساتھ یعنی باطل سے پاک سچ پر مبنی کتاب ہے ﴿ وَالْمِيْزَانَ ؕ ﴾ اور ترازو (یعنی) عدل و مساوات کے ساتھ اور عدل و انصاف اور مساوات پر نازل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں عدل و انصاف کے احکام نازل کیے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ خود بعینہٖ میزان یعنی ترازو مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں نازل کیا تھا ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴾ اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو یعنی شاید قیامت تمہارے نزدیک آ چکی ہو اور تمہیں معلوم ہی نہ ہو اور اس سے قیامت کا آنا مراد ہے اور یہاں ''ساعۃ'' ''بعث'' کے معنی

میں ہے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے اور کتاب ومیزان کے نازل کرنے کے ساتھ قیامت کے نزدیک ہونے میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ قیامت حساب وکتاب کا دن ہے اور ترازو کو انصاف کے ساتھ رکھنے کا دن ہے' پس گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے اور احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے' سوتم کتاب اور عدل پر عمل کرتے رہو' اس سے پہلے کہ تمہارے حساب اور تمہارے اعمال کے وزن کرنے کا دن تم پر اچانک آ جائے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۢ
بَعِيْدٍ ۞ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ ۞

اس کو وہی لوگ جلدی چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے' اور جو لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں' اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ برحق ہے' خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ ضرور دور کی گمراہی میں ہیںO اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے روزی عطا کرتا ہے' اور وہی بہت قوت والا سب پر غالب ہےO

۱۸- ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ اس کی جلدی وہی لوگ چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے' یہ جلدی محض قیامت کی آمد کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا﴾ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں اور اس کی ہولناکی سے گھبرائے رہتے ہیں ﴿وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ (قیامت) برحق ہے (یعنی) قیامت ہر حال میں ضرور برپا ہونے والی ہے ﴿اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ﴾ خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے متعلق شک میں مبتلا ہو کر جھگڑا کرتے ہیں۔ ''المماراۃ'' کا معنی ہے: پستانوں سے دودھ نکالنا' چونکہ جھگڑنے والے دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی جھگڑالو کے دل کی بات کو ظاہر کرا لیتا ہے' اس لیے ''یمارون'' کا معنی جھگڑنا مراد ہے ﴿لَفِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ﴾ حق سے دور گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ قیامت کا قیام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید اور دور نہیں ہے اور بے شک قرآن وسنت اس کے وقوع پر دلالت کرتے ہیں اور انسانوں کی عقلیں گواہی دیتی ہیں کہ جزاء کا گھر ضرور ہونا چاہیے۔

۱۹- ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو منافع اور فوائد پہنچاتا ہے اور ان سے مصیبتوں کو ایسے طریقے پر دور کرتا ہے جس کا ادراک آسانی سے ہو جاتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زبردست نیکی اور بھلائی کرتا ہے' بے شک اس کی بھلائی اس کے تمام بندوں کو پہنچتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ لطیف وہ ہے جس کا علم پوشیدہ چیزوں کے جاننے میں بہت باریک بین ہو اور اس کا حلم اور حوصلہ جرائم اور خطاؤں سے بہت بڑھ کر ہو' یا جو اپنے بندوں کے مناقب وکمالات پھیلاتا ہو اور ان کے عیبوں سے چشم پوشی اور پردہ پوشی کر لیتا ہو' یا جو اپنے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہو' یا اپنے بندے کو کفایت سے بڑھ کر عطا فرماتا ہو اور اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے کم عبادت کا مکلف بناتا ہو' اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جس نے اپنے اولیاء اور اپنے دوستوں کو عرفان کی

توفیق بخشی ہو' سوانہوں نے اسے پہچان لیا اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر لطف و کرم کر دیتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے ﴿یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے یعنی وہ جس کو چاہتا ہے اس کا رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے جب کہ اس میں اس کی مصلحت یقینی ہو اور حدیث قدسی میں ہے کہ بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف دولت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس شخص کو فقیر و غریب بنادوں تو وہ اپنا ایمان ضائع کر دے گا اور بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف غربت و فقر کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس کو دولت مند بنادوں تو وہ اپنا ایمان برباد کر دے گا ﴿وَهُوَ الْقَوِيُّ﴾ اور وہ بڑی قوت والا ہے (یعنی) وہ سب سے بڑھ کر قدرت و اختیار رکھنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ ایسا مضبوط اور ایسا قوی کہ اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے' اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا O کیا ان کے لیے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایسی شریعت بنادی ہو جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی' اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O

کفار کی مذمت' مسلمانوں کے لیے خوش خبری اور آلِ رسول کی محبت

۲۰- ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہر وہ عمل جس کو عمل کرنے والا اس لیے کرتا ہے کہ اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرے اسے بطور مجاز کھیتی کا نام دیا گیا ہے (کہ جس طرح زمین میں بیج بونے کے نتیجے میں کھیتی حاصل ہوتی ہے' اسی طرح دنیا میں عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت میں جزاء ملتی ہے) ﴿نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے کہ اس کے عمل میں توفیق عطا فرما دیں گے یا اس کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دیں گے یا یہ کہ وہ اس کے ذریعے دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد و منافع حاصل کرے گا ﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا﴾ اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے یعنی جس کا عمل صرف دنیا کمانے کے لیے ہو اور وہ آخرت پر ایمان نہ لایا ہو ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم اس کو اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے' اس لیے کہ "منھا" میں حرف "من" تبعیض کے لیے ہے جس کا معنی بعض ہے اور یہ اس کا وہ رزق ہے جو اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے لیکن اسے وہ نہیں ملے گا جو وہ چاہے گا اور جو وہ طلب کرے گا ﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ اور اس کے لیے آخرت میں ہرگز کوئی حصہ نہیں ہوگا' اس کا حصہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا اور عالم آخرت میں اس کے حصے کا رزق جو اسے ملنا تھا' اس کا ذکر محض اس کی حقارت کی وجہ سے نہیں کیا گیا کیونکہ آخرت میں کامیابی کے لیے اس کے اچھے اعمال دنیا طلبی اور ایمان نہ ہونے کے سبب حقیر و ذلیل اور نا قابل قبول ہو گئے۔

۲۱- ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾ کیا ان کے شریک جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایک شریعت مقرر کر دی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی یعنی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا [بعض نے کہا: یہ ''ام'' منقطعہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''بل الهم شر کآء'' بلکہ کیا ان کے لیے (جن وانس میں سے شیاطین) شریک ہیں؟ اور بعض نے کہا کہ یہ استفہام کے الف کے مقابل ہے اور کلام میں اضمار ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ایقبلون ما شرع اللّٰه من الدين ام لهم 'الهة شرعوا لهم من الدين ما لم ياذن به اللّٰه'' کیا انہوں نے وہ دین قبول کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یا ان کے لیے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے فاسد دین سے ایک شریعت گھڑ لی ہے' جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی] ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی اگر پہلے ہی سے سزا کی تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا یا اگر یہ وعدہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بے شک فیصلہ قیامت کے دن ہوگا تو البتہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان یہیں دنیا میں فیصلہ کر دیا جاتا یا یہ کہ اسی دنیا میں کافروں کو جلد سزا دے دی جاتی ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے (یعنی) اور بے شک مشرکین کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اگرچہ دنیا میں ان سے (رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت ورحمت کی وجہ سے) مؤخر اور دور کر لیا گیا ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ ان کاموں سے ڈر کر سہمے ہوئے ہوں گے جو انہوں نے (دنیا میں) کمائے اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگا' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغوں میں رہیں گے' ان کے لیے ان کے رب تعالیٰ کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' یہ بہت بڑا فضل ہے O یہ ہے وہ جس کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوش خبری دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ماسوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو' اور جو شخص کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس میں اضافہ کر دیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے O

۲۲- ﴿تَرَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ آپ آخرت میں مشرکین کو دیکھیں گے کہ ﴿مُشْفِقِيْنَ﴾ خوف زدہ ہو کر سہمے ہوئے ہوں گے ﴿مِمَّا كَسَبُوْا﴾ ان کاموں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائے (یعنی) وہ اپنے کفر وشرک کی سزا کی وجہ سے ﴿وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ﴾ اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگی (یعنی) ان کے کفر وشرک کی سزا ان پر لامحالہ ضرور نازل ہوگی اور وہ اس سے بچ

نہیں سکیں گے خواہ وہ اس سے ڈریں یا نہ ڈریں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے گویا مؤمن کی جنت کا باغ جنت کے حصوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا اور عالی شان ہوگا ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے [''عند ربھم'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے لیکن ''یشآء ون'' کی وجہ سے نہیں] ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یہ قلیل اور تھوڑے سے عمل پر بہت بڑا فضل و کرم ہے۔

۲۳- ﴿ذٰلِكَ﴾ وہ یعنی بہت بڑا فضل ﴿الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوش خبری سناتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [یعنی ''بِہٖ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا'' (الاعراف: ۱۵۵) ''اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر لیے'' پھر موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو حذف کر دیا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًاO'' (الفرقان: ۴۱) ''کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہےO'' اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَبْشُرُ'' ہے]۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے ایک اجتماع میں آپس میں مشورہ کیا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پوچھا جائے کہ کیا وہ نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اجرت و معاوضہ اور مزدوری چاہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ نازل ہوئی کہ ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ مگر میرے قرابت داروں سے محبت کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء متصل ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہی کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو' اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کسی قسم کی کوئی اجرت اور معاوضہ ہرگز نہیں مانگتا لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو جو تمہارے بھی رشتہ دار ہیں اور تم ان کو دکھ اور ایذاء نہ پہنچاؤ' اور اللہ تعالیٰ نے اضافت کے ساتھ ''اِلَّا مَوَدَّةَ الْقُرْبٰى'' یا لام کے ساتھ ''اَلْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبٰى'' نہیں فرمایا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابت داروں کو محبت کا ظرف و مکان اور مرکز بنایا گیا ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''لی فی آل فلان مودة ولی فیھم حب شدید'' مجھے فلاں آدمی کی آل سے محبت ہے اور مجھے ان کے بارے میں بہت شدید محبت ہے جب کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت ہے اور وہ میری محبت کا ظرف ٹھکانا اور محبت کا محل ہیں [اور حرف ''فی'' ''مودة'' کا صلہ نہیں جیسے حرف لام جارہ ہوتا ہے' چنانچہ جب ''الا المودة للقربی'' کہا جائے گا تو یہ محذوف کے متعلق ہوگا جس طرح تمہارے درج ذیل مقولہ میں ظرف محذوف کے متعلق ہے یعنی ''المال فی الکیس'' مال جیب میں ہے' اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''(الا المودة) ثابتة (فی القربی)'' مگر ایسی محبت جو قرابت میں ثابت اور اس میں راسخ ہو اور ''قربیٰ'' مصدر ہے جیسے ''زلفیٰ'' اور ''بشریٰ'' ہے' اس کا معنی قرابت اور رشتہ داری ہے' اس سے مراد ''ھی اھل القربی'' ہیں یعنی قرابت دار اور رشتہ دار مراد ہیں]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے (جسے امام ابن ابی حاتم' طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے' تفسیر مظہری) کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قَرَابَتُكَ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ عَلِيٌّ وَّفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ'' اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر فرض ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ اور

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء اوران کے بیٹے ہیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہم[1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو کیونکہ میری تم سب سے قرابت داری ہے اور تم مجھے ایذاء اور تکلیف نہ پہنچاؤ اور تم مجھ سے لڑائی جھگڑا نہ

[1] علامہ مظہری بیان کرتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کے معنی کے بیان میں یہ کہا جائے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے اور میری اہل بیت سے اور میری آل سے محبت کرو' اور یہ اس لیے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں' آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کے لیے آپ کی امت کے علمائے ظاہر اور علمائے باطن کو مقرر کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دے دیں کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اولاد میں سے ائمۂ کرام کمالاتِ ولایت کے جامع ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے زمانہ میں قطبِ وقت ہوتے تھے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انا مدینة العلم وعلیّ بابها'' میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ اس کا دروازہ ہیں' اس کو بزاز اور طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر' ابن عباس' حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث اس روایت کے شواہد اور مؤید ہیں اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور تم دیکھو گے کہ اکثر مشائخ عظام کے سلاسل اہل بیت کے ائمۂ کرام کی طرف اختتام پذیر ہوتے ہیں اور سادات عظام میں اولیائے کرام کی کثیر تعداد گزری ہے' ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں: غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی حسنی حسینی اور حضرت بہاء الدین نقشبندی اور السید السند مودود الچشتی اور سیّد معین الدین الچشتی اور حضرت ابوالحسن الشاذلی وغیرہم اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''انا تارك فیكم الثقلین كتاب اللّٰه وعترتی'' میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید' دوسری اپنی عترت یعنی آل پاک۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۲۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

ضیاء الامت حضرت العلام پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم لکھتے ہیں:

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جملہ قرابت داروں' خاندانِ بنو ہاشم خصوصاً اہلِ بیت کرام کی محبت' ان کا ادب و احترام عینِ ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے' جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمعِ ایمان بجھی ہوئی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ ہوگی' اتنی ہی اس کی محبت و احترام زیادہ مطلوب ہوگا' ایک نہیں صدہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے' لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجرِ ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک ہے' یہ اس خورشید کی چمک ہے' جہاں ایمان ہوگا وہاں حب آلِ مصطفےٰ ضرور ہوگی۔ یہ گرہ اب تک نہیں کھلی کہ بعض لوگوں کے نزدیک حُب آلِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے لیے بغضِ اصحابِ حبیبِ کبریا کی شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور نے اپنے اہل بیت کی محبت کا حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کرام کے احترام و اکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اہل بیت کے بارے میں فرمایا: ''مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَ فِيْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ'' یعنی میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے' جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا' وہ ڈوب گیا۔ تو دوسرا ارشادِ گرامی یہ بھی ہے کہ ''اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ'' میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں' ہم زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں' جو اس کشتی میں سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۳۷۷)

کرو کیونکہ قریش کے تمام قبائل میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا مگر یہ کہ ان کے درمیان اور رسولِ اکرم کے درمیان خاندانی قرابت اور رشتہ موجود تھا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''قربیٰ'' سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مراد ہے' یعنی مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول سے محبت کرو تا کہ عبادت اور نیک عمل کے ذریعے تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے ﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً﴾ اور جو شخص نیکی کمائے گا۔ امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے: بے شک ''حسنة'' سے رسول اللہ ﷺ کی آلِ پاک سے محبت کرنا مراد ہے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اور اہل بیت کے ساتھ ان کی محبت وعقیدت کے بیان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ''حسنة'' میں عموم پایا جاتا ہے' یہ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے خواہ کوئی نیکی ہو مگر یہ آلِ رسول کی محبت ومودّت کو سب سے پہلے شامل ہے کیونکہ آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے ﴿نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا﴾ ہم اس کے لیے اس میں نیکی کا اضافہ کر دیں گے یعنی ہم اس نیکی کو کئی گنا بڑھا دیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً'' (البقرہ: ٢٤٥) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ (بہترین اور سب سے اچھا قرض) دے' سو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے بہت زیادہ بڑھا دے گا'' [اور ''حُسْنًا'' کو ''حُسْنٰى'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جیسے ''بشریٰ'' ہے اور ''فیھا'' میں ضمیر ''حسنة'' کی طرف لوٹتی ہے یا پھر ''جنت'' کی طرف لوٹتی ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت واختیار رکھنے کے باوجود ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جس نے گناہوں کا ارتکاب کر لیا ﴿شَكُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر اس شخص کو بہت اجر وثواب عطا فرمانے والا ہے جس نے اطاعت وفرماں برداری اختیار کی اور بعض علماء اسلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور توبہ کرنے کی ترغیب دینے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''شکور'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے' اس لیے اس سے عبادت واطاعت کی توفیق عنایت کرنا اور عبادت و اطاعت بجالانے پر پورا پورا ثواب عطا فرمانا اور ثواب کے کام کرنے والے پر فضل وکرم فرمانا مراد ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ لیا' سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دیتا' اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا اور وہ اپنے کلام سے حق کو ثابت رکھے گا' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

٢٤- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ کیا کفارِ مکہ یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ محبوبِ خدا جیسے معصوم پیغمبر کی طرف جھوٹ بولنے اور افتراء بازی کی نسبت کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے اور جھوٹ بولنے کا آپ پر الزام لگا دیں جو سب سے بڑا اور سب سے بدترین بہتان ہے [''ام'' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ کے معنی ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے] ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کفارِ مکہ کی طرف سے آپ کو تکلیفیں پہنچانے اور ان کی طرف سے آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانے کی بات کہنے پر آپ کے قلب مبارک پر صبر کی مہر لگا کر اسے مضبوط وقوی بنا دے گا تا کہ ان کے جھٹلانے کی مشقت وتکلیف آپ کے قلب مبارک

میں داخل نہ ہو سکے ﴿وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا یعنی شرک کو مٹا دے گا [اور یہ الگ کلام ہے "یختم" پر معطوف نہیں ورنہ مرفوع کی بجائے مجزوم ہوتا' اس لیے کہ باطل کا مٹانا کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلق وعدہ ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوبارہ لانا اور "یَمْحُ" اور "یُحِقُّ" کا مرفوع ہونا ہے اور رسم الخط میں واؤ کو ساقط کر دیا گیا جیسا کہ "وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ" (الاسراء:۱۱) اور "سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ○" (العلق:۱۸) محض اس بناء پر کہ یہ نافع مدنی کے مصحف میں ثابت ہے] ﴿وَيُحِقُّ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت رکھے گا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے گا اور اس کو ثابت کر دے گا ﴿بِكَلِمٰتِهٖ﴾ اپنے کلام کے ساتھ جسے اس نے اپنی کتاب میں سے اپنے محترم نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر نازل فرمایا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے باطل و مشرکانہ دین کو مٹا دیا اور اسلام کو غالب کر دیا ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کے سینے میں ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے' سب کچھ خوب جاننے والا ہے' سو اسی کے مطابق حکم جاری کرے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو○ اور وہ ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ انہیں اپنے فضل و کرم سے زیادہ کرتا ہے' اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے○ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور بغاوت و فساد برپا کر دیتے اور لیکن وہ ایک اندازے کے مطابق جو چاہتا ہے اتارتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے○

توبہ قبول کرنے اور دیگر انعامات کا بیان

۲۵- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جب کوئی چیز کسی سے لی جائے تو کہا جاتا ہے: "قبلت منه الشیء" میں نے اس سے فلاں چیز قبول کر لی اور میں نے اس کو اپنی قبولیت کا مبداء بنا دیا اور "قبلته عنه" بھی کہا جاتا ہے یعنی میں اس سے الگ ہو گیا ہوں اور میں اس سے جدا ہو گیا ہوں اور توبہ یہ ہے کہ (۱) فرض اور واجب میں کوتاہی سے اور اس کے ترک سے اور ہر قسم کی برائی سے رجوع کرنا (۲) اور ان پر نادم و شرمندہ ہونا (۳) اور آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور اگر اس میں کسی آدمی کا حق ادا کرنا ہو تو اسی طریقے پر اس کو ادا کر کے بری الذمہ ہونا ضروری ہے۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توبہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معانی کے لیے آتا ہے: (۱) ماضی کے تمام

گناہوں پر ندامت و پشیمانی کا اظہار (۲) تمام ضائع شدہ فرائض کا اعادہ (۳) تمام مظالم (حقوق العباد کی) ادائیگی اور ان کی واپسی (۴) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت میں تھکانا' جس طرح اس کو گناہوں اور نافرمانیوں میں بڑھایا اور توانا کیا (۵) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت کی تلخی چکھانا جس طرح اس کو گناہوں کی لذت کی حلاوت و مٹھاس چکھائی تھی (۶) اور ہر ہنسی کے بدلے میں آہ وزاری اور گریہ وفغاں کرنا اور روتے رہنا۔

(۲) حضرت امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ (۱) گناہوں کے چھوڑنے پر سچے دل سے پختہ ارادہ کرنا (۲) دل سے تمام غیبوں کے خوب جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

(۳) ان کے علاوہ بعض کا قول ہے کہ توبہ کے بعد گناہ کے ذکر کے وقت دل میں گناہ کی حلاوت وکشش محسوس نہ کی جائے۔

(۴) حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی توبہ یہ ہے کہ وہ تمام بُرے احوال و اعمال کو ترک کر کے تمام اچھے اور نیک احوال و اعمال اختیار کر لے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بُرے احوال سے پسندیدہ احوال کی طرف منتقل ہو جانا۔

(۵) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام چیزوں سے منہ پھیر لے اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق اور منہمک ہو جائے۔

﴿وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے' وہ بُرائیاں شرک کے ماسوا مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا دیگر بُرائیوں کو جس کے لیے چاہتا ہے بغیر توبہ کے معاف کر دیتا ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو یعنی تمہاری توبہ وغیرہ اور تمام گناہوں کو وہ جانتا ہے [ابوبکر کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تفعلون'' ہے اور اس پر وقف کرنا جائز نہیں کہ اس پر (درج ذیل آیت مبارکہ کا) عطف کیا گیا ہے اور معنی متصل ہے]۔

۲۶ - ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی جب نیک مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور وہ جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ انہیں عطا کرتا ہے اور ان کے مطلوب سے بڑھ کر انہیں مزید عطا کرتا ہے [اور ''استجاب'' اور ''اجاب'' کا ایک معنی ہے اور اس طرح کے فعل میں سین محض فعل کی تاکید کے لیے آتی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''تعظم'' اور ''استعظم'' اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''ويجيب الله الذين امنوا وعملوا الصالحات'' اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: ''ويستجيب للذين'' ہے' پھر لام کو حذف کر دیا گیا] ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جب وہ توبہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان کی بُرائیوں سے درگزر کر لیتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور انہیں ان کے سوال سے بڑھ کر مزید عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں کی جاتی؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے تو تم اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے (یعنی) آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب ہوگا۔

۲۷ - ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان سب

(بندوں) کو مال دار و دولت مند اور غنی بنا دیتا تو ﴿ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ ﴾ وہ ضرور زمین میں بغاوت و سرکشی کرتے ''بغی'' کا معنی ہے: ظلم کرنا یعنی یہ شخص اس پر اور وہ شخص اس پر ضرور ظلم وستم ڈھاتے کیونکہ مال دار و غنی آدمی متکبر و مغرور ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے فرعون (اور قارون) کا حال کافی ہے' یا پھر ''بَغْیٌ'' کا معنی ہے: تکبر کرنا یعنی وہ ضرور زمین میں تکبر و غرور اختیار کر لیتے ﴿ وَلٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ایک اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے۔ ''قدر'' کا معنی ہے: اندازہ کرنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''قَدَّرَهٗ قَدْرًا وَقَدَرًا'' [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (بغیر تشدید کے باب افعال سے) ''يُنْزِلُ'' ہے] ﴿ إِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ بے شک وہ اپنے بندوں سے بہت خبردار رہتا ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو خوب جانتا ہے' سو وہ ان کے لیے وہی مقدر و مقرر کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے' پس وہی فقیر و غریب بناتا ہے اور وہی مال دار و غنی بناتا ہے اور وہی روکتا ہے اور وہی عطا کرتا ہے اور وہی تنگ اور کم کرتا ہے اور وہی کشادہ و فراخ کرتا ہے اور اگر وہ تمام انسانوں کو دولت مند و غنی بنا دیتا تو وہ ضرور زمین میں دنگا فساد اور ظلم وستم برپا کر دیتے اور اگر وہ سب کو فقیر و محتاج اور غریب بنا دیتا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے اور کیا تم نے روزی کی فراخی کی وجہ سے ان کو نہیں دیکھا جو بغاوت و سرکشی کرتے پھرتے ہیں اور روزی میں فراخی اور فراوانی کے بغیر بہت کم بغاوت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فقر و غربت کے ساتھ بغاوت و سرکشی کم ہوتی ہے اور رزق کی فراخی اور فراوانی کی وجہ سے بہت زیادہ اور غالب ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور وہی ہے جو بارش اتارتا ہے اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے اور وہی متولی (اور) خوب تعریف کیا ہوا ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور اس نے ان دونوں کے درمیان جو کچھ جانور پھیلائے' اور وہ جب چاہے گا ان کے جمع کرنے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے O

۲۸- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو بارش برساتا ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں ''زا'' مشدد کے ساتھ (باب تفعیل سے) ''يُنَزِّلُ'' ہے] ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا ﴾ اس کے بعد کہ وہ مایوس و ناامید ہو چکے [اور نون مکسور کے ساتھ ''قَنِطُوْا'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ﴾ اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے یعنی وہ بارش کی برکتیں اور اس کے فوائد و منافع اور اس کے ذریعے خوش حالی بکھیرتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ قحط سالی اور خشک سالی بہت سخت ہوگئی ہے اور لوگ بارش سے مایوس اور ناامید ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اب ضرور بارش ہوگی' ان کی مراد یہی آیت تھی کہ مایوسی کے بعد بارش ضرور ہوتی ہے یا ان کی مراد یہ تھی کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے ﴿ وَهُوَ الْوَلِيُّ ﴾ اور وہی مالک و متولی ہے جو اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کے ذریعے اپنے بندوں کی کارسازی فرماتا ہے اور ان کی تمام ضروریات کی تدبیر فرماتا ہے ﴿ الْحَمِيْدُ ﴾ وہی اس پر سراہا گیا ہے' اس کے اطاعت گزار اور

فرماں بردار بندے اس کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔

۲۹- ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ﴿ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے باوجود اپنے بہت بڑے ہونے کے ﴿ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ اور جو کچھ ان دونوں میں جاندار پھیلائے (یعنی) آسمانوں اور زمین میں جس قدر تمام جاندار پھیلائے ہوئے ہیں' یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں' ''دواب'' صرف زمین میں چلنے والے جانداروں کو کہا جاتا ہے لیکن کسی چیز کو تمام مذکور کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے' اگرچہ اس کے بعض افراد کے ساتھ متعلق ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بنو تمیم میں بزرگ شاعر ہے حالانکہ وہ ان کے خاندانوں میں سے صرف ایک خاندان میں ہے اور اسی سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ O'' (الرحمٰن: ۲۲) ''ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O'' حالانکہ یہ نمکین پانی والے دریا سے نکلتے ہیں اور یہ عقل وخرد سے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ایسے جاندار پیدا کرتا ہو' جو ان میں اس طرح چلتے ہوں جس طرح انسان زمین پر چلتے ہیں ﴿ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ ﴾ اور وہ قیامت کے دن ان کے جمع کرنے پر ﴿ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴾ جب وہ چاہے گا پوری طرح قادر ہے [حرف ''اِذَا'' مضارع پر بھی اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى O'' (الیل: ۱) ''قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لیتی ہے O'']۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

اور تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو اس کی وجہ وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے O اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو' اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے O

مصیبتوں کا نزول بُرے اعمال کے سبب ہوتا ہے

۳۰- ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ ﴾ اور تمہیں جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے (یعنی) غم ورنج اور تکلیف وبیماری ﴿ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ سو اس کا سبب وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا یعنی اس کا سبب وہ گناہ ہیں جن کا تم نے اپنے ہاتھوں سے ارتکاب کیا' یہ مصیبت اس پر سزا ہے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فا'' کے بغیر ''بما کسبت'' ہے کیونکہ ان کے نزدیک ''وما اصابکم'' میں لفظ ''ما'' شرط کے معنی سے خالی محض مبتدا ہے اور ''بما کسبت'' اس کی خبر ہے اور جس نے ''فا'' کو ثابت رکھا اور ''فبما کسبت'' پڑھا اس کے نزدیک ''وما اصابکم'' میں حرف ''ما'' شرط کے معنی پر مشتمل ہے] اور جو تناسخ (روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے) کے قائل ہیں' انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا اور کہا کہ اگر بچوں کے لیے اس موجودہ حالت سے پہلے کوئی اور حالت نہ ہوتی تو انہیں اس موجودہ حالت میں کوئی رنج وغم اور تکلیف وغیرہ نہ پہنچتی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے صرف مکلفین (عقل مند بالغ حضرات) کے لیے مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ اور اللہ

تعالیٰ بہت سی چیزوں سے درگزر کر لیتا ہے اور بہت سی چیزوں کو معاف فرما دیتا ہے یعنی بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اوران پر جلد سزا نہیں دیتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے اوران کو جلد از جلد سزا نہیں دیتا۔

(۱) حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ جو مصیبت و تکلیف اور فتنہ اس کو پہنچتا ہے وہ محض اس کے اپنے کرتوت کے سبب ہوا اور بے شک اس کے مالک اور معبودِ برحق نے اس کے اکثر گناہوں کو معاف فرما دیا ہے تو وہ اپنے اوپر اپنے رب تعالیٰ کے احسان پر بہت کم نظر رکھنے والا ہے۔

(۲) حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان تمام اوقات میں گناہوں کے ساتھ ملوث ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول و منہمک رہنے سے زیادہ اپنے گناہوں میں مشغول رہتا ہے کیونکہ گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب ایک سبب سے ہوتا ہے اور عبادت و اطاعت کئی وجوہات کی بناء پر ادا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کرتا رہتا ہے تاکہ قیامت کے دن اس سے اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو انسان پہلے قدم پر ہلاک ہو جاتا۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ اُمید افزا ہے کیونکہ کریم و مہربان جب ایک مرتبہ معاف فرما دیتا ہے تو دوبارہ سزا نہیں دیتا اور جب معاف کر دیتا ہے تو دوبارہ اس پر باز پرس اور سرزنش نہیں کرتا۔

۳۱- ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو (یعنی) جن مصائب و آلام کے نزول کا تم پر فیصلہ کر دیا گیا ہے ان سے تم بچ نہیں سکتے ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے جو تم پر رحم و کرم کر سکے ﴿ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور نہ کوئی ایسا حامی و ناصر ہو سکتا ہے جو تم سے اس عذاب کو دور کر دے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر جب نازل کرنا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں ہیں O اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ کشتیاں اس کی پشت پر ٹھہری رہیں' بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یا وہ انہیں ہلاک کر دے ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو ان لوگوں نے کمائیں اور وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے O اور وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

۳۲- ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے پہاڑوں کی طرح بلند

وبالا سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں جو محض اس کی قدرت کاملہ کی بناء پر بھاری بھرکم پانی میں ڈوبنے کی بجائے اس کی سطح پر رواں دواں رہتی ہیں [''الجواری''،''جاریۃ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: چلنے والی کشتی اور ابن کثیر مکی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''الجواری'' پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی اور ابوعمرو نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے (لیکن باقی قراء کے نزدیک ''یـا'' کے بغیر ''الـجـوار'' ہے)]۔

۳۳- ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک لے ﴿ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ﴾ پس وہ کشتیاں دریاؤں اور سمندروں میں پانی کی سطح اور پشت پر ساکن و جامد ہوکر کھڑی رہیں اور چل نہ سکیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''الریح'' کی بجائے اس کی جمع ''الریاح'' کے ساتھ ''یسکن الریاح'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ضرور موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبتوں پر بہت صبر کرنے والا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والا ہے یعنی ہر مخلص مؤمن کے لیے قدرت الٰہی کی نشانیاں اس میں کارفرما ہیں' سو ایمان کے دو حصے ہیں: نصف ایمان شکر ادا کرنا اور نصف ایمان صبر کرنا ہے' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت پر بہت صبر کرنے والے اور اس کی طرف سے عنایت کی گئی نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والے۔

۳۴- ﴿ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ ﴾ یا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کردے اور انہیں غرق کر کے تباہ و برباد کردے [اور یہ ''یسکن'' پر معطوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہوا کو روک دے جس کے سبب کشتیاں چلنے کی بجائے جامد و ساکن ہوکر رُکی رہیں یا اللہ تعالیٰ چاہے تو تیز آندھی چلا دے جس کی سخت تیز رفتاری کی وجہ سے کشتیاں الٹ پلٹ ہوکر غرق ہو جائیں اور ان کے سوار ہلاک ہو جائیں ﴿ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ محض ان گناہوں کے سبب جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ﴿ وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' سو ان پر سزا نہیں دیتا اور عفو و درگزر ہلاک کرنے کے حکم میں داخل ہے کیونکہ وہ یقینی ہے' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کئی لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور کئی لوگوں کو معاف کر کے نجات دے دیتا ہے۔

۳۵- ﴿ وَيَعْلَمَ ﴾ یہ محذوف کی تعلیل پر منصوب ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لینتقم منهم ویعلم'' ﴿ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام اور بدلہ لے اور وہ لوگ اچھی طرح جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی ان آیات کو مٹانے اور ان کو رَدّ کرنے کے لیے جھگڑتے ہیں [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یعلم'' استیناف (الگ مستقل جملہ ہونے) کی بناء پر مرفوع ہے] یعنی جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ ﴿ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ ﴿۳۷﴾

سو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے پس وہ دنیا کی زندگی کا ساز وسامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے جو ایمان دار ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر کامل بھروسا رکھتے ہیں O اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں اور جب وہ غصہ میں آتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں O

شانِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶ - ﴿فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ پس تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے سو وہ تو صرف دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اجر و ثواب اور آخرت کی نعمتیں وہ ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں جو ایمان قبول کر کے مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھی بھروسا رکھتے ہیں۔

شانِ نزول: جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو اس پر لوگوں نے آپ کو ملامت کی کہ سب مال لٹا کر خود فقیر و محتاج بن گئے اس موقع پر یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید میں نازل ہوئی اور اس میں واضح کر دیا گیا کہ دنیا کا مال و متاع آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا [اس آیت مبارکہ میں پہلا ''ما'' شرط کے معنی پر مشتمل ہے اس کے جواب میں ''فا'' جزائیہ لایا گیا ہے بہ خلاف دوسرے ''ما'' کے]۔

۳۷- ﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمام بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہتے ہیں یعنی اس جنس کے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں [اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ''کبیر الاثم'' ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''کبیر الاثم'' (بڑے گناہ) سے شرک مراد ہے اور ''والذین یجتنبون'' ''الذین امنوا'' پر معطوف ہے اور اسی طرح اس کے بعد والی آیت مبارکہ بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور وہ لوگ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب و پرہیز کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بے حیائی کے کام وہ ہیں جن کی قباحت و برائی بہت بڑی ہے سو ایسے کام ''فواحش'' کہلاتے ہیں جیسے زنا وغیرہ ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا﴾ اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں (یعنی) جب وہ دنیا کے معاملات میں سے کسی معاملہ میں غضب ناک ہوتے ہیں تو ﴿هُمْ یَغْفِرُوْنَ﴾ وہ معاف کر دیتے ہیں اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں یعنی وہی لوگ حالت غضب میں عفو و درگزر کرنے اور معاف کرنے کی خوبی کے ساتھ بہت زیادہ مخصوص ہو چکے ہیں گویا یہ ان کی خصوصی خصلت و عادت ہے [اور ''ھم'' ضمیر کا لانا اور اس کو مبتدا بنانا اور ''یغفرون'' کی اس کی طرف نسبت کرنا صرف اسی فائدہ کے لیے ہے اور ''ھم ینتصرون'' بھی اسی طرح ہے]۔

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی

الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۲ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۴۳

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کیا اور وہ نماز قائم کرتے رہے اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے رہے' اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں O اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی ظلم پہنچتا ہے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے' سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا O اور جس نے ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں O بے شک مواخذہ صرف انہیں پر ہو گا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں' انہیں لوگوں کے لیے درردناک عذاب ہے O اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

مدنی صحابۂ کرام کی شان

۳۸- ﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوتِ اسلام قبول کر لی۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ انصارِ مدینہ کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انہیں اسلام قبول کر کے ایمان لانے اور عبادت و اطاعت بجالانے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لی ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور انہوں نے نماز کو قائم رکھا (یعنی) وہ لوگ پانچوں نمازیں مکمل طور پر صحیح طریقے پر ادا کرتے رہے ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں "ای ذو شوریٰ" یعنی وہ لوگ الگ الگ اپنی اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مشورے کر کے ایک دوسرے کی رائے لیتے ہیں' پھر جس رائے پر متفق ہو جاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو قوم کسی کام میں ایک دوسرے سے باہمی مشورہ کرتی ہے' وہ ضرور ہدایت پر رہتی ہے اور ان کے کام سب سے زیادہ رشد و ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں [اور "شوریٰ" مصدر ہے جیسے "فتیا" ہے' اس کا معنی ہے: باہمی مشورہ کرنا] ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں یعنی وہ صدقہ اور خیرات کرتے ہیں۔

۳۹- ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی کی طرف سے بغاوت و ظلم پہنچتا ہے تو یہ لوگ صرف انتقام لیتے ہیں کہ ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں یعنی یہ حضرات انتقام لینے میں صرف اسی طریقہ پر اکتفاء کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے اور وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو عاجز و کمزور اور کم تر رکھنا سخت ناپسند کرتے ہیں تا کہ فساق و نافرمان کبھی بھی ان پر جراءت کا مظاہرہ نہ کر سکیں اور ان کی انتقام و بدلہ لینے پر صرف اس لیے تعریف کی گئی ہے کہ جو شخص بدلہ لیتا ہے اور وہ اپنا حق لیتا ہے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا اور وہ مقتول کا ولی ہونے کے باوجود قتل کرنے میں زیادتی نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار ہے اور ہر مطیع و فرماں بردار قابلِ تعریف ہے۔

٤٠- پھر اللہ تعالیٰ نے انتقام لینے کی حد بیان کی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے' سو پہلی تو حقیقت میں بُرائی ہے لیکن دوسری حقیقت میں بُرائی نہیں بلکہ وہ بُرائی کا بدلہ ہے اور اسی بناء پر اسے بُرائی کا نام دیا گیا ہے کہ بُرائی کا بدلہ ہے یا جس طرح بُرائی تکلیف دِہ ہوتی ہے' اسی طرح بُرائی کے بدلے میں بُرائی بھی تکلیف دہ ہوتی ہے' اس لیے اسے بھی برائی کہا گیا اور اس لیے بھی کہ اگر پہلی برائی نہ ہوتی تو دوسری یقیناً برائی ہی ہوتی کیونکہ یہ بہت تکلیف دہ ہوتی 'لہٰذا یہ حسن لغیرھا ہے یا پھر بُرائی کے بدلے کو بُرائی کا نام دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاف کر دینا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ برائی کا بدلہ لینے میں واجب اور ضروری ہے کہ اس کے مقابلے میں اسی کی مثل برائی کی جائے' زیادتی ہرگز نہ کی جائے (مثلاً اگر کوئی کہے کہ تم لعنتی ہو' تو اس کے جواب میں صرف یہی کہا جائے کہ تم خود لعنتی ہو' اس سے زیادہ نہیں) ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ﴾ سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی (یعنی) جس نے اپنے اور اپنے مخالف کے ساتھ عفو و درگزر اور چشم پوشی کر کے صلح کر لی ﴿فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے' اس وعدہ کو مبہم بیان کیا گیا ہے' اس لیے معاف کر دینے پر ملنے والے اجر و ثواب کی عظمت و بڑائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہ دوست رکھتا ہے اور نہ انہیں پسند کرتا ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم میں پہل کرتے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو انتقام اور بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی بلند آواز سے پکار کر کہے گا کہ جس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہے وہ ضرور کھڑا ہو جائے' سو صرف وہی شخص کھڑا ہو گا جس نے معاف کیا ہو گا۔

٤١- ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ﴾ اور البتہ جو شخص اپنے اوپر ظلم سہنے کے بعد انتقام لیتا ہے یعنی جو شخص اپنے اوپر ظلم کیے جانے کے بعد ظالم سے اپنا حق لے لیتا ہے [''ظلمہ'' میں مصدر کی اپنے مفعول کی طرف اضافت ہے] ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ سو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں [''فاولئك'' اسم اشارہ جمع ہے اور یہ ''مَنْ'' کے معنی کی طرف اشارہ ہے' اس کے لفظ کی طرف نہیں (کیونکہ کلمہ ''مَنْ'' معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے)] مطلب یہ ہے کہ جو شخص ظلم کا نشانہ بننے کے بعد ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لے لیتا ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں' نہ اسے سزا دی جائے گی اور نہ اس پر عتاب کیا جائے گا۔

٤٢- ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ بے شک مواخذہ کی راہ صرف ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں یعنی جو لوگوں پر ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں ﴿وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں (یعنی) وہ زمین میں تکبر و غرور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ''السبیل'' کی تفسیر حجت اور مطالبہ کے ساتھ کی گئی ہے۔

٤٣- ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ﴾ اور البتہ جس نے ظلم و ستم اور اذیت و تکلیف پر صبر کیا ﴿وَغَفَرَ﴾ اور معاف کر دیا اور انتقام اور بدلہ نہیں لیا ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ یعنی ظالم کے ظلم پر صبر کرنا اور اسے معاف کر دینا ﴿لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ضرور بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ ان اُمور میں سے ہے' جس کی طرف سبقت کرنا مستحب عمل ہے یا یہ ان اُمور میں سے ہے جو اس لائق ہے کہ انہیں عاقل و ذہین مرد اپنے اوپر واجب و لازم کر لے اور ان کے ترک کرنے میں رخصت پر عمل نہ کرے [اور راجع محذوف ہے یعنی ''منہ'' کیونکہ یہ خود بخود سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کے اس قول: ''السمن منوان بدرھم''

میں راجع محذوف مانا گیا ہے]اور حضرت ابوسعید قرشی نے فرمایا کہ مصائب و آلام پر صبر کرنا بلند ترین اور اہم ترین علامات میں سے ہے' سو جو شخص کسی پہنچنے والی مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور جزع و فزع اور واویلا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو رضا کے حال کا وارث بنا دیتا ہے اور یہ تمام احوال سے اہم ترین و بلند ترین ہے اور جو شخص مصیبتوں سے گھبرا جاتا ہے اور جزع و فزع شروع کر دیتا ہے اور شکایت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے' پھر اس کا شکوہ و شکایت اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ؕ

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں' اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے O آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ ذلت کی وجہ سے وہ سر جھکائے ہوئے چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے' اور ایمان والے کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں ڈال دیا' خبردار ہو جاؤ! بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے O اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں' اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے کوئی راہِ نجات نہیں رہتی O

ظالموں کی رسوائی کا بیان

۴۴- ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں ہوتا جو اسے سیدھے راستے پر چلا دے' اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی پر ڈال دیا ہو اور نہ کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہے ﴿ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے (یعنی) آپ قیامت کے دن کافروں کو دیکھیں گے کہ ﴿ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے یعنی جس وقت وہ عذاب دیکھیں گے۔ یہاں فعل ماضی کا لفظ صرف تحقیق کے لیے اختیار کیا گیا ہے ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ وہ لوگ کہیں گے: کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے (یعنی) قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ دنیا میں واپس جانے دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئیں۔

۴۵- ﴿ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ عذاب

کا ذکر دوزخ پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے (اس لیے کہ کفار کو دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جائے گا) ﴿ خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ ﴾ ذلت و رسوائی کی وجہ سے اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (یعنی) اس روز جو انہیں ذلت و رسوائی لاحق ہوگی' اس کی وجہ سے نہایت متواضع و عاجز ہو کر اپنے سروں کو جھکا کر آئیں گے ﴿ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ﴾ وہ لوگ آنکھیں چرا کر کن انکھیوں سے دوزخ کی آگ کی طرف دیکھیں گے جیسے تلوار سے قتل کیے جانے والا شخص تلوار کی طرف دیکھتا ہے ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ اور مسلمان کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا۔''یوم'' کا تعلق اگر ''خسروا'' کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے کفار کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر دنیا میں یہ کہا تھا کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو کفر و شرک کے سبب قیامت کے دن نقصان زدہ کر دیا اور اگر ''یوم'' کا تعلق ''قال'' کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان جب کفار کو اس حالت میں دیکھیں گے تو اس وقت وہ مذکورہ بالا بات کہیں گے: ﴿ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک یہ ظالم و کافر لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔''مقیم'' بہ معنی ''دائم'' ہے یعنی ہمیشہ رہنے والا۔

۴۶- ﴿ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔''سبیل'' سے نجات کی راہ مراد ہے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝۴۷ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝۴۸

تم اپنے پروردگار کے لیے (اسلام کی دعوت کو) قبول کر لو اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں' اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ لینے کی جگہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہوگی ○ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا' آپ پر صرف پیغام پہنچا دینا لازم ہے اور بے شک جب ہم اپنی طرف سے انسان کو کسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو کر اترانے لگتا ہے' اور اگر ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے ○

کفار کو دعوتِ اسلام دینے اور ان کی روگردانی کا بیان

۴۷- ﴿ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ ﴾ تم اپنے پروردگار کی دعوت قبول کر لو یعنی اللہ تعالیٰ جس دین کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہے تم اسے قبول کر لو ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ ﴾ اس دن کے آنے سے پہلے یعنی قیامت کا دن آنے سے پہلے ﴿ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ﴾ وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے۔حرف ''من'' جارہ ''لا مردّ'' سے متعلق ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ

قیامت کے وقوع کا حکم دے گا تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا نہ اسے کوئی دفع کر سکے گا یا حرف ''من'' ''یاتی'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دن کے آنے سے پہلے جس کے روکنے اور دفع کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ﴾ اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہو گی یعنی تمہارے لیے عذاب سے کسی صورت میں خلاصی نہیں ہے اور نہ تم اس پر قادر ہو کہ تم نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اور جو تمہارے اعمال ناموں میں لکھے گئے ہیں' ان میں سے کسی کا انکار کر سکو اور ''نکیر'' کا معنی انکار ہے۔

۴۸- ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پھر اگر انہوں نے ایمان لانے سے روگردانی کر لی اور اس سے منہ پھیر لیا ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ و نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ ''حفیظا'' بہ معنی ''رقیبا'' ہے (یعنی نگران) ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ آپ پر لازم نہیں مگر پہنچا دینا یعنی آپ کے ذمہ صرف نبوت و رسالت کی تبلیغ کرنا اور احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے اور بس اور آپ یقیناً یہ کام کر چکے ہیں ﴿وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور جب ہم انسان کو چکھاتے ہیں۔ یہاں ''انسان'' سے جمع مراد ہے یعنی تمام انسان ﴿مِنَّا رَحْمَةً﴾ اپنی طرف سے رحمت کا مزہ (یعنی) جب ہم انسان کو نعمت و خوش حالی اور امن و امان اور صحت و تندرستی کا مزہ چکھاتے ہیں تو ﴿فَرِحَ بِهَا﴾ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے اترانے لگتا ہے اور تکبر و غرور کرتا ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر ان کو کوئی بُرائی اور تکلیف پہنچتی ہے جیسے بیماری اور فقر و غربت اور ان جیسی دوسری تکلیفیں [''فرح'' کو واحد لایا گیا ہے کیونکہ ''انسان'' لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور اسی لفظ ''انسان'' کا اعتبار کر کے ''فرح'' کو واحد لایا گیا ہے اور ''و ان تصبهم'' میں انسان کی طرف لوٹنے والی ضمیر ''ھم'' کو اس لیے جمع لایا گیا ہے کہ انسان اسم جنس ہے' اس سے جمع کا معنی مراد ہے اور اسی معنی کا اعتبار کر کے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے] ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کرتوتوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی ان کے گناہوں کے سبب ﴿فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ﴾ سو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ''فانه کفور'' نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر مہر ثبت کی جائے کہ یہ صرف انسان کی جنس ہے جو کفرانِ نعمت کے ساتھ مخصوص و موسوم ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌO'' (ابراہیم: ۳۴) ''بے شک انسان بڑا ظالم (اور) بہت ناشکرا ہےO'' اور ''کفور'' کا لفظ کفرانِ نعمت و ناشکری کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے آتا ہے اور معنی یہ ہے کہ انسان مصیبت کو تو یاد رکھتا ہے اور اس کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے اہمیت دیتا ہے لیکن نعمت کو جلد بھول جاتا ہے اور اسے حقیر و ادنیٰ جان کر کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے کفرانِ نعمت مراد ہے جب کہ بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے (کیونکہ ''كَفُوْرٌ'' دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے)۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے O یا وہ ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے' اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے' بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا سب پر قادر ہے O اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا حجابِ عظمت کی اوٹ سے یا وہ فرشتہ بھیجتا ہے' سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہی وحی لے کر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' بے شک وہ سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسان کے ساتھ کلام کرنے کے طریقہ کا بیان

۴۹'۵۰- ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ O اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کے لیے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا وہ انہیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملا کر دے دیتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ ''یزوجھم'' بہ معنیٰ ''یقرنھم'' ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملا کر عطا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کا مزہ چکھانے اور اس کے برعکس اسے تکلیف و مصیبت پہنچانے کا ذکر کر لیا تو اس کے بعد بیان کیا کہ بے شک حکومت و سلطنت اسی کی ہے اور بے شک وہی نعمت اور مصیبت کو جیسے چاہتا ہے تقسیم کرتا ہے اور وہی اپنے بندوں کے لیے اولاد میں سے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے' چنانچہ وہ بعض بندوں کو صرف لڑکیاں عطا کرتا ہے اور بعض کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور بعض بندوں کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور بعض کو بانجھ کر دیتا ہے' ''عقیم'' اس عورت کو کہا جاتا ہے جو بچے نہیں جن سکتی (جسے اُردو میں بانجھ کہا جاتا ہے) اور اسی طرح جب کسی مرد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو اسے ''رجل عقیم'' کہا جاتا ہے اور یہاں پہلی آیت میں لڑکیوں کا ذکر لڑکوں کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے' یہ اس لیے کہ یہاں کلام کے چلانے کا مقصد یہ ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے' نہ وہ جو انسان چاہتا ہے' پس لڑکیوں کا ذکر اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ یہ انہیں چیزوں میں سے ہے جنہیں انسان نہیں چاہتا اور اہم ترین کا پہلے ذکر کرنا واجب ہے اور تاکہ (سابق آیت کے آخر میں) بلا و تکلیف کے ذکر کے ساتھ یہ جنس متصل ہو جائے' جسے اہل عرب بلا و مصیبت شمار کرتے ہیں اور جب لڑکوں کا ذکر مؤخر کیا گیا جب کہ ان کا حق تقدیم تھا تو ان کو معرفہ ذکر کر کے ان کی تاخیر کا تدارک کیا گیا کیونکہ تعریف میں تعظیم و تشہیر ہے' پھر اس کے بعد تقدیم و تاخیر کے ذکر میں ان دونوں جنسوں کو ان کا اپنا حق عطا کیا گیا اور بتلایا گیا کہ لڑکیوں کے ذکر کی تقدیم ان کی اپنی تقدیم کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے تقاضا کے پیش نظر کی گئی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''ذکرانا واناثا'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیات مبارکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں نازل کی گئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہما السلام کو صرف لڑکیاں عطا کی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف لڑکے عطا فرمائے تھے اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرمائے تھے اور جب کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بانجھ کر دیا تھا ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ﴾ ''بکل شیءٍ'' بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿ قَدِيْرٌ ﴾ ''قادر علی کل شیءٍ'' وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

۵۱- ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ﴾ اور کسی انسان کے لیے نہیں (یعنی) انسانوں میں سے کسی کے لیے صحیح نہیں ہے ﴿ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یعنی الہام کے ذریعے' جیسا کہ مروی ہے: ''نفث فی روعی'' میرے دل میں کلام ڈالا گیا' یا حالت نیند میں خواب کے ذریعے کلام کیا جاتا ہے' جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

ارشادِ مبارک ہے کہ" رؤیا الانبیآء وحی" یعنی انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں' اور اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا ﴿ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾ یا پردے کے پیچھے یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی طرف سے اس کا کلام سنا جائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا لیکن سننے والے نے اپنے ساتھ کلام کرنے والے کو نہیں دیکھا اور اس حجاب سے اللہ تعالیٰ کا حجاب (پردہ) مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ پسِ پردہ چھپنے سے پاک ہے کیونکہ پردہ جسموں پر جائز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر یہ جائز نہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ کلام سننے والا بندہ دنیا میں دیدارِ الٰہی سے محجوب و مخفی ہوتا ہے (یعنی صرف بندہ پردے میں ہوتا ہے) ﴿ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ﴾ یا وہ رسول کو بھیجتا ہے یعنی یا پھر اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو بھیجتا ہے ﴿ فَیُوْحِیَ ﴾ سو وہ فرشتہ اس کے بندے کی طرف وحی لے کر آتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ " وَحْیًا " کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے واسطے سے رسولوں کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور " اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا " کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی اور پیغمبر کو بھیجتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام کی امتوں سے ان کے انبیائے کرام کی زبانوں کے ذریعے کلام کیا گیا [اور " وَحْیًا " اور " اَنْ یُّرْسِلَ " دونوں مصدر ہیں اور حال واقع ہو رہے ہیں کیونکہ " اَنْ یُّرْسِلَ "، " اِرْسَالًا " کے معنیٰ میں ہے اور " من ورآء حجاب " ظرف ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہوا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: " وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ " (آل عمران:۱۹۱) اور تقدیرِ عبارت اس طرح ہوگی: " وما صح ان یکلم احدا الا موحیًا او مسمعًا من ورآء حجاب او مرسلًا " اور یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے براہِ راست کلام کرے مگر یہ کہ وحی بھیجنے والا ہو یا پردہ کے پیچھے کلام سنانے والا ہو یا فرشتہ بھیجنے والا ہو] اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہے: اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے مگر یہ کہ وہ وحی نازل کر دے یا یہ کہ پردہ کے پیچھے سے کلام سنا دے یا یہ کہ وہ کوئی فرشتہ بھیج دے اور علامہ خلیل نے اسی کو اختیار کیا ہے [نافع کی قراءت میں " او یرسل " پیش کے ساتھ ہے' اس بناء پر کہ تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: " او هو یرسل رسولا فیوحی "] ﴿ بِاِذْنِهٖ ﴾ اس کے حکم سے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿ مَا یَشَآءُ ﴾ جو وحی وہ چاہے گا ﴿ اِنَّهٗ عَلِیٌّ ﴾ بے شک وہ زبردست غالب ہے' سو اسے روکا نہیں جا سکتا ﴿ حَکِیْمٌ ﴾ وہ اپنے تمام اقوال و افعال میں مصیب اور صحیح رائے رکھنے والا ہے' سو اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک جانفزا چیز کی وحی بھیجی' آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان اور لیکن ہم نے اسے نور کر دیا' ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ذریعے ہدایت عطا کر دیتے ہیں' اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف جس کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے' خبردار ہو جاؤ کہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ

جانتے ہیںO

۵۲-﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم آپ سے پہلے انبیاء و رسل کی طرف وحی بھیجتے رہے یا جس طرح ہم نے آپ سے وحی نازل کرنے کا وصف اور طریقہ بیان کیا ہے ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک ایمان افروز کلام کو وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس سے وہ کلامِ الٰہی (قرآن مجید) مراد ہے جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آپ پر نازل کر چکا۔ یہاں قرآن مجید کو "روحا" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جسم روح سے زندہ رہتا ہے' اسی طرح مخلوقِ خدا اپنے دینی معاملات میں کلامِ الٰہی کے ذریعے زندہ رہتی ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب یعنی قرآن مجید کیا چیز ہے اور نہ آپ از خود یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے [1] یعنی ایمان کے احکام و مسائل کو نہیں جانتے تھے اور نہ کتاب پر ایمان لانے کی کیفیت کو جانتے تھے کیونکہ جب آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے کہ آپ پر یقیناً کتاب نازل کی جائے گی تو کتاب کے نزول سے پہلے اس کے عالم بھی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ایمان تمام شرعی احکام و مسائل کو شامل ہے جن میں سے بعض احکام و مسائل ایسے ہیں جن کو صرف عقل کے ذریعے بھی جانا جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو جاننے کے لیے عقل کافی نہیں ہوتی بلکہ ان کو جاننے کے لیے دلائل سمعیہ (یعنی شرعی دلائل) کی ضرورت ہوتی ہے سو یہاں کتاب و ایمان سے وہ احکام و مسائل مراد ہیں جو صرف دلائل سمعیہ

---

[1] بہ ظاہر اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا انبیائے کرام کو بعثت سے پہلے ایمان و کتاب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ آیت پڑھتے ہیں: "وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّاO" (مریم:۱۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت سے مشرف فرما دیا۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آپ کی عمر تین سال تھی اور حکم سے مراد "تفقه في الدين" ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں ہی اعلان فرمایا: "اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّاO وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ" (مریم:۳۰۔۳۱) یعنی "بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہےO اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں"۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کم سن ہی تھے کہ بھائیوں نے ان کے گلے میں رسہ ڈال کر کنویں میں لٹکا دیا تھا' اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ سنایا تھا کہ "وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا" (یوسف:۱۵) یعنی ہم نے ان کی طرف وحی نازل کی کہ آپ انہیں ان کے اس فعل پر آگاہ کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت ابراہیم خلیل سے عرض کیا تھا: "يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَO" (الصّٰفّٰت:۱۰۲) "اے پدر بزرگوار! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے' اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گےO"۔ جب ان حضرات انبیاء کو بچپن میں ہی ان اُمور پر آگاہی بخش دی گئی تھی اور ان سے وہ محیّر العقول کارنامے صادر ہوئے' جو صرف اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ہی ثمر ہو سکتے ہیں تو حضور فخر دو عالم ﷺ کے متعلق یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ حضور کو ایمان اور کتاب کا علم نہ تھا۔ سرورِ کائنات کی قبل از اعلانِ نبوت زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی اس مفروضے کی تکذیب کرتی ہے' حدیث پاک میں ہے: "لمّا نشأت بغضت الىّ الاوثان وبغض الىّ الشعر ولم اهم بشيء ممّا كانت الجاهلية تفعله الّا مرّتين فعصمني الله منهما ثمّ لم اعد" "جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں اور شعر گوئی کے متعلق بغض اور نفرت پیدا ہو گئی اور میں نے جاہلیت کے کاموں کا کبھی ارادہ نہیں کیا صرف دو مرتبہ خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا' پھر میں نے ان کا کبھی قصد نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے جانے جا سکتے ہیں عقل سے نہیں (اس لیے "ما کنت تدری" فرمایا کہ آپ اپنی عقل و دانش سے کتاب و ایمان کو نہیں جانتے تھے بلکہ خداداد علم سے جانتے تھے) اور یہ اس لیے کہ پہلے آپ کو کتاب و ایمان کے بارے میں شرعی دلائل کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو (اعلانِ نبوت کے بعد) نزولِ وحی کے ذریعے حاصل کرلیا["ما کنت تدری" کا جملہ "الیك" میں ضمیر مخاطب کاف سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ﴾ اور لیکن ہم نے اس کو یعنی اس کتاب کو نور بنادیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت عطا فرما دیتے ہیں ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں (یعنی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام گئے' اسی سفر میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی' اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت کی علامات دیکھیں تو آزمانے کے لیے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لات وعزیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا۔ حضور نے اپنی کم سنی کے باوجود ارشاد فرمایا: "لا تسئلنی بهما فو اللّٰه ما ابغضت شیئًا قط بغضهما" یعنی اے راہب! مجھ سے ان بتوں کے واسطہ سے کوئی بات مت پوچھو' بخدا! مجھے جتنی نفرت ان سے ہے اور کسی سے نہیں۔

انبیائے کرام کے بچپن کے احوال لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں: "ثم یتمکن الامر لهم وتترادف نفحات اللّٰه علیهم وتشرق انوار المعارف فی قلوبهم حتّٰی یصلوا الغایة ویبلغوا باصطفآء اللّٰه لهم بالنبوة فی تحصیل الخصال الشریفة دون مما رسة ولا ریاضة" پھر ان کے حالات میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں' یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے انہیں چن لیتا ہے' وہ اوصاف حمیدہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں' انہیں کسی مشق اور ریاضت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: "الصواب انه معصوم قبل النبوة من الجهل باللّٰه وصفاته والتشکك فی شیء من ذالك وقد تعاضدت الاخبار والآثار عن الانبیآء بتنزیههم عن هٰذه النقیصة منذ ولدوا ونشاتهم علی التوحید والایمان بل علی اشراق انوار المعارف ونفحات الطاف السعادة ومن طالع سیرهم منذ صباهم الٰی مبعثهم حقق کذالك" (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ انبیائے کرام نبوت سے پہلے بھی اس بات سے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جاہل ہوں یا ان میں سے کسی بات میں ان کو شک ہو۔ بہ کثرت ایسی احادیث و آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بچپن میں ہی ان عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی نشوونما توحید اور ایمان پر ہوتی ہے' بلکہ معرفت کے انوار ان پر ضوفشاں رہتے ہیں۔ سعادت ارجمندی کے الطاف کی مہک سے وہ معطر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے' ان کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں' مجھے یہ جواب ان میں سے زیادہ پسند ہے: "ما کنت تدری ما الکتاب لو لا انعامنا علیك ولا الایمان لو لا هدایتنا لك" یعنی اگر آپ پر ہمارا لطف وانعام نہ ہوتا تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی رہنمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا علم بھی نہ ہوتا۔ (ملخصاً عن تفسیر القرطبی) نیز درایت کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی' کیونکہ درایت کہتے ہیں: "المعرفة المدرکة بضرب من الختل (مفردات)" یعنی کسی چیز کو ظن وتخمین سے یا اٹکل پچو سے جاننا۔ تاج العروس میں اس کا یہ معنی کیا گیا ہے کہ حیلہ سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہیں۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۳۹۳ تا ۳۹۵)

آپ ضرور دین اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں [''تا'' مضموم اور دال مکسور کے ساتھ ''لَتُهْدِیْ'' بھی پڑھا گیا ہے (باب افعال ''اَهْدٰی یُهْدِیْ'' سے)]۔

۵۳- ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف آپ ہدایت دیتے ہیں [یہ ''صراط مستقیم'' سے بدل ہے] ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ وہ جس کی ملکیت وسلطنت میں ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ﴾ سن لو! تمام اُمور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہ (کفار کے لیے) دوزخ میں جانے کی وعید (دھمکی) ہے اور (نیک مسلمانوں کے لیے) جنت میں نعمتوں کا وعدہ ہے۔

رکوعاتہا ۷	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	آیاتہا ۸۹

سورۃ الزخرف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی نواسی آیات' سات رکوع ہیں

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ؕ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶﴾ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸﴾

حٰمٓ ○ قسم ہے روشن کتاب کی ○ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا تاکہ تم سمجھ سکو ○ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑا بلند مرتبہ بہت حکمت والا ہے ○ سو کیا ہم اعراض کر کے تم سے اس نصیحت کو بیان کرنا اس لیے ترک کر دیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ○ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجے ○ اور ان کے پاس کوئی نبی نہ آتا مگر وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے ○ سو ہم نے ان میں سے سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ○

قرآن کی شان اور کفار کو انتباہ کرنے کا بیان

سورت زخرف مکی ہے اور اس کی نواسی آیات ہیں۔

۱ تا ۳- ﴿حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ قسم ہے واضح اور روشن کتاب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' کی قسم فرمائی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔ اس میں ''اِنَّا جَعَلْنَاهُ'' کے ارشاد کو ''صَیَّرْنَاهُ'' کے معنی میں قرار دیا گیا ہے یعنی ہم نے اس کتاب مبین کو عربی قرآن بنا دیا ہے اور یہ نہایت خوب صورت اور عجیب وغریب قسموں میں سے ہے کیونکہ قسم اور مقسم علیہ ایک دوسرے کے بالکل مناسب ہیں اور ''مبین'' کا معنی ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے نہایت واضح ہے' جن پر یہ نازل کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کی زبان میں اور ان کے انداز بیان کے مطابق ہے یا یہ تدبر اور غور وفکر کرنے والوں کے لیے واضح کتاب ہے یا یہ وہ قرآن ہے جو ہدایت کے راستے کو گمراہی کے راستے سے واضح کرتا ہے اور ان تمام مسائل کا واضح حل پیش کرتا ہے جن کی امت کو دین کے معاملات

میں ضرورت ہوتی ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ تا کہ تم سمجھو (یعنی) تا کہ تم اس کے معانی کو سمجھو۔

۴۔ ﴿ وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا ﴾ اور بے شک وہ (قرآن) ہمارے نزدیک اصل کتاب میں ہے (یعنی) اور بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوحِ محفوظ میں ثابت ہے جس کی دلیل اس کا یہ ارشاد ہے: ''بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌO فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍO'' (البروج: ۲۱۔۲۲) ''بلکہ وہ عظمت والا قرآن O لوحِ محفوظ میں ہے O'' اور لوحِ محفوظ کو ''ام الکتاب'' اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتب کا یہی مرکز و اصل ہے' چنانچہ تمام کتب سماویہ اسی میں ثابت ہیں اور اسی سے منتقل کی جاتی ہیں اور یہیں سے لکھ کر نقل کی جاتی ہیں [علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ''ام الکتاب'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ لَعَلِیٌّ ﴾ بے شک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے' یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے یعنی قرآن فصاحت و بلاغت کے درجات میں سب سے بلند درجہ میں ہے یا یہ کہ قرآن مجید تمام کتب میں عظیم الشان اور عالی شان ہے کیونکہ یہ ان کے درمیان سراپا معجزہ ہے ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ بہت بڑی حکمت والا قرآن ہے۔

۵۔ ﴿ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ﴾ تو کیا ہم تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں (یعنی) کیا ہم اس نصیحت سے بھرپور قرآن کو تم سے دور رکھیں اور ہم اس کو تم سے ہٹا دیں [یہ بطور مجاز ہے' جیسے عرب کا قول ہے: ''ضرب الغرائب عن الحوض'' بیگانے اونٹوں اور اونٹنیوں کو حوض سے دور بھگا دیا گیا' اور اس میں حرف ''فا'' محذوف پر عطف کے لیے ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''انهملكم (فنضرب عنكم الذكر)'' کیا ہم تمہیں چھوڑ دیں اور ہم تم سے اس ذکر (قرآن) کو دور کر دیں] یہ اس بات سے انکار ہے کہ کتابوں کے نازل کرنے کا جو طریقۂ کار پہلے گزر چکا ہے' اب معاملہ اس کے خلاف کیا جائے اور اس کتاب کو عربی قرآن بنا کر اس لیے نازل کیا تا کہ اہل عرب اس کو سمجھیں اور اس کے موجبات اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں ﴿ صَفْحًا ﴾ [یہ مصدر ہے اور ''صفح عنه'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سے روگردانی کی جائے اور اس سے منہ پھیر لیا جائے اور یہ مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم تمہاری وجہ سے قرآن مجید کو نازل کرنا اور اس کے ذریعے تم پر حجت قائم کرنا چھوڑ دیں اور ہم تم سے اعراض کر لیں' ہرگز نہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ''من غیر لفظه'' سے ہو کیونکہ کہا جاتا ہے: ''ضربت عنه'' یعنی میں نے اس سے اعراض کر لیا' اسی طرح علامہ فراء نے کہا ہے] ﴿ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴾ اصل میں ''لَاَنْ كُنْتُمْ'' ہے یعنی اس لیے کہ تم حد سے بڑھنے والے ہو (یعنی) تم جہالت میں بہت زیادہ مبتلا ہو اور گمراہی میں تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو [نافع مدنی اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ''اِنْ كُنْتُمْ'' ہے اور یہ حرف شرط ہے' جو کسی امر متحقق کے ثبوت کی بناء پر اس کی صحت بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے' جیسے مزدور کہتا ہے کہ اگر میں نے تمہارا یہ کام کر دیا تو میرا حق مجھے پورا دے دینا حالانکہ وہ اس کو جانتا ہوتا ہے]۔

۶۔ ﴿ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے نبی بھیجے ہیں یعنی ہم آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بہت کثیر تعداد میں رسول بھیج چکے ہیں۔

۷۔ ﴿ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور ان کے پاس کوئی نبی اور پیغمبر نہ آتا مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ ماضی کے کفار کی دائمی حالت کا بیان ہے یعنی گزشتہ کفار بھی اسی انکار و کفر اور مخالفت پر قائم رہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کیونکہ کفار مکہ بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۸۔ ﴿ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا ﴾ سو ہم نے ان میں سے بہت سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا تھا [''بطشا''

تمیز ہے اور "منھم" میں ضمیر "مسرفین" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان سے خطاب پھیر کر رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ان کے بارے میں بتا رہا ہے] ﴿وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے یعنی قرآن مجید میں بارہا بہت سی جگہوں میں گزشتہ قوموں کی تباہ کاریوں کے قصے اور ان کے عجیب و غریب حالات گزر چکے ہیں' جن کا حق ہے کہ انہیں مثال کہا جائے اور یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وعدہ ہے اور کفارِ مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو سب پر غالب سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے O وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لیے کئی راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنی منزل کے راستے پر چلو O اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی کو نازل کیا' سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے O اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو O

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے شرک و ناشکری کا بیان

۹- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے پوچھیں یعنی اگر آپ مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو سب پر غلبہ رکھنے والے بے حد جاننے والے نے پیدا کیا۔

۱۰- ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا [عاصم کوفی کی قراءت میں "مَهْدًا" ہے یعنی ٹھہرنے اور آرام کی جگہ اور ان کے علاوہ کے نزدیک "مهادًا" ہے یعنی آرام کرنے اور رہنے سہنے کی جگہ] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے اس میں بہت سے راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنے سفروں کے دوران اپنی اپنی منزل کی طرف جانے والے راستے پر چلو۔

۱۱- ﴿وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا یعنی ایک معین مقدار جس کے ساتھ بندے سلامت رہیں اور شہروں کی ضرورت بھی پوری ہو جائے ﴿فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا ["فانشرنا" بہ معنی "فاحیینا" ہے' اس میں غائب سے اخبار کی طرف عدول

ہے کیونکہ مخاطب کو مراد کا علم حاصل ہے یزید کی قراءت میں "میتا" "یا" مشدد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ اسی طرح تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "تخرجون" کو معروف پڑھا گیا اور "العلیم" پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ "الذی" اس کی صفت ہے اور البتہ ابوحاتم نے اس پر وقف کیا ہے اس بناء پر کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: "ھو الذی"] کیونکہ یہ اوصاف کفار کا مقولہ نہیں اس لیے کہ وہ قبروں سے نکالنے کے منکر ہیں تو وہ بھلا "کذالك تخرجون" کیسے کہہ سکتے ہیں بلکہ یہ آیت مبارکہ تو قبروں سے زندہ کر کے اٹھانے کے انکار کرنے میں ان پر حجت ہے۔

١٢- ﴿ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کیے (یعنی) مخلوق کی تمام اقسام پیدا کیں ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو ["ای ترکبونه" یعنی تم اس سواری پر سوار ہوتے ہو ("رکوب" کا فعل "فلك" کی طرف حرف "فی" کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے اور "انعام" کی طرف بغیر واسطے کے بنفسہٖ متعدی ہوتا ہے جیسے) کہا جاتا ہے: "رکبوا فی الفلك ورکبوا الانعام" پھر بنفسہٖ متعدی فعل کو قوی ہونے کی بناء پر بالواسطہ متعدی فعل پر غالب قرار دے دیا گیا اور "ترکبونه" کہا گیا]۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾
وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ ع

تا کہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو پھر تم اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر جم کر بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا فرماں بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے○ اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں○ اور انہوں نے اس کے بعض بندوں کو اس کا حصہ (اولاد) بنا دیا بے شک انسان ضرور کھلم کھلا ناشکرا ہے○

١٣- ﴿ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ﴾ تا کہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو (یعنی) تا کہ تم ان سواریوں کی پشتوں پر جم کر بیٹھ جاؤ جن پر تم سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اور سواری کے چوپائے ہیں ﴿ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ پھر تم جب ان پر سوار ہو جاؤ تو اپنے دلوں میں اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو ﴿ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا ﴾ اور تم اپنی زبانوں سے یہ کہو کہ پاک ہے وہ جس نے اس سواری کو ہمارے لیے فرماں بردار بنا دیا ﴿ وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴾ اور ہم اس کو اپنے تابع رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے "اقرن الشیء" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور "اقرنه" کا حقیقی معنی کسی کو اپنا ساتھی بنانا ہے کیونکہ طاقتور کمزور کا قرین اور ساتھی نہیں ہوتا۔

١٤- ﴿ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (یعنی) آخرت میں ہمیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جانا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ لوگ جب دنیا کی سواریوں پر سوار ہوتے ہیں تو یہی کلمات پڑھتے ہیں اور دنیا کی سواریوں میں سے آخری سواری کے وقت بھی یہی کلمات پڑھتے ہیں اور وہ آخری سواری

جنازہ ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں اپنا پاؤں مبارک رکھتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے' پھر جب آپ سواری پر برابر بیٹھ جاتے تو فرماتے: ''الحمد للّٰہ علٰی کل حال سبحان الذی سخرلنا ھٰذا وما کنا لہ مقرنین وانا الٰی ربنا لمنقلبون'' اور آپ تین مرتبہ ''اللّٰہ اکبر'' کہتے اور تین مرتبہ ''لا الٰہ الّا اللّٰہ'' کہتے۔

(ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۲' ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۶)

اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کشتی میں سوار ہونے لگے تو یہ کہے: ''بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○'' (ھود: ۴۱)۔

عبرت آموز واقعہ: ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنی سواریوں پر سوار ہوتے وقت پڑھا: ''سبحان الذی سخرلنا ھٰذا'' آخر تک پڑھا' اور ان میں سے ایک شخص اپنی کمزور اونٹنی پر سوار ہوا' جس سے کمزوری کے باعث چلا نہیں جا سکتا تھا اور اس نے تکبر و غرور سے کہا کہ میری سواری میرے قابو میں ہے' لہٰذا مجھے تمہاری طرح یہ دعا پڑھنے کی ضرورت نہیں' چنانچہ تکبر و غرور کا انجام یہ ہوا کہ وہی کمزور سواری کودی اور اُچھلی' جس سے وہ شخص نیچے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی' اور عقل مند کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ سیر و تفریح اور لذت و آرام طلبی کے لیے سواری نہ کرے بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لیے سواری کرے اور وہ سوار ہوتے وقت سوچے اور غور و فکر کرے کہ اس نے ایک دن لامحالہ ہلاک ہو جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹ جانا ہے کیونکہ اس کے فیصلہ سے کوئی بچ نہیں سکتا' موت کا بلاوا برحق ہے۔

۱۵- ﴿ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا حصہ اور شریک بنا لیا۔ یہ ارشاد گزشتہ ارشاد ''ولئن سالتھم'' کے ساتھ مرتبط ہے یعنی اگر آپ ان (کفار مکہ) سے آسمانوں اور زمین کے خالق و مالک کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ اقرار اور اعتراف کریں گے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس اقرار اور اعتراف کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بعض بندوں کو حصہ اور اس کا جزء قرار دے دیا یعنی عرب کے بعض کفار نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' سو انہوں نے یہ کہہ کر ان کو اللہ تعالیٰ کا جزء اور اس کا حصہ اور بعض قرار دے دیا' جیسا کہ بیٹا بیٹی والد کا جزء اور اس کا بعض اور حصہ ہوتے ہیں [ابوبکر اور حماد کی قراءت میں ''جُزُؤًا'' (جیم اور زا مضموم) ہے] ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک انسان کھلم کھلا بہت ناشکرا ہے کیونکہ وہ نعمتوں کا منکر ہے' اس کا انکار واضح ہے کیونکہ اولاد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کفر ہے اور کفر تمام ناشکری کی اصل اور بنیاد ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کرلیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کردیاO اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا اور وہ غم سے بھر جاتاO کیا وہ (اللہ تعالیٰ کی بیٹی ہوسکتی ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے' اور اسے بحث کے دوران اپنی بات واضح بیان کرنے کا طریقہ نہیں آتاO اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا' کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے' عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگیO اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیںO

اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے کی تردید

۱۶- ﴿ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کرلیں اور تمہارے لیے بیٹے منتخب کردیئے' یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں بنالیں اور ہمزہ انکار کے لیے ہے محض ان کی جہالت کا اظہار کرنے اور ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے' کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ اور کم تر مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹی) اپنے لیے پسند کی ہے اور اعلیٰ اور بڑے مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹے) ان کے لیے پسند کیے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رب رحمٰن کے لیے مثال بیان کی (یعنی) جس جنس کو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی شبیہ قرار دیا کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جزء (حصہ) اور اس کا بعض قرار دیا تو انہوں نے یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ کی جنس سے اور اس کے مماثل ومشابہ قرار دے دیا' کیونکہ اولاد اپنے والد کی جنس سے ہوا کرتی ہے ﴿ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴾ اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا اور غم وغصہ سے بھر جاتا یعنی بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس جنس کو منسوب کردیا لیکن ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب ان میں سے کسی کو کہا جاتا کہ تمہارے گھر بیٹی ہوئی ہے تو غم سے بھر جاتا اور اس کا چہرہ غضب اور افسوس سے کالا سیاہ ہوجاتا اور رنج وغم اور دُکھ سے بھر جاتا اور ''ظلول'' کا معنی ہے: ہوجانا۔

۱۸- ﴿ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴾ اور کیا اسے (خدا کی بیٹی قرار دیا جاتا ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور اسے بحث کے دوران واضح بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا یعنی کیا اولاد میں سے رحمٰن کے لیے اسے منتخب کیا جاتا ہے جس کی یہ بدترین صفت بیان کی جاتی ہے کہ اسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے یعنی جس کی پرورش وتربیت' زیب وزینت اور آرائش وسنگھار میں کی جاتی ہے اور جسے دشمن کو زیر کرنے اور مردوں سے دورانِ بحث اپنا مدعا بیان کرنا نہ آتا ہو' نہ اس کے پاس واضح طور پر بات کرنے کا سلیقہ ہو اور نہ وہ دلیل وبرہان پیش کرسکے اور یہ محض ان کی عقلوں کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض عورتیں جب بھی بات کرتی ہیں اس پر دلیل پیش کرتی ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ زیب وزینت اور آرائش وسنگھار میں پرورش پانا عیبوں میں سے ایک عیب ہے' سو اس لیے مردوں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ بناؤ سنگھار سے پرہیز کریں اور ظاہر کی بجائے اپنے باطن کو تقویٰ کے لباس سے آراستہ کریں [اور ''مَنْ'' محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا کفار مکہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے انہیں اولاد قرار دے دیا جو زیور میں پروان چڑھائی جاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بنالیں۔ حمزہ کوفی اور علی کسائی اور حضرت حفص کی قراءت میں ''یُنَشَّؤُا'' (یا مضموم' نون مفتوح اور شین مشدد کے ساتھ) ہے یعنی تربیت کی جاتی ہے' بے شک مشرکین مکہ نے اپنے اندر

تین کفر جمع کر لیے (۱) اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی (۲) انہوں نے اولاد میں سے بدترین یا کم ترین قسم (بیٹیوں) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا (۳) اور انہوں نے مکرم و معزز فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے دیا' سو انہوں نے فرشتوں کی بھی توہین کی]۔

۱۹- ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے دیا یعنی انہوں نے فرشتوں کے نام ''اناثا'' لڑکیاں رکھا اور انہوں نے کہا کہ وہ یقیناً لڑکیاں ہیں [ابن کثیر کی' نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''عند الرحمان'' ہے یعنی ظرفیت کی عندیت مراد نہیں بلکہ مرتبہ اور درجہ کے معنی میں ہے' جگہ اور مقام کے معنی میں نہیں اور ''عباد''، ''عبد'' کی جمع ہے اور یہ اہل عناد کے ساتھ حجت پیش کرنے کے لیے زیادہ لازم ہے کیونکہ عبودیت اور اولاد ہونے میں تضاد ہے] ﴿اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾ کیا وہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت حاضر اور موجود تھے اور اصل میں اس کلام کے ذریعے ان کا مذاق اڑایا گیا ہے یعنی وہ یہ بات کہتے ہیں لیکن ان کا یہ کہنا کسی قسم کے علم سے مستند نہیں' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے علم کے لیے مکلف نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو استدلال سے حاصل کیا ہے اور نہ انہوں نے کسی خبر کے ذریعے اس کا احاطہ کیا ہے' جو علم کو واجب کر دیتی اور نہ یہ لوگ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے تا کہ یہ لوگ مشاہدہ کی بناء پر ان کی خبر سناتے ﴿سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ﴾ ان کی وہ گواہی لکھ لی جائے گی جو انہوں نے فرشتوں کے بارے میں دی کہ وہ عورتیں ہیں ﴿وَيُسْـَٔلُوْنَ﴾ اور ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اور یہ وعید (دھمکی) ہے۔

۲۰- ﴿وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اگر خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی یعنی فرشتوں کی عبادت نہ کرتے۔ اس آیت مبارکہ کے ظاہر سے معتزلہ فرقہ نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر نہیں چاہتا اور وہ تو صرف ایمان چاہتا ہے کیونکہ کفار نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر چاہا اور ان سے بتوں کی عبادت کے ترک کو نہیں چاہا' اس لیے کہ انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا کہ ہم بتوں کی عبادت ترک کر دیں تو وہ ہمیں ان کی عبادت سے منع کر دیتا لیکن اس نے ہم سے بتوں کی عبادت کو چاہا تب ہی تو منع نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول اور ان کے اعتقاد کی تردید فرما دی اور فرمایا: ﴿مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ ان کو اس مقولہ کا کچھ علم نہیں ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر وہ قیاس آرائی کرتے ہیں یعنی وہ جھوٹ بولتے ہیں اور ہمارے نزدیک آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ نے مشیت سے رضا مراد لی اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہ ہوتا تو وہ ہمیں بہت جلد اور فوراً سزا دے دیتا یا پھر وہ زبردستی ان کی عبادت سے ہمیں منع کر دیتا اور ہمیں ان کی عبادت ترک کرنے پر مجبور کر دیتا اور جب اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تو وہ اس پر یقیناً راضی ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ'' کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے یا پھر کفار مکہ نے یہ بات بطور مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لیے کہہ دی' اپنے اعتقاد کے طور پر نہیں کہی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میں جھوٹا قرار دیا اور انہیں جاہل قرار دیا کہ انہوں نے اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ استہزاء کے طور پر یہ بات کہہ دی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ'' (یٰسین: ۴۷) ''کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو خود انہیں کھانا کھلا دیتا'' اور یہ بات اصل میں تو حق ہے لیکن جب کفار مکہ نے یہ بات بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کے لیے کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O'' (یٰسین: ۴۷) ''تم تو نہیں مگر کھلی گمراہی میں پڑے ہو O'' اور اسی طرح اللہ

تعالیٰ نے ارشادفرمایا: "قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" (المنافقون:۱) "منافقوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے ضرور رسول ہیں" پھر ارشادفرمایا: "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ O" (المنافقون:۱) "اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O" اس لیے کہ منافقوں نے یہ گواہی اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں دی تھی اور کفارِ مکہ نے اپنے تمام اختیار کردہ افعال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اپنے لیے حجت قرار دیا اور انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر انہیں سزا نہیں دے گا جو انہوں نے اس کی مشیت کے تحت کیا اور انہوں نے اس میں اپنے آپ کو معذور قرار دے دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کردی اور فرمایا:

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾ ع

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے' پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں O بلکہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے نقوشِ پا پر چل رہے ہیں O اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس بستی کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے قدموں کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں O اس نبی نے فرمایا: اور کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں' جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: بے شک جس دین کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھیے کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بھیانک) انجام ہوا O

۲۱- ﴿اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی (یعنی) قرآن مجید سے پہلے یا ان کے اس قول سے پہلے ﴿فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ﴾ پس وہ اسی کو تھامے ہوئے ہیں (یعنی) پکڑنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "**اشهدوا خلقهم ام اتیناهم کتابا فیه ان الملائکة اناث؟**" کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس میں لکھا ہے کہ فرشتے عورتیں ہیں۔

۲۲- ﴿بَلْ قَالُوْۤا﴾ بلکہ انہوں نے (یعنی) بلکہ ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہیں جس کے ساتھ تمسک کرسکیں نہ مشاہدہ کے اعتبار سے اور نہ عقل کے اعتبار سے اور نہ نقل کے اعتبار سے' مگر ان کا کہنا ہے کہ ﴿اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا' سو ہم نے ان کی پیروی کی ["امـة" کا معنی دین ہے اور یہ "اُمّ" سے

مشتق ہے اور ''اُمٌّ'' کا معنی قصد کرنا' پس ''امۃ'' کا معنی وہ طریقہ ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے یعنی جس کا ارادہ کیا جاتا ہے]
﴿ وَاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقوش پا پر چلتے ہیں [ظرف ''مھتدون'' کا صلہ ہے' اس کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یا یہ دونوں خبریں ہیں]۔

۲۳- ﴿ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ ﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا یعنی نبی نہیں بھیجا ﴿ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ﴾ مگر اس بستی کے سرداروں نے کہا یعنی وہاں کے خوش حال اور مال دار سرداروں نے کہا اور یہ وہ لوگ تھے جن کو نعمت و دولت نے تکبر میں مبتلا کر دیا یعنی ان کو اترا دیا' پس وہ صرف خواہشاتِ نفسانی اور کھیل کود اور کھیل تماشے کو پسند کرتے ہیں اور وہ دین کی مشقت اور اس کی تکالیف سے دور بھاگتے ہیں ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے طریقوں کی اقتداء کر رہے ہیں اور یہ کلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی و تشفی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ گمراہ باپ دادا کی تقلید پرانی بیماری ہے۔

۲۴- ﴿ قٰلَ ﴾ اس نے فرمایا [یہ ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت ہے یعنی اس ڈر سنانے والے نبی نے فرمایا۔ ان کے علاوہ کی قراءت میں ''قُلْ'' ہے یعنی ڈر سنانے والے سے کہا گیا: ''قل'' تم فرما دو کہ] ﴿ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ﴾ اور کیا اگر چہ میں اس سے زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر تمہارے پاس آ جاؤں' جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا یعنی کیا تم اپنے آباء واجداد کی پیروی کرتے رہو گے اور اگر چہ میں تمہارے باپ داد کے دین سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں ﴿ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس دین کے منکر ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے (یعنی) ہم اپنے آباء واجداد کے دین پر قائم رہیں گے اگر چہ آپ زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر آ جائیں۔

۲۵- ﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سخت سزا دی' اس لیے کہ وہ کفر و شرک پر اصرار کرنے کی بناء پر سزا کے مستحق ہو گئے تھے ﴿ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴾ سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا بھیانک ہوا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ
فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے چچا ابو اور اپنی قوم سے فرمایا: بے شک میں ان سے بیزار

ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہوO سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا' سو یقیناً وہی آئندہ بھی مجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھے گاO اور اس نے اپنی نسل میں اسے باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا تا کہ وہ رجوع کریںO بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور واضح بیان والا رسول آ گیاO اور جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ جادو ہے اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیںO اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیاO

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ حق

۲۶ - ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم سے فرمایا یعنی (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا ابو آزر اور اپنی قوم سے فرمایا: ﴿ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴾ بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو [یعنی "بـری ء" اور یہ مصدر ہے' اس میں واحد' تثنیہ اور جمع اور مذکر و مؤنث یکساں استعمال ہوتے ہیں' جیسے تم کہو: "رجـل عـدل' وامـراة عـدل' وقوم عدل" منصف مرد اور منصف عورت اور منصف قوم اور اس کا معنی ہے: "ذو عدل" انصاف کرنے والا اور "ذات عدل" انصاف کرنے والا]۔

۲۷ - ﴿ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ﴾ ماسوا اس ذاتِ اقدس کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا فرمایا: "لـكـن الـذی فطرنی" "لیکن جس ذاتِ پاک نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴾ پس بے شک عنقریب مجھے وہی منزلِ مقصود تک پہنچائے گا یعنی وہی مجھے ہدایت پر ثابت و قائم رکھے گا۔

۲۸ - ﴿ وَجَعَلَهَا ﴾ اور اس نے اسے بنا دیا (یعنی) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمۂ توحید کو جسے انہوں نے اپنی قوم سے بیان کیا تھا' اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا اور وہ ان کا یہ قول ہے: "اِنَّـنِـیْ بَـرَآءٌ مِّـمَّـا تَعْبُدُوْنَO اِلَّا الَّذِیْ فَـطَرَنِیْ" "بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہوO سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے" ﴿ كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ' سو یہ کلمہ ان میں ہمیشہ باقی رہا جو اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانتے رہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ تا کہ ان کی نسل میں سے جنہوں نے توحید کا عقیدہ اختیار کر لیا' ان کی دعوت کی وجہ سے وہ لوگ جنہوں نے ان میں سے کفر و شرک اختیار کر لیا وہ کفر و شرک سے رجوع کر لیں اور "ترجی" (امید) کا کلمہ "لَعَلَّ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا۔

آخر الزمان رسول ﷺ اور قرآن کے انکار پر کفارِ مکہ کی مذمت

۲۹ - ﴿ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ ﴾ بلکہ میں نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو دنیا کا فائدہ دیا تھا یعنی میں نے اہل مکہ اور ان کے باپ دادا کو لمبی عمریں اور ہر قسم کی نعمتیں خوب دی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے تھے' لیکن یہ لوگ اس مہلت کی وجہ سے مغرور ہو گئے اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے اور کلمۂ توحید سے منہ پھیر کر خواہشاتِ نفسانی اور شہوات کی پیروی شروع کر دی اور شیطان کے پیروکار اور اس کے اطاعت گزار بن گئے ﴿ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید ﴿ وَرَسُوْلٌ ﴾ اور رسول عربی یعنی سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ﴿ مُّبِيْنٌ ﴾ واضح رسالت کے ساتھ کیونکہ آپ کے ساتھ روشن معجزات و دلائل تھے۔

۳۰ - ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ ﴾ اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آ گیا تو ﴿ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾

انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سراسر جادو ہے اور بے شک ہم اس کے ساتھ کفر وانکار کرنے والے ہیں۔

۳۱- ﴿وَقَالُوا﴾ اور انہوں نے باطل وناحق فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ یہ قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا' اس میں قرآن مجید کی اہانت ہے ﴿عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر یعنی دو بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے بڑے آدمی پر' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُO'' (الرحمٰن:۲۲) ''ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیںO'' یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک سے' اور دو بستیوں سے مکہ مکرمہ اور طائف مراد ہیں اور مکہ معظمہ کے بڑے آدمی سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کے بڑے آدمی سے عروہ بن مسعود ثقفی مراد ہے اور عظیم (بڑے آدمی) سے ان کی مراد وہ شخص تھا جو دولت مند و مال دار اور دنیاوی مرتبہ میں اونچا ہو' اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ عظیم اور بڑا آدمی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم اور بڑا ہو۔

اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں (ہرگز نہیں! بلکہ) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے رزق کو ان کے درمیان تقسیم کر رکھا ہے اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کر دیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنا لیں' اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیںO اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک امت بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے ہیںO اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیںO اور سونے کا بھی بنا دیتے' اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگانی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا ثواب آپ کے پروردگار کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہےO

۳۲- ﴿اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ﴾ کیا آپ کے پروردگار کی رحمت یعنی نبوت کو وہی تقسیم کرتے ہیں؟ اور ہمزہ مستقل انکار کے لیے ہے جس کے ذریعہ اعتراض کرنے والے کفار کی جہالت کو ثابت کرنا اور نبوت کی صلاحیت کے حامل آدمی کے انتخاب میں ان کے فیصلے پر تعجب کا اظہار کرنا مقصود ہے اور یہاں رحمت سے نبوت مراد ہے ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ﴾ ہم نے ان کے درمیان ان کے معاش وغذا کو تقسیم کیا ہے اور وہ ان کی روزیاں اور ان کے رزق مراد ہیں ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیاوی زندگانی میں یعنی ادنیٰ اور کم تر چیز کی تقسیم ہم نے ان کے سپرد نہیں کی اور وہ رزق ہے تو بھلا نبوت کی تقسیم ان کے سپرد کیسے کی جا سکتی ہے' یا یہ معنی ہے کہ جس طرح میں نے رزق کے معاملہ میں بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت و

برتری عطا کی ہے تو اسی طرح نبوت کے ساتھ وہی مخصوص ہوگا جس کو میں چاہوں گا ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا یعنی ہم نے بعض کو طاقت ور اور غنی و دولت مند اور سردار و آقا اور حاکم و مخدوم بنا دیا اور بعض کو ضعیف و کمزور اور فقیر و محتاج اور محکوم و خادم بنا دیا ﴿لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ تاکہ ان میں سے بعض لوگ دوسرے بعض کو خدمت گار بنالیں (یعنی) بعض حضرات اپنی حاجات و ضروریات میں دوسرے بعض کو کام میں لائیں اور اپنے کاموں میں ان سے خدمات حاصل کریں اور اپنے کاروبار میں ان سے خدمت و بیگار لیں یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کے معاش کا سبب بنیں اور ایک دوسرے سے فوائد و منافع حاصل کریں' یہ اپنے مال و دولت کے ذریعے اور وہ اپنی محنت و مزدوری اور اپنے کام کے ذریعے ﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کرتے رہتے ہیں یعنی آپ کے پروردگار کی عطا کردہ نبوت و رسالت یا اللہ تعالیٰ کا دین اسلام اور جو آخرت کی کامیابی میں اس کے دین کے تابع ہے' یہ دنیا کے اس مال و دولت سے بہت بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

دنیا کی حقارت اور اس کی زیب و زینت کا کفار کے لیے ہونے کا بیان

۳۳- اور جب اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا آیت میں) دنیا کی قلت اور اس کی حقارت کو بیان کیا تو اب اس کے بعد متصل اس چیز کو بیان کیا جو اس کے نزدیک دنیا کی قلت و حقارت کو پختہ ثابت کر دے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں گے (یعنی) تمام لوگ کفر پر جمع ہو جائیں گے اور اس پر متفق ہو جائیں گے ﴿لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ﴾ تو ہم رحمٰن کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی وہ سیڑھیاں چاندی کی ضرور بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں (یعنی) اپنے نزدیک دنیا کے انتہائی حقارت و عارضی ہونے کی وجہ سے ہم یہ ضرور کر دیتے۔

۳۵'۳۴- ﴿وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ○ وَزُخْرُفًا﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت چاندی کے بنا دیتے جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں' اور ہر طرح کی زیب و زینت دے دیتے یعنی ہم کفار کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں اور دروازوں اور تختوں سب کو چاندی کا بنا دیتے اور ہم ان کو طرح طرح کی زیب و زینت دیتے یعنی ہر قسم کی زیب و زینت عطا کر دیتے اور ''زخوف'' کا معنی زیب و زینت اور سونا ہے' اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں ''سقفا من فضة وزخوف'' ہو یعنی بعض چیزیں چاندی کی ہوتیں اور بعض چیزیں سونے کی ہوتیں [''زخوفا'' کی نصب ''من فضة'' کے محل پر عطف کی وجہ سے ہے اور ''لبیوتھم'' ''لمن یکفو'' سے بدل اشتمال ہے اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور یزید کی قراءت میں سین مفتوح اور قاف ساکن کے ساتھ ''سَقْفًا'' ہے اور جنس مراد لینے پر واحد ہے اور ''المعارج'' ''معرج'' کی جمع ہے اور اس کا معنی سیڑھیاں ہے' جن کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھا جاتا ہے ''یَظْهَرُوْنَ'' کا معنی ہے: بلند اور اُبھری ظاہر چیز یعنی وہ لوگ ان سیڑھیوں کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھتے ہیں] ﴿وَإِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور یہ سب چیزیں دنیاوی زندگانی کا عارضی سامان ہے [اس میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ''لَمَّا'' بہ معنی ''اِلَّا'' ہے'' ای وما (کل ذالك) الا (متاع الحيوة الدنيا)'' یعنی وہ سب چیزیں نہیں ہیں مگر دنیا کی زندگی کا سامان' اور امام عاصم اور حمزہ کوفی کی یہی قراءت ہے جب کہ ان دونوں کے علاوہ قراء نے ''لَمَا'' بغیر تشدید مخفف پڑھا ہے' اس بناء پر کہ لام ''ان'' مخففہ اور ''ان'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور حرف ''مَا'' صلہ ہے' ای انّ کل ذالك لمتاع الحيوة الدنيا'' یعنی بے

شک یہ تمام چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے] ﴿ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ اور آپ کے پروردگار کے نزدیک آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے یعنی آخرت کا اجر وثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر وشرک سے پرہیز کرتے ہیں۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں' پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے O اور بے شک وہ ان کو راہِ راست سے روکتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں O یہاں تک کہ جب وہ (اندھا) ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا: کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی' سو تو بہت بُرا ساتھی ہے O اور آج ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تم ظلم وستم کر چکے ہو بے شک تم سب عذاب میں باہم شریک ہو O

ذکرِ الٰہی سے اعراض کے سبب شیطان کا تسلط

۳۶- ﴿ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ﴾ اور جو شخص رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے اور ''ذکر'' سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید سے اعراض کر لیتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ O'' (البقرہ:۱۸) ''بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' سو وہ نہیں لوٹیں گے O'' [اور ایک اور قراءت میں ''وَمَنْ یَّعْشَ'' بھی پڑھا گیا ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری ہو جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے اور اندھا ہو جائے تو ''عشی یعشی'' (جیسے ''رضی یرضی'' ''باب سمع یسمع'') کہا جاتا ہے اور جس شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری تو نہ ہو لیکن جب وہ دیکھے تو اندھے آدمی کی طرح دیکھے' تو پھر ''عشا یعشو'' (جیسے ''دعا یدعو'' ''باب نصر ینصر'') کہا جاتا ہے اور اب فتح (زبر) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص (غفلت کی وجہ سے) اندھا ہو جاتا ہے اور ضمہ (پیش) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص اس کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا بن جاتا ہے یعنی وہ جانتا اور پہچانتا ہے کہ یہ حق ہے اور اس کے باوجود وہ بہ تکلف متجاہل اور اَن جان بن جاتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا'' (النمل:۱۴) ''اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اس کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا''] ﴿ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴾ ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں' پس وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے: ''نسلطه علیه فهو معه فی الدنیا والاخرة یحمله علی المعاصی'' یعنی ہم شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں' سو وہ اس کا ساتھی بن کر دنیا میں اور آخرت میں اس کے ساتھ رہتا ہے' وہ اسے گناہوں پر اُبھارتا رہتا ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بے شک جو شخص ذکرِ الٰہی پر ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی نہیں بنتا۔

۳۷۔ ﴿ وَاِنَّهُمْ ﴾ اور بے شک وہ یعنی شیاطین ﴿ لَيَصُدُّوْنَهُمْ ﴾ البتہ ذکر الٰہی سے منہ پھیر کر اندھے بن جانے والوں کو روکتے ہیں ﴿ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ ہدایت کی راہ سے ﴿ وَيَحْسَبُوْنَ ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں یعنی ذکر الٰہی سے اعراض کر کے اندھے بن جانے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ﴿ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں [''مَـنْ'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر اور شیطان کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو جمع صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ ''مَنْ''، ''عـاشی'' کی جنس میں مبہم ہے اور اس پر مقرر کیا جانے والا شیطان اپنی جنس میں مبہم ہے' سو اس لیے جائز ہے کہ ان دونوں کی طرف جمع کی ضمیر لوٹائی جائے]۔

۳۸۔ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا ﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا [ابوبکر کے سوا عراقی قراء کی قراءت میں واحد کی بناء پر ''جـآء نـا'' ہے یعنی اندھا بن جانے والا جب ہمارے پاس آئے گا اور ان کے علاوہ کے نزدیک تثنیہ کی بناء پر ''جـآءنـا'' ہے] یعنی اندھا بن جانے والا اور اس کا ساتھی جب وہ دونوں ہمارے پاس آئیں گے تو ﴿ قَالَ ﴾ ذکر الٰہی سے اعراض کر کے اندھا بن جانے والا اپنے ساتھی شیطان سے کہے گا کہ ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ ﴾ اے کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ ''مشـر قین'' سے مشرق اور مغرب مراد ہیں' پھر مشرق کو مغرب پر غلبہ دے کر ''مشرقین'' کہا گیا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے ''عُمران'' اور ''قمران'' اور مغرب سے مشرق تک کا بُعد اور مشرق سے مغرب تک کا بُعد مراد ہے ﴿ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴾ ''انت'' سو تو بہت بُرا ساتھی ہے۔

۳۹۔ ﴿ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ ﴾ اور آج تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تمہارا ظلم و ستم کرنا صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا یعنی تمہارا کفر ثابت اور واضح ہو چکا ہے اور تمہارے ظالم و کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا' نہ تمہارے لیے اور نہ کسی اور کے لیے [اور ''اذ'' بدل ہے ''الیوم'' سے] ﴿ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴾ بے شک تم سب عذاب میں باہمی شریک اور حصہ دار ہو [''انـکـم'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے یعنی تمہارا عذاب میں اشتراک یا عذاب میں تمہارا مشترک ہونا تمہیں ہرگز فائدہ نہیں دے گا جیسے عموم بلویٰ سے دنیا میں دل کو تسلی مل جاتی ہے' جیسے خنسآء کا قول ہے:

ولو لا کثرۃ الباکین حولی	علٰی اخوانھم لقتلت نفسی
ولا یکون مثل اخی ولٰکن	اعزّی النفس عنه بالتاسّی

''اور اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو مار ڈالتی' اور وہ میرے بھائی کی طرح نہیں روتے لیکن میں اس سے اپنے دل کو صبر کے ذریعے تسلی دیتی ہوں''۔

لیکن رہے یہ لوگ تو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا رونے میں اشتراک نہ تو انہیں تسلی دیتا ہے اور نہ ان کو سکون پہنچاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ فاعل پوشیدہ ہے: ''ای ولـن یـنـفـعـکم هذا التمنی او الاعتذار'' یعنی تمہیں یہ آرزو یا یہ معذرت فائدہ نہیں دے گی' اس لیے تم سب عذاب میں باہمی مشترک ہو' (یعنی) عذاب کے سبب میں تم سب شریک ہو اور وہ کفر اختیار کرنا ہے اور اس کی تائید اس شخص کی قراءت کرتی ہے جس نے کسرہ (زیر) کے ساتھ ''انکم'' پڑھا ہے]۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ

مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

سو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں O سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے O یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو بے شک ہم ان پر پوری طرح قدرت رکھنے والے ہیں O سو آپ اس (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھیے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے' بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں O اور بے شک وہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بہت بڑا شرف و اعزاز ہے' اور عنقریب تم سے باز پرس ہوگی O اور آپ ہمارے ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے O

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی اور نصیحت

۴۰- ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے؟ یعنی جس نے عقل مندی اور قبولیت حق کی سماعت کو گم اور ضائع کر دیا ہے ﴿اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ﴾ یا کیا آپ اندھوں کو سیدھی راہ دکھائیں گے' یعنی جس نے حق بین دلوں کو گم کر دیا ہے ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور جو شخص کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے (یعنی) جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ گمراہی کی موت مرے گا۔

۴۱- ﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ﴾ پھر اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بے شک ہم ان سے ضرور سخت انتقام لیں گے (یعنی) اگر ہم ان پر آپ کی مدد کرنے اور مسلمانوں کے دلوں کو ان سے سکون و راحت پہنچانے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو پھر ہم ان سے آخرت میں سخت ترین انتقام لیں گے ["فاما" میں حرف "ان" پر حرف "ما" کو شرط کی تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے اور اسی طرح "نذھبن" میں نون ثقیلہ کو داخل کیا گیا ہے]۔

۴۲- ﴿اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ﴾ یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے (یعنی) آپ کو وفات دینے سے پہلے ہم آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یعنی بدر کے روز جنگ میں انہیں شکست دینے کا عذاب ﴿فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ سو ہم یقیناً ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد "افانت تسمع الصم" کے ذریعے ان کو کفر و گمراہی میں سخت مزاجی کے ساتھ موصوف کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد "فاما نذھبن لک" سے دو آیات مبارکہ میں ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۴۳- ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ سو آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیجئے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے اور اسی پر عمل کیجئے ﴿اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں اور وہ دین اسلام ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

۴۴- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿لَذِكْرٌ لَّكَ﴾ آپ کے لیے باعث شرف ہے ﴿وَلِقَوْمِكَ﴾ اور آپ کی قوم یعنی آپ کی امت کے لیے باعث شرف ہے ﴿وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ﴾ اور

عنقریب قیامت کے روز اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کا حق قائم رکھا اور تم نے اس کی تعظیم کی اور تم نے اس نعمتِ عظمیٰ پر شکرادا کیا۔

۴۵- ﴿ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے۔ رسولوں سے سوال کرنا حقیقی سوال مراد نہیں ہے بلکہ ان کے دینوں میں غور وفکر کرنا اور ان کی ملتوں میں تفتیش کرنا مراد ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان میں سے کسی دین میں اور کسی نبی کی ملت میں بتوں کی عبادت کی اجازت ہرگز نہیں ہے اور غور وفکر کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یہی کتاب قرآن مجید کافی ہے' جو سراسر معجزہ اور اپنے سے پہلی گزشتہ کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنادی ہے کہ بے شک کفارِ مکہ ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا'' (الحج:۷۱) ''اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور کوئی دلیل نازل نہیں کی'' اور یہ آیت مبارکہ بذاتِ خود کافی ہے' اس کے علاوہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے شبِ معراج تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا جہاں آپ نے ان کی امامت فرمائی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے لیکن آپ نے نہ شک کیا اور نہ ان سے پوچھا اور بعض کا قول ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ گزشتہ امتوں سے پوچھ لیں اور وہ اہل کتاب مراد ہیں یعنی تورات اور انجیل کے حاملین اور وہ انبیاء ورسل کی کتابوں سے آپ کو بتائیں گے' سو جب آپ ان سے سوال کریں گے تو گویا آپ نے خود انبیائے کرام سے سوال کیا اور اس سوال کا معنی اور مقصد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے باطل پر ہیں [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر وصل ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں ''رُسْلِنَا'' سین کے سکون کے ساتھ ہے]۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا' سو اس نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں ○ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آیا تو یک دم وہ ان پر ہنسنے لگے ○ اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنی جیسی پہلی سے بڑی ہوتی اور ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیا تاکہ وہ رجوع کرلیں ○ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! تو ہمارے لیے اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے دعا کر جو اس

نے تجھ سے عہد کیا ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کرلیں گے O پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے O

حضرت موسیٰ کی تبلیغ پر فرعون کی مخالفت کا انجام

٤٦- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو کفارِ مکہ کی کارستانیوں پر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا' سو آپ نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں۔ فرعونیوں نے ''اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا وہ محذوف (مذکور نہیں) ہے کیونکہ اس پر درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے۔

٤٧- ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری نشانیاں (معجزات) لے کر آئے اور یہ اس لیے کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ اپنے رسول ہونے کے دعویٰ کرنے پر کوئی واضح دلیل پیش کریں اور کوئی معجزہ دکھائیں ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴾ اچانک وہ لوگ ان معجزات پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑانے لگے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرنے لگے اور وہ لوگ ان معجزات کو جادو کا نام دینے لگے [اور ''اذا'' مفاجاۃ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے: اچانک' فوراً اور یک دم اور یہ ''فَلَمَّا'' کا جواب ہے کیونکہ مفاجاۃ کا فعل اس کے ساتھ مقدر ہے اور یہی فعل ''اذا'' کے محل میں نصب کا عامل ہے] گویا فرمایا گیا: پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات و دلائل لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے اسی وقت فوراً مذاق اڑانا شروع کر دیا اور غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

٤٨- ﴿وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا﴾ اور ہم انہیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنے جیسے معجزہ سے بڑھ کر ہوتا یعنی بعد والا معجزہ اپنے ساتھی اور اپنے ہم جنس پہلے معجزہ سے خلافِ عادت ہونے میں بڑھ کر واضح ہوتا تھا اور اس آیت مبارکہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ بعد والا معجزہ پہلے معجزے سے بہت بڑا ہوتا تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ تمام معجزات بڑائی کے ساتھ متصف تھے اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا اور اسی پر سب کا کلام متفق ہے' کہا جاتا ہے: ''ھما اخوان'' ان دونوں میں ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ﴿وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کرلیا اور اسی عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ O'' (الاعراف: ١٣٠) ''اور بے شک ہم نے فرعون کی قوم کو کئی سالوں کے متواتر قحطوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O'' نیز ارشاد فرمایا: ''فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ'' (الاعراف: ١٣٣) ''سو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا'' ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ کفر و شرک سے رجوع کر کے ایمان و اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

٤٩- ﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ماہر عالم کو ''ساحر'' (علم سحر کے ماہر عالم) کہا کرتے تھے کیونکہ وہ علم سحر کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور اسے عظیم ترین علم مانتے تھے [''یَاَیُّهَ السَّاحِرُ'' میں ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ھا'' مضموم الف کے بغیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الف سے پہلے واقع ہونے کی وجہ سے مفتوح تھی (یعنی ''اَیُّھَا'') پھر الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا تو اس کے ماقبل حرف کی اتباع میں

اس پر ضمہ کی حرکت دی گئی] ﴿ اُدۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ﴾ اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے ہمارے لیے دعا کیجئے جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کا تجھ سے یہ عہد کہ آپ کی دعا مستجاب یعنی قبول کر لی جائے گی یا اس کا وہ عہد جو تیرے پاس ہے اور وہ نبوت ہے یا اس کا تجھ سے یہ عہد کہ جو ہدایت قبول کر لے گا' وہ اس سے عذاب دور کر دے گا ﴿ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴾ بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے (یعنی) ہم مسلمان ہو جائیں گے۔

۵۰- ﴿ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴾ پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً پھر گئے (یعنی) وہ لوگ ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے کا عہد توڑ بیٹھے اور وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔

وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ‌ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَؕ ﴿۵۱﴾ اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ‌ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انْتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَۙ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾

اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہی میرے لیے نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہتی ہیں' تو کیا تم دیکھ نہیں رہے O بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو حقیر و کمزور ہے اور وہ بات بھی صاف نہیں کرتا O سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا اس کے ساتھ قطار در قطار فرشتے آتے O سو اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا' پس انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں سخت ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O سو ہم نے ان کو پہلے لوگوں کے لیے داستان اور پیچھے آنے والوں کے لیے کہاوت بنا دیا O

۵۱- ﴿ وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ ﴾ اور فرعون نے بذاتِ خود قبط قوم کے سرداروں کو پکارا' یا اس نے منادی کو حکم دیا اور وہ پکارا جیسے جب امیر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''قطع الامیر اللص'' امیر نے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے ﴿ فِىۡ قَوۡمِهٖ ﴾ اپنی قوم میں۔ فرعون نے اپنی قوم کو اپنی نداء کے لیے محل اور موقع قرار دیا ﴿ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ ﴾ فرعون نے کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت و بادشاہی اور یہ نہریں میری نہیں یعنی دریائے نیل کی نہریں اور اس کی بڑی بڑی نہریں چار تھیں ﴿ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ ﴾ میرے نیچے بہتی ہیں (یعنی) میرے محل کے نیچے' اور بعض نے کہا کہ اس کا یہ معنی ہے کہ میرے سامنے میرے باغ میں بہتی ہیں [اور واؤ عاطفہ ہے ''انھار'' کی ''ملك مصر'' پر عطف کے لیے اور ''تجری'' حال کی بناء پر منصوب ہے یا پھر واؤ حال کے لیے ہے اور اسم اشارہ مبتدا ہے اور ''الانھار'' اسم اشارہ کی صفت ہے اور ''تجری'' مبتدا کی خبر ہے]۔

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی تو اس نے کہا کہ میں اس ملک مصر پر اپنے کم ترین غلام کو

حکمران بناؤں گا' پھر اس نے اپنے ایک غلام خصیب کو مصر کا حکمران مقرر کر دیا اور یہ غلام ہارون الرشید کے وضوء کرانے پر مامور تھا' اور منقول ہے کہ جب عبد اللہ بن طاہر مصر کے ملک کا حاکم مقرر ہوا اور وہ مصر کی طرف روانہ ہوا اور جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا: کیا یہ وہ شہر ہے جس پر فرعون نے فخر و تکبر کیا تھا اور کہا تھا: ''اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ'' اور اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک یہ شہر میرے نزدیک بہت کم ترین ہے' اور میرے لیے لائق نہیں کہ میں اس میں داخل ہوں' چنانچہ وہ واپس چلا گیا ﴿ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴾ تو کیا تم لوگ میری قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری اور میری دولت مندی اور اس کی فقیری و غربت کو نہیں دیکھتے۔

۵۲- ﴿ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ ﴾ بلکہ میں بہتر ہوں [''اَمۡ'' منقطعہ ہے بہ معنی ''بَلۡ'' ہے اور ہمزہ تقریری ہے] گویا فرعون نے کہا کہ تمہارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے اور یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ میں بلاشبہ بہتر ہوں اور یہ میرا حال ہے ﴿ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ﴾ اس شخص سے جو کم تر ہے (یعنی) کمزور اور حقیر ہے ﴿ وَّلَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴾ اور وہ صاف بات نہیں کر سکتا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک پر ہلکی سی ثقالت اور لکنت تھی۔

۵۳- ﴿ فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ ﴾ پس (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے [''لَوۡ لَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے اور حضرت حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''اَسۡوِرَةٌ'' ہے اور یہ ''سوار'' کی جمع ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک ''اَسَاوِرَةٌ'' ہے اور یہ ''اسورة'' کی جمع ہے اور ''اساویر'' ''اسوار'' کی جمع ہے اور وہ ''سوار'' ہے اور ''اساویر'' سے ''یا'' حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں ''تا'' لگادی گئی ہے] ﴿ مِّنۡ ذَهَبٍ ﴾ سونے سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کنگن اتارنے سے مصر کے ملک کی چابیاں ان پر اتارنا مراد ہے' اس لیے کہ جب وہ لوگ کسی آدمی کو اپنا سردار بنانا چاہتے تو اس کو امتیازی حیثیت دینے کے لیے کنگن پہناتے تھے اور وہ لوگ اس آدمی کے گلے میں سونے کا ہار پہناتے تھے ﴿ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴾ یا اس کے ساتھ فرشتوں کا ایک گروہ آتا (یعنی) جو اس کے ساتھ ساتھ چلتے اور وہ فرشتے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر اس کے ساتھ رہتے تاکہ وہ آپ کی مدد کرتے اور وہ آپ کے ساتھ معاون و مددگار بن کر رہتے۔

۵۴- ﴿ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ ﴾ سو اس نے اپنی قوم کو کم عقل سمجھا (یعنی) فرعون نے اپنی پُر فریب باتوں سے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور اس نے انہیں پھسلایا اور گمراہ کر دیا اور اس کا کلام ان میں کام کر گیا اور بعض کا قول ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو اطاعت میں کم عقل و ہلکا اور بے وقوف و جاہل سمجھا کیونکہ وہ لوگ بہت جلد اس کے مطیع و فرماں بردار بن گئے ﴿ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴾ سو انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے' اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے والے لوگ تھے۔

۵۵- ﴿ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴾ پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض و غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ''اسف'' منقول ہے ''اسف اسفا'' سے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا غضب اور غصہ سخت ہو جائے اور وہ سخت غضب ناک ہو جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک انہوں نے گناہوں میں اور سرکشیوں میں بہت زیادتی کی' پھر وہ اس کے مستحق ہو گئے کہ ہم انہیں بہت جلد اپنے عذاب میں گرفتار کر لیں اور ہم انہیں بہت جلد اپنے انتقام کا نشانہ بنالیں اور یہ کہ ہم ان سے حلم و بردباری کا معاملہ ہرگز نہ کریں۔

۵۶- ﴿ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا ﴾ سو ہم نے انہیں گزری ہوئی ماضی کی داستان بنا دیا [''سلف'' ''سالف'' کی جمع ہے جیسے

''خادم'' کی ''خدم'' ہے اور قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سُلُفًا'' ہے (سین اور لام دونوں مضموم ہیں) اور ''سلیف'' کی جمع ہے یعنی گزرا ہوا گروہ] ﴿ وَّمَثَلًا ﴾ اور مثال بنا دیا اور عجیب و غریب شان کی کہاوت بنا دیا اور انہیں مثل مشہور بنا دیا جن کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ''مثلکم مثل قوم فرعون'' تمہاری مثال قوم فرعون کی مثال ہے ﴿ لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴾ پیچھے آنے والوں کے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو فرعونیوں کے بعد آئیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پس ہم نے انہیں بعد میں آنے والے کافروں کے لیے نمونہ بنا دیا کہ جو ان کی اقتداء کریں گے وہ بھی انہیں کے عذاب جیسے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان پر اس جیسا عذاب نازل ہوگا' اس لیے کہ انہوں نے بھی انہیں کے کرتوتوں جیسے کرتوت سرانجام دیئے اور ایسی مثال چھوڑی جسے بیان کیا جاتا رہے گا۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾

اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی تو فوراً آپ کی قوم کے لوگ اس پر خوش ہو کر ہنسنے لگے O اور انہوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ' انہوں نے یہ مثال صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے بیان کی' بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں O وہ تو نہیں مگر ایک خاص بندے جن پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے عجیب نمونہ بنایا O اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے فرشتے بنا دیتے تو وہ زمین میں (تمہارے) جانشین ہوتے O

کفارِ مکہ کے ایک اعتراض اور جھگڑے کا بیان

۵۷- ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ﴾ اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی (تو آپ کی قوم اس پر ہنسنے لگی)۔

شانِ نزول: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ ''اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ'' (الانبیاء:۹۸) ''بے شک تم اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو'' تو قریش مکہ سخت غضب ناک ہوئے اور عبد اللہ ابن زبعری نے (قبل از قبول اسلام) کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا یہ آیت ہمارے لیے اور ہمارے معبودوں کے لیے مخصوص ہے یا پھر تمام امتوں کے لیے عام ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمہارے لیے اور تمہارے معبودوں کے لیے اور تمام امتوں کے لیے عام ہے' تو اس نے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نبی ہیں اور آپ ان کی اور ان کی ماں کی خیر و بھلائی کے ساتھ تعریف بیان کرتے ہیں' حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ عیسائی ان دونوں کی عبادت کرتے ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام کی بھی عبادت کی جاتی ہے اور فرشتوں کی بھی عبادت کی جاتی ہے' سو اگر یہ تمام دوزخ میں جائیں گے تو پھر ہم بھی اس پر راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود ان حضرات کے ساتھ ہوں گے' چنانچہ ابن زبعری کی یہ بات سن کر تمام قریش مکہ خوش ہو گئے اور بلند آواز سے ہنسنے لگے اور قہقہے لگانے لگے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس بے ہودگی پر خاموشی اختیار فرمائی (تا کہ وحی

کے ذریعے جواب دیا جائے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں ایک تو سورۃ الانبیاء کی درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی: ”اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَO“ (الانبیاء:۱۰۱) ”بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گےO“ اور دوسری یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ابن الزبعری نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی مثال اپنے معبودوں کے لیے بیان کی اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ نصاریٰ (عیسائی) بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں تو ﴿اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ﴾ فوراً اسی وقت آپ کی قوم قریشِ مکہ اس مثال کو سن کر ہنسنے لگے اور بلند آواز سے قہقہے لگانے لگے (یعنی) ان کے خوش ہونے اور قہقہے لگانے کی وجہ سے شور وغل اور چیخ و پکار بلند ہو گئی' یہ محض مثال سننے اور رسول اکرم ﷺ کے خاموش ہو جانے اور ابن الزبعری کے جھگڑنے کی وجہ سے ہوا[نافع مدنی' ابن عامر شامی' علی کسائی اور اعشیٰ کی قراءت میں (صاد مضموم کے ساتھ باب نصر ینصر سے) ”یَصُدُّوْنَ“ ہے اور یہ ”صدود“ سے مشتق ہے یعنی وہ لوگ اس مثال کی وجہ سے حق سے دور ہونے اور اس سے روگردانی کرنے لگے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ”صدید“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: چیخ کر بلند آواز سے شور کرنا اور یہ دونوں لغتیں صحیح ہیں' جیسے ”یَعْکِفُ“ (کاف مکسور ہے) اور ”یَعْکُفُ“ (کاف مضموم) ہے]۔

۵۸- ﴿وَقَالُوْٓا ءَاٰلِھَتُنَا خَیْرٌ اَمْ ھُوَ﴾ اور انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) کہا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (حضرت عیسیٰ) ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے معبود تو حضرت عیسیٰ کے مقابلے میں آپ کے نزدیک خیر و بھلائی سے خالی ہیں' پھر حضرت عیسیٰ دوزخ کا ایندھن ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالک) تو ہمارے معبودوں کا معاملہ آسان ہو گیا ﴿مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا﴾ وہ لوگ یہ مثال آپ سے بیان نہیں کرتے مگر محض جھگڑا کرنے کے لیے اور بات چیت میں غالب آنے کے لیے' حق و باطل میں فرق اور امتیاز طلب کرنے کے لیے نہیں ﴿بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہے (یعنی) وہ بہت سخت جھگڑالو قوم ہے' ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جھگڑنا ان کی عادت میں شامل ہے اور یہ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ”اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ“ سے صرف بتوں کو مراد لیا گیا ہے کیونکہ لفظ ”ما“ غیر عقلاء کے لیے استعمال ہوتا ہے (اس لیے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ اور حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام اس آیت میں شامل نہیں ہیں) مگر ابن الزبعری نے جب اپنی فریب کاری کے ساتھ کلام اللہ میں دیکھا کہ لفظ ”ما“ عموم کا احتمال رکھتا ہے تو اس نے اس میں حیلہ سازی کے لیے گنجائش پالی حالانکہ وہ خود جانتا تھا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں' چنانچہ اس نے محض ضد اور ہٹ دھرمی اور مکابرہ و مجادلہ کے سبب لفظ ”ما“ کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی ہر معبود کے احاطہ اور شمول کی طرف پھیر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باوقار خاموشی اختیار فرمائی (اور وحی کا انتظار کرنے لگے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان

۵۹- ﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مگر دیگر بندوں کی طرح ایک بندے ہیں (نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں) ﴿اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ﴾ ہم نے نبوت عطا کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا ﴿وَجَعَلْنٰہُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) عجیب نمونہ بنا دیا (یعنی) اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے مشہور و معروف مثال کی طرح ایک عجیب عبرت بنا دیا۔

۶۰- ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے زمین میں فرشتے بنا دیتے یعنی ہم تمہارے بدلے فرشتے پیدا کر دیتے' علامہ زجاج نے اسی طرح فرمایا ہے اور انہوں نے جامع العلوم میں فرمایا:

''لجعلنا بدلکم'' ''ہم تمہارے بدلے بنا دیتے [اور یہاں حرف ''مِنْ'' بہ معنی بدل ہے] ﴿ یَخْلُفُوْنَ ﴾ وہ زمین میں تمہارے جانشین بنتے یا یہ معنی ہے کہ فرشتے ایک دوسرے کے جانشین ہوتے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اور تمام اُمور کے عجائبات پر کامل قدرت و طاقت رکھنے کی بناء پر اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے یعنی اے آدمیو! ہم تم میں سے فرشتوں کو جنم اور ولادت کے ذریعے پیدا کر دیتے جو زمین میں تمہارے اس طرح جانشین ہوتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد تمہاری جانشین ہوا کرتی ہے' جس طرح کہ ہم نے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مرد کے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک عورت سے جنم دیا تھا تا کہ تم قدرتِ کاملہ غالبہ کے ساتھ ہمارے ممتاز و منفرد ہونے کو پہچان لو اور تا کہ تم یہ جان لو کہ بے شک فرشتے اجسام ہیں اور صرف اجسام سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور ہمیشہ سے ہے' وہ توالد کے عیب سے پاک ہے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾
وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ
اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾
اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ؑ

ع ۱۱ / ۱۲

اور بے شک وہ قیامت کی علامت ہیں' سو تم اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو' یہی سیدھا راستہ ہے○ اور شیطان تمہیں روک نہ دے' بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے○ اور جب عیسیٰ روشن معجزات لے کر آ گئے تو فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تا کہ میں تم سے بعض وہ باتیں بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے○ سو کئی گروہ آپس میں مختلف ہو گئے' سو ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے○ وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور انہیں کوئی خبر نہ ہو○ اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا پرہیزگاروں کے○

۶۱- ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ اور بے شک وہ قیامت کی نشانی ہے (یعنی) اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں چیزوں میں سے ہیں جن کے ذریعے قیامت کا آنا معلوم کر لیا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''لَعَلَمٌ'' (عین اور لام پر زبر) پڑھا ہے اور اس کا معنی علامت ہے' یعنی بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

فرمانا قیامت کی علامت ونشانی ہے[1] ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ سوتم اس میں شک نہ کرو۔ یہ "مریة" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے وقوع سے پہلے آسمان سے نازل فرمائے گا' جس کا ذکر صحیح احادیث میں مذکور ہے' چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیسی عظیم شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

(۲) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم باہم مذاکرہ میں مشغول تھے' آپ نے فرمایا: تم کس کا ذکر کر رہے ہو' صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے' حضور نے فرمایا: بے شک قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھو گے: (۱) دھواں (۲) دجال کا خروج (۳) دابۃ الارض (عجیب چوپایہ جو باتیں کرے گا) (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول (۶) یاجوج وماجوج اور تین زلزلے ہوں گے جن سے زمین دھنس جائے گی (۷) ایک مشرق میں (۸) ایک مغرب میں (۹) ایک جزیرۂ عرب میں اور اس کے آخر میں (۱۰) یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ حشر میں لے جائے گی۔ (مسلم)

(۳) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس کے قصہ میں طویل حدیث ذکر کی' یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلّے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے' جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب سر اونچا کریں گے تو موتیوں کی طرح (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ الحدیث (صحیح مسلم)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل وانصاف کرنے والے ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور وہ اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا اس وقت دنیا اور دنیا کے تمام اسباب سے بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں ہے کہ تمہارا امیر کہے گا کہ آپ آگے تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے احترام کے پیش نظر فرمائیں گے کہ تمہارا امیر تمہیں میں سے ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(۶) امام بغوی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس تشریف لائیں گے اور اس وقت لوگ نمازِ عصر ادا کر رہے ہوں گے' سو امام پیچھے ہٹ جانے لگے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کر دیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نماز ادا کریں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور گرجے اور کنیسے گرا دیں گے اور جو عیسائی اسلام قبول نہیں کرے گا' اسے قتل کر دیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۵۸ تا ۳۵۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

نیز ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۹۵ تا ۹۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر الخازن ج ۴ ص ۱۱۶' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر روح البیان پارہ: ۲۵ ص ۲۴۹ تا ۲۵۱' مطبوعہ اُردو مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور' تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۷۰۳ تا ۷۱۳' بمع مرزائی سوالات کے جوابات' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

شک ہے ﴿ وَاتَّبِعُوْنِ ﴾ اور تم میری پیروی کرو [سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''اتبعونی'' پڑھا جائے گا] یعنی تم میری ہدایات اور میری شریعت کی پیروی کرو' یا میرے رسول کی اتباع کرو' یا یہ رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ قریش مکہ سے فرمائیں: تم میری پیروی کرو ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے یعنی یہ وہی ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دی جاتی ہے۔

٦٢- ﴿ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ اور شیطان تمہیں قیامت پر ایمان لانے اور میری اتباع کرنے سے روک نہ دے ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اس کی عداوت و دشمنی ظاہر و عیاں اور واضح ہے کیونکہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تھا اور ان سے نور کا لباس اتروایا تھا۔

٦٣- ﴿ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام روشن دلائل لے کر آئے یعنی واضح معجزات یا انجیل کی آیات اور دیگر شرعی احکام لے کر آئے۔ ''بیّنات'' کا معنی ہے واضحات ﴿ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ ﴾ تو انہوں نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں (یعنی) انجیل مقدس اور احکامِ شریعت ﴿ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ﴾ اور تا کہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیز بیان کر دوں جس میں تم اختلاف کرتے ہو اور وہ دین کا معاملہ ہے نہ کہ دنیا کا معاملہ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت و فرماں برداری کرو۔

٦٤- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو گیا ہے۔

٦٥- ﴿ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ﴾ پھر مختلف گروہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصرانی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور وہ یہ ہیں: (۱) یعقوبیہ (۲) نسطوریہ (۳) ملکانیہ (۴) شمعونیہ ﴿ مِنْ بَيْنِهِمْ ﴾ آپس کے درمیان (یعنی) نصاریٰ کے درمیان ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ سو ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کیں جن کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہو گئے ﴿ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴾ دردناک دن کے عذاب سے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

٦٦- ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ ﴾ وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا [''ینظرون'' کی ضمیر قومِ عیسیٰ کے لیے ہے یا پھر کفارِ مکہ کے لیے ہے] ﴿ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ﴾ کہ وہ ان پر اچانک آ جائے [یہ ''الساعة'' سے بدل ہے] یعنی وہ صرف قیامت کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور انہیں خبر نہ ہو یعنی وہ لوگ اپنے دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے غافل و بے خبر ہوں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○'' (یٰسین:۴۹) ''وہ انہیں آن پکڑے گی اور وہ اس وقت جھگڑتے ہوں گے ○''۔

٦٧- ﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے یعنی قیامت کے دن ماسوا مؤمنوں کے باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے [''الاخلّاء'' ''خلیل'' کی جمع ہے پکا سچا دوست اور ''یومئذ'' ''عدوّ'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اس روز ہر وہ دوستی ختم ہو جائے گی جو دوستوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں ذاتی مفادات کے لیے قائم تھی اور ایسی تمام دوستیاں اس روز عداوت و دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی' مگر سچے اور مخلص دوستوں کی دوستی جو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم ہوئی تھی' وہ ثابت رہے گی

اور یہ دوستی یقیناً باقی رہے گی۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۶۸﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَ
كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۶۹﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۷۳﴾

اے میرے بندو! آج تم پر نہ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے O جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ فرماں برداری کرتے رہے O تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہاری بیویاں تمہیں خوش رکھا جائے گا O ان پر (کھانے اور شراب سے بھرپور) سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کا دورہ ہوگا' اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی' اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم ان اعمال کے سبب وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے رہے تھے O اس میں تمہارے لیے بہت زیادہ پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے O

نیکوں کی جزاء اور بُروں کی سزا کا بیان

۶۸- ﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴾ اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف و ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ یہ اس کلامِ الٰہی کا بیان ہے جس کے ساتھ قیامت کے روز محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر باہمی دوستی کرنے والے پرہیزگاروں کو پکارا جائے گا [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''یَا عِبَادِیَ'' ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ''یَا عِبَادِیَ'' پڑھا جائے گا اور باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کو حذف کر کے صرف ''یَا عِبَادِ'' پڑھا جائے گا]۔

۶۹- ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا ﴾ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے (یعنی) انہوں نے ہماری آیتوں کی حقانیت کی تصدیق کی اور انہیں دل و جان سے تسلیم کیا [یہ ''عبادی'' کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہے] ﴿ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہے اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہے۔

۷۰- ﴿ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ ﴾ تم اور تمہاری بیویاں سب جنت میں داخل ہو جاؤ (یعنی) جو تمہاری بیویاں دنیا میں ایمان دار تھیں ﴿ تُحْبَرُونَ ﴾ تمہیں خوش کیا جائے گا (یعنی) تم اس قدر زیادہ مسرور اور خوش ہو جاؤ گے کہ اس کی مسرت واضح طور پر ظاہر ہو جائے گی یعنی اس کا اثر تمہارے چہروں پر عیاں اور ظاہر ہو جائے گا۔

۷۱- ﴿ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ ﴾ ان پر (کھانے کی) بڑی بڑی پلیٹوں کو گردش میں لایا جائے گا۔ ''صحاف''، ''صحیفة'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: پرات' تھال یا بڑی پلیٹ ﴿ مِنْ ذَهَبٍ ﴾ سونے کی ہوں گی ﴿ وَأَكْوَابٍ ﴾ اور جام اور گلاس یعنی سونے کے گلاسوں کو (شراب طہور سے بھر کر) گردش میں لایا جائے گا اور ''کوب'' کا معنی ہے: ایسا ڈونگا یا

گلاس جس کا پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو ﴿ وَفِيهَا ﴾ اور اس میں یعنی جنت میں ﴿ مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ ﴾ وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہیں گے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور حفص کی قراءت میں ''ھا'' کے اثبات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''ھا'' کو محذوف کر کے ''ھا'' کے بغیر ''تشتھی'' پڑھا جاتا ہے کیونکہ موصول فعل اور فاعل اور پھر مفعول کے ساتھ طویل و دراز ہو جاتا ہے] ﴿ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ﴾ اور آنکھیں لذت پائیں گی اور یہ جنتی نعمتوں کی مختلف اقسام کے لیے حصر ہے کیونکہ یہ نعمتیں یا تو ایسی ہوں گی جن کو دل چاہتے اور پسند کرتے ہوں گے یا پھر ایسی ہوں گی کہ آنکھیں انہیں دیکھ کر لذت و خوشی اور ٹھنڈک محسوس کریں گی ﴿ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

۷۲- ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں ان نیک اعمال کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے تھے [''تلك'' سے اس جنت کی طرف اشارہ ہے جس کا (آیت: ۷۰ میں) اوپر ذکر کیا گیا ہے اور یہ مبتدا ہے اور ''الجنة'' خبر ہے اور ''الّتی اورثتموھا'' صفت ہے ''الجنة'' کی یا پھر ''الجنة'' مبتدا کی صفت ہے اور یہ مبتدا وہی اسم اشارہ ''تلك'' ہے اور ''الّتی اورثتموھا'' مبتدا کی خبر ہے یا پھر یہ بھی صفت ہے اور ''بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' خبر ہے اور حرف ''با'' محذوف کے متعلق ہے یعنی ''حاصلة'' یا ''کائنة'' جیسا کہ ان ظروف میں ہوتا ہے جو خبریں ہوا کرتی ہیں اور البتہ پہلی وجہ میں ''اورثتموھا'' کے متعلق ہو گی] اور اس آیت میں جنت کو جنتیوں کے لیے باقی رہنے میں میراث کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جو ورثاء کے پاس باقی رہتی ہے۔

۷۳- ﴿ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴾ تمہارے لیے اس (جنت) میں بہت زیادہ پھل ہوں گے' جن میں سے تم کھاتے رہو گے [''منھا'' میں حرف ''من'' تبعیض (بعض کے معنی) کے لیے ہے] یعنی تم ان پھلوں میں سے بعض اور کچھ کھاؤ گے اور کھانے کے بعد پیچھے بچ جانے والے پھل درختوں پر صحیح سلامت باقی رہیں گے اور وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے آراستہ رہیں گے اور حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ جنتی آدمی جنت میں جس جگہ سے پھل توڑ کر کھائے گا تو اس جگہ قدرت خدا سے اس کی مثل اور پھل اُگ آئے گا۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

بے شک مجرم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے ○ وہ ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید رہیں گے ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ظالم تھے ○ وہ پکاریں گے: اے مالک! (دوزخ کے نگران فرشتے!) چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت وارد کر دے' وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ ٹھہرنے والے ہو ○ بے شک ہم تمہارے پاس حق

لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے تھے O کیا انہوں نے کوئی پکا فیصلہ کرلیا ہے' سو بے شک ہم مضبوط فیصلہ کرنے والے ہیں O کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (بلکہ ہم سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں O

۷۴- ﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴾ بے شک مجرم و گناہ گار لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے [''خالدون'' ایک خبر'' فی عذاب جهنم'' کے بعد دوسری خبر ہے]۔

۷۵- ﴿ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ ﴾ ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا یعنی ان مجرموں کا عذاب نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا [یہ اور خبر ہے] ﴿ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴾ اور وہ اس عذاب میں نجات سے مایوس و ناامید اور حیران و پریشان رہیں گے۔

۷۶- ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود (گناہوں اور نافرمانیوں اور کفر و شرک کے سبب) ظالم تھے [''هم'' مبتدا ہے اور خبر کے درمیان فاصلہ کے لیے آئی ہے]۔

۷۷- ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ ﴾ اور کفار (دوزخ میں) پکاریں گے: اے مالک (یعنی) جب کفار عذاب کے کم ہونے اور اس کے وقفے سے مایوس اور ناامید ہو جائیں گے تو پکار کر کہیں گے: اے مالک' اور یہ مالک دوزخ کا نگران فرشتہ ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ''يَا مَالِ'' (کاف کو گرا کر) پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اہل دوزخ کو ترخیم (نام سے آخری حرف کو گرانے جیسے ''مَالِكُ'' کو ''مَالِ'' پڑھنے) سے کس نے غافل کر دیا ﴿ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ﴾ چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت کا فیصلہ کر دے (یعنی) ہمیں موت دے دے' یہ ''قضى عليه'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی پر موت طاری کر دے یعنی مار دے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ'' (القصص:۱۵) ''سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو مکا مارا تو اس پر موت واقع ہوگئی'' اور معنی یہ ہے کہ اے مالک! تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ ہم پر موت طاری کر دے ﴿ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴾ وہ فرشتہ جواب میں کہے گا: بے شک تم ہمیشہ عذاب میں ٹھہرے رہو گے اور تم اس عذاب سے نہ تو موت کے ذریعے نجات حاصل کر سکتے ہو اور نہ عذاب کے کم اور ہلکا ہونے سے چھٹکارا پا سکتے ہو۔

۷۸- ﴿ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک ہم تمہارے پاس حق لائے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور واجب و ضروری ہے کہ ''قَالَ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو (یعنی) جب کفار نے مالک فرشتے سے سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر موت واقع کر دے تاکہ ان کی عذاب سے جان چھوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خود ان کو یہ جواب دیا کہ ہم تو تمہارے پاس حق لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے اسے ناپسند کر کے کفر اختیار کر لیا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ کلام مالک کے کلام سے متصل ہے (اس لیے ''قال'' کی ضمیر مالک کی طرف لوٹتی ہے) اور ''جئنا کم'' سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتوں نے کہا: ہم تمہارے پاس حق لائے تھے کیونکہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کے قاصد ہوتے ہیں اور مالک بھی انہی میں سے ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴾ اور لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے حق کو ناپسند کیا اور تم نے اسے قبول نہ کیا اور تم نے اس سے نفرت کی' کیونکہ باطل کے ساتھ رغبت و کشش ہوتی ہے اور حق کے ساتھ مشقت اٹھانا اور محنت کرنا ہوتی ہے۔

۷۹- ﴿ اَمْ اَبْرَمُوْا ﴾ کیا انہوں نے کوئی پکا ارادہ کر لیا ہے (یعنی) کیا مشرکین مکہ نے پختہ اور مضبوط فیصلہ کر لیا ہے ﴿ اَمْرًا ﴾ (سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ کے ساتھ مکر و فریب کرنے اور ان کے خلاف سازش کرنے کا ﴿ فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴾ سو

بے شک ہم نے ان کے خلاف اپنی خفیہ تدبیر اور اپنے مخفی منصوبے کا پختہ اور مضبوط ارادہ کرلیا ہے جیسا کہ انہوں نے ہمارے محبوب کے خلاف اپنی سازش کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔

شانِ نزول: کفارِ مکہ دارالندوہ (میٹنگ روم) میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک دوسرے سے مشورے کرتے اور سرگوشیاں کرتے اور آپ کے خلاف سازش تیار کرتے تھے' جس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ

۸۰- ﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ﴾ کیا کفارِ مکہ یہ خیال اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ یعنی ان کی دلوں کی باتوں کو نہیں جانتے ﴿وَنَجْوَاهُمْ﴾ اور ان کی وہ باتیں جو وہ دوسروں سے چھپ چھپا کر آپس میں بطور مشورہ کرتے ہیں ان کو ہم نہیں جانتے ﴿بَلَىٰ﴾ کیوں نہیں! بلکہ ہم ان کی تمام باتوں کو خوب سنتے ہیں اور ہم ان کی تمام باتوں کو خوب جانتے ہیں ﴿وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ﴾ اور ہمارے محافظ فرشتے جو ان کے پاس ہوتے ہیں وہ یہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں' حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں سے اپنے گناہوں کو تو چھپایا لیکن اس نے اس ذاتِ پاک کے سامنے انہیں ظاہر کیا جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تو اس شخص نے یقیناً اسے تمام دیکھنے والوں سے ہلکا اور کمزور قرار دیا اور یہ عمل نفاق کی علامات میں سے ہے۔

قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا' تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتاO آسمانوں اور زمین کا مالک عرش کا مالک ان تمام باتوں سے پاک ہے جو لوگ بیان کرتے ہیںO سو آپ انہیں چھوڑ دیں وہ بے ہودہ باتیں کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہےO اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے' اور وہ سب سے بڑا حکمت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہےO اور بڑا برکت والا ہے وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی ہے اور قیامت کا علم اسی کے پاس ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO

اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی اور تقدس وقدرت کا ثبوت اور کفار کی مذمت

۸۱- ﴿قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: اگر (بفرضِ محال) رحمٰن کے لیے بیٹا ہوتا اور یہ پختہ دلیل سے صحیح ثابت ہو جاتا ﴿فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾ تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا (یعنی) سب سے پہلے میں اس بیٹے کی تعظیم بجالاتا اور تم سب سے پہلے میں اس کی عبادت واطاعت اور فرماں برداری اختیار کر لیتا جیسا کہ باپ کی

تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کے بیٹے کی لوگ تعظیم کرتے ہیں اور یہ کلام صرف بطور فرض وارد ہوا ہے اور اس سے اولاد کی نفی کرنا مراد ہے اور یہ اس لیے کہ عبادت کو بیٹے کے ہونے کے ساتھ معلق ومقید کیا گیا ہے اور وہ بذاتِ خود محال ہے تو جو اس کے ساتھ معلق ہوگا' وہ بھی اسی کی طرح محال ہوگا اور اس کی نظیر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے حجاج بن یوسف ثقفی سے فرمایا تھا' چنانچہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تجھے دنیا کے بدلے آگ میں جلادوں گا' جس میں تو جل کر خاکستر ہو جائے گا' حضرت سعید نے جواب میں فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تیرے سوا کسی معبود کی عبادت نہ کرتا۔

اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں توحید کا اعلان کرنے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت والے تمہارے قول کی سب سے پہلے میں تکذیب کرنے والا ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں اس کے لیے اولاد ہونے کا انکار کرنے والا ہوں [''عـابدین''، ''عَبِدَ یَعْبَدُ'' (باب سمع یسمع) سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: سخت غضب ناک ہو کر نفرت وانکار کرنا اور ''عَبِدٌ'' اور ''عابد'' آتا ہے اور ایک قراءت میں ''العبدین'' بغیر الف کے پڑھا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی رحمٰن کے لیے کوئی بیٹا نہیں ہے' سو سب سے پہلے میں یہ کہنے والا ہوں اور سب سے پہلے میں اس کو واحد لاشریک ماننے والا ہوں]۔

شانِ نزول: اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نضر بن حارث نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جس کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور نضر کہنے لگا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ قرآن نے میری تصدیق کر دی ہے' ولید نے اس سے کہا کہ تیری تصدیق نہیں کی گئی بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں اور میں اہل مکہ میں سے سب سے پہلا موحد ہوں' اور یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ اس کی اولاد نہیں ہے [اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''وُلْـدٌ'' (واؤ مضموم لام ساکن) ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو اپنے لیے اولاد بنانے سے پاک ومنزہ اور مبرا بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸۲- ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴾ آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک ان تمام عیبوں سے پاک ہے جو یہ مشرکینِ مکہ بیان کرتے ہیں یعنی وہی (اللہ تعالیٰ) تمام آسمانوں اور زمین اور عرش کا مالک ہے' سو وہ جسم نہیں کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا اور جب وہ جسم نہیں ہے تو اس کے لیے اولاد بھی نہیں ہے کیونکہ توالد (اولاد کا ہونا) اجسام کی صفت ہے۔

۸۳- ﴿ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا ﴾ سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ باطل اور بے ہودہ کاموں میں مشغول رہیں ﴿ وَیَلْعَبُوْا ﴾ اور وہ دنیا کے معاملات میں کھیلیں ﴿ حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ جہالت و نادانی اور لہو ولعب اور باطل و بے ہودہ نظریات کی وجہ سے کہتے ہیں۔

۸۴- ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمان میں بھی معبودِ برحق ہے اور زمین میں بھی معبودِ برحق ہے [اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک وصف کے معنی پر مشتمل ہے' سو اس لیے ارشادِ باری تعالیٰ ''فی السماء''

اور ''فی الارض'' میں ظرف اس کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جیسے تم کہو: ''ھو حاتم فی طیّ وحاتم فی تغلب'' اس بناء پر کہ حاتم جواد کے معنی پر مشتمل ہے جس کے ساتھ وہ مشہور ومعروف ہو چکا ہے گویا تم نے کہا: ''ھو جواد فی طیّ وجواد فی تغلب'' اور ''وھو الذی فی السمآء اللّٰہ وفی الارض اللّٰہ'' بھی پڑھا گیا ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ''وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ'' (الانعام: ۳) ''اور وہی اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے'' گویا یہ اسم مبارک (یعنی اللہ تعالیٰ) معبود کے معنی کو متضمن ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تا کہ کلام طویل نہ ہو جائے جیسا کہ عرب کا قول ہے: ''ما انا بالذی قائل لك شیئا'' اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''(ھو الذی) ھو (فی السمآء اللہ)'' اور ''اللہ'' ابتداء کی بناء پر مرفوع نہیں ہے اور ''فی السمآء'' خبر ہے کیونکہ اس وقت صلہ ایسی لوٹنے والی ضمیر سے خالی ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ اپنے تمام اقوال اور اپنے تمام افعال میں بڑا حکمت والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ان تمام کو خوب جانتا ہے۔

۸۵ - ﴿وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اور وہ بہت بڑا برکت والا ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب پر بادشاہی ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم یعنی قیامت کے قائم ہونے اور واقع ہونے کا علم ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابن کثیر مکی حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''یُرْجَعُوْنَ'' (''یا'' کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے]۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر وہ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور وہ جانتے ہوں ○ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا)' پھر وہ کیسے بہکائے جاتے ہیں ○ اور اس کے اس قول کی قسم کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ○ سو ان سے درگزر کیجئے اور فرما دیجئے کہ بس سلام ہو' عنقریب وہ جان لیں گے ○

۸۶ - ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ﴾ اور وہ لوگ اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے یعنی کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' وہ ان کی شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ انہوں نے ان کے بارے میں گمان کر رکھا ہے کہ ان کے بت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ مگر جو حق کی گواہی دیں یعنی لیکن جو کلمۂ توحید کی گواہی دیتے ہیں ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کا حقیقی اور سچا مالک و پروردگار ہے اور وہ اس پر یقین رکھتے ہیں' یہ ہیں وہ جو شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں [اور یہ استثناء منقطع ہے یا پھر متصل ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں فرشتے بھی داخل ہیں]۔

۸۷ - ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے سوال کریں یعنی اگر آپ مشرکین سے یہ پوچھیں کہ ﴿مَنْ

خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) نہ انہیں بتوں نے پیدا کیا اور نہ فرشتوں نے ﴿ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ تو وہ کہاں پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ اس اقرار کے باوجود کیسے اور کیونکر توحید سے روگردانی کرتے ہیں۔

۸۸- ﴿ وَقِيْلِهٖ ﴾ [امام عاصم اور حمزہ کوفی کی قراءت میں جر کے ساتھ (لام کے نیچے زیر) پڑھا گیا ہے] یعنی اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے قیامت کا علم اور اس کے محبوب کے اس کہنے کا علم کہ ﴿ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے [اور "قیلہ" میں "ھا" ضمیر (سرورِ کائنات مفخرِ موجودات حضرت سیّدنا) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان کا ذکر مبارک اس آیت کریمہ "قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ O" (الزخرف:۸۱) میں پہلے گزر چکا ہے اور باقیوں کے نزدیک "الساعۃ" کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر "وقیلہ" منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی جانتا ہے اور اپنے محبوب کے قول کو بھی جانتا ہے یعنی سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے "یا رب" کہنے کو بھی جانتا ہے اور "القیل" اور "القول" اور "القال" اور "المقال" سب ایک ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ "وقیلہ" کی جر اور نصب حرفِ قسم کے مضمر اور محذوف ہونے کی بناء پر ہو اور قسم کا جواب "اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ" ہے] گویا فرمایا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اس کہنے کی قسم فرمائی کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب کے کہنے کی قسم فرمانا اپنے محبوب کے قول کی رفعت و بلندی اور ان کی دعا کی تعظیم و توقیر اور اس سے التجاء کرنے کے اظہار کے لیے ہے۔

۸۹- ﴿ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے ایمان سے ناامید ہو کر ان کو دعوتِ حق دینے سے اعراض فرما لیجئے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان کو ترک کر دیجئے ﴿ وَقُلْ سَلٰمٌ ﴾ اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ سلام یعنی میں تم سے سلامتی کا طالب ہوں اور تم سے متارکت و بے زاری چاہتا ہوں ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ سو عنقریب وہ جان جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے اور اپنے محترم و مکرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی و تشفی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تعلمون" ہے]۔

سورۃ الدخان مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O	آیاتہا ۵۹ رکوعاتہا ۳

سورۃ الدخان مکی ہے　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O　اس کی انسٹھ آیات' تین رکوع ہیں

حٰمٓ ۞ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾

مع　وقف لازم

حٰمٓO اس روشن کتاب کی قسمO بے شک ہم نے اسے بڑی برکت والی رات میں نازل کیا بے شک ہم ڈرسنانے والے ہیںO اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہےO ہر حکم ہماری طرف سے صادر ہوتا ہے' بے شک ہم بھیجنے والے ہیںO آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت' بے شک وہی سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہےO وہ مالک ہے تمام آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہوO کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہی' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہےO بلکہ وہ تو شک وشبہہ میں پڑے کھیل رہے ہیںO

نزولِ قرآن اور شب براءت کی برکت وفضیلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الدخان مکی ہے اور اس کی انسٹھ (۵۹) آیات ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو جمعۃ المبارک کی رات پڑھے گا' وہ جب صبح اٹھے گا تو بخشا ہوا ہوگا۔

۱ تا ۳- ﴿حٰمٓO وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ واضح اور روشن کتاب کی قسم یعنی قرآن مجید کی قسم [اور ''و الکتاب'' میں واؤ قسمیہ ہے اگر ''حٰمٓ'' کو حروف کے لیے تعدید یا سورت کا نام اور مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور یہ واؤ عطف کی ہوگی' اگر ''حٰمٓ'' کو مقسم بہا قرار دیا جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل) آیت کو قرار دیا جائے] یعنی ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ بے شک ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل فرمایا ہے یعنی شب قدر یا شعبان کی نصف (پندرھویں) رات مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شب قدر اور نصف شعبان کے درمیان چالیس راتوں کا فاصلہ ہے[1] اور جمہور علمائے اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ ''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ

[1] واضح رہے کہ شب قدر کی برکت وفضیلت ان شاء العزیز سورۃ القدر میں بیان کی جائے گی اور یہاں صرف شب برات (پندرھویں شعبان) کی برکت وفضیلت بیان کی جاتی ہے' چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اذ کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا'' جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو تم اس رات کو عبادت کرو اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں سورج کے غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے' پھر ارشاد ہوتا ہے: سن لو! کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا' سو میں اسے بخش دوں' سنو! کوئی ہے رزق طلب کرنے والا' سو میں اسے رزق عطا کردوں' سنو! کوئی ہے مصیبت زدہ' سو میں اسے عافیت عطا کروں' خبردار! کوئی ہے اس طرح' خبردار! کوئی ہے اس طرح یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۸' شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث: ۳۸۳۶)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا' چنانچہ میں آپ کو تلاش کرنے کے لیے باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع کے قبرستان میں اپنے سر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں' سو آپ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: کیا تمہیں یہ خوف تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں لیکن میں نے یہ خیال کیا تھا کہ آپ شاید اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ عزّوجل شعبان کی پندرھویں رات آسمانِ دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت وبخشش فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' ابن ابی شیبہ' بیہقی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَيْلَةِ الْقَدْرِO'' (القدر:۱) ''بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کرنا شروع کیاO'' اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ'' (البقرہ:۱۸۵) ''رمضان المبارک کا مہینہ وہی ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے'' اور اکثر اقوال کے مطابق شب قدر ماہِ رمضان میں آتی ہے' پھر مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پورا قرآن مجید بہ یک وقت لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف (بیت العزۃ میں) نازل فرمایا' پھر بعد ازاں حضرت جبریل علیہ السلام ضرورت و حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے (تقریباً تئیس سال کے عرصہ میں) نازل کرتے رہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز شبِ قدر میں ہوا تھا اور مبارکہ کا مطلب ہے: بہت زیادہ خیر و برکت کیونکہ اس رات میں بہت زیادہ خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اگر اس رات میں قرآن مجید کے نزول کے ماسوا اور کچھ بھی نہ پایا جاتا تو اکیلا قرآن کا نزول ہی اس رات کی خیر و برکت کے لیے کافی تھا ﴿اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ بے شک ہم (اس قرآن کے ذریعے) ڈر سنانے والے ہیں۔

۴۔ ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے [اور یہ دونوں جملے ''اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ'' اور ''فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ'' الگ مستقل جملے ہیں' لف و نشر کے طور پر بیان کیے گئے ہیں' ان دونوں کی تفسیر و توضیح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف (پندرھویں) رات میں اپنے تمام بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے اور ماسوا دو آدمیوں کے تمام کو بخش دیتا ہے' ایک بغض و کینہ رکھنے والا آدمی اور دوسرا قاتل آدمی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

(۴) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے' اس میں ایک سال میں ہونے والے معاملات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس سال مرنے والے زندوں کے نام مُردوں میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور حج کرنے والوں کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں' پھر اس میں نہ کوئی زیادتی ہوتی ہے اور نہ کوئی کمی ہوتی ہے۔

(۵) حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس رات میں ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مرنے والے لوگوں کی زندگیوں کی مدت منقطع کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مُردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نصف شعبان کی رات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال جس جس بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے' ملک الموت کو اس رات ان کی روحیں قبض کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

(۷) بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا کہ لوحِ محفوظ سے ہر حکمت والے کام کے نقل کا آغاز شب براءت میں ہوتا ہے اور اس سے فراغت شب قدر میں ہوتی ہے' پھر رزقوں کا تحریر نامہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جنگوں کا تحریر نامہ اور اسی طرح زلزلوں اور بجلیوں کے گرانے اور زمین میں دھنسانے کا تحریر نامہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اعمال کا تحریر نامہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آسمانِ دنیا کے فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا فرشتہ ہے اور مصائب کا تحریر نامہ ملک الموت کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں تمام معاملات کے فیصلے فرما دیتا ہے' پھر ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (شب قدر) میں ان فیصلوں کو ان کے متعلقہ اصحاب کے سپرد کر دیتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۱۱۱۔ ۱۱۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

جواب قسم کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک اس کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ڈرانا یعنی عذاب سے ڈرانا ہماری شان سے ہے اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو اس مخصوص رات میں نازل کیا ہے کیونکہ قرآن مجید کو نازل کرنا حکمت والے اُمور میں سے ہے اور اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے اور ''یُفْرَقُ'' کا معنی ہے: بانٹا جاتا ہے اور الگ الگ کیا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور ''کُلُّ اَمْرٍ'' سے بندوں کے رزق اور ان کی زندگیوں کی مدتیں اور ان کے دیگر تمام اُمور مراد ہیں' وہ سب اُمور اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور ''حَکِیْم'' سے حکمت والا کام مراد ہے [یعنی مفعول ہے جیسا کہ حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے اور یہ مجازی اسناد ہے کیونکہ ''حکیم'' اصل میں صاحب امر کی صفت ہے اور امر کو اس کے ساتھ بطور مجاز موصوف کیا گیا ہے]۔

۵۔ ﴿ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ ہر حکمت والا کام' ہماری طرف سے اور ہمارے حکم سے جاری ہوتا ہے [اور ''امرًا'' کا منصوب ہونا اختصاص کی بناء پر ہے] گویا ہر امر کو بہت بڑا حصہ قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ اس کو ''حکیم'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' پھر اس کی عظمت و اہمیت میں اضافہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ ہر حکمت والا کام ہماری طرف سے حاصل ہونے والے حکم سے جاری ہوتا ہے جیسا ہمارا علم اور ہمارا منصوبہ اس کا تقاضا کرتا ہے ﴿ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴾ بے شک ہم (اے محبوب! آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کو بھیجنے والے ہیں) [یہ سابق ''اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ O'' (الدخان: ۳) سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۶۔ ﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت [یہ مفعول لہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ہماری شان اور ہماری عادت کریمہ یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کی طرف رسولوں کو کتابوں کے ساتھ بھیجتے ہیں' اس کی وجہ اور سبب محض ان پر رحمت و مہربانی ہے یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ''اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا'' کی علت ہے اور ''رَحْمَةً'' مفعول بہ ہے اور رحمت کو ارسال (بھیجنے) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد میں رحمت کو ارسال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا: ''وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ'' (الفاطر: ۲)'' اور جب اللہ تعالیٰ رحمت کو روک دے تو اس کے بعد اسے کوئی بھیجنے والا نہیں' اور اصل میں ''اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنَّا'' ہے یعنی بے شک ہم اپنی طرف سے رحمت بھیجنے والے ہیں' پھر اسم ظاہر ''مِنْ رَّبِّكَ'' کو ضمیر ''مِنَّا'' کی جگہ رکھ دیا گیا ہے' یہ محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ ربوبیت پلنے والوں پر رحمت کرنے کا تقاضا کرتی ہے] ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے تمام اقوال کو خوب سننے والا ہے ﴿ الْعَلِيْمُ ﴾ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

۷۔ ﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴾ آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا مالک ہے اگر تم یقین رکھتے ہو [''رَبِّ'' اہل کوفہ کے نزدیک ''مِنْ رَّبِّكَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک (مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر) مرفوع ہے یعنی اصل میں ''ھو رب السموت والارض الخ'' ہے] اور شرط ''ان کنتم موقنین'' کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق رب تعالیٰ ہے' پس ان سے کہا گیا کہ بے شک رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا رب تعالیٰ کی طرف سے سراسر رحمت و مہربانی ہے' پھر کہا گیا: بے شک یہ رب تعالیٰ وہی ہے جو سب کے اقوال کو خوب سننے اور ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے' جس کا تم اقرار کرتے ہو اور تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' کا مالک ہے اگر تمہارا اقرار و اعتراف علم و یقین پر مبنی ہے' جیسے تم کہو کہ بے شک یہ زید کا وہ انعام ہے جسے تم محض

اس کے فضل وکرم کی بناء پر لوگوں سے سن رہے ہو اگر تمہیں اس کی خبر پہنچ چکی ہے اور اس کا قصہ تم سے بیان کیا جا چکا ہے۔

۸- ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے ﴿رَبُّكُمْ﴾ ''اَیْ هُوَ رَبُّكُمْ'' یعنی وہی تمہارا مالک وخالق اور تمہارا پروردگار ہے ﴿وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے [اور یہ ''رَبُّكُمْ'' پر معطوف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق ومالک اور معبودِ برحق ہونے کا یقین ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۹- ﴿بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ﴾ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں اور بے شک ان کا اقرار علم اور یقین کی بناء پر نہیں ہے بلکہ ان کا قول واقرار تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے اور کھیل تماشے سے مخلوط وآلودہ ہے۔

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغْشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰی لَهُمُ الذِّكْرٰی وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰی ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

وقف لازم وقف لازم

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا O وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ دردناک عذاب ہو گا O اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O ان کے لیے نصیحت ماننا کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے O پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی اور انہوں نے کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے O بے شک ہم تھوڑی مدت کے لیے اس عذاب کو دور کر دیں گے' پھر تم پلٹ جاؤ گے O جس دن ہم سب سے بڑی سخت گرفت میں پکڑیں گے' بے شک ہم ضرور بدلہ لیں گے O

مشرکین مکہ کا عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کرنا

۱۰- ﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان دھواں لائے گا یعنی قیامت کے دن سے پہلے آسمان سے ایک دھواں برآمد ہو گا جو کفار کے کانوں میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص کا سر اس طرح ہو جائے گا جس طرح آگ میں بھونا ہوا سر ہوتا ہے اور وہ دھواں مسلمان پر اس طرح طاری ہو گا جس طرح زکام ہو جاتا ہے اور اس روز تمام زمین جل کر راکھ ہو جانے والے گھر کی طرح ویران ہو جائے گی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قریش مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور ایمان لانے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: اے اللہ! قبیلہ مضر پر سخت قحط سالی کے ذریعے ان کی سخت گرفت فرما اور انہیں سخت قحط سالی میں اس طرح مبتلا فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں (سات سال مسلسل) قحط سالی پڑی تھی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قحط سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا' یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور اونٹوں کے گوبر میں خون ملا کر آگ پر پکا کر کھانا شروع کر دیا تھا اور ہر آدمی کو بھوک کی وجہ سے آسمان وزمین کے درمیان دھواں نظر آتا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وقت ایک دوسرے کا کلام تو سنتے تھے

مگر دھویں کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے ﴿مُّبِيْنٍ﴾ وہ دھواں بالکل کھلم کھلا عیاں نظر آئے گا' اس کا حال بالکل ظاہر ہوگا اور اس کے دھواں ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوگا۔

۱۱- ﴿يَّغْشَى النَّاسَ﴾ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا (یعنی) وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور لباس کی طرح ہر طرف سے ان کا احاطہ کرلے گا ﴿هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یہ تو دردناک عذاب ہے [''یغشی الناس'' محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''دخان'' کی صفت ہے اور ''هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' فعل مضمر کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور وہ فعل ''یَقُوْلُوْنَ'' ہے اور خود ''یَقُوْلُوْنَ'' حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے ''ای قَائِلِیْنَ ذَالِكَ'' یعنی وہ لوگ دھویں کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بڑا دردناک عذاب ہے' نیز وہ یہ کہیں گے کہ]

۱۲- ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب دور کر دیجئے بے شک ہم ضرور ایمان لے آئیں گے یعنی اگر تو ہم سے عذاب کم کر دے گا تو عنقریب ہم ضرور ایمان قبول کرلیں گے۔

۱۳- ﴿اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى﴾ ان کے لیے نصیحت کہاں (یعنی) وہ لوگ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ لوگ عذاب کے کھل جانے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ کیسے پورا کر سکتے ہیں ﴿وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾ حالانکہ ان کے پاس تو واضح اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے۔

۱٤- ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ﴾ پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روگردانی کی اور انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے یعنی بے شک نصیحت کے وجوب میں دھواں کھلنے سے بہت بڑھ کر اور زیادہ مؤثر دلائل ان کے پاس آ چکے ہیں اور یہ وہ معجزات اور قرآنی آیات وغیرہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو عطا کیے گئے لیکن ان لوگوں نے ان سے نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ قبیلہ ثقیف کا ایک عجمی غلام جس کا نام عداس ہے' وہ آپ کو سب کچھ سکھاتا ہے اور انہوں نے آپ کو مجنون اور دیوانہ قرار دیا۔

۱۵- ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا﴾ بے شک ہم اس عذاب کو تھوڑے عرصے کے لیے یا تھوڑا سا کھول دیں گے ﴿اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ بے شک تم دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس میں تم پہلے سے مبتلا تھے یا تم پھر عذاب کی طرف پلٹ جانے والے ہو۔

۱٦- ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ جس دن ہم بہت بڑی گرفت میں انہیں گرفتار کریں گے' یہ قیامت کے دن ہو گا یا پھر غزوۂ بدر کے دن ہوگا ﴿اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ بے شک ہم ضرور انتقام لے کر رہیں گے یعنی ہم اس دن ان سے ضرور انتقام اور بدلہ لیں گے [''یَوْمَ نَبْطِشُ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی طرف سے منصوب ہے یا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ''اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ'' دلالت کرتا ہے اور وہ ''نَنْتَقِمُ'' ہے' منتقمون '' نہیں کیونکہ '' اِنَّ '' کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا]۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ

فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا O کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو' بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں O اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو O اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ O سو اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک یہ لوگ مجرم و گناہ گار قوم ہیں O

حضرت موسیٰ کی آمد اور فرعونیوں کی آزمائش

۱۷ - ﴿وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ﴾ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا یعنی ان مشرکین مکہ سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا یعنی ہم نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا تھا جس طرح آزمانے کے لیے ممتحن معاملہ کرتا ہے تاکہ ان کے باطن میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہو جائے ﴿وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ﴾ اور ان کے پاس ایک ایسا رسول تشریف لایا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اس کے ایمان دار بندوں کے ہاں بڑا معزز و محترم ہے یا وہ بذات خود حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے مکرم و برگزیدہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنا کر بھیجا وہ اپنی قوم میں حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور برگزیدہ ہوتا تھا۔

۱۸ - ﴿اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو [یہ "اَنۡ" مفسرہ ہے] کیونکہ ان لوگوں کی طرف رسول کی آمد جن کی طرف اسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' قول کے معنی کو متضمن ہے اس لیے کہ رسول ان کو خوش خبری دینے اور ڈرسنانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا بن کر آتا ہے یا پھر یہ ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے: اور وہ ان کے پاس اس شان اور اس فرمان کے ساتھ تشریف لایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو' اور اس صورت میں "عباد اللّٰه" مفعول بہ ہوگا اور اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں' گویا اس رسول نے قوم فرعون کے پاس آ کر فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کو میرے سپرد کر دو اور انہیں میرے ساتھ بھیج دو' جیسا کہ ارشاد ہے: "فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ" (طٰہٰ: ۴۷) "سو تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب نہ دو" اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لیے نداء ہو اس معنی پر کہ "اَدُّوۡۤا اِلَیَّ یَا عِبَادَ اللّٰهِ" اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میرا وہ حق ادا کرو جو میرے لیے تم پر واجب و لازم ہے اور وہ یہ کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ اور میری دعوت کو قبول کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو پھر اس رسول نے اس کی علت اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں یعنی میں اپنی رسالت کی ادائیگی پر امانت دار ہوں اور میں سچا رسول ہوں تہمت یافتہ نہیں ہوں۔

۱۹ - ﴿وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی وحی کی اہانت کر کے اس پر بڑائی نہ چاہو یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر تکبر و بڑائی نہ چاہو اور اس پر تکبر و سرکشی نہ کرو [یہ حرف "اَنۡ" پہلے "اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ" میں موجود حرف "اَنۡ" کی طرح ہے' اس میں بھی وہی وجوہات ہیں جو پہلے "اَنۡ" میں تھیں] ﴿اِنِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ﴾ بے شک میں تمہارے پاس ایسی واضح اور روشن دلیل و سند لایا ہوں' جو اس بات پر دلالت و رہبری کرتی ہے کہ میں یقیناً نبی اور پیغمبر ہوں۔

٢٠- ﴿وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾ اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو (یعنی) یہ کہ تم مجھے سنگسار کر کے قتل کر ڈالو اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر بھروسا کر کے اپنے مالک و پروردگار سے پناہ چاہی کہ وہ اسے فرعونیوں سے اور ان کے مکر وفریب سے ضرور بچالے گا' سو وہ فرعونیوں کی ان دھمکیوں سے بے نیاز و بے پرواہ ہو گئے' جو وہ اسے سنگسار کرنے اور قتل کر دینے کی دھمکیاں دیتے تھے [ابوعمرو' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ذال کو''تا'' میں مدغم کر کے ''وَاِنِّیْ عُتُّ'' پڑھا گیا ہے]۔

٢١- ﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ یعنی اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو میرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان کوئی دوستی نہیں' سو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ' یا یہ معنی ہے کہ تم مجھے اکیلا چھوڑ دو نہ میرے لیے کچھ کرو اور نہ میرے خلاف کچھ کرو اور تم مجھے اذیت و دکھ دینے اور میرے ساتھ بُرائی و شرارت کرنے کے لیے میرا پیچھا نہ کرو' سو جس نے تمہیں ایمان کی دعوت ہے اس کا صلہ یہ نہیں اور اس کا نہ یہ حکم ہے کہ تم مجھے سنگسار کر دو [قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یائے متکلم کے ساتھ ''فَاعْتَزِلُوْنِیْ'' پڑھا جاتا ہے]۔

٢٢- ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم (فرعونیوں) کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پروردگار کو پکارا کہ ﴿اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ﴾ بے شک یہ مجرم و گناہ گار قوم ہے' اصل میں ''بان هؤلآء'' ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے یہی دعا کی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ ''اللھم عجل لھم ما یستحقونه باجرامھم'' اے اللہ! ان پر وہ عذاب جلدی بھیج جس کے یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے مستحق ہو چکے ہیں' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ دعا سے حضرت موسیٰ کا یہ قول مراد ہے: ''رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ''O (یونس:٨٥) ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالموں کی قوم کے لیے آزمائش نہ بناO'' [''ان هٰـؤلآء'' میں حرف ''اِنَّ'' کے ہمزہ کو مکسور پڑھا گیا ہے' قول کے مضمر (پوشیدہ قرار دینے) پر یعنی حضرت موسیٰ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: بے شک یہ مجرم قوم ہے]۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿٢٩﴾

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) سو تم میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر چل پڑو بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گاO اور تم دریا کو یوں ہی تھما ہوا چھوڑ دینا بے شک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گاO وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئےO اور کھیتیاں اور عمدہ مکاناتO اور نعمتیں جن میں وہ عیش کرتے تھےO ایسا ہی ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیاO سو ان پر آسمان و زمین نہیں روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئیO

٢٣- ﴿فَاَسْرِ﴾ [یہ ''اسریٰ'' (باب افعال) سے ماخوذ ہے اور اہل حجاز کے ہاں وصل کی صورت میں ''فاسر'' ہوگا

اور یہ ''سُرٰی'' سے ماخوذ ہے اور ''فا'' کے بعد قول مضمر ہے] اصل میں ''فقال اسر'' ﴿بِعِبَادِیْ لَیْلًا﴾ ہے یعنی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمہارا تعاقب اور پیچھا کیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ تم آگے آگے چلو اور فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ آگے آگے جانے والوں کو نجات دے دے گا اور پیچھے آنے والوں کو دریا میں غرق کر دے گا۔

۲٤- ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا﴾ اور آپ دریا کو تھما ہوا اور ساکن چھوڑ دیں۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تھا کہ جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر دریا عبور کر لیں گے تو اپنا عصا مبارک مار کر دریا کو جوڑ دیں گے لیکن انہیں حکم دیا گیا کہ آپ دریا کو اپنی اسی موجودہ حالت میں ساکن و تھما ہوا اور اپنے حال پر برقرار چھوڑ دیں اور پانی اپنی جگہ پر کھڑا رہے اور راستہ اپنی جگہ پر خشک و سوکھا ہوا پڑا رہے' آپ اس کو جاری کرنے کے لیے اپنا عصا اس پر ہرگز نہ ماریں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں تاکہ فرعون کی قوم قبطی اس کے اندر داخل ہو جائے' پھر جب وہ اس میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی کو باہم ملا دیا جس کی وجہ سے وہ غرق ہو گئے اور بعض نے کہا کہ ''رهو'' کا معنی ہے: کشادہ اور وسیع راستہ یعنی تم اسے اپنے حال پر کھلا ہوا کشادہ چھوڑ دو ﴿اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک تمہارے دریا سے نکلنے کے بعد اس لشکر کو ڈبو دیا جائے گا [اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ''لِاَنَّهُمْ'']۔

۲٥'۲٦- ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ انہوں نے کتنے زیادہ باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ محفلیں' عالی شان مکانات چھوڑے ''مقام کریم'' سے ان کے خوب صورت محلات اور بہترین کوٹھیاں مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے منبر مراد ہیں [اور ''کَمْ'' کثرت کے معنی کے لیے آیا ہے اور ''ترکوا'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۷- ﴿وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ اور بہت سی نعمتوں میں وہ مشغول ہو کر لطف اندوز اور لذت حاصل کرتے رہے (یعنی) وہ ناز و نعمتوں سے زندگیاں گزارتے ہیں۔

۲۸- ﴿كَذٰلِكَ﴾ ''ای الامر کذالك'' یعنی معاملہ اسی طرح ہوا [سو کاف تشبیہ مبتدا مضمر کی خبر ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا' ان کا فرعونیوں سے نہ کوئی نسبی رشتہ تھا اور نہ کوئی دینی رشتہ تھا اور نہ ان سے ان کا دوستی کا کوئی تعلق تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے جنہیں فرعونیوں کا وارث بنا دیا گیا۔

۲۹- ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ سو ان پر نہ آسمان رویا تھا اور نہ زمین روئی تھی کیونکہ وہ لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اور مؤمن جب بھی فوت ہوتا ہے تو اس پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے' چنانچہ زمین کے وہ حصے مؤمن کی موت پر روتے ہیں جن مقامات اور جگہوں پر اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے اور عبادت و ریاضت اور تسبیح وغیرہ کی ہوتی ہے اور آسمان کی وہ راہ روتی ہے جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مؤمن کی موت پر آسمان میں رہنے والے اور زمین پر رہنے والے روتے ہیں ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ اور ان کو مہلت نہیں دی گئی یعنی جب ان کی ہلاکت و تباہی کا وقت آن پہنچا تو پھر دوسرے وقت تک ان کی ہلاکت کو مؤخر نہیں کیا گیا اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے نجات دیO فرعون سے‘ بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا متکبر و سرکش تھاO اور بے شک ہم نے انہیں جان بوجھ کر جہان والوں پر برگزیدہ بنالیاO اور ہم نے انہیں وہ نشانیاں عطا فرمائیں جن میں واضح آزمائش تھیO بے شک یہ لوگ کہتے ہیںO وہ تو نہیں مگر ہماری پہلی موت اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گےO سو تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہوO کیا وہ بہتر ہیں یا تبّع کی قوم‘ اور جو ان سے پہلے تھے‘ ہم نے انہیں ہلاک کردیا‘ بے شک وہ گناہ گار لوگ تھےO

بنی اسرائیل کی نجات اور مشرکین کی مذمت کا بیان

۳۰- ﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ اور بے شک ہم نے اولادِ یعقوب علیہ السلام کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی یعنی مشقت بھرے کاموں کے لیے خدمت گار بنانے اور غلام بنانے اور لڑکوں کو قتل کرنے کے ذلیل کن عذاب سے نجات عطا فرمائی۔

۳۱- ﴿مِنْ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون سے [یہ حرف جار کے اعادہ کے ساتھ ''العذاب المهين'' سے بدل واقع ہو رہا ہے‘ گویا وہ بذاتِ خود ذلیل کرنے والا عذاب تھا کیونکہ فرعون ان کو حد سے بڑھ کر بہت زیادہ عذاب دیتا تھا اور بہت زیادہ ان کی توہین کرتا تھا یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں ''ذالك من فرعون'' تھا یعنی وہ ذلیل کن عذاب فرعون کی طرف سے تھا] ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا﴾ بے شک وہ متکبر و سرکش تھا ﴿مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا [یہ دوسری خبر ہے] یعنی فرعون متکبر بھی تھا اور حد سے بڑھ کر ظلم و زیادتی کرنے والا بھی تھا۔

۳۲- ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کرلیا اور چن لیا یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو منتخب کرلیا ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ دانستہ طور پر‘ [یہ ضمیر فاعل سے حال ہے] یعنی ہم انتخاب کے محل کو خوب جانتے ہیں اور یہ کہ بے شک وہی زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں منتخب کیا جائے ﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں پر یعنی ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر انہیں انتخاب کی فضیلت سے نوازا گیا۔

۳۳- ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ﴾ اور ہم نے انہیں اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دیں‘ جیسے دریا کا پھٹ جانا اور بادلوں کا سایا کرنا اور من و سلویٰ کا نازل کرنا اور ان کے علاوہ دیگر بڑی بڑی نشانیاں ﴿مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ﴾ وہ نشانیاں ہیں جن میں نعمت ہونا ظاہر و عیاں ہے یا ان میں امتحان و آزمائش ہونا ظاہر اور واضح ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

۳۴‘۳۵- ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ یعنی قریش مکہ کے کفار ﴿لَيَقُوْلُوْنَ O اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى﴾ البتہ وہ کہتے ہیں: یہ موت تو نہیں مگر ہماری پہلی موت‘ اور یہاں ایک اشکال اور اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام تو دوسری

زندگی کے بارے میں ہوا ہے (کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا) نہ کہ موت کے بارے میں' پس "اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الْاُوْلٰی" کیوں نہیں کہا گیا اور نیز "اولی" کے ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے گویا ان سے دوسری موت کا وعدہ کیا گیا ہے جس کا انہوں نے انکار کر دیا ہے اور اپنی پہلی موت کو ثابت کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم ضرور ایسی موت سے مرو گے جس کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا (اور تمہارا حساب و کتاب ہوگا) جیسا کہ تمہاری پیدائش سے پہلے (عدم محض کی صورت میں) تم پر موت گزر چکی ہے جس کے بعد تمہیں (پیدا کر کے) زندگی دی گئی اور اس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ" (البقرہ:۲۸) "اور تم مردہ تھے' سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں مارے گا' پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا" سو انہوں نے "اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی" جو کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ موت جس کی شان یہ ہے کہ اس کے بعد زندگی عطا کی جائے گی وہ صرف پہلی موت ہے' پس اس کے درمیان اور "اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا" (الجاثیہ:۲۴) کے درمیان معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ درج ذیل ارشاد کا انکار ہو: "رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ" (الغافر:۱۱) "اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا" ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ﴾ اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا تو کہا جائے گا: "انشر الله الموتی" "اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ فرما دیا۔"

۳۶- ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾ سو تم ہمارے باپ دادا کو (دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کر) لے آؤ۔ کفار کی طرف سے یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان (صحابہ کرام) ان سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ کرتے تھے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو یعنی تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس میں تم سچے ہو تو تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کر کے ہمارے جو آباء و اجداد فوت ہو چکے ہیں انہیں جلدی سے زندہ کرا کر ہمارے پاس لے آؤ تا کہ یہ عمل اس بات کی دلیل بن جائے کہ تم قیامت کے قائم ہونے اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کا جو وعدہ کرتے ہو' وہ حق اور سچ ہے۔

۳۷- ﴿اَهُمْ خَيْرٌ﴾ کیا وہ (کفارِ مکہ) قوت و مدافعت میں زیادہ بہتر ہیں ﴿اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ﴾ یا تبع کی قوم (بہتر ہے)' یہ تبع حمیری ہے' خود مؤمن تھا[1] مگر اس کی قوم کے لوگ کافر تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ نبی تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی تھا (مگر نیک مسلمان ضرور تھا) ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے [یہ "قوم تبع" پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾

---

[1] امام ابو حاتم نے یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ ابو کرب اسعد حمیری تبابعہ (یمن کے بادشاہوں) میں سے تھا اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ پر آپ کے اعلانِ نبوت سے سات سو سال پہلے ایمان لے آیا تھا اور حضرت یزید رقاشی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم تبع کی مذمت بیان کی ہے لیکن تبع کی مذمت بیان نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: "لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا" "تم تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا" اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تبع ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف کو غلاب پہنایا' نیز امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے حضور رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ قَدْ اَسْلَمَ" "تم تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ بے شک وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔" (ماخوذ از: تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۵۳' شرح مسند امام اعظم للملا علی القاری ص ۵۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا بے شک وہ مجرم لوگ تھے (یعنی) وہ کافر تھے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۗ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

ع ۱۳ / ۱۵

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیاO اور ہم نے انہیں پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےO بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر وقت ہےO اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کر دے بے شک وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہےO

۳۸- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا [یعنی دونوں جنسوں کے درمیان اور "لاعبین" حال ہے] اور اگر حشر و نشر اور حساب و کتاب اور ثواب و عقاب نہ ہوتا تو مخلوقات کی تخلیق خاص فنا کے لیے ہوتی اور بس' سو اب ان کی تخلیق عبث و بے کار اور لہو لعب اور کھیل تماشا ہو جاتی۔

۳۹- ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم نے ان دونوں کو حق کے ساتھ (یعنی) خوب تحقیق و اہتمام اور پوری سنجیدگی کے ساتھ پیدا فرمایا ہے "حق" "لعب" کی ضد ہے ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟

٤٠- ﴿إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ﴾ بے شک فیصلہ کا دن یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا دن اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿مِيقٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ان سب کے وعدے کا وقت مقرر و معین ہے۔

٤١- ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا﴾ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا یعنی کوئی دوست کسی دوست کے اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کچھ کام نہیں آئے گا "شیئا" قلت کے معنی میں ہے یعنی تھوڑا سا فائدہ نہیں ہوگا ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی [ضمیر مولیٰ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ کثیر کے معنی میں ہے تاکہ لفظ بطور عموم و ابہام ہر مولیٰ کو شامل ہو جائے]۔

٤٢- ﴿إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ﴾ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرما دے یعنی عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا مگر جس پر خود اللہ تعالیٰ رحم فرما دے [یہ کلام "ینصرون" کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ﴾ بے شک وہی اپنے تمام دشمنوں پر غالب ہے ﴿الرَّحِيمُ﴾ اپنے دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

بے شک تھوہر کا درخت O بڑے گناہ گار کی خوراک ہوگا O پگھلے ہوئے تانبا کی طرح' پیٹوں میں جوش مارے گا O جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے O (حکم ہوگا:) اسے پکڑ لو اور اس کو زبردستی گھسیٹ کر دوزخ کے وسط میں لے جاؤ O پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو O لے چکھ! بے شک تو بڑا معزز و مکرم بنتا تھا O بے شک یہ وہی ہے جس میں تم شک کرتے تھے O بے شک پرہیز گار امن و امان والے مقام میں رہیں گے O باغوں اور چشموں میں O وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے O اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے O

کفار کے لیے عذابِ آخرت کی وعید

٤٣- ﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ﴾ بے شک کڑوا' کسیلا' خاردار درخت زقوم (بڑے بڑے گناہ گاروں کی خوراک ہوگا) یہ بہ ظاہر دنیا کے درخت کے مشابہ اور اس کے ہم شکل ہے لیکن یہ دوزخ کی آگ میں ہے اور زقوم سے اس کا میوہ اور پھل مراد ہے اور یہ سب سے زیادہ ثقیل اور ناگوار کھانا ہے۔

٤٤- ﴿طَعَامُ الْأَثِيمِ﴾ بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب فاسق و فاجر کا کھانا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک آدمی کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور وہ آدمی "طعام الاثیم" کی بجائے "طعام الیتیم" پڑھتا تھا' تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص! تو "طعام الفاجر" پڑھا کر اور اس سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کے ایک کلمہ کو بوقت ضرورت دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ دوسرا کلمہ قرآن مجید کے کلمہ کے ہم معنی ہو۔

اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ فارسی زبان میں قراءت کرنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی تھی کہ پڑھنے والا قاری عربی قراءت کے تمام معانی کو فارسی میں مکمل طور پر ادا کر سکتا ہو اور عربی قراءت کے مفہوم میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو سکے۔ فقہائے کرام نے فرمایا کہ یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت عدم اجازت کی طرح ہے کیونکہ عرب کے کلام میں خصوصاً قرآن مجید جو اپنی فصاحت و بلاغت میں ایک معجزہ ہے اور اس کے نظم اور اسالیب کی غرابت میں لطیف و دقیق معانی ہیں' جو فارسی وغیرہ کسی دوسری زبان میں مستقل ادا نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے قول

کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر اعتماد کیا گیا۔

٤٥- ﴿كَالْمُهْلِ﴾ پگھلے ہوئے تانبا کی طرح۔ یہ تیل کا تلچھٹ کہلاتا ہے [اور کاف ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿يَغْلِي فِي الْبُطُوْنِ﴾ وہ پیٹوں میں جوش مارے گا [ابن کثیر مکی اور حفص کی قراءت میں "یـا" کے ساتھ "یغلی" پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں ضمیر "طعام" کے لیے ہوگی اور "تا" کی صورت "تغلی" میں ضمیر "شجرة" (درخت) کے لیے ہوگی]۔

٤٦- ﴿كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ﴾ کھولتے ہوئے پانی کی طرح یعنی وہ سخت گرم ترین پانی جس کا اُبال اور کھولنا اور جوش مارنا انتہاء کو پہنچ چکا ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ زقوم کا پھل پیٹ میں پہنچ کر اس طرح جوش مارے گا جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے' پھر زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) سے کہا جائے گا کہ

٤٧- ﴿خُذُوْهُ﴾ اس کو پکڑ لو یعنی اس فاسق و فاجر گناہ گار کو ﴿فَاعْتِلُوْهُ﴾ سو تم اس کو سختی کے ساتھ اور زبردستی گھسیٹ کر لے جاؤ [ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں "تا" مکسور کی بجائے "تا" مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيْمِ﴾ دوزخ کے وسط میں اور اس کے مرکز میں لے جاؤ۔

٤٨- ﴿ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ﴾ پھر اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو' اور جو انڈیلا جائے گا وہ صرف کھولتا ہوا پانی ہوگا' عذاب نہیں انڈیلا جائے گا (عذاب تو محض تکلیف کا احساس ہے جس کا کوئی جسم نہیں جبکہ انڈیلنا یا گرانا جسم کا ہوتا ہے) مگر جب اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو اس وقت کھولتے ہوئے گرم پانی کا عذاب اور اس کی سختی اس پر انڈیلی جائے گی اور عذاب کا انڈیلنا استعارہ ہے اور اس شخص سے کہا جائے گا:

٤٩- ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ چکھ بے شک تو بڑا عزت والا اکرم بنتا تھا' اس کا مذاق اڑانے اور اس کے ساتھ تمسخر کرنے کے طور پر یہ کہا جائے گا [علی کسائی کی قراءت میں "أنك" ہے یعنی اصل میں "لأنك" ہے]۔

٥٠- ﴿إِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ عذاب یا یہ معاملہ وہ ہے ﴿مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾ جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے۔

پرہیزگاروں کے لیے آخرت کے اجر وثواب کی بشارت

٥١- ﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ﴾ بے شک پرہیزگار امن وسکون کے مکان میں ہوں گے ["مقام" میم مفتوح کے ساتھ قیام گاہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مکان مراد ہے اور یہ خاص ہے جو عموم کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں میم مضموم کے ساتھ "مُقَامٍ" پڑھا جاتا ہے اور یہ اقامت کی جگہ مراد ہے۔ "امین" یہ "امن الرجل امانة فهو امین" سے ماخوذ ہے' اس آدمی نے امانت کو دیانت کے ساتھ ادا کیا' سو اس لیے وہ "امین" ہے اور یہ "خائن" کا متضاد ہے اور مکان کو اس کے ساتھ بطور استعارہ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ خوف وڈر کا مکان اپنے مالک کو خوف زدہ کر دیتا ہے کیونکہ اس میں تکالیف ومکارہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے]۔

٥٢- ﴿فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ باغات اور چشموں میں رہیں گے ["یہ "مقام امین" سے بدل ہے]۔

٥٣- ﴿يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ﴾ وہ ریشم سے تیار کردہ باریک لباس پہنیں گے ﴿وَّإِسْتَبْرَقٍ﴾ اور ریشم سے تیار کردہ نفیس موٹا لباس (باریک لباس کے اوپر) پہنیں گے اور یہ معرب ہے "استبر" سے اور جب کسی عجمی لفظ کو معرب (عربی) بنایا جاتا ہے تو وہ عجمی ہونے سے نکل جاتا ہے اور خالص عربی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ معرب کا معنی یہ ہے کہ عجمی لفظ میں

تصرف کر کے اور اس کو عجمیت کے رنگ ڈھنگ سے تبدیل کر کے عربی بنا دیا جائے اور اس پر وجوہِ اعراب کو جاری کر دیا جائے اور اس صورت میں وہ عربی قرآن میں استعمال ہو سکتا ہے (کہ اب وہ عجمی نہیں بلکہ عربی ہو چکا ہے) ﴿مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے اپنی اپنی نشست گاہ میں بیٹھے ہوں گے اور یہ انس و محبت کا سب سے زیادہ مکمل طریقہ ہے۔

٥٤- ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوگا ''ای الامر کذالک'' یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوگا [''کذالک'' میں کاف مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ﴾ اور ہم ان کو حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے یعنی ہم ان کو حوروں کے ساتھ ملا دیں گے (تا کہ وہ ان سے انس حاصل کر کے ان کے ساتھ خوشیاں منائیں' لہٰذا عرفی عقد نکاح نہیں ہو گا) ''حور''، ''حوراء'' کی جمع ہے' ان کی آنکھیں بہت زیادہ سفید ہوتی ہیں اور پتلی بہت زیادہ سیاہ ہوتی ہے (جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں) ﴿عِيْنٍ﴾ بڑی بڑی آنکھوں والی۔ ''عین''، ''عیناء'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بڑی اور کشادہ آنکھ۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾

وہ اس میں امن و سکون کے ساتھ ہر قسم کے پھل اور میوے منگوا لیا کریں گے O وہ اس میں پہلی موت کے سوا کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا O محض آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O سو بے شک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ وہ نصیحت قبول کر لیں O سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں O

٥٥- ﴿يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں ہر قسم کا پھل طلب کریں گے ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ وہ وہاں امن و سکون سے رہیں گے' ان کو ان نعمتوں کے زائل ہونے یا ختم ہو جانے کا اور بیماریوں اور ضرر رساں تکلیفوں میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف و اندیشہ نہیں ہوگا۔

٥٦- ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں موت کو ہرگز نہیں چکھیں گے ﴿اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى﴾ ماسوا پہلی موت کے یعنی ماسوا اس پہلی موت کے جس کو انہوں نے دنیا میں چکھا تھا اور بعض نے کہا کہ لیکن پہلی موت جسے انہوں نے دنیا میں چکھا تھا (مطلب یہ ہے کہ ''اِلَّا'' بہ معنی سوائے بھی آتا ہے اور بہ معنی ''لٰكِنَّ'' بھی آتا ہے) ﴿وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا۔

٥٧- ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے یعنی فضل کرنے کے لیے [سو یہ مفعول لہ ہے یا پھر یہ مصدر مؤکد ہے' ماقبل کے لیے ہے کیونکہ ''وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمَ'' بہ معنی ''تفضل منه لهم'' ہے اس لیے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا مستحق نہیں] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ یعنی عذاب کا پھیرنا اور جنت میں داخلہ عطا کرنا ﴿هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

٥٨- ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ سو ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا یعنی اس کتاب (قرآن مجید) کو اور

بلاشبہ اس سورت کے شروع میں اس کا ذکر گزر چکا ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴾ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۵۹۔ ﴿ فَارْتَقِبْ ﴾ سو آپ اس کا انتظار کیجئے جو ان پر نازل ہوگا ﴿ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴾ بلاشبہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں جو آپ کو حاصل ہوگا حوادثِ زمانہ سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الجاثیہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی سینتیس آیات چار رکوع ہیں

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝٢ إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٣ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٤ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِن رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝٥

حٰم ○ اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ○ بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو وہ پھیلاتا ہے ان میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں ○ اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو رزق کا سبب بارش ہے' کو نازل کیا' پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اس میں اور ہواؤں کو چلانے میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ○

قدرتِ الٰہی کی نشانیوں اور ان کے منکروں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورتِ جاثیہ مکی ہے اور اس کی سینتیس (۳۷) آیتیں ہیں۔

۲'۱۔ ﴿ حٰمٓ ○ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے [اگر ''حٰم'' کو اس سورت کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''تنزیل الکتاب'' اس کی خبر ہے اور ''من اللّٰه'' ''تنزیل'' کا صلہ ہے اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو ''تنزیل الکتاب'' مبتدا ہوگی اور ظرف ''مِنَ اللّٰهِ'' خبر ہوگی] ﴿ الْعَزِيزِ ﴾ وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر بہت غالب ہے ﴿ الْحَكِيمِ ﴾ وہ اپنی تدبیر میں بہت بڑا حکمت والا اور زبردست دانا ہے۔

۳۔ ﴿ إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ضرور بہت سی دلیلیں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یوں ہو: ''إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ'' بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ اس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے۔

۴۔ ﴿ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾ اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو اللہ تعالیٰ

پھیلاتا ہے ان میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں [اور ''وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ''، ''خلق'' پر معطوف ہے جس پر عطف کرنا قبیح ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''اٰیٰتًا'' منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے ہاں مرفوع ''اٰیٰتٌ'' ہے جیسے تمہارا یہ کہنا ہے کہ ''اِنَّ زَیْدًا فِی الدَّارِ وَعَمْرًا فِی السُّوْقِ'' یا ''وَعَمْرٌو فِی السُّوْقِ'' ہے]۔

۵۔ ﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ﴾ اور رات اور دن کے تبدیل ہونے میں اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق یعنی بارش کو نازل کیا اور ''مطر'' (بارش) کو رزق اس لیے کہا گیا ہے کہ بارش رزق کا سبب ہے ﴿فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس (بارش) کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے چلانے میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور ایمان (مؤمنین) کو ایقان ''یوقنون'' پر مقدم کرنے میں اور ایقان کو درمیان میں ذکر کرنے میں اور ''یعقلون'' کو آخر میں لانے کا معنی یہ ہے کہ جو بندے ان صفات کے ساتھ متصف ہیں جب وہ آسمانوں اور زمین میں صحیح نظر سے غور وفکر کریں گے تو وہ جان لیں گے کہ بے شک یہ مصنوع اور مخلوق ہیں اور ان کے لیے صانع اور خالق ضرور ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے' پھر جب وہ اپنی پیدائش میں غور وفکر کریں گے اور اپنے بارے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف (بچپن سے جوانی' جوانی سے بڑھاپے کی طرف) منتقل ہونے کی کیفیت میں غور کریں گے اور زمین پر مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش میں غور وفکر کریں گے تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے گا اور انہیں یقین کامل حاصل ہو جائے گا' پھر جب وہ باقی حوادث میں غور کریں گے جو ہر وقت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جیسے رات و دن کا تبدیل ہونا اور بارش کا برسنا اور زمین کا مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ ہونا اور ہواؤں کا جنوب وشمال اور مشرق ومغرب مختلف اطراف میں چلنا تو وہ سمجھ جائیں گے اور ان کا علم مستحکم ومضبوط ہو جائے گا اور ان کا یقین خالص ہو جائے گا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''الریاح'' کی بجائے ''الریح'' ہے' نیز ان دونوں کی قراءت میں ''ایات'' منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک ''ایات'' مرفوع ہے اور یہ دو عاملوں پر معطوف ہونے کے قبیل سے ہے خواہ منصوب ہو یا مرفوع ہو' سو جب منصوب ہوگا تو اس وقت عامل ''اِنَّ'' اور حرف ''فِیْ'' ہوں گے اور واؤ کو ان دونوں کا قائم مقام قرار دیا جائے گا' چنانچہ ''واختلاف الیل والنهار'' میں اس نے جر کا عمل کیا اور ''ایات'' میں نصب کا عمل کیا اور جب مرفوع ہوگا تو عامل ابتداء اور حرف ''فِیْ'' ہوں گے اور واؤ ''ایات'' میں رفع کا عمل کرے گی اور ''واختلاف الیل والنهار'' میں جر کا عمل کرے گی اور یہ اخفش کا مذہب ہے کیونکہ وہ دو عاملوں پر عطف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن سیبویہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے نزدیک آیت کے شروع میں حرف ''فِیْ'' مضمر ہے اور اس آیت سے پہلے دو آیتوں کے شروع میں حرف ''فِیْ'' کے ذکر نے اس قول کو عمدہ بنا دیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ''وفی اختلاف الیل والنهار'' اسی قول کی تائید کرتی ہے اور مجرور کے اختتام کے بعد اپنے ماقبل پر معطوف ہونے کی وجہ سے اختصاص کی بناء پر ''ایات'' کا منصوب ہونا جائز ہے یا پہلی آیات کی تاکید کے لیے تکرار کے طور پر بھی منصوب ہونا جائز ہے' گویا کہا گیا: ''ایات' ایات' ایات'' اور ''ھی'' ضمیر کو مضمر (پوشیدہ) قرار دینے پر ''ایات'' کا مرفوع ہونا جائز ہے]۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝٧ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝٨ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝٩

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے O ہر بہت جھوٹ بولنے والے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں سنتا ہے' پھر تکبر کے ساتھ (کفر پر) اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں' سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں O اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کچھ جان لیتا ہے تو اس کو ہنسی مذاق بنا لیتا ہے' انہیں لوگوں کے لیے رُسوا کن عذاب ہے O

٦- ﴿تِلْكَ﴾ یہ ان آیات قرآنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت میں پہلے بیان کی جا چکی ہیں "ای تلك الایات" یعنی وہ آیات ﴿اٰیٰتُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی (تکوینی) آیات ہیں ﴿نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں ["نَتْلُوْهَا" محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور "علیك بالحق" کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے جس پر "تِلْكَ" دلالت کر رہا ہے] ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ﴿یُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے بعد [جیسے ان کا قول ہے: "اعجبنی زید و کرمه" اور وہ اس سے "اعجبنی کرم زید" مراد لیتے ہیں۔ اہل حجاز اور ابو عمرو اور سہل اور حفص کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یؤمنون" ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک "قُلْ یَا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیہ وسلم)" کی تقدیر پر "تا" کے ساتھ "تؤمنون" ہے]۔

٧- ﴿وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ﴾ ہر جھوٹے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے "اَفَّاك" بہ معنی "کَذَّاب" ہے یعنی بہت جھوٹ بولنے والا اور "اَثِیْم" کا معنی ہے کہ گناہوں کے ارتکاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا' مطلب یہ ہے کہ بہت جھوٹ بولنے والے اور بہت گناہ کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

٨- ﴿یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ "افاك" کی دوسری صفت ہے] ﴿تُتْلٰى عَلَیْهِ﴾ جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں [یہ "ایات الله" سے حال ہے] ﴿ثُمَّ یُصِرُّ﴾ پھر وہ اصرار کرتا ہے' اپنے کفر پر متوجہ رہتا ہے اور اس پر قائم و دائم رہتا ہے ﴿مُسْتَكْبِرًا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے اور وہ جو حق سچ بیان کرتی ہیں ان پر یقین کرنے سے تکبر و اعراض کرتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے اور اس کے اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر خوش رہتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ نضر بن حارث کے بارے میں اس کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی اور وہ عجم کے قصے کہانیاں خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا تاکہ لوگ قرآن مجید نہ سنیں' بہر حال یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے اور اسی لیے "ثُمَّ" لایا گیا ہے کیونکہ گمراہی پر اصرار کرنا اور قرآن مجید کی

آیات کی سماعت کے وقت ایمان سے تکبر کرنا عقل مندوں کی عقلوں سے بہت بعید ہے ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ ﴾ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں [''كَاَنْ'' مخففہ ہے اور اصل میں ''كَاَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْهَا'' تھا اور اس میں ضمیر شان کی ضمیر ہے اور یہ جملہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یعنی وہ نہ سننے والے کی طرح اصرار کرتا ہے] ﴿ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں (یعنی) آپ اسے دردناک عذاب کی محض خبر سنا دیں جس کا اثر اس کے چہرے سے عیاں اور ظاہر ہو جائے۔

۹۔ ﴿ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا ﴾ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی کو جان لیتا ہے (یعنی) اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کوئی پہنچتی ہے اور وہ جان لیتا ہے' یہ انہیں آیات میں سے ہے تو ﴿ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ ﴾ وہ انہیں یعنی وہ تمام آیات کو ہنسی مذاق بنا لیتا ہے'' اتخذہ '' نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جا سکے کہ جب وہ کلام میں کسی چیز کو محسوس کرتا ہے کہ یہ بھی جملہ آیات میں سے ہے تو وہ تمام آیات کے ساتھ مذاق اڑانے میں مشغول ہو جاتا ہے اور صرف اسی آیت کے ساتھ مذاق اڑانے پر اکتفاء نہیں کرتا جو اس کو پہنچتی ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر '' شیئاً '' کی طرف لوٹی ہو کیونکہ '' شیئاً '' بھی آیت کے معنی میں ہے جیسے ابو العتاہیہ کا قول (شعر) ہے:

نفسی بشیءٍ من الدنیا معلقة　　　الله و القائم المهدی یکفیها

'' میرا دل دنیا کی ایک چیز (عتبہ لونڈی) کے ساتھ معلق ہے' اللہ تعالیٰ اور خلیفہ مہدی جو (اپنی اس لونڈی کا) نگران ہے اس کو کفایت کریں گے''۔

کیونکہ شاعر نے '' بشیء '' سے عتبہ نامی لڑکی کا ارادہ کیا ہے' اس لیے '' یکفیھا '' میں اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹائی ہے]
﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے رسوا کن اور ذلیل کرنے والا عذاب ہے ['' اولئك '' سے '' كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ '' کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ '' اَفَّاكِيْنَ '' پر مشتمل ہے]۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ؕ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ع

ان کے آگے دوزخ ہے' اور انہوں نے جو کچھ کمایا وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا حمایتی بنا لیا' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O یہ ہدایت ہے' اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے O

۱۰۔ ﴿ مِنْ وَّرَآئِهِمْ ﴾ ان کے آگے '' الورآء '' اس جہت اور اس سمت کا نام ہے' جس کو آدمی چھپا لیتا ہے خواہ وہ پیچھے ہو یا آگے ہو (گویا '' ورآء '' خلف وقدام دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتا ہے) ﴿ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا ﴾ دوزخ ہے اور انہوں نے جس قدر مال و دولت کمایا ہے وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اور وہ کچھ کام نہیں آئے گا ﴿ وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ ﴾ اور نہ وہ بت کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا کارساز اور حمایتی بنا لیا تھا [حرف '' مَا '' دونوں جگہ مصدریہ ہے یا موصولہ ہے] ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے دوزخ

میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔

۱۱- ﴿هٰذَا هُدًى ۚ﴾ یہ سراسر ہدایت ہے۔ ''هٰذَا'' سے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے' اس پر درج ذیل کلام دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے' کیونکہ ان کے رب تعالیٰ کی آیات وہی قرآن ہی تو ہے یعنی یہ قرآن ہدایت دینے کے لیے کامل اور مکمل ہے (یعنی قرآن ہدایت کامل ہے) جیسے تم کہو: ''زید رجل'' یعنی زید کامل مرد ہے ﴿لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے بہت سخت قسم کا دردناک عذاب ہے''رجز'' کا معنی ''اشد العذاب'' سب سے زیادہ سخت عذاب ہے [ابن کثیر مکی' قاری یعقوب اور امام حفص کی قراءت میں ''اَلِيْمٌ'' عذاب کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''اَلِيْمٍ''، ''رِجْزٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے]۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلتی رہیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو○ اور اس نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں○ ان لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان لا چکے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ ایک قوم کو ان کاموں کا بدلہ دے جو کمایا کرتے تھے○ جس نے نیک عمل کیے تو اپنے فائدے کے لیے کیے ہیں اور جس نے بُرے کام کیے تو ان کا وبال اسی پر ہوگا' پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے○

اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور مسلمانوں کو درگزر کرنے کی تلقین کا بیان

۱۲- ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو تابع کر دیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے اور اس کی اجازت سے کشتیاں چلتی رہیں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تاکہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو' تجارت کے ذریعے یا موتی اور مرجان اور تروتازہ گوشت (مچھلی) نکالنے کے لیے غوطہ خوری کے ذریعے اس کے فضل کو تلاش کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

۱۳- ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا [''جمیعا''، ''ما فی السموت'' کی تاکید ہے اور یہ ''سخر'' کا مفعول ہے اور

بعض نے کہا کہ "جمیعا" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿مِّنْهُ﴾ [یہ حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا اس حال میں کہ یہ اسی کی طرف ہونے والی ہیں اور اسی کے پاس سے حاصل ہونے والی ہیں یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے" ای ھذہ النعم کلھا (منه) "یعنی یہ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے" ای تسخیرًا (منه) "یعنی تسخیر اسی کی طرف سے ہے] ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

١٤- ﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا﴾ اے محبوب! ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ درگزر کر لیا کریں" ای (قل) لھم اغفروا (یغفروا) "یعنی اے محبوب! آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم درگزر کرو اور معاف کر دو تا کہ وہ درگزر سے کام لیں اور معاف کر دیا کریں پھر مقولہ حذف کر دیا گیا ہے اس لیے کہ جواب اس پر دلالت کر رہا ہے اور "یغفروا" کا معنی ہے: "یعفوا ویصفحوا" یعنی وہ معاف کر دیں اور درگزر کر لیا کریں اور بعض نے کہا کہ یہ بلا مضمر مجزوم ہے اور اس کی تقدیر "لیغفروا" ہے تا کہ وہ معاف کر دیا کریں سو یہ مستقل فعل امر ہے اور اس سے لام کو حذف کرنا جائز ہے کیونکہ امر "قل" اس پر دلالت کرتا ہے ﴿لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ﴾ ان لوگوں کے لیے (درگزر سے کام لیں) جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے (یعنی) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں پر حوادثات اور سختیاں نازل کرنے کی امید نہیں رکھتے یہ عرب کے قول کے مطابق ہے کہ وہ حوادثات اور جنگوں کے دنوں کو "ایام العرب" کہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگ ان اوقات کی امید نہیں رکھتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجر و ثواب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے ان اوقات میں کامیابی و کامرانی کا وعدہ فرمایا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب مشرکین میں سے قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑ کر سزا دینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں دشمنوں سے درگزر کرنے کی تلقین کی گئی ﴿لِیَجْزِیَ قَوْمًا﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کلام عفو و درگزر کرنے کے حکم کی علت ہے یعنی اہل ایمان کو درگزر کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو درگزر کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے اور "قومًا" کی تنکیر ان کی مدح و ثناء کے لیے ہے گویا فرمایا گیا ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خاص کر اس قوم کو جس نے اپنے دشمنوں کی اذیٰ اور تکلیفوں پر صبر کیا اور درگزر سے کام لیا انہیں نیک بدلہ دے [ابن عامر شامی قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "لنجزی" ہے جب کہ یزید کی قراءت میں "لِیُجْزٰی قوما" (یا مضموم اور فعل مجہول ہے) "ای لیُجزی الخیر قوما" یعنی تا کہ قوم کو جزائے خیر عطا کی جائے پھر "الخیر" کو مضمر کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد "حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ" (ص:۳۲) میں "شمس" کو مضمر کیا گیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ "اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ" (ص:۳۱) شمس (سورج) کے چھپ جانے پر دلیل ہے اور "لیُجزی الجزاء قوما" تقدیر عبارت جائز نہیں کیونکہ مصدر فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا اور "معك" مفعول صحیح ہے لیکن رہا دوسرے مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنا تو یہ جائز ہے اور تم کہتے ہو: "جزاك اللہ خیرًا"] ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ وہ جس قدر نیک کام کرتے رہے تھے۔

١٥- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو ہوگا اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا یعنی اجر و ثواب بھی اسی پر ہوگا اور عذاب و عقاب بھی اسی پر ہوگا ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی اس کی جزاء کی طرف۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١٧ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٨

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں پاک چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا اور ہم نے انہیں ان کے زمانہ والوں پر فضیلت عطا فرمائی O اور ہم نے انہیں اس دین کے بارے میں روشن دلیلیں عطا فرما دیں' سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس علم آ جانے کے بعد' محض باہمی بغاوت وحسد کی وجہ سے' بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O پھر ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا' سو آپ اسی کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو کچھ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کے انعامات پر بنی اسرائیل کی ناشکری کا بیان

١٦- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (یعنی) تورات عطا فرمائی ﴿ وَالْحُكْمَ ﴾ اور حکمت و دانائی اور دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان مقدمات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت وصلاحیت کیونکہ ان میں بادشاہ بھی ہوئے ﴿ وَالنُّبُوَّةَ ﴾ اور نبوت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان میں انبیائے کرام علیہم السلام کثرت سے تشریف لائے تھے ﴿ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور ہم نے پاکیزہ چیزوں میں سے ان کو رزق عطا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان چیزوں کو حلال کیا جو رزقوں میں سے پاک تھیں ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی (یعنی) ان کے زمانہ کے جہان والوں پر انہیں فضیلت و برتری عطا کی گئی تھی۔

١٧- ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ﴾ اور ہم نے ان کو دین کے معاملے میں روشن دلائل اور معجزات عطا کیے تھے ﴿ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا ﴾ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا (یعنی) سو ان کے درمیان دین کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا ﴿ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا محض باہمی بغاوت و سرکشی کی وجہ سے یعنی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس وہ چیز آ چکی تھی جو اختلاف کے زائل وختم کرنے کا سبب اور موجب تھی اور وہ علم ہے اور بے شک انہوں نے صرف اس بغاوت و سرکشی کے سبب اختلاف کیا تھا جو ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پیدا ہو گیا تھا یعنی عداوت و دشمنی اور حسد کی وجہ سے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے' بعض اہل علم نے

فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حسد و بغض اور ریاست و چودھراہٹ کی طلب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر (احکام) اور نواہی (ممنوعات) میں اختلاف پیدا ہونا مراد ہے' جہالت' بے علمی اور نادانی کی وجہ سے نہیں جس کے ساتھ انسان معذور سمجھا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی پیروی کرنے اور ظالموں کی مذمت کا بیان

۱۸ - ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ پھر (اے محبوب!) ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا (یعنی) پھر اہل کتاب کے اختلاف کے بعد ہم نے آپ کو اس دین کے راستے اور طریقے پر گامزن کر دیا ﴿فَاتَّبِعْهَا﴾ سو آپ اپنی اس شریعت کی پیروی کیجئے جو دلائل و براھین سے ثابت ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو بے علم و جاہل ہیں (یعنی) اور آپ جاہلوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جن پر کوئی دلیل و حجت پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کے دین و مذہب کی پیروی کیجئے' جو خواہش نفسانی اور بدعت پر مبنی ہے اور وہ قریش مکہ کے سردار مراد ہیں جنہوں نے ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جایئے۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ع ۱۸/۱۰

بے شک وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے' اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست ہے O یہ لوگوں کے لیے روشن دلیلیں ہیں اور ان لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے جو یقین رکھتے ہیں O کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' کہ ہم ان کی زندگی اور موت برابر کر دیں گے' وہ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں O

۱۹ - ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ (یعنی) بے شک یہ کفار و مشرکین مکہ ﴿لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست و حامی ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا دوست اور کارساز و حامی ہے اور یہ پرہیز گار اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب ہیں اور دونوں دوستیوں کے درمیان فضیلت و برتری میں کتنا واضح فرق ہے۔

۲۰ - ﴿هٰذَا﴾ یہ قرآن مجید ﴿بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل ہیں۔ اس قرآن مجید میں دین اسلام کے اصول اور احکام کو دلوں میں روحانی بصیرتوں اور فراستوں کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' جس طرح اس (قرآن) کو روح اور حیات قرار دیا گیا ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور یہ قرآن گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور یہ عذاب سے نجات و رحمت ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور

مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں۔

۲۱۔ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ﴾ کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا انہوں نے گمان کر رکھا ہے (یعنی) جنہوں نے گناہوں اور کفر وشرک کا ارتکاب کیا ہے اور اسی سے ''جوارح'' ماخوذ ہے (کہ اعضاء بھی کاروبار اور کام وغیرہ کرتے ہیں) اور کہا جاتا ہے: ''فلان جارحۃ اھلہ'' یعنی ''کاسبھم'' وہ سب کام کرنے والے ہیں (اس لیے ''اجترحوا السیئات'' کا معنی ہوا کہ انہوں نے گناہوں کو کمایا) [''ام'' منقطعہ ہے اور ہمزہ ''حسبان'' و گمان کے انکار کے لیے واقع ہوا] ﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کہ ہم ان کو لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لاچکے اور انہوں نے نیک عمل کیے [''ان نجعلھم'' بہ معنی ''ان نصیّرھم'' کے ہے اور یہ اس ''جعل'' سے ماخوذ ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے سو ان دونوں میں سے پہلا مفعول ''ھم'' ضمیر ہے اور دوسرا مفعول ''کالذین امنوا وعملوا الصالحات'' میں کاف جار تشبیہ ہے] ﴿سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہو جائیں گی اور اس کا معنی دونوں گروہوں کی زندگی اور موت کی مساوات کا انکار ہے یعنی بُروں اور نیکوں کی نہ تو زندگی برابر ہوگی ہے اور نہ ان دونوں کی موت برابر ہوتی ہے اس لیے کہ ان کی زندگی کے احوال مختلف ہیں کیونکہ نیکوں کی زندگی عبادات و اطاعات کو قائم رکھنے میں گزرتی ہے جب کہ بُروں کی زندگی گناہوں کے ارتکاب میں گزرتی ہے اور ان کی موت بھی مختلف طریقے پر ہوتی ہے کیونکہ نیکوں کی موت رحمت و مغفرت اور عزت و کرامت کی خوش خبری پر مشتمل ہوتی ہے اور جب کہ بُروں کی موت رحمت سے مایوسی اور ندامت و حسرت پر ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں گروہ موت میں مساوی اور برابر نہیں ہوں گے جیسا کہ وہ زندگی میں رزق اور صحت کے اعتبار سے مساوی اور برابر نہیں ہیں۔

(۱) حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ جب دوران تلاوت اس آیت مبارکہ تک پہنچے تو اس کو پڑھ کر رونے لگ گئے اور صبح تک اس کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے (۲) اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس آیت کریمہ تک پہنچے تو اس کو بار بار دہرا کر پڑھتے رہے اور روتے رہے اور اپنے آپ کو کہتے رہے: اے فضیل! کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تو دونوں گروہوں میں سے کس گروہ سے ہے [اور یہ ''سوآء محیاھم ومماتھم'' وہ جملہ ہے جو کاف تشبیہ سے بدل واقع ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ جملہ دوسرا مفعول واقع ہو رہا ہے سو یہ مفرد کے حکم میں ہے اور ''سوآءً'' علی کسائی حمزہ کوفی اور امام حفص کی قراءت میں ''نجعلھم'' کی ضمیر سے حال ہونے پر منصوب ہے اور ''محیاھم ومماتھم سوآء'' کے ساتھ مرفوع ہیں اور قاری اعمش نے ''ومماتھم'' کو منصوب پڑھا ہے۔ ''محیاھم ومماتھم'' دونوں کو مقدم الحاج کی طرح ظرف قرار دیا گیا ہے ''ای سوآء فی محیاھم وفی مماتھم'' یعنی وہ اپنی زندگی میں اور اپنی موت میں برابر ہیں] ﴿سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے گمان کر رکھا ہے کہ بے شک وہ مسلمانوں کی طرح ہیں سو جسے موافقت کی بساط پر بٹھایا گیا ہو وہ اس کی طرح نہیں ہو سکتا جسے مخالفت کے مقام میں بٹھایا گیا ہو بلکہ ہم ان کے درمیان فرق کریں گے سو ہم مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر سر بلند کر دیں گے اور ہم کافروں کو ذلیل و رسوا کریں گے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ

عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تاکہ ہر جان کو اس کی کمائی پر بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' سواب اللہ تعالیٰ کے بعد اس کو کون ہدایت دے گا' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے O اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ' اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں' وہ صرف گمان کرتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کفار کی گمراہیوں کا بیان

۲۲- ﴿ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا تاکہ یہ تخلیق اس کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرے ﴿ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ اور تاکہ ہر جان کو اس پر بدلہ دیا جائے جو کچھ (نیک و بد) اس نے کمایا ہے [یہ اس معلل محذوف ''لیدل علی قدرته'' پر معطوف ہے] ﴿ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم و ستم ہرگز نہیں کیا جائے گا۔

۲۳- ﴿ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا یعنی وہ نفس کی خواہش کا مطیع و فرماں بردار بن چکا ہے وہ اس کی پیروی کرتا ہے جس کی اسے نفس دعوت دیتا ہے' سو گویا وہ اس کی عبادت و پرستش کرتا ہے جس طرح ایک آدمی اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے ﴿ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اس کو گمراہی پر ڈال دیا' اس لیے کہ اس شخص نے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا' یا اللہ تعالیٰ نے اس شخص میں گمراہی کا فعل پیدا کر دیا' اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ شخص اسی گمراہی کو اختیار کرے گا ﴿ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر مہر لگادی' سواب وہ وعظ و نصیحت کو قبول نہیں کرے گا ﴿ وَقَلْبِهٖ ﴾ اور اس کے دل پر مہر لگادی' سواب وہ حق کی تصدیق و تائید نہیں کرے گا ﴿ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' سواب وہ عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر ''غشوۃ'' ہے] ﴿ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا (یعنی) اس کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد کون ہدایت دے گا ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے' پس اصل بُرائی خواہش کی پیروی کرنا ہے اور ساری خیر و بھلائی اس کی مخالفت میں ہے' سو کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اذا طلبتك النفسُ یومًا بشهوةٍ — وکان الیها للخلاف طریق

فدعها و خالف ما هویت فانما — هواك عدوٌّ و الخلافُ صدیق

''جب کسی دن تجھ سے تیرا نفس شہوت طلب کرے اور اس کی مخالفت کے لیے کوئی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دے اور تو اپنی خواہش نفسانی کی مخالفت کر' سو بے شک تیری خواہش تیری دشمن ہے اور اس کی مخالفت کی راہ تیری دوست ہے''۔

[قاری حفص، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے]۔

٢٤- ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ﴾ اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں یعنی اور کوئی زندگی نہیں ہے کیونکہ کفار عرب سے مرنے کے بعد دوسری زندگی کا وعدہ کیا گیا تھا' اس لیے انہوں نے کہا کہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ﴿اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ ماسوا ہماری دنیاوی زندگی کے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں (یعنی) ہم تو مرجاتے ہیں اور ہماری اولاد زندہ رہتی ہے یا یہ کہ بعض لوگ مرجاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ہم اپنے باپوں کی پشتوں میں نطفہ کی صورت میں مردہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد (روح پڑنے پر) ہم زندہ ہو جاتے ہیں یا یہ کہ ہمیں دونوں چیزیں پہنچتی ہیں موت بھی اور حیات بھی' ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا میں حیات وزندگی ملتی ہے اور اس کے بعد موت ملتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ کلام ان لوگوں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں یعنی ایک آدمی مرجاتا ہے' پھر اس کی روح کو کسی مردہ جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے' پس وہ مردہ جسم اس روح کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے۔ قریش مکہ اور دیگر کفار یہ گمان کرتے تھے کہ دنوں اور راتوں کے گزرنے سے بننے والا زمانہ ہی نفوس میں مؤثر ہوتا ہے اور وہ لوگ ملک الموت کا انکار کرتے تھے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت کے ارواح کو قبضے میں کرنے کے منکر تھے اور وہ لوگ ہر نئے پیدا ہونے والے حادثے کو دھر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کے بہت سے اشعار زمانے کی شکایت پر ناطق وشاہد ہیں اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ "لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ" (بخاری رقم الحدیث:٦١٨١' مسلم رقم الحدیث:٢٢٤٦) تم زمانے کو گالیاں نہ دیا کرو' سو بے شک اللہ تعالیٰ ہی (خالق) دھر ہے یعنی پس اللہ تعالیٰ ہی حوادثات کو لانے والا ہے' زمانہ نہیں ﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں وہ تو نہیں مگر گمان کرتے ہیں (یعنی) اور وہ لوگ یہ بات علم اور یقین کی بناء پر نہیں کہتے بلکہ وہ ظن وگمان اور قیاس و اندازے سے کہتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی کوئی حجت ودلیل نہیں تھی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے کر آؤ اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی عطا کرتا ہے' پھر وہی تمہیں مارے گا' پھر وہی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

٢٥- ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتیں یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا جس میں وہ آیتیں پڑھ کر انہیں سنائی جاتیں جن میں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کا ذکر ہوتا ﴿مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ﴾ تو ان کے پاس کوئی حجت ودلیل نہیں ہوتی تھی' اور ان کے قول کو "حجت" کہا گیا ہے حالانکہ وہ حجت نہیں تھا اس

لیے کہ ان کے اپنے گمان میں ان کا قول حجت ہوتا تھا ﴿ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ یعنی ان کو زندہ کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملنے کے دعویٰ میں سچے ہو [''حُجَّتَهُمْ''، ''كَانَ'' کی خبر ہے اور اس کا اسم ''اَنْ قَالُوْا'' ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی حجت نہیں تھی مگر ان کا صرف یہ کہنا تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ اور ''حجتهم'' کو اس بناء پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے کہ یہ ''كَانَ'' کا اسم اور ''اَنْ قَالُوْا'' خبر ہے]۔

۲۶۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں زندگی عطا کرتا ہے ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ﴾ پھر وہی اس دنیا میں تمہاری عمروں کے اختتام کے وقت تمہیں مارے گا ﴿ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا یعنی وہ تم سب کو قیامت کے دن اٹھائے گا اور جو اس پر قادر ہے وہ تمہارے باپ دادا کو لانے پر بھی ضرور قادر ہے ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ اس میں یعنی قیامت کے دن سب کو جمع کرنے میں کوئی شک نہیں ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ مُردوں کو اٹھانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض و روگردانی کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾
وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے' اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل نقصان اٹھائیں گے O اور آپ ہر گروہ کو زانوؤں کے بل گرنے والا دیکھیں گے' ہر گروہ کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' (اور کہا جائے گا کہ) آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے O یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تم پر حق بیان کرتا ہے' بے شک ہم لکھتے رہتے تھے جو کچھ تم عمل کرتے تھے O سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا' یہی واضح کامیابی ہے O

قیامت کے احوال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان

۲۷۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن باطل پرست نقصان اٹھائیں گے [''يَوْمَ تَقُوْمُ'' میں نصب کا عامل ''يَخْسَرُ'' ہے اور ''يَوْمَئِذٍ''، ''يَوْمَ تَقُوْمُ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۲۸۔ ﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ﴾ اور آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرنے والا دیکھیں گے (یعنی) گھٹنوں کے بل پر

بیٹھنے والا' چنانچہ "جثا فلان یجثو" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے دونوں زانوؤں پر بیٹھا ہو اور بعض کا قول ہے: "جاثیة" بہ معنی "مجتمعة" ہے ﴿كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا﴾ ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی (یعنی) اپنے اعمال کے صحیفوں کی طرف بلائی جائے گی' سو اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے' پھر ان سے کہا جائے گا کہ ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ آج تمہیں تمہارے ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے ["كُلُّ اُمَّةٍ" مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں پہلے "كُلَّ اُمَّةٍ" سے بدل قرار دینے کی بناء پر مفتوح ہے]۔

۲۹- ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا﴾ یہ (اعمال نامہ) ہمارا لکھا ہوا ہے "الی کتابها" میں کتاب کی اضافت ونسبت امت کی طرف کی گئی ہے اس لیے کہ کتاب کا ان کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ ان کے اعمال اس میں درج ہیں اور اس آیت کریمہ میں کتاب کی اضافت ونسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے اور اپنے فرشتوں کو حکم دینے والا ہے کہ وہ اس کے بندوں کے اعمال اس میں لکھ لیا کریں ﴿يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ﴾ وہ تم پر بیان کرتی ہے کہ دنیا میں تم نے جو اعمال کیے ان کی تم پر گواہی دیتی ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک تم جو کچھ اعمال کرتے تھے ہم وہ سب کچھ لکھ لیا کرتے تھے (یعنی) ہم فرشتوں سے تمہارے اعمال لکھوا لیا کرتے اور بعض نے کہا کہ "نسخت" اور "استنسخت" کا ایک معنی ہے اور یہ کتاب سے نقل کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ثبت اور درج کر لیتے ہیں۔

۳۰- ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں یعنی اپنی جنت میں داخل فرمائے گا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ یہی بڑی واضح کامیابی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا
مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ
مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا' (ان سے کہا جائے گا:) تو کیا تم پر ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں' سو تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے ○ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' ہم تو صرف گمان کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ○ اور انہوں نے جو عمل کیے تھے ان کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○

۳۱- ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ تو کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ "(أ) لم یأتکم رسلی (فلم تکن 'ایاتی تتلی

علیکم)'' کیا تمہارے پاس میرے رسول تشریف نہیں لائے تھے پس تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں [پھر معطوف علیہ کو حذف کر دیا گیا] ﴿فَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ پھر تم نے ان (آیات) پر ایمان لانے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور تم جرم و گناہ کرنے والی قوم تھے (یعنی) تم کفار تھے۔

۳۲- ﴿وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک جزاء اور سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور برحق ہے ﴿وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [''السَّاعۃ'' رفع (پیش) کے ساتھ ''اِنَّ'' کے محل پر معطوف ہے اور اس کا اسم ہے اور قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں'' والسَّاعۃ'' فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور'' وعد اللّٰہ'' پر معطوف ہے] ﴿قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ﴾ تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے اور ''ما السَّاعۃ'' بہ معنیٰ ''اَیُّ شیءِ السَّاعۃ'' ہے کہ قیامت کیا چیز ہے ﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا﴾ ہم تو محض گمان کرتے ہیں۔ اس کی اصل'' نَظُنُّ ظَنًّا'' ہے اور اس کا معنی ظن و گمان کا اثبات ہے اور بس (یعنی محض گمان کا ثبوت دینا مقصود ہے) [پھر حرف نفی اور حرف استثناء داخل کیا گیا تا کہ ظن و گمان کے ماسوا کی نفی کے ساتھ اس کے اثبات کا فائدہ حاصل کیا جائے اور ظن کے ماسوا کی نفی کی تاکید کے لیے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا اضافہ کیا گیا ہے:] ﴿وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۳- ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ اور ان کے لیے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو انہوں نے کیے تھے (یعنی) ان کفار کے لیے ان کے اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی یا ان کفار کے بُرے اعمال کی سزائیں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'' وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ:۴۰)'' اور بُرائی کی سزا اسی کی مثل بُرائی ہے'' ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور ملے گی۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

ع ۴ ۱۱ ۲۰

اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر کے (عذاب میں) چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیے رکھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہےO یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا' سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا اور ان سے رضا طلب نہیں کی جائے گیO سو تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا مالک ہے اور تمام جہانوں کا مالک ہےO اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے

اور وہ سب پر غالب ہے (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے○

٣٤- ﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا یعنی ہم تمہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے ملنے کی تیاری کو چھوڑ دیا تھا اور وہ تیاری اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کرنا ہے یعنی تم نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور اس کی طرف سے جزاء کے ملنے کو بھلا دیا تھا [''لقاء'' کی ''یوم'' کی طرف اضافت اس طرح ہے جس طرح درج ذیل ارشاد میں ''مکر'' کی اضافت ہے: ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سباء:٣٣) ''بلکہ یہ تمہاری رات اور دن کی سازشیں تھیں''] ﴿وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور تمہارا ٹھکانا یعنی تمہاری منزل و رہائش گاہ دوزخ کی آگ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

٣٥- ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا﴾ اس عذاب کا سبب یہ ہے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا' سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''لَا يَخْرُجُوْنَ'' (یا مفتوح اور راء اور جیم مضموم فعل مضارع معروف) ہے] ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اور ان سے یہ طلب نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو منالیں یعنی وہ اسے راضی کرلیں۔

٣٦- ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں تمام تعریفیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے' تمام جہانوں کا رب ہے یعنی پس تم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کرو جو تمہارا رب ہے اور آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں میں سے ہر چیز کا رب ہے' سو اس طرح کی پرورش اور ربوبیت عامہ ہر پلنے والے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو واجب و لازم کرتی ہے۔

٣٧- ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین میں بڑائی صرف اسی کے لیے ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ اپنے احکام میں بہت بڑا حکمت والا ہے۔

سورة الاحقاف ﴿٤٦﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ آیاتها ٣٥ رکوعاتها ٤

سورۃ الاحقاف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی پینتیس آیات' چار رکوع ہیں

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④

حٰمٓO یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہےO ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک' اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ اس چیز سے روگردانی کر رہے ہیں جس سے وہ ڈرائے گئے ہیںO (اے محبوب!) فرمایئے کہ کیا تم نے ان کے بارے میں غور کیا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کے لیے کوئی شرکت ہے' تم اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کا بقیہ میرے پاس لے کر آؤ اگر تم سچے ہوO

اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور کفار اور ان کے بتوں کی مذمت کا بیان

١ تا ٣- ﴿حٰمٓO تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِO مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو سب پر غالب ہے (اور) بڑا حکمت والا ہےO ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور حکمت پر مبنی پیدا کیا ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور مقررہ مدت تک' جس تک پہنچ کر تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں جس دن کی ہولناکی سے ڈرایا گیا ہے (اس سے وہ روگردانی کرتے ہیں) یہ وہ دن ہے جس کی طرف پہنچ کر ہر مخلوق کی انتہاء ہو جاتی ہے ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں' اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کے لیے تیاری کا اہتمام کرتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ "ما" مصدریہ ہو یعنی ان کو اس دن کے بارے میں ڈرانے سے]۔

٤- ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ اے محبوب! فرمایئے کہ کیا تم نے دیکھا ہے (یعنی) مجھے خبر دو اور بتاؤ کہ ﴿مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو" ای تعبدونه من الاصنام "یعنی بتوں میں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ انہوں نے زمین میں سے کیا چیز پیدا کی ہے یعنی اگر وہ بت معبود ہیں تو انہوں نے جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ یا ان کے لیے آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شرکت ہے ﴿اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ﴾ تم میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یعنی اس کتاب سے پہلے اور وہ قرآن مجید ہے یعنی بے شک یہ کتاب یعنی قرآن مجید توحید کو بیان کرتا ہے اور شرک کی تردید کرتا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی مگر وہ بھی اسی طرح بیان کرتی تھی' سو تم اس سے پہلے کی نازل شدہ کوئی ایک کتاب لاؤ تاکہ غیر اللہ کی عبادت کے جس طریقے پر تم قائم ہو وہ اس کے صحیح ہونے کی گواہی دے ﴿اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ یا پہلے لوگوں کے علوم میں سے تمہارے پاس کوئی بچا کھچا علم رہ گیا ہے تو اسے لاؤ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس سے دعا کرتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کے لیے قبول نہیں کرے گا اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں O اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور وہ ان کی عبادت سے منکر ہو جائیں گے O

٥- ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور ان سے بڑھ کر زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے دعا کرتے ہیں جو انہیں قیامت کے دن تک جواب نہیں دیں گے اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں یعنی ہمیشہ کے لیے۔

٦- ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً﴾ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے ﴿وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے' وہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا تھا اور ''مَنْ اَضَلُّ'' میں استفہام کا معنی انکار اور نفی ہے کہ بت پرستوں سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ گمراہ نہیں ہے بلکہ بت پرست سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں کیونکہ انہوں نے ہر چیز پر قادر اور ہر ایک کی دعا سننے والے اور قبول کرنے والے خدا سے دعا کرنا چھوڑ دیا اور اس کے علاوہ بے جان بتوں سے دعا کرنے لگ گئے' جو ہمیشہ رہتی دنیا تک اور قیامت کے قائم ہونے تک نہ ان کی دعا سنتے ہیں اور نہ ان میں سے کسی کی دعا قبول کرنے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی اور تمام لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے' پس ان کے بت دونوں جہاں میں ان کے لیے صرف باعث ضرر ونقصان ثابت ہوں گے اور ان کے باطل معبود بتوں نے دنیا میں ان کی دعائیں اور فریادیں قبول نہ کر کے ان کی کوئی مدد نہیں کی اور آخرت میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور جب ان کی طرف استجابت وغفلت کی نسبت کی گئی جو کہ اہل علم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو ان کے لیے ''مَنْ'' اور ''هُمْ'' کہا گیا اور محض ان کا اور ان کی عبادت کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو ترک استجابت اور غفلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ''اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ'' (فاطر:١٤) ''اگر تم ان کو بلاؤ تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر (بفرضِ محال) وہ سن لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے''۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٨ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٩

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے متعلق کہتے ہیں جب وہ ان کے پاس آ چکا کہ یہ کھلم کھلا جادو ہےO کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے' وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول رہتے ہو' میرے درمیان اور تمہارے درمیان وہی گواہی دینے کو کافی ہے' اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اور میں تو پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈر سنانے والاO

قرآن مجید کی حقانیت اور کفار کی مذمت کا بیان

٧- ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتیں۔ ''بَيِّنٰت'' ''بَيِّنَة'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: حجت و دلیل اور گواہ یا (حق و باطل اور حلال و حرام کو) واضح طور پر بیان کرنے والیں ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ ﴾ تو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہاں ''حق'' سے آیات مراد ہیں اور ''الذین کفروا'' سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں' پس دونوں ظاہر اسموں کو دو ضمیروں کی جگہ پر رکھا گیا ہے تا کہ منکرین پر کفر کی اور تلاوت کردہ آیاتِ الٰہیہ پر حق ہونے کی مہر لگا دی جائے ﴿ لَمَّا جَآءَهُمْ ﴾ جب وہ (حق) ان کے پاس آیا یعنی جس وقت حق سچ پر مبنی قرآن مجید ان کے پاس آیا تو اس کے آتے ہی انہوں نے اس کا انکار کے ساتھ سامنا کیا اور پہلی دفعہ سنتے ہی انہوں نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کے انکار کر دیا ﴿ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ یہ کھلا جادو ہے جس کا جادو اور باطل ہونا بالکل ظاہر ہے' اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

٨- ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ اس میں کفار کی طرف سے آیاتِ قرآنی کو جادو کہنے کے ذکر سے ان کے اس قول کی طرف اعراض ہے کہ محمد (ﷺ) نے اس کو از خود بنا لیا یعنی اس کو خود گھڑ لیا' پھر اس جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی اور اس میں ضمیر ''حق'' کی طرف لوٹتی ہے اور حق سے قرآن مجید کی آیات مراد ہیں ﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے ہو یعنی اگر بفرضِ محال میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بہتان تراشنے کی وجہ سے مجھے سزا دے تو تم مجھے سزا دینے سے اس کو روکنے اور میرا دفاع کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتے ہو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ دور کر سکتے ہو' سو میں اسے کیسے گھڑوں گا اور میں اس کے عذاب کے لیے اپنے آپ کو کیونکر پیش کروں گا ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ﴾ وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول ہوتے ہو یعنی تمہاری ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو وحی الٰہی میں جرح و قدح کرتے ہو اور اس کی آیات میں زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور کبھی ان کو جادو اور کبھی ان کو جھوٹ و افتراء کہتے ہو ﴿ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے' وہی میری سچائی اور میری تبلیغ حق کی گواہی دے گا اور تمہارے جھوٹ اور انکار کی گواہی دے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم اور گواہی کے ذکر کرنے کا مطلب حق کے خلاف زبان درازی میں ان کے مشغول ہونے پر عذاب و عقاب اور سزا کی وعید (دھمکی دینا) ہے ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ اور وہ بہت مغفرت و بخشش کرنے والا ہے' بے حد مہربان ہے (یعنی) اگر کفار اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور وہ ایمان لے آئیں تو ان کے لیے

مغفرت ورحمت کا وعدہ ہے۔

۹۔ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں یعنی میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں' جس طرح ''خَفّ'' بہ معنیٰ ''خَفِيف'' آتا ہے' اسی طرح ''بِدْعًا'' بہ معنیٰ ''بَدِيعًا'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں کہ تم میری نبوت کا انکار کردو ﴿وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ﴾ اور میں ازخود (اپنے آپ) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی میں نہیں جانتا کہ آئندہ مستقبل کے زمانہ میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا[۱]

حضرت امام کلبی تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان' مشرکین مکہ کے ظلم وستم اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ گئے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اس حال پر کب

---

۱ واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ میں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے' اور درایت کا معنی ہے: کسی چیز کو انکل پچو سے اور حیلہ سے یا قیاس سے جاننا' اسی لیے ہم نے اس کا معنی کیا ہے: میں ازخود نہیں جانتا' اور کتب لغت سے اس پر حسب ذیل شواہد ہیں:

• دری: حیلہ سے جاننا۔ (المنجد اُردو ص ۳۲۱)

دری: وہ معرفت جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۴)

دری: کسی قسم کے حیلہ سے جاننا۔ (القاموس ص ۱۲۸۲)

کسی چیز کو قیاس سے اور حیلہ سے جاننا درایت ہے اور کسی چیز کو مطلقاً جاننا علم ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' سورۂ لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علم کی بجائے درایت کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ درایت میں کسی چیز کو حیلہ سے جاننے کا معنی ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اب ہمارے جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر ازخود نہیں جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ اور آپ کے متبعین کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں آپ سے درایت کی نفی کرائی ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں ازخود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور اس آیت میں آپ سے علم کی نفی نہیں کرائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو علم تھا کہ آپ آخرت میں مقامِ محمود پر فائز ہوں گے' آپ کو شفاعتِ کبریٰ عطا کی جائے گی' سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے ہم جیسے لاتعداد گناہ گار جنت میں داخل ہوں گے اور کفار میدانِ حشر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار سے محروم ہوں گے' ان کے چہرے سیاہ اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور بالآخر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' لہٰذا اس آیت میں درایت کی نفی ہے یعنی آپ اپنا اور کفار کا آخرت میں انجام ازخود نہیں جانتے تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے متبعین جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں اور آپ کا جو بھی علم تھا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا ازخود نہیں تھا اور یہی جواب حضرت ام العلاء کی حدیث کا بھی ہے' جس میں آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ازخود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس حدیث میں بھی آپ نے ''مَا اَدْرِیْ'' فرمایا ہے ''مَا اَعْلَمُ'' نہیں فرمایا' اور آپ نے درایت کی نفی کی ہے علم کی نفی نہیں کی۔

اور اگر بالفرض اس آیت میں اور اس حدیث میں درایت سے مراد علم ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ آپ نے درایت کی نفی سے آخرت سے تفصیلی علم کی نفی کی ہے علم اجمالی کی نفی نہیں کی یعنی آپ کو اجمالی طور پر معلوم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا' لیکن تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آخرت میں جنت میں آپ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک رہیں گے؟ سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ'' میں ازخود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' آیا مجھے مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا جائے گا یا مجھے اس سرزمین کی طرف ہجرت کر کے چلے جانے کا حکم دیا جائے گا جسے اٹھا کر میرے سامنے کیا گیا اور میں نے اس کو دیکھا یعنی خواب میں کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور آپ کے متبعین کے کیا مقامات ہوں گے اور کتنے درجات ہوں گے اور کفار آخرت میں دوزخ کے کون کون سے طبقات میں ہوں گے اور بعد میں آپ کو ان چیزوں کا تفصیلی علم دے دیا گیا' جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث شاہد ہیں' علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ٩٨٦ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حدیث ام العلاء میں) فرمایا: ''واللّٰہ ما ادری وانا رسول اللّٰہ'' اس میں درایت تفصیلیہ کی نفی کی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت ہو چکی ہے اور آپ کے وہ مقامات ہیں جو کسی اور کے نہیں ہیں (الٰی قولہ) یا یہ حدیث ''لیغفرلک اللّٰہ'' سے منسوخ ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۷۴۔۱۷۵' مکتبہ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ٧٢٨ھ لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل نہیں تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل تھی تو آپ نے اس وقت اس درایت کی نفی کی تھی جو آپ کو ازخود اپنی عقل سے حاصل ہو اور آپ نے اس درایت کی نفی نہیں کی تھی جو آپ کو وحی سے حاصل ہوئی ہو۔ (غرائب القرآن جز ٢٦ ص ١١٨' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ٥٣٨ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''ما ادری'' میں درایت مفصلہ کی نفی کی گئی ہو۔

(الکشاف ج ۴ ص ۳۰۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کو میں اختیار کرتا ہوں' وہ یہ ہے کہ اس آیت سے درایت کی نفی کرنا مراد ہے جو بغیر وحی کے ہو (میں ازخود نہیں جانتا)' عام ازیں کہ وہ درایت تفصیلی ہو یا اجمالی ہو اور خواہ اس کا تعلق دنیاوی اُمور سے ہو یا اُخروی امور سے ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور تمام شانوں کا علم دے دیا گیا' اور جن چیزوں کے علم کو کمال قرار دیا جاتا ہے ان تمام چیزوں کا علم آپ کو دے دیا گیا اور آپ کو اتنا علم دے دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں میں کسی کو اتنا علم نہیں دیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ دنیا کے بعض جزوی حوادث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے علم کا کمال نہیں رہے گا' مثلاً یہ کہ زید آج اپنے گھر میں کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرے گا اور میں کسی قائل کے اس قول کو اچھا نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ غیب کو جانتے ہیں اس کو اس کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع (آگاہ) فرما دیا ہے یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کہنی چاہیے۔

(تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ١٦۔١٧' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

حضرت ام العلاء کی حدیث کا علامہ آلوسی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ''ما ادری ما یفعل بی'' فرمانا اس آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی ''لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح: ٢)۔

(روح المعانی جز ٢٦ ص ١٦' دار الفکر' بیروت)

علامہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ کا ''مَا اَدْرِیْ'' فرمانا سورۃ الاحقاف: ٩ کے موافق ہے کیونکہ اس میں بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کھجوروں اور درختوں والی سرزمین ہے [اور ''مَا یُفْعَلُ'' میں لفظ ''ما'' ممکن ہے موصولہ منصوبہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استفہامیہ مرفوعہ ہو اور ''وَلَا بِکُمْ'' میں حرف ''لا'' باوجودیکہ ''یفعل'' مثبت ہے منفی نہیں' صرف اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''مَا اَدْرِیْ'' میں حرف ''ما'' نفی کے معنی پر مشتمل ہے اور حرف ''ما'' اس کے حیز میں ہے] ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور میں پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿١١﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم نے غور سے دیکھا کہ اگر وہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دے دی ہے' پس وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا' بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا○ اور کافروں نے مسلمانوں کے بارے میں کہا: اگر وہ (اسلام) بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور جب انہوں نے اس کی ہدایت نہیں پائی تو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے○

١٠- ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی دی' وہ جمہور کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ مدنی ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن سلام کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ ابن سلام نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زیارت کی اور آپ کے چہرۂ اقدس کو غور سے دیکھا تو جان لیا کہ ایسا چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا' چنانچہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال ایسے کرتا ہوں کہ جن کو صرف نبی جان سکتا ہے (١) قیامت کے قائم ہونے کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے (٢) اہل جنت جو سب سے پہلا کھانا کھائیں گے وہ کیا ہوگا (٣) اولاد شکل و صورت میں باپ کی طرف مائل ہوتی ہے یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ'' ہے اور یہ واقعہ ''لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح: ٢) سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحقاف مکی ہے اور سورۃ الفتح بالاتفاق مدنی ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا' اس کے علاوہ اور صریح احادیث ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے اخروی احوال اور مقامات کا علم تھا' سو جن احادیث میں آپ کے اخروی علم کا ثبوت ہے وہ آپ کے علم اجمالی پر محمول ہیں اور جن آیات اور احادیث میں آپ کے علم اخروی کی نفی ہے وہ علم محیط اور علم تفصیلی پر محمول ہیں۔

(فتح الباری ج ٣ ص ٤٥٢' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ' ماخوذ باختصار از تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٥١ تا ٥٣' فرید بک سٹال' لاہور)

ماں کی طرف' سو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور لیکن رہا پہلا کھانا جسے اہل جنت کھائیں گے تو وہ مچھلی کا جگر ہوگا اور لیکن رہا اولاد کا معاملہ تو جماع کے وقت اگر مرد کا پانی غالب آ جائے تو شکل وصورت میں باپ کی طرح ہوتی ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت کر کے غالب آ جائے تو پھر شکل وصورت میں ماں کی طرح ہوتی ہے' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن سلام نے یہ سن کر فوراً پڑھا: ''اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں ﴿عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے یعنی معنی میں قرآن مجید کی مثل پر اور یہ تورات شریف کے وہ معانی مراد ہیں جو قرآن مجید کے معانی کے مطابق وموافق ہیں جیسے توحید ورسالت اور وعد اور وعید وغیرہ کا بیان اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اس کی مثل پر گواہی دے دی ہے یعنی اس بات کی کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿فَاٰمَنَ﴾ اور وہ گواہ اس پر ایمان لے آیا ﴿وَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ اور تم نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا [شرط کا جواب محذوف ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(ان كان) القرآن (من عند الله و كفرتم به) الستم ظالمين'' اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا تو کیا تم ظالم نہیں ٹھہرو گے' اور اس محذوف پر (درج ذیل کلام) دلالت کرتا ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا [پہلی واؤ ''كفرتم به'' کو فعل شرط پر عطف کرنے کے لیے ہے اور اسی طرح اخیری واؤ ''شهد شاهد'' پر ''استكبرتم'' کا عطف کرنے کے لیے ہے اور ''وَشَهِدَ شَاهِدٌ'' میں جو واؤ ہے یہ ''شَهِدَ شاهد من بنى اسرائيل على مثله فآمن واستكبرتم'' جملے کا ''كان من عند الله و كفرتم به'' کے جملے پر عطف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان کفار سے فرما دیجئے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس سے تمہارے کفر کے ساتھ جمع ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بڑے عالم کی اس کی مثل کے نزول پر گواہی دینا اور اس پر اس کا ایمان لانا' اس سے تمہارے تکبر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کے ساتھ جمع ہو گیا تو کیا تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بڑھ کر گمراہ اور ظالم نہیں ٹھہرو گے؟

۱۱- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا یعنی ان کی وجہ سے کہا اور وہ کفارِ مکہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ عام لوگ جو (سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفےٰ ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں' وہ گھٹیا لوگ ہیں' ان کی مراد فقیر وغریب مسلمان تھے جیسے حضرت عمار' حضرت صہیب رومی اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ اگر وہ خیر و بھلائی ہوتی تو اس کی طرف وہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جو قرآنی تعلیمات لے کر تشریف لائے ہیں اگر وہ خیر و بھلائی پر مبنی ہوتیں تو یہ لوگ (صحابۂ کرام) ان کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے ﴿وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ﴾ [''اذ'' میں عامل محذوف ہے کیونکہ اس پر کلام دلالت ورہنمائی کر رہا ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(واذ لم يهتدوا به) ظهر عنادهم''] اور جب انہوں نے اس سے ہدایت نہ پائی تو ان کا بغض وعناد ظاہر ہو گیا ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ سو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے' اور یہ قول مسبب عنہ ہے اور ان کا ''افك قديم'' یعنی پرانا جھوٹ کہنا اس طرح ہے جس طرح ان کا ''اساطير الاولين'' (الانعام: ۲۵) کہنا ہے کہ یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۳ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی' اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈر سنائے اور نیکوں کے لیے بشارت ہو○ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف و ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○ یہی جنت والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ ان اعمال کا انعام ہے جو وہ کیا کرتے تھے○

تورات وقرآن اور ثابت قدم رہنے والوں کی شان

۱۲- ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ﴾ اور اس سے پہلے یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے ﴿كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب رہبر ورہنما تھی' امام کا معنی ہے: ایسا مقتدا اور پیشوا جس کی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام میں پیروی کی جائے جیسا کہ حاکم وقت کی پیروی کی جاتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے تورات شریف مراد ہے [''كِتَابُ مُوْسٰى'' مبتدا ہے اور ''وَمِنْ قَبْلِهٖ'' ظرف ہے جو کہ اس پر خبر مقدم واقع ہوئی ہے اور یہ ''اِمَامًا'' کا ناصب ہے اور ''اِمَامًا'' حال ہے جیسے ''فِي الدَّارِ زَيْدٌ قَائِمًا'' ہے] ﴿وَّرَحْمَةً ؕ﴾ اور جو شخص اس پر ایمان لایا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا اس کے لیے رحمت تھی ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ﴾ اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید ﴿مُّصَدِّقٌ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی اور ان تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں ﴿لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے [یہ ''مُصَدِّقٌ'' میں کتاب کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے حال ہے اور اس میں عامل ''مُصَدِّقٌ'' ہے یا خود کتاب سے حال ہے کیونکہ یہ صفت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عمل کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''مُصَدِّقٌ'' کا مفعول ہو' ''اَیْ يُصَدِّقُ ذَا لِسَانٍ عَرَبِيٍّ وَهُوَ الرَّسُوْلُ'' یعنی عربی زبان والا تصدیق کرتا ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں] ﴿لِّيُنْذِرَ﴾ تاکہ وہ ڈر سنائے یعنی کتاب (قرآن) [ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں ''لتنذر'' ہے] ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ﴾ جن لوگوں نے ظلم وستم کیا (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ﴿وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور نیکوں کاروں کے لیے بشارت ہے (یعنی) فرماں بردار نیک مسلمانوں کے لیے بشارت ہے [''بُشْرٰی'' محلاً منصوب ہے اور یہ ''لِيُنْذِرَ'' کے محل پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس کا مفعول لہ ہے]۔

۱۳- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' پھر وہ ثابت قدم رہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اس کے نبی سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر قائم ودائم رہے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ تو قیامت میں ان پر کوئی خوف و ڈر نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ موت کے وقت غمگین و رنجیدہ ہوں گے۔

۱۴- ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ یہی لوگ جنت کے مالک ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [''خالدین''، ''اصحاب الجنة'' سے حال ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عامل ہے جس پر ''اولئك'' دلالت کرتا ہے] ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ یہ ان اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے [''جزاء'' مصدر ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے: ''ای جوزوا جزاء'' یعنی انہیں خوب جزائے خیر دی جائے گی]۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی' اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف سے ہی جنا' اور اسے پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے' یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے الہام (توفیق) عطا فرما کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کو راسخ فرما' بے شک میں نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں O

والدین کی شان اور نیک اولاد کی اہمیت وفضیلت

۱۵- ﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی ہے یعنی ہم نے اس کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے [کوفیوں کی قراءت میں ''احسانا'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''حُسْنًا'' ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی والے معاملہ کی وصیت کی یا نیک معاملہ کی وصیت کی' پس یہ ''بوالدیه'' سے بدل کی جگہ واقع ہے اور یہ بدل الاشتمال ہے] ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ﴾ اس کی ماں نے اسے بڑی مشقت میں پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اسے جنا [اہل حجاز اور ابوعمرو نے (دونوں میں) کاف کو مفتوح یعنی ''كَرْهًا'' پڑھا ہے اور یہ (کاف مضموم اور مفتوح) دو لغتیں ہیں' مشقت کے معنی میں ہیں اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی مشقت اٹھانے والی یا یہ مصدر کی صفت ہے یعنی مشقت والا حمل] ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ﴾ اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا (یعنی) اور اس کے حمل کی مدت اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ﴾ تیس مہینے ہیں اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہے کیونکہ رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت جب دو سال ہے' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ'' (البقرہ: ۲۳۳) تو حمل کے لیے باقی چھ مہینے رہ گئے

اور یہی حضرت قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے[1] اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حمل سے ہاتھوں میں اور گود میں بچے کو اٹھانا مراد ہے (کیونکہ اس مدت میں بچہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتا) [قاری یعقوب کی قراءت میں ''وفصلہ'' پڑھا گیا ہے اور ''فصل'' اور ''فصال'' وزن اور معنی میں ''فطم'' اور ''فطام'' کی طرح ہیں] ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا [''اَشُدَّ'' جمع ہے اس کے لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا اور سیبویہ کہتے تھے کہ اس کا واحد ''شِدَّةٌ'' ہے] اور ''بلوغ الاشد'' یہ ہے کہ درمیانی عمر کو پہنچ جائے (یعنی ادھیڑ عمر کا ہو جائے) اور یہ عمر کا وہ سن ہے جس میں آدمی کی قوت اور عقل مستحکم و مضبوط اور پختہ ہو جاتی ہے اور یہ عمر اس وقت ہوتی ہے جب آدمی تیس سال سے بڑھ جاتا ہے اور چالیس سال کے قریب پہنچ جاتا ہے اور حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ وہ تینتیس سال ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقل و قوت کی تکمیل کا آغاز ہوتا ہے' چالیس سال مکمل ہو جانے پر اس کی تکمیل کی انتہاء ہوتی ہے

---

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت پیش کی گئی' جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا' آپ نے اس کے متعلق صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت پر کوئی رجم نہیں' کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا'' اس کے حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے' پھر فصال کی مدت کے متعلق فرمایا: ''وفصالہ فی عامین'' دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد حمل کے لیے صرف چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

قدیم اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حکیم جالینوس سے منقول ہے کہ میں اس امر کی کھوج میں لگا رہا کہ حمل کی کم سے کم مدت کتنی ہے' یہاں تک کہ میں نے ایک عورت دیکھی جس نے ۱۸۴ دنوں (چھ ماہ اور سولہ دن) میں بچہ جنا۔

جدید تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے یعنی ۱۹۶ دن رحم میں رہنا پڑتا ہے۔ یہ چھ ماہ اور سولہ دن بنتے ہیں۔ دنوں کا شمار اس وقت شروع ہوتا ہے جب عورت حیض سے فارغ ہوتی ہے اور اس طہر کا آغاز ہوتا ہے جس میں حمل قرار پاتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ طہر کے پہلے دنوں میں ہی حمل قرار پا جائے' بلکہ جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ حیض سے ۱۴ دن پہلے دو چار روز کے عرصہ میں عمل تلقیح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سولہ دن کا فرق بھی نہیں رہتا۔ حمل کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے' قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ابو علی سینا نے اپنی مشہور کتاب ''الشفاء'' کے نناویں مقالہ میں لکھا ہے کہ مجھے نہایت باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت کے ہاں حمل کے چوتھے سال بچہ پیدا ہوا' اس کے منہ میں دانت اُگ آئے تھے' پھر وہ زندہ سلامت رہا۔ ارسطاطالیس نے کہا ہے کہ دیگر حیوانات کے لیے تو حمل کی مدت مقرر ہے لیکن انسان کے بارے میں یقینی تحدید مشکل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم نے دودھ پلانے کی تو زیادہ سے زیادہ مدت بیان کی اور حمل کی کم سے کم مدت؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان المقصود من تقدیر اقل الحمل ستة اشهر وتقدیر اکثر الرضاع حولین کاملین السعی فی دفع الضارّ والفواحش وانواع التهمة عن المراة فسبحان من له تحت کل کلمة من هذا الکتاب اسرار عجیبة ونفائس لطیفة تعجز العقول عن الاحاطة بکمالها'' (تفسیر کبیر) ترجمہ: یعنی اس میں حکمت یہ ہے تاکہ عورت سے ہر قسم کی تہمت کا سدِّ باب کیا جا سکے' ضرر رسانی اور فحاشی کا قلع قمع ہو سکے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں ہزاروں حکمتیں اور لطیفے ودیعت فرمائے ہیں' جن کے احاطے سے عقل عاجز ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۴۸۵ تا ۴۸۶)

﴿ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ ﴾ اور وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے "اَوْزِعْنِیْ" بہ معنیٰ "اَلْھِمْنِیْ" ہے کہ مجھے الہام فرما اور یہاں نعمت سے توحید الٰہی اور دین اسلام کی نعمت مراد ہے اور بیٹے پر اور اس کے والدین پر نعمت واحسان کے شکر کو اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ اس کے والدین پر احسان خود اسی پر احسان ہے ﴿ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾ اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ عمل صالح سے پنجگانہ نمازیں مراد ہیں ﴿ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ ﴾ اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کرنے کا جذبہ وشوق راسخ فرما یعنی میری اولاد کو نیک کاموں کے وقوع پذیر ہونے کا مرکز اور نیکی کے گمان کی جگہ بنا دے ﴿ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ ﴾ بے شک میں نے ہر گناہ سے توبہ کر کے تیری طرف رجوع کر لیا ہے ﴿ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں (یعنی) مخلص لوگوں میں سے ہوں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯

یہی لوگ جنت والوں میں ہیں جن کی نیکیاں ہم ان کی طرف سے قبول کر لیتے ہیں اور ہم ان کی بُرائیوں سے درگزر کر لیتے ہیں' سچا وعدہ وہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھاO

۱۶- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کریں گے اور ان کی بُرائیوں سے درگزر کریں گے [امام حفص' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں (نون جمع متکلم کے ساتھ) "نَتَقَبَّلُ" اور "نَتَجَاوَزُ" (فعل معروف جمع متکلم) ہے اور "احسن" منصوب ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ("یا" مضموم فعل مضارع مجہول کے ساتھ) "یُتَقَبَّلُ" اور "یُتَجَاوَزُ" ہے اور "أحسن" مرفوع ہے] ﴿ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ ﴾ وہ جنت والوں میں ہوں گے۔ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ "أكرمني الأمير في ناس من أصحابه" یعنی مسلمانوں کے امیر نے اپنے ساتھیوں میں سے تمام لوگوں میں میری تعظیم و توقیر کی۔ اس سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ اس نے تمام معززین میں میری تعظیم کی اور مجھے انہیں افراد میں شمار کیا [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت والوں میں ہونے والے ہیں اور ان کو انہیں میں شمار کیا جائے گا ﴿ وَعْدَ الصِّدْقِ ﴾ یہ سچا وعدہ ہے' یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ("نَتَقَبَّلُ" اور "نَتَجَاوَزُ") اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے نیک اعمال کی قبولیت اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے جنت والوں میں شامل کرنے کا پکا اور سچا وعدہ ہے۔

شانِ نزول: مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو اور ان کی والدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر اور ان کی اولاد (حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور ابوعتیق محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر) کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق کی دعا ان سب کے حق میں قبول کر لی گئی تھی' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت ایمان لائے تھے اس وقت ان کی عمر اڑتیس (۳۸) سال تھی اور انہوں نے والدین کے ایمان لانے کی جب دعا کی' اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور مہاجرین اور انصار میں سے تمام صحابہ کرام میں حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماسوا کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین نے اسلام قبول کیا ہو اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں نے اسلام قبول کیا ہو ﴿الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ جو انہیں دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف (نفرت) ہے کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں ایک دوسرے کے بعد گزر چکی ہیں' اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں تجھ پر افسوس تو ایمان لا' بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو وہ کہتا ہے: یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے ان تمام قوموں میں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں O

نافرمان اور بدعقیدہ اولاد کی مذمت کا بیان

۱۷- ﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ﴾ اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ'' ہے اور ''الَّذِیْ قَالَ'' سے اسم جنس مراد ہے جو بھی یہ بات کہنے والا ہو اور اس لیے خبر کو جمع لایا گیا ہے]۔

شانِ نزول: اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اپنے والدین کے نافرمان اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کو جھٹلانے والے کافر کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ اس وقت وہ ایمان لا کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے' لیکن اس قول کے باطل اور غلط ہونے پر حضرت معاویہ کا مروان کی طرف لکھا گیا خط گواہ ہے' جس میں (اس وقت کے گورنر مدینہ) مروان سے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت کا حکم دیں' چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے ان سے فرمایا کہ تم ہرقل بادشاہ قیصر روم کے طریقے کو لا رہے ہو' کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؟ سو مروان نے کہا: اے لوگو! یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا'' اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف ہو' سو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئیں اور پردے کی اوٹ سے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص حضرت عبدالرحمٰن نہیں ہیں اور اگر میں چاہوں تو میں نام لے کر بتا سکتی ہوں کہ یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اس کی پشت میں تھے' سو تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے راہِ راست سے کٹا ہوا ہے[1]۔

[1] حضرت زجاج نے کہا کہ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ تمہارے لیے اُف ہو' اُف وہ آواز ہے کہ جب کوئی انسان اس سے آواز نکالتا ہے اور یہ کلمہ بولتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ڈانٹ کر جھڑکیاں دے رہا ہے اور اپنی نفرت و ناگواری کا اظہار کر رہا ہے' جیسا کہ جب کوئی شخص حس کہہ کر آہستہ دُکھ بھری آواز نکالتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے درد لاحق ہے اور لام بیان کے لیے ہے یعنی یہ نفرت و ناگواری صرف تم دونوں کے لیے مخصوص ہے اور صرف تمہارے لیے ہے تمہارے سوا کسی کے لیے نہیں [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں "اُفٍّ" کا "فا" مکسور تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "فا" مفتوح بغیر تنوین کے "اُفَّ" پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک "فا" مکسور بغیر تنوین کے "اُفِّ" پڑھا جاتا ہے] ﴿ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ ﴾ کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا اور زمین (یعنی اپنی قبر) سے نکالا جاؤں گا ﴿ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ﴾ اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور اُمتیں گزر چکی ہیں اور ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد زندہ کر کے نہیں اٹھایا گیا ﴿ وَهُمَا ﴾ اور وہ دونوں یعنی اس کے دونوں ماں باپ ﴿ يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ ﴾ وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) وہ دونوں ماں باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ تجھ سے اور تیری بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی فریاد چاہتے ہیں اور یہ طلب فریاد دراصل اس ناخلف بیٹے کی بات کو بہت بڑا جرم قرار دینا ہے اور وہ دونوں ماں باپ اس سے کہتے ہیں کہ ﴿ وَيْلَكَ ﴾ تجھ پر افسوس ہے۔ اصل میں تو یہ اس کے لیے ہلاکت وتباہی کی بددعا ہے لیکن اس سے مراد اس کو ایمان کی ترغیب دینا اور اسے اس پر برانگیختہ کرنا ہے حقیقی ہلاکت مراد نہیں ہے ﴿ اٰمِنْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لے آ ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ سچا ہے ﴿ فَيَقُوْلُ ﴾ سو وہ اپنے دونوں ماں باپ سے کہتا ہے: ﴿ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ یہ بات تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔

۱۸- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے یعنی یہ بات "لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ○" (الاعراف:۱۸) "البتہ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا○" ﴿ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ ان امتوں میں جو جنوں اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی ہیں' بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

ع ۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے نازل ہوئی تھی' اس نے غلط کہا ہے اور اس کے اس قول کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ باطل کر دیتا ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ" یہ وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عبد الرحمٰن افاضل مؤمنین میں سے بزرگ ترین مؤمن ہیں' سو آپ ان میں سے نہیں ہو سکتے جن پر عذاب کا کلمہ ثابت اور واجب ہو چکا ہے۔

(تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۱۳۵' مطبوعہ مصر' معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۶۸' بیروت' مظہری ج ۸ ص ۴۰۷' مطبوعہ دہلی)

اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انہوں نے کیے ہیں' اور تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○ اور جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیے جائیں گے' (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنی پاکیزہ چیزیں لے چکے ہو اور تم نے ان سے فائدہ حاصل کر لیا ہے' سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کرتے تھے○

١٩ - ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ ﴾ اور ہر ایک کے لیے (یعنی) مذکورہ دونوں جنسوں (جن وانس) میں سے نیکوں اور بُروں سب کے درجے ہیں یعنی مقامات اور مراتب ﴿ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ ﴾ ان اعمال میں سے جو انہوں نے دنیا میں کیے (یعنی) ان کے نیک اور بد اعمال میں سے جو انہوں نے کیے ہیں یا ان اعمال کی وجہ سے جو ان دونوں (نیک و بد) میں سے جو انہوں نے کیے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہاں درجات محض تغلیب کے طور پر فرمایا گیا ہے ورنہ دراصل جنت کے لیے درجات آتا ہے اور دوزخ کے لیے درکات آتا ہے ﴿ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور صلہ پورا پورا عطا فرمائے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور امام عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''لیوفیھم'' ہے] ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کے حقوق کے بارے میں ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے اعمال کی مقدار پر ان کی جزاء مقرر کی گئی ہے' سو ثواب کے لیے درجات اور عذاب کے لیے درکات کہا جاتا ہے [اور لام محذوف کے متعلق ہے]۔

٢٠ - ﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ﴾ اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا۔ دوزخ کی آگ پر انہیں پیش کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا' یہ عرب کے اس قول سے ہے: ''عرض بنو فلان علی السیف'' یعنی فلاں کے بیٹوں کو تلوار پر پیش کیا گیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انہیں تلوار سے قتل کیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب ہے کہ آگ کو ان کافروں پر پیش کیا جائے گا۔ یہ عرب کے اس قول سے ہے: ''عرضت الناقة علی الحوض'' جب کہ حوض کو اونٹنی پر پیش کرنا مراد ہوتا ہے' پھر انہیں الٹ کر دیا گیا ﴿ اَذْهَبْتُمْ ﴾ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ تم نے لے لی ہیں [''اذھبتم'' ظرف کا ناصب ہے] ﴿ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا ﴾ اپنی لذیذ و پاکیزہ چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں یعنی لذیذ وعمدہ اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو کچھ تمہارے لیے لکھا گیا تھا وہ سب تم نے دنیا میں پالیا اور بلاشبہ اسے تم لے چکے ہو اور اسے تم حاصل کر چکے ہو' سو اب ان میں سے تمہارے حصے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی' اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو میں تم سب سے عمدہ اور لذیذ کھانا کھا سکتا تھا اور میں تم سب سے اچھا اور قیمتی لباس پہن سکتا تھا' لیکن میں اپنے حصے کی عمدہ اور لذیذ و پاکیزہ چیزوں کو آنے والی زندگی کے لیے باقی رکھتا ہوں ﴿ وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ ﴾ اور تم نے ان سے (یعنی) پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھالیا ہے ﴿ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا یعنی حقارت وخواری اور ذلت ورسوائی والا عذاب اور ''الھوان'' بھی پڑھا گیا ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر وغرور کرتے تھے ﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴾ اور اس سبب سے کہ نافرمانیاں کرتے تھے یعنی تمہیں تمہارے تکبر وغرور اور تمہارے فسق وفجور کے سبب ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَاۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی (حضرت ھود) کو یاد کیجئے' جب اس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے اور اس کے بعد بہت سے ڈرانے والے گزر چکے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوںO انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو' سو تم ہم سے جس کا وعدہ کرتے ہو اسے ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہوO اس نے فرمایا: بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہوO

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ کے منکر قوم عاد کا انجام

٢١- ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ﴾ اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی کو یاد کیجئے یعنی حضرت ھود علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ جب اس نے احقاف کی سرزمین پر اپنی قوم کو ڈرایا۔ ''أحقاف''، ''حِقْفٌ'' کی جمع ہے اور یہ بلند و بالا اور طویل و لمبے بل کھاتے ہوئے منحنی اور قدرے ڈھلان کے ریتلے ٹیلے تھے' جہاں قومِ عاد کی بستیاں بنا کر آباد کی گئی تھیں اور یہ ''احقوقف الشیء'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز ٹیڑھی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ احقاف ایک وادی ہے جو عمان اور مُہرہ کے درمیان واقع ہے ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ﴾ اور بے شک بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔ ''نذر''، ''نذیر'' کی جمع ہے اور یہ بہ معنیٰ ''منذر'' ڈرانے والا ہے یا یہ ''انذار'' کی جمع ہے ﴿مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ﴾ اس سے پہلے اور اس کے بعد یعنی حضرت ھود علیہ السلام سے پہلے اور حضرت ھود علیہ السلام سے پیچھے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ'' جملہ معترضہ ہے جو ''انذر قومه'' کے درمیان اور درج ذیل ارشاد کے درمیان واقع ہوا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کفر و شرک اور بہت بڑے عذاب سے ڈرایا تھا اور جو اس سے پہلے رسول گزر چکے تھے' انہوں نے بھی اپنی قوموں کو ڈرایا تھا اور جو اس کے بعد آئے تھے' انہوں نے بھی اسی طرح اپنی قوموں کو ڈرایا تھا۔

٢٢- ﴿قَالُوْۤا﴾ انہوں نے کہا یعنی حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا﴾ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے تھے تا کہ آپ ہمیں پھیر دیں ﴿عَنْ اٰلِهَتِنَاۚ﴾ ہمارے معبودوں سے یعنی ان کی عبادت سے ''لتافكنا''، ''افك'' سے ماخوذ ہے اور ''افك'' کا معنی ہے: پھیرنا' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''أفكه عن رأيه'' اس شخص نے فلاں کو اس

کی رائے سے پھیر دیا ﴿ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ ﴾ سو آپ ہم پر وہ عذاب لے آئیے جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں (یعنی) کفرو شرک کرنے پر جس عذاب کے آنے کا آپ وعدہ کرتے ہیں اور آئے روز ہمیں ڈراتے رہتے ہیں وہ ہم پر لے آئیں ﴿ إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴾ اگر آپ اپنے وعدہ میں ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنا وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں۔

٢٣- ﴿ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللّٰهِ ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کے آنے کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور مجھے ذاتی طور پر اس وقت کا علم نہیں ہے جس میں تم پر عذاب آئے گا ﴿ وَأُبَلِّغُكُم مَّآ أُرْسِلْتُ بِهِ ﴾ اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں [ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) "ابلغکم" ہے] یعنی میری شان یہ ہے کہ میں تمہیں ڈرانے اور خوف دلانے کی وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ﴿ وَلٰكِنِّيٓ أَرَىٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴾ اور لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھتا ہوں کہ تم جہالت سے کام لیتے ہو یعنی اور لیکن تم جاہل قوم ہو اور تم یہ نہیں جانتے کہ رسولوں کو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس لیے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کے لیے ایسے سوالات کریں جن کی انہیں اجازت نہیں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيمَآ إِن مَّكَّنّٰكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصٰرًا وَأَفْئِدَةً فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ أَبْصٰرُهُمْ وَلَآ أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٦﴾

پھر جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے (عذاب کے) بادل کو دیکھا' تو کہنے لگے: یہ ہم پر بارش برسانے والا ہے' بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا' زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے○ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی' سو وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا' اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں○ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں میں قدرت عطا کی تھی جن میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' سو ان کے کانوں نے انہیں فائدہ نہ دیا اور نہ ان کی آنکھوں نے اور نہ ان کے دلوں نے کوئی فائدہ دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے○

٢٤- ﴿ فَلَمَّا رَأَوْهُ ﴾ سو جب انہوں نے اس عذاب کو دیکھا [ضمیر "مَا تَعِدُنَا" کی طرف لوٹتی ہے یا پھر یہ ضمیر مبہم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے وضاحت فرمادی] ﴿ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ ﴾ ان کی وادیوں کی طرف آنے والا ایک بادل' اور عارض اس بادل کو کہا جاتا ہے جو آسمان کے چاروں اطراف میں پھیل جاتا ہے ["عارضا"

تمیز واقع ہو رہی ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے] ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ انہوں نے کہا کہ یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم عاد کے علاقہ میں بارش برسنا رک گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کو بارش کی اشد ضرورت تھی' چنانچہ جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف بادل کو آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا اور انہوں نے اس بادل کی وجہ سے خوب خوشی کا اظہار کیا [''مستقبل'' اور ''ممطر'' کی اضافت مجازی اضافت ہے' معرفہ کرنے والی نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود نکرہ کی صفت ہیں] ﴿بَلْ هُوَ﴾ یعنی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ وہی عذاب ہے' اور اس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ''قال هود بل هو'' ہے ﴿مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ﴾ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ سخت ترین آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

٢٥۔ ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وہ ہر چیز کو تباہ کر دے گی (یعنی) وہ آندھی قوم عاد کے افراد و نفوس اور اموال میں سے اکثر کو تباہ و برباد کر دے گی' سو کثرت کو کلیت سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے (یعنی) ہوا کے رب تعالیٰ کے حکم سے ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ پس وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا یعنی ان کی ہلاکت کے بعد صرف ان کے مکانات نظر آتے تھے باقی مکین سب ہلاک ہو گئے تھے [عاصم' حمزہ اور خلف کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''لا یری'' ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک تائے مخاطبہ کے ساتھ ''لا تری مساکنهم'' پڑھا گیا ہے اور خطاب ہر دیکھنے والے کے لیے ہے خواہ کوئی ہو] ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ جرم کرنے والی قوم کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں یعنی اسی کی مانند ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو انہیں لوگوں کی مانند جرم کرے گا' اور یہ دراصل مشرکین عرب کے لیے وعید اور ڈراوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ہود علیہ السلام نے آندھی کو دیکھا تو آپ اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت ایک احاطہ میں پناہ گزیں ہو گئے' جب ہوا ان کے پاس سے گزرتی تو ان کے نفوس اس سے لذت محسوس کرتے اور یہی آندھی قوم عاد کے پاس سے گزرتی تو ان کے خیموں اور پالانوں کو آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں اُڑاتی پھرتی اور وہ آندھی ان لوگوں کے سروں پر پتھروں کو گراتی' جن کی وجہ سے ان کے بھیجے نکل پڑتے۔

٢٦۔ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر قدرت و قوت عطا کی تھی جن پر ہم نے تمہیں وہ قوت و طاقت اور قدرت عطا نہیں کی [''اِنْ'' نافیہ ہے یعنی ''فِيْمَا مَا مَكَّنّٰكُمْ فِيْهِ'' ہے مگر ''ان'' نافیہ کو لانا لفظ میں بہت بہتر ہے کیونکہ ''مَا'' کا اپنے جیسے ''ما'' کے ساتھ اجتماع بے مزہ تکرار ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ ''مَهْمَا'' اصل میں ''مَا مَا'' تھا لیکن صرف تکرار کی بدمزگی کی وجہ سے الف کو ''ها'' سے تبدیل کر دیا گیا اور ''ان'' کو صلہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ''(اِنَّ لَامَكَّنّٰهُمْ فِيْ) مَثَلِ مَا (مَكَّنّٰكُمْ فِيْهِ)'' کے ساتھ اس کی تاویل کی گئی ہے] یعنی بے شک ہم نے انہیں اسی طرح کی چیزوں میں قدرت و اختیار دیا تھا جس طرح ہم نے تمہیں ان چیزوں میں قدرت و اختیار دیا ہے اور پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے (درج ذیل) ارشادات کی وجہ سے ''هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا'' (مریم:٧٤) ''وہ لوگ تو سامان اور دکھلاوے میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھے''۔ ''كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا'' (الغافر:٨٢) ''وہ لوگ (تعداد میں) ان (کفار مکہ) سے زیادہ تھے اور قوت و طاقت اور عمارتیں بنانے میں بہت سخت تھے'' [اور ''فِيْمَا'' میں ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِيْ'' ہے یا نکرہ موصوفہ

ہے] ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً﴾ اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے یعنی جاننے اور سمجھنے کے آلات بنائے ﴿فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ سو انہیں نہ ان کے کان بچا سکے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کچھ کام آسکے یعنی کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے تھوڑا سا بھی فائدہ نہ ہوا ﴿اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے [''اِذْ'' ''فما اغنی'' کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ علت کے قائم مقام ہے' تعلیل اور ظرف تمہارے اس قول کے معنی میں مساوی ہیں ''ضَرَبْتُهٗ لِاِسَاءَتِهٖ'' میں نے اس کی بُرائی کی وجہ سے اسے مارا'' ''وَضَرَبْتُهٗ اِذَا سَاءَ'' اور میں نے اس کو اس وقت مارا جب اس نے بُرائی کی' کیونکہ جب تم نے اسے بُرائی کے وقت میں مارا تو گویا تم نے اسے وقت میں مارا کیونکہ بُرائی وقت میں موجود ہوتی ہے مگر ''اذ'' اور ''حیث'' اس میں باقی ظروف پر غالب ہیں] ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی انہیں مذاق اڑانے کی سزا دی گئی اور ''حَاقَ'' کا معنی ''نَزَلَ'' ہے اور یہ کفارِ مکہ کے لیے وعید اور دھمکی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی وعید اور دھمکانے کے لیے مزید ارشاد فرمایا (ذیل میں):

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰی وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿٢٩﴾

اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو بار بار بیان کیا تاکہ وہ رجوع کریں ○ سو ان کی مدد کیوں نہیں کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنا لیا' بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے' اور یہ بہتان ہے اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے ○ اور جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا وہ کان لگا کر قرآن کو سنتے' سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے: خاموش رہو' پھر جب پڑھنا پورا ہو چکا تو وہ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ○

گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور جنوں کے ایمان لانے کا بیان

٢٧- ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰی﴾ اور اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا' جیسے حجر کی بستی جس میں قوم ثمود آباد تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں' اور ''القریٰ'' سے اہل القریٰ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ﴿وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور ہم نے آیات کو پھیر پھیر کر طرح طرح کے طریقوں سے بیان کیا یعنی ہم نے دلائل اور عبرتوں کے مختلف اقسام و انواع کو ان پر بار بار دُہرا کر بیان کیا تاکہ وہ سرکشی و نافرمانی سے توبہ کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں لیکن انہوں نے رجوع نہیں کیا تھا۔

٢٨ - ﴿ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ﴾ سو ان کی مدد کیوں نہ کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنالیا تھا' ' قربان ' ' ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے یعنی انہوں نے اپنے معبود بتوں کو اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے والے اور اس کی بارگاہ میں انہیں مقرب بنانے والے بنالیا تھا' کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ' ' هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ' ' (یونس:١٨) ' ' یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں' ' [' ' اتخذوا ' ' کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول جو ' ' الذین ' ' کی طرف لوٹتا ہے وہ محذوف ہے یعنی ' ' اتخذوھم ' ' اور دوسرا مفعول ' ' الھۃ ' ' ہے اور ' ' قربانا ' ' حال ہے] ﴿ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ﴾ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے (یعنی) وہ ان کی مدد کرنے سے غائب ہو گئے ﴿ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور یہ ان کا جھوٹ ہے اور وہ بہتان تراشی کرتے تھے۔ ' ' ذالک ' ' سے اشارہ کفار کے معبودوں کی جانب سے ان کی مدد نہ کرنے کی طرف ہے اور نیز کفار سے ان کے معبودوں کے گم ہو جانے کی طرف ہے یعنی یہ ان کے من گھڑت جھوٹ کا اثر ہے' وہ یہ کہ انہوں نے بتوں کو اپنا معبود ٹھہرا لیا اور یہ ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام تراشنے کا نتیجہ ہے۔

٢٩ - ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ﴾ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا (یعنی) ہم نے ان کو آپ کی طرف مائل کیا اور ہم نے ان کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور ' ' نفر ' ' دس سے کم افراد کو کہا جاتا ہے اور جنوں سے نصیبین کے جنات مراد ہیں ﴿ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ﴾ جب کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنتے ہیں ﴿ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ ﴾ پھر جب وہ ان کے پاس یعنی رسول اکرم ﷺ کے پاس یا پھر قرآن مجید کے پاس حاضر ہوئے یعنی جب یہ جنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سننے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے تو ﴿ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ﴾ انہوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ یعنی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر قرآن مجید سنو۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے جنات آسمان پر چڑھ کر چوری چھپے فرشتوں سے مستقبل میں رونما ہونے والے اُمور کے بارے میں سنتے (اور ان میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتے) پھر جب اعلانِ نبوت کے بعد آسمان پر چڑھنے سے انہیں روک دیا گیا اور آسمان کو محفوظ کر دیا گیا اور اوپر جانے پر ان کو آگ کے گولے مارے جاتے تھے' اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ کسی نئے حادثے کے رونما ہونے کی وجہ سے ہوا ہے' چنانچہ نصیبین یا نینویٰ کے رہنے والے جنات کے سرداروں میں سے سات یا نو جنات کا ایک گروہ کھڑا ہوا اور ان میں سے زوبعہ بھی تھا اور وہ روانہ ہوئے' یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی ایک وادی تہامہ میں پہنچے' پھر وہاں سے نخلہ نامی وادی میں پہنچے' سو انہوں نے آپ کو آدھی رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے قیام کی حالت میں پایا' یا پھر فجر کی نماز میں پایا اور انہوں نے آپ سے قرآن مجید کی قراءت کو غور سے سنا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ جنوں کو از خود قرآن سنایا اور نہ آپ نے انہیں دیکھا بلکہ آپ تو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور جنات وہاں سے گزرے تو قرآن مجید سننے کے لیے رُک گئے جب کہ آپ کو محسوس بھی نہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سماعت سے آپ کو آگاہ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا: بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن مجید سناؤں تو میرے ساتھ کون چلے گا' آپ نے تین دفعہ فرمایا تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ جنوں کی رات میرے سوا حضور کے ساتھ اور کوئی نہیں گیا' چنانچہ ہم روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب ہم مکہ معظمہ کی بالائی

جانب حجون کی گھاٹی میں پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے اردگرد دائرہ کی صورت میں ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ تم اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس لوٹ آؤں' پھر آپ نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور میں نے سخت شور سنا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے کچھ دیکھا ہے' میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے سیاہ کالے مردوں کو دیکھا ہے' تو آپ نے فرمایا: یہی نصیبین کے جن ہیں اور وہ بارہ افراد تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں جو سورت پڑھ کر سنائی وہ ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ'' تھی ﴿فَلَمَّا قُضِیَ﴾ پھر جب پڑھائی پوری ہو گئی یعنی حضور نبی کریم ﷺ قراءت سے فارغ ہو گئے ﴿وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ﴾ تو وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے انہیں ڈر سنانے کے لیے۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾

انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' وہ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے O اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ' وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا O اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات نہیں مانے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O

۳۰- ﴿قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے' جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' اور انہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس لیے کہا کہ وہ یہود کے مذہب پر کاربند تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں سنا تھا نہ وہ انہیں جانتے تھے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ وہ (قرآن مجید) پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے (اور) ﴿یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ وہ حق کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۳۱- ﴿یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ﴾ اے ہماری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ یعنی (سرورِ عالم فخر آدم و بنی آدم) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا فرمان عالی شان اور ان کی تعلیمات کو برحق تسلیم کر لو اور ان پر ایمان لے آؤ ﴿یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا

اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جنات کو ایمان لانے کی صورت میں صرف دوزخ کے عذاب سے نجات ملے گی اور کوئی اجروثواب (جنت میں داخلہ) نہیں ملے گا' اور حضرت امام مالک' امام ابن ابی لیلیٰ' امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنات کو ایمان لانے پر دوزخ سے نجات کے ساتھ اجروثواب بھی ملے گا اور ایمان نہ لانے اور کفر اختیار کرنے پر عذاب بھی ہوگا اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جنات ایمان لانے پر جنت میں داخل ہوں گے اور اس کے میوہ جات وغیرہ کھائیں گے اور اس میں مشروبات پئیں گے' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ O'' (الرحمٰن:۷۴) ''انہیں (یعنی جنتی حوروں کو) ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا تھا اور نہ کسی جن نے O''۔

۳۲- ﴿وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکے گا ﴿وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہیں تھکا وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے' کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا' (تو ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ حق نہیں' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو تم عذاب چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے O

مُردوں کو زندہ کرنے کی دلیل اور حضور ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین کا بیان

۳۳- ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی پیدائش سے نہیں تھکا (وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ O'' (قٓ:۳۸) ''اور ہمیں (آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر) تھکاوٹ ہرگز نہیں پہنچی O'' اور جب کسی معاملہ کی وجہ معلوم نہ ہو سکے تو کہا جاتا ہے: ''عَیِیْتُ بِالْاَمْرِ'' ''میں اس معاملے سے عاجز آ گیا ہوں ﴿بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ؕ﴾ وہ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے [''بقادر'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''اَنَّ'' کی خبر ہے جس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "قَادِرٌ" ہے اوراس پر حرف "با" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ آیت مبارکہ کے شروع میں نفی "اَنَّ" اوراس کے مدخول پر مشتمل ہے] علامہ زجاج نے کہا: اگر تم کہہ دو کہ "مَا ظَنَنْتُ اَنَّ زَیْدًا بِقَائِمٍ" میں نے گمان نہیں کیا کہ زید کھڑا ہے' تو یہ جائز ہے گویا فرمایا گیا: "اَلَیْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی" کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں' کیا تم "بَلٰی" کے وقوع کی طرف نہیں دیکھتے جو حشر ونشر وغیرہ میں سے ہر چیز پر قدرت کی تقریر و تقویت کے لیے آیا ہے نہ کہ محض ان کے دیکھنے کے لیے آیا ہے ﴿بَلٰٓی﴾ یہ نفی کا جواب ہے ﴿اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٣٤۔ ﴿وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ﴾ اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ حق نہیں ہے [ظرف کا ناصب مضمر قول ہے اور "هٰذَا" سے عذاب کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا یہ عذاب حق نہیں؟] ﴿قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو اب تم اس عذاب کو چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے یعنی دنیا میں تمہارے کفر کرنے کے سبب۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ
مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

سو اے محبوب! صبر کیجئے جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے' گویا وہ لوگ جس روز اس کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے' تو خیال کریں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ' یہ پیغام ہے' سو نافرمانوں کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کیا جائے گاO

٣٥۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ سو اے محبوب! آپ صبر کیجئے جس طرح بڑی ہمت والے رسولوں نے صبر کیا یعنی جس طرح تبلیغ دین کے لیے خوب جدوجہد کرنے والوں اور خوب دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں اور مشکلات ومصائب پر صبر کرنے والے رسولوں نے کیا [اور حرف "مِنْ" تبعیض (بعض) کے معنی میں ہے] اور "اولو العزم" سے وہ حضرات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاحزاب کی اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے: "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" (الاحزاب:٧) "اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا عہد لیا' اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے" اور حضرت یونس علیہ السلام ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ" (القلم:٤٨) "اور آپ مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے پیغمبر کی طرح نہ ہونا" اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام بھی ان میں سے نہیں ہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًاO" (طٰہٰ:١١٥) "سو آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد وارادہ نہیں پایاO" [یا حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے] پس اس طرح سے "اولو العزم" تمام رسل کی صفت ہو جائے گی ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ اور آپ ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے یعنی آپ

قریش مکہ کے کفار کے لیے دعائے ضرر کر کے ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ یہ عذاب ان پر ہر حال میں ضرور نازل ہوگا اگرچہ تاخیر کے ساتھ ہوگا ﴿ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ﴾ جس روز وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو وہ خیال کریں گے کہ گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ یعنی وہ لوگ اس وقت دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی (طویل ولمبی) مدت کو قلیل اور تھوڑا تصور کریں گے' یہاں تک کہ وہ اسے دن کا ایک گھنٹہ گمان کریں گے ﴿ بَلَاغٌ ﴾ اصل میں ''هٰذَا بَلَاغٌ'' ہے (مبتدا' خبر ہیں) یعنی یہ (قرآنی) تبلیغ جس کے ساتھ تمہیں نصیحت کی گئی ہے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے یا یہ اس (محترم ومکرم) رسول کی طرف سے تبلیغ ہے ﴿ فَهَلْ يُهْلَكُ ﴾ سو ہلاک نہیں کیا جاتا (یعنی) عذاب کی ہلاکت سے کسی کو ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کسی کو ہرگز ہلاک نہیں کیا جائے گا ﴿ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ مگر فاسق ونافرمان قوم کو یعنی مشرکین کو ہلاک کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصیحت اور اس کے موجبات پر عمل کرنے سے خارج اور دور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ محمد مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی اڑتیس آیات' چار رکوع ہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ③

جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیا○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی بُرائیاں ان سے دور فرما دیں اور ان کے حال کو سنوار دیا○ یہ اس لیے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی' اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے○

باطل کی پیروی کے نقصان اور حق کی پیروی کے انعام کا بیان

۱- ﴿ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ جن لوگوں نے کفر وشرک کو اختیار کر لیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا یعنی انہوں نے حق سے اعراض کیا اور دین اسلام کو قبول نہ کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے رُکے رہے یا یہ کہ انہوں نے اپنے علاوہ دوسروں کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ علامہ جوہری نے کہا کہ ''صَدَّ عَنْهُ''

یَصُدُّ، صُدُوْدًا'' کا معنی ہے: ''اَعْرَضَ'' یعنی اس نے اعراض کیا اور اپنا منہ پھیر لیا اور ''صَدَّهٗ عَنِ الْاَمْرِ صَدًّا'' کا معنی ہے: ''مَنَعَهٗ وَصَرَفَهٗ عَنْهُ'' یعنی اسے روک دیا اور اسے اس سے پھیر دیا اور اس سے غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں سے لڑنے والے کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مکہ مراد ہیں یا اس سے اہل کتاب مراد ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے خود کفر و شرک کو اختیار کر لیا اور دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکا ﴿ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا اور ان کو ضائع کر دیا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو تباہ و برباد کر کے ضائع کر دیا' اب نہ تو ان کو کوئی قبول کر سکتا ہے اور نہ ان پر کوئی ثواب دے سکتا ہے جس طرح اونٹنیوں میں سے گم ہونے والی اونٹنی اور ان (کفار) کے اعمال سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو انہوں نے حالت کفر میں سرانجام دی تھیں جیسے صلہ رحمی' ضرورت مندوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا یا پھر ان کے اعمال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف سازشیں تیار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (اسلام) سے روکنا مراد ہے۔

٢- ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ یہ لوگ قریش مکہ میں سے ہیں یا انصار مدینہ میں سے ہیں یا اہل کتاب میں سے ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے (ہر مؤمن اور نیک عمل والے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ اور اہل کتاب کو شامل ہے) ﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﴾ اور وہ (حضور سرورِ عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان لائے اور وہ قرآن مجید ہے اور جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ولازم ہے' ان میں سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کردہ تعلیمات پر ایمان لانے کی تخصیص محض آپ کی شان کو بلند و بالا ظاہر کرنے اور اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جملہ معترضہ کے ساتھ مؤکد و مستحکم کر دیا اور وہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اور وہ یعنی قرآن مجید ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ بے شک دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق ہے کیونکہ اس پر نسخ وارد نہیں ہوتا اور یہ خود اپنے علاوہ دیگر ادیان کا ناسخ ہے ﴿ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور ان کے نیک عمل کے سبب ان کے گزشتہ کفر و شرک اور دیگر گناہوں کی پردہ پوشی فرما دی کیونکہ انہوں نے ان چیزوں سے رجوع کر لیا اور انہوں نے سچی توبہ کر لی ﴿ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو سنوار دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے اُمور بجالانے کی توفیق کے ذریعے اور ان کو اپنی نصرت و مدد اور تائید عطا کر کے دنیا پر غلبہ کے ذریعے ان کے حال اور ان کی شان کو سنوار دیا۔

٣- ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ یہ اس لیے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی یعنی یہ معاملہ اس لیے ہوا اور وہ یہ کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق (کفار) کے اعمال کا ضائع کرنا اور دوسرے فریق (مسلمانوں) کے گناہوں کو مٹا دینا اور ان کے حال کو سنوار دینا' اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) باطل کی پیروی کی اور وہ شیطان ہے اور انہوں نے (یعنی مسلمانوں نے) حق کی پیروی کی اور وہ قرآن مجید ہے [''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور اس کے بعد کا کلام اس کی خبر ہے] ﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عجیب مثال کی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ''يَضْرِبُ اللّٰهُ'' بہ معنی ''يُبَيِّنُ اللّٰهُ'' ہے [''هم'' ضمیر ''النَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے یا مذکورہ بالا دونوں فریقوں کی طرف لوٹتی ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خاطر ان کی مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں' چنانچہ باطل کی پیروی کو کافروں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا

اور حق کی پیروی کو مسلمانوں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا' یا اعمال کے ضائع کرنے کو کفار کی رسوائی اور ناکامی کے لیے مثال قرار دیا گیا اور گناہوں کے مٹانے اور احوال کے سنوارنے کو نیکوں (مسلمانوں) کی کامیابی کے لیے مثال قرار دیا گیا۔

فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۬ۚ ۛ ذٰلِکَ ؕۛ وَ لَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠ بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۴﴾ سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَ یُصۡلِحُ بَالَہُمۡ ۚ﴿۵﴾ وَ یُدۡخِلُہُمُ الۡجَنَّۃَ عَرَّفَہَا لَہُمۡ ﴿۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ﴿۷﴾

سو جب تمہارا کافروں سے سامنا ہو تو (ان کی) گردنیں مارو' یہاں تک کہ جب تم انہیں کثرت سے قتل کر لو تو مضبوط باندھ لو' پھر اس کے بعد یا احسان کرنا یا فدیہ لینا یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے' معاملہ یہی ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور بدلہ لے لیتا تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گاO عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کے حال کو سنوار دے گاO اور وہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرا دے گاO اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں ثابت قدم رکھے گاO

جہاد کے سبب مسلمانوں کے لیے انعام واکرام اور کفار کے لیے ذلت وہلاکت

۴- ﴿فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ پھر جب کافروں سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔ یہاں ملاقات سے جنگ کرنا مراد ہے ﴿فَضَرۡبَ الرِّقَابِ﴾ سو تم (ان کی) گردنیں مارو۔ اس کی اصل "فاضربوا الرقاب ضربًا" "سو (ان کی) خوب گردنیں مارو (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے)[پھر فعل امر کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو مقدم کیا گیا اور اس کو فعل امر محذوف کے قائم مقام کر کے مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اور اس میں تاکیدی معنی کے حصول کے ساتھ اختصار بھی ہے کیونکہ جب مصدر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اپنے منصوب ہونے کی وجہ سے فعل پر رہنمائی کرتا ہے] اور "ضَرۡبَ الرِّقَابِ" سے کفار کو قتل کرنا مراد ہے کیونکہ گردنوں کا مارنا مخصوص ہے' اس کے علاوہ دیگر اعضاء نہیں اس لیے کہ انسان کا قتل اکثر و بیشتر اس کی گردن مارنے سے ہوتا ہے' سو اس لیے گردنیں مارنے سے قتل کرنا مراد ہے' اگرچہ گردن کے علاوہ دیگر اعضاء کو بھی مارا جاتا ہے ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ﴾ یہاں تک کہ جب تم انہیں زیادہ سے زیادہ قتل کر لو ﴿فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ﴾ تو تم (انہیں) مضبوط باندھ لو (یعنی) پس تم انہیں قید کر لو اور "وثاق" واؤ پر زبر اور زیر کے ساتھ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو تاکہ وہ تم سے فرار نہ ہو جائیں ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ﴾ پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا یعنی کفار کو قیدی بنا لینے کے بعد یا تو تم ان پر احسان کرنا ﴿وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ اور یا فدیہ (تاوان) لے لینا [یہ دونوں اپنے دونوں مضمر (پوشیدہ) فعلوں کی وجہ سے منصوب ہیں" أی فاما تمنون منًّا او تفدون

فِـدَآءً''یعنی پس تم یاتو احسان کر دیا ان سے فدیہ لے لو]اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو قید کر لینے کے بعد دونوں معاملوں کے درمیان تمہیں اختیار دیا گیا ہے کہ تم چاہو تو ان پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دو اور چاہو تو ان سے فدیہ لے لو اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مشرکین قیدیوں کا حکم انہیں قتل کرنا ہے یا غلام بنانا ہے اور احسان کرنے یا فدیہ لینے کا جو اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ (درج ذیل) ارشاد سے منسوخ ہو چکا ہے: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' (التوبہ:٥) ''سو تم مشرکوں کو قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ'' کیونکہ سورۂ براءۃ آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج نہ احسان ہے اور نہ فدیہ ہے' بلکہ اب تو صرف اسلام قبول کرنا ہے یا گردنیں مارنا ہے یا پھر ''مَنًّا'' سے یہ مراد ہے کہ ان پر یہ احسان کیا جائے کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ انہیں صرف غلام بنالیا جائے یا ان پر یہ احسان کیا جائے کہ ان کی طرف سے جزیہ قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ مشرکین قیدیوں کے عوض میں مسلمان قیدیوں کو چھڑالیا جائے' چنانچہ امام طحاوی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ امام صاحب مشرکوں سے فدیہ لینے کو جائز نہیں سمجھتے نہ مال کے بدلے میں اور نہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں' تاکہ وہ دوبارہ ہم پر حملہ کر کے جنگ مسلط نہ کر سکیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حاکم وقت کو ان چاروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے: (۱) قتل کر دینا (۲) غلام بنالینا (۳) اور مسلمان قیدیوں کے عوض انہیں فدیہ بنانا (۴) اور ان پر احسان کرنا (جب کہ ہمارے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے) ﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یعنی اپنا بوجھ ڈال دے اور وہ جنگی آلات رکھ دے جن کے ساتھ جنگ برپا کی جاتی ہے جیسے تلواریں اور دیگر جنگی اسلحہ وغیرہ اور جنگی اسلحہ لے جانے والے گھوڑے وغیرہ اور بعض حضرات نے کہا کہ ''اوزارھا'' بہ معنی ''آثامھا'' ہے یعنی یہاں تک کہ اہل حرب یعنی مشرکین اپنا کفر و شرک ترک کر دیں' اس طرح کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر حرف ''حَتّٰی'' دو حال سے خالی نہیں یا ''ضَرْبٌ'' اور ''شَدٌّ'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''مَنٌّ'' اور ''فدآء'' کے ساتھ متعلق ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ مسلمان ان کے ساتھ جنگ کرتے رہیں اور انہیں قتل کرتے رہیں اور ہمیشہ ان کی گردنیں مارتے رہیں' یہاں تک کہ مشرکین کے ساتھ جنگ باقی نہ رہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کی شوکت و غلبہ باقی نہیں رہے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب ''حَتّٰی'' کو ''ضَرْبٌ'' اور ''شَدٌّ'' (گردنیں مارنے اور قیدیوں کو باندھنے) کے ساتھ معلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک مسلمان مجاہدین کفار کو قتل کرتے رہیں اور انہیں قیدی بناتے رہیں یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کے لیے شوکت و دبدبہ اور ان کا غلبہ باقی نہ رہے اور ہر جگہ اسلام کا غلبہ ہو جائے اور جب اس کو ''مَنٌّ'' اور ''فِـدَآءٌ'' کے ساتھ معلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان مجاہدین کفار پر احسان کریں اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جنگ بدر اپنے ہتھیار ڈال دے مگر یہ معنی اس وقت درست ہوگا جب وہ تاویل کی جائے جو ہم نے ذکر کر دی ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ ''اَیِ الْاَمْرُ ذٰلِكَ'' یعنی معاملہ ایسا ہی ہے [پس یہ مبتدا اور خبر ہیں یا ''اِفْعَلُوْا بِهِمْ ذٰلِكَ'' ہے یعنی ان کے ساتھ یہی معاملہ کرو' تو اس صورت میں ''ذٰلِكَ'' محلاً منصوب ہوگا] ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور انتقام لے لیتا (یعنی) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جنگ کے بغیر ہلاکت کے دیگر اسباب کے ذریعے ان سے انتقام لے لیتا جیسے انہیں زمین میں دھنسا دینا یا زلزلے کے ذریعے

ہلاک کر دینا یا اس کے علاوہ پتھر وغیرہ برسا کر ہلاک کر دینا ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے یعنی مسلمانوں کو کافروں کے ذریعے آزمائے کہ وہ مسلمانوں کو الگ اور ممتاز کر دے اور کافروں کو مٹا دے ﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا [یہ امام حفص اور ابوعمرو بصری کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ''قاتلوا'' ہے]۔

۵- ﴿ سَيَهْدِيْهِمْ ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ جنت کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا یا منکر نکیر کے سوالوں کے درست اور صحیح جوابات کے دینے کی ہدایت عطا فرمائے گا ﴿ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴾ اور ان کے حال کو سنوار دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے مخالفین کو راضی کر کے ان کے احوال کو سنوار دے گا اور ان کے اعمال کو قبول کر لے گا۔

۶- ﴿ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴾ اور وہ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرائے گا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں ان کی رہائش گاہوں کی پہچان کرا دے گا تاکہ وہ کسی سے سوال کرنے کے محتاج نہ رہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر بہشت کو عمدہ اور خوشبودار بنا دے گا ''عَرَّفَ''، ''عَرْفٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوشبو ہے۔

۷- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرو گے تو ﴿ يَنْصُرْكُمْ ﴾ وہ تمہارے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا ﴿ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ اور وہ جنگ کے مواقع پر یا حجت اسلام پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا' سو ان کے لیے ذلت ناک ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے O یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اسے انہوں نے ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا O تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی کو ڈال دیا' اور کافروں کے لیے ہلاکت کی بہت سی مثالیں ہیں O یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں O

۸- ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا' سو ان کے لیے ہلاکت ہے [''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''فَتَعْسًا لَّهُمْ'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ اور وہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا اور ''تَعْسٌ'' کا معنی ہلاکت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس سے دنیا میں کفار کا قتل ہونا

اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہلاک ہونا مراد ہے [اور ''اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ'' اس فعل پر معطوف ہے جس نے ''تَعْسًا'' کونصب دیا ہے کیونکہ اس کا معنیٰ ''فَقَالَ تَعْسًا لَّهُمْ'' ہے]۔

٩- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ یعنی کفار کی ہلاکت اور ان کے اعمال کا ضائع ہونا ﴿ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اسے ناپسند کیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی انہوں نے قرآن مجید کو ناپسند کیا ﴿ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

١٠- ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا یعنی کیا آپ کی امت کے کفار نے زمین میں سفر نہیں کیا ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت وتباہی ڈال دی کہ ان کو ہلاک وتباہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور کافروں کے لیے (یعنی) قریشِ مکہ کے مشرکین کے لیے ﴿ اَمْثَالُهَا ﴾ اس کی بہت سی مثالیں ہیں (یعنی) اس ہلاکت وتباہی کی بہت سی مثالیں ہیں' اس لیے کہ ہلاکت وتباہی مثالوں پر دلالت کرتی ہے۔

١١- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ یعنی مسلمانوں کی فتح ونصرت اور کفار کی ہلاکت و بربادی اور ان کے انجام کی ذلت و بُرائی ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اس لیے ہوئی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے (یعنی) ان کا حامی و ناصر اور ان کا مددگار ہے ﴿ وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ اور بے شک کافروں کے لیے کوئی مولیٰ نہیں ہے یعنی ان کا کوئی حامی ومددگار نہیں ہے' سو اللہ تعالیٰ تخلیق اور تصرف کا مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں کا مولیٰ ہے جب کہ کافروں کا صرف تخلیق اور ان میں تصرف کرنے کے اعتبار سے مولیٰ ہے اور مسلمانوں کا خاص فتح ونصرت کے اعتبار سے مولیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہ کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے O اور کتنی بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت وطاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا' ہم نے انہیں ہلاک کر دیا' سو ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوا O تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کا بُرا عمل آراستہ کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی O

نیک مسلمانوں کی جزاء اور کفار کی سزا کا بیان

١٢ - ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا' وہ دنیا کی زندگی کے ساز و سامان سے بہت کم اور چند روز عارضی فائدہ اٹھائیں گے ﴿ وَيَاْكُلُوْنَ ﴾ اور وہ غافل و بے خبر ہو کر آخرت کے بارے میں غور و فکر کیے بغیر اس طرح کھاتے ہیں ﴿ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ﴾ جس طرح جانور اپنی چارہ کی کھرلیوں اور اپنی چراگاہوں میں کھاتے ہیں کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر و غافل ہو کر کھاتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ آج گھاس کھا رہے ہیں تو کل ان کی گردن پر چھری چلے گی اور انہیں ذبح کیا جائے گا ﴿ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴾ اور ان کا ٹھکانا (یعنی) ان کی منزل و رہائش گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں ہوگی۔

١٣ - ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ﴾ اور بہت سی بستیاں یعنی ''كَـاَيِّنْ'' بہ معنی ''كَمْ'' ہے اور وہ یہاں تکثیر (بہت اور زیادہ) کے معنی میں ہے اور بستیوں سے وہاں کے باشندے اور رہائشی لوگ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ''اَهْـلَـكْـنَـاهُـمْ'' کہ ہم نے وہاں کے باشندوں کو ہلاک کر ڈالا ﴿ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ ﴾ وہ بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت و طاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکال دیا یعنی ان بستیوں کے بہت سے باشندے آپ کی قوم سے زیادہ مضبوط و توانا تھے' جس نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا یعنی وہ لوگ آپ کی ہجرت کا سبب بن گئے تھے ﴿ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴾ ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا تو ان کا کوئی مددگار نہیں تھا یعنی پس ان کا کوئی ایسا مددگار نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا اور انہیں عذاب سے چھڑا لیتا۔

١٤ - ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے مضبوط دلیل اور واضح برہان پر قائم ہو اور وہ برہان و دلیل قرآن مجید ہے جو سراسر معجزہ ہے اور دیگر تمام معجزات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں یعنی وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں (جو اپنے رب کریم کی روشن دلیل قرآن مجید کے حامل ہیں) ﴿ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا بُرا عمل اس کے لیے آراستہ بنا دیا گیا۔ اس سے اہل مکہ مراد ہیں جن کے لیے شیطان نے ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کو آراستہ بنا دیا تھا اور اس لیے ''سُـوْءُ عَـمَـلِـهٖ'' فرمایا ﴿ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی [''اتبعوا'' فعل جمع کو لفظ ''مَنْ'' اور اس کے معنی پر محمول کیا گیا]۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۗ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۗ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾

اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا' اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلتا' اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہے' اور صاف

ستھرے شہد کی نہریں ہیں' اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہو گی' یہ اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا' پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ دے گاO

پرہیز گاروں کے لیے جنت کی اقسام اور منافقین کے نفاق کا بیان

۱۵- ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ جس جنت کا وعدہ کفر و شرک سے پرہیز کرنے والوں سے کیا گیا ہے' اس کی مثال اور صفت عجیب شان کی ہے ﴿ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ ﴾ اس میں نہریں ہیں [یہ کلام صلہ کے حکم میں داخل ہے جسے اس کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارا '' اَلَّتِیْ فِیْهَا اَنْهَارٌ '' کہنا صحیح ہے یا پھر یہ حال واقع ہو رہا ہے'' اَیْ مُسْتَقِرَّةٌ (فِیْهَا اَنْهَارٌ) '' یعنی جب کہ اس میں نہریں برقرار اور قائم و دائم ہیں] ﴿ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ﴾ ایسے پانی کی جو بدبودار نہیں نہ رنگ بدلا ہے نہ بُو بدلی ہے اور نہ ذائقہ و مزہ بدلا ہے' اور '' اَسِنَ الْمَآءُ '' اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کا مزہ اور اس کی ہوا تبدیل ہو جاتی ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر مد کے '' اَسِنٍ '' ہے] ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ﴾ اور دودھ کی ایسی نہریں ہیں جس کا ذائقہ اور مزہ نہیں بدلا جیسا کہ دنیا کے دودھ کھٹے اور گاڑھے وغیرہ ہو جاتے ہیں ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴾ اور پینے والوں کے لیے لذیذ شراب کی نہریں ہیں '' لَذَّةٍ '' '' لَذًا '' کی مونث ہے' جس کا معنی ہے: لذیذ و مزہ دار چیز یعنی وہ شراب خالص لذیذ اور مزہ دار ہو گی' نہ اس کے ساتھ عقل کے لیے مدہوشی ہو گی اور نہ وہ نشہ آور ہو گی اور نہ وہ سر میں درد کرے گی اور نہ اس میں دیگر شرابوں کی خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہو گی ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ﴾ اور صاف و شفاف اور ستھری شہد کی نہریں ہیں جو شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلی' جس میں موم وغیرہ شامل ہوتی ہے ﴿ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش ہو گی ﴿ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا' پس وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ '' حَمِیْمًا '' کا معنی ہے: انتہائی گرم ترین پانی [اور '' مثل '' مبتدا ہے اور یہ ارشاد اس کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے:] '' اَمَثَلُ الْجَنَّةِ كَمَثَلِ جَزَآءِ مَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ؟ '' کیا جنت کی مثال اس شخص کی سزا کی طرح ہو سکتی ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والا ہے؟ [اور یہ کلام اثبات کی صورت میں ہے لیکن اس کا معنی نفی ہے کیونکہ یہ ایک ایسے کلام کے حکم کے تحت داخل ہے جو حرف انکار کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور یہ کلام بھی اسی کے محل میں داخل ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے:] '' اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ '' (محمد: ۱۴) '' سو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا بُرا عمل اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہے '' اور حرف انکار کے حذف کرنے کا فائدہ اس شخص کی عداوت و دشمنی اور مخالفت کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنا ہے جو حق کی واضح دلیل پر قائم کے درمیان اور خواہش نفسانی کے پیروکار کے درمیان برابری کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ شخص اس آدمی کے قائم مقام ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان برابری کا قائل ہے حالانکہ جنت میں صاف پانی اور خالص دودھ اور خالص شہد اور پاکیزہ شراب کی نہریں بہتی ہیں جب کہ دوزخ میں جلانے والی آگ اور انتہائی گرم ترین کھولتا ہوا پانی ہے جو دوزخیوں کو پلایا جائے گا اور وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر دے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں' یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم لوگوں سے کہتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا ہے' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی O اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا O سو وہ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ ان پر آ جائے گی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں نصیب ہوگا O سو آپ جان لیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ گناہ سے معصوم رہنے کے لیے استغفار کیجئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے بخشش طلب کیجئے' اور اللہ تعالیٰ تمہاری آمدورفت اور تمہاری رات کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے O

۱۶- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جانے لگتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور وہ بہ ظاہر کان لگا کر آپ کا کلام سنتے لیکن نہ تو اسے ذہن نشین کرتے اور نہ اسے اپنے دلوں میں محفوظ کرتے بلکہ وہ کاہلی اور سُستی کرتے تھے' پھر جب مجلس سے نکلتے تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے' یہ صرف تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کے طور پر کہتے تھے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے (ان کے نفاق کی وجہ سے) مہر لگادی اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

۱۷- ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ اور جن لوگوں نے ایمان لانے اور قرآن مجید کی تلاوت کو غور سے سننے کے سبب ہدایت حاصل کرلی ﴿زَادَهُمْ هُدًى﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو مزید بڑھا دیا کہ انہیں علم و بصیرت عطا فرمائی یا (دین اسلام کے لیے) ان کے سینوں کو مزید کشادہ فرما دیا ﴿وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے پر ان کی مدد فرمائی یا تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہ طریقے بیان کرتا ہے جن کو اپنا کر وہ پرہیز گار بن جاتے ہیں۔

١٨- ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ پس وہ لوگ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ ان پر اچانک آ جائے یعنی قیامت کے اچانک آ جانے کا انتظار کر رہے ہیں [''یَنْظُرُوْنَ'' بہ معنی ''یَنْتَظِرُوْنَ'' ہے اور ''اَنْ تَاْتِيَهُمْ'' ''اَلسَّاعَةَ'' سے بدل اشتمال ہے] ﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا﴾ سو بے شک اس کی علامتیں اور نشانیاں آ چکی ہیں اور وہ سرورِ انبیاء حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبی اور رسول کی حیثیت سے تشریف آوری ہے' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہے اور دھواں ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس سے باہمی رشتے داریاں منقطع ہو جانا اور نیک لوگوں کی کمی اور کمینوں اور بُروں کی کثرت مراد ہے ﴿فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ پھر جب ان پر قیامت آ جائے گی تو اس وقت انہیں نصیحت کہاں فائدہ دے گی۔ اخفش نے کہا: تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''فَاَنّٰى لَهُمْ ذِكْرٰىهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ'' پھر انہیں ان کی نصیحت کہاں فائدہ دے گی جب ان پر قیامت آ چکے گی۔

١٩- ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ سو آپ جان لیجئے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اپنے آپ کو معصوم رکھنے کے لیے استغفار کرتے رہیے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت و بخشش طلب کیجئے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق جو یقینی علم حاصل ہے' اس پر آپ ثابت قدم رہیں اور اس پر جمے رہیں اور تواضع و عاجزی اور کسرِ نفسی کے طور پر اپنی تقصیر پر اور اپنے دین پر چلنے والوں کے گناہوں پر استغفار کرتے رہیں[1]

کتاب التاویلات کی شرح میں لکھا ہے کہ ممکن ہے آپ کا کوئی ''ذنب'' (قصور) ہو جس پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہو لیکن ہم آپ کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں جانتے' ماسوا اس بات کے کہ افضل و اعلیٰ عمل کا ترک انبیائے کرام علیہم

[1] واضح ہو کہ تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں' اس لیے مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' کے کئی معانی بیان کیے ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں: (١) حقیقی استغفار مراد نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تواضع اور کسرِ نفسی کے اظہار کے لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے ورنہ آپ تو گناہوں سے معصوم ہیں (٢) (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی طرف سے عطا کردہ بے شمار معجزات و کمالات کا کماحقہ شکر ادا نہ کر سکنے کی) تقصیر پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ورنہ آپ تمام گناہوں سے معصوم ہیں (٣) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مصلحت کی وجہ سے اولیٰ و اعلیٰ عمل کو ترک کر کے عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرتے ہوئے کسی خلاف اولیٰ اور کم تر عمل کو اختیار کر لیتے جب کہ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' ''نیکوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ سمجھی جاتی ہیں'' کے مطابق آپ اس کو اپنی عظمت و شان کے مقابلے میں تقصیر خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے اور ''اِسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' بھی اسی بناء پر فرمایا گیا ہے۔

(٤) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر لحظہ و ہر لمحہ مقامات رفیعہ عظیمہ کی طرف ترقی پذیر رہتے ہیں' چنانچہ جب آپ مقام و مرتبہ سے اعلیٰ و ارفع کی طرف ترقی فرماتے ہیں تو پہلے والے ادنیٰ مقام و مرتبہ کو تقصیر خیال فرماتے ہوئے اس پر استغفار کرتے ہیں' اس لیے یہاں بھی ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ٥٥' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(٥) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معصوم و مغفور پیدا فرمانے کے باوجود استغفار کا حکم اس لیے دیا' تاکہ آپ کی امت آپ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کرتی رہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ٤ ص ١٨٢' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر خازن ج ٤ ص ١٤٨' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ٨ ص ٤٣١' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر جلالین مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ٤ ص ٨٥' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتا ہے (جس پر وہ استغفار کرتے ہیں) مگر خود برائی کا ارتکاب ان سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور جب کہ ہمارے گناہ خود برائیوں کے ارتکاب سے آلودہ ہوتے ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں [اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ان آیات میں جس قدر ''فا'' ہیں وہ جملے کا جملے پر عطف کرنے کے لیے ہیں اس لیے ان کے درمیان اتصال ہے] ﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے معاشی اور تجارتی کاروبار کے لیے چلنے پھرنے اور آنے جانے کو خوب جانتا ہے ﴿وَمَثْوٰکُمْ﴾ اور تم اپنے گھروں میں جہاں ٹھہرتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے یا وہ تمہاری زندگی میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور قبروں میں تمہارے ٹھہرنے کو یا تمہارے اعمال میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور جنت و دوزخ میں سے تمہارے ٹھکانے کو خوب جانتا ہے اور ایسی علیم وخبیر ذاتِ اقدس اس بات کی حق دار ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے اور اس کے عذاب اور گرفت سے ڈرا جائے اور اپنے گناہوں پر اس سے مغفرت وبخشش طلب کی جائے اور حضرت سفیان بن عیینہ سے علم کی فضیلت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ'' نہیں سنا؟ کیونکہ اس میں عمل کا حکم علم کے بعد دیا گیا ہے (جس سے معلوم ہوا علم عمل سے اہم ہے اور اسے عمل سے پہلے حاصل کرنا واجب ہے)۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَۃٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ وَّذُکِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰی لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَۃٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ ﴿٢٢﴾

اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری گئی' سو جب کوئی مستحکم سورت اُتاری جاتی اور اس میں جہاد کا حکم ذکر کیا جاتا تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت طاری ہو جاتی ہے' سو ان کے لیے ہلاکت بہت قریب ہے O اطاعت وفرماں برداری کرنا اور اچھی بات کہنا (ان کے حق میں بہتر تھا)' پھر جب جہاد کا حکم فرض ہو گیا تو اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا O سو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے باہمی رشتے ناتے توڑ دو گے O

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (٦) اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام گناہوں سے معصوم پیدا فرمایا تو اس لیے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام گناہوں سے معصوم رہنے پر استغفار کیجئے۔ (تفسیر صاوی ج ٤ ص ٨٥' مطبوعہ مصر)

(٧) ''ذنبک'' سے اہل بیت کرام کی لغزشیں مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کرام اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کیجئے۔ (تفسیر خازن ج ٤ ص ١٤٨' مطبوعہ مصر' تفسیر صاوی ج ٤ ص ٨٥' مطبوعہ مصر' تفسیر کبیر ج ٧ ص ٥٢١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' لبنان)

مسلمانوں کی خواہش پر جہاد کی فرضیت سے منافقوں کی پریشانی کا بیان

٢٠-﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ﴾ اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری جاتی جس میں جہاد کا حکم بیان کیا جائے ﴿ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ ﴾ پھر جب کوئی سورت جہاد کے بیان میں نازل کی جاتی ہے ﴿ مُّحْكَمَةٌ ﴾ مستحکم اور ایسی واضح کہ اس میں جہاد کی فرضیت کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال نہیں ہوتا' اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے وہ محکم وقطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس پر نسخ کسی طرف سے وارد نہیں ہو سکتا بے شک ابتدائے اسلام میں کفار کے ساتھ عفو ودرگزر کرنے اور نرم روّیہ رکھنے کی جو اجازت تھی' اس کو جہاد سے منسوخ کر دیا ہے اور خود جہاد قیامت کے دن تک منسوخ نہیں ہوگا ﴿ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ﴾ اور اس میں جہاد اور جنگ کا ذکر کیا جاتا یعنی اس میں جہاد کا حکم دیا جاتا ﴿ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ﴾ تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی کیا آپ نے منافقین کو دیکھا کہ ان کے درمیان کس طرح اضطراب برپا ہو گیا ہے کیونکہ وہ جہاد کے حکم کی وجہ سے پریشان و مضطرب ہو رہے ہیں ﴿ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ﴾ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے یعنی وہ لوگ بزدلی اور گھبراہٹ کی وجہ سے اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کے وقت غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے ﴿ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴾ پس ان کے لیے ہلاکت قریب آ چکی ہے۔ یہ ان منافقین کے لیے وعید اور دھمکی ہے اور یہ ''فَوَيْلٌ لَّهُمْ'' (سو ان کے لیے ہلاکت ہے) کے معنی میں ہے اور یہ ''وَلْيٌ'' سے اسم تفضیل ''اَفْعَلُ'' کے وزن پر ہے اور اس کا معنی ہے: قریب ونزدیک اور اس کا مطلب ان لوگوں پر بددعا ہے کہ امر مکروہ ان کے قریب ہو (یعنی انہیں دوزخ نصیب ہو)۔

٢١-﴿ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ﴾ اطاعت وفرماں برداری کرنا اور اچھی اور بھلائی کی بات کہنا ان کے لیے بہتر و مفید ہے [یہ ایک الگ مستقل کلام ہے] ﴿ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ﴾ پھر جہاد کا حکم محکم و پکا ہو گیا اور جہاد کرنا ان پر لازم ہو گیا ﴿ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ ﴾ تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے میں اور اطاعت میں سچے ہوتے ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ تو البتہ ان کا سچ جہاد کی ناگواری سے ان کے لیے بہتر ہوتا۔

٢٢-پھر اللہ تعالیٰ غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا' اور ایک قسم کی ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکی آمیز کلام کے ساتھ مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴾ تو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے یعنی پس ممکن ہے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے دین اور ان کی سنت سے پھر جاؤ گے تو تم زمانۂ جاہلیت کی اس بُری عادت کی طرف لوٹ جاؤ گے جس پر تم پہلے کاربند تھے کہ تم قتل و غارت اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم رشتہ داروں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑائی کر کے رشتے ناتے توڑ دو گے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دو گے [''عَسٰی'' کی خبر ''اَنْ تُفْسِدُوْا'' ہے اور شرط اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ'' تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے اگر تم حکمران بن گئے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیاO تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیںO

٢٣- ﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور اور محروم کر دیا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' سے مذکورہ بالا مفسدین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ﴿فَأَصَمَّهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو وعظ و نصیحت سننے سے بہرا کر دیا ﴿وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَارَهُمْ﴾ اور ہدایت کی راہ دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

٢٤- ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ﴾ تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے ورنہ وہ قرآن مجید میں مذکور وعظ و نصیحت اور گناہ گاروں اور نافرمانوں کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکیوں کو ضرور پہچان لیتے یہاں تک کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی جراءت نہ کرتے ﴿أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں' اس آیت مبارکہ میں ''اَمْ'' ''بَلْ'' کے معنی میں ہے اور شروع میں ہمزہ ان لوگوں پر اس بات کی مہر لگانے اور اس بات کی تقریر کے لیے آیا ہے کہ بے شک ان کے دل مقفل ہو چکے ہیں' اس لیے ان کے دلوں میں نہ تو نصیحت پہنچتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اور ''قلوب'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ سخت ترین دل مراد ہیں جن کا معاملہ اس سلسلے میں مبہم ہے (ان کی سختی کس قدر زیادہ ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا) اور مراد بعض قلوب ہیں اور وہ منافقین کے دل ہیں اور ''اَقْفَال'' کی اضافت ''قُلُوْب'' کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ان سے ایسے قفل (تالے) مراد ہیں جو انہیں دلوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ کفر و نفاق کے تالے ہیں جن کی وجہ سے ان کے دل بند ہو گئے ہیں' سو اب وہ نہیں کھلیں گے جیسے شک و شبہ اور انکار و تردد اور مہر و چھاپ لگانے کے تالے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

ع ٣

بے شک جو لوگ (اسلام سے) پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی' شیطان نے ان کے لیے (کفر کو) خوش نما بنا دیا اور اس نے ان کو لمبی امیدیں دلائیںO یہ اس لیے ہوا کہ بے شک منافقوں

نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے O پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گے O یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے O

منافقوں کے ارتداد اور اس کے سبب وانجام کا بیان

٢٥- ﴿إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ بے شک جو لوگ پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے یعنی منافقوں پر حق واضح ہو چکا تھا (اور انہوں نے زبانی کلمہ پڑھ کر اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار بھی کر لیا تھا لیکن) اس کے بعد وہ لوگ خفیہ طور پر کفر کی طرف لوٹ گئے ﴿الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے فریب کاری سے ان کے لیے کفر کو خوش نما اور خوب صورت بنا کر پیش کیا۔ ''سَوَّلَ'' بہ معنی ''زَيَّنَ'' ہے [یہ جملہ مبتدا اور خبر سے مل کر ''إِنَّ'' کی خبر واقع ہو رہا ہے جیسے ''إِنَّ زَيْدًا عَمْرٌو مَرَّ بِهِ'' بے شک زید کہ عمرو اس کے پاس سے گزر گیا] ﴿وَأَمْلَىٰ لَهُمْ﴾ اور اس نے انہیں لمبی امیدیں دلائیں (یعنی) شیطان نے انہیں دنیا میں عرصۂ دراز تک رہنے کی امیدیں اور تمنائیں اور آرزوئیں دلائیں [قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''أُمْلِيَ'' (فعل ماضی مجہول) ہے] یعنی انہیں مہلت دی گئی اور ان کی عمریں دراز کر دی گئیں۔

٢٦- ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا یعنی منافقوں نے یہودیوں سے کہا: ﴿سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ﴾ ہم بعض معاملات میں تمہاری اطاعت کریں گے یعنی (حضور سیّد عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے میں اور ان کی امداد کرنے کی بجائے پیچھے بیٹھے رہنے میں تمہاری بات مانیں گے ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے [امام حفص، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں (ہمزہ مکسور کے ساتھ) ''إِسْرَارٌ''، ''أَسَرَّ'' کا مصدر ہے]

٢٧- ﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے یعنی اس وقت وہ کیا کریں گے اور اس وقت وہ کون سا مکر و فریب اور حیلہ کریں گے؟ ﴿يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ وہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ماریں گے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جو شخص بھی گناہ کی حالت میں فوت ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے چہرے اور اس کی پشت پر مارتے ہیں۔

٢٨- ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ خوفناک موت۔ ''ذالك'' سے مذکورہ بالا موصوفہ وفات کی طرف اشارہ ہے ﴿بِأَنَّهُمُ﴾ ایسی موت کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ﴿اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ﴾ اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض و غضب ناک کر دیا اور وہ ہے کافروں کی مدد کرنا ﴿وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کو ناپسند کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے ہوئے کینے کو ہرگز نہیں نکالے گا O اور اگر ہم چاہیں تو وہ لوگ آپ کو ضرور دکھا دیں' سو آپ تو انہیں ان کی علامت سے خوب پہچانتے ہیں' اور آپ انہیں گفتگو کے لہجے سے ضرور پہچان لیں گے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے O اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں گے' اور ہم تمہاری خبروں کی جانچ پرکھ کریں گے O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور اس رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی' وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا O

منافقوں کے قلبی بغض اور ان کی پہچان وامتحان کا بیان

٢٩ - ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴾ کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بغض وعناد کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا منافقوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ان کے بغض وعناد اور ان کی عداوت ودشمنی کو ظاہر نہیں فرمائے گا۔

٣٠ - ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ ضرور دکھا دیں (یعنی) ہم آپ کو ان کی پہچان ضرور کرا دیں گے اور ہم ان پر آپ کی ضرور رہنمائی کریں گے ﴿ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ ﴾ سو آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی علامت بنا دے گا' جس سے انہیں پہچان لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد منافقین میں سے کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مخفی اور پوشیدہ نہیں رہا' آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیا کرتے تھے۔[1]

﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ ﴾ اور آپ انہیں گفتگو کے انداز اور لہجے سے ضرور پہچان لیں گے (یعنی) آپ انہیں

[1] اس حدیث مبارکہ کو (ا) امام بغوی نے اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں نقل کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مَا خَفِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ شَيْءٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ كَانَ يَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ'' اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر منافقین میں سے کچھ مخفی نہیں رہا' آپ انہیں ان کے چہروں اور ان کے لیے مقرر کردہ علامتوں سے پہچان لیتے تھے۔ نیز اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں: ''فَكَانَ بَعْدَ هٰذَا لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا عَرَفَهٗ بِقَوْلِهٖ وَيَسْتَدِلُّ بِفَحْوٰى كَلَامِهٖ عَلٰى فَسَادِ خُلُقِهٖ وَعَقِيْدَتِهٖ'' پس اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد کوئی منافق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گفتگو نہیں کرتا تھا مگر آپ اس کے نفاق کو اس کی باتوں سے پہچان لیتے تھے اور آپ اس کے کلام کے لب ولہجہ اور محاورے سے اس کی بد خلقی اور بد عقیدگی پر استدلال فرما لیتے تھے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ٤ ص ١٨٥' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے کلام کے محاورے اور اچھے بُرے اندازِ گفتگو سے اور اسی طرح ان کے تعریض وطنز کے کلام سے پہچان لیں گے کیونکہ منافقین اپنے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو چھپا نہیں سکتے تھے [''فَلَعَرَفْتَهُمْ'' میں لام ''لَوْ'' کے جواب میں داخل کیا گیا جیسے ''لَاَرَيْنٰكَهُمْ'' میں لام داخل کیا گیا ہے' چنانچہ معطوف میں بھی مکرر داخل کیا گیا ہے اور لیکن ''وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ'' میں لام نون کے ساتھ مل کر محذوف قسم کے جواب میں واقع ہوا ہے] ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے' سو وہ ان میں سے اچھے اعمال کو بُرے اعمال سے الگ کر دے گا (اور تمہاری نیتوں کے مطابق تمہیں ان کی جزاء عطا فرمائے گا)۔

۳۱- ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ﴾ اور ہم تمہیں لوگوں کی آگاہی کے لیے جنگ کے ذریعے آزمائیں گے اپنی آگاہی کے لیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جیسا معاملہ ممتحن امتحان دینے والے کے ساتھ کرتا ہے تاکہ عدل و انصاف کے اظہار میں یہ زیادہ مؤثر ہو جائے ﴿ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ ﴾ یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور جہاد پر صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں یعنی ہم ہونے والا کام (لوگوں کو) معلوم کرا دیں جو ہمیں (ازل سے) معلوم تھا کہ بے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں امام بغوی کے حوالے سے یہی حدیث بیان کی ہے' ملاحظہ ہو:
(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۴۳۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

(۳) علاوہ ازیں علامہ خازن نے تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۵۱' مطبوعہ مصر میں۔

(۴) علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی جز ۲۶ ص ۷۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور میں نقل کی ہے اور علامہ آلوسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے آخر میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ہم ایک غزوہ (جنگ) میں تھے اور اس میں نو منافق بھی تھے' لوگ ان کی شکایت کرتے تھے' ایک رات وہ لوگ (حسب معمول) سو گئے اور جب صبح اٹھے تو ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: یہ منافق ہے۔

(۵) امام فخر الدین نے ''فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ'' کی تیسری وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کی گفتگو کے لب و لہجہ سے ان کی منافقت کو سمجھ جاتے اور آپ کے علاوہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کو پہچانتے تھے لیکن آپ نے ان کے نفاق کو اس وقت تک ظاہر نہیں فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے نفاق کے اظہار کی اجازت نہیں دی اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع نہیں فرمایا۔
(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۶) علامہ محمد اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بھی نقل کی اور علامہ امام فخر الدین رازی اور علامہ سیّد محمود آلوسی کی طرح اس غزوہ کا ذکر بھی کیا جس میں ایک رات سو کر صبح اٹھنے پر نو منافقین کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا کہ یہ منافق ہیں' نیز انہوں نے صوفیانہ تفسیر کے تحت لکھا ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ الْفِرَاسَةِ وَالْعَارِفُ بِنُوْرِ التَّحْقِيْقِ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ بِاللّٰهِ فَلَا يَسْتَتِرُ عَلَيْهِ شَىْءٌ'' (تفسیر روح البیان جز ۲۶' مترجم' ص ۱۶۷-۱۶۹' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور' عربی ج ۹ ص ۵۷۱) ''مؤمن تو بے شک فراست کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف تحقیق کے نور سے دیکھتا ہے اور نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے' سو اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی''۔

(۷) علامہ ابن کثیر نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم میں بعض لوگ منافق ہیں' پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے' پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا' اے فلاں! کھڑا ہو جا' یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لیے۔
(تفسیر ابن کثیر اُردو ج ۵ ص ۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ کام عنقریب ہوگا ﴿وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ﴾ اور ہم تمہاری خبروں کو آزمائیں گے (یعنی) ہم تمہارے حالات اور تمہاری نیتوں کو آزمائیں گے [ابوبکرکوفی کی قراءت میں ''وَلَيَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى يَعْلَمَ وَيَبْلُوَا'' ہے] حضرت خواجہ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرماتے تو روتے تھے اور عرض کرتے: اے میرے اللہ! تو ہمیں نہ آزما کیونکہ اگر تو ہمیں آزمائے گا تو ہم رُسوا ہو جائیں گے اور ہمارے پردے چاک ہو جائیں گے اور ہم مصیبت وعذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۳۲- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور انہوں نے اس رسول کی مخالفت کی اور اس سے دشمنی کی یعنی بدر کے دن لشکر کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مراد ہیں اور اس کا بیان (سورۃ الانفال میں) گزر چکا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی (یعنی) اس کے بعد کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا کہ دین اسلام یقیناً حق ہے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَافِقِيْنَ فَمَنْ سَمَّيْتُهُ فَلْيَقُمْ ثُمَّ قَالَ قُمْ يَا فُلَانُ قُمْ يَا فُلَانُ حَتّٰى سَمّٰى سِتَّةً وَّثَلَاثِيْنَ'' (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۸۷، مطبوعہ مصطفےٰ البابی، مصر) ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی، پھر اس کے بعد فرمایا: بے شک تم میں سے بعض لوگ منافق ہیں، سو میں جس کا نام لوں پس وہ کھڑا ہو جائے، پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا، اے فلاں! کھڑا ہو جا، یہاں تک کہ آپ نے چھتیس اشخاص کے نام لیے۔ نیز اس حدیث کو سورۃ التوبہ:۱۰۱ کے تحت تفسیر روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۱، مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۸۹، مطبوعہ دہلی، تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۵۴، مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی، مصر، تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۲ ص ۲۷۶، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، خزائن العرفان ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور، تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۱، تفسیر عثمانی حاشیہ بر قرآن ص ۲۶۲، مطبوعہ دار التصنیف، کراچی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا، ممکن ہے کہ وہ شناخت ''لحن القول'' اور ''سیما'' وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو، یا آیۂ ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل وتعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۶۶۱، مطبوعہ دار التصنیف، کراچی)

(۱۰) حضور سیّد عالم ﷺ کو منافقین کے متعلق مکمل علم ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا: ''فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا'' (التوبہ:۸۳) ''سو (اے محبوب! منافقوں سے) فرما دیجئے کہ تم میرے ساتھ (جہاد کے لیے) ہرگز کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے''۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ''وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ'' (التوبہ:۸۴) ''اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں'' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان آیات پر تب عمل کر سکیں گے جب آپ کو منافقین کا مکمل علم ہوگا تاکہ آپ صرف مسلمانوں کو جہاد میں لے جائیں اور انہیں کی نماز جنازہ پڑھائیں اور انہیں کی قبور پر کھڑے ہوں لیکن منافقین کو نہ جہاد میں لے جائیں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں اور نہ ان کی قبور پر کھڑے ہوں۔ غوثوی مہاروی

نے رسول اکرم ﷺ کو پہچان لیا۔ ﴿لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے وہ تمام اعمال ضائع فرما دے گا جو انہوں نے رسول اکرم کی مخالفت میں کیے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے تمام منصوبے ناکام و باطل کر دے گا' سو وہ ان میں سے کسی منصوبہ کے ذریعے اپنے اغراض و مقاصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' اور تم اپنے اعمال برباد نہ کرو O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا O سو تم سستی نہ کرو اور نہ انہیں صلح کی دعوت دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال میں تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا O

٣٣- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم نفاق اور ریاکاری کے سبب اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

٣٤- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ سے بدر کے کنویں میں ڈالے جانے والے کفار مراد ہیں (جنہیں غزوۂ بدر میں مسلمان مجاہدین نے قتل کیا تھا) اور بہ ظاہر یہ حکم عام ہے۔

٣٥- ﴿فَلَا تَهِنُوْا﴾ سو تم سستی نہ کرو اور نہ تم کمزوری دکھاؤ اور تم دشمن کے لیے عاجزی کا اظہار نہ کرو ﴿وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ﴾ اور تم صلح کی طرف نہ بلاؤ یعنی تم کفار کو صلح کی دعوت نہ دو [قاری حمزہ' ابوبکر کوفی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ ''اَلسِّلْم'' ہے] ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ اور تم ہی غالب رہو گے' یعنی ''اعلون'' بہ معنی ''اغلبون'' ہے اور ''تَدْعُوْا'' نہی کے حکم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے ﴿وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا مددگار ہے ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا اجر و ثواب تمہیں کم نہیں دے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هٰۤاَنْتُمْ

هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ؀٣٨ ع

بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے' اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیز گار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا O اگر وہ تم سے انہیں مانگے اور وہ تم سے مانگنے میں اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے بغض و کینے نکال دے گا O خبردار! تم وہی لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو' تو تم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں' اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو' اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو وہ تمہارے سوا دوسری قوم تبدیل کرلے گا' پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے O

٣٦- ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے' بہت جلد اور تھوڑی مدت میں ختم ہو جاتی ہے اور فانی و ناپائیدار ہے ﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تم کفر و شرک چھوڑ کر متقی اور پرہیز گار بن جاؤ ﴿يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے ایمان لانے پر اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا ﴿وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا یعنی وہ تم سے تمہارا تمام مال طلب نہیں کرے گا بلکہ چالیسواں حصہ طلب کرے گا اور مال طلب کرنے والے سے اللہ تعالیٰ مراد ہے یا اس کا رسول مراد ہے اور حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ (شریعت میں) کثیر مال میں سے قلیل مال (چالیسواں حصہ) طلب کیا جاتا ہے۔

٣٧- ﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا﴾ اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور وہ تم سے بہت اصرار کرے تو تم بخل کرو گے یعنی وہ مال کی طلب میں شدت سے مطالبہ کرے اور تم سے سارا مال طلب کرلے (تو تم بخل کرو) اور ''احفاء'' کا معنی ہے: مبالغہ کرنا اور ہر چیز میں اس کی انتہاء تک پہنچنا اور جب کوئی شخص سوال کرنے میں بہت زیادہ اصرار کرے تو کہا جاتا ہے: ''اَحْفَاهُ فِي الْمَسْاَلَةِ'' فلاں شخص نے اس سے سوال کرنے میں بہت اصرار کیا' اور جب کوئی شخص اپنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دے تو کہا جاتا ہے: ''اَحْفٰى شَارِبَهٗ'' فلاں آدمی نے اپنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دیں ﴿وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ اور وہ تمہارے کینے کو نکال دے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے سوال کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے گا اور یا تمہارا بخل تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے مطالبے کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے گا کیونکہ مال کے مطالبے اور سوال پر عداوت و کینہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

٣٨- ﴿هٰٓاَنْتُمْ﴾ اس میں ''هَا'' تنبیہ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ اور خبردار ہو جاؤ (اور ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہے) ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ [یہ موصول بہ معنی ''اَلَّذِيْنَ'' ہے اور اس کا صلہ ﴿تُدْعَوْنَ﴾ ہے (موصول اپنے صلہ سے مل کر ''اَنْتُمْ'' مبتدا کی خبر ہے)] یعنی تم وہی لوگ ہو کہ جب تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور یہ جنگ کے لیے خرچ کرنا مراد ہے یا پھر زکوٰۃ ادا کر کے خرچ کرنا مراد ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اس بات پر

دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال طلب کرنے کے لیے تم سے مطالبہ میں اصرار کرے تو تم ضرور بخل کرو گے اور مال دینے کو ناپسند کرو گے' یہ ہے کہ جب مال کے چالیسویں حصے کی ادائیگی کے لیے تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ﴾ تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں (اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) [یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ ''مَنْ'' شرطیہ نہیں ہے] یعنی سو تم میں سے بعض لوگ اس کی ادائیگی میں بخل کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ﴾ اور جو شخص صدقہ دینے میں اور فرض کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ تو بے شک وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے یعنی وہ اپنی ذات کی وجہ سے بخل کرتا ہے' اپنے رب تعالیٰ کی وجہ سے نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنی ذات پر بخل کرتا ہے (کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا فائدہ اور ادا نہ کرنے کا نقصان خود اسی کی اپنی ذات پر وارد ہوگا) چنانچہ ''بَخِلْتُ عَلَيْهِ وَعَنْهُ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو یعنی اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم اس لیے نہیں دیتا کہ اسے اس کی حاجت وضرورت ہے کیونکہ وہ تو تمام حاجات سے بے نیاز ہے لیکن وہ تمہیں تمہاری حاجت کی وجہ سے حکم دیتا ہے اور تم اجر وثواب کے محتاج ہو ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ اور اے اہل عرب! اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری سے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے سے روگردانی کرو گے اور تم اپنے منہ پھیر لوگے تو [اور یہ ''وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا'' پر معطوف ہے] ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ وہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تبدیل کرلے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تم سے بہتر اور تم سے زیادہ فرماں بردار واطاعت گزار قوم پیدا فرمائے گا اور وہ فارس کی قوم مراد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس وقت آپ کے ایک طرف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے' چنانچہ آپ نے ان کی ران پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ اور اس کی قوم مراد ہے اور قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا (کہکشاں نامی ستاروں) سے معلق ہوتا تو فارس کے لوگ اسے ضرور حاصل کر لیتے[1] ﴿ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے یعنی پھر وہ لوگ اطاعت وفرماں برداری میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ لوگ تم سے بڑھ کر زیادہ اطاعت گزار اور زیادہ فرماں بردار ہوں گے۔

آیاتہا ٢٩ سورۃ الفتح مدنیۃ ٤٨	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	رکوعاتہا ٤

سورۃ الفتح مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی انتیس آیات' چار رکوع ہیں

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿٣﴾

بے شک ہم نے آپ کو ایک روشن اور واضح فتح عطا فرما دی ہے ○ تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عصمت کو ہر قسم کے گناہ سے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں محفوظ رکھے اور اپنی (ہر قسم کی) نعمت آپ پر پوری فرما دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم ودائم رکھے ○ اور اللہ تعالیٰ زبردست نصرت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائے ○

---

[1] رواہ احمد ج ٢ ص ٤١٧' البخاری رقم الحدیث: ٤٨٩٨' مسلم رقم الحدیث: ٢٥٤٦'٢٣١

محبوبِ خدا کے لیے انعاماتِ خمسہ کا بیان

سورۃ الفتح مدنی ہے اور اس کی انتیس آیتیں ہیں۔

۱- ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو روشن اور واضح فتح عطا فرما دی ہے۔ فتح کا مطلب ہے: کسی شہر پر غلبہ پا کر کامیابی حاصل کرنا' یا صلح کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا خواہ یہ صلح جنگ کے ساتھ ہو یا بغیر جنگ کے ہو کیونکہ جب تک شہر پر کامیابی اور فتح حاصل نہ ہو تو اس میں داخلہ بند ہوتا ہے لیکن جب اس پر فتح اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں داخلہ کھل جاتا ہے' پھر بعض حضرات کا قول ہے کہ اس فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح حدیبیہ کے ساتھ (۶ ہجری میں) مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے۔ اس میں آپ سے فتح کا وعدہ فرمایا گیا اور اس فتح کو فعل ماضی کے لفظ کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا تحقق اور وقوع پذیر ہونا یقینی طور پر ہونے والے کام کے قائم مقام ہے اور اس میں عظمت و بڑائی کا اظہار ہے اور مخبر عنہ (فتح) کے عالی شان ہونے پر دلالت و رہنمائی ہے جو (کسی ذی عقل پر) مخفی نہیں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے فتح حدیبیہ مراد ہے اور اس میں شدید قسم کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے درمیان تیر اندازی اور پتھر بازی ہوئی تھی' چنانچہ مسلمانوں نے دفاع کرتے ہوئے مشرکین پر تیر اندازی کی تھی' یہاں تک کہ مشرکین کو ان کے گھروں میں جانے پر مجبور کر دیا اور انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا اور انہوں نے (مرعوب ہو کر) صلح کی درخواست کر دی' سو اس لیے یہ "فتح مبین" (روشن اور واضح فتح) قرار پائی اور علامہ زجاج نے کہا کہ فتح حدیبیہ میں بہت بڑا معجزہ رونما ہوا تھا اور وہ یہ کہ حدیبیہ نامی کنویں کا پانی حسبِ ضرورت نکالا جاتا رہا اور اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا اور سارا پانی ختم ہو گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلی کی اور اسے کنویں میں ڈال دیا' چنانچہ کنویں کی گہرائی سے پانی جوش مارنے لگا اور وہ کنواں کناروں تک لبالب بھر گیا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے پیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے فتح خیبر مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کے خلاف آپ کے لیے ایک واضح فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ اور آپ کے صحابہ اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ تم سب کے سب بیت اللہ شریف کا طواف کرو' اور یہ "فتاحۃ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔

۲- ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما دے۔ بعض نے فرمایا کہ فتح مغفرت کا سبب نہیں اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: "(اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا) فَاسْتَغْفِرْ (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ)" بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی' سو آپ (اظہارِ تشکر کے لیے) مغفرت طلب کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد ہے: "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُO" (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ تک: "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" (النصر:۱۔۳) "جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی فتح آ جائے تو (اظہارِ تشکر کے لیے) آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے" اور یہ بھی جائز ہے کہ فتح مکہ مراد ہو کیونکہ دشمنانِ دین سے جہاد کرنا مغفرت و بخشش کا سبب ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ فتح اس لیے نہیں تھی کہ آپ کی مغفرت کی جائے بلکہ وہ تو زبردست مدد عطا فرمانے اور نعمت کی تکمیل کے لیے تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی جانے والی اپنی نعمتوں کا شمار کیا تو ان کے ساتھ اس مغفرت و بخشش کی نعمت کو بھی شمار کر کے ان کے ساتھ ملا دیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی عظیم الشان نعمت ہے' گویا فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مکہ کو اس لیے آسان فرما دیا تاکہ ہم دین و دنیا کی عزتیں اور دنیا و آخرت کے اغراض و مقاصد آپ کے لیے جمع فرما دیں ﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾

جو اس سے پہلے اجتہادی اور امت کی تعلیم کے لیے خلاف اولیٰ امور میں تقصیر ہوئی اور جو اس کے بعد ہوئی[۲] "مِنْ ذَنْبِكَ"

---

[۱] اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پہلی تین آیات میں اپنے محترم و مکرم اور معظم محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر پانچ انعامات کا ذکر فرمایا ہے: (۱) فتح مبین (۲) مغفرت ذنب (۳) اتمام نعمت (۴) صراط مستقیم کی ہدایت (۵) قوی ترین نصرت، مذکورہ نعمتوں میں سے دوسرا انعام یعنی مغفرت ذنب (گناہوں کی بخشش) کی نسبت آپ کی طرف کرنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ سے گناہ تھے جن کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے؟ حالانکہ تمام انبیائے کرام خصوصاً ہمارے آقا سید الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ تو گناہوں سے معصوم اور پاک ہیں تو پھر مغفرت ذنب کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام نے اس شبہ کے چند جوابات بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مغفرت کا معنی عصمت ہے یعنی "لِيَعْصِمَكَ اللّٰهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمْرِكَ وَفِيمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ" تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے آپ کو معصوم رکھے؛ چنانچہ علامہ جلال الدین محلی تفسیر جلالین میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: "وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِيْلِ الْعَقْلِيِّ الْقَطْعِيِّ" یعنی اس کی تاویل کی جائے گی کیونکہ انبیائے کرام کی عصمت و پاک دامنی عقلی قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت ہے۔ (تفسیر جلالین بمع حاشیہ تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر) امام فخر الدین رازی نے چار وجوہ بیان کی ہیں' ان میں سے چوتھی توجیہ یہی ہے کہ مغفرت سے عصمت مراد ہے (تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے گناہ سے معصوم و محفوظ رکھے)۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" کا معنی ہے: "لِيَعْصِمَكَ اللّٰهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمْرِكَ وَفِيمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا۔ اس آیت میں مغفرت، عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور، بحوالہ مدارج النبوت ج ۱ ص ۴۷۔۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

(۲) مغفرت کا معنی احالہ (عصمت کے پردے کا حائل ہونا مراد) ہے' جب وہ بندے کے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو اس سے گناہ صادر نہیں ہوتے کیونکہ غُفران' مغفرت اور غفر کا لغوی معنی ستر (پردہ) ہے اور یہ ستر کبھی تو بندے کے درمیان اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ گناہوں سے محفوظ اور بچ جاتا ہے) اور کبھی بندے کے درمیان اور اس کے عذاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ عذاب سے بچ جاتا ہے) بہر حال انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق صرف پہلا معنی ہے (کہ انبیائے کرام کے حق میں مغفرت کا معنی ان کے درمیان اور گناہوں کے عصمت کے پردے کا حائل ہو جانا ہے) اور امتیوں کے لیے دوسرا معنی مراد ہوتا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰۔۹۱، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۳) "مِنْ ذَنْبِكَ" سے (کسی مصلحت کی بناء پر) افضل و اعلیٰ کام ترک کر کے خلاف اولیٰ کام کرنا مراد ہے' اگر چہ یہ جائز ہے لیکن "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ" (نیکوں کی نیکیاں بعض اوقات مقربین کے نزدیک گناہ سمجھی جاتی ہیں) کے مطابق اسے آپ کے مقام و منصب کے اعتبار سے ذنب قرار دے کر اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے۔

(۴) "مِنْ ذَنْبِكَ" سے حقیقی گناہ مراد نہیں بلکہ مباح فعل مراد ہے اور وہ مباح ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ تو گناہ ہے اور نہ وہ خلاف اولیٰ ہے لیکن حضور سیّد عالم ﷺ کی نگاہ عالی میں نہیں جچتا اور آپ کے بلند و بالا مرتبے اور شان کے مقابلے میں ادنیٰ و کم تر ہونے کی وجہ سے آپ کی نگاہ عالی میں وہ ذنب ہے' اس لیے اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السادس والعشرون ص ۹۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے وہ تمام تقصیرات مراد ہیں جو آپ سے صادر ہو چکیں یا پھر ''مَا تَقَدَّمَ'' سے ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ مراد ہے (کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دل جوئی کے لیے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیا تھا) اور ''مَا تَاَخَّرَ'' سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورت کا واقعہ مراد ہے (کیونکہ حضور نے وحی کے ذریعے حضرت زید کی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی خبر پا کر طلاق کے بعد ان سے نکاح کا پختہ ارادہ کرلیا تھا لیکن آپ کو لوگوں کے طعنوں کا خوف وڈر تھا حالانکہ آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا خوف وڈر ہونا چاہیے تھے) ﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کے دین کو غلبہ عطا فرما کر اور آپ کے ہاتھوں آپ کو شہروں کی فتح عطا فرما کر آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دے گا ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت پر قائم ودائم فرما دے گا اور آپ کو پسندیدہ ترین دین پر ثابت قدم رکھے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(۵) ''ذنب'' کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو' لیکن اہل لغت لفظ ''ذنب'' کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اسی مادہ سے دو اور لفظ ہیں: ''ذَنَبٌ'' اور ''ذَنُوْبٌ''۔ ''ذَنَبٌ'' کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چمٹی ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں بلکہ باہر سے اس کے ساتھ چمٹا دی گئی ہے' اور پانی نکالنے والے ڈول کو ''ذَنُــوْبٌ'' کہتے ہیں جو رسّی کے ایک سرے سے بندھا رہتا ہے۔ اسی مناسبت سے ''ذَنَبٌ'' کا اطلاق الزام پر بھی ہوسکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے' خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ قرآن کریم میں بھی ''ذنب'' کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔ قبطی اسرائیلی کو زدوکوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مُکّا دے مارا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زبردست مظلوم ساتھی کی مدد کرنا' اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لیے حملہ آور کو مُکّا مارنا' نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرب میں یہ فعل قبیح ہے لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا' اس لیے اس نے آپ پر قتل کا الزام لگا رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتلِ عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوتِ حق دو' تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ O'' (الشعراء: ١٤) ''انہوں نے مجھ پر قتل کا الزام لگا رکھا ہے' پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے O'' اس آیت میں ''ذَنْبٌ'' سے گناہ مراد نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے ایک اُمتی کے بچاؤ کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا اور نہ عام طور پر مُکّا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔ ان آیات کے سیاق وسباق کو مدنظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے'' غَفَرَ'' کا معنی چھپا دینا' دور کرنا ہے۔ ''مَا تَقَدَّمَ'' سے مراد ہجرت سے پہلے اور ''مَا تَاَخَّرَ'' سے ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفارِ مکہ آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں' اس ''فتح مبین'' سے وہ سارے کے سارے نیست ونابود ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالم ﷺ پر عائد کیے جاتے تھے' وہ یہ ہیں کہ یہ کاہن ہے' یہ شاعر ہے' یہ مجنون ہے' یہ ساحر ہے' یہ اوروں سے سن سن کر افسانے بنا لیتا ہے' اسے کوئی اور پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔ ﴿ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو زبردست نصرت و مدد عطا فرمائے گا (یعنی) ایسی جامع اور مانع مضبوط و مستحکم نصرت و امداد عطا فرمائے گا کہ اس کے بعد کبھی ذلت و رسوائی اور شکست نہیں ہو گی۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾

وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں اطمینان وسکون نازل فرمایا تاکہ وہ اپنے (پہلے) یقین کے ساتھ مزید یقین کا اضافہ کریں اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہےO تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وہ کہتے: یہ قوم میں اختلاف' انتشار پیدا کرنے والا ہے' اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اُجاڑ ڈالا ہے' بھائی کو بھائی سے' اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے' اس نے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے' ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۲ ۵۳۲۔ ۵۳۳)

(۶) ''مِنْ ذَنْۢبِكَ'' سے امت کے گناہ مراد ہیں اور آپ کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ آپ مقتداء ہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر) امام فخر الدین رازی نے کہا کہ مؤمنوں کے گناہ مراد ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۷) علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے شرف و بزرگی اور مرتبہ و شان کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا' نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم و تکریم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸' بحوالہ مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۲۔ ۷۳' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کی بُرائیوں کو اُن سے دور فرما دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے O اور تا کہ وہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرا گمان رکھتے ہیں ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

صحابہ کے لیے انعامات اور کفار و منافقین کے لیے عذاب کا بیان

٤ - ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تسکین کو نازل فرمایا تا کہ ان کے (پہلے) یقین و ایمان کے ساتھ مزید ایمان و یقین مستحکم ہو جائے۔ ''سکینۃ'' سکون کے معنی کے لیے اس طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ''بھیتۃ'' بہتان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں میں سکون و طمانیت نازل فرمائی تا کہ ان کے (پہلے) یقین کے ساتھ اور یقین بڑھ جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''سکینہ'' سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد و بھروسا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا مراد ہے ﴿ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے۔

٥ - ﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

٦ - ﴿ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں وہ ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر مسلط کر دیتا ہے جیسے اس کا علم اور اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے اور اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو سکون و اطمینان عطا فرمایا صلح حدیبیہ کے سبب اور ان سے وعدہ فرمایا کہ انہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور یہ فیصلہ صرف اس لیے فرمایا تا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمت پہچان لیں اور اس پر شکر ادا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے کیونکہ وہ اس صلح سے غیظ و غضب میں جل گئے اور انہوں نے اسے ناپسند کیا ﴿ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت بُرا گمان رکھنے والے ہیں۔ ''السوء'' کا مطلب ہے: کسی چیز کا مذموم و فاسد ہونا' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''فِعْلُ سَوْءٍ اَیْ مَسْخُوْطٍ فَاسِدٍ'' یعنی بُرا اور فاسد کام اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اور منافقین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو رسول کریم اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور نہ انہیں اس حال میں مکہ مکرمہ واپس لائے گا کہ وہ کامیاب و کامران اور فاتح و غالب بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے ﴿ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ ﴾ انہیں پر بُری گردش ہے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''السُّوْء'' میں سین مضموم ہے] یعنی مشرکین و منافقین مسلمانوں کے بارے میں جس چیز کا گمان رکھتے ہیں اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سو وہی چیز خود انہیں گھیر لے گی اور وہ انہیں پر پڑے گی اور ''اَلسُّوْء'' (سین پر پیش) کا معنی ہے: ہلاکت و بربادی اور ''دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ'' سین

پر زبر کے ساتھ کا معنی ہے کہ وہ لوگ جس چیز کو مذموم و بُرا خیال کرتے ہیں اور جس کو ناپسند کرتے ہیں وہی بُرائی ان پر پڑے گی (درج ذیل تمام مکرر الفاظ میں سے پہلے لفظ کے پہلے حرف پر زبر ہے اور دوسرے لفظ کے پہلے حرف پر پیش ہے) ''اَلسَّوْء'' اور ''اَلسُّوْء'' اور ''کَرْہٌ'' اور ''کُرْہٌ'' نیز ''ضَعْفٌ'' اور ''ضُعْفٌ'' ہم معنی ہیں مگر زبر والے اسم کی طرف اکثر ہر چیز میں سے وہ چیز مضاف ہوتی ہے جس کی مذمت مقصود ہوتی ہے لیکن ''اَلسُّـوْء'' (پیش والا) سو یہ شر (بُرائی) کے قائم مقام ہوتا ہے جو خیر (بھلائی) کی نقیض اور ضد ہے ﴿وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَلَعَنَہُمۡ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب نازل فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَلِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۷﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُعَزِّرُوۡہُ وَتُوَقِّرُوۡہُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک میں ہیں' اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے O بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے O تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو' اور تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو O بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے' سو جس نے بیعت کو توڑ دیا تو اس کے توڑنے کا وبال صرف اسی کی ذات پر ہوگا' اور جس نے اس عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا O

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کی عظمت و شان کا بیان

٧- ﴿وَلِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں' سو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کا مکر و فریب دور کر دے گا جو اس کے محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مسلمانوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے جس قدر وہ چاہے گا ﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب ہے' سو اس کی پکڑ کو رد نہیں کیا جا سکتا ﴿حَکِیۡمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ جو تدبیر کرتا ہے اور جو منصوبہ بناتا ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

٨- ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے تا کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے سکیں[1] [اور ''شَاہِدًا'' حال مقدر واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں ﴿وَّنَذِیۡرًا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والے ہیں۔

[1] علامہ محمد اسماعیل حقی حنفی لفظ ''شاھد'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَھُوَ الْمَحْبُوْبُ الْاَصْلِیُّ'' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٩- ﴿ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے خطاب ہے ﴿ وَتُعَزِّرُوْهُ ﴾ اور تم (لوگ) آپ کو نصرت و مدد کے ذریعے قوت دو ﴿ وَتُوَقِّرُوْهُ ﴾ اور تم آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرو ﴿ وَتُسَبِّحُوْهُ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ یہ ''تسبیح'' سے ماخوذ ہے یا ''سبحة'' سے ماخوذ ہے اور تمام ضمیریں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تقویت دینے سے مراد اس کے دین کو اور اس کے رسول کو تقویت پہنچانا مقصود ہے اور جس نے ضمیروں میں تفریق کی اور پہلی دو ضمیروں کو نبی کریم ﷺ کے لیے قرار دیا اس نے غلط کیا ہے[1] [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لِيُؤْمِنُوْا'' پڑھا جاتا ہے اور اس کی ضمیر ''الناس'' (لوگوں) کے لیے ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَمَا سِوَاهُ تَبَعٌ لَهٗ فَلِهٰذَا اَرْسَلَهُ اللّٰهُ شَاهِدًا فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَرُبُوْبِيَّتِهٖ وَشَاهِدًا مَا اُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَالْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَامِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيَاطِيْنِ وَالْاِنْسَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشُذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ دَرْكُهٗ مِنْ اَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِ صُنْعِهٖ وَغَرَائِبِ قُدْرَتِهٖ بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ'' اور وہ اصلی محبوب ہیں اور ان کے ماسوا ہر چیز ان کے تابع اور ان کے طفیل ہے سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاظر و ناظر بنا کر بھیجا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا فرمایا' جب آپ اوّل مخلوق ہیں تو سب سے پہلے آپ ہی حق تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے گواہ ہیں اور آپ تو ہر اس چیز کے گواہ ہیں جو عدم سے وجود میں آئی وہ ارواح ہوں' نفوس ہوں' ارکان ہوں اور اجسام واجساد ہوں' معدنیات ہوں' نباتات ہوں' فرشتے ہوں' جنات ہوں اور شیطان ہوں یا انسان وغیرہ ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار اور اس کی صنعت وکاری گری کے عجائبات اور اس کی قدرت واختیار کے غرائب آپ سے مخفی و پوشیدہ نہ رہیں' جن کا حصول مخلوق کے لیے ناممکن ہے اور اس اعتبار سے اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(تفسیر روح البیان عربی ج ٩ ص ١٨' مطبوعہ بیروت' مترجم پارہ:٢٦ ص ٢٢٨' مطبوعہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

[1] (١) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الْبَغَوِيُّ ضَمِيْرُ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ رَاجِعَانِ اِلٰى رَسُوْلِهٖ وَضَمِيْرُ تُسَبِّحُوْهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاسْتَبْعَدَهُ الزَّمَخْشَرِيُّ لِكَوْنِهٖ مُسْتَلْزِمًا لِانْتِشَارِ الضَّمَائِرِ قُلْنَا لَا بَاْسَ بِهٖ عِنْدَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ وَعَدَمِ اللَّبْسِ'' (تفسیر مظہری ج ٩ ص ٥-٦' مطبوعہ ندوة المصنفین' دہلی) اور امام بغوی نے فرمایا: ''تعزروه وتوقروه'' کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہیں اور ''تسبحوه'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور زمخشری نے اس کو بعید سمجھا کیونکہ اس سے انتشار ضمائر لازم آئے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ قرینہ موجود ہو اور التباس نہ ہو' نیز علامہ بغوی نے فرمایا کہ ''وتوقروه'' پر وقف ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ٤ ص ١٩٠' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

(٢) علامہ خازن نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَيُعَزِّرُوْهُ وَيُوَقِّرُوْهُ'' میں مفعول کی دونوں ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہیں اور ''وَيُوَقِّرُوْهُ'' پر کلام تمام ہو جاتا ہے اور اس پر وقف تام ہے۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ٤ ص ١٥٧' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

(٣) عارف باللہ علامہ شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے یا صرف رسول کی تعظیم کرے تو وہ مؤمن نہیں بلکہ مؤمن تو وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے رسول کی تعظیم دونوں کا جامع ہو لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے لائق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آخری تینوں بھی ان کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ ''وَيُعَزِّرُوْهُ وَيُوَقِّرُوْهُ وَيُسَبِّحُوْهُ'' ہے] ﴿بُكْرَةً﴾ نماز فجر میں ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور چاروں نمازوں (ظہر' عصر' مغرب اور عشاء) میں۔

۱۰- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں یعنی بیعت رضوان اور جب اللہ تعالیٰ نے ''انما یبایعون اللہ'' فرمایا تو استعارۂ تخییل کے طور پر اس کی مزید تاکید بیان کی اور فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے اوپر ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور اجسام کی صفت سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرنا ہوتا ہے' ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے سو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' [''اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ''، ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿فَمَنْ نَّكَثَ﴾ پھر جس نے اس عہد کو توڑ دیا اور بیعت کو پورا نہیں کیا ﴿فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ تو اس عہد کو توڑنے کا وبال اسی کی ذات پر ہوگا (یعنی) پس عہد بیعت توڑنے کا ضرر اور اس کا نقصان صرف اسی پر ہوگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت پر بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم جنت سے راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے' چنانچہ ہم میں سے کسی نے بیعت کو نہیں توڑا سوائے جد بن قیس کے اور وہ منافق تھا' بیعت کے وقت وہ اپنے اونٹ کی بغل کے نیچے چھپ گیا تھا اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر نہیں ہوا تھا[1] ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور جس نے اس (بیعت) کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوگی' سو اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو تمام صفاتِ حوادث سے پاک ماننے اور اس کو کمالات کے اوصاف کے سات متصف تسلیم کرے اور اس کے رسول کی تعظیم یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں اور آپ تمام مخلوق کے لیے خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان اوصافِ مبارکہ اور آپ کے محبوب و پسندیدہ شمائل و خصائل کو تسلیم کرے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۲' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر) نیز اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی آیت مبارکہ:۱۵۷ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ کمالیہ بیان کرتے ہوئے اس کے آخر میں فرمایا: ''فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○'' (الاعراف:۱۵۷) ''سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے' یہی لوگ فلاں پانے والے ہیں○'' سورۂ اعراف کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں سورۂ فتح میں ''وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ'' سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مراد ہیں' نیز سورۂ اعراف کی اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے ثابت ہوگئے ہیں' ایک یہ کہ ایمان وہ معتبر و مفید ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مؤمن نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی تعظیم و توقیر کرنے کا حکم پہلے بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اتباع کا حکم بعد میں بیان کیا گیا ہے' جس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی اتباع تب مفید ہوگی جب پہلے دل میں تعظیم و تکریم مصطفیٰ موجزن ہوگی' جس کا ثبوت سورۃ الحجرات کی پہلی پانچ آیات میں بیان کیا گیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فقیر پُر تقصیر حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی غفرلہٗ

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۳۹۶' مسلم رقم الحدیث: ۶۸۔۶۹' ۱۸۵۶' الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۹۱' النسائی ج ۷ ص ۱۴۰

پورا کیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا اجروثواب عطا فرمائے گا (یعنی) جنت عطا فرمائے گا' کہا جاتا ہے: ''وَفَیْتُ بِالْعَھْدِ وَاَوْفَیْتُ بِہٖ'' میں نے عہد کو پورا کیا اور میں نے اسے پورا کیا اور (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ اسی سے ماخوذ ہے: ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' (المائدہ:۱) ''تم عہدوں کو پورا کرو''۔ ''وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ'' (البقرہ:۱۷۷) ''اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں''[امام حفص کی قراءت میں ''علیہ'' کی ضمیر ''ھا'' مضموم ہے اور ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں نون کے ساتھ ''فَسَنُؤْتِیْہِ'' ہے]۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

عنقریب دیہاتی لوگوں میں سے پیچھے رہ جانے والے آپ سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا تھا' سو ہمارے لیے مغفرت کی دعا کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں' آپ فرما دیجئے کہ پھر کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے' بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والا ہے O

منافقین کی جھوٹی معذرت اور بدگمانی کا بیان

۱۱- ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ﴾ (اے محبوب!) جب آپ حدیبیہ کے مقام سے مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹیں گے تو عنقریب آپ سے (وہ لوگ) عرض کریں گے: ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ جو دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ گئے تھے' یہ وہ لوگ ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ غفار' مزینہ' جہینہ' اسلم' اشجع اور دیگر قبائل کے دیہاتی لوگ ہیں اور یہ اس وقت ہوئے جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ کے سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کرنے کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مدینہ منورہ کے گردونواح کے قبائل کے دیہاتیوں اور صحرانشینوں کو بلایا تا کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ چلیں' قریش مکہ کے خوف سے کہ کہیں وہ جنگ کے ذریعے آپ کا معارضہ اور مقابلہ کریں یا وہ آپ کو بیت اللہ شریف کے طواف سے روک دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احرام باندھا اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن دیہاتیوں میں سے اکثر لوگوں نے سستی کی اور چلنے کی بجائے بوجھل ہو کر گھروں میں بیٹھے رہے اور کہنے لگے: آپ تو اس قوم کے پاس جا رہے ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں آ کر آپ سے جنگ کی اور آپ کے صحابہ کو قتل کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور آپ مدینہ شریف واپس نہیں لوٹیں گے ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا﴾ ہمیں ہمارے اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے گھر والوں اور ان کے مالوں نے انہیں مصروف رکھا جس کی وجہ سے وہ نہیں جا سکے اور ان کے مال اور ان کے اہل وعیال کا سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے پیچھے رہ جانے کی ہماری خطا کو معاف فرما دے ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے

دلوں میں نہیں ہیں' یہ ان کی معذرت کی تکذیب وتردید ہے اور یہ کہ جس چیز نے انہیں جانے سے پیچھے روکے رکھا وہ نہیں تھی جو وہ کہتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرنا اور نفاق اختیار کرتا تھا اور ان کا استغفار طلب کرنا بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا ﴿قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا﴾ فرما دیجئے کہ کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فیصلے سے کون بچا سکتا ہے ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا﴾ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے (یعنی) وہ تمہیں قتل اور شکست میں مبتلا کر کے نقصان دینا چاہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ضاد مضموم کے ساتھ "ضُرًّا" ہے] ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ یا وہ تمہیں مالِ غنیمت اور فتح و کامیابی کی صورت میں نفع پہنچانا چاہے ﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ یہ رسول اور مسلمان واپس اپنے گھروں کو ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ (گمان) آراستہ کر دیا گیا تھا' اور تم نے بہت بُرا گمان کر لیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو O اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ہم نے تمام کافروں کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی' وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۱۲ - ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ بلکہ تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ رسول اکرم اور مسلمان اپنے گھروں کی طرف ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور یہ (بدگمانی) تمہارے دلوں میں آراستہ کر دی گئی جسے شیطان نے آراستہ اور خوش نما بنا دیا تھا ﴿وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ اور تم نے کفر کے غلبہ اور فساد کے ظہور کی وجہ سے بہت بُرا گمان کر لیا تھا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو ["بور" "بائر" کی جمع ہے جیسے "عُوْذ" "عائذ" کی جمع ہے اور یہ "بَارَ الشَّیْءُ" سے ماخوذ ہے کہ فلاں چیز ہلاک ہو گئی اور فاسد و تباہ ہو گئی] یعنی تم اپنی ذوات میں اور اپنے دلوں میں اور اپنی نیتوں میں فسادی قوم تھے اور تمہارے اندر کوئی خیر نہیں یا یہ کہ ہلاک ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے غضب و ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

۱۳ - ﴿وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اصل میں "لھم" ہے پھر اسم ظاہر "کافرین" کو اسم ضمیر "ھم" کے قائم مقام کر دیا گیا ہے محض اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ جو شخص ان دونوں ایمانوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول پر ایمان کا جامع نہیں ہوگا' سو وہ کافر ہوگا اور "سعیرًا" کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ

اس سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ "نَارًا تَلَظّٰی O" (اللیل:١٤) "بھڑکتی ہوئی آگ O"۔

١٤- ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی' وہی ہر ایک کی اس طرح تدبیر و منصوبہ بندی کرتا ہے جس طرح ایک زبردست قدرت رکھنے والا بہت بڑا دانا تدبیر کرتا ہے ﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور اپنی حکمت کے عین مطابق بخشش بھی کرتا ہے اور عذاب بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت مؤمنوں کی مغفرت و بخشش اور کافروں کے لیے عذاب کا تقاضا کرتی ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے' اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب کہیں گے جب تم غنیمتوں کے مال لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو کہ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے' وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے سے فرما دیا ہے' سو وہ عنقریب کہیں گے: بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو' بلکہ وہ نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم O

منافقین کے حرص اور کم عقلی کا بیان

١٥- ﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ ﴾ جو لوگ حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے وہ عنقریب کہیں گے ﴿ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ﴾ جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو ﴿ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے' وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یعنی یہ منافقین چاہتے ہیں کہ حدیبیہ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو تبدیل کر دیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے وعدہ فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے اموالِ غنیمت کے بدلے خیبر کے اموالِ غنیمت انہیں عطا کیے جائیں گے' یہ وعدہ اس وقت کیا گیا تھا جب مسلمان حدیبیہ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ واپس روانہ ہوئے تھے اور انہوں نے مکہ والوں سے کچھ حاصل نہیں کیا تھا [قاری حمزہ کوفی اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "کلام اللّٰہ" کی بجائے "كَلِمَ اللّٰهِ" پڑھا گیا ہے] ﴿ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا ﴾ (اے محبوب! آپ منافقین سے) فرما دیجئے کہ تم خیبر کی طرف جانے کے لیے ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر سنانا ہے کہ منافقین خیبر نہیں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تبدیل نہیں کیا جا سکتا ﴿ كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے ہی فرما دیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئیں گے اور خیبر کے اموالِ غنیمت صرف انہی لوگوں کے لیے ہوں گے جو عمرہ کی نیت سے حدیبیہ گئے تھے ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہوں گے ﴿ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ﴾ سو عنقریب منافقین مسلمانوں سے کہیں گے: بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم نہیں دیا بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ مالِ غنیمت میں شریک اور حصہ دار ہو جائیں گے ﴿ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ

﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ بلکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم اور بہت تھوڑا سا یعنی محض بات کی حد تک اور اس آیت مبارکہ میں لفظ ''بَلْ'' دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔ پہلا ''بَلْ'' منافقین کی طرف سے ایک تو اس بات کی تردید کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ منافقین (خیبر کا مالِ غنیمت لینے کے لیے) مسلمانوں کے پیچھے نہیں جائیں گے اور دوسرا مسلمانوں کا حسد ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا ''بَلْ'' منافقین کی طرف سے مسلمانوں کی طرف حسد کی نسبت کرنے کے وصف سے اعراض کر کے خود منافقوں کے اس وصف کو ثابت کرنا مقصود ہے جو حسد سے بدتر ہو اور وہ ہے دین اسلام سے منافقین کی جہالت و نادانی اور کم عقلی و کم فہمی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

دیہاتیوں میں سے پیچھے بیٹھے رہ جانے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک سخت لڑائی کرنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم پھر جاؤ گے جیسے تم پہلے پھر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو شخص پھر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا O

دعوتِ جہاد کی اطاعت پر ثواب اور روگردانی کرنے پر عذاب کا بیان

١٦- ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اے محبوب! دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرمائیے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ عنقریب تمہیں سخت لڑائی لڑنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا یعنی تمہیں مُسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی طرف اور ان مرتدین کی طرف بلایا جائے گا جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کی تھی کیونکہ مشرکین عرب اور مرتدین ہی وہ لوگ ہیں جن سے اسلام لانے یا جنگ کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہیں کی جاتی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے فارس کے لوگ مراد ہیں اور بے شک ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوتِ اسلام دی تھی ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ تم ان سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ہوگا یا تو جنگ ہوگی یا پھر اسلام قبول کرنا ہوگا اور اس تاویل پر (کہ فارس کے لوگ مراد ہیں) ''يُسْلِمُوْنَ'' کا معنی ہوگا: وہ اطاعت گزار ہو جائیں گے' اس لیے کہ اہل فارس مجوسی ہیں' ان سے

جزیہ (تاوان) قبول کرلیا جائے گا اور یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت کے صحیح اور برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت کرنے پر ان سے اجروثواب کا وعدہ فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا﴾ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجروثواب عطا فرمائے گا (یعنی) اگر تم نے اس شخص کی اطاعت اختیار کرلی جس نے تمہیں غیر مسلم قوم سے جنگ کرنے کی دعوت دی ہے تو تمہیں بہترین ثواب ملے گا' پس ثابت ہوا کہ جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت فرض ہے ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ تم اس سے پہلے یعنی حدیبیہ سے پہلے پھر چکے تھے ﴿يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا (یعنی) آخرت میں۔

معذروں کی رخصت اور اللہ ورسول کی اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر عذاب کا بیان

۱۷- ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں۔ یہاں جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف آفت زدہ لوگوں سے حرج وتنگی کی نفی کی گئی ہے ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جہاد کرنے میں اور دیگر مامورات میں اطاعت اختیار کرلے گا ﴿يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب دے گا [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "نُدْخِلْهُ وَنُعَذِّبْهُ" ہے]۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام مؤمنوں سے اسی وقت راضی ہوگیا جس وقت انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی' سو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کردیا جو (صدق واخلاص کا جذبہ) ان کے دلوں میں تھا' پس اس نے ان کے دلوں پر اطمینان نازل فرما دیا اور ان کو عنقریب ملنے والی فتح کا انعام عطا فرمایا O اور بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے' اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا جن کو تم حاصل کرو گے' سو اس نے تمہیں یہ نعمت بھی بہت جلد عطا فرمادی اور اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا' اور تاکہ یہ مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہوجائے اور وہ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے O

بیعتِ رضوان اور دیگر انعامات کا بیان

۱۸ - ﴿ لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے اسی وقت راضی ہو گیا جب انہوں نے ببول کے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی' یہ بیعت رضوان ہے' اس آیت مبارکہ کی وجہ سے اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر جب حدیبیہ کے مقام پر نزولِ اجلال فرمایا اور خراش بن امیہ خزاعی کو بطورِ قاصد مکہ مکرمہ بھیجا اور اہل مکہ نے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا اور تمام قبائل کے لوگوں نے مل کر اسے روک لیا لیکن پھر جب وہ واپس لوٹ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا تا کہ انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیج دیں' لیکن حضرت عمر نے عرض کیا کہ مجھے اپنے بارے میں ان سے قتل کا اندیشہ ہے کیونکہ ان کے ساتھ میری عداوت و دشمنی بہت مشہور ہو چکی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس بھیج دیا تا کہ یہ انہیں جا کر بتا دیں کہ آپ بمع اپنے صحابہ کرام جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے آئے ہیں' سو انہوں نے حضرت عثمان غنی کا بڑا احترام کیا اور انہوں نے آپ کو بہت احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور آپ ان کے پاس رک گئے تو اُدھر حدیبیہ میں یہ افواہ اُڑا دی گئی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمان غنی کو قتل کر کے شہید کر دیا ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں ارشاد فرمایا کہ ہم اس قوم سے حضرت عثمان غنی کا قصاص (بدلہ) لیے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائیں گے اور آپ نے تمام لوگوں کو بیعتِ جہاد کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ وہ قریشِ مکہ سے جنگ کر کے حضرت عثمان غنی کا بدلہ لیں گے اور وہ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے اور جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی' وہ ببول کا درخت تھا اور بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی[1]

﴿ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اسے ظاہر کر دیا (یعنی) ان کے دلوں میں مخفی سچ اور اخلاص کو ظاہر فرما دیا جس کی بناء پر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تھی ﴿ فَاَنۡزَلَ السَّكِیۡنَةَ عَلَیۡهِمۡ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون کو نازل فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں پر امن وطمانیت اور تسکین کو نازل فرمایا ﴿ وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے بدلے ان کو بالکل قریب عظیم الشان فتح عطا فرما دی (کہ آپ بمع صحابہ کرام ذی الحج ۶ھ کو حدیبیہ سے واپس مدینہ شریف تشریف لائے اور پچیس دن بعد محرم الحرام ۷ھ میں خیبر فتح کر لیا) اور اس فتح سے خیبر کی فتح مراد ہے جو مکہ مکرمہ سے واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد حاصل ہوئی تھی۔

---

[1] بعض مفسرین نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں لکھا ہے کہ بیعتِ رضوان کے بعد حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا اور زیادہ تر مفسرین نے احادیث اور آثار کی اتباع میں یہ لکھا ہے کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد اس درخت کی شناخت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی تھی' اس لیے یہ روایت بے اصل ہے کہ اس درخت کے پاس لوگوں نے اس درخت کی تعظیم کے لیے وہاں نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں' اس لیے حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج۱۱ ص ۲۵۵)

نوٹ: (نیز اس روایت کے ایک راوی عبد الوہاب بن عطاء ہیں' جس کے متعلق محدثین نے لکھا ہے) کہ وہ قوی نہیں تھا' وہ روایت میں خطا کرتا تھا' شدید وہمی تھا' ضعیف الحدیث اور مضطرب تھا' جھوٹ بولتا تھا اور متروک الحدیث تھا' اس کی روایت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی روایت کو بے توجہی سے صحیح کہہ دیا اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے تحقیق کے بغیر ان کے کلام کو نقل کر دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج۱۱ ص ۲۵۴)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹- ﴿وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا﴾ اور بہت سی غنیمتیں عطا ہوں گی جن کو یہ مسلمان حاصل کریں گے اور یہ خیبر کی غنیمتیں مراد ہیں اور خیبر کی سرزمین بہت زرخیز اور عمدہ تھی' وہاں سے بہت سے غنیمت کے اموال حاصل ہوئے تھے اور آپ نے ان اموال کو ان پر تقسیم فرما دیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت غالب وقوی اور بہت طاقتور ہے' سو وہ کسی سے کبھی بھی مغلوب نہیں ہوسکتا ﴿حَكِيمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ اپنے تمام فیصلے عین حکمت کے مطابق کرتا ہے' سو اس لیے اس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۰- ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ غنیموں کا وعدہ فرمالیا ہے جنہیں تم ضرور حاصل کرو گے۔ یہ غنیموں کے اموال وہ ہیں جو صحابہ کرام کو حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاصل ہوئے تھے اور وہ بھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام کو حاصل ہوئے اور قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوتے رہیں گے ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے یہ غنیمتیں تمہیں بہت جلد عطا فرمادیں یعنی خیبر کی غنیمتیں ﴿وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک رکھا یعنی تمہیں خیبر کے باشندوں کی دست درازی سے محفوظ رکھا اور ان خیبر والوں کے حلیف ومعاون بنو اسد اور بنو غطفان کے حملوں سے تمہیں محفوظ رکھا' جب وہ ان خیبر والوں کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ ناکام واپس لوٹ گئے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے ذریعے تمہیں اہل مکہ کے حملے اور ان کی دست درازی سے محفوظ رکھا ﴿وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور یہ حفاظت اور اہل کفر کی دست درازی کو روکنا اہل ایمان کے لیے ایک نشانی اور عبرت وسبق بن جائے اور مسلمان اسے جان لیں کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے مقام ومرتبہ کے حامل ہیں اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کا ضامن وکفیل ہے اور انہیں فتح وکامیابی عطا فرمانے کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام کر کے دکھا دیئے ﴿وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے اور وہ تمہاری بصیرت' تمہارے یقین اور اپنے فضل وکرم پر تمہارے اعتماد کو بڑھاتا رہتا ہے۔

وَّأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز جن مفسرین نے مذکورہ بالا درخت کٹوانے کی روایت کو تسلیم نہیں کیا' ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۱۲ (۲) امام ابو اسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' الکشف والبیان ج ۹ ص ۴۷ (۳) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲۷ (۴) علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل ج ۴ ص ۱۵۹ (۵) حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۸ (۶) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان ج ۹ ص ۴۲۔ ۴۳ (۷) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۲ (۸) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵ (۹) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۵)

نوٹ: اس کی مکمل بحث تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۱ تا ۲۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسری غنیمتیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے' بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے' پھر وہ نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ کوئی مدد کرنے والا O یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے O

٢١- ﴿ وَّاُخْرٰی ﴾ [یہ ''ھٰذِہٖ'' پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ یہ غنیمتیں اور دوسری غنیمتیں تمہیں جلد عطا فرمائے گا اور دوسری غنیمتوں سے ہوازن اور غزوۂ حنین کی غنیمتیں مراد ہیں ﴿ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا ﴾ جن پر تم قدرت و غلبہ نہیں رکھتے کیونکہ ان میں ہزیمت و شکست اور سخت ترین مقابلے اور دفاع کا سامنا ہو سکتا تھا ﴿ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر یقیناً قادر و غالب ہے اور وہ ان کے خلاف تمہاری مدد فرما کر تمہیں غالب کر دے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اُخْرٰی'' فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو اور ''قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا'' اس کی تفسیر کر رہا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''وَقَضَی اللّٰهُ اُخْرٰی قَدْ اَحَاطَ بِهَا'' اور اللہ تعالیٰ نے دوسری غنیمتوں کا فیصلہ کر لیا' وہ بلاشبہ ان پر قادر و غالب ہے اور البتہ ''لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا اُخْرٰی'' کی صفت ہے اور ''اُخْرٰی'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کیونکہ یہ ''لَمْ تَقْدِرُوْا'' کا موصوف ہے اور ''قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا'' مبتدا کی خبر ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر و غالب ہے۔

٢٢- ﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ﴾ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے یعنی اہل مکہ میں سے جو کفار تھے وہ اگر حدیبیہ کے موقع پر صلح نہ کرتے اور وہ تم سے جنگ کرتے یا اہل خیبر کے حلیف (تعاون و مدد کا معاہدہ کرنے والے) تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور مغلوب و مقہور ہو جاتے اور تم سے شکست کھاتے ﴿ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا ﴾ پھر وہ کسی کو حمایتی نہ پاتے جو ان کے جنگی معاملات میں ان کی حمایت کرتا ﴿ وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ اور نہ وہ کسی کو مددگار پاتے جو ان کی مدد کرتا۔

٢٣- ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ ﴾ [یہ مصدر مؤکد کے قائم مقام ہے] اصل میں ''سَنَّ اللّٰهُ غَلَبَةَ اَنْبِيَائِهٖ سُنَّةً'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے غلبہ کے لیے ایک زبردست دستور جاری فرما دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ'' (المجادلہ: ٢١) ''بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے'' ﴿ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ جو اس سے پہلے بھی جاری و ساری رہا اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پائیں گے کیونکہ وہ کبھی تغیر پذیر نہیں ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

اور وہی تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں (پہلے) ان پر کامیاب وغالب کر دیا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا گیا' اور اگر مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم انہیں (لڑائی میں) روند ڈالو گے' پھر ان کی طرف سے تمہیں بے خبری میں نقصان پہنچے گا (تو تمہیں کفارِ مکہ سے جنگ کی اجازت دے دی جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے' اگر وہ مسلمان الگ ہو جاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک سزا دیتے O

۲٤- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ اور وہی تو ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا یعنی اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا ﴿وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ اور تمہارے ہاتھوں کو ان اہل مکہ سے روک دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے دن تمہیں کفارِ مکہ پر فتح وکامیابی اور غلبہ عطا کرنے کے بعد تمہارے اور ان کے درمیان جنگ نہ کرنے کی رکاوٹ پیدا کر دی اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ مکہ مکرمہ کو بزور بازو اور قوت وغلبہ کے ساتھ فتح کیا گیا تھا صلح کے ساتھ نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ غزوۂ حدیبیہ میں ہوا تھا کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل (اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) پانچ سو مسلح افراد لے کر حملہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا جس نے اسے شکست دے دی اور اسے مکہ مکرمہ میں دھکیل دیا[1] اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام) نے ان پر سنگ باری کر کے غلبہ حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا تھا ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ مکہ مکرمہ کے وسط میں یعنی مکہ مکرمہ میں یا حدیبیہ میں کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم شریف کی طرف منسوب ہے ﴿مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا یعنی تمہیں ان پر غالب وقادر کر دیا تھا اور تمہیں ان پر مسلط کر دیا تھا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے [ابوعمرو کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یعملون" ہے]۔

۲۵- ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو روک دیا "ھدی" قربانی کا وہ جانور ہے جسے کعبہ معظمہ کی طرف بھیجا جاتا ہے ["اَلْهَدْيَ" کو "صَدُّوْكُمْ" میں "كُمْ" ضمیر پر معطوف کر کے منصوب پڑھا گیا ہے] "اَیْ صَدُّوْكُمْ وَصَدُّوا الْهَدْيَ" ﴿مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ﴾ یعنی انہوں نے تمہیں روکا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا اور حضور سیّد عالم ﷺ ستر اونٹ لے کر گئے تھے ["معکوفا" حال ہے] ﴿مَحِلَّهٗ﴾ قربانی کا وہ مکان جس میں اسے ذبح کیا جاتا ہے یعنی جہاں اس کو ذبح کرنا واجب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "مُحْصَر" (وہ شخص جسے حج یا عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی قربانی کے جانور کی قربان گاہ حرم شریف ہے اور "محل" سے مشہور ومعروف جگہ مراد ہے اور وہ منیٰ ہے ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ﴾

[1] اخرجہ الطبرانی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۴۱)

مُؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ ﴾ اور اگر مکہ مکرمہ میں ایسے مسلمان مرد اور ایسی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے [''لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ''، ''رجال'' اور ''نساء'' کی جامع صفت ہے] ﴿ اَنْ تَطَئُوْهُمْ ﴾ کہ تم انہیں روند ڈالو گے [یہ ان سے بدل اشتمال ہے یا پھر ''لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ'' کی منصوب ضمیر سے بدل اشتمال ہے] ﴿ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ﴾ پھر تمہیں ان کی وجہ سے دُکھ پہنچے گا (یعنی) گناہ اور سخت افسوس ہوگا [''مَعَرَّةٌ''، ''مَفْعَلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور یہ ''عَرَّةٌ'' بہ معنیٰ ''عَرَاهُ'' سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو ایسی تکلیف پہنچے جو اسے ناگوار ہو اور اس پر بھاری ہو اور وہ قتل خطا کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہے اور مشرکین کی تکلیف دہ اور بُری باتیں ہیں جو وہ عار دلانے کے لیے کہتے تھے اس لیے کہ وہ لوگ اپنے دین داروں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے جس طرح وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں بغیر کسی تمیز کے اور گناہ اس وقت ہوگا جب کوتاہی برتی جائے گی ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ ان جانے میں [یہ ''اَنْ تَطَئُوْهُمْ'' کے متعلق ہے] یعنی تم ان کو اس لیے روند ڈالو گے کہ تمہیں ان کا علم نہیں ہوگا اور ''وَطْءٌ'' کا مطلب ہے: روند ڈالنا اور کچل دینا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان مشرکوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' ان سے الگ اور ممتاز ہو کر نہیں رہتے تھے' سو اس لیے فرمایا گیا کہ اگر یہ بات ناپسند نہ ہوتی کہ تم مشرکین کے سامنے مسلمانوں کو ہلاک کر دو گے اور تمہیں ان کا علم بھی نہیں ہو سکے گا' پھر ان کی ہلاکت کی وجہ سے تمہیں افسوس اور دُکھ ہوگا تو تمہارے ہاتھوں کو ان سے ہرگز نہ روکا جاتا ﴿ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ یہ ارشادِ مبارک اس بیان کی علت ہے جس پر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے اور جس کے لیے اسے بیان کیا گیا ہے' وہ ہے اہل مکہ سے تمہارے ہاتھوں کو روکنا اور مسلمانوں کو بچانے کی خاطر کفار کے قتل سے تمہیں باز رکھنا' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ کو سزا دینے سے تمہیں روکنا اور باز رکھنا' اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں یعنی اپنی توفیق میں داخل کر لے' تا کہ وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و فرماں برداری اور نیکی میں اضافہ ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ ان مشرکین میں سے جو لوگ اسلام میں رغبت و شوق رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں اسلام میں داخل کر دے ﴿ لَوْ تَزَيَّلُوْا ﴾ اگر مسلمان کافروں سے الگ اور ان سے جدا ہوتے ﴿ لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ تو البتہ ہم ان میں سے (یعنی) اہل مکہ میں سے کافروں کو ضرور دردناک سزا دیتے [''لَوْلَا'' کا جواب محذوف ہے جس سے ''لَوْ'' کے جواب نے بے نیاز کر دیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''لَوْ تَزَيَّلُوْا'' لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ'' کے لیے تکرار کی طرح ہو کیونکہ دونوں کا مرجع ایک ہے اور ''لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اس کا جواب ہو' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہو: ''وَلَوْ لَا اَنْ تَطَئُوْا رِجَالًا مُّؤْمِنِيْنَ وَنِسَآءً مُّؤْمِنَاتٍ وَلَوْ كَانُوْا مُتَمَيِّزِيْنَ لَعَذَّبْنَاهُمْ بِالسَّيْفِ'' اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو روند ڈالو گے اور اگر وہ الگ ہوتے تو ہم کفارِ مکہ کو جنگ کے ذریعے ضرور سزا دیتے]۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں

پر اپنا امن وسکون نازل فرما دیا اور تقویٰ کے کلمہ کو ان پر لازم کر دیا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۲۶ - ﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾
جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جیسے جہالت کا تعصب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں پر اپنا امن وسکون نازل فرما دیا۔ کافروں سے قریش مکہ کے کفار مراد ہیں اور ان کی حمیت سے بے جا غیرت و عار اور ان کی اَنا مراد ہے (کیونکہ وہ لوگ رسالت کو تسلیم کرنا اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے دینا' اپنی غیرت اور اپنی اَنا کی توہین خیال کرتے تھے) اور مسلمانوں کے سکینہ سے وقار اور حلم مراد ہے۔ مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر نزول فرمایا تو قریشِ مکہ نے سہیل بن عمرو' حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو بھیجا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا یہ منصوبہ پیش کریں کہ آپ اس شرط پر اس سال واپس مدینہ تشریف لے جائیں کہ اگلے سال قریش کی طرف سے مکہ مکرمہ میں آپ کو عمرہ کی قضاء کرنے کے لیے تین دن تک ٹھہرنے کی کھلی اجازت ہوگی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرما لیا اور دونوں فریقوں کے درمیان معاہدہ لکھا جانے لگا تو حضور سیّد عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکھو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" جس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم اس رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے' تم "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھو' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا: لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کی بناء پر رسول اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کر لی ہے' اس پر انہوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ تو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے' لیکن تم یوں لکھو کہ "هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَهْلَ مَكَّةَ" یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے اہل مکہ سے صلح کر لی' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی سے فرمایا کہ جو کچھ یہ چاہتے ہیں وہی لکھ لو' سو میں گواہی دیتا ہوں کہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں' سو مسلمانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ ایسے معاہدے سے انکار کر دیں اور اس سے نفرت کا اظہار کر کے اسے ٹھکرا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم ومکرم رسول پر اور تمام مسلمانوں پر تسکین و اطمینان نازل فرما دیا جس کی برکت سے تمام مسلمان وقار واطمینان اور حلم وحوصلہ سے مالا مال ہو گئے[1] ﴿ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا۔ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ اس جگہ کلمہ سے کلمۂ شہادت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ کلمہ سے "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" مراد ہے اور کلمہ کی تقویٰ کی طرف اضافت اس بناء پر ہے کہ کلمۂ شہادت تقویٰ کا سبب اور اس کی بنیاد ہے (کیونکہ کلمہ شہادت پڑھ کر آدمی کفر وشرک سے پرہیز کرتا ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ کلمہ سے اہل تقویٰ مراد ہیں ﴿ وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا ﴾ اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں یعنی مسلمان دوسرے لوگوں سے زیادہ اس کلمہ کے مستحق ہیں اور سب سے زیادہ حق دار ہیں ﴿ وَاَهْلَهَا ﴾ اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا اہل بنایا ہے[2] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' پس وہ تمام اُمور کو ان اشیاء کی مصلحتوں کے مطابق جاری وساری کرتا ہے۔

---

1 رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱_۲۷۳۲' البیہقی فی دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۰۵

2 علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

کیونکہ نبی کریم علیہ السلام کائنات کا خلاصہ اور اس کی اصل ہیں اور یہ وہ حبیب ہیں جن کے طفیل تمام موجودات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ سچا کر دکھایا' کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ ضرور داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بالوں کو کترواتے ہوئے' تم خوف نہیں کرو گے' سو اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتا ہے وہ تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک بالکل قریب ملنے والی فتح مقدر کر دی O وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے' اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے O

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کی سچائی اور دین اسلام کے غلبہ کا بیان

۲۷- ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا﴾ البتہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے خواب کے بارے میں سچا ثابت کر دیا اور ان کو جھٹلایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک اور بہت بلند و بالا ہے [''صَدَقَ'' کے دوسرے مفعول سے حرف جار حذف کر دیا گیا ہے' اصل میں ''فِی الرُّؤْیَا'' تھا اور فعل کو مفعول سے براہِ راست ملا دیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ'' (الاحزاب:۲۳) ''انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا''۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے خواب دیکھا کہ گویا آپ اور آپ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے سر منڈوا دیئے ہیں اور بالوں کو کتروا دیا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو یہ خواب بیان فرمایا تو وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اسی سال مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہونے والے ہیں اور وہ کہنے لگے کہ بے شک رسولِ خدا کا خواب سچا ہوتا ہے' پھر جب اس میں تاخیر ہو گئی تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے علاوہ دیگر منافقین نے کہا کہ اللہ کی قسم! نہ ہم نے سر منڈائے اور نہ ہم نے بال ترشوائے اور نہ ہم نے مسجد حرام کی زیارت کی (گویا وہ صحابہ کرام کا مذاق اُڑانے لگے) تو ان کی تردید میں یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیدا کیا گیا اور یہی کلمہ حبیب خدا کی صورت ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ اس کلمہ کی حق دار ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبین ہیں تا کہ محب کو محبوب سے ملایا جائے اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اس کلمہ کے حامل مسلمان ہی اس کی ذات و صفات میں فنا ہیں اور اسی کے باقی رکھنے سے باقی ہیں بغیر کسی انانیت کے اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' (آل عمران:۱۱۰) یعنی ''تم اس لیے بہترین امت ہو کہ تمہیں لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے لیے پیدا کیا گیا''۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ ۲۶' ص ۳۲۷' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور' عربی ج ۹ ص ۵۱' مطبوعہ بیروت)

آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

﴿ بِالْحَقِّ ﴾ یہ ''صَدَقَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب کو اس بناء پر سچا کر دکھایا کہ وہ خواب سچا ہونے میں حق کے ساتھ ملتبس و متصل ہے یعنی حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے اور یہ اس لیے کہ اس میں آزمائش ہے اور مخلص مؤمن اور نفاق کے مرض میں مبتلا دل والے کے درمیان امتیاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بالحق'' قسم ہو یا تو حق سے وہ مراد ہے جو باطل کی نقیض ہے یا حق سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس کا جواب (درج ذیل کلام) ہے: ﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اور حق کے پہلے معنی کی بناء پر یہ کلام مبارک محذوف قسم کا جواب ہے'' ان شآء اللّٰہ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کے قول کی حکایت ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا یا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ادب کے ساتھ مؤدب ہو کر اپنے وعدوں میں اسی طرح ان شاء اللہ کہا کریں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل پیرا ہو کر ان شاء اللہ کہا کریں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ وہ امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے [یہ حال ہے اور شرط'' ان شآء اللّٰہ'' جملہ معترضہ ہے]

﴿ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ ﴾ اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے یعنی تمام بالوں کو منڈواتے ہوئے [''محلقین'' حال ہے'' امنین'' میں پوشیدہ ضمیر سے] ﴿ وَمُقَصِّرِيْنَ ﴾ یا بالوں کو کٹواتے ہوئے (یعنی) سر کے بعض بالوں کو ترشواتے ہوئے ﴿ لَا تَخَافُوْنَ ﴾ تمہیں (کسی کا کوئی) ڈر نہیں ہوگا [یہ تاکیدی حال ہے] ﴿ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا ﴾ اگلے سال تک فتح مکہ کی تاخیر میں جو حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تو اس سے پہلے (تمہارے لیے) ایک عنقریب فتح مقدر و مقرر کر دی ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے خیبر کی فتح تمہارے لیے مقدر کر دی ہے تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے راحت و خوشی حاصل ہو جائے یہاں تک کہ وہ فتح جس کا وعدہ دیا گیا وہ آسان ہو جائے۔

۲۸- ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى ﴾ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی توحید کے ساتھ بھیجا ﴿ وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ اور سچے دین یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ اس (دین اسلام) کو ہر دین پر غالب کر دے اور اسے بلند و بالا کر دے'' علی الدین'' میں لام جنس کا ہے یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے گا اور اس سے کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے مختلف ادیان مراد ہیں جو دین اسلام کی وجہ سے منسوخ ہو گئے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس بات کو ثابت کر دیا' چنانچہ تم کسی مذہب و دین کو نہیں دیکھو گے مگر اس پر اسلام غالب ہے اور ہر ایک مذہب سے زیادہ معزز ہے (اگر چہ بدکرداریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل خیال کیا جاتا ہے لیکن دشمنانِ دین اسلام کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس پُرفتن دور میں غیر مسلم اقوام کے افراد گاہے بگاہے اسلام قبول کرتے رہتے ہیں) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت دین اسلام تمام ادیان پر غالب آ جائے گا' یہاں تک کہ اس وقت روئے زمین پر ایک کافر بھی باقی نہیں رہے گا' سب مسلمان ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام دلائل و براہین کے اعتبار سے اب بھی تمام ادیان پر غالب ہے ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس بات پر کافی گواہ ہے کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہر حال میں ضرور پورا ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک پر گواہ ہے کہ وہ بلاشبہ عنقریب دین اسلام کو غالب کر دے گا اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ'' و کفاہ اللّٰہ شھیدا'' اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے [''شَهِيْدًا'' تمیز ہے یا پھر حال ہے]۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾

(حاشیہ: منافقین ۱۵ / مخلفین ۱۲ — ع)

(حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ان کا ساتھ دینے والے کفار پر بہت سخت ہیں آپس میں بڑے نرم دل ہیں آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں' سجدوں کی تاثیر کی وجہ سے ان کی علامت (نورانیت) ان کے چہروں میں (ثابت) ہے ان کی یہ صفت تورات میں مذکور ہے' انجیل میں ان کی صفت کھیتی کی مانند ہے جس نے اپنی باریک کونپل نکالی' پھر اسے قوت وطاقت دی' پھر وہ موٹی ہوگئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی' وہ کسانوں کو اچھی لگتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے کفار (کے دلوں) کو جلائے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمالیا ہے O

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے فضائل و برکات اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

۲۹- ﴿مُحَمَّدٌ﴾[1] [مبتدا محذوف کی خبر ہے "اَیْ هُوَ مُحَمَّدٌ"] یعنی وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جن کا ذکر (درج ذیل گزشتہ) ارشادِ باری تعالیٰ میں گزر چکا ہے "هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ" وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے [یا پھر یہ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہے' قاری

[1] ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی کتاب ضیاء النبی ج ۲ ص ۶۱-۶۲ میں لکھتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے دعوت عقیقہ کے موقع پر حضرت عبد المطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اس فرزند کا نام کیا تجویز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کا نام "محمد" تجویز کیا ہے۔ از راہِ حیرت وہ گویا ہوئے' آپ نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کے نام پر اس کا نام نہیں رکھا' آپ نے فرمایا: "اَرَدْتُّ اَنْ یَّحْمَدَهُ اللّٰهُ فِی السَّمَآءِ وَخَلْقُهٗ فِی الْاَرْضِ" میں نے اس کا یہ نام اس لیے تجویز کیا ہے تاکہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوق اس مولود مسعود کی حمد وثناء کرے۔

کلمۂ محمد کی تشریح

"قَالَ اَهْلُ اللُّغَةِ كُلُّ جَامِعٍ بِصِفَاتِ الْخَیْرِ یُسَمّٰی مُحَمَّدًا" اہل لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفات خیر کی جامع ہو اسے محمد کہتے ہیں۔ امام محمد ابو زہرہ اسم محمد کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: (ترجمہ) تفعیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت (درہنمائی) کرتا ہے' اس میں استمرار ودوام پایا جاتا ہے' یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق محمد کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بہ صورت استمرار ودوام ہر لحہ ہر گھڑی نو بہ نو تعریف وثناء کی جاتی ہو۔

(خاتم النبیین ج ۱ ص ۱۱۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نصیر نے اس پر وقف کیا ہے]اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ اور جو لوگ ان کا ساتھ دینے والے ہیں وہ کفار پر بہت سخت ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کافروں پر بڑے سخت ہیں[''وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' مبتدا ہے اور ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' خبر ہے یا پھر ''مُحَمَّدٌ'' مبتدا ہے اور ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' عطف بیان ہے اور ''وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' مبتدا پر معطوف ہے اور ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' سب کی خبر ہے] یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سب کافروں پر بہت سخت ہیں اور ''اَشِدَّآءُ'' کا معنی ہے: ''غِلَاظٌ'' یعنی سخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سہیلی اس نام کی تشریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) یعنی لغت میں محمد اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مُفَعَّل کے وزن میں اس فعل کا تکرار مقصود ہوتا ہے مضرب اور ممدح ان کا وزن بھی مفعل ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔ (الروض الانف ج ١ ص ١٨٢)

فقیہ العصر علامہ مفتی محمد امین فیصل آبادی نے اپنی کتاب البرہان باب: ٨ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامِ پاک کے برکات وکمالات بیان کیے ہیں موضوع کی مناسبت سے یہاں چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

(١) جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا: ''اِنَّكِ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْعَالَمِيْنَ فَاِذَا وَلَدْتِهٖ فَسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا''۔ (مواہب اللدنیہ ج ١ ص ١٢٤)

یعنی اے آمنہ! تیرے شکمِ پاک میں وہ ہے جو سارے جہانوں سے افضل واعلیٰ ہے اور جب اس کی ولادت ہو تو اس کا نام محمد رکھیں۔

(٢) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ وُّلِدَ لَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِّيْ وَتَبَرُّكًا بِاسْمِيْ كَانَ هُوَ وَمَوْلُوْدُهٗ فِي الْجَنَّةِ'' (زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠١ سیرتِ حلبیہ ج ١ ص ٧٩ احکامِ شریعت ص ٣٨) یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے بچہ کا نام محمد رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنت میں جائیں گے۔

(٣) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان دونوں کو جنت میں لے جاؤ وہ دونوں بندے عرض کریں گے: یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حق دار ہوئے ہیں حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اُدْخُلَا الْجَنَّةَ فَاِنِّيْ اٰلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ اَنْ لَّا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ'' (زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠١ احکامِ شریعت ص ٣٨) یعنی تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

(٤) حضرت عبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے: ''وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا عَذَّبْتُ اَحَدًا تُسَمّٰى بِاسْمِكَ فِي النَّارِ''۔

(زرقانی علی المواہب ج ٥ ص ٣٠٢ سیرتِ حلبیہ ج ١ ص ٧٩ احکامِ شریعت ص ٣٩)

(٥) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ وُّلِدَ لَهٗ ثَلَاثَةُ اَوْلَادٍ فَلَمْ يُسَمِّ اَحَدًا مِّنْهُمْ مُحَمَّدًا فَقَدْ جَهِلَ'' (سیرتِ حلبیہ ص ٧٩ احکامِ شریعت ص ٣٩) جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا وہ جاہل ہے۔

(٦) مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''اِذَا سَمَّيْتُمُ الْوَلَدَ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ وہ آپس میں بڑے رحم دل اور نرم دل ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں [اور یہ دوسری خبر ہے اور یہ دونوں خبریں اکٹھی ہیں' ایک (ان کا کفار پر) شدید وسخت ہونا اور دوسرا ان کا آپس میں رحیم و مہربان ہونا] اور اسی طرح (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ O" (المائدہ: ۵۴) یعنی "صحابہ کرام مؤمنوں پر بڑے مہربان اور ان کے لیے بہت نرم ہیں جب کہ کافروں پر بہت سخت ہیں O" اور صحابہ کرام کی کفار پر شدت وسختی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنے کپڑوں کو ان کے کپڑوں کے ساتھ لگنے اور ملنے سے بچاتے تھے اور اپنے جسموں کو ان کے جسموں کے ساتھ مَس ہونے اور لگنے سے بچاتے تھے اور ان کی آپس میں باہمی رحم دلی اور مہربانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مُحَمَّدًا فَاَكْرِمُوْهُ وَاَوْسِعُوْا لَهٗ فِي الْمَجْلِسِ وَلَا تُقَبِّحُوْا لَهٗ" (زرقانی ج ۵ ص ۳۰۲' احکام شریعت ص ۴۰) یعنی جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لیے مجلس میں جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت و برائی مت کرو۔

(۷) سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مَا كَانَ فِيْ اَهْلِ بَيْتٍ اِسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا كَثُرَتْ بَرَكَتُهٗ" (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲' احکام شریعت ص ۴۰) یعنی جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں بہت زیادہ برکت ہوتی ہے۔

(۸) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی تعظیم کی خاطر جب اذان میں مؤذن "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھے تو مستحب ہے کہ آپ کا اسم گرامی سننے والا درود پاک پڑھے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگائے' ایسا کرنے والے شخص کو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں لے جائیں گے' چنانچہ علامہ شامی ردّ المحتار (فتاویٰ شامی) میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی جب اذان میں مؤذن "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہے تو مستحب ہے کہ سننے والا کہے: "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" اور جب دوسری مرتبہ یہی کلمہ سنے تو کہے: "قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے' ایسا کرنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت لے جائیں گے جیسا کہ یہ مسئلہ کنز العباد میں ہے اور ایسے ہی فتاویٰ صوفیہ میں ہے' نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ردالمحتار میں فرمایا:

(ترجمہ:) یعنی کتاب الفردوس میں یوں ہے کہ جس نے اذان میں "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" سنا اور انگوٹھوں کو بوسا دیا تو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ میں ایسے شخص کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۹۸' طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۵۶)

نوٹ: علامہ معین الدین کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے فضائل و برکات میں چند روایات بیان کی ہیں' جو کہ درج ذیل ہیں:

حدیث اوّل: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کے روز تمام اوّلین و آخرین مخلوق سے ان کے بُرے اعمال کا مواخذہ ہوگا تو دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا' جب ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو حق سبحانہ وتعالیٰ متعلقہ فرشتوں کو فرمائے گا کہ میرے ان دونوں بندوں کو جنت میں لے جاؤ۔ وہ دونوں بندے انتہائی مسرت وخوشی سے جود وسخا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا! ہم اپنی ذات میں جنت میں داخل ہونے کی کوئی صلاحیت اور استحقاق نہیں رکھتے اور ہمارے نامۂ اعمال میں جنتیوں والا کوئی عمل نہیں' اب ہم اپنے متعلق اس عزت واکرام کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میرے کرم سے یہ بات بعید ہے کہ احمد اور محمد جس کا نام ہو میں اسے دوزخ میں ڈال دوں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ جب بھی ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو آپس میں گلے ملتے اور مصافحہ کرتے ﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾ آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے (اور) سجدے کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ''رُكَّعًا'' بہ معنیٰ ''رَاكِعِيْنَ'' ہے اور ''سُجَّدًا'' بہ معنیٰ ''ساجلین'' ہے ﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں [''یبتغون'' حال ہے جیسا کہ ''رُكَّعًا سُجَّدًا'' حال ہیں] ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ان کی نشانی ہے یعنی وہ تاثیر جو ان کے چہروں میں سجدوں کی وجہ سے اثر انداز ہوئی ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ رات کے اوقات میں لمبی لمبی نمازیں پڑھنے کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے چہرے مبارک منور و روشن تھے کیونکہ حضور سرورِ کائنات منبع فیوض و برکات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ فِي النَّهَارِ'' (رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳) جو شخص رات کو بہت زیادہ نماز پڑھتا ہے تو دن کو اس کا چہرہ نورانی اور روشن ہو جاتا ہے ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾ یہ مذکورہ بالا ان کی صفت تورات شریف میں بیان کی گئی ہے [اور یہاں پر وقف کرنا (ٹھہرنا) چاہیے] ﴿ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ﴾ اور ان کی صفت انجیل میں (بھی یہ) ہے ﴿ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ ﴾ جیسے کھیتی ہے جس نے اپنی شاخیں اور ٹہنیاں نکالیں۔ ''اَشْطَأَ الزَّرْعُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کھیتی اپنی شاخیں' پتے اور ٹہنیاں نکالتی ہے [''مَثَلُهُمْ'' مبتدا ہے اور ''فِي الْاِنْجِيْلِ'' اس کی خبر ہے] ﴿ فَاٰزَرَهٗ ﴾ پھر اس نے اسے مضبوط کیا یعنی قوی اور طاقتور کیا [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَـأَزَرَهٗ'' ہے] ﴿ فَاسْتَغْلَظَ ﴾ پھر وہ موٹی ہوگئی' چنانچہ وہ باریکی سے موٹاپے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حدیث دوم: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس گھر میں ان تین ناموں احمد' محمد' عبد اللہ میں سے کسی نام والا شخص ہو' اس گھر میں فقر نہیں آتا۔

حدیث سوم: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ بندۂ مومن جو اپنے فرزند کا نام میرے ساتھ محبت اور دوستی کی بناء پر میرے نام پر رکھتا ہے وہ اور اس کا فرزند میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

حدیث چہارم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندۂ مؤمن اپنے بیٹے کا نام محمد رکھتا ہے اور جب وہ اپنے اس لڑکے کو پکارتا ہے اور کہتا ہے: یا محمد' تو تمام حاملین عرش ''لَبَّيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ'' کہہ کر جواب دیتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں: اے اللہ کے ولی! تجھے بشارت ہو کہ تو ہماری مزدوری میں شریک ہے یعنی طاعات و عبادات میں ہمارے ساتھ شریک ہے اور اس کا اجر و ثواب تجھے عطا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز حاملین عرش کا اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

حدیث پنجم: جناب عبد الرحمٰن بن عمرو بن جابہ' رشدہ بن سعید سے روایت نقل کرتے ہیں اور رشدہ بنت سعید' ام کلثوم بنت عتبہ سے اور وہ اپنی والدہ جلیلہ بنت عبد الجلیل سے روایت کرتی ہیں' اس نے کہا کہ ایک روز میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے مگر بچپن میں ہی فوت ہو جاتا ہے' مجھے آپ کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ جب تجھے حمل ہو جائے تو پختہ ارادہ کر لینا کہ تو اپنے فرزند کا نام محمد رکھے گی' مجھے امید ہے کہ وہ لڑکا لمبی عمر پائے گا اور اس کی نسل میں برکت ہوگی' وہ کہتی ہیں: میں نے ایسا ہی کیا' میرا وہ بچہ زندہ رہا اور بحرین کے علاقے میں اس کی اولاد سے زیادہ کسی قبیلہ کے افراد نہیں ہیں۔ واللہ الھادی (معارج النبوت ج ۲ ص ۸۲۔ ۸۳' مترجم' مطبوعہ مکتبہ نبویہ' لاہور)

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب کوئی قوم مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو اور محمد نام والا شخص ان کے مشورہ میں شامل نہ ہو تو ان لوگوں کو اس کام میں کوئی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

(تفسیر روح البیان پارہ: ۲٦' ص ۳۴۳' مترجم' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

طرف منتقل ہو گئی ﴿فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ﴾ پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی یعنی پھر وہ تن آور جڑ پر سیدھی کھڑی ہو گئی' ''ساق'' کی جمع ''سوق'' ہے ﴿یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ وہ کسان اور کاشت کار کو بہت بھلی لگتی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا تھا کہ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو سر سبز و شاداب اُگنے والی کھیتی کی طرح اُگے گی (یعنی بہت جلد پھیل جائے گی)' وہ لوگوں کو بھلائی اور نیکی کا حکم دے گی اور وہ بدی اور بُرائی سے روکے گی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ''اَخْرَجَ شَطْئَهٗ'' سے حضرت ابوبکر صدیق اور ''فَاٰزَرَهٗ'' سے حضرت عمر فاروق ''فَاسْتَغْلَظَ'' سے حضرت عثمان غنی اور ''فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ'' سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ابتدائی کام اور اس کی ترقی و عروج اور دن بہ دن بڑھنے کی یہ مثال بیان کی ہے یہاں تک کہ دین اسلام قوی اور مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے کیونکہ نبی کریم رءوف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے پہلے دین اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لیے اکیلے کھڑے ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ان لوگوں کے ذریعے قوی اور مضبوط و مستحکم کیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لائے جیسے کھیتی پہلے کمزور ہوتی ہے' پھر جب اس سے شاخیں اور ٹہنیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اسے مضبوط و قوی بنا دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ کاشت کار کو بہت بھلی اور خوش نما لگتی ہے ﴿لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان (صحابہ کرام) کے ذریعے جلائے اور انہیں غضب ناک کر دے۔ صحابہ کرام کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دینے اور قوت و اضافہ میں بڑھنے اور ترقی کرنے کی یہ علت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ (درج ذیل) کلام کو اس کی علت قرار دیا گیا ہو کہ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' بخشش اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما لیا ہے۔ کیونکہ جب کفار ان انعامات کے بارے میں سنیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کے لیے آخرت میں تیار کر رکھے ہیں' نیز ان کے ساتھ ساتھ جو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت و غلبہ عطا فرمائے گا تو ان سے کفار جلیں گے اور غصے کے مارے غضب ناک ہو جائیں گے [اور ''مِنْهُمْ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:٣٠) یعنی ''پس تم اس نجاست و پلیدگی سے بچو جو بذاتِ خود بت ہیں'' اور جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَنْفِقْ مِنَ الدَّرَاهِمِ'' درہموں (سکّے) میں سے خرچ کرو یعنی تم صرف اسی جنس کو اپنا خرچ مقرر کر لو] اور یہ آیت مبارکہ روافض (اہل تشیع) کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے مرتد ہو کر کفر اختیار کر لیا تھا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) کیونکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے اس آیت مبارکہ میں مغفرت و بخشش اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما چکا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو گا کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد انہیں تعلیمات پر اور اسی دین اسلام پر آخر دم تک ثابت قدم رہے ہوں جیسا کہ وہ آپ کی دنیاوی حیاتِ مبارک میں ثابت قدم رہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ الحجرات مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی اٹھارہ آیات' دو رکوع ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا

تَشْعُرُوْنَ ②

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور تم ان کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بولتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہو گی O

مسلمانوں کے لیے آدابِ نبوی کا بیان

سورت حجرات مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

۱- ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا﴾ اے ایمان والو! تم (اللہ رسول سے) آگے بالکل نہ پڑھو [''قَدَّمَهٗ'' اور ''اَقْدَمَهٗ'' دونوں طرح پڑھنا منقول ہے (پہلے میں) حرف زائد کو مشدد (اور دوسرے میں) ہمزہ کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں ''قَدَمَهٗ'' سے ماخوذ ہیں' ''قَدَمَهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے آگے چلا ہو' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ'' (ھود:۹۸) ''کہ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا'' اور یہاں مفعول کو محذوف رکھا گیا ہے] تاکہ (''لَا تُقَدِّمُوْا'' کی) یہ ممانعت قول و فعل میں سے ہر اس چیز کو شامل ہو جائے جس میں آگے بڑھنے کا خیال عقل و دل میں آسکتا ہے[۱]

---

۱ حق یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ تمام اُمور کو عام ہے (کیونکہ اگرچہ مورد خاص ہو لیکن اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے) خواہ اقوال ہوں یا افعال ہوں' یہی وجہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ قاری اور سامع کا ذہن اسے ہر مسئلہ پر منطبق کر سکے جہاں تک اس کے لیے ممکن ہے خواہ قول ہو یا فعل مثلاً جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں کوئی مسئلہ پیش ہو تو تم اپنی طرف سے جواب دینے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب حضور سرورِ عالم ﷺ کے حضور میں طعام پیش ہو تو تم کھانے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ راستہ طے کر رہے ہو تو تم ان کے آگے نہ چلو' ہاں! البتہ ضرورت و مصلحت کے تحت آگے چلنا پڑے تو جائز اور رَوا ہے' ورنہ حضور نبی کریم ﷺ کے آگے چلنا یا کسی کام میں آپ سے سبقت کرنا جائز اور رَوا نہیں ہے۔

مسئلہ: تین مقامات کے علاوہ اصاغر کا اکابر کے آگے چلنا جائز نہیں:

(۱) رات کے سفر میں (۲) لشکر کے مقابلے میں (۳) سیلاب یا گہرے پانی کی معلومات کرنے میں۔

مسئلہ: اس نہی میں یہ بھی داخل ہے کہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کے آگے چلنا منع ہے' کیونکہ یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا: ''تَمْشِیْ اَمَامَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنْكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَّلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ خَیْرًا وَّاَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ'' (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۲' مطبوعہ بیروت) تو اس کے آگے چل رہا ہے جو دنیا میں اور آخرت میں تجھ سے بہتر ہے اور انبیاء و مرسلین کے بعد سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے لے کر اس کے غروب ہونے کی جگہ تک ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر اور افضل نہیں ہے۔

نوٹ: تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۶' ص ۳۶۸' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہ ہو (کہ کسی چیز میں آگے نہیں بڑھنا) بلکہ یہ نہی مطلق تقدم (آگے بڑھنے) کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ'' (المؤمنون:٨٠) ''اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے'' [یا پھر یہ ''قَدَّمَ'' (دال مشدد باب تفعیل) سے ماخوذ ہے اور ''تَقَدَّمَ'' کے معنی میں ہے جیسے ''وَجَّهَ'' بہ معنی ''تَوَجَّهَ'' ہے اور اسی سے ''مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ'' ہے اور یہ فوج کے اس دستہ کا نام ہے جو تمام فوجی لشکر سے آگے ہوتا ہے اور قاری یعقوب کی قراءت ''لَا تَـقَـدَّمُوْا'' (باب تفعّل) اس کی تائید کرتی ہے' اس میں ایک ''تـا'' محذوف ہے اصل میں ''لَا تَتَقَدَّمُوْا'' ہے] ﴿بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے (نہ بڑھو)' اہل عرب کے قول: ''جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْ فُلَانٍ'' کہ تو فلاں آدمی کے سامنے بیٹھا' کا حقیقت میں یہ مطلب ہے کہ تو اس آدمی کے دائیں اور بائیں نزدیک ترین دونوں جہتوں اور دونوں سمتوں کے درمیان اس کے سامنے بیٹھا ہو' پھر دونوں جہتوں کا نام ''یدین'' اس لیے رکھا گیا کہ یہ دونوں جہتیں دونوں ہاتھوں کے نزدیک ترین سمتوں میں واقع ہیں جیسا کہ کسی چیز کا نام اس کے کسی ایسے غیر کے نام پر رکھا جاتا ہے جو اس کے نزدیک ترین اور اس کے پڑوس میں واقع ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ کی عبارت میں مجاز کی ایک قسم ہے جس کو تمثیل کا نام دیا جاتا ہے اور اس تمثیل میں بہت بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ جن اُمور میں آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ان میں آگے بڑھنے کی برائی اور معیوبی کا اظہار کیا گیا ہے' ورنہ کتاب وسنت کی مثالوں میں جسمانی تشبیہ مراد نہیں ہوتی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام تمہارے اس قول کے قائم مقام ہو کہ ''سَرَّنِيْ زَيْدٌ وَحُسْنُ حَالِهٖ'' مجھے زید نے اور اس کی صورت کے حسن نے مسرور اور خوش کر دیا یعنی زید کی خوبصورتی نے مجھے خوش کر دیا' پس یہاں بھی ''بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ'' کا معنی اسی طرح ہے' اور اس اسلوب و انداز کا ایک فائدہ اختصاص کی قوت پر دلالت و رہنمائی کرنا مقصود ہے اور جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے عظیم الشان مقام پر فائز ہیں جو کسی سے مخفی نہیں تو اس لیے یہ انداز اختیار کیا گیا اور اس میں اس عمل کے لیے تمہید ہے جو ان کی طرف سے بُرا لگا یعنی ان کا اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر بلند کرنا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو اس قدر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور انہیں اس عظیم الشان خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے تو ان کے لیے جو کم از کم رعب وجلال واجب ہے' وہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے بلند لہجہ میں بات نہ کی جائے بلکہ اپنی آواز کو پست رکھا جائے اور آپ کے سامنے دھیمے انداز میں بات کی جائے۔

شانِ نزول: (١) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے قربانی کے دن نمازِ عید سے پہلے قربانیاں کر لیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ دوسری قربانیاں کریں[1]

(٢) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی (یعنی تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو)[2] ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' سو بلاشبہ

---

[1] حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدِ قربان کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: آج سب سے پہلے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نمازِ عید ادا کریں گے' پھر ہم (اپنے گھروں کو) لوٹ جائیں گے اور قربانی کریں گے' سو جو شخص ایسا کرے گا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جو نمازِ عید سے پہلے قربانی کرے گا سو اس نے بلاشبہ جلدی کی اور صرف اپنے گھر والوں کے لیے گوشت حاصل کیا (ثواب نہیں) اور اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ٤ ص ٢٠٩' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ٤ ص ١٧٥' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

[2] حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس آدمی نے اس دن میں روزہ رکھا جس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے تقویٰ اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے آگے بڑھنے سے تمہیں تمہارا تقویٰ روک دے گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری وہ تمام باتیں خوب سن لیتا ہے جو تم کہتے ہو ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ وہ تمام اعمال و افعال کو خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور ایسی ذاتِ اقدس کا حق ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۲۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے ایمان والو! یہاں مسلمانوں کو دوبارہ نداء کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کہ انہیں اس بات کی دعوت دی جائے کہ ہر آنے والے خطاب کے وقت نئے سرے سے غور سے دیکھیں اور کان لگا کر سنیں اور ان میں تحریک و جوش پیدا ہوتا کہ وہ غور وفکر کرنے سے غافل و بے خبر نہ ہو جائیں ﴿ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ تم اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک سے اونچا نہ کرو یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو فرما رہے ہوں اور تمہیں بھی بات چیت کرنی ہو تو اس باہمی گفتگو کے دوران تم پر لازم ہے کہ تمہاری آواز اس حد تک نہ پہنچے جس حد تک آپ کی آواز پہنچتی ہو بلکہ تم پر واجب ہے کہ تم اپنی آواز کو قدرے پست رکھو تا کہ آپ کا کلام مبارک تمہارے کلاموں سے بلند ہو اور آپ کی آواز تمہاری آواز پر غالب رہے یہاں تک کہ آپ کی فضیلت وعظمت تم پر عیاں ہو جائے اور آپ کی سبقت و اوّلیت واضح ہو جائے ﴿ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ اور تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اونچے لہجہ میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات چیت کرتے ہو یعنی جب تم حضور سے گفتگو کرنے لگو اور آپ خاموش سن رہے ہوں تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آواز کو بلند کرنے سے پرہیز کرو جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے بلکہ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ تم آپس میں لوگوں کے ساتھ دورانِ گفتگو جس قدر بلند آواز میں باتیں کرتے ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس حد تک بھی تمہاری آواز نہیں پہنچی چاہیے اور تم آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں پست لہجہ کے ساتھ نرم بات چیت کرنے کا پختہ عزم کر لو جو بلند آواز کے برعکس لہجہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم حضور کو نام لے کر ''یا محمد'' اور ''یا احمد'' نہ پکارو بلکہ تم نبوت و رسالت کے القاب کے ساتھ ''یَا نَبِیَّ اللّٰہِ' یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کہہ کر پکارو' نیز عظمت اور وقار کے لقب کے ساتھ آپ کو مخاطب کرو (جیسے ''یا حبیب اللّٰہ' یا خیر خلق اللّٰہ'' وغیرہ) اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضور نبی کریم ﷺ سے بہت پست اور نرم آواز میں بات چیت کرتے تھے جیسے کوئی سرگوشی سے بات کرتا ہے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (ماہِ رمضان کے چاند کا) ہونا نہ ہونا مشکوک ہو تو اس آدمی نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ (تفسیر خازن' مذکورہ بالا حوالہ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۰ 'مطبوعہ دہلی) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو' پھر اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تم شعبان کی گنتی تیس دن مکمل کرو۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۴۰ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

[1] کیونکہ اس آیت مبارکہ میں خصوصی طور پر انہیں حضرات کو تعلیم دی گئی تھی' چنانچہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کو ان کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! ان کو عامل نہ بنائیں' پھر ان دونوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بحث کی' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' حضرت عمر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب' نبی کریم ﷺ کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی' حتیٰ کہ ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے کیا کہا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۷۵' بحوالہ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۶۷۔ ۴۸۰۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۴)

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے اور بہت بلند اور بھاری آواز والے تھے اور جب بات کرتے تو ان کی آواز بہت بلند اور اونچی ہو جاتی اور بسا اوقات یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بات کرتے تو ان کی آواز سے آپ کو اذیت پہنچتی[1]

[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے' حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے نہ آنے کا سبب پوچھا تو آپ کو عرض کیا گیا کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ نے انہیں بلوایا تو انہوں نے عرض کی: میں تو اسی خوف کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا ہوں کہ شاید یہ آیت میرے لیے اتری ہے۔ آپ نے فرمایا: "لَسْتَ هُنَاكَ اِنَّكَ تَعِيْشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوْتُ بِخَيْرٍ وَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ" تو اس کا مصداق نہیں بلکہ تو خیر و بھلائی کی زندگی بسر کرے گا' پھر خیر و بھلائی کے ساتھ فوت ہوگا اور بے شک تو جنتی لوگوں میں سے ہے' اس حدیث شریف کے راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ فرمایا' کیونکہ حضرت ثابت بن قیس خیر و بھلائی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی جنگ کے دن شہید ہو کر فوت ہوئے۔ جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے' چنانچہ ان کی موت کے بعد انہیں کسی صحابی نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے اس صحابی سے فرمایا: جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر لے لی ہے اور وہ لشکر کے فلاں حصے (کونے) میں ہے اور اس کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے جو گھاس چر رہا ہے' اس آدمی نے میری زرہ ایک ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے' تم حضرت خالد بن ولید کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس سے واپس لے لیں' اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی خواب میں اسی صحابی کو فرمایا کہ تم حضرت ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جا کر ان سے کہو کہ فلاں آدمی کا مجھ پر قرض ہے وہ ادا کر دیجئے اور میرے فلاں غلام کو آزاد کر دیجئے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کی یہ وصیتیں سن کر اس صحابی نے اسی طرح کیا جیسے انہیں کہا گیا' چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو خبر دی اور حضرت ابوبکر نے وصیت پوری کی' حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایسی کوئی وصیت یاد نہیں جسے کسی کی موت کے بعد پورا کیا گیا ہو ماسوا اس وصیت کے۔ (تفسیر روح البیان (عربی) ج ۹ ص ٦٥' مطبوعہ بیروت' مترجم پارہ: ٢٦' ص ٧٤- ٣-٧٥ ٣' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور) علامہ فیض احمد اویسی صاحب اس مترجم تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں اور دیگر محدثین نے اپنی تصانیف میں بیان کی ہے۔ اس سے صراحۃً چند فوائد حاصل ہوئے (١) صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معمولی گستاخی کو کفر اور موجب جہنم سمجھتے تھے (٢) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر امتی کے حالات سے باخبر ہیں' اسی لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اجمالی حالات بتا دیئے (٣) صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہے کہ جیسے فرماتے ہیں وہ یقیناً ویسے ہوتا ہے (٤) انسان مرنے کے بعد بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ قلب مکانی کرتا ہے (٥) مرنے کے بعد انسان کے علم و شعور میں اضافہ ہو جاتا ہے (٦) مرنے والے کا مرنے کے بعد اہل دنیا سے تعلق وابستہ رہتا ہے (٧) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی عقیدہ تھا کہ مرنے والے بے خبر نہیں ہوتے' تبھی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطلاع پر چور سے ان کا سامان (زرہ وغیرہ) واپس کرایا۔ (تفسیر روح البیان کا حاشیہ' پارہ: ٢٦' ص ٧٥ ٣' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

بوقتِ ضرورت آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا اور آپ کی نعت پڑھنا جائز ہے

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جن مواقع پر بلند آواز سے بولنا مطلوب ہوتا ہے' وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے مثلاً میدانِ جہاد میں دشمن کو للکارتے ہوئے یا کسی معاند اور مخالف کو جواب دیتے ہوئے یا دشمن کو ڈراتے ہوئے ان تمام صورتوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نبی کریم ﷺ کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز ہے کیونکہ ان صورتوں میں یہ متصور نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ادب اور احترام کے خلاف ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جب جنگ حنین میں مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے' رسول اللہ ﷺ اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے' حضرت عباس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان' رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! اصحاب سمرہ (کیکر کے درخت کے سایہ میں بیعت کرنے والوں) کو آواز دو' حضرت عباس بلند آواز شخص تھے' وہ کہتے ہیں: میں نے بلند آواز سے پکارا: اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بخدا! وہ یہ آواز سنتے ہی اس طرح واپس پلٹے' جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے' چنانچہ وہ ''یَا لَبَّیْکَ یَا لَبَّیْکَ'' کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے واپس آ گئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۵) اسی طرح حدیث میں حضرت عثمان بن عمر کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم راستوں میں بکھر گئے اور وہ زور زور سے پکار رہے تھے: ''یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!''۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدافعت میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے گفتگو کرتے وقت آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے اور اسی طرح جب کوئی شخص آپ کو اپنی بات سنا رہا ہو اور آپ خاموشی سے سن رہے ہوں تو آواز بلند نہ کی جائے یا آپ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کی جائے جیسے لوگ ایک دوسرے سے عامیانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ تقریباً یہ تمام اُمور حسب ذیل مفسرین نے اپنی اپنی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[اس میں کاف تشبیہ کا ہے اور محل کے اعتبار سے منصوب ہے] ''اَیْ لَا تَجْھَرُوْا لَہٗ جَھْرًا مِثْلَ جَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ'' یعنی تم حضور سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو اور اس میں انہیں مطلقاً بلند آواز سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا' البتہ ان کے لیے (بغیر شرعی اجازت کے) بلند آواز سے بات کرنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تصانیف میں بیان فرمائے ہیں:

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ (الکشاف ج ۴ ص ۳۵۳۔۳۵۵)' علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۷۶۔۲۷۹)' علامہ سیّد محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۰۴۔۲۰۶)۔ بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر بھی کہتے ہو اور مجالس میلاد میں بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام بھی پڑھتے ہو' جب کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں' یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے (کہ وہ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے ہر جگہ ہر وقت موجود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے) بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں اور کائنات آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں' اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائز نہیں مگر یہ کہ وہ آپ سے آہستہ آواز سے نرمی کے ساتھ بات کریں اور بے شک انہیں صرف مخصوص بلند آواز سے منع کیا گیا ہے یعنی ایسی بلند آواز جو لوگوں کی آواز کے مشابہ ہو جنہیں لوگ بطورِ عادت عامیانہ انداز میں باہمی گفتگو کے دوران بہت اونچا بولتے ہیں اور یہ طریقہ آدابِ نبوت کی رعایت اور اس کی شانِ جلالت کے خلاف ہے ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ یہ کہ تمہارے اعمال برباد اور ضائع ہو جائیں [یہ جملہ اس بناء پر محلاً منصوب ہے کہ یہ مفعول لہ ہے اور یہ معنوی نہی کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے: ''اِنْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ لِحُبُوْطِ اَعْمَالِكُمْ'' تم اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے رُک جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے ''اَیْ لِخَشْيَةِ حُبُوْطِهَا'' یعنی اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کے خوف سے اس کی تقدیر مضاف محذوف ہے] ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اور تمہیں علم بھی نہیں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے تمام دنیا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے' اس کو دیکھ رہا ہوں' جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ١٠١' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال کے ضعف کے باوجود توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٨٧' بیروت)

باقی رہا آپ کے سامنے بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا' سو ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے سامنے مطلقاً بلند آواز سے بولنا منع نہیں ہے' آپ کی تعظیم اور توقیر کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے جیسا کہ ہجرت کے موقع پر انصار کے مرد' عورتیں اور بچے آپ کا استقبال کرتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے: ''یا محمد! یا رسول اللّٰہ! یا محمد! یا رسول اللّٰہ!'' اور آپ کے سامنے اذان دی جاتی تھی اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدح میں بلند آواز کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٦٧٤۔٧٨٤) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے' نیز آپ کی احادیث مبارکہ کی تدریس کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے کیونکہ آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کا احترام اور آپ کی تعظیم و تکریم اسی طرح واجب و لازم ہے جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کا احترام واجب اور لازم تھا اور علامہ ابوحیان نے ذکر کیا ہے کہ عالم دین کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ٢٦ ص ١٣٧' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر روح البیان میں ہے کہ ''لِاَنَّهٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ'' کیونکہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں' عربی ج ٩ ص ٦٦' مترجم جز ٢٦' ص ٨٧' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور' تفسیر ضیاء القرآن ج ٤ ص ٥٨٠' تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ٦٦٩' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے انہیں کے لیے مغفرت وبخشش اور بہت بڑا اجر وثواب ہے O بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں' ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں O اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر تشریف لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۳- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں [''اِنَّ'' کا اسم ''رَسُوْلِ اللّٰهِ'' کے پاس مکمل ہو جاتا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل ایمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر اپنی آوازوں کو بولتے وقت پست اور دھیما رکھتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا۔ یہ ان کے قول ''اِمْتَحَنَ الذَّهَبَ فِتْنَةً'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص سونے کو پگھلاتا ہے' پھر اس کے اصل کو اس کے کھوٹ سے الگ کرتا ہے اور اس کے اصل کو خالص کر لیتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا ہے جس طرح آزمائش کرنے والا اور امتحان لینے والا ممتحن کرتا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کرام کو مخلص مؤمن پایا تو ان کے اخلاص اور تقویٰ کا ذکر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات اور خواہشاتِ نفسانی کو مٹا دیا اور ان کے دلوں کو بُرے اخلاق سے صاف کر کے مکارمِ اخلاق کے ساتھ آراستہ کر دیا [اور ''امتحان'' افتعال کے وزن پر ہے اور یہ ''مَحْنَةٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے کہ بہت بڑی آزمائش اور انتہائی کوشش اور ''الذین'' کا صلہ ''لِلتَّقْوٰى'' پر پورا جاتا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا اپنی خبر ''الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى'' کے ساتھ مل کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے [یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہ دونوں حضرات (''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' کے نزول کے بعد) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بہت آہستہ آواز سے گفتگو کرتے تھے [اور یہ آیت مبارکہ اپنی اس نظم کے ساتھ جس پر اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کا وقوع مرتب ہوا ہے' ''اِنَّ'' مؤکدہ کا اسم ہے اور دونوں معرفہ مبتداء وخبر سے مرکب جملے کو اس کی خبر قرار دیا گیا ہے اور جس جملے میں ان کے عمل پر جزاء کا وعدہ کیا گیا ہے' اسے مستقل الگ جملہ قرار دیا گیا ہے اور اس میں جزاء کو نکرہ مبہم لانا اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کے فعل پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعتماد پر دلالت ورہنمائی کرتا ہے] اور اس آیت کریمہ میں ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو بلند کیا تھا' طعن وطنز ہے کہ انہوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

٤- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ﴾ بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو بہ آواز بلند پکارتے ہیں (ان میں اکثر لوگ احمق ہیں)۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بنو تمیم کے ایک وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی' یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر ہوا جب کہ آپ اس وقت قیلولہ (دوپہر کی نیند) فرما رہے تھے اور اس وفد میں اقرع بن حابس (شاعر) اور عیینہ بن حصن بھی تھے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے حجروں سے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا اور کہا:

''اُخْرُجْ اِلَیْنَا یَا مُحَمَّدُ! فَاِنَّ مَدْحَنَا زَیْنٌ وَذَمَّنَا شَیْنٌ'' اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے پاس باہر تشریف لائیں' سو بے شک ہماری مدح وتعریف زیب وزینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو گئے اور باہر تشریف لے آئے[1] ''وراء'' اس جہت اور سمت کو کہا جاتا ہے جو حجرہ سے باہر کھڑے شخص کو اپنے سایا میں تم سے چھپا لے خواہ وہ جہت اور سمت آگے ہو یا پیچھے ہو [''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور بلند آواز سے بولنا اور پکارنا اسی جگہ ہوا اور حجرہ زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کو چار دیواری کے ذریعے ہر طرف سے احاطہ کر کے روک لیا جائے اور یہ ''فُعْلَۃٌ'' کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے جیسے ''قُبْضَۃٌ'' ہے اور ''حُجْرَۃٌ'' کی جمع ''حُجُرَات'' ہے جس میں حا اور جیم مضموم ہیں اور یزید کی قراءت میں جیم مفتوح کے ساتھ ''حُجَرَاتٌ'' پڑھا گیا ہے] اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے مبارک مراد ہیں اور آپ کی ازواجِ پاک میں سے ہر ایک کے لیے ایک حجرہ ہوتا تھا اور انہیں کے باہر لوگ حضور کو بلاتے تھے اور شاید وہ لوگ آپ کی تلاش میں مختلف حجروں کے پاس منتشر ہو گئے ہوں یا انہوں نے آپ کو اس حجرہ مبارک سے باہر بلند آواز سے پکارا ہو جس میں آپ تشریف فرما تھے' لیکن رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وجلالت کے پیش نظر جمع کے ساتھ ''حجرات'' فرمایا گیا ہے اور پکارنے کے فعل کی نسبت اگرچہ ان سب کی طرف کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے آپ کو بلند آواز سے پکارا ہو اور باقی اس فعل پر راضی ہوں' اس لیے گویا سب نے یہ عمل کیا ﴿ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ان میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اکثر کی نفی کر کے بعض لوگوں کے عقل مند ہونے کا استثناء مقصود ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر کہہ کر (عرب کے محاورے کے مطابق) عام نفی مراد ہو کہ سب کے سب بے عقل ہیں کیونکہ قلت نفی کے قائم مقام ہوتی ہے' اور یہ آیت مبارکہ جس اسلوب اور طریقہ پر وارد کی گئی ہے' اس کے ورود میں رسول خدا ﷺ کے مقام ومرتبہ کی جلالت وعظمت اور فضیلت کسی سے مخفی نہیں رہتی' اس میں سے ایک یہ کہ چیخ کر بلند آواز سے بلانے والوں پر بے عقلی اور جہالت کی مہر لگا دی ہے اور دوسرا یہ کہ ''حجرات'' کا لفظ لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ایک زوجہ محترمہ کے پاس خلوت نشینی اور قیلولہ فرمایا کرتے تھے' اور تیسرا یہ کہ اضافت کے بغیر ''الحجرات'' کو لامِ تعریف کے ساتھ معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور اگر غور وفکر کرنے والا شخص اس سورت کے آغاز سے لے کر اس آیت کریمہ کے آخر تک غور وفکر کرے تو وہ اس کو اسی طرح پائے گا' پھر غور کیجئے کہ وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہیں ان کو بغیر کسی قید کے دیگر تمام اُمور پر مقدم رکھنے کے وجوب کا آغاز کس طرح پیارے خطاب سے کیا گیا ہے' پھر اس کے ساتھ تقدیم (کسی کام میں اللہ ورسول سے پہل کرنے) کی جنس سے ہونے والے اُمور یعنی آپ کے سامنے آواز کو بلند کرنے اور چیخ کر اونچی آواز کے ساتھ بلانے سے منع کرنے کے لیے نہی کو لایا گیا گویا پہلی آیت دوسری آیت کی تمہید ہے' پھر اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کی تعریف کی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام ومرتبہ کے عظیم الشان ہونے پر دلالت و رہنمائی کی جائے' پھر اس کے بعد اس معاملہ کا ذکر کیا گیا جو ایک بہت بڑا سانحہ اور سب سے زیادہ معیوب عمل تھا اور وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کو حالت خلوت میں دوپہر میں آرام کرنے کے وقت حجروں سے باہر چار دیواری سے پیچھے چیخ چیخ کر زور زور سے اس طرح بلانا جس طرح کم مرتبہ عام لوگوں کو چیخ کر زور سے بلایا جاتا ہے تا کہ اس عمل کی قباحت پر تنبیہ کی جائے جس پر بنو تمیم کے وفد نے جسارت کی تھی کیونکہ جس ہستی کی قدر ومنزلت کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بہت بلند کر دیا کہ اس کو اونچی آواز سے چیخ کر بلایا جائے تو پھر ان (اہل وفد) کی یہ جسارت اس بدترین برائی میں

1 رواہ ابن اسحاق فی السیرۃ وابن مردویہ وابن المنذر والثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۵۸)

سے ہے جو فحاشی و بے حیائی میں اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

٥- ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا﴾ اور اگر وہ لوگ صبر کر لیتے یعنی اگر ان کا صبر ثابت و قائم رہتا اور صبر کا معنی ہے کہ نفس کو اس خواہش سے روکنا جس کی طرف وہ کشش محسوس کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ '' (الکہف:٢٨) ''اور آپ اپنے آپ کو صرف انہیں لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھیں جو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں'' اور اہل عرب کا قول ہے کہ ''صَبَرَ عَنْ كَذَا'' یعنی صبر اس طرح سے ہے [یہاں مفعول محذوف ہے اور وہ نفس ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ''اَلصَّبْرُ مُرٌّ لَا يَتَجَرَّعُهُ اِلَّا حُرٌّ'' یعنی صبر بہت کڑوا ہے' اسے نہیں پی سکتا مگر آزاد مرد ''اَنَّهُمْ صَبَرُوْا'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ﴾ یہاں تک کہ آپ ان کے پاس باہر تشریف لے آتے۔ اس ارشاد سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے آتے لیکن آپ کا باہر تشریف لانا ان لوگوں کی طرف نہ ہوتا اور نہ ان کی خاطر ہوتا تو پھر بھی ان لوگوں پر لازم تھا کہ وہ صبر کرتے یہاں تک کہ وہ یہ جان لیتے کہ آپ صرف انہیں کی طرف تشریف لائے ہیں ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ البتہ یہ صبر کرنا ان کے مذہب میں بھی ان کے لیے بہت بہتر تھا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے (یعنی) اس کی مغفرت و بخشش اور اس کی رحمت و مہربانی بہت وسیع و بلیغ ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے' سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں تو اس کی مغفرت و رحمت ان لوگوں سے ہرگز تنگ نہیں ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم خوب تحقیق کرو کہ کہیں تم بے خبری میں کسی قوم کو نقصان پہنچادو پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم و پشیمان ہو جاؤO

فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم

٦- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے (تو خوب تحقیق کرلو)۔

شانِ نزول: تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی' جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق سے صدقات و خیرات اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجا اور ولید بن عقبہ اور ان لوگوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کسی معاملہ میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ قائم ہو گیا تھا (لیکن وہ دورِ جاہلیت کی بات تھی جو ختم ہوگئی) جب وہ ان کے گھروں کے قریب پہنچے تو وہ لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر اس کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے' پس ولید بن عقبہ نے ان کے بارے میں یہ گمان کیا کہ وہ لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں' چنانچہ یہ وہاں سے بھاگ کر واپس لوٹ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) خالد بن ولید کو (یہ ہدایت دے کر) ان کے پاس بھیجا (کہ اگر وہ ارکانِ اسلام اور دیگر شعائرِ اسلام ادا کر رہے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا

مطالبہ کرنا ورنہ ان سے جنگ کرنا' چنانچہ جب حضرت خالد مغرب کے وقت وہاں پہنچے تو ان سے مغرب اور عشاء کی اذانیں سنیں) اور ان کو دیکھا وہ باقاعدہ نمازیں ادا کر رہے ہیں اور انہوں نے بلا چون و چرا زکوٰۃ وصدقات کے اموال حضرت خالد کے سپرد کر دیئے اور حضرت خالد صدقات کے اموال لے کر واپس لوٹ آئے [1] (اور ساری حقیقت بیان کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی) [اور ''فَاسِقٌ'' اور ''نَبَاٌ'' کو نکرہ ذکر کرنا ''فساق'' اور ''الباء'' میں مشہور ومعروف اور عام شائع ہے] گویا ارشاد فرمایا کہ کوئی گناہ گار شخص کسی قسم کی کوئی خبر تمہارے پاس لے کر آئے ﴿فَتَبَیَّنُوْٓا﴾ تو تم خوب تحقیق کرو اور اس میں اچھی طرح پہچان حاصل کرو اور اس خبر کے معاملے میں خوب تفتیش کرو اور حقیقت حال کی وضاحت کے لیے خبر کی صداقت تلاش کرو اور محض فاسق کی بات پر اعتماد نہ کرو کیونکہ جو شخص فسق وفجور سے نہیں بچتا وہ جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا جو کہ فسق کی ایک نوع ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک عادل ومنصف آدمی کی خبر قابل قبول ہے کیونکہ اگر ہم ایسے آدمی کی خبر میں توقف کریں گے تو اس آدمی کے درمیان اور ایک فاسق وفاجر شخص کے درمیان برابری قائم کریں گے اور اس کی تخصیص فائدہ سے خالی ہوگی اور ''فسوق'' کا معنی ہے: کسی چیز سے باہر نکلنا' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِھَا'' یعنی انڈے کی تری اس کے چھلکے سے باہر نکل آئی اور اس کا مقلوب (الٹ) ''فَقَسَتِ الْبَیْضَۃُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے اندر کا تمام سیلانی مادہ باہر نکل جاتا ہے' نیز اس کا مقلوب ''قَفَسْتُ الشَّیْءَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز مالک کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ چیز اس سے چھین لی جاتی ہے' پھر اس کو بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے سبب راہِ اعتدال سے نکل جانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''فَتَثَبَّتُوْا'' پڑھا گیا ہے] اور ''تَثَبُّتٌ'' اور ''تَبَیُّنٌ'' قریب المعنی ہیں اور دونوں کا معنی ہے کہ خبر کے ثبوت اور بیان اور اس کی حقیقت کو جاننا اور پہچاننا ﴿اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ﴾ کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان نہ پہنچا دو [اصل میں ''لِئَلَّا تُصِیْبُوْا'' ہے اور ''بِجَهَالَةٍ'' حال واقع ہو رہا ہے یعنی معاملے کی حقیقتِ حال اور واقعہ کی کنہ کے نہ جاننے اور اس سے ناواقف ہونے کی حالت میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو گے] ﴿فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم وپشیمان ہو جاؤ۔ ندامت غم ورنج کی ایک قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوتاہی تم سے واقع ہو گئی ہے اس پر تم غمگین ہو جاؤ اور تم آرزو کرنے لگو کہ کاش! ایسا نہ ہوتا اور یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾

---

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۶۱

اور تم جان لو بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور اس نے تمہارے لیے کفر اور فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا' یہی لوگ حق کی راہ پر چلنے والے ہیں○ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سبب' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے○

رسولِ خدا کی اہمیت اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

۷- ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول تم میں موجود ہیں' سو تم جھوٹ نہ بولا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کی خبر بتا دیتا ہے لیکن آپ جھوٹے شخص کی پردہ شکنی نہیں کرتے' یا اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ تمہارے درمیان موجود ہیں' لہٰذا تم صرف انہیں کی طرف رجوع کیا کرو اور انہیں کی رائے طلب کیا کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے مستقل طور پر ارشاد فرمایا: ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ اگر آپ تمہارے بہت سے معاملات میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم ضرور مشقت و تکلیف میں پڑ جاؤ اور تم ضرور محنت و ہلاکت میں گر پڑو گے اور یہ کلام مبارک اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنی مصطلق پر حملہ کرنے کو پسند کیا اور ولید بن عقبہ کی بات کی تصدیق کی تھی اور بعض دیگر مسلمان اپنے آپ کو اس عیب سے بچاتے رہے اور وہ بنی مصطلق کے لوگوں کے تقویٰ و پرہیزگاری میں رغبت و محنت اور ان کی جدوجہد کے پیش نظر انہیں انکارِ زکوٰۃ کی جسارت سے بَری اور بے قصور خیال کرتے رہے اور یہ وہی مسلمان ہیں جن کا استثناء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب و پیارا بنا دیا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ وہی صحابہ کرام ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا اور جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے' جب ان کی صفت پہلے گروہ کی صفت کے مغائر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو بیان کرنے کے موقع پر ''لٰكِنَّ'' کا ذکر کیا جو استدراک کے لیے آتا ہے اور استدراک یہ ہوتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کا نفی اور اثبات میں مخالف ہوتا ہے ﴿وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو (یعنی ایمان کو) تمہارے دلوں میں مزین و آراستہ کر دیا اور اس نے اسے تمہارے دلوں میں سنوار دیا ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کفر کو اور فسق و فجور کو اور نافرمانی کو ناپسندیدہ اور ناگوار بنا دیا' اور ''کفر'' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان سے چشم پوشی کر لینا اور انکار کر کے ان سے اعراض کر لینا اور منہ پھیر لینا اور ''فسوق'' یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان کی جحت اور اس کے نور سے خارج ہو جانا (یعنی نورِ ایمان سے محروم ہو جانا) اور ''عصیان'' یہ ہے کہ شارع کے احکام کی اطاعت کو ترک کر دینا اور نافرمانی اختیار کر لینا (اور صحابہ کرام چونکہ ان تمام برائیوں سے پاک تھے' اس لیے ان کے حق میں فرمایا) ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ یہی لوگ راہِ حق پر چلنے والے ہیں یعنی جن لوگوں کا ''لٰكِنَّ'' کے ذریعے استثناء کیا گیا ہے وہی راہِ حق پر چلنے والے ہیں' مطلب یہ ہے کہ انہوں نے راہِ حق کو پا لیا ہے اور وہ راہِ مستقیم سے نہیں پھرے' اور ''رشد'' کا معنی ہے: راہِ حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم و دائم رہنا' یہ ''رِشَادَةٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی مضبوط چٹان ہے۔

۸- ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے سبب [''الفضل'' بہ معنی ''افضال'' اور ''نعمة'' بہ معنی ''انعام'' ہے اور مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے تمہارے دلوں میں ایمان کو سنوار دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی کو ناگوار و ناپسندیدہ بنا دیا ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کے تمام احوال کو اور ان کے درمیان باہمی امتیاز اور فضیلت و برتری کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَکِیۡمٌ﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' جب وہ اپنی توفیق سے صاحب فضیلت حضرات پر فضل و کرم اور احسان کرتا ہے۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو' پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری پر بغاوت کرے تو جو جماعت بغاوت کرتی ہے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے' پھر اگر وہ گروہ رجوع کر لے تو تم ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور تم انصاف سے کام لو' بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہےO بے شک تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں' سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائےO

دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے کی اہمیت کا بیان

۹-﴿وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا﴾ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو۔

شانِ نزول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر گزرتے ہوئے انصار کی ایک مجلس کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کے دراز گوش نے وہیں پیشاب کر دیا تو عبد اللہ ابن اُبی (منافق) نے اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھ لیا اور اپنا منہ بند کر کے کہنے لگا: آپ اپنا دراز گوش یہاں سے لے جائیں کیونکہ اس کے پیشاب کی بدبو نے ہمیں بہت اذیت و تکلیف دی ہے' اس پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضور کے دراز گوش کی بدبو تیری کستوری کی خوشبو سے بہت بہتر ہے اور حضور سیّد عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے گئے اور ان دونوں کے درمیان بحث و تکرار شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور دونوں قومیں آ گئیں اور وہ اَوس اور خزرج تھے اور انہوں نے ڈنڈوں سے لڑائی شروع کر دی اور بعض کا قول ہے کہ وہ ہاتھوں' مکوں اور جوتوں سے لڑنے لگے' پھر اسی دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لے آئے اور ان دونوں میں صلح کرا دی اور اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی [1]

[1] صحیح بخاری رقم الحدیث:۲۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۹

سوال: اس آیت مبارکہ میں ''مؤمنین'' کا لفظ صریح ہے اور عبد اللہ ابن ابی تو منافق تھا' اس پر مؤمن کا اطلاق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب ۱: واقعی عبد اللہ ابن ابی منافق تھا لیکن اس کی قوم کے اکثر لوگ مسلمان اور مؤمن تھے اور اس آیت کریمہ میں ''طآئفة'' کا لفظ ہے' جس سے وہی مؤمن مراد ہیں۔

جواب ۲: ''مؤمنین'' سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا۔ عبد اللہ ابن ابی منافق ہی سہی لیکن ایمان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[''اقتتلوا'' کو معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ''طَآئِفَتٰنِ'' ''قَوْمٌ'' اور ''نَاسٌ'' کے معنی میں ہے اور ''بَیْنَهُمَا'' میں لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے تثنیہ ذکر کیا گیا ہے] ﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى﴾ پھر اگر ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر بغاوت وسرکشی کرے۔ ''بَغْیٌ'' کا معنی ہے: دوسرے پر زبردستی غلبہ حاصل کرنا اور ظلم و ستم کرنا اور صلح سے انکار کرنا ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ﴾ تو تم اس جماعت سے لڑو جو بغاوت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ (صلح کی طرف) رجوع کرلے یعنی لڑائی سے صلح کی طرف رجوع کرلے اور ''فَیْءٌ'' کا معنی رجوع کرنا ہے اور ''ظل'' (سایا) اور غنیمت کو ''فَیْءٌ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ''ظل'' (یعنی سایا) سورج کے زوال کے بعد اپنی جگہ واپس لوٹ آتا ہے اور مالِ غنیمت کفار کے اموال میں سے نکل کر مسلمانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے اور باغی گروہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ بغاوت کر کے لڑتا رہے گا' اس وقت تک اس کے ساتھ لڑائی کرنا واجب و لازم ہے' پھر جب وہ بغاوت سے باز آجائے اور جنگ سے اپنے ہاتھ روک لے تو اس کے ساتھ لڑائی ترک کر دی جائے گی ﴿اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (یہاں تک کہ باغی گروہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے جو اس کی کتاب میں صلح کرانے اور باہمی بغض وکینہ کو ترک کرنے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے ﴿فَاِنْ فَآءَتْ﴾ پھر اگر وہ گروہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ﴿فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ تو تم ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرادو ﴿وَاَقْسِطُوْا﴾ اور تم عدل و انصاف کیا کرو۔ اس سے پہلے دو گروہوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم دیا گیا' اب اس کے بعد ''قسط'' کا لفظ استعمال کر کے عمومی طور پر (تمام لوگوں میں ہر قسم کے معاملہ میں) عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے' ''مُقْسِطِیْنَ'' بہ معنی ''عَادِلِیْنَ'' ہے اور ''قَسْطٌ'' (قاف مفتوح) کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنا اور حق سے تجاوز کرنا اور ''قِسْطٌ'' (قاف مکسور) کا معنی ہے: عدل و انصاف کرنا اور اسی سے ''اَقْسَطَ'' فعل ماخوذ ہے اور اس فعل میں ہمزہ سلب (نفی) کے لیے ہے یعنی فلاں آدمی نے ظلم کو دور کر دیا۔

۱۰- ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ﴾ بے شک تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں' سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔ یہ اس حکم کی تقریر و تاکید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر واجب اور لازم کر دیا جو مسلمانوں میں سے جھگڑنے والے دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے ذمہ دار ہیں اور یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ بے شک ایمان نے اہل ایمان حضرات کے درمیان اسلامی دوستی اور دینی قرابت داری کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ اگر یہ اسلامی تعلق خاندانی اخوت و بھائی چارے سے بڑھ کر قرار نہ بھی دیا جائے تو اس سے کم بھی نہیں ہے' پھر لوگوں میں یہ عادت جاری و ساری ہو چکی ہے کہ جب دو پیدائشی بھائیوں کے درمیان اس قسم کا جھگڑا برپا ہو جائے تو باقی لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کے ذریعے اس جھگڑے کو ختم کرنے اور اسے مٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو دینی بھائی اس سے بڑھ کر صلح کے حق دار ہیں [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''بَیْنَ اَخَوَتِكُمْ'' پڑھا گیا ہے] ﴿وَاتَّقُوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ظاہر کرتا تھا اور آیت کریمہ میں مطلق مؤمن مراد ہیں خواہ حقیقی مؤمن ہوں یا صرف ایمان کے دعوے دار مؤمن ہوں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے اس کے علاوہ اور شانِ نزول بھی بیان کیے ہیں تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ ساری روایات اگرچہ صحیح سہی لیکن ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہو۔

(تفسیر روح البیان' مترجم پارہ:۲۶' ص ۴۰۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے[1] یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ یہی تقویٰ باہمی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کی ترغیب دے گا اور تمہارے اس عمل اور فعل کے وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی کے پہنچنے کی امید کی جائے گی' اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ بغاوت کرنے سے ایمان زائل نہیں ہوتا کیونکہ بغاوت و سرکشی کرنے کے باوجود بغاوت کرنے والوں کو مؤمنین کہا گیا ہے۔[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! مرد مردوں کا مذاق نہ اُڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں' اور تم اپنوں کو طعنہ نہ دو اور نہ تم ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو' ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے' اور جو توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں O

معاشرتی بُرائیوں کی ممانعت کا بیان

١١- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ﴾

[1] (١) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

(٢) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔

(٣) حضرت سلم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے گالی دے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کر دے گا اور جو شخص (دنیا میں) کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(٤) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے رُسوا کرے اور نہ اسے حقیر جانے۔ حضور نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں پر ہے' پھر ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانتا ہو' ہر مسلمان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ٩ ص ٤٨-٤٩' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

[2] حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ سے صفین اور جمل کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں! وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے' پھر عرض کیا گیا کہ کیا وہ منافق ہو گئے ہیں تھے؟ فرمایا: ہرگز نہیں! منافق تو اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں (جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں)' پھر عرض کیا گیا کہ اگر وہ مشرک بھی نہیں اور منافق بھی نہیں تو ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(تفسیر مظہری ج ٩ ص ٤٩' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اے ایمان والو! مردوں میں سے کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے کہ جن کا مذاق اُڑایا گیا ہو وہ مذاق اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑایا کریں ممکن ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ یہاں قوم سے صرف مرد حضرات مراد ہیں کیونکہ وہی عورتوں کے تمام معاملات کے نگران اور ذمہ دار ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' (النساء: ۳۴) ''مرد عورتوں پر نگران اور حاکم ہیں'' [یہ اصل میں ''قائم'' کی جمع ہے جیسے ''صَائِمٌ'' کی جمع ''صُوَّمٌ'' (واؤ مشدد مفتوح ہے) اور ''زَائِرٌ'' کی جمع ''زُوَّرٌ'' (واؤ مشدد مفتوح ہے)] اور اس آیت مبارکہ میں ''قوم'' کے لفظ کا مردوں کے ساتھ مخصوص ہونا صریح اور واضح ہے کیونکہ اگر عورتیں قوم میں داخل ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ''وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ'' ارشاد نہ فرماتا اور زہیر نے (اپنے درج ذیل) شعر میں اس بات کو ثابت کردیا ہے چنانچہ اس نے کہا:

وَمَا اَدْرِیْ وَلَسْتُ اَخَالُ اَدْرِیْ ۔۔۔ اَقَوْمٌ اٰلُ حِصْنٍ اَمْ نِسَآءٌ؟

''اور میں نہیں جانتا اور نہ میں جاننے کا سوچتا ہوں آیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں؟''

اور باقی رہا اہل عرب کا قومِ فرعون اور قومِ عاد بولنا تو اس سے مرد اور عورتیں دونوں مراد ہوتے ہیں کیونکہ لفظ ''قوم'' دونوں فریقوں کے لیے بانجھ نہیں ہے بلکہ دونوں کو شامل ہوتا ہے لیکن یہاں مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں صرف مردوں کا ذکر مقصود ہے اور عورتوں کا ذکر متروک ہے اس لیے کہ عورتیں اپنے مردوں کے تابع ہوتی ہیں (نیز ''وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ'' میں عورتوں کا ذکر الگ بیان کردیا گیا ہے اس لیے ''قوم'' سے صرف مرد مراد ہیں) اور ''قوم'' اور ''نساء'' دونوں کو نکرہ بیان کرنا دو معانی کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں دوسرے بعض مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس عیب کی ممانعت کی نشر و اشاعت سے لوگوں کے افادے کا قصد کیا جائے اور وہ یہ کہ بنو نوع انسان کے تمام گروہوں کے لیے کسی کا مذاق اڑانا ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ''لَا یَسْخَرْ رَجُلٌ مِّنْ رَّجُلٍ وَّلَا اِمْرَاَۃٌ مِّنْ اِمْرَاَۃٍ'' یعنی ''کوئی مرد کسی مرد کا اور کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے'' مفرد کلمات بیان نہیں فرمائے ایک تو اس لیے تاکہ یہ بتایا جائے کہ مردوں میں سے بہت سے مرد اور عورتوں میں سے بہت سی عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے میں ملوث ہیں دوسرا جو لوگ اس جرم کے ارتکاب پر قائم ہیں ان کی اس حالت پر انہیں ذلت و رسوائی کا احساس دلایا جائے [اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ'' الگ مستقل کلام ہے جو نہی کی علت دریافت کرنے والے کے لیے جواب کے قائم مقام ہے ورنہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے حرف ''فا'' کے ذریعے مقابل سے ملا دیا جائے] اور معنی یہ ہے کہ ہر آدمی پر واجب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ بے شک جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے وہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذاق اڑانے والے سے بہت بہتر ہوتا ہے کیونکہ لوگ صرف ظاہر سے آگاہ ہوتے ہیں اور انہیں کسی کے باطن کا علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دلوں کا خلوص معتبر اور وزنی ہوتا ہے سو واجب ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کا محض اس بناء پر مذاق اڑانے کی جراءت نہ کرے کہ اس کی دونوں یا ایک آنکھ اندر کو دھنسی ہوئی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے میں اس کی حالت گھٹیا لگتی ہے یا آفت زدہ شخص ہے جس کے بدن میں کوئی عیب وغیرہ پایا جاتا ہے یا اس کے بولنے میں روانی کے بجائے لکنت اور رکاوٹ پائی جاتی ہے (ایسے لوگوں کا خصوصاً مذاق اڑانا اور تمام لوگوں کا عموماً مذاق اڑانا ممنوع اور گناہ ہے) کیونکہ ممکن ہے وہ دل میں مخلص ہو اور ان سے زیادہ دل کا متقی اور پرہیزگار ہو جو اس کی صفت کے برعکس ہیں سو مذاق اڑانے والا ایسے شخص کی تحقیر کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و وقار عطا فرما دیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مصیبت و بلا کا نزول گفتگو

کے سپرد کر دیا گیا ہے' سو اگر میں کسی کتے کا مذاق اُڑاؤں تو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے کتے کی اسی خصلت میں تبدیل کر دیا جائے جس پر میں نے اس کا مذاق اڑایا[1] ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور تم اپنوں پر الزام نہ لگاؤ' مطلب یہ کہ تم اپنے اہل دین (یعنی اپنے مسلمان بھائیوں) پر الزام نہ لگاؤ' اور ''لمز'' کا معنی ہے: طعن کرنا اور زبان سے طعنہ مارنا اور بُرا بھلا کہنا اور چونکہ تمام مسلمان ایک نفس اور ایک جان کی طرح ہیں' اس لیے جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا عیب بیان کرتا ہے تو وہ گویا اپنا عیب بیان کرتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے تمہاری عیب گوئی کی جائے کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے طعن و تشنیع اور عیب گوئی کا مستحق ٹھہرتا ہے تو وہ شخص یقیناً حقیقت میں اپنے آپ پر خود طعن کرتا ہے [قاری یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''وَلَا تُلَمِّزُوْا'' (باب تفعیل سے) ہے] ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ اور تم ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ ''تنابز بالقاب'' کا معنی ہے: اصل نام چھوڑ کر بُرے نام اور بُرے لقب سے کسی کو بلانا اور ''نبز'' کا معنی ہے: بُرا لقب' نام تبدیل کر کے پکارنا وہی ممنوع اور منہی عنہ ہے جس کی وجہ سے بلائے گئے شخص کو یہ نام ناگوار اور ناپسند ہو' اس لیے کہ اس نام سے اس کی شان میں کمی ہوتی ہے اور اس سے اس کی مذمت و بُرائی کا اظہار ہوتا ہے' لیکن جو تبدیل شدہ نام اسے پسند ہو' اس کے ساتھ اسے بلانا منع نہیں ہے۔

شانِ نزول: (۱) ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے حضرت بلال بن رباح' حضرت خباب بن ارت' حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذاق اڑایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذاق اڑایا کرتی تھیں کیونکہ وہ چھوٹے قد کی تھیں۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کا چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے عار دلایا کرتی تھیں۔[2]

(۴) مروی ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے' اس لیے لوگ حضور نبی اکرم رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں ان کے لیے کشادہ جگہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ حضور کی بات غور سے سن سکیں' چنانچہ ایک دن وہ آئے تو کہنے لگے کہ لوگو! جگہ کشادہ کر دو یہاں تک کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور ایک آدمی سے کہا: ایک طرف پیچھے ہٹ جا' سو اس نے ایسا نہ کیا اور وہیں بیٹھا رہا تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس آدمی نے کہا: ''اَنَا فُلَانٌ'' میں فلاں آدمی ہوں' تو انہوں نے سن کر اس سے کہا: بلکہ تو فلانی عورت کا بیٹا ہے۔ ان کا مقصد اس کی ماں کا نام لینا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ماں کے نام سے بلا کر عار دلاتے اور شرمندہ کرتے تھے' چنانچہ وہ آدمی بھی شرمندہ ہو گیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت ثابت بن قیس نے فرمایا کہ اس کے بعد میں کبھی بھی کسی پر حسب و نسب میں فخر نہیں کروں گا۔[3]

(غرضیکہ اس آیت میں تمام مذکورہ بالا مذاق اڑانے والوں کو مذاق اڑانے سے منع کر دیا گیا ہے) ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے۔ یہاں اسم بہ معنی ذکر ہے یعنی ایمان کے بعد فاسق کے

[1] رواہ ابن ابی شیبہ فی الادب المفرد (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۶۸)
[2] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۳۵-۱۳۶' الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۴' النسائی فی عشرۃ النساء رقم الحدیث: ۳۳
[3] ذکرہ الثعلبی ومن جہۃ عن ابن عباس بغیر سند (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۷۰)

نام سے یاد کیا جانا بہت بُرا ہے' جیسے عرب کا قول ہے: ''طَارَ اِسْمُهٗ فِی النَّاسِ بِالْكَرَمِ اَوْ بِاللُّؤْمِ'' اس کا نام لوگوں میں سخاوت کے ساتھ یا بخل کے ساتھ مشہور ہو گیا ہے' اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر بلند اور مشہور ہو گیا ہے اور لوگوں کے درمیان بہت بلند ہو گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ان (مذکورہ بالا) جرائم کے ارتکاب کے سبب مسلمانوں کے لیے ایسے ذکر کا بلند ہو جانا کہ انہیں فسق کے ساتھ یاد کیا جائے بہت بُرا ہے کیونکہ ایمان تو فسق سے روکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''بِئْسَ الشَّاْنُ بَعْدَ الْكِبْرَةِ الصَّبْوَةُ'' یعنی بڑھاپے کے بعد بچپن کا طاری ہو جانا بہت بُرا حال ہے۔

شانِ نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہود میں سے جو لوگ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے کچھ لوگ انہیں ستانے کے لیے اے یہودی اور اے فاسق کہہ کر بلاتے اور ایسا بلانا ان کے ہاں گالی شمار ہوتا تھا' اس لیے یہ آیت مبارکہ نازل کر کے ان لوگوں کو اس طرح بلانے سے منع کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ یہ بہت بُرا ذکر ہے کہ کسی آدمی کو ایمان لانے کے بعد یہودیت اور فسق کے ساتھ یاد کیا جائے ﴿وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ﴾ اور جن جرائم سے روکا گیا ہے ان سے توبہ کر کے جو شخص باز نہیں آئے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو یہی لوگ ظالم ہوں گے [''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ''لَمْ یَتُبْ'' کو واحد ذکر کیا گیا اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' میں تمام اسماء کو جمع ذکر کیا گیا ہے]۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا
تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا
فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو' بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور تم عیب تلاش نہ کرو اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے' سو تم اسے ناپسند کرتے ہو' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے O

١٢- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو یعنی زیادہ گمان بازی سے دور رہو' چنانچہ ''جَنَّبَهُ الشَّرَّ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بُرائی کو اس سے دور کر دے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسے ایک جانب اور ایک طرف کر دے [سو یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ O'' (ابراہیم:٣٥) ''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ O'' اور ''جَنَّبَهُ الشَّرَّ'' کا مطاوع ''اِجْتَنَبَ الشَّرَّ'' ہے جس سے ایک مفعول کم ہو گیا] اور یہاں بعض گمانوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بعض کثرت کے ساتھ متصف ہیں یہی وجہ ہے کہ آگے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ نیک لوگوں کے بارے میں بُرا گمان کرنا گناہ ہے لیکن نافرمانوں اور گناہ گاروں کے بارے میں بُرا گمان کرنا ہمارے لیے جائز ہے جیسا کہ ان سے پہلے بھی گناہ صادر ہو چکے یا اس کا معنی ہے: ''اِجْتِنَابًا كَثِیْرًا'' بہت زیادہ بچنا' یا یہ معنی ہے کہ تم بہت زیادہ گمانوں سے احتراز کرو تاکہ بعض گمانوں سے احتراز واقع ہو جائے اور ''اِثْمٌ'' کا معنی گناہ ہے جس کا کرنے والا عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے بدگمانی کرنے والے کی سزا کو ''اثام'' کہا گیا ہے (کیونکہ ''اثام'' کا معنی ہے: گناہ کی سزا) فعال کے وزن پر ہے جیسے ''نکال'' اور ''عذاب'' ہے ﴿وَّلَا

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ اور تم عیب تلاش نہ کرو یعنی تم مسلمانوں کے عیوب و نقائص تلاش نہ کرو چنانچہ ''تَجَسَّسُ الْاَمْرِ'' اس وقت بولا جائے گا جب تم اس کام کو تلاش کرنے لگو گے اور اسے ڈھونڈو گے اور ''تَجَسُّسْ''، ''تَفَعُّلْ'' کے وزن پر ہے اور ''جَسٌّ'' سے ماخوذ ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جو کچھ ظاہر ہے اسے تم لے لو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے اسے چھوڑ دو اور حضرت سہل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے جن عیبوں کو چھپالیا ہے تم ان کی تلاش میں تحقیق نہ کرو ﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ ''غیبة'' کا معنی ہے: کسی کی غیر موجودگی میں اس کا عیب بیان کرنا اور یہ ''اغتیاب'' سے ماخوذ ہے جیسے ''غیلة''، ''اغتیال'' سے ماخوذ ہے اور حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے کسی ایسے عیب کا ذکر کرو جو اس کو ناگوار گزرے اور وہ اسے ناپسند کرے[1] پھر اگر وہ بُرائی اس میں موجود ہو تو وہ غیبت ہے اور اگر وہ بُرائی اس میں موجود نہ ہو تو پھر وہ بہتان ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ غیبت لوگوں میں کتوں کی غذا ہے ﴿ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے اور یہ غیبت کرنے والے کی طرف سے جو بدترین عیب گوئی اور فحش گوئی کی جاتی ہے' اس کی تمثیل و تفصیل ہے جس کی تکلیف اس شخص کو پہنچتی ہے جس کی عیب گوئی کی جاتی ہے اور اس کلام مبارک میں بہت سی بلیغ ترین خوبیاں ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کلام کو حرف استفہام (سوالیہ حرف) سے شروع کیا گیا ہے جس کا معنی کلام کو مستحکم اور مضبوط کرنا ہے اور ان میں سے دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کلام میں جو مکروہ ترین عمل ہے' اسے محبت کے ساتھ متصل کر دیا گیا ہے اور ان میں سے تیسری خوبی یہ ہے کہ اس میں فعل کا اسناد ''اَحَدُكُمْ'' کی طرف ہے اور یہ تنبیہ ہے کہ تمام لوگوں میں کوئی ایک شخص بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا اور چوتھا یہ کہ غیبت کی تمثیل میں مطلق انسان کے گوشت کھانے پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ انسان کو بھائی قرار دیا گیا ہے' پانچواں یہ کہ صرف بھائی کے گوشت پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اسے مردہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جس طرح تم مردار کا گوشت کھانا ناپسند کرتے ہو' اسی طرح تم اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھانا بھی ناپسند کرو[2] [اور ''مَيْتًا'' حال کی بناء پر ''لحم'' سے منصوب ہے یا ''اخیه'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے' قاری نافع مدنی

---

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۸۴' مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹' ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۴' الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۴

[2] غیبت کا کفارہ: (۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے لیے استغفار کرو جس کی غیبت کی ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۸' اللآلی المصنوعة ج ۲ ص ۳۰۳)

(۲) حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کو نہ بتائے لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۶)

(۳) امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۷)

غیبت کے جواز کی صورتیں: (۱) شعبہ نے فرمایا: شکایت کرنے کے لیے اور لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۲) (۲) ابن عیینہ نے فرمایا: تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے: (۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۳۰۲۔۳۰۳

کی قراءت میں ''مَیِّتًا'' (''یا'' مشدد کے ساتھ) ہے] اور جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ سو تم اسے ناپسند کرتے ہو یعنی پس جب عقل کی استقامت کے سبب تمہارا اس کو ناپسند کرنا متحقق و ثابت ہو گیا ہے تو دین کی استقامت کے سبب غیبت کو ناپسند کرنا بھی ضرور متحقق و ثابت ہو جائے گا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔ ''تَـوَّابٌ'' کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بے حد قبول کرنے والا اور ''اِتَّـقُوا اللّٰهَ'' کا معنی ہے کہ جس چیز سے بچنے اور پرہیز کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کو ترک کرنے اور چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم میں جو شخص اس سے پرہیز کرنے اور بچنے کی بجائے اس کا ارتکاب کر لے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈر کر اس پر نادم و پشیمان اور شرمندہ ہو جائے سو اگر تم بُرے کاموں سے پرہیز اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرما لے گا اور تمہیں بطورِ انعام توبہ کرنے والے پرہیز گاروں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

مروی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کی خدمت کرتے تھے اور ان دونوں کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرتے تھے' چنانچہ ایک دن حضرت سلمان سو گئے اور کھانا تیار نہ کر سکے تو ان دو صحابیوں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ ان دونوں کے لیے کھانا طلب کر کے لے آئیں اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلانے پر مامور تھے' سو انہوں نے کہا کہ میرے پاس کھانا وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے تو حضرت سلمان نے ان دونوں کو جا کر بتایا کہ کھانا نہیں ملا تو ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہم سلمان کو سمیحہ کے کنویں پر بھیجتے تو اس کے جانے پر اس کنویں کا پانی زمین کی گہری تہہ میں نیچے چلا جاتا' پھر وہ دونوں شام کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سرخی کو دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے تو گوشت بالکل نہیں کھایا' آپ نے فرمایا: بے شک تم دونوں نے (حضرت سلمان فارسی کی) غیبت کی ہے اور جس نے کسی مسلمان کی غیبت کی تو اس نے یقیناً اس کا گوشت کھایا' پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی[1] اور بعض کا قول ہے کہ مخلوق کی غیبت حقیقت میں حق تعالیٰ کی غیبت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے O

انسانی قبائل و خاندان اور تقویٰ کی اہمیت کا بیان

۱۳- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (یعنی) حضرت آدم و حواء علیہما السلام سے یا تم میں سے ہر ایک کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا ہے' سو تم میں کوئی

[1] هكذا ذكره الثعلبى و ربيعة بغير سند (حاشية الكشاف ج ۴ ص ۳۷۴)

شخص نہیں مگر وہ اسی طرح نسل آدم سے پیدا ہوا ہے' جس طرح دوسرے اشخاص پیدا ہوئے ہیں' برابر برابر' پس نسب پر فخر کرنے اور برتری ظاہر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ ﴾ اور ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں پیدا کیا۔ ''شعب'' ان چھ طبقات میں سے پہلا طبقہ ہے جن پر عرب کا مدار ہے اور وہ چھ طبقات یہ ہیں: (۱) شعب (۲) قبیلہ (۳) عمارہ (۴) بطن (۵) فخذ (۶) فصیلہ' سو ''شعب'' تو قبائل کا جامع ہے اور ''قبیلہ'' ''عمائر'' کا جامع ہے اور ''عمارہ'' ''بطون'' کا جامع ہے او ''بطن'' ''افخاذ'' کا جامع ہے اور ''فخذ'' ''فصائل'' کا جامع ہے' پھر خزیمہ ''شعب'' ہے او کنانہ ''قبیلہ'' اور قریش ''عمارہ'' ہے اور قصی ''بطن'' ہے اور ہاشم ''فخذ'' ہے اور عباس ''فصیلہ'' ہے اور ''شعوب'' اس لیے نام رکھا گیا ہے کہ بہت سے قبیلے اس میں سے پھوٹتے اور نکلتے ہیں ﴿ لِتَعَارَفُوْا ﴾ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں خاندانوں' قوموں اور قبیلوں پر صرف اس لیے مرتب فرمایا تا کہ تم ایک دوسرے کے نسب کو پہچان سکو اور کوئی شخص اپنے آپ کو اپنے آباء واجداد کے غیر کی طرف منسوب نہ کر سکے اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اپنے آباء واجداد کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرو اور اپنے اپنے نسبوں اور خاندانوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت کا دعویٰ کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس خصلت وصفت کو بیان کیا جس کی وجہ سے انسان اپنے غیر پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و بزرگی اور عزت و وقار حاصل کر لیتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے[1]

---

[1] علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ (۱) صحیح بخاری شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے' لوگوں نے کہا: ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے' فرمایا: پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے اور نبی زادے تھے اور ان کے دادا بھی نبی تھے' پھر پردادا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں' انہوں نے کہا: ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا: پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو تو سنو! جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ممتاز و بزرگ تھے وہی اب اسلام میں بھی ممتاز و بزرگ اور معزز ہیں بشرطیکہ وہ علم دین میں خوب سمجھ حاصل کر لیں (۲) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں اور دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: خیال رکھنا کہ تو کسی سرخ اور سیاہ پر کوئی فضیلت و امتیاز نہیں رکھتا' ہاں! البتہ اگر تو تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑھ جائے تو پھر تو فضیلت وعظمت والا ہو جائے گا (۴) طبرانی شریف میں ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' لہٰذا کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ (۵) مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں ہیں تم سب برابر برابر ہو اور تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں' ہاں! البتہ فضیلت و بزرگی اور عزت و احترام دین داری اور تقویٰ و پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو' بخیل اور فحش کلام ہو (۶) ابن جریر کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے حسب ونسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا' سنو! تم میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں (۷) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ مہمان نواز' سب سے زیادہ پرہیزگار' سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا' سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ معزز ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور وہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرے۔[۱]

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دنیا کی عزت مال و دولت ہے اور آخرت کی عزت تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

(۳) حدیث شریف میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کا طواف کیا' پھر (خطبہ دیا اور) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی' پھر فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے زمانۂ جاہلیت کی عیب جوئی اور اس کے تکبر و عصبیّت کو تم سے دور کر دیا' اے لوگو! بے شک انسان صرف دو قسم کے ہیں: (۱) مؤمن' متقی' اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم و مکرم (۲) اور فاسق و فاجر' بد بخت' اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و حقیر' پھر آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔[۲]

شانِ نزول: (۴) حضرت یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے' وہاں آپ نے ایک کالے سیاہ غلام کو دیکھا' جو یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے اس شرط پر کون خریدے گا کہ وہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پنجگانہ نمازیں پڑھنے سے نہیں روکے گا' سو اسے ایک شخص نے خرید لیا' پھر وہ غلام بیمار ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے' پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور اس کے دفن میں شریک ہوئے تو اس پر لوگوں نے اس کے بارے میں حیرانگی کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں کچھ باتیں کہیں' جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔[۳]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے اخلاص اور ان کے تقویٰ کو خوب جاننے والا ہے ﴿ خَبِیْرٌ ﴾ خواہشات میں نفوس کے ارادوں سے پورا پورا خبر دار ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو (۸) مسند احمد میں ہے کہ حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص اچھا نہیں لگتا تھا ماسوا اہل تقویٰ کے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ جو ہدایت کے لائق ہیں انہیں راہِ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں ہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں۔ رحم کرنا اور عذاب دینا اس کی مشیئت پر موقوف ہے۔ فضیلت اس کے قبضے میں ہے' جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے' یہ تمام امور اس کے علم میں ہیں' وہ سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۷' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۱۔ رواہ الحاکم والبیہقی وابویعلی واسحاق والطبرانی وابونعیم فی الحلیہ (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۷۵)

۲۔ رواہ احمد ج ۲ ص ۳۶۱' ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۱۶' الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵۰

۳۔ ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۶۵

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لا چکے ہیں' آپ فرمایئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا' اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو (خلوصِ دل سے) اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا' یہی سچے لوگ ہیںO

قبیلہ بنو اسد کے دیہاتیوں کی مذمت اور مخلص مؤمنوں کی شان

١٤- ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ﴾ اعراب نے کہا یعنی بعض اعرابیوں اور دیہاتیوں نے کہا' کیونکہ ان دیہاتیوں میں سے بعض حضرات اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر خلوصِ دل سے ایمان رکھتے تھے اور یہ کہنے والے قبیلہ بنو اسد کے دیہاتی لوگ تھے جو قحط سالی اور خشک سالی کے سال مدینہ منورہ میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا' دراصل وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صدقہ کا مال لینا چاہتے تھے اور وہ آپ پر احسان جتلاتے کہ ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم تو ایمان دار ہیں یعنی ہم ظاہر و باطن میں ایمان لا چکے ہیں (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں اپنے محبوب سے فرمایا:) ﴿قُلْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان سے فرما دیں کہ ﴿لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾ تم ایمان نہیں لائے کیونکہ تم نے اپنے دلوں میں تصدیق نہیں کی (صرف مال کی خاطر زبانی کلامی ایمان کا اظہار کیا ہے) ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ اور لیکن تم یہ کہو کہ ہم امن و سلامتی میں آ گئے' سو ایمان تو دل کی گہرائی سے تصدیق کرنا ہے اور اسلام سلامتی میں داخل ہونا اور توحید و رسالت کی گواہی کا اظہار کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ سے محفوظ ہو جانا ہے۔ کیا تم نے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ سو تم جان رکھو کہ بے شک جو دل کی موافقت کے بغیر صرف زبان سے اقرار ہو تو وہ اسلام ہے اور جس میں دل زبان کے موافق ہو (کہ زبان سے اقرار ہو اور دل میں اس کی تصدیق ہو) تو وہ ایمان ہے اور یہ صرف لغت کے اعتبار سے ہے' ورنہ شریعت میں ایمان اور اسلام ایک چیز ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے کہ دونوں کی ایک تعریف ہے اور حرف ''لَمَّا'' میں توقع اور اُمید کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بے شک یہ بعض حضرات بھی بعد میں سچے دل سے ایمان لے آئے تھے' اور یہ آیت کریمہ کرامیہ کے مذہب کی نفی کرتی ہے' ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کلام کے نظم (الفاظ) کا تقاضا یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: ''(قُلْ) لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا (وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا) اَوْ (قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا) وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' اے محبوب! فرما دیجئے: تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لا چکے ہیں لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں یا اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم اسلام میں داخل ہو گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کے نظم نے ان کے دعویٰ کو پہلے جھوٹا ثابت کر دیا' پھر حسن ادب کے ساتھ فرمایا گیا: ''قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا'' ان سے فرمایئے کہ تم ایمان نہیں لائے' کیونکہ صراحت کے ساتھ ''كَذَّبْتُمْ'' نہیں فرمایا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے' بلکہ اس کی جگہ ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' رکھا گیا ہے' جس نے ان کے دعویٰ کے ثبوت کی نفی کر دی ہے اور ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' کے ارشاد نے ''لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا'' کہنے سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ ''ان'' کو ایسے لفظ کے ساتھ مخاطب کرنے کو قابل نفرت سمجھا گیا ہے جس کا مقصد ایمان کے قول سے نہی ہو (جیسے ''لَا تَقُوْلُوْا اٰمَنَّا'') اور اللہ تعالیٰ نے ''وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' نہیں فرمایا (بلکہ ''وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا'' فرمایا) تا کہ ایمان کے دعویٰ اور گمان کو خارج کر دیا جائے' جیسا کہ ان کا اپنا قول ''اٰمَنَّا'' ہے اور اگر ''وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُمْ'' کہا جاتا تو ان کے دعویٰ کو

تسلیم کرنے اور ان کے غیر معتبر قول کو معتبر قرار دینے کے مشابہ ہو جاتا' اور "وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوْبِكُمْ" کا ارشاد "لَمْ تُؤْمِنُوْا" کے معنی کا تکرار نہیں کیونکہ "لَمْ تُؤْمِنُوْا" فرمانے کا فائدہ ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دینا ہے اور "وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوْبِكُمْ" اس مقصد کی تعیین ہے' جسے کہنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے' گویا ان سے یہ فرمایا گیا ہے: "وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا" لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں' کیونکہ ابھی تک تمہاری زبانوں کے ساتھ تمہارے دلوں کی موافقت ثابت نہیں ہوئی [اس لیے کہ "ولما یدخل الایمان الخ" "قولوا" کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے (یعنی) ظاہر کی بجائے نفاق ترک کر کے خلوصِ دل سے اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں ہو گا یعنی تمہاری نیکیوں میں سے ثواب کم کر کے تمہیں نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نیک اعمال کا اجر و ثواب پورا پورا عطا فرمائے گا [قاری ابو عمر بصری کی قراءت میں "لَا يَاْلِتْكُمْ" ہے۔ دراصل "اَلَتَ يَاْلِتُ" اور "اَلَاتَ يُلِيْتُ" اور "لَاتَ يَلِيْتُ" سب کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: کم کرنا] ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کی پردہ پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ وہ اپنے بندوں کو عیبوں سے توبہ کرنے کے لیے ہدایت عطا فرما کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

١٥- اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں مخلص مؤمنوں کا ایک عمدہ وصف بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ بے شک مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو خلوصِ دل سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا۔ "اِرْتَابَ" "رَابَهٗ" کا مطاوع ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو تہمت کے ساتھ شک میں ڈال دے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ ایمان لے آئے' پھر جس پر وہ ایمان لائے اس کے بارے میں کبھی ان کے دلوں میں شک و شبہ واقع نہیں ہوا اور انہوں نے جس کی تصدیق کی ہے اس کے متعلق ان پر کبھی تہمت نہیں لگی اور جب یقین کامل اور شک کا زوال ایمان کی بنیاد ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کا ذکر کرنے کے بعد عدم شک کا ذکر الگ کر کے "ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا" فرمایا اور تراخی کے کلمہ کے ساتھ اس کا ایمان پر عطف فرمایا تاکہ یہ بتایا جائے کہ عدم ارتیاب یعنی زوالِ شک کے لیے ضروری نہیں ایمان لانے کے بعد ہو بلکہ زوالِ شک کا استحکام ایمان کے لانے کے عرصۂ دراز بعد زمانہ متراخی میں بھی ہو سکتا ہے ﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور ممکن ہے کہ جس سے جہاد کیا گیا ہے' وہ نیت میں ہو اور وہ جنگ جو دشمن ہو خواہ شیطان ہو یا نفسانی خواہش ہو اور یہ کہ جہاد میں مبالغہ ہو اور ممکن ہے مجاہدہ بالنفس کی جنگ مراد ہو اور اس صورت میں یہ تمام عبادات کو شامل ہو گا اور ممکن ہے کہ مجاہدہ بالمال مراد ہو جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ تبوک میں اپنا بہت سا مال خرچ کیا اور اس صورت میں یہ زکوٰۃ کو اور تمام مالی عبادات کو شامل ہو جائے گا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی سچے لوگ ہیں یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے "اٰمَنَّا" کہنے میں سچ بولا اور انہوں نے اس طرح جھوٹ نہیں بولا جس طرح بنو اسد کے دیہاتیوں نے جھوٹ بولا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان سچا اور حق ہے ["المؤمنون" مبتدا ہے اور "الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہ" اس کی صفت ہے اور "اولئک ھم الصادقون" جملہ اس مبتدا کی خبر ہے]۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لا چکے ہیں' آپ فرمائیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو' بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا کی اگر تم سچے ہو O بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو O

شانِ نزول: جب مذکورہ بالا سابقہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں مخلص مؤمنوں کی شان بیان کی گئی تو بنو اسد کے وہی دیہاتی لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور آ کر قسمیں کھانے لگے کہ وہ مخلص مسلمان ہیں تو ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۶ - ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی تم اپنے دلوں کی تصدیق کی خبر اللہ تعالیٰ کو بتا رہے ہو حالانکہ وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے ﴿وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نفاق اور اخلاص وغیرہ میں سے ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۷ - ﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ﴾ وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے یعنی وہ اپنے اسلام کا احسان جتلاتے ہیں اور ''مَنٌّ'' کا معنی ہے: شکر ادا کرنے کی ترغیب دینے کی خاطر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنا اور ہمیں اس سے منع کر دیا گیا ہے (یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے) ''اَنْ اَسْلَمُوْا'' اصل میں ''بِاَنْ اَسْلَمُوْا'' ہے ﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے ﴿اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا فرمائی۔ دراصل ''بِاَنْ هَدٰىكُمْ'' ہے یا ''لِاَنْ هَدٰىكُمْ'' ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم سچے ہو (یعنی) اگر تمہارا گمان صحیح ہے اور تمہارا دعویٰ سچا ہے مگر تم جس چیز کا گمان رکھتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے خلاف خوب جانتا ہے [اور شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے جس کی تقدیری عبارت اس طرح ہے: ''(ان کنتم صادقین) فی ادعائکم الایمان فللّٰہ المنة علیکم'' اگر اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے' اور ایک قراءت میں ''اِنْ هَدٰىكُمْ'' (''اِنْ'' شرطیہ کے ساتھ) پڑھا گیا ہے]۔

۱۸ - ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا

غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور یہ اس بات کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان کی ہر پوشیدہ چیز اچھی طرح جانتا ہے اور وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر ہو۔ اس پر کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے تو بھلا تمہارے دلوں کے ارادے اور منصوبے اس پر کس طرح مخفی اور پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

سورۃ ق مکیۃ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	آیاتھا ۴۵ رکوعاتھا ۳
سورۂ ق مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی پینتالیس آیات' تین رکوع ہیں

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾

قاف' عزت والے قرآن کی قسم ○ بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک (عذاب سے) ڈرانے والا آ گیا' سو کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کر کے لوٹائے جائیں گے)' یہ لوٹنا (عقل سے) بہت دور ہے ○ بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان (کے مردہ جسموں) میں سے کم کرتی ہے' اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والی کتاب ہے ○ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا' سو وہ مضطرب حالت میں (مبتلا) ہیں ○

بعثت نبوی اور حشر و نشر پر کفار کے تعجب کا بیان

تنبیہ: سورۂ قٓ کی ابتدائی دو آیات پر اور سورۂ صٓ کی ابتدائی دو آیات پر جو کلام مشتمل ہے وہ باہم ملتا جلتا اور ایک جیسا کلام ہے کیونکہ دونوں سورتوں کے یہ کلام مبارک انداز بیان میں متحد و متفق ہیں۔

١- ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾[1] قسم ہے عزت والے قرآن کی' اور "مجید" کا معنی ہے: "ذوالمجد والشرف علی غیرہ من الکتب" یعنی اپنے علاوہ دیگر تمام کتابوں پر فضیلت و بزرگی رکھنے والا' اور جو شخص علم کے ذریعے قرآن مجید کے معانی کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اس پر عمل کر لیتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور لوگوں کے

[1] یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس سورت کا نام ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کی کنجی ہے جن کی ابتداء میں ق ہے' مثلاً "القدیر' القادر' القہار" وغیرہ (القیوم' القاضی' القابض' القدوس' القریب' القاہر)۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: "وَالْحَقُّ اَنَّهٗ رَمْزٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﷺ" کہ حق یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے جسے بعض راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نزدیک معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ﴿بَلْ عَجِبُوٓا﴾ بلکہ انہوں نے تعجب کیا یعنی کفار مکہ نے ﴿اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا' مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ نے انکار کیا کیونکہ انہوں نے جس سے تعجب کیا ہے وہ تعجب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ہی میں سے ایک آدمی انہیں خوف ناک دن (مرنے کے بعد اٹھنے کا دن یعنی قیامت کے دن) سے ڈراتا ہے جس کی صداقت و عدالت اور امانت و دیانت داری کو وہ لوگ جانتے ہیں اور واضح بات ہے کہ ایسا آدمی تو صرف اپنی قوم کا خیر خواہ ہوگا اور وہ اس بات سے فکر مند ہوگا کہ کہیں اس کی قوم پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے اور جب یہ معلوم ہے کہ بے شک ڈرانے والا ان پر سایہ عاطفت کرنے والا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں بروقت ڈرائے تو بھلا یہ ڈرانے والا کیسا انتہائی ہمدرد ہے اور جب انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے دن سے ڈرایا گیا تو ان کا اس پر تعجب کرنا انکار کے مترادف ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کی تخلیق پر قادر ہے اور ہر چیز کی ایجاد پر قادر ہے اور وہ اقرار کرتے تھے کہ ان تمام چیزوں کو پہلی دفعہ اسی نے پیدا کیا ہے' نیز عقلِ سلیم گواہی دیتی ہے کہ جزاء و سزا کا ہونا بہت ضروری ہے' پھر دو انکاروں (بعثت نبوی اور حشر و نشر) میں سے ایک پر بھروسا کر کے ارشاد فرمایا گیا: ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ سو کافروں نے کہا: یہ عجیب چیز ہے۔ اور ''الکافرون'' کو ضمیر کی جگہ لانا اس بات پر گواہی ہے کہ ان کا یہ کہنا بہت بڑے کفر پر اقدام ہے اور ''ھٰذا'' سے دوبارہ لوٹنے کی طرف اشارہ ہے (کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے لوٹنا یہ بہت عجیب چیز ہے)۔

۳۔ ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے [''اِذَا'' مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کا معنی ہے کہ ''اَحِیْنَ نَمُوْتُ وَنَبْلٰی نُرْجَعُ'' یعنی کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم بوسیدہ ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ قاری نافع مدنی' قاری حمزہ کوفی' قاری علی کسائی اور قاری حفص کی قراءت میں ''مِتْنَا'' پڑھا گیا ہے] ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ یہ لوٹنا عقل سے بہت دور ہے (یعنی) یہ سمجھ سے بالاتر ہے عقل و خرد میں آنے والا نہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''ھٰذَا قَوْلٌ بَعِیْدٌ'' یعنی یہ بات وہم و ادراک اور عادت سے بہت دور ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''رَجْعٌ'' بہ معنی ''مَرْجُوْعٌ'' ہو اور جواب ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے سے ڈرانے پر ان کے انکار کو بعید قرار دیا گیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مرنے کے بعد لوٹنے کا انکار کرنا عقل و خرد سے بہت بعید اور دور ہے کیونکہ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے وہ لوٹا بھی سکتا ہے) [اور اس معنی کی بناء پر ''تُرَابًا'' پر وقف کرنا بہت بہتر ہوگا اور جب ''رَجْعٌ'' بہ معنی مرجوع ہوگا تو اس وقت ظرف ''اذا'' کا ناصب ''منذر بہ'' ہوگا جس پر ''مُنْذِر'' یعنی ڈرانے والے نے رہنمائی کی ہے اور وہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے]۔

۴۔ ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ﴾ بے شک ہمیں اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ زمین ان کے مردہ جسموں میں سے کم کرتی ہے۔ کفار کی طرف سے لوٹنے کو بعید از عقل قرار دینے کی یہ تردید ہے کیونکہ جس کا علم اس قدر لطیف اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: ''قَالَ ابْنُ عَطَا اَقْسَمَ اللّٰهُ بِقُوَّةِ قَلْبِ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَیْثُ تَحَمَّلَ الْخِطَابَ وَالْمُشَاهَدَةَ وَلَمْ یُؤَثِّرْ ذٰلِكَ فِیْهِ لِعُلُوِّ حَالِهٖ'' (روح البیان) یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب مکرم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے کہ عین حق کا مشاہدہ بھی کیا اور شرف تکلم بھی حاصل ہوا' لیکن کلیم کی طرح ایک تجلی صفت سے غش کھا کر گر نہیں پڑے۔
(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۶۰۷)

وسیع ہو' جو یہاں تک جانتا ہو کہ زمین مُردوں کے گوشت اور ہڈیوں کو کھا کر ان کے جسموں کو گھٹاتی جا رہی ہے تو وہ ان کو زندہ کر کے دوبارہ اسی طرح اٹھانے اور اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے لوٹانے پر بھی ضرور قادر ہے جس طرح وہ دنیا میں تھے ﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ اور ہمارے پاس شیطانوں کی دخل اندازی سے اور ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ کتاب موجود ہے یا یہ معنی ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسی کتاب موجود ہے کہ جس میں جو کچھ بطورِ ودیعت و امانت لکھا گیا ہے وہ اس کی خوب حفاظت کرنے والی ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے۔

۵۔ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ یہ پہلے اضراب کے بعد دوسرا اضراب ہے (پہلے کلام کے مضمون سے بڑھ کر دوسرے مضمون کی طرف حرف "بَلْ" کے ذریعے متوجہ ہونا اضراب کہلاتا ہے) جو یہاں اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک کفارِ مکہ کے پاس جو کچھ لایا گیا ہے اس پر ان کا بدترین تعجب یہی ہے کہ انہوں نے غور وفکر اور سوچے سمجھے بغیر پہلی دفعہ سنتے ہی حق کی تکذیب کر دی اور اسے جھٹلا دیا اور وہ ہے نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ جو معجزات سے ثابت شدہ حقیقت ہے ﴿فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ سو وہ لوگ اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہیں' وہ مضطرب و پریشان ہیں' چنانچہ کہا جاتا ہے: "مَرِجَ الْخَاتَمُ فِيْ اَصْبَعِهٖ" یعنی انگوٹھی کشادہ ہونے کی وجہ سے اس کی انگلی میں مضطرب و متحرک رہتی ہے' سو کفارِ مکہ بھی کبھی کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں' کبھی کہتے ہیں: آپ ساحر و جادوگر ہیں اور کبھی کہتے ہیں: آپ کاہن ہیں وہ کسی ایک بات پر ثابت وقائم نہیں رہتے اور بعض کا قول ہے کہ "حق" سے قرآن مجید مراد ہے جب کہ دوسرے بعض کا قول ہے کہ "حق" سے مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانا مراد ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿٦﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿٧﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٨﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿١٠﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿١١﴾

تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا ہم نے اسے کس طرح بنایا اور ہم نے اسے کس طرح آراستہ کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے O اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوب صورت نباتات اُگا دیئے O جو ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بصیرت اور نصیحت ہیں O اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے باغات اور کاٹی جانے والی کھیتیوں کے اناج اُگائے O اور کھجور کے لمبے درخت اُگائے جن کے گابھے تہ بہ تہ پھل سے لدے ہوئے ہیں O بندوں کی روزی کے لیے' اور ہم نے اس (پانی) کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہوگا O

حشر نشر پر قدرتِ الٰہی کے دلائل کا بیان

٦۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کی رہنمائی کرتے ہوئے (درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں) حشر و نشر برپا کرنے اور لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے پر اپنی قدرت کے دلائل بیان فرمائے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ﴾ جب کفارِ مکہ نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ اٹھنے کا اور قیامت برپا ہونے کا انکار کیا تو انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھا تاکہ وہ تمام کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار و علامات دیکھتے کہ ﴿كَیْفَ بَنَیْنٰهَا﴾ ہم نے آسمان کو کس طرح بنایا اور ہم نے اسے بغیر ستونوں کے کس طرح بلند تعمیر فرمایا ﴿وَزَیَّنّٰهَا﴾ اور ہم نے اسے کس طرح روشن ستاروں سے مزین و آراستہ کر دیا ﴿وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ اور اس میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ کوئی سوراخ ہے یعنی وہ تمام عیبوں سے صحیح سلامت ہے نہ اس میں پھٹن ہے اور نہ شگاف ہے اور نہ کوئی رخنہ ہے۔

٧۔ ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور ہم نے زمین کو (مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تمام اطراف میں) پھیلا دیا ﴿وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو نصب کر دیا (یعنی) زمین میں پہاڑوں کو مضبوطی کے ساتھ جما دیا اور اس میں گاڑ دیا (تاکہ زمین ثابت و ساکن رہے) اگر اس میں پہاڑوں کو پیدا نہ کیا جاتا تو البتہ زمین ہچکولے کھاتی اور متحرک رہتی[1] ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ﴾ اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوب صورت پودے اُگائے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے پسند کیا جاتا ہے۔

٨۔ ﴿تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰی﴾ بصیرت و عبرت اور نصیحت ہیں تاکہ ہم ہر نعمت کو نگاہِ بصیرت سے دیکھیں اور اسے یاد رکھیں اور نصیحت حاصل کریں ﴿لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ﴾ ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی تخلیق کے عجائبات میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

٩۔ ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا﴾ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا ہے جو بہت زیادہ منافع دینے والا ہے ﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ﴾ پھر ہم نے اس کے ذریعے باغات اور اپنے وقت پر کاٹی جانے والی کھیتی کے دانے اُگائے یعنی ایسی کھیتی کے دانے جس کی شان یہ ہے کہ اسے کاٹا جاتا ہے جیسے گندم' جو' مکئی' باجرہ اور جوار وغیرہ۔

١٠۔ ﴿وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ﴾ اور آسمان کی طرف بڑھتی ہوئیں لمبی لمبی دراز قامت کھجوروں کو اُگایا ﴿لَّهَا طَلْعٌ﴾ اس کے لیے گابھے ہیں اور ''طَلْعٌ'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کھجور کے پھل نمودار ہوتے ہیں ﴿نَّضِیْدٌ﴾ یہ ''منضود'' کے معنی میں ہے یعنی تمام گابھے ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ چڑھے ہوئے ہیں' پھل کی کثرت کی وجہ سے کہ ان میں پھل بہت ''زوج'' کا معنی یہاں جوڑا نہیں بلکہ وہ صنف اور قسم کے معنی میں ہے۔

[1] مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا' جس کی وجہ سے وہ ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو اس سے سخت تعجب ہوا اور پوچھنے لگے: خدایا! تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! وہ لوہا ہے' پوچھا: اس سے زیادہ سخت؟ فرمایا: آگ' پوچھا: اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا: ہاں! پانی ہے' پوچھا: اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا: ہوا' پوچھا: اے پروردگار! تیری مخلوق میں اس سے بھی زیادہ بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا! ہاں! وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ ابن جریر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی کہ مجھ پر تو آدم کو اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ ہوتے ہیں یا کھجور پر بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ تہ بہ تہ ہوتے ہیں۔

۱۱- ﴿رِزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ بندوں کے لیے رزق یعنی ہم نے ان چیزوں کو اپنے بندوں کی روزی کے لیے اُگایا ہے کیونکہ یہاں ''انبات'' (اُگانا) رزق کے معنی میں ہے [تو ''رِزْقًا'' فعل محذوف ''البتنا'' کا غیر اللفظ سے مصدر ہے اور یہ اس کا مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے ان پھل آور باغات وغیرہ کو اس لیے پیدا کیا تاکہ ہم اپنے بندوں کو روزی مہیا کریں ﴿وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا﴾ اور ہم نے اس پانی کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کیا' جس کے کھیت' پودے' درخت اور سبزہ جات وغیرہ خشک ہو گئے تھے ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ اسی طرح نکلنا ہوگا (یعنی) جس طرح اس مردہ شہر کو زندہ کیا گیا ہے' اسی طرح تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں وغیرہ سے نکالا جائے گا کیونکہ ویران و بنجر زمین کو زندہ کرنا مُردوں کو زندہ کرنے کے مترادف ہے [''کذالك'' میں کاف تشبیہ کا مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

ع ۱۵

ان سے پہلے نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود نے جھٹلایاO اور عاد اور فرعون اور لوط کی برادری والوں نےO اور ایکہ والوں اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا' سو میرے عذاب کا ڈراوا ثابت ہوگیاO تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں' بلکہ وہ نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا ہونے کے متعلق شک میں ہیںO

پہلی قوموں کی تکذیب اور ان کے انجام کا بیان

۱۲- ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور رس کے پاس رہنے والوں اور ثمود نے جھٹلایا۔ ''رسّ'' اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے اردگرد منڈیر نہ بنائی گئی ہو اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کریں گے' اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زمین کا پہاڑوں کے نصب کرنے کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرتھراتا رہتا ہے' پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳' مترجم پارہ: ۳۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو اس لیے گاڑ دیا تاکہ زمین حرکت کرنے سے رُک جائے' جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے: ''وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ'' (النحل:۱۵) یعنی ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو گاڑ دیا کہ وہ تمہیں لے کر نہ کانپے''۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ زمین حرکت نہیں کرتی اور بعض متقدمین اور موجودہ دور کے تمام فلاسفر اس کے مخالف ہیں اور بعض مغربی مسلمانوں نے بھی ان کی موافقت کی ہے' ان سب کا گمان ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور انہوں نے زمین کے ساکن ہونے اور حرکت نہ کرنے کے بارے میں متقدمین کے عقلی دلائل کی تردید کی ہے اور کیا زمین کی حرکت کا قائل کافر ہو جائے گا یا نہیں' غالب گمان یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲٦ ص ۱۷٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

یمامہ کے رہنے والی قوم کا کنواں تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصحابِ اخدود کا کنواں تھا۔

١٣- ﴿ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴾ اور عاد اور فرعون اور لوط علیہ السلام کی برادری کے لوگوں نے (رسولوں کو جھٹلایا) فرعون سے اس کی قوم مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ'' (یونس:٨٣) ''سو موسیٰ علیہ السلام پر ان کی اپنی قوم کی نسل کے کچھ لوگوں کے ماسوا اور کوئی ایمان نہیں لایا محض اس خوف سے کہ فرعون اور اس کے درباری انہیں تکلیف دیں گے'' [کیونکہ ''قوم نوح'' معطوف علیہ ہے اور اس پر جو معطوف ہیں وہ سب جماعت اور گروہ ہیں] اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کا بھائی اس لیے فرمایا گیا کہ آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان قریبی خاندانی رشتہ تھا۔

١٤- ﴿ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ اور اَیکہ کے رہنے والوں اور تبّع کی قوم نے (رسولوں کو جھٹلایا)۔ تبع یمن کا بادشاہ تھا' جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اسے جھٹلا دیا تھا اور اس بادشاہ کو تبّع اس لیے کہا گیا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے ﴿ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ﴾ ہر ایک نے یعنی مذکورہ بالا قوموں سے ہر ایک قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تھا کیونکہ جس نے کسی ایک رسول کو جھٹلایا اس نے یقیناً تمام رسولوں کو جھٹلایا ﴿ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾ سو میرا ڈراوا واجب اور ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے اور کفارِ مکہ کے لیے ڈراوا اور دھمکی ہے۔

١٥- ﴿ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ﴾ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے پر تھک گئے ہیں۔ ''اَعْيَا بِالْاَمْرِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام کی وجہ کی راہ نہ پا سکے اور عاجز آ جائے اور اس کے شروع میں ہمزہ سوالیہ انکار کے لیے ہے یعنی بے شک ہم پہلی بار پیدا کر کے عاجز نہیں ہو گئے اور نہ ہم تھک گئے ہیں تو بھلا ہم دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز و بے بس ہو سکتے ہیں اور اس کا اعتراف واقرار دوبارہ پیدا کرنے کا اعتراف واقرار ہے ﴿ بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ ﴾ بلکہ وہ (کفارِ مکہ) شک وشبہ میں مبتلا ہو کر پریشان ہیں اور بے شک شیطان نے اِن پر شک وشبہ ڈال دیا ہے اور ان کو حیران و پریشان کر دیا اور شیطان نے ان کے لیے یہ بات گھڑ دی ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنا عادت کے خلاف اور ناممکن کام ہے' سو اس لیے انہوں نے صحیح استدلال کو چھوڑ دیا اور وہ یہ کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اور ان کا اعادہ کرنے پر بہ طریق اولیٰ زیادہ قادر ہے ﴿ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ مرنے کے بعد از سرِ نو پیدا کرنے کے متعلق [''خلق جدید'' کو نکرہ محض اس لیے ذکر کیا گیا تا کہ اس کی اہمیت وشان کی عظمت پر دلالت کی جائے] اور اس شخص کا فرض ہے جو اس کو سنے' وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تیاری کا اہتمام کرے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو اس کا نفس اسے وسوسے ڈالتا ہے' اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں O جب دو حاصل کرنے والے (فرشتے) حاصل کر لیتے ہیں دائیں اور بائیں جانب

بیٹھنے والے O وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے O

انسان کی تخلیق ' شانِ الٰہی اور دو محافظ فرشتوں کا بیان

١٦ - ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان وسوسوں کو خوب جانتے ہیں جو اس کا نفس (عقل) اس کے دل میں ڈالتا ہے ۔ وسوسہ کا معنی ہے : پوشیدہ اور آہستہ آواز ' اور نفس کے وسوسہ سے وہ خیال اور تصور مراد ہے جو انسان کے دل میں اندیشہ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور نفسِ ناطقہ کی تحریک سے انسان کے دل میں وسوسہ اور اندیشہ پیدا ہوتا ہے ['' بِہٖ '' میں حرف '' با '' صلہ کی ہے جیسے '' صَوَّتَ بِکَذَا '' میں ہے] ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ۔ اور یہاں '' قرب '' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے انسان کی رگِ جان سے بڑھ کر اس کے زیادہ قریب ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ جسمانی ' مکانی اور زمانی قرب سے منزہ و پاک ہے) اور '' حبل الورید '' کو سب سے زیادہ قریب ترین چیز کی تمثیل کے لیے بیان کیا جاتا ہے اور '' وَرِيْدٌ '' گردن کی اندرونی رگ کو کہا جاتا ہے اور '' حَبْلٌ '' کا معنی بھی رگ ہے جیسے '' بَعِيْرُ سَانِيَةٍ '' (یا '' خَاتَمُ فِضَّةٍ '') ہے[1] ('' سَانِيَة '' کا معنی ہے : رہٹ چلانے والا اونٹ اور '' بَعِيْر '' کا معنی ہے : اونٹ) ۔

١٧ - ﴿ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ ﴾ جب دو حاصل کرتے ہیں والے حاصل کرتے ہیں یعنی دو محافظ و نگران فرشتے (جو انسان کے تمام اعمال لکھنے پر مامور ہیں) ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴾ انسان کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں '' تَلَقِّيْ '' کا معنی ہے : یاد کرنا اور لکھ لینا اور '' قعید '' بہ معنی '' مقاعد '' ہے جیسے '' جلیس '' بہ معنی '' مجالس '' ہوتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے : '' عَنِ الْيَمِيْنِ قَعِيْدٌ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مِنَ الْمُتَلَقِّيَيْنِ '' یعنی حاصل کرنے والوں میں سے ایک دائیں جانب بیٹھا ہے اور ایک بائیں جانب بیٹھا ہے ' سو ان دو میں سے ایک کو ترک اس لیے کر دیا گیا ہے کہ

---

[1] بعض مفسرین نے فرمایا : انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان کے ورغلانے سے ان کے دل میں شجرِ ممنوع کی خواہش پیدا ہوئی تاہم انہوں نے معصیت کے قصد سے شجرِ ممنوع سے نہیں کھایا بلکہ اجتہادی خطاء سے کھایا ۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی ' پھر ان کی اولاد کے دل میں ممنوع کاموں کا شوق اور تحریک پیدا ہوئی ' اس کو حدیثِ نفس اور کلامِ خفی بھی کہتے ہیں ۔

اور فرمایا : ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ۔ '' وَرِيْدٌ '' اس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے ' یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہماری ہر باطن اور ظاہر چیز کا علم ہے ' حتیٰ کہ اس کو ہمارے دل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہوتا ہے ۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا : شہ رگ سے مراد رگِ جان ہے جو دل کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور اس قرب سے مراد قربِ مسافت نہیں ہے ' اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے زیادہ اس کے قریب ہے یعنی دل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اسے اس خیال کا علم ہوتا ہے ۔ حضرت مقاتل نے کہا : اس قرب سے مراد علم اور قدرت ہے ' انسان کے بعض اعضاء اس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی ' ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے خون میں کیا کیا کیمیاوی اجزاء ہیں ' کیا کیا بیماریاں ہیں ' ہمارے معدہ اور جگر میں قوت اور ضعف اور صحت اور سقم کی کیا کیفیات ہیں اور ہمارے جسم میں کتنے مسامات اور کتنے بال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسم کے ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے ۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٣٢١ ' مطبوعہ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور)

دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

رَمَانِیْ بِاَمْرٍ کُنْتُ مِنْهُ وَوَالِدِیْ ۔۔۔ بَرِیْئًا وَمِنْ اَجْلِ الطَّوِیِّ رَمَانِیْ

''اس شخص نے مجھ پر ایسا الزام لگایا جس سے میں اور میرے والد بَری اور بے قصور ہیں اور (میری) نیک نامی اور اچھی شہرت کی وجہ سے اس نے مجھ پر تہمت لگادی''۔

اصل میں ''بِاَمْرٍ کُنْتُ مِنْهُ بَرِیْئًا وَّکَانَ وَالِدِیْ مِنْهُ بَرِیْئًا'' ہے [''اِذْ'' منصوب ہے ''اَقْرَبُ'' کی وجہ سے کیونکہ اس میں ''یَقْرُبُ'' کا معنی موجود ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ بہت بڑا باریک بین ہے اس کا علم نفس کے تمام خطرات تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے مخفی اور پوشیدہ ہو اور وہ ہر قریب سے بڑھ کر انسان کے زیادہ قریب ہے' جب دونوں محافظ فرشتے لے لیتے ہیں جو کچھ انسان بولتا ہے محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کہ دونوں فرشتوں کا محافظ ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جس سے وہ غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اس سے کیسے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور یہ معاملہ صرف حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں فرشتوں کا لکھنا اور یاد کرنا اور قیامت کے دن ان اعمال ناموں کو پیش کرنا' برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب دینے کے لیے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم ہے۔

۱۸۔ ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ﴾ انسان کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محفوظ ﴿عَتِیْدٌ﴾ حاضر و تیار رہتا ہے یعنی انسان جو کچھ بولتا ہے اور جو کچھ اپنے منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس محافظ و حاضر فرشتے لکھ لیتے ہیں' پھر بعض حضرات نے کہا کہ دو فرشتے ہر چیز لکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بیماری کی آہ بھی لکھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ دونوں محافظ فرشتے صرف وہی اقوال و اعمال لکھتے ہیں جن میں اجر و ثواب ہوتا ہے یا گناہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں ماسوا دو حالتوں کے (۱) بول و براز کے وقت (۲) جماع کے وقت۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾

اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ گئی' یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا ○ اور صور پھونکا گیا' یہ ہے عذاب کی وعید کا دن ○ اور ہر شخص اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہوگا ○ بے شک تو اس (دن) سے غفلت میں تھا' سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا' پس آج تیری نظر بہت تیز ہے ○ اور اس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ ہے (اس کا اعمال نامہ) جو میرے پاس حاضر ہے ○ تم ہر عناد رکھنے والے کافر کو دوزخ میں ڈال دو ○ نیکی سے بہت روکنے والا' حد سے بڑھنے والا' شک کرنے والا ○

موت کی سختی' قیامت کے وقوع اور کفار کی سزا کا بیان

١٩- جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے حشر ونشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکار کا ذکر کیا اور ان پر اپنی قدرت اور اپنے علم کے دلائل کے ذریعے حجت قائم کی تو اب اس آیت مبارکہ میں انہیں آگاہ کیا کہ جس کا انہوں نے انکار کیا ہے وہ عنقریب ان کی موت کے وقت اور قیامت کے قیام کے وقت انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب ہونے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آمد کو ماضی کے فعل کے ساتھ تعبیر فرمایا اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ﴾ اور موت کی سختی آن پہنچی یعنی اس کی سختی عقل وخرد کو زائل کر دینے والی ہے اور وہ ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ متصف ہے یعنی یہ موت اور اس کی سختی واقعی حقیقی امر ہے اور حقیقت پر مبنی ہے یا حکمت پر مبنی ہے ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور تو کنارہ کشی کرتا تھا۔ ''ذٰلِكَ'' سے موت کی طرف اشارہ ہے اور اس میں اس انسان کو التفات کے طریقے پر خطاب کیا گیا ہے جس کا ذکر (درج ذیل) اس ارشاد میں ہے: ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ''۔

٢٠- ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور صور میں پھونکا گیا یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کے لیے صور پھونکا جائے گا ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾ یہ ہے عذاب سے ڈرنے کا دن [اصل میں ''وَقْتُ ذٰلِكَ الْوَعِيْد'' (یہ ڈرنے کا وقت ہے) حذف مضاف کی بناء پر ہے اور اشارہ ''نُفِخَ'' کے مصدر کی طرف ہے]۔

٢١- ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ اور ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک اسے چلانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا یعنی ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے' ان میں سے ایک اسے محشر کی طرف چلا کر لائے گا اور دوسرا اس پر اس کے عمل کی گواہی دے گا [''مَعَهَا سَآئِقٌ''، ''كُلٌّ'' سے حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے تاکہ تم اس کی اضافت کو پہچانو جو اس اسم کی طرف ہے جو معرفہ کے حکم میں ہے]۔

٢٢- ﴿لَقَدْ كُنْتَ﴾ ''اَیْ يُقَالُ لَهَا لَقَدْ كُنْتَ'' ﴿فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ یعنی اس جان سے کہا جائے گا کہ بے شک تو اس سے غفلت میں تھی جو آج تجھ پر نازل ہونے والی ہے ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ سو ہم نے تیری غفلت کا پردہ تجھ سے زائل کر دیا تاکہ تو اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ سو آج تیری نظر تیز ہے۔ انسان کی غفلت کو گویا ایک ایسا پردہ قرار دیا گیا جس نے اس کے پورے جسم کو ڈھانپ دیا' یا پھر ایسا پردہ جس نے اس کی دونوں آنکھوں کو ڈھانپ دیا' پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ بیدار ہو جائے گا اور اس سے غفلت اور اس کا پردہ سب دور ہو جائیں گے' پھر وہ اس حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اسے دنیا میں نظر نہیں آتا تھا اور اس کی غفلت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی کمزور بینائی تیز ہو کر واپس لوٹ آئے گی تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور بیدار ہو کر متنبہ ہو جائے۔

٢٣- ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ اور اس کا ساتھی کہے گا۔ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک یہ ساتھی اس کے اعمال لکھنے والا اور اس پر گواہی دینے والا فرشتہ ہی ہے ﴿هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ یہ وہ چیز ہے یعنی اس کے اعمال کا دیوان اور رجسٹر جو میرے پاس حاضر اور تیار ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ''قرین'' (ساتھی) سے اس کا وہ شیطان ساتھی مراد ہے جو اس پر مسلط کیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ O'' (الزخرف:٣٦) ''اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں' سو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے O''۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ وہی شخص ہے جس پر مجھے مقرر کیا گیا تھا جو میرے پاس حاضر ہے [''هٰذَا'' مبتدا اور

''مَا'' نکرہ ہے جو بہ معنیٰ ''شَیْءٌ'' ہے اور ظرف ''لَدَیَّ'' اس کی صفت ہے اور اسی طرح ''عَتِیْدٌ'' صفت ہے اور ''مَا'' اپنی صفتوں سے مل کر ''هٰذَا'' کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''(هٰذَا) شَیْءٌ ثَابِتٌ (لَدَیَّ عَتِیْدٌ)'']۔

٢٤- پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ﴿ اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾ تم دونوں ہر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دو جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی بہت ناشکری کرنے والا' عناد رکھنے والا ہے' حق سے کنارہ کش اور اہل حق سے عداوت و دشمنی رکھنے والا ہے [اور ''اَلْقِيَا'' کا خطاب انسان کو چلانے والے فرشتے اور گواہی دینے والے فرشتے کو ہے یا ایک فرشتے کو خطاب ہے اور اصل میں ''اَلْقِ اَلْقِ'' تھا پھر ''اَلْقِيَا'' کو ''اَلْقِ اَلْقِ'' کا قائم مقام کیا گیا ہے کیونکہ فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتا ہے' سو فاعل کا تثنیہ ہونا تکرار فعل سے نائب ہے اور بعض نے کہا: اس کی اصل ''اَلْقِيَنْ'' ہے اور الف نون سے تبدیل شدہ ہے' وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے' اس کی دلیل حضرت حسن کی ''اَلْقِيَنْ'' قراءت ہے]۔

٢٥- ﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ﴾ مال کو حقوق کی ادائیگی سے بہت روکنے والا یا مستحقین تک جنس مال کو پہنچنے سے بہت روکنے والا ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ حد سے بڑھنے والا ظالم اور حق سے تجاوز کرنے والا ﴿ مُّرِيْبٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے دین کے بارے میں شک کرنے والا۔

الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَىَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا' سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O اس کا بُرا ساتھی کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا لیکن وہ خود دُور کی گمراہی میں جا پڑا تھا O اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور بے شک میں پہلے ہی تمہیں عذاب کا ڈر سنا چکا ہوں O میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی اور میں بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کروں گا O جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا اور کچھ زیادہ ہے O

٢٦- ﴿ الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا' سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

٢٧- ﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ ﴾ اس کا ساتھی کہے گا یعنی اس کا شیطان جسے اس کا ''قرین'' اور ساتھی بنایا گیا ہے اور یہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتا ہے [اور اس جملے کو واؤ عاطفہ سے خالی بیان کیا گیا ہے جب کہ پہلی آیت کے جملے میں واؤ عاطفہ ذکر کی گئی کیونکہ پہلے جملے میں عطف کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے معنی پر اور اپنے ماقبل کے معنی پر یعنی دونوں کے جمع ہونے پر دلالت کرتا ہے' مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا دو فرشتوں کے ساتھ آنا اور اس کے ساتھی کا اس کے بارے میں کہنا جو کچھ بھی کہے گا لیکن یہ جملہ الگ مستقل واقع ہوا ہے جیسا کہ دو شخصوں کے درمیان باہمی گفتگو کی حکایت کے متعلق الگ مستقل جملہ واقع ہوتا ہے' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمے میں ہوا] گویا کافر کہے گا: اے میرے پروردگار!

اسی نے مجھے گمراہ اور سرکش بنا دیا تھا' تو اس کا شیطان ساتھی کہے گا: ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا اور نہ میں نے اسے سرکش بنایا بلکہ وہ خود دور کی گمراہی میں پڑا رہا تھا یعنی میں نے اس کو گمراہی اور سرکشی میں نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ خود سرکش بن گیا تھا اور اس نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا۔

۲۸- ﴿ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو ["قال قرینہ" کی طرح یہ جملہ بھی الگ مستقل جملہ ہے] گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو ﴿ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴾ اور بے شک میں تمہیں پہلے ہی عذاب کی وعید سنا چکا ہوں یعنی تم یہاں حساب کے میدان میں اور دار الجزاء میں میرے سامنے آپس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ تمہارے جھگڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور میں اپنے رسولوں کی زبانی اور اپنی کتابوں کے ذریعے تمہیں سرکشی اختیار کرنے پر اپنے عذاب سے پہلے ڈرا چکا ہوں' سو میں نے تمہارے لیے اپنے ذمے کوئی حجت اور دلیل ترک نہیں کی ["بالوعید" میں "با" زائدہ (محض تحسین کلام کے لیے ہے معنیٰ مقصود نہیں) جیسے "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ" (البقرہ:۱۹۵) یا پھر یہ "با" تعدیہ کی ہے محض اس بناء پر کہ "قَدَّمَ" بہ معنیٰ "تَقَدَّمَ" ہے اور یہ مطاوع ہے]۔

۲۹- ﴿ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ﴾ میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی یعنی تم یہ اُمید نہ رکھو کہ میں کفار کو دوزخ میں داخل کرنے کی وعید کو اور اپنی کسی بھی بات کو تبدیل کر دوں گا ﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں' سو میں کسی بندے کو بغیر کسی گناہ کے ہرگز عذاب نہیں دوں گا اور اللہ تعالیٰ کا بطور مبالغہ "بظلام" فرمانا عرب کے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہے: "هُوَ ظَالِمٌ لِعَبْدِهٖ وَظَلَّامٌ لِعَبِيْدِهٖ" وہ اپنے بندے (غلام) پر ظلم کرنے والا ہے اور اپنے بندوں (غلاموں) پر بہت ظلم کرنے والا ہے۔

۳۰- ﴿ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴾ ہم اس روز دوزخ سے فرمائیں گے کہ کیا تو بھر چکی ہے اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمائے گا کہ کیا تو پُر ہو چکی ہے' تو وہ پُر ہونے کے باوجود عرض کرے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ مطلب یہ کہ کیا میرے اندر کوئی جگہ باقی ہے جو نہیں بھری؟ یعنی بے شک میں پُر ہو چکی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ مزید کا مطالبہ کرے گی اور اس میں اور زیادہ کی جگہ باقی ہوگی اور اس تحقیق پر کہ دوزخ بولے گی اور یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے جیسے قیامت کے دن انسان کے اعضاء بولیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دوزخ سے یہ سوال صرف کفار کو ڈرانے دھمکانے اور انہیں ڈانٹنے کے لیے ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ دوزخ بھر چکی ہے یا نہیں ["یَوْمَ"، "ظَلَّامٌ" کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر "اُذْكُرْ" اور "اَنْذِرْ" جیسے فعل امر مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يَقُوْلُ" پڑھا گیا ہے]۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

اور جنت کو پرہیز گاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا دور نہیں ہوگی O یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر ایسے آدمی کے لیے جو (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا (اور اس کی حدود کی) بہت حفاظت کرنے والا ہے O جو بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا رہا اور وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لے کر حاضر ہوا O (اسے کہا جائے گا:) تم سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ' یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے O ان کے لیے اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو کچھ وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے O

پرہیزگاروں کے لیے جنت اور اس کے انعامات کا بیان

۳۱- ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ اور جنت کو پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دیا جائے گا' وہ ان سے دور نہیں ہوگی اور ''غیر بعید'' صرف سابق کلام کے معنی کی تاکید کے لیے ہے' جیسے کہتے ہیں: ''هُوَ قَرِيْبٌ غَيْرُ بَعِيْدٍ وَعَزِيْزٌ غَيْرُ ذَلِيْلٍ'' یعنی وہ قریب ہے بعید نہیں ہے اور عزیز ہے ذلیل نہیں ہے [''غیر بعید'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے ''اَیْ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيْدٍ'' یعنی ایسی جگہ ہے جو دُور نہیں ہے' یا پھر حال کی بناء پر منصوب ہے اور وہ مذکر ہے کیونکہ مصدر کے وزن پر ہے جیسے ''صليل'' ہے اور مصادر کے وصف میں مذکر و مؤنث مساوی ہوتے ہیں' یا پھر حذف موصوف کی وجہ سے منصوب ہے ''اَیْ شَيْئًا غَيْرَ بَعِيْدٍ'']۔

۳۲- ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا [''هٰذَا'' مبتدا ہے اور یہ ثواب کی طرف اشارہ ہے یا ''ازلفت'' کے مصدر کی طرف اشارہ ہے' ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' اس کی صفت ہے اور قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یوعدون'' ہے] ﴿لِكُلِّ اَوَّابٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہر شخص کے لیے [یہ ''هٰذَا'' مبتدا کی خبر ہے] ﴿حَفِيْظٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دن کے شروع میں چار رکعت نماز کی حفاظت کرتا ہے' وہ ''اوّاب حفیظ'' ہے یعنی وہ بہت رجوع کرنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔

۳۳- ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ﴾ جو رحمٰن سے ڈر گئے۔ خشیت یہ ہے کہ گناہ کے یاد آ جانے پر دل کانپنے لگے اور خشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن کو ڈرنے والوں کی تعریف کے لیے ملایا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جانتا ہے کہ بے شک وہ خوب وسیع رحمت والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تعریف کی کہ وہ خوب ڈرنے والا ہے' اس کے باوجود کہ جس ذاتِ اقدس سے وہ ڈرتا ہے وہ اس کی نظروں سے غائب ہے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ڈرتا ہے [یہ مفعول سے حال ہے] یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی نگاہوں سے غائب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بن دیکھے ڈرنا یہ ہے کہ جب دروازے بند ہوں اور پردے حائل ہوں اس وقت تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ﴿وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش اور راضی رہنے والا راز داں' پاکیزہ' کھرا اور صحیح عقیدہ رکھنے والا دل مراد ہے۔

۳٤- ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ تم اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی تم جنتی نعمتوں کے زائل ہونے سے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے نازل ہونے سے سالم و محفوظ ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ یہ ہمیشہ کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے فیصلے کا یہی دن ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ O'' (الزمر:۷۳)

"سو تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کر داخل ہو جاؤO" یعنی ہیشگی مقدر کر دی گئی ہے۔

۳۵- ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ اس میں چاہیں گے اور ہمارے پاس ان کی چاہت کی ہر نعمت کے علاوہ اور زیادہ ہوگا اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہاں مزید اللہ تعالیٰ کا بلا کیف دیدار کرنا نصیب ہوگا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝۳۸

اور ہم نے ان (قریش مکہ) سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں کہ وہ ان سے گرفت میں بہت زیادہ سخت طاقتور تھیں' سو وہ شہروں میں (پناہ کی تلاش میں) گھومتے رہے' کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ملیO بے شک اس میں اس شخص کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا وہ کان لگا کر غور سے سنے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ حاضر ہوO اور بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچیO

کفارِ مکہ کے لیے انتباہ اور یہود کی تردید

۳٦- ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جن قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ وہ قومیں ان سے (یعنی) آپ کی قوم سے گرفت کرنے اور قوت و طاقت اور شوکت و دبدبہ میں زیادہ سخت تھیں ﴿فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ﴾ سو انہوں نے شہروں میں سرنگیں کھودیں اور تہ خانے بنائے اور وہ ان میں خوب گھومتے پھرتے رہے اور "تنقیب" کا معنی ہے: کسی کام کا کھوج لگانا' بحث کرنا اور طلب کرنا اور اس میں "فا" (هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا) سے سبب کے لیے ہے یعنی سرنگیں وغیرہ کھودنے پر ان کی گرفت کے سخت ہونے کا سبب ان لوگوں کی قدرت و ہمت اور ان کی قوت و طاقت ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو کہ اہل مکہ اپنے سفروں اور اپنی سیر و سیاحت کے دوران ان قوموں کے شہروں میں بار ہا گھومے پھرے ہیں تو کیا انہوں نے ان کے لیے وہاں کوئی بھاگنے کی جگہ دیکھی ہے تا کہ یہ بھی اسی طرح اپنے لیے سوچیں اور غور و فکر کریں اور اس پر اس قاری کی قراءت دلالت کرتی ہے جس نے پڑھا: "(فنقبوا) علی الامر" ﴿هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سے یا موت سے بھاگنے کے لیے کوئی جگہ ہے؟ (ہرگز نہیں!)

۳۷- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مذکورہ بالا قوموں کے قصے میں ﴿لَذِكْرٰى﴾ ضرور عبرت و نصیحت اور یاد دہانی ہے ﴿لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ ہر اس شخص کے لیے جس کا دل یاد کرنے والا ہے کیونکہ جس کا دل کسی چیز کو یاد نہیں رکھتا تو گویا وہ دل ہی نہیں ہے ﴿اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ﴾ یا وہ کان لگا کر غور سے سنتا ہو اور وہ نصیحتوں کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہو اور انہیں غور سے اور توجہ سے سنتا ہو ﴿وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ اور وہ اپنی ذہانت و توجہ کے ساتھ حاضر ہو کیونکہ جو شخص اپنے ذہن اور

دماغ کو حاضر نہیں رکھتا تو وہ گویا غائب ہے۔

۳۸ - ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ یہود علیہم اللعنۃ کے قول کی تکذیب و تردید میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پہلا دن اتوار کا تھا اور آخری دن جمعہ کا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے آرام کیا اور عرش پر لیٹ گیا اور مفسرین نے فرمایا کہ اس امت میں تشبیہ کا قائل جو فرقہ مشبہ پیدا ہوا ہے وہ بھی انہی یہودیوں کی وجہ سے اور ان سے متاثر ہو کر تشبیہ کا قائل ہوا ہے اور یہود نے چار زانو ہو کر چوکڑی بیٹھنا ممنوع قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہفتہ کے دن اس طرح بیٹھا تھا۔ (نعوذ باللّٰه من ذالك)

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴿۴۳﴾ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾

ع ۱۶

سو (اے محبوب!) وہ جو کچھ (دل آزار باتیں) کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے اور آپ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے O اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی O اور غور سے سنیئے جس دن نداء دینے والا نزدیک جگہ سے نداء دے گا O جس دن سب لوگ ایک گرج دار چیخ حق کے ساتھ سنیں گے' یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا O بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور (سب نے) ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے O جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑ پڑیں گے' یہ (یعنی سب کو) جمع کرنا ہم پر آسان ہے O ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں' سو آپ ہر اس شخص کو قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے O

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے اور تسبیح بیان کرنے کی تلقین

۳۹ - ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ جو دل آزار باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے یعنی یہود جو کفریہ باتیں بکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تشبیہ کی باتیں کہتے ہیں' آپ ان پر صبر کیجئے یا مشرکین مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق جو باطل باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور ان سے انتقام لینے پر بھی پوری طرح بہ طریق اولیٰ قادر ہے ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

﴿وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ اور طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے آپ اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور تسبیح سے یا تو اس کا ظاہری معنی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ممکنات کے تمام عیوب سے منزہ ومبرا ہونا بیان کیجئے یا اس سے نماز مراد ہے پس طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی نماز مراد ہے اور غروب آفتاب سے پہلے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔

۴۰- ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ﴾ اور کچھ رات کے حصے میں بھی اس کی تسبیح بیان کیا کریں (یعنی) مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھا کریں یا نمازِ تہجد پڑھا کریں ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اور سجدہ کے بعد (یعنی) نمازوں کے اختتام کے بعد تسبیح بیان کیا کریں اور نماز کو سجود اور رکوع دونوں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد نوافل نمازیں پڑھنا مراد ہے یا نمازِ عشاء کے بعد وتر کی نماز پڑھنا مراد ہے [اور ''اَدْبَار'' ''دبر'' کی جمع ہے جب کہ اہل حجاز حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں الف (ہمزہ) مکسور کے ساتھ ''اِدْبَار'' پڑھا جاتا ہے] ''اَدْبَرَتِ الصَّلٰوۃُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب نماز ختم ہو جائے اور تمام ہو جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نمازوں کے ختم ہو جانے کے وقت تسبیح بیان کیا کریں جیسے عرب کا قول ہے: ''اٰتِيْكَ خَفُوْقَ النَّجْمِ'' میں تیرے پاس ستارہ کے غروب کے وقت آؤں گا۔

قیامت کے برپا ہونے اور مردوں کو زندہ کرنے کا بیان

۴۱- ﴿وَاسْتَمِعْ﴾ اور آپ اسے کان لگا کر غور سے سنئے جس کی وحی کے ذریعے آپ کو خبر دی گئی ہے اور وہ قیامت کے دن کا حال ہے اور اس کلام میں قیامت کی ہولنا کی اور اس کی شان کے لیے عظمت کا اظہار بھی ہے [قاری یعقوب نے اس پر وقف کیا ہے] ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ جس دن پکارنے والا پکارے گا [اور ''یوم'' کو منصوب پڑھا گیا ہے کیونکہ اس پر ''ذالك یوم الخروج'' دلالت کرتا ہے] یعنی جس دن پکارنے والا پکارے گا اس دن سب لوگ قبروں سے باہر نکل آئیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''(وَاسْتَمِعْ) حَدِيْثَ (يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِی)'' اور اس دن کی بات غور سے سنئے جس دن پکارنے والا پکارے گا [''المنادی'' وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ابن کثیر مکی سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں قاری نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن وقف کی حالت میں نہیں اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں دونوں حالتوں میں ''یا'' کے بغیر ''المناد'' پڑھا جاتا ہے] ''المنادی'' سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں وہی صور میں پھونکیں گے اور یہ آوازِ بلند پکاریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور جدا جدا جوڑو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو! اور متفرق بالو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فیصلہ کے لیے جڑ جاؤ اور باہم مل جاؤ اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ صور میں پھونک حضرت اسرافیل ماریں گے اور سب کو جمع کرنے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام پکاریں گے ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ نزدیک جگہ سے (یعنی) بیت المقدس کے صخرہ نامی پتھر پر کھڑے ہو کر پکاریں گے اور یہ حصہ تمام زمین سے بارہ میل زیادہ آسمان کے قریب ہے اور یہی جگہ تمام روئے زمین کا وسط اور مرکز ہے۔

۴۲- ﴿يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ﴾ جس دن وہ ہولناک چیخ سنیں گے۔ چیخ سے نفخۂ ثانی مراد ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام مخلوق فنا ہو جائے گی دوسری دفعہ صور پھونکنے پر تمام لوگ قبروں سے نکل کر میدانِ حساب میں جمع ہو جائیں گے) [یہ کلام مبارک ''یوم ینادی'' سے بدل ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ [یہ ''صیحة'' کے متعلق ہے] اور اس سے جزاء کے لیے قبروں سے زندہ ہو کر نکلنا اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہونا مراد ہے ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ یہ نکلنے کا دن ہے (یعنی) یہ

قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔

۴۳- ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ ﴾ بے شک ہم ہی مخلوق کو زندہ کرتے ہیں ﴿ وَنُمِیْتُ ﴾ اور ہم ہی ماریں گے یعنی ہم ہی دنیا میں انہیں موت دیں گے ﴿ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴾ اور ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی ان سب لوگوں کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

۴۴- ﴿ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ ﴾ جس دن زمین ان سے شق ہو جائے گی یعنی قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی اور اس کے پھٹ جانے کی وجہ سے مردے زمین سے باہر نکل آئیں گے [اہل کوفہ ابو عمرو بصری اور دیگر قراء کی قراءت میں قاف اوّل مشدد پڑھا جاتا ہے] ﴿ سِرَاعًا ﴾ وہ لوگ جلدی میں فوراً دوڑ پڑیں گے [یہ ضمیر مجرور سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴾ یہ حشر برپا کرنا ہمارے لیے بالکل آسان ہے [اور ظرف کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے] یعنی اس طرح کا بہت دشوار کام سرانجام دینا آسان نہیں مگر اس ذاتِ اقدس کے لیے آسان ہے جو مطلق قادر ہے جسے بڑی سے بڑی رکاوٹ کام سے نہیں روک سکتی۔

۴۵- ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ ہم وہ سب کچھ خوب جانتے ہیں جو مشرکین اور یہود وغیرہ آپ کے بارے میں اور ہمارے بارے میں کہتے رہتے ہیں۔ یہ کلام مبارک کفار کے لیے دھمکی اور رسول کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے ﴿ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴾ اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ O" (الغاشیہ:۲۲) "آپ ان پر جبر کر کے مسلمان بنانے والے نہیں O" یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کیے گئے بے شک آپ تو صرف حق کی دعوت و ترغیب دینے والے ہیں اور بعض نے کہا کہ "جبار" ماخوذ ہے "جَبَرَهٗ عَلَی الْاَمْرِ" سے اور یہ "اَجْبَرَهٗ" کے معنی میں ہے یعنی آپ ان کے نگران اور ذمہ دار نہیں ہیں کہ آپ انہیں ایمان پر مجبور کریں ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴾ سو آپ قرآن مجید کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا O" (النازعات:۴۵) "بے شک آپ صرف انہیں کو ڈر سنانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں O" کیونکہ آپ کے ڈرانے سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہی نفع حاصل کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

سورۃ الذّٰریٰت مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O — اس کی ساٹھ آیات' تین رکوع ہیں

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ﴿۱۲﴾ یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

گرد وغبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم!O پھر پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی قسم!O پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم!O پھر رزق تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم!O بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا ہےO اور بے شک جزاء ضرور ملنے والی ہےO حسین راستوں کے آسمان کی قسم!O بے شک تم مختلف باتوں میں مشغول ہوO اس سے اسی کا منہ پھیرا جاتا ہے جس کا (ازل میں) منہ پھیر دیا گیا تھاO من گھڑت باتیں بنانے والوں کا ستیاناس ہو جائےO جو جہالت کے نشے میں غافل ہو چکے ہیںO وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب واقع ہوگاO جس دن وہ دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گےO اب تم اپنے عذاب کا مزہ چکھو! یہ وہی ہے جس کے مطالبے میں تم جلدی کرتے تھےO

قیامت کے وقوع کی قسمیں اور منکرین کے بُرے انجام کا بیان

سورت الذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیات ہیں۔

١ تا ٤- ﴿وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا﴾ بکھیر کر اڑانے والیوں کی قسم!' اس سے تیز ہوائیں مراد ہیں کیونکہ وہ مٹی وغیرہ کو اُڑاتی اور بکھیرتی ہیں [حمزہ کوفی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تا'' کو ذال میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے اور ''ذَرْوًا'' مصدر ہے اور اس کا اسم فاعل ''الذاریات'' ہے] ﴿فَالْحٰمِلٰتِ﴾ پھر اٹھانے والیوں کی قسم!' اس سے بادل مراد ہیں کیونکہ بارش کے پانی کو اٹھاتے پھرتے ہیں ﴿وِقْرًا﴾ بوجھ [یہ ''حاملات'' کا مفعول ہے] ﴿فَالْجٰرِیٰتِ﴾ پھر چلنے والی کشتیوں کی قسم! ﴿یُسْرًا﴾ نرمی کے ساتھ چلنا یعنی بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ چلنا ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ پھر مختلف کاموں کے تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم!' اس سے فرشتے مراد ہیں کیونکہ وہی مختلف کاموں کو تقسیم کرتے ہیں جیسے بارشیں اور رزق وغیرھما کے کام یا یہ معنی ہے کہ وہ مختلف کاموں کی تقسیم پر مامور کیے گئے ہیں یا وہ انسانوں کے کاموں کی تقسیم کے متولی اور منتظم ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام سخت گرفت کرنے اور عذاب لانے کے متولی و منتظم ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام رحمت و مہربانی اور رزق پہنچانے کے منتظم و متولی ہیں اور ملک الموت (یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام) ارواح قبض کرنے پر متولی ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے منتظم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان چاروں آیات میں صرف ''ریاح'' یعنی تیز ہوائیں مراد ہوں کیونکہ یہی تیز ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور انہیں بلند و بالا اور کم و بیش کرتی ہیں اور حسب ضرورت ان میں تصرف کرتی ہیں اور انہیں فضاء کی بلندی میں نہایت نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلاتی ہیں اور بادلوں میں تصرف کر کے بارشوں کو حسب ضرورت تقسیم کرتی ہیں اور بہر حال پہلے مطلب کے مطابق ''فا'' کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تیز ہواؤں کی قسم یاد فرمائی' پھر ان بادلوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں چلاتی ہیں' پھر کشتیوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں اپنی قوت و تیزی کے سبب چلاتی ہیں' پھر فرشتوں کی قسم فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارشوں کے ذریعے روزیاں تقسیم کرتے ہیں اور بحری تجارتوں اور ان کے فوائد و منافع تقسیم کرتے ہیں اور جب کہ دوسرے مطلب کے مطابق یہ معنی ہوگا کہ ان ہواؤں کی قسم جو شروع میں ذرات کو اڑاتی ہیں' پھر تیز ہو کر مٹی کو اور کنکروں کو اُڑاتی پھرتی ہیں' پھر وہ بادلوں کو اٹھالاتی ہیں اور انہیں فضاء میں پھیلا دیتی ہیں' پھر بارش کو تقسیم کرتی ہیں۔

٥- ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے [یہ قسم کا جواب ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے یا پھر مصدریہ ہے] اور جس کے وعدہ کے سچے ہونے کی قسم کھائی گئی ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا یعنی حشر ونشر کا وعدہ ہے ﴿لَصَادِقٌ﴾ اصل میں ''لَوَعْدٌ صَادِقٌ'' ہے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا وعدہ ہے جیسے ''عیشة راضیة'' یعنی پسندیدہ زندگی۔

۶- ﴿وَّاِنَّ الدِّيْنَ﴾ اور بے شک جزاء (یعنی) دنیا کے اعمال پر جزاء وسزا ﴿لَوَاقِعٌ﴾ ضرور واقع اور مرتب ہوگی (نیک اعمال پر جزائے خیر اور بُرے اعمال پر سزا ملے گی)۔

۷- ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ خوب صورت راستوں والے آسمان کی قسم! جیسے تیز ہوا کے چلنے کی وجہ سے لہروں کے ساتھ پانی کے اوپر راستے ظاہر ہو جاتے ہیں (یوں ہی ریت کے ٹیلوں پر تیز ہوا کے سبب لہروں کی صورت میں راستے نظر آتے ہیں) اور اسی طرح ''حَبَكَ الشَّعْرُ'' کہا جاتا ہے کہ بال بڑے عمدہ اور خوب صورت ہیں اور یہ ان بالوں کے گھنگریالے ہونے اور ان کے مڑ کر ٹیڑھے ہو جانے کی علامات ہیں اور ''حُبُكٌ'' جمع ہے اس کا واحد ''حَبِيْكَةٌ'' ہے جیسے ''طَرِيْقَةٌ'' واحد ہے اس کی جمع ''طُرُقٌ'' ہے اور ایک قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بے شک آسمان کی تخلیق اسی طرح مختلف راستوں سے مزین و آراستہ ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان کی ''حبك'' (خوب صورتی) اس کے ستارے ہیں اور یہ ''حباك'' کی جمع ہے اور یہ دوسری قسم ہے۔

۸- ﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾ بے شک تم مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو یعنی کفارِ مکہ کے الزامات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں مختلف تھے' کچھ کہتے کہ آپ جادوگر ہیں اور کچھ کہتے: آپ شاعر ہیں' اور کچھ کہتے: مجنون ودیوانہ ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالك) اور یہ کفار قرآن مجید کے بارے میں بھی مختلف باتیں بناتے' کوئی کہتا: یہ شعر ہے' اور کوئی کہتا: یہ جادو ہے' اور کوئی کہتا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

۹- ﴿يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ﴾ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو (ازل سے) پھیر دیا گیا۔ ''عَنْهُ'' کی ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے یا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو ایسا پھیرنا پھیرا گیا ہے کہ اس سے زیادہ سخت اور اس سے بڑھ کر نہیں پھیرا جا سکتا یا یہ معنیٰ ہے کہ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی پھیرا جا چکا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک یہ شخص حق سے ایسا پھیر دیا گیا ہے کہ کبھی رجوع نہیں کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''عَنْهُ'' کی ضمیر ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' کی طرف یا ''اَلدِّيْنُ'' کی طرف لوٹتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی اور گرد وغبار اڑانے والی تیز ہواؤں کی اس بات پر قسم فرمائی کہ قیامت کی آمد برحق ہے' پھر آسمان کی قسم اس بات پر فرمائی کہ کفارِ مکہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے میں مختلف باتیں بناتے ہیں' چنانچہ ان میں سے کوئی شک کرتا ہے اور کوئی انکار کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''يُؤْفَكُ'' قیامت کے وقوع کے اقرار سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو پھیرا جا چکا ہے۔

۱۰- ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ من گھڑت باتیں تراشنے والے تباہ و برباد ہو جائیں (یعنی) ان پر لعنت و پھٹکار ہو' ''قُتِلَ'' اصل میں ہلاکت کی بددعا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' پھر اس کو ''لُعِنَ'' کے قائم مقام کر دیا گیا ہے' مطلب یہ کہ بہت جھوٹ بولنے والے ظن وتخمینہ اور ذہنی اختراع سے ایسی من گھڑت باتیں تراشنے والے جو کبھی صحیح اور درست نہیں ہو سکتیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو رسول اکرم اور قرآن مجید کے بارے میں مختلف الزامات گھڑتے رہے اور لام تعریف سے انہیں کی طرف اشارہ ہے' گویا فرمایا گیا کہ یہ من گھڑت الزامات تراشنے والے ہلاک ہو جائیں۔

۱۱- ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی جہالت و نادانی کے نشے میں بدمست ہو کر بھول چکے ہیں اور اس چیز سے غافل ہو چکے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔

۱۲- ﴿يَسْــَٔلُوْنَ﴾ وہ پوچھتے ہیں' سو وہ کہتے ہیں ﴿اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ بدلے کا دن کب آئے گا یعنی روزِ جزاء کب اور کس وقت آئے گا [تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''اَيَّانَ وُقُوْعُ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کیونکہ اوقات رونما ہونے والے حوادثات کے

لیے ظرف ہوتے ہیں]۔

١٣-﴿ يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ ﴾ جس دن وہ آگ کے عذاب میں داخل کیے جائیں گے یعنی دوزخ کی آگ میں انہیں جلایا جائے گا۔ "یُفْتَنُوْنَ" بہ معنی "یُحْرَقُوْنَ" ہے ["یَوْمَ" فعل مضمر کے جواب میں منصوب ہے' جس پر سوال "یسئلون" دلالت کرتا ہے "اَیْ یَقَعُ (یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ)" یعنی روز جزاء اس دن واقع ہوگا جس دن انہیں دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا اور یہ ممکن ہے کہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے مفتوح ہو اور وہ جملہ ہے اور محلاً فعل مضمر جو "یَقَعُ" ہے کی وجہ سے منصوب ہو یا پھر اس بناء پر مرفوع ہو کہ اصل میں "هُوَ یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ" ہو]۔

١٤-﴿ ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَكُمۡ ﴾ تم اپنا عذاب چکھو یعنی دوزخ کے خازن اور داروغے فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اپنے عذاب اور دوزخ کی آگ میں اپنے جلنے کا مزہ چکھو ﴿ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴾ یہ وہی ہے جس کی جلدی آمد کا تم شور مچاتے تھے یعنی یہ وہی عذاب ہے جس کے جلدی آنے کا تم دنیا میں مطالبہ کرتے تھے اور تم کہتے تھے: "فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝" (الاعراف:٧٠) "سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں ۝" ["هٰذَا" مبتدا ہے اور اس کی خبر "الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ" ہے]۔

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍۙ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيۡنَ مَاۤ اٰتٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ‌ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُحۡسِنِيۡنَؕ ﴿۱۶﴾ كَانُوۡا قَلِيۡلًا مِّنَ الَّيۡلِ مَا يَهۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالۡاَسۡحَارِ هُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَفِىۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۱۹﴾ وَفِى الۡاَرۡضِ اٰيٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِيۡنَۙ ﴿۲۰﴾ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَفِى السَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ع ١٨

بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گے ۝ وہ اسے لینے والے ہوں گے جو ان کا پروردگار انہیں عطا کرے گا' بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکی کرنے والے تھے ۝ وہ رات کے بہت قلیل حصہ میں سویا کرتے تھے ۝ اور وہ رات کے پچھلے پہر مغفرت و بخشش طلب کرتے تھے ۝ اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ثابت تھا ۝ اور زمین میں یقین رکھنے والوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں ۝ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو ۝ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۝ پس آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! بے شک یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تم بولتے ہو ۝

پرہیزگاروں کے انعامات و اوصاف کا بیان

١٥- کفار نابکار کے حال کا ذکر کرنے کے بعد پھر اب مؤمنوں کے حال کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گے یعنی وہاں چشمے ہوں گے اور یہ

وہ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی جنہیں جنتی حضرات دیکھتے ہوں گے اور ان کی نظریں اور نگاہیں ان پر پڑیں گی لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ جنتی خود ان چشموں کے اندر ہوں گے۔

۱۶۔ ﴿اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ﴾ وہ اسے لینے والے ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا کرے گا (یعنی) وہ ہر اس اجر و ثواب کو قبول کرلیں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے جو انہیں ان کا رب تعالیٰ عطا فرمائے گا [''اٰخِذِیْنَ'' ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور وہ ظرف جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (یعنی) جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں بہت نیکیاں کرنے والے لوگ تھے' بلاشبہ انہوں نے دنیا میں اپنے اعمال و کردار کو سنوارا اور نیک اعمال کو اپنایا اور ان کی نیکیوں کی تفسیر اور وضاحت اس کے بعد (درج ذیل آیات میں) آرہی ہے۔

۱۷۔ ﴿كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ﴾ وہ لوگ رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے [''یَهْجَعُوْنَ'' بہ معنی ''یَنَامُوْنَ'' ہے اور تاکید کے لیے حرف ''مَا'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور ''یَهْجَعُوْنَ''، ''كَانُوْا'' کی خبر ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ رات کے بہت تھوڑے سے حصے میں سوتے ہیں باقی تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں [یا پھر ''مَا'' مصدریہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ ''كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ هُجُوْعُهُمْ'' یعنی ان کا سونا اور آرام کرنا رات کے تھوڑے سے حصے میں ہوا کرتا تھا۔ سو اس صورت میں ''هجوعهم'' مرفوع ہوگا کیونکہ یہ ''كَانُوْا'' کی واؤ سے بدل ہوگا' ''قَلِیْلًا'' سے نہیں کیونکہ جب یہ ''مِنَ اللَّیْلِ'' کا موصوف ہوا تو یہ شبہ فعل سے اور اس کے عمل سے مشابہت کے اعتبار سے خارج ہو گیا یعنی رات کے بہت تھوڑے سے حصہ میں ان کا سونا اور آرام کرنا ہوتا تھا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ حرف ''مَا'' نافیہ ہو محض اس بناء پر کہ بے شک وہ لوگ رات کے تھوڑے سے حصے میں بھی نہیں سوتے تھے بلکہ وہ پوری رات شب بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتے تھے کیونکہ ''مَا'' نافیہ کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا' چنانچہ ''زَیْدًا مَا ضَرَبْتُ'' نہیں کہہ سکتے]۔

۱۸۔ ﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ سحری کے اوقات میں یعنی رات کے آخری پہر میں مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ وہ رات کے وقت شب بیداری کر کے نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور وہ رات کو عبادتِ الٰہی میں بیدار رہ کر گزار دیتے ہیں' بہت کم حصہ میں سوتے ہیں' اب پھر اس آیت مبارکہ میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر اٹھتے ہیں تو عبادت کے بعد اب اس وقت استغفار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی رات جرائم کی معافی میں گزار دیتے ہیں اور سحر رات کے آخری چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔

۱۹۔ ﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ﴾ اور ان کے مالوں میں سائل کا حق ہے (یعنی) ان کے مالوں میں ہر اس شخص کا حق ہے جو اپنی حاجت و ضرورت پوری کرنے کے لیے ان سے دست سوال دراز کرتا ہے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم و نادار کا حق ہے یعنی محروم وہ شخص ہے جو ضرورت کے باوجود اغنیاء سے الگ رہتا ہے اور شرم و حیاء اور عزتِ نفس کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتا۔

۲۰۔ ﴿وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ﴾ اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں' جو صانع (بنانے والے) کے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت پر اور اس کی حکمت پر اور اس کی تدبیر پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس زمین کو فرش کی طرح اپنے اوپر چلنے والوں کے لیے بچھایا گیا ہے اور اس میں مختلف راستے ہیں جن میں مختلف ممالک میں پہنچنے کے لیے آنے جانے

والے سیاحوں اور مسافروں کے لیے آسانی ہے اور اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے' جن میں بعض ہموار میدانی علاقہ جات ہیں اور بعض پہاڑی علاقے ہیں اور بعض علاقے نرم اور عمدہ آب و ہوا کے علاقے ہیں جب کہ بعض علاقے اس کے برعکس نمکین اور شور والی زمین دلدلی کے ویران جنگلات ہوتے ہیں اور اس زمین میں چشمے' نہریں اور دریا ہوتے ہیں اور عجیب وغریب مختلف کانیں ہوتی ہیں اور مختلف شکل وصورت' رنگ ونسل کے جانور اور چوپائے ہوتے ہیں اور اس میں مختلف انگوریاں' پودے اور درخت پیدا ہوتے ہیں اور شکل وصورت اور رنگ ومزہ میں مختلف اقسام کے بے شمار پھل' فروٹ پیدا ہوتے ہیں ﴿لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ یقین رکھنے والوں کے لیے (یعنی) توحید کے ماننے والوں کے لیے جو ایسے برہانی اور مدلل سیدھے راستے پر رواں دواں ہیں جو انہیں معرفتِ الٰہی تک پہنچاتا ہے' سو وہ لوگ اپنی آنکھوں کی بصارت سے اور اپنی عقول کی فہم وفراست سے ان نشانیوں کو غور وفکر سے دیکھتے ہیں' چنانچہ وہ جب بھی کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی وجہ اور غرض و غایت کو پہچان لیتے ہیں اور جب وہ اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو ان کے پہلے یقین پر اور یقین بڑھ جاتا ہے اور ان کا ایمان مضبوط ومستحکم ہو جاتا ہے۔

٢١- ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور خود تمہارے نفوس وذوات میں قدرتِ الٰہی کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں' چنانچہ ان کی ابتدائی حالت بچپن سے دوسرے احوال لڑکپن' جوانی اور بڑھاپے کی طرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں اور ان کے باطن وظاہر میں فطرت کے عجائبات اور تخلیق کے ایسے انوکھے اور نرالے کمالات ودیعت کیے گئے ہیں' جن میں عقول واذہان حیران ہیں اور تمہیں یہی کافی ہے کہ ہر انسان کو دل عطا کیا گیا ہے اور اس میں عقل اور زبان اور بولنے کے لیے قوتِ گویائی اور حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنے کی صلاحیت اور ان کو مرکب کرنے اور انہیں ترتیب دینے کی قوت' یہ سب ایسی روشن نشانیاں اور واضح دلیلیں ہیں جو اپنے صانع وخالق اور اپنے مدبر کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں کان' آنکھیں اور دیگر تمام اعضاء کا مناسب وموزوں اور مساوی پیدا کیا جانا اور ان کو آسانی سے موڑنے اور دوہرا کرنے کے لیے جوڑوں کی تخلیق یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی عضو خشک ہو جائے تو انسان اس سے عاجز ہو جاتا ہے اور اگر کوئی عضو فالج وغیرہ سے بے کار ہو کر ڈھیلا ہو جائے تو انسان ذلت محسوس کرتا ہے' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے [اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت ''اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ'' تھی' یہ ضعیف وکمزور قول ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو استفہام کے حیز میں ہے وہ حرفِ استفہام سے مقدم کیا جائے] ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ تو کیا تم عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

٢٢- ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے (یعنی) بارش کیونکہ یہ بارش روزیوں کا سبب اور ذریعہ ہے' اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب آپ بادلوں کو دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ اللہ کی قسم! ان بادلوں میں تمہارا رزق ہے لیکن تم اپنے گناہوں کے سبب اس سے محروم ہو جاتے ہو ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ عرش کے نیچے اور ساتویں آسمان کی پشت کے اوپر واقع ہے یا یہ مراد ہے کہ بے شک تمہیں دنیا میں جو رزق عطا کیا جاتا ہے وہ اور آخرت میں ملنے والی جس نعمت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' وہ سب مقدر کر کے آسمان میں لکھ دیا گیا ہے۔

٢٣- ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ سو قسم ہے زمین وآسمان کے مالک کی! بے شک یہ ضرور حق ہے [ضمیر ''رزق'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی بے شک یہ رزق ضرور حق ہے یا ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی جس جنت کا تم

سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور حق ہے] ﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''مِّثْلُ'' مرفوع ہے کہ یہ حق کی صفت ہے یعنی یہ تمہارے بولنے کی طرح حق ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''مِثْلَ'' منصوب ہے ''اَیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ حَقًّا مِّثْلَ نُطْقِكُمْ''یعنی یہ اس طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ غیر متمکن اسم کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر مفتوح ہو اور حرف ''مَا'' زائدہ ہو]۔

امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں جامع مسجد بصرہ سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں بیٹھا ایک اعرابی ملا اور اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: میں بنی اصمع سے ہوں' اس نے کہا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں اس گھر سے آ رہا ہوں جس میں خدائے رحمٰن کے کلام مبارک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تم مجھے قرآن مجید کی کچھ تلاوت سناؤ' چنانچہ میں نے والذاریات کی تلاوت کی اور جب میں ''وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ'' تک پہنچا تو اس نے کہا: ٹھہریئے! پھر وہ اٹھا اور ایک اونٹنی ذبح کی اور اس کا گوشت تمام آنے جانے والے لوگوں پر تقسیم کیا اور اس نے اپنی تلوار اور اپنا تیر کمان اٹھایا اور انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ جلدی چل پڑا' پھر جب میں ہارون الرشید کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ میں حاضر ہوا' اور میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک دھیمی آواز میرے کانوں میں پہنچی' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا جس کا جسم نہایت کمزور اور رنگ زرد ہو گیا تھا' اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ مجھے وہی سورت سنایئے تو جب میں اسی آیت پر پہنچا تو وہ اسے سن کر چیخا اور کہا: بے شک ہمارے پروردگار نے جو ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے' پھر فرمایا: کچھ اور سنایئے' تو میں نے ''فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ'' پڑھی' سو وہ یہ آیت مبارکہ سنتے ہی چیخا اور کہا: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے' وہ کون ہے جس نے رب جلیل کو غضب ناک کیا یہاں تک کہ اس نے قسم فرمائی' پھر بھی انہوں نے اس کے قول کی تصدیق نہیں کی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ قسم فرمائی' اس نے یہ تین دفعہ کہا اور اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

وقف لازم

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ گئی ہے O جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا' ابراہیم نے (بھی جواب میں) سلام فرمایا' کہ تم اجنبی لوگ ہو O پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا پکوا کر لے آئے O سو ان کے قریب کر کے فرمایا: کیا تم نہیں کھاتے O پھر اس نے ان سے خوف محسوس کیا' تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کرو' اور انہوں نے اسے ایک بڑے علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی O پھر ان کی بیوی چلاتی ہوئی

آگے آئی اور چہرے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی: (میں تو) بوڑھی بانجھ ہوں O انہوں نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے' بے شک وہ بہت بڑا حکمت والا سب کچھ خوب جاننے والا ہے O

حضرت ابراہیم کو بیٹے کی ولادت سے پہلے بشارت

۲۴- ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر پہنچ گئی۔ اس استفہام سے ایک تو اس واقعہ کی عظمت وشان کا اظہار مقصود ہے اور دوسرا اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم از خود (یعنی ذاتی طور پر) نہیں ہوا بلکہ آپ نے اسے وحی کے ذریعے معلوم کیا اور اس کا اپنے ماقبل سے اس اعتبار سے ربط اور تعلق ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ'' اور زمین میں بے شک نشانیاں ہیں۔ اور اس قصے کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''وَتَرَكْنَا فِیْهَاۤ اٰیَةً'' اور ہم نے اس میں ایک نشانی کو باقی رکھا۔ ''ضَیْفٌ'' واحد کے لیے اور پوری جماعت کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ''صَوْمٌ'' اور ''زَوْرٌ'' واحد اور جمع دونوں کے لیے بولے جاتے ہیں کیونکہ ''ضَیْفٌ'' اصل میں ''ضَافَهٗ'' کا مصدر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان فرشتے کل بارہ (۱۲) افراد تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ نو افراد تھے' ان کے دسویں فرد حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کو مہمان اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ وہ مہمانوں کی صورت میں آئے تھے' اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا ذبح کر کے پکوا کر ان کی مہمان نوازی کی تھی یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم کے خیال میں وہ اسی طرح تھے ﴿الْمُكْرَمِیْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ومحترم تھے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ O'' (الانبیاء:۲۶) ''بلکہ فرشتے تو معزز بندے ہیں O'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بہ نفس نفیس خدمت کی تھی اور ان کی بیوی نے بھی ان کی خدمت کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے بہت جلدی کھانا پیش کر دیا تھا۔

۲۵- ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ﴾ جب وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے [''اِذْ''، ''المکرمین'' کے ساتھ منصوب ہے جب کہ یہ تفسیر کی جائے کہ آپ نے فرشتوں کی مہمان نوازی کی تھی ورنہ ''اُذْكُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے ''اِذْ'' منصوب ہوگا] ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ سو انہوں نے سلام کہا [''سَلٰمًا'' مصدر ہے اور یہ فعل کے قائم مقام ہے' اس کے ہوتے ہوئے فعل کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کی اصل ''نُسَلِّمُ عَلَیْكُمْ سَلٰمًا'' یعنی ہم تمہیں خوب سلام بھیجتے ہیں] ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں سلام فرمایا ''اَیْ عَلَیْكُمْ سَلٰمٌ'' یعنی تم پر بھی سلام ہو [''سلام'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور رفع کی طرف عدول ''سلام'' کے اثبات پر دلالت کے لیے ہے گویا حضرت ابراہیم نے ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے سلام کے جواب میں ان کے سلام سے بہتر سلام کے ساتھ جواب دیں محض اللہ تعالیٰ کے ادب کی موافقت کرنے کے لیے اور یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرشتوں کے لیے بڑا اعزاز ہے' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سِلْمٌ'' ہے اور ''سِلْمٌ'' اور ''سَلٰمٌ'' ہم معنی ہیں] ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ ''اَیْ اَنْتُمْ مُّنْكَرُوْنَ فَعَرِّفُوْنِیْ مَنْ اَنْتُمْ'' یعنی تم اجنبی لوگ ہو' سو تم مجھے تعارف کراؤ کہ تم کون ہو؟

۲۶- ﴿فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے (یعنی) آپ اپنے مہمانوں کے پاس سے اٹھ کر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے کیونکہ میزبان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہ اپنی مہمان نوازی کی تیاری کو مخفی رکھے اور مہمانوں کو کھانا پکانے کا علم نہ ہو سکے' اس اندیشے سے کہ کہیں مہمان

تکلف کر کے کھانا پکانے سے منع نہ کر دیں اور اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس عام مال گائیں' بیل ہوا کرتے تھے ﴿ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾ سو اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ان مہمانوں کے لیے بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے کر آ گئے۔

۲۸'۲۷- ﴿ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ ﴾ پس آپ نے اسے ان کے سامنے قریب رکھ دیا تا کہ وہ اس میں سے پیٹ بھر کر کھائیں مگر انہوں نے کچھ نہ کھایا ﴿ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم کھانا نہیں کھاتے؟ گویا آپ نے ان کے کھانا نہ کھانے کو ناپسند کیا' یا پھر آپ نے انہیں کھانا کھلانے کی ترغیب کے لیے یہ فرمایا' ﴿ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ ﴾ پھر آپ نے اپنے دل میں ان سے خوف و ڈر محسوس کیا کیونکہ جو تمہارا کھانا نہیں کھائے گا وہ تمہاری عزت نہیں کرے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال آ گیا تھا کہ بے شک یہ فرشتے ہیں جو عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ ﴾ انہوں نے کہا: آپ مت گھبرایئے' بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بھنے ہوئے بچھڑے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنی ماں کے ساتھ مل گیا ﴿ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ اور ان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی یعنی وہ لڑکا بالغ و جوان ہو گا اور عالم و فاضل ہو گا' پھر جس لڑکے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

۲۹- ﴿ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چیختی چلاتی آگے بڑھ گئی۔ ''صـرة'' کا معنی زوردار اور بلند آواز نکالنا' یہ ''صر القلم و الباب'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چلتے وقت قلم سے آواز آنے لگے اور دروازے کے کھولتے اور بند کرتے وقت اس سے آواز نکلے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ''صـرة'' سے یہاں زوردار آواز نکالنا مراد ہے [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے ''اَیْ فَجَاءَ تْ صَارَّةً'' یعنی وہ چیختی اور چلاتی ہوئی آئی' اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس نے خوش خبری سن کر بلند آواز سے ''یَا وَیْلَتَا'' کہنا شروع کر دیا' جس کا مطلب ہے: اے ہائے افسوس! اس بڑھاپے میں بچہ ہو گا' اور ''صرة'' سے یہی ''یَا وَیْلَتَا'' کہنا مراد ہے] ﴿ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ﴾ پھر اس نے اپنے چہرے پر اپنا ہاتھ مارا (یعنی) اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے چہرہ پر ماری اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی بیوی نے صرف اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے اطراف اور پوراپنی پیشانی پر تعجب کرنے والے آدمی کی طرح مارے تھے اور یہ اظہار تعجب تھا ﴿ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴾ اور اس نے کہا: بوڑھی بانجھ ہوں یعنی میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہو چکی ہوں تو بھلا میں بچہ کیسے جنوں گی' جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ءَ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا'' (ھود:۷۲) ''کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے''۔

۳۰- ﴿ قَالُوْا كَذٰلِكِ ﴾ فرشتوں نے کہا: اسی طرح ہو گا جس طرح ہم نے کہا ہے اور جس طرح ہم نے اس کی خبر دی ہے ﴿ قَالَ رَبُّكِ ؕ ﴾ یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے یعنی بے شک ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خبر سنا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں پر پوری طرح قادر ہے جن کو تم عقل سے بعید سمجھتے ہو ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ ﴾ بے شک وہ اپنے ہر فعل میں بڑا حکمت والا ہے ﴿ الْعَلِيْمُ ﴾ وہ سب کچھ خوب جاننے والا ہے' سو اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے اس بڑھاپے کی عمر میں بچہ کی ولادت کو بعید از قیاس خیال کیا تو

حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم اپنے گھر کی چھت کی طرف غور سے دیکھو جب اس نے چھت کی طرف دیکھا تو چھت کا تنا (شہتیر) اچانک ہرا بھرا بیلوں والا پھل دار ہو گیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

ابراہیم نے فرمایا: اے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے O انہوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O تاکہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسائیں O جو آپ کے پروردگار کے پاس سے حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O سو ہم نے اس بستی میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو نکال لیا ہے O پس ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایا O اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں O

حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کی ہلاکت اور مسلمانوں کی نجات کا بیان

۳۱- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور فرشتے آسمان سے زمین پر جب بھی نازل ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض کاموں کے لیے بھیجے جاتے ہیں ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی تمہاری اہم ترین کیا مہم ہے اور تمہارا کیا مطلب ہے اور تمہیں کس اہم کام کے سلسلے میں بھیجا گیا ہے ﴿اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہیں خاص خوش خبری دینے اور بشارت سنانے کے لیے بھیجا گیا ہے یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے یا پھر دونوں مقاصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔

۳۲- ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف۔

۳۳- ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسا دیں۔ کنکر مراد ہیں اور یہ آگ پر پکائے ہوئے کنکر ہوتے ہیں جیسا کہ اینٹوں کو آگ پر پکایا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ کنکر پتھروں کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔

۳۴- ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ نشان زدہ اور علامت کردہ۔ یہ ''سَوَّمَةً'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی علامت اور نشانی ہے ہر کنکر پر سرخ یا سفید نشان ہوتا تھا اور جس شخص کو جس کنکر سے ہلاک کرنا ہوتا اس پر اس شخص کا نام لکھا ہوتا تھا ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کے پاس (یعنی) اس کی بادشاہی اور اس کی سلطنت میں ﴿لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے۔ ان کو ''مسرفین'' کا نام اس طرح دیا گیا ہے جس طرح ان کو ''عادین'' (تجاوز کرنے والے) کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کام میں حد سے بڑھنے والے اور سرکشی کرنے والے تھے اس لیے کہ انہوں نے صرف اسی کام پر اکتفاء نہیں کیا جو ان کے لیے مباح اور جائز قرار دیا گیا تھا۔

۳۵- ﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا ﴾ سو ہم نے ان کو نکال لیا جو اس بستی میں تھے اور ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ سب کو معلوم تھے ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ایمان داروں میں سے یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور جو افراد ان پر ایمان لے آئے تھے۔

۳۶- ﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایا یعنی گھر والوں کے سوا' اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے کیونکہ فرشتوں نے اہل ایمان کو یہاں پر ''مؤمنین'' اور ''مسلمین'' فرمایا ہے۔

۳۷- ﴿ وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں (یعنی) ان ہلاک شدہ لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں میں ایک علامت اور نشانی کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ اس سے ڈرنے والے نرم دل لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں' نہ کہ وہ لوگ جن کے دل سخت بدبخت ہو گئے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کی ہلاکت کی ایک علامت اور نشانی وہاں کا سیاہ اور بدبودار پانی ہے' جو تباہی کے وقت وہاں کی زمین میں سے باہر اُبل پڑا تھا۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

اور موسیٰ (کے واقعہ) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے اسے روشن سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا O سو وہ اپنے طاقتور لشکر سمیت پھر گیا اور اس نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت والا ہو گیا O اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر ہلاکت خیز سخت آندھی بھیجی O وہ کسی چیز پر نہ گزرتی مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر کے چھوڑتی O

فرعون' عاد' ثمود اور قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

۳۸- ﴿ وَفِيْ مُوْسٰى ﴾ یہ ''وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ'' پر یا پھر ''وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً'' پر معطوف ہے اور اس کا معنی یہ ہے: ''وَجَعَلْنَا فِيْ مُوْسٰى اٰيَةً'' اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ایک نشانی مقرر کر دی ہے' جیسے شاعر کا قول ہے: ''عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَاءً بَارِدًا'' میں نے اس کو چارہ میں گھاس پھونس دی اور ٹھنڈا پانی پلایا ﴿ اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ جب ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک واضح اور روشن سند کے ساتھ بھیجا تھا (یعنی) بالکل ظاہر حجت کے ساتھ بھیجا اور وہ حجت و سند ہاتھ اور عصا کا معجزہ تھا۔

۳۹- ﴿ فَتَوَلّٰى ﴾ سو اس نے ایمان قبول کرنے سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿ بِرُكْنِهٖ ﴾ اپنی اس قوت کے بل بوتے پر جس کے ذریعے وہ طاقتور بن چکا تھا اور وہ قوت اس کا لشکر و فوج اور اس کی حکومت تھی اور ''رکن'' سے مراد وہ مال و دولت اور لشکر و فوج ہے جس کی طرف انسان جھک جاتا ہے ﴿ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ اور فرعون نے کہا: یہ جادوگر ہے یا

دیوانہ ہے۔

۴۰۔ ﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴾ پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والا تھا یعنی فرعون ایسا کام کرنے والا تھا جس پر اسے ملامت کی جائے گی اور وہ اس کا کفر و عناد تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اس کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ O'' (الصافات: ۱۴۲) ''سو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا O'' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ملامت کے موجبات مختلف ہیں اور موجبات کے اختلاف کے اعتبار پر ملامت کی مقداریں مختلف ہوں گی' چنانچہ کفر و شرک کے مرتکب کو اس کی مقدار پر ملامت کی جائے گی اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ اور کسی اور لغزش کے مرتکب کو اس کی اپنی اپنی مقدار کے مطابق ملامت کی جائے گی [''وَهُوَ مُلِیْمٌ'' جملہ واؤ کے ساتھ ''فَاَخَذْنٰهُ'' کی ضمیر سے حال ہے]۔

۴۱۔ ﴿ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴾ اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہلاکت خیز آندھی بھیجی تھی۔ ''الریح العقیم'' اس سخت آندھی کو کہا جاتا ہے جس میں بارش پیدا کرنے اور درختوں پر پھل تیار کرنے کے لیے کسی قسم کی کوئی خیر و بھلائی نہیں ہوتی اور یہ تباہ و برباد اور ہلاک کرنے والی سخت آندھی ہوتی ہے اور اس آندھی میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس سمت سے چلتی ہے لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دُبور (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی پچھوائی ہوا) ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِکَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ''[1] بادِ صبا کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اور عاد کو دُبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔

۴۲۔ ﴿ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ ﴾ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر وہ گزرتی ہے مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر دیتی ہے۔ ''رمیم'' ہر گلی سڑی اور چورہ چورہ ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے یعنی بہت پرانی اور بوسیدہ چیز جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے خواہ ہڈی ہو یا کوئی کھیت اور پودے وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ یہ آندھی کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر بھی گزر جاتی ہے' اسے تباہ کر دیتی ہے' وہ انسان ہوں اور ان کے جانور ہوں اور ان کے اموال ہوں' وہ سب کو ہلاک کر دیتی ہے۔

وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا کَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

ع ۲۳ / ۱

اور ثمود (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ حاصل کر لو O سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں ایک گرج دار مہلک عذاب نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے رہ گئے O پھر وہ نہ تو کھڑے ہو سکے اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھے O اور قوم نوح (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جو پہلے تھی' بے شک وہ نافرمان قوم تھی O

۴۳۔ ﴿ وَفِیْ ثَمُوْدَ ﴾ اور ثمود میں (یعنی) اس کی ہلاکت میں بھی ایک نشانی ہے ﴿ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴾

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۲۲۴'۳' مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰

جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھالو جس کی تفسیر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: "تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ" (هود:۶۵) "تم اپنے گھروں میں تین دنوں تک فائدہ اٹھالو"۔

۴۴- ﴿فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے اس پر عمل کرنے سے تکبر کیا ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ تو انہیں کڑک دار عذاب نے پکڑ لیا اور ہر ہلاک کرنے والے عذاب کو "صَاعِقَةٌ" کہا جاتا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر "الصَّعْقَةُ" ہے اور یہ "صَعَقَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ" کا مصدر ہے جو نوع کے معنی میں ہے یعنی ایک مخصوص قسم کا سخت عذاب] ﴿وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ اور وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ عذاب دن کو آیا تھا' جس کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

۴۵- ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ﴾ پس وہ کھڑے نہ ہو سکے یعنی وہ لوگ عذاب کو دیکھ کر کہیں بھاگ کر نہ جا سکے یا وہ لوگ اس کا دفاع نہ کر سکے' یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "مَا يَقُوْمُ بِهٖ" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کے دفاع سے عاجز آ جائے ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور وہ عذاب سے بچنے والے نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ عذاب سے بچنے کے لیے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ "انتصار" کا معنی مقابلہ بھی آتا ہے۔

۴۶- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ "اَیْ وَاَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوْحٍ" یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کو ہلاک کر دیا تھا' اس لیے کہ اس معنی پر سابق کلام دلالت کر رہا ہے یا پھر اصل میں "وَاذْكُرْ قَوْمَ نُوْحٍ" اور (اے میرے محبوب!) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یاد کیجئے [ابوعمرو بصری' علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں مجرور پڑھا جاتا ہے: "اَیْ (وَ) فِیْ (قَوْمِ نُوْحٍ) اٰيَةٌ" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک نشانی ہے' اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "وفی قوم نوح" اس کی تائید کرتی ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ مذکورہ بالا ان قوموں کی ہلاکت سے پہلے اس قوم کو ہلاک کیا گیا تھا (کیونکہ) ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک وہ ایک نافرمان قوم تھی (یعنی) وہ کافر تھے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

اور ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم نے اسے ضرور بڑا وسیع و عریض بنایا O اور ہم نے زمین کو فرش بنایا' سو ہم بہت اچھا فرش بچھانے والے ہیں O اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو' بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے واضح ڈر سنانے والا ہوں O

قدرتِ الٰہی' توحید کی دعوت اور رسولوں پر کفار کی الزام تراشی

۴۷- ﴿وَالسَّمَآءَ﴾ اور ہم نے آسمان کو بنایا ہے [''السماء'' ایک ایسے فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ''بَنَیْنَا'' کر رہا ہے] ﴿بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ﴾ ہم نے اس (آسمان) کو اپنے ہاتھوں سے یعنی اپنی قوت و طاقت اور اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ یہاں ''اَیْدٌ'' سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ قوت اور قدرت مراد ہے[1] ﴿وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے اس کو بڑا کشادہ بنایا ہے' بے شک ہم بڑی قدرت والے ہیں۔ یہ ''وَسْعٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: قوت اور ''الموسع'' کا معنی ''القوی علی الانفاق'' یعنی خرچ کرنے پر قدرت واختیار رکھنے والا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے درمیان وسعت دینے والا ہے۔

۴۸- ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (یعنی) ہم نے زمین کو ہر چہار اطراف (مشرق و مغرب اور جنوب و شمال) میں پھیلا دیا اور اس کو بچھا دیا ہے [اور یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ''وَفَرَشْنَا الْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا''] ﴿فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ سو ہم سب سے بہتر بچھانے والے ہیں۔

۴۹- ﴿وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہر چیز میں سے (یعنی) ہر جاندار میں سے ہر ایک کے ﴿خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ﴾ ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں مذکر و مؤنث۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان' زمین اور رات' دن اور سورج' چاند اور صحرا' دریا اور موت' حیات' پھر انہوں نے متعدد چیزیں گنیں اور فرمایا: ہر دو چیزیں ایک دوسرے کا جوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ فرد ہے' واحد ہے اور احد ہے' اس کی کوئی مثل نہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو' یعنی یہ آسمان کی بناء اور زمین کا فرش اور تمام جوڑوں کی تخلیق سب کچھ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور تم اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

۵۰- ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو یعنی کفر و شرک سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی طرف دوڑو' یا شیطان کی اطاعت و فرماں برداری سے دُور ہو کر اللہ رحمٰن عزوجل کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف بھاگو' یا اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اسی اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو ﴿اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسنانے والا ہوں۔

۵۱- ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسنانے والا ہوں۔ ''نذیر مبین'' کا تکرار ایک تو پیغام کی تاکید کے لیے ہے' دوسرا کلام کی طوالت وعید (دھمکانے اور ڈرانے) میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

---

[1] اس آیت میں ''اید'' کا لفظ ہے' اس کا معنی قوت اور قدرت ہے یعنی ہم نے آسمان کو اپنی قوت اور قدرت سے بنایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اید''، ''ید'' کی جمع ہو اور اس کا معنی ہو: ہم نے آسمان کو (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کے ثبوت میں دو مذہب ہیں' ایک مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں اور وہ مخلوق کے ہاتھوں کی مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کیا کیفیت ہے' یہ ائمہ اربعہ اور متقدمین کا مذہب ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ ان الفاظ کی وجہ سے مخالفینِ اسلام' دین اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جسمانی اعضاء ہیں اور جسمانی اعضاء کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو انہوں نے ان الفاظ کی تاویل کی اور کہا: ہاتھوں سے مراد اس کی قدرت' اس کی قوت اور اس کا اقتدار ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۳۸۵)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح ان (قریشِ مکہ) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہہ دیا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہےO کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس کی وصیت کی تھی' بلکہ وہ سرکش لوگ تھےO سو آپ ان سے منہ پھیر لیں' پس آپ پر کوئی ملامت نہیںO اور آپ نصیحت کرتے رہیے' پس نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہےO

۵۲- ﴿كَذٰلِكَ﴾ معاملہ اسی طرح ہے اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہا' اسی طرح مشرکینِ عرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس اجمال کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم (قریش) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا ﴿اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ مگر انہوں نے کہا: یہ رسول جادوگر ہے یا دیوانہ ہے' اور انہوں نے محض اپنی جہالت کی وجہ سے جادوگر ہونے اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا تھا۔

۵۳- ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ کیا انہوں نے اس کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی۔ ''بہ'' کی ضمیر قول کی طرف لوٹتی ہے یعنی کیا پہلے لوگوں اور پچھلے لوگوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی یہاں تک کہ سب لوگوں نے متفق ہو کر یہی بات کہی ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ بلکہ وہ سرکش قوم ہے یعنی انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو ہرگز وصیت نہیں کی کیونکہ وہ ایک زمانہ میں ایک دوسرے سے نہیں ملے بلکہ ان سب کا سبب ایک ہے اور وہ سرکشی ہے اور یہی سرکشی انہیں اس بات پر اُبھارتی تھی۔

۵۴- ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ سو اے محبوب! آپ ان لوگوں سے منہ پھیر لیں جن کو آپ نے بار بار دعوتِ حق دی لیکن انہوں نے بغض وعناد کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا ﴿فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ سو آپ کو ملامت نہیں کیا جائے گا (یعنی) جب آپ نے رسالت کی تبلیغ کر دی اور حق کی دعوت دینے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دی تو اب اس کے بعد ان سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے پر آپ پر ملامت عائد نہیں ہوتی۔

۵۵- ﴿وَّذَكِّرْ﴾ اور آپ قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس بے شک نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہے کیونکہ ان کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

ع ۳

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں O میں ان سے نہ رزق چاہتا ہوں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں O بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت رزق دینے والا بڑی مضبوط قوت والا ہے O سو بے شک ظالموں کے لیے عذاب کا حصہ ہے' جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے' سو وہ مجھ سے جلدی نہ مانگیں O سو کافروں کے لیے ان کے اسی دن سے عذاب ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے O

جن وانس کی تخلیق کا مقصد اور کفار کی سزا کا بیان

۵۶- ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اگر عبادت کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ آیت عام نہیں ہوگی کہ تمام جن وانس مراد ہوں بلکہ مخصوص ہوگی اور اس صورت میں جنوں اور انسانوں دونوں فریقوں میں سے صرف اہل ایمان مراد ہوں گے' اس کی دلیل کلام کا سیاق وسباق ہے یعنی ''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ O'' ''اور اے محبوب! آپ نصیحت کرتے رہیے' سو بے شک نصیحت کرنا مؤمنوں کو نفع دیتا ہے O'' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت بھی اس کی تائید کرتی ہے' چنانچہ آپ کی قراءت میں اس طرح ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ'' ''اور میں نے مؤمنین میں سے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور یہ قراءت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو بھی عبادت کے لیے پیدا کرے جن کے متعلق اسے خوب معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لیے پیدا کیا اور ان سے عبادت کا ارادہ فرمالیا تو اب ان کی طرف سے عبادت کا پایا جانا ضروری اور لازمی ہے لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کے لیے نہیں بلکہ دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ'' (الاعراف:۱۷۹) ''اور بے شک ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے'' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی معنی منقول ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ صرف میرے بندے بن جائیں اور وجہ یہ ہے کہ اگر عبادت کو توحید پر محمول کیا جائے تو یقیناً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر وہ جگہ جہاں عبادت ذکر کیا گیا ہے' اس سے توحید مراد ہے اور آخرت میں تمام جن وانس اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے مؤحد بن جائیں گے' جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تمام کفار مسلمان مؤحد بن جائیں گے' جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ O'' (الانعام:۲۳) ''پھر ان کا کفر و انکار نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے O'' ہاں! البتہ جنوں اور انسانوں میں سے بعض نے یقیناً دنیا میں شرک کیا لیکن آخرت کی ابدی اور دائمی مدت کی بہ نسبت دنیا کی مدت ایک دن سے کم ہوگی اور جس شخص نے ایک غلام خریدا اور کہا کہ میں نے صرف کتابت کے لیے خریدا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں کسی ایک دن اسے کسی دوسرے کام میں استعمال کیا ہو۔

۵۷- ﴿مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں ان سے رزق نہیں چاہتا (یعنی) میں نے انہیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے لیے خود رزق پیدا کریں یا میرے بندوں میں سے کسی کے لیے رزق پیدا کریں (کیونکہ رزق میرے ذمے ہے) ﴿وَمَا

﴿اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ﴾ اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ثعلب نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میرے بندوں کو کھلائیں اور یہ تخصیص کی اضافت ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی ہے: ''مَنْ اَکْرَمَ مُؤْمِنًا فَقَدْ اَکْرَمَنِیْ وَمَنْ اٰذٰی مُؤْمِنًا فَقَدْ اٰذَانِیْ'' جس نے کسی مسلمان کی تعظیم کی تو بے شک اس نے میری تعظیم کی اور جس نے کسی مسلمان کو اذیت و تکلیف دی تو اس نے یقیناً مجھے اذیت دی[1]

۵۸- ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت رزق دینے والا مضبوط قوت والا ہے ''متین'' کا معنی ہے: زبردست طاقتور [اور ''المتین'' ''ذو'' کی صفت واقع ہونے کی بناء پر مرفوع ہے جب کہ اعمش نے اسے ''قوۃ'' کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا ہے اس تاویل پر کہ ''قوۃ'' بہ معنی اقتدار ہے]۔

۵۹- ﴿فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ سو بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا یعنی اہل مکہ میں سے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو جھٹلایا ﴿ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾ عذاب کا حصہ ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے مشرکین عرب کے لیے مقرر حصہ ہے' جس طرح گزشتہ ہلاک شدہ ان جیسی مشرک قوموں کے لیے عذاب کا حصہ ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ لغت میں ''ذنوب'' کا معنی نصیب اور حصہ ہے ﴿فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ سو تم مجھ سے نزولِ عذاب کو جلدی نہ مانگو اور یہ نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے جواب ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیا تھا۔

۶۰- ﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ﴾ پس کافروں کے لیے ان کے اس دن سے عذاب ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کے دن سے اور بعض اہل علم نے کہا: غزوۂ بدر کے دن سے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وقف اور حالت وصل دونوں میں ''یا'' کے ساتھ 'لِیَعْبُدُوْنِیْ' 'اَنْ یُّطْعِمُوْنِیْ' 'فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِیْ' پڑھا جاتا ہے اور سہل نے وصل کی حالت میں یعقوب کی موافقت کی اور باقی قراء نے ''یا'' کے بغیر پڑھا ہے]۔

رکوعاتہا ۲	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	سورۃ الطور مکیۃ ۵۲ آیاتہا ۴۹

سورۃ الطور مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی انچاس آیات' دو رکوع ہیں

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ یَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا ۝۱۰ فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳

وقف لازم

طور (کے پہاڑ) کی قسم! ○ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم! ○ کھلے ہوئے باریک کھال کے ورق میں ○ اور بیت معمور کی

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۵۸۰۶' انظرہ فی فیض القدیر رقم الحدیث: ۸۵۱۲' ومیزان الاعتدال للذہبی رقم الحدیث:

قسم !O اور بلند چھت کی قسم !O اور بھرے ہوئے سمندر کی قسم !O بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہوگا O اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہے O اس روز آسمان تھرتھرا کر گھوم رہا ہوگا O اور پہاڑ خوب تیزی سے چل رہے ہوں گے O سو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی O جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیل رہے ہیں O اس دن انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر دھکیلا جائے گا O

قیامت برپا ہونے کی قسموں اور منکرین کے لیے عذاب کا بیان

(نوٹ) سورۃ الطّور مکی ہے اور اس کی کل آیات انچاس (۴۹) ہیں۔

۱۔ ﴿وَالطُّوْرِ﴾ قسم ہے طور پہاڑ کی!' یہ وہ پہاڑ ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست کلام کیا تھا اور یہ پہاڑ مدین کے علاقے میں ہے۔

۲۔ ﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم!' یہ قرآن مجید ہے اور اس کو معرفہ کی بجائے نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ تمام دیگر کتب کے درمیان مخصوص وممتاز اور معروف ومشہور کتاب ہے (اسے معرفہ لانے کی ضرورت نہیں) یا اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے یا پھر تورات مراد ہے۔

۳۔ ﴿فِيْ رَقٍّ﴾ باریک کھال کے ورق میں۔ ''رق'' کا معنی صحیفہ ہے یا ایسی کھال (جسے رگڑ رگڑ کر کاغذ کی طرح باریک وملائم کر کے) اس میں لکھا جاتا ہو ﴿مَّنْشُوْرٍ﴾ پھیلا ہوا اور کھلا ہوا خط جس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو یا ظاہر وعیاں اور روشن کتاب۔

٤۔ ﴿وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ اور بیتِ معمور کی قسم!یعنی''ضُرَّاح'' (بلند وبالا گھر) اور یہ کعبہ معظّمہ کے مقابل اوپر آسمان میں ایک گھر ہے (اور''بیت معمور'' کا مطلب ہے: آباد گھر) اور اس کے آباد ہونے کا یہ معنی ہے کہ فرشتے اس کی بہت کثرت سے زیارت کرتے ہیں اور مروی ہے کہ ہر روز ستّر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں اور باہر نکل جاتے ہیں اور جو فرشتے ایک دفعہ داخل ہو کر زیارت کر لیتے ہیں پھر انہیں دوبارہ کبھی نہیں لوٹایا جائے گا[1] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''البیت المعمور'' سے کعبہ معظّمہ مراد ہے اور اسے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں اور زیارت کی خاطر آنے جانے والوں سے آباد رکھا جاتا ہے۔

۵۔ ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ اور بلند وبالا چھت کی قسم! یعنی آسمان کی یا عرش کی قسم!

٦۔ ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ اور پانی سے لبریز اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی قسم! یا بھڑکائے ہوئے موجزن سمندر کی قسم! [پہلی واؤ قسم کی ہے اور باقی تمام عطف کے لیے ہیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے:)]

[1] ''البیت المعمور'' کا لفظی معنی ہے: آباد شدہ گھر' اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ لوگ اس کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اور حج کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے سورۂ توبہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں اور اس کو آباد کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کو قندیلوں اور فرش سے مزین کیا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''البیت المعمور'' ساتویں آسمان میں ہے۔ اس میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہوتا ہے وہ دوبارہ قیامت تک داخل نہیں ہوتا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷- ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب یعنی جس عذاب سے کفار کو ڈرایا گیا ہے وہ ﴿لَوَاقِعٌ﴾ ضرور نازل ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات چیت کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوا' سو میں نے آپ کو فجر کی نماز میں پایا' آپ اس وقت سورۃ الطّور پڑھ رہے تھے' چنانچہ جب آپ ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ'' پر پہنچے تو میں نے فوراً دل سے اسلام قبول کر لیا' محض اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں مجھ پر عذابِ الٰہی نازل نہ ہو جائے۔

۸- ﴿مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ﴾ اس کو کوئی روکنے والا نہیں روک سکتا' نہ اسے کوئی منع کرنے والا منع کر سکتا ہے [اور یہ جملہ ''لَوَاقِعٌ'' کی صفت ہے] یعنی عذابِ الٰہی ضرور واقع ہوگا' اسے کسی صورت میں نہیں روکا جا سکتا۔

۹- ﴿يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا﴾ اس دن آسمان کانپتے ہوئے چکی کی طرح گھوم رہا ہوگا [''یوم'' کا عامل ''لَوَاقِعٌ'' ہے یعنی اس روز عذابِ الٰہی ضرور واقع ہوگا یا پھر ''اذکر'' محذوف عامل ہے یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس روز آسمان تھرتھرا کر گھومنے لگے گا]۔

۱۰- ﴿وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ اور پہاڑ ہوا میں بادلوں کی طرح چلنے لگ جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

۱۱- ﴿فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ سو اس روز جھٹلانے والوں کے لیے عذابِ الٰہی اور ہلاکت و تباہی ہوگی۔

۱۲- ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیلتے ہیں۔ ''خوض'' کا اکثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ ہر آسمان میں زمین کے کعبہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''البیت المعمور'' آسمان میں ہے اور اس کو ''الضراح'' (دور اور بلند) کہتے ہیں۔ یہ ''بیت الحرام'' کی مثل اور اس کی سیدھ میں ہے۔ اگر وہ اوپر سے گرے تو کعبہ کے اوپر گرے گا' اس میں ہر روز ایسے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اس کو نہیں دیکھا اور اس کی آسمان میں ایسی حرمت ہے جیسی مکہ مکرمہ کی حرمت ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے: اسحاق بن بشر ابو حذیفہ' وہ متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۴' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ) قاضی بیضاوی نے آل عمران کی تفسیر میں کہا ہے کہ ''البیت المعمور'' کعبہ کی جگہ پر تھا' اس کا نام ''الضراح'' تھا' فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا حج کریں اور اس کا طواف کریں اور جب طوفانِ نوح آیا تو اس کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہاں فرشتے اس کا طواف کرتے تھے اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ ''البیت المعمور'' ساتویں آسمان میں ہے' یہ اس کے منافی ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر آسمان میں مکہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جو کعبہ کی جگہ ''البیت المعمور'' تھا' اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور وہ چوتھے آسمان میں ہے' اسی طرح امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے لیکن یہ عبارت قاضی بیضاوی کی اس تحریر کے خلاف ہے کہ ''البیت المعمور'' کو طوفانِ نوح کے وقت چوتھے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور روایت ہو' نیز ''البیت المعمور'' بھی متعدد ہیں۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۶' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۳۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ) (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۳۵-۴۳۶)

استعمال باطل و ناحق اور ناجائز و جھوٹی باتوں میں مشغول رہنے کے لیے ہوتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ O'' (المدثر: ۴۵) ''اور ہم بے ہودہ گوئی کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گوئی کرتے تھے O''۔

۱۳- ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ اور اس روز ان کو دھکے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ ''دَعٌّ'' کا معنی ہے: سخت نفرت کے ساتھ زور سے دھکا دینا اور یہ اس لیے کہ قیامت کے روز دوزخ کے داروغے فرشتے کفار کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور ان کو چہروں اور گدیوں کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں دھکے دے کر دھکیل دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا:

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

(اور انہیں کہا جائے گا:) یہ ہے دوزخ کی وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے O تو کیا یہ جادو ہے یا تم اسے نہیں دیکھ رہے O تم اس کے اندر داخل ہو جاؤ' سو تم اب صبر کرو یا نہ کرو' تمہارے لیے برابر ہے' بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں پر سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے O

۱۴- ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ یہ دوزخ کی آگ کا وہ عذاب ہے جس کو دنیا میں تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۵- ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ﴾ تو کیا یہ جادو ہے یعنی تم قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ جادو ہے تو تمہاری اس بکواس پر تمہیں جو عذاب دیا جارہا ہے کیا یہ بھی جادو ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ مصداق (دوزخ کا عذاب) بھی جادو ہے؟ [اور اسی معنی کی بناء پر ''فا'' کو داخل کیا گیا ہے اور ''هٰذَا'' مبتدا ہے اور ''اَسِحْرٌ'' اس کی خبر ہے] ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یا تم نہیں دیکھتے جیسا کہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے یعنی کیا تم مخبر عنہ (عذاب دوزخ) سے اندھے ہو جیسا کہ تم دنیا میں اس کی خبر سے اندھے بن گئے تھے اور یہ دراصل انہیں ڈانٹنا اور ان کا مذاق اُڑانا ہے۔

۱۶- ﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ﴾ تم اس میں داخل ہو جاؤ' سو اب تم صبر کرو یا تم صبر نہ کرو تم پر برابر ہے' تمہارا عذاب کسی صورت میں ختم نہیں ہوگا۔ ''سوآء'' کی خبر محذوف ہے یعنی ''سَوَآءٌ عَلَيْكُمُ الْاَمْرَانِ'' تم پر دونوں عمل صبر کرنا یا چیخنا چلانا برابر ہیں اور بعض نے کہا کہ معاملہ برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر اور بے صبری کے برابر و یکساں ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کی سزا دی جارہی ہے جو تم کرتے رہے تھے کیونکہ مصیبت پر صبر کرنا فضیلت ہے کہ آخرت میں اس کا نفع ہوگا کہ صابر کو جزائے خیر عطا کی جائے گی لیکن عذاب الٰہی پر صبر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ تو خود سزا ہے' اس لیے اس مصیبت پر صبر کرنا فضیلت نہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ امْرِیٴٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿۲۱﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

بے شک پرہیزگار بہشتوں اور نعمتوں میں ہوں گےO وہ ان نعمتوں پر خوش ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا فرمائے گا' اور انہیں ان کا پروردگار دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گاO (انہیں کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک اعمال کا صلہ ہے جو تم کرتے تھےO قطار در قطار بچھائے گئے پلنگوں پر وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے' اور ہم بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گےO اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے' ہر شخص اسی کے ساتھ گروی ہے جو کچھ اس نے کمایاO اور ہم پھلوں اور گوشت سے ان کی مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گےO

پرہیزگار مسلمانوں کے لیے آخرت کے انعامات کا بیان

۱۷- ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں میں آرام کریں گے اور وہ کس قدر عمدہ اور اعلیٰ ہوں گی اور وہ مختلف نعمتوں میں لذت و مزہ حاصل کریں گے اور وہ کس قدر لذیذ و مزہ دار ہوں گی یعنی وہ اپنی ہر صفت میں کامل ترین ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ وہ ایسی بہشتوں اور ایسی نعمتوں میں ہوں گے جو صرف پرہیزگاروں کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور خاص انہیں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

۱۸- ﴿فٰكِهِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ وہ خوش ہو کر ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جو انہیں ان کے پروردگار نے عطاء کی ہوں گی [''فـاكـهـيـن'' ظرف کی ضمیر سے حال ہے اور ظرف خبر ہے] ﴿وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا [یہ ''فِـیْ جَـنّٰـتٍ'' پر معطوف ہے یعنی بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نعمتوں میں ٹھہریں گے اور انہیں ان کے رب تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب سے محفوظ کر دیا' یا پھر یہ ''مَـا اٰتـٰهُـمْ رَبُّهُمْ'' پر معطوف ہے اس بناء پر کہ ''مَا'' مصدریہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بخشش پر اور دوزخ سے محفوظ ہونے پر خوش ہوں گے یا پھر واؤ حال کے لیے ہے اور اس کے بعد ''قَدْ'' مضمر ہے]۔

۱۹- ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان (پرہیزگاروں) سے فرمایا جائے گا کہ تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو' یہ ان نیک کاموں کا صلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے ''هنيئا'' کا معنی ہے: ایسا خوشگوار ہاضمہ دار طعام اور مشروب کہ اس کے بعد بدہضمی نہ ہو [''هَـنِـيْـئًا'' اَكْلًا وَشُـرْبًا'' کی صفت ہے' اصل میں ''كُـلُـوْا وَاشْـرَبُـوْا اَكْلًا وَشُـرْبًا هَنِيْئًا اَوْ طَعَامًا وَّشَرَابًا هَنِيْئًا'' ہے]۔

۲۰- ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگوں پر تکیے لگا کر وہ بیٹھے ہوں گے۔ ''مـصـفـوفـة'' کا معنی ہے: ایک دوسرے کے قریب صف بستہ ہوں گے [''مُتَّكِـِٕيْنَ''، ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے اور ''سُرُرٌ''، ''سَرِيْرٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ اور ہم نے بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ان کا بیاہ کر دیا (یعنی) ہم نے پرہیزگاروں کو حوروں کے ساتھ ملا دیا۔ ''حـور''، ''حـوراء'' کی جمع ہے'

''عین'' کا معنی ہے: بڑی بڑی حسین وجمیل آنکھیں۔

مسلمان والدین کی مسلمان اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے گا

۲۱- ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے یعنی ہم اولاد کو ایمان اور نیک اعمال کے سبب ان کے باپ دادوں کے درجات میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اگرچہ اولاد کے اعمال ماں باپ کے اعمال سے کم تر ہوں گے[1] اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ بے شک اولاد اگرچہ استدلال کے ذریعے اپنے ماں باپ کے ایمان کے درجہ

[1] اس آیت مبارکہ کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے چار روایات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے ساتھ جنت کے درجہ میں بلند فرمائے گا' خواہ مؤمن کی اولاد کا عمل اس سے کم ہو' تاکہ اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھ کر مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو مؤمن کے ساتھ اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا خواہ اس کی اولاد کا عمل اس کے برابر نہ ہو' تاکہ اولاد کی وجہ سے مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۴۸تا۳۲۲۳۴۲۳۲۳۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور ''ذریۃ'' سے مراد تابعین ہیں اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر آباء کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ ''ابناء'' کو آباء کے درجہ میں رکھ دے گا اور اگر ''ابناء'' کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ آباء کو ''ابناء'' کے درجہ میں رکھ دے گا' پھر آباء ''ذریۃ'' کے لفظ میں داخل ہو جائیں جیسا کہ اس آیت میں آباء ''ذریۃ'' میں داخل ہیں: ''وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ O'' (یٰسین: ۴۱) ''اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء کو (یعنی نسل انسانی کے آباء کو) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا O''۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ماں باپ' اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے متعلق سوال کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ انہوں نے وہ درجہ نہیں پایا جو تمہیں حاصل ہے' پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے بھی عمل کیا ہے اور ان کے لیے بھی عمل کیا ہے' پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ ان کو اس کے درجہ کے ساتھ ملا دیا جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۴۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمان بن غزوان ضعیف راوی ہے)۔

(نوٹ) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور احادیث میں یہ بھی ہے کہ نابالغ اولاد کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس مسلمان کو جنت میں داخل کر دیں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی ان بچوں پر شفقت ورحمت اور اس کا فضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

(۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک نہ پہنچے بلکہ انہوں نے محض اپنے ماں باپ کی تقلید کر کے ایمان قبول کیا ہو تو پھر بھی انہیں اپنے ماں باپ کے ساتھ ملا دیا جائے گا [نافع مدنی کی قراءت میں پہلا مفرد مرفوع ''ذُرِّيَّتُهُمْ'' اور دوسرا جمع ''تا'' مکسور کے ساتھ ''ذُرِّيَّاتِهِمْ'' ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں جگہ جمع پڑھا گیا ہے مگر پہلے میں ''تا'' مرفوع ''ذُرِّيَّاتُهُمْ'' ہے اور دوسرے میں ''تا'' مکسور ''ذُرِّيَّاتِهِمْ'' ہے (ابن کثیر مکی اور کوفیوں کی قراءت میں دونوں جگہ مفرد ہے اور ''تا'' مرفوع ہے)] ﴿وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ﴾ اور ہم مؤمنوں کے عمل میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے یعنی ہم ان کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''أَلِتْنَا'' پڑھا گیا ہے کیونکہ ''أَلَتَ يَأْلِتُ'' (باب ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'') اور ''أَلِتَ يَأْلَتُ'' (باب ''سَمِعَ يَسْمَعُ'') دونوں لغتیں مستعمل ہیں' نیز اس میں پہلا حرف ''مِنْ''، ''أَلَتْنَاهُمْ'' کے متعلق ہے اور دوسرا حرف ''مِنْ'' زائدہ ہے (معنی سے خالی صرف تحسین کلام کے لیے ہے)] ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ ہر شخص اس میں گروی ہے جو اس نے کمایا ہے۔ یہاں ''رهين'' بہ معنی مرہون ہے' سو ہر مؤمن اپنے عمل کے ساتھ گروی ہے اور اسے اس کے عمل کے مطابق جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۲۲- ﴿وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ اور ہم ان کی پھلوں اور گوشت سے مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گے (یعنی) اور ہم پھل فروٹ' میوہ جات اور گوشت ان کو وقتاً فوقتاً بڑھ چڑھ کر عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور پسند کریں گے' اگرچہ وہ سوال نہیں کریں گے۔

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وعظ کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے' سو آپ نے ان کو وعظ کیا اور فرمایا: جس عورت کے بھی تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے' ایک عورت نے کہا: اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۸۹۷)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بندے کا جنت میں مرتبہ بلند فرماتا ہے' وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مجھے یہ مرتبہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہاری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۶' دار الفکر' بیروت) شیخ قنوجی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۴۳۵) (مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۶ ص ۳۵۶' رقم الحدیث:۱۰۶۱۰' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۶۔ ج ۳ ص ۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۶۰' مسند البزار رقم الحدیث:۳۱۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۵۱۰۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸۔۷۹)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۶۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲) (نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۴۴۔۴۴۷)

قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ﴿۲۸﴾ ع

وہ اس میں ایک دوسرے سے جام لیں گے اس میں نہ فضول گفتگو ہوگی اور نہ گناہ ہوگا O اور ان کے خدام ان کے اردگرد خدمت کے لیے گھوم رہے ہوں گے گویا وہ (خوب صورتی میں) چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں O اور وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے احوال دریافت کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف خدا رکھنے والے تھے O سو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں زہریلے عذاب سے بچالیا O بے شک ہم اس سے پہلے اسی کی عبادت کرتے رہے تھے' بے شک وہ بہت احسان کرنے والا بے حد مہربان ہے O

۲۳ - ﴿ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا ﴾ وہ ایک دوسرے سے اس میں جام لیں گے (یعنی) جنتی جنت میں ایک دوسرے سے جنتی پاکیزہ شراب سے بھرے ہوئے جام اور گلاس لیں گے۔ دراصل جنتی حضرات اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ بیٹھے ہوں گے اور محبت و پیار اور ہنسی خوشی میں ایک دوسرے کو شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر پلائیں گے اور ہر جنتی اپنے دوست کے ہاتھ سے جنتی شراب کے جام لے گا' یہ اس سے لے گا اور وہ اس سے لے گا ﴿ لَّا لَغْوٌ فِیْهَا ﴾ اس شراب کے پینے میں کوئی بے ہودگی کی گفتگو نہیں ہوگی (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے پر بے ہودہ بکواس کی جاتی ہے) ﴿ وَلَا تَاْثِیْمٌ ﴾ اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی یعنی ان کے درمیان کوئی لغو اور باطل بات نہیں ہوگی اور نہ کوئی ایسا کام ہوگا جس میں گناہ ہو' اگر اسے کرنے والا دنیا میں کرے جیسے جھوٹ بولنا اور گالیاں دینا وغیرہ وغیرہ جیسے دنیا کے شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کیونکہ ان کی عقلیں صحیح سلامت اور ثابت و قائم رہیں گی' چنانچہ جنتی حضرات شراب پینے کے باوجود حکمت بھری اور عمدہ اچھی گفتگو کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''لا'' کے اسم دونوں جگہ بغیر تنوین مفتوح ''لَا لَغْوَ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمَ'' پڑھے گئے ہیں]۔

۲۴ - ﴿ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ ﴾ اور نوجوان خدام شراب کے جام لے کر خدمت کے لیے ان کے اردگرد گھوم رہے ہوں گے اور یہ جنتی نوجوان خدام ان کی ملکیت میں ہوں گے یعنی ان کے مملوک ہوں گے ﴿ لَّهُمْ ﴾ وہ غلمان انہیں (جنتیوں) کے ساتھ مخصوص ہوں گے ﴿ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ وہ رنگ کی سفیدی اور جسم کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے گویا سیپی میں چھپائے ہوئے چمک دار موتی ہیں کیونکہ وہ تروتازہ ہونے کی وجہ سے حسین و جمیل اور پاکیزہ ترین ہوں گے یا وہ ذخیرہ کردہ خزانے ہیں جو بہت گراں قدر قیمتی اثاثہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی کی شان یہ ہوگی کہ جب وہ اپنے خدام میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو دروازے پر ایک ہزار خادم اسے جواب دیتے ہوئے کہے گا: ''لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ'' میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں[1]

۲۵ - ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں پوچھیں گے (یعنی) جنتی حضرات آپس میں ایک دوسرے سے اس کے احوال پوچھیں گے اور ایک دوسرے سے نیک اعمال کے بارے میں اور ان نعمتوں کے بارے میں پوچھیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانے اور حاصل کرنے کے مستحق ہوئے۔

۲۶ - ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴾ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ بے شک ہم اس سے پہلے دنیا میں

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب: ۲۶' مسلم فی کتاب الاستسقاء رقم الحدیث: ۱۷' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۲۲۔۲۲۸

اپنے گھر والوں میں خوف زدہ رہتے تھے یعنی وہ دلوں کے نرم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوا کرتے تھے یا وہ ایمان کے چھن جانے اور امانِ الٰہی کے فوت ہونے سے خوف زدہ رہتے تھے یا وہ نیکیوں کے ردّ کیے جانے سے اور بُرائیوں پر گرفت سے ڈرتے رہتے تھے۔

۲۷- ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت و بخشش اور ہم پر رحمت و مہربانی فرما کر بہت بڑا احسان کیا ہے ﴿وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ اور اس نے ہمیں زہریلی گرم ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ''سموم'' ایسی تیز گرم ہوا ہے جو جسم کے تمام مسامات میں داخل ہو جائے گی اور زہر کی طرح فوراً اثر کرے گی' سو دوزخ کی آگ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ بھی اسی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

۲۸- ﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے اور اس کی طرف لوٹ کر آنے سے پہلے دنیا میں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے تھے' اس کے علاوہ کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے تھے اور ہم دوزخ کے عذاب سے بچنے کی درخواست اسی سے کرتے تھے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ﴾ بے شک وہی احسان کرنے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ بڑا مہربان ہے' جب اس کی عبادت کی جاتی ہے تو وہ ثواب عطا فرماتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جائے تو وہ شرفِ قبولیت سے جواب عطاء فرماتا ہے [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ ''اَنَّهٗ'' ہے یعنی اصل میں ''بِاَنَّهٗ'' ہے یا ''لِاَنَّهٗ'' ہے]۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾

سو آپ نصیحت کیجئے' پس آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں O کیا وہ کہتے ہیں کہ (آپ) شاعر ہیں ہم ان پر زمانہ کی مصیبت کا انتظار کر رہے ہیں O آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو' سو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O کیا ان کی عقلیں انہیں اسی بات کا حکم دیتی ہیں یا وہ سرکش ہیں O کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود آپ قرآن کو گھڑ لیا ہے' (ایسا نہیں) بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے O سو وہ اس کی مثل کوئی ایک بات بنا کر لائیں اگر وہ سچے بنتے ہیں O کیا وہ کسی چیز کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں O کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (ہرگز نہیں!) بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے O

کفار کے فاسد نظریات اور ان کی الزام تراشیوں کی تردید

۲۹- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ نصیحت کرتے رہیں اور آپ لوگوں کو بھلائی کی خاطر وعظ و نصیحت جاری رکھیں ﴿فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾ پس آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون و

دیوانہ ہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت ومہربانی کی بدولت اور آپ پر نبوت ورسالت اور وافر مقدار میں عقل و دانش کے انعامِ الٰہی کی بدولت نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں جیسا کہ کفار نے گمان کر رکھا ہے [اور یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور تقدیرِ عبارت یہ ہے: ''لَسْتَ كَاهِنًا وَلَا مَجْنُوْنًا مُلْتَبِسًا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ''] آپ نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں بلکہ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ متصف ہیں۔

۳۰- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ ''هُوَ'' ﴿شَاعِرٌ﴾ کیا کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی آپ) شاعر ہیں ('' شَاعِرٌ'' مبتدا محذوف ''هُوَ'' کی خبر ہے) ﴿نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ ہم ان پر زمانہ کی گردش اور اس کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں یعنی ہم ان (حضور) پر زمانے کے مصائب وآلام کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں جیسے ان سے پہلے کے شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ ہلاک ہو گئے [ان آیات کے شروع میں حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور وہ ''بَلْ'' اور ہمزہ کے معنی میں ہے]۔

۳۱- ﴿قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ تم انتظار کرو سو میں بھی یقیناً انتظار کرنے والوں میں سے ہوں یعنی میں بھی تمہاری ہلاکت کا انتظار کر رہا ہوں' جس طرح تم میری ہلاکت کا انتظار کر رہے ہو۔

۳۲- ﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ﴾ کیا ان کی عقلیں انہیں اسی متضاد بات کا حکم دیتی ہیں کہ وہ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر کہتے ہیں اور کبھی مجنون کہہ دیتے ہیں اور قریشِ مکہ اپنے آپ کو عقل مند اور دانش ور کہلواتے تھے۔ ''احلام'' بہ معنی ''عقول'' ہے ﴿اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو بغض وعناد میں حد سے بڑھ جانے والے ہیں' اس کے باوجود کہ ان پر حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے [اور امر کا ''احلام'' کی طرف اسناد مجازی ہے]۔

۳۳- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ﴾ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے خود گھڑ لیا ہے (یعنی) کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس قرآن مجید کو اپنی طرف سے خود گھڑ لیا ہے ﴿بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ ''بَلْ'' سے ان کے قول کی تردید کی گئی ہے یعنی یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے' جس طرح ان بدطینت کفار نے گمان کر لیا ہے بلکہ وہ اپنے کفر وعناد کی وجہ سے ایسے طعنوں کے ذریعے الزام تراشی کرتے ہیں باوجود یہ کہ وہ اپنے قول کو باطل وجھوٹا جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قرآن کریم کو خود نہیں گھڑ سکتے کیونکہ تمام عرب قرآن سے عاجز آ چکے ہیں اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی عرب میں سے ایک فرد ہیں۔

۳۴- ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس قرآن مجید کی مثل کم از کم ایک بات گھڑ کر پیش کریں' اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے بنتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کیا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم ان کی زبان میں ہے اور وہ اپنے آپ کو فصحاء سمجھتے ہیں۔

۳۵- ﴿اَمْ خُلِقُوْا﴾ کیا وہ خود بہ خود ایجاد کیے گئے ہیں اور کیا اس تقدیر اور انداز پر خود بہ خود پیدا کیے گئے جس پر ان کی فطرت ہے ﴿مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ بغیر کسی پیدا کرنے والے مدبر اور منصوبہ ساز کے ﴿اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں (یعنی) یا انہوں نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے' اس لیے وہ خالق کی عبادت نہیں کرتے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ کیا وہ عبث اور بے مقصد پیدا کیے گئے ہیں' نہ ان کے لیے جزاء وسزا ہو گی اور نہ ان کا حساب وکتاب ہو گا یا وہ خود خالق و پیدا کرنے والے ہیں' پس اس لیے وہ اطاعت وفرماں برداری نہیں کرتے۔

۳۶- ﴿اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ سو اس لیے وہ ان آسمانوں

اور زمین کے خالق و مالک کی عبادت نہیں کرتے ﴿بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ تو یقین ہی نہیں رکھتے یعنی وہ لوگ آیاتِ مبارکہ میں غور و فکر اور تدبر نہیں کرتے' ورنہ یہ جان لیتے کہ خود ان کا خالق اور آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾

کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہی کے پاس ہیں یا وہی نگران ہیںO کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمانی خبریں) سن لیتے ہیں' سو ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرےO کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیںO کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں' پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیںO یا ان کے پاس غیب ہے' پس وہ لکھ لیتے ہیںO

۳۷- ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ﴾ کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جیسے نبوت و رسالت اور رزق وغیرہ' پس وہ جتنا چاہیں جس کو چاہیں اس کے ساتھ مخصوص کر دیں ﴿اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ﴾ یا وہ غالب و زبردست ارباب و خدا ہیں یہاں تک کہ وہی ربوبیت کے معاملے کی تدبیر و منصوبہ بندی کریں گے اور وہی دیگر اُمور کی اپنی مشیت و ارادے کے مطابق وضاحت کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں سین کے ساتھ ''المسیطرون'' پڑھا جاتا ہے]۔

۳۸- ﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ﴾ کیا ان کے لیے کوئی سیڑھی نصب کی گئی ہے جس کے ذریعے وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں ﴿يَسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ کہ وہ اس میں پہنچ کر فرشتوں کا کلام اور جو علمِ غیب میں سے ان کی طرف وحی کی جاتی ہے' اس کو کان لگا کر غور سے سن لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کی ہلاکت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو جائیں گے اور آخرت میں آپ نہیں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اس کلام میں ''فِيْهِ'' بہ معنی ''عَلَيْهِ'' ہے یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کا کلام سن لیتے ہیں ﴿فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سو ان کا سننے والا ایک روشن دلیل اور واضح حجت پیش کرے جو ان کے سننے والے کی سماعت کی تصدیق کرے۔

۳۹- ﴿اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ﴾ کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں کفارِ عرب کی عقلوں کی حماقت پر تنبیہ فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ان چیزوں کو (یعنی بیٹیوں کو) پسند کیا جن کو خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں بڑا دانا سمجھتے ہیں۔

۴۰- ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا﴾ کیا آپ اسلام کی تبلیغ پر اور عذابِ الٰہی سے ڈرانے پر ان سے اجرت طلب کرتے ہیں؟ ﴿فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴾ پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ ''مغرم'' وہ تاوان جو کسی انسان پر لازم کر دیا جائے جو اس پر لازم نہ ہو یعنی ان پر ایسا بھاری بوجھ لازم کر دیا گیا جس نے انہیں بوجھ تلے دبا دیا' سو اس لیے وہ آپ کی اتباع سے دور بھاگتے ہیں۔

۴۱- ﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ یا ان کے پاس غیب ہے یعنی کیا لوحِ محفوظ انہیں کے پاس ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ پس وہ لکھ لیتے ہیں جو کچھ اس میں درج ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے اور اگر ہم مرنے کے

بعد زندہ کرکے دوبارہ اٹھائے بھی گئے تو ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ؕ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہُمُ الۡمَکِیۡدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ اَمۡ لَہُمۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ اِنۡ یَّرَوۡا کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡکُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرۡہُمۡ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ فِیۡہِ یُصۡعَقُوۡنَ ﴿۴۵﴾

کیا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں' سو کفار خود ہی دھوکے کا شکار ہو جائیں گے O کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جسے وہ شریک کرتے ہیں O اور اگر وہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے : یہ تو اوپر تلے کیا ہوا بادل ہے O سو آپ انہیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملاقات کریں جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے O

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی فریب کاریوں پر صبر کرنے کا حکم

۴۲- ﴿ اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ؕ ﴾ کیا کفارِ مکہ فریب دینا چاہتے ہیں اور ان کی فریب کاری اور دھوکہ دہی یہ تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے دار الندوہ میں میٹنگ بلائی' جس میں قریش مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے یا قید کرنے یا ملک بدر کرنے کی سازش تیار کی تھی ﴿ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اس میں اشارہ تو کفارِ مکہ کی طرف ہے لیکن ان سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور کی رسالت کا انکار کیا ﴿ ہُمُ الۡمَکِیۡدُوۡنَ ﴾ وہی لوگ فریب و سازش اور دھوکہ دہی کا شکار ہو جائیں گے (یعنی) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کی سازش کا وبال خود انہیں لوگوں پر پڑے گا اور ان کی سازش ان کو گھیر لے گی اور یہ اس طرح ہوا کہ یہ لوگ غزوۂ بدر کے دن قتل کیے گئے یا یہ معنی ہے کہ یہ کفارِ مکہ اپنی سازش میں مغلوب و ناکام ہو جائیں گے۔ یہ ''کَایَدۡتُہٗ' فَکِدۡتُہٗ'' سے ماخوذ ہے یعنی میں نے فلاں کو دھوکہ دینا چاہا تو میں خود اس کا شکار ہو گیا۔

۴۳- ﴿ اَمۡ لَہُمۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ ؕ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے گا ﴿ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

۴۴- ﴿ وَ اِنۡ یَّرَوۡا کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ ﴾ اور اگر وہ آسمان سے اس کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے : یہ بادل ہے۔ ''کِسۡفٌ'' کا معنی ہے : ٹکڑا۔ اور یہ ان کے اس (درج ذیل) قول کا جواب ہے : ''اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا'' (الاسراء : ۹۲) ''یا آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں جیسا کہ آپ نے گمان کر رکھا ہے (کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے گا)'' مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ اپنی سخت سرکشی اور انتہائی بغض و عناد کی وجہ سے اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں تو یہ لوگ اسے گرتا ہوا دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بادل ہے ﴿ مَّرۡکُوۡمٌ ﴾ بے شک اسے تہ در تہ اکٹھا کر دیا گیا ہے یعنی اس کے بعض حصوں کو بعض حصوں پر جمع کر دیا گیا جو ابھی برسنے لگے گا اور وہ ہٹ دھرم تصدیق نہیں کریں گے کہ یہ گرنے والا ٹکڑا عذاب کے لیے ہے۔

۴۵- ﴿ فَذَرۡہُمۡ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ فِیۡہِ یُصۡعَقُوۡنَ ﴾ سوائے محبوب! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اپنا وہ دن پالیں جس میں انہیں بے ہوش کر دیا جائے گا [امام عاصم اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یَا'' مضموم

کے ساتھ ''یُصْعَقُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) ہے جب کہ باقیوں کے نزدیک ''یا'' مفتوح ہے] چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: ''صَعَقَهٗ ، فَصَعِقَ'' اس نے فلاں کو بے ہوش کر دیا تو وہ بے ہوش ہو گیا اور یہ پہلی دفعہ صور پھونکنے پر ہو گا۔

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

جس دن ان کی دھوکے بازی ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ ایک عذاب ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے' سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے جب آپ کھڑے ہوں O اور رات کے کچھ حصے میں اور ستاروں کے چھپنے کے وقت (صبح) اس کی تسبیح بیان کیجئے O

۴۶- ﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ جس دن انہیں ان کا مکر و فریب کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

۴۷- ﴿وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ہے' اس کے علاوہ ایک عذاب ہے (یعنی) بے شک ان ظالموں کے لیے قیامت کے عذاب کے علاوہ اس سے پہلے ایک اور عذاب ہے اور وہ عذاب ایک تو بدر میں ان کا قتل کیا جانا اور دوسرا قحط کے سات سال اور تیسرا عذابِ قبر مراد ہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

۴۸- پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفارِ مکہ کی ایذاء رسانیوں پر اس وقت تک صبر کرنے کا حکم دیا ہے جب تک ان پر یہ عذاب نہیں آ جاتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی خاطر ان کو مہلت دینے پر اور اس دوران ان کی طرف سے جو مشقتیں اور تکلیفیں آپ کو پہنچیں گی ان پر صبر کیجئے ﴿فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں یعنی چونکہ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں [اور ''عین'' کی جمع ''اعین'' کو اس لیے لایا گیا ہے کہ ضمیر متکلم جمع کی ہے' کیا تم اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ O'' (طٰہٰ:۳۹) (چونکہ اس میں ضمیر متکلم مفرد ہے تو لفظ ''عین'' بھی مفرد لایا گیا ہے)] ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں اور یہ تسبیح مراد ہے جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے' یعنی ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُكَ'' یا یہ معنی ہے کہ آپ جس جگہ بھی کھڑے ہوں یا یہ کہ جب آپ نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔

۴۹- ﴿وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ اور آپ رات کے کچھ حصے میں اس کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں

کے ڈوبنے کے وقت بھی اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) جب رات کے آخر میں ستارے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں (اور صبح کا وقت ہو جاتا ہے)۔ زید کی قراءت میں الف مفتوح کے ساتھ ''اَدْبَار'' ہے یعنی ستاروں کے غروب ہو جانے کے بعد اور مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' پڑھنے کا حکم ہے اور بعض کا قول ہے: اس سے نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہو کر نماز کی تسبیح (ثناء) مراد ہے اور ''وَمِنَ الَّیْلِ'' سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں اور ''اِدْبَارَ النُّجُوْمِ'' سے نمازِ فجر مراد ہے۔

سورۃ النجم مکی ہے	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی باسٹھ آیات' تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰی ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ﴿۱۲﴾

روشن ستارے محمد کی قسم کہ جب وہ نیچے اترے ○ تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ وہ بھٹکے ○ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ○ ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر صرف وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے ○ بہت سخت قوتوں والے نے آپ کے پاس علم پہنچایا ○ حسین وجمیل منظر والے نے' پھر وہ جلوہ گر ہوا ○ اور وہ اس وقت آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھا ○ پھر وہ قریب ہو گیا' پھر اور زیادہ قریب ہو گیا ○ سو وہ دو کمان کی مقدار قریب ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ○ سو اس نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو کچھ بھی وحی فرمائی ○ دل نے اسے نہیں جھٹلایا جو آنکھوں نے دیکھا ○ تو کیا تم ان سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں ○

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر

(نوٹ) سورۃ النجم مکی ہے اور اس کی باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔

۱- ﴿وَالنَّجْمِ﴾ قسم ہے روشن ستارے کی۔ اللہ تعالیٰ نے ثریا (کہکشاں) کی قسم فرمائی یا پھر ستاروں کی جنس کی قسم فرمائی[۱] ﴿اِذَا هَوٰی﴾ جب وہ غروب ہو گیا یا جب وہ قیامت کے دن بکھر جائے گا اور اس قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:)

۲- ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ تمہارے آقا حق کی سیدھی راہ سے نہیں بھٹکے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔ یہ قریش کو خطاب ہے ﴿وَمَا غَوٰی﴾ اور آپ نے نہ سرکشی کی کیونکہ آپ نے کبھی باطل کی پیروی نہیں کی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''ضلال'' (اقوال' افعال اور اعتقاد تینوں میں راہِ راست سے بھٹک جانا) ہدایت کا متضاد ہے

[۱] خیال میں رہے کہ یہاں مفسرین کرام نے ''النجم'' کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: (ا) ثریا نامی ستاروں کی قسم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور" غیّ "(صرف اعتقاد میں راہِ راست سے بھٹک جانا) "رُشد" کا متضاد ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت یافتہ صاحبِ رُشد ہیں اور آپ اس طرح ہرگز نہیں ہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ تم انہیں "ضلال و غیّ" (گمراہی و بداعتقادی) کی طرف منسوب کرتے ہو۔

۴٬۳- ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ○ ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اور وہ تمہیں قرآن مجید میں سے جو کچھ دیتے ہیں وہ ان کے اپنے بول نہیں ہوتے کہ وہ اپنی خواہش اور اپنی رائے سے بیان کرتے ہوں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے' اور جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں سمجھتے' وہ اس آیت مبارکہ کو بطورِ حجت و دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دے دیا ہے اور ان کو اجتہاد پر مقرر فرما دیا تو ان کا اجتہاد وحی کی طرح ہو گیا اور اپنی خواہش سے بولنا نہ ہوا۔

۵- ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى﴾ ان کو بڑی سخت قوتوں والے نے علم سکھایا (یعنی) حضرت محمد ﷺ کو ایک فرشتے نے علم پہنچایا جو بڑی سخت قوتوں کا مالک ہے [اور یہ اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ صفت مشبہ کی اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے] اور "شدید القوی" سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں' جمہور کے نزدیک اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) مطلق ستاروں کی قسم (۳) قرآن مجید کی نازل شدہ آیات کی قسم (۴) علمائے دین کی قسم (۵) صحابہ کرام کی قسم (۶) زمین پر پھیلنے والی بیل بوٹیوں کی قسم (۷) سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی قسم۔ ان معانی میں سے یہاں آخری معنی سب سے زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس کے بعد جواب قسم میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے' چنانچہ علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں' علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اور علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری نے تفسیر مظہری میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "والنجم" میں حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی قسم مراد ہے جب آپ شبِ معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۴۴۔ ۲۴۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۰۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نیز علامہ خازن نے ایک قول یہی بیان کیا ہے۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر)

ان کے علاوہ: علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے "النجم" کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے: امام جعفر صادق بن محمد باقر بن علی اوسط بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ "النجم" سے مراد سیّدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی قسم ہے' جب آپ شب معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے اور یہ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے قرب "دنا فتدلی" اور اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کا تعلق شب معراج سے ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۲' البحر المحیط ج ۱۰ ص ۹' روح البیان ج ۹ ص ۲۴۹' روح البیان جز ۲۷ ص ۷۰' روح المعانی جز ۲۷ ص ۷۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ) نیز علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ "اذا ھوی" سے یہ مراد ہو کہ شبِ معراج نبی کریم ﷺ کا عروج لامکاں تک ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ آپ راہِ راست سے گم ہونے اور راہِ راست کے بغیر چلنے کے شائبہ سے بھی مبرا' منزہ اور پاک ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۷۷۴)

نے قومِ لوط کی بستیوں کو زمین کی گہرائی میں سیاہ پانی کی جگہ سے اکھیڑا اور ان کو اپنے ایک پَر کے اوپر اٹھالیا' پھران بستیوں کو اٹھا کر اوپر آسمان تک لے گیا (یہاں تک کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں) پھر اس نے ان تمام بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے پھینک دیا اور اس نے زوردار چیخ مار کر ثمود کی قوم کو ایسا پچھاڑا کہ وہ سب ہلاک ہو کر گھٹنوں کے بل پڑے تھے۔

۶- ﴿ذُوْمِرَّةٍ﴾ بڑے خوب صورت حسین وجمیل شکل وصورت والے' اور یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے ﴿فَاسْتَوٰی﴾ پھر وہ اپنی اصلی اور حقیقی صورت پر قائم ہوگیا' اس صورت کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ متشکل ہو کر وحی لے کر نیچے اترا کرتا تھا اور وہ حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نازل ہوتا تھا اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھیں جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے' پھر وہ آپ کے لیے سب سے بلند کناروں میں قائم ہوگیا اور وہ اس وقت سورج کے طلوع ہونے والے کناروں پر تھا' سو اس نے تمام کناروں کو بھر دیا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے سوا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی پیغمبر نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی حقیقی صورت میں نہیں دیکھا جب کہ حضور نے دو دفعہ دیکھا' ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔

۷- ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ﴿بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی﴾ سب سے بلند کناروں پر تھا (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں۔

۸- ﴿ثُمَّ دَنَا﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوگئے ﴿فَتَدَلّٰی﴾ پھر وہ نیچے اتر کر اور زیادہ قریب ہوگئے اور ''تدلی'' کا معنی ہے: کسی چیز کے قرب میں اترنا۔

۹- ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ سو حضرت جبریل دو کمانوں کی مقدار حضور کے قریب ہوگئے (یعنی) عربوں کی دو کمانوں کی مقدار مراد ہے کیونکہ عرب میں پیمائش' کمان' نیزہ' کوڑا' ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی مقدار سے کی جاتی تھی (اس لیے کہ عرب کے پاس پیمائش کا کوئی اور آلہ نہیں تھا) اور اسی سے یہ کلام ماخوذ ہے کہ ''لَا صَلٰوةَ اِلٰى اَنْ تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ مِقْدَارَ رُمْحَيْنِ'' یعنی اس وقت تک نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جائے' اور حدیث شریف میں ہے کہ ''لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَوْضَعُ قَدِّهٖ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا''[1] البتہ تم میں سے کسی کو جنت میں ایک کمان کی مقدار کے برابر اور ایک کوڑے کی مقدار کے برابر جگہ مل جانا تمام دنیا اور اس میں تمام ساز وسامان سے بھی بہت بہتر ہے۔ اور ''قد'' بہ معنی ''سوط'' (کوڑا) ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(فَكَانَ) مِقْدَارُ مُسَافَةِ قُرْبِهٖ مِثْلَ (قَابَ قَوْسَيْنِ)'' پھر ان تمام مضافات کو حذف کر دیا گیا ہے (ترجمہ:) سو حضرت جبریل کے قرب کی مسافت کی مقدار دو کمانوں کی طرح تھی ﴿اَوْ اَدْنٰی﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگئے یعنی تمہارے اندازے پر (کیونکہ اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے' لہٰذا انسانوں کے اعتبار سے ''اَوْ'' کا لفظ استعمال فرمایا) جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ O'' (الصافات: ۱۴۷) ''اور ہم نے اس کو (حضرت یونس علیہ السلام کو) سو ہزار (ایک لاکھ) یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O'' اور یہ اس لیے کہ اہل عرب کو ان کی اپنی لغت اور زبان کے مطابق اور ان کی فہم و فراست کے مطابق مخاطب کیا گیا ہے اور جب کہ وہ کہتے ہیں: ''هٰذَا قَدْرُ رُمْحَيْنِ اَوْ اَنْقَصَ'' یعنی یہ دو نیزوں کے برابر

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۳' الترمذی فی کتاب صفۃ الجنۃ باب: ۲۳' احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۶۷

ہے یا کچھ کم ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لفظ ''اَوْ'' شک کے لیے نہیں بلکہ یہ ''بَلْ'' کے معنی میں ہے یعنی ''فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ بَلْ اَدْنٰى'' سو حضرت جبریل علیہ السلام حضور کے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے بلکہ اس سے زیادہ قریب ہو گئے۔

۱۰ - ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے کی طرف وحی بھیجی اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر اس سے پہلے نہیں کیا گیا لیکن اس کی طرف ضمیر لوٹانے سے التباس نہیں ہوتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى'' (الفاطر:۴۵) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں پر ان کی گرفت کرتا تو زمین کی پشت پر چلنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انہیں ڈھیل دیتا ہے'' (''عَلٰى ظَهْرِهَا'' میں اضمار قبل الذکر ہے لیکن التباس نہیں) ﴿مَآ اَوْحٰى﴾ اس نے جو کچھ وحی بھیجی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی وحی کی عظمت و بڑائی کی خاطر اسے مخفی رکھا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور کی طرف یہ وحی کی گئی کہ بے شک جنت دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ سب سے پہلے آپ اس میں داخل ہوں اور تمام امتوں پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ پہلے آپ کی امت اس میں داخل ہوگی۔

۱۱ - ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مبارک نے اسے نہیں جھٹلایا جو حضور نے اپنی آنکھوں سے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی اور حقیقی صورت میں دیکھا یعنی جب حضور نے اسے دیکھا تو آپ کے دل مبارک نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا اور اگر بفرضِ محال وہ یہ کہہ دیتا تو وہ جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس نے پہچان لیا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دل اقدس سے اسے پہچانا اور آپ نے اس میں ہرگز شک نہیں کیا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا وہ حق ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جسے دیکھا تھا وہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا لیکن دل سے دیکھا تھا[1]

[1] واضح ہو کہ سورۃ النجم کی ان آیات میں اس بات کی صراحت اور وضاحت نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم دینے والا اور قرب بخشنے والا اور وحی بھیجنے والا اور دیدار کرانے والا کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا خود اللہ تعالیٰ مراد ہے' اس لیے مفسرین کرام میں اختلاف ہو گیا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت جبریل مراد ہیں' چنانچہ انہوں نے ''عَلَّمَهٗ' فَاسْتَوٰى'' اور ''دَنَا فَتَدَلّٰى'' اور ''فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى'' کا فاعل حضرت جبریل کو قرار دیا' صاحبِ مدارک نے اسی قول کے مطابق ان آیات کی تفسیر بیان کی ہے جب کہ دوسرے مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مراد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝'' (الرحمٰن:۱۔۲) ''رحمٰن نے ۝ حضور کو قرآن کی تعلیم دی ۝''۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضور کو تعلیم دینے والا اور آپ کا معلم اللہ تعالیٰ ہے اور اسی طرح حضور کو قرب ''دَنَا فَتَدَلّٰى'' بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ متفق علیہ حدیث میں ہے: ''وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى'' ''اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۲)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کرنے والا اور وحی بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کر کے حضور تک پہنچانے والے ہیں اور لے جانے والے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ'' (النساء:۱۶۳) ''بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح ہم نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲ - ﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴾ تو کیا تم (اے کفار مکہ!) آپ سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ ''اَفَتُجَادِلُوْنَهٗ'' کے معنی میں اور یہ ''مراء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: جھگڑنا اور بحث و تکرار کرنا' اور یہ ''مراء' مَرْىُ النَّاقَةِ'' سے مشتق ہے کہ اونٹنی کا ظاہر کرنا' گویا جھگڑنے والے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک اپنے مدمقابل فریق کی رائے کو ظاہر کر دیتا ہے [حمزہ کوفی' علی کسائی' خلف اور یعقوب کی قراءت میں ''اَفَتَمْرُوْنَهٗ'' پڑھا جاتا ہے] یعنی کیا تم باہمی جھگڑے میں آپ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ یہ ''مَارَيْتُهٗ فَمَرَيْتُهٗ'' سے ماخوذ ہے کہ میں نے فلاں سے باہمی جھگڑا کیا تو میں اس پر غالب آ گیا اور چونکہ اس میں غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے' اس لیے ''عَلٰى مَا يَرٰى'' فرمایا' پس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نوح علیہ السلام اور ان کے بعد تمام نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی' باقی رہا حضرت جبریل کو دیکھنا تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ مراد لینا زیادہ بہتر و مناسب ہے کیونکہ اس سورت کی ابتدائی آیات میں بھی معراج شریف کی طرف اشارہ ہے' چنانچہ صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا' معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رؤیت و معرفت میں شک و تردد نے جگہ نہیں پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا' بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کو دیکھا لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا۔ چشم سر (سر کی آنکھ) سے یا چشم دل سے' اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دوبار دیکھا۔ (رواہ مسلم) ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزوجل کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا' یہ قول حضرت انس بن مالک' حضرت حسن اور حضرت عکرمہ کا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلت اور حضرت موسیٰ کو کلام اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم)۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ (ترمذی) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا اور سند میں ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' (الانعام: ۱۰۳) (آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں) تلاوت فرمائی۔ یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں' ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اثبات میں ہے اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیونکہ نافی کسی چیز کی نفی اس لیے کرتا ہے کہ اس نے نہیں سنا اور مثبت اثبات اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا ہے' تو علم مثبت کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط (قیاس) پر اعتماد فرمایا' اس لیے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی رائے ہے اور آیت میں ''ادراك'' یعنی احاطہ کی نفی ہے۔ رؤیت (دیدار) کی نفی نہیں ہے۔

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف فرمائے گئے ہیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے: ''رَاَيْتُ رَبِّيْ بِعَيْنِيْ وَبِقَلْبِيْ'' میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شب معراج اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا قائل ہوں' حضور نے اپنے رب کو دیکھا اور اس کو دیکھا اور اس کو دیکھا' امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ ان کا سانس ختم ہو گیا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۹۴۸-۹۴۹' حاشیہ نمبر: ۱۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

''تمارونه'' کوحرف ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' جیسے کہتے ہیں: ''غَلَبْتُهٗ عَلٰی كَذَا'' میں نے اس پر اسی طرح غلبہ پالیا اور بعض نے فرمایا کہ ''اَفَتَمْرُوْنَهٗ'' بہ معنی ''اَفَتَجْحَدُوْنَهٗ'' ہے یعنی تو کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو یا یہ معنی کہ کیا تم ان کی بات کا انکار کرتے ہو؟ چنانچہ کہا جاتا ہے: ''مَرَيْتُ حَقَّهٗ'' میں نے فلاں کے حق کا انکار کر دیا [اور اس کو حرف ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی کرنا صحیح نہیں مگر تضمین کے مذہب پر]۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

اور بے شک انہوں نے اسے دوبارہ دیکھاO سدرۃ المنتہیٰ کے پاسO اسی کے پاس جنت الماویٰ ہےO جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھاO آنکھ نہ درماندہ ہوئی اور نہ وہ حد سے بڑھیO اور بے شک آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیںO

۱۳- ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ﴾ اور بے شک آپ نے اسے دیکھا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ﴿نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ دوسری دفعہ [''نَزْلَةً'' کو ظرف کی وجہ سے نصب دی گئی اور وہ ظرف ''مَرَّةً'' ہے کیونکہ ''فَعْلَةٌ'' کے وزن پر جو مصدر آتا ہے وہ فعل سے ''مَرَّةً'' کے معنی کے لیے آتا ہے' سو وہ اس کے حکم میں ہوتا ہے] یعنی حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے' پس آپ نے اسے اصلی صورت پر دیکھا اور یہ دوبارہ اصلی صورت میں دیکھنا معراج کی رات ہوا تھا۔

۱۴- ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک بیری کا درخت ہے' جو عرش کی دائیں جانب سے ساتویں آسمان میں اُگا ہوا ہے اور ''مُنْتَهٰى'' اسم مکان ہے' معنی یہ ہے کہ انتہاء کی جگہ اور آخری مقام یا مصدر میمی ہے' اس کا معنی ہے: انتہاء' گویا یہ جنت کی انتہاء اور اس کے آخر میں ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ کو کوئی شخص عبور کر کے آگے نہیں جا سکتا اور فرشتوں وغیرہ کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اسے کوئی نہیں جانتا اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں یہاں تک آ کر رُک جاتی ہیں' آگے نہیں جا سکتیں۔

۱۵- ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ اس کے پاس جنت ماویٰ ہے یعنی ایسی جنت جس میں متقین اور پرہیزگار حضرات واپس لوٹ کر آرام کریں گے گویا یہ جنت پرہیزگاروں کے لیے آرام گاہ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اس میں آرام کرنے کے لیے پناہ حاصل کرتی ہیں۔

۱۶- ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى﴾ جب سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اسے دیکھا تو اس وقت اس کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا اور یہ ابہام ''سدرة المنتهٰى'' کو ڈھانپنے والی چیزوں کی کثرت وعظمت کے بیان کے لیے ہے' سو اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت پر رہنمائی کرنے والی مخلوقات میں سے جن اشیاء نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا ہے ان کی تعریف و توصیف کا احاطہ نہیں ہو سکتا' چنانچہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ سدرہ کو فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے گھیر رکھا ہے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسے سونے کے پتنگوں (یعنی پروانوں) نے

ڈھانپ رکھا تھا۔

۱۷- ﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ﴾ آنکھ نہیں پھری (یعنی) رسول اللہ ﷺ کو جن عجائبات کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا' ان کو دیکھنے سے آپ کی آنکھوں نے عدول نہیں فرمایا اور ان کے دیکھنے سے نہیں پھریں اور آپ کی مبارک آنکھیں عجائبات الٰہی کو اِدھر اُدھر پھرے بغیر ثابت رہ کر اور جم کر دیکھتی رہیں ﴿وَمَا طَغٰی﴾ اور نہ سرکشی کی اور جن کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا' ان سے تجاوز نہیں کیا۔

۱۸- ﴿لَقَدْ رَاٰی﴾ ''وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاٰی'' اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ نے دیکھا ﴿مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو' ایسی نشانیاں جو بہت بڑی اور عظیم الشان تھیں یعنی جب آپ کو آسمانوں کی طرف اوپر لے جایا گیا تو آپ کو سلطنت الٰہی کے عجائبات دکھائے گئے۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴿۲۲﴾ اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾

ع ۵

سو کیا تم نے لات اور عزیٰ کو غور سے دیکھا O اور تیسری منات کو دیکھا O کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں O تب تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O یہ تو نہیں مگر محض نام' جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نہیں اتاری' وہ تو صرف گمان کی اور ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جن کو ان کے نفس چاہتے ہیں' اور بے شک ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے O کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O سو آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں O

بتوں کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا بیان

۱۹' ۲۰- ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی O وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ﴾ پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ O اور تیسرے منات کو غور سے دیکھا ہے یعنی تم مجھے ان اشیاء کے بارے میں بتاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا ان کو قدرت و اختیار اور عظمت و شان اور بڑائی حاصل ہے' جس کے ساتھ اللہ رب العزت کو موصوف کیا گیا ہے اور لات' منات اور عزیٰ یہ سب کفار کے بت تھے اور یہ مادہ ہیں یعنی مؤنث ہیں' چنانچہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں نصب تھا جہاں اس کی پرستش اور پوجا کی جاتی تھی اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ لات بت (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) نخلہ کے مقام پر نصب تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے [اور یہ ''فَعْلَةٌ'' (کے وزن پر ''لَوْیَةٌ'' تھا' پھر ''یا'' کو ساکن کر کے التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واؤ کو ماقبل مفتوح کی وجہ سے الف سے تبدیل کر دیا گیا اور ''لَاةٌ'' ہو گیا جو) ''لوی'' سے ماخوذ ہے] کیونکہ مشرکین اس کے آگے جھکتے اور سجدے کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے اس کے پاس دھرنا دیتے اور معتکف رہتے اور عزیٰ قبیلہ غطفان کی دیوی کا بت تھا اور یہ ایک کیکر یا ببول کا درخت تھا' جس کی

پرستش کی جاتی تھی اور یہ اصل میں ''اَعَزُّ'' کی تانیث ہے اور اس کو حضرت خالد بن ولید نے (مصطفیٰ کریم کے حکم پر) کاٹ دیا تھا اور منات قبیلہ ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا اور یہ پتھر کا بنا ہوا بت تھا اور بعض کا قول ہے کہ یہ بت بھی قبیلہ ثقیف کا بت تھا اور اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس کے پاس قربانیوں کا خون بہایا جاتا تھا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''مناء ۃ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''مفعلة'' کے وزن پر ''نوء'' سے مشتق ہے] گویا وہ لوگ تبرک کے طور پر اس کے پاس آ کر خوش حالی اور ہریالی کے لیے بارش طلب کرنے کی دعا کرتے تھے ﴿الْأُخْرٰى﴾ یہ صفت ذم ہے یعنی پچھلی گھٹیا قدر والی' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ'' (الاعراف:۳۸) ''ان کی پچھلی جماعت نے ان کی پہلی جماعت سے کہا'' یعنی ان کے کمزوروں اور کمیوں نے اپنے رئیسوں اور اپنے سرداروں سے کہا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے نزدیک لات اور عزیٰ مرتبہ کے لحاظ سے اوّل اور مقدم ہوں۔

۲۱'۲۲- مشرکین کہتے تھے کہ بے شک فرشتے اور یہ بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ یہ بت اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں گے جب کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور وہ لوگ ان بیٹیوں کو اپنے لیے ناپسند کرتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں O یہ تب تو ظالمانہ تقسیم ہے' یعنی ''ضیزیٰ'' کا معنی ہے: ظلم کرنے والی' ظالمانہ' یہ ''ضازہ''' ''یضیزہ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص کسی کو حقیر و ذلیل خیال کر کے اس پر ظلم کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''ضازہ فلان'' [''ضیزی''' ''فُعْلٰى'' کے وزن پر ہے کیونکہ صفت میں ''فِعْلٰى'' نہیں آتا' پس اس لیے ضاد کو ''یا'' کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا ہے جیسا کہ (''ابیض'' کی جمع) ''بیض'' ہے اور یہ بھی اصل میں ''بوض'' تھا جیسے (''احمر'' کی) ''حُمْرٌ'' اور (''اَسْوَدُ'' کی جمع) ''سُوْدٌ'' ہے ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''ضیزی'' ہمزہ کے ساتھ ہے' یہ ''ضازہ'' سے ماخوذ ہے جیسے ''ضازہ'' ہے]۔

۲۳- ﴿اِنْ هِيَ﴾ وہ نہیں ہیں یعنی وہ بت نہیں ہیں ﴿اِلَّآ اَسْمَآءٌ﴾ مگر محض نام کیونکہ حقیقت میں ان ناموں کے تحت ان کے مسمیات کچھ نہیں ہیں اس لیے کہ تم بتوں کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو حالانکہ یہ چیز ان سے بہت بعید ہے اور بہت سخت ان کے منافی ہے ﴿سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے یہ نام رکھے ہوئے ہیں یعنی ''سمیتم بها'' ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''سَمَّيْتُهٗ زَيْدًا' وَسَمَّيْتُهٗ بِزَيْدٍ'' ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور دلیل نازل نہیں فرمائی ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ مشرکین صرف ظن و گمان اور وہم کی پیروی کرتے ہیں کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں وہی حق ہے ﴿وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ اور وہ ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے نفس چاہتے ہیں یعنی وہ نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ اور بے شک ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے (یعنی) رسول اور کتاب لیکن انہوں نے اسے ترک کر دیا اور چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔

۲۴- ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى﴾ کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جو وہ تمنا کرتا ہے [''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے] یعنی کافر کی بتوں کی شفاعت کے بارے میں جو تمنا ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوگی یا اس کا یہ کہنا کہ ''وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى O'' (فصلت:۵۰) ''اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک میرے لیے اس کے پاس ضرور بھلائی ہوگی O'' اور بعض کا قول ہے کہ مشرکین میں سے کسی کی یہ تمنا تھی کہ وہ نبی بن جائے۔

۲۵- ﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى﴾ پس آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی ان دونوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ان میں اسی کا حکم چلتا ہے اور وہی جس کو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے' اسے نبوت اور شفاعت عطا فرما دیتا ہے' لیکن یہ چیزیں تمنا اور آرزو سے حاصل نہیں ہوتیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ﴿۲۸﴾

اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی' مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا اور پسند کرے گاO بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ ضرور فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیںO اور انہیں اس کا بالکل علم نہیں' وہ تو پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی' اور بے شک گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتاO

کفر و شرک کی نحوست و مذمت اور نیک و بد کے مختلف انجام کا بیان

۲۶- ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے دے جس کے لیے وہ چاہے اور پسند کرے یعنی بے شک شفاعت کا معاملہ محدود و مشکل ہے' سو بے شک فرشتے اپنی قربت اور کثرت کے باوجود اگر سب مل کر کسی کافر و مشرک کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت اسے ہرگز کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ کوئی نفع دے گی' مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملنے کے بعد جب وہ شفاعت کریں گے تو وہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے مفید ہوگی جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت چاہے گا اور اسے پسند کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ شخص اس کا اہل ہے کہ اس کے لیے شفاعت کی جائے' سو بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے پجاریوں کی شفاعت کیسے کر سکیں گے؟

۲۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیں یعنی کفار میں سے ہر شخص فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ دیتا ہے کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ان میں سے ہر ایک نے بیٹی نام رکھ دیا اور یہ عورت کا نام ہے۔

۲۸- ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں یعنی وہ جو کچھ کہتے ہیں جہالت و بے علمی کی بناء پر کہتے ہیں اور ایک قراءت میں "بِهٖ" کی بجائے "بِهَا" پڑھا گیا ہے یعنی فرشتوں کے بارے میں یا ان کے مؤنث نام رکھنے کے بارے میں انہیں بالکل علم نہیں ہے ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور وہ اپنے مشرک باپ دادا کی تقلید ہے ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ اور بے شک گمان حق سے بالکل بے نیاز اور مستغنی نہیں کر سکتا

یعنی بے شک صرف وہی حق پہچانا جاتا ہے جو کسی چیز کی حقیقت ہوتا ہے اور وہ صرف علم اور یقین کے ذریعے پہچانا جاتا ہے محض گمان اور وہم کی بناء پر نہیں۔

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۙ۬ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾

سو آپ اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیر لیا ہے اور اس نے دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہاO یہی ان کے علم کی رسائی ہے' بے شک آپ کا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے' اور وہ اس شخص کو بھی جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہےO

۲۹'۳۰- ﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۙ۬ عَنۡ ذِکۡرِنَا﴾ سو (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر اور ہماری یاد سے منہ پھیر لیا ہے (یعنی) اے محبوب! آپ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی قرآن مجید سے منہ پھیرنے والا دیکھ لیں تو آپ بھی اس سے منہ پھیر لیجئے (اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ) ﴿وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَاO ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ﴾ اور وہ دنیا کی زندگی کے ماسوا اور کچھ نہیں چاہتاO یہی ان کے علم کی رسائی ہے یعنی ان کا دنیا کو اختیار کر لینا اور اسی پر راضی رہنا ان کے علم کی انتہاء ہے ﴿اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی﴾ بے شک آپ کا پروردگار ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت پا گیا یعنی وہی گمراہ اور ہدایت یافتہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کو سزا اور جزاء عطا کرے گا۔

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰی ﴿۳۱﴾ اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال پر سزا دے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے نیکیاں کی ہیں بہترین جزاء دےO جو لوگ بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے رہے سوائے چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب تعالیٰ بڑا وسیع بخشنے والا ہے' وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس وقت تم اپنے ماؤں کے پیٹوں میں نہایت چھوٹے سے بچے تھے' سو تم اپنے آپ کو پاکیزہ قرار نہ دو' وہ اسے خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہےO

۳۱- ﴿وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے برائیاں کیں ان اعمال پر سزا دے جو

انہوں نے کیے (یعنی) انہوں نے جو بُرے اعمال کیے ہیں ان پر انہیں سزا دے یا انہیں ان کے بُرے اعمال کے سبب سزا دے ﴿وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی﴾ اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزاء دے (یعنی) اچھا ثواب عطا فرمائے اور وہ جنت ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اور نیک اعمال کے سبب انہیں اچھی جزاء عطا فرمائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور اس بادشاہی کو درست فرمایا تا کہ مکلفین میں سے نیکوں کو نیک جزاء عطا فرمائے اور ان میں سے بُروں کو سخت سزا دے کیونکہ بادشاہ اپنے دوستوں کی امداد کرنے اور دشمنوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۳۲- ﴿اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں یعنی گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں کیونکہ ''اِثم'' جنس ہے جو بڑے اور چھوٹے سب گناہوں پر مشتمل ہے اور ''کبائر'' ان گناہوں کو کہا جاتا ہے جن کی سزا بڑی اور سخت مقرر کی گئی ہے [''الذین'' ماقبل سے بدل ہے یا پھر مدح کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اصل میں ''ھم الذین'' ہے اور قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''کبیر الاثم'' پڑھا جاتا ہے یعنی گناہ کی بڑی قسم] ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور وہ بے حیائیوں سے بچتے ہیں جو بڑے گناہوں میں سے بدتر اور حیاء سوز کرتوت ہیں گویا فرمایا کہ ان بڑے گناہوں میں سے خاص کر بے حیائی کے گناہوں سے۔ بچتے ہیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بڑے گناہ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کی دھمکی دی اور ان کے ارتکاب پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور ''فواحش'' وہ حیاء سوز گناہ ہیں جن پر شریعت میں حد مقرر کی گئی ہے ﴿اِلَّا اللَّمَمَ﴾ سوائے چھوٹے گناہوں کے۔ ''لمم'' کا معنی ہے: چھوٹے گناہ جنہیں عربی میں ''صغائر'' کہا جاتا ہے اور یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ صغیرہ گناہ نہ ''کبائر'' میں سے ہیں اور نہ ''فواحش'' میں سے ہیں اور یہ صغیرہ گناہ جیسے بُری نظر سے دیکھنا' بوس و کنار' چھونا' ہاتھ لگانا اور آنکھوں سے بُرے اشارے کرنا ﴿اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے' پس وہ گناہوں میں سے جو چاہتا ہے بغیر توبہ کے بخش دیتا ہے ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہیں خوب جانتا ہے جب کہ اسی نے تمہیں یعنی تمہارے آباء واجداد کو زمین سے پیدا فرمایا ﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ﴾ اور اس وقت تم ابھی ''جنین'' یعنی ماں کے شکم میں پوشیدہ ننھے منے بچے تھے ﴿فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ﴾ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے ﴿فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ سو تم اپنے آپ کو پارسا قرار نہ دو' چنانچہ تم اپنے آپ کو پاکیزہ اور نیک اعمال اور عبادات و طاعات اور بھلائی کے زیادہ سے زیادہ کاموں کی طرف منسوب نہ کرو' یا تم اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف ہونے کی طرف منسوب نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال پر اپنی تعریف نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال کو اور اپنے آپ کو کم تر خیال کرو اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا کرنے سے پہلے اور تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرنے سے پہلے تم میں سے ہر ایک پاک صاف اور متقی و پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ بعض مسلمان نیک اعمال کرتے تھے' پھر کہتے: ہماری نمازیں اور ہمارے روزے اور ہمارے حج ہیں' سو ان کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ اس وقت ہے جب یہ باتیں خود پسندی اور تکبر و غرور اور ریا اور دکھاوے کے لیے کہی جائیں ورنہ نعمت الٰہی کے اعتراف و اقرار کے طور پر کہی جائیں تو جائز ہیں کیونکہ عبادت پر مسرور و خوش ہونا بھی عبادت ہے اور اس کا ذکر کرنا شکر ہے ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کو خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کر لیا' سو پرہیزگاروں نے لوگوں کے علم سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفاء کیا اور لوگوں کی

تعریف سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی جزاء پر اکتفاء کیا۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَکْدٰی ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾

تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو (حق سے) پھر گیاO اور اس نے تھوڑا سا مال دیا اور روک لیاO کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے پس وہ دیکھ رہا ہےO کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہےO اور ابراہیم کے صحیفوں میں ہے جس نے وفا کیO وہ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گیO اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر جو اس نے کوشش کیO اور بے شک عنقریب اس کی کوشش کو دیکھا جائے گاO پھر اسے پوری جزاء دی جائے گیO بے شک آپ کے رب تعالیٰ ہی کی طرف (سب کے لوٹ جانے کی) انتہاء ہےO

کفار کی مذمت اور کلیم و خلیل کی شریعت کے چند مسائل کا بیان

۳۳، ۳۴- ﴿اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی﴾ سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے (حق سے) منہ پھیر لیا اور ایمان سے اعراض کیا ﴿وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَکْدٰی﴾ اور اس نے تھوڑا سا مال عطا کیا اور روک لیا (یعنی) اس نے اپنا عطیہ دینا ختم کر لیا اور مالِ دنیا روک لیا' اور اس کی اصل ''اکداء الحافر'' ہے اور وہ یہ ہے کہ تم جانور کے کھر کا سخت حصہ کاٹ ڈالو جب کہ وہ پتھر کی طرح سخت ہو جائے اور پس وہ زور سے پاؤں مار کر گڑھے بنانے سے باز آ جائے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیات اس شخص کے بارے میں نازل ہوئیں' جس نے اسلام قبول کر لینے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا اور جب کہ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور بے شک اس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا فیصلہ کر لیا تو بعض کفار نے اس کو عار دلائی اور اس کو ملامت کی اور اس سے کہا کہ کیا تو نے اپنے بزرگوں اور اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا اور ان کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور تو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے' پھر وہ شخص ولید کا اس شرط پر ضامن بن گیا کہ اگر ولید اس کو اس قدر اپنا مال دے دے اور حضور کی اتباع کا ارادہ ترک کر کے کفر و شرک کی طرف لوٹ آئے تو وہ شخص اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو خود برداشت کر لے گا' چنانچہ ولید نے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنے ملامت کرنے والے ضامن کو اپنا کچھ مال بھی دے دیا' پھر اس کے ساتھ بخل کیا اور اس کو اپنا باقی مال دینے سے روک لیا۔

۳۵- ﴿اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی﴾ کیا اس (ولید) کے پاس غیب کا علم ہے؟ پس وہ دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ضامن بنا ہے وہ حق ہے۔

۳۶- ﴿اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی﴾ کیا اس کو ان مسائل کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں

یعنی تورات میں۔

۳۷۔ ﴿ وَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ﴿ الَّذِىۡ وَفّٰۤى ﴾ جس نے وفا کی یعنی اس نے مکمل اور پورا کیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَتَمَّهُنَّ'' سو ابراہیم نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کو پورا کیا اور مطلق اس لیے فرمایا گیا ہے تا کہ یہ ہر قسم کی وفا اور ہر عہد کو شامل ہو جائے اور اس کو تخفیف کے ساتھ ''وَفٰى'' بھی پڑھا گیا ہے اور تشدید کے ساتھ ''وَفّٰى'' پڑھنا وفا میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس چیز کا حکم دیا' آپ نے اسے پورا کیا۔

اور حضرت عطاء بن سائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ مخلوق سے ہرگز سوال نہیں کریں گے' چنانچہ جب آپ کو نارِ نمرود میں پھینکا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اَلَكَ حَاجَةٌ'' کیا آپ کی کوئی حاجت ہے کہ میں پوری کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''اَمَّا اِلَيۡكَ فَلَا'' یعنی لیکن مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ دن کے پہلے حصے میں چار رکعت نماز پڑھ کر اپنا عمل پورا کرتے تھے اور وہ چاشت کی نماز ہوا کرتی تھی[1]

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے لیے ''الَّذِىۡ وَفّٰۤى'' کیوں فرمایا' دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ صبح اور شام کو ''فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ○وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ○'' (الروم: ۱۷۔۱۸) پڑھا کرتے تھے[2] اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے تمام حصوں کو مکمل اور پورا ادا کیا تھا اور وہ کل تیس حصے ہیں' دس سورۃ التوبہ (آیت: ۱۱۲) میں ''اَلتَّآئِبُوۡنَ'' (آخر آیت تک) اور دس سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) میں ''اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ'' (آخر آیت تک) اور دس سورۃ المؤمنون (آیت: ۱ سے ۱۰ تک)۔

۳۸۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں جو مسائل تھے ان سے آگاہ کیا اور فرمایا: ﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ﴾ بے شک کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی [''تَزِرُ'' اصل میں ''وَزَرَ يَزِرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ''وزر'' کا معنی گناہ ہے اور ''اَنۡ'' مخففہ ہے' پہلے ثقیلہ تھا اور معنی یہ ہے کہ ''اَنَّهٗ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ'' اور اس میں ضمیر شان کی ہے اور ''اَنۡ'' اور اس کا مابعد ''مَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰى'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ''هُوَ اَنۡ لَّا تَزِرَ'' ہے] گویا کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ ایک یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی۔

۳۹ تا ۴۲۔ ﴿ وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ اور (دوسرا) یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی عمل جس کی اس نے کوشش کی (یعنی) مگر اس کی اپنی کوشش و محنت اور اپنا عمل مفید ہوگا اور یہ حکم بھی انہیں احکام میں سے ہے جو حضرت موسیٰ اور

---

[1] قال الحافظ: اخرجہ الطبرانی وابن ابی حاتم (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۲۷)

[2] رواہ احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۴۳۹

حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں درج ہیں[1]

اور لیکن جو صحیح احادیث میں وارد ہے کی میت کی طرف سے صدقہ وخیرات اور حج وغیرہ کیا جائے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (۱) غیر کی کوشش اور اس کا عمل اس وقت فائدہ اور نفع دیتا ہے جب وہ میت کے اپنے ذاتی عمل پر مبنی ہو اور اپنا ذاتی

[1] مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے چند معانی بیان فرمائے ہیں' ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا اور وہ یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کا یہ حکم صرف حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص ہے اور لیکن رہی یہ امت محمدیہ تو اس میں مسلمان کو اپنے غیر کے عمل کا ثواب ملتا ہے' اس کی دلیل حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے' آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہے' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ اور خیرات کروں تو کیا اس کو اجر وثواب ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

(۲) خراسان کے حاکم عبد اللہ بن طاہر نے علامہ حسین بن فضل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے: ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' (البقرہ:۲۶۱) اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر کئی گنا اجر وثواب بڑھا کر عطا فرمائے گا' حضرت حسین بن فضل نے فرمایا کہ بطورِ عدل تو انسان کو صرف اپنے ذاتی عمل کا ثواب ملے گا اور بطورِ فضل دوسرے انسان کے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر اسے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر وثواب بڑھا کر عطا فرمائے گا۔

(۳) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا کہ یہاں اس آیت مبارکہ میں انسان سے کافر مراد ہے (کہ اسے اپنے ذاتی نیک عمل کا فائدہ صرف دنیا میں ملے گا لیکن آخرت میں نہ اپنا عمل اسے فائدہ دے گا نہ غیر کا عمل) لیکن مسلمان کو اپنے عمل کا اجر وثواب بھی ملے گا اور دوسرے کے عمل کا اجر وثواب بھی ملے گا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ'' (الطور:۲۱) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۷' ص ۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۵۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان)

علامہ آلوسی نے مذکورہ بالا وضاحت سے پہلے ایصالِ ثواب پر تین احادیث بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور میں اس کے بارے میں گمان رکھتا ہوں کہ اگر وہ بات چیت کرتی تو صدقہ کرنے کا کہتی'' فَهَلْ لَّهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا '' تو کیا اس کو اجر وثواب ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ وخیرات کروں' آپ نے فرمایا: ہاں! (بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک بہن نے نذر مانی کہ وہ حج کرے گی اور اب وہ فوت ہوگئی ہے' تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے۔ اس آدمی نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (بخاری' مسلم' نسائی)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ (ایک کافر) عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ ایک سو اونٹ قربان کرے گا (اور اس نے مرتے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو سو غلام آزاد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمل یہ ہے کہ میت مسلمان اور مؤمن ہو تو اس صورت میں اس کے غیر کا عمل گویا اس کا اپنا ذاتی عمل ہے کیونکہ دوسرے کا عمل اس کے ذاتی عمل ایمان کے تابع اور اس کا قائم مقام ہوگا (۲) اور بے شک غیر کا عمل اس کو اس وقت نفع نہیں دے گا جب وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرے لیکن جب دوسرا آدمی اپنے عمل میں میت کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت کر لے گا تو پھر یہ دوسرا آدمی شریعت کے حکم میں میت کی طرف سے اس کا نائب اور وکیل اور اس کا قائم مقام ہو جائے گا' اس لیے اس کے عمل کا ثواب میت کو پہنچے گا ﴿ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴾ اور بے شک اس کی کوشش اور اس کے عمل کو عنقریب دیکھا جائے گا یعنی قیامت کے دن انسان کے میزان میں اس کی محنت وکوشش اور اس کے عمل کو دیکھ لیا جائے گا ﴿ ثُمَّ يُجْزٰىهُ ﴾ پھر اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرنے کی وصیت کی) پھر اس کے بیٹے ہشام (صحابی) نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ قربان کیے (مشکوٰۃ کی روایت میں پچاس غلام لکھا ہے) اور حضرت عمرو بن عاص (بڑے بیٹے) نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تیرا باپ مسلمان ہو جاتا' پھر تو اس کی طرف سے غلام آزاد کرتا اور روزے رکھتا اور صدقہ وخیرات کرتا یا حج کرتا تو ان چیزوں کا ثواب اور نفع اسے ضرور پہنچتا۔

(مسند احمد' نیز مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد) (تفسیر روح المعانی جزء ۲۷ ص ۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایصالِ ثواب پر بہت سی احادیث مبارکہ بیان کی ہیں۔ یہاں قارئین کی سہولت کے لیے ان میں سے چند احادیث مبارکہ کا ترجمہ بیان کیا جا رہا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مسلمان بندے کی روح قبض کرتا ہے تو (اعمال نامہ لکھنے والے) دونوں فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں اپنے مسلمان بندے پر مقرر کیا تھا' سو ہم اس کے اعمال لکھتے رہے اور اب آپ نے اس کی روح قبض فرمالی تو ہمیں اجازت دیجیے تا کہ ہم زمین پر رہا کریں' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں' لیکن تم دونوں میرے اس بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ اور تم میری تسبیح ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' اور میری تہلیل ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور میری تکبیر ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' قیامت کے دن تک پڑھتے رہو اور تم اس کا ثواب میرے اس بندے کے لیے لکھتے جاؤ۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے عمل ختم ہو جاتے ہیں ماسوا تین اعمال کے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳) نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔ (مسلم' مسند احمد)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کر دیتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! یہ بلند درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے لیے تیرے بیٹے کی دعائے مغفرت کے سبب۔ (رواہ الطبرانی نیز الادب المفرد للبخاری)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میت قبر میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے' مرنے والا دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اسے ماں باپ یا اولاد یا بھائی یا دوست کی طرف پہنچے' پھر جب دعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور دنیا کے تمام ساز وسامان سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا کو پہاڑوں کے برابر کر کے اہل قبول پر داخل فرماتا ہے: ''وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ'' بے شک مرجانے والوں کے لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جزاء اور صلہ دیا جائے گا (یعنی) پھر اس بندے کی کوشش و محنت اور اس کے عمل کا بدلہ اس کو دیا جائے گا [حرف جار مفعول پر ذکر کر کے ''جزاه الله على عمله'' بھی کہا جاتا ہے' حرف جار حذف کر کے ''جزاه الله عمله'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر جزاء کے لیے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے جزاء کی وضاحت کی خاطر ارشاد فرمایا:] ﴿الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ مکمل اور پورا پورا بدلہ ﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ اور بے شک سب کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے یعنی یہ تمام احکام پہلے صحیفوں میں تحریر شدہ ہیں اور ''منتھٰی'' مصدر میمی ہے اور یہ انتہاء کے معنی میں ہے یعنی تمام مخلوق کی انتہاء اسی کی طرف ہوگی اور سب اس کی طرف لوٹ جائیں گے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ O'' (آل عمران:۲۸) ''اور سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے O''۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) زندوں کا تحفہ ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرنا ہے۔ (رواہ البیہقی والدیلمی)

(۵) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت مرحومہ گناہوں کے ساتھ قبروں میں داخل ہوگی اور بروزِ قیامت قبروں سے نکلے گی تو اس پر گناہ نہیں ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے لیے دعائے مغفرت طلب کرنے کے سبب ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (الطبرانی)

(۶) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ دفعہ ''قل ھو اللہ احد'' پوری سورت پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور وہ سورۃ الفاتحہ اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' اور ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' پڑھے' پھر کہے: اے اللہ! بے شک میں نے تیرے کلام میں سے جو کچھ پڑھا ہے' اس کا ثواب اس قبرستان کے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو میں نے بخش دیا تو قیامت کے دن تمام مُردے اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ (رواہ ابو القاسم سعد بن علی)

(۸) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورتِ یٰسین پڑھ کر اہل قبور کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا اور پڑھنے والے کے لیے مُردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ میت کو دفن کر کے قبر کے سرہانے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ ابتدائی آیات اور پائنتی کی طرف سورۃ البقرہ کی آخری آیات تلاوت کی جائیں۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۷۔۱۲۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

اور بے شک اسی نے رلایا اور ہنسایاO اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیاO اور بے شک اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیےO نطفہ سے جب وہ رحمِ مادر میں ڈالا گیاO اور بے شک اسی کے ذمہ ہے دوبارہ زندہ کرناO اور بے شک اسی نے غنی کیا اور مال دار بنایاO اور بے شک وہی شعریٰ ستارے کا مالک ہےO اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیاO اور ثمود (کی قوم کو ہلاک کیا) سو اس نے کسی کو باقی نہیں چھوڑاO اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا)' بے شک وہ بہت بڑے ظالم اور سرکش تھےO اور اس نے (قومِ لوط کی) بستیوں کو الٹا کر نیچے پھینک دیاO پھر اس کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیاO سو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گاO

اللہ تعالیٰ کی قدرت وگرفت اور کفارِ مکہ کی حماقت کا بیان

۴۳- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى﴾ اور بے شک اسی (اللہ تعالیٰ) نے ہنسایا اور رلایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ہنسنے اور رونے کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرحت وخوشی اور غم ورنج کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو آخرت میں عطیات وانعامات کے ساتھ ہنسائے گا اور خوش کرے گا اور اسی نے دنیا میں مؤمن کو مصائب وآلام کے ذریعے رلایا اور آزمایا۔

۴۴- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا﴾ اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کو مارا اور ان کے بیٹوں کو زندہ کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کے سبب مارا (مُردہ دل کر دیا) اور ایمان کے ذریعے زندہ کیا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں (دنیا میں) مارتا ہے اور وہاں (آخرت میں) زندہ کرے گا۔

۴۵'۴۶- ﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىO مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى﴾ اور بے شک اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیے' نطفہ سے جب رحم میں ٹپکایا گیا' چنانچہ ''مَنٰی'' اور ''اَمْنٰی'' دونوں کا ایک معنی ہے کہ وہ منی لایا' دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

۴۷- ﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى﴾ اور بے شک دوبارہ اٹھانا اسی کے ذمہ ہے (یعنی) مرنے کے بعد زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

۴۸- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى﴾ اور بے شک اسی نے دولت مند اور مال دار بنایا اور اس نے ''قنیہ'' (''اَقْنٰی'' کا مجرد مصدر) عطاء کیا اور یہ وہ مال ہے جسے تم ذخیرہ کر کے رکھ لیتے ہو اور تم پختہ ارادہ کر لیتے ہو کہ اسے تم اپنے ہاتھ سے نہیں نکالو گے۔

۴۹- ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ اور بے شک وہی شعریٰ کا مالک ہے اور ''شِعْرٰی'' ایک ستارہ ہے جو سخت گرمیوں میں جوزا نامی ستارہ کے بعد طلوع ہوتا ہے اور قبیلہ خزاعہ اس کی عبادت کرتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ان کے اس معبود کا پروردگار اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

۵۰- ﴿وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَاْ لِالْاُوْلٰى﴾ اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیا اور دوسرا عاد ارم تھا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری ماسوا سہل کے ان کی قراءت میں ''عادَ لُّولٰی'' پڑھا گیا ہے کیونکہ تنوین کو لام میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ''اُولٰی'' کے ہمزہ کو گرا دیا گیا اور اس کا ضمہ لام تعریف کو دے دیا گیا]۔

۵۱- ﴿وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰى﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) ثمود کی تمام قوم کو (ہلاک کیا) اور ان کو باقی نہیں چھوڑا [قاری حمزہ...

امام عاصم کی قراءت میں تنوین کے بغیر پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں تنوین کے ساتھ ''وَثَمُوْدًا'' ہے اور یہ ''عَادًا'' پر معطوف ہے اور ''فَمَا اَبْقٰی'' کی وجہ سے وہ منصوب نہیں ہے کیونکہ ''فا'' کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل میں نہیں کرتا' اس لیے تم ''زَیْدًا فَضَرَبْتُ'' نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح نفی کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا] اور معنی یہ ہے: ''وَاَهْلَكَ ثَمُوْدَ فَمَا اَبْقَاهُمْ'' اور اللہ تعالیٰ نے ثمود کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا' سو ان کو باقی نہیں چھوڑا۔

۵۲- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ ''ای: وَاَهْلَكَ قَوْمَ نُوْحٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان و سرکش اور کافر قوم کو ہلاک فرمایا ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ عاد اور ثمود کی قوموں کے ہلاک کرنے سے پہلے کیونکہ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی﴾ بے شک وہ لوگ عاد اور ثمود کی قوموں سے بہت زیادہ ظالم اور سرکش تھے' اس لیے کہ وہ ظالم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا زیادہ مارا کرتے تھے کہ آپ میں حس و حرکت ختم ہو جاتی اور آپ ان کی مار کی وجہ سے کتنی دیر تک بے حس اور بے حرکت بے ہوش رہتے اور یہ ظالم قوم لوگوں کو آپ سے متنفر کرتی' یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو ڈراتی تھی کہ کہیں وہ آپ کی آواز نہ سن لیں (اس کے باوجود آپ صابر و شاکر بن کر دین حق کی تبلیغ ساڑھے نو سو سال انہیں کرتے رہے)۔

۵۳- ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ﴾ اور وہ بستیاں جن کو ان کے باشندوں سمیت الٹا دیا گیا تھا اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی' جس کو اس کے ظالمانہ اور خبیث عمل کی وجہ سے ان کی بستیوں کو ان سمیت الٹا دیا گیا تھا' چنانچہ ''اَفَكَهٗ' فَائْتَفَكَ'' بولا جاتا ہے' دونوں ہم معنی ہیں ﴿اَهْوٰی﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جا کر الٹا کر نیچے زمین پر پھینک دیا [''المؤتفكة''' ''اهوٰی'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۵۴- ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى﴾ سو ان بستیوں کے باشندوں کو ڈھانپ لیا یعنی گھیر لیا جس نے بھی گھیر لیا۔ اس میں اس خطرناک عذاب سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور اس عذاب کی سختی اور بڑائی بیان کی گئی جو ان لوگوں پر برسایا گیا تھا اور مسلسل قطار در قطار تہ بہ تہ پتھروں کی بارش ان لوگوں پر برسائی گئی تھی۔

۵۵- ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی﴾ سو اے مخاطب! تم اپنے رب تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرو گے۔ کیا تم ان میں شک کرو گے جو اس نے اپنی بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں یا ان میں شک کرو گے جو اس نے ناراض ہو کر عذاب کی صورت میں تم نازل کیں یا پھر تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں میں شک کرو گے جو اس کی وحدانیت پر اور اس کی ربوبیت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

یہ (رسول عربی) پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے O نزدیک آنے والی نزدیک آ گئی O اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی کھولنے والا نہیں O تو کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو O اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم غافل ہو O سو تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو O

۵۶- ﴿هٰذَا نَذِیْرٌ﴾ یعنی یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں ﴿مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی﴾

سابق و پہلے ڈرانے والوں میں سے اور ''الاولیٰ'' جماعت کی تاویل پر فرمایا گیا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ قرآن مجید پہلی ڈرانے والی کتابوں کی جنس میں سے ایک ڈرانے والی کتاب ہے' ان کتابوں کے ذریعے تم سے پہلے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے۔

۵۷- ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴾ قریب آنے والی قریب آ چکی ہے' جس کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں قرب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے: ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ'' (القمر:۱) ''قیامت کی گھڑی قریب آ گئی ہے''۔

۵۸- ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴾ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں یعنی اس کو کوئی شخص کھولنے والا نہیں' مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں یہ بات کوئی بیان نہیں کرسکتا کہ قیامت کب قائم ہوگی' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ'' (الاعراف:۱۸۷) ''قیامت کو اس کے وقت پر کوئی شخص ظاہر نہیں کرسکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے'' یا یہ معنی ہے کہ اس کے کھولنے اور اس کے ظاہر کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہے کہ وہ کب واقع ہوگی ماسوا اللہ تعالیٰ کے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہیں فرماتا۔

۵۹- ﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴾ تو کیا تم اس بات پر یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو اور تم اس کا انکار کرتے ہو۔

۶۰- ﴿ وَتَضْحَكُوْنَ ﴾ اور اس کا مذاق اُڑانے کے لیے تم اس پر ہنستے ہو ﴿ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴾ اور تم خوف و ڈر کی وجہ سے روتے نہیں ہو۔

۶۱- ﴿ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴾ اور تم غافل و بے خبر ہو اور تم سرکش و نافرمان ہو اور تم کھیل تماشا کرنے والے اور لہو ولعب میں مشغول رہنے والے لوگ ہو اور جب کفارِ مکہ کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا تو وہ لوگ زور زور سے گانا گا کر اس کا مقابلہ شروع کر دیتے تا کہ لوگ قرآن مجید نہ سن سکیں اور گانوں میں مشغول ہو جائیں۔

۶۲- ﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو یعنی پس تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور تم باطل معبودوں کی عبادت ہرگز نہ کرو۔

سورۃ القمر مکی ہے | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۵۵ رکوعاتہا ۳

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی پچپن آیات' تین رکوع ہیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے ○ اور اگر (کفارِ مکہ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور

کہتے ہیں: یہ دائمی جادو ہےO اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہےO اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں کافی روک ہےO انتہائی کامل حکمت ہے' سو ڈرانے نے کوئی فائدہ نہیں دیاO سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے جس دن بلانے والا ایک اجنبی چیز کی طرف بلائے گاO وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکا لیں گے' قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیںO وہ گردنیں اٹھا کر بلانے والے کی طرف دوڑ پڑیں گے' کفار کہیں گے: یہ دن بڑا سخت ہےO

معجزۂ شق قمر کے انکار پر کفارِ مکہ کی مذمت

(نوٹ) سورۃ القمر مکی ہے اور اس کی پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

۱- ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قیامت قریب آ گئی ہے ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا' اور ''وَقَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ'' بھی پڑھا گیا ہے یعنی قیامت قریب آ گئی ہے اور اس کے قریب آ جانے کی علامات میں سے ایک یہ علامت حاصل ہو چکی ہے کہ بلا شک وشبہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ظاہر ہو چکا ہے' جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ''اَقْبَلَ الْاَمِیْرُ وَقَدْ جَآءَ الْمُبَشِّرُ بِقُدُوْمِهٖ'' امیر آ گیا ہے اور بے شک اس کے آنے کی خوش خبری دینے والا پہلے آ چکا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حرا نامی پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا اور جمہور مسلمان علماء (یعنی مسلمانوں کی اکثریت) پہلے قول پر متفق ہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ عہد نبوت میں ظاہر ہو چکا ہے اور یہی صحیحین میں مروی ہے[1] اور یہ نہ کہا جائے کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جاتا تو تمام اطراف کے لوگوں پر مخفی نہ رہتا اور اگر سب پر

---

[1] شق القمر کے متعلق احادیث: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۵۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ نے ان کو چاند کا دو ٹکڑے ہونا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا' لوگوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے' پھر ان میں سے بعض نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں (یعنی مکہ سے باہر کے لوگوں) پر تو جادو نہیں کر سکتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا تھا' کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا' حتیٰ کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا کہ ہر طرف سے مکہ مکرمہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے شہادت وگواہی دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ظاہر ہو جاتا تو وہ لوگ اس کو تواتر کے ساتھ نقل کرتے کیونکہ عجیب وغریب معاملات کی تشہیر پر انسانی طبیعتیں پیدا کی گئی ہیں' اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بادل کے سبب ان سے مخفی کر دیا ہو۔

۲- ﴿ وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا ﴾ اور اگر وہ لوگ کوئی معجزہ دیکھتے تو اس سے منہ پھیر لیتے یعنی اگر اہل مکہ کوئی ایسا معجزہ دیکھ لیتے جو سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے تو وہ اس پر ایمان لانے سے اعراض کرتے اور اس سے منہ پھیر لیتے ﴿ وَیَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴾ اور وہ کہتے کہ یہ مضبوط جادو ہے (یعنی) محکم وقوی جادو ہے۔ یہ "مِرَّۃ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: قوت وطاقت اور مستحکم ومضبوط ہونا' یا اس کا معنی ہے: ہمیشہ جاری وساری رہنے والا جادو' یا یہ معنی ہے کہ گزر جانے والا' آنے جانے والا جو جلد زائل ہو جائے گا اور برقرار و باقی نہیں رہے گا۔

۳- ﴿ وَکَذَّبُوۡا ﴾ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کی نبوت ورسالت کو جھٹلایا ﴿ وَاتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ ﴾ اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور شیطان نے حق سے دور کرنے کی غرض سے جو باطل شہوات وخواہشات ان کے لیے مزین و آراستہ کر دیں انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی اور حق کو ظاہر اور واضح ہونے کے بعد بھی چھوڑ دیا ﴿ وَکُلُّ اَمۡرٍ ﴾ اور ہر ایسا کام جس کا اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کر چکا ہے ﴿ مُّسۡتَقِرٌّ ﴾ وہ اپنے وقت میں ضرور ہونے والا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہر وہ کام جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کا ہر معاملہ واقع ہو کر رہے گا یعنی ثواب اور عذاب کے ظہور کے وقت ان کا انجام کار ثابت ہو جائے گا۔

٤- ﴿ وَلَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ ﴾ اور بے شک ان کے پاس کچھ خبریں آچکی ہیں (یعنی) بے شک اہل مکہ کے پاس گزشتہ قوموں کی وہ خبریں جو قرآن مجید میں ودیعت رکھی گئی ہیں' آچکی ہیں یا پھر آخرت کی خبریں اور وہ خبریں جو کفار کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے متعلق احادیث صحیحہ بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے متواتر ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ شرح مواقف میں علامہ سید میر شریف نے لکھا ہے کہ یہ احادیث متواتر ہیں' اسی طرح علامہ سبکی نے مختصر ابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے: اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا متواتر ہے' قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا بہ کثرت ذکر ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ چاند کی چودھویں شب میں واقع ہوا تھا' مشہور یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت مبارکہ سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا لیکن میں نے اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھا۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۳' ملخصاً دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

البتہ امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوئے' ان میں ولید بن مغیرہ' ابوجہل بن ہشام' عاص بن وائل' عاص بن ہشام' اسود بن عبد یغوث' اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ' زمعہ بن اسود' نضر بن حارث وغیرہم تھے پس انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں' اس کا نصف ابوقبیس (مکہ کا ایک پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے' ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکار کر فرما رہے تھے: اے ابو سلمہ بن عبد الاسد! اور اے ارقم بن ابی الارقم! تم گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۰' رقم الحدیث: ۲۰۹' دار النفائس' بیروت)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۷۴-۵۷۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' ۳۸ اردو بازار لاہور

عذاب کے بارے میں بیان کی گئی ہیں' ان کے پاس آ چکی ہیں ﴿ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴾ وہ خبریں جن میں کفر وشرک سے ممانعت ہے' کہتے ہیں: ''زَجَرْتُهُ ' وَازْدَجَرْتُهُ اَیْ مَنَعْتُهُ'' یعنی میں نے اسے روکا [اور اصل میں ''اِزْتَجَرَ'' ہے لیکن ''تا'' جب ''زا'' ساکنہ کے بعد واقع ہو تو اس کو دال سے تبدیل کر دیا جاتا ہے کیونکہ ''تـا'' حرف مہموس ہے اور ''زا'' حرف مجہور ہے سو اس لیے ''تـا'' کو حرف مجہور سے بدل دیا گیا اور وہ دال ہے تا کہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب ہو جائیں اور یہ سیبویہ کی کتاب کے آخر میں درج ہے]۔

٥- ﴿ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ﴾ [یہ ''مَا'' سے بدل ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے' اصل میں ''هو حکمة بالغة'' ہے] یعنی وہ (قرآن) راہِ راست دکھانے میں انتہائی کامل اور سراسر حکمت ہے یا یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اہل مکہ کی طرف پہنچنے والی انتہائی کامل حکمت ہے ﴿ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴾ سو ڈرانے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ حرف ''مَـا'' نافیہ ہے اور ''نـذر'' مصدر ہے اور بہ معنی ''انذار'' (ڈرانا) ہے۔

٦- ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ﴾ سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ بے شک ڈرانا دھمکانا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا ﴿ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ﴾ جس دن بلانے والا بلائے گا [''يَوْمَ'' ''يَخْرُجُوْنَ'' کے لیے ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور قاری سہل' یعقوب اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ''الـداعی'' (''یا'' کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی اور ابو عمرو نے وصل میں ان کی موافقت کی ہے اور جس نے ''یــا'' کو گرا دیا' اس نے صرف کسرہ پر اکتفاء کیا اور لکھنے میں ''یـدع'' سے واؤ کو لفظ کی متابعت کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور ''الـداعی'' سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں] ﴿ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴾ اجنبی و ناگوار چیز کی طرف (کفار کو بلایا جائے گا) جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس قسم کی چیز غیر معروف و غیر مانوس ہوتی ہے اور وہ قیامت کے دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (کاف کو ساکن کر کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

٧- ﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ﴾ وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکا لیں گے [امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقی قراء کی قراءت میں ''خَاشِعًا اَبْصَارُهُمْ'' ہے اور یہ ''يَخْرُجُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور وہ ''ابصارهم'' کا فعل ہے جیسے تم کہو: ''يَخْشَعُ اَبْصَارُهُمْ'' اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''خُشَّعًا'' ہے ''يَخْشَعْنَ اَبْصَارُهُمْ'' کی بناء پر اور یہ ان کی لغت ہے جو (فعل اور فاعل دونوں جمع ذکر کرتے ہیں' جیسے) کہتے ہیں: ''اَكَلُوْنِیَ الْبَرَاغِيْثُ'' مجھے پسوؤں نے کھایا' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''خُشَّعًا'' میں ''هم'' ضمیر ہو اور ''ابصارهم'' اس سے بدل واقع ہو رہا ہو] اور ''خشوع الابصار'' (آنکھیں جھکانے) سے ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذلیل کی ذلت اور عزیز کی عزت ان کی دونوں کی آنکھوں سے ظاہر ہوگی ﴿ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ ﴾ وہ (اس روز) اپنی قبروں سے باہر نکل پڑیں گے ﴿ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴾ گویا وہ لوگ اپنی کثرت میں اور ہر طرف متفرق ہونے میں پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں' اور کثرت اور موج در موج ہونے میں ''جـراد'' کی مثال دی جاتی ہے' چنانچہ بہت بڑے لشکر کے بارے میں جس کے افراد ایک دوسرے میں گھستے جا رہے ہوں' کہا جاتا ہے کہ وہ ٹڈیوں کا لشکر آ گیا ہے۔

٨- ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ﴾ وہ لوگ اپنی گردنوں کو اوپر اٹھا کر بلانے والے کی طرف جلد از جلد دوڑیں گے ﴿ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴾ کفار کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت اور مشکل ترین ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا' سو انہوں نے ہمارے ایک بندے کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا: یہ تو دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا گیا ہے O سو اس نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ بے شک میں مغلوب ہوں' سو تو میرا بدلہ لے O پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار پانی کے ساتھ کھول دیئے O اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے' سو دونوں پانی اس مقدار پر جمع ہو گئے جو (ان کے لیے) مقدر کی گئی تھی O اور ہم نے نوح علیہ السلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا O وہ ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی' اس کے لیے صلہ تھی جس کا انکار کیا گیا O اور بے شک ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے O

حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کی ہلاکت کا بیان

۹- ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ان سے یعنی اہل مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا﴾ پھر انہوں نے ہمارے مقدس بندے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تکذیب کے تکرار کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بار بار جھٹلایا کیونکہ جب ان میں سے ایک جماعت جھٹلانے والی گزر جاتی تو اس کے پیچھے دوسری جھٹلانے والی جماعت آ جاتی' یا یہ معنی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تو انہوں نے ہمارے بندے کو بھی جھٹلایا یعنی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور نبوت و رسالت کا بالکل انکار کر دیا تو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی جھٹلا دیا کیونکہ آپ بھی یقیناً جملہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں ﴿وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ﴾ اور انہوں نے کہا: ''هُوَ مَجْنُونٌ'' وہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا گیا ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو گالیاں دے کر رسالت کی ادائیگی سے جھڑکا اور ڈانٹا گیا اور قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں یا یہ بھی ان کے مجموعہ اقوال میں سے ایک قول ہے' یعنی انہوں نے کہا کہ وہ دیوانہ ہے اور بے شک اسے شیطان نے جھڑکا اور اسے مخبوط بنا دیا اور اس کی عقل زائل کر دی۔

۱۰- ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ﴾ پھر آپ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں (یعنی) میری قوم مجھ پر غالب آ چکی ہے اور انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی اور مجھے ان کی طرف سے دعوت قبول کرنے سے سخت مایوسی ہوئی ہے اور اب ان کی اجابت و دعوت قبول کرنے سے میری مایوسی اور نا امیدی بہت مستحکم اور پکی ہو گئی' اب ان سے کوئی اُمید باقی نہیں رہی ﴿فَانْتَصِرْ﴾ سو تو ہی میرا ان سے انتقام اور بدلہ لے کہ تو ان پر عذاب بھیج۔

۱۱- ﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ﴾ سو ہم نے ان پر موسلا دھار مسلسل زور سے برسنے والی بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے' چنانچہ یہ بارش مسلسل چالیس روز تک بغیر کسی وقفہ کے برتی رہی۔ ''منھمر'' کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے لگاتار پانی بہانا [ابن عامر شامی' یزید' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مشدد مفتوح (باب تفعیل سے) ''ففتّحنا'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲- ﴿وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا﴾ اور ہم نے زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور ہم نے تمام روئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ گویا ہر جگہ پانی کے چشمے پھوٹ کر بہہ رہے ہیں اور یہ کلام مبارک عرب کے قول ''وَفَجَّرْنَا عُيُوْنَ الْاَرْضِ'' سے بہت زیادہ بلیغ ہے ﴿فَالْتَقَى الْمَاءُ﴾ سو پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین دونوں کے پانی باہم مل گئے اور جمع ہوگئے اور ایک قراءت میں ''اَلْمَآءَ انِ'' پڑھا گیا ہے یعنی سماوی اور ارضی پانی کی دونوں قسمیں باہم مل گئیں ﴿عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾ اس مقدار پر جو مقدر کی گئی (یعنی) ایسے حال پر جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مقدار مقرر کی' جیسے اس نے چاہا یا ایسے امر پر جو لوحِ محفوظ میں مقدر کر دیا گیا کہ بے شک یہ ضرور ہوگا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان وکافر قوم کا طوفان کے ذریعے ہلاک کیا جانا مراد ہے۔

۱۳- ﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ﴾ اور ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو تختوں والی اور میخوں والی (کشتی) میں سوار کر دیا۔ مراد کشتی ہے کیونکہ ''ذات الالواح'' اور ''دسر'' کشتی کی صفات ہیں جن سے خود کشتی مراد ہے اور یہ اس لیے کہ یہ ان صفات میں سے ہیں جو اپنے موصوفات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور یہ اپنے موصوفات کی جگہ پر استعمال ہوتی ہیں اور ان کا معنی ومفہوم ادا کرتی ہیں' یہاں تک کہ ان کے درمیان اور ان کے موصوفات کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا جیسے متنبی کے شعر کا یہ مصرع ہے: ''وَلٰكِنَّ قَمِيْصِىْ مَسْرُوْدَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ'' (ترجمہ:) اور لیکن میری قمیص لوہے سے تیار کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میری قمیص میری زرہ ہے' کیا تم دیکھتے نہیں اگر سفینہ اور ان صفات کو جمع کیا جائے تو پھر یہ درست نہیں ہوگا اور یہ اس کلام مبارک کی فصاحت وبلاغت اور امتیازی شان ہے اور ''دُسُر''، ''دِسَار'' بروزن ''فِعَال'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کیل اور میخیں اور یہ ''دَسَرَ'' سے ماخوذ ہے' جس کا لغوی معنی دفع کرنا ہے کیونکہ کیلوں اور میخوں کے ذریعے تختوں کو باہم جوڑ کر ان کے سوراخ دفع اور بند کیے جاتے ہیں۔

۱۴- ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ وہ کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی یا وہ ہماری حفاظت میں محفوظ رواں دواں رہی [''باعیننا''، ''تجری'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی وہ کشتی ہماری وجہ سے محفوظ چلتی رہی] ﴿جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ یہ (کشتی کا بہ حفاظت چلنا) انعام اور صلہ تھا' اس مقدس ذات کے لیے جس کا انکار کیا گیا اور اس کے ساتھ کفر کیا گیا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ''مکفور'' قرار دیا ہے کیونکہ نبی اور رسول' اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت ہوتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَO'' (الانبیاء:۱۰۷) ''اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بنا کرO'' سو اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نعمتِ مکفورہ ہیں۔

۱۵- ﴿وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً﴾ اور بے شک ہم نے اس کو یعنی کشتی کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنا کر چھوڑا یعنی ہم نے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی سبق آموز نشانی بنا دیا تا کہ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو سرزمین جزیرہ میں باقی رکھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جودی پہاڑ پر طویل و دراز زمانہ تک باقی اور ثابت رکھا یہاں تک کہ اس امت کے اوائل کے لوگوں نے اس کشتی کو دیکھا اور اس کی

زیارت کی ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ تو کیا کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا ہے جو عبرت ونصیحت حاصل کرے [اور اصل میں ''مذتکرھا'' ہے ذال اور ''تا'' کے ساتھ پھر ''تا'' کو دال سے بدل دیا اور دال اور ذال ایک جگہ جمع ہو گئے تو ذال کو دال میں مدغم کر دیا گیا تو ''مُدَّكِرٌ'' ہو گیا]۔

۱٦۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ [اور ''نذر''، ''نذیر'' کی جمع ہے اور یہ ''انذار'' مصدر کے معنی میں ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یائے متکلم کے ساتھ ''وَنُذُرِیْ'' ہے اور قاری سہل نے وصل کی صورت میں اس کی موافقت کی ہے' ان کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' کے بغیر پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ کلمہ اس سورت میں تمام جگہ اسی اختلاف پر پڑھا جائے گا]۔

۱۷۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے' وہ اس طرح کہ ہم نے اس کو شفاء بخش مواعظ سے پُر کر دیا اور ہم نے اس میں وعدوں اور وعیدوں (دھمکیوں) کو بار بار مختلف انداز سے بیان کیا ہے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے' جو نصیحت حاصل کرے۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور ہم ہر اس شخص کی حفظ قرآن پر مدد کرتے ہیں' جو اس کو حفظ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو کیا کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے تاکہ حفظ قرآن پر اس کی مدد کی جائے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مذاہب کی کتابیں جیسے تورات' انجیل اور زبور وغیرہم ان کے ماننے والے ان کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے ہیں اور ان کتابوں کو قرآن مجید کی طرح حفظ کر کے زبانی نہیں پڑھ سکتے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

عاد نے (پوری کافر قوم سمیت) تکذیب کی' سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھاO بے شک ہم نے ان پر ایک دائمی منحوس دن میں سخت تند و تیز آندھی بھیجیO وہ لوگوں کو جگہ سے اکھاڑ کر پھینکتی' گویا وہ جڑ سے اکھڑنے والے کھجور کے درخت کے تنے ہیںO سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھاO اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہےO

قوم عاد کی تکذیب و ہلاکت کا بیان

۱۸۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ قوم عاد نے جھٹلایا' سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا یعنی میرا ان کو عذاب کے نزول سے پہلے عذاب سے ڈرانا یا میرا انہیں عذاب دینے سے ان لوگوں کو ڈرانا جو ان کے بعد ہوئے۔

۱۹۔ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا﴾ بے شک ہم نے ان پر سخت تند و تیز آندھی بھیجی جو انتہائی سخت سرد تھی یا سخت

زوردار آواز والی آندھی تھی ﴿فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ﴾ منحوس و بد بخت دن میں[1]

۲۰- ﴿تَنْزِعُ النَّاسَ﴾ وہ (آندھی) لوگوں کو ان کی جگہوں سے اکھیڑ کر اور اوپر لے جا کر زمین پر پھینک دیتی اور اس وقت انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پکڑ کر صف بندی کر لی اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر غاروں میں داخل ہو گئے اور کئی لوگوں نے زمین دوز گڑھے کھودے اور ان میں چھپ گئے لیکن آندھی نے سب کو اکھیڑ دیا اور غاروں اور گڑھوں کو ان پر الٹا کر انہیں اندر ہلاک کر دیا اور ان کی گردنیں توڑ دیں ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ گویا وہ لوگ جڑ سے اکھیڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں" اعجاز نخل" کا معنی ہے: کھجور کا زمین سے نکلا ہوا بنیادی تنا اور "منقعر" کا معنی ہے: جڑ سے اکھڑنا' قوم عاد کے کفار کو کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے تنے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس تند و تیز آندھی نے انہیں غاروں' خندقوں اور گڑھوں سے اکھیڑتے ہوئے ان کے سروں کو جسموں سے کاٹ دیا اور وہ لوگ بغیر سروں کے اپنے باقی جسموں کے ساتھ زمین پر گرے ہوئے پڑے تھے اور وہ مر کر مُردوں کی صورت میں زمین میں ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑے تھے حالانکہ وہ بڑے طاقتور دراز قد اجسام والے لوگ تھے ["کَاَنَّھُمْ"،"اَلنَّاس" سے حال واقع ہو رہا ہے اور "نَخْلٍ" کی صفت کو اس کے لفظ پر محمول کر کے مذکر لایا گیا ہے اور اگر اس کی صفت کو معنی پر محمول کیا جاتا تو پھر صفت کو مذکر کے بجائے مؤنث ذکر کیا جاتا' جیسا کہ ارشاد فرمایا: "کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ"]۔

۲۱- ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا۔

﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ ہمیشہ کی برائی سو ان کفار پر ہمیشہ نحوست و برائی جاری و ساری رہی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ عذاب ان پر ماہ (شوال کے) آخر میں بدھ کے روز آیا تھا۔

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے' حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور فرمایا: بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے' اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حیہ ہے' امام دارقطنی نے کہا: یہ روایت متروک ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۷۴)

اور بر تقدیر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل (مطلب) یہ ہے کہ بدھ کا دن کفار' فساق' فجار اور مفسدین پر منحوس ہوتا ہے جب کہ یہ دن مسلمانوں اور نیک لوگوں پر منحوس نہیں ہوتا کیونکہ جن ایام میں قوم عاد پر آندھی چل رہی تھی اور ان کو ہلاک کر رہی تھی' ان ایام میں حضرت ھود علیہ السلام اور دیگر مؤمنین بھی موجود تھے اور ان کو ان ایام میں آندھی کے عذاب سے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا تھا' پس اس سے واضح ہوا کہ یہ ایام صرف عاد کی نافرمان قوم کے حق میں منحوس تھے لیکن انبیائے کرام اور صالحین کے لیے منحوس نہیں تھے۔

نیز دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے: "فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" (حٰم السجدہ:۱۶) "سو ہم نے ان پر تند و تیز آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھا دیں"۔

نیز عاد کے متعلق فرمایا: "وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍO سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍO" (الحاقۃ:۶-۷) "اور لیکن عاد والوں کو خوف ناک آواز والی تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیاO ان پر اللہ تعالیٰ نے لگاتار سات راتوں اور آٹھ دنوں تک عذاب مسلط رکھا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۲- ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾

ثمود نے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایاO سو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور جنون میں ہوں گےO کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا بہت متکبر ہےO وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا بہت زیادہ متکبر ہےO بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو (اے صالح) آپ ان کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئےO

قوم ثمود کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۲۳، ۲۴- ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِO فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ﴾ ثمود کی قوم نے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایاO سو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک انسان کی پیروی کریں [''بَشَرًا'' ایسے مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد والا فعل یعنی ''نَتَّبِعُهٗ'' کر رہا ہے] اصل میں ''اَنَتَّبِعُ بَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا'' ہے یعنی کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک آدمی کی پیروی شروع کر دیں؟ ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾ بے شک تب تو ہم گمراہی اور جنون و دیوانگی میں ہوں گے۔ دراصل حضرت صالح علیہ السلام ثمود کی قوم سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میری اتباع اور پیروی نہیں کی تو تم راہِ حق سے بھٹک کر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آخر کار تم دوزخ کی آگ میں جا پڑو گے۔ ''سُعُرْ''، ''سَعِيْرٌ'' کی جمع ہے' دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ' چنانچہ ان بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی بات کا برعکس جواب دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی تب تو ہم گمراہ ہو جائیں گے جیسے آپ فرماتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ''ضلال'' کا معنی ہے: خطاء اور غلطی کرنا اور حق کی راہ سے دور ہو جانا اور ''سعر'' کا معنی ہے: جنون یعنی دیوانہ ہو جانا اور ان کا ''بَشَرًا'' کہنا جنسیت میں اپنے جیسے آدمی کی پیروی کرنے سے انکار کرنا ہے اور یہ مطالبہ کرنا ہے کہ نبی اور رسول فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اور انہوں نے ''مِنَّا'' اس لیے کہا کہ جب نبی اور رسول انہیں میں سے ہو گا تو مماثلت اور ہم جنسیت زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہو گی اور انہوں نے ''وَاحِدًا'' اس بات کا انکار کرنے کے لیے کہا کہ پوری امت صرف ایک آدمی کی پیروی کرے یا ان کی مراد ''وَاحِدًا'' کہنے سے یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوںO''۔

ان پر بدھ سے عذاب شروع ہوا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر عذاب جاری رہا اور حٰم السجدہ:۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام دنوں کو منحوس فرمایا' پس صرف بدھ کے دن کو منحوس قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں رہی' کیونکہ ان کفار کے حق میں تو ہفتہ کے ساتوں دن منحوس و بے برکت تھے۔ اور تمام دنوں کے منحوس ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے' پس واضح ہو گیا کہ یہ ایام صرف کفار کے حق میں منحوس تھے نہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۸۶-۵۸۷)

ان کے خاندان اور ان کی قوم کے ایک فرد ہیں' ان سے افضل و اعلیٰ اور ان سے برتر نہیں ہیں اور اس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کرتی ہے۔

٢٥- ﴿ءَاُلۡقِیَ الذِّکۡرُ عَلَیۡہِ مِنۡۢ بَیۡنِنَا﴾ کیا ہم میں سے صرف اسی پر ذکر نازل کیا گیا ہے یعنی کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی جاتی ہے حالانکہ ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبوت کے لیے انتخاب کا حق اس سے زیادہ رکھتے ہیں ﴿بَلۡ ہُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا بہت متکبر ہے (یعنی) بہت اترانے والا متکبر ہے۔ دراصل اس کا اِترانا اور ہم پر بڑائی چاہنا نبوت کے دعویٰ کرنے کا داعی اور سبب ہے' یہی خواہش اس میں ادعائے نبوت پر تحریک پیدا کرتی ہے۔

٢٦- ﴿سَیَعۡلَمُوۡنَ غَدًا﴾ وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہوگا یا عنقریب قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا ﴿مَّنِ الۡکَذَّابُ الۡاَشِرُ﴾ کون بہت بڑا جھوٹا متکبر ہے' آیا حضرت صالح علیہ السلام یا وہ لوگ جنہوں نے اس کی تکذیب کی اور اسے جھوٹا قرار دیا۔ ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ''سَتَعۡلَمُوۡنَ'' ہے اس بناء پر کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے یہ کلام بیان فرمایا یا پھر التفات و خطاب کے طریقہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

٢٧- ﴿اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَۃِ﴾ بے شک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں اور ہم اسے بہت بڑے پہاڑ سے نکالنے والے ہیں' جیسا کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے صحیح اور سالم اونٹنی پہاڑ سے نکالنے کا مطالبہ اور سوال کیا تھا ﴿فِتۡنَۃً لَّہُمۡ﴾ ان کا امتحان لینے اور ان کی آزمائش کرنے کے لیے [اور یہ ''مرسلوا'' کا مفعول لہ ہے یا حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَارۡتَقِبۡہُمۡ﴾ سو (اے صالح!) آپ ان کا انتظار کیجئے اور دیکھتے رہیے کہ وہ کیا کرنے والے ہیں ﴿وَاصۡطَبِرۡ﴾ اور آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کیجئے اور جلدی نہ کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس میرا حکم پہنچ جائے۔

وَنَبِّئۡہُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَۃٌۢ بَیۡنَہُمۡ ۚ کُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوۡا صَاحِبَہُمۡ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَکَانُوۡا کَہَشِیۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿٣٢﴾

اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے' پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا O سو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا تو اس نے (اونٹنی کو) پکڑنے کی جراءت کی' پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چنگھاڑ بھیجی' پس وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند چورا چورا ہو گئے O اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O

٢٨- ﴿وَنَبِّئۡہُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَۃٌۢ بَیۡنَہُمۡ﴾ اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے' ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کے لیے ہوگی اور ایک دن پانی پینے کی باری قوم ثمود کے لیے ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے عقلاء کو غالب قرار دے کر (''ھم'' ضمیر مذکر کے ساتھ) ''بَیۡنَہُمۡ'' فرمایا ﴿کُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ﴾ پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا' ایک دن پانی پینے کے لیے قومِ ثمود حاضر ہوگی اور ایک دن اونٹنی پانی پینے کے لیے

حاضر ہوگی۔

۲۹۔ ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ﴾ سو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا جس کا نام قُدار بن سالف تھا اور اس کی حقارت کی بناء پر اس کا لقب احیمر ثمود تھا ﴿فَتَعَاطٰى﴾ پس اس نے بڑی ہولناک چیز کو پکڑنے کی جراءت کی اور اپنے انجام کی پرواہ نہیں کی ﴿فَعَقَرَ﴾ تو اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں یا یہ معنی ہے کہ قدار نے بڑی مشکل سے اونٹنی کو پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں یا یہ کہ اس نے تلوار کو ہاتھ میں پکڑا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ میں جمع کے ساتھ ارشاد فرمایا: ''فَعَقَرُوا النَّاقَةَ'' (الاعراف:۷۷) ''سو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں'' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اونٹنی کو صرف قدار بن سالف نے قتل کیا تھا لیکن وہ سب لوگ اس پر راضی تھے یا اس لیے کہ قدار نے ان کی مدد سے اونٹنی کو ہلاک کیا تھا۔

۳۰۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

۳۱۔ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چیخ اور ایک زبردست چنگھاڑ بھیجی' اس ہولناک چیخ سے حضرت جبریل علیہ السلام کی پر ہیبت اور ہولناک چنگھاڑ مراد ہے جو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور ہلاک کرنے کے چوتھے روز قومِ ثمود کے پاس جا کر ماری تھی جس کی وجہ سے ﴿فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ وہ لوگ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور ''هَشِيْمٌ'' کا معنی ہے: خشک گھاس اور سوکھی جھاڑیاں اور ''مُتَهَشِّمٌ'' کا معنی ہے: ٹوٹی ہوئی اور روندی ہوئی چیز اور ''محتظر'' وہ شخص ہے جو باڑ تیار کرتا ہے اور وہ جس کے ساتھ باڑ تیار کرتا ہے وہ عرصہ دراز کے بعد خشک ہو جاتا ہے اور اسے جانور روند ڈالتے ہیں' پس وہ ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جاتا ہے اور حضرت حسن نے اس میں ''ظا'' کو مفتوح پڑھا ہے اور وہ باڑ بنانے کی جگہ ہے یعنی باڑہ۔

۳۲۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی حفظ قرآن کا طالب اور نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۲ ۹

لوط کی قوم نے ڈرسنانے والے رسولوں کو جھٹلایا○ بے شک ہم نے ان پر پتھروں کی بارش بھیج دی ماسوا لوط علیہ السلام کی آل کے' ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا○ یہ ہماری طرف سے ایک احسان تھا' ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو شکر ادا کرتا ہے○ اور بے شک اس نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا' سو انہوں نے ڈراوے میں شک کیا○ اور بے شک انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا' سو تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ

چکھوO اور بے شک صبح سویرے ان کو ٹھہرنے والے عذاب نے ہلاک کر ڈالاO سو اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھوO اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہےO

قومِ لوط کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۳۳- ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم نے عذاب الٰہی سے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا۔

۳٤- ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا ﴾ بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ بھیجا (یعنی) بے شک ہم نے ان پر ایسی شدید تیز ترین آندھی بھیجی جو پتھروں اور کنکروں کو اُڑا کر ان پر مارتی تھی یعنی ان پر پتھریلے کنکر پھینکتی تھی ﴿ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ﴾ سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی آل کے یعنی ان کی بیٹیاں اور وہ مسلمان جو آپ پر ایمان لائے تھے ﴿ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴾ ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا (یعنی) رات کے آخری اوقات میں سے کسی آخری وقت میں اور اسی وجہ سے ''بِسَحَرٍ'' کو منصرف لایا گیا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ''لَقِيْتُهٗ بِسَحَرٍ'' میں نے اس سے سحری کے وقت ملاقات کی۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اس روز صبح سویرے اس سے ملاقات کی ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ سحر دو ہیں' ایک اعلیٰ سحر جو فجر کے نمودار ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور دوسری سحر جو فجر کے نمودار ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

۳۵- ﴿ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ یہ ہماری طرف سے نعمت ہے یعنی یہ ہمارا انعام ہے [''نِعْمَةً''، ''نَجَّيْنَا'' کا مفعول لہ ہے] ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴾ ہم اسی طرح ہر اس آدمی کو بدلہ اور صلہ عطاء کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔

۳٦- ﴿ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا ﴾ اور بے شک حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعے ہمارے گرفت کرنے سے ڈرایا ﴿ فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴾ سو انہوں نے ڈرانے والے رسولوں کے ڈراوے میں شک کیا تو انہوں نے اسی شک کی بناء پر ڈرانے والوں کو اور ان کے ڈراوے کو جھٹلایا۔

۳۷- ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ ﴾ اور بے شک ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا اور انہوں نے آپ کے مہمانوں (فرشتوں) کے ساتھ بے حیائی کے کام کا مطالبہ کیا ﴿ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ ﴾ پس ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا ڈالا (یعنی) ہم نے ان کو اندھا اور نابینا کر دیا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی آنکھوں کو بالکل مٹا دیا اور آنکھوں کی جگہ کو باقی چہرے کی طرح برابر کر دیا یہاں تک کہ ان کے چہروں میں چشم خانے نظر نہیں آتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے پر پہنچے تا کہ گھر کے اندر گھس جائیں تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ دروازہ کھول دیں اور اندر داخل ہونے دیں کیونکہ ہم بلاشبہ آپ کے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں' یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں اپنا ایک پَر مارا تو سب اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگے مگر انہیں دروازہ کی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو نکال دیا ﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴾ سو تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو (یعنی) میں نے ان سے فرشتوں کی زبانی کہا کہ اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

۳۸- ﴿ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴾ اور بے شک صبح سویرے یعنی دن کے آغاز میں ان لوگوں کو قائم و ثابت عذاب نے ہلاک کر ڈالا (یعنی) وہ عذاب ان لوگوں پر برقرار رہے گا کبھی ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ عذابِ دنیا انہیں آخرت کے عذاب تک پہنچا دے گا۔

۳۹، ٤٠- ﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ سو اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو ۝ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے' اور ان آیات کے تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ قریش مکہ پہلے لوگوں کی خبروں میں سے ہر خبر کی سماعت کے وقت نئے سرے سے نصیحت و موعظت حاصل کریں اور جب وہ نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب و تحریک سنیں گے تو وہ نئے سرے سے تنبیہ اور آگاہی حاصل کریں گے اور سورۂ رحمٰن میں ہر نعمت کی گنتی کے وقت آیت کریمہ ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ'' کے تکرار اور سورۃ المرسلات میں ہر آیت مبارکہ کے ورود کے وقت ''وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ'' کے تکرار کا بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح قصوں اور خبروں کے تکرار کا یہی حکم ہے تاکہ یہ عبرت دلوں میں حاضر رہے اور ذہنوں میں نقش ہو جائے اور تمام اوقات میں یاد رہے کبھی بھولنے نہ پائے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

وقف لازم

اور بے شک فرعونیوں کے پاس عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے رسول آئے ۝ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایک غالب اقتدار رکھنے والے کی پکڑ کی طرح پکڑ لیا ۝ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے کفار ان لوگوں سے زیادہ بہتر ہیں یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے نجات لکھ دی گئی ہے ۝ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لینے والے ہیں ۝ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۝ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت بڑی ہولناک اور بہت ہی تلخ ہے ۝ بے شک مجرم لوگ گمراہی میں ہیں اور دوزخ میں ہوں گے ۝ جس دن وہ اپنے مونہوں کے بل اوندھے کر کے دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے' (اور انہیں کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھو ۝ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے ۝

فرعونیوں کی تکذیب و ہلاکت اور کفارِ مکہ کی مذمت

٤١- ﴿ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴾ اور بے شک فرعون والوں کے پاس عذابِ الٰہی کا ڈر سنانے والے رسول آئے (یعنی) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ان دونوں کے علاوہ دیگر انبیائے کرام میں سے یا یہ ''نذیر'' کی

جمع ہے اور وہ ''انذار'' کے معنی میں ہے۔

٤٢- ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا ﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا' اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو (۹) معجزات مراد ہیں ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ ﴾ سو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک بہت ہی غالب کی پکڑ ہوتی ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿ مُّقْتَدِرٍ ﴾ بہت بڑی قدرت والا جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

٤٣- ﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ ﴾ (یعنی) اے اہل مکہ! کیا تمہارے کفار زیادہ بہتر ہیں ﴿ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ ﴾ ان کفار سے جن کا اس سے پہلے گنتی کے ساتھ ذکر ہو چکا جیسے قوم نوح' قوم ہود' قوم صالح' قوم لوط اور آل فرعون یعنی کیا وہ قوت و طاقت' آلات اور دنیاوی مرتبہ کے لحاظ سے تم سے زیادہ بہتر ہیں یا وہ کفر و شرک اور عناد و بغض میں کم ہیں یعنی بے شک تمہارے کافر انہیں سابق کافروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدترین ہیں ﴿ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴾ یا تمہارے لیے کتابوں میں نجات لکھی ہوئی ہے (یعنی) اے اہل مکہ! کیا پہلی کتابوں میں لکھا ہوا نجات نامہ تم پر نازل کر دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو کفر و شرک کرتا ہے اور رسولوں کو جھٹلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا اور کیا تم لوگ اس نجات نامے کی وجہ سے پر امن اور بے خوف ہو چکے ہو؟

٤٤- ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴾ یا وہ (اپنی جہالت کی وجہ سے یا پھر اپنی طاقت کے گھمنڈ میں) کہتے ہیں: ہم بہت بڑی جماعت ہیں ہمارا ہر کام مجتمع و متفق اور مضبوط ہوتا ہے' ہم سب پر غالب و منتقم ہیں اور ہمیں نہ مغلوب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہمیں دبایا جا سکتا ہے۔

٤٥- ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ ﴾ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی (یعنی) اہل مکہ کی جماعتِ کفار عنقریب (بدر کی جنگ میں) شکست کھائے گی ﴿ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے یعنی ''الادبار'' ہے جیسا کہ شاعر نے کہا: ''كُلُوْا فِىْ بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعِفُّوْا'' تم اپنے پیٹوں کے بعض حصے میں کھانا کھاؤ تم خیر و عافیت میں رہو گے (اصل میں ''فِىْ بَعْضِ بُطُوْنِكُمْ'' ہے) مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے یعنی غزوۂ بدر کے دن اور یہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی علامات میں سے ایک عالی شان علامت و نشانی ہے[1] (کہ آپ برحق اور سچے نبی ہیں)۔

---

[1] صحیح بخاری شریف میں ہے' جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں اگر تو یہی چاہتا ہے کہ روئے زمین پر آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے' بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور کہا: یا رسول اللہ! بس کیجئے! آپ کے لیے اتنی دعا کافی ہے' آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کی ہے' اور اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے' پھر آپ یہ دونوں آیتیں تلاوت کرتے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے: ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو میں نہیں جانتا تھا کہ کافروں کی کون سی جماعت شکست کھائے گی' لیکن جب بدر والے دن میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ یہی آیت مبارکہ ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ'' تلاوت کر رہے تھے تو اس دن اس کی تفسیر میری سمجھ میں آ گئی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۲۶۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴۶- ﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ ﴾ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے یعنی دنیا میں میدانِ بدر میں شکست کے عذاب کے بعد آخرت میں ان کے عذاب کی وعدہ گاہ قیامت ہے ﴿ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ ﴾ اور قیامت بدر کی شکست سے زیادہ سخت ہولناک ہے ''الداهية'' کا معنی ہے: وہ ہولناک امر جس سے نجات پانے کی کوئی راہ دکھائی نہ دے ﴿ وَأَمَرُّ ﴾ اور قیامت کے عذاب کا مزہ عذابِ دنیا کے مزہ سے زیادہ کڑوا ہے یا زیادہ سخت ہے اگر اسے ''مِرَّةٌ'' (میم مکسور) سے ماخوذ مانا جائے۔

۴۷- ﴿ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ ﴾ بے شک مجرم لوگ دنیا میں حق کی راہ سے دور گمراہی میں مبتلا تھے ﴿ وَسُعُرٍ ﴾ اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہوں گے یا وہ دوزخ کی آگ میں اور ہلاکت وتباہی میں ہوں گے۔

۴۸- ﴿ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ﴾ جس دن انہیں چہروں کے بل اوندھا کر کے دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴾ تم دوزخ کی تکلیف کا مزہ چکھو جیسے یہ کہنا کہ ''وَجَدَ مَسَّ الْحُمّٰى'' فلاں آدمی نے بخار کی حرارت وگرمی کی تکلیف کو محسوس کیا اور مار کا ذائقہ چکھا' اس لیے کہ دوزخ کی آگ جب انہیں پہنچے گی تو گویا وہ آگ ان کو اپنی حرارت وگرمی اور درد والم کے ساتھ چھوئے گی ﴿ سَقَرَ ﴾ اپنی تپش سے جھلسانے والی دوزخ [یہ غیر منصرف ہے' اس میں دو سبب تانیث اور معرفہ ہونا پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ جہنم کا علم ہے ''سَقَرَتْهُ النَّارُ'' اس کو آگ نے جھلسا دیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ جلا کر آدمی کا رنگ وروپ تبدیل کر دے]۔

۴۹- ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک معین ومقرر انداز ے کے ساتھ پیدا کیا۔ ''قَدْر'' (دال ساکن) اور ''قَدَر'' (دال مفتوح) دونوں کا معنی معروف تقدیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق ہر چیز نے دنیا میں آکر جو کچھ کرنا تھا' اس کو ہر چیز کی پیدائش سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ لینا تقدیر ہے' یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایسے طریقہ پر محکم ومرتب مقدر کر کے پیدا فرمایا جس کا حکمت تقاضا کرتی تھی' یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے' اس لیے وہ اپنے ہونے سے پہلے ہمیں معلوم ہے کیونکہ ہم اس کے ہر حال اور اس کے تمام زمانوں کو لوحِ محفوظ میں تحریر کرنے سے پہلے جان چکے ہیں۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضور سرورِ عالم ﷺ کے معجزات میں سے ہے ''لِاَنَّهٗ اَخْبَرَ عَنْ غَيْبٍ فَكَانَ كَمَا اَخْبَرَ'' اس لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غیب کی خبر دی تو ویسے ہوا جیسے آپ نے خبر دی۔

فائدہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے درمیان اور غزوۂ بدر کے درمیان سات سال گزرے کیونکہ غزوۂ بدر سات سال بعد واقع ہوا' اس لیے یہ آیت بھی مکیہ ہے۔ (تفسیر روح البیان اُردو جزء ۲۷ ص ۳۳۴)

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت تقدیر کے بارے میں درج ذیل احادیث مبارکہ بیان کی ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ لیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ (رواہ مسلم)

(۲) حضرت طاؤس بن مسلم یمانی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے میں نے بہت سے صحابہ کو پایا جو یہ کہتے تھے کہ ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ عجز اور عقل مندی۔ (رواہ البغوی بسندہ)

(۳) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لے آئے: (۱) وہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی اکیلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شانِ نزول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مشرکینِ قریش حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں آپ سے بحث کرنے اور جھگڑنے لگے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم اٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ یقیناً قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے [''کُلَّ'' اپنے سے پہلے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ظاہر کر رہا ہے اور اس کو خلاف قانون مرفوع بھی پڑھا گیا ہے لیکن نصب ہی بہتر ہے کیونکہ اگر اسے مرفوع قرار دیا جائے تو اس میں دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں: (۱) ایک یہ کہ ممکن ہے کہ ''خَلَقْنَاہُ'' محلاً مجرور ہو اور ''شَیْءٍ'' کی صفت ہو اور ''بِقَدَرٍ'' خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ مَخْلُوْقٍ لَّنَا کَائِنٌ بِقَدَرٍ'' بے شک ہماری ہر مخلوق ایک اندازے کے ساتھ ہوتی ہے (۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''خَلَقْنَاہُ'' خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ مَخْلُوْقٌ لَّنَا بِقَدَرٍ'' بے شک ہر چیز ہماری مخلوق ہے جو ایک اندازے کے ساتھ ہے' پھر جب ''کُل'' کا معاملہ رفع کی صورت میں دو احتمالات میں متردد ہو گیا تو نصب کی طرف رجوع کیا گیا اور اب نصب کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی:] ''اِنَّا خَلَقْنَا کُلَّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ'' بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے' سو اب تخلیق (پیدا کرنا) ہر چیز کو شامل ہو جائے گی اور یہی اس آیت مبارکہ سے مراد ہے [اور اب نصب کی صورت میں یہ جائز نہیں کہ ''خَلَقْنَاہُ''، ''شَیْءٍ'' کی صفت ہو کیونکہ ''خَلَقْنَاہُ'' فعل ناصب مقدر کی تفسیر ہے اور صفت اپنے موصوف میں عمل نہیں کرتی]۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۱۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معبودِ برحق ہے (۲) وہ گواہی دے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۳) اور وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لائے (۴) اور وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(۴) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرمانے لگے کہ میری امت میں بھی زمین میں دھنسنا اور شکلوں کا بگڑنا پایا جائے گا اور یہ تقدیر کو جھٹلانے والوں کے لیے ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد وروہ الترمذی نحوہ)

(۵) اور یہ روایت بھی انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قدریہ فرقہ اس امت کے مجوس ہیں' اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی عیادت و بیمار پرسی نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے نہ جاؤ۔ (رواہ ابوداؤد واحمد)

(۶) حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو تعویذ گنڈا اور دم وغیرہ کرتے ہیں اور ہم جو دوا اور علاج کرتے ہیں اور ہم پرہیز استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

اور اس کے بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں اور اسی پر تمام صحابہ اور ان کے بعد تمام اہل سنت وجماعت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۳' مطبوعہ دہلی)

[1] مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۷۔ ۳۲۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳

اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ کُن آنکھ جھپکنے کی طرح O اور بے شک ہم نے تمہاری طرح کفر کرنے والی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O اور ہر چیز جوانہوں نے کی ہے کتابوں میں درج ہے O اور ہر چھوٹا اور بڑا عمل لکھا ہوا ہے O بے شک پرہیز گار لوگ جنتوں اور نہروں میں ہوں گے O سچ کے مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس O

۵۰۔ ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ ﴾ اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ یعنی جب ہم کسی چیز کی تکوین اور تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اس چیز کے لیے ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر یہی کہ ہم اس سے کہہ دیتے ہیں: ''کُنْ'' ہو جا ''فَیَکُوْنُ'' تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے ﴿ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴾ آنکھ کے جھپکنے کی طرح (یعنی) جتنی دیر میں تم اپنی آنکھ جھپکاتے ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَمْرُنَا'' سے قیامت مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ'' (النحل:۷۷) ''اور قیامت کا معاملہ نہیں ہوگا مگر آنکھ جھپکنے کی مانند''۔

۵۱۔ ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ ﴾ اور بے شک پہلی امتوں میں سے تمہاری طرح کفر میں مبتلا بہت سے گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ﴿ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

۵۲۔ ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴾ اور ہر چیز جس کو انہوں نے کیا ہے کتابوں میں ہے یعنی ان کفار نے جو کچھ کیا ہے ان کا ہر عمل محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت وموجود (لکھا ہوا) ہے [''كُلُّ شَيْءٍ'' مفعول ہے اور ''فَعَلُوْهُ'' محلاً مجرور ''شَيْءٍ'' کی صفت ہے اور ''فِي الزُّبُرِ'' ''کل'' کی خبر ہے]۔

۵۳۔ ﴿ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ ﴾ اور اعمال میں سے ہر چھوٹا اور بڑا عمل اور ہر وہ چیز جو قوع پذیر ہونے والی ہے اس میں سے ہر چھوٹی اور بڑی چیز ﴿ مُّسْتَطَرٌ ﴾ لوحِ محفوظ میں تحریر ہو چکی ہے۔

۵۴۔ ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴾ بے شک پرہیز گار حضرات بہشتوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ مراد انہار ہے لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''نهر'' سے وسعت وکشادگی اور روشنی مراد ہے اور اسی سے ''نَهَارٌ'' (دن اجالا) ماخوذ ہے۔

۵۵۔ ﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ ﴾ سچ کے مقام میں (یعنی) اپنی پسند کے مکان میں ہوں گے ﴿ عِنْدَ مَلِيْكٍ ﴾ بہت بڑے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے قریب اور پاس ہوں گے۔ ''عِنْدَ'' (نزدیک وقریب) سے منزلت ومرتبت اور عزت وکرامت کا قرب مراد ہے لیکن مکان ومسافت اور چھونے اور ساتھ ملنے کا قرب مراد نہیں ہے ﴿ مُّقْتَدِرٍ ﴾ زبردست قدرت رکھنے والے قادر مطلق کے پاس ہوں گے اور ان دونوں اسم صفات کو نکرہ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار میں اور اس کی ملکیت وسلطنت میں داخل ہے۔

سورۃ الرحمٰن مدنیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O — آیاتہا ۷۸ رکوعاتہا ۳

سورۃ الرحمٰن مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O — اس کی اٹھتر آیات، تین رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا

تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

رحمٰن نے (اپنے محبوب کو) O قرآن سکھایا O انسان (کامل) کو پیدا فرمایا O اسے بیان سکھایا O سورج اور چاند مقرر حساب سے (گردش کرتے) ہیں O بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں O اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان (عدل) کو زمین پر رکھا O تاکہ تم میزان کے بارے میں سرکشی نہ کرو O اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو O اور اس نے زمین کو لوگوں کے لیے نیچے رکھا O اس میں پھل اور غلاف والی کھجوریں ہیں O اور بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

”عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ اور ”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ کی تشریح

نوٹ: اس سورت کی اٹھہتر آیات ہیں۔

۱ تا ۴- ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ ﴾ رحمٰن نے[1] O قرآن سکھایا O اسی نے انسان کو پیدا کیا O یعنی جنس مراد ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا) یا حضرت آدم یا حضرت محمد مصطفےٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں ﴿ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان کی تعلیم دی۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کو شمار

[1] رحمٰن نے قرآن سکھایا' لیکن کس کو سکھایا' اس کا ذکر آیت مبارکہ میں نہیں ہے' اس لیے مفسرین نے کم وبیش تین اقوال بیان کیے ہیں: (۱) انسان مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قرآن کی تعلیم دی (۲) جبریل علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن کی تعلیم دی (۳) سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن سکھایا اور اس کی تعلیم دی' لیکن ان میں صحیح ترین آخری قول ہے کیونکہ اگرچہ تمام کمالات انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی عطاء سے ملتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمام کمالات رسول کے واسطے سے عطاء کرتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تعلیم بھی رسول عربی کے واسطے سے انسانوں کو عطاء کی ہے' پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست رسولِ عربی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا معلم قرآن ہے اور رسولِ عربی تمام انسانوں کے لیے معلم قرآن ہیں' اس لیے پہلا قول درست نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید نے متعدد مقامات پر حضور کو معلم انسانیت قرار دیا ہے' چنانچہ سورۃ البقرہ:۱۲۹ میں حضرت ابراہیم کی دعا میں قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے بنو اسماعیل کا معلم قرار دیا گیا اور اسی سورت کی آیت:۱۵۱ میں تمام امت کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ آل عمران:۱۶۴ میں حضور کو تمام مسلمانوں کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ الجمعہ:۲ میں حضور کو تمام عرب کا معلم قرار دیا گیا بلکہ ”وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ“ (الجمعہ:۳) فرما کر قیامت تک آنے والے انسانوں کا معلم قرار دیا گیا اور حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ ”اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ بے شک مجھے معلم واستاذ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور رہا دوسرا قول تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو قرآن سکھایا حالانکہ حضرت جبریل کا کام صرف وحی کے ذریعے حضور تک قرآن پہنچانا تھا۔ قرآن کی تعلیم اور اس کے الفاظ' معانی' احکام ومسائل وغیرہ کا سکھنا صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا' جنہوں نے آگے اپنی امت کو تعلیم دینی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینۂ اقدس میں قرآن مجید کو محفوظ وجمع کرنا اور پڑھانا' سکھانا' نیز اس کے معانی' احکام ومسائل' اسرار ورموز کا بیان اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا' سو اس نے چاہا کہ اپنے تمام انعامات و احسانات کی تمام اقسام میں سے سب سے پہلے اس انعام اور احسان کا ذکر کرے جو سب سے مقدم ہو اور وہ دین کی نعمت ہے جو سب سے مقدم انعام ہے اور دین کی نعمت میں سے سب سے مقدم وہ انعام ہے جو تمام دینی نعمتوں میں سب سے بلند مرتبہ اور سب سے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ انعام قرآن مجید ہے اور اس کو نازل کرنا اور اس کی تعلیم دینا' اس لیے کہ یہ قرآن مجید مرتبہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان وحی ہے اور منزلت کے اعتبار سے سب سے بلند وحی ہے اور یہ دین کے ابواب میں تاثیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ اور بہترین ہے اور یہ قرآن مجید تمام آسمانی کتب کی کوہان ہے اور ان کی سچائی کی گواہ ہے اور ان کی محافظ ونگران ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر قرآن مجید کے ذکر سے مؤخر کیا ہے' پھر انسانی خلقت کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے بعد اس کے ساتھ کیا ہے تا کہ انسان یہ بات اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دین کے لیے پیدا کیا ہے اور تا کہ وہ اپنے خداداد علم کی بدولت وحی الٰہی اور اس کی کتب میں مہارت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن مجید کی تقدیم کا اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لے لیا ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖO اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ O فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ O ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗO'' (القیامۃ:۱۶۔۱۹) ''آپ اس (قرآن کی تلاوت) کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تا کہ آپ اس کو جلدی یاد کر لیں O بے شک اس کو (آپ کے سینہ مبارکہ میں) جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے O سو جب ہم اسے پڑھا دیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں O پھر اس کو کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے O'' پس ان آیاتِ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معلم قرآن ہے' نیز ارشاد ہے کہ ''وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO'' (النساء:۱۱۳) ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھلا دیا جو آپ (اس سے پہلے) نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے O'' اس آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور کا معلم قرآن ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا معلمِ محمد مصطفےٰ ﷺ ہونا اور پہلے سے تمام نامعلوم علوم کی آپ کو تعلیم دینا' آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ لہٰذا ''اَلرَّحْمٰنُO عَلَّمَ الْقُرْاٰنَO'' کا معنی یہی بہتر ومناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کو قرآن سکھایا ہے۔ (۱) چنانچہ علامہ بغوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امام کلبی نے فرمایا: رحمٰن نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو قرآن سکھایا۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۲۶۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان) (۲) علامہ خازن لکھتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ ''اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ'' (النحل:۱۰۳) ''بے شک آپ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو نازل فرما کر ان کو جواب دیا: ''اَلرَّحْمٰنُO عَلَّمَ الْقُرْاٰنَO'' یعنی ''عَلَّمَ مُحَمَّدًا الْقُرْاٰنَ'' رحمٰن نے قرآن سکھایا یعنی رحمٰن نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے۔ (لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری میں بھی قاضی صاحب نے علامہ خازن والی روایت بیان کی ہے' ملاحظہ فرمائیں: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱) علامہ بغوی ''خَلَقَ الْاِنْسَانَO عَلَّمَهُ الْبَيَانَO'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن کیسان نے فرمایا: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ يَعْنِيْ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِيْ بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ لِاَنَّهٗ كَانَ يُبَيِّنُ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل یعنی محمد عربی ﷺ کو پیدا فرمایا اور انہیں بیان سکھایا یعنی ''مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ'' (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا) کا بیان سکھایا' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے لوگوں کے احوال اور بعد میں آنے والے لوگوں کے احوال اور قیامت کے دن کے احوال بیان کرتے تھے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بعد انسان کی تخلیق کا ذکر کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بیان کا ذکر کیا جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہایت فصیح و بلیغ اور عمدہ صاف الفاظ میں اپنی زبان سے اپنے دل کی بات کا اظہار کر لیتا ہے [اور ''الرحمن'' مبتدا ہے اور یہ افعال اپنی ضمیروں سمیت مترادف خبریں ہیں اور ان کو حروفِ عاطفہ سے اس لیے خالی رکھا گیا ہے کہ ان کو گنتی کرنے اور شمار کرنے کے طریقے پر لایا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: زید نے غربت کے بعد تمہیں دولت مند بنا دیا' ذلت کے بعد تمہیں معزز بنا دیا' قلت کے بعد تمہیں بڑھا دیا' اس نے تمہارے ساتھ ایسی نیکی کی جو کسی نے کسی کے ساتھ نہیں کی' سو تم اس کے احسان پر ناشکری کر کے انکار نہ کرو]۔

چاند و سورج' نباتات' زمین و آسمان اور میزانِ عدل کے فوائد کا بیان

۵- ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ سورج اور چاند مقرر حساب کے مطابق (گردش کرتے) ہیں (یعنی) سورج اور چاند معلوم و مقرر حساب اور مقرر کردہ اندازہ کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں رواں دواں چلتے رہتے ہیں اور ان کی گردش میں لوگوں کے لیے بہت سے منافع و فوائد وابستہ ہیں' ان میں سے (دن رات' ہفتوں' مہینوں اور) سالوں کا حساب اور علم حاصل ہو جاتا ہے۔

۶- ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ﴾ بیلیں اور درخت سجدہ ریز رہتے ہیں۔ ''نجم'' سے وہ بیلیں مراد ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں اور نمودار ہو کر زمین پر پھیل جاتی ہیں' ان کی پنڈلی یعنی تنا نہیں ہوتا جیسے سبزیاں اور ترکاریاں (مثلاً کدو' کریلے' گھیا توری' ٹنڈے' انگور' تربوز اور خربوزے وغیرہ) اور ''شجر'' سے وہ پودے اور درخت مراد ہیں جن کے چھوٹے بڑے تنے اور پنڈلیاں ہوتی ہیں' جن پر وہ قائم ہوتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ''نجم'' سے آسمان کے ستارے مراد ہیں اور ''یسجدان'' سے اطاعت و فرماں برداری مراد ہے کہ تمام جمادات و نباتات اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کر رہے ہیں جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے' انہیں مکلفین میں سے سجدہ ریزیاں کرنے والوں کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری میں تشبیہ دی گئی ہے اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن کیسان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور ''بیان'' سے مراد یہ ہے کہ حضور قرآن کی وضاحت فرماتے ہیں' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ'' (النحل: ۴۴) ''اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (یعنی قرآن مجید) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اسے واضح بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے''۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۷ ص ۹۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(۳) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''جَازَ اَنْ یُّقَالَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ فِیْہِ بَیَانُ مَا کَانَ وَیَکُوْنُ مِنَ الْاَوَّلِ اِلَی الْاَبَدِ'' یعنی یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور آپ کو بیان سکھایا یعنی قرآن مجید سکھایا جس میں ازل سے ابد تک جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا سب کا بیان ہے۔
(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۴) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی لکھتے ہیں کہ ''خلق الانسان'' میں انسان سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور ''عَلَّمَهُ الْبَیَانَ'' سے ''مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ'' کا بیان مراد ہے کیونکہ حضور ﷺ اوّلین و آخرین اور قیامت کے احوال بیان فرماتے تھے۔ (تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

(۵) علامہ عارف باللہ صوفی احمد بن محمد صاوی مالکی نے مذکورہ بالا بیان کے مطابق لکھا ہے' ملاحظہ فرمائیں:
(تفسیر صاوی حاشیۃ بر تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۴۵' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

دونوں جملے معنوی اعتبار سے رحمٰن کے ساتھ متصل و متعلق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ''حسبان'' اور سجدہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہیں' کسی غیر کے لیے نہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ سورج اور چاند اسی کے حساب کے مطابق گردش کرتے ہیں اور آسمان کے ستارے' نباتات و جمادات اور درخت اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور پہلے جملوں میں حرف عاطف کا ذکر نہیں کیا گیا' پھر بعد والے جملوں میں حرفِ عاطف کو ذکر کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انعاماتِ الٰہی کے منکرین کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے پہلے جملوں کو گنتی اور شمار کے طور پر وارد کیا گیا ہے جیسا کہ لوگوں میں سے اپنے محسن و منعم کی نعمتوں کے منکر کو ان کی گنتی سے مذکور مثال میں ڈانٹا اور دھمکایا جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے بعد کلام کو اس کے اصل طریقے کی طرف لوٹا دیا اور جن کو باہم ملانا واجب ہے ان کو حرفِ عاطف کے ذریعے تناسب اور تقارب کے لیے ملا دیا اور تناسب کا بیان یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں آسمانی نعمتیں ہیں جب کہ نباتات اور درخت زمینی نعمتیں ہیں' سو ان دونوں قبیلوں کے درمیان تقابلی مناسبت ہے اور آسمان اور زمین کا ہمیشہ اکٹھے ذکر کیا جاتا رہے گا اور سورج اور چاند کا ایک مقرر حساب کے مطابق گردش کرنا اللہ تعالیٰ کے حکمِ اطاعت کی جنس سے ہے' پس اس لیے وہ نباتات اور درختوں کے سجدہ ریز ہونے کے لیے مناسب ہے۔

۷۔ ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ اور آسمان کو بلند کیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند و بالا چھت کی طرح پیدا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام اور اپنے فیصلوں کا مرکز و منبع بنایا اور اپنے ان فرشتوں کے لیے مسکن و آرام گاہ بنایا جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لے کر اترتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اپنی شان کی کبریائی اور اپنی بادشاہت اور اپنی سلطنت کی عظمت پر آگاہ فرمایا ﴿وَوَضَعَ الْمِيزَانَ﴾ اور اس نے میزانِ عدل رکھا یعنی ہر وہ چیز جس سے اشیاء کا وزن کیا جائے اور ان کی مقدار کو پہچانا جائے جیسے وزن کے لیے میزان اور ترازو اور ناپ کر دینے کے آلات وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے میزانِ عدل کو پیدا کر کے زمین پر رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کے بہت سے احکام کو وابستہ کر دیا جیسے باہمی لین دین میں عدل و انصاف اور برابری کو قائم رکھنا اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرنا بلکہ دیتے وقت بھی اور لیتے وقت بھی برابری اور انصاف قائم رکھنا۔

۸۔ ﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ﴾ وزن کرنے میں سرکشی نہ کرو [اصل میں ''لِئَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ'' ہے یعنی تا کہ تم تولنے میں حد سے نہ بڑھو یا پھر اصل میں ہے: ''اَنْ لَّا تَطْغَوْا'' ہے اور اس میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے]۔

۹۔ ﴿وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ اور تم انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو (یعنی) تم صحیح تولا کرو اور انصاف کے ساتھ وزن پوری طرح قائم رکھا کرو ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ اور تم تولنے اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو اور تم کم تول کر نہ دو۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں برابر سے لینے دینے کا اور انصاف کرنے کا حکم دیا اور ناپ تول میں سرکشی اختیار کرنے اور حد سے بڑھنے سے منع کیا کیونکہ یہ حق سے تجاوز و زیادتی اور ظلم ہے اور اس آیت میں ''خسران'' یعنی کمی کرنے اور نقصان کرنے سے منع کیا اور لفظ ''میزان'' کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' ایک تو ناپ تول کی وصیت کی تاکید و تشدید کے لیے اور دوسرا وزن میں عدل و انصاف کے حکم کی تقویت کے لیے اور تیسرا ناپ تول میں انصاف کرنے پر اُبھارنے اور رغبت دینے کے لیے۔

۱۰۔ ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو نیچے رکھا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کے اوپر (آسمان سے) نیچے بچھایا ﴿لِلْاَنَامِ﴾ لوگوں کے لیے یعنی مخلوقات کے لیے اور اس سے وہ تمام جاندار مراد ہیں جو زمین کی سطح پر رہتے ہیں

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے جن اور انسان مراد ہیں' پس زمین ان کے لیے فرش اور بچھونے کی طرح ہے' جس کے اوپر جن اور انسان اپنا تصرف و اختیار استعمال کرتے ہیں۔

۱۱- ﴿ فِيهَا فَاكِهَةٌ ﴾ اس میں مختلف اقسام کے بے شمار میوہ جات اور پھل پائے جاتے ہیں جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے ﴿ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴾ اور اس (زمین) میں غلاف والی کھجوریں ہیں اور یہ غلاف پھل اور میوے کے ظرف اور برتن ہوتے ہیں' جن کے اندر کھجور کے پھل یعنی کھانے والی کھجوریں ہوتی ہیں اور ''اکمام'' کا واحد ''کِمٌّ'' کاف کے نیچے کسرہ ہے یا ہر وہ چیز مراد ہے جو نظروں سے چھپی ہوتی ہے جیسے چھال' شاخیں اور شگوفے کے غلاف وغیرہ اور ان سب سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسا کہ کھجور کے مخفی اور پوشیدہ پھل اور اس کی گرمی اور اس کے تنے سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۲- ﴿ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ﴾ اور بھوسے والا اناج ہے۔ ''عصف'' سے زراعت کے پتے یا بھوسہ مراد ہے ﴿ وَالرَّيْحَانُ ﴾ اور رزق اور وہ خالص غذا ہے' مطلب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو غذا کے لیے نہیں بلکہ صرف لذت حاصل کرنے کے لیے کھایا جاتا ہے جیسے پھل وغیرہ اور بعض چیزیں غذا اور لذت دونوں کی جامع ہوتی ہیں جیسے کھجوروں کا پھل' یہ بھوک مٹانے کے لیے بطورِ غذا بھی کھایا جاتا ہے اور بطورِ لذت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض چیزیں صرف غذا کے لیے کھائی جاتی ہیں جیسے اناج خواہ وہ ''حب'' دانے ہوں یا ''ریحان'' (خالص غذا) اور بعض حضرات نے کہا کہ ''الریحان'' کا معنی ہے: خوشبودار پھول جسے سونگھا جاتا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلرَّيْحَانِ'' مجرور پڑھا جاتا ہے یعنی بھوسہ مویشیوں کا چارہ ہے اور ''ریحان'' انسانوں کی خوراک ہے اور مرفوع ہونے کی صورت میں ''وَذُو الرَّيْحَانِ'' ہے' پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَالْحَبَّ ذَا الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانَ'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کا عامل ''خَلَقَ'' یا ''اَخَصَّ'' فعل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بھوسے والے دانے اور ''ریحان'' کو پیدا فرمایا' یا انہیں مخصوص فرمالیا]۔

۱۳- ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی ان نعمتوں کو جن کو اس سورت کے آغاز سے اب تک شمار کیا گیا ہے [اور ''الاء'' جمع ہے اس کا واحد ''اَلَیٌّ'' (ہمزہ مفتوح) اور ''اِلَیٌّ'' (ہمزہ مکسور) ہے] یہ خطاب جنوں اور انسانوں دونوں کو ہے کیونکہ ان دونوں پر لفظ ''اَنَام'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا O اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا O سوائے

جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہی دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہے O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو دیکھنے میں آپس میں ملے ہوئے ہیں O جب کہ دونوں کے درمیان آڑ ہے جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے O سو اے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سو اے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور دریاؤں میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

جن وانس کی تخلیق اور سمندروں اور دریاؤں کے فوائد کا بیان

۱۴- ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خشک بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ ''صلصال'' ایسی خشک مٹی جس کو ہاتھ لگانے سے آواز نکلے ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ ٹھیکرے کی طرح یعنی ایسی مٹی جسے آگ میں پکایا گیا ہو اور اسے ٹھیکرا کہتے ہیں اور یاد رکھو کہ اس میں اور ارشاد ''مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍO'' (الحجر:۲۶) اور ''مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍO'' (الصافات:۱۱) اور ''مِنْ تُرَابٍ'' (آل عمران:۵۹) میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ ان سب کا معنی متفق ہے کیونکہ یہ افادہ کرتے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان (کے باپ) کو مٹی سے پیدا کیا' اس کا گارا بنایا' پھر اسے سڑی ہوئی سیاہ مٹی بنایا' پھر اسے بجنے والی مٹی بنایا۔

۱۵- ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا (یعنی) جنوں کے باپ کو پیدا کیا۔ بعض حضرات نے کہا: ابلیس کو پیدا کیا ﴿مِنْ مَّارِجٍ﴾ آگ کے شعلے سے' یہ وہ شعلہ مراد ہے جو دھوئیں کی آمیزش سے صاف ستھرا ہو' جس میں دھواں بالکل نہ ہو اور بعض کا قول ہے کہ ایسا شعلہ جو آگ کی سیاہی سے مخلوط ہو۔ یہ ''مَرَجَ الشَّيْءُ'' جب کوئی چیز متحرک اور مخلوط ہو جائے ﴿مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ سے۔ یہ ''مارج'' کا بیان ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ جنوں کو آگ کے صاف شفاف شعلے سے یا آگ سے مخلوط شعلے سے پیدا کیا اور ''مِنْ نَّارٍ'' سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىO'' (اللیل:۱۴) ''سو میں نے تمہیں ایسی آگ سے ڈرایا ہے جو بھڑکتی رہتی ہے O''۔

۱۶- ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۷'۱۸- ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گرمی کے مشرق اور سردی کے مشرق دونوں کا رب تعالیٰ ہے اور اسی طرح گرمی کے مغرب اور سردی کے مغرب دونوں کا رب تعالیٰ اور مالک ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۹- ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ اللہ تعالیٰ نے دو دریا جاری کر دیئے جو باہم ملے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک نمکین پانی کا دریا بہایا اور ایک میٹھے پانی کا دریا بہایا دونوں باہم متصل ومل کر چلتے ہیں' دیکھنے میں دونوں پانیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا بلکہ یوں نظر آتا ہے کہ نمکین اور میٹھا دونوں پانی باہم متصل اور ملے ہوئے ہیں۔

۲۰'۲۱- ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ﴾ ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک آڑ اور ایک پردہ حائل ہے[1]

[1] قدرتِ خداوندی کے ایک اور حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پانی دو قسم کے ہیں: میٹھا' خوش ذائقہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿لَا يَبْغِيٰنِ﴾ وہ دونوں پانی اپنی اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھتے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک مخلوط ہونے اور مل جانے کے لیے دوسرے پر نہیں چڑھتا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو تم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۲‘۲۳- ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ﴾ ان دونوں میں سے موتی نکلتے ہیں اور یہ بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مرجان نکلتے ہیں‘ یہ ان سے چھوٹے موتی ہوتے ہیں اور ’’مِنْ هُمَا‘‘ فرمایا حالانکہ وہ دونوں نمکین پانی سے نکلتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کھارا اور میٹھا دونوں پانی باہم آپس میں ملتے ہیں تو ایک چیز کی طرح ہو جاتے ہیں‘ اس لیے جائز ہے کہ کہا جائے کہ چھوٹے بڑے موتی ان دونوں میں سے نکلتے ہیں‘ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ موتی اور مونگے سمندر سے نکلتے ہیں لیکن تمام سمندر سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے بعض میں سے نکلتے ہیں‘ جیسے تم کہتے ہو: میں شہر میں سے نکلا ہوں حالانکہ تم تو اس کے محلوں میں سے کسی ایک محلہ سے نکلے ہو‘ اور بعض حضرات نے کہا کہ موتی وغیرہ صرف نمکین اور میٹھے پانی کے آپس میں ملنے کے وقت نکلتے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۴‘۲۵- ﴿وَلَهُ﴾ اور اس کے لیے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿الْجَوَارِ﴾ رواں دواں کشتیاں (اور بحری جہاز) [’’الجواری‘‘ ’’جاریۃ‘‘ کی جمع ہے‘ علامہ زجاج نے کہا: اس پر ’’یا‘‘ کے ساتھ وقف ہوگا اور وقف کی بجائے وصل کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے اور اگر کوئی وقف کرنے والا اس پر بغیر ’’یا‘‘ کے وقف کر دے تو بعید از قیاس ہونے کے باوجود جائز ہے لیکن ’’را‘‘ کے کسرہ پر وقف بالروم (موقوف علیہ کی حرکت کا ایک تہائی حصہ پڑھنا جس کو قریب والا سن سکے) کیا جائے گا] ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ بلند و بالا کشتیاں [قاری حمزہ کوفی اور یحییٰ کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ’’الْمُنْشِئٰتُ‘‘

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور تلخ و نمکین‘ لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان کو الگ الگ رکھنے کے لیے قدرت نے رکاوٹیں قائم کر دی ہیں تاکہ یہ باہم مل نہ سکیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگایا تو پانی میٹھا نکلا‘ پھر چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگایا گیا تو پانی کھارا نکلا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوار کے اندر والا پانی میٹھا اور باہر والا کھاری۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مَد ہوتا ہے تو سمندر کا آبِ شور دور تک خشکی کے دریاؤں‘ ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان کے میٹھے پانی کے ساتھ مخلوط نہیں ہوتا اور جذر کے وقت وہی آبِ شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا میٹھا پانی حسبِ سابق رواں رہتا ہے اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دریائے نیل جب بحرِ روم میں جا گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی جوں کا توں چلا جاتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے آخر میں لکھتے ہیں: اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے کھاری پانی سے مراد باطل ہے۔ باطل اپنی ساری کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو مٹا نہیں سکتا۔ گمراہی کے گھپ اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ ضرور فروزاں رہیں گے۔ ان طوفانوں اور اندھیروں کے باوجود حق کا علم لہراتا رہے گا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۶۹-۳ ۷۰-۳)

یہ دو سمندر ایک بحرِ روم ہے اور دوسرا بحرِ فارس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا بحرِ ہند ہے اور ان کے درمیان جو آڑ ہے وہ جزیرۂ عرب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۱۵‘ فرید بک سٹال‘ اردو بازار‘ لاہور)

پڑھا جاتا ہے' جس کا معنی اونچی اور اٹھی ہوئی کشتیاں یا وہ کشتیاں جو سمندر میں چلتے ہوئے موجوں کو اوپر اٹھاتی ہیں] ﴿فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ سمندر میں پہاڑوں کی طرح۔ ''اعلام''، ''علم'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: بڑے اونچے لمبے پہاڑ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

زمین پر رہنے والا ہر کوئی فنا ہونے والا ہےO اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والی ہےO سو تم دونوں (جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اسی سے مانگتے ہیں وہ ہر لحہ نئی شان میں ہوتا ہےO سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO اے جن وانس کے دو گروہو! ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لیے قصد فرمائیں گےO سو تم دونوں (اے جن و انس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO

تمام مخلوق کے فنا اور محتاج ہونے کا بیان

۲۶'۲۷- ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ جو بھی اس پر (یعنی) زمین پر ہے وہ ہر کوئی فنا ہونے والا ہے ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔ یہاں ''وَجْه'' کا معنی ذات مراد ہے ﴿ذُو الْجَلٰلِ﴾ عظمت و بڑائی اور سلطنت و بادشاہت والا ہے' اور یہ ''وَجْهٌ'' کی صفت ہے ﴿وَالْاِكْرَامِ﴾ حسن سلوک اور عفوودرگزر کر کے فضل و کرم فرمانے والا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین صفات میں سے ایک عظیم الشان صفت ہے اور حدیث شریف میں ہے: تم (اپنی دعاؤں میں) ہمیشہ ''يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ'' پکارا کرو۔[1]

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت نماز ادا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ'' تو آپ نے فرمایا: بے شک تیری دعا قبول ہو گئی۔[2]

۲۸- ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے' اور فنا اس اعتبار سے نعمت ہے کہ بے شک مؤمنین اس کے ذریعے دائمی نعمت اور آرام میں پہنچیں گے اور حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا: موت بہت اچھی ہے کیونکہ یہی تو دوست کو دوست کے قریب لے جاتی ہے۔

۲۹'۳۰- ﴿يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب اسی (اللہ تعالیٰ) سے سوال کرتے ہیں اور اسی سے مانگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام آسمانوں والے اور تمام زمین والے اللہ تعالیٰ کے محتاج

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات باب:۹۱' رقم الحدیث:۳۵۲۵

[2] رواہ احمد ج ۵ ص ۲۳۶' الترمذی رقم الحدیث:۳۵۲۷

اور اس کے منگتے ہیں' چنانچہ تمام آسمانوں میں رہنے والے اپنے دین سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں اور تمام زمین میں رہنے والے اپنے دین اور دنیا سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں اس جگہ پر وقف کیا جاتا ہے] ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ ﴾ وہ ہر لحہ نئی شان میں ہوتا ہے یعنی وہ ہر وقت اور ہر آن مختلف اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے اور نئے حالات پیدا کرتا ہے' جیسا کہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو تلاوت کیا تو آپ سے عرض کی گئی کہ وہ شان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں کو کھولتا اور دُور کرتا ہے اور وہ کسی قوم کو سر بلند کر دیتا ہے اور عزت وغلبہ عطا کرتا ہے اور کسی قوم کو پست اور ذلیل وخوار کر دیتا ہے[1] اور امام ابن عیینہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دھر (زمانہ) صرف دو دن ہے' ان دو دنوں میں سے ایک آج کا دن جو دنیا کی پوری مدت ہے (یعنی دنیا کی ابتداء سے لے کر اس کے آخر تک ایک دن ہے) سو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اس میں امر و نہی بھیجتا ہے اور زندگی اور موت دیتا ہے اور کسی کو عطا کرتا اور کسی سے روکتا ہے اور دوسرا دن آخرت کا دن ہے' سو اس میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس دن جزاء وسزا' ثواب وعقاب اور حساب و کتاب ہوگا۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب یہود نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ہفتے کے روز کسی کا کوئی فیصلہ نہیں کرتا تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی' اور کسی بادشاہ نے اپنے ایک وزیر سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا تو اس وزیر نے بادشاہ سے ایک دن کی مہلت طلب کی اور پریشان وغمگین ہو کر اپنے گھر چلا گیا اور گھر میں جا کر اس آیت کریمہ کے بارے میں غور وفکر کرنے لگا' اس کے ایک حبشی غلام نے اسے غمگین وفکرمند دیکھ کر کہا: اے میرے مالک! آپ اپنی مشکل مجھے بتائیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں آپ کی مشکل کو آسان کر دے' وزیر نے اسے ساری بات بتائی تو غلام نے کہا: اس آیت مبارکہ کی تفسیر بادشاہ کے سامنے میں خود بیان کروں گا' چنانچہ وزیر اپنے غلام کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور ساری صورتِ حال بیان کی اور غلام کو پیش کیا تو غلام نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ جاندار کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو جاندار سے پیدا کرتا ہے اور وہ بیمار کو شفاء دیتا ہے اور صحیح سلامت کو بیمار کر دیتا ہے اور وہ خیر و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور مصیبت میں مبتلا شخص کو عافیت عطاء کر دیتا ہے اور وہ ذلیل کو عزت دار بنا دیتا ہے اور عزت دار کو ذلیل کر دیتا ہے اور وہ فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور غنی کو فقیر بنا دیتا ہے' چنانچہ بادشاہ نے یہ سب تفسیر سن کر کہا کہ تم نے بہت اچھی تشریح کی ہے اور اس کو وزیر بنا دیا اور اپنے وزیر سے کہا کہ فوراً اسے وزارت کا لباس پہنا دو۔ اس پر حبشی غلام نے کہا: اے میرے آقا! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے' اور بعض حضرات نے کہا کہ تقادیر کو مقررہ اوقات تک لے جانا مراد ہے اور بعض حضرات کا بیان ہے کہ خراسان کے بادشاہ عبد اللہ بن طاہر نے اپنے وقت کے ایک عالم دین حضرت حسین بن مفضل کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تین آیات کے سبب مجھ پر تین اشکال وارد ہوئے ہیں' جن کی وجہ سے میں نے آپ کو بلایا ہے' تاکہ آپ ان کی وضاحت کر دیں: (۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ O'' (المائدہ:۳۱) ''پس قابیل ہابیل کو قتل کر کے نادم ہو گیا O'' اور یہ بات یقیناً صحیح اور ثابت ہے کہ گناہ پر نادم وپشیمان ہونا توبہ ہے (تو پھر قابیل کو عذاب کیوں ہوگا؟) (۲) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ O'' (الرحمٰن:۲۹) ''وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے O'' اور بے شک یہ بات صحیح ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا

[1] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۲' ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۶۸۹

ہے اسے قلمِ تقدیر لکھ کر خشک ہو چکا ہے (۳) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' (النجم:۳۹) ''اور انسان کو صرف اسی عمل پر اجر ملے گا جو اس نے خود کیاO'' تو ہر نیک عمل پر دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب کا وعدہ کیوں؟ چنانچہ حضرت حسین بن مفضل نے فرمایا: ممکن ہے کہ اُس امت میں ندامت و شرمندگی توبہ نہ ہوتی ہو اور اِس امت میں ندامت و شرمندگی توبہ ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قابیل' جناب ہابیل کے قتل پر نادم و شرمندہ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو جناب ہابیل کو دفن کرنے کے لیے اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتے رہنے پر نادم و شرمندہ ہوا تھا اور ''وَاِنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' کے بارے میں بھی یہی بات ہے کہ یہ قانون حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص تھا (اور اس امت کے لیے نہیں) اور لیکن باقی رہا ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍO'' تو یہ وہ شانیں ہیں (جو ازل میں طے شدہ ہیں اور) اللہ تعالیٰ ان کے طے شدہ فیصلوں کا اظہار کرتا ہے اور ان کو نافذ کرتا ہے' یہ وہ شانیں نہیں ہیں جن کو از سر نو پیدا کرتا ہے' چنانچہ عبداللہ بن طاہر یہ جوابات سن کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اس عالمِ دین کا سر چوم لیا اور اس کو بڑے انعام واکرام سے نوازا [''کُـلَّ یـوم'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

عبرت آموز خطابِ الٰہی اور جن و انس کی بے بسی کا بیان

۳۲'۳۱- ﴿سَنَفْرُغُ لَکُمْ﴾ ہم عنقریب تمہارے حساب و کتاب کے لیے متوجہ ہوں گے۔ دراصل جب عرب کا کوئی آدمی کسی شخص کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے: ''سَاَفْرُغُ لَکَ'' میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تجھے کسی ایسی مصیبت اور سزا میں مبتلا کر دوں گا کہ تو ہر شغل کو بھول جائے گا اور اس سے دشمن کو مغلوب کر کے اس پر غلبہ حاصل کرنا اور اس سے انتقام لینا مراد ہوتا ہے اور یہ کلامِ مبارک بھی اسی مقولہ سے مستعار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ عنقریب یہ دنیا اپنی انتہاء اور اپنے آخری انجام کو پہنچ جائے گی اور اس وقت مخلوق کے وہ تمام اُمور اپنی انتہاء کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جائیں گے' جن اُمور کا اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍO'' سے ارادہ فرما چکا ہے' پس اس وقت ایک شان کے علاوہ اور کوئی شان باقی نہیں رہے گی اور وہ ایک شان تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دینا ہے اور اسی کو بطورِ تمثیل ان کے لیے فراغت قرار دیا گیا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں نون کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''سَیَفْرُغُ'' پڑھا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے متوجہ ہوگا] ﴿اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ اے جن و انس کی دو بھاری جماعتو! یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان دونوں نے زمین کو (اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے) بوجھل اور بھاری کر دیا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾
یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جن وانس کے گروہو! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ' تم (اس کی سلطنت سے) نہیں نکل سکتے مگر قوت وغلبہ کے ساتھ ○ سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (اے جن وانس!) تم دونوں پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا' پس تم روک نہیں سکو گے ○ سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۳۳'۳۴- ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ'' کے ترجمہ کی مانند ہے ﴿اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا﴾ اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ' یعنی اگر تم یہ قدرت وطاقت رکھتے ہو کہ تم میرے فیصلے سے بھاگ کر آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ گے تو نکل جاؤ' پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ﴾ تم نہیں نکل سکو گے یعنی تم بھاگ کر نکل جانے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتے ﴿اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ مگر قوت وطاقت اور زبردست غلبہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ چیزیں تمہیں کہاں حاصل ہو سکتی ہیں' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج اس دنیا میں اس کے اطراف سے جن وانس کے نکل جانے کی عاجزی و بے بسی پر اور کل قیامت کے دن حساب کے لیے ان کے عجز پر دلالت و رہنمائی بیان فرمائی' اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہ انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا جب فرشتے انہیں گھیر لیں گے' چنانچہ جب جنات اور انسان فرشتوں کو دیکھیں گے تو بھاگیں گے مگر وہ جس طرف بھی جائیں گے وہاں فرشتوں کو ہر طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے پائیں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۳۵'۳۶- ﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (یعنی) دھوئیں کے بغیر خالص شعلہ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ''شِوَاظٌ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں شین کو مضموم پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿وَّنُحَاسٌ﴾ اور دھواں (تم پر چھوڑا جائے گا)' یہاں ''نحاس'' بہ معنی ''دخان'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اپنی قبروں سے نکلو گے تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا تاکہ یہ تمہیں میدانِ محشر میں ہانک کر لے جائیں [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''نحاس'' کو ''نار'' پر عطف کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ مرفوع ہونے کی حالت میں ''شواظ'' پر معطوف ہوگا] ﴿فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ سو تم ان دونوں کو روک نہیں سکو گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾
يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گاO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO سو اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سےO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO جرم کرنے والوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچان لیا جائے گا اور انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گاO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھےO وہ (اس دن دوزخ میں جاکر) اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان دوڑتے پھریں گےO سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO

قیامت کی ہولناکی اور گناہ گاروں کی ذلت کا بیان

۳۸٬۳۷- ﴿فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ پھر جب قیامت کے وقوع کے وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ہو جائے گا اور بکھر جائے گا ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً﴾ تو وہ سرخ ہو جائے گا (یعنی) سرخ گلاب کے رنگ کی طرح ہو جائے گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اصل میں آسمان کا رنگ سرخ ہے لیکن اس تبدیلی کے بعد گہرا سرخ ہو کر نیلا نظر آئے گا ﴿كَالدِّهَانِ﴾ جیسے زیتوں کا تیل جیسا کہ ارشاد فرمایا: "كَالْمُهْلِ" (الکہف:۲۹) "پگھلے ہوئے تانبے کی طرح" اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "اَلدِّهَان" کا معنی ہے: رنگا ہوا سرخ چمڑا (ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے) ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۰٬۳۹- ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ پس اس دن یعنی جس دن آسمان پھٹ جائے گا ﴿لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ﴾ کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سے یعنی "جان" سے جنات مراد ہیں، پس جان لو کہ تمام جنوں کا باپ ہے جسے "ابو الجن" کہتے ہیں اس کو جن کی جگہ اس طرح رکھا گیا ہے جس طرح ہاشم کہا جاتا ہے اور مراد اس کی اولاد ہوتی ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: "لَا يُسْئَلُ اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ عَنْ ذَنْبِهٖ" اس آیت مبارکہ میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جب کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَO" (الحجر:۹۲) "سو (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور ضرور سوال کریں گےO" نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَO" (الصافات:۲۴) "اور (اے فرشتو!) تم انہیں ٹھہراؤ بے شک ان سے سوال کیے جائیں گےO"۔ ان آیات میں موافقت اور مطابقت اس طرح ہے کہ قیامت کا دن بڑا طویل اور دراز ہوگا اور اس میں مختلف جگہیں ہوں گی، چنانچہ بعض جگہ ان سے سوال کیا جائے گا اور بعض دوسری جگہ میں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا، اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے ان سے سوال کیا جائے گا، پھر تمام لوگوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے، اس کے بارے میں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بول کر گواہی دیں گے، اور بعض حضرات نے کہا کہ ان سے سوال اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے لیکن انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے ان سے سوال کیا جائے گا ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۲٬۴۱- ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ﴾ گناہ گاروں کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیا جائے گا (یعنی) ان کے

کالے سیاہ چہروں اور ان کی نیلی آنکھوں کی وجہ سے انہیں پہچان لیا جائے گا ﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ﴾ پھر انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا یعنی کبھی تو ان کو پیشانیوں کے بالوں سے پکڑ کر (دوزخ میں ڈالنے کے لیے) لے جایا جائے گا اور کبھی قدموں سے پکڑ کر (مونہوں کے بل کھینچ کر) لے جایا جائے گا ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۴٬۳۴- ﴿هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ﴾ یہ وہ ہے جہنم جس کو مجرم و گناہ گار لوگ جھٹلایا کرتے تھے ۝ وہ لوگ اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان پھرتے ہوں گے جس کا پانی گرم ترین ہوگا اور اس کی حرارت وگرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی یعنی ان کو دوزخ کی آگ سے جلانے اور گرم ترین پانی پلانے کی سزا دی جائے گی۔

۴۵- ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور اس میں نعمت یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے کی نجات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت و مہربانی سے ہوگی اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے ڈرانے میں تنبیہ ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿۴۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۹﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ﴿۵۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۱﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿۵۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۳﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ خوب سبز شاخوں والیاں ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ ان دونوں (جنتوں) میں دو چشمے بہتے ہوں گے ۝ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝ ان دونوں میں ہر پھل دو دو قسم کے ہوں گے ۝ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے انعامات کا بیان

۴۷٬۴۶- ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ﴾ ''مقام'' سے وہ موقف مراد ہے جس میں قیامت کے دن حساب کے لیے تمام بندے کھڑے ہوں گے اور معنی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور وہ تمام گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا یا وہ تمام فرائض ادا کرتا رہا تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں[1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ ''مقام'' (صرف تحسین کلام کے لیے) زائد داخل کیا گیا ہے (اصل میں ''وَلِمَنْ خَافَ رَبَّهُ'' ہے یعنی جو شخص اپنے رب سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں) اور جیسے عرب کے شاعر کا قول ہے: ''وَنَفَيْتُ عَنْهُ مَقَامَ الذِّئْبِ (لفظ ''مقام'' زائد ہے) ''أَيْ وَنَفَيْتُ عَنْهُ الذِّئْبَ'' یعنی اور میں نے فلاں آدمی سے بھیڑیا کو دور کر دیا ﴿جَنَّتَانِ﴾ دو

[1] حضرت ضحاک نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا جوان کو بہت اچھا لگا انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنتیں ہیں' ایک جنت انسانوں کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں کے لیے ہے کیونکہ خطاب دونوں جماعتوں کے لیے ہے'

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو پھر انہوں نے اس دودھ کی قے کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تمہارے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی۔ (تبیان القرآن ج۱۱ص ۶۲۸' بحوالہ النکت والعیون ج۵ص ۴۳۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ص ۱۶۱' دارالفکر' بیروت) نیز روح البیان میں بھی یہی روایت بیان کی گئی ہے۔ (روح البیان مترجم جز ۲۷ص ۳۸۵۔۳۸۶' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

نوٹ: یہ آیت مبارکہ اگرچہ مورد اور شانِ نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے' لیکن حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے' چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی نے یہ شانِ نزول بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اب یہ آیت عام ہے کہ جو کوئی بُرائی کا ارادہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے چھوڑ دے تو اس کو بھی یہی انعام نصیب ہوگا جو اس آیت میں مذکور ہے' نیز علامہ ابن کثیر نے ایک شانِ نزول بھی بیان کیا' اس کے بعد لکھا کہ یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا' دنیا کی زندگی کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے' فرائض بجالاتا ہے' محرمات سے رُکتا ہے تو قیامت کے دن اسے ایک کی بجائے دو دو جنتیں ملیں گی۔ صحیح بخاری میں ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا تمام سامان بھی چاندی ہی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی' ان کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب سونے کا ہوگا' ان میں رہنے والے جنتیوں کے درمیان اور دیدارِ باری تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی' ماسوا عظمت و کبریائی کے پردے کے' جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ہے' یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ حدیث سنن ابوداؤد کے علاوہ صحاح کی دیگر تمام کتابوں میں بھی ہے۔ راوی حدیث حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ" اور "وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ O" کی تفسیر ہے۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لیے' چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لیے ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم جز ۲۷ص ۵۷۔۵۸' ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ خوفِ خدا رکھنے والوں کو دو جنتیں اس طرح ملیں گی:

(۱) دو جنتوں میں سے ایک میں اس کے بیوی بچوں اور خدام کے لیے رہائشی محل ہوگا' دوسری میں خود اس کے لیے رہائشی محل ہوگا' جہاں دوست واحباب کی زیارت وملاقات کے لیے محافلِ نشاط وسرور منعقد ہوا کریں گی۔

(۲) جنت میں دو باغ ہوں گے' ایک باغ اس کے محل کے اندر ہوگا اور دوسرا باغ محل کے باہر ہوگا۔

(۳) جنت میں دو دو منزلیں ہوں گی' جب وہ چاہیں ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہو جائیں تاکہ اس کی لذت وسرور کے اسباب میں اضافہ ہو اور اس کی عزت وکرامت کے پھل کا اظہار ہو۔

(۴) ایک جنت عقیدہ صحیحہ کے انعام میں اور دوسری اعمالِ صالحہ کے انعام میں۔

(۵) ایک جنت طاعات وعبادات کرنے پر اور دوسری جنت گناہوں کے ترک کرنے پر۔

(۶) ایک جنت اعمالِ صالحہ کے ثواب میں اور دوسری اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے۔

(۷) ایک جنت روحانی (جس میں دیدارِ الٰہی' حمدِ الٰہی کے نغمات کی سماعت سے لطف اندوزی اور اہل اللہ کی زیارت وملاقات سے شرف یابی) دوسری جنت جسمانی ہوگی (جس میں جنتی مشروبات اور جنتی ماکولات وغیرہ سے تواضع ہوگی)۔

(۸) حضرت مقاتل بن سلیمان نے فرمایا: ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم ملیں گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۷ص ۱۱۶' مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر روح البیان مترجم جز ۲۷ص ۳۸۶' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

گویا فرمایا گیا ہے کہ تم دونوں میں سے ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں' ایک جنت انسانوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۹٬۴۸۔ ﴿ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴾ جو پھل دار سبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں۔ ''افنان'' کا معنی ہے: ''اغصان'' یعنی ہری بھری سبز شاخیں۔ یہ یا تو ''فَنَنٌ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: دراز اور لمبی سرسبز پھل دار شاخیں اور ٹہنیاں' اور یہ اس لیے کہ ان جنتوں کے درخت دراز شاخوں اور لمبی ڈالیوں والے ہوں گے جن پر سبز پتے اور پھل بہ کثرت ہوں گے' چنانچہ ان میں سے بعض درختوں کے سائے بڑے دراز اور طویل ہوں گے اور ان میں سے بعض درخت زیادہ پھل آور ہوں گے یا پھر یہ ''فَــنٌّ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: مختلف انواع واقسام کی پھل دار شاخیں یعنی خوفِ خدا رکھنے والے کے لیے ان دونوں جنتوں میں تمام اقسام کے پھل ہوں گے' اس کا جو جی چاہے گا اور جس پر اس کی آنکھیں خوش ہوں گی وہی اسے ملے گا۔ عرب کے شاعر نے کہا:

وَمِنْ کُلِّ اَفْنَانِ اللَّذَاذَةِ وَالصِّبَا لَهَوْتُ بِهٖ وَالْعِیْشُ اَخْضَرُ نَاضِرٌ

''اور ہر قسم کے لذیذ اور پسندیدہ پھل دار لمبی شاخوں والے درختوں میں مَیں اس کے ساتھ مشغول رہتا ہوں اور زندگی بڑی تروتازہ' خوب پُررونق ہے''۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۱٬۵۰۔ ﴿ فِیْهِمَا ﴾ ان دونوں میں یعنی ان دونوں جنتوں میں ﴿ عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴾ دو چشمے بہتے رہتے ہیں' جہاں جنتی حضرات چاہیں گے وہیں وہ چشمے بہنا شروع کر دیں گے بالائی منزلوں میں چاہیں گے تو وہ بالائی منزلوں میں پانی سمیت اوپر جا کر بہنا شروع کر دیں گے اور اگر وہ زیریں منزلوں میں چاہیں تو وہ چشمے نیچے بہنا شروع کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ صاف ستھرے میٹھے پانی کے چشمے ہوں گے (جن کا پانی حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے گا) ان میں سے ایک کا نام آبِ تسنیم کا چشمہ ہے اور دوسرے کا نام آبِ سلسبیل کا چشمہ ہے ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۳٬۵۲۔ ﴿ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴾ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے پھل دو دو قسم کے ہوں گے' ایک معروف ومشہور قسم ہوگی اور دوسری قسم عجیب وغریب اور نرالی ہوگی ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

وہ ایسے بستروں پر تکیہ لگانے والے ہوں گے جن کے استر عمدہ ترین گاڑھے ریشم کے ہوں گے' اور دونوں جنتوں کے پھل (جھک کر) نزدیک ہوں گے ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۵۵٬۵۴۔ ﴿ مُتَّکِـِٕیْنَ ﴾ متقین ان جنتوں میں بادشاہوں کی طرح تکیے لگا کر سہارا لیے بڑے آرام سے بیٹھے ہوں

گے [''متکئین''، ''خائفین'' کے لیے مدح کی بناء پر یا ان سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ''مَنْ خَافَ'' جمع کے معنی میں ہے] ﴿عَلٰی فُرُشٍ﴾ بستروں اور بچھونوں پر یہ ''فراش'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: پلنگوں پر یا زمین پر بیٹھنے کے لیے بچھائی جانے والی ڈبل چادریں اور بستر ﴿بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ ان کا استر نفیس ترین موٹے ریشم کا ہوگا۔ ''بَطَائِنُ''، ''بِطَانَةٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کپڑے کے اندر کا حصہ جسے استر کہا جاتا ہے اور ''استبرق'' کا معنی ہے: خوب صورت موٹا ریشم اور یہ معرب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان بستروں کا بیرونی حصہ سندس یعنی نفیس اور باریک کپڑے کا ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ اور دونوں جنتوں کے پھل جھک کر قریب آ چکے ہوں گے اور ان کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ کھڑا ہوا بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے حاصل کر لے گا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

ان میں نظریں نیچے رکھنے والی عورتیں (حوریں) ہوں گی جن کو ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ گویا وہ (حوریں صاف و شفاف) یاقوت اور سفید چمک دار موتی ہیں ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ نیکی کا بدلہ نہیں مگر نیکی ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۵۶، ۵۷- ﴿فِيهِنَّ﴾ ان دو جنتوں میں۔ ضمیر جمع اس لیے ہے کہ یہ دونوں جنتیں بہت سے مکانات اور محلات اور بہت سی مجالس پر مشتمل ہیں یا پھر اس لیے کہ ان دونوں جنتوں میں بہت سی نعمتوں کو شمار کیا گیا ہے مثلاً بلند و بالا شاخوں والے پھل دار درختوں کے باغات دو چشمے بہنے والے اور ہر قسم کے میوہ جات و پھلوں کی کثرت اور ان پھلوں کا جھک کر ہر جنتی کے قریب آنا ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ شرم و حیاء کے سبب اپنی نگاہیں نیچے جھکا کر رکھنے والیاں یعنی ان جنتوں میں ایسی باحیاء عورتیں ہوں گی جو اپنی نگاہیں صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی اور وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گی ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ ''طمث'' کا لغوی معنی ہے: جماع کے ذریعے باکرہ کو خون آلود کرنا (مطلب صرف جماع کرنا ہے) [ابو عمرو دوری کی قراءت میں میم مکسور ہے جب کہ علی کسائی کی قراءت میں میم مضموم ہے] ﴿وَلَا جَآنٌّ﴾ اور نہ کسی جن نے انہیں ہاتھ لگایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن بھی اسی طرح جماع کرتے ہیں جس طرح انسان جماع کرتے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۸، ۵۹- ﴿كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ﴾ گویا وہ صفائی میں یاقوت (یعنی جس طرح یاقوت صاف ستھرا ہوتا ہے اسی طرح حوروں کے بدن صاف شفاف ہوں گے) ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور سفید مونگے اور یہ موتیوں سے زیادہ سفید ہوتے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۰'۶۱- ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے (یعنی) عمل میں نیکی کا بدلہ اجر وثواب میں نیکی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے اقرار کرنے کے عمل کا بدلہ صرف جنت ہے' اور حضرت ابراہیم الخواص سے اس کے متعلق یہ منقول ہے کہ اسلام قبول کرنے کا بدلہ دار السلام (بہشت) ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

اور ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہ دونوں خوب گہرے سبز رنگ کی ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں جنتوں میں دو جوش مارنے والے چشمے ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان میں نیک سیرت خوب صورت عورتیں ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O پردہ نشین حوریں خیموں میں ہیں O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

۶۲'۶۳- ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾ اور ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں (یعنی) مذکورہ بالا آیات میں مقربین کے لیے جن دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے' ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں جو اصحابِ یمین میں سے ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان مقربین کے علاوہ ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۴'۶۵- ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ وہ دونوں جنتیں خوب سرسبز وشاداب ہیں یہاں تک کہ وہاں پھولوں اور درختوں کے سبز رنگ کی شدت و کثرت کے سبب وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل گہری سبز رنگ دکھائی دیتی ہیں۔ علامہ خلیل نے فرمایا کہ ''دُهْمَةٌ'' کا معنی ہے: سیاہی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۶'۶۷- ﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾ ان دونوں جنتوں میں جوش مار کر اُبلتے ہوئے دو چشمے ہیں جن سے پانی چھلکتا رہتا ہے' کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ کبھی رُکیں گے بلکہ ہمیشہ جاری رہیں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۶۸'۶۹- ﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ﴾ ان دونوں جنتوں میں مختلف رنگوں اور مختلف قسموں کے پھل ہوں گے ﴿وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انار اور کھجوریں پھلوں میں سے نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں کا ''فَاكِهَةٌ'' (پھل) پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ کھجوروں کو صرف بہ طور پھل نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو بطورِ خوراک بھی کھایا جاتا ہے اور انار پھل بھی ہے اور دوا بھی ہے' لہٰذا کھجور اور انار خالص پھل کے لیے نہیں ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''نَخْلٌ'' اور ''رُمَّانٌ'' کا ''فَاكِهَةٌ'' پر عطف مغائرت کے لیے نہیں بلکہ ان دونوں کی فضیلت کی وجہ سے ہے' گویا یہ دونوں دوسری جنس ہیں کیونکہ انہیں فضیلت و اہمیت حاصل ہے جیسا کہ فرشتوں پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی فضیلت کی بناء پر عطف کرکے ارشاد ہوا: ''وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ'' (البقرہ:۹۸)
﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۱،۷۰- ﴿فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ان جنتوں میں نیک سیرت نیک عادات والی خوب صورت و حسین چہروں والی ہیں۔ اصل میں ''خَيِّرَاتٌ'' ہے' پھر تخفیف کردی گئی اور اس کو اصل کی بناء پر ''خَيِّرَاتٌ'' بھی پڑھا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حوریں اچھے اخلاق والی نیک سیرت ہیں اور ''حسان'' کا معنی ہے: خوب صورت اور حسین چہروں والی حوریں
﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۳،۷۲- ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ حوریں خیموں میں بند ہیں یعنی پردہ نشین ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''اِمْرَاَةٌ قَصِيْرَةٌ وَمَقْصُوْرَةٌ'' یعنی عورت پردہ نشین ہے اور ''خیام'' کا مطلب ہے کہ گنبد کی طرح گول چھتیں اندر سے خالی موتیوں کے بڑے بڑے گھر ہوں گے جن میں حوریں پردہ نشین ہوں گی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

ع ۳

انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ جن نے ○ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ وہ سبز قالینوں اور خوب صورت قیمتی بستروں پر تکیے لگانے والے ہوں گے ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ آپ کے پروردگار کا نام بہت مبارک ہے' جو بہت عظمت و بزرگی والا ہے ○

۷۵،۷۴- ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے' یعنی جنتیوں سے پہلے کسی نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا نہ انسانوں نے نہ جنوں نے' اور اس کی دلیل ''جَنَّتَيْنِ'' کا ذکر ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۷،۷۶- ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ﴾ جنتی حضرات سبز رنگ کے قالینوں پر تکیے لگا کر شاہانہ انداز میں بیٹھے ہوں گے۔ ''رفرف'' ہر موٹے کپڑے کو کہا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ''رفرف'' سے تکیے مراد ہیں جن پر جنتی حضرات ٹیک لگا کر بیٹھیں گے [''متکئین'' اختصاص کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَّعَبْقَرِيٍّ﴾ اور قیمتی بچھونے جو ریشمی ہوں گے یا قیمتی ریشمی

چادریں ﴿حِسَانٍ﴾ حسین وجمیل اور خوب صورت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اوران دو جنتوں کی صفات پہلی دو جنتوں کی صفات کے مقابلے میں کم تر بیان کی گئی ہیں یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ ''وَمِنْ دُوْنِہِمَا جَنَّتٰنِ'' (جس کا ایک ترجمہ یہ ہے:) اوران دو جنتوں سے کم تر دو جنتیں اور ہیں کیونکہ ''مُدْهَامَّتَانِ'' ''ذَوَاتَا اَفْنَانٍ'' سے کم تر ہیں اور ''نَضَّاخَتَانِ'' ''تَجْرِیٰنِ'' سے کم تر ہیں اور ''فَاکِهَةٌ'' ''مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ'' سے کم تر ہے اوراسی طرح ''حور'' اور ''متکا'' کا حال ہے۔

۷۸- ﴿تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ﴾ آپ کے پروردگار کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ذو الجلال'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں اسم کی صفت ہوگا] ﴿وَالْاِکْرَامِ﴾ اور اپنے اولیاء (دوستوں) کو انعام کے ذریعہ عزت دینے والا ہے۔

سورۂ رحمٰن کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرمائی' پھر فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں خاموش دیکھ رہا ہوں۔ سنو! میری تلاوت پر جنوں کا رد عمل تم سے بہت بہتر تھا کیونکہ میں جب بھی تلاوت کرتے ہوئے ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' پر پہنچتا تو جنات کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' پس تمام تعریفیں صرف تیرے لیے ہیں اور تیری ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔[1]

نوٹ: اس آیت مبارکہ کو اس سورت میں اکتیس (۳۱) مرتبہ دہرایا گیا ہے' جن میں سے آٹھ مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی صنعت کے عجائب وغرائب کو شمار کیا گیا ہے اور نیز ان میں مخلوق کی ابتداء اور اس کے انجام کو شمار کیا گیا ہے' پھر ان میں سے سات مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے' جن میں جہنم کے دروازوں کی تعداد کے برابر دوزخ کی آگ اور اس کی سختیوں کا ذکر کیا گیا ہے' اوران سات کے بعد جنت کے دروازوں کی تعداد کے برابر آٹھ مرتبہ دو جنتوں اور ان میں جانے والوں کے اوصاف کے بیان کے دوران ذکر کیا گیا اور ان کے بعد اس آیت مبارکہ کو پھر آٹھ مرتبہ ان دو جنتوں کے لیے ذکر کیا گیا جو پہلی دو جنتوں کے علاوہ بیان کی گئیں' سو جس نے پہلی آٹھ پر اعتقاد کر لیا اور ان کے موجب پر عمل کر لیا تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے اور دوزخ کے دروازے اس پر بند ہو گئے۔

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُہَا ۹۶ رُکُوْعَاتُہَا ۳

سورۃ الواقعہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی چھیانوے آیات' تین رکوع ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَکَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾

وقف لازم

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳

جب واقع ہو جانے والی (قیامت) واقع ہو جائے گیOاس کے وقوع کے بارے میں کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گاOوہ (کسی کو) پست کرنے والی (اور کسی کو) بلند کرنے والی ہو گیOجب زمین تھرتھرا کر کانپنے لگے گیOاور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گاOسو وہ پھیلے ہوئے غبار ہو جائیں گےOاور تم تین قسمیں ہو جاؤ گےOسو دائیں طرف والے' کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والےOاور بائیں طرف والے' کتنے بُرے ہیں بائیں طرف والےOاور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیںOیہی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیںOوہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گےO

قیامت کے وقوع اور انسان کی تقسیم کا بیان

نوٹ: سورۃ الواقعۃ مکی ہے' اس کی آیات چھیانوے (۹۶) اور تین رکوع ہیں۔

۱- ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ جب واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے گی (یعنی) جب قیامت قائم ہو گی اور بعض کا قول ہے: اس کو وقوع کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کا وقوع پذیر اور قائم ہونا ہر حال میں لازمی ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کا وقوع لازمی ہے اور کسی امر کے وقوع کا مطلب ہے اس کا نازل ہونا' جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ کام واقع ہو گیا ہے جس کی تمہیں توقع تھی یعنی وہ کام نازل ہو گیا ہے' جس کے نزول کا تم انتظار کرتے تھے [''اِذَا'' پوشیدہ فعل امر ''اُذْکُر'' کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب قیامت قائم ہو گی]۔

۲- ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا یعنی جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا اور نہ اس غیبی خبر کے جھٹلانے کے بارے میں جھوٹ بولے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص تصدیق کرنے والا سچا پکا مؤمن بن جائے گا حالانکہ آج اس دنیا میں بہت سے لوگ جھوٹ بولنے والے بہت سے دینی اُمور کو جھٹلانے والے موجود ہیں [''لِوَقْعَتِهَا'' میں لام تعلیل کا ہے] یعنی قیامت کے وقوع ہو جانے کی وجہ سے اس کے متعلق کوئی شخص جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا' اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ہے: ''يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيO'' (الفجر:۲۴) ''کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتاO''۔

۳- ﴿خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ﴾ تہ و بالا کر دینے والی ''اَیْ هِیَ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ'' یعنی وہ (قیامت) پست و بلند کرنے والی ہے کیونکہ یہ قیامت بعض قوموں کو اس دن بلند کر دے گی اور بعض دوسری قوموں کو پست و ذلیل کر دے گی۔

۴- ﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا﴾ جب زمین تھرتھرا کر کانپنے لگے گی (یعنی) جب زمین سخت ترین جھٹکے کھانے لگے گی اور زلزلے سے جھولنے لگ جائے گی' یہاں تک کہ ہر چیز خواہ پہاڑ ہوں یا مکانات و محلات اور دیگر تمام تعمیرات اوپر سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے [اور یہ ''اِذَا وَقَعَتْ'' سے بدل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے ''خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ'' کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے] یعنی زمین کے متزلزل ہو جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے وقت قیامت ہر چیز کو تہ و بالا کر دے گی۔

۵- ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا﴾ اور پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور ان کو چورہ چورہ بنا دیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ ستوؤں کی طرح ہو جائیں گے یا یہ معنی ہے کہ پہاڑوں کو چلایا جائے گا' یہ ''بَسَّ الْغَنَمَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکریاں ریوڑ سے چراگاہ کی طرف چل پڑتی ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًاO'' (النباء:۲۰) ''اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا' پس وہ چمکتی ہوئی ریت ہو جائیں گےO''۔

۶- ﴿فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا﴾ سو وہ غبار بن کر بکھر جائیں گے اور ریت کے ذرّوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

٧- ﴿ وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ﴾ اور (اس دن) تم چند قسمیں ہو جاؤ گے۔ یہاں ''اَزْوَاجًا'' بہ معنی ''اَصْنَافًا'' ہے اور ''اصناف'' ان قسموں کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کی جنس سے ہوں یا ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہو ﴿ ثَلٰثَةً ﴾ تین قسمیں ہو جاؤ گے' جن میں سے دو قسمیں جنت میں جائیں گی اور ایک قسم دوزخ کی آگ میں جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ نے ''ازواج'' کی خود تفسیر بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

٨- ﴿ فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ﴾ سو دائیں طرف والے [یہ مبتدا ہے] اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ﴿ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ﴾ کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے اور یہ ان کی سعادت مندی اور کامیابی و کامرانی کی وجہ سے ان کے نیک بخت حال پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کی شان کے لیے تعظیم و تکریم کا اظہار ہے گویا (سامعین و حاضرین کے تعجب کے لیے) فرمایا گیا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کا کیا حال ہے؟ [یہ مبتدا' خبر ہیں اور یہ دونوں مبتدا اور خبر باہم مل کر پہلے مبتدا ''اصحاب المیمنة'' کی خبر ہیں]۔

٩- ﴿ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ﴾ اور بائیں طرف والے یعنی وہ لوگ جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے' یا یہ معنی ہے کہ دائیں طرف والے عالی شان اور بہترین مرتبہ میں ہوں گے اور بائیں طرف والے خسیس ترین اور بدترین حال میں ہوں گے' جیسے تم کہتے ہو: ''فُلَانٌ مِّنِّیْ بِالْیَمِیْنِ وَفُلَانٌ مِّنِّیْ بِالشِّمَالِ'' فلاں آدمی میرے نزدیک بلند مرتبہ والا ہے اور فلاں آدمی میرے نزدیک کم ترین ہے۔ یہ اس وقت صحیح ہو گا جب تم ان دونوں صفات میں سے ایک صفت یمین کو اپنے نزدیک رفعت و بلندی کے لیے استعمال کرو' اور دوسری صفت شمال کو ذلت و پستی کے لیے استعمال کرو (ترجمہ اسی معنی میں کیا گیا ہے) اور یہ اس لیے کہ نیک لوگ اپنے نیک اعمال کے تیمن و برکت کی وجہ سے بابرکت ہوں گے اور بُرے لوگ اپنی بُرائیوں کی وجہ سے محروم و منحوس ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے کہا کہ اہل جنت کے لیے دائیں طرف والوں کو اور اہل دوزخ کے لیے بائیں طرف والوں کو لیا جائے گا ﴿ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ﴾ بائیں طرف والے کتنے بُرے لوگ ہیں یعنی ان کا کیا حال ہے' اور یہ ان کی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے ان کے حال پر تعجب کا اظہار ہے۔

١٠' ١١- ﴿ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۞ اُولٰٓـئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴾ اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں ۞ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں [پہلا ''اَلسَّابِقُوْنَ'' مبتدا ہے اور دوسرا ''اَلسَّابِقُوْنَ'' اس کی خبر ہے] اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَلسَّابِقُوْنَ اِلَی الْخَيْرَاتِ السَّابِقُوْنَ اِلَی الْجَنَّاتِ'' نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے جنتوں اور بہشتوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوسرا پہلے کی تاکید ہے اور ''اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' خبر ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے]۔

١٢- ﴿ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴾ ''اَیْ هُمْ فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ'' یعنی وہ لوگ نعمتوں والی پرامن جنتوں میں رہیں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيۡنَ عَلَيۡهَا مُتَقٰبِلِيۡنَ ﴿١٦﴾ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿١٧﴾ بِاَكۡوَابٍ وَّاَبَارِيۡقَ ۙ وَكَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَلَا يُنۡزِفُوۡنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوۡنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿٢١﴾ وَحُوۡرٌ عِيۡنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمۡثَالِ اللُّـؤۡلُـؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ ﴿٢٣﴾

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾

پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگا○ اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑا سا ہوگا○ سونے سے مرصع تختوں پر ہوں گے○ وہ ان پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے شاہانہ انداز میں تکیے لگائے ہوئے ہوں گے○ ان کے اردگرد ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے○ بڑے پیالوں اور آب خوروں اور آنکھوں کے سامنے بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام کے ساتھ○ نہ تو اس سے انہیں سر درد ہوگا اور نہ وہ بے ہوش ہوں گے○ اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گے○ اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے○ اور بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی○ جیسے چھپا کر رکھے گئے موتی○ یہ ان (نیک) اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے○ وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات○

سبقت لے جانے والوں کا تعارف اور ان کے لیے انعامات کا بیان

۱۳٬۱۴- ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ○ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگا○ اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔ اصل میں "هُمْ ثُلَّةٌ" ہے اور "ثُلَّةٌ" کا معنی ہے: لوگوں کا بہت بڑا گروہ اور معنی یہ ہے کہ بے شک نیکیوں میں سبقت کرنے والے پہلے لوگوں میں سے بہت زیادہ ہوں گے اور "اوّلین" سے وہ تمام امتیں مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد تک گزر چکی ہیں اور "قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ" سے امت محمد ﷺ مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "اوّلین" سے اس امت کے متقدمین مراد ہیں اور "آخِرِيْنَ" سے اس امت کے متاخرین مراد ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہوں گے[1]

۱۵- ﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ﴾ وہ ایسے تختوں اور پلنگوں پر تشریف فرما ہوں گے جو سونے سے مرصع ہوں گے نیز ان پر موتیوں اور یاقوتوں کی کڑھائی کی گئی ہوگی ["سُرُرٌ" جمع ہے اس کا واحد "سَرِيْرٌ" ہے جیسے "كُتُبٌ" جمع ہے اور "كِتَابٌ" واحد ہے]۔

۱٦- ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا﴾ وہ ان پلنگوں پر تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے ["یہ "عَلٰى سُرُرٍ" کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اور وہی اس میں عامل ہے "اَیْ اِسْتَقَرُّوْا عَلَيْهَا" یعنی وہ مقربین ان پر براجمان ہوں گے] ﴿مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اور ایک دوسرے کے چہروں کا دیدار کریں گے' مگر وہ ایک دوسرے کی پشتوں کو نہیں دیکھیں گے اور یہ ان کی حسنِ معاشرت اور مہذب اخلاق اور صاف و پاکیزہ دوستی کے ساتھ توصیف کی گئی ہے [یہ بھی اسی سے حال واقع ہو رہا ہے]۔

۱۷- ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ ان کی خدمت کرنے کے لیے نوخیز لڑکے ان کے گرد پھرتے رہیں گے۔ "ولدان"، "ولید" کی جمع ہے ﴿مُّخَلَّدُوْنَ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ نوخیز لڑکوں کی شکل وصورت پر قائم و باقی رہیں گے اور اس حال سے (پکی عمر اور بڑھاپے کی طرف) نہیں پھریں گے' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ "مُقَرَّطُوْنَ" یعنی زیورات سے آراستہ ہوں گے اور "خُلَدَةٌ" بہ معنی کنگن اور بالیاں آیا ہے۔ بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ وہ دنیا والوں کی اولاد ہوگی۔ ان کے پاس نہ

[1] رواہ الطبرانی وابن عدی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۵۸)

تو نیکیاں ہوں گی کہ ان پر ان کو اجر وثواب عطا کیا جائے اور نہ ان کی بُرائیاں ہوں گی جن پر انہیں سزا دی جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ کفار کی اولاد اہل جنت کے خدام ہوں گے۔[1]

١٨- ﴿بِاَكْوَابٍ﴾ کوزہ' یہ ''کُوْبٌ'' کی جمع ہے اور یہ ایک ایسا برتن ہے جس کا نہ تو پکڑنے کے لیے دستہ بنا ہوتا ہے اور نہ پانی پینے کے لیے مخصوص ٹوٹی بنی ہوتی ہے بلکہ ایک بڑا پیالہ' گلاس یا لوٹا نما برتن ہے (ہاتھوں میں لے کر جہاں سے چاہیں پانی پی لیں) ﴿وَّاَبَارِيْقَ﴾ آفتابے' یہ ''ابـریـق'' کی جمع ہے اور یہ وہ برتن ہے جس کا پانی پینے کے لیے زائد حصہ (ٹوٹی) بنا ہوا ہوتا ہے اور پکڑنے کے لیے دستہ بھی بنا ہوا ہوتا ہے جسے آفتابہ کہتے ہیں ﴿وَكَاْسٍ﴾ اور ایسا پیالہ جس میں شراب ہو (جسے جامِ شراب کہتے ہیں) اور اگر اس میں شراب نہ ہو تو وہ ''کـاس'' نہیں کہلائے گا (بلکہ اسے ''قدح'' کہتے ہیں) ﴿مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ شراب کا چشمہ۔ جنت میں شرابِ طہور چشموں سے بہتی ہوگی۔

١٩- ﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا﴾ انہیں اس سے سر کا درد نہیں ہوگا یعنی اس شراب کے سبب انہیں سر درد نہیں ہوگا اور جنتی شراب کی حقیقت یہی ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں سر کا درد شروع ہی نہیں ہوگا یا اس کی وجہ سے ان میں افتراق وانتشار پیدا نہیں ہوگا (جیسے دنیا کی شراب کی مستی میں لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے انتشار پیدا ہو جاتا ہے) ﴿وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ اور نہ وہ بے ہوش ہوں گے۔ جب شراب پینے کی وجہ سے کسی آدمی کی عقل چلی جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''نُـزِفَ الـرَّجُلُ'' فلاں آدمی کی عقل زائل ہوگئی [کوفی قراء کی قراءت میں ''لَا يُـنْـزِفُوْنَ'' زا مکسور (بابِ افعال سے) پڑھا جاتا ہے] یعنی اہل جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جب کسی قوم کی شراب ختم ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ''اَنْزَفَ الْقَوْمُ''۔

٢٠- ﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴾ اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گے اور وہ اس سے بہترین اور اچھا پھل لے لیا کریں گے۔

٢١- ﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش اور تمنا کریں گے۔

٢٢- ﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ﴾ اور بڑی بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی' یعنی ان بہشتوں میں بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ ان جنتیوں کے لیے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین حوریں ہوں گی [''حـور'' ''حوراء'' کی جمع ہے اور ''عین''، ''عیناء'' کی جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ 'ولدان' پر معطوف ہو اور ''جنات النعیم'' پر عطف کر کے یزید' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''حُوْرٍ'' (''رَا'' مکسور) پڑھا جاتا ہے] گویا فرمایا کہ وہ حضرات جنتوں' پھلوں' پرندوں کے گوشت اور حوروں میں ہوں گے۔

٢٣- ﴿كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ﴾ وہ حوریں صفائی اور ستھرائی میں محفوظ و چھپا کر رکھے گئے موتیوں کی طرح ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ وہ سیپی سے تازہ بہ تازہ نکلے ہوئے صاف شفاف موتیوں کی طرح ہیں جنہیں ابھی نہ زمانہ نے متغیر و تبدیل کیا اور نہ استعمال کے احوال نے انہیں مختلف کیا۔

٢٤- ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے [''جزآءً'' مفعول لہ ہے] یعنی ان کے ساتھ یہ تمام کرم نوازیاں ان کے اعمال کے بدلے میں کی جائیں گی [یا 'جزآءً'' مصدر ہے ''اَیْ یُـجْـزَوْنَ جَزَآءً''] یعنی انہیں خوب جزائے خیر عنایت کی جائے گی۔

٢٥- ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا﴾ وہ لوگ ان جنتوں میں نہ بے ہودہ اور باطل و ناجائز بات سنیں گے اور نہ وہ

---

[1] رواہ البزار کمافی کشف الاستار رقم الحدیث: ٢١٧٢ ' وانظر مجمع الزوائد رقم الحدیث: ٢١٩١٧

معصیت و گناہ کی اور فحش و بے حیائی کی کوئی بکواس سنیں گے۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾

ع ۱۴

سوائے سلام سلام کہنے کے O اور دائیں طرف والے کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والے O وہ بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیریوں میں ہوں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O پھیلے ہوئے لمبے سائے میں O ہمیشہ جاری پانی میں O اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ روکا جائے گا O اور بلند بچھونوں پر O بے شک ہم نے ان حوروں کو بہترین پروان چڑھایا O سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا O شوہروں کی پیاریاں ایک عمر والیاں O دائیں طرف والوں کے لیے O پہلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا O اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا O

۲۶- ﴿ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾ ماسوا سلام سلام کہنے کے (یعنی) صرف سلامتی والی بات سنیں گے [یہ استثناء منقطع ہے اور ''سَلٰمًا''، ''قِيْلًا'' سے بدل ہے یا پھر ''قِيْلًا'' کا مفعول لہ ہے] یعنی وہ لوگ جنتوں میں نہیں سنیں گے مگر یہ کہ وہ کہیں گے: سلام سلام اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ آپس میں سلام کو پھیلائیں گے اور بار بار ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

اصحابِ یمین کے لیے انعامات کا بیان

۲۷، ۲۸- ﴿ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴾ اور دائیں طرف والے کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے O جو بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیریوں میں ہوں گے۔ ''اَلسِّدْرُ'' کا معنی ہے: بیری کا درخت اور ''مخضود'' کا معنی ہے: بے خار درخت' جس میں کانٹے نہیں ہوتے گویا اس کے کانٹے کاٹ کر ختم کر دیئے گئے۔

۲۹- ﴿ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾ اور کیلوں کے تہ بہ تہ جھکے ہوئے گچھے۔ ''طلح'' کا معنی ہے: کیلے کے درخت۔ ''منضود'' کا معنی ہے: کیلے کے گچھے جن میں پھل نیچے سے اوپر تک ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ چڑھے ہوئے ہوتے ہیں' سو اس لیے اس کی ٹہنی ظاہر نہیں ہوتی۔

۳۰- ﴿ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴾ اور ہمیشہ رہنے والا دراز سایا (یعنی بہشتوں میں دھوپ و گرمی نہیں ہوگی بلکہ) ہمیشہ رہنے والا لمبا' ہر طرف پھیلا سایا ہوگا جیسے فجر کے طلوع ہونے اور سورج کے طلوع کے درمیان سایا ہوتا ہے۔

۳۱- ﴿ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴾ اور بہتا ہوا پانی جس کی حد بندی نہیں ہوگی نہ اس کے لیے کھالوں اور نالیوں کی پابندی ہوگی یعنی زمین کی سطح پر بغیر کھالوں اور بغیر وادیوں کے مسلسل صاف شفاف پانی جاری رہے گا۔

۳۲، ۳۳- ﴿ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴾ اور پھل بہت ہوں گے یعنی بہت سی اجناس و اقسام کے گونا گوں بہ کثرت پھل ہوں گے

﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ﴾ نہ ختم ہونے والے (یعنی) جنتی پھل کبھی ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا کے پھل بعض اوقات ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جنتی پھل ہمیشہ باقی رہیں گے ﴿وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ اور نہ روکے ہوئے (یعنی) کسی جنتی کو کسی وجہ سے کسی وقت ان پھلوں کو حاصل کرنے' استعمال کرنے اور کھانے سے نہیں روکا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں کا مطلب یہ ہے کہ جنتی پھل تمام اوقات میں سے کسی وقت میں ختم نہیں ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے کسی کو روکا جائے گا۔

۳۴- ﴿وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾ اور بلند و بالا بچھونے (یعنی) شان والے بچھونے یا پھر چادروں اور بچھونوں کو تہ بہ تہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھا کر رکھا جائے گا' یہاں تک کہ وہ اونچے اور بلند ہو جائیں گے یا وہ بچھونے تختوں پر بلند ہوں گے اور بعض کا قول ہے کہ "فرش" سے عورتیں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو بطورِ کنایہ "فراش" سے مراد لیا جاتا ہے اور "مرفوعة" کا مطلب ہے کہ وہ پلنگوں پر ہوں گی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝" (یٰسین:۵۶) "وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں پلنگوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے ۝" اور اس معنی پر (درج ذیل) آیت دلیل ہے۔

۳۵- ﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً﴾ بے شک ہم نے ان کو بہترین پروان چڑھایا (یعنی) بے شک ہم نے ان کی ابتدائی تخلیق سے کی کہ ان کو بغیر ولادت کے از سر نو پیدا کیا' سو اب یا وہ عورتیں مراد ہیں جن کو ہم نے ابتداء میں نئی تخلیق میں یعنی بغیر ولادت کے پیدا کیا یا پھر وہ عورتیں مراد ہیں جن کو دوبارہ پروان چڑھا کر دوشیزہ پیدا کیا جائے گا اور اس تاویل کے علاوہ کی صورت میں "هُنَّ" کے لیے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا کیونکہ "فرش" سے تو بستر اور بچھونے مراد ہیں جب کہ جنتی عورتیں مراد لینے پر (درج ذیل) آیت بھی دلیل ہے۔

۳۶'۳۷- ﴿فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا' چنانچہ ان کے شوہر ان کے پاس جب بھی آئیں گے انہیں کنواریاں پائیں گے ﴿عُرُبًا﴾ اپنے شوہروں کی پیاریاں خوب صورت اور اپنے شوہروں کی فرماں بردار اور ان کی خدمت گزار ہوں گی [قاری حمزہ کوفی' خلف' یحییٰ اور حماد کی قراءت میں "عُرْبًا" ("رَا" مضموم ہے) پڑھا جاتا ہے اور یہ "عروب" کی جمع ہے (جیسے "رُسُل"' "رسول" کی جمع ہے)] ﴿اَتْرَابًا﴾ ایک عمر والیاں کیونکہ جنتی تمام عورتیں سن اور عمر میں مساوی اور برابر ہوں گی' سب تینتیس (۳۳) سال کی ہوں گی اور ان کے شوہروں کی عمریں بھی اسی طرح ہوں گی۔

۳۸- ﴿لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی [لام جار اپنے مجرور سے مل کر "انشانا" کے متعلق ہے]۔

۳۹'۴۰- ﴿ثُلَّةٌ﴾ یعنی دائیں طرف والوں کا ایک بہت بڑا گروہ ﴿مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے "وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ" کس طرح فرمایا' پھر یہاں "وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ" فرما دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے سابقین کے بارے میں فرمایا تھا اور اب اس آیت میں "اصحاب یمین" کے بارے میں فرمایا ہے اور بے شک "اصحاب یمین" یعنی دائیں طرف والے پہلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ پہلی تمام امتوں کے سابقین ہماری امت کے سابقین سے بہت زیادہ ہوں گے اور پہلی امتوں کے تابعین اس امت کے تابعین کے برابر ہوں گے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

اور بائیں طرف والے' کیسے بدترین ہیں بائیں طرف والے O زہریلی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سایا میں ہوں گے O نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت دے گا O بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نعمتوں والے تھے O اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے O اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک پہلے لوگ اور پچھلے لوگ O ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت O

توحید و قیامت کے انکار کی وجہ سے ''اصحاب شمال'' کی سزاؤں کا بیان

۴۱۔ ﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف والے' کیسے بُرے لوگ ہیں بائیں طرف والے۔ ''الشمال'' اور ''المشأمة'' ایک چیز ہیں (اس سورت کی آیت: ۸' ۹ کی تفسیر میں ''اصحاب یمین'' اور ''اصحاب شمال'' کی وضاحت کر دی گئی ہے)۔

۴۲۔ ﴿فِیْ سَمُوْمٍ﴾ دوزخ کی آگ کی زہریلی گرم ہوا میں ہوں گے جو مساماتِ بدن میں داخل ہو جائے گی (جو اندرون اجسام کو بھی جلائے گی) ﴿وَّحَمِیْمٍ﴾ اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور یہ گرم ترین پانی ہوگا جو حرارت و گرمائش کی انتہاء تک پہنچ چکا ہوگا۔

۴۳۔ ﴿وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ ''ظل'' کا معنی سایا اور ''یحموم'' بہ معنی ''دُخَانٌ اَسْوَدُ'' یعنی سیاہ دھواں۔

۴۴۔ ﴿لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ﴾ نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت وسکون دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سایا کی دونوں صفات کی اس سے نفی کر دی ہے' مطلب یہ کہ بے شک وہ سایا ہے لیکن دیگر سایوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کا نام تو سایا رکھ دیا لیکن پھر اس سے سایا کی ٹھنڈ اور اس کی راحت اور اس کے نفع کی نفی کر دی' جو شخص گرمی کی تپش کی تکلیف سے اس سایا کی پناہ میں آئے اور اسی طرح اس سایا کا کرم ہے تاکہ سایا کے مفہوم میں جو راحت وغیرہ کا تصور ہوتا ہے اسے بالکل مٹا دیا جائے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہوا کہ بے شک وہ سایا گرم ترین انتہائی نقصان دہ ہے۔

۴۵۔ ﴿اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا میں نعمتوں والے دولت مند اور خوش حال تھے' سو یہ چیز تھی جس نے انہیں سرکشی و نافرمانی سے باز آ جانے سے روک دیا اور عبرت حاصل کرنے سے انہیں دُور کر

دیا۔

٤٦- ﴿وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ﴾ اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی وہ لوگ بہت بڑے گناہ یعنی کفروشرک پر ہمیشہ قائم رہے کیونکہ انہوں نے میثاق کے دن کا عہد توڑ دیا تھا اور ''حنث'' کا معنی ہے: قسم کے ذریعے پختہ کیا ہوا عہد توڑ دینا' یا مرنے کے بعد قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جانے سے کفر کرنا مراد ہے جس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ'' (النحل:٣٨) ''اور انہوں نے اپنی پکی اور پختہ قسموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا''۔

٤٧- ﴿وَكَانُوا يَقُولُونَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے [تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَنُبْعَثُ اِذَا مِتْنَا'' جب ہم مر جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ظرف میں یہی ''نُبْعَثُ'' عامل ہے اور اس کا حذف کرنا جائز ہے کیونکہ ''مَبْعُوْثُوْنَ'' اس پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے لیکن ''مَبْعُوْثُوْنَ'' اس میں عمل نہیں کر سکتا اس لیے کہ حرف ''اِنَّ'' اور حرف استفہام اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے روک دیتے ہیں]۔

٤٨- ﴿اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا [ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے جب کہ ''لَمَبْعُوْثُوْنَ'' میں مضمر پر ''نَحْنُ'' کی تاکید کے بغیر عطف کرنا اچھا ہو تا فاصل کے آ جانے کی وجہ سے اور وہ شروع میں ہمزہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا'' (الانعام:١٤٩) میں نفی کی تاکید کے لیے حرف ''لَا'' کے فصل کی وجہ سے عطف اچھا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (واؤ ساکن کے ساتھ) ''اَوْ اٰبَاؤُنَا'' پڑھا جاتا ہے]۔

٤٩'٥٠- ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ٥ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک پہلے اور پچھلے سب لوگ ٥ ایک مقرر دن کے وقت ضرور جمع کیے جائیں گے (یعنی) ایک مقرر دن کے اس وقت سب لوگ جمع کیے جائیں گے جس کی آمد تک دنیا کی اختتامی مدت معین کر دی گئی [''میقات'' کی ''یوم معلوم'' کی طرف اضافت بہ معنی ''مِنْ'' ہے جیسے ''خَاتَمُ فِضَّةٍ'' میں ہے اور ''میقات'' اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو مقرر کیا جائے یعنی یہ ایک حد ہوتی ہے اور اسی سے ''مواقیت احرام'' ہیں اور یہ وہ حدود ہیں جن کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا بغیر احرام کے عبور نہیں کر سکتا اور ان حدود سے شرعاً آگے نہیں جا سکتا]۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ٥١ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ٥٢ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ٥٣ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ٥٤ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ٥٥ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ٥٦

پھر بے شک اے گمراہو جھٹلانے والو! ٥ تم ضرور تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو ٥ سو اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو ٥ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو ٥ پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو ٥ قیامت کے دن یہی ان کی مہمانی ہو گی ٥

۵۱- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ﴾ پھر بے شک اے راہِ ہدایت سے بھٹکنے والو! ﴿الْمُكَذِّبُوْنَ﴾ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانے والو! اور یہ مکہ معظمہ میں رہنے والے کفار مراد ہیں اور نیز وہ لوگ مراد ہیں جن کا حال انہیں جیسا ہے۔

۵۲ تا ۵۵- ﴿لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ﴾ تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو [''مِنْ شَجَرٍ'' میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''مِنْ زَقُّوْمٍ'' میں حرف ''مِنْ''، ''شجر'' کے بیان کے لیے ہے] ﴿فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ○ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ﴾ پس تم اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو○ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو [''مِنْهَا'' میں ''شجر'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو معنی کے اعتبار پر مؤنث لایا گیا ہے اور ''عَلَيْهِ'' میں شجر کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو لفظ کے اعتبار پر مذکر لایا گیا ہے] ﴿فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ﴾ پھر تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ ''الھیم'' کا معنی ہے: سخت پیاسا اونٹ جو کبھی سیراب نہیں ہوتا اور ان آیات کا معنی یہ ہے کہ ان کفار پر اس قدر سخت بھوک مسلط کر دی جائے گی کہ وہ تھوہر کا بدترین کڑوا جہنمی درخت کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ درخت زہریلی پیپ اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا' پھر جب اس سے ان کے پیٹ بھر جائیں گے تو ان پر اس قدر سخت پیاس مسلط کر دی جائے گی کہ وہ کھولتا ہوا گرم ترین پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے' یہ پانی ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا لیکن سخت پیاس کی وجہ سے یہ لوگ اسے سخت پیاسے اونٹ کی طرح پیتے جائیں گے اور ''شاربون'' کا ''شاربون'' پر عطف اس لیے صحیح ہے کہ یہ دونوں مختلف اوصاف متفقہ اشخاص کے لیے ہیں کیونکہ انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے انتہائی گرم ترین کھولتے ہوئے پانی کو پینا امرِ عجیب ہے اور پھر اس کے باوجود ان کا سخت پیاسے اونٹ کی طرح یہ پانی پینا بھی امرِ عجیب ہے' سو یہ دونوں مختلف وصف ہیں [امام عاصم' نافع مدنی' حمزہ کوفی اور سہل کی قراءت میں ''شُرْب'' شین مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقیوں کے نزدیک شین مفتوح ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں اور ''الھیم'' جمع ہے' اس کا واحد ''اھیم'' اور ''ھیماء'' ہے]۔

۵۶- ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ﴾ یہ ہے ان کی مہمانی' ''نُزُل'' وہ کھانا ہوتا ہے جو آنے والے مہمان کی تعظیم و تکریم کے لیے تیار کیا جاتا ہے ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ بدلے کا دن۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۞ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۞ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۞ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۞ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۞ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۞

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے○ پھر کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو منی تم (رحم میں) گراتے ہو○ کیا تم اس سے انسان پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں○ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور

ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں اور ہم تمہیں ایسی شکل وصورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے O اور بے شک تم نے پہلی پیدائش کو خوب جان لیا ہے' سوتم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے O پھر کیا تم نے غور سے دیکھا جو تم کاشت کرتے ہو O کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں' پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا O

انسان' کھیتی' بارش اور آگ کی تخلیق کے ذریعے تصدیقِ حق کی دعوت

۵۷- ﴿ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یہاں سے یا تو حق کی تصدیق کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ بے شک وہ لوگ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی تصدیق کرتے تھے مگر جب تصدیق الٰہی کے تقاضے ان کے مذہب کے خلاف ہوتے ہو تو گویا وہ اس کی تکذیب کرتے تھے' یا پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کی ترغیب دی گئی کیونکہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا ممتنع اور ناممکن نہیں ہے۔

۵۸- ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم جو منی گراتے ہو یعنی جس نطفہ کو تم عورتوں کے رحموں میں ڈالتے ہو۔

۵۹- ﴿ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ ﴾ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو (یعنی) کیا تم اسے ایک مخصوص اندازے کے ساتھ پیدا کرتے ہو اور اس کی شکل وصورت تم بناتے ہو اور اسے ایک مکمل انسان تم بناتے ہو ﴿ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾ یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں۔

٦۰'٦۱- ﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ ﴾ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم نے اس کو تم پر اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح رزق مختلف طریقہ پر اور فرق کے ساتھ کم وبیش تقسیم کیا جاتا ہے جیسا ہماری مشیت اس کا تقاضا کرتی ہے' سو اس لیے تمہاری عمریں مختلف ہوتی ہیں' چھوٹی عمریں اور لمبی عمریں اور درمیانی عمریں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ''قَدَرْنَا'' پڑھا جاتا ہے' جب تم کسی آدمی سے کسی چیز میں سبقت کر جاؤ اور اس آدمی کو اس چیز سے عاجز کر دو اور تم اس پر غالب آ جاؤ تو تم کہو گے: ''قَدَرْنَا'' ہم غالب آ گئے ہیں] ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ O عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ ﴾ اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم اس پر مکمل طور پر قادر ہیں تم اس پر ہمیں مغلوب نہیں کر سکتے اور ''امثال''' ''مثل'' کی جمع ہے یعنی یہ کہ ہم تمہیں تبدیل کر دیں اور تمہاری جگہ پر تمہارے جیسی اور مخلوق پیدا کر دیں ﴿ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور ہم تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے (یعنی) اور ہم تمہیں ایسی مخلوق میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے ہو اور اس جیسی مخلوق تم میں معہود ومعروف نہ ہو یعنی ہم بہ یک وقت دونوں کاموں پر قادر ہیں' ہم چاہیں تو تمہاری مماثل مخلوق پیدا کر دیں اور اگر چاہیں تو تمہارے غیر مماثل مخلوق پیدا کر دیں تو بھلا ہم تمہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور تمہارا اعادہ کرنے سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''امثال''' ''مثل'' کی جمع ہو یعنی یہ کہ ہم تمہاری ان صفات کو تبدیل کر دیں جن پر تم تخلیق اور اخلاق واطوار کے اعتبار سے قائم ہو اور ہم تمہیں ایسی صفات میں پیدا کر دیں جن کو تم نہیں جانتے۔

٦٢- ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى ﴾ اور بے شک تم نے پہلی تخلیق کو معلوم کرلیا [ابن کثیر اور ابوعمرو کی قراءت میں "النشاءۃ" ہے] ﴿ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے کہ بے شک جو ایک مرتبہ کسی چیز کی تخلیق پر قادر ہو تو اس کے لیے دوبارہ اس پر قادر ہونا ممنوع و ناممکن نہیں ہے اور اس میں قیاس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ پہلی تخلیق پر دوسری تخلیق کے قیاس کو ترک کردینے کی وجہ سے انہیں جاہل قرار دیا گیا ہے۔

٦٣- ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو تم کاشت کرتے ہو اور تم خوراک سے متعلقہ جو کھیتی باڑی کرتے ہو یعنی تم زمین میں ہل وغیرہ چلا کر اسے تیار کرتے ہو اور اس میں بیج بوتے ہو۔

٦٤- ﴿ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ ﴾ کیا تم اسے اُگاتے ہو تم اسے پروان چڑھاتے ہو اور تم اسے انگوری میں تبدیل کرتے ہو ﴿ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴾ یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ "لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ زَرَعْتُ وَلْيَقُلْ حَرَثْتُ"[1] تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے کھیتی اُگائی ہے اور اسے چاہیے کہ یہ کہے: میں نے کھیتی بوئی ہے۔

٦٥- ﴿ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا ﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے کاشت کار کے حاصل کرنے سے پہلے چورا چورا کردیں اور اسے توڑ پھوڑ کر بھوسہ بنادیں ﴿ فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴾ تو تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے اور تم تعجب کرتے رہ جاؤ گے اور تم کھیتی باڑی میں اپنی محنت مشقت اٹھانے پر اور اس پر رقم خرچ کرنے پر نادم و پشیمان ہو جاؤ گے یا تم ان گناہوں پر نادم ہو جاؤ گے جن کا تم نے ارتکاب کیا تھا اور جن کی وجہ سے تمہیں یہ تکلیف پہنچی۔

٦٦- ﴿ اِنَّا ﴾ "اَیْ تَقُوْلُوْنَ" ﴿ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴾ بے شک ہم یعنی تم کہو گے: بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے ہم نے کاشت کاری پر جو خرچ کیا ہے اس کی چٹی ہم پر لازم کردی گئی ہے یا یہ کہو گے کہ ہم اپنی روزی کی تباہی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے ہیں۔ یہ "غرام" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: ہلاکت [ابوبکر کوفی کی قراءت میں "اِنَّا" کی بجائے "اَئِنَّا" پڑھا جاتا ہے]۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

بلکہ ہم تو محروم ہو گئے O سو کیا تم نے اس پانی کو غور سے دیکھا ہے جسے تم پیتے ہو O کیا تم نے اسے بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اسے نمکین بنادیں سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے O پھر کیا تم نے اس آگ کو غور سے دیکھا ہے جسے تم سلگاتے ہو O کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو (دوزخ کی آگ کے لیے) یادگار بنادیا اور مسافروں کے لیے مفید بنایا O پس آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ٥٧٢٣ والبزار کمافی کشف الاستار رقم الحدیث: ١٢٨٩ والبیہقی ج ٦ ص ١٣٨ وابونعیم فی الحلیۃ ج ٨ ص ٢٦٧

کے اسباب کو اس کے ساتھ معلق کر دیا ہے اور ہم نے اس کو سب کی ضرورت بنا دیا اور اس کی حاجت وضرورت کو عام کر دیا ہے تا کہ لوگ جب بھی اس کو دیکھیں تو ان کے ذہنوں میں دوزخ کی آگ کی یاد تازہ ہو جائے اور وہ دوزخ کی وعیدوں کو یاد رکھیں ﴿ وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴾ جنگلوں اور میدانوں میں اترنے والے مسافروں کے لیے مفید و نافع ہے یا ان لوگوں کے لیے یہ آگ مفید ہے جن کے پیٹ خالی ہیں اور آگ پر کھانا بنانا ہے یا زادِ راہ کے لیے کھانا تیار کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔ یہ اہل عرب کے قول ''اَقْوَتِ الدَّارُ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھر اپنے ساکنین سے خالی ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ'' کیا تم نے دیکھا تم عورتوں کے رحموں میں جو منی گراتے ہو' کیونکہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے مقدم ہے' پھر اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ انسان کی قوت و طاقت اور زندگی قائم ہے اور وہ خوراک ہے اور دانے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ'' کیا تم نے دیکھا تم جو کھیتی باڑی اور کاشت کاری کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ آٹا گوندھا جاتا ہے اور اسے پیا جاتا ہے اور وہ پانی ہے' پھر اس کا ذکر فرمایا جس کے ساتھ روٹیاں پکائی جاتی ہیں (ہانڈی تیار کی جاتی ہے) اور وہ آگ ہے' سو کھانے کا حصول ان تین (اناج' پانی' آگ) کے مجموعہ پر موقوف ہے اور انسانی جسم جب تک زندہ ہے' وہ ان تینوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

۷۴۔ ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نامِ مبارک کی تسبیح بیان کیجئے جو بڑی عظمت والا ہے (یعنی) اے استدلال کے ساتھ سننے والے انسان! تو اپنے رب تعالیٰ کی ہر اس عیب اور نقص سے پاکی بیان کر جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے یا پھر اسم سے ذکر مراد ہے یعنی اپنے عظمت والے رب تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا: کہو ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' اور مرفوع حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اسے اپنے رکوع میں شامل کر لو[1]

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

سو مجھے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہوں کی قسم O اور بے شک یہ ضرور بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو O بے شک یہ قرآن ضرور بہت بڑی عزت والا ہے O محفوظ کتاب میں ہے O اس کتاب کو ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک لوگ O تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے O تو کیا تم اس کلام میں سستی کرتے ہو O اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم یقیناً (اس کتاب کو) جھٹلاتے ہو O

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۱۵۵' ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷' الدارمی ج ۱ ص ۲۹۹

کی تسبیح کرتے رہیں O

٦٧- ﴿ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴾ بلکہ ہم بے نصیب قوم ہیں ہم سے ہماری روزی چھین لی گئی ہے ہمیں روزی سے محدود وممنوع کر دیا گیا ہے ہماری مالی عظمت نہیں رہی نہ ہمارا حصہ اور نصیب رہا اور نہ ہمارا بخت رہا اور اگر ہم خوش نصیب ہوتے تو ہم پر یہ آفت نہ آتی۔

٦٨'٦٩- ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴾ پھر کیا تم نے اس پانی میں غور کیا اور نگاہِ عبرت سے اسے دیکھا جسے تم پیتے ہو اور نوشِ جاں کرتے ہو یعنی پینے کے لیے صحیح سلامت و کار آمد اور آلودگی سے صاف شفاف شیریں پانی ﴿ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ ﴾ کیا اسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے۔ ''مزن'' کا معنی ہے: سفید بادل اور اس کا پانی سب سے زیادہ شیریں اور ہاضمہ دار ہوتا ہے ﴿ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴾ یا ہم اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے نازل کرنے والے ہیں۔

٧٠- ﴿ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا ﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین و کھاری یا کڑوا بنا دیں جسے پیا نہ جا سکے ﴿ فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔ ''لَوْلَا'' بہ معنی ''هَلَّا فَهَلَّا تَشْكُرُوْنَ'' سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے [اور ارشادِ باری تعالیٰ ''لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا'' میں لام تاکید داخل کیا گیا ہے اور یہاں ''جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا'' میں لام کو ہٹا دیا گیا ہے اس لیے کہ حرف ''لَوْ'' جب ایسے دو جملوں پر داخل ہو جائے جن میں سے دوسرا پہلے کے ساتھ اس طرح معلق ہو جس طرح جزاء شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور وہ خالص شرط کے لیے نہیں ہوتا جیسے حرف ''اِنْ'' شرط کے لیے ہوتا ہے اور نہ اس کی مثل عامل ہوتا ہے بلکہ اس میں شرط کا معنی اتفاقاً پایا جاتا ہے چنانچہ حرف ''لَـوْ'' اپنے دونوں جملوں کے مضمون میں یہ فائدہ دیتا ہے کہ پہلے جملے کے امتناع کی وجہ سے دوسرا جملہ ممتنع ہو جاتا ہے (جیسے شرط کے امتناع سے جزاء کا وقوع ممتنع ہو جاتا ہے) اس لیے وہ اپنے جواب میں ایسی علامت کی طرف محتاج ہوتا ہے جو اس تعلق پر دلالت و رہنمائی کرے سو اس لام کو زیادہ کیا گیا تا کہ یہ اس تعلق پر دلالت کرے لیکن لام کا موقع اور محل مشہور و معروف ہو تو لفظ سے اسے گرا دیا جاتا ہے کیونکہ ہر شخص اسے خوب جانتا ہے اور اس کو گرانے اور ثابت رکھنے کی دونوں حالتیں مساوی اور برابر ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ اس آیت سے پہلے اس لام کا ذکر گزر چکا ہے اور فاصلہ بھی کم ہے جس نے اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے بے نیاز کر دیا اور اس لیے بھی کہ یہ لام لامحالہ تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے سو اس کو صرف خوراک اور رزق کی آیت میں داخل کیا گیا ہے مشروب کی آیت میں نہیں تا کہ یہ اس امر پر دلالت کرے کہ خوراک و رزق کا امر مشروب کے امر سے مقدم ہے اور بے شک اس کے فقدان پر وعید زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہوتی ہے نیز بے شک مشروب اور پانی پینے کی ضرورت و احتیاج کھانے اور خوراک کے تابع ہوتی ہے اس لیے کھانے اور رزق کی آیت کو پانی پینے کی آیت پر مقدم کیا گیا ہے]۔

٧١- ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴾ کیا تم نے غور سے اس آگ کو دیکھا جس کو تم جلاتے ہو تم اسے روشن کرتے ہو اور تم اسے زناد سے نکالتے ہو کیونکہ اہل عرب دو لکڑیوں سے آگ روشن کرتے ہیں کہ ایک لکڑی کو دوسری لکڑی پر رگڑتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے اور وہ اوپر والی لکڑی کو ''زند'' کہتے ہیں اور نیچے والی لکڑی کو ''زندة'' کہتے ہیں وہ ان دونوں کو نر اور مادہ کے ساتھ یا میاں بیوی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

٧٢- ﴿ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ ﴾ کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے جس میں سے ایک زناد درخت ہے ﴿ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴾ یا ہم ہی اس کو ابتداء سے پیدا کرنے والے ہیں۔

٧٣- ﴿ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً ﴾ ہم نے اس آگ کو جہنم کی آگ کے لیے یادگار بنا دیا ہے کیونکہ ہم نے زندگی گزارنے

ستاروں کے غروب ہونے کے وقت کی عظمت اور قرآن مجید کی فضیلت کا بیان

۷۵ تا ۷۷- ﴿فَلَآ اُقۡسِمُ﴾ سو مجھے قسم ہے [اصل میں ''فَـاُقۡسِمُ'' ہے حرف ''لَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے' اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد میں ہے' چنانچہ فرمایا: ''لِئَـلَّا یَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتَابِ'' (الحدید:۲۹) ''تاکہ اہل کتاب جان لیں'' اور ایک قراءت میں ''فَلَاُقۡسِمُ'' پڑھا گیا ہے' پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں' اور اس کا معنی ہے: ''فَلَاَنَا اُقۡسِمُ'' پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں' اور یہ لام ابتداء کا لام ہے جو مبتدا اور خبر کے جملہ پر داخل کیا گیا ہے اور وہ ''اَنَـا اُقۡسِمُ'' ہے' پھر مبتدا ''اَنَا'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ لام قسم کا لام ہو کیونکہ لامِ قسم نون تاکید کے ساتھ مقترن و متصل ہوتا ہے]

﴿بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ﴾ ستاروں کے گرنے اور ڈوبنے کی جگہیں۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے رات کے آخری حصے میں جب ستارے مغرب کی طرف گرتے (اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے) ہیں' اس وقت اللہ تعالٰی کے لیے عظیم الشان مخصوص افعالِ کریمانہ ہوتے ہیں یا اس وقت فرشتوں کے لیے عباداتِ مخصوصہ کا وقت ہوتا ہے یا اس لیے کہ بے شک وہ تہجد گزاروں کا وقت ہوتا ہے اور ان پر اللہ تعالٰی کی رضا اور رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے' سو اس لیے تو اللہ تعالٰی نے ستاروں کے ڈوبنے کی جگہوں کی قسم فرمائی اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیے ارشاد فرمایا [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''بموقع النجوم'' پڑھا جاتا ہے] ﴿وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو [یہ جملہ معترضہ ہے جو قسم اور مقسم علیہ کے درمیان بطورِ جملہ معترضہ آ گیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی عزت وعظمت والا قرآن ہے' یہ بہترین و پسندیدہ کلام ہے یا یہ معنی ہے کہ اکثر لوگوں کو بہت بڑے منافع اور فوائد پہنچانے والا ہے یا یہ کہ یہ قرآن اللہ تعالٰی کے نزدیک بڑا محترم ومکرم ہے[1] [''لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ'' موصوف اور صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے]۔

۷۸- ﴿فِیۡ كِتٰبٍ﴾ یعنی لوحِ محفوظ میں ﴿مَّكۡنُوۡنٍ﴾ جو اس سے محفوظ ہے کہ اس میں باطل شامل ہو سکے یا یہ کہ لوحِ محفوظ مقربین کے علاوہ دیگر فرشتوں سے محفوظ ہے' اس پر مقربین کے سوا کوئی فرشتہ مطلع اور آگاہ نہیں ہو سکتا۔

---

[1] واضح رہے کہ قرآن مجید کو اس آیت مبارکہ میں ''کریم'' فرمایا گیا ہے' جس کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں:

(۱) قرآن مجید کو ''کریم'' اس لیے فرمایا ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جس چیز کو بار بار پڑھا جاتا ہے اس سے دل اُکتا جاتا ہے اور طبیعت مکدر ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں ایسی حلاوت اور تاثیر ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کے باوجود دل اُکتاتا ہے نہ طبیعت مکدر ہوتی ہے بلکہ روحانی لذت حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس کو ''کریم'' فرمایا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے' حتیٰ کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں' جو اس کے ''کریم'' ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو چیز طلب کی جائے وہ مل جاتی ہے' چنانچہ فقیہ اس سے احکامِ شرعیہ نکالتا ہے' حکیم و دانشور اس سے حکمت کے موتی نکالتا ہے' ادیب اس سے ادب حاصل کرتا ہے' عارف اس سے معارف حاصل کرتا ہے' مؤرخ اس سے تاریخ حاصل کرتا ہے' متکلم اس سے عقائد پر دلائل حاصل کرتا ہے' صوفی اس سے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے رموز حاصل کرتا ہے اور رُشد و ہدایت کا طالب اس سے رُشد و ہدایت حاصل کرتا ہے' اس سے دوزخ سے نجات کا طریقہ ملتا ہے اور جنت کے حصول کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سے جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت فرمائے گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۹- ﴿لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ﴾ اس (قرآن) کو نہ چھوئیں مگر پاک حضرات' جو تمام نجاستوں سے پاک ہوں گناہوں کی نجاستوں سے بھی اور ان کے علاوہ (عقائد ونظریات کی نجاستوں سے بھی) یہ اس صورت میں ہوگا جب اس جملہ کو "کتاب مکنون" کی صفت قرار دیا جائے جس سے لوحِ محفوظ مراد ہے (اور اس صورت میں "مُطَهَّرُوْنَ" فرشتے ہوں گے) اور اگر اس کو قرآن کی صفت قرار دیا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس قرآن کو ہاتھ لگائے مگر جب طاہر اور پاک صاف ہو اور چھونے سے مکتوب منہ مراد ہے۔[1]

۸۰- ﴿تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ یہ قرآن تمام جہانوں کے پالنے والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے اور "تنزیل" بہ معنی "مُنَزَّلٌ" ہے یعنی نازل کیا گیا ہے یا "تنزیل" مصدر کے ساتھ قرآن کو موصوف کیا گیا ہے کیونکہ قرآن دیگر تمام کتب الٰہیہ کے درمیان تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ حاجت وضرورت نازل کیا گیا ہے تو گویا قرآن مجید بذاتہٖ عین "تنزیل" ہے اور اس لیے "تنزیل" کو قرآن کے بعض اسماء کے قائم مقام کیا گیا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: "جَآءَ فِي التَّنْزِيلِ كَذَا" قرآن میں اس طرح آیا ہے: "وَنَطَقَ بِهِ التَّنْزِيلُ" اور قرآن نے یہی کہا ہے یا مبتدا محذوف ہے' اصل میں "هُوَ تَنْزِيلٌ" ہے۔

۸۱- ﴿أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ﴾ سو کیا تم اس کلام یعنی قرآن مجید کے ساتھ سستی کرتے ہو (اور تم اس کی تحقیر کرتے ہو اور اے اہل مکہ! تم اس کو اہمیت کیوں نہیں دیتے سستی کیوں کرتے ہو) جیسے بعض کاموں میں سستی کی جاتی ہے یعنی نرم گوشہ اختیار کیا جاتا ہے اور سستی کی وجہ سے اس میں سخت مضبوطی اختیار نہیں کی جاتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے عامل حفاظ کو دس دوزخیوں کی شفاعت کر کے دوزخ سے جنت لے جانے کا اذن عطاء کیا جائے گا۔

(۷) ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے والوں سے عذاب قبر دور ہوتا ہے۔

(۸) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

(۹) نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی محبت وعزت سے جنت ملے گی۔

(۱۰) دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی برکت سے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

(۱۱) گیارہویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو حفظ کرنے والے کی میدانِ محشر میں عزت افزائی ہوگی اور اس کے والدین کو عزت وکرامت کا نورانی تاج پہنایا جائے گا۔

نوٹ: ان وجوہات کی تفصیل اور ان کے دلائل پڑھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر تبیان القرآن ج۱۱ ص ۶۸۳۔۶۸۶)

[1] "لَا يَمَسُّهٗ" میں اگرچہ "لا" نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنبی' حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو زبانی تو پڑھ سکتا ہے لیکن قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ نابالغ بچے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا فرض اور ضروری نہیں البتہ بہتر ہے۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف ومعارف' اسرار ورموز اور باطنی معانی تک رسائی کی سعادت ہر کس وناکس کو نہیں بخشی جاتی بلکہ یہ صرف ان نفوسِ قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر وباطن' جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف ہے۔ اس صورت میں "لا" نفی کا ہوگا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج۵ ص ۱۰۰)

۸۲- ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم (قرآن مجید کو) جھٹلاتے ہو یعنی تم اپنے رزق (نعمت قرآن) کے شکر کو تکذیب بناتے ہو' مطلب یہ ہے کہ تم نے شکر ادا کرنے کی بجائے تکذیب اور جھٹلانے کو اختیار کرلیا ہے (قرآن پر ایمان لا کر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو من گھڑت اور انسانی کلام قرار دے کر جھٹلا دیا) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت ہے کہ "وَتَجْعَلُوْنَ شُكْرَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ" اور تم اپنے شکر کو یہ بناتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو یعنی تم قرآن کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے اسے جھوٹا قرار دیتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ "انواء" (ستاروں) کے بارے میں اور کفار کے ان کی طرف بارش کے نزول کو منسوب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور رزق سے بارش مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جو بارشیں عطاء کرتا ہے ان پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم جھٹلاتے ہو کہ تم ان بارشوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہےO اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہوO اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتےO سو اگر تم کسی کے تابع حکم نہیں ہوO تو تم اس (روح) کو واپس لوٹا دیا کرو اگر تم سچے ہوO پھر اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوگاO تو (اس کے لیے) راحت اور بہترین رزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہوگیO اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہوگاO تو (اسے کہا جائے گا:) تجھ پر دائیں طرف والوں کی طرف سے سلام ہوO

جان کنی کے وقت کفار کی بے بسی کا بیان

۸۴'۸۳- ﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے یعنی جب موت کے وقت روح کھانے پینے کے گزرنے کی جگہ (نرخرے) تک پہنچ جاتی ہے ﴿وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ﴾ اور تم اس وقت دیکھتے رہتے ہو۔ یہ اس وقت مرنے والے کے پاس حاضرین کے لیے خطاب ہے۔

۸۵- ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ﴾ اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی) اس شخص کی طرف جس کے پاس موت کے فرشتے جان کنی کے لیے حاضر ہوتے ہیں ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ اور لیکن تم نہیں دیکھتے (یعنی) تم نہیں سمجھتے ہو اور نہ تم جانتے ہو۔

۸۷'۸۶- ﴿فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ﴾ سو اگر تم اللہ تعالیٰ کے پرورش کردہ اور اس کے مملوک و بندے نہیں ہو۔ یہ "دَانَ السُّلْطَانُ الرَّعِيَّةَ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بادشاہ رعایا کو غلام بنالیتا ہے اور ان پر اپنی سیاست

چکا تا ہے ﴿ تَرْجِعُوْنَهَآ ﴾ تم اس جان کو واپس لوٹا دو اور اس سے روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد اسے جسم کی طرف واپس لوٹانا مراد ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم کسی کے پروردہ اور کسی کے مملوک و مغلوب اور کسی کے محکوم نہیں ہو۔ ''فَلَوْلَا'' دونوں آیتوں میں مخصوص فعل کی طلب کی ترغیب دینے کے لیے ہے اور وہ فعل ''ترجعونها'' ہے اور اس کو ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور آیت کی ترتیب یوں ہے: ''(فَلَوْلَا) تَرْجِعُوْنَهَا (اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ) اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ'' سو تم روح کو واپس جسم میں کیوں نہیں لوٹا دیتے جب وہ گلے تک پہنچ جاتی ہے اگر تم کسی کے مملوک و محکوم نہیں ہو اور دوسرا ''فَلَوْلَا'' محض تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ اے مرنے والے کے عزیزو! تم سب ہماری قدرت و اختیار میں اور ہمارے علم میں ہو اور ہم تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں یا موت کے فرشتے تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر دیتے ہو اگر تم پر سراپا معجزہ کتاب نازل کی جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادو اور جھوٹ ہے اور اگر تمہاری طرف سچا رسول بھیج دیا جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادوگر اور جھوٹا ہے اور اگر تمہیں بارشیں عطاء کی جائیں تو تم کہتے ہو: فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارشیں ہوتی ہیں' اہل تعطیل کے مذہب کی طرح' پھر روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد تم اسے جسم کی طرف واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے' اگر تمہارے خیال میں وہاں کوئی روح قبض کرنے والا نہیں ہے۔ اگر تم اہل تعطیل کی طرح اللہ تعالیٰ کو معطل ماننے میں اور زندگی اور موت دینے والے اور پیدا کرنے والے اور دوبارہ اٹھانے والے کے ساتھ کفر و انکار کرنے میں سچے ہو۔

نیکوں کے لیے انعام اور گمراہوں کے لیے سزا کا بیان

٨٨'٨٩- ﴿ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ پھر اگر وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا (یعنی) اس سورت کے شروع میں جن تین اقسام کے بندوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں سے اگر پہلی قسم کے سابقین میں سے ہوگا ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴾ تو اس کے لیے راحت و سکون اور پھل و رزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہوگی۔

٩٠'٩١- ﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾ اور اگر وفات پانے والا دائیں طرف والوں میں سے ہوگا تو اسے کہا جائے گا کہ تجھ پر دائیں طرف والوں کی جانب سے سلام ہو یعنی اے دائیں طرف والے! تجھے تیرے دائیں طرف والے مسلمان بھائیوں کی جانب سے سلام ہو یعنی وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝'' (الواقعہ:٢٦) یعنی ''مگر جنت میں صرف سلام سلام کہا جائے گا ۝''۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

اور اگر وہ جھٹلانے والوں' گمراہوں میں سے ہوگا ۝ تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی ۝ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا ۝ بے شک ضرور یہی اعلیٰ ترین یقینی حقیقت ہے ۝ سو (اے محبوب!) آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے ۝

٩٢- ﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ اور اگر وفات پانے والا جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہو

گا۔ یہ تین اقسام میں سے تیسری قسم ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اس سورت میں ان سے کہا گیا ہے کہ ''ثُمَّ اِنَّکُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ'' پھر بے شک تم اے جھٹلانے والو گمراہو!

۹۳،۹۴۔ ﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ۝ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ﴾ پس اس کی مہمانی کھولتے ہوئے گرم ترین پانی سے کی جائے گی ۝ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا یعنی اس میں اسے داخل کیا جائے گا اور ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام کفر ایک ملت ہے اور بے شک بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمان دائیں طرف والوں میں سے ہوں گے کیونکہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کو جھٹلانے والے نہیں ہیں۔

۹۵،۹۶۔ ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ جو اس سورت میں نازل کیا گیا ہے ﴿لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ﴾ البتہ وہ یقینی حق ہے یعنی ایسا حق ہے جو یقین سے ثابت ہے ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ﴾ سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرضِ موت کے وقت عیادت کے لیے ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو انہوں نے کہا: مجھے صرف گناہوں کی تکلیف ہے' تو آپ نے فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے عرض کیا: میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں' حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم طبیب کو بلالیں تاکہ آپ کا علاج کرے؟ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ طبیب نے تو مجھے بیمار کیا ہے' حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم آپ کی مدد کرنے کے لیے دراہم و دنانیر کی بخشش کا حکم دے دیں؟ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں' حضرت عثمان نے فرمایا: تو پھر ہم آپ کی بیٹیوں کو دے دیں؟ کہا: انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے انہیں حکم دے رکھا ہے کہ وہ روزانہ سورۃ واقعہ پڑھا کریں اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جو شخص روزانہ رات کے وقت سورۃ واقعہ پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں پہنچے گا[1] اور ان تینوں سورتوں (القمر' الرحمٰن' الواقعہ) میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام (اللہ تعالیٰ) کا ذکر نہیں کیا گیا۔

آیاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝	سورۃ الحدید مدنیۃ

سورۃ الحدید مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی انتیس آیات' چار رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کی ہے' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۝ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے' وہی زندگی عطاء کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ وہی اول اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے' اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝

1۔ رواہ الضریس فی فضائل القرآن رقم الحدیث: ۲۲۶' الحارث بن ابی اسامہ کما فی المطالب العالیہ ج ۳ ص ۳۸۳

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت واختیار کا بیان

نوٹ: سورۃ الحدید مکی ہے اوراس کی آیات انتیس ہیں۔

۱۔ ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1] آسمانوں اور زمین میں رہنے والی ہر چیز نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی ہے [یاد رہے کہ بعض سورتوں کا آغاز ''سَبَّحَ'' فعل ماضی کے لفظ سے ہوا۔ اور بعض میں فعل مضارع کے لفظ سے آغاز ہوا اور سورۃ بنی اسرائیل میں مصدر کے لفظ سے اور سورۃ الاعلیٰ میں فعل امر کے لفظ سے آغاز ہوا' تاکہ اس کلمہ کا تمام جہات سے احاطہ ہو جائے اور وہ چار جہات ہیں: (۱) مصدر (۲) ماضی (۳) مضارع (۴) امر۔ اور یہ فعل کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور کبھی براہِ راست متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَتُسَبِّحُوْهُ'' اور اس کی اصل بغیر کسی حرف کے واسطے کے براہِ راست (یعنی بعینہٖ) متعدی ہونا ہے' کیونکہ ''سَبَّحْتُهٗ'' کا معنی ہے: ''بَعَّدْتُهٗ عَنِ السُّوْءِ'' میں نے اس کو بُرائی سے دور کر دیا۔ اور یہ فعل مجرد ''سَبَحَ'' سے منقول ہے جب کوئی چلا جائے اور دور ہو جائے۔ پھر اس میں لام یا تو (زائد ہے) جیسے ''نَصَحْتُهٗ وَنَصَحْتُ لَهٗ''] میں ہے اور یا (یہ لام تعلیلیہ ہے اور) ''سَبَّحَ لِلّٰهِ'' سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز نے خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کی رضا کی خاطر تسبیح بیان کی ہے اور ''مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز کی طرف سے جو تسبیح حاصل ہوتی ہے اور جو صحیح طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے] ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾

---

[1] تسبیح کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ ومبرا اور پاک سمجھنا جو اس کی شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو' وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی گواہی دے رہا ہو: ''اَلتَّسْبِيْحُ عَلَى الْمَشْهُوْرِ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِعْتِقَادًا وَقَوْلًا وَفِعْلًا عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِهٖ سُبْحَانَهٗ'' (روح المعانی) آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے' ان میں سے ذوی العقول کی شہادت و گواہی تو قولاً ہے' فرشتے' انسان اور جنات سب کہہ رہے ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ' سُبْحَانَ اللّٰهِ'' البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبانِ حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں' لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے' ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہوگا: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' (الاسراء: ۴۴) یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبانِ حال سے تسبیح کرنا مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگ ریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبانِ قال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں' فرماتے ہیں:

نفسِ ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسب حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں ''وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلٰى ثُبُوْتِ النُّفُوْسِ النَّاطِقَةِ وَالْاِدْرَاكِ بِسَائِرِ الْحَيْوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ عَلٰى مَا يَلِيْقُ لِكُلٍّ'' (روح المعانی) صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔ یہاں سورۂ حدید' نیز سورۂ الحشر اور الصف کی ابتداء ''سَبَّحَ'' صیغۂ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۂ جمعہ اور تغابن کا افتتاح ''يُسَبِّحُ'' مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے' اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا' یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۰۷)

اور وہ (اللہ تعالیٰ) ہر اس مکلف شخص سے زبردست انتقام لینے والا ہے' جو عناد اور دشمنی کی وجہ سے اس کی تسبیح اور پاکی بیان نہیں کرتا ﴿ اَلْحَکِیْمُ ﴾ وہ ہر اس شخص کو بدلہ اور جزائے خیر عطاء کرنے میں بڑا حکمت والا ہے' جو اطاعت وفرماں برداری اور عاجزی کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

۲- ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے ﴿ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ وہی زندگی اور موت عطاء کرتا ہے یعنی وہی (قیامت کے دن) مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی زندوں کو مارتا ہے [''یُحْیِی'' محلاً مرفوع ہے یا منصوب ہے ''اَیْ (لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) مُحْیِیًا وَمُمِیْتًا'' یعنی آسمانوں اور زمین کی حکومت وسلطنت صرف اسی کے لیے ہے' دراں حالیکہ وہ زندگی عطاء کرنے والا اور موت دینے والا ہے] ﴿ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور وہ ہر چیز پر مکمل قادر ہے۔

۳- ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ ﴾ وہی اوّل ہے (یعنی) وہ قدیم ہے جو ہر چیز سے پہلے ہے[1] ﴿ وَالْاٰخِرُ ﴾ آخر ہے' جو ہر چیز کے ہلاک اور فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا ﴿ وَالظَّاهِرُ ﴾ اور وہ ایسے دلائل کی وجہ سے ظاہر وعیاں ہے جو اس کے ظہور پر

---

[1] یہ کلماتِ اعجاز (''اوّل و آخر' ظاهر و باطن'' اور ''علیم'') اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پر بھی مشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مجید میں اپنی عظمت وکبریائی کا خطبہ ان کلمات میں ارشاد فرمایا اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور توصیف کا مضمون بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کے ساتھ حضور کی توصیف بیان فرمائی ہے اور یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو (قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (احادیث مبارکہ) میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان اسماء مبارکہ کے ساتھ موسوم فرما کر آپ کے حلیہ مبارک' حسن وجمال اور کمالات وفضائل اور خصائل کو ظاہر فرمایا' نیز اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ متخلق اور متصف ہیں لیکن ان میں سے بعض اسماء خصوصی طور پر آپ کے ساتھ نامزد اور مشہور ہو چکے ہیں جیسے ''نور' حق' علیم' حکیم' مؤمن' مهیمن' ولی' هادی' رؤوف' رحیم'' وغیرہم اور یہ چاروں اسم ''اوّل' اخر' ظاهر' باطن'' بھی اسی قبیل سے ہیں۔

آپ کے ''اوّل'' ہونے کی وجوہات کا بیان

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''اوّل'' اس لیے ہیں کہ عالم وجود میں سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا (۲) وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہونے میں آپ سب سے اوّل ہیں' چنانچہ آپ نے فرمایا: ''كُنْتُ نَبِیًّا وَّاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِهٖ'' میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں تھے (۳) اور اقرارِ ربوبیت میں بھی آپ سب سے اوّل ہیں کیونکہ عالمِ ارواح میں میثاق کے روز جب اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے سوال کیا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' تو اس وقت سب سے پہلے آپ نے ''بَلٰی'' کہا تھا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے (۴) اور ایمان لانے میں بھی سب سے اوّل آپ ہیں کیونکہ آپ نے خود فرمایا: ''وَاَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' اور سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (۵) روزِ محشر قبر مبارک سے باہر تشریف لانے میں آپ سب سے اوّل ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر مبارک شق ہوگی اور سب سے پہلے میں برآمد ہوں گا' پھر دوسرے لوگ نکلیں گے (۶) بارگاہِ الٰہی میں سب سے پہلے سجدہ کرنے اور شفاعت کرنے والے آپ ہی ہوں گے' چنانچہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے کا دروازہ مجھ پر کھلے گا (۷) جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے' اس لیے کہ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دلالت و رہنمائی کرتے ہیں ﴿ وَالْبَاطِنُ ﴾ اور وہ باطن ہے کیونکہ حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وہ سب پر عیاں ہے اور پہلی واؤ کا معنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّلیت اور آخریت دونوں صفات کا جامع ہے اور تیسری واؤ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت ظہور اور صفت خفا دونوں کا جامع ہے اور درمیانی (دوسری) واؤ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلی دونوں صفات کے مجموعہ اور آخری دونوں صفات کے مجموعہ کا جامع ہے' سو اس لیے وہ تمام گزشتہ اور آئندہ اوقات میں ہمیشہ موجود ہے اور وہ تمام اوقات اور تمام زمانوں میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَلظَّاهِرُ'' کا معنی ہے کہ تمام چیزوں سے بلند و بالا اور وہ تمام چیزوں پر غالب وحاوی ہے۔ یہ ''ظَهَرَ عَلَيْهِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر غالب وحاوی ہو جائے اور اس سے بلند ہو جائے اور ''اَلْبَاطِنُ'' جو ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہو یعنی وہ جو ہر چیز کے باطن کو بھی جانتا ہے ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ
يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **آپ کی شانِ آخر کی وجوہات**

(۱) وصف نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہونے میں اوّل و سابق ہونے کے باوجود' نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہونے میں آپ سب انبیائے کرام علیہم السلام سے آخر اور خاتم ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' (الاحزاب: ۴۰) ''اور لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں'' (۲) آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید سب سے آخری کتاب ہے (۳) آپ کا دین تمام دینوں میں آخری دین ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا: ''نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ'' یعنی درجات میں سبقتوں کے باوجود ہم آخر میں آنے والے ہیں۔ اور حقیقت میں بعثت کے اعتبار سے اوّلیت و سابقیت کی بہ نسبت' آخریت و خاتمیت میں فضیلت ہے' کیونکہ آپ تمام کتب اور ادیان کے ناسخ اور ماحی ہیں' اور سب پر غالب اور قوی ہیں۔

آپ کے ظاہر و باطن ہونے کا بیان

آپ تمام کائنات پر ظاہر و عیاں ہیں کیونکہ آپ کے انوار نے تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے اور تمام عالم کو روشن کر دیا ہے (نیز آپ کی نبوت و رسالت' معجزات و کمالات اور سیرت و اخلاق سب پر عیاں ہیں) اس لیے آپ کے ظہور کی مثل کسی کا ظہور نہیں اور آپ کے نور کی مثل کسی کا نور نہیں البتہ آپ کے اسرار و رموز باطن ہیں' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص آپ کے باطنی احوال کو نہیں جانتا (نیز آپ کی کنہ اور حقیقت سب سے مخفی اور باطن ہے جسے کوئی شخص نہیں جانتا) اور دور و نزدیک کی ہر چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے حد و بے شمار کمالات اور حسن و جمال کے نظارہ اور مشاہدہ میں حیران و متحیر ہے۔

آپ کے علیم ہونے کی شان کا بیان

''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ'' اور آپ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام شیونات الٰہی' تمام احکام' صفات حق' تمام اسماء و افعال اور آثار اور تمام علوم ظاہر و باطن' اوّل و آخر جانتے ہیں اور آپ ان پر محیط ہیں اور آپ اس آیت مبارکہ کے مصداق ہیں ''فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ O'' (یوسف: ۷۶) ''ہر علم والے سے بڑھ کر زیادہ علم والا ہوتا ہے O''۔

(ماخوذ از: مدارج النبوت ج ۱' آغاز خطبہ)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر اپنی شان کے لائق مستویٰ ہوا' وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے' اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو O آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی بادشاہی ہے' اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے' اور وہی سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

٤- ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ان دنوں سے دنیا کے دن مراد ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا چاہتا تو ضرور کر لیتا لیکن اس نے چھ دنوں کو بنیاد بنایا تاکہ تمام کاموں کا اس پر مدار ہو جائے (کہ جلد بازی کی بجائے حسنِ تدبیر کے ساتھ تدریج کو اصول بنایا جائے' یہی سنت الٰہی ہے) ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ ﴾ پھر وہ اپنی شان کے لائق عرش پر مستویٰ ہوا ﴿ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ ﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے (یعنی) بیج وغیرہ اور بارش کے قطرات وغیرہ اور دفن کیے گئے خزانے اور مردے وغیرہ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے ﴿ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا ﴾ اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے جیسے کھیتیاں پھلوں وغیرہ کے باغات (پانی کے چشمے وغیرہ' نیز زمین دوز سونے' چاندی' تانبے وغیرہ کی کانیں اور پٹرول' گیس وغیرہ) ﴿ وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ اور جو کچھ آسمان میں سے اترتا ہے (یعنی) فرشتے' بارشیں (کتب سماوی جو اتر چکیں اور فیصلہ جات' رزق' توبہ کرنے والوں پر رحمت و مغفرت کا نزول) ﴿ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے (یعنی) اعمال' دعائیں (اعمال نامے لکھنے والے فرشتے' نیک ارواح اور بخارات' دھوئیں وغیرہ) ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ ﴾ اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ وہ عمومی طور پر اپنے علم اور قدرت کے ساتھ اور خصوصی طور پر اپنے فضل و کرم اور رحمت و مہربانی کے ساتھ تمہارے قریب ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

٦'٥ - ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی کے لیے ہے اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ رات کے کچھ اوقات کو (موسم گرما میں) کم کر دیتا ہے اور دن کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے ﴿ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے (کہ موسم سرما میں دن کے اوقات کم کر کے رات کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے) اور وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹

تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے' سو تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (نیک کاموں میں) خرچ کیا ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہے O اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں تا کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو O وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے' اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا بے حد مہربان ہے O

کفارِ مکہ کو ایمان لانے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت وترغیب

۷- ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں خرچ کرو۔ ''اَنْفِقُوْا'' زکوٰۃ کا احتمال بھی رکھتا ہے (کہ مسلمان ہو کر زکوٰۃ ادا کرو) اور زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات وخیرات اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم بھی ہو سکتا ہے ﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ﴾ اس مال میں سے (خرچ کرو) جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے یعنی بے شک وہ اموال جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں' وہ صرف اللہ تعالیٰ کے اموال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی نے انہیں پروان چڑھا کر ان اموال میں اضافہ فرمایا اور بے شک صرف اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان اموال کا مالک بنایا تا کہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان میں تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا نائب بنایا' اس لیے حقیقت میں وہ تمہارے اموال نہیں ہیں اور تم ان مالوں میں وکیل اور نائب کے قائم مقام ہو' پس تم ان مالوں میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں خرچ کرو اور تم پر ان مالوں میں سے خرچ کرنا سہل اور آسان ہونا چاہیے جیسا کہ آدمی دوسروں کا مال آسانی سے خرچ کرتا ہے جب اسے اس مال میں سے خرچ کرنے کی اجازت مل جائے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنا دیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہیں ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور عنقریب یہ مال تم سے تمہارے بعد آنے والوں کو منتقل ہو جائے گا' پس ان کے حال سے عبرت حاصل کرو اور مال کے خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ سو جو لوگ تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کیے (جیسے حضرت عثمان غنی وغیرہ) تو ان کے لیے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

۸- ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہو اور اس پر ایمان نہیں لاتے ["لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" پہلا حال ہے جو "مَا لَكُمْ" میں فعل کے معنی سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے: "مَا لَكَ قَائِمًا" بہ معنی "مَا تَصْنَعُ قَائِمًا"] ﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾ حالانکہ یہ رسول کریم تمہیں ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تا کہ تم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آؤ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور یہ دوسرا حال ہے پس یہ دونوں حال متداخل ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ایمان کو ترک کرنے میں تمہارے لیے کون سا معقول عذر ہے حالانکہ رسول مکرم تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ﴾ اور بے شک اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (الاعراف:۱۷۲) کے ساتھ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقلیں عطاء کی ہیں اور دلائل میں غور و فکر کرنے کی تمہیں قوت و قدرت بخشی ہے پھر جب عقلی دلائل اور رسول مکرم کی تنبیہ کے بعد تمہارے لیے کوئی علت باقی نہیں رہی تو اب تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم کسی سبب کی وجہ سے ایمان لانے والے ہو تو یہ سبب ایسا ہے جس پر اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی [ابو عمرو کی قراءت میں "اُخِذَ مِيْثَاقُكُمْ" (فعل ماضی مجہول کے ساتھ) پڑھا گیا ہے]۔

۹- ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشن آیتیں نازل کرتا ہے یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہے ﴿لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ یا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا ہے [حجازی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں "لَرَءُوْفٌ" مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد رحم فرمانے والا "رأفت" کا معنی ہے: بہت زیادہ شفقت و رحمت کرنا۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی' یہی لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی' اور اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

۱۰- ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اصل میں "فِيْ اَنْ لَّا تُنْفِقُوْا" ہے ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' وہی ان دونوں میں ہونے والی ہر چیز کا وارث ہے۔ مال وغیرہ میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی کے لیے باقی ہو یعنی تمہاری

کون سی غرض ہے جس کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے' پھر وہی تمہارے اموال کا وارث ہوگا اور یہ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں ترغیب کے لیے سب سے زیادہ بلیغ کلام ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل کلام کے ذریعے) مسلمانوں میں سے خرچ کرنے والوں کے درمیان فرق کو بیان کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ﴾ تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا یعنی اسلام کے غالب آنے اور اہل اسلام کے قوت حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کے گروہ درگروہ داخل ہونے سے پہلے اور فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا ''وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدَ الْفَتْحِ'' اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا' وہ برابر نہیں ہیں پھر ''وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ'' اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یہی لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جو مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے (التوبہ:١٠٠) اور جن کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ'' اگر تم میں سے کوئی شخص (فی سبیل اللہ) احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے فی سبیل اللہ خرچ کیے ہوئے ایک کلو جَو کے برابر نہیں اور نہ ان کے آدھا کلو جَو کے برابر ہے[1] ﴿أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ﴾ وہ درجے میں بہت بڑھ کر ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا ﴿وَكُلًّا﴾ اور سب یعنی صحابہ کرام کے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق سے ﴿وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ﴾ اللہ تعالیٰ بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے یعنی بہترین ثواب کا وعدہ اور وہ جنت ہے اگرچہ ان کے درجوں میں فرق ہوگا [''كُلًّا''، ''وَعَدَ'' کا پہلا مفعول ہے اور ''اَلْحُسْنٰى'' دوسرا مفعول ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''كُلٌّ'' مرفوع ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل کی گئی ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام قبول کیا اور انہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور اس میں آپ کی فضیلت اور تقدم پر دلیل ہے۔

﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' سو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی مقدار کے مطابق بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے' سو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا کر عطاء کرے گا اور اس

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٣٦٧٣' مسلم رقم الحدیث: ٢٥٤٠

کے لیے محترم ثواب ہوگاO اس روز آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (انہیں کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی خوش خبری ہو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہےO

قرضِ حسنہ کے انعام کا بیان

۱۱ - ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے (یعنی) خوش دلی سے دے۔ بہترین قرض سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے اور قرض حسنہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ یہ اجر وثواب کے لازماً ملنے پر دلالت کرے ﴿فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس کے قرضِ حسنہ کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قرضِ حسنہ دینے والے آدمی کو اس کے خرچ کرنے پر کئی گنا بڑھا چڑھا کر اجر وثواب عطاء فرمائے گا ﴿وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ اور اس کے لیے عزت کا اجر وثواب ہوگا یعنی وہ اجر وثواب جس کے ساتھ کئی گنا ثواب ملایا جائے گا' وہ بذاتِ خود عزت والا ہوگا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَیُضَعِّفُهٗ'' (باب تفعیل'' فا'' مرفوع) پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں (باب تفعیل) ''فا'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور امام عاصم اور سہل کی قراءت میں ''فَیُضَاعِفَهٗ'' (باب مفاعلہ ''فا'' منصوب پڑھا جاتا) ہے ان کے علاوہ کے نزدیک (باب مفاعلہ) ''فا'' مرفوع ہے' پس نصب تو استفہام کے جواب پر مبنی ہے اور رفع ''یقرض'' پر عطف کی وجہ سے ہے یا رفع اس لیے ہے کہ اصل میں ''فَهُوَ یُضَاعِفُهٗ'' ہے]۔

مؤمنوں کے انعام اور منافقوں کی محرومی کا بیان

۱۲ - ﴿یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے [یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِیْمٌ'' کے لیے ظرف ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' (فعل امر) مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' یہ فعل کا اضمار اس دن کی تعظیم کے لیے ہے] ﴿یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ ان کا نور یعنی ان کی توحید وعبادات کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' مطلب یہ کہ ان کے ساتھ چلتا ہوگا' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر صرف ''بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ'' اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن نیک بختوں کو ان کے اعمال کے صحیفے ان ہی دو طرفوں سے عطاء کیے جائیں گے جیسا کہ بدبختوں کو ان کے بائیں ہاتھوں میں اور ان کے پیچھے دیئے جائیں گے' سو اس لیے ان کے نور کو انہیں دو جہتوں میں ان کی نیک بختی کی علامت اور نشانی قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نیکیوں کی وجہ سے کامیاب وکامران اور نیک بخت قرار پائے اور اپنے سفید اور روشن صحیفوں کی وجہ سے فلاح حاصل کی' چنانچہ جب ان کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ پل صراط پر گزرنے لگیں گے تو دوڑ پڑیں گے اور ان کا نور بھی ان کے ساتھ دوڑ رہا ہوگا اور فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ﴾ آج تمہیں جنتوں کی بشارت وخوش خبری ہو یعنی جنتوں میں داخل ہونے کی بشارت ہو' کیونکہ بشارت دوبارہ زندہ کیے گئے آدمیوں کے لیے ہوگی مردہ لاشوں کے لیے نہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾

اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہم پر نظرِ کرم کرو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں' انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر (وہاں) نور تلاش کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی اس میں ایک دروازہ ہوگا' اس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا○

۱۳- ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا﴾ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم انتظار کرو کیونکہ مسلمانوں کو جنت کی طرف تیز بجلی کی طرح بہت جلدی لے جایا جائے گا [''انظرونا'' بہ معنی ''انتظرونا'' ہے جب کہ قاری حمزہ کوفی کی قراءت میں ''اَنْظِرُوْنَا'' (''ظا'' مکسور باب افعال سے) ہے اور یہ ''نَظِرَۃٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مہلت دینا ہے' منافقین سست رفتاری کی وجہ سے مسلمانوں سے مہلت مانگیں تا کہ ان کے ساتھ مل جائیں] ﴿نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں اور اس نور سے کچھ حصہ ہم بھی پالیں' یہ اس بناء پر کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں اور ان سے نور حاصل کر لیں ﴿قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ منافقین کو دھتکارنے اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے کہا جائے گا: تم واپس اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر وہاں روشنی حاصل کرو یعنی فرشتے ان سے کہیں گے یا مؤمنین کہیں گے کہ تم واپس موقف میں چلے جاؤ جہاں سے ہمیں نور عطاء کیا گیا' سو تم وہاں جا کر نور تلاش کرو' پس اس سبب سے نور حاصل کیا جا سکتا ہے' یا یہ معنی ہے کہ انہیں کہا جائے گا: تم واپس دنیا میں لوٹ جاؤ اور نور حاصل کرنے کے سبب کو تلاش کرو اور وہ خالص ایمان ہے ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ﴾ پھر ان کے درمیان کھڑی کر دی جائے گی یعنی مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان ﴿بِسُوْرٍ﴾ ایک دیوار جو جنت اور دوزخ کی آگ کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ بعض کا قول ہے: وہ اعراف ہے ﴿لَّهٗ بَابٌ﴾ اس دیوار میں اہل جنت کے لیے ایک دروازہ ہے جس سے اہل جنت' جنت میں داخل ہوں گے ﴿بَاطِنُهٗ﴾ اس دیوار کا یا دروازے کا اندرون اور یہ وہ جانب ہے جو جنت سے متصل ہے ﴿فِيْهِ الرَّحْمَةُ﴾ اس میں رحمت ہے یعنی نور ہے یا جنت ہے ﴿وَظَاهِرُهٗ﴾ اور اس کے باہر جو دوزخیوں کے لیے ظاہر ہے ﴿مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ اس کے پاس یا اس طرف سے عذاب ہے یعنی اندھیرا ہے یا آگ ہے۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال دیا تھا اور تم (مسلمانوں کی ہلاکت کا) انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے تھے اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دینے والے (شیطان) نے دھوکا دیاO سو آج تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے کفر کیا' تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' وہی تمہاری رفیق ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہےO

۱۴- ﴿ یُنَادُوْنَهُمْ ﴾ وہ انہیں پکاریں گے یعنی منافقین مؤمنوں کو پکار کر کہیں گے کہ ﴿ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ دنیا میں بہ ظاہر وہ مسلمانوں کے رفیق اور ساتھی بنے رہے تھے ﴿ قَالُوْا بَلٰى ﴾ یعنی جنتی مسلمان ان سے کہیں گے: کیوں نہیں! ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ اور لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال دیا یعنی منافقت کر کے تم نے اپنے آپ کو محنت و مشقت میں ڈال دیا اور تم نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ﴿ وَتَرَبَّصْتُمْ ﴾ اور تم مسلمانوں پر مصائب کا انتظار کرتے رہے ﴿ وَارْتَبْتُمْ ﴾ اور تم توحید میں شک کرتے رہے ﴿ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ ﴾ اور تمہیں لمبی لمبی آرزوؤں اور بڑی بڑی عمروں کے طمع نے فریب میں ڈالے رکھا ﴿ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا یعنی موت آ پہنچی ﴿ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اور شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے جو چاہو کرو وہ تمہیں عذاب نہیں دے گا یا یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ حساب و کتاب ہوگا۔

۱۵- ﴿ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ ﴾ سوائے منافقو! آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔ ''فدیہ'' وہ تاوان ہے جو کسی شخص کی رہائی کے عوض ادا کیا جائے ﴿ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور نہ ان لوگوں سے فدیہ لیا جائے گا جنہوں نے کفر کیا ﴿ مَاْوٰىكُمْ ﴾ تمہارا ٹھکانا اور تمہاری واپس لوٹ کر جانے کی جگہ ﴿ النَّارُ ﴾ دوزخ کی آگ ہے ﴿ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ﴾ وہی تمہارے لائق ہے۔ ''مولاکم'' کا معنی ہے: تمہارا وہ مکان جس کے بارے میں کہا جائے: ''هِیَ اَوْلٰی بِكُمْ'' یہی تمہارے لائق ہے' جیسے ''هُوَ مَئِنَّةٌ لِلْكَرَمِ'' کہا جاتا ہے یعنی کرم کی جگہ' یہ ''اِنَّهٗ كَرِیْمٌ'' کے جواب میں بولا جاتا ہے ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور وہ دوزخ کی آگ ہے۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے' اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی' سو ان پر زمانہ دراز ہو گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے' اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیںO جان رکھو! بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک ہم نے واضح کر کے نشانیاں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھ لوO

کاہل مسلمانوں کے لیے انتباہ

۱۶- ﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ ﴾ کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل نرم پڑ جائیں اور خشوع وخضوع کے ساتھ جھک جائیں۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان بہت تنگ تھے اور تنگ دستی اور غربت کی وجہ سے پریشان رہتے تھے' پھر جب یہ مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں آ گئے تو انہوں نے یہاں آ کر رزق اور مال و دولت کو خوب کمایا اور خوش حال ہو گئے تو ان میں پہلے جیسا خشوع وخضوع نہ رہا' عبادات میں پہلے جیسی چستی اور اہتمام نہ رہا اور ان میں کاہلی اور سستی آ گئی (لیکن فرائض میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ صرف نفلی عبادات اور تلاوتِ قرآن میں کمی آ گئی تھی) تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے ہمیں عتاب کیے جانے کے درمیان چار سال گزرے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روز ان کے سامنے یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل یمامہ کی ایک قوم موجود تھی' سو وہ لوگ یہ آیت سن کر بہت روئے تو حضرت ابوبکر نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ پہلے ہم بھی اسی طرح تھے' پھر لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ ''یَاْنِ. اَیِ الْاَمْرُ یَاْنِیْ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کام کا وقت آ جائے ''اَیِ الْاَمْـرُ'' یعنی کام کا وقت آ گیا ﴿ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس حق کے لیے جو نازل ہو چکا ہے۔ ذکر اور حق سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ یہ دونوں کا جامع ہے' ذکر کا بھی اور وعظ ونصیحت کا بھی اور بے شک یہ وہ حق ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''نَزَلَ'' تخفیف کے ساتھ ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''نَـزَّلَ'' (تشدید کے ساتھ) ہے لفظ ''مَا'' بہ معنیٰ ''اَلَّذِیْ'' ہے] ﴿ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور مسلمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں کو ملامت کرنے اور تنبیہ کرنے کے بعد دلوں کے سخت ہونے میں اہل کتاب کے ساتھ مماثلت سے انہیں منع کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ بے شک بنی اسرائیل کے درمیان اور ان کی خواہشاتِ نفسانی کے درمیان حق حائل ہو گیا اور جب انہوں نے تورات اور انجیل کو سنا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھک گئے اور ان کے دل نرم پڑ گئے' پھر جب ان پر زمانہ طویل اور دراز ہو گیا تو ان پر بے وفائی اور سخت دلی غالب آ گئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف شروع کر دیا اور انہوں نے تحریف وغیرہ کر کے اپنی طرف سے مسائل گھڑ لیے اور نئے نئے مسائل کا اضافہ کر لیا ﴿ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ ﴾ سو ان پر مدت یا زمانہ طویل اور دراز ہو گیا ﴿ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ تو شہوات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے ﴿ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں جو اپنے دین سے خارج ہو چکے ہیں اور انہوں نے جو کچھ کتابوں میں تھا اس کو ترک کر دیا یعنی ان میں سے بہت تھوڑے سے ایمان دار رہ گئے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک ہم نے اپنی توحید اور قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیوں کو خوب واضح کر کے بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ بے شک دلوں میں ذکر الٰہی کی تاثیر کے لیے یہ مثال ہے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ غافل ومردہ دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش بنجر زمین کو زندہ (سرسبز وشاداب) کر دیتی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾

ع ۹ ۱۸

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ان کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر وثواب ہوگاO اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں' ان کا اجر وثواب اور ان کا نور صرف انہیں کے لیے ہے' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیںO

صدقہ دینے والوں اور ایمان لانے والوں کے انعام اور کفار کی سزا کا بیان

۱۸ - ﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں صرف دال مشدد ہے اور ''صَدَّقَ يُصَدِّقُ تَصْدِيقًا'' سے اسم فاعل ہیں] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں یعنی مؤمنین' اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے [اور دیگر قراء کی قراءت میں دال اور شین دونوں مشدد ہیں اور یہ ''تَصَدَّقَ يَتَصَدَّقُ تَصَدُّقًا'' سے اسم فاعل ہیں' پھر تا کو صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ان کو اپنی اصل پر ''إِنَّ الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ'' بھی پڑھا گیا ہے] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک صدقہ خیرات دینے والے مرد اور صدقہ خیرات دینے والی عورتیں ﴿وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ان کے لیے ان کے اجر وثواب کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر عطاء کیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر وثواب ہوگا یعنی جنت ملے گی' اور قرضِ حسن یہ ہے کہ پاکیزہ مال میں سے خوش دلی کے ساتھ اور صحیح نیت کے ساتھ مستحق کو صدقہ دیا جائے [''أَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'' ''اَلْمُصَّدِّقِينَ'' میں فعل کے معنی پر معطوف ہے کیونکہ اس میں لام موصول کا ہے اور ''اَلَّذِينَ'' کے معنی میں ہے اور اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے اور وہ ''اِصَّدَّقُوا'' ہے گویا فرمایا گیا: ''إِنَّ الَّذِينَ اصَّدَّقُوا وَأَقْرَضُوا'' بے شک جن لوگوں نے صدقہ دیا اور قرض دیا]۔

۱۹ - ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ صدیقوں اور شہیدوں کی طرح ہیں اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سب سے پہلے تصدیق کی اور کفار سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ ان کا اجر اور ان کا نور انہیں کے لیے ہوگا یعنی ان کا اجر اور ان کا نور صدیقوں اور شہیدوں کے اجر اور ان کے نور کی طرح ہوگا [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''وَالشُّهَدَآءُ'' مبتدا ہو اور ''لَهُمْ أَجْرُهُمْ'' اس کی خبر ہو]

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا' وہی بھڑکتی ہوئی دوزخ والے ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

تم جان لو! بے شک دنیوی زندگی صرف کھیل اور تماشا اور زیب و زینب اور تمہارا آپس میں فخر و غرور کرنا اور مال و اولاد میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنا ہے' جیسے بارش جس کی پیداوار کافروں کو عجیب لگی' پھر وہ خشک ہوگئی تو (اے انسان!) تم اسے زرد دیکھتے ہو' پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' اور آخرت میں سخت عذاب ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش و رضامندی ہے' اور دنیوی زندگی تو نہیں مگر دھوکے کا سامان O

دنیا کے حقیر کاموں اور مغفرت و جنت کی ترغیب کا بیان

۲۰- ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ ﴾ تم جان رکھو! بے شک دنیوی زندگی کھیل ہے جیسے بچوں کا کھیل ہوتا ہے ﴿ وَّلَهْوٌ ﴾ اور تماشا ہے جیسے نوجوان کے تماشے اور بے ہودہ مشغلے ہوتے ہیں ﴿ وَّزِيْنَةٌ ﴾ جیسے عورتوں کے سنگھار ﴿ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ ﴾ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا جیسے اپنے مدمقابل اور ہم سر پر باہمی فخر کرنا اور ہم عمر ہم زمانہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا ﴿ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر اضافہ چاہنا جیسے چودھریوں' سرداروں اور رئیسوں کا آپس میں ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں کثرت و اضافہ کی حرص و طلب کرنا یعنی ان میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنا۔ اور ''تکاثر'' کا معنی ہے: زیادہ سے زیادہ مال اور اولاد طلب کرنا ﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ﴾ جیسے بارش جس کا سبزہ کفار کو عجیب لگا' پھر وہ خشک ہوگیا' پس تم اسے زرد دیکھتے ہو حالانکہ اس سے پہلے وہ ہرا بھرا سرسبز و شاداب تھا ﴿ ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ﴾ پھر وہ چورا چورا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اس آیت میں دنیا اور اس کے عارضی ہونے' جلد ختم ہونے اور بہت کم مفید ہونے کے حال کو ایسے سبزہ جات کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسے بارش نے اُگایا' پھر برابر ہوگیا اور لہلہانے لگا اور مضبوط ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے کافروں کو بہت عجیب لگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بارش اور ہرا بھرا سبزہ عطاء فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر آفت بھیج دی' سو وہ خشک ہوگیا اور وہ زرد و پیلا ہوگیا اور پھر چورا چورا ہوگیا' یہ صرف کافروں کو ان کے انکار پر سزا دینے کے لیے ہوا' جس طرح اہل جنت کے ساتھ کیا گیا (جس کا ذکر جنتیوں کے انعام کے بیان میں سورۃ واقعہ میں گزر چکا ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار سے کاشت کار مراد ہیں (کیونکہ کفر کا معنی ہے: چھپانا' تو جس طرح کافر حق کو باطل کے پردے میں چھپاتا ہے' اسی طرح کاشت کار بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے) ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾ اور آخرت میں کافروں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا ﴿ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ﴾ اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور

خوشنودی اور رضامندی ہوگی' یعنی دنیا کے یہ سارے کام حقیر ہیں [1] (۱) ''لعب'' یعنی کھیل تماشے (۲) ''لھو'' یعنی بے ہودہ اور باطل مشغلے (۳) ''زینة'' یعنی ہار سنگھار' زیب و زینت اور زیبائش و آرائش (۴) ''تفاخر'' آپس میں ایک دوسرے پر حسب و نسب میں فخر و غرور کرنا (۵) ''تکاثر'' یعنی مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت و کثرت طلب کرنا' اور آخرت کے یہ تمام کام عظیم ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) کافروں کے لیے سخت ترین عذاب (۲) حمد و ثناء کے لائق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنوں کے لیے مغفرت و بخشش (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی [''کمثل غیث'' میں کاف محلاً مرفوع ہے اس بناء پر کہ یہ خبر کے بعد خبر ہے] یعنی یہ دنیا بارش کی طرح عارضی ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس کی طرف مائل ہوا' اور اس پر اعتماد کیا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: اے مریدین کی جماعت! تم دنیا کو طلب نہ کرو اور اگر ضرورت کے تحت اسے طلب کرنا ہو تو اس سے محبت نہ کرو کیونکہ دنیا سے آخرت کے لیے زادِ راہ لینا ہے اور آرام کرنے کی جگہ اس کے علاوہ میں ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

تم اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے' وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے عطاء فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے O

۲۱-اور جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر اور اس کے کام کو ذلیل قرار دیا اور آخرت کے کام کو عظیم اور بہت بڑا قرار دیا تو اپنے بندوں کو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنے پر اُبھارا جس کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے اور وہ سخت ترین عذاب سے نجات دینے والی مغفرت و بخشش ہے اور جنت میں داخل ہونے کی کامیابی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

[1] حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم دنیا کا غم نہ کرو کیونکہ یہ دنیا چند عارضی اور حقیر چیزوں کا نام ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) مطعومات (کھانے کی چیزیں) (۲) مشروبات (۳) ملبوسات (۴) مشمومات (سونگھنے کی چیزیں) (۵) مراکب (سواریاں) (۶) منکوحات (بیویاں) خوردنی چیزوں میں سب سے اہم اور خوش ذائقہ شہد ہے جو ایک مکھی کا لعاب ہے اور سب سے زیادہ پینے والی چیز پانی ہے جس میں انسان اور تمام حیوان مشترک اور برابر ہیں اور ملبوسات میں سب سے اہم لباس ریشم کا ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کے تھوک سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ خوشبو مشک ہے اور وہ ہرن کی ناف کا جما ہوا خون ہے اور سب سے اچھی سواری گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر انسانوں کو قتل کیا جاتا ہے (اس زمانہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی جاتی تھی) اور نکاح کی اہم چیز عورت ہے جس میں دو پیشاب گاہوں کا ملاپ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض' میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں سایادار درخت کے نیچے آرام کرنے اور گرمی دور کرنے کے لیے چند لمحات ٹھہر کر چل پڑے اور درخت کو چھوڑ دے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جزء ۲۷ ص ۵۵۸' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تم نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی مغفرت و بخشش کی طرف آگے بڑھو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مغفرت و بخشش حاصل کرنے کے لیے اس طرح جلدی کرو جس طرح مقابلے کے میدان میں جیتنے کے لیے اپنے ساتھیوں سے سبقت کرنے والے جلدی کرتے ہیں ﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے۔ امام سدی نے فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی چوڑائی کی مثل ہے اور لمبائی کو چھوڑ کر صرف چوڑائی کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ لمبائی کے مقابلے میں چوڑائی کم ہوتی ہے' جب جنت کی چوڑائی اتنی فراخ ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی بہت زیادہ فراخ ہوگی یا چوڑائی سے وسعت و فراخی مراد ہے اور یہ اس شخص کے قول کی نفی کرتی ہے جو کہتا ہے: جنت چوتھے آسمان میں ہے کیونکہ جو آسمانوں میں سے ایک آسمان کے اندر ہے وہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے برابر کیسے ہو سکتی ہے ﴿اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مغفرت و جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اسے عطاء کرتا ہے اور وہ مؤمنین ہیں اور یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے O تاکہ تم اس پر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہا اور نہ تم اس پر اتراؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا' اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا O وہ جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں' اور جو شخص روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل تعریف ہے O

قضاء وقدر کی حکمت کا بیان

۲۲- پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلے کے تحت ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے' اور زمین کی مصیبت سے مراد خشک سالی و قحط سالی اور کھیتوں اور پھلوں میں نازل ہونے والی آفات و بیماریاں اور نفوس اور جانوں کی مصیبت بیماریاں' جسمانی تکلیفیں اور درد یں اور اولاد میں موت آ جانا ["فِي الْاَرْضِ" محلاً مجرور ہے "اَيْ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ ثَابِتَةٍ فِي الْاَرْضِ" یعنی کوئی مصیبت زمین میں ثابت نہیں ہوتی مگر لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔ "اِلَّا فِيْ كِتَابٍ" محلاً حال ہے "اَيْ اِلَّا مَكْتُوْبًا فِيْ كِتَابٍ" یعنی مگر کتاب میں لکھا ہوا ہے]

یہاں ''کتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ اس سے پہلے کہ ہم جانوں کو پیدا کریں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس کی تقدیر اور اس کا کتاب میں اثبات ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے اگرچہ بندوں پر مشکل ہے۔

۲۳۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علّت وسبب اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تم سے جاتا رہے (یعنی) دنیا اور اس کی وسعت وخوش حالی یا امن وعافیت اور صحت وتندرستی کے چھن جانے اور ختم ہو جانے پر اس قدر غم نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں بغاوت وسرکشی پر اُکسانے لگے ﴿وَلَا تَفْرَحُوْا﴾ اور تم اس طرح (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر) نہ اتراؤ جس طرح تکبر کرنے والے اور فخر وغرور کرنے والے اتراتے ہیں ﴿بِمَآ اٰتٰكُمْ﴾ ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطاء کی ہیں۔ یہ ''ایتـآء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: دینا اور عطاء کرنا' جب کہ ابوعمرو کی قراءت میں ''اَتَاكُمْ'' ہے اور ''اتیان'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: آنا' تو ''بِمَا اَتَاكُمْ'' کا معنی ہوا: جو کچھ تمہارے پاس آیا اور تمہیں ملا یعنی جب تم نے یہ جان لیا کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس مقدر کر کے لکھ دی گئی ہے تو تمہیں کسی نعمت کے فوت ہونے پر غم ورنج کم ہوگا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی کم ملے گی اور تکبر پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جس کو معلوم ہو گیا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ لامحالہ ایک دن ختم ہو جائے گا تو کسی نعمت کے ختم ہو جانے پر اس کا جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی اس پر غالب وحاوی نہیں ہوگی' اس لیے کہ اس کا نفس اس پر آمادہ رہے گا اور اسی طرح جس کو معلوم ہو گیا کہ کچھ خیر وبھلائی اسے ضرور ملے گی اور اس کا حاصل ہونا کسی حال میں اس سے فوت نہیں ہوگا تو اس خیر وبھلائی کے ملنے پر اس کی خوشی اس قدر نہیں بڑھے گی کہ وہ تکبر کرنے والے اور ہر آدمی کو ملنے والی منفعت پر خوش ہوتا ہے' یہ اس کا فطری تقاضا ہے اور اسی طرح نازل ہونے والی مصیبت پر غمگین ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس کا فطری تقاضا ہے' لیکن مناسب یہ ہے کہ خوشی شکر کی صورت میں ظاہر کی جائے اور رنج وغم پر صبر کا مظاہرہ کیا جائے گا اور بے شک رنج وغم پر صبر کے منافی جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی کا مظاہرہ کرنا مذموم اور بُرا ہے اور خوشی ملنے پر شکر ادا کرنے کی بجائے تکبر وغرور اور سرکشی کرنا اور لہو ولعب اور کھیل تماشے کرنا مذموم اور بُرا ہے ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے فخر وغرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ جو شخص دنیا سے ملنے والے نصیب پر خوش ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا آدمی خیال کر لیتا ہے تو وہ اتراتا ہے اور دنیا کے ملنے والے نصیب کے ساتھ فخر کرتا اور لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

۲۴۔ ﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو بخل کرتے ہیں [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ''كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ'' سے بدل ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں جب دنیا میں سے وافر نصیب اور مال ورزق عطاء کیا جاتا ہے تو اس پر اتراتے ہیں اور سرکشوں اور اترانے والوں کی طرح تکبر کرتے ہیں اور سرکشی پر اُتر آتے ہیں اور وہ مال ودولت کی محبت میں اور اس کو اپنے ہاں عزت کا معیار سمجھ کر حقوق اللہ ادا کرنے سے اس کو روک لیتے ہیں اور اس کے ساتھ بخل کرتے ہیں ﴿وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو بخل کرنے پر اُکساتے ہیں اور ان کو مال روکنے اور ذخیرہ کر کے رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جو شخص روگردانی کرتا ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سے اعراض کرتا ہے اور وہ اس سے باز نہیں آتا جس سے منع کیا گیا ہے جیسے کسی نعمت کے فوت ہونے پر صبر کرنا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی نہ کرنا اور تکبر وغرور نہ کرنا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے تو اس روگردان

سے بھلا کیونکر بے نیاز نہیں ﴿الْحَمِيدُ﴾ وہ اپنے تمام افعال میں سراہا گیا ہے اور تعریف کیا گیا ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''هُوَ'' کو ترک کرکے ''فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيُّ'' پڑھا جاتا ہے]۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت قوت والا بڑا غالب ہے○

نزولِ وحی کی اہمیت اور لوہے کے فوائد کا بیان

۲۵- ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا یعنی ہم نے فرشتوں کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجا ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی یعنی وحی نازل کی' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''رسل'' سے انبیائے کرام مراد ہیں اور پہلا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ''معهم'' فرمایا جب کہ انبیائے کرام پر کتابیں نازل ہوتی ہیں' ساتھ نہیں ﴿وَالْمِيْزَانَ﴾ اور ہم نے میزان نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام میزان لے کر نازل ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کے سپرد کر دی اور کہا کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس کے ساتھ وزن کیا کریں ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کیا کریں' پورا تول کر دیں اور پورا تول کر لیں اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کیا کرے ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ اور ہم نے لوہے کو نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اترے تو ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں نازل ہوئی تھیں: (۱) اہرن (۲) چمٹا (۳) ہتھوڑا (۴) چابک (۵) سوئی' اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ بیلچہ اور درانتی بھی تھی' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا ﴿فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ اس میں بڑی سخت قوت ہے اور اس سے مراد لوہے کے آلات حرب کے ساتھ جنگ کرنا ہے ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں (یعنی) ان کے مصالح اور ان کے معاش کا قیام اور حرفت کی مصنوعات میں ان کے لیے فوائد ہیں' غرض یہ کہ ہر صنعت میں لوہا آلۂ کار بنتا ہے یا پھر لوہے کے ساتھ ہر کام وابستہ ہوتا ہے ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو تلواروں' نیزوں' بھالوں اور دیگر اسلحہ جات کو دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد میں استعمال کر کے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو اس کے رسول کے ساتھ مل کر اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے کیونکہ وہ ان سے غائب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت والا ہے' وہ اپنی قوت کے ذریعے اس شخص کی قوت کو دفع کر دیتا ہے جو اس کی ملت سے روگردانی کرتا ہے ﴿عَزِيْزٌ﴾ بہت

غالب ہے وہ اپنی عزت سے اس شخص کی شجاعت و بہادری کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کے درپے رہتا ہے اور ان تین چیزوں میں مناسبت یہ ہے کہ کتاب شریعت کا قانون اور احکام وحدود دینیہ کا دستور ہے یہ کتاب رشد و ہدایت اور معاہدوں کی راہ بیان کرتی ہے اور تمام احکام وحدود کی جامع کتاب ہے اور یہ عدل وانصاف اور احسان کا حکم دیتی ہے اور بغاوت و سرکشی سے منع کرتی ہے اور عدل کے استعمال اور ظلم سے اجتناب کا حکم دیتی ہے اور یہ کتاب ایک ایسے آلہ (ترازو) کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس کے ذریعے باہمی معاملات طے ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے آپس کے لین دین میں برابری اور باہمی عدل قائم ہو جاتا ہے اور وہ میزان ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ کتاب اوامر الٰہیہ کی جامع ہے اور وزن کا آلہ برابری کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور بے شک عامۃ الناس کو ان دونوں کی اتباع کرنے پر ایسی تلوار کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے جو ہر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے جو حق کا انکار کرتا ہے اور دین سے عناد رکھتا ہے اور اس نے جماعت سے ہاتھ کھینچ رکھا ہے اور وہ لوہا ہے جس کا وصف "بأس شدید" بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی' سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہوئے O پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے طریقے پر اپنے رسولوں کو لگاتار بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء فرمائی' اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت و رحمت رکھ دی' اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیا' پھر انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی جیسا اس کی حفاظت کا حق تھا' سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر دے دیا' اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں O

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا تذکرہ

۲۶- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا تھا' اور انہیں دونوں کو ذکر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے باپ ہیں ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت و کتاب یعنی وحی رکھ دی۔ کتاب سے وحی مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے: "کَتَبَ کِتَابًا وَّ کِتَابَۃً" ﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ﴾ سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے یعنی اولاد میں سے کچھ لوگ یا پھر ان قوموں میں سے کچھ لوگ ہدایت یافتہ ہوئے جن کی

طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور اس کی دلیل ارسال اور رسولوں کا ذکر ہے ﴿ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہوئے۔ یہ ان کے حال کی تفصیل ہے یعنی پس ان میں سے بعض لوگوں نے رسولوں کی اتباع اختیار کر کے ہدایت پالی اور ان میں سے بعض لوگوں نے نافرمانی کی یعنی اطاعت سے خارج ہو گئے اور غالب اکثریت فاسقوں کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا تذکرہ

۲۷- ﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد انہیں کے طریقے پر بہت سے رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور انبیائے کرام میں سے جو گزر چکے ﴿ وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً ﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء کی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت یعنی محبت و پیار اور نرم دلی رکھ دی ﴿ وَرَحْمَةً ﴾ اور رحمت یعنی اپنے بھائیوں پر مہربان ہونا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں فرمایا: "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (الفتح:۲۹) یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان تھے ﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا ﴾[1] اور انہوں نے رہبانیت (ترکِ دنیا) کو خود ایجاد کیا۔ رہبانیت یہ ہے کہ انہوں نے دین کو فتنہ سے بچانے کے لیے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی اور وہیں اپنے آپ کو عبادت کے لیے خالص کر لیا[اور یہ وہ فعل ہے جو "رهبان" کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: ڈرنے والا' "فَعْلان" کے وزن پر ہے اور "رَهَبَ" سے ماخوذ ہے' جیسے "خشیان" ہے' یہ "خَشِیَ" سے ماخوذ ہے اور یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد ظاہر فعل کر رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَابْتَدَعُوا رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا"] یعنی انہوں نے یہ عمل خود ایجاد کیا اور اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ﴿ مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ہم نے اس کو ان پر نہیں لکھا (یعنی) ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا ﴿ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے یعنی لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد کیا تھا [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾ پھر انہوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہیں کی' جیسا کہ منت ماننے والے پر اپنی منت کی رعایت

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مطلقاً بدعت مذموم اور بُری ہے بلکہ یہ آیت بہ ظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا ایک بدعت کو اختیار کر کے اور اپنے اوپر لازم کر کے' پھر اس کی رعایت نہ کرنا اور اس کو نہ نبھانا مذموم اور بُرا ہے اور امام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں بدعت کے بارے میں تفصیلی کلام ذکر کیا ہے کہ علمائے اسلام نے فرمایا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہ (۵) مباحہ' سو بدعت واجبہ جیسے ملحدوں اور بدعتیوں کی تردید کرنے کے لیے متکلمین کے دلائل سیکھنا' اور بدعتِ مستحبہ جیسے علم کی کتابوں کی تصنیف اور مدارس کی تعمیر اور سرائیں وغیرہ بنانا اور بدعت مباحہ جیسے طرح طرح کے کھانے تیار کرنے کی وسعت و گنجائش وغیرہ اور بدعت حرام اور مکروہ ظاہر ہیں' پھر اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور کا ارشاد "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" عام نہیں خاص ہے کہ صرف بدعت سیئہ گمراہی ہے' بدعتِ حسنہ نہیں' اور صاحب جامع الاصول (علامہ ابن اثیر جزری) نے فرمایا: مخلوق کی بدعت اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو تو مذموم و بُری اور قابل انکار ہے اور اگر ان احکام کے تحت داخل ہو جن کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے مستحب قرار دیا ہے تو وہ بدعت مستحبہ ہے' اگرچہ اس کی مثال موجود نہ بھی ہو جیسے جود و سخا اور نیک کام اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کی نماز کے بارے میں یہ قول ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" یہ بہترین اور اچھی بدعت ہے۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۲۷ ص ۱۹۲-۱۹۳)

کرنا واجب ہوتی ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہوتا ہے' اس کو توڑنا جائز نہیں ہوتا ﴿فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ﴾ سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر و ثواب عطاء کیا یعنی شفقت و مہربانی کرنے والے حضرات جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے ﴿وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہیں یعنی کافر ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں دو حصے عطاء فرمائے گا اور تمہارے لیے نور مقرر کر دے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (اختیار) میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطاء فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہےO

اہل کتاب کو دعوتِ اسلام قبول کرنے پر خوش خبری

۲۸- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ خطاب اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لیے ہے (یعنی) اے سابق انبیائے کرام پر ایمان رکھنے والو! ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول (سرورِ انبیاء) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاؤ ﴿يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تمہیں ثواب کے دو حصے عطاء فرمائے گا' ایک سیّد عالم حضور محمد عربی ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا آپ سے پہلے پیغمبروں پر ایمان لانے کی وجہ سے ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا﴾ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نور مقرر کر دے گا ﴿تَمْشُوْنَ بِهٖ﴾ جس کے ساتھ تم چلو گے اور یہ وہ نور ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے: "يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ" (الحدید:۱۲) "مؤمنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا" ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۲۹- ﴿لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ تا کہ وہ اہل کتاب جان لیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا [اصل میں "لِيَعْلَمَ" ہے "لا" تحسین کلام کے لیے زیادہ کیا گیا] ﴿اَلَّا يَقْدِرُوْنَ﴾ [اس میں "اَنْ" ثقیلہ سے مخففہ ہے' اس کی اصل "اَنَّهُ (لَا يَقْدِرُوْنَ)" ہے] یعنی بے شک شان یہ ہے کہ وہ قدرت نہیں رکھتے ﴿عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن دو حصوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس میں سے کچھ حاصل نہیں کریں گے اور وہ نور اور مغفرت و بخشش ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے' سو اس لیے آپ سے پہلے ان کا ایمان انہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل بالکل حاصل نہیں ہوگا ﴿وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ﴾ اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ

کے ہاتھ میں ہے یعنی اس کی ملکیت میں اور اس کے اختیار و تصرف میں ہے [''اَنَّ الْفَضْلَ'' ''اَنْ لَّا یَقْدِرُوْنَ'' پر معطوف ہے] ﴿یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطاء فرما دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ المجادلۃ مدنی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○   اس کی بائیس آیات' تین رکوع ہیں

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ① اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو اپنے شوہر کے بارے میں آپ سے بحث کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے' اور بے شک وہ ضرور بُری بات اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ○

ظہار کے احکام

نوٹ: سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

۱۔ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں اور اس کی شان میں آپ سے بحث کرتی ہے۔

شانِ نزول: اور یہ عورت حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی' ایک دفعہ وہ نماز پڑھ رہی تھی کہ حضرت اوس نے اسے دیکھا اور وہ بہت حسین وجمیل جسم والی عورت تھی' پھر جب اس نے سلام پھیرا تو حضرت اوس نے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے اسے راغب کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان کے شوہر ناراض ہو گئے اور اس سے ظہار کر لیا (یعنی اس نے کہا: تم مجھ پر اس طرح (حرام) ہو جس طرح میری ماں کی پشت مجھ پر (حرام) ہے) اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اوس بن صامت نے مجھ سے شادی کی جب کہ اس وقت میں نوجوان' خوب صورت' مرغوب عورت تھی' پھر اب جب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میرا پیٹ بڑھ کر پھیل گیا ہے یعنی میری اولاد بہت زیادہ ہو گئی ہے تو اب اس نے مجھے اپنے اوپر اپنی ماں کی طرح (حرام) قرار دے دیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت خولہ نے عرض کیا: میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر میں ان کو شوہر کے سپرد کر دوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ابھی تیرے معاملے میں کوئی حکم نہیں ہے۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اس وقت کے دستور کے مطابق) حضرت خولہ سے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا' بے شک وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' تو آپ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' اس نے عرض کیا: اب میں اپنے فقر و فاقہ اور اپنی پریشانی کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہو گئی ہے' تو وہ چلائی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اور اسے جو ناگواری اور کراہت و تکلیف پہنچی ہے' وہ اس کا اظہار کرتی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے (یعنی) تم دونوں کے تبادلۂ کلام کو سن رہا ہے' یہ ''حار'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کلام کو ایک دوسرے کی طرف لوٹایا جاتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر مجبور اور ہر مظلوم کی شکایت کو خوب سننے والا ہے ﴿بَصِيْرٌ﴾ اس کے حال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

۲- ﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ﴾ تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (کہ اپنی بیویوں کو ماں کی طرح کہہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور ''نساء'' سے بیویاں مراد ہیں' مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں مائیں صرف ''والدات'' (جن سے پیدا ہوئے) ہیں اور ''مرضعات'' (جن عورتوں کا دودھ پیا ہے وہ) بھی رضاعت کے واسطہ سے مائیں ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات حرمتِ نکاح اور تعظیم و تکریم کی زیادہ مستحق ہونے کی بناء پر امت کی مائیں ہیں لیکن بیویاں تو مائیں ہونے سے بہت دُور ہیں' چنانچہ اس لیے فرمایا: ﴿وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ﴾ اور بے شک وہ ضرور بُری بات کہتے ہیں یعنی جس بات کا حقیقت اور احکامِ شریعت انکار کرتے ہیں ﴿وَزُوْرًا ۭ﴾ اور جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی' باطل اور حق سے انحراف کی بات کہتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اہل عرب کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لیے ''مِنْكُمْ'' فرمایا گیا ہے کیونکہ ظہار کو طلاق شمار کرنا زمانۂ جاہلیت میں صرف اہل عرب کا عقیدہ تھا دیگر امتوں کا نہیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ظہار کرنے والوں کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے [امام عاصم کی قراءت میں (''یا'' مضموم اور ''ظا'' مخفف بعد میں الف اور ''ھا'' مکسور باب مفاعلہ سے) ''يُظَاهِرُوْنَ'' ہے اور ابوعمرو اور حجازی کی قراءت میں (''یا'' مفتوح اور ''ظا'' مشدد بغیر الف کے ''ھا'' مفتوح کے ساتھ بابِ تفعل سے) ''يَظَّهَّرُوْنَ'' ہے اور ان کے علاوہ (ابن عامر شامی' حمزہ کوفی اور علی کسائی) کی قراءت میں (''یا'' مفتوح اور ''ظا'' مشدد بعد میں الف ''ھا'' مفتوح کے ساتھ باب تفاعل سے) ''يَظَّاهَرُوْنَ'' ہے]۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں' پھر وہ اس سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ سخت بُری بات کہہ چکے ہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں' یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہےO سو جو شخص غلام کو نہ پائے تو دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں' پھر جو شخص روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ (حکم) اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان قائم رکھو' اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں' اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہےO

۳- ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ (ظہار) کہنے والے کی بُری بات اور جھوٹی بات ہے اور اس دوسری آیت مبارکہ میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ پھر وہ اس بُری بات سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ کہہ چکے ہیں۔ ''عـود'' کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کا ابتداءً اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا' دوسرا معنی ہے کہ کسی چیز کا دوبارہ کسی حالت کی طرف لوٹنا' سو پہلے معنی کی مثال یہ ارشاد ہے کہ ''حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِO'' (یٰسین:۳۹) ''یہاں تک کہ چاند (آخری تاریخوں میں) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہےO'' اور دوسرے معنی کی مثال یہ ہے: ''وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا'' (الاسراء:۸) ''اور اگر تم دوبارہ فساد برپا کرو گے تو ہم تمہیں سزا دیں گے'' [اور یہ براہِ راست بھی متعدی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''عُدْتُهٗ'' میں واپس اس کی طرف لوٹ آیا ہوں' اور حرف جر ''اِلٰى' عَلٰى' فِيْ'' اور لام کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ'' (الانعام:۲۸) ''اور اگر مشرکین کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو جس کفر و شرک سے انہیں منع کیا گیا ہے اسی کی طرف دوبارہ لوٹ جائیں گے'' اور اسی سے یہ ارشاد ''ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا'' ہے] یعنی وہ اپنی کہی ہوئی بُری بات کو ختم کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں یا اس کے تدارک کے لیے رجوع کرنا چاہیں [یہ حذف مضاف کی بناء پر ہے] اور ثعلب نے کہا کہ ''يَعُوْدُوْنَ لِتَحْلِيْلِ مَا حَرَّمُوْا'' جس کو انہوں نے حرام کر لیا ہے اسے حلال کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں [یہ بھی حذف مضاف کی بناء پر ہے] مگر یہ کہ ''مَا قَالُوْا'' سے یہ مراد ہو کہ ''مَا حَرَّمُوْهُ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِلَفْظِ الظِّهَارِ'' یعنی انہوں نے جس کو اپنے آپ پر ظہار کے لفظ سے حرام کر لیا ہے' اس سے رجوع کرنا چاہیں اور اس صورت میں ''قالوا'' میں قول مقول فیہ کے قائم مقام ہوگا' جیسے ارشاد ہے: ''وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ'' (مریم: ۸۰) اس میں مقول فیہ مراد ہے اور وہ مال اور اولاد ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ ظہار کے خلاف رجوع کرنا کس چیز سے حاصل ہوگا' سو ہمارے (احناف کے) نزدیک بیوی کے ساتھ جماع کے عزم سے حاصل ہوگا اور حضرت ابن عباس' حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محض امساک سے ثابت ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ خاوند ظہار کے بعد بیوی کو طلاق نہ دے ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ تو غلام آزاد کرنا ہے (یعنی) ظہار کرنے والے

خاوند پر غلام آزاد کرنا واجب ہے' خواہ مؤمن ہو یا کافر' اور مدبر اور ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کتابت کی رقم ادا کر دی ہو وہ جائز نہیں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ﴾ اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں [اس میں ''ھما'' ضمیر ''مُظَاھِر'' (ظہار کرنے والا خاوند) اور ''مُظَاھَرٌ مِنْھَا'' (بیوی جس سے ظہار کیا گیا) کی طرف لوٹتی ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے] اور چھونے اور ہاتھ لگانے سے مراد بیوی سے فائدہ اٹھانا ہے خواہ جماع کے ساتھ ہو خواہ نفسانی خواہش سے چھونا' بوس و کنار کرنا ہو یا شہوت و نفسانی خواہش کے تحت بیوی کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا ہو ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ ہے وہ حکم ﴿تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کیونکہ کفارہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کی دلیل ہے' پس واجب ہے کہ اس حکم کی تمہیں نصیحت کی جائے تا کہ تم دوبارہ ظہار کی طرف نہ لوٹو اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

ظہار کی تعریف: اور ظہار یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے: ''اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ'' تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے اور جب ''اَنْتِ'' کی جگہ شوہر اپنی بیوی کے کسی عضو کو استعمال کرے جس کے ساتھ اس کے وجود کو تعبیر کیا جا سکتا ہے تو ظہار ہو جائے گا (جیسے تیرا سر یا شرم گاہ یا چہرہ یا گردن یا بدن یا تیرا جسم میری ماں کی پشت کی طرح ہے) یا ماں کی پشت کی بجائے اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا حرام ہو' جیسے خاوند بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح یا میری ماں کی ران کی طرح ہے تو ظہار ہو گا یا پھر ماں کی جگہ کسی ایسی رشتہ دار عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دے جو نسب کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے یا جماع کی وجہ سے حرام ہو جیسے خاوند اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری رضاعی بہن کی پشت یا نسبی پھوپھی یا میرے بیٹے کی بیوی یا میرے باپ کی بیوی یا میری بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کی پشت کی طرح ہے تو ان تمام صورتوں میں شوہر ''مظاھر'' (ظہار کرنے والا) ہو جائے گا۔[1]

اور جب ''مظاھر'' کفارہ ادا نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ عدالت سے رجوع کرے اور قاضی پر لازم ہے کہ وہ ''مظاھر'' کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور اسے قید کر دے اور دیگر کفارات میں سے کسی کفارہ کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا' البتہ اگر ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے تو اس پر اسے قید کیا جائے گا کیونکہ کفارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت کا نقصان ہے اور ظہار عورت سے مخصوص فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے' پھر اگر خاوند کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے' معافی مانگے اور دوبارہ ایسا نہ کرے یہاں تک کہ پہلے کفارہ ادا کرے اور اگر شوہر نے آدھا غلام آزاد کیا' پھر اپنی بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

---

[1] جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے' ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں' جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے' اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار بار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہیں تھا' قابل تسلیم نہیں ہو گا۔

اور اگر وہ بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہو گا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہو گا' اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہو گا تو ظہار ہو گا' اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۳۸)

اس پر دوبارہ پورا غلام آزاد کرنا واجب ہے۔

٤- ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ "الرَّقَبَةَ" سو جو شخص غلام کو نہ پائے ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ تو اس پر لگاتار دو ماہ روزے رکھنا لازم ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ﴾ "الصِّيَامَ" سو جو شخص روزوں کی طاقت نہیں رکھتا ﴿فَاِطْعَامُ﴾ "فَعَلَيْهِ اِطْعَامُ" تو اس پر کھانا کھلانا واجب ہے ﴿سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ ساٹھ مسکینوں کو۔ ہر مسکین کے لیے گندم نصف صاع (تقریباً دو کلو پچاس گرام) یا ایک صاع اس کے علاوہ کے لیے اور شوہر کا اپنی بیوی کے پاس ہم بستر ہونے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرنا واجب ہے' لیکن اگر خاوند نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو از سر نو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ بیان اور احکام کی تعلیم اس لیے کی گئی ہے ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ تا کہ ان مسائل پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو جو اللہ تعالیٰ نے ظہار وغیرہ کی صورت میں مشروع قرار دیئے ہیں اور ان عادات کو ترک کر دو جن پر تم زمانۂ جاہلیت میں قائم تھے ﴿وَتِلْكَ﴾ اور وہ یعنی وہ احکام جو ہم نے ظہار اور کفارہ کی صورت میں بیان کیے ہیں ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے جو حدود اللہ کی اتباع نہیں کرتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾

ع ۱

بے شک جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت و مخالفت کرتے ہیں انہیں ذلیل کیا گیا' جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے اور بے شک ہم نے واضح آیتیں نازل کیں اور کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب ہےO جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو انہیں وہ سب کرتوت بتا دے گا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کر رکھا ہے' اور وہ خود ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہےO

دشمنانِ خدا و رسول کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت

۵- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں (یعنی) عداوت و دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں' انہیں ذلیل و رسوا کیا گیا اور انہیں ہلاک کر دیا گیا ﴿كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ ان سے پہلے دشمنانِ رُسل کو ذلیل و خوار اور ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ اور بے شک ہم نے واضح آیتیں نازل کیں ہیں جو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صداقت اور وہ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے' ان کی صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور ان آیات کے ساتھ کفر کرنے والے کافروں کے لیے ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے' جو ان کی جھوٹی عزت و بڑائی اور تکبر و غرور کو ختم کر دے گا۔

٦- ﴿يَوْمَ﴾ [یہ "مهين" کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر اس دن کی تعظیم کی خاطر "اُذْكُرْ" مضمر ہے جس کی وجہ سے یہ منصوب ہے] یعنی اس بڑے دن کو یاد کرو جس دن ﴿يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے

گا' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے بغیر نہیں چھوڑے گا بلکہ سب کو اٹھائے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک حالت میں جمع کر کے اٹھائے گا ﴿ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو شرمندہ کرنے اور ڈانٹنے اور ان کے حال کی تشہیر کرنے کے لیے ان کے تمام کرتوت بتا دے گا جو انہوں نے دنیا میں کیے تھے اور جب انہیں سرعام سب لوگوں کے سامنے ذلت ورسوائی لاحق ہوگی' اس وقت وہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں دوزخ کی آگ کی طرف بہت جلد لے جایا جائے (تا کہ مزید ذلت ورسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے) ﴿ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے اور شمار کر کے ان کا احاطہ کر رکھا ہے' کوئی چیز اس میں سے فوت یا ضائع نہیں ہوئی ﴿ وَنَسُوْهُ ﴾ اور وہ خود انہیں بھلا چکے ہیں کیونکہ جب انہوں نے ان اعمال کا ارتکاب کیا تو انہیں حقیر وصغیر خیال کیا حالانکہ بڑے بڑے معاملات کو یاد رکھا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ (اپنے بے حد علم وقدرت کے اعتبار سے) ہر چیز پر حاضر وناظر ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦

(اے انسان!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' تین شخصوں میں کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر ان کا چوتھا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ پانچ میں کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر ان کا چھٹا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۷- ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ﴾ تین شخصوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے [''یَکُوْنُ کَانَ'' تامہ سے ہے اور ''نجوی'' بہ معنی ''تناجی'' ہے یعنی ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا' اور ''نجوی'' کو ''ثلاثۃ'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے ''اَیْ مِنْ نَّجْوٰی ثَلَاثَۃِ نَفَرٍ'' یعنی تین افراد کی باہمی سرگوشی] ﴿ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ ﴾ اور نہ پانچ شخصوں کی کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے ﴿ اَيْنَ مَا كَانُوْا ﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ وہ آپس میں جس قدر سرگوشیاں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سب کو خوب جانتا ہے اور وہ لوگ جن کاموں میں مشغول ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ مکان سے بہت بلند وبالا اور پاک ہے۔ ''اَدْنٰی'' بہ معنی ''اَقَلّ'' ہے اور تین اور پانچ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ

آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کو بھڑکانے' غصہ دلانے اور انہیں جلانے کے لیے اسی تعداد میں حلقے بنا کر مسلمانوں کے خلاف آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے' سو اس لیے فرمایا گیا کہ ان میں سے تین افراد کوئی سرگوشی نہیں کرتے اور نہ پانچ افراد اور نہ اس تعداد سے کم اور نہ زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے' وہ لوگ جو کچھ سرگوشی میں کہتے ہیں وہ خوب جانتا ہے اور اس لیے بھی کہ عام طور پر عادت یہ ہے کہ سرگوشیاں کرنے والے تجربہ کار اہل رائے ایک گروہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کی پہلی تعداد دو ہوتی ہے پھر بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ جاتی ہے' جیسے حالات اس کا تقاضا کرتے ہیں' چنانچہ اللہ عزوجل نے تین اور پانچ کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا: ''وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ'' اور نہ اس سے کم' سو یہ فرمان تین سے کم دو پر اور پانچ سے کم چار پر دلالت کرتا ہے اور یہ فرمایا: ''وَلَآ اَكْثَرَ'' اور نہ اس سے زیادہ' سو یہ فرمان اس عدد کے قریب پر دلالت کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو انہوں نے اعمال کیے تھے' پس انہیں اعمال پر ان کو سزا دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بُری سرگوشی سے منع کیا گیا' پھر وہ اسی کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ گناہ اور ظلم و سرکشی اور رسول کریم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں' اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا' اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں' ان کو دوزخ کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے' سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگو تو تم گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور تم آپس میں نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O

مجرمانہ سرگوشی کی ممانعت اور مجلس میں کشادگی کا حکم

۸- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بُری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا ہے' پھر انہیں جس سے منع کیا گیا ہے' اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں اور وہ گناہ اور ظلم وزیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ دراصل یہود اور منافقین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے تھے اور جب مسلمان انہیں دیکھتے تو وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اشارے کرتے اور وہ مسلمانوں کو غصہ دلانے اور انہیں جلانا چاہتے اور وہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا چاہتے تھے کہ ان کی سرگوشیاں اور ان کی آنکھوں کے اشارے مسلمانوں کے خلاف ہیں اور یہ کہ مسلمان مجاہدین جنگوں میں مغلوب ہو جائیں گے اور ان کے عزیز و اقارب قتل کر دیئے جائیں گے' سو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ دوبارہ اسی طرح کرنے لگے اور ان کی سرگوشیاں گناہ اور مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے اور رسول اکرم کی نافرمانی اور مخالفت کرنے کی وصیت پر مشتمل ہوتی تھیں [حمزہ کوفی کی قراءت میں (الف کے بغیر جیم مشدد کے ساتھ) ''یَتَنَجَّوْنَ'' ہے اور یہ پہلے کے ہم معنی ہے]

﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾ اور جب وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ آپ کو ایسے الفاظ کے ساتھ سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا یعنی وہ آپ کو سلام کرنے کے لیے ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ'' کہتے ہیں (ﷺ) اور ''السام'' کا معنی موت ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى'' (النمل:۵۹) ''اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو'' اور فرمایا: ''يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ'' (المائدہ:۴۱) اور فرمایا: ''يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ'' (الاحزاب:۵۹) ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ﴾ اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا یعنی یہود و منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے: اگر یہ نبی ہوتے تو ہم جو کچھ ان کے خلاف کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور عذاب دیتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ ان کو عذاب دینے کے لیے دوزخ کافی ہے ﴿ يَصْلَوْنَهَا ﴾ وہ اس میں داخل ہوں گے [یہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (یعنی) دنیا سے لوٹ کر جانے کی جگہ اور وہ جہنم ہے۔

۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ اے زبانی کلامی ایمان لانے والو! اور یہ منافقین کے لیے خطاب ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مؤمنوں کے لیے خطاب ہے ﴿ اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾ جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم وزیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو یعنی جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو یہود اور منافقین کی مشابہت اختیار نہ کرو کیونکہ وہ آپس میں مجرمانہ اور بُری سرگوشیاں کرتے ہیں ﴿ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ ﴾ اور تم آپس میں نیکی کی سرگوشی کرو یعنی فرائض کو ادا کرنے اور عبادات بجالانے اور اطاعت و فرماں برداری کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿ وَالتَّقْوٰى ﴾ اور گناہوں کو ترک کرنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تمہیں حساب کے لیے جمع کیا جائے گا' پھر وہ تمہیں نیک یا بُری جیسی سرگوشیاں تم نے کی ہوں گی' ان پر بدلہ عطاء فرمائے گا۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

بے شک بُری سرگوشی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو رنجیدہ کرے اور وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا رکھنا چاہیے O اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں وسعت و کشادگی کرو تو تم کشادہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کر دے گا' اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جائے تو تم کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرما دے گا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبردار ہے O

۱۰- ﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى﴾ بے شک گناہ کی اور ظلم و زیادتی اور سرکشی کی سرگوشی ﴿مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی طرف سے ایسی بُری سرگوشی کو سنوارنے اور مزین و آراستہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے ﴿لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تا کہ وہ یعنی شیطان اہل ایمان کو غمگین و رنجیدہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مضموم (اور ''زا'' مکسور) کے ساتھ ''لِیُحْزِنَ'' ہے] ﴿وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ اور وہ یعنی شیطان یا وہ رنج و غم مسلمانوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اس کے علم اور اس کے فیصلے اور اس کے مقدر کرنے سے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا رکھنا چاہیے یعنی وہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور وہ شیطان مردود سے بچنے کے لیے صرف اسی کی پناہ طلب کریں۔

۱۱- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ﴾ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں کشادگی کرو اور مجلس میں وسعت کرو' اور امام عاصم کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''فِی الْمَجَالِسِ'' ہے لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مراد ہے۔ دراصل صحابہ کرام علیہم الرضوان' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب بیٹھنے کی خواہش و تمنا اور آپ کا کلام مبارک سننے کی حرص کی وجہ سے آپ کے قریب ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مل کر بیٹھتے تھے' اس لیے آپ کی مجلس میں انہیں کشادہ ہونے کا حکم دیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے لڑائی اور جنگ کرنے کی مجالس مراد ہیں اور وہ جنگ کے مراکز اور مورچے ہیں' جیسے ارشاد ہے: ''مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ'' (آل عمران: ۱۲۱) یعنی ''جنگ کے مورچے''۔ حضرت مقاتل نے فرمایا: اس سے نمازِ جمعہ کی مجلس مراد ہے ﴿فَافْسَحُوْا﴾ مجلس میں جگہ کشادہ کرو ﴿يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ یہ مطلق ہے' ہر وہ چیز جس کی لوگ وسعت و کشادگی چاہتے ہیں' مراد ہے جیسے مکان' رزق' اولاد' سینہ اور قبر وغیرہ میں کشادگی چاہنا ﴿وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا﴾ اور جب (تمہیں) کہا جائے کہ تم کھڑے ہو جاؤ اور آنے والوں کے لیے جگہ میں کشادگی پیدا کرو ﴿فَانْشُزُوْا﴾ تو تم کھڑے ہو جاؤ' یا جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے تو تم کھڑے ہو جاؤ' یا نماز اور جہاد اور دیگر اعمالِ خیر کی طرف کھڑے ہو جاؤ [امام عاصم' نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعل امر میں شین مضموم (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'') سے ''اُنْشُزُوْا'' ہے جب کہ حماد وغیرہ کی قراءت میں شین مکسور (باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'') سے ''اِنْشِزُوْا'' ہے] ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرما دے گا یعنی تم میں سے ان مسلمانوں

کے درجات بلند فرمادے گا جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسولِ اکرم کے احکام کو بجالائے اور ان میں سے خاص علمائے دین کے درجات کو بلند فرمائے گا' اور درجات میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ وشان اور شرف وبزرگی کو بڑھادے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات ومراتب کو بلند فرمادے گا۔

علمائے دین کی فضیلت

(۱) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو فرماتے: اے لوگو! اس آیت مبارکہ کو سمجھو اور علم دین میں رغبت پیدا کرو۔

(۲) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے' جس طرح چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔[1]

(۳) حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کی ایک دن کی عبادت عابد کی چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

(۴) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: (۱) انبیائے کرام علیہم السلام (۲) پھر علمائے دین (رحمہم اللہ) (۳) پھر شہدائے اسلام (رحمہم اللہ)۔[2] سو علمائے دین کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ یہ حضرات نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم اور مال و دولت اور بادشاہت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو اختیار فرمالیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مال و دولت اور بادشاہت بھی عطاء فرمادی۔

(۶) حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! بے شک میں خود علیم ہوں اور میں ہر علیم (علم والے عالم) سے محبت کرتا ہوں۔[3]

(۷) بعض حکماء نے کہا: جس شخص سے علم فوت ہو گیا تو اس نے کچھ نہیں پایا اور جس نے علم حاصل کر لیا اس نے سب کچھ پالیا۔

(۸) علامہ زبیری نے فرمایا: علم نر ہے' سو اسے نر آدمی ہی پسند کرتے ہیں اور علوم کی کئی اقسام ہیں' ان میں سے افضل واعلیٰ علم وہ ہے جس کا معلوم افضل واعلیٰ ہو (اور وہ دین کا علم ہے جس سے معرفتِ الٰہی اور احکامِ دین حاصل ہوتے ہیں)۔[4]

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبردار ہے۔

---

[1] رواہ احمد ج ۵ ص ۱۹۶' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۳' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳

[2] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۳

[3] رواہ ابن عبد البر فی العلم (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۴۹۳)

[4] قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اس آیت مبارکہ کے تحت چند احادیث نقل کی ہیں' ان میں سے جو صاحبِ مدارک نے نقل نہیں کیں' وہ یہاں حاشیہ میں قارئین کرام کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک علماء دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اور انبیائے کرام نے دینار و درہم (مال و دولت) کا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم دین کا واث بنایا ہے' سو جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے نیک بختی کا وافر حصہ حاصل کر لیا۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے' جس طرح تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں دو مجلسوں کے پاس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۲

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کی بات کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرلیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے' پھر اگر تم کچھ نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دے دیا کرو' پس جب تم نے (صدقہ) نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے O

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم

۱۲- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ اے ایمان والو! جب تم رسول اکرم سے سرگوشی کرو (یعنی) جب تم آپ سے سرگوشی کرنا چاہو ﴿فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ﴾ تو تم اپنی سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دو۔ اور یہ اس سے استعارہ ہے جس کے دو ہاتھ ہوں جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اہل عرب کو جو افضل نعمت عطاء کی گئی ہے وہ شعر کہنا ہے' جس کو آدمی اپنی ضرورت سے پہلے کریم وسخی کے سامنے پیش کرتا ہے تو کریم اس پر دولت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے گزرے تو فرمایا: یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے لیکن یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس کو رغبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عطاء فرمادے اور اگر چاہے تو روک لے لیکن یہ علم والے تو فقہ اور علم حاصل کرتے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں' سو اس لیے یہ افضل ہیں ''وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' اور بے شک میں استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں' پھر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۴۔۱۲۵)

علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو طالب علم دینِ اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے علمِ دین حاصل کر رہا ہو اور اس دوران اس کو موت آجائے تو اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: عالم دین اور عابد کے درمیان سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں طے کرتا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علمائے دین کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے اپنی حکمت (علمِ دین) کو تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھا ہے کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہوں' سو میں نے تمہاری تمام خطائیں بخش دی ہیں' لہٰذا تم جنت میں چلے جاؤ۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کی بارش برساتا ہے اور اس سے بخیل کے بخل کا اظہار بھی ہو جاتا ہے' مراد یہ ہے کہ شاعر اپنی حاجت سے پہلے اشعار پیش کرتا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ پہلے صدقہ دینا' یہ ﴿ خَیْرٌ لَّكُمْ ﴾ تمہارے لیے تمہارے دین میں سب سے بہتر ہے ﴿ وَاَطْهَرُ ﴾ اور زیادہ پاکیزہ ہے کیونکہ صدقہ پاک کرنے والا ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ﴾ پھر اگر تم کوئی ایسی چیز نہ پاؤ جس کے ساتھ تم صدقہ کرو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے بغیر صدقہ کے سرگوشی کی اجازت دینے میں۔

بعض کا قول ہے کہ یہ حکم صرف دس راتیں قائم رہا' پھر منسوخ ہو گیا جب کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم دن کا صرف ایک گھنٹہ قائم رہا' پھر منسوخ ہو گیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) کی یہ ایک ایسی آیت مبارکہ ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کسی نے عمل کیا۔ میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے فروخت کر کے دس درہم خرید لیے' پھر میں جب آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو پہلے ایک درہم صدقہ کرتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس مسائل دریافت کیے' جن کے آپ نے مجھے جوابات عطاء فرمائے' چنانچہ میں نے عرض کیا: (۱) وفا کیا ہے' آپ نے فرمایا: توحید کا اقرار اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا (۲) میں نے عرض کیا: فساد کیا ہے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا (۳) میں نے عرض کیا: حق کیا ہے' آپ نے فرمایا: اسلام اور قرآن اور ولایت جب تجھے ملے (۴) میں نے عرض کیا: حیلہ کیا ہے' فرمایا: ترکِ حیلہ (۵) میں نے عرض کیا: مجھ پر کیا لازم ہے' فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیسے مانگوں' فرمایا: صدق و یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا: اور میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں' فرمایا: عافیت (۸) میں نے عرض کیا: میں اپنی نجات کے لیے کیا کروں' فرمایا: حلال کھاؤ اور سچ بولو (۹) میں نے عرض کیا: سرور کیا ہے' فرمایا: جنت (۱۰) میں نے عرض کیا: راحت کیا ہے' فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دیدار' سو جب میں فارغ ہوا تو اس (کے وجوب) کا نسخ نازل ہو گیا۔

۱۳۔ ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ﴾ کیا تم اس سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقات دیا کرو (یعنی) تم صدقات کی تقدیم سے اس لیے ڈر گئے ہو کہ اس میں رقم خرچ کرنی پڑتی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو ﴿ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا ﴾ پھر جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا جب اسے تم نے نہیں کیا اور وہ حکم تم پر دشوار ہو گیا ﴿ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی کر دی اور مناجات سے پہلے صدقہ نہ دینے پر تم سے مواخذہ اور گرفت کو ختم کر دیا' جس طرح گناہ سے توبہ کرنے والے کا مواخذہ ختم کر دیا ﴿ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ سو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو یعنی پس تم نماز میں اور زکوٰۃ میں اور باقی عبادات میں کوتاہی نہ کرو ﴿ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے خوب خبردار ہے۔ اور یہ (اطاعت گزاروں کے لیے) وعدہ ہے اور (نافرمانوں کے لیے) وعید ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَیَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۶﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا وہ تم میں سے نہیں اور نہ ان میں سے ہیں اور وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں O اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے O انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا' سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' پس ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

منافقین کی مذمت اور رسوا کن انجام کا بیان

۱۴- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا۔ منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے حالانکہ یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ'' (المائدہ:۶۰) ''یہ وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور اس پر غضب فرمایا'' اور یہ منافقین مسلمانوں کے راز یہود کی طرف منتقل کرتے تھے ﴿ مَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ اے مسلمانو! وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿ وَلَا مِنْهُمْ ﴾ اور نہ وہ یہود میں سے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ'' (النساء:۱۴۳) ''وہ اس کے درمیان سرگرداں ہیں نہ اِدھر ہیں اور نہ اُدھر ہیں'' ﴿ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ ﴾ اور وہ جھوٹ پر قسمیں اٹھاتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! بے شک ہم مسلمان ہیں' منافق نہیں ہیں ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ جھوٹے بھی ہیں اور منافق بھی ہیں۔

۱۵- ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' یہ رسوا کن ذلت ناک عذاب کی ایک قسم ہے ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے یعنی وہ ماضی کے زمانہ (دنیا) میں بُرے کاموں پر اصرار کرتے تھے اور یہ حکایت ہے جو آخرت میں ان کے متعلق کہا جائے گا۔

۱۶- ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ سو انہوں نے اپنے امن و سلامتی کے دوران لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے' اس کی عبادت و اطاعت کرنے سے روکا ﴿ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ پس ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (یعنی) ان کے کفر و نفاق اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے سبب ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت ناک رسوا کن عذاب کا وعدہ کیا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ'' (النحل: ۸۸) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہے' ہم عذاب پر عذاب بڑھا کر ان کو دوگنی سزا دیں گے''۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝٢٠ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝٢١﴾

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ہرگز نہیں بچاسکیں گے' یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گےO جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ کسی چیز پر ہیں' سن لو! بے شک وہی جھوٹے ہیںO ان پر شیطان غالب آچکا ہے' سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں' سن لو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہےO بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ومخالفت کرتے ہیں' یہی لوگ سب سے زیادہ ذلیل ہیںO اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول' بے شک اللہ تعالیٰ زبردست طاقتور بہت غالب ہےO

---

۱۷ - ﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی ہرگز کفایت نہیں کریں گے نہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچاسکیں گے ﴿شَيْئًا﴾ بہت تھوڑی سی کفایت کرنا ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۸ - ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور قسمیں کھائیں گے کہ بے شک وہ دنیا میں مخلص و سچے مسلمان تھے' وہ ہرگز منافق نہیں تھے ﴿كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ﴾ جس طرح وہ دنیا میں تمہارے سامنے اس پر قسمیں کھاتے ہیں ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ دنیا میں نافع اور مفید چیز پر قائم ہیں یا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ وہاں آخرت میں بھی اپنی جھوٹی قسموں سے کچھ نفع اور کچھ فائدہ حاصل کرلیں گے جس طرح وہ یہاں (دنیا میں) نفع اور فائدہ حاصل کرتے رہے ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ خبردار ہوجاؤ! بے شک وہی جھوٹے ہیں کیونکہ جھوٹ بولنے میں ان کا حال دنیا اور آخرت میں برابر ہے۔

۱۹ - ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ﴾ ان پر شیطان غالب آچکا ہے (اور) شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے ﴿فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾ سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا۔ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کسی بندے پر شیطان کے غلبے اور مسلط ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ بندے کو اس کے ظاہری کھانے پینے اور لباس ورہائش وغیرہ کی چیزوں کی تعمیر و ترقی میں مشغول کردیتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کرنے اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غافل ہوجاتا ہے اور اس کی زبان اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے اور بہتان تراشی میں مشغول ہو جاتی ہے اور اس کا دل غور وفکر اور مراقبہ کی بجائے دنیا بنانے اور اس کو جمع کرنے کی تدبیر و منصوبہ بندی میں مشغول ہوجاتا ہے ﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ﴾ یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں ﴿أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ خبردار! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲۰ - ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

عداوت ومخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل ترین گروہ میں ہوں گے ان سے زیادہ ذلیل وخوار تم کسی کو نہیں دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے غلبہ کا اعلان

۲۱- ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے ﴿ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ بے شک میں ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے حجت ودلیل اور تلوار کے ساتھ یا ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قوت والا ہے وہ جو چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ﴿ عَزِيْزٌ ﴾ بہت بڑا غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

آپ ایسی قوم ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان ویقین رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت ودوستی کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے عداوت ومخالفت کی اور اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے والے ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے ہیں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہےO

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہ کرنے والوں کی شان

۲۲- ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ آپ ایسی قوم کو ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت اور دوستی کرتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ودشمنی کی اور ان کی مخالفت کی یعنی یہ ممتنع اور محال ہے کہ آپ ایمان دار قوم کو پائیں کہ وہ مشرکین وغیرہ سے دلی دوستی کرتے ہوں اور مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس کا حق تو یہ ہے کہ دشمنانِ خدا و رسول سے دوستی ممتنع اور محال ہو اور کسی صورت میں ان سے محبت ودوستی ہرگز نہ پائی جائے اور آیت میں کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنے میں مبالغہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے عقیدہ کو مضبوط رکھنے اور سخت روّیہ اختیار کرنے اور ان سے دور رہنے اور ان کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھنے سے احتراز کی وصیت

کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے مزید ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾ اور اگر چہ وہ (خدا اور رسول کے دشمن) باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں[1] اور نیز ارشاد فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو ثبت اور نقش فرما دیا۔ اور منافقین کے متعلق ارشاد ہوا: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ'' یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ'' یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں ﴿ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی یعنی اپنی کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ (ان کی مدد فرمائی) جسے اللہ تعالیٰ نے خود نازل فرمایا جس میں مسلمانوں کے لیے حیات ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مِنْهُ'' کی ضمیر ایمان کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ایمان کی روح سے مدد فرمائی' اس بناء پر ایمان بذاتِ خود دلوں کی حیات کے لیے روح ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض مفسرین فقہاء کرام فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بادشاہوں کی صحبت کے حریص ہیں۔ حضرت عبد العزیز بن رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (دورانِ طواف عباسی خلیفہ) منصور کی ملاقات ہوگئی' جب آپ نے اسے پہچان لیا تو اس سے بہت دُور نکل گئے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

[1] یاد رہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے دشمنوں اور مخالفوں سے تعلق توڑا بلکہ رشتہ داری کے باوجود انہیں قتل بھی کیا تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایسے لوگوں کو قتل کرنا صحابہ کرام کی سنت ہو جائے' چنانچہ حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبد اللہ بن الجراح نے غزوۂ بدر میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے غزوۂ بدر میں اپنے بیٹے (حضرت عبد الرحمٰن جو اس وقت مسلمان نہیں تھے) کو مقابلہ کے لیے للکارا اور حضور سے اجازت مانگی کہ مجھے جانے دیجئے تاکہ مجاہدین کی پہلی صف میں شامل ہو جاؤں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو' تم نہیں جانتے کہ بے شک تم میرے نزدیک میرے کانوں اور میری آنکھوں کی جگہ ہو' اور حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو غزوۂ احد کے دن قتل کیا اور حضرت عمر فاروق نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو بدر کے دن قتل کیا' اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث نے اپنے رشتہ داروں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر کے دن قتل کیا۔ تفسیر صاوی میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ (صحابی) نے اپنے منافق باپ عبد اللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنا چاہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کی مگر آپ نے منع فرما دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور کے بارے میں کوئی گستاخی کی تو حضرت ابوبکر نے انہیں ایک زوردار طمانچہ مارا' جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر پڑے اور اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر مظہری' روح المعانی اور روح البیان میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اے ابوبکر! کیا تم نے ایسا کیا ہے' تو انہوں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيْبًا مِّنِّیْ لَقَتَلْتُهٗ'' اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کی گردن مار کر قتل کر دیتا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۳۶۔ ۳۷' مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۲۸' ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۴۹۳' مترجم جز ۲۸ ص ۴۷۔ ۶۷' تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۳۱۲' مکتبہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۶۱' مکتبہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۱۷۶' شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ' مصر)

(۱) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس نے اپنے ایمان کو درست اور صحیح کیا اور توحید کو خالص کیا تو کسی بدعتی (بدمذہب) سے مانوس نہیں ہوگا اور نہ اس کے پاس بیٹھے گا اور وہ اپنی طرف سے اس کے ساتھ عداوت و بغض کا اظہار کرے گا۔

(۲) جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ دین میں نرمی اختیار کرے گا' اللہ تعالیٰ اس سے سنن کی حلاوت ولذت سلب کر لے گا۔

(۳) جو شخص دنیا کی عزت اور مال و دولت کی طلب میں کسی بدعتی کو خوش کرے گا' اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس عزت کی بجائے ذلیل کرے گا اور اس دولت کی بجائے اس کو فقیر کر دے گا۔

(۴) جو شخص کسی بدعتی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس کر ملے گا' اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نورِ ایمان چھین لے گا اور جو شخص ان باتوں کی تصدیق نہیں کرتا وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان کی خالص توحید اور عبادت و اطاعت کے سبب ان سے راضی ہو گیا ہے ﴿ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ﴾ اور وہ (مؤمنین) آخرت میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اجر و ثواب عنایت کرنے پر اور دنیا میں ان کے بارے میں جو کچھ فیصلہ کیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں' اس کے حق کے مددگار اور اس کی مخلوق کی رعایت کرنے والے ہیں ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے اور وہ دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' ہر مرغوب و محبوب چیز کے پانے میں کامیاب و کامران اور ہر خوف و ڈر سے محفوظ و مامون ہوں گے۔

ایاتہا ۲۴ ۔ رکوعاتہا ۳	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	سورۃ الحشر مدنیۃ ۵۹

سورۃ الحشر مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی چوبیس آیات' دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی' اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے○ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کافروں کو پہلے حشر کے وقت جلاوطن کر کے ان کے گھروں سے نکال دیا' تم نے کبھی گمان نہیں کیا کہ وہ نکل جائیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچا لیں گے' سو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے انہوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کرنے لگے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے‘ سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کروo

غزوۂ بنو نضیر اور ان کی جلاوطنی کا بیان

۱- ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور وہ بہت غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ یہ پوری سورت بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو نضیر نے آپ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ نہ وہ آپ کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ آپ ان کے خلاف جنگ کریں گے پھر جب غزوۂ بدر کے دن مسلمان کفارِ مکہ پر غالب آ گئے تو انہوں نے کہا: یہ وہی نبی ہیں جن کی نعت اور صفت تورات شریف میں بیان کی گئی ہے‘ لیکن جب مسلمان اُحد کی جنگ میں تھوڑی سی شکست کھا گئے تو یہ لوگ شک میں پڑ گئے اور انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا اور کعبہ معظمہ کے پاس مسلمانوں کے خلاف ابوسفیان سے معاہدہ کر لیا تو حضور سید عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کر دیا (تا کہ سردار کے قتل سے یہود کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان کی قوت کمزور ہو جائے)‘ پھر حضور سرور عالم ﷺ اپنا ایک لشکر ان کی طرف لے گئے اور اکیس روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور ان کے کھجوروں کے باغ کو کاٹنے کا حکم دیا اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب اور دبدبہ ڈال دیا تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کا مطالبہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کر دیا اور فرمایا: اب تو تمہیں صرف جلاوطن ہونا پڑے گا‘ البتہ ہر تین گھروں میں سے ایک اونٹ کا بوجھ اٹھا کر جو چاہو اپنے سامان میں سے لے جاؤ‘ پھر انہیں شام کے ملک میں اریحاء اور اذرعات کے علاقوں کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

۲- ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ﴾ وہی ہے اللہ تعالیٰ جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا یعنی بنو نضیر کے یہود کو مدینہ منورہ سے نکال دیا ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ پہلے حشر کے لیے [اس کا لام ”اخرج“ کے متعلق ہے اور یہی لام اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں ہے:] ”یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْo“ (الفجر: ۲۴) ”اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتاo“ اور عرب کا قول ہے: ”جِئْتُهٗ لِوَقْتِ كَذَا“ میں اس کے پاس فلاں وقت آؤں گا“ ”اَیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عِنْدَ اَوَّلِ الْحَشْرِ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو پہلے حشر کے وقت نکالا۔ اور ”اوّل الحشر“ کا معنی یہ ہے: یہ پہلا موقع ہے جب ان کو جمع کر کے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور یہ بنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے‘ ان کو کبھی جلاوطنی نہیں پہنچی تھی اور وہ پہلی جماعت تھی کہ اہل کتاب میں سے ان کو جزیرۂ عرب سے ملک شام کی طرف جلاوطن کر کے نکال دیا گیا‘ یا یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر اس وقت ہوا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا تھا یا یہ کہ یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر قیامت کے دن ہوگا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس کو شک ہو کہ محشر ملک شام میں قائم ہوگا تو وہ یہ آیت مبارکہ تلاوت کرے‘ پس یہ پہلا حشر ہے اور باقی لوگ دوسرا حشر ہوں گے‘ اور جب وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم چلے جاؤ‘ سو بے شک تم پہلا حشر ہو اور ہم تمہارے بعد (محشر کے دن شام میں) آئیں

گے۔[1]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: جب قربِ قیامت آخر زمانہ میں ہوگا' اس وقت ایک آگ مشرق کی طرف سے آئے گی اور وہ تمام لوگوں کو سرزمین شام کی طرف جمع کر کے لے جائے گی' اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی ﴿مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا﴾ تم نے کبھی یہ گمان نہیں کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے کیونکہ ان کی طاقت اور دفاع سخت تھا اور ان کے قلعے بہت مضبوط تھے اور ان کی تعداد اور ان کی تیاری بہت زیادہ تھی ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے یعنی انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے روک لیں گے [یہود کے کلام یعنی "اَنَّ حُصُوْنَهُمْ تَمْنَعُهُمْ مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ" کے درمیان اور کلامِ الٰہی کے درمیان' جس کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے لایا ہے' ان میں فرق یہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں خبر کا مبتدا پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے قلعوں پر بڑا اعتماد تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور ("اَنَّهُمْ" میں) ضمیر "هُمْ" کو "اَنَّ" کا اسم اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کی طرف جملے کا اسناد ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے دلوں میں اعتماد و یقین تھا کہ وہ غالب اور محفوظ رہیں گے اور انہیں ان قلعوں کے ساتھ کسی اور کی پرواہ نہیں کہ وہ ان کا پیچھا کرے گا یا اپنے غلبہ کی امید تھی اور تمہاری اس بات میں وہ وزن نہیں یعنی "وَظَنُّوْا اَنَّ حُصُوْنَهُمْ تَمْنَعُهُمْ" میں' اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے قلعے انہیں بچالیں گے] ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا (عذاب) آ گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا عذاب آ گیا اور بہت شاذ قراءت میں "فَاٰتَاهُمُ اللّٰهُ" ہے یعنی پس ان پر اللہ تعالیٰ ہلاکت لے آیا ﴿مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾ جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) جہاں سے انہوں نے نہ کبھی گمان کیا تھا اور نہ ان کے دل میں خیال آیا تھا اور وہ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کا تلوار کے ساتھ اپنے رضاعی بھائی کے ہاتھوں سے قتل ہو جانا ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا ﴿يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہ لوگ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران و برباد کرنے لگے [ابوعمرو کی قراءت میں ("را" مشدد باب تفعیل سے) "يُخَرِّبُوْنَ" پڑھا جاتا ہے] اور "تخریب" اور "اِخراب" دونوں کا معنی کسی چیز کو توڑ کر اور گرا کر تباہ و برباد کرنا' اور "خوبة" کا معنی فساد و ویران اور برباد کرنا' چنانچہ یہود اپنے گھروں کو اندر سے ویران کر رہے تھے اور مسلمان باہر سے انہیں تباہ کر رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جڑ سے کاٹ دینے کا ارادہ کر لیا اور یہ کہ مدینہ منورہ میں ان کے لیے ایک گھر بھی صحیح سلامت اور باقی نہ رہے اور نہ ان کی طرف سے گھروں کو باقی رکھا گیا اور جس چیز نے انہیں اپنے گھروں کو برباد کرنے کی دعوت دی وہ لکڑیوں اور پتھروں کی طرف ان کی حاجت و ضرورت تھی تاکہ وہ اپنی گلیوں' کوچوں اور بازاروں کے منہ لکڑیوں اور پتھروں سے بند کر دیں اور یہ کہ ان کے جلاوطن ہو جانے کے بعد مکانوں کے باقی رہنے اور مسلمانوں کی رہائش کے کام آنے پر انہیں حسرت و افسوس نہ ہو اور یہ کہ وہ اپنے مکانوں کی نئی اور عمدہ قسم کی لکڑیوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے منتقل ہو جائیں اور رہے مسلمان تو ان کے لیے یہود کے گھروں کو ویران کرنے کا داعیہ اور سبب یہ تھا کہ ان کے قلعوں میں پناہ گزیں ہونے کو ختم کیا جائے اور جنگ کے لیے میدان کشادہ کیا جائے اور ان کا اپنے گھروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں ویران کرنے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کو مشتعل کیا اور وہ خود اس بربادی کا سبب بنے' اس لیے گویا انہوں نے خود مسلمانوں کو اپنے گھر برباد کرنے کا حکم دیا اور ان کو اس کا مکلف و

[1] رواہ البزار والبیہقی کما فی الدر المنثور ج ۸ ص ۸۹

پابند بنایا ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو یعنی تم ان کی بربادی میں غور کرو اور سوچو جو ان لوگوں پر مصیبت نازل ہوگئی اور تم اس سبب میں غور کرو جس کی وجہ سے وہ لوگ اس بربادی اور جلاوطنی کے مستحق ٹھہرے سو تم ڈرو اور بچو کہ تم بھی کہیں انہیں کی طرح کام کرنے لگو' پھر تمہیں بھی ایسی سزا دی جائے جیسی ان کو سزا دی گئی ہے اور یہ قیاس کے جائز ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو نہ لکھ دیا ہوتا تو دنیا میں انہیں ضرور عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے O یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے O کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ دیئے یا جن کو تم نے ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا' سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوا اور تا کہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے O

۳۔ ﴿ وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی (یعنی) اہل وعیال سمیت وطن سے نکلنا نہ لکھ دیا ہوتا تو ﴿ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ ﴾ انہیں دنیا میں قتل و غارت اور قید و بند کے ذریعے عذاب ضرور دیتا جیسا کہ بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا ﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴾ اور انہیں جلاوطن کیا جائے خواہ انہیں قتل کیا جائے بہرحال ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے' جس سے زیادہ سخت کوئی عذاب نہیں۔

۴۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی یعنی یہود کو یہ جلاوطنی اس لیے پہنچی اور اس کا سبب یہ ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ﴿ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب دینے والا ہے۔

۵۔ ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا یعنی ان درختوں میں سے بعض کا کاٹا جانا اور بعض کو چھوڑ دینا سب اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوا۔ ''لینۃ'' کا معنی ہے: پھل دار کھجوریں [اور یہ ''لِوْنَۃٌ'' ہے' اس کی جمع ''الوان'' ہے' اس کی واؤ ماقبل مکسور کی وجہ سے ''یا'' سے تبدیل کر دی گئی ہے اور ''مِنْ لِّيْنَةٍ'' ''مَا قَطَعْتُمْ'' کا بیان ہے اور لفظ ''مَا''، ''قَطَعْتُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تَرَكْتُمُوْهَا'' میں ''مَا'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ وہ ''لِيْنَةٍ'' کے معنی میں ہے] اور بعض حضرات نے کہا کہ ''لِيْنَةٍ'' عمدہ کھجوروں کو کہا جاتا ہے گویا انہوں نے ''لِيْنَة'' کو ''لِيْن'' سے مشتق کیا ہے ﴿ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل کر دے (یعنی) تا کہ اللہ

تعالیٰ یہود کو ذلیل و خوار کرے اور ان کی کھجوریں کٹوانے کی اجازت دے کر ان کو جلائے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو تم نے ان کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے اپنے رسول کو مسلط کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O اللہ تعالیٰ نے جو مال بستیوں والوں سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہیں' تا کہ وہ تم میں سے صرف دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں' اور رسول تمہیں جو کچھ دے دیں تو تم وہ لے لو' اور وہ جس چیز سے تمہیں منع کر دیں تو تم اس سے رُک جاؤ' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے O

مالِ فئے کا بیان

۶۔﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر لوٹا دیئے۔ اس آیت مبارکہ میں یہود کے مال کو خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مالِ فئے (واپس لوٹایا ہوا مال) قرار دیا[1] ﴿ مِنْهُمْ ﴾ ان سے یعنی بنو نضیر سے ﴿ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ﴾ سو (اے اصحابِ رسول!) تم نے اس مال کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (بلکہ بنو نضیر خود مرعوب و مجبور ہو کر بغیر جنگ کے اپنا مال چھوڑ گئے) پس یہ مال تمہارے گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے حاصل نہیں ہوا' اور ''رکاب'' کا معنی اونٹ ہے' اور معنی یہ ہے کہ تم نے اس مال کی تحصیل اور اس کو غنیمت کا مال بنانے کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور نہ تم نے اس مال کے حصول کے لیے جنگ کر کے کوئی مشقت و

[1] تا کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ یہ مال ناحق یہود کے قبضہ میں تھا اور حقیقت میں یہ مال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہیں' جو آپ کو واپس لوٹا دیئے گئے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب و نائب اور خلیفۂ اعظم ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک ہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ O'' (الکوثر:۱) ''بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں O'' اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضائل کثیرہ غیر محدودہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل و اعلیٰ بنایا' حسن ظاہر بھی دیا' حسن باطن بھی دیا' نسب عالی بھی' نبوت و رسالت بھی' کتاب بھی' حکمت بھی' علم بھی' شفاعت بھی' حوضِ کوثر بھی' مقامِ محمود بھی' کثرتِ امت بھی' اعدائے دین پر غلبہ بھی' کثرتِ فتوحات بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''اِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ'' ''بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔ (متفق علیہ' مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اٹھائی بلکہ تم تو صرف اس مال کو لینے کے لیے پیدل چل کر گئے کیونکہ بنونضیر کی بستی مدینہ منورہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر واقع تھی' البتہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور بس ﴿ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال میں سے جو کچھ اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے' اس کو تم نے جنگ کر کے اور غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر اور ان کے ان اموال پر مسلط کر دیا جو ان کے قبضے میں تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان کے دشمنوں پر مسلط کرتا ہے' پس ان کے اموال میں معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیا گیا ہے' آپ جس طرح چاہیں استعمال کریں اور آپ ان اموال کو غنیمت کے اموال کی طرح تقسیم نہیں کریں گے' جن کو جنگ میں کفار پر فتح و غلبہ پا کر لوٹایا جاتا ہے اور ان سے زبردستی لیا جاتا ہے' چنانچہ آپ نے یہ سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو ان کے فقر کی وجہ سے عطا فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷ - ﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کی طرف سے جو اموال اپنے رسول کو واپس لے کر عطا فرمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول اکرم کے لیے اور آپ کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں [اس کلامِ مبارک کے شروع میں حرفِ عطف صرف اس لیے داخل نہیں کیا گیا کہ یہ پہلی آیت مبارکہ کے لیے بیان ہے' پس یہ آیت مبارکہ اسی میں سے ہے' اس سے الگ اور اجنبی نہیں ہے] اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اموال آپ کو عطا فرمائے ہیں' وہ آپ کس طرح خرچ کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو حکم دیا کہ آپ اس کو اس طرح استعمال کریں' جس طرح غنیمتوں کے مال میں سے پانچویں حصے کو پانچ قسم کے افراد پر تقسیم کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین کرام نے اس قول کو ضعیف و کمزور قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس سے پہلی آیت مبارکہ یہود کے قبیلہ بنونضیر کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو اپنے محترم و مکرم رسول کے لیے مخصوص قرار دیا اور یہ آیت مبارکہ ہر بستی کی ان غنیمتوں کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کفار سے جنگ میں فتح و غلبہ حاصل کر کے لوٹایا جاتا ہے اور اس میں انہیں اموال کے پانچویں حصہ کے مصارف کا بیان ہے' لہٰذا یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ سے الگ مشروع کی گئی ہے' اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ﴿ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ﴾ تاکہ یہ مال تم میں سے صرف دولت مندوں میں نہ گردش کرتا رہے (یعنی) تاکہ یہ مالِ فئے جس کا حق یہ ہے کہ اسے فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہ مال ان کی روزمرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مال حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف واپس لوٹا دیا' یہود کا قبضہ تو ناحق تھا' حق تو یہ ہے' اب حق دار کو حق پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور باقی تمام اشیاء انہیں کے لیے پیدا کی ہیں تاکہ وہ عبادت واطاعت گزاری میں ان اشیاء کو وسیلہ اور معاون و مدد بنائیں' اس لیے تمام کفار کے تمام اموال کے مالک اس کی توحید کا اقرار کرنے والے نیک و عبادت گزار مسلمان ہیں اور ان سب کے رئیس اور سردار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' اس لیے یہ تمام اموال درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مِلک ہیں کیونکہ آپ جیسا مطیع الٰہی نہ کوئی ہوا' نہ ہوگا (باقی انبیاء و اولیاء اور مؤمنین آپ کے طفیل مالک ہیں)۔ علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے' ملاحظہ ہو: تفسیر روح البیان' عربی' ج ۹ ص ۴۲۴' مترجم جز ۲۸ ص ۱۰۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور' تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۴۴' مکتبہ رشیدیہ لاہور۔

زندگی کے گزارے کا ذریعہ بن جائے' جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی آرام سے گزار سکیں اور صرف دولت مندوں کے درمیان نہ گھومتا رہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال دار ہوتے جائیں [قاری یزید کی قراءت میں ''تَکُوْنَ دُوْلَةٌ'' (''یا'' کے بجائے ''تا'' کے ساتھ ''تکُوْنَ'' اور منصوب کی بجائے ''دُوْلَةٌ'' کو مرفوع پڑھا جاتا) ہے' اس بناء پر کہ ''کَانَ'' تامہ ہے]

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ اور رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں یعنی حضور تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں خواہ مالِ غنیمت کا حصہ دیں یا مالِ فئے کا حصہ دیں ﴿ فَخُذُوْهُ ﴾ سو تم اسے لے لو اور اس کو قبول کرلو ﴿ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ﴾ اور وہ جس چیز سے تمہیں روک دیں (یعنی) جس چیز کو لینے سے روک دیں ﴿ فَانْتَهُوْا ﴾ تو تم اس سے رُک جاؤ اور اس کو طلب نہ کرو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم آپ کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم حضور کے اوامر ونواہی میں سُستی نہ کرو (بلکہ تم آپ کے احکام پر عمل کرو اور آپ کی نواہی سے بچو) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے' جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کو عام رکھا جائے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ عطا فرمادیں (خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو خواہ اعمال سے ہو اور خواہ اس کا تعلق اُمورِ شرعیہ سے یا اُمورِ تکوینیہ سے ہو) اسے لے لیا جائے اور ہر وہ چیز جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرمادیں اس سے پرہیز کیا جائے (خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو) اور مالِ فئے اس کے عموم میں داخل ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ۝۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ۝۹

(یہ فئے کا مال) ضرورت مند مہاجرین کے لیے ہے جنہیں ان کے اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیا گیا وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی سچے لوگ ہیں O اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان سے پہلے دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں' وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے چلا جاتا ہے اور وہ اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اور وہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود شدید ضرورت ہوتی ہے' اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

مالِ فئے مہاجرین وانصار اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے ہے

۸- ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ﴾ (مالِ فئے) نادار ومحتاج مہاجرین کے لیے ہے [یہ ذی القربی اور اس کے معطوفات سے بدل ہے اور اس کو ''لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ'' سے بدل بنانا ممنوع ہے' اگر رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ معنی ہو کہ بے شک اللہ

تعالیٰ نے اپنے رسول کو فقراء سے اس ارشاد میں نکال دیا ہے: ''وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' اور وہ فقراء اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو فقیر کے نام سے بہت بلند و بالا قرار دیتا ہے اور لفظ کے ظاہر سے بدل بنانا اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کے خلاف ہے جب کہ تعظیمِ الٰہی واجب ہے] ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾ جن کو مکہ مکرمہ میں ان کے گھروں اور جائیدادوں اور مالوں سے نکال دیا گیا ہے اور یہ کلام الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ کفار غلبہ پانے اور قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین مکہ کو اس آیت میں فقراء قرار دیا ہے اس کے باوجود کہ ان کے گھر بھی تھے اور ان کے مال و جائیدادیں بھی تھیں ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رضا طلب کرتے ہیں یعنی وہ جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہیں [یہ جملہ ''اخرجوا'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یعنی مہاجرین مکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اور وہ اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی لوگ اپنے ایمان میں اور اپنے جہاد میں سچے ہیں۔

۹- ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ اور (یہ مال فئے) ان لوگوں کا حق ہے جو دارِ ہجرت مدینہ منورہ کو اپنا وطن اور ٹھکانا بنا چکے ہیں [یہ جملہ ''المهاجرين'' پر معطوف ہے] اور اس آیت سے انصارِ مدینہ مراد ہیں ﴿وَالْاِيْمَانَ﴾ اور انہوں نے ایمان کو خالص کر لیا' جیسے کسی قائل کا قول ہے کہ ''عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَآءً بَارِدًا'' میں نے اس کو چارے میں گھاس کھلائی اور ٹھنڈا پانی پلایا (''سَقَيْتُهَا'' محذوف ہے) یا یہ کہ انہوں نے ایمان کو قرار گاہ اور سکونت گاہ بنا لیا کیونکہ وہ اپنے ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے اور اس پر ثابت و قائم ہیں' جس طرح انہوں نے مدینہ منورہ کو اپنی قرار گاہ بنا لیا ہے [یا ''دار الهجرة'' اور ''دار الايمان'' مراد ہے اور ''الدار'' میں لام تعریف کو مضاف الیہ کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ''دار الايمان'' میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے (یعنی) مہاجرین سے پہلے کیونکہ انصارِ مدینہ' مہاجرین مکہ سے پہلے دارِ ہجرت (مدینہ شریف) کو اپنا وطن بنا چکے تھے اور ان سے پہلے کھلم کھلا اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار کر چکے تھے (جب کہ مہاجرین ایمان میں مقدم ہونے کے باوجود اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے) اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ انصارِ مدینہ مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینہ شریف کو اپنا وطن بنا چکے تھے' ایمان بھی لا چکے تھے ﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾ وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے نصف مال مہاجرین کو دے دیئے اور انہیں اپنے مکانوں میں ٹھہرایا اور جس انصاری مسلمان کے پاس دو بیویاں تھیں' اس نے ایک کو طلاق دے کر آزاد کر دیا تا کہ مہاجرین میں سے بے نکاح آدمی اس سے شادی کر لے ﴿وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا﴾ اور وہ اپنے سینوں اور اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت و ضرورت نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا (یعنی) وہ ضرورت و احتیاج کے باوجود اپنے دلوں میں مالِ فئے وغیرہ کی طلب اور خواہش محسوس نہیں کرتے اور محتاج الیہ مال کو ''حَاجَةً'' نام دیا گیا ہے' کیونکہ انصار کے دل اس مال کا پیچھا نہیں کرتے تھے جو مہاجرین کو دے دیا گیا اور نہ وہ اس مال میں لالچ کرتے تھے' جس کی انہیں خود احتیاج ہوتی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''حَاجَةً'' کا معنی ''حَسَدًا'' ہے یعنی مہاجرین کو دیئے گئے مالِ فئے پر وہ حسد نہیں کرتے تھے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مالِ فئے کو مہاجرین کے ساتھ مخصوص فرما دیا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اصل میں ''(لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ) مَسَّ (حَاجَةٍ مِنْ) فَقْدِ (مَا اُوْتُوْا)'' ہے یعنی وہ اپنے دلوں میں مہاجرین کو دیئے گئے مالِ فئے کے نہ ملنے پر حاجت کے باوجود طلب محسوس نہیں کرتے [پھر ''مَسَّ'' اور

"فَقْد" دونوں مضافوں کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ اور وہ اپنے آپ پر (مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ انہیں خود اشد ضرورت واحتیاج ہوتی ہے "خصاصة" کا معنی ہے: فقر واحتیاج' اور اس کی اصل "خصاصة البيت" ہے' گھر کا روشن دان' اور یہ جملہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے یعنی سخت حاجت وضرورت۔

مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کے پاس ایک مہمان آ کر ٹھہرا لیکن گھر میں بہت تھوڑا سا کھانا تھا تو میزبان نے اپنے بچوں کو کھانا کھلائے بغیر بہلا کر سلا دیا اور کھانا اٹھا کر مہمان کے سامنے پیش کر دیا اور چراغ درست کرنے کے بہانے اس کے قریب جا کر بجھا دیا تا کہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور خود کچھ نہیں کھایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے گھر بکری کی بھنی ہوئی سری بطور ہدیہ بھیجی گئی اور وہ خود ضرورت مند بھی تھے لیکن اپنے ایک نادار ہمسایہ کے گھر وہ سری بھیج دی اور اس نے بھی اپنے ایک ضرورت مند پڑوسی کے گھر وہ سری بھیج دی' یہاں تک کہ اس طرح بکرے کی وہ سری نو (۹) گھروں میں گھومتی پھرتی پہلے گھر میں واپس آ گئی۔

حضرت ابو زید نے بیان فرمایا کہ ایک دن بلخ کے رہنے والے ایک نوجوان دوست نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں زہد (ترکِ دنیا) کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ جب ہمیں کھانا وغیرہ کچھ مل جاتا ہے تو ہم کھالیتے ہیں اور جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں' سو اس نوجوان نے سن کر کہا کہ ہمارے ہاں بلخ کے کتے اس طرح کرتے ہیں جب کہ ہم لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں اور جب ہم کھانا وغیرہ کچھ پالیتے ہیں تو خود کھانے کی بجائے دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ہم ایثار کرتے ہیں ﴿ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾ اور جو حضرات اپنے نفس کے بخل سے بچالیے گئے سو وہی فلاح پانے والے کامیاب و کامران ہیں اور اپنی مرادوں میں کامیابی پانے والے ہیں' اور "شُحَّ" کا معنی لوم ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا نفس خود پر بھی خرچ نہ کرے اور دوسرے پر خرچ کرنے سے منع کرنے پر بہت سخت حریص ہو اور لیکن بخل تو وہ یہ ہے: اپنے آپ کو دوسروں پر خرچ کرنے سے منع کرے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "الشح" کا مطلب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال زبردستی چھین کر کھا جانا اور بخل یہ ہے کہ اپنے مال کو روک رکھنا۔

امام کسری نے فرمایا: "الشح" فقر سے بڑھ کر نقصان دِہ ہے کیونکہ فقیر جب مال حاصل کر لیتا ہے تو خوش حالی کا اظہار کر لیتا ہے بخلاف "الشحیح" (بخیل کے)۔

وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾

اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رہنے دے' اے ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا بے حد مہربان ہے O

۱۰- ﴿ وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور جو لوگ ان کے بعد آئے [یہ بھی "المهاجرين" پر معطوف ہے] اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد میں ہجرت کی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مہاجرین و انصار کی نیکی اور اخلاص کے ساتھ پیروی

کرنے والے تابعین مراد ہیں اور بعض اہل علم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمان مراد ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مالِ فئے میں قیامت کے دن تک پیدا ہونے والے اہل اسلام داخل ہیں [ان دونوں آیات میں واؤ عطف کے لیے ہے اور دونوں جگہ ''للذین'' بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ﴾ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا: ان سے مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ مراد ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی مغفرت و بخشش کی دعا کریں مگر کئی اسلام کے دعوے دار انہیں گالیاں دیتے ہیں ﴿ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا ﴾ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کینہ اور کھوٹ نہ رکھنا یعنی صحابہ کرام کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ اور کھوٹ نہ رہنے دینا۔ ''غِلًّا'' بہ معنی ''حقدًا'' یعنی کینہ اور بغض رکھنا ہے ﴿ رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔

حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں: آپ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٢﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں وہ اہل کتاب میں سے اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکال دیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کی بات نہیں مانیں گے' اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے' اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے' اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے' اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

منافقین کی منافقانہ چالوں کا بیان

۱۱- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم نبی کو تعجب دلایا اور فرمایا: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ نے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی طرف نہیں دیکھا ﴿ يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ﴾ وہ اہل کتاب میں سے اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا یعنی بنو نضیر سے کہتے ہیں' ''اخوان'' سے مراد یہ ہے کہ بنو نضیر کفر میں منافقین کے بھائی ہیں (نسبی بھائی

مراد نہیں)﴿ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ ﴾ ''مِنْ دِيَارِكُمْ'' اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا﴿ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ ﴾ تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے۔ مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنونضیر کا محاصرہ کرلیا تو عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ایک سازش کے ساتھ بنونضیر سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے کہا کہ تم اپنے قلعہ سے ہرگز نہ نکلو' سو اگر مسلمان تم سے جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور ہم تمہیں ذلیل نہیں ہونے دیں گے اور اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے ﴿ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ﴾ اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے (یعنی) اگر تمہارے ساتھ جنگ کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا یا تمہیں ذلیل ورسوا کر کے نکالنے پر ہمیں اُکسایا گیا' یا ہم نے تم سے جو مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے' اس کے خلاف کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا تو ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' نہ رسول اللہ کی اور نہ مسلمانوں کی ﴿ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی (یعنی جنگ) کی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ اپنے تمام وعدوں میں جھوٹے ہیں' اور یہ آیت مبارکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نبوت کی صحت کی عمدہ ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں غیب کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔

۱۲-﴿ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور البتہ اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں یہ خبر دینے کے بعد کہ وہ یہود کے قبیلہ بنونضیر کی مدد نہیں کریں گے' پھر اس کے بعد یہ ارشاد (وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ) صرف بطورِ فرض اور تقدیر کے ہے (یعنی بہ فرضِ محال اور بر تقدیر تسلیم اگر منافقین بنونضیر کی مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے) جیسے یہ ارشاد ہے: ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ'' (الزمر:۶۵) ''بہ فرضِ محال اگر آپ بھی شرک کر لیتے تو ضرور آپ کے عمل ضائع ہو جاتے'' اور جس طرح اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ وہ کام ہو جائے گا' اسی طرح یہ بھی جانتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا' اگر ہوگا تو کس طرح ہوگا اور معنی یہ ہے کہ اگر بہ فرضِ محال منافقین نے یہود کی مدد کی تو منافقین شکست کھا کر بھاگ جائیں گے' پھر اس کے بعد ان کی مدد نہیں کی جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کے کفر کے ظہور کے بعد ان کا نفاق ان کو نفع اور فائدہ نہیں دے گا یا یہ کہ یہود ضرور شکست اٹھائیں گے' پھر انہیں منافقین کی مدد نفع نہیں دے گی۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۤءٌ مِّنْكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

ع ۵

البتہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے' یہ اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہیں O وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے' ان کی آپس میں بڑی سخت لڑائی ہوتی رہتی ہے' آپ انہیں متحد خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں' یہ اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہیں O ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے پہلے قریب زمانہ میں اپنے کیے کا وبال چکھ چکے ہیں' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا کہ کفر اختیار کر' پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا مالک ہے O سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہی ظالموں کی سزا ہے O

۱۳- ﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ بے شک ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہے۔ ''فِیْ صُدُوْرِهِمْ'' ان کے نفاق پر دلالت کر رہا ہے یعنی تمہارے سامنے علانیہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا خوف ظاہر کرتے ہیں جب کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہوتا ہے [''رهبة''، ''رَهَبَ'' کا مصدر ہے اور یہ بمعنی المفعول ہے یعنی ''اَشَدُّ مَرْهُوْبِيَّةً''] ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایک ایسی بد نصیب قوم ہے جو نہیں سمجھتے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو اور اس کی عظمت و رفعت کو نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

۱۴- ﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا﴾ وہ تم سے اکٹھے ہو کر بھی نہیں لڑیں گے یعنی یہود اور منافقین دونوں مل کر بھی تم سے لڑنے اور جنگ کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ﴾ مگر بستیوں میں قلعہ بند ہو کر خندقوں' غاروں اور کشادہ گلیوں کی اوٹ میں چھپ کر لڑیں گے ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ یا دیواروں کے پیچھے چھپ چھپا کر [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''جِدَارٍ'' ہے] ﴿بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ﴾ ان کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ اور لڑائی بہت سخت ہوتی ہے یعنی سخت جنگ جس کے ساتھ ان کو موصوف کیا جاتا ہے' وہ صرف ان کی آپس میں باہمی جنگ اور لڑائی ہوتی ہے' جب وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں اور اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ جنگ اور لڑائی کریں گے تو ان کے لیے وہ جنگ اور سختی باقی نہیں رہے گی کیونکہ بڑے سے بڑے بہادر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے وقت بزدل' ڈرپوک اور کمزور ہو جاتے ہیں ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا﴾ آپ ان کو اکٹھا خیال کریں گے یعنی آپ یہود اور منافقین کو مجتمع اور متفق و متحد خیال فرمائیں گے ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ اور ان کے دل متفرق ہیں' ان کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد اور الفت و پیار نہیں ہے یعنی بے شک ان کے درمیان باہمی دشمنیاں اور عداوتیں ہیں' پس وہ ایک دوسرے کی اس طرح مدد نہیں کرتے جس طرح ایک دوسرے کی مدد کا حق ہوتا ہے اور اس کلام کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنے اور جنگ کرنے پر جرأت دلانا اور ان کے دلوں کو دلیر کرنا مقصود ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ وہ (یعنی) ان کے دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا جدا ہونا ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (یعنی) بے شک دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو ان کے قویٰ کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے اور ان کی ارواح کو مجروح کر دیتا ہے۔

۱۵- ﴿كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے ہوئے یعنی ان (منافقین) کی مثال مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والے اہل بدر (کفار مکہ) کی طرح ہے [پھر ''مَثَلُهُمْ'' مبتدا کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿قَرِيْبًا﴾ نزدیک یعنی ان سے پہلے قریب زمانہ میں وہ (کفار مکہ) بدر میں آ کر ٹھہرے تھے ﴿ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ انہوں نے اپنے کیے کا

وبال چکھ لیا (یعنی) اپنے کفر کے بُرے انجام اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت کے وبال کا مزہ انہوں نے چکھ لیا۔ وبال عرب کے اس قول سے ہے: ''کَلاءٌ وَبِیلٌ وَخِیمٌ سَیِّیءُ الْعَاقِبَةِ'' فلاں سبزہ مضر و نقصان دہ ہے انجام کار بُرا ہے یعنی انہوں نے دنیا میں قتل کے عذاب کا مزہ چکھا ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے یعنی اس کے باوجود آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

۱۶ - ﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴾ یعنی جنگ کرنے پر یہود کو اُکسانے اور ان کی مدد کرنے کے وعدہ میں منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے' جب اس نے انسان سے کہا کہ تو کفر اختیار کر' پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' پھر منافقین کا یہود سے متارکت اختیار کرنا اور ان کے خلاف چلنا شیطان کی طرح ہے' جب وہ انسان کو اپنے مکر و فریب کے ذریعے اغوا کر لیتا ہے تو پھر وہ آخر میں اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد ایک تو شیطان کا بدر کے دن قریش کو اغوا کرنا اور دوسرا ان سے یہ کہنا ہے: ''لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ'' (الانفال:۴۸) ''آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں'' پھر اس نے آخر میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ'' (الانفال:۴۸) ''بے شک میں تم سے بیزار ہوں''۔

۱۷ - ﴿ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا ﴾ سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا (یعنی) کافر انسان اور شیطان کا انجام یہ ہوا ﴿ أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ﴾ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [''عَاقِبَتَهُمَا'' ''كَانَ'' کی خبر مقدم ہے اور ''أَنَّ'' اپنے اسم اور اپنی خبر سمیت یعنی ''فی النار'' سمیت اسم ''کَانَ'' کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''خالدین'' حال ہے] ﴿ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴾ اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرے کہ اس نے آنے والے کل (قیامت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا' یہی لوگ نافرمان ہیں O دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں' جنت والے ہی کامیاب ہیں O اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے جھکتا ہوا (اور) اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتے' اور یہ وہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں O

خوفِ خدا' فکرِ آخرت اور عظمت قرآن کا بیان

۱۸- ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کے احکام کے بارے میں اس سے ڈرتے رہو' سو تم ان کے مخالف نہ چلو ﴿وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ﴾ اور چاہیے کہ ہر جان غور کرے [''نفس'' کو نکرہ لایا گیا ہے] کیونکہ بہت کم نفوس ہیں جو ان چیزوں میں غور وفکر کرنے والے ہیں جنہیں آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے ﴿مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ جو اس نے آنے والے کل کے لیے آگے بھیجا یعنی قیامت کے دن کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا نام وہ دن (غد) رکھا جو تمہارے دن کے تقریباً متصل آئے گا' یا آخرت کو ''غد'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا دنیا اور آخرت صرف دو دن ہیں' آج اور کل اور قیامت کے معاملے کی عظمت کی وجہ سے ''غد'' کو نکرہ ذکر کیا گیا یعنی آنے والا ایسا کل (غد) جس کی عظمت کی وجہ سے اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا' اور حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ ہم نے جو کچھ عمل کیا' اس کو ہم نے پالیا اور ہم نے جو آگے بھیجا اس کا نفع حاصل کرلیا اور ہم جو کچھ اپنے پیچھے (دنیا میں) چھوڑ آئے اس کا خسارہ اور نقصان ہم نے دیکھ لیا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کے حکم کو دوبارہ تاکید کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا پھر یہ معنی ہے کہ تم واجبات کو ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ عمل کا ذکر کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ تم گناہوں کو چھوڑنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وعید (ڈراوے) کے قائم مقام کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبر دار ہے۔ اور اس میں خوفِ خدا رکھنے پر ترغیب ہے کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام گناہوں سے آگاہ ہوتا ہے' جن کا انسان ارتکاب کرتا ہے تو پھر وہ ان سے رُک جاتا ہے۔

۱۹- ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ﴾ اور مسلمانو! تم ان لوگوں (یہود و منافقین اور دیگر کفار) کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور انہوں نے اللہ عزوجل کے ذکر کو اور انہیں جن چیزوں کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا سب کو ترک کر دیا ﴿فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا (تو انہوں نے اپنے فائدے اور بھلائی کے اعمال چھوڑ کر نقصان دہ بُرے اعمال اختیار کر لیے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وتوفیق کے ساتھ ان پر توجہ کرنا ترک کر دیا ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ یہی لوگ فاسق وفاجر اور نافرمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت سے نکل جانے والے ہیں۔

۲۰- ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ دوزخ کی آگ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں' جنت والے ہی کامیاب وکامران ہیں۔ یہ لوگوں کے لیے ایک انتباہ اور خبر دار کرنا ہے کہ بے شک وہ غفلت کی کثرت اور آخرت کے بارے میں غور وفکر کی قلت وکمی اور دنیا کی آخرت پر ترجیح اور شہوات وخواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی وجہ سے گویا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان فرق کو نہیں پہچانتے' حالانکہ جنت والوں اور دوزخ والوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور بے شک بہت بڑی کامیابی جنت والوں کے ساتھ ہے اور دردناک عذاب جہنم والوں کے ساتھ ہے' سو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو جانیں اور اس فرق سے آگاہ رہیں جیسے اپنے باپ کی نافرمانی کرنے والے سے کہا جاتا ہے: ''هُوَ أَبُوكَ'' وہ تو تیرا باپ ہے۔ اس وقت اس نافرمان بیٹے کو اس شخص کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے جو اپنے باپ کے حق کو نہیں پہچانتا' سو اسی وجہ سے اس کو باپ کے اس حق پر تنبیہ کی جاتی ہے جو باپ کے ساتھ نیکی اور رحمت وشفقت کا تقاضا کرتا ہے اور

شافعی مسلک کے پیروکار اس آیت مبارکہ سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے قصاص (بدلے) میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک نہیں بن سکتا' اور ہم نے اس کا جواب اصولِ فقہ اور الکافی میں دے دیا ہے[1]

۲۱۔ ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے جھکتا ہوا (اور) پھٹتا ہوا دیکھتے۔ یعنی قرآن مجید کی شان اور اس کی عظمت کے پیشِ نظر پہاڑ گر کر پھٹ جاتا' (مطلب یہ ہے کہ) بے شک اگر پہاڑ میں عقل وتمیز رکھ دی جاتی اور پھر اس پر قرآن مجید نازل کر دیا جاتا تو البتہ وہ گر جاتا یعنی جھک جاتا اور سر کے بل نیچے گر جاتا اور پھٹ جاتا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا' اللہ تعالیٰ کے خوف وڈر اور اس کی ہیبت کی وجہ سے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمثیل ہو' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ'' (الاحزاب:۷۲) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ اور یہ (تِلْكَ) اس مثال کی طرف اور دیگر ان مثالوں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں اور اس سے مراد انسان کو ڈرانا' دھمکانا اور ڈانٹنا ہے کہ اس کا دل بہت سخت ہو گیا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کی قلت ہے اور قرآن مجید کی ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کی آیات میں غور وفکر اور تدبر نہ ہونے کے برابر ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

ع ۳

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے' وہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے○ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ بادشاہ ہے بہت پاک ہے سلامتی والا ہے امان دینے والا ہے حفاظت فرمانے والا ہے بہت غالب ہے بہت عظمت والا ہے سب سے بڑا ہے' اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک قرار دیتے ہیں○ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو (سب کو) پیدا فرمانے والا ہے ایجاد کرنے والا ہے

[1] یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دوزخ والوں کا جنت والوں کے برابر نہ ہونا آخرت کا معاملہ ہے جب کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کرنا اور کافر کا (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک بن جانا دنیا کا معاملہ ہے' اس لیے یہ قیاس فاسد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (الزمر:۹) ''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)'' تو کیا کسی علم والے کو بے علم شخص کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا؟ یہ کیسا انصاف ہوگا؟

صورتیں بنانے والا ہے اس کے تمام نام اچھے ہیں' جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں' اور وہی بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے O

شرک کی تردید اور چند صفاتی ناموں کا بیان

۲۲- پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید بیان فرمائی جو شرک کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مماثل و مشابہ قرار دیتے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِۚ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ نہاں اور عیاں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور علانیہ چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ ہر معدوم اور ہر موجود کو جاننے والا ہے ﴿ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴾ وہ سب پر بہت مہربان ہے' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

۲۳- ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے جس کی بادشاہی کبھی زائل اور ختم نہیں ہوگی ﴿ الْقُدُّوْسُ ﴾ پاک ہے' تمام قباحتوں اور عیبوں سے منزہ اور پاک ہے اور فرشتوں کی تسبیح میں ہے: ''سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَالرُّوْحِ'' وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ اور مبرا ہے' وہ تمام فرشتوں اور خاص کر روح الامین حضرت جبریل علیہم السلام کا پروردگار ہے ﴿ السَّلٰمُ ﴾ یہ ذاتِ خود سلامتی والا ہے اور دوسروں کو سلامتی عطا فرمانے والا ہے۔ علامہ زجاج سے منقول ہے کہ ''السلام'' وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے مخلوق کو اپنی طرف کے ظلم سے سلامت و محفوظ رکھا ہوا ہے ﴿ الْمُؤْمِنُ ﴾ امن و امان بخشنے والا' اور علامہ زجاج سے منقول ہے: ''المومن'' وہ ہستی ہے جس نے اپنی طرف کے ظلم سے تمام مخلوق کو امن و امان عطا فرمایا' یا یہ کہ ''المومن'' وہ ذاتِ مقدس ہے جو ہر اس شخص کو اپنے عذاب سے امن عطا فرمانے والا ہے' جو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے ﴿ الْمُهَیْمِنُ ﴾ ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے [یہ ''مُفیعل'' کے وزن پر ''امن'' سے ماخوذ ہے مگر اس کا ہمزہ ''ھا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے] ﴿ الْعَزِیْزُ ﴾ وہ سب پر بہت غالب ہے' کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿ الْجَبَّارُ ﴾ وہ زبردست بلند و بالا ہے' اس کے سوا ہر چیز اس کے سامنے عاجز و کمزور ہے یا یہ کہ وہ قدرت و سلطنت میں عظیم الشان ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ زبردست غالب ہے اور بہت بڑی قدرت والا ہے ﴿ الْمُتَكَبِّرُؕ ﴾ وہ بہت عظمت و بڑائی والا' سب سے بڑا ہے ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں اپنی ذاتِ اقدس کو ان تمام عیبوں سے منزہ و مبرا قرار دیا جن کے ساتھ مشرکین اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دیتے ہیں۔

۲۴- ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے' اللہ تعالیٰ ان تمام اشیاء کو مقدر کرنے والا ہے جن کو تخلیق کرتا ہے ﴿ الْبَارِئُ ﴾ وہ تمام کائنات کا ایجاد کرنے والا ہے ﴿ الْمُصَوِّرُ ﴾ وہ ماؤں کے رحموں میں مختلف صورتیں بنانے والا ہے ﴿ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰىؕ ﴾ اس کے تمام مبارک نام اچھے ہیں جو اس کی عالی شان صفات پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں[1] ﴿ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتا ہے اور وہ سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس مضمون کے ساتھ

[1] اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے فضائل و خصوصیات اور اس کی برکات و وظائف اور اسم اعظم کی تحقیق کے لیے فقیر کی کتاب ''خصائص الاسماء الحسنیٰ'' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور کا مطالعہ فرمائیں۔

سورت کا آغاز کیا' اسی مضمون پر سورت کا اختتام فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم سورۃ الحشر کی آخری آیات کی تلاوت کو اپنے اوپر لازم کرلو سو میں ان تین آخری آیات کو بہت زیادہ پڑھتا ہوں' پھر میں نے دوبارہ آپ پر یہی سوال دہرایا تو آپ نے دوبارہ بھی یہی جواب دیا' پھر میں نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو آپ نے پھر وہی جواب مجھ پر دہرادیا۔[1]

سورۃ الممتحنۃ مدنیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ — آیاتہا ۱۳ رکوعاتہا ۲

سورۃ الممتحنہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی تیرہ آیات' دو رکوع ہیں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ بے شک انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا جو تمہارے پاس آچکا ہے' وہ رسول اکرم کو اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو' اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو (تو کفار سے دوستی نہ کرو) تم ان کی طرف محبت کے خفیہ پیغام بھیجتے ہو' اور میں وہ سب کچھ خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپالیا اور جسے تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے ○

کفار سے دوستی اور خفیہ پیغام رسانی کی ممانعت کا بیان

شانِ نزول: مروی ہے کہ (۸ ہجری میں) عمرو بن صیفی بن ہاشم کی لونڈی جسے سارہ کہا جاتا تھا' وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اس وقت آپ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی تیاری کررہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو کیا ہجرت کر کے آئی' اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تو کس ضرورت کے تحت آئی' اس نے کہا: میں بہت تنگ دست وغریب ہوں اور فقر و فاقہ سے تنگ ہو کر آپ کے پاس مالی امداد کے لیے حاضر ہوئی ہوں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنو عبد المطلب کو اس عورت کی مالی امداد کرنے کی بہت ترغیب دی اور بہت تاکید کی تو انہوں نے اس عورت کی خوب مدد کی' اسے کپڑے دیئے اور ایک سواری دی اور زادِ راہ کے لیے کھانے پینے کا سامان دیا۔ اس دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی اس عورت سے ملے اور اسے دس دینار

[1] رواہ الثعلبی کمافی حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۱۰

(سونے کے سکے) دیئے اور ایک قیمتی چادر پیش کی اور اس کی معرفت اہل مکہ کے لیے ایک خط لکھ کر بھیجا' جس کی تحریر یہ تھی کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کی جانب' اے اہل مکہ! یادرکھو اور جان لو کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' سوتم اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہو جاؤ' چنانچہ سارہ یہ خط لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوگئی اور حضرت جبریل علیہ السلام یہ خبر لے کر آپ کے پاس نازل ہوئے تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عمار' حضرت عمر' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت مقداد اور حضرت ابومرثد کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا اور یہ حضرات جب سوار ہو کر جانے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم جاؤ! یہاں تک کہ جب تم روضہ خاخ کے مقام پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں یہ مسافر عورت ملے گی' جس کے پاس حاطب کی جانب سے اہل مکہ کو لکھا گیا خط ہے' سوتم اس سے وہ خط لے لو اور اس کو چھوڑ دو اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا' چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے وہیں جا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور خط مانگا تو اس نے انکار کر دیا اور اس نے قسم کھالی کہ اس کے پاس خط نہیں ہے' چنانچہ یہ صحابہ کرام واپس جانا ہی چاہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم سے جھوٹ نہیں بولا گیا' بلکہ ہمیں جو پیغام دیا گیا وہ سچا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صادق وامین ہیں' آپ کو جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا' پھر آپ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اس عورت سے فرمایا کہ تو خط نکال کر ہمیں دے دے یا پھر اپنا سر جھکالے میں تیری گردن مار دوں گا' تو اس نے خوف زدہ ہو کر اپنے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر دے دیا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم نبی اعظم ﷺ نے فتح مکہ کے دن تمام لوگوں کو امان دے دی ماسوا چار افراد کے۔ ان میں سے ایک یہ عورت تھی' پھر جب یہ صحابہ کرام خط لے کر واپس آ گئے اور حضور کو پیش کر دیا تو آپ نے حضرت حاطب کو حاضر ہونے کا حکم دیا تو وہ فوراً حاضر ہو گئے' اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہ پیغام رسانی کا کام کس وجہ سے کیا ہے' تو حضرت حاطب نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی کفر نہیں کیا اور جب سے میں نے خیر خواہی شروع کی ہے کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کیا اور نہ آپ کو دھوکا دیا ہے اور جب سے میں نے کفار کو چھوڑ کر ہجرت کی ہے کبھی ان سے دوستی نہیں کی اور میں قریش سے منسلک ضرور رہا ہوں لیکن میں ان کے خاندان میں سے نہیں ہوں (میں نے غیر ملکی ہونے کے باوجود مکہ میں قریش کے ساتھ سکونت اختیار کر لی) اور آپ کے ساتھ رہنے والے تمام مہاجرین کی اہل مکہ کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں' جس کی وجہ سے اہل مکہ ان مہاجرین کے اہل وعیال اور ان کے مالوں اور جائیدادوں کی حفاظت کرتے ہیں ماسوا میرے (کیونکہ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں)' سو اس لیے میں اپنے گھر والوں کے بارے میں خوف زدہ رہتا ہوں' بہرحال میں نے صرف یہ چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کروں تاکہ میرے بیوی بچے محفوظ ہو جائیں لیکن میں پورے یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرا خط انہیں عذاب الٰہی سے ہرگز نہیں بچا سکے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطب کی تمام باتوں کی تصدیق فرمائی اور ان کی معذرت قبول فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں' اس پر حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل بدر کے حالات کو خوب جانتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ'' تم جو چاہو عمل کرو' سو میں نے تمہیں یقیناً بخش دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں[1]

---

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۳۔۲۸۱

۱ - ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ﴾ اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سلب نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے کی طرح برقرار رہتا ہے (کیونکہ حضور اور صحابہ کے جنگی تیاری کے راز افشاں کرنے کے باوجود حضرت حاطب کو مؤمن صادق قرار دیا گیا) [''تَتَّخِذُوْا'' فعل کو دو مفعلوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور وہ دونوں ''عدوی'' اور ''اولیاء'' ہیں' اور ''عُدُوٌّ'' فعول کے وزن پر ''عَدَا'' سے ماخوذ ہے جیسے ''عَفُوٌّ''' ''عَفَا'' سے ماخوذ ہے لیکن یہ مصدر کے وزن پر جس طرح جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' اسی طرح واحد کے معنی پر بھی واقع ہوتا رہتا ہے] ﴿ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ تم ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [یہ جملہ ''لَا تَتَّخِذُوْا'' میں ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ مُلْقِیْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ'' تم ان کو دوست نہ بناؤ حالانکہ تم تو ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [یا دھمکانے ڈرانے کی بناء پر وقف کے بعد یہ ایک نیا مستقل جملہ ہے] اور ''القاء'' کا معنی ہے: محبت کا پیغام پہنچانا اور محبت کا پیغام ان کی طرف لے جانا [''بِالْمَوَدَّةِ'' میں با زائدہ ہے' تعدیہ کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا' جیسے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے' یعنی ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ'' (البقرہ:۱۹۵) یا پھر یہ ''با'' ثابتہ ہے زائدہ نہیں ہے' اس بناء پر کہ ''تُلْقُوْنَ'' کا مفعول محذوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی خبریں ان کی طرف اس محبت کے سبب پہنچاتے ہو' جو کبھی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان قائم تھی ﴿ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ حالانکہ انہوں نے بلاشبہ اس حق کے ساتھ کفر اختیار کر لیا ہے جو تمہارے پاس آ چکا ہے یعنی انہوں نے دین اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا [یہ جملہ بھی ''لَا تَتَّخِذُوْا'' کی ضمیر سے یا پھر ''تُلْقُوْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے] یعنی تم ان کو دوست نہ بناؤ' یا یہ کہ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے دین اسلام اور قرآن مجید کا انکار کر دیا ہے ﴿ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾ وہ تو رسول اکرم اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو [یہ حصہ بھی الگ مستقل مستانفہ کلام ہے اور ان کے کفر اور سرکشی کی تفسیر و توضیح کی طرح بیان کیا گیا ہے یا یہ ''كَفَرُوْا'' سے حال ہے اور ''اَنْ تُؤْمِنُوْا یُخْرِجُوْنَ'' کی تعلیل ہے] یعنی اے مسلمانو! وہ تمہیں مکہ مکرمہ سے محض اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ ﴾ اگر تم (میری راہ میں) نکلے ہو [یہ ''لَا تَتَّخِذُوْا'' کے متعلق ہے] یعنی تم میرے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ اگر تم میرے دوست ہو [اور نحویوں کا اس قسم کے بارے میں یہ قول ہے کہ یہ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے] ﴿ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ ﴾ میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے [''جِهَادًا'' مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ﴾ اور میری رضا طلب کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ تم ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجتے ہو یعنی تم ان کی طرف پوشیدہ طور پر محبت کے پیغام پہنچاتے ہو' یا یہ معنی ہے کہ تم پرانی محبت کے سبب رسول اللہ ﷺ کے خفیہ راز ان کی طرف پہنچاتے ہو [یہ جملہ بھی الگ مستقل کلام ہے] ﴿ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ﴾ اور اسے بھی خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپا لیا اور جسے تم نے ظاہر کیا' اور معنی یہ ہے کہ تمہیں اپنے رازوں کے افشاں کرنے میں کون سا فائدہ حاصل ہوتا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ اخفاء اور اظہار میرے علم میں برابر ہیں اور تم جو کچھ چھپاتے ہو' میں اس پر اپنے رسول کو آگاہ کر دیتا ہوں ﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے گا یعنی کفار سے دوستی کرنے کے لیے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے مسلمانوں کے راز بتائے گا ﴿ فَقَدْ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ تو بے شک وہ شخص سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور بے شک اس نے حق سچ کے راستے کو چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی۔

إِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور وہ بُری تکلیف دینے کے لیے تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم کافر ہو جاؤO قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی اور نہ تمہاری اولاد؛ وہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہےO

معانقۃ ۱۲ السجاع الوتلف علی القیامۃ ۱۲ عند البنا حضرون ۱۲

۲- ﴿ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ ﴾ اگر وہ تم کو پالیں (یعنی) اگر وہ تم پر کامیاب ہو جائیں اور تم پر فتح یاب ہو جائیں اور تمہیں قابو کرلیں تو ﴿ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً ﴾ وہ تمہارے کھلم کھلا دشمن ہو جائیں گے' خالص دشمنی ظاہر کر دیں گے اور وہ کبھی تمہارے دوست نہیں بنیں گے جس طرح تم دوست بن جاتے ہو ﴿ وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ ﴾ اور وہ تم پر بہت بُری تکلیف کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کریں گے یعنی قتل اور لڑائی کے ساتھ اور گالیوں کے ساتھ ﴿ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ اور وہ چاہتے ہیں کاش! تم کافر ہو جاؤ (یعنی) وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم اپنے دین سے پھر جاؤ' پس اس وقت ثابت ہو گیا کہ تم میں سے کسی شخص کا ان جیسے لوگوں سے دوستی کرنا بہت بڑی غلطی ہے [اور فعل ماضی (جیسے ''وَدُّوْا'') اگر شرط کے باب میں آ جائے تو وہ فعل مضارع کے قائم مقام ہوتی ہے] سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ گویا فرمایا کہ کفارِ مکہ ہر چیز سے پہلے تمہارا کافر ہو جانا اور تمہارا مرتد ہو جانا چاہتے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا دونوں کا نقصان پہنچ جائیں بھی قتل ہو جائیں اور عزتیں بھی داغ دار ہو جائیں اور تم کفر کی طرف بھی لوٹ جاؤ' یا یہ کہ ان کے نزدیک سب سے اہم اور سب سے پہلا نقصان تمہارا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ تم اس کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کر دیتے ہو اور عداوت یہی ہوتی ہے کہ دشمن کے نزدیک سب سے اہم چیز یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مدمقابل کی سب سے اہم چیز کو برباد کرنا چاہتا ہے۔

۳- ﴿ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ ﴾ تمہاری قرابت داریاں اور رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی ﴿ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ ﴾ اور تمہاری اولاد تمہیں نفع نہیں دے گی جن کی خاطر تم کفار سے دوستی کرتے ہو اور جن کی حفاظت وحمایت کی خاطر تم ان کا قرب چاہتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾ وہ قیامت کے دن تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی تمہارے رشتے داروں اور تمہاری اولاد کے درمیان' جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِO وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِO وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِO'' (عبس: ۳۶-۳۴) ''جس دن آدمی بھاگتا پھرے گا اپنے بھائی سےO اور اپنی ماں اور اپنے باپO اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سےO'' سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس کے حق کی رعایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑتے ہو' جو کل قیامت کے دن تم سے بھاگ جائے گا [امام عاصم کی قراءت میں (''یا'' مفتوح اور ''فا''

ساکن اور "صاد" مکسور کے ساتھ) "یَفْصِلُ" ہے جب کہ حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ("یا" مضموم اور "فا" مفتوح اور "صاد" مکسور مشدد کے ساتھ) "یُفَصِّلُ" (باب تفعیل سے) ہے اور اس کا فاعل اللہ عزوجل ہے اور ابن ذکوان کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے) "یُفَصَّلُ" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب "ضَرَبَ یَضْرِبُ" سے) "یُفْصَلُ" ہے] ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے سو وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ضرور جزا دے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۵﴾

بے شک ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ (چچا ابو) کے لیے یہ کہنا کہ میں تیرے لیے ضرور مغفرت چاہوں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا ہوا ہے اور تیری ہی طرف لوٹ آنا ہے ○ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال دینا اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے بے شک تو سب پر بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ○

کفار سے دوستی کی ممانعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہترین نمونہ

۴۔ ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک مشرک قوم سے بیزاری کے اعلان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے ﴿فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یعنی ان کے اقوال و ارشادات میں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال میں سے ایک قول کا (اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ) فرما کر استثناء کر دیا ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی مؤمنین اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن ساتھیوں کی زندگی اور ان کے اقوال بہترین نمونہ ہیں اس سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں ﴿اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ﴾ جب انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تم سے بیزار ہیں ["بُرَءٰٓؤُ" "بری ء" کی جمع ہے جیسے "ظرفاء" "ظریف" کی اور "شرفاء"

"شریف" کی جمع ہے] ﴿ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ ﴾ اور ہم ان سے بھی بیزار ہیں جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو' ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان افعال و اعمال کے سبب عداوت ودشمنی ظاہر ہوگئی ہے ﴿ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا ﴾ اور دلوں میں باہمی بغض وکینہ ہمیشہ کے لیے عیاں ہوگیا ہے ﴿ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ ﴾ یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اس صورت میں ہم تمہاری عداوت ودشمنی کو ترک کر دیں گے ﴿ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ﴾ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور یہ "مَوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ" (التوبہ:۱۱۴) "ایک وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا جو حضرت ابراہیم نے اس سے کیا ہوا تھا" یعنی تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اقوال میں ان کی پیروی کرو' لیکن اپنے کافر باپ کی مغفرت طلب کرنے میں ان کو نمونہ نہ بناؤ اور نہ اس میں ان کی پیروی کرو ﴿ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ اور میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا یعنی رشد وہدایت اور مغفرت وبخشش اور توفیق عطا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ جملہ استثناء کے مناسب نہیں' کیا (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: "قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا" (الفتح:۱۱) "اے محبوب! فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کون کچھ اختیار رکھتا ہے؟" لیکن استثناء سے مراد صرف "قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ" ہے اور اس کے لیے مغفرت کے وعدہ کا قصد اور جو اس کے بعد ہے وہ اس کے تابع ہے' گویا فرمایا: میں تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور میرے اختیار وقوت میں صرف مغفرت طلب کرنا ہے ﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا ہوا ہے' یہ استثناء کے ماقبل کے ساتھ متصل ومرتبط ہے اور یہ بھی اسوۂ حسنہ کے مجموعہ میں سے ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یوں ہے: "قُوْلُوْا رَبَّنَا الخ" "تم کہو: اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا ہوا ہے' سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے حکم کی ابتداء ہے کہ وہ یہ کہا کریں ﴿ وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا ﴾ اور ہم نے تیری ہی طرف رجوع کر لیا ہے اور ہم تیری ہی طرف متوجہ رہتے ہیں ﴿ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور صرف تیری طرف واپس آنا ہے (یعنی) تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

۵ - ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اے ہمارے مالک! تو ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنانا جنہوں نے کفر کا بازار گرم کر رکھا ہے یعنی تو ان کو ہم پر مسلط نہ کرنا کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں گے ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے بے شک تو بہت عزت والا بڑا حکمت والا ہے یعنی غالب حاکم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞ ع

بے شک ان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے خصوصاً ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی ملاقات کی اُمید رکھتے ہیں' اور جو شخص منہ پھیر لے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز (اور) تمام خوبیوں میں تعریف کے لائق ہے O

۶ - ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾ البتہ بے شک تمہارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے ملنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ

السلام اور ان کی مسلمان قوم کی پیروی کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کو تاکید کرنے کے لیے دوبارہ اس کو دہرا دیا اور اس لیے قسم کے ساتھ آغاز کیا کیونکہ اس میں انتہائی تاکید ہوتی ہے اور اس آیت میں "لکم" کے بدلے "لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ الخ" فرمایا یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے[1] اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جو شخص ہمارے حکم سے منہ پھیر لے گا اور کفار سے دوستی کرلے گا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہی حمد وثناء کا مستحق ہے' سو اس نے تاکید کی کوئی قسم ترک نہیں کی مگر ہر قسم کی تاکید بیان فرمادی۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان دوستی کرادے گا جن سے تمہاری دشمنی ہے' اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو' بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے' سو وہی لوگ ظالم ہوں گے O

[1] برھان القرآن میں ہے: تکرار اس لیے ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں اقوال کی طرف اور دوسرے میں افعال کی طرف اشارہ ہے اور فتح الرحمان میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں عداوتِ کفار کی طرف اور دوسرے میں خوف وخشیت الٰہی کی اقتداء کی طرف اشارہ ہے' اور کشف الاسرار میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں کفار سے بیزاری کی طرف اور دوسرے میں حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی پیروی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مسلمانوں کو وہی اجر وثواب حاصل ہو' جو انہیں نصیب ہوا' اور مسلمانوں کو آخرت کی طرف اسی طرح باعزت جانا نصیب ہو' جس طرح انہیں نصیب ہوا۔ (تفسیر روحان البیان' مترجم' جز ۲۸ ص ۲۴۲)

دوبارہ اسوۂ حسنہ کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کرسکتا ہے' جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر "عالم الغيب والشهادة" کی بارگاہ میں پیش کردیا جائے گا' جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی' وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے' وہی ان پاک بازوں کے نقشِ قدم کو خضرِ راہ بناتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۹۸)

کفار سے مشروط دوستی کی اجازت

۷- اور جب گزشتہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنے مشرک باپوں اور بیٹوں اور تمام رشتہ داروں کی عداوت و دشمنی میں سختی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کو محبت و پیار میں تبدیل کرنے کی اُمید دلائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ﴾ امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کر دے گا' ان میں سے جن لوگوں سے تم نے عداوت و دشمنی کی ہے' یعنی تم نے اہل مکہ میں سے جن اپنے قرابت داروں سے دشمنی کی' ان کی محبت پیدا کر دے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی توفیق عطا فرما دے گا' پھر جب فتح مکہ میسر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آرزوؤں کو پورا کیا اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے درمیان باہمی محبت و الفت مکمل ہوگئی اور بادشاہوں کی عادات کے مطابق ''عَسٰی'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے لیے ہے' صرف اُمید کے لیے نہیں جیسے بادشاہ بعض حوائج میں ''عَسٰی'' یا ''لَعَلَّ'' کہہ دیتے ہیں' لیکن محتاج و ضرورت مند کو اس کے پورا ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا (بلکہ یقین ہوتا ہے ایسے ہی ''عَسٰی'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے یقین کے معنی میں ہوتا ہے) یا اس کے ساتھ مؤمنوں کو اُمید دلانا مراد ہے ﴿ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بدلنے پر اور احوال کو تبدیل کرنے پر اور محبت و مؤدت کے اسباب کو آسان کرنے پر بہت قادر ہے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جس نے مشرکین میں سے اسلام قبول کر لیا' بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۸- ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرو اور ان پر احسان کرو اور تم ان کی عزت کرو خواہ زبان سے ہو یا فعل سے [اور ''اَنْ تَبَرُّوْهُمْ'' ''اَلَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ'' سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے اور یہ بدل اشتمال ہے اور تقدیر یہ ہے: ''عَنْ بَرِّ الَّذِيْنَ''] ﴿ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ﴾ اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو' اور تم ان کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور ان پر ظلم نہ کرو اور جب اللہ تعالیٰ نے مشرک کے حق میں ظلم کرنے سے منع کیا تو مسلمان کے حق میں انصاف کرنے کی کیسی تاکید ہوگی؟ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۹- ﴿ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی کہ تم ایسے لوگوں سے دوستی کرنے لگو [''اَنْ تَوَلَّوْهُمْ'' ''اَلَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ'' سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے تمہیں منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے نہ جنگ کی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا اور اللہ تعالیٰ تو تمہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہوں گے' کیونکہ انہوں نے دوستی کو اس کی اصل جگہ کی بجائے غیر مناسب جگہ پر رکھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ

اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مسلمان عورتیں تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کرلو' اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کا حال سب سے بہتر جانتا ہے' پھر اگر تمہیں ان کا ایمان دار ہونا معلوم ہو جائے تو تم ان کو کفار کی طرف واپس نہ بھیجو' نہ مسلمان عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں' اور تم ان کو (حق مہر کا) وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا' اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان (مسلمان عورتوں) سے نکاح کرلو جب کہ تم ان کے مہر ادا کردو' اور تم (بھی) کافرہ عورتوں کو اپنے نکاحوں میں نہ روکے رکھو اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ (کافروں سے) مانگ لو اور انہوں نے جو خرچ کیا ہے وہ (تم سے) مانگ لیں' اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے' وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے O

کفرستان سے ہجرت کرکے آنے والی عورتوں اور ان کے شوہروں کے مسائل

۱۰- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ ﴾ اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مؤمنہ عورتیں تمہارے پاس آجائیں۔ ان کو ''مؤمنات'' اس لیے فرمایا گیا کہ انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا یا اس لیے کہ امتحان میں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ایمان کے شرف سے مشرف ہو گئیں [''مهاجرات'' حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ ﴾ سو تم ان کے ایمان کا امتحان لو اور ان کی جانچ پڑتال کرو' اور تم ایمان کی علامات میں نظر اور غور وفکر کرکے ان کو آزماؤ تاکہ تمہارے گمانوں پر ان کے ایمان کا سچ غالب آجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ کہیں: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو تم سے بہتر اور زیادہ خوب جانتا ہے' سو تم اگرچہ ان کے احوال کو آزماؤ گے لیکن تم ایمان کی حقیقت نہیں جان سکتے اور البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی حقیقت کا علم ہے ﴿ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ ﴾ سو اگر تم ان کو مسلمان معلوم کرلو۔ علم یہ ہے کہ جس چیز کے جاننے میں تمہاری طاقت صرف ہو اور وہ غالب گمان ہے جو علامات کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور ظن (گمان) کو علم کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ظن غالب اور جو قیاس ظن غالب کے مساوی ہو' وہ علم کے قائم مقام ہوتا ہے' اس لیے قیاس کرنے والا (درج ذیل) ارشاد میں داخل نہیں: ''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'' (الاسراء:۳۶) ''اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو'' ﴿ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ ﴾ تو تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ' اور تم انہیں ان کے مشرک شوہروں کے پاس واپس نہ لوٹاؤ ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ ﴾ نہ وہ (مؤمنہ عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (مشرک شوہر) ان کے لیے حلال ہیں یعنی مسلمان عورت اور مشرک مرد کے درمیان نکاح حلال نہیں کیونکہ جب عورت مسلمان ہو کر خاوند کے گھر سے نکلی تو ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق و

جدائی واقع ہوگئی ﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ﴾ اور تم ان کو وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی) تم ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے مشرک شوہروں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے مہروں کی صورت میں اپنی بیویوں کو دیا تھا۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ مکہ والوں میں سے جو مسلمان مرد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا' اسے اہل مکہ کے پاس واپس کر دیا جائے گا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو یہ بیان کرنے کے لیے نازل فرمایا کہ صلح حدیبیہ کی یہ شرط صرف مسلمان مردوں کے بارے میں تھی' عورتوں کے بارے میں نہیں تھی کیونکہ مسلمان عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں مسلمانوں سے گناہ کی نفی فرمادی ﴿ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ جب تم ان (عورتوں) کے مہر ادا کر دو۔ ''اجور'' سے عورتوں کے مہور مراد ہیں کیونکہ مہر ملک بضع کی اُجرت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے استدلال کیا کہ مہاجرہ عورت پر کوئی عدت نہیں ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ اور تم کافرہ عورتوں کو عقد نکاح میں نہ روکے رکھو۔ ''عصمة'' کا معنی ہے: وہ عقد یا سبب جسے مضبوط کیا جائے اور ''کوافر''، ''کافرة'' کی جمع ہے اور یہ وہ غیر مسلمہ عورت ہے جو دار الحرب (کفرستان) میں کفر پر ثابت وقائم رہے یا وہ عورت جو مرتدہ ہو کر (دین اسلام سے پھر جانے والی) دار الحرب میں چلی جائے یعنی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عقد نہیں رہا اور نہ میاں بیوی کا تعلق رہا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جس مسلمان (مدنی) کی کافر بیوی مکہ مکرمہ میں رہ رہی ہو تو اس کو اس (مدنی) مسلمان خاوند کی عورتوں میں سے شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اختلاف ''دارین'' (کہ بیوی دار الکفر میں اور خاوند دار الاسلام میں) ہونے کی وجہ سے اس مکی بیوی کا نکاح مدنی مسلمان خاوند سے ٹوٹ گیا ﴿ وَاسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ ﴾ اور تم وہ مال طلب کرو جو تم نے خرچ کیا ہے (یعنی) جن عورتوں سے تم نے نکاح کر کے مہر کی رقم ادا کر دی' پھر وہ کفار میں جا کر شامل ہو گئیں تو تم اپنی ان بیویوں کی مہر کی رقم ان عورتوں کے سربراہ کفار سے طلب کر لو ﴿ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ﴾ اور وہ (کفار) اپنا وہ مال مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا (یعنی) کفار ہجرت کرنے والی اپنی بیویوں کے مہروں کی رقم ان کے خاوندوں سے مانگ لیں ﴿ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی اس آیت مبارکہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے' وہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ﴾ وہی تمہارے درمیان حکم جاری کرتا ہے [یہ مستانفہ کلام ہے یا ''حکم اللہ'' سے حذف ضمیر کی بناء پر حال ہے' ''اَیْ یَحْکُمُهٗ اللّٰهُ'' یعنی اس کا حکم اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے یا پھر حکم کو بطور مبالغہ حاکم قرار دیا گیا ہے] اور یہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے' سو اب مہر کی رقم واپس لینے کا سوال باقی نہیں رہا' نہ ہماری طرف سے اور نہ ان کی طرف سے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت علم والا بڑا حکمت والا ہے۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت کفار کی طرف چلی جائے' پھر تم تعاقب کر کے انہیں حاصل کر لو تو جن کی بیویاں چلی گئی تھیں تم ان کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو○

۱۱- ﴿ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ ﴾ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں کی طرف چلی جائے (یعنی) اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت اچانک چپکے سے کفار کی طرف نکل جائے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''وَإِنْ فَاتَكُمْ أَحَدٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ'' ہے ﴿ فَعَاقَبْتُمْ ﴾ پھر تم نے ان (کفار) کو جنگ میں سزا کے طور پر پکڑ لیا' یہاں تک کہ تم نے انہیں غنیمت میں شامل کر لیا' علامہ زجاج سے یہی منقول ہے ﴿ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا ﴾ تو جن لوگوں کی بیویاں کفار کی طرف چلی گئیں ان کو تم اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی) تم اس مال غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں مرتد ہو گئیں اور دار الحرب میں جا کر کفار سے مل گئیں' ان کی مرتدہ بیویوں کے مہروں کی رقم ادا کر دو ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾

اے عالی شان پیغمبر! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے ان (شرائط) پر بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور وہ چوری نہیں کریں گی اور وہ زنا کاری نہیں کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور وہ کسی نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا بے شک وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبروں والوں سے مایوس ہیں O

عورتوں سے بیعت لینے کا جواز اور اس کی شرائط کا بیان

۱۲- ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ اے غیب کی خبریں دینے والے عالی شان پیغمبر! (''نبی'' ''نَبَأٌ'' سے ہو تو غیب کی خبریں دینا' اور ''نَبْوٌ'' سے ہو تو بلند شان معنی ہوتا ہے) جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے بیعت ہونا چاہتی ہوں [1] [''يُبَايِعْنَكَ'' ''الْمُؤْمِنَاتُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ

[1] علامہ سید محمود آلوسی نے عورتوں سے بیعت لینے کے تین طریقے لکھے ہیں:

(۱) امام احمد' نسائی' ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اس روایت کو بیان کیا اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ (ان شرائط) پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ زنا کاری کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ اولاد کو قتل کرنے سے مراد بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا ہے (کیونکہ عرب میں اسلام سے قبل بچیوں کو زندہ دفن کرنا عزت و افتخار کا باعث تھا) ﴿ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ﴾ اور وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی۔ بہتان یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورت کسی کا نومولود بچہ اٹھا لیتی تھی اور اپنے خاوند سے کہہ دیتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں حاضر ہوئی تاکہ ہم آپ سے بیعت ہوں تو آپ نے قرآن مجید میں ان مذکورہ شرائط پر ہم سے زبانی بیعت لی اور جب آپ نے "وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ" تلاوت فرمائی تو فرمایا: تم اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ ہم اپنی استطاعت و طاقت سے جہاں تک ممکن ہو گا نیکی میں نافرمانی نہیں کریں گی' ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا محترم رسول ہم پر ہماری جانوں سے زیادہ مہربان ہیں اور ہم نے یہ عرض بھی کیا کہ "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تُصَافِحُنَا" اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے ساتھ مصافحہ (ہاتھوں سے ہاتھوں کو باہم ملانا) نہیں کریں گے" قَالَ اِنِّيْ لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ" فرمایا: بے شک میں عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرتا' میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے۔

(۲) حضرت سعید بن منصور اور حضرت ابن سعد نے امام شعبی سے روایت نقل کی' انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تو آپ کے ہاتھ مبارک پر کپڑا ہوتا جب کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے ہاتھوں کے اور عورتوں کے ہاتھوں کے درمیان قطوی بڑی چادر ہوتی تھی' جس کا ایک کونہ حضور کے ہاتھوں پر ہوتا اور دوسرا کونہ عورتوں کے ہاتھوں پر ہوتا تھا۔

(۳) حضرت ابن سعد اور ابن مردویہ نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی اور انہوں نے اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی سے بھرا پیالہ منگاتے اور اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے' پھر آپ کے ہاتھ مبارک نکالنے کے بعد عورتیں اپنے اپنے ہاتھ اس میں ڈبو دیتیں گویا یہ مصافحہ کا بدل ہے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۸۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی بیعتِ خواتین کے طریقے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ بیعت لیتے وقت مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ملاتے لیکن عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے' اس لیے کہ شارع علیہ السلام کے مقام و منصب کا تقاضا احتیاط کرنا اور امت کو تعلیم دینا ہے (ورنہ آپ تو عورتوں کے معنوی باپ تھے' آپ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن آپ نے احتیاط کی تاکہ پیرانِ عظام عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی اور اس کے علاوہ بھی اجنبی عورتوں کو اپنے قریب نہ آنے دیں) خلاصہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے بیعت لینے کو جائز اور مشروع فرمایا تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور آپ کے عمل کی وجہ سے یہ فعل سنت قرار پایا' اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ عوام کو بیعت کے وقت توبہ کراتے ہیں اور برائیوں کو ترک کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور ایمان پر ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں اور ایمان اور ایقان کی تنویر کے لیے کلمہ پڑھا کر تجدید ایمان کراتے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر روح البیان جز ۲۸ ص ۲۸۴' مترجم' مکتبہ رضویہ اویسیہ' بہاولپور)

حضرت علامہ پیر ضیاء الامت علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا' اور دھڑا دھڑ لوگ حضور ﷺ کی بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ یہ میرا بچہ تجھ سے ہوا ہے اور عورت کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے درمیان بہتان گھڑنے سے اس بچے کی طرف اشارہ ہے' جس کو عورت کہیں سے اٹھا کر اور جھوٹ بول کر اپنے خاوند کا قرار دے دیتی تھی کیونکہ عورت کا پیٹ جس میں وہ بچے کو اٹھاتی ہے' وہ دونوں ہاتھوں اور اس کی شرم گاہ کے درمیان ہوتا ہے اور وہ عورت اپنے پیٹ سے بچے کو دونوں پاؤں کے درمیان جنم دیتی ہے ﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ﴾ اور وہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی ﴿ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ﴾ سو آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا' کبھی تو زبانی ان اُمور کی پابندی کا وعدہ لیا' کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ ڈبونے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی' جن اُمور پر بیعت لی گئی' ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی' دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی' تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی' چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت وافتخار تھا' نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے' اسی میں اسقاطِ حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو' جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے' پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں' اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں' کسی کے نوزائیدہ بچے کو اُچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے' اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے' اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا' نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا' یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں' اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے' جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہر نیک کام' جس کا حضور ﷺ حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ فقہائے اسلام نے "فِي مَعْرُوفٍ" کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرماں برداری میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ "في معروف" کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور ﷺ غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے تھے' حضور ﷺ کا تو جو ارشاد بھی ہوگا وہ حق ہوگا وہ سچ ہوگا' اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا' یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور ﷺ کسی غیر معروف کا حکم دیں' یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے' جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں تو اور کون ہے' جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔ امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تا کہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔ جب افضل البشر ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے' نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی' ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا' کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۴-۲۰۵)

ان کو بیعت کرلیں اور آپ ان کی گزشتہ زندگی کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا کریں ﴿ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں کو مٹانے کے لیے بہت بخشنے والا ہے ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ (گزشتہ کفروشرک کی زندگی کے برعکس) آئندہ ایمان و توحید کی زندگی کو نئے سرے سے گزارنے کے لیے توفیق عطا فرمانے میں بے حد مہربان ہے۔

مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے دن مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا اور اس وقت آپ صفا (پہاڑ) کے اوپر تشریف فرما تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کے حکم پر آپ کی طرف سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت کی باتیں سن کر ان کو پہنچا رہے تھے اور ھند بنت عتبہ' حضرت ابوسفیان کی بیوی نقاب اوڑھے ہوئے اجنبی بن کر حاضر ہوئیں' اس خوف سے کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو پہچان نہ لیں کیونکہ اس نے آپ کے محبوب چچا جان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوۂ احد کے دن (ان کے شہید ہونے کے بعد اعضاء کاٹ کر) مثلہ کیا تھا' چنانچہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم آئندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی اور حضرت عمر نے عورتوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اور نہ وہ چوری کریں گی تو اس بات پر ھند بنت عتبہ نے کہا کہ ابوسفیان کم خرچ آدمی ہے اور میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی' اس پر حضرت ابوسفیان نے کہا کہ اب تک تم نے جو کچھ لیا ہے' وہ سب تمہارے لیے حلال ہے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہنس پڑے اور ھندہ کو پہچان لیا اور اس سے فرمایا: بے شک تم تو ھندہ ہو' اس نے کہا: جی ہاں! اے اللہ تعالیٰ کے نبی! جو اس سے پہلے غلطیاں ہو چکیں وہ سب آپ معاف فرمادیں' اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' پھر حضور نے فرمایا: اور وہ زنا کاری نہیں کریں گی' اس نے اس پر حیران ہو کر کہا کہ کیا ایک آزاد اور شریف عورت زنا کاری کرسکتی ہے؟ پھر حضور نے فرمایا: اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی' اس پر ھندہ نے کہا: ہم نے بچپن میں اولاد کی پرورش کی جب وہ بڑے ہو کر جوان ہو گئے تو آپ نے انہیں بڑا ہونے کے بعد قتل کرا دیا' سو اب تم اور وہ خوب جانتے ہیں' دراصل ھندہ کا ایک بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات سن کر بہت ہنسے' یہاں تک کہ لوٹ پوٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف مسکرائے' پھر فرمایا: اور وہ بہتان تراش کر نہیں لائیں گی' اس پر ھندہ نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان تراشی بہت بُرا کام ہے اور آپ تو ہمیں صرف رشد و ہدایت اور اچھے اخلاق اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اور وہ کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہیں کریں گی' اس پر اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کی اس مجلس میں بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں بالکل یہ خیال نہیں کہ ہم آپ کے کسی حکم کی نافرمانی کریں گی' اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت بُرے کاموں میں ہرگز جائز نہیں ہے۔[1]

۱۳- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام اسی ممانعت پر فرمایا جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا (یعنی کفار سے دوستی کی ممانعت)' بعض حضرات کا قول ہے کہ قوم سے مشرکین مکہ مراد ہیں ﴿ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں یعنی وہ آخرت کے اجر وثواب سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ وہ مرنے کے بعد کی

---

[1] رواہ احمد ج ٦ ص ۹ ۳۔ ج ۵ ص ۲۰٦' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲' نسائی ج ۸ ص ۲۴٦' وفی اسد الغابہ ج ۵ ص ۵٦۲' الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۹' الطبقات ج ۸ ص ۲۳٦

زندگی کے منکر ہیں ﴿ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ ﴾ جیسے کفار مایوس ہیں [اصل میں ''كَمَا يَئِسُوْا'' ہے مگر اسم ظاہر (الکفار) کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴾ قبروں میں رہنے والوں سے کہ یہ قبروں والے ان کی طرف واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے یا یہ معنی ہے کہ جیسے ان کے بڑے جو قبروں میں ہیں آخرت سے مایوس ہیں' یعنی یہ کفار بھی اپنے بڑوں کی طرح آخرت کے اجر وثواب سے مایوس ہو چکے ہیں اور بعض نے کہا کہ قوم سے یہود مراد ہیں یعنی اے مسلمانو! تم یہود کی قوم کو دوست مت بناؤ' بے شک وہ تو اس سے مایوس ہو چکے ہیں کہ انہیں آخرت میں اجر وثواب سے کچھ حصہ نصیب ہوگا کیونکہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض وعناد رکھتے ہیں حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں' جن کی تورات میں تعریف کی گئی ہے جیسا کہ کفار اپنے مردوں کے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھنے اور واپس لوٹ آنے سے مایوس ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ''مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ'' کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح قبروں والے کفار آخرت کی بھلائی سے مایوس ہیں کیونکہ ان کے سامنے ان کی بدحالی اور آخرت میں ان کے بُرے ٹھکانے کا بیان کر دیا گیا ہے۔

الصّف | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتہا ۱۴ رکوعہا ۲

سورۃ الصف مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی چودہ آیات' دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی' اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے○ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم عمل نہیں کرتے○ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سخت ناپسند ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو○ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں○

مسلمانوں کو قول وفعل کے تضاد سے روکنے اور جہاد کرنے کی ترغیب کا بیان

۱- ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی اور وہ سب پر غالب ہے' بہت حکمت والا ہے۔

۲- ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جہاد کا حکم ملنے سے پہلے مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال میں سے فلاں عمل پسندیدہ اور محبوب ترین ہے تو اس پر ہم ضرور عمل کریں گے' چنانچہ ان کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی تاکید کی گئی' پھر اس کے بعد کچھ مسلمانوں نے سستی اور تاخیر کا مظاہرہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی جس میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے [''لِمَ'' میں لام حرف جارہ' حرف استفہام ''مَا'' پر بڑھایا گیا ہے جیسا کہ اس کے علاوہ اس پر دیگر حروف

جارہ داخل کیے جاتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: "بِمَ' فِیْمَ" اور "مِمَّ" اور "عَمَّ" اور "اِلَامَ" اور "عَلَامَ" اور بے شک اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ "ما" اور "لام" یا اس کے علاوہ ایک چیز کی طرح ہیں' نیز استفہامیہ کلام میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا اصل استعمال بہت کم آتا ہے' جیسے شاعر نے کہا: "عَلٰی مَا قَامَ یَشْتِمُنِیْ جَرِیْرٌ" جریر کس بناء پر مجھے گالی دینے کھڑا ہوا ہے؟ اور وقف کرتے وقت اس پر ھائے سکتہ زیادہ کی جاتی ہے یا اسکان کیا جاتا ہے اور جس نے وصل کی صورت میں ساکن کیا تو وہ وقف کے قائم مقام ہونے کی بناء پر کیا]۔

٣- ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رویہ بہت سخت ناپسندیدہ اور غضب خدا کا سخت باعث ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو۔ "کَبُرَ" میں تعجب کے معنی کا قصد کیا گیا ہے اگرچہ یہ تعجب کا لفظ نہیں ہے' اس لیے اس کو تعجب من غیر لفظہ کہا جاتا ہے' اور تعجب کا معنی یہ ہے کہ سامعین کے دلوں میں تعجب والی چیز کی عظمت و بڑائی کا اظہار کیا جائے کیونکہ کسی چیز پر تعجب اس وقت ہوتا ہے جب وہ چیز اپنے نظائر و امثال اور ہم پایہ چیزوں سے خارج ہو جاتی ہے [اور یہ "کَبُرَ اَنْ تَقُوْلُوْا" کی طرف مسند ہے اور "مَقْتًا" کی نصب تمیز کی بناء پر ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لوگوں کا ایسی باتیں کہنا جن پر خود عمل پیرا نہ ہوں' سخت قابل نفرت اور ناپسندیدہ معاملہ ہے' جس میں کوئی ملاوٹ و مبالغہ نہیں اور معنی یہ ہے کہ تمہارا ایسی باتیں کہنا جن پر تمہارا خود عمل نہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابل نفرت اور شدید ناراضگی کا باعث ہیں اور لفظ "مَقْتٌ" اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ انتہائی سخت بغض و نفرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت کی بات بیان کیجئے تو اس بزرگ نے فرمایا: کیا تم لوگ مجھے حکم دیتے ہو کہ میں تمہیں کوئی ایسی بات کہہ دوں جس پر میں خود عمل نہ کرتا ہوں تو میں بہت جلد اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤں۔

٤- پھر اللہ تعالیٰ نے اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں لوگوں کو اس عمل سے آگاہ فرمایا جس کو وہ خود پسند کرتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان سے پیار کرتا ہے اور انہیں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں (یعنی اسلام کی تقویت و اشاعت میں) صف بستہ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں یعنی وہ مجاہدین ترتیب اور نظم و ضبط قائم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو صف اور قطار میں کھڑا کرنے والے ہیں ["صَفًّا" مصدر ہے اور حال کی جگہ واقع ہے] ﴿ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں یا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں' جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کرنے میں سب کی نیتیں اور ارادے اسلام کی سربلندی اور رضائے الٰہی میں مساوی اور برابر ہیں' یہاں تک کہ وہ سب کے سب ایک کلمۂ توحید میں مجتمع و متفق ہیں' جیسے ایک عمارت یا دیوار ہوتی ہے جس کے بعض حصے بعض کو مضبوط رکھتے ہیں [یہ بھی حال ہے]۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ وَاِذْ

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم یقیناً جانتے ہو کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا' اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہے' پھر جب ان کے پاس وہ رسول روشن دلائل کے ساتھ آ گئے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا جادو ہے O

یہود و نصاریٰ اور کفارِ مکہ کی مذمت اور حضور کی آمد کا اعلان

۵- ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے اذیت اور دکھ کیوں پہنچاتے ہو (یعنی) آیات کا انکار کر کے اور مجھ پر ایسے عیبوں کو الزام و بہتان لگا کر جو مجھ میں نہیں ہیں مجھے اذیت اور تکلیف و دکھ کیوں پہنچاتے ہو [''اِذْ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے' اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ'' اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا] ﴿ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾ اور بے شک تم جانتے ہو کہ میں یقیناً تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول مقرر کر کے بھیجا گیا ہوں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس منصب کو جان لینے کے بعد تم میری تعظیم و توقیر کرو' میرا ادب و احترام اور اطاعت و فرماں برداری کرو نہ یہ کہ تم مجھے اذیت اور دکھ پہنچاؤ [یہ ''لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ'' سے محلاً حال ہے] یعنی تم مجھے اذیت و دکھ کیوں پہنچاتے ہو حالانکہ تم یقیناً یقینی علم کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہو ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی اور انہوں نے حق سے روگردانی کی اور وہ دین حق سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا (یعنی) ہدایت سے پھیر دیا' یا یہ کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے ایمان کے نور کو چھین لیا' نیز جب انہوں نے کج روی کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج بنا دیا یعنی انہیں ذلیل و رسوا اور حق کی اتباع کی توفیق سے محروم کر دیا ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور فاسقوں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا' جن کے بارے میں اسے ازل سے معلوم ہے کہ وہ فاسق و فاجر اور نافرمان ہوں گے۔

٦- ﴿ وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب مریم کے بیٹے نے فرمایا: اے اولادِ یعقوب! یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''یا قوم'' نہیں فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے' اس لیے آپ کا بنی اسرائیل سے نسبی تعلق نہیں تھا اور نہ وہ لوگ آپ کی قوم ہوئے ﴿ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا

بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ﴾ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا' جس کا نام احمد ہے[1] یعنی مجھے تمہاری طرف اس حال میں بھیجا گیا ہے کہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں

---

[1] علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چند صحابہ کرام کو نجاشی کے پاس بھیجا اور حضرت ابوموسیٰ نے پورا واقعہ ذکر کیا' جس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ نجاشی نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے کہا: ''اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَاَنَّهُ الَّذِیۡ بَشَّرَ بِهٖ عِیۡسٰی'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور بے شک آپ وہی رسول ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ نیز نجاشی نے کہا: اگر اُمورِ سلطنت کی پابندی نہ ہوتی اور عوام کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نعلین برداری کی خدمت بجالاتا۔ (ابوداؤد)

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت وصفت بیان کی گئی اور اس میں آپ کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے' چنانچہ حضرت ابوداؤد مدنی نے فرمایا کہ حضور کے روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

(۳) حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے روح اللہ! کیا ہمارے بعد بھی کوئی اور امت ہے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے بعد ایک امت آئے گی جس میں بڑے بڑے حکماء' علماء' ابرار اور اتقیاء ہوں گے' گویا وہ فقہ (دستورِ اسلامی) میں انبیائے کرام علیہم السلام کے نائب ہوں گے' وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹادے گا اور میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگ میرے نقش قدم پر جمع ہوں گے اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) آپ کا نام رؤف اور رحیم بھی رکھا ہے اور احمد کے معنی میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ یہ اسم فاعل حامد سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ عزوجل کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسم مفعول محمود سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ان کے خصائل حمیدہ پر تعریف بیان کی گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومحاسن اور اخلاقِ حمیدہ سب سے زیادہ ہیں' اس لیے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر آپ کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ (تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن ج ۴ ص ۲۸۲' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

(۵) ایک مرتبہ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ حضور! آپ ہمیں اپنے بارے میں کوئی خبر سنایئے' آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے' میں تمہیں اپنی ابتداء بیان کر رہا ہوں' میں تو اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے اور چمک اٹھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۸ مترجم' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین عن عرباض بن ساریہ ص ۵۱۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

اور مجھے اس حال میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے کہ میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں اور آخری کتاب اور اس کے پہلے انبیائے کرام اور آخری نبی مکرم کی تصدیق کرنا میرا فرض ہے [حجازی ابوعمرو اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یا" (مفتوح کے ساتھ) "بَعْدِیَ" پڑھا جاتا ہے اور خلیل اور سیبویہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور "مُصَدِّقًا" اور "مُبَشِّرًا" دونوں رسول کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ اس میں ارسال کا معنی ہے] ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ پھر جب ان کے پاس حضرت عیسیٰ اور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام روشن معجزات لے کر تشریف لائے تو ﴿ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ انہوں نے کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "سَاحِرٌ" پڑھا جاتا ہے]۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اور اگر چہ کفار ناپسند کریں O وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اگر چہ مشرکین ناپسند کریں O

۷ - ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی لوگوں میں اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کا پروردگار اپنے نبی کی زبانی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے' جس میں اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی اور سعادت ہے لیکن اس ظالم نے اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگا دیا اور اس کے مقدس کلام کے بارے میں کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اس کے بندوں کو حق کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ "سحر" کا معنی جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا ہے۔

۸ - ﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ وہ لوگ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسلام کو مٹانے کے ارادہ سے قرآن مجید میں (هٰذَا سِحْرٌ) کہنے پر ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے' نیز ان کے اس حال کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے منہ سے پھونکیں مار کر سورج کے نور کو بجھانا چاہتا ہو [مفعول محذوف ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يُرِيْدُوْنَ الْكَذِبَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ" وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں تا کہ وہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں یعنی وہ اپنے جھوٹے کلام

کے ساتھ نورِ الٰہی کو بجھانا چاہتے ہیں ﴿وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کفار برُا منائیں [ابن کثیر مکی حمزہ کوفی علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں "مُتِمُّ نُوۡرِہٖ" اضافت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں "مُتِمٌّ" تنوین کے ساتھ اور "نُوۡرَہٗ" کو نصب کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نور کو پورا کرنے والا اور اس کو اس کی انتہاء تک پہنچانے والا ہے۔

۹- ﴿ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین یعنی ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا ہے ﴿لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخالف دینوں پر اسلام کو غالب کر دے یعنی اسلام کو سب پر بلند کر دے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر کے دکھادیا' چنانچہ عہد نبوی وصحابہ میں تمام دینوں میں کوئی دین باقی نہیں رہا مگر وہ دین اسلام کے سامنے مغلوب ومقہور ہو گئے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے تو اس وقت تمام روئے زمین پر صرف دینِ اسلام باقی رہ جائے گا ﴿وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ﴾ اور اگرچہ مشرکین برُا منائیں۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۰﴾
تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ
ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت پر رہنمائی کر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے ○ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ تمہیں دائمی جنتوں میں پاکیزہ مکانات عطا فرمائے گا' یہی بڑی کامیابی ہے ○

جہاد کی اہمیت وفضیلت اور دینِ حق کی مدد کرنے کا بیان

۱۰- ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ﴾ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے [ابن عامر شامی کی قراءت میں (نون مفتوح اور جیم مشدد مکسور باب تفعیل سے) "تُنَجِّیۡکُمۡ" ہے]۔

۱۱- ﴿تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ ایک الگ مستقل کلام (جملہ

مستانقہ) ہے گویا مسلمانوں نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم کیسے عمل کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''تُؤْمِنُوْنَ الخ'' اور یہ فعل سیبویہ کے نزدیک بہ معنی امر ''اٰمِنُوْا'' ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) اور اس لیے اس کا جواب (یَغْفِرْ لَكُمْ) کے ارشاد کے ساتھ دیا گیا ہے اور اس معنی کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے کہ ''اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ'' تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اور یہاں امر کی بجائے خبر کے لفظ سے فعل اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ اس کی تعمیل واجب وضروری ہے گویا صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہو چکے ہیں' اب تو اللہ تعالیٰ ان میں موجود ایمان اور جہاد کی صرف خبر سنا رہا ہے ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے یعنی جس ایمان اور جہاد کا ذکر کیا گیا ہے' یہ تمہارے مالوں سے اور تمہاری جانوں سے تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو کہ بے شک یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تو پھر اس وقت یہ تمہارے لیے بہت بہترین ثابت ہو گیا کیونکہ جب تم اس پر عمل کرو گے اور اس کی سچائی پر اعتقاد رکھو گے تو تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کی محبت سے بڑھ کر ایمان اور جہاد سے محبت کرو گے تو پھر مخلص بن جاؤ اور تم کامیاب وکامران ہو جاؤ۔

۱۲ - ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ محلات عطا فرمائے گا یعنی ہمیشہ قائم ودائم اور ثابت وباقی رہنے والی جنتوں میں' چنانچہ جب کوئی آدمی کسی مکان میں مستقل قیام پذیر اور رہائش پذیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''عَدَنَ بِالْمَكَانِ'' کہ فلاں آدمی اس مکان میں مستقل ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو گیا' اسی طرح کہا گیا ہے: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ع ۲ ۱۰

اور ایک دوسری نعمت عطا فرمائے گا جسے تم پسند کرتے ہو' (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح عنقریب حاصل ہونے والی ہے' اور آپ مسلمانوں کو خوش خبری سنا دیں ○ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی طرف میرے مددگار کون ہیں' حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار ہیں' سو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا' پھر ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد فرمائی' پس وہ غالب ہو گئے ○

۱۳- ﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا﴾ اور ایک دوسری نعمت (تمہیں عطا کی جانے والی ہے) جسے تم بہت چاہتے ہو (یعنی) آخرت میں اجر وثواب اور مغفرت وبخشش کی ملنے والی مذکورہ بالا نعمت کے ساتھ ایک اور نعمت اس دنیا میں تمہیں عطا کی جانے والی ہے جو تمہیں بہت محبوب وپسند ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتوضیح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ومدد اور فتح وکامیابی عنقریب ملنے والی ہے یعنی بہت جلد ملنے والی ہے اور وہ فتح مکہ اور قریش مکہ کے خلاف نصرت ومدد مراد ہے یا پھر فارس اور روم کی فتح مراد ہے اور ''تُحِبُّوْنَهَا'' میں دنیوی نعمت کی محبت پر کچھ زجر وتوبیخ اور ڈانٹنا بھی ہے اور صاحب کشاف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی تجارت بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے اور کیا میں تمہیں دوسری تجارت بتادوں جس کو تم بہت چاہتے اور پسند کرتے ہو' پھر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح ہے ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوش خبری سنادیں [یہ ''تُؤْمِنُوْنَ'' پر معطوف ہے کیونکہ یہ بھی فعل امر کے معنی میں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجر وثواب عطا فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور اے اللہ کے رسول! آپ مؤمنوں کو اس کی خوش خبری سنادیں [اور بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ''قُلْ'' پر معطوف ہے جو ''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ الخ'' سے پہلے مراد ہے]۔

۱٤- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ [ابو عمرو اور حجازی کی قراءت میں ''اَنْصَارًا لِلّٰهِ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ جیسا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرے مددگار کون ہیں' بہ ظاہر یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ'' کہنے پر حواری ان کے مددگار بن گئے' لیکن یہ تشبیہ معنی پر محمول ہے یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کے دین کے اس طرح مددگار بن جاؤ' جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار بن گئے' جب انہوں نے ان سے فرمایا: ''مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے لشکر میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف متوجہ ہوتا کہ یہ حواریوں کے جواب کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے: ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں یعنی ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے اور ''مَنْ اَنْصَارِيْ'' کا معنی ہے کہ وہ کون سے مددگار ہیں جو میرے ساتھ مخصوص ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے میں میرے ساتھ شامل ہو جائیں اور حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص وبرگزیدہ ساتھی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے تھے اور یہ کل بارہ (۱۲) آدمی تھے اور کسی آدمی کا حواری وہ ہوتا ہے جو خالص ومخلص ساتھی ہو اور یہ ''حَوَرْ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: خالص سفید اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر صاف ستھرا اور سفید وچمک دار کر دیتے تھے ﴿فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا ﴿وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ﴾ اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا ﴿فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ﴾ سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد کی اور ہم نے ان میں سے مسلمانوں کو کفار پر تقویت پہنچا کر غالب کر دیا ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾ پس وہ مسلمان ان کفار پر غالب ہو گئے۔

سورۃ الجمعۃ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ رکوعاتھا ۲ آیاتھا ۱۱

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی گیارہ آیات ٗ دو رکوع ہیں

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کرتا ہے جو بڑا بادشاہ ہر عیب سے پاک سب پر غالب بہت حکمت والا ہے ۝ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج دیا وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ۝ اور وہ ان میں سے اَوروں کو پاک کرتے اور تعلیم دیتے ہیں جو ابھی تک ان پہلے لوگوں سے نہیں ملے اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے ۝ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا بیان

۱- ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتی ہے جو سب کا بادشاہ ہے ٗ ہر عیب سے پاک ہے ٗ بہت غالب ہے ٗ بڑا حکمت والا ہے۔ اس تسبیح سے یا خلقی تسبیح مراد ہے یعنی جب تم ہر چیز کو غور سے دیکھو تو اس کی خلقت اور اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اس کے ہر عیب سے پاک ہونے پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے یا معرفت کی تسبیح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ایک ایسی قوت و ذہانت اور استعداد و صلاحیت اپنے فضل و کرم اور اپنی مہربانی سے پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کو پہچانتی ہے اور اسے ہر عیب سے منزہ اور پاک قرار دیتی ہے ٗ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ'' (الاسراء: ۴۴) ''اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے'' یا یہ ''ضرورۃ'' کی تسبیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر جوہر پر تسبیح کو جاری کر دیتا ہے ٗ اسے اس کی معرفت عطا کیے بغیر۔

۲- ﴿ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ایک عظیم الشان رسول انہیں میں سے بھیجا یعنی اللہ تعالیٰ نے اَن پڑھ قوم میں ایک ایسے باعظمت آدمی کو مبعوث فرمایا جو بے پڑھے علوم وحی کا رازدان ہے[1] اور بعض علماء کا قول ہے کہ ''مِنۡہُمۡ'' ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ'' (التوبہ: ۱۲۸) کی طرح ہے کہ آپ بنی

[1] علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اُمی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوع انسان میں سے ہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کے حسب ونسب کو جانتے ہیں اور آپ کے احوال سے بہ خوبی واقف ہیں اور آپ کا لقب اُمی اس لیے ہے کہ آپ اُمة العرب کی طرف منسوب ہیں کیونکہ وہ لوگ نہ لکھتے تھے اور نہ وہ پڑھتے تھے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ کتابت (لکھنا) طائف میں شروع ہوا تھا اور وہاں کے لوگ حیرہ والوں سے لکھنا سیکھتے تھے اور حیرہ والے انبار والوں سے سیکھتے تھے ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ آپ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں (یعنی) انہیں قرآن مجید پڑھ کر سناتے ہیں ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ اور آپ ان کو کفر وشرک اور جاہلیت کی دیگر خباثتوں اور گناہوں کی گندگیوں سے پاک کرتے ہیں ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ اور آپ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور آپ حکمت یعنی سنت یا دین میں فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور بے شک حضرت محمد مصطفےٰ سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے (یعنی) کفر وشرک اور جہالت کی تاریکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم ومعارف سے لبریز کر دیتا ہے تو اسے تحصیل علم کے مروّجہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ ''اِشَارَةٌ اِلٰی عَظِیْمِ قُدْرَتِہٖ عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّ اِفَاضَةَ الْعُلُوْمِ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَی الْاَسْبَابِ الْعَادِیَةِ'' اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: اُمی ولی بھی ہوسکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوارِ الٰہیہ کا القاء کیا جاتا ہے اور انہیں انوار سے وہ علومِ ربانیہ اور معارفِ لدنیہ کا ادراک کرسکتا ہے: ''وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَخَلَصَتْ رُوْحُہٗ اُفِیْضَ اِلٰی قَلْبِہٖ اَنْوَارُ اِلٰھِیَّةٍ تَھَیَّاَتْ بِھَا بِاِدْرَاکِ الْعُلُوْمِ الرَّبَّانِیَّةِ وَالْمَعَارِفِ اللَّدُنِّیَّةِ'' علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب لکھا ہے: ''لَمْ یَحْتَجْ اِلَیْہِ مَنْ کَانَ الْقَلَمُ الْاَعْلٰی یَخْدُمُہٗ وَاللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ مُصْحَفُہٗ وَمَنْظَرُہٗ وَعَدَمُ کِتَابَةٍ مَعَ عِلْمِہٖ بِھَا مُعْجِزَةٌ بَاھِرَةٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ'' یعنی قلمِ اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوحِ محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو لکھنے اور پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح اور روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے لکھا ہے:

فیض ام الکتاب پرورش لقب اُمی ازاں خدا کردش

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی رکھا ہے۔

لوحِ تعلیم ناگرفتہ بہ بر ہمہ ز اسرارِ لوح دادہ خبر

اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوحِ محفوظ کے تمام رازوں کی خبر دی ہے۔

برخط اوست انس وجاں را سر کہ نہ خواندست خط ازاں چہ حذر

انس وجن نے حضور کے خط پر اپنے سر رکھ دیئے ہیں اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھا رہے ہیں وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جب اہل نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا' کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا' پھر جو حکیمانہ کلام آپ سناتے ہیں یہ آپ کا اپنا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۱-۲۳۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ امیّین میں مبعوث ہوئے' دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں بعثت ہوئی تھی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ کثرت امت کی وجہ سے آپ کو اُمی کہا جاتا ہے' یہ اصل میں امتی ہے' پھر ''تا'' کو گرا دیا گیا جیسے مکی اور مدنی سے ''تا'' کو گرا دیا گیا ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۵)

میں مبتلا تھے یعنی وہ لوگ اتنی بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے کہ تم اس سے بڑھ کر کوئی گمراہی کبھی نہیں دیکھو گے [''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے اور اس کی دلیل لام ہے جو ''اِنْ'' نافیہ اور مخففہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے]۔

۳۔﴿ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ اور حضور ان میں سے دوسروں کو تعلیم دیتے اور پاک کرتے ہیں [''اخرین'' کا ''الامیین'' پر عطف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو امیین میں بھیجا جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور دوسروں میں مبعوث فرمایا جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے یعنی وہ دوسرے لوگ ابھی تک ان سے نہیں ملے اور عنقریب وہ ان سے ملیں گے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین ہیں یا پھر صحابہ کرام کے بعد قیامت کے دن تک آنے والے مسلمان مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ عجم کے لوگ مراد ہیں [یا یہ ''یُعَلِّمُهُمْ'' کی ضمیر مفعول منصوب پر معطوف ہے] یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل مکہ کو تعلیم دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں' اس لیے کہ جب آپ کی تعلیم مسلسل ترتیب سے آخر زمان تک جاری رہے گی تو تمام کی تعلیم اوّل ہی کی طرف منسوب ہوگی تو گویا آپ سب کے متولی ہیں ﴿ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ اور وہ سب پر غالب بڑا حکمت والا ہے' جس نے اپنی حکمتِ کاملہ کے تحت اس عظیم تبلیغی کام کے لیے ایک اُمی مرد کو مقرر فرما دیا اور اس کو تمام انسانوں میں سے منتخب کر لیا ہے اور کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لیے اپنے حبیب کی تائید فرما دی۔

٤۔﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ فضل وکرم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ اپنے زمانہ میں تمام انسانوں وغیرہم کے نبی ہیں اور قیامت تک مستقبل میں تمام انسانوں وغیرہم کے بھی آپ ہی نبی ہیں' سو یہ ﴿ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے' جس کے لیے اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے ﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۶ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع

ان لوگوں کی مثال جن کو تورات (پر عمل پیرا ہونے) کا حامل بنایا گیا' پھر انہوں نے اس (پر عمل پیرا ہونے) کا بوجھ نہ اٹھایا اس گدھے کی طرح ہے جس نے بھاری کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو' ان لوگوں کی مثال بہت زیادہ بُری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا' اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے

ہو○ اور وہ لوگ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے○ (اے محبوب!) فرمادیجئے: بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے پھر تمہیں ہر مخفی اور ظاہر چیزوں کو خوب جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس پھیرا جائے گا' سو وہ تمہیں سب بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے○

یہودیوں کی بدعقیدگی اور بدعملی پر مذمت

۵- ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ﴾ ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا (یعنی) جن کو تورات کا علم حاصل کرنا اور اس کے احکام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا مکلف و ذمہ دار بنایا گیا ﴿ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا﴾ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (یعنی) پھر انہوں نے اس کی تعلیمات و احکام پر عمل نہیں کیا تو گویا انہوں نے اسے نہیں اٹھایا ﴿کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ﴾ اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابوں کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا ہو [''اَسۡفَار''، ''سفر'' کی جمع ہے اور اس سے بڑی بڑی کتابیں اٹھانا مراد ہیں اور ''یَحۡمِلُ'' حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا صفت کی بناء پر مجرور ہے کیونکہ ''الحمار''، ''اللئیم'' کی طرح موصوف ہے جیسے شاعر کا قول ہے: ''وَلَقَدۡ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیۡمِ یَسُبُّنِیۡ'' اور بے شک میں ایک ایسے بخیل وذلیل شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے] یہودیوں کو تورات کا حامل بنایا گیا اور اس کو پڑھنے اور اس کے احکام یاد کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا' جس پر انہوں نے نہ تو عمل کیا اور نہ انہوں نے اس کی آیات سے فائدہ اٹھایا اور یہ اس لیے کہ اس تورات میں رسول اکرم نبی محترم ﷺ کی نعت اور آپ کی آمد کی بشارت مذکور تھی' لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لائے تو ان کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس پر علم کی کتب میں سے بڑی بڑی وزنی اور بھاری کتابوں کا بوجھ ڈال دیا گیا' پس وہ اس بوجھ کو اٹھا کر چلتا پھرتا ہے' لیکن اسے ان کتابوں میں سے کچھ معلوم نہیں' ماسوا اس کے کہ وہ اپنی پشت اور اپنے پہلوں پر بوجھ اٹھانے کے سبب مشقت و تکلیف برداشت کرتا ہوا چلتا رہتا ہے اور ہر وہ آدمی جس نے علم حاصل کیا اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا تو وہ بھی گدھے کی طرح ہے ﴿بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ﴾ بہت زیادہ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا' ''اَیۡ بِئۡسَ مَثَلًا مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ'' یعنی سب سے زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا' یا یہ معنی ہے کہ بہت زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جو ان ہی کی طرح جھٹلانے والے ہیں اور وہ یہودی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو جھٹلایا جو سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی تھیں ﴿وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جس وقت لوگ ظلم و ستم اختیار کر لیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس وقت ان کو ظلم کی بناء پر ہدایت عطا نہیں کرتا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کے بارے میں پہلے سے (ازل میں) اس کے علم میں ہے کہ یہ ظالم ہوں گے۔

۶-۷- ﴿قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ ہَادُوۡۤا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے وہ لوگو! جو یہودی ہو گئے ہو۔ یہ ''ھاد یھود'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی یہودی ہو جاتا ہے ﴿اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ دیگر لوگوں کے سوا صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو' کیونکہ وہ کہتے تھے: ''نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ'' (المائدہ:۱۸) ''ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں''، یعنی اگر تمہارا یہ کہنا سچ ہے اور تم یقین و اعتماد پر قائم ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمنا اور آرزو پیش کرو کہ وہ تمہیں

موت دے دے اور بہت جلد تمہیں اپنی عزت و کرامت کے گھر میں منتقل کر دے' جس کو اُس نے اپنے دوستوں اور پیاروں کے لیے تیار کر رکھا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اور وہ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی کفر و شرک کے سبب جو انہوں نے آگے بھیجا [اور حرف ''لَا'' اور حرف ''لَنْ'' کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے مگر حرف ''لَنْ'' میں تاکید اور مبالغہ ہوتا ہے جب کہ حرف ''لَا'' میں یہ چیز نہیں ہوتی' چنانچہ کبھی اس کو لفظ تاکید کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے ''وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ'' (البقرہ: ۹۵) اور کبھی لفظ تاکید کے بغیر لایا جاتا ہے جیسے ''وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ''] ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ جملہ ظالموں کے لیے وعید اور دھمکی ہے۔

۸- ﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک جس موت سے تم بھاگ رہے ہو اور تم اس کی تمنا کرنے کی جراءت نہیں کرتے ہو' محض اس خوف و ڈر سے کہ کہیں تمہیں تمہارے کفر کے وبال کی بناء پر پکڑ لیا جائے ﴿ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ﴾ تو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے [اور یہ جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس پر حرف ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''اَلَّذِیْ'' شرط کے معنی کو متضمن ہے] ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر تمہیں باطن و ظاہر ہر چیز کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا جائے گا' سو وہ تمہیں سب ایسے اعمال بتا دے گا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے اور وہ تمہیں سزا دے گا جس کے تم اہل ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور تم خرید و فروخت کو چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O پھر جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تم اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو O اور جب انہوں نے کسی تجارت یا کھیل کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور انہوں نے آپ کو کھڑا چھوڑ دیا' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہت بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O

نمازِ جمعۃ المبارک کی فرضیت و اہمیت کا بیان

۹- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے (تو فوراً حاضر ہو جاؤ)۔ ''النداء'' سے اذان مراد ہے اور ''مِنْ'' کا حرف ''اِذَا'' کا بیان اور اس کی تفسیر ہے اور

جمعۃ المبارک کا دن تمام دنوں کا سردار ہے[1]

اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ مَّاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ شَهِيْدٍ وَّوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ '' جو شخص جمعہ

[1] زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا' بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جدِ امجد حضرت کعب بن لوی اس روز قریش کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرورِ عالم ﷺ کی بعثت و آمد کی خوش خبری سناتے اور انہیں تاکید کرتے کہ وہ حضور پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں اور حضور کی نصرت و مدد میں غفلت سے کام نہ لیں' ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے:

يَالَيْتَنِيْ شَاهِدًا نَجْوٰى دَعْوَتِهٖ اِذَا قُرَيْشٌ تَبْتَغِ الْحَقَّ خُذْلَانًا

کاش! میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام ''يَوْمُ الْجُمُعَةِ'' رکھا لیکن اس نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی' اہلِ عرب اسے ''يَوْمُ الْعُرُوْبَةِ'' ہی کہتے رہے۔ حضرت کعب بن لوی اور حضور ﷺ کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے مدینہ منورہ کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا' ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن (''یوم السبت'' یعنی سنیچر) میں مل کر عبادت کرتے ہیں' اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں' ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کر لیں' اس دن چھوٹے بڑے سب مل کر اور جمع ہو کر اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں' نماز پڑھیں اور اس کا شکر ادا کریں' انہوں نے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا' چنانچہ اس روز مدینہ منورہ کے سارے مسلمان جمع ہوئے اور حضرت اسعد بن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی' یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب بن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ! ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما' چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف رہنمائی کی' ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت' ذکر اور شکر ادا کرنے کے لیے مخصوص کرنا چاہیے' دوسری چیز یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار اور نمایاں رہے' یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے ''یوم الجمعة'' ہو گیا اور اسی نام کو پھر مقبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی' پھر رحمت عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ پیر' منگل' بدھ' جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے' جب بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا اور خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی' یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمت دو عالم ﷺ نے ادا فرمایا۔ (ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۵) (نوٹ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۷۸' مطبوعہ دہلی' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴۱' تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۹۹۔ ۱۰۰' مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''جُمُعَةٌ'' کا لفظ ''جَمْعٌ'' سے مشتق ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی' چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے' چھٹا دن جمعہ کا تھا' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے' اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے' اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس وقت مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے۔ چند سطور بعد لکھتے ہیں: اس دن کو پہلے ''یوم العروبه'' کہا جاتا تھا' پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن عطا کیا گیا تھا لیکن جمعہ کے دن کی ہدایت کسی کو نہیں دی گئی' یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے دن فوت ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک شہید کا اجر وثواب لکھ دیتا ہے اور اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے[1]
﴿فَاسْعَوْا﴾ سوتم (جمعہ کی اذان سنتے ہی) فوراً چل پڑو۔ اور ایک قراءت میں ''فَاسْعَوْا'' کی بجائے ''فَامْضُوْا'' پڑھا گیا ہے اور (علم نحو کے امام) فَرَّاء نے کہا کہ ''سَعْیٌ'' اور ''مَضِیٌّ'' اور ''ذِهَابٌ'' سب کا ایک معنی ہے: جانا' تو ''فَامْضُوْا'' کا معنی ہے: پس تم چلے جاؤ۔ یہاں سعی سے دوڑ کر یا بہت جلد بازی سے جانا مراد نہیں (بلکہ پہلی اذان ہوتے ہی فوراً بغیر کسی تاخیر کے مسجد کی طرف چلے جانا چاہیے) ﴿اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف (چل پڑو) یعنی جمعۃ المبارک کے خطبہ کی طرف جاؤ اور جمہور کے نزدیک یہی مراد ہے اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے یہ استدلال کیا کہ خطیب اپنے خطبہ میں جب صرف ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پڑھنے پر اکتفاء کر لے تو یہ جائز ہے (کیونکہ اتنے کلام سے ذکر اللہ ادا ہو جاتا ہے) ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ اور تم خرید فروخت چھوڑ دو۔ امر سے مراد دنیا کے مشاغل میں سے ہر وہ شغل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے' اُسے ترک کرنا اور چھوڑنا لازم اور واجب ہے اور دنیا کے دیگر معاملات میں سے صرف بیع (یعنی خرید وفروخت) کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن میں زوال کے وقت خرید وفروخت کثرت سے ہوتی ہے' سو اس لیے ان سے فرمایا گیا کہ تم آخرت کی تجارت میں جلدی کرو اور دنیا کی تجارت اس وقت چھوڑ دو اور تم اللہ تعالیٰ کے اس ذکر کی طرف جلدی سے جاؤ جس سے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے اور تم اس خرید وفروخت کو چھوڑ دو جس کا نفع بہت کم ہے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ یعنی اذان سنتے ہی فوراً اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلے جانا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے خرید وفروخت سے بہت بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو۔

۱۰ - ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ پھر جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو تم (حصولِ رزق کے لیے) زمین میں پھیل جاؤ۔ یہ حکم اباحت واجازت کے لیے ہے (کہ کاروبار کی ممانعت پہلی اذان سے نمازِ جمعہ کی ادائیگی تک تھی) ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو یا علم کی طلب میں نکلو یا بیمار کی عیادت یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی مسلمان بھائی کی زیارت کرنے نکلو ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو' اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نمازِ جمعہ کے ادا کرنے کے لیے جو توفیق عطا فرمائی ہے' اس پر تم اس کا شکر ادا کرو ﴿لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح اور نجات حاصل کر لو۔

۱۱ - ﴿وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا﴾ اور جب انہوں نے کسی تجارت کو یا کھیل تماشا کو دیکھا تو وہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شروع بھی نہیں ہوئی تھی' نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتداء ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جمعۃ المبارک کو منتخب اور پسند فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ٦٦ مترجم ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

عارف باللہ علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

اس روز کو جمعۃ المبارک اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں نمازِ جمعہ کے لیے مساجد میں لوگوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اہل عرب نے پہلے اس کو ''یوم العروبہ'' کا نام دے رکھا تھا اور یاد رکھو کہ تمام راتوں میں افضل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات ہے' پھر شب قدر' پھر شب معراج' پھر شب عرفہ' پھر شب جمعہ' پھر شب براءت نصف شعبان کی رات' پھر شب عید۔

(تفسیر صاوی ج ۴ ص ۱۹٦' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

[1] رواہ ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ۴۱۱۳' ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۵

کی طرف دوڑ پڑے (یعنی) وہ آپ کو چھوڑ کر اس کی طرف منتشر ہو گئے اور قیام کی حالت میں ﴿وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً) اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا (اَوْ لَهْوَا) اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهِ﴾ پھر ان دونوں میں سے ایک حذف ہو گیا کیونکہ مذکور محذوف پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تجارت کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ ان لوگوں کے نزدیک بہت اہم تھی۔ مروی ہے کہ مدینہ والوں کو ایک دفعہ قحط سالی' خشک سالی اور فقر و فاقہ اور مہنگائی نے گھیر لیا اس دوران دحیہ بن خلیفہ کلبی ملک شام سے تجارت کر کے زیتون کا تیل وغیرہ لایا اور اس وقت حضور نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے (جب وہ حاضر ہوا) تو خطبہ سننے والے مسلمان اس کی طرف چلے گئے ماسوا آٹھ یا بارہ آدمیوں کے باقی سب مسجد سے باہر نکل گئے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر تمام لوگ باہر نکل جاتے تو ان پر اللہ تعالیٰ آگ برساتا' جس سے مدینہ کی ساری وادی جل جاتی۔[1] اصل میں جب کوئی سامان تجارت کا قافلہ آتا تو لوگ رسم و رواج کے مطابق ڈھول بجا کر اور تالیاں بجا کر اس کا استقبال کرتے تھے اور اس آیت مبارکہ میں ''لھو'' سے یہی مراد ہے ﴿وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا﴾ اور وہ لوگ آپ کو منبر پر کھڑا چھوڑ جاتے جب کہ آپ خطبہ سنا رہے ہوتے تھے اور یہ کلام مبارک اس بات کی دلیل ہے کہ خطیب کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کھڑے ہو کر خطبہ سنائے ﴿قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر و ثواب ہے' وہ کھیل تماشے اور سامانِ تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام رزق دینے والوں سے بہت بہتر رزق دینے والا ہے یعنی جمعہ کے وقت خرید و فروخت ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا رزق ان لوگوں سے ختم اور ضائع نہیں ہوتا کیونکہ وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

سورۃ المنافقون ٦٣ — آیاتہا ١١ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — رکوعاتہا ٢

سورۃ المنافقون مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی گیارہ آیات' دو رکوع ہیں

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①ۚ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

وقف لازم

(اے محبوب!) جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ٢٨٦

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں' اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے' سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' بے شک وہ بہت بُرے کام کر رہے ہیں○ یہ اس لیے کہ بے شک وہ زبان سے ایمان لائے' پھر دل سے کفر کیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی' پس وہ نہیں سمجھتے○ اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو اچھے لگیں گے' اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنیں گے' گویا وہ بے کار لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ لگادی گئیں' وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر گمان کرتے ہیں' وہ تو دشمن ہیں' سو آپ ان سے ہوشیار رہیں' اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے' کہاں بہکے جا رہے ہیں○

منافقوں کی منافقانہ چالوں اور ان کی دشمنی کا بیان

۱- ﴿ إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (یعنی) ان کی مراد گواہی دینا ہے حالانکہ اس میں ان کے دل ان کی زبانوں کے خلاف اور ان سے دور ہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک بات ایسی ہی ہے جس طرح ان کا یہ قول اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ''اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق لوگ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ان کے دل ان کی زبانوں کے موافق ہیں یا یہ کہ بے شک وہ گواہی میں جھوٹے ہیں کیونکہ جب گواہی دل اور زبان کی مطابقت سے خالی ہو تو وہ حقیقت میں گواہی نہیں ہوتی' پس وہ زبانی اقرار کو گواہی کا نام دینے میں جھوٹے ہیں یا یہ کہ بے شک وہ اپنے دلوں میں بھی جھوٹے ہیں کیونکہ وہ یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا ''اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہنا جھوٹ ہے اور خبر اس کے خلاف ہے جس پر مخبر عنہ کا حال ہے۔

۲- ﴿ اِتَّخَذُوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ انہوں نے قید و بند اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''اَشْهَدُ'' کہنا قسم ہے ﴿ فَصَدُّوْا ﴾ ''الناس'' ﴿ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''عن الاسلام بالتفقير والقاء الشبه'' سو انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام سے نفرت دلا کر اور شکوک و شبہات ڈال کر روک دیا ﴿ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ اپنے نفاق اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کے ذریعے بہت بُرے عمل کر رہے ہیں اور ''سَآءَ'' میں تعجب کا معنی ہے' جس سے مقصود سامعین کے نزدیک ان کے معاملہ کو بڑا خطرناک ہونا ثابت کرنا ہے۔

۳- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ''سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' میں مذکور ان کے بُرے اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ گواہی والی بات خود ان کے خلاف ہے کیونکہ تمام لوگوں میں ان کے اعمال سب سے زیادہ بدترین ہیں ﴿ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے وہ ایمان لائے' پھر کافر ہوگئے' یا ''ذٰلِكَ'' سے ان کے اوصاف بد کی طرف اشارہ ہے جو نفاق' جھوٹ اور ایمان کو چھپانے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں یعنی یہ سب کچھ اس سبب سے ہوا کہ وہ پہلے ایمان لائے یعنی انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر زبانی ایمان کا اظہار کیا اور انہوں نے تمام اعمال اسلامی اسی طرح ادا کیے' جس طرح اسلام میں داخل ایک مسلمان کرتا ہے' پھر انہوں نے کفر کیا کہ اس کے بعد ان کا کفر اس بات سے ظاہر ہوگیا کہ انہوں نے کہا: اگر جو کچھ (سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھے ہیں' اور اسی طرح کی دوسری باتیں' یا وہ مسلمانوں کے پاس ایمان کی باتیں کرتے' پھر اپنے شیاطین (سرداروں) کے پاس اسلام کا مذاق اُڑانے کے لیے کفر کی باتیں کرتے' جیسے ارشادِ

باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا'' (البقرہ:۱۴) ''اور جب منافقین مسلمانوں سے ملتے تو کہتے: ہم مسلمان ہیں' اور جب اپنے شیاطین (سرداروں) سے ملتے تو کہتے: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں' ہم صرف مذاق اُڑانے کے لیے مسلمانوں کے سامنے اقرار کرتے ہیں O ﴿فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ پھر ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' یہاں تک کہ اب ان کی منافقت کی سزا یہ ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا ﴿فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے اور نہ وہ غور وفکر کرتے ہیں' یا یہ معنی ہے کہ وہ ایمان کی صحت اور اس سچائی کو نہیں پہچانتے۔

٤۔ ﴿وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ﴾ اور جب آپ ان کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام آپ کو بھلے معلوم ہوں گے' اور اس آیت مبارکہ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا پھر ہر انسان کے لیے عام خطاب ہے ﴿وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ﴾ اور اگر وہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں سنیں گے۔ دراصل رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول جسیم و کیم' موٹا تازہ اور روشن چہرہ' چمک دار بال' فصیح و بلیغ' چرب زبان شخص تھا اور منافقین کی قوم چرب زبانی میں اسی کی مثل تھی' چنانچہ یہ لوگ جب حضور نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو اس محفل میں دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ لوگ بلند آواز' خوش شکل اور چرب زبان تھے' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے حاضرین ساتھی ان کی شکل و شباہت کو دیکھ کر تعجب کرتے اور حیران ہو جاتے اور ان کے کلام کو بڑے غور سے سنتے ﴿كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ﴾ گویا وہ لوگ جامد و خشک اور بے کار شہتیر ہیں [یہ محلاً مرفوع (مبتدا محذوف کی خبر) ہے' اصل میں ''هُمْ''، ''كَاَنَّهُمْ'' ہے یا پھر یہ مستانف کلام (الگ مستقل کلام) ہے' اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں] ﴿مُّسَنَّدَةٌ ؕ﴾ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی کی گئی۔ اس میں منافقین کو خشک اور بے کار لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور یہ لوگ ایمان اور خیر و بھلائی سے خالی اجسام ہیں' جس طرح یہ خشک و بے کار لکڑیاں جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئیں کیونکہ جب لکڑیوں سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے تو انہیں چھت میں یا دیوار وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں نفع کا گمان ہوتا ہے اور جب ان سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا تو انہیں دیوار کی طرف ٹیک لگا کر چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس لیے کہ منافقین بغیر ارواح کے لاشے ہیں اور بغیر عقول کے اجسام ہیں [ابوعمرو کی قراءت میں عباس اور علی کسائی کے علاوہ ''خُشْبٌ'' (شین ساکن) ہے اور یہ ''خُشْبَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''بُدْنَةٌ'' کی جمع ''بُدْنٌ'' ہے اور ''خُشُبٌ'' (بضمتین) ''خَشَبَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''ثَمَرَةٌ'' کی جمع ''ثُمُرٌ'' ہے] ﴿یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑتی گمان کرتے ہیں یعنی منافقین ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑنے والی گمان کرتے ہیں اور اسے اپنے لیے ضرر رساں اور نقصان دہ گمان کرتے ہیں' اپنی بزدلی و کمزوری اور خوف و ڈر کی وجہ سے یعنی جب کوئی پکارنے والا شخص لشکر میں بلند آواز سے پکارتا ہے یا کوئی جانور بھاگ جاتا ہے یا کوئی جانور گم ہو جاتا ہے تو وہ اس کے متعلق یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ انہیں پر پڑنے والا ہے [''کل صیحة'' پہلا مفعول ہے اور ''علیهم'' دوسرا مفعول ہے اور اس پر کلام تام ہو جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هُمُ الْعَدُوُّ﴾ وہ تو دشمن ہیں یعنی وہ لوگ عداوت و دشمنی میں پکے اور پورے دشمن ہیں کیونکہ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو نقصان پہنچانے اور تیری کمر توڑنے اور ذلیل و خوار کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے ﴿فَاحْذَرْهُمْ ؕ﴾ سو آپ ان سے ہوشیار رہیے اور ان کے ظاہر سے دھوکا نہ کھائیے ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ یہ ان کے خلاف دعائے ضرر ہے یا یہ مسلمانوں کے لیے تعلیم ہے کہ وہ ان کے خلاف اس جملہ کے ساتھ بددعا کریں ﴿اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾ وہ کدھر پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے کیسے پھرے جا رہے ہیں' یہ ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کیا گیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے معافی کی دعا کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیںO ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا آپ ان کے لیے مغفرت طلب نہ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا' بے شک اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتاO

عبداللہ بن ابی کا توبہ سے انکار اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخی

۵- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ آؤ! تمہارے لیے رسول اللہ معافی طلب کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں' وہ معافی مانگنے سے روگردانی کرنے اور تکبر کرنے کے لیے اپنے سروں کو ہلاتے اور انہیں مٹکاتے ہیں [نافع مدنی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "لَوَوْا" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ روگردانی کرتے ہیں (یعنی) وہ منہ پھیر لیتے ہیں ["یَصُدُّوْنَ" بہ معنی "یُعْرِضُوْنَ" ہے] ﴿وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ معذرت کرنے اور معافی مانگنے سے تکبر کرنے والے ہیں۔

شانِ نزول: حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کے ایک چشمہ مریسیع نامی کے پاس قبیلہ بنی مصطلق سے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان کو قتل کیا' پھر بعد ازاں اس چشمہ کے پانی لینے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملازم جہجاہ اور عبداللہ ابن ابی کے ساتھی سنان جہنی کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور دونوں آپس میں لڑ پڑے اور جہجاہ نے چیخ کر مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا' جب کہ سنان جہنی نے انصار کو پکارا' چنانچہ فقراء مہاجرین میں سے جعال جہجاہ کی مدد کو پہنچ گئے اور سنان کو ایک تھپڑ مار دیا' جس پر عبداللہ بن اُبی نے آ کر جعال سے کہا کہ تم غریب وفقیر ہو کر بھی ہمارے آدمی کو مارنے لگے ہو' اور پھر بکواس کرتے ہوئے کہا: ہم نے (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کی صحبت وسنگت اس لیے اختیار نہیں کی کہ ہمیں طمانچے اور تھپڑ رسید کیے جائیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! ہماری اور ان مسلمانوں کی مثال تو اس طرح ہے جس طرح کسی نے کہا ہے کہ تم اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا کر لو' وہ تمہی کو کاٹے گا' پھر اس نے ساتھیوں سے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا' اور زیادہ عزت دار سے اپنے آپ کو مراد لیا اور زیادہ ذلیل (نعوذ باللہ من ذالک) سے رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا' پھر اس نے قوم سے کہا: اگر تم جعال اور اس کے ساتھیوں پر اپنا بچا ہوا کھانا دینا بند کر دو تو وہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں' سو تم آئندہ ان لوگوں پر اپنا خرچ بند کر دو اور ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ لوگ (حضور) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اردگرد سے منتشر ہو جائیں اور اس کی یہ ساری بکواس حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لی اور یہ اس وقت جوشیلے نوجوان تھے تو انہوں نے کہا: اے عبداللہ ابن ابی! اللہ تعالیٰ کی قسم! تو ذلیل بھی ہے اور قلیل وکمتر بھی ہے' تو اپنی قوم میں بغض وکینہ ڈالنے والا ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے رحمٰن ورحیم خدا کی طرف سے معزز ترین ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی آپ کو قوت وعزت حاصل ہے۔ اس پر

عبداللہ بن ابی نے حضرت زید سے کہا: خاموش ہو جاؤ! اور چپ رہو سو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا' چنانچہ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری حقیقت حال بیان کی' جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں' مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر تو یثرب (مدینہ) میں بہت سے ناک رگڑے جائیں گے' حضرت عمر نے عرض کیا: اگر آپ اس کو کسی مہاجر سے قتل کرانا ناپسند کرتے ہیں تو آپ کسی انصاری کو حکم دیجئے' آپ نے فرمایا: یہ کیسے! تب تو لوگ باتیں بنا کر کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں' پھر حضور نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر فرمایا کہ تو نے وہ باتیں کہی ہیں جو تیرے متعلق مجھے پہنچی ہیں' اس نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا' میں نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کہی اور بے شک زید جھوٹا ہے' اور ''اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً'' سے اس کی یہی قسم والی بات مراد ہے' چنانچہ اس کے تمام ساتھی حاضرین نے کہا: عبداللہ ہمارے بزرگ اور ہمارے بڑے اور عمر رسیدہ ہیں' ان کے خلاف ایک نوجوان کی بات کی تصدیق نہ کیجئے' ممکن ہے اسے وہم ہوا ہو اور غلطی لگی ہو' پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: اے نوجوان! بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے اور منافقین کی تکذیب کی ہے' جب عبداللہ بن ابی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تیرے خلاف سخت آیات نازل ہو چکی ہیں' لہٰذا تو رسول اکرم نور مجسم نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں جا' تاکہ آپ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت و بخشش کی دعا کریں تو اس نے تکبر سے اپنا سر گھمایا اور انکار کر دیا تو یہ آیت مبارکہ ''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' نازل ہوئی اور اس کے بعد وہ چند روز زندہ رہا یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور مر گیا[1]

۶- ﴿سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے استغفار کریں یا آپ ان کے لیے استغفار نہ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یعنی جب تک وہ لوگ اپنی منافقت پر قائم رہیں گے' ان کی بخشش نہیں ہوگی اور معنی یہ ہے کہ استغفار کرنا نہ کرنا ان کے حق میں برابر ہے کیونکہ وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اپنے کفر کی وجہ سے اس کو معتبر نہیں سمجھتے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا [''اِسْتَغْفَرْتَ'' بھی پڑھا گیا' ہمزہ مفتوح استفہام کو حذف کر کے ہمزہ وصل مکسور کے ساتھ کیونکہ ''اَمْ'' معادلہ ہے جس پر درج ذیل دلالت کرتا ہے] یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر اور نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

هُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ۞ یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۞۸ ع

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں' اور

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۷' واصل القصۃ فی الصحیحین

تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور لیکن منافقین نہیں سمجھتےO وہ کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مؤمنوں ہی کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتےO

۷۔ ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور متفرق ہو کر یہاں سے چلے جائیں ﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی رزق عطا کرنے اور تقسیم کرنے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' پس وہی اپنے خزانے میں سے ان کو رزق عطا کرے گا اگرچہ اہل مدینہ ان پر خرچ کرنے سے انکار کرتے ہیں ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں سمجھتے (یعنی) عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جاہل ہیں' وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے' پس وہ وہی کچھ بکتے ہیں جو کچھ شیطان ان کے لیے آراستہ کرتا ہے۔

۸۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ وہ کہتے ہیں: اگر ہم غزوہ بنی مصطلق سے واپس مدینہ لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلت والے کو یہاں سے نکال دے گا ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ﴾ اور عزت یعنی غلبہ اور قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے اور جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے اور اسے قوت وتائید عطا فرمائے اور وہ اس کے رسول اور مسلمان ہیں اور وہی اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ ذلت ورسوائی اور اہانت شیطان کے لیے ہے اور اس کے ساتھی کفار ومنافقین کے لیے ہے۔

ایک نیک اور بزرگ خاتون سے منقول ہے کہ کسی نے اسے معمولی حالت میں اور سادہ اور پرانے لباس میں دیکھا تو کہا: کیا آپ مسلمان نہیں ہیں اور عزت وہی ہے جس کے ساتھ ذلت نہ ہو اور غناء وہی ہے جس کے ساتھ فقر وفاقہ نہ ہو۔
حضرت حسن ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ میں تکبر وغرور ہے (آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں)' فرمایا: یہ تکبر وغرور کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت اور وقار ہے' اور انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں جانتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠
وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع

رکوع ۲

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں' اور جو لوگ یہ کریں گے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہوں گےO اور ہم نے جو کچھ رزق تمہیں عطا کیا ہے تم اس میں سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے' پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی مدت اور کیوں نہیں دی' پس میں صدقہ خیرات کر لیتا اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتاO اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں

دے گا جب اس کی اجل (موت کا وقت) آ جائے گی' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خوب خبردار ہے O

ذکر الٰہی سے غفلت کی ممانعت اور موت سے پہلے صدقہ خیرات کرنے کا حکم

۹- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تمہارے اموال تمہیں (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے) غافل نہ کردیں' نہ تمہیں مشغول کردیں کہ اس میں تصرف کرنے اور اس کے اُمور کی تدبیر میں کوشاں رہنے اور اس کی ترقی و اضافے اور منافع کمانے میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ﴾ اور نہ تمہاری اولاد اور تم ان کے ساتھ مشغول و مسرور ہونے اور ان پر شفقت و مہربانی کرنے اور ان کی خوراک کے انتظام کرنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یعنی پنجگانہ نمازوں سے یا قرآن مجید سے (غافل نہ ہو جاؤ) ﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ﴾ اور جو یہ کام کریں گے' اس سے مراد دین سے غافل ہو کر دنیا میں مشغول ہو جانا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو اپنی اولاد کی اخروی اصلاح سے غافل ہو کر اپنے اموال کے بڑھانے میں اور اس کے احوال کی تدبیر کرنے میں اور اپنی اولاد کی خوشنودی میں مشغول ہو جائے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ سو یہی لوگ اپنی تجارت میں نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے فانی کے عوض میں باقی کو فروخت کر دیا۔

۱۰- ﴿ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ اور ہم نے تمہیں جو کچھ رزق عطا کیا ہے' تم اس میں سے کچھ خرچ کرو [حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] خرچ سے واجب و لازمی صدقہ مراد ہے ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے یعنی موت کے دلائل اور علامات دیکھنے سے پہلے اور اس مہلت کا مشاہدہ کرنے سے پہلے جس کے ساتھ مایوسی آ جاتی ہے اور مرنے والے پر خرچ کرنا مشکل ہو جاتا ہے ﴿ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ ﴾ پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے مہلت کیوں نہیں دی (یعنی) آپ نے میری موت کو مؤخر کیوں نہیں کیا ﴿ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ ﴾ نزدیک مدت تک یعنی قلیل زمانہ تک اور تھوڑے عرصہ کے لیے ﴿ فَاَصَّدَّقَ ﴾ تو میں صدقہ خیرات کر لیتا [یہ اصل میں ''فَاَتَصَدَّقَ'' ہے اور یہ ''لولا'' کا جواب ہے] ﴿ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا یعنی میں مؤمنین و مسلمین میں سے ہو جاتا کیونکہ یہ آیات مؤمنوں کے حق میں ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں [ابوعمرو کی قراءت میں لفظ پر عطف کر کے منصوب ''اَكُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''فَاَصَّدَّقَ'' کے محل پر عطف کر کے جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے' گویا کہا گیا: ''اِنْ اَخَّرْتَنِیْ اَصَّدَّقْ وَاَكُنْ''].

۱۱- ﴿ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو موت سے ہرگز مہلت نہیں دے گا' جب اس کا مقرر وقت آ جائے گا جو لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے ﴿ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ موت کا اپنے وقت سے مؤخر ہونا ناممکن ہے' اس کے لیے کوئی راہ ممکن نہیں' یہ لازماً آنی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے' سو وہ ان پر ضرور بدلہ دے گا' واجبات وغیرہ ترک کرنے پر' تو اب واجبات سے عہدہ برا ہونے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کے لیے جلد از جلد تیاری کرنی ضروری ہے [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ''یَعْمَلُوْنَ'' ہے]۔

سورۃ التغابن مدنیۃ — آیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ التغابن مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی اٹھارہ آیات' دو رکوع ہیں

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ③ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتے ہیں' اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' سو تم میں سے کچھ کافر ہیں اور تم میں سے کچھ مسلمان ہیں' اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے○ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت حسین صورتیں بنائیں' اور اسی کی طرف لوٹنا ہے○ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تخلیق اور وسعتِ علم کا بیان

نوٹ: اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور سلطنت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر زبردست قادر ہے۔ دونوں ظرفوں کو مقدم کیا گیا ہے تا کہ ان کی تقدیم اللہ عزوجل کے ساتھ سلطنت و بادشاہت اور تمام اقسام کے محامد کی تخصیص پر دلالت و رہنمائی کرے اور یہ اس لیے کہ سلطنت و بادشاہت درحقیقت اسی کی ہے کیونکہ وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کو قائم و باقی رکھنے والا ہے اور اسی طرح حمد و ثناء کا حال ہے' اس لیے کہ تمام بڑی اور چھوٹی نعمتیں اور اسی طرح نعمتوں کے تمام اصول اور فروع اسی کی طرف سے عنایت ہوتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی بادشاہت تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح غیر کی حمد و ثناء اس اعتبار پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے ہاتھ پر جاری و ساری ہوگئی ہے۔

۲- ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں یعنی پس تم میں سے بعض کفر لانے والے ہیں اور اسی کو اختیار کرنے والے اور

اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں اور تم میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں اور اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں' جس پر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت ورہنمائی کر رہا ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کفر اور تمہارے ایمان کو خوب دیکھنے والا اور خوب جاننے والا ہے جو تمہارے اعمال میں سے دو عمل ہیں اور معنی یہ ہے: ''هُوَ الَّذِىْ'' وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی بنیادی نعمتوں کے ذریعے تم پر احسان فرمایا اور اس نے عدم ونیست اور نہ ہونے سے تمہیں پیدا کر کے اور ایجاد کر کے وجود اور ہستی بخشی' لہٰذا تم پر واجب و لازم ہے کہ تم سب مل کر شکر ادا کرو' سو تمہیں کیا ہوا کہ تم مختلف امتوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے' چنانچہ تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا ذکر پہلے اس لیے کیا ہے کہ انسانوں پر کفر غالب ہے اور ان میں اکثر وبیشتر کافر ہوتے ہیں اور اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو گئی' جو کہتے ہیں کہ ان دو درجوں (کافر اور مؤمن) کے درمیان ایک اور درجہ بھی ہے (کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ کافر اور نہ مؤمن حالانکہ یہ غلط ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے' پھر تم میں سے بعض نے اپنے خالق کی تخلیق کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ دہریہ ہیں اور تم میں سے بعض اپنے خالق کی تخلیق پر ایمان لے آئے۔

۳- ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (یعنی) زبردست حکمت ودانائی کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مکلفین (فرشتوں' انسانوں اور جنوں) کے لیے قرارگاہ' پناہ گاہ اور مسکن ورہائش گاہ بنا دیا' تاکہ یہ تمام مکلفین ان میں رہ کر عمل کریں' پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ خیر وشر کے مطابق جزا اور سزا دے ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت بہترین صورتیں بنائیں یعنی تمہیں تمام جان داروں میں حسین وجمیل اور بہترین وخوب صورت بنایا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی عقل مند انسان کبھی یہ تمنا اور آرزو نہیں کرتا کہ اپنی موجودہ صورت کے برعکس دیگر جان داروں میں سے کسی کی صورت پر ہوتا اور انسان کے حسنِ صورت میں سے ایک حسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا سیدھا قد' مناسب اعضاء اور معتدل جسم بنایا' جھکا ہوا' ٹیڑھا اور کبڑا نہیں بنایا اور باقی جس قدر جان دار ہیں ان کی صورتیں مختلف بنائیں (جیسے اونٹ' گھوڑا' بیل' بھیڑ' بکری اور دیگر جانور وحشرات الارض) اور انسان کی بہ نسبت دیگر جانوروں کو قبیح اور بدصورت بنایا' البتہ انسان میں قباحت نہیں رکھی لیکن انسان کے حسن وجمال کے مختلف طبقات ہیں' سو اس لیے کم درجہ کا حسن رکھنے والا زیادہ حسین وجمیل کے مقابلہ میں خوب صورت نہیں لگتا' لیکن وہ حسن وجمال کی حد سے بالکل خارج نہیں ہوتا اور حکماء اور دانشوروں نے کہا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں' ایک حسن ہے دوسرا بیان ہے ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور سب نے اسی کی طرف واپس لوٹ جانا ہے' سو تم اپنے باطنوں اور اندرونی حالات کو اور اپنی نیتوں اور اپنی سوچوں کو درست کرو' جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب صورت اور درست پیدا فرمایا۔

٤- ﴿يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہے' پھر اپنے تمام بندوں کے تمام ظاہر وباطن کے اعمال واسرار کو خوب جانتا ہے' پھر وہ دلوں کے تمام پوشیدہ ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک تمام کلیات اور تمام جزئیات میں سے کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے' پس یہ اسی کا حق ہے کہ اس سے ڈرا

جائے اور اس کی گرفت سے بچا جائے اور اس کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف جرأت نہ کی جائے اور علم کا تکرار وعید و دھمکی کے تکرار کے معنی میں ہے اور ارشاد ''فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ'' کے بعد جو کچھ ذکر کیا گیا ہے' وہ کفر پر وعید کے معنی میں ہے اور خالق کی معصیت و نافرمانی اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ٘ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا٘ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞٦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞٧ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞٨

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا' سو انہوں نے اپنے کفر کی سزا (دنیا میں بھی) چکھ لی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آیا کرتے تھے تو وہ کہہ دیتے کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے' سو انہوں نے کفر کیا اور انہوں نے منہ پھیر لیے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز رہا' اور اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے O کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ مرنے کے بعد انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا' آپ فرمایئے کہ کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا' پھر تمہیں ضرور بہ ضرور وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا' اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے O پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے O

کفارِ مکہ کو تنبیہ کے ساتھ ایمان کی دعوت اور حشر برپا کرنے کی حکمت کا بیان

٥- ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبر نہیں آئی۔ یہ کفارِ مکہ کے لیے خطاب ہے یعنی اے کفارِ مکہ! کیا تمہارے پاس حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی نافرمان قوموں کی خبر نہیں آئی ﴿ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ﴾ سو انہوں نے اپنے کام کی سزا کو چکھ لیا یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے کفر کے وبال کا مزہ چکھ لیا ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

٦- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ اس مذکورہ بالا وبال کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے دنیا میں چکھا اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کو آخرت میں دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے ﴿ بِاَنَّهٗ ﴾ اس لیے کہ بے شک شان اور بات یہ ہے کہ ﴿ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آتے رہے ﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ﴾ سو انہوں نے کہا کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے' انہوں نے بشر کے لیے رسالت کا انکار کیا لیکن پتھروں کے لیے عبادت کا انکار نہیں کیا ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا ﴾ پس انہوں نے رسولوں کا انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا ﴿ وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس میں تخصیص نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ کس چیز میں بے پرواہ ہے بلکہ مطلق ذکر فرمایا تا کہ یہ کلامِ مقدس

تمام چیزوں کو شامل ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اور ان تمام چیزوں میں کفار کے ایمان وعبادت اور ان کی اطاعت سے بے نیاز ہونا بھی شامل ہے ﴿ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿ حَمِيْدٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات پر اس کی تعریف کی گئی۔

۷-﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ کافروں نے گمان کیا یعنی اہل مکہ کا گمان ہے اور ''زعم'' کا معنی ہے: علم کا دعویٰ کرنا [اور یہ اس طرح متعدی ہوتا ہے جس طرح علم متعدی ہوتا ہے] ﴿ اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ﴾ کہ انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا [''اَنْ'' (جو اصل میں ''اَنَّ'' ثقیلہ سے مخففہ ہے) اس کے ساتھ جو اس کے حیز میں ہے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَنَّهُمْ لَنْ يُّبْعَثُوْا'' ہے] ﴿ قُلْ بَلٰى ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیوں نہیں اس میں ''بَلٰى'' حرف ''لَنْ'' کے بعد کے لیے اثبات ہے اور وہ ہے: مرنے کے بعد اٹھایا جانا ﴿ وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ﴾ اور میرے رب تعالیٰ کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ اس خبر کو قسم کے ساتھ پختہ کیا گیا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس چیز پر قسم کھانے کا کیا فائدہ جس کا انہوں نے انکار کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ مؤکد چیز سے ڈرانا دل میں زیادہ تاثیر پیدا کرتا ہے تو گویا ان سے فرمایا گیا کہ تم اس چیز کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے ہر حال میں ہونا ہوتا ہے ﴿ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ ﴾ پھر تمہیں ضرور بہ ضرور آگاہ کر دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے تھے اور یہ یعنی مرنے کے بعد اٹھانا ﴿ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

۸-﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لے آؤ ﴿ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ﴾ اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید پر کیونکہ یہ ہر چیز کی حقیقت کو کھول کر بیان کرتا ہے سو اس سے اس طرح ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور سے ہدایت حاصل ہوتی ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے سو تم اپنے معاملات کو درست رکھو۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩

جس دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ (کفار کے لیے) ہار کا دن ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں مٹا دے گا اور انہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے○

۹-﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں جمع فرمائے گا [ظرف ''لَتُنَبَّؤُنَّ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اُذْكُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ﴾ جمع ہونے کے دن جس میں اگلے اور پچھلے سب لوگ جمع کیے جائیں گے

﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ یہ کفار کی شکست کا دن ہوگا اور یہ ''تَغَابَنَ الْقَوْمُ فِي التِّجَارَةِ'' (کہ قوم نے تجارت میں نقصان اٹھایا) سے مستعار ہے اور وہ یہ کہ ایک دوسرے کو نقصان دینا (اور کفار کا نقصان اور ہار یہ ہوگی کہ) کفار بدبختوں کے وہ تمام جنتی مکانات نیک بخت جنتیوں کو دے دیئے جائیں گے' جن میں کفار رہتے اگر وہ نیک بخت ہوتے اور نیک بختوں کے وہ تمام دوزخی مکانات بدبخت کفار کو دیئے جائیں گے' جن میں نیک بخت رہتے' اگر وہ دنیا میں بدبخت بن جاتے' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور ''یوم التغابن'' کا معنی جب کہ لوگ اس دن کے علاوہ دنیا میں ایک دوسرے سے غبن کرتے ہیں' صرف یہ ہے کہ ''یوم التغابن'' کی اہمیت اور اس کی عظمت و بڑائی بیان کرنے کے لیے یہ کہا گیا ہے' نیز یہ بتانے کے لیے کہ حقیقی اور اصلی غبن تو قیامت کے دن کا غبن ہے نہ کہ دنیا کے اُمور میں غبن کرنا ﴿ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور وہ نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی تمام بُرائیاں مٹا دے گا [''صَالِحًا'' مصدر کی صفت ہے' اصل میں ''عَمَلًا صَالِحًا'' ہے] ﴿ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعلوں میں نون کے ساتھ ''نُكَفِّرْ'' اور ''نُدْخِلْهُ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰- ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بدترین ٹھکانا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو' سو اگر تم پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے O اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے O

مصیبت پر مؤمن کی مدد اور اطاعت و توکل کا حکم

۱۱- ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ ﴾ کوئی مصیبت کسی کو نہیں پہنچتی جیسے تنگ دستی و سختی اور پریشانی اور بیماری اور بیوی بچوں میں سے کسی کی موت یا کسی ایسی چیز کا ضائع ہو جانا جو غم اور پریشانی کو لاحق کر دے' ان میں سے کوئی تکلیف کسی شخص کو نہیں پہنچتی ﴿ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم' اس کے علم اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے سے پہنچتی ہے' گویا اللہ تعالیٰ مصیبت کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کو پہنچ (تو تب وہ پہنچتی ہے) ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مصیبت کے وقت اپنی طرف رجوع کرنے کی ہدایت و رہنمائی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ

مؤمن کہتا ہے: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَO'' (البقرہ:۱۵٦) ''بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس لوٹ جانے والے ہیںO'' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت مؤمن کے دل کو پہلے سے زیادہ عبادت واطاعت اور بھلائی کے کاموں کے لیے کھول دیتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل کی رہنمائی کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ کامل یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اسے جو مصیبت پہنچ چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے اسے بچالیا گیا ہے وہ کبھی اسے نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر کرے اور اگر اسے کوئی نعمت عطا کی جائے تو اس پر شکر ادا کرے اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ معاف کر دے اور بخش دے ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۲- ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو' سو اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرنے سے پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی آپ پر صرف احکام کی تبلیغ فرض ہے اور آپ نے اسے پورا کر دیا ہے۔

۱۳- ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور دیگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کے خلاف مدد فرمائے جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ سے روگردانی کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں' سو تم ان سے ہوشیار رہو' اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں' اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہےO

بیوی بچوں کی دشمنی سے ہوشیار رہنے اور اولاد کی آزمائش میں پورا اترنے کا بیان

۱٤- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ ﴾ اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں یعنی بے شک تمہاری بیویوں میں سے بعض بیویاں اپنے شوہروں سے عداوت ودشمنی کرتی ہیں اور ان سے جھگڑتی اور لڑتی ہیں' کہنا نہیں مانتیں اور اسی طرح اولاد میں سے بعض اولاد اپنے ماں باپ سے عداوت ودشمنی رکھتی ہے اور ان کی نافرمانی کرتی ہے ﴿ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ ﴾ سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ [اس کی ''ھم'' ضمیر ''عدو'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی تم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہو' یا یہ ضمیر ازواج اور اولاد سب کی طرف لوٹتی ہے] یعنی تم اپنی بعض دشمن بیویوں اور اپنی بعض دشمن اولاد سے ہوشیار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ عداوت ودشمنی

سے خالی نہیں ہیں تو تم ان سے بچو اور ان سے محتاط رہو اور ان کی دشمنی اور ان کی شرارت سے بے خوف نہ ہو جاؤ ﴿ وَاِنْ تَعْفُوْا ﴾ اور اگر تم ان کو معاف کر دو جب تم ان کی عداوت و دشمنی سے آگاہ ہو جاؤ اور تم ان کی طرح دشمن بن کر ان کا مقابلہ نہ کرو ﴿ وَتَصْفَحُوْا ﴾ اور تم درگزر کر و' ان کو ڈانٹنے اور ڈرانے دھمکانے سے اعراض کر لو ﴿ وَتَغْفِرُوْا ﴾ اور تم ان کے گناہوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے انہیں بخش دو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے وہ تمہیں بخش دے گا اور تمہاری بُرائیاں مٹا دے گا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب بعض مکی مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے انہیں روک لیا اور کہا: تم چلے جاؤ گے اور ہمیں ضائع کر دو گے جس کی وجہ سے ان کے دل بیوی بچوں کے لیے نرم ہو گئے اور وہ ہجرت سے رُک گئے' پھر جب کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں پہنچے اور انہوں نے ان لوگوں کو دیکھا جو ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ کر دین میں مہارت حاصل کر چکے ہیں تو انہیں پہلی دفعہ ہجرت نہ کرنے پر افسوس ہوا اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو سزا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں عفو و درگزر کرنے اور معاف کر دینے کو مزین و آراستہ کر دیا۔

۱۵ - ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں (یعنی) امتحان و آزمائش اور جانچ ہیں کیونکہ یہ اموال اور اولاد آدمی کو گناہوں میں ڈال دیتے ہیں (ان کی خوش حالی کے لیے رشوت' سود اور دیگر بے ایمانیاں کی جاتی ہیں) اور انہیں کی وجہ سے آدمی سزائیں اور مصیبتیں جھیلتا ہے اور ان سے بڑھ کر کوئی آزمائش نہیں ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی آخرت میں اور یہ تمہارے اموال اور اولاد سے بہت بڑا منافع ہے اور یہاں حرف ''مِنْ'' داخل نہیں کیا گیا جیسا کہ عداوت میں داخل کیا گیا کیونکہ تمام مال اور تمام اولاد آزمائش اور امتحان ہیں' اس سے کوئی مال اور بچہ خالی نہیں ہے' انہیں کی وجہ سے دل دنیا میں مشغول رہتا ہے لیکن بعض بیویاں اور بعض اولاد عداوت سے خالی اور بَری ہوتی ہیں' ان میں کوئی عداوت و دشمنی نہیں ہوتی بلکہ محبت ہوتی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور غور سے سنو اور اطاعت کرو اور (نیک کاموں میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے' اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اگر اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لیے کئی گناہ بڑھا دے گا اور وہ تمہیں بخش دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت قدردان بے حد حلم والا ہے O وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر کا خوب جاننے والا سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہے O

خوف و اطاعت کا حکم اور راہِ خدا میں خرچ کرنے اور قرضِ حسنہ دینے کی ترغیب

۱٦ - ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ تم اپنی پوری جدوجہد اور محنت و وسعت خوفِ خدا میں صرف کر دو۔ بعض حضرات نے کہا: یہ ''حَقَّ تُقَاتِهٖ'' کی تفسیر ہے ﴿ وَاسْمَعُوْا ﴾ اور تمہیں جو

نصیحت کی جائے اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو ﴿ وَاَطِیْعُوْا ﴾ اور تم اطاعت کیا کرو (یعنی) جس کا تمہیں حکم دیا جائے اسے بجالاؤ اور اس پر عمل کرو اور جس سے تمہیں منع کیا جائے اس سے تم رُک جاؤ اور اس سے باز آ جاؤ ﴿ وَاَنْفِقُوْا ﴾ اور تم اپنا مال ان جگہوں میں خرچ کرو جہاں خرچ کرنا تم پر واجب ہے ﴿ خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ﴾ ''اَیْ اِنْفَاقًا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ'' یعنی یہ خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور امام کسائی نے کہا: ''یَکُنِ الْاِنْفَاقُ خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ'' ہے یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ثابت ہوگا اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی مقدر عبارت یہ ہے: ''اِئْتُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ'' تم اپنی بھلائی کے لیے راہِ خدا میں دو اور تم وہ کام کرو جو تمہارے لیے بہتر ہو یہ احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ترغیب دینے کی تاکید ہے کیونکہ یہ اوامر و احکام تمہارے لیے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد سے بہت بہتر ہیں اور تم جس دنیا کی خوب صورتیوں اور شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی محبت و چاہت پر قائم ہو ان سے یہ اوامر بہتر ہیں ﴿ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ ﴾ اور جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچالیا گیا ہے یعنی صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بخل سے بچالیا گیا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ تو یہی لوگ فلاح اور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کو صحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ قرضِ حسنہ دو گے' اور قرض کا ذکر دعوتِ خیر دینے میں محض محبت و پیار اور لطف و کرم کے لیے ہے ﴿ یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے کئی گنا بڑھا کر عنایت فرمائے گا (یعنی) تمہارے لیے کسی ایک چیز کے خرچ کرنے پر دس نیکیاں لکھی جائیں گی یا سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی' آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ مزید دینا چاہے گا ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان ہے' وہ تھوڑا عمل بھی قبول فرمالیتا ہے اور وہ اجر و ثواب بہت عطا فرماتا ہے ﴿ حَلِیْمٌ ﴾ بڑا حلم والا بردبار ہے' وہ بخیل کے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دیتا ہے یا یہ معنی ہے کہ صدقہ دینے والے کے صدقہ کو کئی گنا بڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے اور صدقہ خیرات نہ دینے والے کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

۱۸- ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ ﴾ وہ غیب دان ہے یعنی وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتا ہے ﴿ وَالشَّهَادَةِ ﴾ اور ظاہر کا جاننے والا ہے یعنی حالات و واقعات کے ظواہر جو ہر طرف منتشر ہیں سب کو جانتا ہے ﴿ الْعَزِیْزُ ﴾ سب پر غالب و عزت دار ہے' اور وہ مال و دولت دینے والوں کی عطائیں اور بخششیں ظاہر فرما کر انہیں عزت دینے والا ہے ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ اور وہ بہت بڑا حکمت والا ہے۔

آیاتہا ۱۲ رکوعاتہا ۲	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	سورۃ الطلاق مدنیۃ

سورۃ الطلاق مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی بارہ آیات' دو رکوع ہیں

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے نبی! (اور اے مسلمانو!) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو؛ تم (عدت کے دوران) انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں ماسوا اس کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، تمہیں معلوم نہیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نیا حکم جاری کر دے O

طلاقِ رجعی اور تقویٰ کی فضیلت کا بیان

۱- ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ اے نبی! اور مسلمانو! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو۔ اس آیت مبارکہ میں نداء کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کو مختص کیا گیا ہے اور خطاب تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے کیونکہ نبی اپنی امت کا امام اور اس کا پیشوا ہوتا ہے جیسا کہ قوم کے سردار سے کہا جاتا ہے: ''یَا فُلَانُ اِفْعَلُوْا کَذَا'' اے فلاں! تم اس طرح کرو؛ آپ کے تقدم واوّلیت کے اظہار کے لیے اور آپ کی سیادت کے اعتبار کے لیے آپ کو نداء کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور بے شک آپ اپنی قوم کے رہبر ورہنما اور قائد ہیں سو اس لیے آپ اکیلے تمام مسلمین کے حکم میں ہیں اور سب کے قائم مقام ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ) وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' اور ''اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ'' کا معنی ہے: ''اِذَا اَرَدْتُّمْ تَطْلِیْقَهُنَّ'' جب ان کو طلاق دینا چاہو۔ یہ عنقریب کام کرنے والے کو اس میں شروع کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے، جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ''[1] جو مجاہد کسی مقتول (عنقریب قتل ہو کر مقتول ہونے والے) کو قتل کرے گا تو اس کا سلب شدہ مال واسباب اسی مجاہد کے لیے ہو گا اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ نماز کی طرف چل کر جانے والا اور اس کا انتظار کرنے والا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ سو تم ان کو عدت کے وقت طلاق دو (یعنی) پس تم انہیں عدت شروع ہونے سے پہلے طلاق دو (کیونکہ عدت تین حیض ہوتی ہے اور جب حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے گی تو حیض سے عدت شروع ہو گی) اور رسول اللہ ﷺ کی ایک قراءت میں ''فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ'' ہے اور جب عورت کو اس کے تین حیضوں میں سے اوّل حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تو بلاشبہ اسے عدت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مقصد یہ ہے کہ حیض کے ساتھ عدت گزارنے والی مدخولہ خواتین کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ان سے جماع نہ کیا گیا ہو؛ پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور یہ احسن طلاق ہے یعنی سب سے بہترین طلاق ہے ﴿ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾ اور تم عدت کو شمار کرو؛ اس کو اچھی طرح یاد رکھو اور تم اس کے لیے طلاق کے بعد آنے والے کامل تین حیض مکمل کرو؛ ان میں ذرہ بھر کمی نہ ہو اور عورتوں کی غفلت کی وجہ سے مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ ﴾ اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو؛ ان کو باہر نہ نکالو یہاں تک کہ وہ اپنی عدت ختم کر لیں ﴿ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ ﴾ ان کے گھروں اور ان کی رہائش گاہوں سے جن میں وہ عدت سے پہلے رہائش پذیر تھیں اور وہ ان کے شوہروں کے گھر مراد ہیں اور ان گھروں کو ان عورتوں کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ رہائش کے اعتبار سے وہ مکانات انہیں کے ساتھ مختص ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عدت گزارنے کے لیے عورتوں کو گھر میں رہائش دینا خاوند پر واجب ہے؛ چنانچہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہو گا، پھر وہ اس آدمی کے ایسے گھر میں داخل ہو جائے جس میں وہ آدمی صرف رہائش پذیر ہو اور اس کا مالک نہ ہو تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی (اور اسے کفارہ دینا پڑے گا کیونکہ اعتبار ملکیت کا نہیں صرف سکونت کا ہے) اور گھر سے

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۱۴۔ ۱۹۰۔ ۲۷۹، البخاری رقم الحدیث: ۳۰۵۱، مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۹

باہر نکالنے کا معنی یہ ہے کہ شوہر اس سے ناراض ہو کر اور اسے اپنے گھر میں ٹھہرانے کو ناپسند و ناگوار قرار دے کر یا اپنی کسی حاجت کی بناء پر اپنے گھر سے دوسری رہائش گاہوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے نہ نکالے محض یہ بتانے کے لیے طلاق کے بعد اب شوہر کی اجازت کسی ممانعت کے ختم کرنے میں مؤثر نہیں رہی ﴿ وَلَا يَخْرُجْنَ ﴾ اور وہ مطلقہ عورتیں خود بھی ان گھروں سے باہر نہ نکلیں اگرچہ وہ نکلنا چاہتی ہوں ﴿ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ﴾ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلم کھلا برائی کر لیں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ زنا کاری کریں یعنی مگر یہ کہ وہ زنا کاری کا ارتکاب کر لیں تو ان پر حد قائم کرنے کے لیے انہیں گھروں سے نکالا جائے گا اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا اپنے گھر سے باہر نکلنا بذاتِ خود بے حیائی اور گناہ ہے ﴿ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں یعنی مذکورہ بالا احکام حدودِ الٰہیہ ہیں ﴿ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ﴿ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴾ اے مخاطب! تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ شوہر کے دل کو اپنی مطلقہ بیوی سے بغض رکھنے کے بعد اس کی محبت میں تبدیل کر دے اور اس کی نفرت کو محبت و رغبت میں تبدیل کر دے اور طلاق کے ارادے کی بجائے اس پر ندامت و شرمندگی پیدا کر دے سو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لے اور تمہیں اپنی عورتوں کو عدت کے قریب طلاق دینے اور ان کی عدت شمار کرنے اور ان کو گھروں سے نہ نکالنے کے احکام دینے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ تا کہ تم اپنے فعل پر نادم و شرمندہ ہو جاؤ اور اپنی مطلقہ بیویوں سے دوبارہ رجوع کر لو۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾

پھر جب وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں تو تم انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور تم اپنوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو اور تم گواہی کو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم کرو' یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے O اور وہ اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اسے کافی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے تقدیر مقرر فرما دی ہے O

۲'۳۔ ﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ﴾ پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچنے لگیں یعنی وہ اپنی عدت کے آخر کے قریب پہنچ جائیں ﴿ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴾ تو تم ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو

یعنی تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو رجوع کر لو اور بھلائی اور نیکی کے جذبے کے تحت انہیں اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو رجوع ترک کر دو اور انہیں چھوڑ دو اور تم انہیں ضرر اور نقصان پہنچانے سے پرہیز کرو اور وہ یہ ہے کہ خاوند عدت کے آخر میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لے' پھر اس کی عدت کو طویل اور دراز کرنے کے لیے اور اسے تکلیف پہنچانے کے لیے طلاق دے دے ﴿ وَّاَشْهِدُوْا ﴾ اور تم گواہ بنا لو یعنی اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے اور الگ کرنے کے دونوں وقتوں میں گواہ بنا لو تا کہ بعد ازاں میاں بیوی کے درمیان باہمی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے اور مرد کے لیے گواہ بنا لینا مستحب عمل ہے ﴿ ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ اپنوں میں سے دو عادل گواہ یعنی مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں ﴿ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی قائم کرو (یعنی) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے گواہی دو' اور وہ یہ ہے کہ گواہی دینے والے گواہی کو نہ اس شخص کے لیے ادا کریں جس کے لیے دی جائے گی اور نہ اس شخص کے لیے جس کے خلاف گواہی دی جائے گی اور نہ دیگر اغراض میں سے کسی غرض کے لیے ادا کریں بلکہ محض حق کو قائم کرنے اور ظلم کو دفع کرنے کی نیت سے گواہی ادا کریں ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ (یعنی) انصاف قائم کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے گواہی کو قائم کرنے کی ترغیب دینا ﴿ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اس کی نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اس نصیحت سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے [یہ جملہ معترضہ ہے جو سنت طلاق کے اجراء کا معاملہ گزر چکا ہے' اس کی تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر رکھتا ہے' وہ سنت کے مطابق طلاق دے اور عدت گزارنے والی عورت کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچائے اور نہ اس کو اس کی رہائش گاہ سے نکالے اور احتیاط کرے' پھر رجوع یا فرقت کے وقت گواہ مقرر کر لے ﴿ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ تو اللہ تعالیٰ شوہروں کے متعلق آنے والے غموں اور مشکلات اور تنگیوں میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے نجات کی کوئی راہ نکال دے گا اور وہ اس سے غموں اور تکلیفوں کو دور کر دے گا اور اسے نجات و خلاصی عطا فرمائے گا ﴿ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کے دل میں کبھی خیال پیدا نہیں ہوگا اور نہ کبھی اس نے گمان کیا ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ارشادِ باری تعالیٰ ''ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ'' کے ذکر کے ساتھ شامل کیا جائے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت کے غموں سے خلاصی اور نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقین کو دنیا کے شکوک و شبہات سے نجات دیتا ہے اور موت کی سکرات سے اور قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات عطا فرمائے گا[1] اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں ایک آیت کریمہ کو جانتا ہوں اگر لوگ اسے لے لیں تو وہی ان کو کافی ہو جائے اور وہ آیت ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ ... مَخْرَجًا'' پھر آپ اس کو مسلسل پڑھتے رہے اور اس کو بار بار دہراتے رہے[2] اور مروی ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کو مشرکین مکہ نے قید کر لیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کو قید کر لیا گیا ہے اور آپ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت بھی کی' تو آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت سے آلِ محمد (ﷺ) کے پاس صرف سوا سیر طعام ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو اور ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

1. رواہ الثعلبی والواحدی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۵۶)

2. [illegible]

الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' کو کثرت سے پڑھا کرو' چنانچہ وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور تجھے ان کلمات کو کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا' تو اس نے کہا: حضور نے بہت اچھی چیز کا ہمیں حکم دیا ہے' سو وہ دونوں میاں بیوی ان کلمات کو پڑھنے لگ گئے' ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بیٹے نے دروازہ کھٹکھٹایا' حضرت عوف دروازے پر آئے تو دیکھا کہ ان کا بیٹا ایک سو اونٹ اور بہت سی بکریاں لے کر پہنچ چکا ہے' دریافت کرنے پر بتایا کہ دشمن غافل ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے اونٹ اور بکریاں لے کر وہاں سے بھاگ آیا ہوں[1]

﴿ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے اور غیر سے طمع رکھنے کی بجائے اپنا ہر معاملہ اور اپنی ہر تدبیر اسی کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اسے دونوں جہانوں میں کافی ہو جاتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے یعنی وہ اپنا حکم نافذ و جاری کرنے والا ہے [یہ امام حفص کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کے ہاں ''بَالِغٌ اَمْرَہٗ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اپنا جو کام چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے اور اس کا کوئی کام ضائع نہیں جاتا اور نہ وہ اپنے کسی مطلوب میں عاجز ہوتا ہے ﴿ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (یعنی) تقدیر اور توقیت کے اعتبار سے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور اپنا ہر معاملہ اس کے سپرد کرنے کے وجوب کا بیان ہے کیونکہ جب معلوم ہو گیا کہ رزق وغیرہ میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی توقیت کے ساتھ وابستہ ہے تو تقدیر کو تسلیم کرنے اور توکل اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْہُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَہُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ۴ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗۤ اِلَیْکُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗۤ اَجْرًا ۵

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں ان کے حکم میں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں' اور جن عورتوں کو حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)' اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں' اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے ○ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی بُرائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا کرتا ہے ○

غیر حیض والی اور حاملہ خواتین کی عدت کا بیان

٤۔ ﴿ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ ﴾ اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے حیض والی عورتوں کی عدت کو پہچان لیا ہے' سو جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت کیا ہے؟ تو اس پر ﴿ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ نازل ہوئی کہ اگر تم پر ان کا حکم مشکل و مشتبہ ہو گیا ہے اور تمہیں معلوم

[1] رواہ الثعلبی والبیہقی نحوہ (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۵۶)

نہیں کہ وہ عورتیں کیسے عدت گزاریں گی؟ ﴿فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے یعنی پس یہ ان کا حکم ہے۔
بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں نا اُمیدی کی عمر کو پہنچنے والی عورتوں کے خون کے بارے میں شک وشبہ ہو اور نا اُمیدی کی عمر پچپن (۵۵) سال سے ساٹھ تک ہے کہ آیا وہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا؟ ﴿فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جب یہ حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے خون میں شک وشبہ ہو تو جن عورتوں کے خون کے متعلق شک نہیں ہے' ان کی عدت تین ماہ بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگئی ﴿وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ اور جن کو حیض نہیں آتا اور یہ وہ لڑکیاں ہیں جو سن بلوغت کو نہیں پہنچیں اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(وَالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ) فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ'' اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں [پھر اس جملہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مذکورہ بالا جملہ اس محذوف پر دلالت ورہنمائی کرتا ہے] ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ اور حاملہ عورتوں کی مدت (یعنی) ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور یہ کلامِ پاک ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کو دورانِ حمل طلاق دے دی گئی اور ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں' اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: بیوہ حاملہ عورت کی عدت دونوں مقررہ عدتوں میں سے جو بعید ہوگی' وہ اس کی عدت ہوگی (یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو بعید ہوگی وہ بیوہ حاملہ کی عدت ہوگی) ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اس کے تقویٰ کے سبب اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے اور اس کی گرہ کھول دیتا ہے۔

۵۔ ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی ان عدت والی عورتوں کا جو حکم معلوم ہو چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا﴾ اور جو شخص ان احکام پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جن کو اس نے نازل فرمایا اور جو حقوق اس پر واجب ہیں' ان کی وہ حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں مٹا دے گا اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ﴿۶﴾ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾ ع ۱۷

تم اپنی وسعت کے مطابق ان عورتوں کو وہاں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور تم ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم ان پر تنگی کرو' اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن لیں' پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو اور تم آپس میں حسن سلوک کے ساتھ باہمی مشورہ کر لو اور اگر تم ایک دوسرے سے دشواری محسوس کرو تو عنقریب اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس

کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے جس قدر اسے مال و دولت دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے' اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جس قدر اسے دیا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

مطلقہ عورتوں کے مسکن ونفقہ اور رضاعت کے مسائل کا بیان

٦-جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ'' میں تقویٰ کو بیان فرمایا تو گویا کہا گیا کہ ہم تقویٰ کے اعتبار سے عدت گزارنے والی عورتوں کے بارے میں کیسے عمل کریں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم ﴾ تم ان کو اس طرح اور اس طرح ٹھہراؤ جس طرح تم خود ٹھہرتے ہو [حرف ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے اور اس کا مبعض محذوف ہے یعنی ''مَكَانًا''] یعنی تم ان کو اسی مکان میں ٹھہراؤ جس میں تم خود ٹھہرتے ہو یعنی تم اپنے رہائشی مکان کے بعض حصہ میں (کسی ایک کمرے میں) ٹھہراؤ ﴿ مِّن وُجْدِكُمْ ﴾ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق۔ گویا کہا گیا ہے کہ تم اپنی رہائش گاہ میں سے کسی مکان میں انہیں ٹھہراؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور ''وُجْد'' کا معنی وسعت و گنجائش اور طاقت و قدرت ہے [یہ ''مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم'' کا عطف بیان اور اس کی تفسیر ہے اور واؤ پر تینوں حرکات (زبر' زیر' پیش) کے ساتھ پڑھا گیا اور اس کو ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھنا مشہور ہے] اور نان نفقہ اور مکان ہر مطلقہ عورت کے لیے اس کے شوہر پر واجب ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی بناء پر مطلقہ مغلظہ (جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) کے لیے نان نفقہ نہیں ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاقِ مغلظہ دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے فاطمہ بنت قیس! اب تیرے لیے نہ نفقہ اور نہ مکان[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر اپنے رب تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اپنے پیغمبر کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے' ممکن ہے وہ بھول گئی ہو یا اسے شک و شبہ پڑ گیا ہو کیونکہ میں نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: ایسی عورت کے لیے مکان بھی ہے اور نفقہ بھی ہے۔[2] ﴿ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ ﴾ اور تم ان کو ضرر و تکلیف نہ دو اور نہ تم ان کے ساتھ ضرر رساں اور

---

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۰' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳٦

[2] رواہ احمد ج ٦ ص ۴۱۲' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰-۴۴' ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۸۔ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں' ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاقِ رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں ہے' خاوند نے اسے طلاقِ رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے' خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں' خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ دین متفق ہیں کہ اگر عورت طلاقِ رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے' کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنیٰ خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنیٰ دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرات سیّدنا عمر' ابن مسعود' امام زین العابدین' قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کی ذمہ داری خاوند پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرات سعید بن مسیب' سلیمان بن یسار' امام مالک' امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کا سکنیٰ تو خاوند کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حضرت حماد ہیں' ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نقصان دِہ معاملہ کرو ﴿ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾ تا کہ تم ان پر مشقت و تنگی کرو کہ تم ان کی رہائش گاہ میں بعض اسباب کے ذریعے ایسی مداخلت کرو جو ان کے موافق نہ ہو (مثلاً ان کے رہائشی مکان میں ایسے افراد کو ٹھہرا لینا جو ان کے موافق نہ ہوں) یا ان کے مکان میں کوئی تصرف کرنا (جیسے غیر ضروری سامان سے ان کے مکان کو بھر دینا) یا اس کے علاوہ کوئی اور کام کرنا یہاں تک کہ تم انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دو ﴿ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ اور اگر وہ یعنی طلاق یافتہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور حمل کی شرط کا فائدہ یہ ہے کہ حمل کی مدت بعض اوقات طویل اور لمبی ہو جاتی ہے تو کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ نفقہ اس وقت ساقط ہو جائے گا جب حاملہ کی عدت کی مقدار گزر جائے گی (تین ماہ) تو اس وہم و گمان کی نفی کر دی گئی ہے ﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ ﴾ پھر اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں یعنی اگر یہ طلاق یافتہ عورتیں زوجیت (بیوی ہونے) کے تعلق کے ختم ہو جانے کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائیں خواہ وہ بچہ انہیں کا اپنا ہو یا ان کے علاوہ تمہاری کسی دوسری بیوی کا بچہ ہو ﴿ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ تو تم ان کو ان کی اجرت ادا کرو کیونکہ اب اس مسئلہ میں ان کا حکم دائیوں کے حکم کی طرح ہے اور کسی عورت کو اجرت پر طلب کرنا جائز نہیں جب کہ بچہ انہیں طلاق یافتہ عورتوں میں سے کسی نے جنا ہو جب تک وہ ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں ﴿ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ ﴾ اور تم آپس میں مشورہ کر لو یعنی رضاعت کی اجرت مقرر کرنے میں باہمی رضامندی کے لیے آپس میں مشورہ کر لو یا تم ایک دوسرے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور یہ خطاب باپوں اور ماؤں دونوں کو ہے ﴿ بِمَعْرُوفٍ ﴾ مشورہ بھلائی کے ساتھ ہو' جو سنت نبوی کے مناسب و موافق ہو اور مروت میں بہت اچھا ہو' سو نہ باپ اجرت دینے میں بخل سے کام لے اور نہ ماں اجرت لینے میں تنگی کرے کیونکہ بچہ ان دونوں کا ہے اور وہ دونوں بچہ میں مشترک ہیں اور اس پر شفقت کرنا دونوں ماں باپ پر واجب ہے ﴿ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ ﴾ اور اگر تم ایک دوسرے پر دشواری محسوس کرو (یعنی) اگر تم میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر تنگی کرو کہ ماں دودھ پلانے کے لیے اس اجرت پر راضی نہ ہو جس پر اجنبی عورت راضی ہے اور باپ اُجرت میں اضافہ نہ کرتا ہو ﴿ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى ﴾ تو عنقریب اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلا دے گی' سو عنقریب دوسری عورت مل جائے گی اور ماں کے علاوہ دوسری عورت پر سختی نہیں کی جائے گی کہ وہ ضرور بچہ کو دودھ پلائے اور اس میں ماں کے لیے کچھ عتاب ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے پر اور ''لـہ'' کی ضمیر باپ کی طرف لوٹتی ہے یعنی باپ عنقریب تنگ نہ کرنے والی عورت کو پالے گا جو اس کے لیے اس کے بیٹے کو دودھ پلا دیا کرے گی' اگر بچے کی ماں اس کے باپ کو تنگ کرے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ'' (دار قطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نان نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور اقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے: ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَقُوْلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ'' حضرت عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے' اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں' کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابق خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں' اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے' تو یہ علت مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے' اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۸۲۔ ۲۸۳)

۷۔ ﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ ﴾ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے یعنی خوش حال اور تنگ دست میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت و ہمت کے مطابق خرچ کرے اور مقصد اور مراد یہ ہے کہ خاوندوں کو طلاق یافتہ بیویوں اور دودھ پلانے والیوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور '' قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ '' کا معنی یہ ہے کہ اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف روزمرہ کی خوراک کے برابر رزق عطا کیا ہے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ ﴾ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اس کو دیا ہے (یعنی) جتنا اس کو رزق عطا فرمایا ہے ﴿ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا (یعنی) معیشت میں تنگ دستی کے بعد وسعت و خوش حالی عطا فرمائے گا اور یہ تنگ دست کے لیے خوش حالی کا وعدہ ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

اور کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی' سو ہم نے ان سے بہت سخت حساب لیا اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیاO سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہواO اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' سوائے ایمان دار عقل والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایاO

کفار کا بُرا انجام' نیک مسلمانوں کا نیک انجام اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق و قدرت کا بیان

۸۔ ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ﴾ اور بہت بستیاں (یعنی) بہت سی بستیوں والے ایسے ہوئے ہیں کہ ﴿ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی (یعنی) انہوں نے تکبر و سرکشی اور بغض و عناد کی وجہ سے روگردانی کی اور منہ پھیر لیا ﴿ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ ﴾ پس ہم نے سختی و تنگی اور دشواری کے ساتھ ان سے بہت سخت حساب لیا (کہ خشک سالی و قحط سالی اور امراض و وبائیں' قتل و ہلاکت بھیجیں) ﴿ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴾ اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیا [نافع مدنی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں نون اور کاف دونوں مضموم ہیں' باقیوں کے ہاں کاف ساکن ہے یعنی بہت بڑا عذاب]۔

۹۔ ﴿ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴾ سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہوا یعنی ہلاکت و بربادی اور نقصان و گھاٹا اور اس سے مراد آخرت کا سخت ترین حساب اور بدترین عذاب ہے اور نیز اس میں وہ لوگ اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے وبال کا جو مزہ چکھیں گے اور جو نقصان و گھاٹا پائیں گے وہ مراد ہے اور اس کو فعل ماضی کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کا منتظر حقیقت میں اسے ضرور پانے والا ہے اور جو

کچھ ہونے والا ہے وہ گویا ہو چکا ہے کیونکہ اس کا نقصان و وبال یقینی ہے۔

۱۰۔﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس میں وعید (دھمکی) کا تکرار ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوری پوری نگرانی کر رہا ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ﴾ سوائے ایمان لانے والے عقل مندو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو سوائے مؤمنین عقل مندو! تمہارے لیے یہی وصف ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ میں اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے تم پر لطف و کرم کیا جائے اور یہ ممکن ہے کہ عذاب شدید سے کفار کی برائیوں کا شمار رکھنا اور دنیا میں ان پر سختی کرنا اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت رکھنا اور دنیا ہی میں ان کو قتل و غارت اور ہلاکت و بربادی کا عذاب پہنچانا مراد ہو [''عَتَتْ'' اور جو اس پر معطوف ہیں وہ ''قَرْيَةٍ'' کی صفت ہیں اور ''اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ''، ''كَاَيِّنْ'' کا جواب ہے] ﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایا یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲

(دوسرا) رسول کو بھیجا جو تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن آیات تلاوت کرتے ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بہترین رزق تیار کر رکھا ہےo اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور انہیں کے برابر زمینیں پیدا کیں ان کے درمیان حکمِ الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہےo

۱۱۔﴿رَّسُوْلًا﴾ رسول کو بھیجا [یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَرْسَلَ رَسُوْلًا'' یا یہ ''ذِكْرًا'' سے بدل ہے گویا حضور بذاتِ خود بعینہٖ سراپا ذکر اور نصیحت ہیں یا پھر یہ تقدیر حذف مضاف پر منصوب ہے] ''اَیْ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذَا ذِكْرٍ رَسُوْلًا'' یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نصیحت و خیر خواہی کرنے والے رسول کو نازل فرمایا اور ذکر سے شرف و عظمت اور بزرگی مراد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ'' (الزخرف:۴۴) ''اور بے شک یہ قرآن مجید آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث عظمت و فضیلت ہے'' یعنی یہ رسول

اللہ کے نزدیک بڑی عظمت وفضیلت والا ہے اور رسول سے حضرت جبریل یا سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ علیہما السلام مراد ہیں ﴿ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ ﴾ وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن اور واضح آیتیں تلاوت کر کے سناتے ہیں یعنی رسول اکرم یا اللہ عزوجل قرآنی آیات پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں ﴿ لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ تاکہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نکال لے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی تاکہ انہیں وہ ایمان اور عمل صالح حاصل ہو جائے جس پر وہ اب تک قائم ہیں یا یہ معنی ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ ازل سے جن کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ایمان لے آئیں گے انہیں ﴿ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ کفر وشرک اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''يُدْخِلْهُ'' کی بجائے نون کے ساتھ ''نُدْخِلْهُ'' ہے اور ''مَنْ'' کے لفظ پر محمول کر کے واحد ذکر کیے گئے اور اس کے معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیے گئے ہیں] ﴿ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہترین رزق (یعنی اجر وثواب) تیار کر رکھا ہے۔ اس جملہ میں مؤمنوں کو جو اجر وثواب عطا کیا جائے گا اس کی تعظیم وتکریم اور تعجب کا معنی پایا جاتا ہے۔

۱۲- ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس پر تمام مفسرین متفق ہیں کہ سات آسمان ہیں [اسم جلالہ مبتدا ہے باقی خبر ہے] ﴿ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ اور ان کے برابر زمینیں پیدا کیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس آیت مبارکہ کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت و رہنمائی کرے کہ زمینیں سات ہیں اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی ہے اور زمینیں بھی آسمانوں کی طرح ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ زمین صرف ایک ہے البتہ اس کے اقالیم اور براعظم سات ہیں ﴿ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور جاری وساری رہتا ہے اور اس کی سلطنت وبادشاہت ان میں نافذ وجاری ہے ﴿ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے [''لِتَعْلَمُوْا'' کا لام ''خَلَقَ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے [''عِلْمًا'' تمیز ہے یا غیر لفظ سے مصدر ہے]۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — آيَاتُهَا ١٢ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۃ التحریم مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی بارہ آیات، دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ

وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③

اے پیارے نبی! آپ اس چیز کو کیوں ترک کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے' آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے' اور سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہےO اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی' پھر جب اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نبی پر ظاہر فرمادیا تو نبی کریم نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا' اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی' پھر جب آپ نے اسے یہ خبر سنائی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے علیم وخبیر خدا نے خبر دی ہےO

شہد نہ کھانے کی قسم کا کفارہ ادا کرنے اور بعض ازواج کو تنبیہ کرنے کا بیان

1-﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ اے پیارے نبی! آپ اس چیز سے کیوں رُکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے[1]

[1] عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

''هٰذَا الْخِطَابُ مُشْعِرٌ بِاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی غَایَةٍ مِنَ التَّفْخِیْمِ وَالتَّعْظِیْمِ حَیْثُ عَاتَبَهٗ عَلٰی اِتْعَابِ نَفْسِهٖ وَالتَّضْیِیْقِ عَلَیْهَا مِنْ اَجْلِ مَرْضَاةِ اَزْوَاجِهٖ کَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَهٗ لَا تُتْعِبْ نَفْسَكَ فِیْ مَرْضَاةِ اَزْوَاجِكَ بَلْ اَرِحْ نَفْسَكَ وَلَا تُتْعِبْهَا وَاَزْوَاجُكَ یَسْعَیْنَ فِیْ مَرْضَاتِكَ فَاِنْ یَّسْعَیْنَ فِیْ مَرْضَاتِكَ سَعِدْنَ وَاِلَّا فَلَا'' (ترجمہ) ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ'' کا یہ پیارا خطاب اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعظیم وتکریم اور فضیلت وعظمت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں (کیونکہ ایک اہم ترین مسئلہ پر تنبیہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرف نداء سے سرفراز فرما کر اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ اے محبوب و محترم نبی! جو چیز میں نے آپ کے لیے محبوب ومرغوب اور پسندیدہ بنادی ہے' آپ اس کے استعمال سے کیوں رُکتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عتاب وانتباہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنے آپ کو مشقت وتنگی میں ڈال دیا' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کے لیے اپنی ذات کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں بلکہ آپ اپنی جان کو آرام وراحت پہنچایئے اور آپ مشقت میں ہرگز نہ پڑیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات خود آپ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کیا کریں' کیونکہ اگر وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی تو وہ نیک بخت و سعادت مند ہو جائیں گی ورنہ نہیں۔ (تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین ج ۴ ص ۲۰۸' مکتبہ مصطفی البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

حضرت ضیاء الامت لکھتے ہیں:

علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ نِدَاءُ اِقْبَالٍ وَتَشْرِیْفٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ'' سے خطاب فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرف نداء سے سرفراز فرمایا ہے: ''لِمَ تُحَرِّمُ سُؤَالُ تَلَطُّفٍ'' یعنی ازراہِ لطف ومحبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا' اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا' پھر سوال کیا' جس طرح ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' میں ہے' پھر فرماتے ہیں: تحریم سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلوت فرمائی اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا علم ہو گیا تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تم نے اس کو مخفی رکھنا ہے (حضور پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا' جس بیوی سے چاہیں خلوت فرمائیں لیکن آپ نے تعلیم امت اور اپنی ازواجِ مطہرات کی دل جوئی کے لیے باریاں مقرر کر دی تھیں) اور بے شک میں نے ماریہ کو اپنے آپ پر ممنوع فرما دیا اور میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ میرے وصال کے بعد میری امت کے اُمورِ مملکت کے والی ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہوں گے' لیکن حضرت حفصہ نے یہ خبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنا دی کیونکہ یہ دونوں آپس میں سہیلیاں تھیں۔

(۲) اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ سے خلوت فرمائی تھی (کیونکہ اس روز حضرت حفصہ' حضور سے اجازت لے کر اپنے والدین سے ملنے میکے چلی گئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رُک جانا' جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ امتناع کسی کی دل جوئی کے لیے ہوتا ہے' جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۹۴۔۲۹۵)

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

''وَفِیْ نِدَائِہٖ ﷺ بِیَا اَیُّھَا النَّبِیُّ فِیْ مُفْتَتَحِ الْعِتَابِ مِنْ حُسْنِ التَّلَطُّفِ بِہٖ وَالتَّنْوِیْہِ بِشَانِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَالَا یَخْفٰی وَنَظِیْرُ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی (عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ) وَالْمُرَادُ بِالتَّحْرِیْمِ الْاِمْتِنَاعُ وَبِمَا اَحَلَّ اللّٰہُ الْعَسَلُ عَلٰی مَا صَحَّحَہُ النَّوَوِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی'' (ترجمہ) اور عتاب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کو ''یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کے خطاب کے ساتھ نداء کے شرف سے مشرف فرما کر آپ کے ساتھ بہت حسین و جمیل لطف و کرم اور شفقت و محبت اور نرمی و مہربانی کا برتاؤ کیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہونے کا اظہار کیا گیا ہے جو کسی پر مخفی نہیں اور اس کی مثال یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ'' (التوبہ: ۴۳) اور تحریم سے امتناع مراد ہے اور ''مَا اَحَلَّ اللّٰہُ'' سے شہد مراد ہے' اسی کو امام نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسی اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں:

''فِیْہِ تَعْظِیْمُ شَانِہٖ ﷺ بِاَنَّ تَرْکَ الْاَوْلٰی بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی مَقَامِہِ السَّامِی الْکَرِیْمِ یُعَدُّ کَالذَّنْبِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ نَفْسِہٖ کَذٰلِکَ'' (ترجمہ) اس آیت مبارکہ میں تو حضور سیّد عالم ﷺ کی شانِ مبارک کی رفعت و عظمت اور فضیلت و بزرگی کا اظہار ہے کیونکہ آپ کے عالی شان بلند و بالا اور کریم و عظیم مقام کی نسبت سے ایک اولیٰ کام کا ترک گناہ کی طرح شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ بہ ذاتِ خود گناہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۱۴۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول میں تین روایات ذکر کی گئی ہیں لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پینے سے روک لیا تھا' چنانچہ علامہ قرطبی' علامہ ابن کثیر' علامہ ابن حجر عسقلانی' علامہ شہاب الدین خفاجی' علامہ قاضی عیاض مالکی' علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی اور علامہ سیّد محمود آلوسی کی یہی تحقیق ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۔۱۰۶۔

تھیں) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ کو اس پر راضی کر لیا تھا اور اس بات کو مخفی رکھنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس کو مخفی نہ رکھا اور بتا دیا تو حضور نے انہیں ایک طلاق دے دی اور اپنی ازواجِ مطہرات سے الگ ہو کر صرف حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں رہائش اختیار کر لی اور اس گھر میں آپ نے انتیس (۲۹) راتیں قیام فرمایا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حکم خداوند سناتے ہوئے عرض کیا: حضور! آپ حضرت حفصہ سے رجوع فرما لیجئے کیونکہ وہ یقیناً روزہ دار' شب بیدار عورت ہے' نیز بے شک وہ آپ کی جنتی خواتین میں سے ہے۔

(۳) اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا' جس پر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں (غیرتِ طبعی کی وجہ سے) متفق ہو گئیں اور دونوں نے حضور سے عرض کیا کہ ہم آپ سے مغافیر (ایک قسم کی گوند جس کی بو حضور کو ناپسند تھی) کی بو محسوس کر رہی ہیں اور رسول اکرم نور مجسم ﷺ بو کو بہت ناپسند کرتے تھے' چنانچہ آپ نے شہد پینا ترک فرما دیا[1] سو آپ اس سے کیوں رُکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر رکھا ہے (یعنی) لونڈی سے تمتع یا شہد سے لطف اندوز ہونا ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ آپ تو اپنی بیویوں کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور یہ آپ کی لغزش تھی کیونکہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی چیز کو ممنوع قرار دے دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے[2] ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' بے شک اس نے آپ کی اس لغزش کو بخش دیا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' بے شک اس نے آپ پر رحم و کرم فرمایا' سو اس نے اس پر آپ کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

۲- ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ (اے مسلمانو!) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے ذریعہ تم اپنی قسموں سے بَری ہو جاؤ گے اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے قسموں سے بَری ہونے کے لیے تمہارے لیے کفارہ کو مشروع فرما دیا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں میں استثناء ("اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" کہنے) کو مشروع فرما دیا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "حَلَّلَ فُلَانٌ فِيْ يَمِيْنِهٖ اِذَا اسْتَثْنٰى فِيْهَا" فلاں آدمی اپنی قسم سے بَری ہو گیا' جب اس نے اپنی قسم میں استثناء کہا اور استثناء یہ ہے کہ آدمی قسم کے بعد متصل "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" کہہ دے تاکہ قسم نہ ٹوٹے اور کسی حلال چیز کو اپنے اوپر ممنوع قرار دینا ہمارے (احناف) کے نزدیک قسم ہے۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جانے کی قسم میں ایک غلام آزاد کیا تھا۔

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۷' مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴

[2] یہ علامہ نسفی کا تسامح ہے کیونکہ حضور پر شہد پینا نہ فرض تھا اور نہ واجب بلکہ مباح اور جائز تھا اور کسی مباح چیز کو استعمال کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں تو لغزش کیسی؟ نیز بیویوں کی دل جوئی کرنا نہ حرام ہے اور نہ مکروہ ہے بلکہ امت کے لیے مستحب ہے' دراصل اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت و ہمدردی کی کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کی خاطر اپنی پسندیدہ چیز کو کیوں ترک فرماتے ہیں اور اسے اپنے آپ پر کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں' آپ جب چاہیں جتنا چاہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کو استعمال کریں' آپ مخلوق میں سے کسی کی رضا جوئی کی فکر نہ کریں بلکہ تمام جن و انس کا فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں' لہٰذا آپ کی ازواجِ مطہرات کا بھی فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں۔ غوثوی ۱۲

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مغفور ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام خلافِ اولیٰ اُمور کو بخش دیا ہے خواہ وہ پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں اور آپ کا غلام آزاد کرنا صرف مسلمانوں کی تعلیم کے لیے تھا (تاکہ مسلمان قسم توڑنے پر کفارہ ادا کریں) ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارا آقا اور تمہارے تمام معاملات کا متولی اور منتظم ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جانوں سے زیادہ تمہارا مالک ہے' پس اپنے آپ کے لیے تمہاری نصیحت و خیر خواہی سے اللہ تعالیٰ کی نصیحت و خیر خواہی تمہارے لیے زیادہ مفید ہے ﴿ وَهُوَ الْعَلِيْمُ ﴾ اور وہ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ تمہارے لیے مناسب احکام مشروع فرماتا ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ اپنے اوامر و نواہی میں بے شمار حکمتیں رکھتا ہے' جن کو وہ حلال قرار دیتا ہے اور جن کو وہ حرام قرار دیتا ہے۔

۳- ﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ﴾ اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی (یعنی) حضرت ماریہ کے پاس نہ جانے کی بات اور حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت و امامت کی بات ﴿ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ ﴾ پھر جب اس (بیوی حضرت حفصہ) نے وہ راز کی بات بتادی (یعنی) اس نے وہ راز کی بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے افشاء کردی ﴿ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے وہ خبر آپ پر ظاہر کردی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی حضور نبی کریم ﷺ کو مطلع اور آگاہ فرمادیا کہ حضرت حفصہ نے آپ کی راز کی بات افشاء کردی ہے ﴿ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ﴾ آپ نے بات کا بعض حصہ بتادیا اور بعض حصہ کے بتانے سے اعراض فرمالیا یعنی آپ نے بات کا بعض حصہ محض درگزر اور شرافت کے تحت نہ بتایا۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چشم پوشی کرنا اور درگزر سے کام لینا ہمیشہ شرفاء کا عمل رہا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''عَرَفَ'' ہے یعنی درگزر فرمایا جیسے تم کسی بُرائی کرنے والے سے کہو: ''لَاَعْرِفَنَّ لَكَ ذٰلِكَ'' میں تیرے لیے اس کو خوب جانتا ہوں] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بات ظاہر کردی گئی تھی وہ خلافت و امامت کی بات تھی اور جس بات سے اعراض کیا گیا اور نہیں بتائی گئی وہ حضرت ماریہ کے متعلق بات تھی اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس بات کو چھپائے رکھنا ظاہر نہ کرنا؟ حضرت حفصہ نے عرض کیا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کرامت و بزرگی کے باعث خوشی کے مارے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کو مخصوص فرمایا۔ (تفسیر کشاف ج ۴ ص ۵٦٦) ﴿ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ ﴾ پھر جب آپ نے اس کو یہ بات بتائی (یعنی) حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو وہ بات بتادی جو اس نے راز کی بات چپکے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ظاہر کردی تھی ﴿ قَالَتْ ﴾ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ ﴾ آپ کو یہ بات کس نے بتادی؟ حضور نے فرمایا: مجھے رازوں کے جاننے والے خدا نے بتادیا ہے ﴿ الْخَبِيْرُ ﴾ وہ دلوں کے بھیدوں سے پوری طرح خبردار ہے۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ

طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلو (تو بہت بہتر ہے) سو تم دونوں کے دل راہِ اعتدال سے منحرف ہو گئے ہیں' اور اگر تم دونوں ان (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان' اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں ۝ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا رب تعالیٰ ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے گا مسلمان' ایمان دار' فرماں بردار' توبہ کرنے والیاں' عبادت گزار' روزہ دار' شوہر دیدہ اور کنواریاں ۝

٤- ﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اگر تم دونوں توبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ خطاب حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے التفات کے طریقہ پر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ ان دونوں کے عتاب کے لیے زیادہ مؤثر ہو [اور اس شرط کا جواب محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَهُوَ الْوَاجِبُ" اور اس پر درج ذیل کلام دلالت کرتا ہے] ﴿ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ﴾ سو بے شک تم دونوں کے دل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو خلوص تم پر واجب تھا' اس سے منحرف ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہ تم اس سے محبت رکھتیں جس سے حضور محبت کرتے ہوں اور تم اسے ناپسند کرتیں جسے حضور ناپسند کرتے ہوں ﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ ﴾ اور اگر تم دونوں حضور کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں (یعنی) اگر حضور کے راز کو افشاء کر کے اور غیرت میں حد سے بڑھ کر تم دونوں آپ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں جس سے حضور کو تکلیف پہنچے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا حامی و ناصر اور مددگار ہے اور لفظ "هُوَ" کے اضافہ کا مطلب اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ حضور کا متولی و محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے ﴿ وَجِبْرِيْلُ ﴾ اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامی اور مددگار ہیں ﴿ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور نیک مسلمان آپ کے حامی و مددگار ہیں یعنی وہ تمام لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص مراد ہے جو نفاق سے بری اور پاک ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا: اس سے صحابہ کرام مراد ہیں [اور اگرچہ لفظ "صالح" واحد ہے مگر اس سے جمع مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی اصل "صَالِحُوا الْمُؤْمِنِيْنَ" ہے' پھر لفظ کی موافقت کے لیے واؤ کو خط اور کتابت سے حذف کر دیا گیا ہے] ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں (یعنی) اور تمام فرشتے اپنی عددی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کی مدد کے بعد حضور کے معاون و مددگار ہیں' پس دو عورتوں کی باہمی مدد اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جس کے یہ سارے مددگار ہوں اور جب فرشتوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد و تعاون کی تعظیم کے لیے "بَعْدَ ذٰلِكَ" ارشاد فرمایا۔

٥- ﴿ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ ﴾ اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا پروردگار تم سے بہتر تمہارے بدلے میں عطا فرمادے گا' سو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو خواتین ازواج مطہرات کے بدلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں دی جائیں گی' وہ ان سے بہتر کس طرح ہو سکتی ہیں حالانکہ روئے زمین پر امہات المؤمنین سے بہتر خواتین نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات رسولِ خدا ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو

اس بناء پر طلاق دے دیں گے کہ وہ آپ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتی ہیں تو پھر وہ اس ''خیر نسآء'' کی صفت پر باقی نہیں رہیں گی اور ان کے علاوہ وہ خواتین جو حضور کے نکاح میں آ کر اس صفت ''خیر نسآء'' سے متصف و موصوف ہو کر ان سے بہتر ہو جائیں گی ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ﴾ اسلام کا اقرار و اعتراف کرنے والیاں' ایمان دار اخلاص والیاں ﴿قٰنِتٰتٍ﴾ اطاعت و فرماں برداری کرنے والیاں' سو ''قنوت'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لیے کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی صحت و قبولیت اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت و غلامی کے ساتھ مشروط ہے ﴿تٰٓئِبٰتٍ﴾ گناہوں سے توبہ کرنے والیاں' یا اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم و معظم رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنے والیاں ﴿عٰبِدٰتٍ﴾ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اسی کی عبادت کرنے والیاں ﴿سٰٓئِحٰتٍ﴾ ہجرت کرنے والیاں یا روزے رکھنے والیاں' کیونکہ روزہ دار کو ''سائح'' کہا جاتا ہے کیونکہ سیر و سیاحت کرنے والے کے پاس بھی سامانِ خرچ نہیں ہوتا' پس وہ دورانِ سفر رُکا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ کوئی کھانا وغیرہ پالے جسے کھا سکے' سو اس لیے اس کے ساتھ روزے دار کو کھانے سے رُکے رہنے میں تشبیہ دی جاتی ہے' یہاں تک کہ اس کے افطار کا وقت آ جائے ﴿ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ شوہر دیدہ و بیاہی ہوئیں اور کنواریاں [اور صرف ''ثَیِّبٰتٍ'' اور ''اَبْكَارًا'' کے درمیان حرفِ عطف اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے منافی و متضاد ہیں جب کہ باقی صفات نہیں]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ ع ۱۹

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جس پر سخت دل بہت طاقتور فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہےO اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو' بے شک تمہیں صرف ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کرتوت تم کرتے تھےO

مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال سمیت اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا حکم

٦- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم گناہوں کو چھوڑ کر اور عبادات و طاعات کر کے اپنے آپ کو (دوزخ سے) بچاؤ ﴿وَاَهْلِيْكُمْ﴾ اور تم اپنے گھر والوں کو انہیں چیزوں کے ذریعے بچاؤ جن کے ذریعے تم اپنے آپ کو بچاتے ہو ﴿نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ایسی آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے یعنی آگ کی اس قسم سے بچو جو نہیں جلتی مگر انسانوں اور پتھروں کے ذریعے جیسا کہ اس قسم کے علاوہ دیگر آگیں لکڑیوں سے جلیں گی ﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ﴾ اس پر فرشتے مقرر ہیں جو اس کے تمام اُمور کے متولی اور منتظم ہیں اور اس میں داخل ہونے والوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں یعنی زبانیہ فرشتے جن کی تعداد انیس (۱۹) ہے اور ان کے معاون و رفقائے کار فرشتے بھی ہیں ﴿غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ وہ اپنے اجسام میں سخت مضبوط و مستحکم اور قوی و طاقتور ہیں یا وہ گفتگو اور بات چیت میں سخت گیر اور کاموں میں بڑے طاقتور ہیں ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا

ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے'' اَیْ امرہ ''یعنی اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جیسے ارشاد ہے: ''اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ'' (طٰہٰ:۹۳) ''تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے'' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جو کچھ حکم دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے | ''لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ'' صفت ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''مَا اَمَرَھُمْ'' اسم جلالت سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے | ﴿ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴾ اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے ادا کرتے ہیں اور یہ دونوں جملے ایک معنی میں نہیں ہیں کیونکہ پہلے جملے کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قبول کرتے ہیں اور انہیں ضرور حاصل کر لیتے ہیں اور دوسرے جملے کا معنی ہے کہ انہیں جن احکام کا حکم دیا جاتا ہے وہ انہیں فوراً ادا کرتے ہیں اور وہ ان احکام سے نہ تو غفلت کرتے ہیں اور نہ وہ ان میں سستی کرتے ہیں۔

۷- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو' بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کام تم دنیا میں کرتے تھے یعنی انہیں دوزخ کی آگ میں داخل ہوتے وقت یہ کہا جائے گا کہ آج تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ آج تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں یا یہ کہ آج تمہارا کوئی عذر تمہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاؕ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَاۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف خالص و سچی توبہ کرو' عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا' ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمارے لیے ہمارے نور کو کامل کر دیں اور ہمیں بخش دیں' بے شک آپ ہر چیز پر بہت قادر ہیں O

مسلمانوں کو توبہ کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان

۸- ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں سچی پکی توبہ کرو۔ امام اخفش رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ''توبہ نصوح'' کا معنی ہے: سچی توبہ یعنی ''نَصُوْحٌ'' بہ معنی ''صَادِقَةٌ'' ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''نصوح'' کا معنی ہے: خالص یعنی خالص توبہ' چنانچہ جب شہد کو موم سے الگ کر لیا جائے تو پھر کہا جاتا ہے: ''عَسَلٌ نَاصِحٌ'' شہد خالص ہے اور بعض کا قول ہے: یہ ''نصاحۃ الثوب'' سے ماخوذ ہے کہ کپڑے کی پھٹن

کورفو کرنا یعنی تم اپنے دین میں نافرمانی کے پھٹن کو سچی اور خالص توبہ سے پُر کرو اور نافرمانی کے خلل کو مکمل کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ایسی توبہ مراد ہو جو لوگوں کے لیے نصیحت بن جائے یعنی توبہ کرنے والے میں توبہ اس قدر تاثیر پیدا کر دے کہ اب وہ دوسرے لوگوں کو اپنی طرح توبہ کرنے کی دعوت دے اور ان کو سچی اور خالص توبہ کی نصیحت کرتا پھرے اور خود توبہ کے تقاضوں پر عمل کرنے میں خوب جدوجہد کرے۔

(۱) مرفوع حدیث میں ہے کہ ''توبۃ نصوح'' یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کی طرف ہرگز نہ لوٹے یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے۔ (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۲۲۷)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر اس میں مبتلا ہو جائے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ توبہ کہ تین شرطیں ہیں: (الف) زبان سے استغفار کرتا رہے (ب) دل میں نادم ہو (ج) اور اعضاء سے گناہ نہ کرے۔[1]

﴿ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری بُرائیاں مٹا دے گا۔ یہ (''عَسٰی'' کا استعمال) بادشاہوں کی عادت کے مطابق جاری ہوا ہے کیونکہ بادشاہانِ وقت اپنی رعایا کو انعامات سے نوازنے کے لیے ''عَسٰی'' اور ''لَعَلَّ'' کے ساتھ جواب دیتے ہیں اور ان کی طرف سے ان الفاظ کا استعمال قطعی اور یقینی معنی کی جگہ ہوتا ہے ﴿ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا' اس میں کفار پر طعن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رسوا اور خوار کرے گا [''یَوْمَ'' کا نصب ''یُدْخِلَکُمْ'' کی وجہ سے ہے] ﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا [''نورھم'' مبتدا ہے اور باقی خبر ہے] ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو مکمل کر دیجئے۔ مسلمان یہ بات اس وقت عرض کریں گے جس وقت منافقین کا نور بجھ جائے گا ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور ہمیں بخش دیجئے بے شک تو ہر چیز پر بہت قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ

[1] سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی سے سنا' وہ کہہ رہا تھا: ''اَللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ'' اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: صرف زبان سے توبہ و استغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے' اس نے عرض کی: تو پھر میں حقیقی توبہ کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا: حقیقی توبہ کی چھ شرائط ہیں: (۱) گزشتہ گناہوں پر ندامت ہو (۲) فرائض کا اعادہ کرے اگر وہ قضا ہو گئے ہوں مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ ادا کرنا (۳) پختہ ارادہ کرنا کہ آئندہ پھر وہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا (۴) گزشتہ تمام مظالم کا لوٹانا (۵) حقوق العباد کی ادائیگی یعنی جس کے حق میں غلطی ہوئی اسے راضی کرنا (۶) اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں لگا دینا کہ لمحہ بھر مہلت نہ ملے جیسے اسے کسی غلطی پر سزا دی جاری ہے اور اسے عبادت و اطاعت کا مزہ چکھانا جیسے اس نے گناہوں کے مزے لوٹے تھے۔ (تفسیر روح البیان مترجم' بہاولپور' تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۴۵' مطبوعہ دہلی)

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

اے غیب کی خبریں سنانے والے پیغمبر! کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے' وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' سو انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو وہ دونوں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہ بچا سکے اور فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ O

کفار و منافقین سے جہاد اور دو عبرت آموز مثالوں کا بیان

۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ﴾ اے عالی شان پیغمبر! کفار سے تلوار وغیرہ (یعنی جنگی ہتھیاروں) کے ساتھ جہاد کیجئے ﴿ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور منافقین سے وعید اور دھمکانے والی اور سخت ڈرانے والی بات چیت کے ساتھ اور مؤثر وعظ و نصیحت کے ساتھ جہاد کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان پر اسلامی حدود نافذ و قائم کر کے ان سے جہاد کیجئے ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ اور جنگ و لڑائی اور زبان سے حجت و دلیل کے ذریعے جہاد کر کے ان دونوں فریقوں پر سختی کیجئے ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۱۰ - ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوح کی بیوی اور حضرت لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے' وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' پھر انہوں نے ان دونوں کے ساتھ خیانت کی تو وہ دونوں نیک بندے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہیں بچا سکے اور ان سے فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے کفار کے حال کی ایک مثال بیان فرمائی کہ کفار کو اپنے کفر و شرک کرنے پر اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت و دشمنی کرنے پر سخت سزا دی جائے گی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان خاندانی اور سُسرالی قرابت و رشتہ داری انہیں کوئی نفع اور فائدہ نہیں دے گی اور اگرچہ وہ مؤمن جس کے ساتھ کافر کا رشتہ جڑا ہوا ہے وہ نبی بھی ہو تو کافر کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا حال ہوا' جب انہوں نے منافقت کی اور ان دونوں کی بیویوں نے دونوں رسولوں کے راز کفار کے سامنے افشاء کر کے ان سے خیانت کی تو انہیں رسولانِ گرامی بھی نہ بچا سکے یعنی ان دو عورتوں اور دونوں رسولوں کے درمیان زوجیت کا رشتہ تھا' اس کے باوجود وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے اور ان دونوں عورتوں کو ان کی موت کے وقت یا پھر قیامت کے دن فرمایا جائے گا کہ تم دونوں دیگران داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ' جن کے درمیان اور انبیائے کرام کے درمیان کوئی رشتہ موجود نہیں یا انہیں فرمایا جائے گا کہ تم دونوں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں میں سے اپنے کافر بھائیوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے' جب اس نے کہا: اے میرے پروردگار! جنت میں اپنے پاس میرے لیے ایک گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے' اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دیجئے○ اور اللہ تعالیٰ نے عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی ہے جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی' سو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی○

۱۱- ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی ایک مثال بیان کی ہے۔ یہ عورت حضرت آسیہ بنت مزاحم تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں' جس پر فرعون ظالم نے دھوپ میں گرم ترین ریت پر لٹا کر حضرت آسیہ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں اور کیل ٹھونکوا کر انہیں عذاب دیا تھا ﴿اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ جب حضرت آسیہ کو فرعون کی طرف سے عذاب دیا جا رہا تھا اس وقت حضرت آسیہ نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دیجئے تو گویا حضرت آسیہ نے عالی اور بلند درجہ طلب کرنا چاہا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ اور پاک ہے جب کہ حضرت آسیہ نے عالی شان بلند و بالا درجہ کو اپنی دعا میں ''عِنْدَكَ'' سے تعبیر کیا ہے ﴿وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ﴾ اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما یعنی مجھے فرعون کے عمل سے نجات عطا فرما' یا یہ معنی ہے کہ مجھے فرعون کی خبیث و ناپاک ذات سے اور خاص کر اس کے عمل سے نجات دے دے اور اس کا عمل کفر و ظلم کرنا اور بغیر کسی جرم کے سزا دینا ہے ﴿وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما' تمام قبطی قوم سے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مصائب و آلام اور مشقتوں اور تکلیفوں کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنا اور اس کی بارگاہ میں التجاء و عاجزی کرنا اور نجات و خلاصی کی دعا کرنا' نیک و پاک باز لوگوں کی عادات میں سے ایک عادت ہے۔

۱۲- ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریم کی (ایک مثال بیان کی ہے) جس نے مردوں سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ سو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی (یعنی) ہمارے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی شرم گاہ میں ہماری پیدا کردہ روح پھونکی تھی ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا﴾ اور اس نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کی یعنی اس نے ان الہامی آسمانی صحیفوں کی تصدیق کی جو حضرت ادریس علیہ السلام اور ان کے دیگر پیغمبروں پر نازل کیے گئے تھے ﴿وَكُتُبِهٖ﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تصدیق کی یعنی چاروں کتابوں (تورات' زبور' انجیل اور قرآن مجید) کی تصدیق کی تھی [امام حفص اور ابو عمرو

بصری کی قراءت میں جمع کے ساتھ "کُتُبِہٖ" پڑھا جاتا ہے (جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں واحد کے ساتھ "کِتَابِہٖ" پڑھا جاتا ہے)] ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ اور وہ فرماں برداروں میں سے تھیں۔ جب "قنوت" ایک ایسی صفت ہے (جو مذکر و مؤنث) دونوں صنفوں کے فرماں برداروں کو شامل ہے تو مذکر کی صنف کو مؤنث پر غالب قرار دے دیا گیا اور حرف "مِنْ" "تبعیض کے لیے ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ابتدائے غایت کے لیے ہو' اس بناء پر کہ حضرت مریم ابتداء سے فرماں برداروں میں پیدا ہوئیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں' اور یہاں مسلمانوں کے حال کی مثال بیان کی گئی کہ انہیں کافروں کی رشتہ داری اور تعلق کوئی نقصان نہیں دے گا اور ان کے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں سے کسی میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا حال ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ایک دشمن کی بیوی تھی اور حضرت مریم بنت عمران کا حال ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کرامت و عزت عطا کی گئی اور اپنے زمانہ میں تمام خواتین پر فضیلت و شان عطا کی گئی' اس کے باوجود کہ ان کی قوم کافر تھی۔

اور ان دو مثالوں کے بیان میں ان دو امہات المؤمنین کے لیے تنبیہ ہے' جن کا اس سورت کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور جن دونوں کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنے کی وجہ سے کوتاہی ہو گئی تھی جسے حضور نے سخت ناپسند کیا تھا اور ان دونوں کو سخت انداز میں ڈرایا گیا ہے اور یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں بیبیوں کا فرض تھا کہ وہ اخلاص میں ان دو مؤمنہ عورتوں کی طرح ہوتیں اور وہ دونوں اس بات پر بھروسا اور تکیہ نہ کرتیں کہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہیں۔

سورۃ الملک مکیۃ ۶۷	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	آیاتہا ۳۰ رکوعاتہا ۲
سورۃ الملک مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی تیس آیات' دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر بہت قادر ہے ○ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں' اور وہ بہت غالب بے حد بخشنے والا

ہےO جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان پیدا کیے' تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے' سو تم دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھو' کیا تمہیں کوئی شگاف نظر آتا ہےO پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو تو نظر عاجز ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہو گیO اور بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کر دیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہےO

اللہ تعالیٰ کی قدرت' موت وحیات کی حکمت اور شیاطین کی ذلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الملک مکی ہے اور اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں۔

(۱) اور اس سورت کا نام "واقیه" اور "منجیه" بھی ہے کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذابِ قبر سے بچائے گی اور اس کو نجات دلائے گی (۲) جس نے اس سورت کو رات میں پڑھا' بے شک اس نے خیر کثیر حاصل کی اور اس نے سب سے عمدہ نیکی کی۔ (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۲۳۲)

۱- ﴿تَبٰرَكَ﴾ بڑی برکت والا بہت بلند و بالا ہے اور مخلوق کی صفات سے بہت اونچا اور ارفع و اعلیٰ ہے ﴿الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے یعنی تمام سلطنت اس کے تصرف اور قبضہ میں ہے اور وہ ہر موجود پر غالب و قابض ہے اور وہی ساری بادشاہی کا مالک و مختار ہے' جس کو چاہتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ﴾ اور وہ تمام مقدورات میں سے ہر چیز پر بہت قادر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ انعام دینے اور انتقام لینے میں ہر ایک پر بہت قادر ہے (یعنی) وہ ہر کمال پر قادر ہے۔

۲- ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ﴾ جس نے موت کو پیدا کیا [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا اس سے پہلے جو "اَلَّذِیْ" ہے یہ اس سے بدل ہے] ﴿وَالْحَيٰوةَ﴾ اور حیات کو پیدا فرمایا' یعنی جس کے وجود کا احساس (چلنا پھرنا' دیکھنا سننا اور بولنا وغیرہ) صحیح اور سلامت ہو اور موت اس کے برعکس ہے اور "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" کا مطلب ہے' اس "مُصَحَّح" (صحیح سلامت وجود) کو ایجاد کرنا اور اس کو معدوم کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے مکلفین! تمہاری موت کو اور تمہاری حیات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے' نیز تا کہ وہ اپنے ہر امر اور ہر نہی کے ذریعے تمہارا امتحان لے' اس موت کے درمیان جو حاکم و محکوم اور امیر و اسیر کے لیے عام ہے اور اس حیات کے درمیان جو نہ کسی بیماری کی وجہ سے اور نہ کسی طبیب کی وجہ سے پوری ہوتی ہے' پھر تم سے وہی ظاہر ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک تم سے وہی ہو گا پھر وہ قیامت کے دن تمہارے اعمال پر جزاء دے گا' اپنے علم پر نہیں جو اسے تمہارے بارے میں ازل سے تھا ﴿اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں ["اَیُّکُمْ" مبتدا ہے اور "اَحْسَنُ عَمَلًا" اس کی خبر ہے] یعنی تم میں سے کس کے عمل زیادہ خالص اور زیادہ درست و بہتر ہیں' سو خالص عمل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو اور صواب و درست اور بہتر و اچھا عمل وہ ہے جو سنت نبوی کے مطابق ہو' اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی عطا فرمائی جس کے ذریعے تم عمل پر قادر ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر موت کو مسلط کیا جو بُرے عمل کی بجائے نیک اور اچھے عمل کو اختیار کرنے کے لیے تمہیں دعوت دینے والی ہے اور موت کے بعد اور کچھ نہیں ہو گا ماسوا حشر کے اور جزاء کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور موت کو حیات پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ عمل کی طرف دعوت دینے والا قوی وہ شخص ہے جو اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر رکھتا ہے' پس موت کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ جس مقصد کے لیے آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے' اس مقصد کی طرف لے جانے والی اہم ترین موت ہے اور پھر جب موت کو جو

صفت قہر کا اثر ہے اس حیات پر مقدم کیا گیا جو صفتِ لطف و کرم کا اثر ہے تو (درج ذیل) ارشاد میں صفت قہر کو صفت لطف پر مقدم کیا گیا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اسے کوئی آدمی ہرگز عاجز نہیں کر سکتا جس نے بُرے عمل کر لیے ہیں ﴿الْغَفُورُ﴾ وہ بہت بخشنے والا ہے بہت پردہ پوشی فرمانے والا ہے جس سے بدترین گناہ گار بھی مایوس نہیں ہوتے۔

٣- ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ جس نے ایک دوسرے کے اوپر برابر سات آسمانوں کو پیدا کیا' ہر زیریں آسمان بالائی آسمان کے برابر ہے' یہ "طَابَقَ النَّعْلَ" سے ماخوذ ہے' جب موچی جوتے کے دو پنوں میں سے ایک پنے کو دوسرے پنے پر برابر رکھ کر سیتا ہے [اور یہ مصدر "سبع" کی صفت ہے یا "ذَاتَ طِبَاقٍ" ہے یا پھر "طوبقت طباقا" ہے اور بعض کا قول ہے کہ "طِبَاقٌ"' "طَبَقٌ" کی جمع ہے' جیسے "جَمَلٌ" کی جمع "جِمَالٌ" ہے] ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ تم رحمٰن کی تخلیق میں خلل اور فرق نہیں دیکھو گے۔ یہ خطاب رسول اکرم کے لیے ہے یا پھر ہر مخاطب کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی اختلاف و فرق اور خلل نہیں پاؤ گے' اور امام سدی نے فرمایا کہ "تفاوت" کا عیب ہے کہ تم تخلیق الٰہی میں کوئی عیب نہیں دیکھو گے اور حقیقت میں "تفاوت" کا معنی عدم تناسب ہے گویا چیز کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے موافق اور اس کے مناسب نہ ہو اور اس کی اصل "مَا تَرٰى فِيْهِنَّ مِنْ تَفَاوُتٍ" ہے یعنی تم ان (آسمانوں) میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے' پھر ضمیر "فيهن" کی جگہ "خلق الرحمٰن" کو رکھا گیا ہے تا کہ آسمانوں کی تخلیق کے لیے عظمت کا اظہار ہو اور خلل اور فرق سے آسمانوں کے سلامت رہنے کے سبب پر تنبیہ ہو جائے اور وہ یہ کہ انہیں رحمٰن نے پیدا کیا ہے اور وہ زبردست قدرت والا ہے' وہی اس قسم کی متناسب و موزوں مخلوق کو پیدا کرتا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "تَفٰوُتٌ" کی بجائے "تَفَوُّتٌ" ہے' دونوں کلموں کا ایک معنی ہے جیسے "تَعَاهُدٌ" اور "تَعَهُّدٌ" ہے اور یہ جملہ "طِبَاقًا" کی صفت ہے] ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ﴾ سو تم نظر لوٹا کر دیکھو (یعنی) تم اپنی نظر آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو یہاں تک کہ جس کی تمہیں خبر دی گئی ہے' وہ تمہارے نزدیک معائنہ سے صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے بارے میں تمہارے ساتھ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے ﴿هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ کیا تمہیں کوئی پھٹن اور کوئی شگاف نظر آتا ہے اور "فطور"' "فطر" کی جمع ہے اور وہ شگاف ہوتا ہے۔

٤- ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ پھر تم دوبارہ نگاہ آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو' نظر کو دوبارہ پھیر کر دیکھو یعنی پہلی مرتبہ کے ساتھ دوسری مرتبہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ پہلی دفعہ کے علاوہ' سو اس طرح تین دفعہ ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دو دفعہ پر اکتفاء کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ بار بار دیکھنا یعنی تم اپنی نگاہ کو بہت زیادہ بار بار آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھو اور اسے غور سے باریک بینی سے دیکھو کیا تمہیں کوئی خلل یا کوئی عیب نظر آتا ہے' اور اس امر کا جواب یہ (درج ذیل) ہے: ﴿يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا﴾ تمہاری نگاہ عاجز اور تمہارے مقصد سے بہت دور ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی ["خَاسِئًا"' "الْبَصَرُ" سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَهُوَ حَسِيْرٌ﴾ اور وہ تھکی ہاری کمزور و بے بس اور تم اس میں کوئی خلل نہیں پاؤ گے۔

٥- ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ اور بے شک ہم نے نزدیک ترین دنیا کے آسمان کو مزین و آراستہ کر دیا ہے یعنی جو آسمان تمہارے نزدیک ہے ﴿بِمَصَابِيْحَ﴾ روشن کرنے والے چراغوں (ستاروں) کے ساتھ جیسے صبح آتے ہی اُجالا کر دیتا ہے "مصابيح"' "مصباح" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: چراغ' عربی میں "مصباح" کو "سراج" بھی کہا جاتا

ہے' سو "مصابیح" کے ساتھ ستاروں کے نام رکھے گئے ہیں اور لوگ اپنی مسجدوں اور اپنے گھروں کو چراغوں کو روشن کر کے آراستہ کرتے ہیں (جیسے شبِ قدر' شبِ میلاد اور شبِ معراج کے موقع پر)' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے فلاں گھر کی چھت کو چراغوں سے آراستہ اور مزین کر دیا ہے' جس میں تمہارا اجتماع ہونا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے چراغوں سے آسمانِ دنیا کو (میلاد کی خوشی میں پہلے سے[1]) مزین و آراستہ کر دیا ہے جن کا مقابلہ تمہارے چراغوں کی روشنی نہیں کر سکتی ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے یعنی تمہارے دشمنوں کے لیے جو تمہیں نورِ ایمان سے نکال کر کفر و شرک کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (۱) آسمان کے لیے زینت (۲) شیطانوں کے لیے شعلہ زن ہو کر مار بھگانے والے (۳) رہبری کی علامات و نشانیاں جن کے ذریعہ رات کو (مسافروں اور رات کو کام کرنے والوں کے لیے) رہنمائی حاصل کی جاتی ہے' سو جس نے اس کے علاوہ غور و فکر کیا اس نے ایسا تکلف کیا جس کا اسے خود علم نہیں' اور "رُجُوْم"' "رَجْم" کی جمع ہے اور "رجم" مصدر ہے اور یہ نام اسے دیا جاتا ہے' جس کے ذریعے سنگ باری کی جاتی ہے اور ستاروں کا شیاطین کے لیے "رجوم" ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان سے شعلے نکلتے ہیں جیسے آگ سے شعلے نکلتے ہیں' پھر وہ ستاروں سے نکلے ہوئے شعلے جنوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں یا انہیں لنگڑا کر دیتے ہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ ستارے اپنی جگہوں سے منتقل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں اپنے اصل حال پر گڑے ہوئے ہیں ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (یعنی) ہم نے دنیا میں شیطانوں کو ستاروں کے شعلوں کے ذریعے جلانے کے بعد آخرت میں ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦ اِذَاۤ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١٠ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١١ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١٢

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O جب انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی خوف ناک بلند چیخ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی O قریب ہے کہ وہ غضب

[1] کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا" اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوقات کو پیدا نہ کرتا' تو گویا زمین و آسمان' چاند سورج اور ستارے سب حضور کی وجہ سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ (الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ ص ۱۵' مطبوعہ مکتبۃ الحقوق فی بیروت' حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹' مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ' لائلپور)

سے پھٹ جائے گی' جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھاO وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بلکہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا' سو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میںO اور وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا ہم عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتےO سو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا' پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہےO بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہےO

کفار کے کفر پر سزا اور مسلمانوں کے لیے خوفِ خدا پر انعام کا بیان

٦- ﴿ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ﴾ اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا (یعنی) ہر اس شخص کے لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا خواہ وہ شیطانوں میں سے ہو یا ان کے علاوہ انسانوں میں سے ہو' اس کے لیے ﴿ عَذَابُ جَهَنَّمَ ﴾ دوزخ کا عذاب ہے۔ اس عذاب دوزخ کے ساتھ صرف وہی شیاطین مخصوص نہیں ہیں جنہیں ستاروں کے شعلوں کے ذریعے مار بھگایا جائے گا ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (یعنی) دوزخ واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

٧- ﴿ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا ﴾ جب ان کو اس میں ڈالا جائے گا (یعنی) جب کافر جنوں اور کافر انسانوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا' جس طرح بہت بڑی آگ میں لکڑیوں کو پھینکا جاتا ہے ﴿ سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا ﴾ وہ دوزخ سے ایک مکروہ آواز سنیں گے جیسے گدھے کی مکروہ آواز ہوتی ہے۔ دوزخ کی مکروہ اور قبیح و بدترین آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے ﴿ وَهِيَ تَفُورُ ﴾ اور وہ کافروں پر جوش مار رہی ہو گی جیسے ہانڈی کے اندر کی چیز جوش مارتی ہے۔

٨- ﴿ تَكَادُ تَمَيَّزُ ﴾ قریب ہے کہ وہ پھٹ جائے گی۔ اصل میں ''تَتَمَيَّزُ'' ہے یعنی پھٹ جائے گی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی ﴿ مِنَ الْغَيْظِ ﴾ کفار پر غضب کی وجہ سے پھر دوزخ کو کفار پر غضب ناک قرار دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو جلانے کے لیے بہت سخت جوش مار رہی ہو گی ﴿ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ ﴾ جب کبھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا (یعنی) جب کفار کی کسی جماعت کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ﴿ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا ﴾ اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے (یعنی) مالک فرشتہ اور زبانیہ فرشتوں میں سے اس کے معاونین فرشتے کفار کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ان سے پوچھیں گے: ﴿ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا رسول نہیں آیا جو تمہیں اس عذاب سے ڈراتا۔

٩- ﴿ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس ڈرسنانے والا آیا تھا۔ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے لیے اعتراف ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسولوں کو بھیج کر اور جس کفر و شرک اور گناہوں میں وہ مبتلا تھے' ان سے انہیں ڈرا کر ان کے دلائل اور بہانوں کو دور کر دیا ﴿ فَكَذَّبْنَا ﴾ سو ہم نے جھٹلا دیا یعنی ہم نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا تھا ﴿ وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ﴾ اور ہم نے کہا: وہ رسول جو کچھ وعدے اور وعید وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی ﴿ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴾ تم نہیں ہو مگر بہت بڑی گمراہی میں یعنی کفار نے ڈرانے والے رسولوں سے کہہ دیا: تم بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو' پس ''نذیر'' بہ معنی ''انذار'' ہے' پھر اس کے ساتھ ''منذرون'' کو متصف کیا گیا تا کہ ''انذار'' (ڈرانے) میں مبالغہ کیا جائے گویا وہ پیغمبرانِ خدا صرف ڈرانے والے نہیں بلکہ وہ سراپا ''انذار'' تھے' اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام کفار

کے لیے دوزخ کے فرشتوں نے کہا ہو یعنی دوزخ کے محافظ فرشتوں نے کافروں کے لیے کہا ہو کہ تم صرف بڑی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو اور ''ضلال'' سے ہلاکت مراد ہے یا پھر ''ضلال'' کی جزاء کو ''ضلال'' کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ برائی اور ظلم کی جزاء کو برائی اور ظلم کا نام دیا جاتا ہے اور علم البیان میں اسے مشاکلت کہا جاتا ہے یا یہ کہ یہ کلام کفار کے لیے رسولوں نے فرمایا ہو کہ تم بہت بڑی گمراہی میں ہو' جیسے کفار نے بطورِ حکایت محافظ فرشتے کے لیے بیان کیا ہو یعنی انہوں نے ہمارے لیے یہ فرمایا تھا جسے ہم نے قبول نہیں کیا۔

۱۰- ﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ اور وہ (کفار) کہیں گے: کاش! ہم نے ڈرانے کی باتوں کو اس طرح غور سے سنا ہوتا جس طرح حق کا طالب غور سے سنتا ہے ﴿اَوْ نَعْقِلُ﴾ یا ہم نے عقل سے کام لیا ہوتا یعنی کاش! ہم اس کو اس طرح سمجھتے جس طرح غور وفکر اور سوچ بچار کرنے والا سمجھتا ہے تو ﴿مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے (یعنی) دوزخیوں کی جماعت میں' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکلیف (مکلّف ہونے) کا مدار شرعی دلائل اور عقل سلیم ہے اور بے شک یہ دونوں لازمی حجتیں ہیں۔

۱۱- ﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ﴾ پھر وہ اپنے گناہ یعنی رسولوں کو جھٹلانے کے متعلق اپنے کفر کا اعتراف کر لیں گے ﴿فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہے [قاری یزید اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''حا'' ساکن کی بجائے مضموم ہے یعنی ''فَسُحُقًا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: پس ان دوزخ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عزت وکرامت سے دوری ہو' خواہ وہ اعتراف کریں یا انکار کر دیں کیونکہ یہ اعتراف جرم بھی انہیں کوئی نفع نہیں دے گا اور ''فَسُحْقًا'' کا نصب اس کے مصدر ہونے کی بناء پر ہے کیونکہ یہ دعائے ضرر کے موقع پر واقع ہے۔

۱۲- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ بے شک جو لوگ بن دیکھے یعنی عذاب کے معائنہ اور مشاہدہ کرنے سے پہلے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے ان کے گناہوں کی مغفرت وبخشش ہے ﴿وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور ان کے لیے بہت بڑا اجر وثواب ہوگا یعنی جنت میں جائیں گے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے' حالانکہ وہ بہت باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنایا' پس تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ' اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے ○ کیا تم اس

سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے پس وہ اچانک لرزنے لگےO کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہےO

اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کی وسعت اور کفار کی مذمت کا بیان

۱۳- ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ﴾ اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں امروں میں سے کسی ایک کا حکم ہے آہستہ بولنا اور بہ آوازِ بلند بولنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا آپس میں آہستہ بولنا اور بلند آواز میں بولنا اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہے کیونکہ وہ دونوں حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ناگوار باتیں کہتے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کو وہ سب کچھ بتا دیتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بارے میں بکواس کی ہوتی تھی' سو اس لیے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: تم آہستہ بات کہا کرو تا کہ (سیّد عالم حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خدا سن نہ لے' تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے اسرار اور اس میں مخفی رازوں کو خوب جانتا ہے' اس سے پہلے کہ زبانیں ان کی ترجمانی کریں تو بھلا وہ ان باتوں کو کیسے نہیں جانتا جن کو بولا جاتا ہے؟

۱۴- ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا [کلمہ ''مَنْ'' اس بناء پر محلاً مرفوع ہے کہ یہ ''یَعْلَمُ'' کا فاعل ہے] ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ بہت باریک بین سب کی خبر رکھنے والا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے' اس خالق و مالک کا علم دلوں کے رازوں اور مخفی باتوں اور اعلانیہ باتوں کو محیط نہ ہو' حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ بہت باریک بین ہے یعنی تمام اشیاء کی باریکیوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ بہت خبردار ہے کہ وہ تمام اشیاء کی حقیقتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس آیت مبارکہ سے اقوال کے مخلوق ہونے کا اثبات ہو گیا' سو ''خَلْقِ اقوال'' کا مسئلہ بندوں کے افعال کے ''خَلْق'' ہونے پر دلیل ہو جائے گا [اور ابوبکر بن اصم اور جعفر بن حرب نے کلمہ ''مَنْ'' کو مفعول قرار دیا ہے اور ''یعلم'' کے فاعل کو مضمر قرار دیا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے' پھر انہوں نے اس طریقہ سے یہ حیلہ کیا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں ہیں]۔

۱۵- ﴿هُوَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا﴾ جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کو نرم و آسان اور مسخر و تابع بنایا جس پر چلنا پھرنا دشوار و مشکل نہیں رہا ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ پس تم اس کے جوانب و اطراف میں فوائد کے حصول اور رزق کی طلب میں چلو پھرو' یا یہ معنی ہے کہ تم اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو یا یہ کہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو ﴿وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ اور تم اس کے رزق میں سے کھاؤ' یعنی تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ ﴿وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے یعنی تم سب نے اٹھ کر اسی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے' سو وہ تم سے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے متعلق سوال کرے گا اور پوچھے گا جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی تھیں۔

۱۶- ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ کیا تم اس ذات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے: ''اَیْ مَنْ مَلَكُوْتُهٗ فِي السَّمَآءِ'' یعنی وہ ذات پاک جس کی حکمرانی آسمان میں بھی ہے کیونکہ آسمان تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن

ہے اور اسی آسمان سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی کتابیں اور اس کے اوامر اور نواہی نازل ہوتے ہیں تو گویا فرمایا کہ کیا تم آسمان کے خالق اور اس کے بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو اور اس لیے بھی کہ کفارِ مکہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور بے شک رحمت اور عذاب دونوں آسمان سے نازل ہوتے ہیں' سو ان کے اعتقاد کے مطابق ان سے کہا گیا کہ کیا اس ذات پاک سے بے خوف ہو گئے ہو جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ وہ آسمان میں ہے حالانکہ وہ تو مکان میں رہنے سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے ﴿ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے جیسا کہ قارون کو دھنسا دیا تھا ﴿ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴾ پس اچانک وہ لرزنے لگے' ہلنے لگے اور کانپنے لگے۔

۱۷۔ ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ ﴾ کیا تم اس ذاتِ اقدس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان کا خالق و مالک ہے کہ وہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے۔ ''حَاصِبًا'' بہ معنی ''حجارۃ'' ہے یعنی پتھر [''اَنْ یُّرْسِلَ'' بدل اشتمال میں سے بدل واقع ہو رہا ہے اور اسی طرح ''اَنْ یَّخْسِفَ'' ہے] ﴿ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا رہا یعنی جب تم وہ عذاب دیکھ لو گے جس سے تمہیں ڈرایا گیا ہے تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا مگر اس وقت جان لینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا' سو میرا انکار کیسا رہا O اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پَر پھیلائے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا اور (کبھی) وہ سمیٹ لیتے ہیں' انہیں ماسوا رحمٰن کے کوئی نہیں روک سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے O کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو رحمٰن کے علاوہ تمہاری مدد کر سکے' کفار صرف دھوکے میں مبتلا ہیں O کیا کوئی ایسا ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے' بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ڈٹے ہوئے ہیں O تو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے O

۱۸۔ ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا (یعنی) آپ کی قوم قریشِ مکہ سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں انہوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی ان پر میرا عذاب کیسا سخت تھا' جب میں نے ان (منکرین) کو ہلاک کر دیا تھا۔

۱۹۔ زمین میں دھنسانے اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسانے کی قدرت کے ذکر کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی

مزید قدرت پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پَر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفارِ مکہ نے اپنے اوپر ہوا میں پرندوں کو نہیں دیکھا جب وہ اُڑتے وقت فضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے اپنے پَروں کو پھیلاتے ہوئے اُڑتے ہیں [''طیر'' ''طائر'' کی جمع ہے] ﴿ وَّيَقْبِضْنَ ﴾ اور وہ کبھی سمیٹ لیتے ہیں (یعنی) وہ پرندے کبھی اپنے پَروں کو سمیٹ لیتے ہیں' جب وہ پَروں کو پہلوؤں پر مارتے ہیں [اور ''یَقْبِضْنَ'' کو اسم فاعل ''صآفّات'' کے معنی پر محمول کر کے معطوف کیا گیا ہے یعنی ''یَصْفُفْنَ وَیَقْبِضْنَ'' یا پھر ''صآفّاتٍ وَّقَابِضَاتٍ'' ہے اور یہ ترکیب اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اُڑنے کی اصل پَروں کو پھیلانا ہے] کیونکہ ہوا میں اُڑنا پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ہوا اُڑنے والے کے لیے اس طرح ہوتی ہے جس طرح تیرنے والے کے لیے پانی ہوتا ہے اور تیرنے میں اصل بازوؤں اور ہاتھوں کو دراز کرنا اور پھیلانا ہوتا ہے' لیکن ہاتھوں کو پھیلانے کے بعد کبھی سمیٹنا کبھی کھولنا حرکت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ہوا میں اُڑنے کے لیے اصل تو پَروں کو پھیلانا ہوتا ہے لیکن حرکت کے اظہار کے لیے کبھی سمیٹنا اور کبھی کھولنا ہوتا ہے' اس لیے فعل کا کلمہ لایا گیا ہے ﴿ مَا يُمْسِكُهُنَّ ﴾ ان کو پَروں کے سمیٹتے وقت اور پھیلاتے وقت گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ﴿ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ﴾ ماسوا رحمٰن کے جو اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں روکے رکھتا ہے ورنہ ثقیل اور بوجھ والی چیز طبعی طور پر زمین کی طرف نیچے گر جاتی ہے' اوپر بلندی کی طرف اپنے آپ نہیں جاتی اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونگہبانی اور اس کی تدبیر ومنصوبہ بندی جہان سے رُک جائے تو تمام آسمان گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں [اور ''مَا يُمْسِكُهُنَّ'' جملہ مستانفہ ہے اور اگر اس کو ''یَقْبِضْنَ'' کی ضمیر ''هُنَّ'' سے حال بنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے] ﴿ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴾ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے' وہ جانتا ہے کہ وہ کیسے پیدا کرتا ہے اور کیسے عجائبات کی تدبیر کرتا ہے۔

٢٠- ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہارے لیے ایسا لشکر ثابت ہو کہ وہ رحمٰن کے علاوہ تمہاری مدد کرے [''اَمَّنْ'' مبتدا ہے ''هٰذَا'' اس کی خبر ہے ''هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ'' اپنے سے پہلے ''هٰذَا'' سے بدل ہے جب کہ اپنے مابعد کے لیے موصوف ہے اور ''یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ'' محلاً مرفوع ''هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ'' کی صفت ہے اور واحد لفظ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مدد کرنے کے لیے وہ کون ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے] ﴿ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴾ کفار صرف دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں [حرف ''اِنْ'' نافیہ ہے ''اَیْ مَا هُمْ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ'' یعنی وہ نہیں مگر دھوکا میں]۔

٢١- ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچائے اگر وہ اپنا رزق روک لے [''اَمْ مَّنْ'' ''مُشَارٌ اِلَیْهِ'' ہے اور کہا جائے گا کہ کیا یہ ہے وہ جو تمہیں رزق دیا کرے گا' اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر دے؟ اور یہ اس تقدیر پر ہے] اور یہ بھی جائز ہے کہ اشارہ تمام بتوں کی طرف ہو رہا ہو کیونکہ کفار کا یہ اعتقاد تھا کہ بے شک مصائب وآلام سے ان کی حفاظت اور ان کا رزق انہیں ان کے معبودوں کی برکت سے دیا جاتا ہے' پس گویا بت ان کے مددگار اور ان کے رازق ہیں' پھر جب انہوں نے کوئی نصیحت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کر کے ارشاد فرمایا: ﴿ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴾ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ہٹ دھرم اور ضدی ہو چکے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے تکبر کر کے اور اس سے دور بھاگ کر حد سے بڑھ چکے ہیں کیونکہ حق ان پر ثقیل اور بوجھ بن چکا ہے' سو اس لیے انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی۔

٢٢- پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے لیے ایک مثال بیان کی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى

وَجْهِهٖۤ ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل جھک کر چلتا ہے یعنی وہ ہر لمحہ منہ کے بل اوندھا گر پڑتا ہے اور چلتے وقت راہ سے بھٹک جاتا ہے ﴿ اَهْدٰۤى ﴾ وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور وہ زیادہ سیدھی راہ پر ہے؟ [''فَاَکَبَّ''، ''کَبَّہٗ'' کا مطاوع ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ''کَبَبْتُہٗ فَاَکَبَّ'' میں نے اسے الٹایا تو وہ الٹ گیا' اور ''مَنْ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اَهْدٰى'' ہے] ﴿ اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا ﴾ یا وہ (زیادہ ہدایت یافتہ ہے) جو سیدھا ہو کر چلتا ہے جو بالکل برابر سیدھا چلتا ہے نہ گرتا ہے اور نہ منہ کے بل جھکتا ہے ﴿ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ سیدھے راستے پر اور حضرت (محمد بن سائب) کلبی سے مروی ہے کہ ''مُکِبٌّ'' سے ابوجہل مراد ہے اور ''سَوِیٌّ'' سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مراد ہیں [''مَنْ'' کی خبر محذوف ہے جس پر اس سے سابق ''اَهْدٰى'' دلالت کر رہا ہے]۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' اور بے شک میں تو صرف کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O پھر جب وہ اس کو قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں فرما دیا جائے گا: یہ ہے وہ جس کو تم بار بار مانگا کرتے تھے O

۲۳- ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں ابتداء میں حسین و جمیل صورت میں پیدا کیا ﴿ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین اعضاء کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ یہی اعضاء علم کے آلات ہیں ﴿ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم ان نعمتوں پر بہت کم شکر ادا کرتے ہو کیونکہ (اے کفار مکہ) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور اس کی خالص عبادت نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تم بہت تھوڑا سا شکر کرتے ہو' اور حرف ''مَا'' زائدہ ہے (یعنی تحسین کلام کے لیے زیادہ کیا گیا ہے) اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قلت سے عدم مراد ہے ''اَلْقَلِیْلُ کَالْمَعْدُوْمِ'' یعنی تم بالکل شکر نہیں کرتے۔

۲۴- ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور تم سب حساب و کتاب اور جزاء کے لیے اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

۲۵- ﴿ وَ یَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہتے ہیں: یعنی کفار مکہ مسلمانوں سے مذاق اڑانے کے لیے کہتے: ﴿ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾

یہ وعدہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو کب پورا ہوگا یعنی عذاب کے آنے کا وعدہ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر اس وعدہ کے پورا ہونے میں تم سچے ہو تو تم ہمیں اس کا وقت بتا دو۔

۲٦-﴿ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک یہ علم یعنی عذاب کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ ﴾ اور بے شک میں صرف ڈر سنانے والا ہوں ﴿ مُّبِيْنٌ ﴾ (اور) اسلامی قوانین اور شرعی احکام وتعلیمات بیان کرنے والا ہوں (لہٰذا میں اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہا ہوں لیکن عذاب کے وقت کا تعین نہ میرے منصب وفرض میں شامل ہے' نہ میرے ذمہ لازم ہے)۔

۲۷-﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ پھر جب وہ لوگ اسے اپنے قریب دیکھیں گے یعنی جب وہ اس وعدہ کو یا اس عذاب کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اپنے قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی وعدہ کو دیکھتے ہی ان کے چہرے بگڑ جائیں گے کہ ان پر غم ورنج چڑھ جائے گا اور ان پر سیاہی چھا جائے گی اور ان کے چہرے کالے سیاہ غمگین ہو جائیں گے [''زُلْفَةً'' حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴾ اور انہیں کہا جائے گا: یہی وہ وعدہ ہے جس کا تم مطالبہ کرتے تھے اور بار بار مانگا کرتے تھے۔ ''تَدَّعُوْنَ'' دعا سے ماخوذ ہے یعنی جس کے جلد آنے کی تم درخواست کرتے تھے یا پھر یہ ''دعوٰی'' سے ماخوذ ہے یعنی جس کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تمہیں مرنے کے بعد بالکل نہیں اٹھایا جائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تَدْعُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا رحم وکرم فرما دے' تو پھر کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گاO (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسا کیا' سوعنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہےO (اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین میں جذب ہو کر نیچے اتر جائے تو پھر کون تمہارے لیے جاری پانی لائے گاO

۲۸-﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یعنی ہمیں موت دے دے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ'' (النساء:۱۷٦) میں ''هَلَكَ'' بہ معنی ''مَاتَ'' ہے' آیت کا ترجمہ یہ ہے: اگر کوئی آدمی مر جائے ﴿ اَوْ رَحِمَنَا ﴾ یا وہ ہم پر رحم وکرم کر دے کہ ہماری مدتِ حیات کو بڑھا دے اور موت کو مؤخر کر دے ﴿ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا۔ دراصل کفارِ مکہ رسولِ اکرم نبی معظم ﷺ کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف ہلاکت کی بددعا کرتے تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں: ہم مسلمان دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کا انتظار کر رہے ہیں یا

تو ہم فوت ہو جائیں گے جیسا کہ تمہاری تمنا اور آرزو ہے' پھر تو ہم اس دنیا سے جنت میں منتقل ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی فرمائے گا کہ تمہارے خلاف ہماری مدد کر کے غالب و فتح یاب کر دے گا جیسا کہ ہم اُمید رکھتے ہیں' سو تم کیا کرو گے؟ تمہیں عذابِ دوزخ سے کون بچائے گا؟ حالانکہ تم تو کافر ہو' تمہارے لیے دوزخ کا عذاب لازمی اور ضروری ہے [اور ''یُجِیْرُ'' بہ معنیٰ ''یُنْجِیْ'' ہے]۔

۲۹ - ﴿قُلْ هُوَالرَّحْمٰنُ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: وہی رحمٰن ہے یعنی جس ذاتِ پاک کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں وہ رحمٰن ہے ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم اسی پر ایمان لا چکے ہیں' ہم نے اسی کی تصدیق کی ہے اور ہم نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور ہم نے صرف اسی پر بھروسا کر رکھا ہے اور ہم نے اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیئے ہیں ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب جب تم پر عذاب نازل ہو گا تو تم جان لو گے کہ ﴿مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کون کھلی گمراہی میں ہے ہم یا تم [قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''فَسَیَعْلَمُوْنَ'' ہے]۔

۳۰ - ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے: کیا تم نے غور و فکر سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین کے نیچے گہرائی میں چلا جائے جس کو آلات بھی نہ کھینچ سکیں۔ ''غَوْرًا'' بہ معنیٰ ''غَائِرًا'' ہے' کسی چیز کا گہرائی میں چلا جانا اور اس کو مبالغہ کے لیے مصدر لایا گیا ہے جیسے ''عدل'' بہ معنیٰ ''عادل'' آتا ہے ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ تو تمہارے پاس جاری پانی کو کون لائے گا یعنی بہتا ہوا پانی' جو چاہے اس تک پہنچ جائے' اور کسی ملحد و زندیق کے پاس یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو اس نے کہا کہ کدال اور مزدور لاؤ' زمین سے پانی نکال لیں گے' چنانچہ اسی رات اس کی دونوں آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا' اور بعض حضرات نے کہا: وہ محمد بن زکریا متطبب تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری بصارت میں اضافہ فرمائے! آمین ثم آمین!

سورۃ القلم ۶۸ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رکوعاتھا ۲

سورۃ القلم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی باون آیات' دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹

نون اور قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں ۝ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں ۝ اور بے شک آپ کے لیے بے شمار اجر و ثواب ہے ۝ اور بے شک آپ بہت بڑے خلق پر فائز ہیں ۝ سو آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے ۝ کہ تم میں سے کون مجنون ہے ۝ بے شک آپ کا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے' اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے ۝ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں ۝ وہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں ۝

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جنون کی نفی اور کفار کی مذمت

۱۔ ﴿نٓ﴾ ظاہر یہ ہے کہ اس سے حروف معجمہ میں سے حرفِ تہجی مراد ہے اور لیکن حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس سے دوات مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مچھلی مراد ہے جس کی پشت پر زمین قائم ہے اور اس مچھلی کا نام یہموت ہے لیکن یہ مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے اعراب (زبر' زیر اور پیش) ضروری ہے خواہ یہ اسم جنس ہو یا اسم علم ہو' البتہ سکون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حروفِ تہجی میں سے ہے ﴿وَالْقَلَمِ﴾ قسم ہے قلم کی یعنی اس قلم کی قسم جس کے ساتھ لوحِ محفوظ میں لکھا گیا' یا پھر فرشتوں کے قلم کی قسم یا ہر اس قلم کی قسم جس کے ساتھ بھلائی کی تحریریں لکھی جاتی ہیں' ایسے قلم کی قسم اس لیے کھائی گئی کہ اس میں بے شمار منافع اور فوائد ہیں جن کا تعریف وتوصیف احاطہ نہیں کر سکتی ﴿وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ اور اس کی قسم جو کچھ وہ لکھتے ہیں یعنی جو کچھ محافظ فرشتے لکھتے ہیں یا کتابوں میں جو کچھ خیر و بھلائی لکھی جاتی ہے [اور اس میں ''مَا'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت میں) ہے]۔

۲۔ ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجنون و دیوانہ نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت وغیرہ کی صورت میں جو انعام فرمایا ہے اس کی برکت سے آپ مجنون اور دیوانہ نہیں ہیں [''اَنْتَ'' حرف ''مَا'' کا اسم ہے اور اس کی خبر ''بِمَجْنُوْنٍ'' ہے اور ''بِنِعْمَةِ رَبِّكَ'' اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور ''بِنِعْمَةِ'' میں حرف ''با'' محذوف کے متعلق ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کا عامل ''بِمَجْنُوْنٍ'' ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''مَا اَنْتَ بِمَجْنُوْنٍ مُنْعَمًا عَلَيْكَ بِذٰلِكَ'' اور حرف ''با''، ''مَجْنُوْنٍ'' کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا کیونکہ یہ نفی کی تاکید کے لیے زائد لایا گیا ہے] اور یہ آیت مبارکہ کفار کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ''وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌO'' (الحجر:۶) ''اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بے شک تم مجنون ہوO''۔

۳۔ ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ اور بے شک آپ کے لیے بے انتہاء اجر وثواب ہے (یعنی) بے شک اس بہتان تراشی کے برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے کی بناء پر آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا دائمی اجر وثواب ہے یا یہ کہ آپ پر احسان جتلائے بغیر بے شمار دائمی اجر وثواب ہے۔

۴۔ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں' اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے وہ خوبیاں مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں حکم دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَO'' (الاعراف:۱۹۹) ''(اے محبوب!) درگزر کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجئےO'' اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ'' حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلق مبارک قرآن مجید ہے[۱] یعنی قرآن مجید میں جن آداب اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے' وہ سب کے سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بہ طریق اتم واکمل موجود تھے اور بے شک آپ کے خلق کو صرف اس لیے عظیم الشان اور بڑا اعالی شان قرار دیا گیا ہے کہ آپ نے ہمیشہ دونوں جہانوں میں سخاوت و بخشش اور عمدہ آداب واخلاق کا مظاہر کیا اور آپ نے پوری زندگی کونین کے خالق ومالک پر بھروسا رکھا[۲]

---

۱ رواہ مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب:۱۸' رقم الحدیث:۷۴۶

۲ (۱) حضور سید عالم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جتنا مجھے ستایا گیا ہے اتنا کسی کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵- ﴿فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ﴾ سوعنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے یعنی عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے' اور یہ آیت مبارکہ آپ کے لیے تو وعدہ ہے (اس دنیا میں غلبۂ دین' فتح ونصرت کا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی اور حسن ثواب کا) اور جب کہ کفار کے لیے وعید اور دھمکی ہے (دنیا میں ذلت وشکست کی اور آخرت میں ناکامی و شرمندگی اور عذاب جہنم کی)۔

۶- ﴿بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ﴾ تم میں سے کون مجنون ودیوانہ ہے۔ ''مفتون'' بہ معنی مجنون ہے کیونکہ دیوانہ شخص جنون کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے یعنی جنون کی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے [اور اس میں ''با'' زائدہ ہے یا ''مفتون'' مصدر ہے بہ معنی جنون جیسے ''معقول'' مصدر بہ معنی عقل استعمال ہوتا ہے ''اَیْ بِاَیِّکُمُ الْجُنُوْنُ'' یعنی تم میں سے کس کو جنون لاحق ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: حرف ''با'' بہ معنی ''فِیْ'' ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''کُنْتُ بِبَلَدِ کَذَا اَیْ فِیْ بَلَدِ کَذَا'' یعنی میں فلاں شہر میں رہتا ہوں اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''فِیْ اَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ''] یعنی تمہارے دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مجنون ہے' مسلمانوں کا گروہ یا کفار کا گروہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ستایا گیا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مشرکین کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں' تو آپ نے فرمایا: ''اِنِّیْ مَا اُبْعَثُ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً'' (صحیح مسلم) بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں اور بے شک میں تو صرف پیکر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک سب سے زیادہ حسین تھا اور آپ کا خلق مبارک سب سے عمدہ اور بہترین تھا' آپ نہ تو بہت زیادہ دراز قد تھے اور نہ بالکل پست قامت تھے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے مسلسل دس سال حضور کی خدمت کی ہے' آپ نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا اور میں نے جو کام کیا اس کے متعلق آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور آپ سب سے زیادہ عمدہ اور حسین اخلاق کے مالک تھے اور میں نے کسی اطلس اور ریشم اور کسی دوسری چیز کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک اور کوئی عطر نہیں سونگھا۔ (متفق علیہ)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْخُلُقِ'' بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں حسن خلق کو مکمل کردوں۔

(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور بھاری اور کوئی چیز نہیں ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بدزبان سے بغض ونفرت رکھتا ہے۔ (ترمذی' ابوداؤد)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ کس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے' صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں' حضور نے فرمایا: سب سے زیادہ جس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف وتقویٰ اور حسن خلق ہے۔

(ماخوذ مع انتخاب واختصار از: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۳-۳۱)

۷- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بہت زیادہ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے یعنی وہی اللہ تعالیٰ حقیقت میں مجنونوں اور دیوانوں کو خوب جانتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ (دین حق) سے بھٹک چکے ہیں ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہی عقل مندوں کو خوب جانتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۸- ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں اور ان کی اطاعت ہرگز نہ کریں' اور اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں پر مضبوط موقف اور سخت روّیہ اختیار کرنے کی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے کیونکہ کفارِ مکہ نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور کچھ عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کیا کریں تو وہ آپ سے شرارتیں کرنا اور آپ کو تکلیفیں دینا بند کردیں گے۔

۹- ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ ان کے لیے نرمی کریں تو وہ آپ کے لیے نرم پڑ جائیں گے [''يُدْهِنُوْنَ'' ''اَنْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب نہیں ہے اور یہ ''تمني'' کا جواب ہے کیونکہ اس کو دوسرے طریقے کی طرف پھیرا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا گیا ہے: ''اَیْ فَهُمْ يُدْهِنُوْنَ'' یعنی پس وہ اس وقت نرم پڑ جائیں گے کیونکہ وہ آپ کی نرمی کے متمنی ہیں]۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

اور (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے O بہت طعنے دینے والا چلتا پھرتا چغل خور ہے O بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا بہت گناہ گار ہے O سخت مزاج بعد ازاں وہ حرام زادہ ہے O اس لیے کہ وہ بڑا مال دار اور بہت بیٹوں والا ہے O جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے O

ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کا بیان

۱۰- ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ﴾ اور آپ بہت قسمیں کھانے والے ہر شخص کی بات نہ مانیں (یعنی) حق اور باطل میں بہت زیادہ قسمیں کھانے والا اور قسمیں کھانے کے عادی شخص کی زجر و توبیخ اور اسے ڈانٹنے کے لیے یہی آیت کافی ہے ﴿مَّهِيْنٍ﴾ حقیر رائے والا' گھٹیا تدبیر والا' ذلیل شخص اور بدتمیز شخص۔ یہ ''مهانة'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی قلت وحقارت ہے یا اس سے ''كَذَّاب'' یعنی بہت جھوٹ بولنے والا شخص مراد ہے کیونکہ ایسا شخص جھوٹ کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک حقیر اور غیر معتبر ہوتا ہے۔

۱۱- ﴿هَمَّازٍ﴾ بہت عیب بیان کرنے والا' بہت طعنے دینے والا' نیز لوگوں کی پیٹھ پیچھے بہت غیبت کرنے والا شخص ﴿مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ﴾ چلتا پھرتا چغل خور (یعنی) لڑائی جھگڑا اور فساد برپا کرنے اور چغل خوری کرنے کے لیے ایک قوم کی باتیں دوسری قوم کو بتانے والا یعنی دو قوموں کے درمیان فساد ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف چغل خوری کرنے والا اور

''نمیم'' اور'' نمیمۃ'' کا معنی چغل خوری کرنا ہے۔

١٢- ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ بھلائی کو بہت روکنے والا یعنی بخیل آدمی اور'' خیر'' سے مال مراد ہے یا یہ کہ اپنے اہل و عیال کو خیر سے بہت روکنے والا اور وہ اسلام ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے کیونکہ اس کے دس بیٹے تھے اور وہ ان تمام بیٹوں کو کہتا تھا کہ تم میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا میں اس کی امداد روک لوں گا اور اسے اپنے مال سے عاق کر دوں گا ﴿مُعْتَدٍ﴾ ظلم و ستم کرنے میں اس کی حد سے تجاوز کرنے والا اور حد سے بڑھ کر ظالم شخص ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہوں کا بہت زیادہ ارتکاب کرنے والا اور بہت بڑا گناہ گار شخص۔

١٣- ﴿عُتُلٍّ﴾ بدخو' بدمزاج' سخت طبیعت' سخت دل اور خشک مزاج ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ ان عیبوں کے بعد جن کو مذکورہ بالا آیات میں شمار کیا گیا ہے ﴿زَنِيْمٍ﴾ حرام زادہ' ولد الزنا' حرام کا نطفہ' جس کا باپ مشکوک ہو اور وہ غیر قوم کی طرف منسوب ہو' اور ولید بن مغیرہ قریش کی طرف منسوب کیا جاتا تھا لیکن ان کے نسب و خاندان اور ان کی اصل میں سے نہیں تھا چنانچہ اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے لیے اپنے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ کی ماں نے زنا کاری اور حرام کاری کی' جس کا کسی کو علم نہیں تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور جب نطفہ خبیث ہوتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والا عموماً خبیث ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو ولید بن مغیرہ اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا: بے شک (سیّد عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے دس عیب بیان فرمائے ہیں' جن میں سے نو (٩) عیب مجھ میں پائے جاتے ہیں' میں انہیں جانتا ہوں لیکن ولد الزنا والا عیب میں نہیں جانتا' سو اگر تو مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دے اور مجھے سچ سچ بتا دے تو ٹھیک ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا' چنانچہ اس نے بتایا کہ تیرا باپ نامرد تھا اور مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ جب وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو اس لیے میں نے ایک چرواہے کو بلایا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا' لہٰذا تو اسی چرواہے کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

١٤- ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اس لیے کہ وہ مال دار اور بیٹوں والا ہے [یہ ارشادِ باری تعالیٰ'' وَلَا تُطِعْ'' کے متعلق ہے] یعنی ان عیبوں کے باوجود اس کی بات محض اس لیے نہ مان لیں کہ وہ مال دار اور اولاد والا ہے یعنی اس کے خوش حال ہونے اور دنیادار ہونے کی وجہ سے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے مابعد کے متعلق ہو یعنی اس لیے کہ وہ مال دار اور بہت اولاد والا ہے' اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا جس پر (درج ذیل آیت) دلالت کرتی ہے]۔

١٥- ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید تلاوت کیا جاتا ہے ﴿قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں [اور'' اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ'' میں'' قَالَ'' عمل نہیں کر سکتا کیونکہ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قاری حمزہ کوفی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں'' ءَاَنْ'' ہے یعنی کیا محض اس لیے کہ وہ مال دار ہے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا' جب کہ ابن عامر شامی اور یزید اور یعقوب اور سہیل کی قراءت میں الف مدہ کے ساتھ'' آن'' ہے] مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ جب ولید بن مغیرہ گستاخ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک جھوٹا عیب لگایا اور وہ آپ کو مجنون کہنا مراد ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دس سچے عیوب بیان فرما دیئے' پھر جب اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف اور دکھ پہنچانے والے شخص کو دس گنا زائد سزا دیتا ہے تو اس کا فضل و کرم بھی یہ ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

۱۶- ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ عنقریب ہم اس کو ذلیل ورسواء کرنے کے لیے اس کی ناک پر داغ کا نشان لگا دیں گے تاکہ اس کو اس داغ کے نشان سے پہچانا جائے اور صرف ناک کے ذکر کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس پر داغ کا نشان بہت بُرا لگتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے دن ولید بن مغیرہ کی ناک پر تلوار کا زخم لگا تھا' جس کا نشان اس کی ناک پر اس کے مرتے دم تک باقی رہا۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝۱۷ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝۱۸ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝۱۹ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝۲۱ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝۲۲ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝۲۳ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝۲۴ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝۲۵ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝۲۶ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۲۷

بے شک ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ باغ والوں کو آزمایا تھا' جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی اس کے پھل کاٹ لیں گے O اور وہ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے O سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا اور وہ اس وقت سو رہے تھے O پس وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا O پھر انہوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا O کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح سویرے ہی چل پڑو اگر تم اس کے پھل کاٹنا چاہتے ہو O پھر وہ چل پڑے اور وہ ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ کہنے لگے O کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں داخل نہ ہو سکے O اور وہ صبح سویرے اپنے ارادہ پر اپنے آپ کو قادر سمجھ کر چل پڑے O پھر جب انہوں نے اپنے باغ کو (ویران) دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں O بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں O

ضروان کے باغ والوں کا عبرناک قصہ

۱۸'۱۷- ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان کو آزمایا (یعنی) بے شک ہم نے اہل مکہ کا قحط سالی و خشک سالی اور فقر و فاقہ اور بھوک میں مبتلا کر کے امتحان لیا' اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی کہ اے اللہ! قبیلہ مضر کی سخت گرفت فرما اور ان پر سات سال قحط سالی و خشک سالی کے نازل فرما' جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں اہل مصر پر سات سال قحط سالی کے مسلط فرمائے تھے[1] ﴿كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' یہ پرہیزگار نمازی مسلمان تھے' یہ باغ ان کے باپ کا تھا جو ایک گاؤں میں تھا جس کو ضروان کہا جاتا تھا اور یہ گاؤں ملک یمن کے شہر صنعاء سے دو فرسخ (چند کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا اور ان کا باپ اپنے لیے سال بھر کی روزی اس باغ سے حاصل کر کے باقی فقیروں' محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیتا تھا' پھر جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو اس کے (تینوں) بیٹوں نے کہا: اگر ہم نے اسی طرح صدقہ خیرات کا سلسلہ جاری رکھا' جس طرح ہمارا باپ کیا کرتا تھا تو ہم

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵_ ۲۹۴

لوگ تنگ دست ہو جائیں گے کیونکہ ہم تو عیال دار ہیں' سو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے تاریکی میں مسکینوں اور ناداروں سے چھپ چھپا کر اپنے باغ کے پھل کاٹ لیں گے اور انہوں نے اپنی قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو جلا دیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر تھے جب کہ جمہور اہل اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ وہ نمازی مسلمان تھے ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ﴾ جب انہوں نے قسم کھالی کہ وہ فقراء و مساکین کے منتشر ہونے سے پہلے صبح سویرے اپنے باغ کے پھل توڑ لیں گے ["مُصْبِحِیْنَ" "یَصْرِمُنَّهَا" کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ﴾ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا [اور اس کو استثناء کہا گیا ہے حالانکہ بہ ظاہر یہ شرط ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شاء اللہ بھی استثناء کا معنی ادا کرتا ہے جیسے "لَاَخْرُجَنَّ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" اور "لَا اَخْرُجُ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ" دونوں کا ایک معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو میں باہر جاؤں گا]۔

۱۹'۲۰- ﴿فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا کہ اس باغ پر ایک بلا اور مصیبت نازل ہو گئی اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ پر آسمانی آگ نازل فرمائی' جس نے تمام باغ کو جلا ڈالا ﴿وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ حالانکہ وہ لوگ سو رہے تھے یعنی رات کے وقت ان کے سونے کی حالت میں یہ واقعہ پیش آیا ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِیْمِ﴾ پس وہ باغ تاریک رات کی طرح ہو گیا یعنی وہ جل گیا اور سیاہ ہو گیا' یا یہ کہ وہ صبح کی طرح ہو گیا یعنی باغ کی جگہ بغیر درختوں کے چٹیل میدان کی طرح سفید زمین باقی رہ گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا یعنی اس باغ کے پھل تباہ و برباد ہو جانے کے بعد گویا وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔

۲۱'۲۲- ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ﴾ سو انہوں نے صبح سویرے پکارا یعنی انہوں نے صبح ہوتے وقت ایک دوسرے کو پکارا ﴿اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ﴾ کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح تڑکے تڑکے نکل پڑو اور "اِلٰى حَرْثِكُمْ" نہیں فرمایا کیونکہ صبح سویرے باغ کی طرف پھل توڑنے کے لیے جانا باغ پر ہی جانا ہوا' یا پھر "غُدُوٌّ" "اقبال" کے معنی پر مشتمل ہے یعنی صبح تڑکے تڑکے اپنے باغ پر توجہ دو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ﴾ اگر تم کاٹنے والے ہو (یعنی) اگر تم پھل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

۲۳'۲۴- ﴿فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ﴾ پھر وہ چل پڑے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہنے لگے تا کہ ان کی آواز مسکینوں' ناداروں اور محتاجوں کو نہ پہنچ جائے ﴿اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ﴾ کہ آج تمہارے پاس باغ میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے' اور مسکینوں کے دخول کی نہی دراصل اختیار و قدرت دینے کی نہی ہے یعنی تم مسکینوں کو داخل ہونے کا اختیار اور اجازت نہ دو اور حرف "اَنْ" تفسیر یہ ہے' نیز قول کے اضمار کے ساتھ اس کو ترک کر کے پڑھا گیا ہے: "اَیْ یَتَخَافَتُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ" یعنی وہ لوگ آہستہ اور چپکے سے کہتے: آج باغ میں تمہارے پاس کوئی مسکین داخل نہ ہو سکے۔

۲۵- ﴿وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ﴾ اور وہ صبح سویرے اپنے ارادے پر قادر ہونے کا خیال کر کے روانہ ہو گئے' اور "حَرْد" کا معنی ہے: کسی کو سختی کے ساتھ روکنا کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو سختی سے روکنے پر پوری طرح قادر و با اختیار خیال کر کے روانہ ہوئے تھے۔ نفطو یہ سے اسی طرح منقول ہے' یا "حَرْد" کا معنی ہے: قصد اور سرعت یعنی وہ لوگ صبح سویرے اپنے باغ کا قصد و ارادہ کر کے جلد از جلد روانہ ہو گئے جب کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے باغ کے پھل توڑنے پر اور اس کی منفعت سے مسکینوں کو روکنے پر پوری طرح قادر ہیں' یا "حَرْد" باغ کا نام ہے یعنی وہ صبح سویرے اپنے باغ کی

طرف چل پڑے اپنے دلوں میں یہ خیال کر کے کہ وہ اس باغ کے پھل توڑنے پر پوری طرح قادر ہیں۔

۲۷،۲٦- ﴿فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ﴾ پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں یعنی جب انہوں نے اپنا باغ جلا ہوا دیکھا تو انہوں نے فوراً بغیر سوچ بچار کے کہہ دیا کہ ہم یقیناً اپنے باغ کو جانے والا راستہ بھول گئے ہیں اور یہ وہ باغ نہیں کیونکہ انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا (حالانکہ ان کا باغ تو پہلے صحیح سلامت تھا)' پھر جب انہوں نے غور کیا اور ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا تو پہچان لیا کہ یہ وہی باغ ہے' چنانچہ انہوں نے باغ کو پہچان کر کہا: ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم تو اپنے باغ کی خیر و برکت اور اس کے منافع و فوائد سے بالکل محروم ہو گئے اور یہ سب کچھ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ان میں سے ایک اچھے آدمی نے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کہتے ○ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ظالم تھے ○ پھر وہ ایک دوسرے کو آپس میں ملامت کرنے لگے ○ وہ کہنے لگے: ہائے ہماری خرابی! بے شک ہم سرکش ہو گئے تھے ○ عنقریب ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا' بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ○ عذاب اسی طرح ہوتا ہے' اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے' کاش! یہ لوگ جان لیتے ○

۲۹،۲۸- ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ ان کے متوسط آدمی نے کہا (یعنی) اپنے بھائیوں میں زیادہ انصاف کرنے والے اور ان سے زیادہ اچھے اور نیک آدمی نے کہا کہ ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ﴾ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے (یعنی) تم ان شاء اللہ تعالیٰ کیوں نہیں کہتے کیونکہ یہ بھی تسبیح ہے' اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے معنی پر متفق ہیں کیونکہ ان شاء اللہ میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا ہے اور تسبیح میں اللہ تعالیٰ کو اپنے معاملہ کے لیے ہر عیب و کمزوری سے پاک قرار دیا جاتا ہے اور تفویض اور تنزیہ میں سے ہر ایک میں تعظیم ہے' یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں نہیں کرتے اور اپنی بُری نیت سے اس کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے گویا ان میں سے ایک عادل اور اچھے آدمی نے ان سے یہ اس وقت کہا جب انہوں نے یہ بُری نیت کی تھی (کہ وہ اپنے باغ میں سے عشر وغیرہ نہیں نکالیں گے) کہ تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور مجرموں سے اس کے انتقام کو یاد کرو اور اس بُری نیت سے توبہ کرو لیکن انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو باغ کے تباہ ہونے کے بعد اب اس عادل آدمی نے ان کو عار دلائی اور شرمندہ کیا تو اس لیے ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ بہر حال انہوں نے یہ تسبیح اور اعتراف جرم باغ کے خراب ہونے کے بعد کیا کیونکہ انہیں پہلے عادل اور اچھے آدمی نے تسبیح کرنے اور توبہ کرنے کا کہہ دیا تھا اور انہوں نے نیکی کے روکنے اور

ان شاء اللہ نہ کہنے اور تسبیح نہ پڑھنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کا اقرار کرلیا اور انہوں نے تسبیح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ظالم ہونے سے پاک قرار دیا۔

۳۰'۳۱- ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے اور وہ مساکین سے دور بھاگنے اور ان سے صدقہ وخیرات روکنے کے فعل پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے بہانہ بنانے لگا' پھر سب نے متفق ہو کر اعتراف کیا کہ بے شک انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم نے فقراء کا حق روک کر اور ان شاء اللہ نہ کہہ کر اور تسبیح ترک کر کے بہت بڑی سرکشی کی تھی۔

۳۲- ﴿عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ﴾ عنقریب ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں اس باغ سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں تشدید کے ساتھ "یُبَدِّلَنَا" پڑھا جاتا ہے] ﴿اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں' اسی سے خیر طلب کرنے والے ہیں اور اسی سے عفو و درگزر کی اُمید رکھتے ہیں۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے توبہ کرلی تو انہیں اس تباہ شدہ باغ سے بہت بہتر باغ بدلے میں عطا کیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے ان کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے خالص اور سچی توبہ کرلی تھی اور مخلص بن گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کے بدلے میں انہیں اس سے بہتر باغ عطا فرمایا جو "اَلْحَیَوَانُ" کے نام سے مشہور و معروف ہوگیا' اس میں بہترین قسم کے انگور تھے' اس کا ایک گچھا اس قدر وزنی ہوتا تھا جس قدر خچر وزن اور بوجھ اٹھاتا ہے۔

۳۳- ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾ دنیا کے عذاب میں سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اسی طرح کا عذاب ہر اس شخص پر ہو گا جو ان باغ والوں کی راہ پر چل کر سرکشی کرے گا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور اس سے بہت بڑا ہو گا ﴿لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش! وہ لوگ اس کو جان لیں جو ایسے کام کرتے ہیں جو انہیں اس عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآىٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۴۱﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں O تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کر دیں گے O تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ O کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو O

کہ بے شک اس میں تمہارے لیے وہی ہے جو تم پسند کرتے ہو O کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسموں سے مؤکد کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا' کہ بے شک تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے O آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ضامن ہے O. کیا ان کے لیے کچھ شریک ہیں' تو وہ اپنے شریکوں کو لے کر آئیں اگر وہ سچے ہیں O

نیک مسلمانوں کے انعام اور کفار کے خیالات کی تردید اور ان کی اُخروی ذلت کا بیان

۳۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اس کی طرف سے مؤمنوں کو حاصل ہوں گی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾ بے شک پرہیز گاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں یعنی بے شک کفر و شرک سے بچنے اور پرہیز کرنے والوں کے لیے آخرت میں ان کے پروردگار کے ہاں ایسی نعمتوں والی جنتیں ہیں جن میں صرف خالص نعمتیں ہوں گی بہ خلاف دنیا کے باغات کے۔

۳۶'۳۵- ﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴾ تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کر دیں گے۔ یہ استفہام و سوال ان کے اس قول کے انکار کے لیے ہے کہ اگر جو کچھ (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہمیں آخرت میں اس سے بہت بہتر عطا کیا جائے گا جو کچھ انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں ہمیں ان سے بہت بہتر خوش حالی دی گئی ہے' پس ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ کیا فیصلہ کرنے میں ہم ظلم کریں گے کہ ہم مسلمانوں کو کافروں جیسا کر دیں گے؟ پھر ان سے التفات اور خطاب کے طریقہ پر فرمایا گیا ہے کہ ﴿ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو' کیونکہ تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے اور وہ ہے فرماں بردار اور نافرمان کو برابر قرار دینا۔ گویا جزاء کا معاملہ تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ تم جو چاہو اس میں فیصلہ کرو۔

۳۸'۳۷- ﴿ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ تم اس کتاب میں پڑھتے ہو ﴿ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴾ کہ بے شک اس میں تمہارے لیے لکھا ہوا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے یعنی بے شک تم جو چاہو گے اور تم جس چیز کی خواہش کرو گے وہی تمہیں مل جائے گا [اور اصل میں "اَنَّ" (کے ہمزہ) مفتوح کے ساتھ "تَدْرُسُوْنَ اَنَّ لَكُمْ مَا تَخَیَّرُوْنَ" ہے کیونکہ "درس" "مدروس" پر واقع ہوتا ہے اور آیت میں "اِنَّ" کو (ہمزہ) مکسور کے ساتھ لام کے آنے کی وجہ سے لایا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "مدروس" کی حکایت ہو جیسا کہ وہ ہے جس طرح (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ O سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ O" (الصافات: ۷۹-۷۸) اور "تخیّر الشیء" کا معنی ہے: کسی چیز کو پسند کرنا اور اس میں سے بہتر کو لے لینا]۔

۴۰'۳۹- ﴿ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴾ کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے مؤکد و مضبوط کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا ["بَالِغَةٌ"، "اَیْمَانٌ" کی صفت ہے اور "اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ"، "بَالِغَةٌ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ معاہدہ قیامت تک پہنچے گا اور اس دن تک جا کر پورا ہوگا اور کوئی قسم نہیں ٹوٹے گی یہاں تک کہ وہ فیصلہ جس پر قسم کھا کر عہد ہوا وہ حاصل ہو جائے [یا پھر وہ ظرف میں مقدر کے ساتھ متعلق ہے "اَیْ هِیَ ثَابِتَةٌ (اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ)"] یعنی وہ عہد قیامت کے دن تک ثابت رہے گا اور ہم اپنے عہد سے بری الذمہ نہیں ہوں گے مگر جب ہم تمہارے حق میں فیصلہ کر دیں اور ہم تمہیں وہ سب کچھ عطا کر دیں جو تم خود فیصلے کرتے ہو ﴿ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴾ بے شک تمہارے لیے ضرور وہی ہوگا جس کا تم اپنے حق میں فیصلہ کرتے ہو اور یہ قسم کا جواب ہے' اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے کوئی مضبوط عہد ہو چکا ہے یا ہم نے تاکید میں انتہاء کو پہنچی ہوئی مضبوط قسم کھا رکھی

ہے کہ تم جو اپنے حق میں فیصلہ کرو گے وہی ہوگا ﴿سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ﴾ ان سے پوچھیے کہ ان میں سے کوئی اس کا ذمہ دار ہے یعنی (اے محبوب!) آپ مشرکین مکہ سے پوچھیے کہ ان میں سے اس فیصلہ کا کفیل کون ہے کہ بے شک یہی ہوگا۔

۴۱- ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ﴾ کیا ان کے شریک ہیں یعنی کیا بہت سے لوگ اس قول میں ان کے ساتھ شریک ہیں؟ اور وہ اس قول میں ان کے مذہب پر چلتے ہیں؟ ﴿فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ سو وہ اپنے شرکاء کو ضرور لے کر آئیں' اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یعنی کوئی شخص ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور نہ کوئی شخص اس بات پر ان کا مددگار بن سکے گا جیسا کہ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں جو یہ بات بیان کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے متعلق ان کے لیے کوئی معاہدہ ہے اور نہ ان کا کوئی کفیل ہے' جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے لیے اس بات کی ضمانت دے سکے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی (یعنی جس دن معاملہ سخت ہو جائے گا) اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جائے تو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گےO ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور بے شک ان کو (دنیا میں) سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ اس وقت صحیح سالم ہوتے تھےO اور جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے' پس آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں' عنقریب ہم آہستہ آہستہ ان کو (عذاب کے) قریب کر دیں گے جہاں انہیں علم بھی نہیں ہوگاO اور میں ان کو مہلت دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہےO کیا آپ ان سے کوئی اُجرت مانگتے ہیں کہ پس وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیںO یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے' پس وہ لکھ رہے ہیںO

۴۲- ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ پنڈلی کے کھلنے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب و کتاب کے حوالے سے معاملہ بہت سنگین ہوگا اور حالات بڑے سخت ہوں گے' پس اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ بہت سخت و شدید اور بڑا مشکل ہوگا اور نہ وہاں کھلنا ہوگا اور نہ پنڈلی ہوگی لیکن اس کلام سے شدتِ قیامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب لوگوں کو کسی سختی (جنگ وغیرہ) میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ لوگ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھا کر سختی سے نمٹنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دیتے ہیں اور یہ اس طرح ہے جس طرح تم کسی سخت بخیل کے بارے میں کہو: ''يَدُهٗ مَغْلُوْلَةٌ'' اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا ہے حالانکہ نہ وہاں ہاتھ ہوتا ہے اور نہ زنجیر ہوتی ہے اور یہ تو بخل سے کنایہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت بخیل ہے لیکن رہے تشبیہ کا عقیدہ اور نظریہ رکھنے والے تو یہ علم البیان میں ان کی عقل و خرد کی تنگ دامانی اور غور و فکر کی کمی کی وجہ سے ہے اور اگر معاملہ اس طرح ہوتا جس طرح تشبیہ والوں نے گمان کیا ہے تو

''ساق'' کا حق تھا کہ اسے معرفہ ذکر کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ معین و معہود ہوگی [اسم ظرف ''یوم'' کا ناصب ''فلیاتوا'' ہے یا پھر اس سے پہلے ''اذکر'' مضمر و پوشیدہ ہے] ﴿ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ ﴾ اور ان کو یعنی کفار و مشرکین کو وہاں بروز قیامت سجدے کی طرف بلایا جائے گا۔ یہ حکم سجدہ تکلیفی اور تعبدی نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرنے پر انہیں ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہوگا ﴿ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ یہ سجدہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی پشتیں بیل کے سینگوں کی طرح سخت ہو جائیں گی' جھکنے اور اٹھنے کے لیے ڈھیری نہیں ہو سکیں گی۔

۴۳- ﴿ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ﴾ رسوائی کے مارے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی' ان پر ذلت و خواری چڑھی ہوئی ہوگی [''خَاشِعَةً'' ''يُدْعَوْنَ'' میں ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی کفار کو جس وقت سجدے کی طرف بلایا جائے گا' اس وقت ان کی آنکھیں ذلت و رسوائی کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی ﴿ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴾ اور بے شک دنیا میں ان کو رسولوں کی زبانی سجدے کی طرف بلایا جاتا رہا حالانکہ اس وقت وہ سلامت تھے یعنی حالانکہ اس وقت وہ تندرست اور صحیح تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے تھے' سو اسی طرح وہاں آخرت میں ان کو سجدے سے روک دیا گیا۔

۴۴- ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ﴾ سو آپ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے جو اس کلام یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے یعنی اسے میرے سپرد کر دیجئے میں تمہاری مدد کے لیے کافی ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیں' اس کے درمیان اور میرے درمیان نہ آئیں' سو میں خوب جانتا ہوں کہ ان میں کون کس کام (عذاب) کے لائق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور آپ اپنے دل مبارک کو اس کے بارے میں مشغول نہ کریں اور اس سے انتقام لینے میں مجھ پر بھروسا کیجئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے اور جھٹلانے والوں کے لیے وعید و تہدید اور دھمکی ہے ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ﴾ عنقریب ہم ان کو مہلت و ڈھیل دیں گے' کہا جاتا ہے: ''اِسْتَدْرَجَهٗ اِلٰى كَذَا'' اس کو وقفہ وقفہ سے تھوڑی تھوڑی مہلت دے گا' یہاں تک کہ اس کو عذاب دے کر عقوبت و سزا میں مبتلا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں اور نافرمانوں کو مہلت و ڈھیل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی اور احسان و نعمت اور مال و دولت عطا کرتا ہے' پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رزق کو گناہوں اور نافرمانیوں میں اضافہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ﴿ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ جہاں سے انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا ایسی جہت سے جہاں سے وہ سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔ بعض حضرات نے کہا: جب کفار و نافرمان لوگ کوئی نیا گناہ کرتے ہیں تو ہم ان کو نئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں اور ہم اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے عمل کو ان سے بھلا دیتے ہیں' جس کی بناء پر وہ شکر ادا نہیں کرتے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر احسان و انعام کر رہا ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پر قائم ہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے رہا ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔[1]

۴۵- ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میرا خفیہ منصوبہ بہت مضبوط اور بہت سخت ہے' سو اللہ تعالیٰ کے احسان کو اور ڈھیل دینے اور ان کو اختیار و قوت دینے کو ''کید'' کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ ''کید'' کی صورت میں ہے جیسا کہ اس کا نام استدراج رکھا گیا کیونکہ یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور اصل میں ''کید'' کا معنی مکر و فریب ہے اور استدراج کا معنی ہے: امن و سکون کی جہت سے کسی چیز کی گرفت کرنا' اور اللہ تعالیٰ کو ''کائد'' اور

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۱۰۷۳

''ماکر'' اور ''مستدرج'' کہنا جائز نہیں ہے۔

۴۶۔﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴾ کیا آپ ان سے تبلیغِ رسالت پر اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں' سو اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی آپ تو تبلیغ وحی پر ان سے اجرت کی تمنا نہیں رکھتے تا کہ یہ بات ان پر بوجھ بن جاتی اور وہ ایمان سے رُک جاتے۔

۴۷۔﴿ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک غیب سے لوحِ محفوظ مراد ہے یعنی کیا ان کے پاس لوحِ محفوظ ہے ﴿ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾ کہ وہ اس میں لکھ لیتے ہیں' پھر جو کچھ لکھ لیتے ہیں اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جایئے' جب انہوں نے (اپنے رب تعالیٰ کو) پکارا اور وہ بہت غمگین تھے ○ اگر ان کے پروردگار کی نعمت ورحمت انہیں نہ پہنچی ہوتی تو انہیں ضرور چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا اور وہ (لوگوں کی طرف سے) قابلِ ملامت ٹھہرائے جاتے ○ سو ان کے پروردگار نے ان کو معزز و برگزیدہ بنالیا اور انہیں نیک بندوں میں سے کرلیا ○ اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو گرا دیں جب وہ قرآن سنتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: بے شک وہ دیوانہ ہیں ○ اور وہ تو نہیں ہیں مگر تمام جہانوں کے لیے سراپا نصیحت ○

حضور ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلد بازی نہ کرنے کا حکم اور کفار کی مذمت

۴۸۔﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے رب تعالیٰ کے فیصلہ پر صبر کیجئے' اور وہ کفار کو مہلت دینے اور ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے کی تاخیر کا فیصلہ ہے اور یہ اس لیے کہ اگرچہ ان کو (اتمامِ حجت کے لیے) مہلت دے دی گئی لیکن انہیں بغیر گرفت کے چھوڑا نہیں جائے گا ﴿ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ اور آپ جلد بازی میں اور اپنی قوم پر غضب ناک ہونے میں مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جایئے تا کہ آپ کو بھی کسی آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے جس طرح ان کے ساتھ ہوا [''الحوت'' پر وقف لازم ہے کیونکہ ''اِذْ'' اپنے سے مقدم ماقبل کا ظرف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نداء اطاعت ہے جس سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ مفعول محذوف ہے] ''اَیْ اُذْكُرْ'' ﴿ اِذْ نَادٰى ﴾ یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار کو پکارا: ''اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○'' (الانبیاء: ۸۷) ''کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں آپ ہر عیب سے پاک ہیں بے شک میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو گیا ہوں ○'' ﴿ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴾ اور وہ غم وغیظ سے بھرا ہوا

تھا اور یہ ''کَظَمَ السِّقَاءُ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کو بھر کر منہ باندھ دیا جاتا ہے۔

۴۹- ﴿لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اگر انہیں ان کے پروردگار کی نعمت (یعنی) اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی نہ پہنچی ہوتی یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر اور ان کی معذرت قبول فرما کر ان پر احسان نہ فرمایا ہوتا ﴿لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ﴾ تو البتہ انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا ﴿وَهُوَ مَذْمُوْمٌ﴾ اور بے اذنِ الٰہی قوم سے ناراض ہو کر چلے جانے کی کوتاہی پر ان کو عتاب کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم وکرم فرمایا اور انہیں بغیر مذمت و ملامت اور بغیر کسی عتاب کے مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا۔

۵۰- ﴿فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا اور ان کی معذرت کرنے پر انہیں معزز و برگزیدہ بنالیا ﴿فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نیکوں میں سے کرلیا (یعنی) نیک صفات کی تکمیل کرنے والوں میں سے کر لیا اور ان کی کوئی کوتاہی باقی نہیں رہی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیائے کرام میں سے بنالیا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مُرسلین میں سے بنالیا لیکن پہلی وجہ صحیح ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی رسول اور نبی تھے' اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝'' (الصافات: ۱۳۹-۱۴۰) ''اور بے شک یونس (علیہ السلام) ضرور رسولوں میں سے تھے ۝ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف جلدی نکل گئے ۝''۔

۵۱'۵۲- ﴿وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ﴾ اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو ہلاک کر دیں [نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''لَيَزْلِقُوْنَكَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اِنْ'' ثقیلہ (مشدد نون کے ساتھ ''اِنَّ'') سے مخففہ (نون ساکن ''اِنْ'') ہے اور اس کی دلیل لام تاکید ہے] ''زَلَقَهٗ'' اور ''اَزْلَقَهٗ'' کا معنی ہے: اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا یعنی قریب ہے کہ کفار اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضب ناک ہو کر سخت تیز نگاہوں اور ترچھی نگاہوں سے' نیز آپ کو نظر بد سے دیکھتے ہیں تاکہ وہ اپنی بدنظروں سے آپ کو اپنی جگہ گرا دیں یا آپ پر سخت ناراض ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ آپ کو ہلاک کر دیں اور قبیلہ بنو اسد میں بدنظری مشہور تھی' چنانچہ ان میں سے جب کوئی آدم تین دن بھوکا رہتا' پھر وہ جس چیز کے پاس سے گزرتا اور تیز نگاہ سے اُسے دیکھتا اور اس کے بارے میں کہتا کہ میں نے آج اس جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ چیز فوراً ہلاک ہو جاتی' پھر کفارِ مکہ نے ایک بدنظر شخص کو بلایا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی اس طرح کی بات کہے' چنانچہ اس بدبخت شخص نے آپ کو نظر بد سے دیکھ کر کہا کہ میں نے آج ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نظر بد سے محفوظ رکھا اور حدیث شریف میں ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور بے شک نظر بد اونٹ کو ہانڈی میں اور آدمی کو قبر میں داخل کر دیتی ہے[1] حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد لگ جائے اس پر اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر دم کیا جائے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اثر زائل ہو جائے گا ﴿لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ جب وہ ذکر کو سنتے یعنی قرآن کو سنتے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت کے ملنے پر حسد و بغض کی وجہ سے وہ کہتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک وہ مجنون و دیوانہ ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے معاملہ میں حیرت زدہ ہونے اور آپ سے نفرت کرنے کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ بے شک (سیّد عالم حضرت) محمد (ﷺ) مجنون ہیں ﴿وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ اور وہ نہیں مگر تمام جہانوں

---

[1] مسند فردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۲۱۴' فیض القدیر رقم الحدیث: ۵۷۴۸' تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۷

کے لیے نصیحت ہے یعنی قرآن مجید تمام جنوں اور انسانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے' مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ کو قرآن مجید کی وجہ سے مجنون کہا حالانکہ قرآن مجید تو تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے تو بھلا جو ہستی اس جیسی کتاب نے کر تشریف لائے تو وہ مجنون کیسے ہو سکتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ'' میں ذکر سے حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں یعنی جب وہ لوگ آپ کا ذکر مبارک سنتے تو غضب ناک ہو کر تیز نگاہوں سے آپ کو نظر لگاتے اور ''وَمَا هُوَ'' میں ''هُوَ'' ضمیر کا مرجع حضور ہیں یعنی حضرت محمد عربی ﷺ تو تمام جہانوں کے لیے باعث عزت و شرف اور سراپا نصیحت ہیں' بھلا ان کی طرف جنون و دیوانگی کو کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الحاقۃ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی باون آیات' دو رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩

ضرور واقع ہونے والی ہے ○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ○ اور تمہیں کیا معلوم ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ○ ثمود اور عاد نے کھڑ کھڑانے والی (قیامت) کو جھٹلایا ○ سو رہے ثمود تو انہیں ایک خوف ناک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ○ اور رہے عاد تو انہیں بہت سخت گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل مسلط رکھا' سو تم ان لوگوں کو اس میں گرا ہوا دیکھتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے گرے ہوئے تنے ہیں ○ تو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو ○ اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور جن لوگوں کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں ان سب نے گناہ کیے ○

قیامت کے ہولناک منظر اور منکرین کے انجامِ بد کا بیان

۱- ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ یہ ایسی قیامت ہے جس کا وقوع واجب اور ضروری ہے' جس کا آنا ثابت ہو چکا ہے یہی وہ نشانی ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [یہ ''حَقَّ' يَحِقُّ'' بکسر الحاء سے ماخوذ ہے] ''اَیْ وَجَبَ'' یعنی قیامت کا وقوع واجب و لازم اور ضروری ہے۔

۲- ﴿مَا الْحَآقَّةُ﴾ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ دونوں مل کر ''الْحَآقَّة'' کی خبر ہیں اور اصل میں ''اَلْحَآقَّةُ (مَا هِیَ اَیُّ شَیْءٍ هِیَ'')] ضرور واقع ہونے والی وہ کیا ہے یعنی وہ کیا چیز ہے۔ یہ سوال اس کی شان کی بلندی اور اس کی ہولناکی کی عظمت و بڑائی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے یعنی قیامت اس بات کی حق دار ہے اور اس لائق

ہے کہ اس کی عظمت و بڑائی کی وجہ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے اور اس کے متعلق پوچھا جائے' پھر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے تا کہ اس کی ہولنا کی کی تاکید ہو جائے۔

۳- ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ ﴾ اور کیا تمہیں معلوم ہے؟ اور تمہیں کس نے سکھایا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے یعنی تمہیں اس کی کنہ اور اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے اور نہ اس کی بڑائی کی غایت کا تمہیں علم ہے کیونکہ قیامت اتنی بڑی ہولناک اور سخت ہے کہ مخلوق کی عقل وخرد کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی [اور ''مَا'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''اَدْرٰىكَ'' خبر ہے اور اس کے بعد جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ وہ ''اَدْرٰی'' کا دوسرا مفعول ہے]۔

۴- ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴾ قوم ثمود اور قوم عاد نے ''قارعة'' (کھڑکھڑانے والی) کو جھٹلایا یعنی ''الحآقة'' کو جھٹلایا' پھر ''القارعة'' کو ''الحاقة'' کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں قیامت کے ناموں میں سے دو نام ہیں اور قیامت کا نام ''قارعة'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ مختلف انواع کی گھبراہٹوں اور ہولنا کیوں کے ذریعے انسانوں کے کانوں کو کھٹکھٹائے گی۔

۵'۶- اور جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور اس کی بہت بڑی ہولنا کی کا ذکر کیا تو اس کے بعد قیامت کے جھٹلانے والوں اور تکذیب کے سبب ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر فرمایا تا کہ مکہ والوں کو عبرت و نصیحت حاصل ہو اور ان کو جھٹلانے کے سبب جھٹلانے والوں کے انجام سے خوف و ڈر حاصل ہو ﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴾ سو لیکن ثمود تو ان کو ایک سخت بلند ترین چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔ ''طاغية'' کا معنی ہے کہ شدت وسختی میں حد سے بڑھ کر تیز آواز اور ایسی سخت بلند چیخ جس سے زمین کانپ اُٹھے' اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے' چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا: اس سے زلزلہ مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے چیخ مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس سے چنگھاڑ مراد ہے۔ ''طاغية'' مصدر ہے جیسے ''عافية'' ہے یعنی ان کی سرکشی کے سبب انہیں ہلاک کیا گیا لیکن یہ (درج ذیل) ارشاد کے مطابق نہیں ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ ﴾ اور لیکن عاد کی قوم تو انہیں سخت آندھی سے ہلاک کیا گیا یعنی پچھوائی ہوا سے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ'' میری بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد دَبور (مغربی یا پچھوائی ہوا) سے ہلاک کی گئی ہے[1] ﴿ صَرْصَرٍ ﴾ سخت گرجتی ہوئی ہوا' اگر ''صَرَّة'' (بفتح الصاد) سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی ہوگا: بہت سخت اونچی چیخ اور اگر ''صِرَّة'' (بکسر الصاد) ہو تو معنی ہوگا: سخت ٹھنڈ اور شدت کی سردی گویا ایسی آندھی جس میں بار بار سردی اور ٹھنڈ ہوتی رہے اور بہت زیادہ سردی بڑھ جائے یہاں تک کہ سردی اور ٹھنڈ کی شدت کے سبب جلانے لگے ﴿ عَاتِيَةٍ ﴾ سخت آندھی جو اپنے مرکز سے بے قابو ہو کر نکلے جسے کفار اللہ تعالیٰ کے حکم کے سبب روک نہ سکیں اور نہ اس سے بچ سکیں' یہ آندھی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غضب بن کر آئی۔

۷- ﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلط رکھا۔ ''سَخَّرَهَا'' بہ معنی ''سَلَّطَهَا'' ہے اور اس عذاب کی ابتداء مہینے کے آخر میں بدھ کے دن سے ہوئی اور دوسرے بدھ تک مسلسل عذاب ہوتا رہا ﴿ حُسُوْمًا ﴾ متواتر اور لگاتار ہوا جو منقطع نہ ہوتی تھی [یہ ''حاسم'' کی جمع ہے جیسے ''شهود''، ''شاهد'' کی جمع ہے] یہ تسلسل اور تواتر کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا بیمار جانور کی بیماری کی جگہ پر بار بار داغتا رہتا ہے یہاں تک کہ داغنا مکمل ہو جائے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو] ﴿ فَتَرَى ﴾ پس اے مخاطب! (یعنی اے انسان!) تم دیکھتے

[1] رواہ احمد ج ا ص ۳۲۴' البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵' مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰

کہ ﴿الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى﴾ یہ قوم ان تیز آندھی کے چلنے کی جگہوں میں یا ان راتوں اور دنوں میں زمین پر پچھاڑے ہوئے گرے پڑے ہیں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ گویا وہ لوگ (بڑے بڑے اجسام کی وجہ سے) کھجوروں کے گرے پڑے کھوکھلے تنے ہیں [''صَرْعٰى''، ''صَرِيْعٌ'' کی جمع ہے اور ''اَلْقَوْمَ'' سے پہلا حال ہے اور ''كَاَنَّهُمْ'' اس کا دوسرا حال ہے'' نَخْلٍ''، ''نَخْلَةٌ'' کی جمع ہے] اور ''اَعْجَازٌ'' کا معنی ہے: درختوں کے تنے اور جڑیں اور ''خَاوِيَةٍ'' کا معنی ہے: گری پڑی ہوئی چیز یا بہت پرانی چیز۔

۸- ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ تو کیا تم ان میں سے کسی شخص کو سلامت اور باقی بچا ہوا دیکھتے ہو (ہرگز نہیں!) [''بَاقِيَةٍ'' صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے یعنی ''مِنْ نَّفْسٍ بَاقِيَةٍ'' ہے یا یہ ''بَقَاءٌ'' سے ماخوذ ہے اور مصدر کے معنی میں ہے جیسے ''طَاغِيَةٌ'' بہ معنی طغیان ہے یعنی کیا تم ان میں سے کسی شخص کے لیے بقا دیکھتے ہو؟]۔

۹- ﴿وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ﴾ اور فرعون اور وہ قومیں جو اس سے پہلے گزر چکیں (جیسے عاد و ثمود وغیرہ) [ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں ''وَمَنْ قِبَلَهٗ'' (بکسر القاف وبفتح الباء) پڑھا جاتا ہے] یعنی فرعون اور جو اس کے پاس اس کے پیروکار تھے وہ سب کفر و شرک کے گناہ کرتے رہے ﴿وَالْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ اور وہ لوگ جن کی بستیاں الٹا دی گئیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد ہیں' سو انہیں کو الٹا دیا گیا تھا یعنی ان بستیوں کو اٹھا کر ان کے باشندوں پر الٹا دیا گیا تھا (تاکہ تمام نافرمان وسرکش لوگ نیچے دب کر ہلاک ہو جائیں) ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ گناہ یا گناہ کا کام یا بہت بڑے گناہ (کفر و شرک) والے افعال۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

سو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرفت میں پکڑ لیا O بے شک جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا O تاکہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت وعبرت بنا دیں اور اسے محفوظ کرنے والے کان محفوظ کر لیں O پھر جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی O اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور ایک دفعہ باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی O اور آسمان پھٹ جائے گا' سو وہ اس دن بالکل کمزور ہو گا O اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے' اور اس دن آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو اٹھائیں گے O

۱۰۔﴿ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ ﴾ سو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی یعنی قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی ﴿ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت ترین گرفت میں پکڑ لیا جس طرح ان کے گناہ قباحت و بے حیائی میں سب سے بڑھ کر قبیح اور بدترین تھے اسی طرح ان کی پکڑ بھی سخت ترین تھی اور ''رَّابِيَةً'' کا معنی ہے: شدید ترین وسخت ترین پکڑ۔

۱۱'۱۲۔﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴾ بے شک جب پانی طغیانی میں آ گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا یعنی جب طوفان کے وقت پانی دنیا کے بلندترین پہاڑوں سے پندرہ (۱۵) ہاتھ اونچا اور بلند ہو گیا تو اس وقت ہم نے تمہارے آباء واجداد کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کر دیا تھا ﴿ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً ﴾ تاکہ ہم اسے یعنی کافروں کو غرق کرنے اور مسلمانوں کو نجات دینے کے کام کو تمہارے لیے نصیحت وعبرت بنا دیں ﴿ وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴾ اور تاکہ اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں جب وہ یہ واقعہ سنیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ کان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تعلیم کو عقل وخرد سے کام لے کر سمجھتے ہیں اور پھر جو کچھ سنتے ہیں اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

۱۳ تا ۱۵۔﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾ پھر جب صور میں ایک پھونکی پھونکی جائے گی' اسے نفخہ اُولیٰ کہتے ہیں اور اس پہلے صور پھونکنے کے وقت تمام لوگ مر جائیں گے' پھر جب دوبارہ دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت تمام لوگ زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ﴿ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ ﴾ اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے اوپر بلندی کی طرف اٹھائے جائیں گے ﴿ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴾ پھر وہ ایک ضرب سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ چورا چورا ہو جائیں گے اور ریت کے باریک ٹیلوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھیلے ہوئے غبار بن جائیں گے ﴿ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴾ پس اس دن اور اس وقت واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور نازل ہونے والی نازل ہو جائے گی اور وہ قیامت ہے [''اِذَا'' کا جواب ''وَقَعَتْ'' ہے اور ''يَوْمَئِذٍ''، ''اِذَا'' سے بدل ہے]۔

۱۶'۱۷۔﴿ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا' سو وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا' اس کے دروازے کھل جائیں گے' قوت واستحکام ختم ہو جائے گا جب کہ اس سے پہلے بہت مضبوط ومستحکم تھا ﴿ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ﴾ اور فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے کیونکہ یہ فرشتوں کا مسکن وقیام گاہ ہے' لہٰذا جب یہ پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کے کناروں کی طرف پناہ حاصل کریں گے [''الملك'' اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے اور ''مَلٰٓئِكَةٌ'' سے عام ہے یعنی تمام فرشتے اور ''اَرْجَآء'' جمع ہے' اس کا واحد ''رَجًا'' ہے الف مقصورہ کے ساتھ ہے] ﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴾ اور جو فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے ان میں سے آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو ان فرشتوں کے اوپر اٹھا کر رہیں گے اور آج تو صرف چار فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن چار مزید بڑھا دیئے جائیں گے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی اور بعض حضرات کا قول ہے: فرشتوں کی آٹھ انواع واقسام ہوں گی۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾

اس دن تمہیں پیش کیا جائے گا تم میں سے کوئی چھپنے والی جان نہیں چھپ سکے گی O پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو وہ کہے گا: آؤ! میرا اعمال نامہ پڑھو O بے شک مجھے معلوم تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں O پس وہ پسندیدہ زندگی میں رہے گا O بلند و بالا جنت میں O جس کے پھل قریب ہوں گے O تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے O اور لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو وہ کہے گا: اے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا O اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے O

حساب و کتاب کے لیے حاضری اور جنت اور دوزخ والوں کے انجام کا بیان

۱۸- ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ﴾ اس دن تمہیں حساب و کتاب اور سوال و جواب کے لیے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا' یہاں روزِ قیامت کی حاضری کو بادشاہ کے سامنے لشکر کی حاضری کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ اس کے احوال سے آگاہی حاصل ہو جائے ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ تم میں سے کوئی شخص اپنا راز اور بھید اور اپنا حال نہیں چھپا سکے گا جسے وہ دنیا میں چھپایا کرتا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن تین بار پیش کیا جائے گا' ایک بار سوال و جواب اور باز پرس کرنے کے لیے اور دوسری بار معذرت و عذر پیش کرنے کے لیے اور تیسری بار ان کے صحائف کھولے جائیں گے' کامیاب ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے اور ہلاک ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔[1]

۱۹- ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ﴾ یہاں سے بارگاہِ الٰہی میں لوگوں کی حاضری کی تفصیل بیان کی جارہی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ خوش ہو جائے گا جب اس میں نیکیاں پائے گا اور اپنی جماعت سے خطاب کر کے کہے گا: ﴿هَآؤُمُ﴾ لو! اور پکڑو۔ یہ اسم فعل ہے ''اَيْ خُذُوْا'' یعنی لو اور پکڑو ﴿اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ میرے اعمال نامہ کو پڑھو اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''(هَآؤُمُ) كِتَابِيْ (اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ)'' ''میرا نامۂ اعمال لو (اور) میرا نامہ اعمال پڑھو'' [پھر پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے اور بصریوں کے نزدیک ''كِتَابِيَهْ'' میں ''اِقْرَءُوْا'' عامل ہے کیونکہ وہ اقرب کو عامل قرار دیتے ہیں اور ''كِتَابِيَهْ'' اور ''حِسَابِيَهْ'' اور ''مَالِيَهْ'' اور ''سُلْطَانِيَهْ'' میں ''ھا'' سکتہ کی ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اسے حالتِ وقف میں ثابت

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۴۱۴' والترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۵' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۷

رکھا جائے اور حالت وصل میں گرا دیا جائے اور وقف کو ترجیح دینا مستحب ہے' اس کے ثبات کو قائم رکھنے کے لیے کیونکہ یہ "ھَا" مصحفِ عثمانی میں ثابت ہے]۔

۲۰۔﴿ اِنِّیْ ظَنَنْتُ ﴾ بے شک مجھے غالب گمان تھا (یعنی) مجھے معلوم تھا میں یقیناً جانتا تھا اور ظن کو علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ ظن غالب احکام میں اور عادات و اطوار میں علم کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لیے جو مسائل و احکام اجتہاد کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں وہ توہمات اور وسوسوں سے بہت کم خالی ہوتے ہیں اور یہ چیزیں ظن کی طرف لے جاتی ہیں' سو اس لیے "ظـــن" کے لفظ کا اطلاق اجتہاد پر جائز ہے کیونکہ اجتہاد ظن سے خالی نہیں ہوتا ﴿ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴾ بے شک میں حساب سے ملنے والا ہوں یعنی میں اپنے حساب کا ضرور معائنہ اور مشاہدہ کرنے والا ہوں۔

۲۱۔﴿ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴾ سو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے یعنی مسرت و خوشی والی جس پر زندگی والا خوش اور مسرور ہوگا۔

۲۲۔﴿ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴾ بلند ترین جنت میں ہوں گے جس کے مکان بلند ہوں گے یا بلند درجات والی جنت میں ہوں گے یا بلند ترین عمارتوں اور اونچے اونچے محلات والی جنت میں ہوں گے [اور یہ خبر کے بعد خبر ہے]۔

۲۳۔﴿ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴾ جنتی درختوں کے پھل پک کر اس قدر نیچے قریب آ جائیں گے کہ جو چاہے گا انہیں حاصل کر لے گا' چنانچہ بیٹھا ہوا شخص بھی کھڑے ہوئے شخص کی طرح پھل حاصل کر لیا کرے گا۔

۲۴۔﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا ﴾ ان (جنتیوں) سے کہا جائے گا کہ تم جنت کے ماکولات و مشروبات خوب مزے سے کھاؤ اور پیو (یعنی) جنتی کھانے پینے کی چیزیں عمدہ خوش گوار' دل پسند' مزے دار ہوں گی' ان میں کسی قسم کی کوئی کراہت و ناخوش گواری نہیں ہوگی اور نہ ان کے کھانے پینے سے تکلیف ہوگی یا مصدر کی بناء پر "هَنِئْتُمْ هَنِیْٓـًٔا" ہے ﴿ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ ﴾ ان اعمال صالحہ کے سبب جن کو تم نے آگے بھیجا ہے ﴿ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴾ دنیا کے دنوں میں سے گذشتہ دنوں میں۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ روزے رکھنے والوں کی شان میں نازل ہوئی یعنی بروزِ قیامت روزہ داروں کو کہا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھ کر کھانے اور پینے سے دنیا میں رُکے رہتے تھے' اب تم ان روزوں کے صلے میں جنتی کھانے کھاؤ اور جنتی مشروبات پیو اور خوب مزے لو۔

۲۵۔﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴾ اور لیکن جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس میں رسوا کن بُرائیاں دیکھ کر غم کے مارے حسرت کے ساتھ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔

۲۶۔﴿ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ﴾ اور میں نہیں جانتا کہ میرا حساب کیا ہے' یعنی اے کاش کہ میں یہ نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ (۲۷) مَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ (۲۸) هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ (۲۹) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ (۳۱) ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ

ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ إِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَأْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

اے کاش! وہ (موت) میرا کام تمام کر دیتی O میرے مال نے میری کوئی کفایت نہیں کی O میرا تسلط مجھ سے جاتا رہا O (پھر حکم ہوگا:) اس کو پکڑ لو اور اسے طوق پہنا دو O پھر اسے دوزخ میں داخل کرو O پھر ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہو اسے جکڑ دو O بے شک وہ بڑے عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا O اور نہ وہ کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O سو آج یہاں اس کا کوئی سرگرم دوست نہیں ہے O اور (اس کے لیے) کوئی کھانا نہیں ہوگا ماسوا دوزخیوں کی پیپ کے O اس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O

۲۷- ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ اے کاش! میری وہ موت جس کے سبب میں مر کر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا گیا ہوں، میرا فیصلہ کر دیتی یعنی میری زندگی کا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی تا کہ میں اس موت کے بعد کبھی نہ اٹھایا جاتا اور میں وہ سب کچھ نہ پاتا جو کچھ میں نے اعمال نامہ میں پایا ہے۔

۲۸- ﴿مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ﴾ میرے مال نے میری کفایت نہیں کی یعنی میں دنیا میں جو کچھ مال و دولت جمع کرتا رہا اس نے مجھے کوئی نفع اور کوئی فائدہ نہیں دیا ["مَا" نافیہ ہے اور "اَغْنٰی" کا مفعول محذوف ہے یعنی "شَيْئًا"]۔

۲۹- ﴿هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ﴾ میری سلطنت مجھ سے ختم ہوگئی (یعنی) میرا ملک اور لوگوں پر تسلط و غلبہ جاتا رہا اور اب میں فقیر و بے نوا اور ذلیل و خوار ہو گیا ہوں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کہے گا: میری حجت گم ہوگئی ہے یعنی میری وہ حجت ختم ہوگئی ہے جس کے ذریعے میں لوگوں پر حجت بازی کرتا اور جس کے ذریعے میں لوگوں پر اپنی چودھراہٹ قائم کرتا تھا۔

۳۰ تا ۳۲- پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے محافظ دربان فرشتوں سے فرمائے گا: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ﴾ اس (کافر) کو پکڑ لو اور اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ ملا کر بیڑیوں اور زنجیروں سے کس کر باندھ دو ﴿ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ﴾ پھر تم اسے دوزخ میں داخل کر دو یعنی پھر تم اس کو دوزخ ہی میں ڈال دو اس کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں اور وہ بہت بڑی سخت ترین جلانے والی آگ ہے ["الجحیم" کی نصب ایک ایسے فعل کی وجہ سے ہے، جس کی تفسیر "صلوہ" کر رہا ہے] ﴿ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾ پھر اسے ایسی زنجیروں میں جکڑ دو جن کی لمبائی ستر (۷۰) ہاتھ ہے۔ حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ اس ہاتھ سے فرشتہ کا ہاتھ مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس ہاتھ کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ["فِيْ سِلْسِلَةٍ" کو "فَاسْلُكُوْهُ" سے اس طرح مقدم کیا گیا ہے جس طرح "ثُمَّ الْجَحِيْمَ" کو "صَلُّوْهُ" پر مقدم کیا گیا ہے (یعنی تخصیص کے لیے)]۔

۳۳، ۳۴- ﴿اِنَّهٗ﴾ یہ تعلیل کے لیے ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس کافر کو اس قدر شدید اور سخت ترین عذاب کیوں دیا جائے گا تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کیونکہ بے شک وہ شخص ﴿كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ O وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾

عظمت وبزرگی والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتاO اور نہ وہ مسکین ونادار کو کھانا دینے کی ترغیب دیتا (یعنی) مسکین کے لیے کھانا خرچ کرنے پر ترغیب نہیں دیتا اور اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے کہ وہ حشر نشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ لوگ مسکینوں کو جو کچھ کھانا کھلاتے ہیں' ان سے جزاء کے طلب گار نہیں ہوتے بلکہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے انہیں کھانا کھلاتے ہیں' پھر جب وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب کیوں کردے گا یعنی بے شک وہ اپنے کفر کے ساتھ ساتھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا اور اس میں بہت قوی اور پختہ دلیل ہے کہ مسکینوں کو محروم رکھنا بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس کو کفر پر عطف کر کے ذکر کیا اور اس کو کفر کی دلیل قرار دیا اور اس کا قرینہ بنا دیا اور اس لیے بھی کہ ترغیب نہ دینے کا ذکر کیا لیکن کھانے نہ دینے کے عمل کا ذکر نہیں کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جب ترغیب کا تارک اس قدر بُرا ہے تو عمل کا تارک زیادہ بُرا ہوگا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ جب وہ گوشت کا سالن تیار کرنے لگیں تو شوربہ زیادہ تیار کرلیا کریں تا کہ اس میں سے مسکینوں کو کھلایا جا سکے اور فرمایا کرتے کہ ہم اس سورت میں بیان کی گئی زنجیر کے آدھے حصے کو ایمان کی قوت سے اتار پھینکیں گے اور آدھے حصے کو صدقہ خیرات اور مسکینوں کو کھانے کھلانے کے ذریعے اتار پھینکیں گے اور یہ آیاتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ تمام مؤمنوں پر رحم وکرم کیا جائے گا اور کافروں پر بالکل رحم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں' ان میں سے ایک دائیں ہاتھ والوں کی قسم ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے وصف کے ساتھ متصف فرمایا اور یہ ارشاد ان کے لیے کافی ہے: ''اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ'' بے شک مجھے یقین تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں' اور ان میں سے دوسری قسم بائیں ہاتھ والوں کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کفر کے ساتھ متصف فرمایا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ'' بے شک وہ عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں میں سے جن کو سزا دی جائے گی' وہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دینے سے پہلے سزا دی جائے گی۔

۳۵- ﴿فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ﴾ سو آج یہاں اس کا کوئی گہرا دوست نہیں جو اس سے عذاب کو دور کر سکے اور اس کی خاطر اپنے دل کو مغموم کرے اور اپنے دل کو اس کی خاطر جلانے لگے۔

۳۶- ﴿وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ﴾ اور نہ کچھ کھانا ہوگا مگر دوزخیوں کی پیپ۔ ''غِسْلِیْنَ'' ''فِعْلِیْنَ'' کے وزن پر ہے' ''غِسْلٌ'' سے ماخوذ ہے' نون زائد ہے اور یہاں اس سے وہ خون اور پیپ مراد ہے جو آگ کی حرارت اور تپش کی وجہ سے دوزخیوں کے جسموں سے بہے گی۔

۳۷- ﴿لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ﴾ اس کو نہیں کھائیں گے مگر گناہ گار کفار' اور ''خَطِئَ الرَّجُلُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی جان بوجھ کر قصد وارادہ کے ساتھ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۴۷﴾

سو میں ان چیزوں کی قسم اٹھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہوO اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتےO بے شک یہ قرآن عزت والے رسول کا قول ہےO اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں' تم بہت کم ایمان لاتے ہوO اور نہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہوO یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہےO اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر بہتان لاتاO تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے ضرور انتقام لے لیتےO پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتےO پھر تم میں سے کوئی اسے بچانے والا نہ ہوتاO

قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸'۳۹- ﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾ سو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو جیسے تمام اجسام اور زمین اور آسمان ﴿وَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے جیسے تمام فرشتے اور ارواح' پس خلاصہ یہ ہے کہ مجھے تمام اشیاء کی قسم۔

۴۰- ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ بے شک وہ عزت والے رسول کا قول ہے یعنی بے شک یہ قرآن مجید محترم و مکرم رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یا حضرت جبریل علیہ السلام کا بولا ہوا کلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قرآن مجید کو رسالت و پیغام رسانی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت جبریل علیہ السلام بول کر سناتے ہیں اور اس کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔

۴۱'۴۲- ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ﴾ تم بہت کم ایمان لاتے ہو ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو' اور ''قَلِيْل'' ''قِلَّۃ'' سے ماخوذ ہے اور ''قِلَّۃ'' کا معنی عدم ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''هٰذِهٖ اَرْضٌ قَلَّمَا تُنْبِتُ'' یہ زمین بہت کم سبزہ اُگاتی ہے ''اَیْ لَا تُنْبِتُ اَصْلًا'' یعنی بالکل نہیں اُگاتی' اور آیات کا معنی یہ ہے کہ تم بالکل ایمان نہیں لاتے اور تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۴۳- ﴿تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ یہ (قرآن) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ دونوں مذکورہ بالا آیات کا بیان ہے کیونکہ رسول کریم کا قول وہی کلام ہے جو پروردگار عالم کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے [''تَنْزِیْلٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هُوَ تَنْزِیْلٌ'' الخ]۔

۴۴ تا ۴۶- ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ﴾ اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر افتراء کرتا (یعنی) اگر وہ ہم پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا جسے ہم نے ان کی طرف منتقل نہیں فرمایا ﴿لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾ تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے انتقام لے لیتے (یعنی) ہم اسے اپنی گرفت اور اپنی قید میں پکڑ کر ضرور ہلاک کر دیتے جیسا کہ بعض بادشاہ ان لوگوں کو سخت مار مارنے اور ان سے سخت انتقام لینے کے لیے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹا افتراء اور بہتان لگاتے ہیں' چنانچہ مجرم کو گرفتار اور قید کر کے ہاتھ باندھ کر تلوار سے قتل کرنا زیادہ ہولناک ہوتا ہے اور ''یمین'' کے ساتھ تخصیص اس لیے کی گئی ہے

کہ جب قاتل مجرم یا مخالف کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اگر اس کی گردن کی پچھلی جانب گدی پر تلوار چلاتا ہوتا ہے تو قاتل اپنی تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر پیچھے سے آ کر مخالف کی گردن پر چلاتا ہے اور اگر وہ اس کی اگلی جانب ذبح کی جگہ گردن مارنا چاہتا ہے تو تلوار اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر مخالف کے سامنے سے آتا ہے اور یہ صورت قتل ہونے والے قیدی کے لیے بہت شدید اور سخت ہوتی ہے کیونکہ قاتل دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر سامنے سے آتا ہوا نظر آتا ہے جس سے دہشت وخوف بڑھ جاتا ہے اور ''لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ'' کا معنی یہی ہے کہ ہم اسے پوری قوت وسختی کے ساتھ ہلاک کر دیتے اور اسی طرح اس (درج ذیل) آیت کا معنی ہے: ﴿ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾ پھر ہم اس کی شہ رگ ضرور کاٹ دیتے اور یہ دل کی رگ ہوتی ہے جب اسے کاٹ دیا جائے تو آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۴۷۔﴿ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴾ پھر تم میں سے کوئی شخص اس سے دفاع کرنے والا نہیں ہوتا (یعنی) اے لوگو! یا اے مسلمانو! تم حضور سیّد عالم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دفاع کرنے والے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والے نہیں ہو سکتے تھے [''منکم'' میں تمام لوگوں کو یا صرف مسلمانوں کو خطاب ہے اور ''مِنْ اَحَدٍ'' میں ''مِنْ'' زائد ہے اور ''عَنْهُ'' میں ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ''حَاجِزِيْنَ'' اگرچہ ''اَحَدٍ'' کا وصف ہے لیکن اس کو جمع اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ''اَحَدٍ'' جماعت کے معنی میں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ:۱۸۵) ''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے'']۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع

اور بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت ہے O اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں بعض ضرور جھٹلانے والے ہیں O اور بے شک یہ قرآن کافروں کے لیے باعث حسرت ہے O اور بے شک یہ یقینی حق ہے O سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے O

۴۸'۴۹۔﴿ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ O وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید پرہیزگاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت وخیر خواہی ہے O اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ ضرور جھٹلانے والے ہیں۔

۵۰۔﴿ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید جھٹلانے والے اور انکار کرنے والے کافروں کے لیے اس وقت باعث حسرت وافسوس ہوگا جب وہ تصدیق کرنے والے ایمان داروں کے اجر وثواب کو دیکھیں گے۔

۵۱۔﴿ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) بے شک قرآن مجید یقینی اور قطعی حق ہے (یعنی) عین یقین اور محض یقین ہے۔

۵۲۔﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ سو آپ اپنے عظمت وبزرگی والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی)

پس آپ اللہ تعالیٰ کے عظمت و بزرگی والے نام کے ذکر کے ساتھ اس کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہیے اور وہ اس کا قول ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ المعارج مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی چوالیس آیات' دو رکوع ہیں

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىہُ قَرِیْبًا ﴿۷﴾ یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُھْلِ ﴿۸﴾ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ ﴿۹﴾ وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾

ایک سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو ضرور واقع ہونے والا ہے○ کافروں کے لیے جس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے○ بلندیوں والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا○ فرشتے اور روح الامین اس کی طرف چڑھتے ہیں (وہ عذاب) اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے○ سو آپ خوب صبر جمیل کیجئے○ بے شک وہ اسے دور خیال کرتے ہیں○ اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں○ جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا○ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے○ اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا○

قیامت کا منظر' کفار کی تمنا اور ان کی حالتِ زار کا بیان

۱- ﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا۔ یہ نضر بن حارث کافر تھا' جس نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ○'' (الانفال: ۳۲) ''اگر یہ (نبی' قرآن اور دین) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے دے○'' یا پھر سائل سے خود حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں کہ آپ نے کفار کے تقاضے پر قحط سالی کے عذاب کے نزول کی دعائے ضرر فرمائی تھی اور چونکہ ''سَاَلَ''' ''دَعَا'' کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کو متعدی کیا گیا ہے گویا کہا گیا: ''دَعَا دَاعٍ'' یعنی دعا مانگنے والے نے دعا مانگی ﴿بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ واقع ہونے والا عذاب' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''دَعَا بِکَذَا'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی سے دعا مانگتا ہے اور اس سے کچھ طلب کرتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ''یَدْعُوْنَ فِیْھَا بِکُلِّ فَاکِھَۃٍ'' (الدخان: ۵۵) ''وہ جنت میں ہر پھل مانگیں گے'' [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''سَالَ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی ''سؤال'' سے ماخوذ ہے' مگر اس میں نرمی کے لیے تخفیف کی گئی ہے اور ''سَآئِلٌ'' ہمیشہ متفقہ طور پر مہموز پڑھا جاتا ہے]۔

۲'۳- ﴿لِّلْکٰفِرِیْنَ﴾ یہ عذاب کی صفت ہے یعنی وہ عذاب کافروں کے لیے واقع ہونے والا ہے ﴿لَیْسَ لَہٗ

دَافِعٌ ﴾ اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا یعنی اسے رد کرنے والا اور دور کرنے والا نہیں ہوگا ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ متصل ہے یعنی وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوگا' یا پھر یہ ''دَافِعٌ'' کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہوگا جب اس کی آمد کا وقت آ جائے گا ﴿ ذِي الْمَعَارِجِ ﴾ بلند درجوں والے یعنی فرشتوں کے چڑھنے کے لیے آسمان کی طرف جانے والے ترتیب وار بلند درجے (سیڑھیاں) [''مَعَارِج'' ''مَعْرَج'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اوپر کی طرف چڑھنے کی جگہیں]۔

٤۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیڑھیوں اور چڑھنے کے درجوں کو بلندی اور اونچائی میں پھیلانے کے بعد ان کا وصف بیان کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ ﴾ فرشتے اور روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھتے ہیں' عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر محض ان کی فضیلت و بزرگی کی بناء پر کیا گیا ہے یا ان فرشتوں سے ایسی مخلوق مراد ہے جو دوسرے فرشتوں پر محافظ و نگران ہیں' جیسا کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہمارے اوپر محافظ و نگران ہوتی ہے یا ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو موت کے وقت مؤمنوں کی ارواح اوپر لے جاتے ہیں ﴿ اِلَيْهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف (یعنی) اللہ تعالیٰ کے عرشِ اعظم کی طرف اور اس مہبط و مرکز کی طرف جہاں سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کا نزول ہوتا ہے ﴿ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ''فِيْ يَوْمٍ'' کا تعلق ''تَعْرُجُ'' کے ساتھ ہے یعنی جس دن میں فرشتے اوپر چڑھتے ہیں' اس کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے' اگر اس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور اوپر چڑھنا چاہے یا پھر ''فِيْ يَوْمٍ'' کا تعلق ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ ہے یعنی کافروں کے لیے عذاب اس دن واقع ہوگا جس کی مقدار لمبائی میں تمہارے (دنیاوی) سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور وہ قیامت کا دن ہے' سو اس دن کی لمبائی کفار پر شدت و سختی کی وجہ سے ہوگی یا حقیقت میں اسی طرح ہوگا' پھر قیامت کے دن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس دن پچاس مؤقف ہوں گے اور ہر مؤقف ایک ہزار سال کا ہوگا اور لیکن مؤمنوں پر اس دن کی مقدار صرف ظہر سے عصر تک کے برابر ہوگی۔

٥۔ ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ سو (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے۔ اس کا تعلق ''سَاَلَ سَآئِلٌ'' کے ساتھ ہے کیونکہ نضر بن حارث کا عذاب کے لیے جلدی مطالبہ کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑانے اور وحی الٰہی کو جھٹلانے کی بناء پر تھا اور اس رویہ سے حضور نبی اکرم رسول محترم و معظم ﷺ کو دکھ اور ایذاء پہنچا تا تھا' سو اس لیے حضور کو اس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ﴿ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴾ عمدہ اور بہترین صبر اختیار کیجئے جس میں نہ جزع فزع اور واویلا ہو اور نہ اس میں کسی قسم کا شکوہ شکایت ہو۔

۶'۷۔ ﴿ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴾ بے شک وہ لوگ اس کو دور دیکھتے ہیں یعنی کفار و مشرکین اس عذاب کو یا قیامت کے دن کو بہت دور اور محال و ناممکن خیال کرتے ہیں ﴿ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴾ اور ہم اس کو لامحالہ اور ضرور نزدیک ہونے والا دیکھ رہے ہیں' پس بعید سے امکان سے بعید ہونا اور قریب سے امکان سے قریب ہونا مراد ہے۔

۸۔ ﴿ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴾ اس دن آسمان زیتون کے گاڑھے تیل کی طرح یا پھر پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سفید رنگ کا ہو جائے گا [''یوم'' کو ''قَرِيْبًا'' کے ساتھ متعلق ہونے کی بناء پر نصب دیا گیا ہے یعنی اس دن اس کا امکان ظاہر ہو جائے گا' متعذر و مشکل نہیں رہے گا' یا پھر یہ اس ''فِيْ يَوْمٍ'' سے بدل ہے جو ''وَاقِعٍ'' کے ساتھ متعلق ہے]۔

۹۔ ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴾ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ پہاڑوں کے حصے اور ٹکڑے مختلف ہوتے ہیں بعض پہاڑ سفید ہوتے ہیں اور بعض پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعض پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے

ہیں اور بعض پہاڑ کالے سیاہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورۂ فاطر: ۲۷ میں بیان کیا گیا ہے: پھر جب یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ہوا کے ذریعے فضا میں اڑنے لگیں گے تو دھنکی ہوئی رنگ برنگی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

۱۰-﴿وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴾ اور کوئی دوست کسی دوست کی بابت نہیں پوچھے گا اور نہ کوئی قرابت دار کسی قرابت دار کی بابت پوچھے گا کیونکہ ہر کوئی اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔ البزی اور البرجمی سے ''یَـا'' مضموم کے ساتھ منقول ہے'' اَیْ (لَا يُسْـئَلُ) قَرِیْبٌ عَنْ قَرِیْبٍ''یعنی کسی رشتہ دار سے کسی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا یعنی اس کے متعلق مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے گناہ کے بارے میں کسی دوسرے رشتہ دار کو نہیں پکڑا جائے گا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

وہ انہیں دکھا دیئے جائیں گے مجرم آرزو کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلے میں اپنے بیٹے دے دےO اور اپنی بیوی اور اپنا بھائیO اور اپنا کنبہ جو اس کو (دنیا میں) پناہ دیتاO اور تمام روئے زمین کے لوگ پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دے دےO ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہےO وہ سراپا کھال کو اُدھیڑنے والی ہےO وہ اس کو بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیر لی اور منہ موڑ لیاO اور اس نے مال جمع کیا اور جوڑ کر برتن میں بند رکھاO

۱۱ تا ۱۴-﴿يُّبَصَّرُوْنَهُمْ﴾ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ یہ ''حَمِيْمًا'' کی صفت ہے یعنی دوست احباب اور عزیز و اقارب ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے اور ان کا باہمی تعارف کرایا جائے گا' یا یہ صفت کی بجائے جملہ مستانفہ (الگ مستقل نیا جملہ) ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا'' تو عرض کیا گیا کہ شاید دوست ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے' اس لیے کوئی دوست کسی دوست کی بات نہیں پوچھے گا' سو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے لیکن اپنے آپ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے سوال جواب اور بات چیت نہیں کر سکیں گے [''یبصرونهم'' میں واؤ ''حمیم'' اوّل کے لیے ضمیر ہے اور ''ھُمْ'' ''حمیم'' ثانی کے لیے ضمیر ہے یعنی دوست احباب ایک دوسرے کو دیکھیں گے' سو وہ ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہیں گے اور دونوں ضمیروں کو جمع کر کے لایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں صرف دو ''حمیم'' کے لیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حمیم'' بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن پر اسم جمع کی جگہ استعمال ہوتا ہے] ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ۙ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴾ مجرم یعنی کافر و مشرک تمنا اور آرزو کرے گا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائیوں اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا ہے اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو فدیہ (بدلے) میں دے دے' پھر وہ فدیہ اسے نجات دلا دے [''يَوَدُّ الْمُجْرِمُ'' جملہ مستانفہ ہے یا پھر ''يُبَصَّرُوْنَهُمْ'' کی ضمیر مرفوع یا اس کی ضمیر منصوب سے حال واقع ہو رہا ہے

اور ''یَوْمِئِذٍ'' میں نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں میم مفتوح ہے کیونکہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے بنی بر فتح ہے اور یزید کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''تُوِیْهِ'' ہے اور ''ثُمَّ یُنْجِیْهِ'' ''یَفْتَدِیْ'' پر معطوف ہے]۔

۱۵- ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! ''کَـلَّا'' کے لفظ سے مجرم کو آرزو سے روکا گیا ہے اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ فدیہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ اسے عذاب سے نجات دے گا ﴿ اِنَّهَا ﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ کی آگ اور عذاب کا ذکر اس پر دلیل ہے [یا یہ مبہم ضمیر ہے جس کی وضاحت اس کی خبر کر رہی ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے] ﴿ لَظٰى ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ یہ ''نار'' (آگ) کا علم اور نام ہے۔

۱۶- ﴿ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴾ وہ آگ کھال کھینچنے والی ہے یعنی انسان کے اعضاء اُدھیڑنے والی ہے جیسے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو جلا کر ان کی کھال اُتارنے والی ہے یا یہ ''شواۃ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: سر کا چمڑا جسے آگ اُتار لے گی' پس وہ ان تمام اعضاء کو الگ الگ کر دے گی' پھر وہ بکھرنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئیں گے' یوں ہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا [امام حفص اور مفضل کی قراءت میں حال مؤکدہ ہونے کی بناء پر یا ڈرانے دھمکانے کے لیے اختصاص کی بناء پر ''نَزَّاعَةً'' منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں مرفوع (پیش کے ساتھ) ''نَزَّاعَةٌ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۷'۱۸- ﴿ تَدْعُوْا ﴾ وہ (آگ) ان کے نام لے کر پکارے گی کہ اے کافر! اے منافق! میری طرف آ' میری طرف آ' یا ''تـدعـوا'' کا یہ معنی ہے کہ وہ تباہ و برباد اور ہلاک کر دے گی۔ یہ معنی اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: ''دَعَاكَ اللّٰهُ اَیْ اَهْلَكَ'' یعنی تجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے' یا یہ کہ جب ہر کافر و منافق کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور اسے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو دوزخ کی آگ کو ''داعی'' قرار دیا گیا' گویا وہ آگ ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی ﴿ مَنْ اَدْبَرَ ﴾ جس نے حق سے پیٹھ پھیر لی ﴿ وَتَوَلّٰى ﴾ اور اس نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے سے اور عبادت کرنے سے منہ پھیر لیا ﴿ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴾ اور وہ مال و دولت جمع کرنے میں لگ گیا اور اس کو خزانے میں بند کر کے محفوظ کرتا رہا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا رہا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾

بے شک انسان سخت حریص پیدا کیا گیا ہے○ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سخت گھبرانے والا ہو جاتا ہے○ اور

جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا بن جاتا ہے O ماسوا نمازیوں کے O جو اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ ادا کرتے ہیں O اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقرر حق ہے O مانگنے والوں اور نہ مانگنے والے محتاجوں کے لیے ہے O اور جو لوگ قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O بے شک ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O ماسوا اپنی بیویوں کے یا اپنی مملوکہ لونڈیوں کے بے شک اس میں ان کو ملامت نہیں کیا جائے گا O

انسان کے تخلیقی و طبعی نقص اور معیاری نمازیوں کی پہچان کا بیان

۱۹ تا ۲۱ - ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾ بے شک انسان سخت حریص اور جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ انسان سے جنسِ انسان اور مطلق انسان مراد ہے تاکہ نمازیوں کا اس سے استثناء صحیح ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ''هَلُوْعًا'' کی تفسیر وتوضیح اس کے بعد آنے والی دو آیات سے ہو جاتی ہے ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ جب اس کو تکلیف ومصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اس کو بھلائی و دولت پہنچتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے' اور ''ھلع'' کا معنی ہے: تکلیف کے ملنے پر بہت جلد گھبرا جانا اور مال و دولت کے ملنے پر اسے اپنے پاس روک لینا۔[1]

مروی ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے جناب ثعلب سے ''هَلَعْ'' کے معنی دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تفسیر سے زیادہ واضح تفسیر کسی کی نہیں ہو سکتی اور وہ تفسیر یہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت سخت گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے اور جب اس کو مال و دولت کی صورت میں بھلائی وخوش حالی مل جاتی ہے تو وہ اس میں بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے روک لیتا ہے اور یہ اس کی طبعی حالت ہے اور جب کہ اسے اپنی طبع کی مخالفت پر مامور کیا گیا ہے اور شریعت اسلامی کی موافقت کرنے پر مامور کیا گیا ہے' اور ''اَلشَّرُّ'' سے مراد نقصان و

[1] ان تین آیات کو دوبارہ پڑھیے' ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں: ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے' ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں' اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں' خواہ دولت رشوت سے ملے' لوٹ کھسوٹ سے ملے' چوری و رہزنی سے ملے' قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے' وہ باز نہیں آتا۔ ایسے خود غرض اور لالچی انسان کو عربی میں ''هَلُوْعٌ'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ ''جَزُوْعٌ'' ہے' بہت گھبرا جانے والا' جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے اُفق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں' اوسان خطا ہو جاتے ہیں' اُمید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس اور سخت بخیل ہے' کسی ملی یا قومی مقصد کے لیے کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچئے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال وحرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو' جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مال دار ہو تو کنجوس مکھی چوس بن جائے' تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک وملت کے لیے باعثِ ننگ و عار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے نفرت کرتے ہیں' اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے' جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے' جب اپنی زندگی کے روز وشب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے' وہ حریص نہیں رہتا' وہ غنی ہو جاتا ہے' اس کا دل غنی ہو جاتا ہے' اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں' مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اور فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی ہے اور ''اَلْخَیْرُ'' سے وسعت و خوش حالی اور دولت و غناء مراد ہے یا ''شَرٌّ'' سے بیماری اور ''خَیْرٌ'' سے صحت و تندرستی مراد ہے۔

۲۳٬۲۲- ﴿ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۙ○ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ ﴾ ماسوا ان نمازیوں کے ○ جو اپنی نمازوں یعنی اپنی پنجگانہ نمازوں کو ہمیشہ پابندی سے ادا کرتے ہیں یعنی وہ اپنی نمازوں کو ان کے اصل اوقات میں ادا کرنے کی حفاظت و پابندی کرتے ہیں' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

۲۵٬۲٤- ﴿ وَ الَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴾ اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک حق (حصہ) مقرر ہے یعنی زکوٰۃ کیونکہ یہ مقرر و معلوم ہے یا عام نفلی صدقہ و خیرات کرنا مراد ہے جس کو آدمی اپنی ذات کے لیے وظیفہ بنالیتا ہے اور اسے مقررہ اوقات میں ادا کرتا ہے (جیسے آج کل ہر ماہ ختم گیارہویں' ختم خواجگان اور محافلِ میلاد پر خرچ کرنا) ﴿ لِّلسَّآىِٕلِ ﴾ مانگنے والے کے لیے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے ﴿ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴾ اور نہ مانگنے والے کے لیے جو شرم وحیاء کی وجہ سے لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور لوگوں سے مانگنے سے بچتا رہتا ہے' سو لوگ اسے غنی گمان کرتے ہیں' اس لیے وہ ضرورت کے باوجود صدقات و خیرات سے محروم رہتا ہے۔

۲٦- ﴿ وَ الَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ اور جو لوگ روزِ جزاء کی تصدیق کرتے ہیں یعنی جزاء اور حساب کے دن کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۲۸٬۲۷- ﴿ وَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے اور خوف رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴾ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب امن وامان کی چیز نہیں ہے یعنی کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے' اگرچہ وہ عبادت و اطاعت اور اجتہاد میں خوب مبالغہ کرتا ہو بلکہ واجب ہے کہ ہر انسان خوف و ڈر اور اُمید کے درمیان رہے [''مَاْمُوْن'' کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' ماسوا ابو عمرو کے کہ ان کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ''مَامُوْن'' پڑھا جاتا ہے]۔

۳۰٬۲۹- ﴿ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ○ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں آچکی ہیں یعنی اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے جماع جائز ہے ﴿ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴾ سو ان دو قسم کی خواتین کے ساتھ حفاظت ترک کرنے اور ان دونوں قسموں سے جماع کرنے میں انہیں ملامت نہیں کی جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آ کر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں' ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہوتا ہے' سیلِ حوادث سے وہ نہیں گھبراتا بلکہ اس وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں' وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے' اور جب اس پر خوش حالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے' وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا' جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کر دے' اسے چین نہیں آتا۔ یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ عبادت پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومیٔ قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ' ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے' اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آئی ہیں اور پوری قوت سے انہوں نے ہمارے قلب ونظر پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳٦٤-۳٦۵)

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو جو شخص اس کے سوا طلب کرتا ہے تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیںO اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیںO یہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے O

۳۱- ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ پھر جو شخص اس کے علاوہ سے جماع طلب کرے یعنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ سو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں (یعنی) حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ متعہ حرام ہے اور لڑکوں' مردوں اور جانوروں اور ہاتھ سے جماع اور منی نکالنا بھی حرام ہے (کیونکہ اس آیت میں اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے سواسے جماع کی طلب کو ''عدوان'' اور ظلم قرار دیا گیا ہے اور ظلم حرام ہے)۔

۳۲- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ شریعت کی تمام امانتوں اور بندوں کی تمام امانتوں کو شامل ہیں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''لِاَمَانَتِهِمْ'' مفرد پڑھا جاتا ہے] ﴿وَعَهْدِهِمْ﴾ اور وہ اپنے وعدہ کی پابندی کرتے ہیں ''اَیْ عُهُوْدِهِمْ'' یعنی وہ اپنے وعدوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس میں مخلوق کے وعدے اور منتوں اور نذروں کے وعدے اور قسموں کے وعدے سب داخل ہیں ﴿رٰعُوْنَ﴾ رعایت کرنے والے ہیں (یعنی) وہ اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' خیانت کرنے والے نہیں ہیں اور نہ اپنے عہدوں کو توڑنے والے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانتیں وہ ہیں جن پر عقلیں دلالت و رہنمائی کرتی ہوں اور عہد وہ ہیں جنہیں رسول لے کر تشریف لائے۔

۳۳- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ وہ حکام کے پاس عدل و انصاف کے ساتھ صحیح طریقہ پر گواہیاں ادا کرتے ہیں اور غیر رشتہ کے مقابلے میں رشتہ دار کی طرف اور رذیل کے مقابلے میں شریف کی طرف نہیں جھکتے اور نہ وہ کسی قوی اور طاقتور شخص کو ضعیف و کمزور پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ گواہی دیتے وقت مسلمانوں کے حقوق کو زندہ کرنے میں راغب رہتے ہیں جس سے ان کی دین اسلام میں صلابت و مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے [حضرت حفص اور یعقوب کی قراءت میں الف کے ساتھ (جمع کی بناء پر) ''بِشَہَادَاتِهِمْ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ باقیوں کی قراءت میں (مفرد کی بناء پر) الف کے بغیر ''بِشَہَادَتِهِمْ'' ہے]۔

۳۴- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کا ذکر دوبارہ یہ بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ نماز تمام عبادات میں اہم ترین عبادت ہے یا اس لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک دفعہ فرض نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسری دفعہ نفلی نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نمازوں میں دوام یہ ہے کہ نمازیں کثرت کے ساتھ پڑھی جائیں (نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد' اشراق' چاشت اور

اوّابین کی نمازیں بھی پڑھی جائیں) اور نمازوں کی حفاظت یہ ہے کہ انہیں اپنے اوقات سے ضائع نہ کیا جائے بلکہ بروقت ادا کیا جائے' یا نمازوں میں دوام یہ ہے کہ ان کو اپنے اوقات میں ہمیشہ ادا کیا جائے اور نمازوں میں محافظت یہ ہے کہ ان کے ارکان' واجبات' سنن اور آداب کی حفاظت کی جائے۔

۳۵-﴿أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ﴾ یہی لوگ جو ان مذکورہ بالا صفات کے حامل ہیں جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے [یہ دونوں خبریں ہیں]۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝٣٦ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۝٣٧ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۝٣٨ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ۝٣٩ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ۝٤٠ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝٤١

سو ان کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف تیز دوڑے آ رہے ہیں O دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ O کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا O ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں O سو مجھے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی قسم ہے کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں O اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں O

کفار کے باطل گمان کی تردید اور حشر کے دن ان کی ذلت کا بیان

۳۷'۳۶-﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ سو ان کافروں کو کیا ہوا کہ وہ (آپ کا کلام مبارک سننے اور اس کا مذاق اُڑانے کے لیے) آپ کی دائیں طرف سے اور آپ کی بائیں طرف سے گروہ در گروہ بڑی جلدی بھاگ کر آپ کی طرف آ جاتے ہیں۔ "مھطعین" کا معنی "مُسْرِعِيْنَ" ہے یعنی بہت جلد بھاگنے والے اور "عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ" کا معنی ہے: حضور نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب اور آپ کی بائیں جانب اور "عِزِيْنَ" کا معنی ہے: مختلف گروہ' گویا ہر گروہ جس قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ دوسرے گروہ کے منسوب الیہ قبیلے سے مختلف اور اس سے الگ ہوتا ہے' سو اس لیے وہ تمام گروہ ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتے ہیں ["فَمَالِ" میں لام جارہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف شریف کی اتباع میں جدا لکھا گیا ہے' اور "مُهْطِعِيْنَ"' "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا" سے حال واقع ہو رہا ہے اور "عِزِيْنَ" بھی حال ہے اور یہ "عِزَةٌ" کی جمع ہے اور اس کی اصل "عِزْوَةٌ" ہے جس کا معنی مختلف گروہ کے ہیں]۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ' حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گروہ در گروہ ہو کر آتے اور آپ کے ارد گرد حلقہ بنا کر آپ کو گھیر لیتے اور آپ کا کلامِ مبارک سنتے اور آپ کے کلام کا مذاق اُڑاتے اور کہتے: اگر یہ مسلمان جنت میں جائیں گے جیسا کہ (سرورِ عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں تو پھر ہم ان سے پہلے ضرور جنت میں جائیں گے' چنانچہ ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۸ - ﴿ اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴾ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع اور اُمید رکھتا ہے کہ وہ مؤمنوں کی طرح نعمتوں والی جنت میں داخل ہوگا [مفضل کے علاوہ کی قراءت میں ''یَـا'' مضموم اور ''خَـا'' مفتوح کے ساتھ ''اَنْ یُّدْخَلَ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۳۹ - ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! ''كَلَّا'' کے لفظ سے انہیں جنت میں جانے کی اُمید سے منع کر دیا گیا ہے ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴾ بے شک ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں یعنی نطفہ کے چند قطروں سے پیدا کیے گئے ہیں اور اس لیے اس کو مبہم رکھا گیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ وہ ایسی حقیر چیز ہے کہ اس کے ذکر سے شرم آتی ہے تو بھلا یہ لوگ کیسے بزرگ و معزز ہو گئے اور وہ تقدم کا دعویٰ کیسے کرتے ہیں اور کیسے کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے پہلے جنت میں ضرور جائیں گے؟ یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کو نطفہ سے پیدا کیا جیسا کہ ہم نے تمام بنی آدم کو پیدا کیا اور ہمارا حکم یہ ہے کہ جنت میں بغیر ایمان کے کوئی شخص نہیں جائے گا تو بھلا وہ شخص جنت میں جانے کی اُمید کیوں رکھتا ہے جس کے پاس ایمان نہیں ہے۔

۴۰،۴۱ - ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ ﴾ سو مجھے قسم ہے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی تمام جگہیں اور سورج کے غروب ہونے کی تمام جگہیں[1] ﴿ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴾ بے شک ہم ضرور قادر ہیں ﴿ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ﴾ اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں جو ان سے بہت بہتر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گزار ہوں ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴾ اور نہ ہم عاجز ہیں۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾
یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع

سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ وہ بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشوں میں مشغول رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے

---

[1] اس سورۃ المعارج: ۴۰ میں ''مشارق'' اور ''مغارب'' کا ذکر ہے' قرآن مجید میں مشرق اور مغرب واحد کے صیغے کے ساتھ بھی ذکر ہے اور تثنیہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے۔

واحد کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ'' (البقرہ: ۱۱۵)

تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ O'' (الرحمٰن: ۱۷)

جمع کے صیغے کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا'' (الاعراف: ۱۳۷)

سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے بھی اتنے ہی مقام ہیں' گویا ہر روز کا ایک الگ مشرق اور ایک الگ مغرب ہوتا ہے' اس اعتبار سے جمع کے صیغہ کے ساتھ مشارق اور مغارب فرمایا اور سردی اور گرمی میں نمایاں فرق کے ساتھ دو مشرق اور دو مغرب ہوتے ہیں' ایک انتہائی آخری مشرق اور مغرب اور دوسرا ابتدائی قریب ترین مشرق اور مغرب' اس لحاظ سے ''مَشْرِقَیْنِ'' اور ''مَغْرِبَیْنِ'' فرمایا اور ایک مطلق طلوع اور غروب کے مقام جن میں اس تفصیل سے قطع نظر ہو' اس اعتبار سے مشرق اور مغرب فرمایا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۴۹)

اس دن سے ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہےOاس دن وہ قبروں سے بڑی تیزی کے ساتھ نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیںOان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت و رسوائی چڑھی ہوئی ہوگی' یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھاO

۴۲'۴۳-﴿فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا﴾ سو آپ ان کو یعنی جھٹلانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ اپنی باطل اور بے ہودہ باتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ دنیا کے دھندوں میں کھیل رہے ہیں ﴿حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے ﴿یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ﴾ اس دن وہ لوگ قبروں سے بڑی جلدی نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگ رہے ہیں [''یوم'' اپنے سے پہلے ''یَوۡمَهُمُ'' سے حال ہے اور اعشیٰ کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' مفتوح اور ''را'' مضموم کے ساتھ ''یَخۡرُجُوۡنَ'' (بابِ ''نَصَرَ یَنۡصُرُ'' سے) پڑھا جاتا ہے اور ''اجداث'' بہ معنی قبور ہے اور ''سِرَاعًا'' ''سَرِیۡعٌ'' کی جمع ہے اور یہ حال ہے اور ''کَاَنَّهُمۡ'' بھی حال ہے اور ابن عامر شامی' امام حفص اور سہل کی قراءت میں نون اور صاد مضموم کے ساتھ ''نُصُب'' ہے جب کہ مفضل کی قراءت میں صاد ساکن کے ساتھ ''نُصۡب'' اور ان کے علاوہ کی قراءت میں نون مفتوح اور صاد ساکن کے ساتھ ''نَصۡب'' ہے] ''نُصُب'' کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو زمین میں نصب کر کے اللہ تعالیٰ کی بجائے اس کی عبادت کی جائے اور ''یُوۡفِضُوۡنَ'' بہ معنی ''یُسۡرِعُوۡنَ'' جلدی چلنا اور بھاگنا ہے۔

۴۴-﴿خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ﴾ ان کی آنکھیں ذلت سے جھکی ہوئی ہوں گی یعنی وہ لوگ اپنی ذلت و رسوائی کی وجہ سے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھائیں گے [''خَاشِعَةً'' ''یَخۡرُجُوۡنَ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی پست و ذلیل] ﴿تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ﴾ ان پر بہت سخت ذلت و خواری چڑھی ہوگی ﴿ذٰلِكَ الۡیَوۡمُ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ﴾ یہ وہی دن ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اسے جھٹلا دیتے تھے۔

ایاتها ۲۸ رکوعاتها ۲	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ O	(۷۱) سُوۡرَةُ نُوۡحٍ مَّکِّیَّةٌ (۷۱)
اس کی اٹھائیس آیات' دو رکوع ہیں	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہےO	سورۃ نوح مکی ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوۡهُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

وقف لازم

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آ جائے O اس نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دے گا' بے شک اللہ تعالیٰ کی مدت جب آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ہوتے O اس نے فرمایا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی O سو میری دعوت سے ان کے بھاگنے میں ہی اضافہ ہوا O

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت وتبلیغ پر قوم کی سرکشی کا بیان

۱- ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ﴾ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سریانی زبان میں نوح کا معنی ساکن ہے (کیونکہ آپ کو ذکر الٰہی سے سکون ملتا) ﴿اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ﴾ یہ کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اور انہیں خوفِ الٰہی دلائیں [اس کی اصل ''بِاَنۡ اَنۡذِرۡ'' ہے' پھر حرفِ جار کو حذف کر دیا گیا اور ''اَنۡ'' کو فعل کے ساتھ ملا دیا گیا اور امام خلیل کے نزدیک یہ محلاً مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک منصوب ہے یا ''اَنۡ'' مفسرہ بہ معنی ''اَیۡ'' ہے کیونکہ ارسال میں قول کا معنی پایا جاتا ہے] ﴿مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آن پہنچے یعنی طوفان یا آخرت کا عذاب۔

۲- ﴿قَالَ یٰقَوۡمِ﴾ فرمایا: اے میری قوم! حضرت نوح علیہ السلام نے ان پر اپنی شفقت کا اظہار کرنے کے لیے اپنی قوم فرما کر ان کو اپنی طرف منسوب کیا ﴿اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا اور خوف دلانے والا ہوں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہارے لیے ایسی زبان میں بیان کرتا ہوں جسے تم خود بھی جانتے اور پہچانتے ہو۔

۳- ﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (یعنی) تم اس کو واحد لاشریک تسلیم کرو اور عقیدۂ توحید اختیار کرو (پھر اس کی عبادت کرو) [اور یہ ''اَنۡ'' بھی دو وجہوں میں ''اَنۡ اَنۡذِرۡ'' کی طرح ہے] ﴿وَاتَّقُوۡهُ﴾ اور تم اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو ﴿وَاَطِیۡعُوۡنِ﴾ اور تم میری ان تمام اُمور میں اطاعت وفرماں برداری کرو جن کا میں تمہیں حکم دوں اور جن اُمور سے میں تمہیں منع کروں اور حضرت نوح علیہ السلام نے اطاعت کو اپنی طرف اس لیے منسوب کیا کہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے جائز ہے لیکن عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

۴- ﴿یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا [یہ امر کا جواب ہے اور اس میں حرف ''مِنۡ'' بیان کے لیے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ'' (الحج: ۳۰) ''سو تم بتوں کی نجاست سے بچو'' یا پھر یہ حرف ''مِنۡ'' تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور مخلوق کے درمیان کسی نافرمانی پر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بندوں کا مواخذہ کیا جاسکتا ہے جیسے قصاص وغیرہ (یعنی حدِ زنا' حدِ شراب' حدِ قذف) شرح التاویلات میں اسی طرح ہے ﴿وَیُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے گا اور وہ تمہاری موت کا وقت ہے ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی اجل (یعنی) موت جب آ جائے گی تو مؤخر نہیں کی جائے گی' کاش! تم جان لیتے' یعنی اگر تم اس ندامت وپشیمانی اور شرمندگی کو جان لیتے جو تمہاری اجل کے ختم ہونے کے وقت تمہیں پہنچے گی تو تم ضرور ایمان لے آتے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ نے مثلاً فیصلہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اگر ایمان قبول کر لے گی تو ایک ہزار سال تک ان کی عمر بڑھادی جائے گی اور اگر وہ ایمان نہیں لائے گی تو انہیں نو سو سال کے آخر پر ہلاک کر دیا جائے گا' پھر ان سے کہا گیا کہ تم ایمان لے آؤ تو تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دی جائے گی یعنی تمہاری عمر ایک ہزار سال تک دراز کر دی جائے گی' پھر یہ خبر دی گئی کہ جب ایک ہزار سال پورے ہو جائیں گے تو پھر مہلت نہیں دی جائے گی جیسا کہ ایمان لانے کے وقت تمہیں مہلت دی جائے گی اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان لوگوں کو اپنے بارے میں یہ خوف تھا کہ اگر وہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ایسا نہ ہو کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے تو گویا حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اس خوف سے امن دلایا اور ان سے وعدہ کیا کہ ایمان لانے پر انہیں اس مدت تک باقی رکھا جائے گا جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے یعنی بے شک اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو تمہیں تمہارے دشمن سے مقررہ مدت تک امن کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور تمہیں صحیح سلامت باقی رکھا جائے گا۔

۵'۶۔ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَّنَهَارًا﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے رات اور دن اپنی قوم کو دعوت دی ہے (یعنی) میں رات دن مسلسل بغیر کسی وقفہ کے انہیں دعوت دیتا رہا ہوں ﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ إِلَّا فِرَارًا﴾ سو میری دعوت نے ان میں کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کیا سوائے فرار کی راہ اختیار کرنے اور بھاگ جانے کے یعنی تیری اطاعت سے' اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس فرار کو اپنی دعوت کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ فرار دعوت دینے کے وقت حاصل ہوتا تھا اگر چہ دعوتِ حق دینا حقیقت میں فرار کا سبب نہیں ہے اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے: ''وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا'' (التوبہ:۱۲۵) ''اور لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو (قرآن نے) ان کی نجاست و پلیدی کو بڑھا دیا'' حالانکہ قرآن مجید تو پلیدی کے اضافہ کا سبب نہیں ہے' اور ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاتا تھا تو فرماتے: تم اس بچے سے ہوشیار رہنا کہ کہیں تمہیں دھوکا میں نہ ڈال دے کیونکہ میرا باپ مجھے یہی وصیت کرتا تھا۔

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝

اور بے شک میں نے جب بھی انہیں دعوتِ حق دی تا کہ آپ انہیں بخش دیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور اپنی ضد پر اصرار کیا اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا۔

پھر میں نے ان کو سب کے سامنے بہ آواز بلند دعوت دیO پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا اور میں نے انہیں آہستہ اور خفیہ بھی بلایاO سو میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو' بے شک وہ بہت بڑا بخشنے والا ہےO وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گاO اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گاO تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے نہیں ڈرتےO حالانکہ بے شک اس نے تمہیں بار بار مختلف مراحل میں پیدا کیا ہےO

۷- ﴿وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ ''اِلَی الْاِیْمَانِ بِكَ'' اور بے شک میں نے جب بھی انہیں تجھ پر ایمان لانے کی دعوت دی ﴿لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ تاکہ آپ انہیں بخش دیں ''اَیْ لِیُؤْمِنُوْا فَتَغْفِرَ لَهُمْ'' یعنی تاکہ وہ ایمان لائیں تو آپ انہیں بخش دیں (چونکہ ایمان مغفرت کا سبب ہے) سو اس لیے یہاں سبب کے ذکر کی بجائے صرف مسبب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے ﴿جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں داخل کر لیں اور اپنی سماعت کی جگہیں بند کر لیں تاکہ میرا کلام انہیں سنائی نہ دے ﴿وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور خود اپنے کپڑوں کے اندر چھپ گئے تاکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ لوگ ایسی ہستی کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی نصیحت کرے ﴿وَاَصَرُّوْا﴾ اور ضد اور ہٹ دھرمی پر اصرار جاری رکھا اور اپنے کفر وشرک پر ڈٹے رہے اور باطل پر قائم رہے ﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا اور میری دعوت قبول کرنے کی بجائے سرکشی کی اور غرور کیا اور یہاں فعل کے بعد مصدر کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ تکبر کیا۔

۸- ﴿ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ پھر میں نے ان کو کھلم کھلا دعوت دی۔ ''جِهَارًا'' مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی اعلانیہ دعوت دینا' یا یہ ''دَعَوْتُهُمْ'' کا مصدر ہے جیسے ''قَعَدَ الْقُرْفُصَاءَ'' فلاں آدمی اکڑوں بیٹھا کیونکہ ''جہار'' بھی دعوت کی دو قسموں میں سے ایک قسم ہے یعنی میں نے محافل ومجالس میں جا کر سب کے سامنے کھلم کھلا انہیں دعوت دی۔

۹- ﴿ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ پھر میں نے ان کو اعلانیہ دعوت دی اور میں نے ان کو آہستہ اور مخفی بھی دعوت دی یعنی میں نے ان کی اعلانیہ دعوت کو سرّی اور مخفی دعوت کے ساتھ ملا کر نصیحت کی' پس خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو رات دن سرّی اور آہستہ دعوت دیتے رہے' پھر آپ نے ان کو کھلم کھلا دعوت دینا شروع کیا' پھر کچھ عرصہ بعد آپ نے ان کو مخفی اور اعلانیہ دونوں طرح دعوت دینا شروع کی اور نیکی کا حکم دینے والا اسی طرح کرتا ہے کہ پہلے آسان اور نرم طریقہ اختیار کرتا ہے' پھر سخت طریقہ اختیار کرتا ہے' اس کے بعد پھر سخت ترین طریقہ اختیار کر لیتا ہے' چنانچہ آپ نے بھی پہلے سرّی اور مخفی دعوت کا آغاز کیا لیکن جب انہوں نے اسے قبول نہ کیا تو آپ نے دوبارہ ان کو کھلم کھلا دعوت دی' جب پھر بھی وہ لوگ متاثر نہ ہوئے تو آپ نے تیسری بار مخفی اور اعلانیہ دعوت کو جمع کر کے ان کو نصیحت کی اور لفظ ''ثُمَّ'' احوال کے مختلف ہونے پر دلالت ورہنمائی کرتا ہے کیونکہ مخفی دعوت وتبلیغ سے اعلانیہ دعوت دینا اور تبلیغ کرنا زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہے' پھر ان دونوں میں سے ایک کی بجائے دونوں کو ملا کر دعوت دینا اور تبلیغ کرنا سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہے۔

۱۰- ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ سو میں نے (انہیں) کہا کہ تم کفر وشرک کرنے پر اپنے پروردگار سے معافی اور مغفرت وبخشش طلب کرو' کیونکہ ''استغفار'' کا معنی ہے: مغفرت وبخشش طلب کرنا' سو اگر استغفار کرنے والا کافر ہوگا تو وہ اپنے کفر کرنے پر مغفرت ومعافی طلب کرے گا اور اگر استغفار کرنے والا گناہ گار مسلمان ہوگا تو وہ اپنے گناہوں کی مغفرت ومعافی طلب کرے گا ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا ہے' وہ ہمیشہ ہر اس شخص کے گناہوں کو بخش

دیتا ہے' جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۱۲٬۱۱۔ ﴿ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴾ اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔ ''مدرارًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ برسنے والی بارش [یہ مفعال کے وزن پر ہے' اس میں مذکر اور مؤنث مساوی و برابر ہوتے ہیں] ﴿ وَّیُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ ﴾ اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں میں اور تمہارے بیٹوں میں اضافہ فرما دے گا ﴿ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡهٰرًا ﴾ وہ تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تمہارے باغوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں جاری کر دے گا اور وہ لوگ مال و دولت اور اولاد سے بہت محبت کرتے تھے' سو اس لیے ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب عرصہ دراز تک بار بار دعوت دینے کے بعد بھی ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک دیا اور ان کی عورتوں کے رحموں کو چالیس سال یا ستر سال تک بانجھ کر دیا' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خشک سالی کو ختم کر کے انہیں خوش حالی عطا فرما دے گا اور جس بانجھ پن کی مصیبت میں وہ لوگ مبتلا ہیں وہ ان سے دُور فرما دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ استسقاء پڑھانے نکلے اور آپ نماز کے بعد صرف استغفار کرتے رہے' اس سے زیادہ کوئی دعا وغیرہ نہ مانگی تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بارش طلب کرنے کے لیے دعا مانگتے نہیں دیکھا' تو آپ نے فرمایا: میں نے ایسے ذریعہ سے بارش طلب کی ہے جس کے سبب آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے استغفار کو خالص اور سچے عطیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کبھی خطا نہیں جاتے اور آپ نے یہی آیات تلاوت کیں۔

حضرت ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے اولاد کی کمی کی شکایت کی' ایک اور شخص آیا اور اس نے اپنی زمین کی پیداوار کی کمی کی شکایت کی' حضرت حسن بصری نے سب کو یہی حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' حضرت ربیع نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس مختلف لوگوں نے مختلف شکایات بیان کیں مگر آپ نے سب کو استغفار کا حکم دے دیا تو آپ نے بھی یہی آیات تلاوت کر کے سنائیں۔

۱۴٬۱۳۔ ﴿ مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا خیال نہیں کرتے (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے کیوں نہیں ڈرتے اور امام اخفش سے منقول ہے کہ یہاں ''رجاء'' خوف کے معنی میں ہے کیونکہ ''رجاء'' میں ایک طرف خوف و نا اُمیدی ہوتی ہے اور دوسری طرف اُمید و بھروسا ہوتا ہے اور ''وقار'' کا معنی عظمت ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توقیر یعنی اس کی تعظیم میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایسے حال پر نہیں ہوتے جس میں تم دار الثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے متعلق سوچو ﴿ وَقَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں کئی مراحل میں پیدا کیا یعنی بار بار اور کئی مرتبہ طرح طرح سے پیدا کیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت سے' پھر گوشت اور ہڈیوں کی صورت میں پیدا کیا یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ تمہارا حال تو یہی ہے جو بیان ہوا' اور یہ حال تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہے کیونکہ

اس نے تمہیں مختلف مراحل میں بہ تدریج پیدا فرمایا ہے [''اطوارًا'' حال کی جگہ پر واقع ہے]۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح اوپر نیچے پیدا کیاO اور چاند کو ان میں روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایاO اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے خوب اُگایاO پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور وہ تمہیں (دوبارہ) نکال کر باہر لائے گاO اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایاO تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھروO

۱۵- اللہ تعالیٰ نے پہلے (مذکورہ بالا آیات میں) کفار کو اپنے نفوس کے بارے میں غور وفکر کرنے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ وہ قریب ہیں' پھر (اب درج ذیل آیات میں) کائنات کے بارے میں اور صانع و خالق کی ذات پر دلالت کرنے والے جو عجائبات پیدا کیے ہیں ان میں غور وفکر کرنے پر تنبیہ فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح تہ بہ تہ پیدا کیا (یعنی) بعض کو بعض کے اوپر پیدا کیا۔

۱۶- ﴿وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے چاند کو ان میں یعنی آسمانوں میں روشن کر دیا اور وہ صرف آسمانِ دنیا ہے کیونکہ آسمانوں کے درمیان تعلق و ربط ہے' اس لیے کہ یہ ایک دوسرے پر منطبق ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ چاند کی روشنی اسی طرح تمام آسمانوں میں ہوتی ہے اگرچہ خود چاند تمام آسمانوں میں نہیں ہوتا جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی مدینہ میں ہے حالانکہ وہ تو اس کی کسی ایک طرف میں رہتا ہے (پورے مدینہ میں نہیں)۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور ان دونوں کی پشتیں زمین کی طرف ہیں (ورنہ ان کی حرارت سے زمین کی ہر چیز سڑ جائے) چنانچہ چاند کا نور تمام آسمانوں کو محیط ہے کیونکہ نور لطیف ہوتا ہے اس کے لیے کوئی حجاب نہیں ہوتا (جب کہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف ہیں) ﴿وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج کو چراغ بنایا کہ تمام دنیا والے اس کی روشنی میں تمام چیزیں دیکھ لیتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھر کے اندر کی ہر اس چیز کو دیکھتے ہیں جس کے دیکھنے کی انہیں احتیاج و ضرورت ہوتی ہے اور البتہ سورج کی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور تمام اہل علم متفق ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

۱۷'۱۸- ﴿وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا (یعنی) تمہیں زمین میں سے (مٹی سے) پیدا کیا۔ ''اِنْبَات'' (اُگانا) کو ''اِنْشَاء'' (پیدا کرنا) کے لیے بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا ہے ﴿نَبَاتًا﴾ سو تم اُگ گئے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا﴾ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں اسی زمین میں واپس لوٹا دے گا

﴿ وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں زمین سے مکمل طور پر نکال کر باہر لائے گا [''یُخْرِجُ'' فعل کو مصدر ''اِخْرَاجًا'' کے ساتھ مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے یعنی مکمل اور کامل طور پر نکالا جائے گا]۔

۱۹'۲۰- ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنا دیا (یعنی) نرم بچھونے کی طرح بنایا ﴿ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا ﴾ تاکہ اس پر اس طرح چلو پھرو جس طرح تم گھر میں بچھے ہوئے قالین وغیرہ پر چلتے ہو ﴿ سُبُلًا فِجَاجًا ﴾ کشادہ اور وسیع مختلف راستوں پر چلتے پھرتے رہو۔ ''سُبُل'' کا معنی راستے اور ''فِجَاج'' کا معنی کشادہ' وسیع اور مختلف' جدا جدا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی اختیار کر لی جن کے مال اور اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا O اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی O اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور نہ تم وَدّ کو چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو O اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' اور (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت میں O وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے' پھر وہ دوزخ کی آگ میں داخل کر دیئے گئے' سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے O

قوم کی سرکشی پر حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت' دعائے ضرر اور مؤمنوں کے لیے دعائے مغفرت

۲۱- ﴿ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے (یعنی میری قوم نے) میری نافرمانی کی ہے کہ میں نے ان کو ایمان لانے اور استغفار کرنے کا جو حکم دیا تھا اس میں انہوں نے میری مخالفت کی (نہ ایمان لائے اور نہ استغفار کیا) ﴿ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴾ اور انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا یعنی قوم کے کم عقل و بے وقوف اور فقیر و غریب لوگوں نے اپنی قوم کے ان سرداروں اور صاحب اولاد و مال داروں کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے آخرت میں ان کے صرف نقصان ہی میں اضافہ کیا [ابن کثیر مکی اور امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقیوں کی قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ''وَوُلْدُهٗ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''وَلَدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسْدٌ'' ''اَسَدٌ'' کی جمع ہے]۔

۲۲- ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور سازش کرنے والے وہی ان کے سردار تھے اور

ان کی سازش یہ تھی کہ لوگوں کو دین حق سے روکا جائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو اذیت ونقصان پہنچانے اور ان کی طرف رغبت رکھنے والوں کو ان کے پاس آنے سے روکنے کے لیے لوگوں کو متحرک وتیار کیا جائے۔ ''مَکْرٌ'' کا معنی ہے: فریب و سازش کرنا' اور ''کُبَّار'' کا معنی ہے: بہت بڑا' اور یہ ''کُبَّار''' ''کِبَار'' سے بڑھ کر ہے اور یہ ''کِبَار''' ''کَبِیْر'' سے بڑھ کر ہے [اور ایک قراءت میں ''کُبَّار'' (مشدد) کی بجائے (مخفف) ''کِبَار'' بھی پڑھا گیا ہے اور ''وَمَکَرُوْا' لَمْ یَزِدْہُ'' پر معطوف ہے اور اس جمع کی ضمیر ''مَنْ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَنْ'' لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے]۔

۲۳- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے کہا یعنی سرداروں نے اپنے کم عقل پیروکاروں سے کہا: ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا یعنی ان کی عبادت کرنا کبھی نہ چھوڑنا۔ یہ عام ہے سب بتوں کو شامل ہے ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا﴾ اور نہ تم ودّ کو چھوڑنا [''وَدٌّ'' کو واؤ مفتوح اور مضموم کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور یہ حضرت نافع مدنی کی قراءت ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] اور یہ بت ایک آدمی کی صورت پر تیار کیا گیا تھا ﴿وَّلَا سُوَاعًا﴾ اور نہ سواع کو چھوڑنا۔ یہ بت ایک عورت کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَّلَا يَغُوْثَ﴾ اور نہ یغوث کو چھوڑنا۔ یہ بت شیر کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَيَعُوْقَ﴾ اور نہ یعوق کو چھوڑنا۔ یہ بت گھوڑے کی صورت پر بنایا گیا تھا' اور یہ دونوں ''یَغُوْثُ'' اور ''یَعُوْقُ'' منصرف نہیں ہیں' معرفہ اور وزن فعل ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عربی قرار دیا جائے اور معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عجمہ قرار دیا جائے ﴿وَنَسْرًا﴾ اور نہ نسر کو چھوڑنا' اور یہ بت گدھ کی صورت پر بنایا گیا تھا یعنی ان بتوں کی عبادت خصوصی طور پر بالکل ترک نہ کرنا گویا یہ بت ان کے نزدیک ان کے بتوں میں سب سے بڑے اور سب سے عظیم بت تھے' عمومی حکم کے بعد ان کو مخصوص کر لیا گیا اور یہ بت قوم نوح علیہ السلام سے عرب میں منتقل کیے گئے تھے' چنانچہ ودّ بنوکلب کا بت تھا اور سواع ھمدان کا اور یغوث مذحج کا اور یعوق مراد کا اور نسر حمیر کا بت تھا' اور بعض حضرات نے کہا: یہ نیک آدمیوں کے نام ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گزر چکے ہیں' لوگ اس زمانہ میں ان کی پیروی کرتے تھے' پھر جب یہ نیک حضرات فوت ہو گئے تو انہوں نے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیے تا کہ ان یادگار تصویروں اور مجسموں کی وجہ سے ان لوگوں میں عبادت الٰہی کرنے کا ذوق وشوق زیادہ بڑھ جائے' پھر جب زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے عقیدت مند مؤحد بھی فوت ہو گئے تو بعد ازاں نسل در نسل گزرنے پر شیطان ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ ان کے آباء واجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے تو اس وقت سے ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

۲۴- ﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی ان کے بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ'' (ابراہیم: ۳۶) ''بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے'' یا یہ کہ ان کے سرداروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اے میرے رب تعالیٰ!) ظالموں کو نہ بڑھانا [یہ ''رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ'' پر معطوف ہے اس بناء پر کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت ہے' ''قَالَ'' کے بعد اور اس واؤ کے بعد جو اس کی نائب ہے] اور اس کا معنی ہے: ''قَالَ نُوْحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ (وَ) قَالَ (لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ)'' حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور کہا کہ (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا' یعنی یہ دونوں کلام حضرت نوح علیہ السلام کے ہیں [اور یہ دونوں محلاً منصوب ہیں کیونکہ یہ دونوں ''قَالَ'' کے مفعول ہیں] ﴿اِلَّا ضَلٰلًا﴾ مگر ہلاکت وگمراہی میں' جیسا کہ ارشاد ہے:

''وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا'' اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت وتباہی میں۔

۲۵- ﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ﴾ ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''خطایاھم'' ہے یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿اُغْرِقُوْا﴾ ان کو طوفان میں غرق کر دیا گیا ﴿فَاُدْخِلُوْا نَارًا﴾ پھر ان کو بہت بڑی آگ میں داخل کیا گیا اور ''مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ'' کی تقدیم یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ ان کو طوفان میں غرق کرنا اور انہیں آگ کے عذاب میں داخل کرنا صرف ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوا اور اس معنی کو ''مَا'' کے اضافہ کے ساتھ مؤکد کیا گیا اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے یہی دھمکی کافی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے گناہوں میں سے ایک گناہ ان کا کفر بھی تھا اور وہ سب سے بڑا گناہ تھا اور ''فَاُدْخِلُوْا'' میں حرف ''فا'' یہ تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ انہیں طوفان میں غرق کیے جانے کے بعد آگ میں جلانے کا عذاب دیا گیا جو عذابِ قبر کے اثبات پر روشن دلیل ہے ﴿فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ
اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

ع ۱۰ ۸

اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑناO بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفارO اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر تباہی میںO

۲۶- ﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ جو زمین پر چلتا پھرتا آتا جاتا ہے [اور ''دیار'' فیعال کے وزن پر ہے اور ''دور'' سے ماخوذ ہے اور یہ ان اسماء میں سے ہے جو عام نفی میں استعمال کیے جاتے ہیں]۔

۲۷- ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ﴾ بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کو ہلاک نہ کیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے' وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلائیں گے ﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفار کو (یعنی) مگر جب وہ بالغ ہوں گے تو فسق و فجور شروع کر دیں گے اور کفر و شرک کریں گے اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بات صرف اس لیے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے باخبر کر دیا تھا' چنانچہ ارشاد ہے: ''لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ'' (ھود:۳۶) ''آپ کی قوم میں سے آئندہ کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا ماسوا ان کے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں''۔

۲۸-﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور آپ کے والدین مؤحد و مسلمان تھے اور آپ کے باپ کا نام لمک تھا اور آپ کی ماں کا نام شمخا تھا اور بعض کا قول ہے: وہ دونوں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام مراد ہیں اور ایک قراءت میں ''لِوَلَدَيَّ'' یعنی میری اولاد کو بخش دے' اس سے آپ کے بیٹے سام اور حام مراد ہیں ﴿ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ ﴾ اور اس کو بخش دے جو میرے گھر میں داخل ہوا یا میری مسجد میں یا میری کشتی میں داخل ہوا ﴿ مُؤْمِنًا ﴾ ایمان دار' کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جو مؤمن آپ کے گھر میں داخل ہوا ہے وہ کفر کی طرف نہیں لوٹے گا ﴿ وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ قیامت کے دن تک تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے ان کو خاص کیا جو آپ کے ساتھ قرابت میں متصل تھے کیونکہ وہ آپ کی دعا کے زیادہ مستحق تھے' پھر عام مسلمان مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ﴿ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴾ اور ظالموں یعنی کافروں کو نہ بڑھانا مگر تباہی اور ہلاکت میں' چنانچہ تمام کافروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دو دعائیں کیں' ان میں سے ایک مؤمنوں کی مغفرت و بخشش کی دعا اور دوسری کافروں کی ہلاکت کی دعا' اور کفار کی ہلاکت کی دعا یقیناً قبول ہوگئی تو اب یہ محال ہے کہ مؤمنوں کے حق میں آپ کی دعا قبول نہ کی جائے اور جب کفار کو طوفان میں غرق کر دیا گیا تو ان کے بچوں کے بارے میں اختلاف ہوا' بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عورتوں کے رحموں کو طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا' سو اس لیے جب انہیں غرق کیا گیا تو اس وقت کوئی بچہ نہیں تھا اور بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ان بچوں کی بے گناہی کو خوب جانتا ہے' سو انہیں بغیر عذاب کے ہلاک کیا گیا۔

آیاتہا ۲۸	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	رکوعاتہا ۲

سورۃ الجن مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی اٹھائیس آیات' دو رکوع ہیں

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور انہوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ○ وہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے' سو ہم اس پر ایمان لے آئے' اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے ○ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان بہت بلند ہے اور نہ اس

نے کوئی بیوی بنائی اور نہ بیٹا بنایاOاور بے شک ہمارا بے وقوف شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھاOاور بے شک ہم نے گمان کیا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گےOاور بے شک انسانوں میں کچھ آدمی جنوں میں سے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے' سوانہوں نے ان (جنوں) کی سرکشی بڑھا دیOاور بے شک انہوں نے گمان کیا جیسا کہ تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو نہیں اٹھائے گاO

جنات کے ایمان لانے کا بیان

۱ - ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اپنی امت سے فرمادیں کہ میری طرف وحی کی گئی کہ بے شک شان یہ ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا ہے۔ تین افراد سے لے کر دس افراد تک کی جماعت کو عربی میں ''نَفَرٌ'' کہتے ہیں اور یہاں جنوں کی جماعت سے نصیبین کے جنات مراد ہیں[1] [''اَنَّهٗ'' میں ضمیر شان کی ہے اور تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ ''اَنَّهٗ'' کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ یہ ''اُوْحِیَ'' کا (نائب) فاعل ہے اور ''اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا'' (الجن:۱۶) اور ''اَنَّ الْمَسَاجِدَ'' (الجن:۲۸) میں ''اَنَّهُ اسْتَمَعَ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح ہے

---

[1] کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے' فرماتے ہیں: ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی' مسجد سے باہر تشریف لے آئے' پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام (الحجون) پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا' چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے' حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے' پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں یہاں تک کہ حضور پہنچ گئے' میں نے عرض کیا: میرے آقا! رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے' فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا' میں نے دریافت کیا: یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا: یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں' وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔

جنات کی کیفیت: جن جمع ہے اور اس کا واحد ''جِنِّیٌّ'' ہے' جس طرح روم کا واحد رومی ہے' اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''اَصْلُ الْجِنِّ سَتْرُ الشَّیْءِ عَنِ الْحَاسَّۃِ'' (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے' ان سب میں یہ معنی موجود ہے' ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں' دل کو جنان کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ ''مِجَنَّۃٌ'' ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں' ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں وہ فرشتے ہیں' دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں وہ شیاطین ہیں' تیسری قسم وہ ہے جس میں کچھ نیک ہیں اور کچھ شریر ہیں وہ جن ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں رقم فرمایا ہے (ترجمہ) جن اجسام ہیں جن میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقل مند ہوتے ہیں' لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے' ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے حضرت آدم کی مٹی سے' ان میں نر مادہ بھی ہیں' ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات' شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے' ان مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی یہ آیتیں پڑھیے: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِO وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور "اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا" (الجن: ۲۸) میں "اَنْ" ثقیلہ سے مخففہ ہے تا کہ "لِیَعْلَمَ" کو اس طرف متعدی کیا جا سکے اور "فا" جزائیہ اور قول کے بعد ہمزہ مکسور ہوتا ہے جیسے "فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ" (الجن: ۲۳) اور "قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا" کیونکہ یہ مبتدا ہوتا ہے جس کو قول کے بعد بیان کیا جاتا ہے اور "اَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا" سے لے کر "وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ" (الجن: ۳۔۱۴) تک ہمزہ کے مفتوح اور مکسور ہونے میں اختلاف ہے' چنانچہ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ ہمزہ کو مفتوح پڑھتے ہیں کیونکہ یہ "اَنَّهُ اسْتَمَعَ" پر عطف کرتے ہیں یا پھر "فَاٰمَنَّا بِهٖ" (الجن: ۲) میں جار مجرور کے محل پر عطف کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے "اِنَّا سَمِعْنَا" پر عطف کر کے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے' اور وہ آیات کے آخر میں وقف کرتے ہیں]

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ سو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے یعنی جب جنات حضور نبی ﷺ کی نمازِ فجر میں تلاوتِ قرآن سن کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئے تو اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم نے عجیب و غریب اور بے مثال قرآن سنا ہے' جو اپنے معانی کی صحت اور نظم کے حسن و جمال کے اعتبار سے باقی تمام کتابوں سے ممتاز اور انوکھا ہے۔ اور "عجب" کا معنی ہے: ایسی نرالی اور انوکھی چیز جو اپنی ہم جنس و ہم شکل چیزوں کی عادات و اطوار سے خارج اور ماوراء ہو' اور یہ "عَجَبًا" مصدر ہے جو عجیب کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔﴿يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ﴾ وہ قرآن نیکی' بھلائی اور صراطِ مستقیم کی طرف یا توحید و ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ سو ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور چونکہ قرآن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا ہے اور کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے' اس لیے انہوں نے کہا: ﴿وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ اور ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) "مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ O" (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا O اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O"۔

اگر جن نوعِ انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے (جیسا کہ بعض مغرب زدہ جدت پسندوں کا خیال ہے) تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی' حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔ جب دونوں کا مادۂ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوعِ انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے' اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آیاتِ قرآنی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا' اس کے بارے میں ارشاد ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ" شیطان جنوں میں سے تھا' پھر اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کر لی' تو جن جو نوعِ انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے' انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جنات نوعِ انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں' چنانچہ ارشاد ہے: "اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" (الاعراف: ۲۷) (ترجمہ) "بے شک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے"۔ کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند آیات پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانب داری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۸۴۔۳۸۶)

اپنے پروردگار کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے[1] اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِہٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہو یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ ''بِرَبِّنَا'' ارشاد اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

۳۔ ﴿وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا﴾ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان یعنی اس کی عظمت و بزرگی بہت بلند ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''جَدَّ فُلَانٌ فِیْ عَیْنِیْ اَیْ عَظُمَ'' فلاں آدمی میری نگاہ میں بہت بزرگ ہے یعنی بہت بڑی عظمت والا ہے اور اسی سے حضرت عمر فاروق یا حضرت انس کا قول ہے کہ ''کَانَ الرَّجُلُ اِذَا قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ جَدَّ فِیْنَا) اَیْ عَظُمَ فِیْ عُیُوْنِنَا'' جب کوئی آدمی سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھتا رہتا تو وہ ہمارے ہاں بزرگ ہو جاتا یعنی وہ ہماری نظروں میں بہت بڑی عظمت و شان والا ہو جاتا ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی بیوی نہیں بنائی۔ ''صَاحِبَةٌ'' بہ معنی ''زَوْجَةٌ'' ہے اور نہ اس نے اپنے لیے کوئی بیٹا بنایا جیسا کہ جنوں اور انسانوں کے کفار کہتے ہیں۔

٤۔ ﴿وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا﴾ اور بے شک ہمارا بے وقوف کہتا تھا (یعنی) ہمارا جاہل آدمی یا ابلیس کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی احمق و بے وقوف نہیں ﴿عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھا (یعنی) کفر بکتا تھا کیونکہ کفر حق سے نیکی سے اور صراطِ مستقیم سے دور ہوتا ہے اور ''شَطَطٌ'' کا معنی بہت دور ہونا ہے (اور جو بات حق سے بہت دور ہو اُسے ''قَوْلٌ شَطَطٌ'' کہتے ہیں) اور یہ ''شَطَّتِ الدَّارُ'' سے ماخوذ ہے یعنی گھر بہت دور ہے یا ایسی بات کہنا جو حق سے تجاوز کر جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کو منسوب کرنا' لہٰذا اس صورت میں ''شَطَطٌ'' کا معنی ہوگا: ظلم وغیرہ میں حد سے تجاوز کرنا اور حد سے بڑھ جانا۔

٥۔ ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے یعنی ہمارے خیال میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کر کے اس پر کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا اور ہم ان کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرتے تھے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید نے ہمارے لیے ان کے جھوٹ کو کھول کر بیان کر دیا [''كَذِبًا'' قول کی صفت مؤکدہ ہے' اصل میں ''قَوْلًا كَذِبًا'' ہے یا ''مَكْذُوْبًا'' (مبنی للمفعول) ہے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ''کذب'' قول کی ایک قسم ہے]۔

٦۔ عرب میں ایک شخص تھا' جب وہ دورانِ سفر کسی خوف ناک سرزمین پر اترتا تو کہتا: ''اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِیْ مِنْ سُفَهَاءِ قَوْمِهٖ'' میں اس وادی کے سردار جن کی پناہ طلب کرتا ہوں' اس کی قوم کے احمقوں کی شرارت سے' اس کی مراد سب سے بڑا جن ہوتا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ اور بے شک انسانوں میں سے کچھ آدمی جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے' سو انہوں نے ان کی سرکشی کو بڑھا دیا یعنی انسانوں نے جنات کی پناہ طلب کر کے ان کی سرکشی اور حماقت اور تکبر کو بڑھا دیا' یہی وجہ ہے کہ ان

---

[1] ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے' مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید سننے سے جب نورِ ایمان ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔ سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور اہل کتاب تھے' اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جدا ہے' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مؤمن ہوتے ہیں اور بعض کافر اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں' نیز یہ کہ ان میں سے نبی اور رسول مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں اور رسولوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۸۸)

جنوں نے کہا: ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے یا یہ معنی ہے کہ جنوں نے انسانوں کو سرکش اور گناہ گار بنا دیا' اس بناء پر کہ انسانوں نے ان کی پناہ طلب کی اور ''رھق'' کا اصل معنی کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ہے۔

۷- ﴿ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ ﴾ اور بے شک ان جنوں نے اسی طرح گمان کر رکھا تھا جس طرح اے اہل مکہ! تم نے گمان کر لیا ﴿ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مرنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا یعنی جنات بھی تمہاری طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور وہ بھی تمہاری طرح حشر و نشر کو نہیں مانتے تھے' پھر جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنا تو ہدایت حاصل کر لی اور حشر و نشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اقرار کر لیا' سو جس طرح جنوں نے اقرار کر لیا تم نے اقرار کیوں نہیں کیا؟

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲

اور بے شک ہم آسمان پر پہنچے تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور آگ کے شعلوں والے ستاروں سے بھرا ہوا پایاO اور بے شک ہم (پہلے) فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے اس میں بیٹھنے کی جگہوں میں بیٹھا کرتے تھے' سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے آگ کے شعلے برسانے والے محافظوں کو تیار پاتا ہےO اور بے شک ہم نہیں جانتے آیا زمین کے مکینوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ ہدایت کا ارادہ فرما لیا ہےO اور بے شک ہم میں سے بعض نیک ہیں اور ہم میں سے بعض اس کے خلاف ہیں' ہم مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیںO اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے اور نہ ہم بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیںO

جنات کے آسمان پر جانے کی ممانعت اور ان کے مختلف فرقوں کا بیان

۸- ﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ ﴾ اور بے شک ہم نے آسمان پر پہنچنا چاہا تا کہ وہاں کے رہنے والے فرشتوں کا کلام سن سکیں' اور ''لمس'' اور ''مس'' سے بطور استعارہ طلب مراد ہے کیونکہ چھونے والا اس چیز کا طالب اور اس کا حال معلوم کرنے والا ہوتا ہے جس کو وہ چھوتا ہے اور ہاتھ لگاتا ہے ﴿ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا ﴾ سو ہم نے اس کو سخت محافظوں سے بھرا ہوا پایا (یعنی) ہم نے فرشتوں میں سے ایک قوی اور سخت طاقتور جماعت کو پایا جو حفاظت کرتے ہیں [''حَرَسًا''، ''حَارِسٌ'' کی جمع ہے اور تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور بعض کا قول ہے کہ ''حَرَسٌ'' اسم مفرد ہے اور ''حُرَّاسٌ'' کے معنی میں ہے جیسے ''خَدَمٌ''، ''خُدَّامٌ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو ''شدید'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور اگر اس کے معنی میں نظر کی جاتی تو ''شِدَادٌ'' کہا جاتا] ﴿ وَّشُهُبًا ﴾ ''شهاب'' کی جمع ہے یعنی

شعلے مارنے والے اور روشنی بکھیرنے والے ستارے۔

۹۔﴿ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ﴾ اور بے شک ہم اس سے پہلے آسمان میں انتظار گاہوں میں بیٹھا کرتے تھے تا کہ ہم آسمان کی خبریں سن لیا کریں یعنی ہم بعثت نبوی سے پہلے آسمان کی بعض جگہیں محافظوں اور آگ کے شعلے برسانے والے فرشتوں سے خالی پایا کرتے تھے ﴿ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴾ سو جو شخص اب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت و آمد کے بعد فرشتوں کا کلام سننا چاہے گا' وہ اپنے لیے آگ کے گولے برسانے والے محافظوں کو پائے گا[''رَصَدًا''، ''شِهَابًا'' کی صفت ہے اور یہ بہ معنی ''راصد'' (نگران) ہے یعنی وہ اپنے لیے اور اپنی وجہ سے آگ کے گولے برسانے والے نگران پائے گا یا یہ اسم جمع ہے ''راصد'' کا بہ معنی ''ذوی شِهَابٍ رَاصِدِيْنَ بِالرَّجْمِ'']یعنی آگ کے گولے پھینکنے والے نگران اور وہ فرشتے ہیں جو آسمان پر جانے والے سرکش جنات کو آگ کے گولے مارتے ہیں اور ان کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیتے ہیں اور جمہور اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کارروائی حضور سیّد عالم حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و آمد سے پہلے نہیں تھی اور بعض اہل اسلام نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کا ٹوٹنا اور آگ کا برسنا موجود تھا لیکن شیاطین بعض اوقات چوری چھپے آسمانی خبریں سن لیتے تھے' پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کو چوری چھپے جانے سے بھی ہر طرح بالکل روک دیا گیا۔

۱۰۔﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ آسمانی خبریں چوری چھپے سننے کی ممانعت کے بعد زمین کے مکینوں کے ساتھ آیا کسی بُرائی یعنی عذاب دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا پھر ان کے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر و بھلائی اور رحمت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔

۱۱۔﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم میں سے کچھ لوگ نیک اور پرہیزگار ہیں ﴿ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ اور ہم میں سے یعنی ہماری قوم میں سے کچھ لوگ اس کے علاوہ ہیں' سو موصوف حذف کردیا گیا ہے اور اس سے وہ جنات مراد ہیں جو نیک ہونے میں کم درجہ والے ہیں پہلوں کی طرح کامل نیک نہیں ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالکل نیک نہیں بلکہ شریر و بدکار ہیں ﴿ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ ہم جدا جدا فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا (نیک و بدگروہ) کی تقسیم کا بیان ہے یعنی ہم مختلف مذاہب اور مختلف مسالک والے ہیں[1] [اور ''قِدَدٌ''، ''قِدَّة'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: ٹکڑا' اور یہ ''قَدَدْتُ السَّيْرَ'' یعنی میں نے سفر کو طے کیا اور قطع کیا' سے ماخوذ ہے]۔

۱۲۔﴿ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ ﴾ اور بے شک ہم نے گمان کرلیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کرسکتے (یعنی) بے شک ہم نے یقین کرلیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز کسی صورت میں نہیں ہرا سکتے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ یہ حال ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز و بے بس نہیں کرسکتے' درآں حالیکہ ہم زمین کے تمام اطراف و اکناف میں سے کسی سمت یا کسی کونہ

---

[1] امام سدی نے کہا کہ جنات میں بھی انسانوں کی طرح مختلف عقائد کے حاملین ہیں' ان میں مرجئہ' قدریہ' روافض اور خوارج ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۷۱) حضرت ضحاک نے کہا کہ ان میں مؤمن متقی بھی ہیں اور مؤمن فاسق بھی ہیں۔ حضرت مسیب نے کہا کہ ان میں یہود' نصاریٰ' مجوس بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں اور ان میں وہ جنات بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی ہیں جو رحمت عالمیاں حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۵)

اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سنی بھی ہوں اور دیوبندی بھی ہوں اور وہابی بھی ہوں۔

(ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۸۴)

میں چلے جائیں یا کہیں بھی رہیں ﴿وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا﴾ اور ہم بھاگ کر بھی اسے ہرگز عاجز نہیں کر سکتے [''هَرَبًا'' مصدر ہے اور محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اس حال میں بھی ہرگز عاجز نہیں کر سکتے کہ ہم زمین سے آسمان کی طرف بھاگ جائیں اور یہ (اللہ تعالیٰ سے راہِ فرار اختیار کرنا) ان جنوں کی صفت ہے اور ان کی بھی جو عقائد میں اور دیگر احوال میں جنات کی راہ پر قائم ہیں۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

اور بے شک جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر (فوراً) ایمان لے آئے' سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی کسی زیادتی کا○ اور بے شک ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور ہم میں سے بعض ظلم کرنے والے ہیں' سو جس نے اسلام قبول کر لیا' پس انہی لوگوں نے ہدایت کو حاصل کر لیا○ اور لیکن رہے ظلم کرنے والے تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں○ اور اگر وہ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ان کو ضرور وافر پانی سے سیراب کرتے○ تاکہ ہم ان کی اس میں آزمائش کرتے' اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا○

۱۳- ﴿وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ﴾ اور بے شک جب ہم نے ہدایت (یعنی) قرآن مجید سنا تو ہم اس پر (یعنی) قرآن مجید پر یا اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ﴿فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا﴾ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان رکھتا ہے تو وہ نہ نقصان سے ڈرتا ہے اور نہ زیادتی سے ڈرتا ہے (یعنی) اس کو نہ اپنے اجر و ثواب میں کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ظلم و زیادتی کا یعنی اس پر ذلت و رسوائی نہیں چھائے گی۔ ''رَهَقًا'' (درج ذیل) ارشادات سے ماخوذ ہے: ''وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ'' (یونس:۲۷) ''اور ان (کفار) پر ذلت چھائی ہوگی''۔ ''وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ'' (یونس:۲۶) ''اور ان (مسلمانوں) کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت'' [اصل میں ''فَهُوَ لَا یَخَافُ'' ہے اس طرح یہ مبتداء اور خبر ہیں] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہیں۔

۱۴- ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں سے کچھ فرماں بردار' مسلمان اور مؤمن ہیں ﴿وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور ہم میں سے کچھ کافر و ظالم اور راہِ حق سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ''قَسَطَ'' کا معنی ظلم کیا اور ''اَقْسَطَ'' کا معنی انصاف کیا ﴿فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا﴾ سو جس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو انہی لوگوں نے بہت بڑی بھلائی کو حاصل کر لیا' ہدایت کو طلب کر لیا۔ ''تحری'' کا معنی ہے: لائق ترین چیز (حق) کو طلب کرنا یعنی بہترین چیز۔

۱۵- ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ اور لیکن رہے ظالم لوگ تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں دوزخ کا ایندھن

ہیں۔ "حطب" بہ معنی "وَقُوْد" (یعنی ایندھن) ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جنوں کو دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا اور ان کے ثواب کی کیفیت میں توقف کیا گیا ہے۔

۱۶۔﴿وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ﴾ اور بے شک اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے [اور "اَنْ" ثقیلہ سے مخففہ ہے یعنی اصل میں "وَاَنَّهٗ" تھا اور یہ بھی وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے] یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ اگر وہ لوگ یعنی ظالم لوگ اسلام کی راہ پر قائم رہتے تو ﴿لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ ہم ان کو ضرور کثیر اور بہت زیادہ پانی سے سیراب کرتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ان پر رزق کو وسیع اور کشادہ کر دیتے اور کثیر و زیادہ پانی اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ یہ رزق کی وسعت کا سبب ہے۔

۱۷۔﴿لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ تا کہ ہم ان کو آزمائیں اور ان کا امتحان لیں کہ اس وافر پانی کی وجہ سے خوش حال و دولت مند ہو جانے پر وہ کس طرح شکر ادا کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ﴾ اور جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ذکر (یعنی) قرآن مجید سے یا اس کی توحید سے یا اس کی عبادت سے منہ پھیر لے گا تو ﴿يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔ "صَعَدًا" کا معنی ہے: شاق و سخت [یہ "صَعِدَ" کا مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے: "صَعِدَ صَعَدًا وَّصُعُوْدًا"] لغوی معنی اوپر چڑھنا ہے لیکن عذاب کو اس کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ عذاب بھی "مُعَذَّب" (جس کو عذاب دیا جاتا ہے) کے اوپر چڑھ جاتا ہے یعنی اسے ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے پس وہ شخص اس کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا اور اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: "مَا تَصَعَّدَنِيْ شَيْءٌ مَا تَصَعَّدَتْنِيْ خِطْبَةُ النِّكَاحِ" مجھ پر کوئی چیز اس قدر دشوار نہیں ہوتی جس قدر مجھ پر نکاح کا پیغام دینا دشوار ہوتا ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ع

اور تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' سو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو O اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ کھڑے ہو کر اس کی عبادت کرنے لگا تو قریب تھا کہ جنات گروہ در گروہ جمع ہو کر ان کو گھیر لیتے O

۱۸۔﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ اور بے شک تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک مساجد یعنی وہ گھر جو نماز پڑھنے اور دیگر عبادت کرنے کے لیے تعمیر کیے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: "وَلِاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا" اس بناء پر کہ لام "لَا تَدْعُوْا" کے متعلق ہے یعنی ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ سو تم مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کے لیے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ مساجد سے اعضائے سجدہ مراد ہیں (جن پر سجدہ کرنے کا حکم ہے) اور وہ پیشانی' دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں (ناک پیشانی میں شمار ہوتی ہے)۔

۱۹۔﴿وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا عبدِ خاص حضرت محمد ﷺ نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ اور اس کی تقدیرِ عبارت یوں ہے: "فَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ" سو مجھے وحی کی گئی ہے کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کا

عبدِ خاص کھڑا ہوا ﴿یَدْعُوْہُ﴾ "یَعْبُدُہٗ وَیَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ" (یعنی) وہ عبدِ خاص اس لیے کھڑا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ علامہ نسفی نے "یَدْعُوْہُ" کا معنی "یَعْبُدُہٗ" کیا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے "نَبِیُّ اللّٰہِ" یا "رَسُوْلُ اللّٰہِ" نہیں فرمایا بلکہ "عبد اللّٰہ" فرمایا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام ناموں میں سے "عبد" بہت پسند ہے اور اس لیے بھی کہ جب یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلامِ مبارک میں آپ کی طرف سے واقع ہوا ہے تو اسم "عبد" کو لایا گیا جس کا تواضع تقاضا کرتی ہے یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کی عبادت عقل و دانش سے بعید نہیں ہے یہاں تک کہ جنات گروہ در گروہ آ کر آپ کے پاس جمع ہو جاتے ﴿کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا﴾ قریب تھا کہ جنات گروہ در گروہ جماعت در جماعت جمع ہو کر آپ کی عبادت اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام کی اقتداء اور قرآن مجید کی تلاوت پر تعجب کرنے کے لیے آپ کو گھیر لیتے کیونکہ انہوں نے عبادتِ الٰہی کا ایسا حسین و جمیل اور انوکھا منظر دیکھ لیا تھا' جو اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ ؕ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ نفع کا O (اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا' اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتا O مگر (اس صورت میں کہ میں) اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے O یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ بہت جلد جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی تعداد بہت کم ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں حضور کا اظہارِ عجز اور علمِ غیب کا بیان

۲۰- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں جو واحد و یکتا ہے (اس کا کوئی شریک نہیں) [امام عاصم اور حمزہ کوفی کے علاوہ کی قراءت میں "قُلْ" کی بجائے "قَالَ" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ اور میں اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کرتا' سو تم تعجب کیوں کرتے ہو اور تم مجھ پر مشکلات اور دشواریاں کیوں کرتے ہو؟

۲۱- ﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) میں تمہارے لیے کسی ضرر و نقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ نفع کا۔ ''رَشَدًا'' بہ معنی ''نَفْعًا'' ہے یا پھر ''ضَرٌّ'' سے ''غَیٌّ'' (گمراہی) مراد ہے یعنی میں از خود نہ تمہاری گمراہی کا مالک ہوں اور نہ ہدایت کا مالک ہوں' مطلب یہ ہے کہ میں نہ تو تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہوں اور نہ میں تمہیں نفع دینے کی طاقت رکھتا ہوں کیونکہ حقیقت میں نقصان اور نفع دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور ''ضَرٌّ'' بہ معنی ''غَیٌّ'' کی دلیل حضرت ابی بن کعب کی یہ قراءت ہے: ''اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ غَیًّا وَّلَا نَفْعًا''۔

۲۲- ﴿قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا (یعنی) اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو مجھے اس کے عذاب سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکے گا جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ'' (ھود: ۶۳) ''سو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں'' ﴿وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤں گا۔ ''مُلْتَحَدًا'' بہ معنی ''مُلْتَجأ'' (پناہ گاہ) ہے۔

۲۳- ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی تبلیغ کرنا [یہ ''لَا اَمْلِكُ'' سے استثناء ہے] یعنی میں تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں' مگر اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے کی صورت میں [اور ''قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ'' جملہ معترضہ ہے جو حضور سے استطاعت کی نفی کی تاکید اور آپ کے عجز کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بَلَاغًا مُلْتَحِدًا'' سے بدل ہے] یعنی میں اس کے سوا ہرگز کوئی نجات دہندہ نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ میں اس کی طرف سے وہ احکام لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ اس نے مجھے بھیجا ہے یعنی مجھے نجات نہیں دے گی مگر یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان احکام کو لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے' پس یہ عمل مجھے نجات دلائے گا [اور فراء نے کہا: یہ شرط اور جزاء ہے اور استثناء نہیں ہے اور ''اِنْ'' شرطیہ ''لا'' نافیہ سے منفصل ہے اور اس کی تقدیر اس طرح ہے: ''اِنْ لَّا اُبَلِّغْ بَلَاغًا'' یعنی اگر میں احکامِ اسلامی کی تبلیغ نہ کرتا تو میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو پناہ گاہ نہ پاتا اور نہ اپنے لیے کسی کو بچانے والا پاتا' جیسے کہا جاتا ہے: ''اِنْ لَّا قِیَامًا فَقُعُوْدًا'' اگر قیام نہ ہوتا تو قعود ہوتا' اور ان تمام وجوہ میں ''بلاغ'' بہ معنی تبلیغ ہے] ﴿وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ [یہ ''بَلَاغًا'' پر معطوف ہے] گویا کہا گیا ہے کہ میں تمہارے لیے مالک نہیں ہوں مگر تبلیغ کرنے کا اور اس کے پیغامات پہنچانے کا یعنی مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کروں اور یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے' اپنے قول کو اس کی طرف منسوب کر کے اور یہ کہ میں اس کا وہ پیغام پہنچا دوں جس کے ساتھ مجھے اس نے بھیجا ہے بغیر کسی کمی اور زیادتی کے [حرف ''مِنْ'' تبلیغ کا صلہ نہیں ہے کیونکہ ''بَلِّغْ عَنْهُ'' بھی کہا جاتا ہے بلکہ یہ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ'' (التوبہ: ۱) میں جو حرف ''مِنْ'' ہے اس کے قائم مقام ہے یعنی ''(بَلَاغًا) كَائِنًا (مِّنَ اللّٰهِ)''] ﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کہ وہ ان تعلیمات کے قبول کرنے کو ترک کر دے گا جو رسول خدا پر نازل کی گئی ہیں کیونکہ اس کو تبلیغ رسالت کے بعد ذکر کیا گیا ہے ﴿فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ پس اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ''لَهٗ'' میں ضمیر کو واحد ذکر کیا گیا ہے اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''خَالِدِیْنَ'' کو جمع کیا گیا ہے]۔

۲۴- ﴿حَتّٰۤی﴾ یہ محذوف کے متعلق ہے جس پر حال دلالت کر رہا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ کفار اپنی روش پر ہمیشہ

قائم رہیں گے یہاں تک کہ ﴿اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ﴾ جب وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ﴾ تو وہ بہت جلد جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہوگا کہ ﴿مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا﴾ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی گنتی کم ہے' آیا وہ مشرکین یا مسلمان یعنی اس دن کافر کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور مسلمان کی اللہ تعالیٰ خود مدد فرمائے گا اور اس کے فرشتے اور اس کے انبیائے کرام علیہم السلام مدد کریں گے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں اپنے آپ نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرا رب تعالیٰ اس کی مدت کو دراز کر دے گا O وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا O ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے' پس وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے نگران مقرر کر دیتا ہے O تاکہ وہ ظاہر کر دے کہ بے شک انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے O

۲۵۔ ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب قریب آ چکا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا پروردگار اس کی مدت کو لمبا کر دے گا یعنی یہ بات تو یقینی ہے کہ بے شک تمہیں عذاب ضرور دیا جائے گا لیکن میں از خود یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب ابھی حال میں آنے والا ہے یا اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے [ابو عمرو بصری اور اہل حجاز نے "رَبِّیْ" میں "یا" کو مفتوح "رَبِّیَ" پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے "یا" کو ساکن کر کے "رَبِّیْ" پڑھا ہے اور "اَمَدًا" کا معنی ہے: بہت دور]۔

۲۶'۲۷۔ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ﴾ اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں "هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ" ہے] یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) ہر غیب کا جاننے والا ہے ﴿فَلَا یُظْهِرُ﴾ "فَلَا یُطْلِعُ" ﴿عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ "مِنْ خَلْقِهٖ" سو وہ اپنے غیب پر اپنی مخلوق میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ مگر جس کو اس نے پسند کر لیا جو اس کے رسول ہیں (یعنی) مگر اس نے رسول کو بعض علم غیب کے لیے پسند کر لیا تاکہ رسول کے لیے غیب کی خبر دینا معجزہ بن جائے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنے غیب پر جس قدر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے[1] اور "مِنْ رَّسُوْلٍ" میں حرف "مِنْ" بیان ہے "مَنِ ارْتَضٰی" کا] اور جب اللہ تعالیٰ کا ولی کسی چیز کی خبر دیتا ہے اور وہ ظہور پذیر ہو

[1] واضح رہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض علم غیب کی بات فرمائی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے تو ولی اس پر یقین کامل نہیں رکھتا (کیونکہ وہ ظنی ہوتی ہے) لیکن وہ اپنے خواب یا اپنی دینی فراست وبصیرت کی بناء پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علوم غیبیہ کے اعتبار سے بعض علوم غیبیہ مراد ہیں' جو مخلوق کے کلی اور جزئی دونوں کو شامل ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم ''ما کان وما یکون'' اور علوم کلی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں جیسا کہ ذیل میں ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔

یہاں دو باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں: ایک یہ کہ یہ علوم کلی متناہی اور حادث ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی اور قدیم ہیں' اس لیے حضور کے لیے علوم کلی ماننے سے مساوات وشرک لازم نہیں آتا' دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام علوم تمام اوقات میں دیگر صفات کی طرح ہمیشہ ثابت وقائم اور حاضر رہتے ہیں' کسی وقت ذہول وانقطاع نہیں ہوتا جب کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے بعض اوقات بعض حکمتوں کی بناء پر عدم توجہ اور عدم التفات اور انقطاع ہوتا رہا ہے' جس کی وجہ سے بعض مواقع پر علوم غیبیہ وغیرہ کی نفی ثابت ہوتی ہے تو وہ عدم علم کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم توجہ اور عدم التفات کی بناء پر ہوتی ہے۔

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے' آپ نے وہاں اپنے بیان میں قیامت تک ہونے والی کسی ایک چیز کو بھی نہیں چھوڑا مگر آپ نے سب کچھ بیان کر دیا' اسے یاد رہا جس نے اسے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جس نے اسے بھلا دیا' بے شک میرے یہ سارے ساتھی اس کو جانتے ہیں اور بے شک ان چیزوں میں سے جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جس کو میں یقیناً بھول چکا ہوں تو جب میں اسے دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آ جاتی ہے جس طرح آدمی کسی واقف کار آدمی کے چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور وہ اسے یاد آ جاتا ہے جو کافی عرصہ اس سے غائب رہا ہو۔

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز بتادی' سو میں نے آپ سے ہر سوال کیا جس کا آپ نے جواب دیا مگر میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کو مدینہ منورہ سے کیا چیز نکالے گی۔

(۳) حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا' سو آپ منبر سے نیچے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ''فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ'' سو آپ نے ہمیں وہ تمام چیزیں بیان کر دیں جو ہو چکی تھیں اور جو آئندہ ہونے والی تھیں (یعنی ''ما کان وما یکون'' کی خبریں بیان کر دیں) سو ہم میں زیادہ عالم وہ تھا جو زیادہ حافظہ رکھنے والا تھا۔ (یہ تینوں احادیث مبارکہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء' کراچی میں ملاحظہ فرمائیں)

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنی منازل میں داخل ہونے تک تمام حالات ہمیں بیان فرما دیئے' جس نے اسے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا اسے بھول گیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)

(۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا' رب کریم نے پوچھا کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں' میں نے عرض کیا: آپ ہی خوب جانتے ہیں' فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی ''فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' سو میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ (دارمی' ترمذی' مشکوٰۃ ص ۷۰' مطبوعہ دہلی)

(۶) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صبح کی نماز میں تاخیر کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خبر دیتا ہے' نیز وہ اس بناء پر خبر سناتا ہے کہ ولی کی ہر کرامت نبی اور رسول کا معجزہ ہوتی ہے اور کتاب التاویلات میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ نجومیوں کی تکذیب پر دلالت کرتی ہے' حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نجومیوں میں بعض لوگوں کی خبریں سچی ثابت ہو جاتی ہیں اور اسی طرح طبیبوں اور حکیموں کا حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں کے خواص کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دی' قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں' پھر آپ جلدی تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی اور نماز مختصر پڑھائی' جب سلام پھیر لیا تو آپ نے بلند آواز سے پکار کر ہمیں فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو جیسے ہو' پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں کہ صبح کس چیز نے مجھے روک لیا تھا' بے شک میں رات کو اٹھا اور وضو کیا' جس قدر مقدر میں تھا' میں نے نماز پڑھی' سو مجھے نماز میں اونگھ آ گئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آ گئی' پس اچانک میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا' فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں اے میرے مالک! فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو از خود نہیں جانتا' یہ تین بار فرمایا' آپ فرماتے ہیں: پھر میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا' یہاں تک کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی ''فَتَجَلّٰى لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ'' تو میرے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے سب جان لیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ اصح المطابع' کتب خانہ رشیدیہ' دہلی)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کے پاس گیا اور ان بکریوں میں سے ایک پکڑ لی اور چرواہے نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ بکری کو اس سے چھین لیا' چرواہا نے کہا کہ وہ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ گیا اور دُم دبائی' پھر اس بھیڑیا نے کہا: میں نے اس رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا' میں نے اسے پکڑ لیا' پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا' (بھیڑیے کا بولنا سن کر) پھر اس چرواہے نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا' آج تو بھیڑیا بھی باتیں کر رہا ہے' اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان (یعنی مدینہ منورہ میں) کھجوروں کے باغ میں ایک آدمی ہیں (یعنی حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء) ''یُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ'' وہ تمہیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے' سب بتا دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: وہ چرواہا یہودی تھا' چنانچہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور آپ کو سارا واقعہ بیان کیا اور مسلمان ہو گیا اور حضور نے اس کی بات کی تصدیق کی' پھر آپ نے فرمایا کہ یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۵۴۱' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' کتب خانہ رشیدیہ' دہلی)

دیوبندیوں کے مستند عالم علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا ہے کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں' ہاں! شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے' اس نوع میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں' آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء (شمار) کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

اسی حاشیہ کے شروع میں لکھا: سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۷۲۶' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

پہچانتے ہیں اور یہ خبریں صرف غور وفکر سے نہیں پہچانی جاتیں' سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بعض علوم غیبیہ پر رسول کی جہت اور وساطت سے آگاہ ہوتے ہیں جس کا نشان منقطع ہو چکا ہے لیکن اس کا علم مخلوق میں باقی ہے ﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ سو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے آگے اور اس کے پیچھے فرشتوں میں سے محافظ مقرر کر دیتا ہے' جو شیطانوں کی شرارتوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ فرشتے رسول کو شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے میل جول سے بچاتے ہیں یہاں تک کہ وحی رسول تک پہنچادی جاتی ہے۔

۲۸- ﴿لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادے کہ بے شک اس کے رسولوں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات مکمل طور پر بغیر کسی زیادتی اور کمی کے لوگوں تک پہنچا دیئے ہیں یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا کہ وہ آئندہ موجود ہوگا [''مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ'' میں ''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے ضمیر کو مفرد ذکر کیا گیا ہے اور ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے ''اَبْلَغُوْا'' میں ضمیر کو جمع ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ اور رسولوں کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے خواہ وہ بارش کے قطرے ہوں یا ریت کے ذرّے ہوں' درختوں کے پتے ہوں اور دریاؤں اور سمندروں کی جھاگ ہوں تو بھلا وہ اس وحی اور کلام کا احاطہ کیوں نہیں کر سکتا جو رسولوں کے پاس ہے [اور ''عَدَدًا'' حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گنتی کردہ اور شمار کردہ سمیت جانتا ہے [یا مصدر ہے' شمار کرنے کے معنی میں ہے]۔

آیاتہا ۲۰	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	رکوعاتہا ۲

سورۃ المزمل مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی بیس آیات' دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹

اے چادر اوڑھ کر آرام کرنے والے محبوب!○ رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا○ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر لیجئے○ یا اس پر اضافہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے○ بے شک ہم عنقریب آپ پر بھاری کلام نازل کریں گے○ بے شک رات کا قیام (نفس پر) سخت دشوار ہوتا ہے اور کلام کو خوب درست رکھنے والا ہوتا ہے○ بے شک دن میں آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں○ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جائیے○ وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو آپ اسی کو اپنا کارساز بنالیں○

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان

۱ تا ٤- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴾ اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی "متزمل" اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتا ہے یعنی وہ کپڑوں میں لپٹ جاتا ہے۔ "متزمل" میں "تا" کو "زا" میں مدغم کر کے "مُزَّمِّل" پڑھا جاتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو چادر لپیٹ کر اپنے کپڑوں میں چھپ کر سو جاتے تھے' سو اس لیے اسی کیفیت کے ساتھ نماز کے لیے قیام کا حکم دیا گیا' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ ﴾ رات کو نماز کے لیے قیام کیجئے مگر تھوڑا آدھی رات ["نِصْفَهٗ"، "اَلَّيْلَ" سے بدل ہے اور "اِلَّا قَلِيْلًا"، "نِصْفَهٗ" سے استثناء ہے] اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "قُمْ نِصْفَ الَّيْلِ اِلَّا قَلِيْلًا مِنْ نِصْفِ الَّيْلِ" آدھی رات قیام کیجئے مگر آدھی رات سے کچھ کم ﴿ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴾ یا اس سے تھوڑا سا کم (یعنی) نصف رات سے کم ایک تہائی رات تک ﴿ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ ﴾ یا اس پر زیادہ کیجئے (یعنی) نصف رات پر اضافہ کر کے دو تہائی رات عبادت کیجئے' اور اس سے مراد دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا یعنی نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا قطعی اور یقینی ہے اور دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اور وہ دو یہ ہیں: نصف رات سے کم اور نصف رات سے زیادہ' اور اگر "نصفه" کو "قلیلا" سے بدل قرار دیا جائے تو پھر تین چیزوں کے درمیان اختیار ہوگا (۱) پوری نصف رات قیام کرنا (۲) نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا (۳) نصف رات سے زیادہ قیام کرنا (قیام سے نمازِ تہجد مراد ہے) اور نصف کو قلیل کے ساتھ کل کے اعتبار سے موصوف کیا گیا ہے کیونکہ لفظ قلیل کا اطلاق نصف سے کم پر ہوتا ہے اور اس لیے ہم نے کہا کہ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا: "اَنَّ لِفُلَانٍ عَلَيْهِ اَلْفُ دِرْهَمٍ اِلَّا قَلِيْلًا" بے شک فلاں آدمی کے لیے اس پر ایک ہزار درہم (چاندی کا سکہ) واجب الادا ہیں مگر تھوڑے سے کم تو اس پر نصف ہزار سے زیادہ واجب الادا ہوں گے [امام عاصم اور حمزہ کوفی کے علاوہ کی قراءت میں واؤ مضموم کے ساتھ "اَوُ انْقُصْ مِنْهُ" پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ﴾ اور آپ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں (یعنی) حروف کو ظاہر کر کے اور واضح کر کے پڑھا کریں یا یہ معنی ہے کہ حروف کو واضح ادا کر کے پڑھیں اور وقوف کا خیال رکھیں اور قوانین کے مطابق حرکات کو پُر کر کے پڑھا کریں ﴿ تَرْتِيْلًا ﴾ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ یہ امر کے وجوب کی تاکید ہے' اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے تصحیح حروف کے ساتھ پڑھنا واجب و لازم ہے۔

۵- ﴿ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ ﴾ بے شک ہم عنقریب آپ پر ڈالیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ پر نازل کریں گے ﴿ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴾ بھاری کلام یعنی قرآن مجید کیونکہ اس میں اوامر (احکام) اور نواہی (ممنوعات) کا بیان ہے جو مکلفین (مسلمانوں) پر سخت دشوار اور بھاری تکالیف کا باعث ہیں یا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید منافقین پر بھاری ہے (کیونکہ ان کے سینے ایمان سے خالی ہیں) یا یہ کہ قرآن مجید معانی اور اسرار و رموز اور اجر و ثواب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بڑا وزنی اور راجح کلام ہے' کوئی ہلکا ردّی اور ناکارہ کلام نہیں ہے۔

٦- ﴿ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ ﴾ بے شک رات کو عبادت کے لیے اٹھنا (نفس پر بھاری ہوتا ہے) اس سے نمازِ تہجد کے لیے رات کو اٹھنا مراد ہے' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے[1] یا وہ عبادت مراد ہے جو رات میں ادا کی

[1] نمازِ تہجد کے فضائل و کیفیت کا بیان: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات آسمانِ دنیا پر اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے' فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اسے عطا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے یعنی جو عبادت رات میں وقوع پذیر ہوتی ہے (یعنی مغرب وعشاء کی نمازیں) یا رات کے اوقات مراد ہیں کیونکہ ان میں بھی لحہ بہ لحہ قیام کیا جاتا ہے' چنانچہ امام زین العابدین حضرت علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز (اوّابین) پڑھتے تھے اور فرماتے: یہی رات کی نماز ہے [قاری ورش کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''نَاشِئَةَ'' ہمزہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت وبخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ (بخاری ومسلم)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' حضور فرماتے ہیں کہ رات میں ایک وقت ایسا ہوتا ہے' جس میں کوئی مسلمان آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے کام کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور عطا فرمادیتا ہے۔ (مسلم)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام نصف رات سوتے تھے اور ایک تہائی رات عبادت کرتے تھے اور پھر چھٹا حصہ رات کا سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ رات کی عبادت (۱) تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے (۲) اور یہ تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے (۳) اور بُرائیوں کو مٹانے والی ہے (۴) اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (سنن ترمذی)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ خدا حبیب کبریاء سرورِ انبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) مسکراتا ہے (۱) جب کوئی آدمی رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے (۲) جب کوئی قوم نماز باجماعت کے لیے صف بندی کرتی ہے (۳) جب مجاہدین دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(۶) حضرت عمرو بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ بندے کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے' لہٰذا اگر اس حصے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہوجانا تم سے ہوسکے تو تم ضرور ہوجاؤ۔
(رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

(۷) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں معزز ترین قرآن مجید کے حاملین اور رات کو نماز تہجد پڑھنے والے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)
(ماخوذ از: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۰۸۔۱۰۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۸) حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے' نو رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور فجر کی دو رکعات سنت اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

(۹) حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: رسول اللہ ﷺ رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مصدر ہے "فَاعِلَة" کے وزن پر جیسے "عافیة" ہے اور یہ "نَشَأَ" سے مشتق ہے "نَشَأَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے اور اٹھ جاتا ہے] ﴿هِيَ اَشَدُّ وَطْأً﴾ یہ رات کی عبادت (نفس پر) دشوار ہوتی ہے [ابن عامر شامی اور ابوعمرو کی قراءت میں "وِطَاءً" پڑھا جاتا ہے جس کا معنی موافقت ہے] یعنی رات کی عبادت میں عبادت گزار کا دل اس کی زبان کے موافق رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رات کی عبادت مخفی اور علانیہ عبادات کے درمیان زبردست موافقت پیدا کرنے والی ہے کیونکہ یہ مخلوقات کے دکھاوے سے مبرا ہے [مذکورہ بالا قاریوں کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "وَطْئًا" پڑھا جاتا ہے] یعنی رات کی عبادت دن کی عبادت کے مقابلے میں نمازی پر سخت دشوار اور بھاری ہوتی ہے کیونکہ رات کے وقت نیند غالب ہوتی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مضر" "اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ میں گرفتار فرما"[1] ﴿وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴾ اور (رات کو اٹھ کر عبادت کرنا) کلام کو بہت درست رکھنے والا اور قراءت کو خوب ثابت رکھنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آوازیں بند ہوتی ہیں اور لوگوں کی آمد و رفت' چلنا پھرنا اور حرکات وغیرہ موقوف ہو جاتی ہیں۔

۷-﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ بے شک آپ کے لیے دن میں بہت سے کام ہوتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ دن کے وقت آپ کو اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آنا جانا ہوتا ہے اور اپنے مشاغل کے لیے آپ کو مصروف رہنا پڑتا ہے' سو اس لیے آپ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے رات کو فارغ کر لیجئے یا یہ معنی ہے کہ دن کے وقت آپ کو سونے اور آرام کرنے کے لیے لمبی فراغت ہوتی ہے۔

۸-﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور رات اور دن میں اس کے ذکر پر ہمیشہ قائم و ثابت رہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' اللّٰهُ اَكْبَرُ" نماز' تلاوتِ قرآن اور علم دین کی تعلیم کو شامل ہے ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ﴾ اور آپ اسی کی طرف متوجہ رہیے اور ہر چیز سے الگ ہو کر اسی (اللہ تعالیٰ) کی عبادت میں مشغول ہو جائیے اور "تَبَتُّلٌ" کا معنی ہے: اور سب سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینا' اسی سے خیر و بھلائی کی اُمید رکھنا' اس کے غیر سے اُمید نہ رکھنا' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "تَبَتُّلٌ" کا معنی ہے: دنیا اور دنیا کے مال و متاع سے تعلق توڑ لینا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کا طلب گار رہنا ﴿تَبْتِيْلًا﴾ سب سے الگ رہنا [فعل سے مختلف مصدر لانے میں تاکید میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت و محبت کے لیے سب سے الگ کر لیا ہے' سو آپ بھی صرف اسی کے ہو کر رہیے یا اس کو اس لیے لایا گیا ہے کہ آیات کے فواصل کے حق کی رعایت ہو جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے رات میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں' آپ چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو آپ پھر چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے' حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۹۳) (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۴۹)

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۳' مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵

۹۔﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ وہ مشرق اور مغرب کا مالک و پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں ''هُوَ رب المشرق والمغرب'' ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) یا پھر یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''لا الله الا هو'' ہے اور ابن عامر شامی اور حضرت حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''رَبِّكَ'' سے بدل واقع ہونے کی بناء پر مجرور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: حرف قسم کے مضمر کے ساتھ قسم کی بناء پر مجرور ہے (یعنی اصل میں ''وَرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ'' ہے) اور اس قسم کا جواب ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''وَاللّٰهِ لَا اَحَدَ فِي الدَّارِ اِلَّا زَيْدٌ''] ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ سو آپ اسی (اللہ تعالیٰ) کو اپنا کارساز بنائے رکھیں اور آپ کے ساتھ نصرت و مدد کا جو وعدہ کیا گیا ہے' اس پر آپ اپنے پروردگار کو مددگار اور کفیل و ضامن بنائے رکھیں' یا یہ معنی ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بے شک مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو آپ اپنے تمام اُمور و معاملات میں اسی کو کافی قرار دیں اور حرف ''فا'' کو لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اب اس حقیقت کو پہچان لینے کے بعد تمام اُمور و معاملات واحد و قہار کے سپرد کرنے میں تاخیر نہ کیجئے کیونکہ اقرار کے بعد انتظار کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

اور آپ ان باتوں پر صبر کیجئے جو کفار کہتے ہیں اور آپ انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O اور آپ مجھ پر جھٹلانے والے مال داروں کو چھوڑ دیں (میں خود ان سے انتقام لے لوں گا) اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیں O بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور جلانے والی آگ ہے O اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے O جس دن زمین اور پہاڑ تھرا کر کانپیں گے اور پہاڑ ریت کے بہتے ہوئے ٹیلے ہو جائیں گے O بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے' جو تم پر گواہی دینے والا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا O سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت گرفت میں پکڑ لیا O

حضور ﷺ کو کفارِ مکہ کی تکالیف پر صبر کی تلقین اور کفار کے لیے تنبیہات

۱۰۔﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور آپ ان باتوں پر صبر کریں جو کفار میرے بارے میں بیوی اور بیٹوں کے ہونے کی اور آپ کے بارے میں جادوگر اور شاعر ہونے کی باتیں کہتے ہیں ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ اور آپ ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں اور آپ ان کو اپنے دل سے دور کر دیں اور مخالفت کا بہتر طریقہ کار اختیار کر کے اور ان کے

ساتھ انتقام کی کارروائی چھوڑ کران کی مخالفت کریں' اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت مبارکہ جہاد اور قتال کی آیت مبارکہ کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے۔

۱۱- ﴿ وَذَرْنِىْ ﴾ اور آپ مجھ پر چھوڑ دیں یعنی آپ ان کفار کو میرے سپرد کر دیں' سو میں انتقام لینے کے لیے ان کو کافی ہوں ﴿ وَالْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اور جھٹلانے والے قریش مکہ کے سرداروں کو مجھ پر چھوڑ دیں [یہ مفعول معہ ہے یا پھر ''ذَرْنِىْ'' پر معطوف ہے] یعنی مجھے اور ان کو چھوڑ دیں میں خود ان سے نپٹ لوں گا ﴿ اُولِى النَّعْمَةِ ﴾ نعمتوں والے مال داروں کو (یعنی) ناز ونعم میں پلنے والے خوش حال لوگ [نون مکسور کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: انعام دینا' اور نون مضموم کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: لطف وسرور اور پُر آسائش زندگی گزارنا] ﴿ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴾ اور آپ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں' بدر کے دن تک یا قیامت کے دن تک [''قلیلا'' صفت ہے' اس کا موصوف محذوف ہے' اصل میں ''اِمْهَالًا قَلِيْلًا'' ہے]۔

۱۲- ﴿ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا ﴾ بے شک ہمارے پاس آخرت میں کافروں کے لیے بھاری بیڑیاں ہیں' ''انکال'' ''نِكْلٌ'' کی جمع ہے ﴿ وَّجَحِيْمًا ﴾ اور بھڑکتی ہوئی جلانے والی آگ ہے۔

۱۳- ﴿ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ ﴾ اور گلے میں اٹک کر رہ جانے والا کھانا یعنی وہ کھانا جو حلق میں پھنس جائے' پس وہ نہ نگلا جائے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی ''ضریع'' (خاردار جھاڑیاں) اور ''زقوم'' (تھوہر کا مہلک وزہریلا درخت) ﴿ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ اور دردناک عذاب جس کا درد ظاہر جسم کے ساتھ ساتھ جسم کے اندر دل تک پہنچ جائے گا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو آپ بے ہوش ہو گئے[1] اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے شام تک روزہ رکھا اور افطاری کے وقت کھانا پیش کیا گیا تو اس وقت آپ کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ یہ کھانا اٹھالو اور دوسرے روز شام کو وقت افطار کے لیے کھانا پیش کیا گیا تو یہی آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی تو آپ رونے لگے اور فرمایا: کھانا اٹھالو اور اسی طرح تیسرے روز ہوا تو حضرت ثابت بنانی اور اس کے دیگر ساتھی خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو کھانا کھانے کے لیے مجبور کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے کھانا کھانے کی بجائے چند گھونٹ ستو کے شربت کے پی لیے اور بس!

۱۴- ﴿ يَوْمَ ﴾ [''لَدَيْنَا'' میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے جس سے ''يَوْمَ'' منصوب ہے اور وہ ''اِسْتَقَرَّ'' ہے] یعنی کفار کے لیے ہمارے پاس ایک اس طرح کا سخت والم ناک دن مقرر ہو چکا ہے جس دن ﴿ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ ﴾ زمین اور پہاڑ بہت لرزنے لگیں گے یعنی بہت سخت متحرک ومتزلزل ہو جائیں گے ﴿ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا ﴾ اور اس دن تمام پہاڑ جمع شدہ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے۔ ''کثیب'' اصل میں ''كَثَبَ الشَّىْءَ'' سے ماخوذ ہے' جب کسی چیز کو جمع کیا جائے گا [گویا یہ فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے] ﴿ مَّهِيْلًا ﴾ جمع ہو جانے کے بعد کسی چیز کا بہنے لگ جانا (جیسے قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر باریک ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوا میں اُڑتے ہوئے بہتے سمندر کی طرح نظر آئیں گے)۔

۱۶'۱۵- ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ﴾ اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے یعنی (سیّد عالم) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ﴿ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ ﴾ تم پر گواہی دینے والے ہیں جو قیامت کے دن تم پر تمہارے کفر وشرک اور تمہاری تکذیب وجھٹلانے کی گواہی دیں گے ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴾ جس طرح

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ (۱۴/ ۱۳۵)

ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ سو فرعون نے رسول یعنی اس رسول کی نافرمانی کی' کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لوٹایا جائے تو دوسرا بعینہٖ پہلا ہوتا ہے ﴿فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا﴾ پھر ہم نے اس کو اپنی بہت سخت ترین گرفت میں لے لیا اور یہاں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ ان دونوں کا واقعہ اور ان کی خبر مکہ والوں کے درمیان مشہور و معروف ہو کر پھیل چکی تھی کیونکہ اہل مکہ یہودیوں کے پڑوسی تھے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن (کے عذاب سے) کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا O آسمان اس (کی شدت) کے سبب پھٹ جائے گا' اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا O بے شک یہ ایک نصیحت ہے' سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے O

۱۷- ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا﴾ سو اگر تم نے کفر کر لیا تو اس دن تم کس طرح بچو گے [''يَوْمًا'' ''تَتَّقُوْنَ'' کا مفعول ہے] یعنی تم اس دن کے عذاب سے کس طرح بچو گے اگر تم نے یہاں کفر اختیار کر لیا [یا اسم ظرف ہے] یعنی قیامت کے دن میں تمہارے لیے کس طرح بچاؤ ممکن ہو سکے گا اگر تم نے دنیا میں کفر اختیار کر لیا [یا ''کفرتم'' کی وجہ سے منصوب ہے اس بناء پر ''كَفَرْتُمْ'' بہ معنیٰ ''جَحَدْتُمْ'' ہے] یعنی تمہارے لیے کس طرح ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر لو اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگ جاؤ' اگر تم نے قیامت کے دن کا اور جزاء و سزا کا انکار کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے اس کے عذاب کا خوف لاحق ہوتا ہے ﴿يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی اپنی سختی اور ہولناکی کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا کہ تم اٹھو اور اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کی جماعت کو الگ نکال دو [''يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ'' صفت ہے ''يَوْمًا'' کی اور ''یوم'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی ''فِيْهِ'' اور ''شِيْبًا''، ''اشیب'' کی جمع ہے] اور بعض کا قول ہے کہ یہ صرف ڈرانے کے لیے بطور تمثیل کہا گیا ہے اور شدید ترین دن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں دن اتنا سخت ہے کہ وہ بچوں کی پیشانیوں کو سفید کر دے گا۔

۱۸- ﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ﴾ آسمان اس دن کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں بھی قیامت کے دن کی شدت کا وصف بیان کیا گیا ہے یعنی آسمان اپنی عظمت و بڑائی اور اپنی وسعت اور اپنی مضبوطی کے باوجود اس دن پھٹ جائے گا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اس کے علاوہ دیگر مخلوقات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے [اور خبر کا مذکر ہونا اس بناء پر ہے کہ ''السماء'' بہ معنیٰ ''السقف'' ہے (چھت) یا اصل میں ''اَلسَّمَآءُ شَیْءٌ مُّنْفَطِرٌ'' اور ارشاد ''(بِهٖ) ای بیوم القیامۃ''] یعنی قیامت کے دن کے سبب' مطلب یہ ہے کہ آسمان اس دن کی شدت اور اس کی ہولناکی کی وجہ سے پھٹ

جائے گا جیسا کہ کوئی چیز اس سے پھٹ جاتی ہے جس سے اس کو کاٹا جاتا ہے ﴿كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ اس کا وعدہ ہو کر رہتا ہے۔ ''مَفْعُوْلًا'' بمعنی ''كَائِنًا'' ہے ضرور ہونے والا [''وعد'' مصدر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور وہ ''الیوم'' ہے یا فاعل کی طرف مضاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے]۔

۱۹۔ ﴿اِنَّ هٰذِهٖ﴾ بے شک یہ آیات جو وعید (دھمکی) کو بیان کرنے والی ہیں یہ ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ سراسر نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ سو جو چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے یعنی جو شخص چاہے ان آیات سے نصیحت حاصل کر لے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقویٰ اور خشیت کے ساتھ راستہ اختیار کر لے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) ایک تہائی رات اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت قیام کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ تم اس کو ہرگز شمار نہیں کر سکو گے تو اس نے اپنی مہربانی سے تم پر رجوع فرما لیا سو تم قرآن میں سے اُتنا پڑھا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو' وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے' اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے زمین میں سفر کریں گے' اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے' سو تم اس میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو اور تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہترین قرض دو' اور تم اپنے لیے نیکی میں سے جو آگے بھیجو گے' اسے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اور اجر و ثواب میں زیادہ پاؤ گے' اور تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیا کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

نمازِ تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان

۲۰۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے

شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام (عبادت) کرتے ہیں۔ ''ادنٰی'' کا معنی اقرب یعنی قریب ترین ہوتا ہے لیکن یہاں بطورِ استعارہ ''اَقَلّ'' کے معنی میں ہے کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان مسافت قریب ہو جاتی ہے تو فاصلہ کم ہو جاتا ہے اور جب دو چیزوں کے درمیان مسافت دور ہوتی ہے تو فاصلہ زیادہ ہوتا ہے [قاری ہشام کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''ثُلُث'' میں لام مضموم پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ ﴾ اور آپ آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات میں عبادت و قیام کرتے ہیں [ابن کثیر مکی اور کوفی قراء کی قراءت کے مطابق یہ دونوں کلمے ''اَدْنٰی'' پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہیں اور جس نے ان دونوں کو مجرور پڑھا ہے اس نے ''ثلثی'' پر عطف کیا ہے] ﴿ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ ؕ ﴾ اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت یعنی آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک جماعت اتنی مقدار قیام کرتی ہے [اور ''طَآئِفَةٌ'' ''تَقُوْمُ'' میں ضمیر پر معطوف ہے اور فاصلہ کے پائے جانے کی وجہ سے بغیر تاکید کے عطف جائز ہے] ﴿ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ ﴾ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ کوئی شخص نہ تو رات اور دن کے اندازہ کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے اور نہ ان دونوں کے اوقات ولمحات کی مقداروں کا بالکل صحیح اندازہ لگا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی تقدیم کے ساتھ آغاز اس بناء پر ہے کہ ''یُقَدِّرُ'' اس پر موقوف ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ تقدیر و اندازہ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے' پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام اتنی مقدار میں قیام و عبادت کرتے تھے تو ان کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ ﴾ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس مقدار کو شمار نہیں کر سکو گے (یعنی) تم اتنی بڑی مقدار میں قیام کی طاقت ہرگز نہیں رکھ سکتے مگر بہت بڑی شدت و مشقت کے ساتھ اور اس میں تو بہت بڑا حرج اور تنگی ہے ﴿ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور تم پر تخفیف فرما دی اور تم سے رات کے قیام کا فرض ساقط کر دیا ﴿ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ ﴾ سو اب تم قرآن مجید میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو' اور نماز میں قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور نماز کے علاوہ باقی اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان فرمائی کہ آپ نے فرمایا: جو شخص رات میں ایک سو آیات پڑھ لے گا وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص دو سو آیات پڑھے گا' وہ عبادت گزاروں میں سے لکھا جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے نماز مراد ہے کیونکہ قراءتِ قرآن نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یعنی جس قدر آسانی سے تم پڑھ سکتے ہو' اسی قدر نماز پڑھ لیا کرو اور رات کی نماز میں مشقت و تکلیف نہ اٹھاؤ اور یہ آیت مبارکہ پہلے حکم کے لیے ناسخ ہے' پھر یہ حکم بھی پنجگانہ نمازوں کی آمد پر منسوخ ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے نسخ کی حکمت بیان فرمائی اور وہ حکمت یہ ہے: (۱) بیماروں کے لیے رات کو اٹھ کر نمازِ تہجد کے لیے قیام کرنا مشکل و متعذر اور باعث تکلیف ہے (۲) اور مسافروں کے لیے دن بھر سفر کرنے کے بعد رات کو آرام کرنے کی بجائے عبادت کے لیے اٹھنا باعث مشقت ہو جاتا ہے (۳) اور مجاہدین کے لیے دن بھر جہاد کی مصروفیت کے سبب رات کو اٹھنا بھی مشقت و تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰى ۙ ﴾ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ عنقریب تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے جن پر رات کو قیام کرنا دشوار ہو جائے گا [''اَنْ'' اصل میں ''اَنَّهٗ'' تھا' پھر ثقیلہ سے مخففہ بنا دیا گیا اور تخفیف کے عوض سین کو ''یَکُوْنُ'' پر داخل کیا گیا اور اسم حذف کر دیا گیا] ﴿ وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کریں گے'' فضل اللّٰہ'' سے تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رزق

تلاش کرنا یا علم کی طلب کے لیے سفر کرنا مراد ہے ﴿ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کریں گے اور کفار سے لڑیں گے اور جہاد کرنے والے مجاہدوں اور رزق کمانے والوں کو برابر بیان کیا گیا ہے کیونکہ رزقِ حلال کمانا بھی جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص کوئی سامان لے کر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں جائے' سفر میں مشقت اٹھانے پر صبر کرے اور اس پر ثواب کی نیت کرے اور اپنا سامان اسی روز کے بھاؤ فروخت کر دے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں شمار ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے کے بعد مجھے کوئی موت اس سے زیادہ پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی طلب میں دورانِ سفر مر جاؤں ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ﴾ سو تم اس میں سے جس قدر آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ تیسیر و آسانی کے حکم کا تکرار ان کی احتیاطِ شدید کے لیے کیا گیا ﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ اور تم پنجگانہ فرض نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃِ واجبہ ادا کرو ﴿ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ اور تم نفلی صدقات و خیرات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کو بہترین اور سب سے اچھا قرض یعنی رزقِ حلال میں سے خلوصِ دل کے ساتھ دو' اور قرض کا لغوی معنی کاٹنا ہے' سو قرض دینے والا رقم وغیرہ کی مقرر مقدار اپنے مال میں سے کاٹ لیتا ہے اور اپنے غیر کو دے دیتا ہے اور اسی طرح صدقہ وخیرات کرنے والا صدقہ کی مقدار اپنے مال میں سے علیحدہ کر لیتا ہے' پھر اسے اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ کوئی مخیّر آدمی فقیر کو صدقہ دیتے وقت اس پر احسان نہ جتائے اور یہ اس لیے کہ فقیر تو اس قربت وعبادت میں مال دار کا معاون ہے' پس مال دار کا فقیر پر کوئی احسان نہیں بلکہ فقیر کا مال دار پر احسان ہے ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اور تم نیکی میں سے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے تم اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور پاؤ گے یعنی اس نیکی کا ثواب ضرور پاؤ گے اور یہ شرط کی جزاء ہے ﴿ هُوَ خَیْرًا ﴾ وہ ثواب اس سے بہت بہتر ہوگا جو مال و دولت تم نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے [اور "تجدوہ" کا دوسرا مفعول "خیرًا" ہے اور "ھُوَ" ضمیر فاصل ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ دو معرفوں کے درمیان واقع نہیں ہوئی کیونکہ افعل معرفہ کے مشابہ ہے' اس لیے کہ اس پر حرفِ تعریف داخل کرنا ممنوع ہے] ﴿ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ﴾ اور اجر بہت بڑا ہوگا یعنی ثواب بہت زیادہ ملے گا ﴿ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم برائیوں پر اور نیکیوں میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے وہ گناہ گار اور کوتاہی کرنے والے کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ بے حد مہربان ہے جو جدوجہد کرنے والوں اور توقیر والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ المدثر مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی چھپن آیات' دو رکوع ہیں

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ④

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِی

النَّاقُوْرِ ۝٨ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝٩ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝١٠

اے چادر اوڑھنے والے محبوب!O اٹھو اور ڈرسناؤO اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کروO اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھوO اور بتوں سے دور رہوO اور زیادہ لینے کے لیے احسان نہ کروO اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کروO پھر جب صور میں پھونکا جائے گاO سو وہ دن بہت سخت دن ہوگاO کافروں پر آسان نہیں ہوگاO

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند ہدایات کا حکم اور قیامت کے دن کی شدت کا بیان

۲،۱۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کوہ حراء پر تھا' پس مجھے پکارا گیا: ''یَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' چنانچہ میں نے اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھا' لیکن میں نے کچھ نہ پایا' پھر میں نے اپنے اوپر دیکھا کہ ایک شخص آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یعنی وہی فرشتہ جس نے آپ کو پکارا' سو مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لوٹ آیا اور میں نے کہا: ''دَثِّرِيْنِيْ دَثِّرِيْنِيْ'' مجھے چادر اُڑھاؤ! مجھے چادر اُڑھاؤ! چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ کو چادر اُوڑھا دی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ پڑھا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[1] اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی کپڑوں میں لپٹنے والا' یہ ''دثار'' سے ماخوذ ہے اور ''دثار'' ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو شعار کے اوپر پہنا جاتا ہے اور شعار وہ کپڑا ہوتا ہے جو جسم کے ساتھ لگا ہوتا ہے [''مُدَّثِّر'' اصل میں ''مُتَدَثِّر'' تھا' پھر ''تا'' کو دال میں مدغم کر دیا گیا] ﴿قُمْ﴾ آپ اپنے بستر سے اٹھ جائیے یا یہ معنی ہے کہ آپ عزمِ مصمم اور مضبوط ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں ﴿فَاَنْذِرْ﴾ سو آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اگر وہ ایمان نہیں لاتے یا یہ کہ آپ کسی فرد اور قوم کی تخصیص کے بغیر ڈرسنانے کا عمل جاری رکھیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور نے قریش مکہ کی طرف سے کوئی ایسی بات سن لی جو آپ کو ناگوار گزری اور آپ غمگین ہو گئے اور آپ نے فکر مند ہو کر چادر لپیٹ لی جیسا کہ مغموم آدمی کرتا ہے' سو آپ کو فرمایا گیا: اے اپنے آپ سے کفار کی اذیت کو چادر کے ذریعے دور کرنے والے محبوب! اٹھئے اور ڈرسنانے کے ساتھ مصروف ہو جائیے' اگرچہ سرکش اور نافرمان لوگ آپ کو اذیت و تکلیف پہنچائیں۔

۳۔ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرتے رہیں اور آپ اپنے پروردگار کو بڑائی کے ساتھ مختص کر دیں اور تکبیر و بڑائی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہے یعنی آپ کی نگاہ میں کسی غیر اللہ کی بڑائی اور عظمت نہیں ہونی چاہیے اور آپ کا کسی غیر اللہ سے آمنا سامنا ہو جائے تو اس وقت آپ فرما دیں: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پھر یہ سن کر حضرت خدیجہ نے کہا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور خوش ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی الٰہی نازل ہوئی ہے اور اس کو نماز کی تکبیر (تحریمہ) پر محمول کیا جاتا ہے اور ''كَبِّرْ'' پر ''فا'' شرط کے معنی کی وجہ سے داخل کی گئی ہے گویا فرمایا گیا کہ اور جو کچھ ہو جائے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی نہ چھوڑیں۔

٤۔ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو' یعنی تم اپنے کپڑوں کو پانی کے ذریعے نجاست سے پاک رکھو کیونکہ نماز بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی اور یہ طہارت نماز کے علاوہ بھی بہت بہتر ہے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ عرب کی مخالفت

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۴۔ ۴۹۲۳' مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۔ ۲۵۷۔ ۱۶۱

کرتے ہوئے اپنے کپڑے چھوٹے رکھیں کیونکہ عرب کی طرح لمبے کپڑے پہننے اور کپڑوں کے نچلے کنارے زمین پر لگنے کی وجہ سے نجاست آلود ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ اپنی ذات کو گندے افعال سے پاک رکھیں' چنانچہ جب لوگ کسی آدمی کو عیبوں سے پاک بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں آدمی پاک دامن ہے اور خیانت کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی پاک دامن نہیں اور اس لیے کہ جو آدمی اپنے باطن کو پاک کرلے گا' اس کا ظاہر بھی پاک ہوگا۔

۵-﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اور آپ بتوں سے دور رہیں یعنی آپ بتوں سے ترکِ تعلق پر پہلے کی طرح آئندہ بھی ثابت وقائم رہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بتوں سے بیزار اور دور رہتے تھے اور ''رِجْزٌ'' کا ایک معنی عذاب بھی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے اعمال سے بچتے رہو جو عذاب تک پہنچا دیں [حضرات حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''راء'' مضموم پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقیوں کے نزدیک ''راء'' مکسور ہے]۔

٦-﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ اور آپ زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کریں یعنی آپ اس نیت سے کسی کو کوئی عطیہ نہ دیں کہ آپ اس سے زیادہ لیں گے یا یہ کہ آپ نے جو کچھ عطیہ عنایت کیا ہے اس سے زیادہ کی طلب نہ رکھیں کیونکہ آپ کو عظیم الشان اور بڑے جلیل القدر اخلاقِ عالیہ اور بہترین اور اعلیٰ ترین آداب کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور یہ ''تَمْنُنْ''، ''مَنَّ عَلَيْهِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر کوئی انعام واحسان کرتا ہے [''تَسْتَكْثِرُ'' مرفوع ہے اور یہ حال کی بناء پر محلًا منصوب ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سکون کے ساتھ ''تَسْتَكْثِرْ'' پڑھا ہے اور یہ اس صورت میں نہی کا جواب ہوگا]۔

۷-﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے لیے صبر کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی (فرائض اور ممنوعات) پر اور ہر وہ عمل جس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہر وہ عمل جس سے رکنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے' ان سب پر محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر صبر پر عمل کیجئے۔

۸ تا ۱۰-﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ﴾ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا' اور اس سے پہلا نفخہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر تمام مخلوقات فنا ہو جائے گی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوسرا نفخہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے ﴿فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ پس وہ دن بہت سخت دن ہوگا O کافروں پر آسان نہیں ہوگا۔ ''فَذَٰلِكَ'' سے صور پھونکنے کے وقت کی طرف اشارہ ہے' گویا کہا گیا ہے کہ صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! آپ ان کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر کریں کیونکہ ان کے آگے ایک سخت ترین دن آنے والا ہے جس میں وہ لوگ اپنی ایذاؤں اور تکلیفوں کا انجام بد پائیں گے اور آپ ان پر صبر کرنے کا انجامِ خیر پائیں گے' یہ دن کافروں پر سخت ہوگا آسان نہیں ہوگا' اس لیے فرمایا تاکہ یہ بتایا جائے کہ یہ دن مسلمانوں پر سخت نہیں ہوگا دوسرا یہ کہ اس دن کے آسان ہو جانے کی اُمید نہیں کی جاسکتی جیسا کہ دنیا کے معاملات میں سے بعض سخت معاملات کے آسان ہو جانے کی اُمید کی جاسکتی ہے [''ذَٰلِكَ'' اسم اشارہ مبتدا ہے اور ''يَوْمَئِذٍ'' محلًا مرفوع ''ذَٰلِكَ'' کا بدل ہے اور ''يَوْمٌ عَسِيرٌ'' خبر ہے اور ''فَإِذَا'' میں ''فا'' سبب کا ہے اور ''فَذَٰلِكَ'' میں ''فا'' جزاء کا ہے اور ''غَيْرُ يَسِيرٍ'' تاکید ہے ''عَلَى الْكَافِرِينَ'' کی اور ''فَإِذَا'' میں عامل وہ ہے جس پر جزاء دلالت کرتی ہے یعنی ''فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ عَسُرَ الْأَمْرُ'']۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿۱۵﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّہٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَکۡبَرَ ﴿۲۳﴾

(اے محبوب!) آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہےO اور میں نے اس کے لیے بہت زیادہ مال مہیا کیاO اور سامنے حاضر رہنے والے بیٹے دیئےO اور میں نے اس کے لیے ہر قسم کا سامان تیار کیاO پھر بھی وہ یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوںO ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہےO عنقریب میں اس کو آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گاO بے شک اس نے سوچا اور ایک بات کا فیصلہ کر لیاO سو اس پر لعنت کی جائے اس نے کیسا فیصلہ کر لیاO پھر اس پر لعنت کی جائے اس نے کیسا فیصلہ کر لیاO پھر اس نے غور سے دیکھاO پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑاO پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر کیاO

ولید بن مغیرہ کی مذمت اور دوزخ کی سختی کا بیان

۱۱ تا ۱۴- ﴿ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا﴾ آپ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے یعنی اس کو میرے سپرد کر دیں اور اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے اور اس کی قوم میں اسے وحید کے لقب سے پکارا جاتا [''وَمَنْ خَلَقْتُ'' معطوف ہے یا مفعول معہ ہے اور ''وَحِیْدًا'' یا تو ''ذَرْنِیْ'' کی ''یا'' سے حال ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے:] یعنی اس کے ساتھ مجھے اکیلا چھوڑ دیں کیونکہ آپ کا انتقام لینے کے لیے میں اسے کافی ہوں [یا پھر ''وَحِیْدًا''، ''خَلَقْتُ'' کی ''تا'' ضمیر متکلم سے حال ہے] یعنی میں نے اکیلے اس کو پیدا کیا ہے اس کی تخلیق میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں تھا [یا ''ھا'' محذوفہ سے یا ''مَنْ'' سے حال ہے] یعنی میں نے اس کو بغیر اہل و عیال اور بغیر مال و دولت کے تنہا پیدا کیا ہے' پھر بعد ازاں میں نے اس پر احسان اور انعام فرمایا ﴿وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا﴾ اور میں نے اس کو وسیع و کشادہ اور ہر طرف بہت زیادہ پھیلا ہوا مال عطا کیا' یا یہ کہ میں نے اس کے مال کو ترقی دے کر اور بڑھا کر بہت زیادہ وسیع کر دیا اور پھیلا دیا' چنانچہ اس کی کھیتیاں بہت تھیں اور دودھ دینے والے جانور اس کے پاس بہت زیادہ اور تجارت کا کاروبار بہت وسیع تھا' اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس ایک لاکھ دینار (سونے کے سکے) تھے اور انہیں سے مروی ہے کہ طائف میں ولید کی اتنی زرخیز زمین تھی' جس کا پھل ختم نہیں ہوتا تھا ﴿وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا﴾ اور میں نے اس کو بیٹے دیئے جو اس کے سامنے حاضر رہتے (یعنی) ولید کے بیٹے مکہ مکرمہ میں اس کے ساتھ نظروں کے سامنے رہتے تھے کیونکہ وہ کاروباری سلسلے میں سفر سے بے نیاز تھے اور ولید بن مغیرہ کے دس بیٹے تھے' ان میں سے تین بیٹے حضرت خالد بن ولید' حضرت ہشام بن ولید اور حضرت عمارہ بن ولید مسلمان ہو گئے تھے ﴿وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا﴾ اور میں

نے اس کو بہت زیادہ سامان مہیا کیا اور میں نے اس کو علاقہ بھر میں جاہ وجلال' عزت و وقار اور قریش میں ریاست و سرداری اور چودھراہٹ مہیا کی' سو میں نے جاہ وجلال اور مال و دولت اس کو دے کر اپنی نعمت تمام اور مکمل کر دی اور دنیاداروں کے نزدیک کسی شخص کے پاس ان دونوں کا اجتماع کمال شمار ہوتا ہے۔

۱۵'۱۶- ﴿ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴾ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں' اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد اس کا طمع اور حرص ولالچ کا انکار کرنے اور اسے عقل وخرد سے بعید قرار دینے کے لیے بیان فرمایا ہے یعنی ولید بن مغیرہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے شکر ادا کیے بغیر میں اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں اور اضافہ کر دوں جیسا کہ اس نے کہا تھا: ''لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا O'' (مریم:۷۷) ''مجھے (بروزِ قیامت) مال اور اولاد ضرور دیا جائے گا O'' ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے اسے جھڑکا گیا ہے اور اس کی طمع کو ختم کیا گیا ہے یعنی آج کے بعد اس کے کفر وشرک کے ساتھ مزید نعمتیں جمع نہیں ہو سکتیں' چنانچہ اس آیت مبارکہ کے بعد مسلسل اور ہمیشہ اس کے مال و دولت میں اور اس کے جاہ وجلال میں نقصان ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا ﴿ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴾ بے شک وہ ہماری آیتوں یعنی قرآن مجید سے عناد وبغض رکھنے والا اور اس کا منکر ہے اور یہ مستقل نئے کلام کے طور پر اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے علت ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے مزید کیوں نہیں دیا جائے گا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ اس لیے کہ اس نے اپنے منعم اور اپنے محسن کی آیات کا انکار کر دیا ہے اور اس نے اس انکار کی وجہ سے اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا ہے اور کافر مزید کا مستحق نہیں ہوتا۔

۱۷- ﴿ سَأُرْهِقُهُ ﴾ عنقریب میں اس کو اپنے قہر سے ڈھانپ لوں گا ﴿ صَعُودًا ﴾ دشوار گزار گھاٹی سے آگ کے بلند ترین اور مشکل ترین صعود پہاڑ پر چڑھاؤں گا اور حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ میں آگ کا ایک بلند ترین پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے' اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ستر سال کی مسافت ہے' پھر نیچے آنے کی مسافت بھی ستر سال کی ہے' اس پہاڑ پر ولید کو زنجیروں میں جکڑ کر چڑھایا جائے گا' پھر اس کو اس میں نیچے گرایا جائے گا' ہمیشہ یوں ہی ہوتا رہے گا۔[1]

۱۸ تا ۲۰- ﴿ إِنَّهُ فَكَّرَ ﴾ بے شک اس نے سوچا۔ یہ آیت مبارکہ وعید (ڈرانے' دھمکانے) کے لیے علت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بغض وعناد اور اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اسے عزت و دولت کے بعد بہت جلد ذلت و رسوائی اور فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیا اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو شدید ترین عذاب کی سزا دے گا کیونکہ وہ بغض وعناد میں انتہاء تک پہنچ چکا تھا اور اس نے قرآن مجید کا نام جادو رکھا ہوا تھا یعنی اس نے سوچا اور غور وفکر کیا کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں کیا کہے ﴿ وَقَدَّرَ ﴾ اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ قرآن مجید کو جادو کہے گا اور وہ تیار ہو گیا ﴿ فَقُتِلَ ﴾ سو وہ مارا جائے اور اس پر لعنت ہو' ''قُتِلَ'' بہ معنیٰ ''لُعِنَ'' ہے ﴿ كَيْفَ قَدَّرَ ﴾ کیسا فیصلہ کیا۔ اس کے فیصلہ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے ﴿ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴾ پھر اس پر لعنت ہو اس نے کیسا فیصلہ کر لیا۔ دوبارہ تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے اور حرف ''ثُمَّ'' آگاہ کر رہا ہے کہ دوسری دعائے ضرر پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲۱ تا ۲۳- ﴿ ثُمَّ نَظَرَ ﴾ پھر اس نے لوگوں کے چہروں میں دیکھا یا اس نے اپنے فیصلے میں غور کیا ﴿ ثُمَّ عَبَسَ ﴾ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ماتھے پہ شکن ڈال کر ترش روئی کا اظہار کیا ﴿ وَبَسَرَ ﴾ اور اس نے اپنا منہ بگاڑا (یعنی) اس نے منہ چڑھانے اور تیوری چڑھانے میں اضافہ کیا ﴿ ثُمَّ أَدْبَرَ ﴾ پھر اس نے حق سے پیٹھ پھیر لی اور حق کو پس پشت ڈال دیا ﴿ وَاسْتَكْبَرَ ﴾ اور اس نے حق سے تکبر وغرور کیا یا اس کے مقام ومرتبہ سے تکبر وغرور کیا اور حق بات کہنے میں تکبر کیا [اور

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۶

''ثُمَّ نَظَرَ''، ''فَكَّرَ وَقَدَّرَ'' پر معطوف ہے اور ان دونوں کے درمیان دعائے ضرر معترضہ ہے اور ''ثُمَّ'' کو تمام معطوفات میں یہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ افعالِ معطوفہ کے درمیان تراخی ہے]۔

فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

پھر اس نے کہا: یہ نہیں ہے مگر محض جادو جو پہلوں سے منقول چلا آ رہا ہے O یہ نہیں مگر ایک انسان کا کلام O عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا O اور تمہیں کیا معلوم دوزخ کی آگ کیا ہے O وہ نہ باقی رکھتی ہے اور نہ وہ چھوڑتی ہے O وہ آدمیوں کی کھال جلا دیتی ہے O اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں O

۲۴، ۲۵- ﴿فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ پھر اس نے کہا: یہ قرآن مجید نہیں ہے مگر جادو جو پہلے لوگوں سے منقول چلا آ رہا ہے' اس کو جادوگروں سے نقل کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ولید نے قبیلہ بنو مخزوم سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کے کلام میں سے ہے اور نہ جنوں کے کلام میں سے ہے' بے شک اس میں حلاوت و مٹھاس ہے اور وہ بڑا حسین و جمیل کلام ہے اور اس کا ظاہر پھل دار فصیح و بلیغ اور اس کا باطن پُرکشش شیریں کلام ہے اور بے شک یہ غالب رہے گا اور مغلوب نہیں ہوگا' چنانچہ قریش مکہ نے سن کر کہا: اللہ کی قسم! ولید بے دین ہو گیا ہے تو ابوجہل جو ولید کا بھتیجا تھا' اس نے کہا: تم سب کے مقابلے میں اکیلا میں اسے کافی ہوں' پھر وہ رنجیدہ اور غمگین بن کر ولید کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے گفتگو کی اور اسے قومی غیرت وحمیت یاد دلائی اور اسلام سے نفرت دلائی' چنانچہ ولید قریش کے پاس آیا اور کہا: تم گمان کرتے ہو کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجنون و دیوانہ ہیں تو کیا تم نے ان کو دیوانہ وار باتیں کرتے ہوئے سانس پھولتے ہوئے اپنا یا کسی کا گلا دباتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم کہتے ہو: وہ کاہن ہیں تو کیا تم نے ان کو کہانت کی باتیں کرتے ہوئے محض عقل وقیاس اور گمان کی بناء پر ٹوٹکے بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم یہ بھی گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہیں تو کیا تم نے ان کو شعر بناتے ہوئے اور شاعرانہ منظوم کلام کہتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں (نعوذ باللّٰہ من کل ذالك) تو کیا تم نے ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ چنانچہ سب لوگوں نے کہا کہ ان تمام عیبوں میں سے کوئی عیب آپ میں نہیں ہے' پھر ان لوگوں نے ولید سے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ولید نے غور وفکر کیا اور سوچ و بچار کیا' پھر کہا: وہ جادوگر ہیں' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ میاں بیوی' ماں باپ اور اولاد میں اور دوست واحباب میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جادو ہے جو مسیلمہ اور بابل والوں کی طرف سے منتقل کیا جاتا ہے' سو یہ سن کر اہل مجلس خوشی سے جھوم اٹھے اور ولید کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے منتشر ہو گئے [''فَقَالَ'' میں حرف ''فا'' کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جب یہ بات اس کے دل میں پیدا ہوئی تو اس نے بغیر کسی سوچ کے فوراً کہہ دی] ﴿إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ یہ تو نہیں مگر ایک انسان کا کلام [ان دو جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے قائم مقام ہے]۔

۲۶ تا ۲۸- ﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾ عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا [یہ ''سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا''

سے بدل ہے اور ''سَقَرَ'' جہنم کے لیے اسم علم ہے اور معرفہ اور تانیث کی وجہ سے منصرف نہیں پڑھا جاتا] ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ دوزخ کی آگ کس قدر خطرناک ہے' اور یہ کلام دوزخ کے پرخطر اور ہولناک حال سے ڈرانے کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ﴾ وہ نہ باقی رہنے دے گی اور نہ وہ ہڈی کو چھوڑے گی یا یہ معنی ہے کہ وہ کسی چیز کو باقی نہیں رہنے دے گی' جو چیز بھی اس میں ڈالی جائے گی مگر وہ اسے ہلاک کر دے گی اور اس کو ہلاک کر کے نہیں چھوڑے گی بلکہ ہلاک ہونے والا اصل حال میں لوٹ آئے گا جیسا وہ تھا۔

۲۹- ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ وہ جسم کی کھال کو جھلسانے والی ہے۔ ''بَشَرٌ''، ''بُشْرَةٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: جسم انسانی کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی دوزخ کی آگ انسانوں کے چمڑوں کو کالا سیاہ کر دے گی یا انہیں جلا دے گی [''لَوَّاحَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هِيَ لَوَّاحَةٌ'' ہے]۔

۳۰- ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اس پر انیس ہیں یعنی دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اُمور کے منتظم اور اس کے متولی ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کے مطابق انیس فرشتے مقرر ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس قسمیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس صفیں مراد ہیں اور بعض نے فرمایا: انیس محافظ مراد ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝۳۱ ع

اور ہم نے دوزخ کے محافظ نہیں بنائے مگر فرشتے' اور ہم نے فرشتوں کی تعداد نہیں بنائی مگر کافروں کے لیے آزمائش' تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان مزید بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں' اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ اور کفار کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب بات سے کیا ارادہ فرمایا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو ماسوا اس (اللہ تعالیٰ) کے کوئی نہیں جانتا' اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے ○

دوزخ پر انیس فرشتوں کے تقرر کی حکمتوں کا بیان

۳۱- ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ اور ہم نے دوزخ کا محافظ و منتظم صرف فرشتوں کو بنایا ہے۔ ''اَصْحَابَ النَّارِ'' سے دوزخ کے محافظ و منتظم اور متولی فرشتے مراد ہیں جو دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے

ہیں (یعنی ''اصحاب الجنة'' کا مقابل مراد نہیں ہے) اور دوزخ پر فرشتوں کے تقرر کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ''مُعَذَّبِین'' (جنوں اور انسانوں میں سے جن کو عذاب دیا جائے گا) کی جنس سے نہیں ہیں بلکہ مخالف جنس سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے دوزخیوں کو عذاب دیتے وقت ان کو ان پر رحم ترس اور رقت و نرمی نہیں آئے گی کیونکہ تمام مخلوقات میں فرشتے سب سے زیادہ قوی طاقتور اور توانا ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ گرفت کرنے والے ہوتے ہیں چنانچہ فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے پاس تمام انسانوں اور تمام جنوں کی قوت کے برابر قوت و طاقت ہوتی ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہم نے ان کی گنتی کو نہیں بنایا مگر کافروں کے لیے آزمائش یعنی دوزخ پر انیس محافظ و منتظم فرشتوں کے تقرر کی تعداد کو ہم نے صرف کافروں کے لیے آزمائش اور امتحان بنایا ہے یہاں تک کہ جب آیت کریمہ ''عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ'' نازل ہوئی تو ابوجہل نے کفارِ مکہ سے کہا: کیا تم میں سے دس آدمیوں کا ہر گروہ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو نہیں پکڑ سکے گا حالانکہ تم بہت بڑی تعداد ہو سو یہ بات سن کر ابوالاشد نے کہا: اور یہ بڑا طاقتور اور سخت و مضبوط گرفت رکھنے والا پہلوان تھا کہ میں اکیلا سترہ فرشتوں کو کافی ہوں اور دو کو تم قابو کر لینا' اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ہم نے دوزخ کے محافظ فرشتے بنائے ہیں یعنی ہم نے فرشتوں کو تمہاری جنس کے مردوں میں سے نہیں بنایا کہ وہ تمہاری طرح طاقت رکھتے ہوں اور مفسرین نے فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ اعداد (گنتی) کے بارے میں علت اور سبب کا مطالبہ نہیں کیا جاتا' اس کے باوجود دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس فرشتوں کی تعداد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان میں چھ فرشتے کفار کے آگے چلتے ہوئے انہیں دوزخ کی آگ کی طرف لے جائیں گے اور چھ فرشتے کفار کو پیچھے سے ہانکیں گے اور چھ فرشتے لوہے کے گرزوں کے ساتھ انہیں لے جاتے وقت مارتے جائیں گے اور ایک فرشتہ دوزخ کا متولی ہوگا جو سب سے بڑا فرشتہ ہے' جس کا نام مالک ہے' اس طرح کل انیس فرشتے ہوئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخ میں انیس درجے ہوں گے اور ہر درجہ پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوزخ میں انیس اقسام کے عذاب ہوں گے اور ہر قسم پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور بعض نے کہا کہ دوزخ کی حفاظت انیس فرشتوں سے اس طرح کی جاتی ہے جس طرح زمین کی حفاظت پہاڑوں کے ذریعے کی جاتی ہے اور وہ انیس ہیں اور اگرچہ ان کی اصل تعداد ایک سو نوے ہے مگر انیس کے علاوہ باقی پہاڑ انہیں سے متفرق ہوتے ہیں ﴿لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں کیونکہ ان کی دونوں کتابیں تورات و انجیل میں دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس تھی' پھر جب وہ قرآن مجید میں اس طرح سنیں گے تو انہیں یقین آجائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا﴾ اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں' ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا کیونکہ وہ اس کی تصدیق کریں گے جس طرح انہوں نے باقی نازل کردہ کلام کی تصدیق کی ہے یا اس لیے کہ ان اہل ایمان کا یقین زیادہ ہو جائے گا کہ ان کی کتاب (قرآن مجید) ان کی کتابوں کے موافق ہو جائے گی [یہ کلام ''لِيَسْتَيْقِنَ'' پر معطوف ہے] ﴿وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اہل کتاب اور مسلمان شک و شبہ نہیں کریں گے اور اس میں یقین کے حصول اور ایمان کے اضافے کی تاکید ہے کیونکہ یقین کا حصول اور ایمان کا زیادہ ہو جانا شک و شبہہ کی نفی کی دلیل ہے [یہ بھی ''لِيَسْتَيْقِنَ'' پر معطوف ہے' نیز درج ذیل کلام بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ﴾ اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور کفار و مشرکین کہیں' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نفاق تو مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا' اور یہ سورت مکیہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ منافقین جن کا نفاق ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی سرزمین پر مستقبل میں ظاہر ہوگا اور مکہ مکرمہ کے کفار و

مشرکین کہیں گے: ﴿ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے اور یہ دیگر غیبی خبروں کی طرح عنقریب ظہور پذیر ہونے والی غیبی خبر ہے اور یہ اس سورت کے مکی ہونے کے خلاف نہیں ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''مَّرَضٌ'' سے شک وشبہہ مراد ہے کیونکہ اکثر اہلِ مکہ شک کرنے والے تھے [''مَثَلًا''، ''هٰذَا'' کی تمیز ہے یا پھر اس سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً'' (الاعراف: ۷۳) ''یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے''] اور جب اس عدد کا ذکر نہایت عجیب وغریب ہے اور اس طرح کے عدد کو مثال کہنا مناسب و موزوں ہے کیونکہ مسافر سوار حضرات اس قسم کے عجیب وغریب عدد کو خوب لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں جیسا کہ وہ دیگر مثالوں کو مشہور ومعروف کر دیتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عجیب وغریب عدد کا ارادہ فرمالیا اور کس معنی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بیس عدد کی بجائے انیس عدد مقرر فرمایا اور ان کی غرض اس تعداد کا بالکل انکار کرنا ہے اور یہ کہ بے شک یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اگر یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس ناقص عدد کے ساتھ نہ آتا ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ یوں ہی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے [''كَذٰلِكَ'' میں کاف منصوب ہے اور ''ذٰلِكَ'' سے اس کے ماقبل میں گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرف اشارہ ہے] یعنی مذکورہ بالا گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور مشرکین کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے وہی کچھ کہا جو کچھ انہوں نے کہنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کی تصدیق کی ہدایت عنایت کی اور اس گنتی کی حکمت سمجھا دی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں کو گمراہ کرتا ہے جن کے بارے میں اسے ازل سے علم ہے کہ یہ گمراہی کو اختیار کریں گے ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے جن کے بارے میں ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کریں گے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے ساتھ انہیں متصف فرمایا اور جب ابوجہل نے کہا کہ کیا محمد (سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رب تعالیٰ کے لیے صرف انیس معاون ومددگار ہیں تو یہ (درج ذیل) کلام مبارک نازل ہوا: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کے لشکروں کو ان کی بہت زیادہ کثرت کی وجہ سے کوئی نہیں جانتا[1] ﴿ اِلَّا هُوَ ﴾ مگر وہ خوب جانتا ہے' لہٰذا بیس محافظوں کی تکمیل اس پر کوئی دشوار نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے اس خاص عدد میں حکمت ہے جسے تم نہیں

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ خشکی کی مخلوقات سمندری مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان (دونوں) کا مجموعہ فضائی مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک کے فرشتوں کی تعداد ہے اور ان سب کا مجموعہ کرسی کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ حاملین عرش کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماسوا کتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اور اس کی مثل دیگر آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجسام علویہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں اور ان کے حقائق اور احوال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے دائرہ کا کلام احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے مرکز کی طرف طائرِ فکر کی پرواز پہنچ سکتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۲۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

جانتے ﴿وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت [یہ "سقر" کے وصف کے ساتھ متصل ہے اور "ھِیَ" ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ دوزخ اور اس کی صفت نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے یا پھر "ھِیَ" ضمیر ان آیات کی طرف لوٹتی ہے جن کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے]۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾

ہرگز نہیں! چاند کی قسم! ○ اور رات کی جب وہ پیچھے جانے لگے ○ اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے ○ بے شک وہ (دوزخ) بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ○ انسانوں کو ڈرانے والی ہے ○ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو (نیکی) میں آگے بڑھ جائے یا وہ پیچھے رہ جائے ○ ہر شخص جو کچھ کما چکا ہے اس کے بدلے میں گروی ہے ○ ماسوا دائیں طرف والوں کے ○ وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے ○ مجرموں کے بارے میں ○ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے ○ اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ اور ہم بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے ○

دوزخ کی اہمیت اور کفار کے اعمالِ بد کا بیان

۳۲ تا ۳۷۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! دوزخ کو نصیحت قرار دینے کے بعد اس بات سے انکار ہے کہ یہ دوزخ کفار کے لیے بھی نصیحت بن جائے گی کیونکہ کفار تو اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَالْقَمَرِ﴾ چاند کی قسم! اللہ تعالیٰ نے چاند کی قسم اس لیے فرمائی کہ اس کے منافع اور فوائد بہت بڑے ہیں ﴿وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ﴾ اور رات کی (قسم)! جب وہ پیچھے جانے لگے [نافع مدنی، حفص، حمزہ، یعقوب اور خلف کی قراءت میں "اَدْبَرَ" ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں "دَبَرَ" ہے] اور "دَبَرَ" بہ معنی "اَدْبَرَ" ہے اور ان دونوں کا معنی ہے: "وَلّٰی وَمَضٰی" یعنی پیٹھ پیچھے پھرا اور چلا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "اَدْبَرَ" کا معنی ہے کہ پیٹھ پیچھے پھرا اور چلا گیا اور "دَبَرَ" کا معنی ہے: دن کے بعد آیا ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ اور صبح کی (قسم)! جب وہ روشن ہو جائے اور اُجالا ہو جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے) ﴿اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ "کُبرٰی" کی جمع ہے یعنی بڑی بلاؤں یا بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی بلا اور مصیبت یہ دوزخ ہے اور اس کے ایک ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بڑائی میں ان بڑی بلاؤں میں سے ایک ہے جس کی کوئی چیز مثال نہیں، جیسے "هُوَ اَحَدُ الرِّجَالِ" وہ مردوں میں سے ایک مرد ہے اور "هِيَ اِحْدَى النِّسَآءِ" وہ

عورتوں میں سے ایک عورت ہے ﴿نَذِيۡرًا لِّلۡبَشَرِ﴾ انسانوں کو ڈرانے والی ہے یعنی بے شک دوزخ ڈرانے کے اعتبار سے بڑی ہولناک چیزوں میں سے ایک بہت بڑی ہولناک چیز ہے جیسے تم کہو: ''هِيَ اِحْدَى النِّسَآءِ عَفَافًا'' وہ عفت و پاک دامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک بڑی عفت مآب عورت ہے [''نَذِيۡرًا''، ''اِحْدٰى'' سے تمیز ہے]

﴿لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ يَتَاَخَّرَ﴾ (دوزخ ڈرانے والی ہے) تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو نیکی کی طرف بڑھنا چاہتا ہے یا اس سے پیچھے رہنا چاہتا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: جو شخص مامورات کی طرف بڑھنا چاہتا ہے اور منہیات سے رُکنا چاہتا ہے [اور ''لِمَنْ شَآءَ'' میں ''مَنْ'' کو ''بَشَر'' سے بدل بنایا جاتا ہے]۔

۳۸- ﴿كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ﴾ ہر شخص اس کے عوض گروی ہے جو کچھ اس نے کمایا [یہ ''رَهِيۡنَةٌ''، ''رَهِيۡنٌ'' کی تانیث نہیں ہے کیونکہ ''نَفۡس'' مؤنث ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''كُلُّ امۡرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ ○'' (الطور: ۲۱) اس لیے کہ اگر اس کو صفت قرار دیا جاتا تو ''رَهِيۡنٌ'' کہا جاتا کیونکہ فَعِیل بہ معنی مفعول آتا ہے اس میں مذکر اور مؤنث مساوی ہوتے ہیں اور یہ اسم ہے اور بہ معنی ''رَهۡنٌ'' ہے (اس لیے اس کی ''تـا'' اسمیت کی ہے یا مبالغہ کی ہے) جیسے ''شَتِيۡمَةٌ'' بہ معنی ''شتم'' ہے گویا کہا گیا: ''(كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا كَسَبَتۡ) رِهۡنٌ'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال میں گروی ہے اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا]۔

۳۹- ﴿اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡيَمِيۡنِ﴾ دائیں طرف والوں کے سوا یعنی مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے سوا کیونکہ ان کے اعمال ہی نہیں جن کے بدلے میں وہ گروی ہوتے یا یہ کہ ماسوا مسلمانوں کے کیونکہ یہ اپنی عبادات و طاعات کے ذریعے اپنی گردنیں چھڑا لیں گے جیسا کہ راہن (گروی دینے والا) اپنی گروی کو حق ادا کر کے چھڑا لیتا ہے۔

۴۰ تا ۴۲- ﴿فِىۡ جَنّٰتٍ﴾ یعنی وہ دائیں طرف والے ایسی جنتوں میں ٹھہریں گے جن کی کنہ اور حقیقت اور ان کی وسعت کو بیان نہیں کیا جا سکتا ﴿يَتَسَآءَلُوۡنَ ○ عَنِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ وہ مجرموں کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کریں گے (یعنی) وہ آپس میں مجرموں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے یا یہ کہ وہ اپنے علاوہ اوروں سے مجرموں کے بارے میں پوچھیں گے ﴿مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ﴾ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ ''مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ'' کا ارشاد جس میں مجرموں کے لیے سوال کیا گیا ہے ''يَتَسَآءَلُوۡنَ عَنِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ'' کے ارشاد کے مطابق نہیں جس میں مجرموں کے متعلق سوال ہے اور یہ صرف اس صورت میں اس کے مطابق ہوگا کہ اگر یہ کہا جاتا: ''يَتَسَآءَلُوۡنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مَا سَلَكَكُمۡ''، جنتی حضرات مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا کیونکہ ''مَا سَلَكَكُمۡ'' مجرموں کے بارے میں باہمی سوال کا بیان نہیں بلکہ یہ تو مجرموں کے بارے میں جن سے سوال کیا جائے گا ان کے قول کا بیان ہے کیونکہ مسئولین سائلین کو وہی بات بتائیں گے جو ان کے درمیان اور مجرموں کے درمیان جاری ہوگی چنانچہ وہ کہیں گے: ہم نے مجرموں سے پوچھا ہے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے مگر اسے مختصر کر کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کا اندازِ بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ''عَنۡ'' حرف زائد ہے (یعنی ''يَتَسَآءَلُوۡنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ'' ہے)۔

۴۳ تا ۴۵- ﴿قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ﴾ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے یعنی ہم نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے ﴿وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ﴾ اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے جیسا کہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں ﴿وَكُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ﴾ اور ہم لغو اور بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ باطل

وبے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔ ''خــوض'' کا معنی ہے: باطل و ناجائز اور لغو کام میں مشغول ہو جانا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی آیات کے متعلق باطل اور جھوٹ بولا کرتے تھے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

ع ۲ ۱۶

اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے O یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی O سو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی O سو انہیں کیا ہوا ہے کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں O گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں O جو شیر سے بھاگے ہیں O بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے صحیفے اسے دے دیئے جائیں O ہرگز نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے O ہرگز نہیں! بے شک وہ تو ایک نصیحت ہے O پس جو شخص چاہے اسے یاد رکھے O اور وہ یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ اس سے مغفرت طلب کی جائے O

۴۶ تا ۴۸- ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یعنی ہم حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے دن کا انکار کرتے تھے ﴿حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ''یقین'' سے موت مراد ہے ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی (یعنی) فرشتوں اور نبیوں اور نیکوں میں سے کسی کی شفاعت ان کو فائدہ نہیں دے گی کیونکہ ان حضرات کی شفاعت صرف مسلمانوں کو نفع اور فائدہ دے گی لیکن کافروں کو کوئی فائدہ نہیں دے گی اور یہ آیت مبارکہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے ثبوت کی دلیل ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک میرے ایک امتی کی شفاعت کی برکت سے قبیلۂ ربیعہ اور قبیلۂ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے[1] (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۲)

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے تحت لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے نیز احادیث مبارکہ تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں پھر قاضی صاحب نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں سے چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بروزِ قیامت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴۹ - ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ﴾ سو انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ ''تذکرۃ'' سے ''تذکیر'' مراد ہے اور ''تذکیر'' کا معنی ہے: نصیحت' یعنی وہ لوگ قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے ہیں جو سراسر نصیحت ہے [''مُعْرِضِيْنَ''، ''هُمْ'' ضمیر سے حال ہے جیسے ''مَالَكَ قَائِمًا؟'']۔

۵۰، ۵۱ - ﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ﴾ گویا وہ گدھے ہیں یعنی وحشی گدھے ہیں [یہ ''معرضین'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ سخت بدکنے والے اور بہت جلد بھڑک اٹھنے والے گویا وہ اپنے نفوس سے بدکنا اور بھڑکنا طلب کرتے ہیں [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فا'' مفتوح (اسم مفعول) ہے یعنی ان کو ان کے غیر نے بھڑکا دیا اور مشتعل کر دیا ہے] ﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ شیر سے بھاگ گئے۔ ''قَسْوَرَةٌ'' کا معنی ہے: تیرانداز (تیر پھینکنے والے) اور شیر۔ یہ ''فَعْوَلَةٌ'' کے وزن پر ''قَسْرٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''قسر'' کا لغوی معنی ہے: قہر اور غلبہ' شیر بھی تمام درندوں پر غالب و زبردست ہوتا ہے۔ کفار کو قرآن مجید سے اعراض کرنے میں اور نصیحت نہ سننے میں گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو بدکنے اور بھڑکنے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں' تو میں عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! میں راضی ہوں۔ (مسند بزار' طبرانی' ابونعیم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ'' میری شفاعت میری امت میں سے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔ (ترمذی' ابوداؤد' حاکم' ابن حبان' احمد)

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم دین کو اور ایک صرف صالح اور نیک آدمی کو جنت کے پاس لایا جائے گا' پھر صرف نیک آدمی سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم دین سے کہا جائے گا: تم ٹھہرو یہاں تک کہ تم اپنوں کی شفاعت کرلو۔ (رواہ الاصبہانی)

(۴) اور انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے بُرے لوگ بھی خوش نصیب ہوں گے' آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: لیکن رہے میری امت کے بُرے لوگ تو اللہ تعالیٰ انہیں میری شفاعت کے ذریعے جنت میں داخل فرما دے گا اور لیکن رہے ان کے نیک لوگ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ کے سبب جنت میں داخل فرما دے گا۔ (رواہ الطبرانی وابونعیم)

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موقوف روایت بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن عالم دین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے تلامذہ کے بارے میں سفارش کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہی ہو۔ (رواہ الدیلمی)

(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید اپنے اہل خانہ کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی بہت سی صفیں ہوں گی' پھر ایک نیک و پرہیزگار جنتی آدمی ایک بدکار دوزخی شخص کے پاس سے گزرے گا تو وہ دوزخی جنتی آدمی سے کہے گا: کیا آپ کو فلاں دن یاد ہے جس میں آپ نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا تو میں نے آپ کو پانی پلایا تھا تو وہ جنتی آدمی اس کی شفاعت کرے گا' پھر ایک اور آدمی کسی دوزخی کے پاس سے گزرے گا تو دوزخی کہے گا: کیا آپ کو یاد ہے فلاں دن ایک حاجت کے لیے آپ میرے پاس چل کر آئے تھے تو میں نے آپ کی حاجت پوری کر دی تھی' تو یہ جنتی آدمی بھی اس کی شفاعت کرے گا۔
(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۳۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' ۱۳۸۴ھ)

بہت جدو جہد کرتے ہیں۔

۵۲-﴿ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ انہیں کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں (یعنی) ایسے کاغذات جو کھولے جائیں اور پڑھے جائیں اور یہ اس لیے کہ کفارِ مکہ نے ایک دفعہ رسول اکرم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا تھا کہ ہم آپ کی اتباع ہرگز نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ آسمان سے ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک کتاب لاکر پیش کریں جس میں یہ لکھا ہو کہ یہ رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے ہم تمہیں اس کتاب میں حکم دیتے ہیں کہ تم میرے اس رسول کی پیروی کرو اور اس کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے: ''وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ'' (الاسراء: ۹۳) ''اور ہم آپ کے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اُتار کر لے آئیں جسے ہم پڑھ لیں'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفارِ مکہ نے کہا تھا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سچے ہیں تو پھر ہم میں سے ہر ایک شخص کے سرہانے کے پاس صبح سویرے ایک ایک صحیفہ اترنا چاہیے جس میں لکھا ہو کہ یہ شخص دوزخ کی آگ سے بَری اور محفوظ و مامون ہے۔

۵۳-﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اس ارادے سے باز کرنے اور آیاتِ الٰہیہ (یعنی قرآن مجید) سے روگردانی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور ڈرایا دھمکایا گیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴾ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے' اس لیے انہوں نے نصیحت سے اعراض و روگردانی کرلی' صحیفے نہ دینے کی وجہ سے نہیں۔

۵۴-﴿ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴾ ہرگز نہیں! بے شک یہ یعنی انہیں نصیحت سے اعراض کرنے اور اس سے منہ موڑنے سے روکنا اور ڈانٹنا بھی نصیحت کرنا ہے اور اس لیے فرمایا: بے شک یہ قرآن مجید انتہائی زبردست کفایت کرنے والا سراسر نصیحت ہے۔

۵۵-﴿ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴾ سو جو شخص چاہے اسے یاد رکھے یعنی جو شخص اس کو یاد رکھنا چاہتا ہے اور اس کو بھلانا نہیں چاہتا تو وہ اس کو ضرور یاد رکھے کیونکہ اس کا نفع اور فائدہ اسی کو ملے گا۔

۵۶-﴿ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور وہ اسے یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے (یعنی) مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے وقت یا یہ کہ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں ''یـا'' کی بجائے ''تـا'' کے ساتھ ''وَمَا تَذْكُرُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) خوف و تقویٰ کے لائق ہے اور مغفرت و بخشش کرنے کے لائق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ وہ ہر اس شخص کو بخش دے جو اس سے ڈرتا رہتا ہے[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ القیامۃ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چالیس آیات' دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۸' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۹

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰

میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوںO اور میں ملامت کرنے والی جان کی قسم اٹھاتا ہوںO کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہیں کریں گےO کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم اس کے پوروں کو اپنی جگہ پر درست کر دیںO بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بُرے کام کرتا رہےO وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہوگاO سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گیO اور چاند کو گہن لگ جائے گاO اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گاO اس دن انسان کہے گا کہ جائے فرار کہاں ہے؟O

قیامت کے دن کی اہمیت اور کافر کی مذمت کا بیان

۱- ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں ''اَیْ اُقْسِمُ'' یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حرف ''لَا'' نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید قسم کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور یہ ''لا'' صلہ ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لِئَلَّا يَعْلَمَ'' (الحدید:۲۹) ''تا کہ اہل کتاب جان لیں'' اور شاعر کا قول ہے:

تَذَكَّرْتُ لَيْلٰى فَاعْتَرَتْنِىْ صَبَابَةٌ وَكَادَ ضَمِيْرُ الْقَلْبِ لَايَتَقَطَّعُ

''میں نے اپنی رات کو یاد کر رکھا ہے جس میں مجھے عشق لاحق ہوا تھا اور قریب تھا کہ میرے دل کا ٹکڑا کٹ جاتا''۔

اور جمہور اس بات پر متفق ہیں البتہ علامہ فراء نے کہا کہ مشرکین مکہ نے حشر و نشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا تھا ان کی تردید کے لیے یہ حرف ''لا'' نفی لایا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ (اے مشرکینِ مکہ!) جس طرح تم نے گمان کر رکھا ہے اس طرح معاملہ نہیں ہے پھر فرمایا گیا: ''اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ'' میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں اور بعض حضرات نے کہا: اس کی اصل ''لَاُقْسِمُ'' ہے جیسا کہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے یہ اس بناء پر کہ لام ابتداء کے لیے ہے اور ''اُقْسِمُ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''لَاَنَا اُقْسِمُ'' میں ضرور قسم کھا کر کہتا ہوں (تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا) اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مصحف امام میں بغیر الف کے تھا پھر اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا گیا تو اشباع کی وجہ سے الف ظاہر ہو گیا اور اکثر اس لام کے ساتھ نون تاکید بھی آتا ہے اور کبھی اس سے جدا کیا جاتا ہے]۔

۲،۳- ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اور مجھے ملامت کرنے والے نفس کی قسم[1] جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دوسری قسم ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قیامت کے دن کی قسم فرمائی ہے اور

---

[1] ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور وہ کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا؟

(۲) نفس لَوَّامَہ سے مراد نفوسِ متقیہ ہیں یعنی متقی اور پرہیز گار لوگ وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں فرمائی [سو اس صورت میں یہ صفت ذم ہوگی جب کہ قسم کے معنی کی صورت میں یہ صفت مدح ہوگی] یعنی نفس متقیہ وہ ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری میں کوتاہی کرنے پر ملامت کرے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نفس آدم علیہ السلام ہے جو جنت سے نکالے جانے پر اپنے آپ کو ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے ''اَیْ لَتُبْعَثُنَّ'' یعنی تمہیں قیامت کے دن ضرور بزندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس کی دلیل (درج ذیل) ہے ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ ﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا انکار کرنے والا کافر انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ﴿ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ کیا ہم اس کی ہڈیوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر متفرق و منتشر ہو جانے اور چورا چورا ہو جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد ہر گز جمع نہیں کریں گے۔

٤۔﴿ بَلٰی ﴾ کیوں نہیں! ''بَلٰی'' نفی کے بعد ثبوت کے لیے آتا ہے یعنی کیوں نہیں! بلکہ ہم انسانوں کو ہڈیوں سمیت ضرور جمع کریں گے ﴿ قٰدِرِیْنَ ﴾ یہ ''نَجْمَعُ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی ہم اس کو ضرور جمع کریں گے کیونکہ ہم اس کے جمع کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں تھا یا یہ کہ ہم پوری طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیز گاری کو کیوں اختیار نہیں کیا؟

(۳) نفس لوّامہ سے مراد نفوس شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ہوں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل آدمی بُرے کاموں میں مشغول ہو تو پھر بھی وہ اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

(۴) نفس لوامہ سے مراد بدفطرت نفوس ہیں' جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں مبتلا رہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

''اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ'' (الزمر: ۵۶) ''افسوس! میں نے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی برتی''۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۰۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

صوفیائے کرام نے نفس کی سات اقسام بیان کی ہیں:

(۱) نفس امّارہ جو بُرائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کفار کے نفوس ہیں۔

(۲) نفسِ لوّامہ جو بُرے کاموں پر اور نیکیوں میں کوتاہی کرنے پر انسان کو ملامت کرتا ہے۔

(۳) نفسِ مُلہمہ جو انسانوں کو نیکی اور بُرائی دونوں کا الہام والقاء کرتا ہے۔

(۴) نفسِ مطمئنہ جو تعلیمات اسلام پر مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے اور شکوک و شبہات سے دور اور پاک ہوتا ہے اور صفات محمودہ سے متصف ہوتا ہے۔

(۵) نفسِ راضیہ جو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہے۔

(۶) نفسِ مرضیہ جو نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ از خود اس کی رضا پر راضی ہو۔

(۷) نفسِ کامل جو آخری تینوں نفوس کی صفات کا جامع ہو اور انتہائی اعلیٰ درجات پر فائز ہو۔

(ماخوذ از: تفسیر صاوی حاشیہ علی تفسیر الجلالین الجزء الرابع ص ۳۵۵' مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء)

قادر ہیں کہ ﴿عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴾ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کر دیں (یعنی) اس کے باوجود کہ انسان کی انگلیاں اور اس کے پورے چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن ہم بغیر کسی فرق کے اور بغیر کسی کمی و بیشی کے اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کرنے پر پوری طرح قادر ہیں تو بھلا بڑی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر ہم کیوں کر قادر نہیں ہو سکتے۔

۵- ﴿بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ بلکہ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ حال اور مستقبل میں بُرے اعمال کرتا رہے [یہ ''ایحسب'' پر معطوف ہے' سو اس لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کی طرح استفہام ہو]۔

۶- ﴿يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ﴾ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہو گا۔ دراصل کفار یہ سوال قیامت کے قیام کو ناممکن و بعید قرار دینے کے لیے کرتے تھے۔

۸'۷- ﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر حیران و مضطرب اور پریشان ہو کر اِدھر اُدھر گھومتی پھریں گی [نافع مدنی کی قراءت میں ''را'' پر فتح پڑھا جاتا ہے یعنی اس وقت کافروں کی آنکھیں پریشانی کی وجہ سے کھلی رہ جائیں گی] ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ اور چاند کو گرہن لگ جائے گا اور اس کی روشنی چلی جائے گی یا اس کی روشنی غائب ہو جائے گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَخَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضَ'' (القصص:۸۱) ''سو ہم نے قارون کو زمین میں دھنسا کر غائب کر دیا'' [ابوحیاۃ نے ''خا'' پر ضمہ پڑھا ہے]۔

۱۰'۹- ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیا جائے گا یعنی مغرب سے طلوع ہونے میں انہیں اکٹھا کر دیا جائے گا یا روشنی کے چلے جانے میں اور بے نور ہونے میں دونوں کو جمع کر دیا جائے گا یا یہ کہ ان دونوں کو پہلے جمع کیا جائے گا' پھر انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا' پھر وہ سمندر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی آگ بن جائے گا ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ انسان یعنی کافر کہے گا: آج فرار ہونا کہاں ہوگا۔ یہ مصدر ہے یعنی دوزخ کی آگ سے فرار کہاں ہو گا یا قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کی وجہ سے مسلمان بھی یہی کہے گا [اور حضرت حسن بصری نے ''فا'' کو مکسور پڑھا ہے اور اس صورت میں یہ ظرف مکان اور مصدر میمی دونوں کا احتمال رکھتا ہے]۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

ہرگز نہیں! کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گیO اس دن آپ کے پروردگار کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہو گیO اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑاO بلکہ انسان اپنے آپ پر خود بصیرت کی نگاہ رکھنے والا ہےO اور اگرچہ وہ اپنے تمام عذر پیش کر لےO

۱۲'۱۱- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے فرار کی طلب سے روکا گیا ہے (یعنی قیامت کے دن کوئی شخص ہرگز فرار نہیں ہو سکے گا) ﴿لَا وَزَرَ﴾ کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ﴾ صرف آپ کے پروردگار کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہو گی (یعنی) بندوں کے ٹھہرنے کی جگہ یا ان کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں ہوگا' یہ اسی کی

مشیت کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے' جس کو وہ چاہے گا جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا۔

۱۳- ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ ﴾ اس دن انسان کو ہر وہ عمل بتا دیا جائے گا جو اس نے کر کے آگے بھیجا ﴿ وَاَخَّرَ ﴾ اور جس کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس عمل کو نہیں کیا۔

۱٤- ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴾ بلکہ انسان اپنے آپ پر پوری نگاہ رکھنے والا ہے (یعنی) گواہ ہے [''بصیرۃ'' میں ''ھا'' مبالغہ کے لیے جیسے ''عَلَّامَةٌ'' میں ہے یا اس کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے انسان کے اعضاء مراد ہیں کیونکہ انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے یا پھر خود انسان اپنے آپ پر حجت ہے اور ''بصیرۃ'' کا معنی حجت ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ'' (الانعام: ۱۰۴) ''بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیلیں آ چکیں'' اور تم اپنے غیر سے کہہ سکتے ہو کہ ''اَنْتَ حُجَّةٌ عَلٰى نَفْسِكَ'' ''تم اپنے آپ پر حجت ہو'' ''بصیرۃ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر اس سے مقدم ''عَلٰى نَفْسِهٖ'' ہے اور یہ مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر ''الانسان'' کی خبر ہے] جیسے کہا جاتا ہے: ''زَيْدٌ عَلٰى رَاْسِهٖ عِمَامَةٌ'' اور اس صورت میں یہ جائز ہے کہ ''بصیرۃ'' سے وہ فرشتہ مراد ہو جو انسان پر مقرر کیا گیا ہے۔

۱۵- ﴿ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴾ اور اگر چہ وہ اپنی معذرتیں اور بہانے پیش کرے (یعنی) اور اگر چہ وہ اپنے گناہوں پر پردے ڈالے۔ ''معاذیر''، ''معذار'' کی جمع ہے اور ''معذار'' کا معنی پردہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر چہ وہ ہر قسم کے تمام بہانے پیش کرے تو بھی اس کے بہانے اور معذرتیں قبول نہیں کی جائیں گی بلکہ اس کے جھوٹے عذر کا وبال بھی اسی پر ہوگا [اور ''معاذیر''، ''مَعْذِرَةٌ'' کی جمع نہیں ہے کیونکہ اس کی جمع ''معاذر'' آتی ہے بلکہ یہ تو اس کا اسم جمع ہے اور اس کی مثال ''المناکیر'' ہے جو ''منکر'' کی اسم جمع ہے]۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

(اے محبوب!) آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو جلد یاد کر لیں O بے شک اس کو محفوظ کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O پھر بے شک اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O ہر گز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو O اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو O بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے O اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O اور بہت سے چہرے اس دن ترش و سیاہ ہوں گے O وہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والی سختی کی جائے گی O

قرآن کو محفوظ کرنے اور نیک و بد کی پہچان اور موت کی سختی کا بیان

۱۶'۱۷- ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی زبان مبارک کو اس کے ساتھ (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ حرکت نہ دیں تا کہ آپ اس کو (یعنی) قرآن مجید کو جلدی وصول کر لیں۔ دراصل حضور نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کے فارغ ہونے سے پہلے اس کی قراءت کے دوران وحی کی قراءت شروع کر دیتے' محض اس اندیشے کی بناء پر کہ کہیں قرآن مجید کا کوئی کلمہ رہ نہ جائے' سو اس لیے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ وحی کی قراءت کے دوران اپنی زبان کو حرکت نہ دیں جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں تا کہ آپ اس کو جلدی سے یاد کر کے حاصل کر لیں اور تا کہ اس کا کوئی حرف یا لفظ رہ نہ جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے جلدی سے روکنے کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ﴾ بے شک اس قرآن مجید کو آپ کے سینہ مبارک میں جمع کرنا اور محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَقُرْاٰنَهٗ﴾ اور اس قرآن مجید کی قراءت کو آپ کی زبان مبارک میں ثابت و قائم رکھنا ہمارے ذمہ ہے اور قرآن سے قراءت کرنا مراد ہے اور اس کی مثال یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے: ''وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ'' (طٰہٰ: ۱۱۴) ''اور آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ اس کی وحی آپ پر پوری نازل کر دی جائے''۔

۱۸'۱۹- ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ سو جب ہم اس کو پڑھ لیں تو پھر آپ اس کی اتباع کریں یعنی جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر ہماری وحی پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو پھر اس کی اتباع کریں یعنی اس کے پڑھے ہوئے کلام کو جو اس نے آپ پر پڑھا ہے' پڑھیں' یاد کریں اور اس پر عمل کریں' سو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے (یعنی) جب قرآن مجید کے معانی میں سے کوئی معنی آپ پر مشکل و دشوار ہو جائے گا تو اس کو واضح کر کے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

۲۰'۲۱- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے سے انکار کرنے پر کفار کا رد کیا گیا ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کو بہ وقتِ نزول پڑھنے میں جلد بازی سے منع کیا گیا ہے اور جلدی پڑھنے سے آپ کو روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے اس کو مؤکد کیا گیا ہے ﴿بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ بلکہ تم جلد بازی کو پسند کرتے ہو' گویا فرمایا گیا کہ اے بنی آدم! بلکہ تم لوگ جلد بازی کو پسند کرتے ہو کیونکہ تم جلد باز پیدا کیے گئے ہو اور تمہاری طبیعتوں میں جلد بازی سما چکی ہے' اس لیے تم ہر چیز میں جلدی کرتے ہو اور اسی وجہ سے تم ''عاجلہ'' (یعنی) دنیا اور اس کی شہوات کو پسند کرتے ہو ﴿وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) تم دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو چھوڑ دیتے ہو' سو تم اس کے لیے نیک اعمال نہیں کرتے ہو [نافع مدنی اور کوفی قراء کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۲۲'۲۳- ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے خوب صورت' حسین و جمیل اور خوش و خرم اور تر و تازہ ہوں گے اور یہ مؤمنوں کے چہرے ہوں گے ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ مسافت کے ثبوت کے بغیر اور جہت و سمت کے بغیر اور کیفیت کے بغیر اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے اور دیدار کرنے والے ہوں گے[1] اور یہاں نظر کو اپنے

---

[1] علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ا) اس دن بہت سے لوگ وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش' تر و تازہ اور خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب تعالیٰ کو کھلم کھلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پروردگار کے حکم کے لیے یا اس سے ثواب کے حصول کے لیے انتظار کرنے پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ (حرف ''فِیْ'' کے ساتھ) کہا جاتا ہے: ''نَظَرْتُ فِیْهِ'' یعنی میں نے اس میں غور و فکر کیا اور (بغیر کسی ''فِیْ'' کے براہِ راست متعدی کر کے کہا جاتا ہے) ''نَظَرْتُهٗ'' میں نے اس کا انتظار کیا لیکن جب یہ حرف ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس وقت صرف رؤیت اور دیدار کرنے کا معنی مراد ہوتا ہے (جیسے یہاں ہے) نیز ''دار القرار'' یعنی جنت میں ''نَاظِرَةٌ'' کا معنی انتظار غیر مناسب ہے کیونکہ وہاں بغیر انتظار کے ہر نعمت حسب خواہش حاصل ہو جائے گی۔

٢٤، ٢٥- ﴿وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ﴾ اور بہت چہرے اس دن بگڑے ہوئے تیوری چڑھائے سخت ترش رو ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صاف صاف اپنے سامنے عیاں دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں' ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے' ان حدیثوں کو نہ تو کوئی جھٹلا سکے گا اور نہ کوئی ان کا انکار کر سکے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان بالکل صاف ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی بادل وغیرہ نہ ہو تو سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی چیز مزاحمت ہوتی ہے' صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا کہ اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔

(٢) صحیحین میں ہی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا کہ تم اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو' سو اگر تم سے ہو سکے تو تم سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (نمازِ فجر) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی نمازِ عصر) میں کسی طرح بھی سستی نہ کرو۔

(٣) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہی دونوں معتبر و متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور بھانڈے وغیرہ اور اس کی ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور بھانڈے وغیرہ اور ہر چیز چاندی کی ہے' ان جنتوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کوئی چیز آڑ نہیں ہوگی اور یہ جنت عدن کا ذکر ہے۔

(٤) صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو تا کہ میں اور زیادہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! آپ نے ہمارے چہرے سفید اور نورانی کر دیئے' ہمیں جنت میں پہنچا دیا' جہنم سے بچا لیا' اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی وقت حجابات ہٹا دیئے جائیں گے اور ان جنتیوں کی نگاہیں جمالِ باری تعالیٰ سے منور ہوں گی' اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی اور چیز میں حاصل نہ ہوگی' سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدارِ باری تعالیٰ ہوگا' اسی نعمت کو اس آیت میں لفظ ''زِيَادَةٌ'' سے تعبیر کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ'' (یونس:٢٦) یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدارِ خدا بھی ملے گا۔

(٥) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا' پس اس سے معلوم ہوا کہ ایمان دار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدارِ خدا سے مشرف کیے جائیں گے۔

(٦) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سب سے ہلکے درجے کا جنتی جنت میں اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا' دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی' ہر طرف اور ہر جگہ اسی کی بیویاں اور خدام نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ (صبح و شام) اللہ تعالیٰ کے مبارک و بزرگ تر چہرے کا دیدار کریں گے۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے' نیز یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گے اور یہ کفار کے چہرے ہوں گے ﴿ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴾ ہر کافر خیال کرے گا کہ اس کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سخت ترین معاملہ کیا جائے گا (یعنی) اسے ایسی سخت سزا دی جائے گی جو اس کی پشت کے مہرے کو توڑ دے گی۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

ہرگز نہیں! جب روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گیO اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہےO اور وہ خیال کرے گا کہ بے شک یہ جدائی کا وقت ہےO اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گیO اس دن آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سب نے جانا ہوگاO

۲۶-﴿ كَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے سے منع کیا گیا ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تم اس عمل سے باز آ جاؤ اور تم آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرنے سے رُک جاؤ اور تم اپنے آگے آنے والی موت کو یاد کرو جس کے آ جانے کے بعد تم سے یہ دنیا چھوٹ جائے گی اور تم سے الگ ہو جائے گی اور تم آخرت کی طرف منتقل ہو جاؤ گے جس میں تم ہمیشہ باقی رہو گے ﴿ اِذَا بَلَغَتِ ﴾ یعنی جب روح پہنچ جائے گی' اور یہاں روح مراد لینا جائز ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر یہ آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کر رہی ہے ﴿ التَّرَاقِيَ ﴾ ہنسلی کی وہ ہڈیاں جو سینے کے اردگرد دائیں بائیں محیط ہوتی ہیں اور سینے کے راستے گلے تک پہنچ جاتی ہیں۔ "تراقی" "ترقوۃ" کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: ہنسلی کی ہڈی۔

۲۷-﴿ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴾ اور کہا جائے گا کہ کیا کوئی دَم کرنے والا اور جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ [امام عاصم کے شاگرد حضرت حفص کی قراءت میں "مَنْ" پر ہلکا سا وقف (یعنی سکتہ) کیا جاتا ہے یعنی مرنے والے کے پاس حاضرین ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے جو اس پر دَم کر دے "رَاقٍ"، "رُقْيَة" سے ماخوذ ہے اور یہ باب "ضَرَبَ يَضْرِبُ" سے ہے] یا یہ ان فرشتوں کا کلام ہے جو روح نکالنے والے وہاں موجود ہوتے ہیں' وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بہت سی صحیح اور حسن اور مسند حدیثیں سنن کی کتابوں میں مروی ہیں جن میں سے اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات میں آ چکی ہیں' خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم' تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے' تمام ائمہ اسلام اور ہُداۃِ امت سب اس پر متفق ہیں۔ جو لوگ اس کی تاویل کر کے کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا مراد ہے' ان کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور ہے' ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جس میں بدکاروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَO" (المطففین: ۱۵) "یعنی ہرگز نہیں! بے شک فاسق و فاجر لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گےO"۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدارِ الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیک اور پرہیزگار لوگ دیدارِ الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے اور یہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی روانی صاف اور واضح دلالت کر رہی ہے کہ ایمان دار حضرات دیدارِ باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۸۰-۸۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

کہیں گے کہ تم میں سے کون سے فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جائیں گے آیا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے [اس صورت میں ''رَاقٍ''، ''رُقِیٌّ'' سے ماخوذ ہوگا اور باب ''عَلِمَ یَعْلَمُ'' سے ہوگا]۔

۲۸۔﴿وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ اور مرنے والا یقین کر لیتا ہے کہ یہ جدائی کا وقت ہے (یعنی) بے شک یہ موت جو اس پر نازل ہوگئی ہے اس کا آنا محبوب و پسندیدہ دنیا سے جدا ہونے اور کوچ کرنے کا پیش خیمہ ہے۔''ظَنَّ'' بہ معنی ''اَیْقَنَ'' ہے۔

۲۹۔﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (یعنی) مرنے والے کی دونوں پنڈلیاں موت کے وقت آپس میں باہم مل جائیں گی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میت کی دونوں پنڈلیاں مراد ہیں جب میت کو کفن پہنایا جاتا ہے تو اس کی دونوں پنڈلیوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دو سختیاں مراد ہیں ایک دنیا کے فراق و جدائی کی شدت و سختی مراد ہے اور دوسری آخرت کے آنے کی شدت و سختی مراد ہے' یہ دونوں سختیاں موت کے وقت میت سے مل جاتی ہیں' یہ معنی کی اس بناء پر ہے کہ ''ساق'' کا لفظ شدت و سختی کے معاملے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے دو غم مراد ہیں: ایک دنیا اور اولاد کی جدائی کا غم اور دوسرا واحد و بے نیاز خدا کی بارگاہ میں (جواب دہی کے خوف سے) حاضری کا غم و رنج۔

۳۰۔﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف اس دن سب کو جانا ہوگا۔ یہ ''سَاقَہٗ'' کا مصدر ہے یعنی قیامت کے دن بندوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف یا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جانا ہوگا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

ع ۱۰ / ۱۸

سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی O لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا O پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا O تیرے لیے خرابی ہو' سو تیرے لیے خرابی ہو O پھر تیرے لیے خرابی ہو' سو تیرے لیے خرابی ہو O کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا O کیا وہ منی کی ایک حقیر سی بوند نہیں تھا جسے (رحم میں) گرایا جاتا ہے O پھر وہ جمے ہوئے خون کا لوتھڑا ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا' پھر اس کو درست بنایا O پھر اس سے دو جوڑے مرد اور عورت کو بنایا O کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کر دے O

انسان کی تکذیب و ہلاکت اور تخلیق کے بعد حشر کا بیان

۳۱،۳۲- ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی﴾ سو اس نے رسول اکرم اور قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس نے نماز پڑھی اور یہاں تصدیق نہ کرنے اور نماز نہ پڑھنے والے شخص سے کافر انسان مراد ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں گزر چکا ہے ارشاد فرمایا: ''اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ'' کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہیں کریں گے ﴿وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ اور لیکن اس نے رسول کریم اور قرآن مجید کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا' یا یہ معنی ہے کہ اس نے اپنے مال میں سے صدقہ نہیں دیا یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور نہ نماز پڑھی لیکن اس نے زکوٰۃ اور نماز کو جھٹلایا اور ان کی ادائیگی سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا۔

۳۳- ﴿ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی﴾ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا (یعنی) تکبر و غرور کی چال چلتا ہوا چلا گیا [یہ اصل میں ''یَتَمَطَّطُ'' تھا] ''اَیْ یَتَمَدَّدُ'' یعنی ہاتھ پاؤں کو دراز کر کے فخر و ناز سے مٹکتا ہوا چلا گیا کیونکہ تکبر سے اکڑ کر چلنے والا اپنے پاؤں کو کھینچ کر اور ہاتھوں کو آگے پیچھے مٹکا کر چلتا ہے [پھر آخری ''طا'' کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا کیونکہ تین حروف متماثل و متجانس جمع ہو گئے]۔

۳۴،۳۵- ﴿اَوْلٰی لَكَ﴾ تیرے لیے خرابی ہو۔ یہ بہ معنی ''وَیْلٌ لَّكَ'' ہے یعنی تیرے لیے ہلاکت و تباہی ہو اور یہ کافر انسان پر دعائے ضرر ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ خرابی اس کے نزدیک کر دے جو اسے ناپسند و ناگوار ہو ﴿فَاَوْلٰی ○ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی﴾ سو خرابی ہی ہو ○ پھر تیرے لیے خرابی ہو' سو خرابی ہی ہو۔ تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ تیرے لیے خرابی ہو' پس خرابی ہی ہو' پھر تیرے لیے خرابی ہو' پس خرابی ہی ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تیرے لیے موت کے دن خرابی ہو اور تیرے لیے قبر میں خرابی ہو اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت تیرے لیے خرابی ہو اور دوزخ کی آگ میں تیرے لیے خرابی ہو۔

۳۶- ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا (یعنی) کیا کافر یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ اسے کسی کام سے منع کیا جائے گا اور نہ اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور نہ اسے جزاء اور سزا دی جائے گی؟

۳۷- ﴿اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی﴾ کیا وہ منی کا ایک حقیر سا قطرہ نہیں تھا جسے ٹپکایا جاتا ہے [ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یُمْنٰی'' پڑھا جاتا ہے] یعنی منی کو عورت کے رحم میں گرایا اور بہایا جاتا ہے [اور دیگر قراء نے ''تا'' کے ساتھ ''تُمْنٰی'' پڑھا ہے' اس صورت میں ضمیر ''نطفة'' کی طرف لوٹے گی]۔

۳۸- ﴿ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً﴾ پھر وہ خون کا لوتھڑا بن گیا یعنی چالیس دن کے بعد وہ منی جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا بن جاتی ہے ﴿فَخَلَقَ فَسَوّٰی﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور درست بنایا (یعنی) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر و بدبودار منی سے مکمل اور درست انسان بنایا۔

۳۹- ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے نر اور مادہ (مرد و زن) دو جوڑے بنائے یعنی دونوں صنفیں اور دونوں قسمیں اسی منی سے بنائیں۔

۴۰- ﴿اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی﴾ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ (یعنی) کیا ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ اور حضور سیّد عالم ﷺ جب یہ

آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو ارشاد فرماتے: "سُبْحٰنَکَ بَلٰی"[۱] اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں کیوں نہیں! آپ ضرور قادر ہیں۔

سورۃ الدھر مکیۃ	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	آیاتہا ۳۱ رکوعاتہا ۲
سورۃ الدھر مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○	اس کی اکتیس آیات' دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾

بے شک زمانہ میں سے ایک ایسا وقت انسان پر آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا○ بے شک ہم نے انسان کو (مرد و زن کے) ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا کہ ہم اسے آزمائیں' سو ہم نے اس کو سننے والا (اور) دیکھنے والا بنایا○ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا وہ ناشکرا ہو○ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقیں اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے○

انسان کی تخلیق اور ہدایت کا راستہ دیکھنے کے بعد مؤمن و کافر ہونے کا بیان

۱- ﴿هَلْ اَتٰى﴾ "قَدْ مَضٰى" بے شک گزر چکا ہے ["هَلْ"، "قَدْ" کے معنی میں ہے اور "اَتٰى"، "مَضٰى" کے معنی میں ہے] ﴿عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ انسان پر (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام پر ﴿حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ زمانے میں سے کچھ وقت (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے پہلے کا عرصہ اور وقت کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام چالیس سال تک صرف مجسمہ کی شکل میں بغیر روح کے رہے' پھر ان میں روح پھونکی گئی تھی ﴿لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ قابل ذکر چیز نہیں تھے کیونکہ نہ ان کے اسم مبارک کا ذکر تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان سے کیا مراد ہے اور کیا مقصود ہے کیونکہ اس وقت صرف مٹی کا مجسمہ تھے جس پر اتنا عرصہ بیت گیا اور اگر اس وقت موجود نہ ہوتے تو ان کی یہ صفت بیان نہ کی جاتی کہ ان پر زمانہ میں سے ایک عرصہ گزر چکا ہے [اور "لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" محلاً منصوب ہے کیونکہ "اَلْاِنْسَان" سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی انسان پر کچھ عرصہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ مذکور نہیں تھا]۔

۲- ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ بے شک ہم نے انسان کو (مخلوط نطفہ سے) پیدا کیا یعنی اولادِ آدم علیہ السلام اور بعض حضرات کا قول ہے: پہلے انسان سے بھی اولادِ آدم مراد ہے اور "حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ" کا مطلب اس قول کی بناء پر یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں جب تک رہا اس وقت تک غیر مذکور چیز تھا یہاں تک کہ ولادت کے بعد وہ لوگوں کے درمیان قابل ذکر چیز قرار پایا (کہ اس کا نام رکھا گیا جس سے پکارا جانے اور پہچانا جانے لگا) ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ (ہم

[۱] رواہ ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۸۷

نے انسان کو) نراور مادہ کے مخلوط نطفہ سے (پیدا کیا ہے) یعنی ہم نے اولادِ آدم کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا جس میں (مرد وزن کے) دو پانیوں کی آمیزش کی گئی ہے اور ''مشج'' اور ''مزج'' دونوں کا ایک معنی (ملانا) ہے [یہ ''نطفۃ'' کی نعت ہے یا اس سے بدل ہے اور یہ ''نطفۃ امشاج'' اس طرح ہے جس طرح ''بُرْمَۃ اعشار'' ''دسویں ہانڈی'' ہے سو یہ ''اَمْشَاجٍ'' مفرد لفظ ہے جمع نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ مفرد ''نُطْفَۃٍ'' کی صفت واقع ہو رہا ہے] ﴿نَّبْتَلِیْهِ﴾ ہم اس کو آزماتے ہیں [یہ ''خلقنا'' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو پیدا کیا اس حال میں کہ ہم اس کو آزمانے والے ہیں یعنی ہم اس کو امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے ذریعے آزمانا چاہتے ہیں ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا﴾ سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا ہے (یعنی) ہم نے اس کو کانوں سے سننے والا اور آنکھوں سے دیکھنے والا بنا دیا ہے۔

۳-﴿اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ﴾ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا ہے (یعنی) ہم نے عقلی اور سمعی دلائل کے ذریعے اس کے لیے ہدایت کا راستہ واضح طور پر بیان کر دیا ہے ﴿اِمَّا شَاكِرًا﴾ خواہ وہ مسلمان ہو کر شکر ادا کرنے والا بن جائے ﴿وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ اور یا وہ کفر اختیار کر کے کافر و ناشکرا بن جائے [یہ دونوں ''ھَدَیْنَاہُ'' کی ضمیر مفعول سے حال ہیں] یعنی اگر وہ چاہے تو شکر ادا کرے (اور مسلمان ہو جائے) یا وہ چاہے تو کفر اختیار کر لے بے شک ہم نے اپنی طرف سے دونوں حالتوں میں اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیا (اختیار کرنا اور نہ کرنا اس کی اپنی مرضی ہے) [یا یہ دونوں ''اَلسَّبِیْلَ'' سے حال ہے] یعنی ہم نے اس کو راستے کی پہچان کرا دی ہے خواہ وہ سبیل شاکرا اختیار کرے اور خواہ وہ سبیل کفورا اختیار کرے [اور ''سبیل'' کو شکر اور کفر کے ساتھ موصوف کرنا مجاز ہے]۔

٤-اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے دو گروہوں کا ذکر کیا تو ان دونوں کے ذکر کے بعد اب ان کے اس انجام کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے تیار کر رکھا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقیں اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے [''سَلٰسِلَا''، ''سلسلۃ'' کی جمع ہے اور اس کو حضرت حفص' ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور حمزہ کوفی نے بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء (یعنی نافع مدنی' علی کسائی' ابو بکر کوفی اور ہشام) نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ ''اَغْلٰلًا'' اور ''سَعِیْرًا'' کے مناسب ہو جائے کیونکہ غیر منصرف کو مناسبت کی خاطر منصرف پڑھنا جائز ہے اور ''اغلال''، ''غل'' کی جمع ہے اور ''سعیر'' کا معنی بھڑکتی ہوئی اور شعلہ مارنے والی آگ ہے]۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝۶ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ۝۷ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹

بے شک نیک لوگ ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی O وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے پئیں گے وہ اسے جہاں چاہیں گے لے جائیں گے O وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیلی ہوئی ہے O اور وہ اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (اور وہ کہتے ہیں:) بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ O

نیک لوگوں کے اوصاف وانعامات کا بیان

۵'٦- ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک نیک لوگ پاکیزہ شراب کے جام بھر کر پئیں گے [''ابرار''، ''بِرٌّ'' کی یا ''بَآرٌّ'' کی جمع ہے جیسے ''رب'' کی جمع ''ارباب'' اور ''شاھد'' کی جمع ''اشھاد'' ہے] اور یہ نیک لوگ وہی ہیں جو اپنے ایمان میں مخلص اور سچے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو مخلوقِ خدا کو ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچاتے اور نہ وہ اپنے دلوں میں کھوٹ اور برائی کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ ''کَاْسٌ'' کا معنی ہے: شیشے کا پیالہ یا گلاس لیکن یہاں اس سے خود شراب مراد ہے جو پیالوں اور گلاسوں میں بھر کر پلائی جائے گی' سو ''خَمْرٌ'' کو ''کَاْسٌ'' کا نام دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ''کَاْسٌ'' سے وہ بلوری گلاس مراد ہے جس میں شراب انڈیل کر پلائی جاتی ہے ﴿کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا﴾ اس شرابِ طہور میں کافور کا پانی ملایا جائے گا' اور کافور جنت میں ایک چشمے کا نام ہے جس کا پانی کافور کی طرح سفید اور اس کی خوشبو کافور کی خوشبو کی طرح اور اس کا پانی کافور کی طرح سرد اور ٹھنڈا ہوگا ﴿عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے پانی پی کر سیراب ہوں گے [حرف ''با'' ''مِنْ'' کے معنی میں ہے یعنی ''مِنْهَا'' ہے یا یہ ''با'' زائدہ ہے یا پھر یہ معنی پر محمول ہے یعنی جنتی لوگ اس کے ذریعے لذت حاصل کریں گے یا اس کے ذریعے سیراب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے (''مِنْ کَاْسٍ'' میں) حرف ''مِنْ'' اور دوسرے میں حرف ''با'' اس لیے فرمایا کہ ان کے مشروب کے پینے کی ابتداء ''کاس'' (جام) سے ہوگی اور اس کی پہلی غرض ہوگی اور لیکن رہا چشمہ تو اس میں ان کی شراب کو مکس کیا جائے گا تو گویا فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس چشمہ سے شراب پئیں گے] ﴿یُفَجِّرُوْنَهَا﴾ وہ اس چشمہ کو اپنی منازل میں سے جس منزل میں لے جانا چاہیں گے لے جائیں گے ﴿تَفْجِیْرًا﴾ سہولت و آسانی کے ساتھ لے جائیں گے' ان پر کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں ہوگی۔

۷- ﴿یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنے اوپر واجب ولازم کیا ہے۔ یہ اس سائل کے لیے جواب ہے جو ممکن ہے کہ سوال کرتے ہوئے کہے کہ انہیں یہ بلند مرتبہ کیونکر عطا کیا جاتا ہے اور واجبات کو زیادہ سے زیادہ خوب ادا کرنے کی وجہ سے ان کو نذر اور منت پوری کرنے کے ساتھ متصف کر کے ان کے وصف وفائے نذر میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ جو شخص اپنی اس نذر کو جسے اس نے اپنے آپ پر واجب ولازم کر لیا' اسے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پورا کرتا ہے تو وہ شخص اس نذر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب ولازم فرما دیا بطریق اولیٰ اور زیادہ بڑھ چڑھ کر پورا کرتا ہے ﴿وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا﴾ اور وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولنا کی پھیلی ہوئی ہے (یعنی) اس دن کے شدائد اور سختیاں اور ہولنا کیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ''مستطیر''، ''اِسْتِطَارَ الْفَجْرُ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے کہ فجر تمام اطراف میں پھیل گئی۔

۸- ﴿وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں یعنی وہ کھانے کی محبت اور اس کی خواہش وحاجت رکھنے کے باوجود کھانا کھلاتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ

کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ مسکین سے مراد وہ فقیر و محتاج ہے جو محنت مزدوری کرنے اور کمانے سے عاجز ہو اور یتیم سے وہ نابالغ بچہ مراد ہے جس کا باپ نہ ہو اور اسیر سے قیدی مراد ہے خواہ غلام ہو یا غلام نہ ہو۔

۹۔ پھر انہوں نے کھانا کھلانے کی علت اور سبب بیان کیا' چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ ﴾ بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے' یا ان کے دلوں میں پوشیدہ نیتوں اور ارادوں کا اظہار ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے تو ان کے اس عمل پر تعریف بیان فرمائی ہے اگرچہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا ﴿ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً ﴾ ہم تم سے کوئی صلہ اور بدلہ نہیں چاہتے نہ اس صدقہ پر تم سے کوئی ہدیہ چاہتے ہیں ﴿ وَّلَا شُكُوْرًا ﴾ اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں (یعنی) ہم اپنی تعریف نہیں چاہتے اور یہ شکر کی طرح مصدر ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭

بے شک ہم اپنے پروردگار سے ایک ایسے دن کا خوف رکھتے ہیں جس میں بدنصیب بہت ترش رُو بگڑے ہوئے چہرے والے ہو جائیں گے ○ سو اللہ تعالیٰ ان (نیک لوگوں) کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا اور ان کو تر و تازگی اور فرحت و شادمانی عطا فرمائے گا ○ اور انہوں نے جو صبر کیا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا ○ وہ اس میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ اس میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی ○ اور اس کے درختوں کے سائے ان پر جھک کر قریب آ جائیں گے اور اس کے پھل مسخر کر کے نیچے جھکا دیئے جائیں گے ○

۱۰۔ ﴿ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک ہم تم سے صرف اس لیے بدلہ اور صلہ کا مطالبہ نہیں کرتے کہ ہم صدقہ کا عوض اور بدلہ طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' سو اس لیے ہم اس کی خوشنودی اور رضا طلب کرنے کے لیے صدقہ و خیرات کرتے ہیں تاکہ ہم اس خوف و ڈر سے مامون و محفوظ ہو جائیں ﴿ يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴾ سخت ترین اور بہت ترش رو دن۔ دراصل بدبخت لوگ تیوری چڑھا کر ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی اس صفت کے ساتھ دن ''یوم'' کو متصف کیا گیا جیسے ''نَهَارُكَ صَائِمٌ'' تیرا دن روزہ دار ہے' اور ''قمطریر'' کا معنی ہے: ترش رو ہونا اور یہ وہ تیوری ہے جو کسی ناگواری پر دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ ﴿ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا ﴿ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ فساق و فجار اور بدبختوں کی ترش روئی اور

تیوری کے بدلے ان نیک مسلمانوں کو چہروں میں حسن وخوبصورتی اور تروتازگی اور ان کے دلوں میں فرحت وخوشی عطا فرمائے گا۔

۱۲۔﴿ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایثار وقربانی کرنے پر صبر کرنے کی وجہ سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

شانِ نزول: یہ آیات مبارکہ حضرت علی مرتضیٰ ' حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء اور ان کی لونڈی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئیں ' کیونکہ جب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو انہوں نے تین دن روزہ رکھنے کی نذر (منت) مانی (تاکہ دونوں شہزادے شفاء یاب ہو جائیں) ' پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے تین صاع جو بطورِ قرض ادھار لیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر روز ایک صاع جو پیستیں اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکاتیں ' پھر یہ حضرات مسکین اور یتیم اور قیدی کو ترجیح دے کر کھانا انہیں پیش کر دیتے رہے اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر لیتے تھے[1] ﴿ جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنت یعنی باغ عطا فرمائے گا جس میں اللہ تعالیٰ ہر قسم کے بہترین ہضم ہو جانے والے من پسند خوب کھانے عطا فرمائے گا۔

۱۳۔﴿ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ وہ اس جنت میں پلنگوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ["مُتَّكِئِيْنَ" (جَزَاهُمْ) میں "هُمْ" ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے نیز "اَرَآئِكِ" "اَرِيكَة" کی جمع ہے] ﴿ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان حضرات کو خود حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم منت مانو تو صاحب زادے شفاء یاب ہو جائیں گے ' چنانچہ ان حضرات نے ان کے صحت یاب ہو جانے پر تین روزوں کی نذر مانی اور اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت عطا فرمادی اور نذر کی وفا کا وقت آیا تو ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحب زادوں کی صحت کے شکرانے میں تین روزے رکھے ' چنانچہ پہلے روز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع جو پیس کر کھانا پکایا اور افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سب کے سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا اور عرض کیا: اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں ایک مسکین مسلمان ہوں اور بھوکا ہوں ' تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا کھلا دو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے ' اور چونکہ خاتونِ جنت نے پانچ روٹیاں پکا کر ہر ایک کے سامنے ایک ایک روٹی رکھ دی تھی ' اس لیے سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا ' پھر دوسرے روز ایک سائل نے آ کر عرض کیا کہ اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں ' میرا باپ عقبہ کے دن شہید ہو گیا تھا ' برائے کرم تم مجھے کھانا کھلا دو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے ' چنانچہ تمام صاحبان نے جو کھانا سامنے رکھا ہوا تھا اٹھا کر یتیم کو دے دیا اور خود پانی پی کر بھوکے سو گئے ' پھر تیسرے روز حضرت خاتونِ جنت نے جو پیس کر کھانا تیار کیا اور شام کو تمام حضرات جمع ہوئے ' کھانا سامنے رکھا ' ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے آواز آئی کہ اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں تم مجھے کھانا کھلاؤ ' اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھلائے ' چنانچہ سب نے کھانا اٹھا کر قیدی کو دے دیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا: اے خدا کے حبیب! اللہ تعالیٰ آپ کو اہل بیت کے بارے میں خوش گوار رکھے ' یہ آیات مبارکہ لیجئے اور ان کو پڑھ کر سنا دیجئے۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان مترجم)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے اس روایت کو (بغیر کسی دلیل کے) موضوع قرار دیا ہے اور علامہ سیوطی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے (جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی) جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کا حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہجرت کے دو سال بعد ہوا تھا ' میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اعتراض تو حضرت مقاتل کی روایت پر بھی وارد ہوتا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آیات ایک انصاری مرد کے حق میں نازل ہوئیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ وہ اس جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی اور ٹھنڈ دیکھیں گے' کیونکہ اس میں سورج نہیں ہوگا اور نہ اس میں ٹھنڈ ہوگی بلکہ اس کا اپنا سایہ ہمیشہ رہے گا اور اس کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ سورج کی تپش ہوگی جو گرما سکے اور نہ سخت سردی ہوگی جو ایذاء پہنچا سکے اور حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ تو سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی ہوگی' پس ''زمھریر'' کا معنی ہے: سخت سردی اور بعض حضرات نے ''قمر'' پڑھا ہے یعنی جنت از خود روشن ہوگی' اس میں نہ سورج کی ضرورت ہوگی اور نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔

۱۴۔﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا﴾ اور ان پر اس کے سائے نزدیک ہوں گے یعنی جنت کے درختوں کے سائے ان کے قریب ہوں گے [''وَدَانِيَةً'' کو ''جَنَّةً'' پر معطوف کیا گیا ہے] یعنی ایک اور دوسری جنت ہوگی جس کے درختوں کے سائے ان کے نزدیک ترین ہوں گے گویا ان نیک بندوں سے دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا'' میں ان حضرات کو خوفِ الٰہی کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ O'' (الرحمٰن:۴۶) ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں O'' ﴿وَذُلِّلَتْ﴾ اور اس کے پھلوں کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے کے لیے مسخر کر دیا جائے گا [اور یہ ''دَانِيَةً'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی جنت کے درختوں کے سائے اس حال میں ان کے نزدیک ہوں گے کہ اس کے پھل ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [یا یہ ''دَانِيَةً'' پر معطوف ہے] ''اَیْ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَمُذَلَّلَةً'' ﴿قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا﴾ یعنی ان پر جنت کے سائے نزدیک ترین ہوں گے اور اس کے پھل مسخر و تابع ہو کر ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [اور ''قُطُوْفٌ''، ''قِطْفٌ'' کی جمع ہے اور ''قِطْفٌ'' کا معنی ہے: پھل]۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

ترجمعفی بغیر الالف فی الوصل فیھما والوقف علی الاول بالالف و علی الثانی بغیر الالف ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس نے ایک دن میں مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا حالانکہ اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ آیات مدنی ہوں اور اسی طرح حضرت مجاہد اور حضرت عطاء کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت پر یہی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ اس میں منقول ہے کہ حضرت علی نے یہودی سے جَو لیے تھے کیونکہ یہودی صرف مدینہ منورہ میں متصور ہو سکتا ہے کیونکہ یہود مکہ میں نہیں تھے' بلکہ ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مدنی ہوں کیونکہ قیدی صرف مدینہ شریف میں ہوتے تھے' مکہ مکرمہ میں نہیں کیونکہ مکہ میں نہ جہاد تھا نہ قیدی ہوتے تھے' سو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس سورت کا بعض حصہ مدنی ہے (جو ہجرت کے بعد نازل ہوا) اور اگرچہ اس کا بعض حصہ مکی بھی ہے اور اگر اس پوری سورت کو صرف مکی قرار دیا جائے تو پھر ان آیات میں ہجرت کے بعد اہل بیت نبوت اور دیگر نیک مسلمانوں کے جود و سخا کے حال کی قبل از وقت غیب کی خبر بیان کی گئی ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۵۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

ان آیات کے اوّلین مصداق خاندانِ نبوت کے یہی حضرات ہیں' جن لوگوں نے ان نفوسِ قدسیہ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندانِ نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کو فوقیت دی' خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا' اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اوّلین مصداق یہی حضرات ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۴۵)

زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

اوران پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کو گردش میں لایا جائے گا وہ شیشے کی مانند شفاف ہوں گے O یہ شیشے چاندی کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں مناسب وصحیح اندازہ پر رکھا ہوگا O اوران کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں ادرک کی ملاوٹ ہوگی O یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے O اور ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان پر چکر لگاتے رہیں گے اور جب تم انہیں دیکھو گے تو تم انہیں بکھرے ہوئے موتی گمان کرو گے O

۱۶'۱۵-﴿ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ ﴾ اوران پر چاندی کے برتنوں کو بار بار گھمایا جائے گا یعنی جنت کے خدام نوجوان لڑکے شراب کے جام بھر کر جنتیوں کو پلانے کے لیے بار باران کا طواف کریں گے' اور ''انیة'' ''اِنَـآء'' کی جمع ہے اور یہ پانی کا ایک برتن ہے ﴿ وَّاَكْوَابٍ ﴾ اور کوزے اور آبخورے یعنی چاندی کے بڑے پیالے اور یہ ''کـوب'' کی جمع ہے اوراس کا معنی وہ لوٹا بھی ہوتا ہے جس کا دستہ نہیں ہوتا اوراسے چھاگل بھی کہتے ہیں ﴿ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ﴾ وہ برتن اور کوزے شیشے کی طرح شفاف ہوں گے [یہ ''کـانَ'' تامہ ہے یعنی جنت کے تمام برتن اللہ تعالیٰ کی تکوین وتخلیق سے شیشے کی طرح صاف وشفاف چمک دار ہوں گے ''قواریرا'' ''کـانت'' کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہورہا ہے] ﴿ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ وہ شیشے چاندی کے ہوں گے یعنی وہ چاندی سے تیار کیے ہوئے ہوں گے' سواس لیے وہ تمام برتن چاندی اور شیشے کی خوبیوں کے جامع ہوں گے' چنانچہ وہ چاندی کی طرح سفید ونرم اور حسین وچمک دار بھی ہوں گے اور شیشے کی طرح صاف وشفاف بھی ہوں گے' یہاں تک کہ اس کے اندر کی شراب کو اس کے باہر سے دیکھا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر زمین کا شیشہ اس کی مٹی اور ریت سے تیار کیا جاتا ہے لیکن جنت کی سرزمین کا شیشہ چاندی سے تیار کردہ ہوگا [نافع مدنی' علی کسائی اور امام عاصم نے اور ایک روایت کے مطابق ابوبکر کوفی نے بھی دونوں کو تنوین کے ساتھ ''قَوَارِيْرًا O قَوَارِيْرًا'' پڑھا ہے جب کہ حمزہ کوفی' ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری اور حضرت حفص نے دونوں کو بغیر تنوین کے ''قَوَارِيْرَا O قَوَارِيْرَا'' پڑھا ہے اور ابن کثیر مکی نے پہلے کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے' سو پہلے ''قواریرا'' میں تنوین سابق و لاحق آیات کی مناسبت کی وجہ سے پڑھی گئی ہے اور دوسرے ''قـواریـرا'' پر وقف کرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے لیکن یہ قول قابل وثوق نہیں کیونکہ دوسرا پہلے سے بدل واقع ہورہا ہے] ﴿ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴾ وہ ان کو ٹھیک ٹھیک مخصوص اندازے پر رکھیں گے [یہ ''قواریر'' ''من فضة'' کی صفت ہے] یعنی جنت والے ان برتنوں کو مخصوص شکلوں اور مخصوص مقداروں پر اور ٹھیک اندازوں پر رکھیں گے' پھر وہ نیک لوگوں کی تعظیم وتکریم کے لیے اسی طرح پیش کیے جائیں گے جس طرح مخصوص مقداروں اور اندازوں پر رکھے گئے یا یہ معنی ہے کہ شراب پلانے والے خدام ان برتنوں کو پینے والے جنتی حضرات کی حسب خواہش ان ہی کے اندازوں پر رکھیں گے' پس وہ اس طرح ان کے لیے لذیذ ومزے دار اور ان پر زیادہ آسان ہوگی اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پاکیزہ شراب پینے والے جنتیوں کی حسب خواہش ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہوکر پینے کے اندازے کے مطابق ہوگی' نہ اس سے زائد ہوگی اور نہ اس سے کم ہوگی۔

۱۸'۱۷-﴿ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا ﴾ اور انہیں اس میں پیالے بھر کر پلائے جائیں گے یعنی نیک لوگوں کو جنت

میں پاکیزہ شراب کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے ﴿كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا﴾ اس (شراب) میں ادرک کی آمیزش ہوگی ﴿عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا﴾ جنت میں یہ ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے اس چشمہ کا نام ''زنجبیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ادرک کا ذائقہ ہوگا اور عرب کے لوگ اس مشروب کو لذیذ مزے دار اور عمدہ قرار دیتے ہیں جس میں ادرک ملایا جائے اور اس چشمہ کا نام ''سلسبیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ادرک کی آمیزش والا مشروب حلق میں جلد اُتر جاتا ہے اور بڑی سہولت کے ساتھ پیا جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''مَآءٌ سَلْسَبِيلٌ'' یعنی شیریں و میٹھا اور عمدہ و پاکیزہ ترین پانی۔

۱۹۔ ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ اور نوخیز لڑکے ان کے لیے گردش کرتے رہیں گے (یعنی) ایسے نوخیز لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیدا کرے گا' وہ ان کی خدمت کے لیے متحرک و چست ہو کر ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے یا یہ کہ کفار کے لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کی خدمت کرنے کے لیے مقرر فرمائے گا' وہ ان کے آس پاس خدمت کے لیے پھرتے رہیں گے ﴿مُخَلَّدُونَ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ اہل جنت کی خدمت کرتے رہیں گے' انہیں جنت میں موت نہیں آئے گی ﴿إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا﴾ (اے مخاطب!) جب تم ان کے حسن و جمال کو اور ان کے رنگ و روپ کی صفائی اور شفاف پن کو اور اہل جنت کی مجلس میں ان کی خدمت کرنے کے لیے ان کو چستی اور تیز رفتاری کے ساتھ متحرک آتا جاتا دیکھو گے تو تم ان کو بکھرے ہوئے موتی خیال کرو گے اور بکھرنے کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ منظوم کی بجائے ''منثور'' (بکھرے ہوئے) موتی زیادہ خوب صورت نظر آتے ہیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع

اور جب تم وہاں دیکھو گے تو تم بے شمار نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے O ان پر باریک سبز ریشم اور موٹے ریشم کے لباس ہوں گے' اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے' اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا O بے شک یہ تمہارے لیے صلہ ہے اور تمہاری محنت و کوشش مقبول ہوگئی ہے O

۲۰۔ ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا﴾ اور جب تم وہاں (جنت میں) نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تم کثیر نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے [''رَأَيْتَ'' کا نہ ظاہری کوئی مفعول ہے اور نہ کوئی مقدر مفعول ہے اور ''ثَمَّ'' ثاء پر زبر ہے زیر نہیں ہے' اسم ظرف ہے' اس سے جنت مراد ہے اور مفعول کو اس لیے مخصوص نہیں کیا گیا تا کہ ''رَأَيْتَ'' ہر دکھائی دینے والی چیز کے لیے عام ہو جائے] یعنی جب تم جنت میں اس کی نعمتیں دیکھنے کے لیے جدھر نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تمہیں ہر طرف حد نگاہ تک بے شمار نعمتیں نظر آئیں گی اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے۔

مروی ہے کہ ادنیٰ جنتی کا مرتبہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی سلطنت میں ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا اور وہ سب سے زیادہ دور دور جگہ کو بھی ایسے دیکھے گا جیسے اپنے قریب ترین جگہ کو دیکھتا ہوگا[1] اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جنتیوں کو ایسی

1 رواہ احمد ج ۲ ص ۶۴' الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۶

مملکت ملے گی جس کے بعد کبھی ہلاکت وفنا نہیں ہوگی یا یہ کہ جنت میں انہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے یا یہ بھی ہوگا کہ فرشتے ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں گے اور ان پر سلام بھیجیں گے۔

۲۱- ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ﴾ ان کے جسموں پر باریک ریشم کا لباس ہوگا یعنی اہل جنت کا جسمانی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور ''سندس'' کا معنی ہے: ریشم کا باریک کپڑا [''يَطُوْفُ''، ''عَلَيْهِمْ'' کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر ''عَالِيَهُمْ'' منصوب ہے یعنی اہل جنت حضرات کے پاس نوخیز لڑکے گردش کرتے ہوں گے جب کہ ان جنتیوں کے جسموں پر جن پر خدام لڑکے طواف کریں گے بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور نافع مدنی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں سکون کے ساتھ ''عَالِيْهِمْ'' پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''ثِيَابُ سُنْدُسٍ'' ہے یعنی ان کے بدن پر بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا] ﴿خُضْرٌ﴾ سبز رنگ کا لباس ہوگا [''خُضْرٌ''، ''اَخْضَرُ'' کی جمع ہے] جس کا معنی سبز رنگ ہے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ اور موٹے ریشم کا لباس [امام حفص اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ان دونوں (''خُضْرٌ'' اور ''اِسْتَبْرَقٌ'') کو ''ثِيَابُ'' پر محمول کر کے مرفوع پڑھا جاتا ہے اور حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ان دونوں کو ''سُنْدُسٍ'' پر محمول کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں پہلے کو مرفوع اور دوسرے کو مجرور یا اس کے برعکس پڑھا جاتا ہے] ﴿وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ اور ان (جنتیوں) کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سورۂ ملائکہ میں ارشاد ہے: ''يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا'' (فاطر: ۳۳) ''ان کو جنت میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے'' حضرت ابن مسیب نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ہر ایک جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے' ایک چاندی کا کنگن اور دوسرا سونے کا کنگن اور تیسرا موتی کا کنگن ہوگا ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ اور ان کو ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا اور شرابِ طہور کی نسبت واضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص و تعظیم کے لیے ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب جنتیوں کو فرشتے شراب پیش کریں گے تو وہ ان سے شراب قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور وہ کہیں گے: واسطوں سے لینا بہت طویل ہو گیا ہے تو اچانک غیب سے بغیر کسی بندے کے ہاتھوں کے ان کے مونہوں سے پاکیزہ شراب کے بھرے ہوئے جام لگا دیئے جائیں گے' جنت کی شراب پاک صاف ہوگی' دنیا کی شراب کی طرح نجس و ناپاک نہیں ہوگی کیونکہ دنیا کی شراب شریعت کی بناء پر نجس و پلید ہے' عقل کے اعتبار سے نہیں اور مکلف ہونے کی ذمہ داری بھی نہیں ہو گی یا وہ اس لیے پاک وطاہر ہوگی کہ اسے نچوڑا نہیں جائے گا نہ اسے ہاتھوں کی میل کچیل لگے گی اور نہ پاؤں کی گندگی پہنچے گی۔

۲۲- ﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ بے شک یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش ومحنت مقبول ہوگئی ہے۔ جب جنتی حضرات جنت میں داخل ہوں گے اور نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت ان سے کہا جائے گا: بے شک یہ تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں اور یہ تمام نعمتیں تمہارے اعمالِ حسنہ کا صلہ اور بدلہ ہیں اور تمہاری محنت و کوشش ہمارے ہاں قابل ستائش اور مقبول و پسندیدہ قرار پائی ہے کیونکہ تم نے مسکین و نادار اور یتیم اور قیدی سے کہا تھا کہ ہم صدقہ وخیرات دینے پر تم سے نہ بدلہ وصلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ

الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے O سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے اور آپ ان (کفار) میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجئے O اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر صبح و شام کیجئے O اور رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کیجئے اور رات کے طویل حصہ تک اس کی تسبیح بیان کیجئے O بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پسِ پشت ڈال دیتے ہیں O

نزولِ قرآن اور کفار کی اطاعت نہ کرنے اور ذکر الٰہی کرنے کی تاکید

۲۳'۲۴- ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾ بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ ضمیر متکلم کو ''اِنَّ'' کا اسم واقع کرنے کے بعد مکرر اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس کا تکرار قرآنِ مجید کے نزول کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے کے معنی کی تاکید در تاکید پر دلالت کرتا رہے' نیز تا کہ یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں مستحکم و مضبوط ہو جائے کہ جب اس قرآن مجید کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کا بہ تدریج حسب ضرورت نازل کیا جانا ضرور کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور ایک حکمت صبر کرنے کا حکم دینا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ سو (اے محبوب!) توحید و رسالت کی تبلیغ پر اور کفار کی اذیتوں کو برداشت کرنے پر' نیز اہل مکہ میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد کی تاخیر پر آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ﴾ اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے (یعنی) فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کی تاخیر کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غمگین و بے چین ہو جانے پر کفار میں سے کسی گناہ گار اور ناشکرے کی اطاعت سے منع کر دیا گیا ہے ﴿اٰثِمًا﴾ گناہ گار جو ایسے کام کا مرتکب ہو جو بہ ذاتِ خود گناہ ہو اور وہ آپ کو اس گناہ کی طرف بلانے والا ہو ﴿اَوْ كَفُوْرًا﴾ یا ناشکرا جو ایسے کام کرنے والا ہو جو موجب کفر ہوں اور آپ کو اس کفر کی طرف بلانے والا ہو' اس لیے کہ کفار یا تو آپ کو اپنی مدد کے لیے ایسے فعل کی طرف بلاتے جو گناہ یا پھر کفر ہوتا یا وہ فعل نہ تو گناہ ہوتا اور نہ وہ کفر ہوتا' سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے دو کاموں سے روکا گیا ہے تیسرے سے نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''اٰثِم'' (گناہ گار) سے عتبہ مراد ہے کیونکہ یہ شخص گناہ اور فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا اور ''کفور'' (ناشکرے) سے ولید مراد ہے کیونکہ وہ کفر و انکار کرنے میں بہت غلو اور اصرار کرتا تھا اور ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے ہر گناہ گار و بدکردار اور ہر کافر و منکر اور ناشکرا مراد ہے یعنی اے محبوب! آپ ان دونوں قسم کے افراد میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے اور جب ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین شخص کی اطاعت سے عمومی طور پر منع کیا گیا ہے تو ان دونوں کی اکٹھے اطاعت کرنے سے اور ان دونوں کی الگ الگ اطاعت کرنے سے یقیناً منع کیا گیا ہے اور اگر ''اَوْ'' کی بجائے واؤ کے ساتھ ''اٰثِمًا وَّ كَفُوْرًا'' ہوتا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی اطاعت جائز ہو جاتی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے تو اس صورت میں ان دونوں کی اطاعت ممنوع ہوتی لیکن کسی ایک کی اطاعت ممنوع نہ ہوتی اور بعض کا قول ہے کہ ''اَوْ'' بہ معنی ''وَلَا'' ہے ''اَیْ وَلَا تُطِعْ اٰثِمًا وَّلَا كَفُوْرًا'' یعنی آپ نہ تو گناہ گار کی اطاعت کریں اور نہ ناشکرے کی۔

۲۵-﴿وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے لیے نماز قائم کرتے رہیں ﴿بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا﴾ صبح وشام یعنی فجر کی نماز اور ظہر وعصر کی نمازیں قائم کریں۔

۲۶-﴿وَمِنَ الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَہٗ﴾ اور آپ رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کرتے رہیں (یعنی) اور رات کے بعض حصہ میں آپ اپنے رب تعالیٰ کے لیے مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے رہیں ﴿وَسَبِّحۡہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا﴾ اور آپ اس (اللہ تعالیٰ) کی رات کے طویل حصہ تک تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ اس کے لیے رات کے طویل حصہ تک نمازِ تہجد ادا کرتے رہیے' رات کے دو تہائی حصہ یا رات کے نصف حصہ یا رات کے ایک تہائی حصہ میں نماز تہجد ادا کیجئے۔

۲۷-﴿اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ﴾ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (یعنی دنیا) کو پسند کرتے ہیں یعنی کفارِ مکہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرتے ہیں ﴿وَیَذَرُوۡنَ وَرَآءَہُمۡ یَوۡمًا ثَقِیۡلًا﴾ اور وہ ایک سخت بھاری دن کو اپنے سامنے چھوڑ دیتے ہیں یا وہ لوگ اس کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اور وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کی سختیاں کفار پر بہت سخت بھاری ہوں گی۔

نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَہُمۡ ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَہُمۡ تَبۡدِیۡلًا ﴿۲۸﴾
اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ
اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿٭۳۰﴾ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ
وَالظّٰلِمِیۡنَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۳۱﴾

ع ۲۰

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی تخلیق کو مضبوط بنایا اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے ان جیسے اور لوگ لے آئیں گے ○ بے شک یہ نصیحت ہے' سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے ○ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے ○ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے' اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○
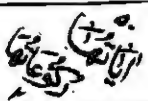
۲۸-﴿نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَہُمۡ ۚ﴾ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی خلقت کو مضبوط بنایا۔ "شَدَدۡنَا" بہ معنیٰ "اَحۡکَمۡنَا" ہے اور "اَسۡرَہُمۡ" بہ معنیٰ "خَلۡقَھُمۡ" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور فراء سے یہی مروی ہے ﴿وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَہُمۡ تَبۡدِیۡلًا﴾ اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے انہیں جیسے اور لے آئیں گے یعنی جب ہم ان کو ہلاک کرنا چاہیں گے تو ہم ان کو ہلاک کردیں گے اور ہم ان کے بدلے خلقت میں انہیں جیسے اور لوگ لے آئیں گے جو اطاعت وفرماں برداری اختیار کریں گے۔

۲۹-﴿اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ﴾ بے شک یہ سورت سراسر نصیحت ہے ﴿فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا﴾ سو جو شخص اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ اس کی عبادت اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہوئے اس کی راہ

اختیار کر لے۔

۳۰-﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی راہ کو اپنانا نہیں چاہ سکتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے اور اللہ تعالیٰ اسی کو چاہتا ہے جس کے بارے میں وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اس کی راہ کو اختیار کر لے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں عموم ہے' وہ اطاعت و نافرمانی اور کفر و ایمان سب کو شامل ہے' سو یہ آیت مبارکہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف ہمارے لیے مضبوط دلیل ہے کہ خیر و شر سب افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَمَا یَشَآءُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ'' ظرف کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے جو ان سے رونما ہوتے ہیں ﴿حَكِیْمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت و مصلحت والا ہے' وہ اپنے تمام اقوال اور تمام افعال میں مصیب و درست اور صحیح ہے' اس کا ہر قول و فعل حکمت و دانائی اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۳۱-﴿یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت میں داخل کر دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی جنت میں داخل فرمائے گا کیونکہ جنت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے حاصل ہوگی (نیک اعمال حصولِ رحمت کا سبب ہیں) اور یہ کلام مبارک معتزلہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو جنت میں داخل کرنا چاہا ہے کیونکہ اس نے سب کا ایمان چاہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دے دی ہے کہ وہ جسے چاہے گا اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور یہ وہی ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا ﴿وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے یعنی کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جس طرح اس نے وعدہ فرمایا ہے اسی طرح پورا فرمائے گا کیونکہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی بجائے بتوں وغیرہ کی عبادت اختیار کر کے عبادت کو غیر موزوں جگہ میں استعمال کیا [''وَالظّٰلِمِیْنَ'' اپنے ماقبل فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل ''اَعَدَّ'' کر رہا ہے]۔

رکوعاتہا ۲	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	سورۃ المرسلٰت مکیۃ

سورۃ المرسلٰت مکی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی پچاس آیات' دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾

نیکی (کے احکام) کے ساتھ بھیجے گئے فرشتوں کی قسم ! ○ پھر آندھی کی طرح تیزی سے آنے جانے والے فرشتوں کی

قسم!○اور (وحی کے ساتھ) پروں کو پھیلا کر اترنے والے فرشتوں کی قسم!○ پھر حق اور باطل میں فرق کرنے والے فرشتوں کی قسم!○ پھر (نبیوں پر) ذکر القاء کرنے والے فرشتوں کی قسم!○ حجت قائم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے○ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہوگی○ سو جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے○ اور جب آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا○ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گے○ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گا○ کس دن کے لیے تاخیر کی گئی○ فیصلے کے دن کے لیے○ اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

فرشتوں کی قسمیں اٹھا کر قیامت کے ہولناک منظر اور مجرموں کی ہلاکت کا بیان

۱ تا ۷ - ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ○ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ○ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ○ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ○ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے مختلف گروہوں کی قسمیں اٹھائیں جن کو اس نے اپنے احکام دے کر روانہ فرمایا' سو وہ بجا آوری کے لیے تیز آندھی کی طرح چلتے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو وحی لے کر اترتے وقت فضاء میں اپنے پَروں کو پھیلا دیتے تھے یا وہ زمین پر خدائی احکام نشر کرتے ہیں یا وہ کفر و جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو وحی کے ذریعے متحرک و زندہ کرتے ہیں اور وہ حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں' سو انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف ذکر الٰہی القاء کیا' اہل حق کے لیے حجت کو پورا کرنے اور اہل باطل کو ڈرانے کے لیے' یا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تو عذاب کی ہواؤں کی قسم فرمائی جنہیں اس نے کفار کی ہلاکت کی طرف بھیجا اور وہ تیز آندھی بن کر ان پر برس پڑیں اور دوسرا رحمت کی ہواؤں کی قسم فرمائی جو فضاء میں بادلوں کو پھیلا دیتی ہیں اور انہیں مختلف ٹکڑیوں میں جدا کر دیتی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا'' (الروم:۴۸) ''اور اللہ تعالیٰ اس بادل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے'' چنانچہ وہ ہوائیں ذکر کا القاء کرتی ہیں یا تو ان لوگوں کے لیے حجت پوری کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کر کے معذرت پیش کرتے ہیں' جب وہ بارش میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا پھر یہ ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے جو شکر ادا نہیں کرتے اور وہ اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہواؤں کو ذکر القاء کرنے والیاں صرف سبب کے اعتبار سے قرار دیا گیا ہے [''عُرْفًا'' حال ہے] یعنی فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے متصل اور ساتھ ساتھ بھیجے جاتے ہیں جیسے گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں [یا ''عُرْفًا'' مفعول لہ ہے] یعنی وہ فرشتے نیکی اور بھلائی بتانے کے لیے لگاتار بھیجے جاتے ہیں [اور ''عَصْفًا'' اور ''نَشْرًا'' دونوں مصدر ہیں اور ''عُذْرًا اَوْ نُذْرًا'' بھی دونوں مصدر ہیں اور ابو عمرو اور کوفی قراء ماسوا ابو بکر کوفی کے اور حماد کی قراءت میں ذال ساکن ہے اور ''عُذْرًا'' ''عَذَرَ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی برائی کو مٹانا ہے اور ''نُذْرًا'' ''اَنْذَرَ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوف دلانا اور ڈرانا ہے' یہ دونوں ''فُعْلٌ'' کے وزن پر ہیں جیسے ''كُفْرٌ'' اور ''شُكْرٌ'' ہے اور ''ذِكْرًا'' سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہیں یا پھر دونوں مفعول لہ ہیں] ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی) بے شک جس قیامت کے دن کے آنے کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿لَوَاقِعٌ﴾ وہ ضرور واقع ہوگی' اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے اور یہاں وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جواب قسم کے ساتھ متصل ہے]۔

۸- ﴿فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ﴾ سو جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے یا ان کا نور ختم کر دیا جائے گا (تو قیامت کا دن

واقع ہو جائے گا)[اور" فَـإِذَا "کا جواب محذوف ہے اور اس کا عامل اس کا جواب ہے اور وہ فیصلے کے دن کا واقع ہونا مراد ہے اور اسی طرح "اَلنُّجُوْمُ" ایسے فعل کا فاعل مراد ہے جو خود محذوف ہے اور اس کی "طُمِسَتْ" مذکور فعل تفسیر کر رہا ہے]۔

۹-﴿وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ﴾ اور جب آسمان میں شگاف ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جانے کی وجہ سے کھل جائے گا اور اس میں جگہ جگہ دروازے بن جائیں گے۔

۱۰-﴿وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ اور جب پہاڑوں کو اپنی اصل جگہوں سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور انہیں غبار کی طرح فضا میں بکھیر دیا جائے گا۔

۱۱-﴿وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ﴾ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گا[یعنی اصل میں "وُقِّتَتْ" ہے جیسا کہ ابوعمرو بصری کی قراءت میں ہے' پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے]اور "توقیتِ رسل" کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ مقررہ وقت ظاہر ہو جائے گا جس میں انہیں اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

۱۲-﴿لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ﴾ کس دن کے لیے تاخیر کی گئی اور کس دن کے لیے مہلت دی گئی' اور اس آیت مبارکہ میں قیامت کے دن کی عظمت و بڑائی بیان کی گئی ہے اور اس دن کے ہولناک' ہلاکت خیز اور خطرناک ہونے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور "تَـاجِیْلٌ"، "اَجَلٌ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: مہلت دینا اور تاخیر کرنا' جیسے "تَـوْقِیْتٌ"، "وقت" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: معین وقت۔

۱۳-﴿لِیَوْمِ الْفَصْلِ﴾ فیصلے کے دن کے لیے۔ یہ روزِ قیامت کی تاخیر کا بیان ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ ہوگا۔

۱۴-﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ﴾ اور اے انسان! تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے' اور یہ دوسرا تعجب ہے اور اس دن کے معاملے کی عظمت و بڑائی کا اظہار ہے کیونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک و خطرناک اور سخت دہشت ناک ہوگا اور اس دن بہت زیادہ خوف وڈر اور گھبراہٹ و پریشانی ہوگی۔

۱۵-﴿وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت وتباہی ہوگی (یعنی) اس روز (قیامت) کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی["وَیْـلٌ" مبتدا ہے اور اگر چہ یہ نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مصدر منصوب ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے لیکن اس کو نصب سے رفع کی طرف معدول (پھیرا) کیا گیا ہے تاکہ یہ جھٹلانے والوں کی ہلاکت کے ثبات ودوام کے معنی پر دلالت ورہنمائی کرے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: "سَلَامٌ عَلَیْكُمْ" (القصص:۵۵) اور "یَوْمَىٕذٍ" اس کا ظرف ہے اور "لِلْمُكَذِّبِیْنَ" اس کی خبر ہے]۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا O پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے O ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

۱۶-﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا (یعنی) جھٹلانے والی گزشتہ قوموں کو (ہم

نے ہلاک کر دیا تھا)۔

۱۷۔ ﴿ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں (کفار مکہ) کو ان کے پیچھے لگا دیں گے اور یہ ارشاد اہل مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے یعنی پھر ہم بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں سے انہیں کی طرح روّیہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جس طرح ہم نے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا کیونکہ کفار مکہ نے بھی اسی طرح جھٹلایا جس طرح پہلی قوموں نے جھٹلایا تھا [یہ آیت مبارکہ وقف کے بعد الگ مستقل جملہ مستانفہ ہے]۔

۱۸۔ ﴿ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں (یعنی) ہم اس ہلاکت خیز گرفت کی طرح ہر اس شخص کی گرفت کرتے ہیں جو جرم و گناہ کرتا ہے۔

۱۹۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہو گی کیونکہ ہم نے انہیں ڈر سنا دیا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى
قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا
رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا
اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا O پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا O ایک معلوم اندازے تک O پھر ہم نے اندازہ فرمایا، سو ہم بہت اچھا اندازہ فرمانے والے ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والا نہیں بنایا O مُردوں اور زندوں کو O اور ہم نے اس میں بلند و بالا پہاڑوں کو قائم فرمایا اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (کفار سے کہا جائے گا:) تم اس (دوزخ کی آگ) کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے O تم تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو O نہ وہ سایا دینے والا ہو گا اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچائے گا O

انسان کی تخلیق، زمین کے فوائد اور قیامت کی تکذیب کے انجام کا بیان

۲۰۔ ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴾ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ اور وہ نطفہ ہے۔

۲۱۔ ﴿ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴾ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرار گاہ میں رکھا یعنی ہم نے اس حقیر پانی کو ایک ایسی جگہ میں رکھ دیا جس میں وہ محفوظ ہو گیا اور وہ جگہ بچہ دانی ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔

۲۲۔ ﴿ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ ایک معلوم و معین اندازے تک یعنی اس کو وقت کی ایک معلوم و مقرر مقدار تک مؤخر کیا گیا

ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی نے یہ فیصلہ کیا ہے اور وہ نو مہینے ہیں یا کچھ زیادہ یا کچھ کم۔

۲۳- ﴿فَقَدَرۡنَا﴾ سو ہم نے اسی مقررہ مدت تک اس کی تخلیق کو مقدر فرما دیا ﴿فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ﴾ سو ہم اس کے لیے سب سے اچھی تقدیر مقرر کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ سو ہم نے اس معلوم و معین اور مقرر مدت پر اس کی تخلیق کا اندازہ مقرر فرما دیا ہے' پس ہم اس کا سب سے بہتر اندازہ مقدر فرمانے والے ہیں [پہلا معنی حضرت نافع مدنی کی قراءت کے مطابق ہے جب کہ قاری علی کسائی نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: "مِنۡ نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ" (عبس:۱۹)]۔

۲۴- ﴿وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ﴾ فطرت و تخلیق کی نعمت کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن بڑی ہلاکت و تباہی ہے۔

۲۵'۲۶- ﴿اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا﴾ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والا نہیں بنایا۔ یہ "كَفَتُّ الشَّيۡءَ" سے ماخوذ ہے جب کسی چیز کو ملایا جائے اور جمع کیا جائے تو اس وقت یہ بولا جاتا ہے اور یہ جمع کردہ چیز کا نام ہے جیسے "ضمام" اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو جمع کیا جائے [اور اسی کی وجہ سے "اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا" منصوب ہیں گویا کہا گیا کہ زمین زندوں اور مُردوں کو جمع کر کے رکھنے والی ہے یا پھر یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہیں جس پر "كِفَاتًا" دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور وہ فعل "تَكۡفِتُ" ہے] یعنی یہ زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مُردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کر کے رکھتی ہے [اور ان دونوں کو نکرہ صرف ان کی تعظیم و بڑائی کے لیے لایا گیا ہے] یعنی یہ زمین اپنی پشت پر اتنے زیادہ زندوں کو جمع رکھتی ہے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور اپنے پیٹ میں اتنے زیادہ مُردوں کو جمع رکھتی ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۷'۲۸- ﴿وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ﴾ اور ہم نے اس میں ثابت و جامد پہاڑوں کو قائم کر دیا ہے۔ "رواسی" بہ معنی "جِبَالًا ثَوَابِتَ" ہے یعنی ایک جگہ پر جم کر کھڑے رہنے والے پہاڑ ﴿شٰمِخٰتٍ﴾ "عَالِيَاتٍ" یعنی بہت اونچے اور بلند و بالا پہاڑ ﴿وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا﴾ اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ "فُرَاتًا" کا معنی ہے: میٹھا اور شیریں پانی (یعنی نمکین و کھارا پانی نہیں) ﴿وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ﴾ ان نعمتوں کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۲۹- ﴿اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ﴾ تم اس چیز کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے یعنی قیامت کے دن کافروں کو کہا جائے گا کہ تم اس آگ کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

۳۰- ﴿اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ﴾ تم سائے کی طرف چلو یعنی دوزخ کی آگ کے سائے کی طرف چلو [اور "اِنۡطَلِقُوۡا" کا تکرار تاکید کے لیے ہے] ﴿ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴾ تین شاخوں والے' دراصل دھواں بہت زیادہ بڑا ہونے کی بناء پر تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اسی طرح بہت بڑا دھواں ہمیشہ تین حصوں میں الگ الگ ہو کر (پہاڑوں کی طرح) اٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔

۳۱- ﴿لَّا ظَلِيۡلٍ﴾ وہ سایا نہیں دے گا یعنی دوزخ کی آگ کی حرارت و گرمی اور اس دن کی گرمی سے بچاؤ کے لیے وہ دھواں سایا کا کام نہیں دے گا ﴿وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ﴾ اور نہ وہ آگ کی لپٹ (شعلے) سے بچائے گا یعنی وہ سائبان نما دھواں دوزخیوں کو دوزخ کی آگ کے شعلوں اور لپٹوں سے بچاؤ کے لیے کچھ فائدہ نہیں دے گا [یہ محلاً مجرور ہے]۔

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْأَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

ع ۲۱

بے شک وہ (آگ) بلند و بالا محل کی طرح بڑی بڑی چنگاریاں پھینکتی ہوگی O گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ وہ دن ہے جس میں وہ بول نہیں سکیں گے O اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کر سکیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلے کا دن ہے جس میں ہم نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے O پھر اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو تم اسے میرے خلاف چلا لو O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

۳۲ تا ۳۴- ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ﴾ بے شک وہ یعنی بے شک وہ آگ چنگاریاں پھینکتی رہے گی۔ ''شرر'' کا معنی ہے: وہ چنگاریاں جو ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی آگ سے نکل کر اِدھر اُدھر اور پر نیچے ہر طرف اُڑتی پھرتی ہیں ﴿كَالْقَصْرِ﴾ وہ چنگاریاں بلندی اور بڑائی میں اونچے محل کی طرح ہوں گی اور بعض حضرات نے کہا: ''اَلْقَصْر'' سے درختوں کی موٹی اور بڑی بڑی لکڑیاں مراد ہیں (جن کو تین تین ہاتھ یا کم و بیش کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لیے دھوپ میں رکھ دیتے ہیں' پھر بوقت ضرورت باریک چیر کر یا کاٹ کر آگ میں جلاتے ہیں یا پھر بالے بنا کر چھتوں میں استعمال کرتے ہیں) اور اس کا واحد ''قَصْرَةٌ'' ہے ﴿كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ﴾ گویا وہ اونٹ ہیں [ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ''جِمَالَةٌ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ ''جَمَلٌ'' کی جمع ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''جِمَالَاتٌ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ جمع الجمع ہے] ﴿صُفْرٌ﴾ [یہ ''اَصْفَر'' کی جمع ہے] یعنی زردی مائل سیاہ اونٹ' یاد رہے کہ چنگاریوں کو بڑا ہونے میں اور بلند و بالا ہونے میں اونچے محلات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور رنگ میں اور لمبائی میں' نیز بڑا ہونے میں اونٹوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ دوزخ کی آگ کی اس صفت کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۵- ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ یہ وہ دن ہے جس میں وہ لوگ بول نہیں سکیں گے [اور ''يَوْم'' کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے] ''اَىْ هٰذَا الَّذِىْ قُصَّ عَلَيْكُمْ وَاقِعٌ يَوْمَئِذٍ'' یعنی یہ جو کچھ تم پر بیان کیا گیا ہے' اس دن وقوع پذیر ہوگا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ اور درج ذیل آیت مبارکہ ''ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ O'' (الزمر: ۳۱) ''بے شک قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے O'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس دن مختلف مواقف و مواقع ہوں گے' بعض جگہ وہ لوگ جھگڑا کریں گے اور بعض جگہ وہ نہیں بول سکیں گے یا پھر یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اس دن مفید اور نفع بخش بات نہیں کر سکیں گے' سو اس لیے ان کے بولنے کو نہ بولنے کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

۳۶، ۳۷- ﴿ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ ﴾ اور ان کو معذرت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ﴿ فَيَعْتَذِرُونَ ﴾ کہ وہ معذرت پیش کر سکیں [اور اس کا ''یُؤْذَنُ'' پر عطف ہے اور یہ بھی نفی کے تحت داخل ہے] یعنی نہ ان کو اجازت ملے گی اور نہ اس کے بعد معذرت ہو گی ﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ اس دن اس روزِ قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۸ تا ۴۰- ﴿ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴾ یہ جزاء کے اعتبار سے حق پرستوں اور باطل پرستوں اور نیکوں اور بُروں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے ﴿ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِينَ ﴾ اے (سیّد عالم حضرت) محمد عربی ﷺ کے جھٹلانے والو! ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو جمع کر لیا ہے ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ ﴾ سو اگر تمہارے پاس عذاب آخرت کو دور کرنے کے لیے کوئی چال ہے ﴿ فَكِيدُونِ ﴾ تو تم اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑانے کے لیے وہ چال میرے خلاف چلا لو [''کَیْدٌ'' متعدی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''کِدْتُّ فُلَانًا'' میں نے فلاں کے خلاف سازش کی' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کے خلاف سازش کی جاتی ہے] ﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ اس دن حشر ونشر کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۲۲

بے شک پرہیز گار حضرات سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ اور ایسے لذیذ پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ چاہیں گے ○ (انہیں کہا جائے گا) کہ تم خوب خوش ہو کر کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے صلے میں جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے ○ بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت و تباہی ہے ○ تم (دنیا میں) تھوڑے عرصہ تک کھاؤ اور پیو بے شک تم مجرم ہو ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے ○

نیکو کاروں کے نیک اور بدکاروں کے بُرے انجام کا بیان

۴۱، ۴۲- ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے عذاب سے بچنے والے حضرات جنت میں جاری و ساری اور بہتے ہوئے چشموں اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں ایسے پھلوں سے لطف اندوز ہوں گے جن کو وہ خود چاہیں گے یعنی لذیذ و مزے دار اور دل پسند' جیسے

من بھاتے پھلوں سے محظوظ ہوں گے [''ظِلَال'' ، ''ظِلٌّ'' کی جمع ہے]۔

۴۳۔ ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ﴾ تم خوب پیٹ بھر کر ہاضمے دار خوشگوار کھاؤ اور پیو [یہ کلام ظرف ''فِی ظِلَال'' میں متقین کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے محلاً حال واقع ہورہا ہے ''اَیْ هُمْ مُسْتَقِرُّوْنَ (فِیْ ظِلَالٍ) مَقُوْلًا لَهُمْ ذٰلِكَ''] یعنی وہ لوگ (پرہیزگار) سایوں میں جب ٹھہرائے جائیں گے تو اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم خوب خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ان اعمال کے صلہ اور عوض میں جو تم دنیا میں بجالاتے تھے۔

۴۴۔ ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم نیکیاں کرنے والوں کو اسی طرح جزائے خیر عطا فرماتے ہیں' سو تم نیکیاں بجالاؤ تو تمہیں یہی جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۴۵۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اس دن جنت اور اس کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۴۶۔ ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا ﴾ تم کھا پی لو اور دنیا کے مال ومتاع سے خوب فائدہ اٹھا لو [یہ ایک مستقل الگ کلام ہے جس کے ذریعہ دنیا میں ڈرانے کے لیے جھٹلانے والوں کو خطاب کیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O'' (فصلت: ۴۰) ''تم جو چاہو عمل کرو بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے O'' ﴿ قَلِيْلًا ﴾ تھوڑا سا کیونکہ دنیا کا تمام ساز وسامان (آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں) بہت تھوڑا ہے ﴿ اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ بے شک تم مجرم وگناہ گار اور تم کافر ومشرک ہو یعنی بے شک ہر مجرم ونافرمان دنیا میں کچھ عرصہ تک کھاتا پیتا اور دنیا کے مال ودولت سے فائدہ اٹھاتا ہے' پھر دائمی ہلاکت وتباہی میں باقی رہتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سزا میں مبتلا رہتا ہے۔

۴۷۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ تمام نعمتیں عطا فرمانے والے اپنے محسن اور منعم کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہے۔

۴۸۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رکوع کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع اختیار کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی وحی کو قبول کرکے اور اس کے دین اسلام کی اتباع وپیروی اختیار کرکے اس کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کر لو اور اس تکبر وغرور اور انکار کی روش کو ترک کردو ﴿ لَا يَرْكَعُوْنَ ﴾ تو وہ لوگ نہ خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین وپیغام کو قبول کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے تکبر وغرور پر اصرار کرتے ہیں' یا یہ معنی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے اور اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔

۴۹۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی (یعنی احکام وممنوعات) کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت وبربادی ہے۔

۵۰۔ ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ سو وہ اس قرآن مجید کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اگر کفارِ مکہ قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے باوجودیکہ یہ یقیناً آنکھیں کھول دینے والا معجزہ ہے اور تمام آسمانی کتابوں کے درمیان واضح اور روشن معجزہ ہے تو بھلا وہ اس کے بعد کس کتاب پر ایمان لائیں گے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ النبا مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چالیس آیات، دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں○ بہت بڑی خبر کے بارے میں○ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں○ ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے○ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے○ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا○ اور پہاڑوں کو میخیں○ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا○ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا○ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا○ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا○ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے○ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا○ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی○ تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے اور سبزہ اُگائیں○ اور گھنے باغات○

قیامت کے متعلق شکوک کی تردید اور تکوینی دلائل کا بیان

۱- ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں (یعنی) کفارِ مکہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں یا پھر یہ لوگ اپنے علاوہ مسلمانوں سے قیامت کے بارے میں استہزاء اور مذاق اُڑانے کے طور پر سوال کرتے ہیں کیونکہ "يَتَسَآءَلُوْنَ" میں "هُمْ" ضمیر اہلِ مکہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اہلِ مکہ آپس میں ایک دوسرے سے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے اور وہ قیامت کا مذاق اُڑانے کے لیے مسلمانوں سے بھی اس کے بارے میں سوال کرتے تھے۔

۲- ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں اور یہ مسئول عنہ (جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کی عظمت و بڑائی کا بیان ہے اور اس کی تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: "(عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ) يَتَسَآءَلُوْنَ (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ)" وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ وہ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔

۳- ﴿الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ جس کے بارے میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں، چنانچہ ان میں سے بعض

لوگ یقین کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ اس وقوع کے بارے میں شک کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "یَتَسَآءَلُوْنَ" میں ضمیر مسلمانوں اور کافروں دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور وہ سب لوگ ایک دوسرے سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے تھے' سو مسلمان تو اس لیے ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے تا کہ قیامت کا خوف و ڈر ان کے دلوں میں بڑھ جائے اور ایمان و یقین مزید مضبوط و پختہ ہو جائے اور کفار محض قیامت کے وقوع کا مذاق اُڑانے کے لیے سوال کرتے تھے۔

٤'٥- ﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو باہمی اختلاف کرنے پر اور قیامت کے وقوع کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک دوسرے سے سوال کرنے پر زجر و توبیخ کرنا اور انہیں ڈانٹنا مقصود ہے ﴿ سَيَعْلَمُوْنَ ﴾ عنقریب وہ جان لیں گے۔ اس میں کفار کے لیے وعید (اور دھمکی) ہے کہ وہ عنقریب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے قیامت کے وقوع کو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھنے کو یقینی طور پر جان لیں گے کہ بے شک وہ لوگ جس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے وہ حق اور سچ ہے ﴿ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے۔ زجر و توبیخ کا تکرار مبالغہ میں تشدید و تاکید کے لیے ہے اور حرف "ثُمَّ" اس بات کی علامت ہے کہ دوسرا جملہ پہلے سے زیادہ بلیغ اور زیادہ شدید ہے۔

٦'٧- ﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ ﴾ کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا؟ جب کفارِ مکہ نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کیا تو (ان آیات میں) ان سے کہا گیا ہے کہ کیا ان عجیب و غریب مخلوقات کو اسی خالق و مالک نے پیدا نہیں کیا جس کی طرف مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے کی نسبت کی گئی ہے' سو تم مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے پر اس خالق و مالک کی قدرت کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ یہ بھی اسی کی ایک ایجاد ہے' جس طرح یہ تمام مخلوقات اس کی ایجادات ہیں یا ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام کائنات کو کیوں پیدا کیا ہے؟ حالانکہ حکیم و دانا کوئی کام عبث و بے کار اور بے فائدہ نہیں کرتا جب کہ حشر و نشر اور قیامت کا انکار تو اس طرف لے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عبث اور بے کار و بے فائدہ پیدا کیا ہے؟ ﴿ مِهٰدًا ﴾ فرش اور بچھونا (یعنی) ہم نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور بچھونا بنا دیا ہے تا کہ تم اطمینان اور سکون کے ساتھ اس پر رہ سکو ﴿ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴾ اور ہم نے پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تا کہ زمین تمہارے ساتھ متزلزل اور متحرک نہ ہو اور لرزنے اور کانپنے نہ لگ جائے (بلکہ ساکن و جامد رہے)۔

٨'٩- ﴿ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا' نر اور مادہ (یعنی مرد اور عورت بنایا) ﴿ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴾ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا (یعنی) نیند کو تمہارے (دن بھر کے) اعمال کے لیے ختم کرنے والا اور تمہارے بدنوں اور جسموں کے لیے راحت بنایا' اور "سبت" کا معنی ہے: قطع کرنا' کاٹنا اور ختم کرنا۔

١٠- ﴿ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴾ اور ہم نے رات کو لباس یعنی پردہ بنایا جو تمہیں لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتی ہے جب تم ایسی چیزوں کو چھپانا چاہو' جن کا لوگوں کے سامنے اظہار تم پسند نہیں کرتے ہو۔

١١- ﴿ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴾ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے وقت مقرر کر دیا تا کہ تم اپنی حاجات و ضروریات اور اپنی کمائیوں کے لیے دن میں مختلف جگہوں میں حسب ضرورت چلتے پھرتے اور آتے جاتے رہو۔

١٢- ﴿ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا ﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ﴿ شِدَادًا ﴾ "شَدِيْدَةٌ" کی جمع ہے یعنی مضبوط و قوی اور مستحکم بنائے تا کہ مختلف زمانوں کا بار بار گزرنا ان میں اثر انداز نہ ہو سکے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے

تمہارے اوپر بہت موٹے سات آسمان بنادیے ہیں جن میں سے ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

۱۳۔ ﴿وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾ اور ہم نے ایک انتہائی گرم اور روشن ترین چراغ بنایا یعنی وہ روشنی اور حرارت و گرمی کا جامع ہے اور اس روشن ترین چراغ سے سورج مراد ہے۔

۱۴ تا ۱۶۔ ﴿وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے بہت زیادہ موسلا دھار بارش برسائی یعنی ایسے بادل جب انہیں نچوڑا جائے یعنی قریب ہے کہ تیز ہوائیں انہیں نچوڑیں تو وہ بارش برسا دیں اور اسی سے یہ مقولہ ماخوذ ہے: ''اَعْصَرَتِ الْجَارِيَةُ'' نوخیز لڑکی (خونِ حیض کی وجہ سے) نچوڑ دی جائے گی' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نوخیز لڑکی کے ایامِ ماہواری قریب آ چکے ہوں' یا پھر ''اَلْمُعْصِرَاتِ'' سے ''رِيَاحٌ'' (یعنی ہوائیں) مراد ہیں کیونکہ یہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف انہیں لے جاتی ہیں' سو اس لیے یہ درست ہے کہ ہواؤں کو بارشوں کے نزول کا مبداء قرار دیا جائے اور بے شک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ آسمان سے پانی اٹھا کر بادلوں کی طرف لے جاتی ہیں' اور ''مَآءً ثَجَّاجًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے برسنے والا پانی ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے نکالیں (یعنی) تاکہ ہم بارش کے پانی کے سبب گندم اور جو وغیرہ دانے دار اناج اُگائیں ﴿وَّنَبَاتًا﴾ اور گھاس اور چارہ وغیرہ ﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ اور گھنے باغات (یعنی) ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے درخت [''الفاف'' کا واحد ''لِفٌّ'' ہے جیسے ''اَجْذَاعٌ'' کا واحد ''جِذْعٌ'' ہے یا اس کا واحد ''لَفِيْفٌ'' ہے جیسے ''شریف'' اور ''اشراف'' ہے یا پھر اس کا کوئی واحد نہیں ہے جیسے ''اَوْزَاعٌ'' ہے یا یہ جمع الجمع ہے یعنی ''لَفٌّ'' کی جمع ''لُفَّاءٌ'' ہے اور ''لُفَّاءٌ'' کی جمع ''اَلْفَافٌ'' ہے جس کا مطلب ہے: گھنے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے درختوں کے باغ' اور ''اَلَمْ نَجْعَلْ'' سے ''اَلْفَافًا'' تک وقف نہیں ہے البتہ ''اَوْتَادًا'' اور ''مَعَاشًا'' پر وقف ضروری ہے]۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾
وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ
جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا
يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع

بے شک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہو چکا ہے ○ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج ہو کر آؤ گے ○ اور آسمان کو کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے ○ اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا تو وہ پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکیلے ریتے کی طرح ہو جائیں گے ○ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے ○ سرکشوں کے لیے وہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ○ جس

میں وہ ہمیشہ رہیں گے O وہ اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے والی چیز کا O مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی ہوئی پیپ O یہ (ان کے اعمال کے) موافق بدلہ ہے O بے شک وہ حساب کی اُمید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بھرپور جھٹلایا O اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے O پس اب تم (اپنی سزا کا مزہ) چکھو سو ہم تمہارے لیے عذاب کے ماسوا کچھ نہیں بڑھائیں گے O

قیامت کے ہولناک منظر اور کفار کی سزاؤں کا بیان

۱۷- ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ بے شک نیکوں اور بُروں اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے اور اس کا وقت معین و محدود ہے اور انسانوں کو ان کے اعمال پر جزاء وسزا دینے کے لیے اس دن کی انتہاء معلوم ومقرر ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک فیصلہ کا دن نیک اعمال پر اجر وثواب اور بُرے اعمال پر عقاب وعذاب دینے کے لیے مقرر ومعین کردہ وعدہ ہے۔

۱۸- ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا﴾ جس دن صور میں (یعنی) پھونک مارنے کے آلہ نورانی سینگ میں پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ بن کر مختلف جماعتوں یا مختلف امتوں یا ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ چلے آؤ گے ["يَوْمَ يُنْفَخُ" یا تو "يَوْمَ الْفَصْلِ" سے بدل واقع ہو رہا ہے یا پھر اس کا عطف بیان ہے]۔

۱۹- ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ﴾ اور اس روز فرشتوں کے اُترنے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا (یعنی) شگافوں کے ساتھ پھٹ جائے گا ﴿فَكَانَتْ اَبْوَابًا﴾ سو اس میں بہت سے دروازے اور راستے اور شگاف بن جائیں گے حالانکہ آج اس میں کسی قسم کے شگاف نہیں ہیں۔

۲۰- ﴿وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ﴾ اور پہاڑوں کو زمین کی سطح سے بلند کر کے فضاء میں اُڑا کر چلا دیا جائے گا ﴿فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ سو وہ دور سے پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکتے ریتے کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۱- ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے (یعنی) یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کے اوپر تمام مخلوق نے گزر کر جانا ہے' سو مسلمان تو صرف اس کے اوپر سے گزر کر چلے جائیں گے اور کفار اس میں داخل کیے جائیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "مِرْصَاد" وہ حد ہے جس میں انتظار ہوتا ہے یعنی وہ سرکشوں کی حد ہے' جس میں عذاب دینے کے لیے کفار کا انتظار کیا جاتا ہے اور یہی جہنم ان کا ٹھکانا ہے یا یہ کہ یہ جہنم اہل جنت کے لیے بھی انتظار گاہ ہے کیونکہ اس کے پاس فرشتے اہل جنت کا استقبال کرنے کے لیے ان کا انتظار کرتے ہوں گے' اس لیے کہ بے شک جنتیوں نے دوزخ کے اوپر قائم پل صراط سے گزرنا ہے۔

۲۲- ﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾ سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے (یعنی) کافروں کے لیے (دنیا سے) واپس لوٹ کر جانے کا ٹھکانا ہے۔

۲۳- ﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ وہ لوگ اس دوزخ میں غیر متناہی زمانوں تک ٹھہریں گے۔ "اَحْقَابٌ"، "حُقْبٌ" کی جمع ظرف ہے جس کا معنی زمانہ اور دہر ہے اور اس سے محدود ومعین زمانہ مراد نہیں ہوتا بلکہ دوام واستمرار اور ہمیشہ کا زمانہ مراد ہوتا ہے' چنانچہ جب بھی ایک زمانہ گزرتا ہے تو اس کے متصل دوسرا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ بغیر کسی انتہاء کے مسلسل جاری رہتا ہے اور "حُقُبٌ" اور "حُقْبَةٌ" جب بھی استعمال ہوتے ہیں تو مسلسل ولگاتار زمانے مراد ہوتے ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ "حقب" کا معنی اسی سال ہے اور بعض علمائے کرام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا

گیا تو انہوں نے بیس سال کے بعد جواب دیا: ''لابثین فِیْھَا اَحْقَابًا'' کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۴- ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ وہ لوگ اس (دوزخ) میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مزہ چکھیں گے یعنی کسی چیز کا مزہ نہیں چکھیں گے [یہ ''لَابِثِیْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے] پھر جب یہ ''احقاب'' یعنی مدت ہائے دراز پر مشتمل یہ زمانے ختم ہوں گے جن میں کافروں کو ٹھنڈک اور ہر قسم کے مشروبات کے مزے چکھنے سے محروم رکھا گیا تو ان کو دوسرے زمانوں میں دیگر عذابوں میں مبتلا کر دیا جائے گا اور یہ زمانے در زمانے عذابوں کے ساتھ بدلتے رہیں گے کبھی ختم نہ ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ ''احقاب'' ماخوذ ہے ''حَقِبَ عَامُنَا'' سے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سال بارش کم برسی ہو اور اس سال خیر و برکت کم ہو گئی ہو نیز یہ ''حَقِبَ فُلَانٌ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شخص رزق سے محروم ہو جاتا ہے [پس یہ ''حُقُبٌ'' ہے اور اس کی جمع ''اَحْقَابٌ'' ہے اور اس کی نصب حال واقع ہونے کی بناء پر ہے یعنی ''لَابِثِیْنَ فِیْھَا حَقِبِیْنَ'' ہے اور ''لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا'' اس کی تفسیر ہے]۔

۲۵- ﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا﴾ مگر گرم ترین کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کی پیپ پئیں گے یعنی سرکش کفار دوزخ میں یا غیر متناہی زمانوں میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ آرام پائیں گے۔ ''بَرْدًا'' (ٹھنڈک) سے ایسا آرام مراد ہے جس کی وجہ سے دوزخ کی آگ کی حرارت وگرمی کفار سے دور ہو جائے یا اس سے نیند مراد ہے جس کی وجہ سے سونے والے کو آرام و سکون نصیب ہوتا ہے اور اسی سے ''منع البرد'' ماخوذ ہے یعنی آرام و سکون ختم ہو گیا اور نہ کفار دوزخ میں کسی قسم کے مشروب کا مزہ چکھیں گے جس کی وجہ سے انہیں پیاس سے تسکین حاصل ہو سکے بلکہ وہ دوزخ میں گرم ترین کھولتا ہوا پانی پئیں گے جو جن اعضاء سے گزرتا جائے گا انہیں جلاتا جائے گا اور وہ دوزخیوں کے جسموں سے بہتی ہوئی پیپ پئیں گے [یہ استثناء منقطع ہے اور ابو بکر کوفی کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ''غَسَّاقًا'' کی سین مشدد پڑھی جاتی ہے]۔

۲۶، ۲۷- ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ پورا پور بدلہ دیا جائے گا (یعنی) کفار کو ان کے اعمال کے موافق و مطابق پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ''وِفَاقًا'' مصدر ہے اور صفت کے معنی میں ہے یا پھر ''ذَا وِفَاقٍ'' ہے پھر اللہ تعالیٰ نے علت بیان کرتے ہوئے الگ مستقل جملہ استعمال کیا اور ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّھُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ بے شک وہ حساب کی اُمید نہیں رکھتے تھے (یعنی) کفار اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال پر محاسبہ کرے گا' یا یہ معنی ہے کہ وہ حشر و نشر اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان نہیں لائے تا کہ وہ حساب و کتاب کی اُمید رکھیں۔

۲۸- ﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا﴾ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو پورا پورا جھٹلایا [''كِذَّابًا''، ''تَكْذِیْبٌ'' کے معنی میں ہے اور ''فِعَّال'' کا استعمال باب تفعیل میں عام شائع ہے]۔

۲۹، ۳۰- ﴿وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا﴾ اور ہم نے ہر چیز کو شمار کر کے لکھ رکھا ہے [''كُلَّ شَیْءٍ'' فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اَحْصَیْنَا'' اس مضمر فعل کی تفسیر کر رہا ہے اور ''كِتَابًا''، ''مکتوب'' کے معنی میں ہے یعنی ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے' یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مصدر ہے اور ''اِحْصَاءً'' کی جگہ میں استعمال ہوا ہے یا ''اَحْصَیْنَا'' بہ معنی ''كَتَبْنَا'' ہے اس لیے کہ ''اِحْصَاءٌ''، ''کتابت'' کے معنی میں عموماً استعمال ہوتا رہتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿فَذُوْقُوْا﴾ کفار کے اس کفر کا مسبب ہے جو حساب و کتاب اور حشر و نشر اور آیاتِ الٰہیہ کے جھٹلانے کے سبب ان سے صادر ہوا] یعنی پس تم اپنے کفریہ اعمال کی سزا کا مزہ چکھو اور غائب سے خطاب کی طرف عدول غضبِ خدا کی

شدت کی دلیل ہے ﴿فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ سو ہم تو صرف تمہارا عذاب ہی بڑھائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے، کہ قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ دوزخیوں پر سب سے زیادہ شدید وسخت ہے[1]۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (۳۱) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (۳۲) وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۳۳) وَّكَاْسًا دِهَاقًا (۳۴) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (۳۵) جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (۳۶) رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (۳۷)

بے شک نجات وکامیابی صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے○ باغات اور انگور ہیں○ اور نوجوان ہم عمر لڑکیاں ہیں○ اور بھر پور چھلکتے ہوئے جام ہیں○ وہ اس میں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات (سنیں گے)○ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے کامل جزاء (اور) کافی عطا ہے○ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے بے حد مہربان ہے وہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے○

پرہیز گاروں کے انعام، رب تعالیٰ کی شان اور کافروں کی حسرت کا بیان

۳۱- ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا﴾ بے شک پرہیز گاروں کے لیے ہی نجات وکامیابی ہے۔ ''مَفَازًا'' ''مَفْعَلٌ'' کے وزن پر مصدر میمی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے یعنی پرہیز گاروں کے لیے تمام مکروہ وناپسندیدہ چیزوں سے نجات اور تمام محبوب ومطلوب اور پسندیدہ چیزوں کے ساتھ کامیابی ہے اور ''مَفَازًا'' ظرف مکان کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ جنت ہے۔

۳۲- ﴿حَدَآئِقَ﴾ باغات ہیں (یعنی) اس جنت میں مختلف انواع واقسام کے پھل دار درختوں کے باغات ہیں [''حدائق''، ''حديقة'' کی جمع ہے اور یہ ''مَفَازًا'' سے بدل البعض ہے] ﴿وَاَعْنَابًا﴾ اور انگور ہیں [اور یہ ''حدآئق'' پر معطوف ہے]۔

۳۳- ﴿وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا﴾ اور نوجوان ہم عمر لڑکیاں۔ ''كَوَاعِبَ'' کا معنی ہے: اُبھرتے ہوئے دائرہ دار پستانوں والی اٹھتے جوبن والی کنواری لڑکیاں، اور ''اَتْرَابًا'' کا معنی ہے: ہم عمر وہم سن اور ہم جولی لڑکیاں، جو ولادت وپیدائش اور نشوونما میں برابر ہوں۔

۳۴- ﴿وَّكَاْسًا دِهَاقًا﴾ اور چھلکتے ہوئے جام۔ ''كَاْسٌ'' کا معنی ہے: گلاس، جام اور پیالہ، اور ''دِهَاقًا'' کا معنی ہے: بھرا ہوا چھلکتا ہوا (یعنی جنت میں پاکیزہ شراب کے پُر چھلکتے جام پیش کیے جائیں گے)۔

۳۵- ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ وہ جنت میں کوئی لغو اور باطل وبے ہودہ بات نہیں سنیں گے ﴿وَّلَا كِذّٰبًا﴾ اور نہ وہ بہت جھوٹی بات سنیں گے یعنی وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں سنیں گے یا یہ کہ وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے [قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی ہے: جھٹلانا، اور یہ پورا جملہ ''اِنَّ'' کی خبر کی ضمیر سے حال

[1] رواہ ابن ابی حاتم والثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۶۹۰)

واقع ہو رہا ہے]۔

٣٦- ﴿جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ﴾ مصدر ہے ''اَیْ جَزَاھُمْ جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ'' یعنی آپ کے پروردگار کی طرف سے انہیں پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا ﴿عَطَآءً حِسَابًا﴾ نہایت کافی انعام و بخشش یا یہ کہ انہیں ان کے اعمال پر کافی اور وافر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا [''عَطَآءً'' مصدر ہے یا ''جَزَآءً'' سے بدل ہے اور ''حسابا'' اس کی صفت ہے]۔

٣٧- ﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ﴾ وہ تمام آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے' وہ بے حد مہربان ہے [ابن عامر شامی اور عاصم کوفی کی قراءت میں ''رَبِّكَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے اور جن قراء کے نزدیک مرفوع پڑھا گیا ہے ان کے نزدیک ''رَبُّ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ خود مبتدا ہے اور ''رَحْمٰنُ'' اس کی خبر ہے یا اس کی صفت ہے اور ﴿لَا یَمۡلِکُوۡنَ﴾ اس کی خبر ہے یا پھر یہ دونوں خبریں ہیں اور ''لَا یَمْلِكُوْنَ'' میں ضمیر ''اَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ﴿مِنۡہُ خِطَابًا﴾ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے باشندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے عذاب سے نجات کے لیے کسی کی شفاعت کی بات نہیں کر سکیں گے مگر اس کی اجازت کے بعد' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کی وجہ سے کوئی شخص اس سے مخاطب ہونے کی قدرت و اختیار نہیں رکھے گا۔

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ۖؕ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰکُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚۖ یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَیَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

جس دن روح الامین (حضرت جبریل) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے' وہ بات نہیں کریں گے مگر وہی (بات کرے گا) جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کہے گا O وہ دن برحق ہے' سو جو شخص چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف ٹھکانا بنالے O بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' جس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: ہائے افسوس! کاش! میں مٹی ہو جاتا O

٣٨- ﴿یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا﴾ جس دن روح الامین اور تمام فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ''الروح'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''الروح'' سے سب سے بڑا فرشتہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے بعد کوئی مخلوق اس فرشتے سے بڑی پیدا نہیں فرمائی [اگر ''یَوْمَ یَقُوْمُ'' کو ''لَا یَمْلِكُوْنَ'' کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ''خِطَابًا'' پر وقف نہیں کیا جائے گا اور اگر اسے ''لَا یَتَكَلَّمُوْنَ'' کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ''خِطَابًا'' پر وقف کیا جائے گا اور ''صَفًّا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ﴾ وہ لوگ بات نہیں کر سکیں گے یعنی تمام خلائق اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہاں بات نہیں کر سکیں گے ﴿اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ﴾ مگر جس کو اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم بات کرنے کی یا شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرما دے گا (تو وہی بات اور

شفاعت کرے گا) ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ اور اس نے حق اور سچ کہا ہو اور وہ اس طرح کہ جس کی شفاعت کرنی ہے اس نے دنیا میں ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار و اعتراف کیا ہو یا یہ معنی ہے کہ شفاعت کی اجازت صرف اسی کو دی جائے گی جو شفاعت کے معاملہ میں صحیح اور سچی بات کرے گا۔

۳۹۔ ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ وہ دن برحق ہے اس کا وقوع پذیر ہونا متحقق و ثابت اور واجب و لازم ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ سو جو شخص چاہے وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا ٹھکانا بنالے۔

۴۰۔ ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ اے کافرو! بے شک ہم نے عنقریب آخرت میں آنے والے عذاب سے تمہیں ڈرسنا دیا ہے کیونکہ جو یقیناً آنے والا ہے وہ قریب ہے ﴿يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ اس دن آدمی دیکھے گا یعنی کافر دیکھے گا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّـآ اَنْـذَرْنـٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا'' بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے ﴿مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ ہر وہ برا کام جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ذُوْقُـوْا عَـذَابَ الْحَرِيْقِ○ذٰلِكَ بِـمَا قَـدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ'' (آل عمران:۱۸۱۔۱۸۲) ''تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو○ یہ ان برے اعمال کی وجہ سے ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' اور ہاتھوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر و بیشتر اعمال انہیں ہاتھوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں' اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہے ان میں ہاتھوں کا دخل نہ ہو ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ﴾ اور کافر کہے گا (کاش! میں مٹی ہو جاتا) [اسم ظاہر ''الکافر'' کو اسم مضمر کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ کافروں کی مذمت میں اضافہ ہو جائے یا ''اَلْمَرْءُ'' عام ہے (جو مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے) اور اس میں سے ''اَلْكَافِرُ'' کو خاص کر لیا گیا ہے اور ''مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ'' سے ہر عمل مراد ہے خواہ نیک ہو خواہ برا ہو یا پھر ''اَلْمَرْءُ'' سے مؤمن مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ''اَلْكَافِرُ'' کا ذکر ہے اور ''مَا قَدَّمَتْ'' سے نیک عمل مراد ہے اور حرف ''مَا'' استفہامیہ ہے جو ''قَدَّمَتْ'' کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مؤمن دیکھے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کون سے نیک عمل آگے بھیجے ہیں یا پھر ''مَا'' اسم موصول ہے جو ''يَنْظُرُ'' کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ''نَظَرْتُهُ'' کہا جاتا ہے یعنی میں نے اس کی طرف دیکھا اور لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' اصل میں ''قَدَّمَتْهُ'' ہے] ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ اے کاش! میں دنیا میں ہی مٹی ہو جاتا اور مجھے پیدا نہ کیا جاتا اور نہ مجھے مکلف بنایا جاتا' یا یہ معنی ہے کہ کاش! میں آج اس دن مٹی ہو جاتا اور مجھے زندہ کر کے نہ اٹھایا جاتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غیر مکلف حیوانات کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا یہاں تک کہ بے سینگ (مظلوم) جانور کے لیے سینگ والے (ظالم) جانور سے قصاص اور بدلہ لیا جائے گا' پھر اس کو واپس مٹی میں ملا دیا جائے گا' چنانچہ کافر اس کا یہ حال دیکھ کر اپنے لیے یہی آرزو کرے گا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں ''اَلْكَافِرُ'' سے ابلیس مراد ہے' وہ تمنا کرے گا کہ کاش! وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے پیدا کیا جاتا تا کہ اس کی مؤمن اولاد کو بھی اجر و ثواب عطا کیا جاتا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ النّزعٰت مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چھیالیس آیات دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤

(کافر کی) روح سختی سے کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! ○ اور (مؤمن کی) جان نہایت نرمی سے قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم! ○ اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! ○ پھر خوب آگے بڑھنے والے فرشتوں کی قسم! ○ پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! (تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا) ○ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی ○ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○ اس دن بہت سے دل دھڑکتے ہوں گے ○ ان کی آنکھیں (خوف کے مارے) جھکی ہوئی ہوں گی ○ وہ کہتے ہیں: کیا ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے ○ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ وہ کہتے ہیں: پھر تو یہ بڑے نقصان کی واپسی ہوگی ○ سو بے شک وہ تو فقط ایک جھڑک ہوگی ○ پھر وہ اچانک ایک کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے ○

مختلف تاکیدی قسموں کے ساتھ روزِ محشر کا بیان

۱ تا ۵ - ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ بہت سختی سے جان کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! ○ اور بہت نرمی سے جان نکالنے والے فرشتوں کی قسم! ○ اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! ○ پھر بہت جلد آگے بڑھ جانے والے فرشتوں کی قسم! ○ پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! ○ یاد رہے کہ یہاں تک ہر آیت پر وقف نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں آخر میں ''اَمْرًا'' پر وقف کرنا لازم اور واجب ہے کیونکہ اگر وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''(یَوْمَ تَرْجُفُ) اَلْمُدَبِّرَات'' کا ظرف بن جائے گا حالانکہ اس روز تو فرشتوں کی تدبیر ختم ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات میں فرشتوں کے ان تمام گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو بہت سختی کے ساتھ کھینچنے میں ڈوب کر کفار کی ارواح ان کے اجسام سے سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں یعنی بڑی سختی سے جسموں کے تمام اعضاء اور تمام جوڑوں سے روحوں کو کھینچ لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں، پاؤں اور ان کی انگلیوں اور ان کے ناخنوں سے بھی کھینچ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مؤمنوں کے اجسام کے تمام بند نہایت نرمی اور آسانی کے ساتھ

کھول دیتے ہیں یعنی ان کی ارواح کو نہایت نرمی و آسانی سے ان کے اجسام سے نکال لیتے ہیں اور ''نَاشِطَات'' ''نُشِطَ الدَّلْوُ مِنَ الْبِئْرِ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کنویں سے ڈول نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مرنے والوں کی ارواح کو لے کر تیرتے ہوئے گزرتے ہیں یعنی بہت تیزی کے ساتھ لے جاتے ہیں' پھر انہیں لے کر وہاں تک بڑھ جاتے ہیں جہاں تک انہیں حکم دیا جاتا ہے' پھر وہ فرشتے بندوں کی بھلائی کے لیے ان کے دینی اور دنیاوی اُمور کی اسی طرح تدبیر کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم کیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور غازیوں کے جہادی گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں جو بہت زور آور ہوتے ہیں' جن کی لگامیں خوب زور لگا کر کھینچی جاتی ہیں' چونکہ وہ عربی نسل گھوڑے ہوتے ہیں' اس لیے ان کی گردنیں طویل اور دراز ہوتی ہیں اور ان کی لگامیں خوب زور سے کھینچی جاتی ہیں اور ان گھوڑوں کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں' جو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف نکلتے ہیں یعنی جو اسلامی مملکت سے کفرستان کی طرف میدانِ جنگ میں لڑنے کے لیے روانہ کیے جاتے ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''ثَوْرٌ نَاشِطٌ'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بیل ایک شہر یا ملک سے دوسرے شہر یا ملک کی طرف نکلتا ہے اور روانہ ہوتا ہے اور جو اپنی رفتار میں تیرتے ہوئے بھاگتے ہیں' پھر اپنی منزلِ مقصود کی طرف تیزی سے آگے بڑھ جاتے ہیں' پھر دشمنانِ دین پر فتح و کامیابی حاصل کرنے اور غلبہ پانے کی تدبیر کرتے ہیں اور تدبیر کی نسبت ان کی طرف محض اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اس کے اسباب میں سے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی قسمیں اٹھائی ہیں جنہیں مشرق سے مغرب کی طرف کھینچا جاتا ہے اور ان کے کھینچنے میں خوب زور لگایا جاتا ہے' اس لیے وہ تمام آسمان کو قطع کرتے ہوئے عبور کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مغرب کے انتہاء میں غروب ہو جاتے ہیں اور وہ ستارے جو ایک برج سے نکل کر دوسرے برج کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ سیارے جو آسمان میں تیرتے رہتے ہیں' پھر وہ آگے بڑھ جاتے ہیں پھر علم حساب کے مطابق دینی اور دنیاوی اُمور کی تدبیر کی جاتی ہے اور ان قسموں کا جواب محذوف و مخفی ہے اور وہ ہے ''لَتُبْعَثُنَّ'' کہ تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا کیونکہ اس کے بعد قیامت کے دن کا تذکرہ اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

۶- ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی اور سخت متحرک و متزلزل ہو گی' اور ''رَجْفٌ'' کا معنی ہے: شدید و سخت ترین حرکت و زلزلہ اور ''اَلرَّاجِفَةُ'' سے نفخۂ اوّل (پہلا صور پھونکنا) مراد ہے اور اس کو ایسے وصف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے حدوث سے ہر چیز حادث ہو جائے گی کیونکہ اسی نفخہ کی وجہ سے پوری روئے زمین تھرتھرائے گی اور لرزنے لگ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے تمام باشندے ہلاک و فنا ہو جائیں گے اور سب کے سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۷- ﴿تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی' اس سے نفخۂ ثانی (دوبارہ صور پھونکنا) مراد ہے کیونکہ یہ پہلے کے بعد آئے گا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہو گا اور پہلی مرتبہ صور میں پھونکنے سے تمام مخلوق موت کی آغوش میں چلی جائے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور چالیس سال کے بعد دوسری مرتبہ صور میں پھونکنے سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔

۸- ﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾ اس روز قیامت کے منکروں کے دل مضطرب و لرزتے اور دھڑکتے ہوں گے۔ ''وَاجِفَةٌ''' ''وَجِيْفٌ'' سے لیا گیا ہے اور یہ ''وَجِيْب'' کے ہم معنی ہے یعنی خوف و پریشانی کی وجہ سے دل کا گھبرانا اور مضطرب و بے قرار ہونا [''يَوْمَ تَرْجُفُ'' کا منصوب ہونا اس فعل کی وجہ سے ہے جس پر ''قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ''

دلالت کرتا ہے یعنی جس دن دل تھرتھرائیں گے اور لرزیں گے اور ''قُلُوْبٌ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''وَّاجِفَةٌ'' اس کی صفت ہے اور (درج ذیل آیت یعنی) ''اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ'' اس کی خبر ہے]۔

۹۔ ﴿ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴾ ان کی آنکھیں یعنی قیامت کے منکروں کی آنکھیں قیامت کے دن کا ہولناک منظر دیکھ کر عاجز و ذلیل ہو کر نیچے جھکی ہوئی ہوں گی۔

۱۰، ۱۱۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ ﴾ وہ کہتے ہیں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا انکار کرنے والے کفار حشر و نشر کا مذاق اڑانے اور انکار کرنے کے لیے دنیا میں کہتے ہیں کہ ﴿ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ﴾ کیا ہم یقیناً اُلٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے۔ یہ استفہام وسوال انکار کے معنی میں ہے یعنی کیا ہم مرنے کے بعد پہلی حالت کی طرف پلٹائے جائیں گے چنانچہ ہم اسی طرح زندہ ہو کر لوٹیں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے اور ''حَافِرَةٌ'' کا معنی ہے: پہلی حالت' جب کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو اور اس سے نکل جائے' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹ آئے تو کہا جاتا ہے: ''رَجَعَ اِلٰی حَافِرَتِهٖ'' یعنی وہ شخص اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا' اور کہا جاتا ہے کہ ''اَلنَّقْدُ عِنْدَ الْحَافِرَةِ'' یعنی نقد پہلی حالت کے وقت ہوتا ہے اور وہ سودا طے کرنے کا وقت ہے' بہرحال کفار نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا' پھر انہوں نے اس کو بہت زیادہ بعید اور محال قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ ﴿ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴾ کیا جب ہم پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟ [امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ''نَاخِرَةً'' پڑھا جاتا ہے جب کہ ''فَعِلٌ''، ''فَاعِلٌ'' سے زیادہ بلیغ ہے اور ''اِذَا'' فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ ''نُبْعَثُ'' ہے] اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے جب کہ ہم اس وقت پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے۔

۱۲۔ ﴿ قَالُوْا ﴾ انہوں نے یعنی حشر و نشر کے منکروں نے کہا: ﴿ تِلْكَ ﴾ یہ ہمارا لوٹ کر جانا ﴿ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴾ تب تو نقصان دہ پلٹنا ہوگا (یعنی) گھاٹے والا رجوع ہوگا یا لوٹنے والا نقصان و خسارہ پانے والے ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے اور ہمیں ہر حال میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا ہے تو پھر ہم خسارے میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو جھٹلایا ہے' اور یہ لوگ یہ مقولہ بھی مذاق اُڑانے کے لیے کہتے تھے۔

۱۳۔ ﴿ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾ سو بے شک وہ تو صرف ایک جھڑک ہوگی [یہ محذوف کے متعلق ہے] یعنی تم اس دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے کو اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہ سمجھو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہت آسان ہے' سو یہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ' اس سے نفخہ ثانی (دوسری مرتبہ صور میں پھونکنا) مراد ہے اور یہ ''زَجْرُ الْبَعِیْرِ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص اونٹ کو جھڑک اور ڈانٹ دے۔

۱۴۔ ﴿ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴾ پس اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے (یعنی) پس وہ لوگ زندہ ہو کر زمین کی بالائی سطح کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ وہ اس سے پہلے زمین کے پیٹ میں مُردہ تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک جانب شام کے علاقہ میں ایک معین و مقرر زمین ہے' جہاں حشر برپا ہوگا یا خود بیت المقدس مراد ہے یا پھر سرزمین مکہ مکرمہ مراد ہے یا دوزخ مراد ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِیَكَ

إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾ ع ۴

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ؟O جب انہیں ان کے پروردگار نے طویٰ کی پاک وادی میں پکاراO کہ فرعون کے پاس جائیں بے شک وہ سرکش ہو چکا ہےO سو آپ اس سے کہیں کہ کیا تجھے پاک ہونے کی طرف رغبت ہے؟O اور میں تجھے تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں' سو تو ڈرےO پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائیO سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کیO پھر اس نے پیٹھ پھیر لی (اور مخالف) کوشش کرنے لگاO سو اس نے لوگوں کو جمع کر لیا' پھر پکاراO اور کہنے لگا: میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوںO پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں پکڑ لیاO بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو خوفِ خدا رکھتا ہےO

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور فرعون کی سرکشی وانجام کا بیان

۱۵- ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچ چکی ہے؟ یہ استفہام ایک تنبیہ پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ یہ خبر ان چیزوں میں سے ہے جن کا شائع کرنا اور سنانا واجب ہے (تاکہ کفارِ مکہ عبرت حاصل کریں اور تکذیب وانکار سے باز آ جائیں) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی عظمت وبڑائی کا اظہار ہے۔

۱۶- ﴿إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے مبارک اور پاک وادی میں پکارا ﴿طُوًى﴾ جس کا نام طویٰ ہے۔

۱۷- ﴿اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾ آپ فرعون کے پاس جائیں' یہاں قول محذوف مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے موسیٰ!) آپ فرعون کے پاس جائیں ﴿إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس نے کفر وانکار اور فتنہ وفساد میں حد سے تجاوز کر لیا ہے۔

۱۸- ﴿فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ﴾ سو آپ اسے کہیں کہ کیا تجھے اس طرف رغبت ہے کہ تو ایمان واطاعت اختیار کر کے کفر وشرک اور نافرمانی وگناہوں سے پاک ہو جائے [حجازی قراء کی قراءت میں کاف کے ساتھ ''زا'' کو بھی مشدد ''تزّکّی'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۹- ﴿وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ اور میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کروں اور میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کر کے اس کی معرفت وپہچان کی طرف تیری رہنمائی کر دوں تاکہ تو اسے اچھی طرح پہچان لے ﴿فَتَخْشَىٰ﴾ اور تو اس سے ڈر جائے کیونکہ خشیت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' (فاطر:۲۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم اور معرفت رکھنے والے اس سے ڈرتے ہیں اور بعض حکماء سے منقول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو' سو

جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ لمحہ بھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کر سکے گا' پس خشیت اور خوفِ الٰہی ہر کام کی بنیاد ہے' چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا وہ ہر بھلائی کو اپنائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو جائے گا' وہ ہر برائی کے ارتکاب پر جرأت کرتا رہے گا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ڈرتا ہے' وہ شروع رات کو سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور جو شخص شروع رات میں سفر کرتا ہے' وہی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے[1]۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو استفہام کے ساتھ خطاب کے آغاز کا حکم دیا' جس کا معنی عرض کرنا اور گزارش کرنا ہے جیسا کہ کوئی آدمی اپنے مہمان سے کہتا ہے: ''هَلْ لَّكَ اَنْ تَنْزِلَ بِنَا؟'' کیا تم ہمارے پاس ٹھہرو گے؟ اور اس گزارش کے بعد نرم گفتگو کرتا ہے تاکہ مہمان نرم و ملائم گفتگو کی وجہ سے اس کی دعوت قبول کر لے اور نفرت و انکار کی بجائے محبت و شفقت کے ساتھ ٹھہر جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں اسی کا حکم دیا ہے: ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا'' (طٰہٰ: ۴۴) ''سو تم دونوں اس (فرعون) سے نرم و ملائم بات کہو''۔

۲۰- ﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾ سو (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو اپنا عصا یا پھر عصا اور روشن ہاتھ کا معجزہ دکھایا کیونکہ یہ دونوں معجزے ایک نشانی کے حکم میں ہیں۔

۲۱- ﴿فَكَذَّبَ﴾ پس اس نے جھٹلایا (یعنی) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بڑی نشانی کو جھٹلایا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور اس نشانی کو جادو قرار دیا ﴿وَعَصٰى﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

۲۲- ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیٹھ پھیر لی ﴿يَسْعٰى﴾ (اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اپنی فریب کاریوں میں مشغول ہو گیا اور آپ کی مخالفت کی کوشش شروع کر دی یا جب فرعون نے عصا کو اژدھا بنا ہوا دیکھا تو اس نے خوف زدہ ہو کر پیٹھ پھیر لی اور بھاگ پڑا جب کہ فرعون غصہ کا تیز' عقل کا کمزور اور چھچھورے پن والا تھا۔

۲۳'۲۴- ﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى﴾ پھر فرعون نے تمام جادوگروں اور اپنے تمام لشکر کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس مقام میں سب کو جمع کر کے بہ آوازِ بلند پکار کر اعلان کیا: ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ اور کہا کہ میں تم سب کا سب سے بڑا خدا ہوں' مجھ سے بڑھ کر تمہارا کوئی خدا نہیں جب کہ فرعونیوں کے پاس بتوں کی بھرمار تھی' جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

۲۵- ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی اور ''نکال'' بہ معنی ''تنکیل'' ہے جیسے سلام بہ معنی تسلیم آتا ہے اور اس کی نصب (زبر) مصدر کی بناء پر ہے کیونکہ ''اَخَذَ'' بہ معنی ''نَكَّلَ'' ہے گویا کہا گیا ہے کہ ''نَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ (نَكَالَ الْاٰخِرَةِ) اَیِ الْاِحْرَاقِ'' اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی یعنی دوزخ کی آگ میں جلایا ﴿وَالْاُوْلٰى﴾ اور دنیا میں سمندر میں غرق کرنے کی سزا دی یا یہ کہ فرعون کو اس کے دو کلمات کہنے پر سزا دی گئی اور اس کا پہلا کلمہ (یعنی پہلا دعویٰ) یہ تھا: ''مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ'' (القصص: ۳۸) ''میں اپنے ماسوا تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں جانتا'' اور فرعون کا دوسرا کلمہ (یعنی دوسرا دعویٰ) یہ تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' ''میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں' اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال یا تیس سال یا پھر بیس سال کا فاصلہ تھا۔

۲۶- ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ بے شک مذکورہ بالا واقعہ میں ہر اس شخص کے لیے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر رکھتا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی فی کتاب القیامۃ' باب: ۱۸' رقم الحدیث: ۲۴۶۷

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ
لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا
مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ
بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا' اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہےO اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند کیا' پھر اس کو ہموار بنایاO اور اس کی راتوں کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو روشن بنایاO اور اس کے بعد زمین کو پھیلایاO اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالاO اور پہاڑوں کو اس میں نصب کیاO تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیےO پھر جب سب سے بڑی غالب مصیبت آجائے گیO اس دن انسان اسے یاد کرے گا جو کچھ اس نے کوشش کی ہو گیO اور دوزخ ہر اس شخص کے لیے ظاہر کر دی جائے گی جو دیکھتا ہو گاO سو جس شخص نے سرکشی کیO اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دیO تو بلاشبہ دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہےO

قدرتِ الٰہی' نیک و بد کا انجام اور قیامت کا تذکرہ

۲۸'۲۷- ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ﴾ اے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے اور حشر و نشر کے منکرو! کیا تمہیں پیدا کرنا اور پروان چڑھانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا [''اَلسَّمَآءُ'' مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں ''اَمِ السَّمَآءُ اَشَدُّ خَلْقًا'' ہے] یعنی یا آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت مشکل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس نے آسمان کو کیسے پیدا فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿بَنٰهَا﴾ ''اَیِ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کو بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند و بالا کیا' اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلندی کی طرف آسمان تک پہنچنے کی مقدار کو پانچ سو سال کی مسافت کے برابر بلند پیدا کیا ہے ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار اور برابر بنایا ہے' اس میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ کوئی رخنہ اور شکن ہے۔

۲۹- ﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی رات کو تاریک بنایا۔ ''اَغْطَشَ'' بہ معنی ''اَظْلَمَ'' ہے جس کا معنی ہے: اس نے تاریک بنایا ﴿وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا﴾ اور اس کی روشنی کو نکالا (یعنی) اس کے سورج کی روشنی کو ظاہر فرمایا' اور رات اور سورج کی اضافت و نسبت آسمان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ رات آسمان کا سایا ہے اور سورج اس کا چراغ ہے۔

۳۱'۳۰- ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور زمین پہلے پیدا کی جا چکی تھی' لیکن اسے تمام اطراف میں پھیلایا اور بچھایا نہیں گیا' پھر آسمان کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد مکہ مکرمہ کی جگہ سے (ہر طرف شرقاً غرباً جنوباً شمالاً) پھیلایا گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کے پھیلانے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا﴾

اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں سے اس کا پانی نکالا (یعنی) اس میں سے پانی کے چشمے جاری فرما دیئے ﴿وَمَرْعٰىهَا﴾ اور اس میں سے اس کا چارہ اور گھاس پیدا کیا [اور اس لیے ''اَخْرَجَ'' پر حرف عطف داخل نہیں کیا' یا پھر ''اَخْرَجَ'' پوشیدہ اور مضمر ''قَدْ'' کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے]۔

۳۲'۳۳- ﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں نصب اور ثابت وقائم کر دیا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے کیا ہے [''شریطة التفسیر'' کی بناء پر ''اَلْاَرْضَ''، ''دَحٰىهَا'' مضمر کی وجہ سے اور ''اَلْجِبَالَ''، ''اَرْسٰى'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہیں]۔

۳۴- ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ پھر جب بڑی آفت آ جائے گی اور ایسی بڑی عام مصیبت جو تمام مصیبتوں پر حاوی ہو جائے گی یعنی سب پر غالب ومحیط ہو جائے گی اور وہ نفخہ ثانی مراد ہے یا اس سے وہ وقت مراد ہے جس میں اہل جنت کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں لے جایا جائے گا۔

۳۵- ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ اس دن انسان وہ یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی تھی یعنی جب انسان اپنے اعمال کو اپنی نامہ اعمال کی کتاب میں لکھا ہوا دیکھے گا تو انہیں یاد کرے گا حالانکہ وہ انہیں بھول چکا ہوگا [یہ ''اِذَا جَآءَتْ'' سے بدل ہے اور ''مَا سَعٰى'' میں لفظ ''مَا'' مصدریہ ہے یعنی انسان کی کوشش یا پھر موصولہ ہے]۔

۳۶- ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے لیے ظاہر کر دی جائے گی اور اس کا ظہور مکمل و تام اور واضح ہو جائے گا۔

۳۷ تا ۳۹- ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ سو لیکن جس شخص نے سرکشی کی (یعنی) حد سے تجاوز کیا اور کفر اختیار کر لیا ﴿وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور اس نے خواہشات وشہوات کی پیروی اختیار کر کے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کی زندگی اپنا کر آخرت کو پس پشت ڈال دیا ﴿فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے [''فَاَمَّا'، فَاِذَا'' کا جواب ہے یعنی جب بڑی عام مصیبت آئے گی تو معاملہ اسی طرح ہو جائے گا اور ''اَلْمَاْوٰى'' اصل میں ''مَاْوَاهُ'' ہے اور الف لام اضافت کے بدلے میں لایا گیا ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک ہے جب کہ سیبویہ اور بصریوں کے نزدیک ''هِيَ الْمَاْوٰى لَهٗ'' ہے]۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا O تو بلاشبہ جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا O اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق O اس کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے O بے شک آپ تو صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو

اس سے ڈرتا ہےO گویا جس دن وہ اسے دیکھیں گے (تو خیال کریں گے کہ) وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کی ایک صبحO

٤٠۔﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ﴾ اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے ہر انسان کے لیے ایک مقام متعین ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو حساب دے گا ﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ اور اس نے بُرائی کا حکم دینے والے نفس (نفسِ امّارہ) کو مہلک خواہشات سے روکا یعنی اس نے نفسِ امّارہ کو شہوات کی اتباع اور پیروی کرنے سے ڈانٹ کر روکے رکھا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ آدمی مراد ہے جو گناہ کا ارادہ کرتا ہے' پھر اسے حساب کے لیے اپنا مقام یاد آ جاتا ہے تو وہ گناہ کو ترک کر دیتا ہے اور ''هَوٰى'' کا معنی ہے: نفس کا اپنی شہوات و خواہشات کی طرف راغب ہونا اور ان کی طرف مائل ہونا۔

٤١۔﴿ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ پس یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے یعنی لوٹ کر جانے کی جگہ۔

٤٢۔﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴾ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا اور وہ کب قائم ہوگی؟ یعنی اللہ تعالیٰ اسے کب قائم کرے گا اور اسے کب ثابت و برپا کرے گا؟

٤٣۔﴿ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴾ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کا بھلا اس سے کیا تعلق ہے کہ آپ کفارِ مکہ کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور انہیں قیامت کے وقوع کا وقت بتائیں یعنی آپ کا اس سے کوئی تعلق اور ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کفار کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور اس کا معین و مقرر وقت بیان کریں' جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْسَ فُلَانٌ مِنَ الْعِلْمِ فِيْ شَيْءٍ'' کہ فلاں کا علم سے کچھ تعلق نہیں ہے' اور دراصل رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قیامت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پس اس بناء پر اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے قیامت کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی بے شک کفارِ مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ان کے جواب دینے کے بہت زیادہ خواہش مند ہونے کی وجہ سے قیامت کا بہت زیادہ ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس لیے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے' بھلا آپ کے مشن سے اس کا کیا تعلق ہے (آپ کا منصب توحید و رسالت اور ضروریاتِ دین کی تبلیغ کرنا ہے' قیامت کی تاریخ اور وقت بتانا نہیں)۔

٤٤۔﴿ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴾ اس قیامت کے وقوع کے علم کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے' وہی جانتا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی' اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

---

[1] حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قربِ قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دابۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی۔ (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا پھر قیامت کے بارے میں کفار کے سوال کرنے کا انکار ہے یعنی یہ سوال کیوں اور کس لیے کیا جاتا ہے؟ پھر فرمایا:
''اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰاهَا'' حالانکہ آپ تو اس کی یاددہانیوں میں سے ایک یاددہانی کرار ہے ہیں یعنی آپ کا نبوت ورسالت کے منصب پر فائز ہو کر مبعوث کیا جانا اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں تشریف لانا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے' پس قیامت کے متعلق کفار مکہ کا سوال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس معنی کی بناء پر ''فِيْمَ'' پر وقف کیا جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ''فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰاهَا'' سوال سے متصل ہے یعنی کفار مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب قائم ہوگی اور وہ کہتے ہیں کہ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے الگ مستقل کلام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا'' اس کے علم کی انتہاء آپ کے رب تعالیٰ کی طرف ہے۔

٤٥-﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ بے شک آپ صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو قیامت کا ڈر رکھتا ہے یعنی آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کا وقت بتائیں بلکہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا کہ آپ ہر اس شخص کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس کی سختیوں سے ڈرائیں جو اس کی سختیوں سے ڈرتا ہے [یزید اور عیاش کی قراءت میں ''مُنْذِرٌ'' تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

٤٦-﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا﴾ گویا جس دن کفار مکہ اس کو یعنی قیامت کو دیکھیں گے (تو وہ خیال کریں گے کہ) ﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے تھے مگر صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح یعنی اسی شام کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
''لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً'' (الاعراف:١٨٧) ''قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی''۔
''فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○'' (الشعراء:٢٠٢) ''ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا○''۔

اگر حضور نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے مُصدق (تصدیق کرنے والے) بن کر آئے تھے' اس کے مُکذِّب (تکذیب کرنے والے) بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن مجید کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں' مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۲۹۰) واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی' پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے وقوع کا علم عطا فرما دیا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۶۵)
عارف باللہ علامہ احمد بن محمد مالکی صاوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''وَهٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِيْ اَنَّهٗ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلٰكِنْ اُمِرَ بِكَتْمِ اَشْيَآءَ مِنْهَا'' اور یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے وقوع کا وقت بتانے اور اس کی خبر دینے سے پہلے کی ہے۔ سو یہ اس بات کے منافی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبوں سے آگاہ کر دیا لیکن آپ کو ان میں سے بہت سی چیزوں کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔
(تفسیر صاوی برحاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۲۷۵' مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

صبح۔ دراصل جب کفار قیامت کی ہولناکی اور اس کی سختی کو دیکھیں گے تو وہ دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو بہت قلیل اور تھوڑا خیال کریں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ'' (یونس:۴۵) ''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ خیال کریں گے کہ) گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی صرف ایک گھڑی'' اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ'' (الکہف:۱۹) ''انہوں نے کہا: ہم ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے'' اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت ایک کامل دن کو بھی نہیں پہنچتی بلکہ دن کی دونوں طرفوں میں سے صرف ایک طرف ہے' دن کی شام یا اسی دن کی صبح۔

آیاتہا ۴۲ رکوعہا ۱	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	(۸۰) سورۃ عبس مکیۃ (۲۴)

سورۂ عبس مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی بیالیس آیات' ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝

وقف لازم

تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا○ (اس بناء پر) کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوا○ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا○ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اسے یہ نصیحت نفع دیتی○ لیکن جس نے پرواہ نہیں کی○ تو آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں○ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں کہ وہ پاک نہیں ہوتا○ اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا○ اور وہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے○ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں○ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے○ سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے○ (یہ) عزت والے صحیفوں میں ہے○ عالی قدر پاکیزہ تر ہیں○ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں○ جو بزرگ تر نیکوکار ہیں○

فقیر و نابینا صحابی کی فضیلت اور کافر مالدار کی مذمت

۱۔۲ ﴿عَبَسَ﴾ تیوری چڑھائی یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے ناگواری کی وجہ سے اپنی جبینِ سعادت پر شکن ڈالی ﴿وَتَوَلّٰٓى﴾ اور آپ نے منہ پھیر لیا اور اعراض فرمالیا ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ اس بناء پر کہ آپ کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا' اور یہ نابینا شخص حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم تھے اور ان کی دادی کا نام اُم مکتوم تھا (جس کی طرف منسوب کر کے انہیں ابن اُم مکتوم کہا جاتا ہے) اور ان کے باپ کا نام شریح بن مالک ہے۔

شانِ نزول: ایک روز حضور نبی کریم ﷺ قریش مکہ کے سرداروں کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے اور ان سے محو گفتگو تھے کہ اس دوران حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم حاضر ہوئے اور قطع کلامی کرتے ہوئے عرض کیا: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ'' اے اللہ کے رسول! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھائیں' اور انہوں نے اس کو بار بار دُہرایا کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں' چنانچہ حضرت ابن اُم مکتوم کی قطع کلامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سخت ناگوار گزری اور آپ کے چہرۂ انور پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ کی جبینِ سعادت پر شکن پڑ گئی اور آپ نے اپنا رخ زیبا ان سے پھیر لیا اور ان سے اعراض فرما لیا تو یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں' چنانچہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور ان کی آمد پر فرماتے تھے: ''مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِیْ فِیْہِ رَبِّیْ'' خوش آمدید! اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے محبوبانہ عتاب فرمایا ہے[1] اور آپ نے ان کو مدینہ منورہ میں دو دفعہ اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا[''اَنْ جَآءَهُ'' اصل میں ''لِاَنْ جَآءَهُ''

[1] واضح ہو کہ عتاب کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا' عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے غلط یا بُرے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان) کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی خلافِ اولیٰ اور ترکِ افضل کام پر لطف و کرم اور محبت و پیار سے ان کو متنبہ فرمانا' گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے' جیسا اس آیت مبارکہ میں ہے:

''عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ'' (التوبہ: ۴۳) ''اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے منافقین کو (ان کے صدق کے ظہور سے پہلے) کیوں اجازت دے دی؟'' کسی صحیح یا مستند حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عتاب کیا گیا' البتہ علامہ قرطبی نے ثوری کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابن اُم مکتوم کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تیوری چڑھانے پر لطف و کرم اور محبت و پیار کے ساتھ تنبیہ فرمائی تاکہ مخالفینِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ پیغمبر اسلام امیر کافروں کو غریب مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۷۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

پھر اس محبوبانہ عتاب میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لطف و کرم اور محبت و پیار کے جلوے دمک رہے ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کو قائم رکھتے ہوئے ''عَبَسَ وَتَوَلّٰی'' فرما کر غائب کے صیغے استعمال فرمائے اور براہِ راست ''عَبَسْتَ وَتَوَلَّیْتَ'' فرما کر آپ کو خطاب کے صیغے سے مخاطب نہیں فرمایا بلکہ غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ روبرو عتاب حضور کے خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا' البتہ بعد ازاں ''وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی'' میں آپ کو براہِ راست خطاب کے صیغے سے مخاطب فرمایا گیا کیونکہ اس میں غائبانہ اعراض کے بعد اقبال و التفات اور عتاب کی وحشت و گھبراہٹ کے بعد انس و الفت اور محبت و پیار کا اظہار ہے کہ اے محبوب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید وہ نابینا غلام آپ کی تعلیم سے مزید پاکیزہ ہو جاتا' نیز حضرت عبداللہ کو نابینا فرمانے میں معذرت پیش کی جا رہی ہے یعنی وہ نابینا معذور تھا نہ محفل کو دیکھ سکا نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے پتا چلا کہ آپ کس قدر ایک اہم ترین کام میں مصروف ہیں' لہٰذا آپ کا ان سے اعراض فرمانا آپ کے شایانِ شان نہیں۔

(ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۲۷۵' مطبوعہ مکتبہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' ۱۹۴۰ھ' تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۹۲)

عثمانی لکھتے ہیں: اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرم و استحیاء متکلم کا اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطورِ التفات کے اس لیے اختیار فرمایا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو۔
(تفسیر عثمانی حاشیہ بر قرآن ص ۷۶۱' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

ہے اور یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول لہ ہے اور دونوں مذہبوں کے اختلاف کی بناء پر اس میں عامل ''عَبَسَ'' ہے یا ''تَوَلّٰی'' ہے]۔

۳، ۴۔﴿ وَمَا یُدْرِیْكَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کو کیا معلوم ہے اور آپ کو اس نابینا شخص کا حال کس نے بتایا اور آپ کو اس کا حال کس طرح معلوم ہوا ﴿ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى ﴾ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا (یعنی) شاید یہ نابینا آدمی آپ سے جو کچھ سنتا اس کے سبب جہالت کی میل کچیل سے پاک ہو جاتا ﴿ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴾ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اس کو نصیحت فائدہ دیتی یعنی آپ کا وعظ و نصیحت اسے فائدہ دیتا' مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا حاصل ہوتا؟ پاکیزگی یا نصیحت اور اگر آپ کو معلوم ہوتا تو آپ سے یہ کوتاہی ہرگز نہ ہوتی [اور ''یَزَّكّٰی'' اصل میں ''یَتَزَكّٰی'' تھا' پھر ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کر دیا گیا اور اسی طرح ''یَذَّكَّرُ'' ہے (کہ اصل میں ''یَتَذَكَّرُ'' تھا پھر ''تا'' کو ذال میں مدغم کر دیا گیا) اور ''فَتَنْفَعَهُ'' امام عاصم کی قراءت میں ''لَعَلَّ'' کا جواب ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ نے اس کو ''یَذَّكَّرُ'' پر معطوف قرار دے کے مرفوع پڑھا ہے]۔

۵، ۶۔﴿ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴾ لیکن جو شخص بے پرواہ رہا یعنی جو شخص مال و دولت کی وجہ سے بے پرواہ ہو گیا ﴿ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴾ تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے در پے ہوتے ہیں محض اس کے ایمان لانے کی خواہش اور حرص کی بناء پر [''تَصَدّٰی'' میں ''تا'' کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اہل حجاز کے نزدیک]۔

۷۔﴿ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰى ﴾ اور آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں کہ وہ پاک نہ ہو (یعنی) آپ کو اس میں کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا اگر وہ اسلام کے ذریعے (کفر و شرک سے) پاک نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ کرنا ہے اور بس!

۸ تا ۱۰۔﴿ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰى ﴾ اور لیکن جو شخص خیر و بھلائی طلب کرنے کے لیے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ﴿ وَهُوَ یَخْشٰى ﴾ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا کفار سے ڈرتا ہے یا وہ آپ کے پاس آتے ہوئے راستے کے نشیب و فراز میں گر پڑنے سے ڈرتا ہے جیسا کہ نابینوں اور اندھوں کی عادت ہوتی ہے ﴿ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴾ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں' اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضور سیّد عالم ﷺ نے کسی غریب و فقیر کے سامنے تیوری نہیں چڑھائی اور نہ کسی مال دار کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کی مجلسِ شوریٰ (مشاورتی کمیٹی) میں فقراء بھی مشیر ہوا کرتے تھے [''تَلَهّٰی'' اصل میں ''تَتَلَهّٰی'' تھا (پھر تخفیف کی وجہ سے ایک ''تا'' کو گرا دیا گیا)]۔

۱۱۔﴿ كَلَّاۤ ﴾ ہرگز نہیں! یہ کلمہ روکنے اور باز کرنے کا ہے یعنی ایسی حرکت دوبارہ نہیں ہونی چاہیے ﴿ اِنَّهَا ﴾ وہ سورت یا آیات ﴿ تَذْكِرَةٌ ﴾ نصیحت ہے جس سے نصیحت حاصل کرنا واجب ہے اور اس کے موجب پر عمل کرنا لازم ہے۔

۱۲۔﴿ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴾ سو جو چاہے اسے یاد کرے اور اس سے نصیحت پائے (یا یہ معنی ہے کہ) سو جو اللہ تعالیٰ کو چاہے وہ اسے یاد کرے اور اس کا ذکر کرے [یا مذکر کی ضمیر اس لیے استعمال کی گئی ہے کہ ''تَذْكِرَةٌ'' سے ذکر اور وعظ مراد ہیں] اور معنی یہ ہے کہ سو جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنے ذکر کی توفیق الہام فرما دیتا ہے اور جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نصیحت قبول کرنے کی توفیق الہام فرما دیتا ہے۔

۱۳ تا ۱۶۔﴿ فِیْ صُحُفٍ ﴾ [یہ ''تَذْكِرَةٌ'' کی صفت ہے] یعنی بے شک یہ نصیحت ایسے صحیفوں اور کتابوں میں ثابت و قائم ہے جنہیں لوحِ محفوظ سے لکھا گیا ہے [یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هِیَ فِیْ صُحُفٍ''] ﴿ مُكَرَّمَةٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے محترم اور قابل عزت ہیں ﴿ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ آسمان میں بلند ہیں یا یہ کہ یہ صحیفے قدر و منزلت اور شان و مرتبہ میں

بہت بلند ہیں ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ فرشتوں کے ماسوا چھونے سے پاک ہیں یا کلام الٰہی کے ماسوا سے پاک ہیں ﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ﴾ لکھنے والے ہاتھوں سے یعنی یہ صحیفے ان فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے کتابوں کو لوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں [''سَفَرَةٌ''، ''كَتَبَةٌ'' کے ہم معنی ہے اور ''سافر'' کی جمع ہے] ﴿كِرَامٍ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم و معزز اور بزرگ ہیں یا وہ گناہوں سے پاک ہیں ﴿بَرَرَةٍ﴾ بڑے نیک ہیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے پرہیزگار ہیں [یہ ''بَارٌّ'' کی جمع ہے]۔

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

انسان ہلاک کیا جائے وہ کیسا ناشکرا ہےO (اللہ تعالیٰ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیاO اسے پانی کی بوند سے پیدا کیا' پھر اسے مناسب اندازوں پر رکھاO پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیاO پھر اس کو موت دے دی اور اس کو قبر میں رکھوایاO پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے باہر نکالے گاO ہرگز نہیں! اس نے وہ حکم پورا نہیں کیا جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دیاO سو انسان کو چاہیے وہ اپنے کھانے کو غور سے دیکھےO بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا جیسا کہ بہانے کا حق ہےO پھر ہم نے زمین کو چیر کر پھاڑاO سو ہم نے اس میں سے دانے اُگائےO اور انگور اور سبزہO اور زیتون اور کھجوریںO اور گھنے باغاتO اور میوے اور چارہO تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیےO

انسان کی ناشکری وتخلیق اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان

۱۷- ﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ﴾ انسان ہلاک کیا جائے (یعنی) کافر انسان پر لعنت و پھٹکار کی جائے یا امیہ بن خلف پر لعنت کی جائے یا عتبہ بن ابی لہب پر لعنت کی جائے ﴿مَا أَكْفَرَهُ﴾ وہ کس قدر ناشکرا ہے [استفہام کا حرف ''مَا'' زجر و توبیخ کرنے اور ڈانٹنے کے لیے ہے] یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے اسے کفر اختیار کرنے پر برانگیختہ کیا [یا یہ تعجب کے لیے ہے] یعنی اس کا کفر کس قدر شدید و سخت ترین ہے۔

۱۸'۱۹- ﴿مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ اسے کس چیز سے پیدا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اسے کیسی حقیر چیز سے پیدا فرمایا [اور یہ استفہام ہے اور اس کا معنی تقریر ہے] (یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر چیز سے پیدا فرمایا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو وضاحت سے بیان فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر و ناپاک پانی کی ایک بوند سے پیدا فرمایا ﴿فَقَدَّرَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کو جیسا چاہا مختلف اندازوں پر بنایا (گورا' کالا' سانولا' دراز قد' کوتاہ قد' حسین و جمیل اور قبیح و بدصورت' مناسب و مساوی یا غیر مناسب اعضاء بنائے)۔

۲۰-﴿ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے راستہ آسان کر دیا یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و شر' نیکی اور بدی کے راستے کو واضح کر کے بیان فرما دیا [''السَّبِيلَ'' مضمر و مخفی فعل ''يَسَّرَ'' کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۱-﴿ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی اور اسے قبر میں رکھوایا (یعنی) اس کو قبر میں دفن کرا کے قبر والا بنایا' یہ محض اس کی عزت و کرامت کی خاطر کرایا تا کہ اسے قبر میں دفن کر کے چھپا دیا جائے' اسے چوپایوں کی طرح زمین پر بے پردہ نہیں چھوڑ دیا اور ''قَبَرَ الْمَيِّتَ'' کے معنی ہیں: میت کو قبر میں دفن کر دیا اور ''أَقْبَرَهُ'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا اور اس کو دفنانے کی قدرت و توفیق عطا کی۔

۲۲-﴿ ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنْشَرَهُ ﴾ پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا (یعنی) جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے مرنے کے بعد زندہ کر دے گا۔

۲۳-﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے انسان کو کفر اختیار کرنے پر جھڑکا گیا ہے اور کفر سے باز رکھنے کے لیے ڈانٹا گیا ہے ﴿ لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا' اس نے اس کو پورا نہیں کیا (یعنی) اس کافر نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا اسے حکم دیا۔

۲٤-جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک پہلے ان نعمتوں کو شمار کیا' جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں تو اب ان کے بعد (درج ذیل آیات میں) ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کی طرف انسان زندگی بھر محتاج رہتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴾ سو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف غور سے دیکھے جسے وہ کھاتا ہے اور جس کے ساتھ وہ زندہ رہتا ہے کہ ہم نے اس کے کھانے پینے کے کام کی کس طرح تدبیر کی ہے۔

۲۵-﴿ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴾ بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی بہایا جیسا کہ اس کے بہانے کا حق ہے یعنی ہم نے بادلوں سے بارش برسائی [کوفیوں کی قراءت میں ''أَنَّا'' کو طعام سے بدل اشتمال ہونے کی بناء پر مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ دوسرے قراء کی قراءت میں استیناف کی بناء پر مکسور پڑھا جاتا ہے]۔

۲٦-﴿ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴾ پھر ہم نے زمین سے اُگنے والی نباتات کے لیے زمین کو خوب چیر دیا۔

۲۷-﴿ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴾ پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا جیسے گندم اور جو کے دانے وغیرہ' نیز وہ تمام اناج و غلہ جات جن کو بطورِ غذا استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۸-﴿ وَعِنَبًا ﴾ اور انگوروں کو اُگایا۔ انگوروں کے پھل یعنی طعام اور پھل (کیونکہ انگوروں کو بطور غذا بھی کھایا جاتا ہے اور میوہ کے طور پر لذت حاصل کرنے کے لیے بھی اسے کھایا جاتا ہے) ﴿ وَقَضْبًا ﴾ اور (ہم نے) تر و تازہ گھاس اور چارہ اُگایا [یہ مصدر ہے جسے گھاس وغیرہ کے لیے علم (نام) قرار دیا گیا ہے] یعنی اس کو کاٹا کیونکہ گھاس اور چارہ کو بار بار کاٹا جاتا ہے (پھر اسے بار بار چبایا جاتا ہے)۔

۲۹، ۳۰-﴿ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴾ اور زیتون اور کھجوریں ۝ اور گھنے اور گنجان باغات (ہم نے اُگائے)۔ ''غُلْبًا'' کا معنی ہے: ''غلاظ الاشجار'' یعنی گنجان اور گھنے درختوں کا باغ' اس کی جمع ''غلباء'' ہے۔

۳۱، ۳۲-﴿ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴾ اور تمہارے لیے پھل اور تمہارے جانوروں کے لیے چارہ کی چراگاہ اُگائی ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴾ یہ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے ہے [''مَتَاعًا'' مصدر ہے' اس کا معنی ہے: منفعت]۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾ ع

پھر جب کانوں کو بہرا کردینے والی چیخ دار آواز آئے گی O اس دن ہر آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور اپنے باپ O اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھاگے گا) O اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کردے گی O اس دن کئی چہرے روشن ہوں گے O مسکراتے ہوئے مسرور وخوش ہوں گے O اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی O یہی لوگ کفار (اور) بدکار ہیں O

قیامت کے دن کفار کی ذلت اور نیک مسلمانوں کی عزت کا بیان

۳۳- ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ﴾ پھر جب قیامت کی چیخ آئے گی کیونکہ یہ کانوں کو توڑ دے گی یعنی قیامت کی چیخ کانوں کو بہرا کردے گی اور اس کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

۳۴ تا ۳۶- ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ﴾ اس دن ہر آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا کیونکہ اس آدمی کے درمیان اور ان کے درمیان ایک دوسرے پر حقوق وتاوان ہوں گے یا پھر اس لیے کہ اسے اپنی فکر پڑی ہوگی اور وہ اپنی ذات کی فکر و پریشانی میں مشغول ہوگا ﴿وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ پہلے بھائی' پھر ماں باپ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہی حضرات آدمی کے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں' پھر بیوی اور بیٹوں کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات آدمی کو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے بھائی (قابیل) سے ھابیل اور اپنے ماں باپ (چچی امی اور چچا ابو آزر) سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنی بیوی سے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام اور اپنے بیٹے سے حضرت نوح علیہ السلام بھاگیں گے (یعنی بیزار اور دور ہوں گے)۔

۳۷- ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے اپنی ذات کے بارے میں ایسی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے پرواہ کردے گی (یعنی) اسے اپنے بارے میں ایک ایسی ہولناک اور پریشان کن حالت لاحق ہو جائے گی جس کے اہتمام میں وہ پھنسا ہوگا اور وہی اسے کافی ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز ہوگا اور اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔

۳۸'۳۹- ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے روشن وچمک دار ہوں گے' رات بھر عبادت کی وجہ سے یا وضو کے آثار سے ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ مسکراتے ہوئے خوش وخرم ہوں گے یعنی یہ روشن چہرے والے حضرات مسکراتے ہوں گے اور مسرور وشادمان اور خوش ہوں گے اور یہ مؤمن حضرات ہوں گے۔

۴۰'۴۱- ﴿وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ﴾ اور کئی چہرے اس دن ایسے ہوں گے جن پر گرد وغبار پڑی ہوگی

﴿ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴾ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی' غبار پر سیاہی غالب ہوگی' دھوئیں کی طرح اور چہرے میں اس جیسی سیاہی اور گرد وغبار کے اجتماع کی وجہ سے کوئی اور قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا۔

۴۲۔﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴾ یہی لوگ کافر و فاجر ہیں (یعنی) اس بدترین و قبیح ترین حال والے یہی لوگ ہیں جو حقوق اللہ میں کافر ہیں اور حقوق العباد میں فاسق و فاجر اور بدکار و نافرمان ہیں یا یہ کہ جب انہوں نے فسق و فجور' کفر و شرک کے ساتھ جمع کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کی سیاہی کے ساتھ گرد وغبار کو جمع فرما دیا۔

(۲۹) اٰیاتہا / رکوعہا (۱)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	(۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷)

سورۃ التکویر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی انتیس آیات' ایک رکوع ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾
وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾
وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے○ اور جب حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی○ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے○ اور جب دریا بھڑکا دیئے جائیں گے○ اور جب جانوں کے جوڑے ملائے جائیں گے○ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا○ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی○ اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے○ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا○ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا○ اور جب جنت کو نزدیک کر دیا جائے گا○ ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے پیش کیا○

قیامت کے دن ہر انسان اپنا اچھا یا برا عمل دیکھ لے گا

۱۔﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ یہ ''كُوِّرَتْ'' ''الْعِمَامَةَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنے سر پر عمامہ لپیٹ لیا ہو یعنی قیامت کے روز اس کی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا' چنانچہ آفاق و اطراف میں اس کا انتشار و پھیلاؤ ختم ہو جائے گا اور اس کی وسعت ختم ہو جائے گی [''الشمس'' فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور اس کو رفع دینے والا عامل اس سے پہلے فعل مضمر و مخفی ہے' اس کے بعد والا فعل ''كُوِّرَتْ'' اس کی تفسیر کر رہا ہے اس لیے کہ ''إِذَا'' فعل کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے]۔

۲۔﴿ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) آسمان سے گر پڑیں گے اور بکھر جائیں گے۔

۳-﴿ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴾ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے' زمین کی سطح سے چلائے جائیں گے اور روئے زمین سے دور کر دیئے جائیں گے یا انہیں فضاء میں اس طرح چلایا جائے گا جس طرح بادلوں کو چلایا جاتا ہے۔

٤-﴿ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴾ اور جب گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی' ان کے مالک انہیں چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ اپنی فکر میں مشغول ہو جائیں گے' حالانکہ وہ لوگ ان اونٹنیوں کو اس حالت میں گھر میں روک لیا کرتے تھے کیونکہ جب وہ دس ماہ کی حاملہ ہو جاتی تو ان کی اہمیت ان کے مالکوں کے ہاں بڑھ جاتی تھی اور وہ لوگ ان دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں کے علاوہ دوسری اونٹنیوں کو چرنے پھرنے کے لیے جنگل میں اکیلا چھوڑ دیتے تھے [''عِشَار'' جمع ہے ''عُشَرَاء'' کی اور یہ وہ اونٹنی ہوتی ہے جس کے حمل کے دس ماہ پورے ہو چکے ہوں' پھر اس کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سال تمام ہونے پر بچے کو جنم دے دے' نیز ''عُطِلَتْ'' کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے' یزیدی سے یہی منقول ہے]۔

٥-﴿ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴾ اور جب وحشی جانوروں کو جمع کیا جائے گا (یعنی) وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر چیز کو قصاص اور بدلہ دلوانے کے لیے جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی جمع کیا جائے گا' پھر جب ان کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تو دوبارہ انہیں مٹی میں لوٹا دیا جائے گا' پس ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی ماسوا اس کے جس میں انسانوں کو سرور حاصل ہو گا جیسے مور وغیرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لوگوں کو اور ان کے مالوں کو قحط سالی ہلاک و برباد کر دے گی تو ان کا حشر وہی قحط سالی ہو گی۔

٦-﴿ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴾ اور جب دریا اور سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ یہ ''سُجِّرَ التَّنُّوْرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور کو لکڑیوں سے بھر دیا جاتا ہے یعنی جب دریا اور سمندر آگ سے بھر دیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف جاری کیے جائیں گے' یہاں تک کہ روئے زمین کے تمام دریا اور تمام سمندر ایک سمندر میں ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے تمام دریا اور سمندر آگ سے بھر دیئے جائیں گے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ ''سُجِرَتْ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۷-﴿ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴾ اور جب جانیں ملائی جائیں گی' چنانچہ ہر جان اپنی ہم شکل سے ملائی جائے گی کہ نیک جان کو نیک جان کے ساتھ جنت میں ملایا جائے گا اور بُری جان کو بُری جان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا' یا یہ معنی ہے کہ روحوں کو اپنے جسموں کے ساتھ ملایا جائے گا' یا یہ کہ ہر شخص کو اس کی اپنی کتاب اور اپنے اعمال نامہ کے ساتھ ملایا جائے گا' یا یہ کہ مؤمنوں کی جانوں کو حورِ عین کے ساتھ اور کافروں کی جانوں کو شیطانوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔

۸'۹-اور عرب کے لوگ بھوک و ننگ اور لونڈی بننے کے خوف و ڈر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اس لیے یہاں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴾ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے نہایت لطف و کرم اور بڑی نرمی کے ساتھ سوال کیا جائے گا تا کہ وہ یہ بتا سکے کہ اسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قتل کیا گیا ہے یا تا کہ اپنے قاتل کے بارے میں رہنمائی کر سکے اور یہ لڑکی کے قاتل کے لیے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اس سے خطاب پھیر لیا گیا ہے (حالانکہ لڑکی کے قاتل سے خطاب کر کے پوچھا جاتا کہ تو نے بے گناہ لڑکی کو کیوں قتل کیا) جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (المائدہ:۱۱۶) ''اور جب اللہ تعالیٰ (بروزِ قیامت) فرمائے گا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا

لو" (حالانکہ یہ سوال عیسائیوں سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو میرے سوا معبود بنا لیا تھا ، مگر انہیں خطاب کا اہل نہیں سمجھا گیا) ﴿ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴾ کہ اسے کس گناہ میں قتل کیا گیا' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشرکین کے بچوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بغیر کسی جرم و گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا [یزید کی قراءت میں تشدید کے ساتھ "قُتِّلَتْ" (باب تفعیل سے) پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰ - ﴿ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴾ اور جب اعمال نامے کے صحیفے اور کتابیں کھولی جائیں گی اور صحیفوں سے اعمال نامے کے رجسٹر مراد ہیں جن کو انسان کی موت کے وقت لپیٹ دیا جاتا ہے' پھر انہیں اس وقت کھولا جائے گا جب انسان کا حساب لیا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ صحیفوں کو اعمال نامے والے لوگوں کے درمیان کھولا جائے گا یعنی ان کے درمیان انہیں تقسیم کر دیا جائے گا [نافع مدنی' ابن عامر شامی' امام عاصم کوفی' سہل اور یعقوب کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "نُشِرَتْ" پڑھا جاتا ہے][1]۔

۱۱ - ﴿ وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ ﴾ اور جب آسمان کو کھینچ لیا جائے گا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ آسمان کو اپنی جگہ سے اس طرح اکھیڑ لیا جائے گا' جس طرح چھت کو اکھاڑا جاتا ہے۔

۱۲ - ﴿ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ﴾ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا (یعنی) قیامت کے روز دوزخ کو بہت زیادہ سخت جلایا اور بھڑکایا جائے گا [ابن عامر شامی' نافع مدنی' امام عاصم کوفی کی قراءت میں حماد اور یحییٰ کے علاوہ مبالغہ کے لیے عین کو تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) "سُعِّرَتْ" پڑھا جاتا ہے][2]۔

۱۳ - ﴿ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴾ اور جب جنت کو پرہیز گاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍO" (ق:۳۱) "اور جنت کو پرہیز گاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا دور نہیں رکھا جائے گاO" سو یہ بارہ علاماتِ قیامت ہیں جن میں سے چھ علامات دنیا میں رونما ہوں گی اور باقی آخرت میں وقوع پذیر ہوں گی [شروع سورت سے لے کر "مَا اَحْضَرَتْ" تک کسی آیت پر مطلق وقف نہیں ہے کیونکہ "اِذَا الشَّمْسُ" اور اس پر معطوفات کا جواب "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ" ہے' البتہ سانس ختم ہونے پر ضرورت کے تحت ہر آیت پر وقف جائز ہے]۔

۱۴ - ﴿ عَلِمَتْ نَفْسٌ ﴾ "اَیْ کُلُّ نَفْسٍ" یعنی ہر شخص جان لے گا ﴿ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴾ جو نیک و بد عمل اس نے حاضر و پیش کیا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮ الْجَوَارِ الْکُنَّسِ ⑯ وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ ⑰ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ⑱ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ⑲ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ⑳ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ㉑ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ ㉒ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ

[1] جب کہ ابو عمرو' ابن کثیر مکی' حمزہ کوفی' علی کسائی' یحییٰ' اعمش اور خلف کی قراءت میں شین کو تشدید کے ساتھ (بابِ تفعیل سے) "نُشِّرَتْ" پڑھا جاتا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۳)

[2] ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور ابن عامر شامی وغیرہم کی قراءت میں عین کو تخفیف کے ساتھ "سُعِرَتْ" پڑھا جاتا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۴)

الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

سو مجھے قسم ہے واپس پیچھے لوٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپ جانے والوں کی O اور رات کی جب وہ جانے لگے O اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے O بے شک یہ (قرآن) ضرور عزت والے رسول کا (لایا ہوا) کلام ہے O بہت بڑی قوت والا ہے مالکِ عرش کے نزدیک بہت بلند شان والا ہے O وہاں (آسمانوں میں اس کی) اطاعت کی جاتی ہے (نیز وہ) امانت دار ہے O اور تمہارے صاحب مجنون نہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں O اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں (بھٹکے) جا رہے ہو O وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت O اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہتا ہے O اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے O

قسموں سے مؤکد قرآن مجید اور حاملِ قرآن مجید کی عظمت وشان کا بیان

۱۵ '۱۶ - ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ﴾ سو مجھے قسم ہے پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی! (یعنی) واپس اپنے پہلے مدار میں لوٹنے والے۔ تم دیکھو گے کہ ستارہ آخر برج میں پہنچ کر اسی وقت پھر اپنے پہلے برج کی طرف واپس پیچھے لوٹنے لگتا ہے ﴿الْجَوَارِ﴾ گردش کرنے والے اور چلنے پھرنے والے ستارے ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والے۔ یہ ''كَنَسَ الْوَحْشُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہرن اپنی پناہ گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ گردش کرنے والے پانچ ستارے مراد ہیں جن کے نام یہ ہیں: بہرام (مریخ)' زحل' عطارد' زہرہ اور مشتری' یہ سورج اور چاند کے ساتھ چلتے ہیں اور واپس پیچھے لوٹ آتے ہیں یہاں تک کہ سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں' سو ان کا ''خنوس'' ان کا واپس لوٹنا ہے اور ان کا ''کنوس'' ان کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔

۱۷ - ﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾ اور رات کی قسم! جب وہ جانے لگے (یعنی) جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ آنے لگے یا پیچھے جانے لگے۔ ''عَسْعَسَ'' لغت الاضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہوتے ہیں۔

۱۸ - ﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے! (یعنی) جب اس کی روشنی ہر طرف پھیل جائے اور چونکہ جب صبح کی آمد ہوتی ہے تو دلوں کو اس کے اجالے سے راحت وخوشی حاصل ہوتی ہے' اس کا نام نفس رکھا گیا ہے اور ان تمام قسموں کا جواب (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے۔

۱۹ تا ۲۱ - ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ﴾ بے شک یہ (قرآن) ضرور رسول کا کلام ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام ہے اور قرآن مجید کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ اس قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے حضرت جبریل علیہ السلام لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا کرتے تھے ﴿كَرِيْمٍ﴾ حضرت جبریل اپنے

پروردگار کے ہاں بڑے معزز ومحترم ہیں ﴿ذِی قُوَّةٍ﴾ بڑی قوت والے ہیں' جن احکام کے بجالانے کا انہیں مکلف بنایا جاتا ہے' وہ ان کے بجالانے پر پوری قدرت وطاقت رکھتے ہیں' نہ ان سے عاجز ہوتے ہیں اور نہ کمزور ہوتے ہیں ﴿عِندَ ذِی الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑے مرتبے اور شان والے ہیں اور چونکہ مرتبہ اور شان کا حال مرتبہ اور شان بخشنے والے کے حال کے مطابق ہے' اس لیے ''عِنْدَ ذِی الْعَرْش'' فرمایا تا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے بلند مرتبے اور بڑی شان کی عظمت وفضیلت کا اظہار ہو جائے ﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ﴾ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے یعنی آسمانوں میں وہاں کے باشندے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں یا عرش کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں ﴿أَمِينٍ﴾ حضرت جبریل وحی الٰہی پر بڑے امانت دار ہیں' کسی قسم کی کمی وبیشی نہیں کرتے۔

۲۲-﴿وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ﴾ اور تمہارے صاحب یعنی حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مجنون و دیوانہ نہیں ہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں اور یہ جواب قسم پر معطوف ہے (اس لیے یہ بھی قسم کا جواب ہے)۔

۲۳-﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ﴾ اور بے شک آپ نے اسے روشن کنارے میں دیکھا یعنی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں آسمان کے مشرقی کنارے سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں دیکھا ہے۔

۲٤-﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ اور وہ غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں (یعنی) سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وحی بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔ ''ضَنِیْنٌ'' بہ معنی بخیل ہے اور یہ ''ضَنٌّ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: بخل کرنا یعنی حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وحی الٰہی کے بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے جیسا کہ کاہن نذرانے اور معاوضے کے لالچ اور شوق میں غیب کے بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ آپ تو وحی اور غیب کی باتیں اسی طرح بعینہٖ بتا دیتے ہیں جس طرح آپ کو سکھایا اور بتایا جاتا ہے اور آپ کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے' آپ اس میں سے کچھ نہیں چھپاتے[1] [ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں ''بظنین'' پڑھا جاتا ہے] یعنی آپ پر غیب کے بتانے میں تہمت نہیں لگائی گئی کہ آپ وحی الٰہی میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا اس میں اضافہ کرتے ہیں' یہ ''ظِنَّةٌ'' سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: تہمت اور الزام لگانا۔

۲۵-﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ﴾ اور وہ (یعنی) قرآن مجید شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ ''رجیم'' کا معنی ہے: پھینکا ہوا' رد کیا ہوا اور مردود' اور یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝'' (الشعراء:۲۱۰) ''اور اس کو شیطان لے کر نہیں اترتے ۝'' یعنی یہ قرآن چوری چھپے سن کر اپنے کاہن دوستوں کی طرف القاء کرنے والا شیطانوں کا کلام نہیں ہے۔

۲٦-﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ سو تم کہاں جا رہے ہو؟ اس آیت مبارکہ میں کفارِ مکہ کی گمراہی کا بیان ہے کہ تم برحق کتاب قرآن مجید کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو' جیسا کہ سیدھے راستے کو ترک کرنے اور بڑے اور واضح راستے کی بجائے تنگ اور چھوٹے راستوں پر چلنے والے شخص کو اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ چنانچہ ان لوگوں کے حال کو حق کے ترک کرنے اور اس سے روگردانی کر کے باطل کی راہ پر چلنے کی وجہ سے ایسے شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ جو راستہ میں نے تمہارے لیے بیان کیا ہے' اس سے

زیادہ واضح راستہ کون سا ہے جس پر تم چل رہے ہو؟ اور حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ ہمارے پاس ہے (یعنی ہر چیز ہمارے پاس ہے)۔

۲۸٬۲۷- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے نصیحت ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہے یعنی قرآن مجید ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو استقامت چاہتا ہے' مطلب یہ ہے کہ بے شک جو لوگ اسلام میں داخل ہو کر استقامت چاہتے ہیں وہی اس نصیحت (قرآن) سے فائدہ حاصل کریں گے تو گویا ان کے علاوہ اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ انہیں نصیحت کی جائے [''لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ'' ''اَلْعَالَمِيْنَ'' سے بدل ہے]۔

۲۹- ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم استقامتِ کامل نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (یعنی) وہ تمام مخلوق کا مالک ہے۔

آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	سورۃ الانفطار مکیۃ ۸۲

سورۃ الانفطار مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی انیس آیات' ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب سمندر بہا دیئے جائیں گے ○ اور جب قبروں کو زیروزبر کر کے مُردوں کو نکالا جائے گا ○ تو ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ○ اے انسان! تجھے تیرے مہربان پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دیا ○ جس نے تجھے پیدا کیا' پھر اس نے تجھے درست کیا اور تجھے مناسب بنایا ○ جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دیا ○ ہرگز نہیں! بلکہ تم جزاء و سزا کو جھٹلاتے ہو ○ اور بے شک تم پر محافظ مقرر ہیں ○ معزز لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ○ بے شک نیک لوگ ضرور (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے ○

قیامت کی علامات اور انسان کی ناشکری' نیز نیک و بد کے انجام کا بیان

۱ تا ۵- ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ جب آسمان کھل جائے گا (یعنی) پھٹ جائے گا' ''اِنْفَطَرَتْ'' بہ معنی ''اِنْشَقَّتْ'' ہے ﴿وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) گر پڑیں گے ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ اور جب دریا اور سمندر بہا دیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف کھول دیئے جائیں گے اور تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے۔

﴿ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴾ اور جب قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا (یعنی) جب قبروں کو کریدا اور شق کیا جائے گا اور ان کے اندر سے مُردوں کو نکالا جائے گا اور ''اِذَا'' کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:) ﴿ عَلِمَتْ نَفْسٌ ﴾ جان کو معلوم ہو جائے گا یعنی ہر نیک و بد جان جان لے گی ﴿ مَّا قَدَّمَتْ ﴾ عبادت میں سے جو کچھ آگے بھیجا ﴿ وَاَخَّرَتْ ﴾ اور جو کچھ چھوڑ دیا اور عمل نہ کیا' یا یہ معنی ہے کہ اس نے صدقات و خیرات میں سے جو کچھ آگے بھیجا اور میراث میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا۔

٦-٧- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ ﴾ اے انسان! بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ خطاب حشر ونشر اور قیامت کے منکرین کے لیے ہے یعنی اے قیامت کے منکرو! ﴿ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ ﴾ تیرے کرم فرمانے والے پروردگار کے متعلق تجھے کس چیز نے فریب و دھوکا دیا یعنی کس چیز نے تجھے دھوکا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اپنے کریم و رحیم پروردگار کے ان تمام احکام و فرائض کو ضائع کر دیا جن کی ادائیگی تجھ پر واجب و لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کر کے اور تمام اعضاء ہموار و برابر بنا کر اور معتدل و مناسب انسان بنا کر تجھ پر بہت بڑے احسانات فرما دیئے ہیں: (١) حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو ارشاد فرماتے کہ انسان کو اس کی جہالت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (٢) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انسان کو اس کی نادانی اور حماقت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (٣) اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان کو اس کے شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے (٤) اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خطاب کیا گیا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم پروردگار! مجھے تیرے فضل و کرم کے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کر دیا (٥) اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے رب تعالیٰ نے یہ فرمایا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم و رحیم خدا! مجھ پر تیرے گزشتہ اور موجودہ احسانات نے مجھے فریب میں ڈال دیا ﴿ فَسَوّٰىكَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تجھے ٹھیک ٹھاک بنایا اور تجھے تخلیق میں مساوی و برابر اور سالم اعضاء والا بنایا ﴿ فَعَدَلَكَ ﴾ سو اس نے تجھے ہموار بنایا اور پیدائش میں تجھے مناسب و معتدل بنایا' اس میں کسی قسم کا تفاوت و فرق نہیں رکھا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک کو زیادہ طویل و لمبا بنایا اور نہ دونوں آنکھوں میں سے کسی ایک آنکھ کو زیادہ بڑا اور زیادہ کشادہ بنایا اور نہ بعض اعضاء کو بہت سفید اور بعض کو بہت کالا سیاہ بنایا (بلکہ سب میں توازن قائم رکھا) یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تخلیق میں مناسب و موزوں اور معتدل بنایا کہ تم کھڑے ہو کر سیدھے چلتے ہو چوپایوں کی طرح منحنی نہیں بنایا [کوفی قراء کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''عَدَلَ'' پڑھا گیا ہے[1] اور یہ بھی مشدد کے معنی میں ہے یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیرے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ یکساں اور مساوی بنایا یہاں تک کہ تو معتدل انسان بن گیا اور خلقت میں مناسب و معتدل اور موزوں آدمی بن گیا۔

٨- ﴿ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تمہیں بنا دیا۔ لفظ ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے یعنی خوب صورتی و بدصورتی اور لمبا اور چھوٹا قد ہونے کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں سے جس صورت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نے تقاضا کیا اسی صورت میں تمہیں بنا دیا [اس جملہ کا اس کے مقابل پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ یہ جملہ ''عَدَلَكَ'' کے لیے بیان ہے اور حرف جار ''رَكَّبَكَ'' کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بعض صورتوں میں بنایا اور اس میں ثابت و متمکن فرمایا' یا پھر یہ حرف جار محذوف کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس حال میں بنایا کہ ان

---

[1] جب کہ ابوعمرو' ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور جعفر وغیرہم کی قراءت میں دال کو مشدد (باب تفعیل سے) ''فَعَدَّلَكَ'' پڑھا گیا ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ٨ ص ٨٩)

مختلف صورتوں میں سے بعض صورتیں تجھے حاصل ہوگئیں]۔

۹- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ تہدید کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے غفلت برتنے پر جھڑکا اور ڈانٹا گیا ہے ﴿بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾ بلکہ تم اصل میں انصاف کو جھٹلاتے ہو اور وہ ہے اعمال پر جزاء دینا یا تم دین اسلام کو جھٹلاتے ہو' سو تم نہ ثواب کی تصدیق کرتے ہو اور نہ عذاب کی۔

۱۰ تا ۱۲- ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ اور بے شک فرشتوں میں سے بعض فرشتے تمہارے اعمال اور اقوال کی حفاظت پر محافظ و نگہبان مقرر ہیں ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ معزز لکھنے والے یعنی بے شک تم تو جزاء کو جھٹلاتے ہو حالانکہ لکھنے والے فرشتے تم پر تمہارے اعمال کو لکھ رہے ہیں تاکہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزاء عطا کی جائے ﴿يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ وہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اور تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے اور لکھنے والے فرشتوں کی تعریف و توصیف میں ان کی عظمت کے ساتھ اعمال پر ملنے والے معاوضے کی عظمت کا اظہار بھی ہے اور یہ کہ بے شک اعمال پر ملنے والا معاوضہ اور جزاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اور اہم ترین اُمور میں سے ہے اور اس میں مجرموں کے لیے دھمکی اور ڈراوا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے لطف و کرم ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جب اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے کہ ''غافلین'' کے لیے اس آیت سے بڑھ کر کوئی اتنی سخت نہیں جتنی یہ آیت مبارکہ سخت ہے۔

۱۳- ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک مؤمنین ضرور جنت کی نعمتوں میں چین سے رہیں گے۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے O وہ اس میں قیامت کے دن داخل ہوں گے O اور وہ اس سے کبھی غائب نہیں ہو سکیں گے O اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ O پھر کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ O جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھے گا اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کا ہوگا O

۱۴ تا ۱۶- ﴿وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک کفار دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے ﴿يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ وہ اس میں جزاء اور معاوضہ کے دن داخل ہوں گے ﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ﴾ اور وہ لوگ اس سے غائب نہیں ہوں گے یعنی ان کو اس دوزخ میں سے نکالا نہیں جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا'' (المائدہ: ۳۷) ''اور وہ لوگ اس میں سے باہر نہیں نکالے جائیں گے''۔

۱۷ تا ۱۹- پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی شان و مرتبہ کی عظمت و اہمیت بیان کی اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ O ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ اور (اے انسان!) کیا تم جانتے ہو کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ O پھر کیا تم جانتے ہو کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ سو اللہ تعالیٰ نے تاکید اور قیامت کی ہولناکی و سختی کے اظہار کے لیے مکرر فرمایا اور اپنے (درج ذیل) ارشاد

میں روزِ جزاء کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ یَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ﴾ اس روز کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہیں رکھے گی یعنی کوئی جان کسی جان کا دفاع نہیں کر سکے گی اور نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکے گی اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کر سکے گی [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یَوۡمُ'' مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا جاتا ہے ''اَیۡ هُوَ یَوۡمُ'' یا یہ ''یوم الدین'' سے بدل واقع ہو رہا ہے اور جن کی قراءت میں منصوب ہے وہ ''اُذۡکُرۡ'' مخفی و مضمر کی وجہ سے یا ''یُدَانُوۡنَ'' مضمر کی وجہ سے ہے کیونکہ لفظ ''دین'' اس پر رہنمائی کرتا ہے] ﴿ وَالۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا یعنی اس دن حکم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اور اس دن صرف وہی فیصلہ کرے گا اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

سورۃ المطففین مکیۃ ۸۳	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	آیاتہا ۳۶ رکوعہا ۱

سورۃ المطففین مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی چھتیس آیات' ایک رکوع ہے

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۝۱ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝۲ وَاِذَا کَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ۝۳ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝۵ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۶ کَلَّاۤ اِنَّ کِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِیۡ سِجِّیۡنٍ ۝۷ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّیۡنٌ ۝۸ کِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۝۹ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝۱۰ الَّذِیۡنَ یُکَذِّبُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۱۱

کم تولنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ وہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں ○ اور جب وہ لوگوں کو ماپ کر دیتے ہیں یا ان کو وزن کر کے دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں ○ کیا وہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ○ ایک بہت بڑے دن کے لیے ○ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک و پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے ○ کیوں نہیں! بے شک بدکاروں (یعنی کافروں) کا اعمال نامہ ضرور سجین میں ہے ○ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے؟ ○ وہ جلی حروف سے لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ جو روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں ○

ناپ تول کم کرنے اور قیامت کو جھٹلانے والوں کی مذمت اور بُرے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ المطففین میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ہے۔

۱- ﴿ وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ﴾ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے (یعنی) ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو ناپ تول میں دوسرے لوگوں کے حقوق کو گھٹا دیتے ہیں [''وَیۡلٌ'' مبتدا ہے ''لِلۡمُطَفِّفِیۡنَ'' اس کی خبر ہے]۔

۲'۳- ﴿ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ﴾ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں یعنی جب وہ

لوگوں سے خریداری کرتے وقت کوئی چیز لیتے ہیں تو اپنے حقوق مکمل اور پورے لے لیتے ہیں اور چونکہ جب یہ لوگوں سے ناپ تول کرتے ہیں تو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں اور وہ اس معاملہ میں ان پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اس لیے ''عَلَى النَّاس'' میں ''مِنْ'' کی بجائے ''عَلٰی'' استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ ضرر کے معنی پر دلالت کرتا ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ'' کے متعلق ہو اور مفعول کو فعل پر مقدم کیا گیا ہو تا کہ اختصاص کا افادہ حاصل ہو] یعنی وہ صرف چیزیں لیتے وقت لوگوں سے پوری لیتے ہیں (لیکن دیتے وقت پوری نہیں کم کر کے دیتے ہیں) [اور فراء نے کہا کہ حرف ''مِنْ'' اور ''عَلٰی'' اس جگہ ایک دوسرے کے پیچھے استعمال ہوتے ہیں] چنانچہ جب کوئی شخص کہتا ہے: ''اِکْتَلْتُ عَلَیْكَ'' تو گویا وہ کہتا ہے: ''اَخَذْتُ مَا عَلَیْكَ'' جو تیرے ذمہ بنتا ہے وہ میں نے لے لیا ہے اور جب وہ کہتا ہے: ''اِکْتَلْتُ مِنْكَ'' تو گویا وہ کہتا ہے: ''اِسْتَوْفَیْتُ مِنْكَ'' میں نے تجھ سے اپنا حق پورا لے لیا ہے ﴿ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ ﴾ اور جب وہ ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں (تو کم کر کے دیتے ہیں) [اور اس میں ضمیر منصوب ''هُمْ''، ''النَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے اصل میں ''كَالُوْا لَهُمْ اَوْ وَزَنُوْا لَهُمْ'' ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے اور فعل کو اپنے معمول تک براہِ راست پہنچا دیا گیا ہے] اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں کو صرف ناپ کے آلات سے لیتے تھے جن کو ناپ کر بھی اور تول کر بھی لین دین میں دیا جاتا تھا تا کہ یہ لوگ ناپ کر کے لیتے وقت اپنا حق پورا پورا لینے کے ساتھ ساتھ چرا بھی لیں کیونکہ وہ ماپنے کے آلہ کو حرکت دیتے اور بھرتے وقت اسے ہلایا کرتے اور اناج وغیرہ بھرنے میں حیلہ سازی سے کام لیتے تھے اور جب وہ لوگوں کو دیتے تو ماپ کر دیتے یا تول کر دیتے تا کہ دونوں صورتوں میں نقصان سے محفوظ رہیں ﴿ یُخْسِرُوْنَ ﴾ وہ گھٹا کر دیتے اور کم کر کے دیتے تھے کہا جاتا ہے: ''خَسَرَ الْمِیْزَانَ وَاَخْسَرَهٗ'' اس نے ترازو کو کم کیا اور اسے گھٹایا۔

٤ تا ٦ - ﴿ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ کیا وہ یہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں ایک بڑے دن کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یعنی قیامت کے دن کے لیے [ہمزہ استفہام کا ''لا'' نافیہ پر محض لوگوں کو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے داخل کیا گیا ہے اور یہ ''اَلَا'' تنبیہ کے لیے نہیں ہے] اور دراصل اس میں ناپ تول میں کمی کرنے کی جرأت پر ان لوگوں کے حال پر بہت بڑے تعجب اور انکار کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ بڑی عجیب و غریب حرکت نہیں کرنی چاہیے (کیونکہ اس سے اعتماد اور عزت و وقار ختم ہو جاتا ہے) گویا وہ اپنے دلوں میں اس حرکت سے نہیں ڈرتے اور نہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ایک ایک ذرّے کا ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر وہ یہ گمان کر لیتے کہ انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ ناپ تول میں کمی نہ کرتے۔

روایت: اور عبد الملک بن مروان کے بارے میں منقول ہے کہ ایک اعرابی نے اس سے کہا: بے شک تم نے وہ کلام سن لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے تو اب تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کے مال بغیر ناپ تول کے لے لیتے ہو۔ اس سے اعرابی کا مقصد عبد الملک بن مروان کو ڈرانا اور خوف خدا دلانا تھا کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید ہے (تو جو مسلمانوں کا سارا مال ناحق لے گا اسے کس قدر عذاب ہوگا) ﴿ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک کے حضور اس کے حکم پر جزاء و سزا کے لیے کھڑے ہوں گے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اس سورت کو پڑھا، جب اس آیت مبارکہ پر پہنچے تو اسے پڑھ کر بہت روئے اور اس قدر زیادہ روئے کہ

اس کے بعد آگے پڑھنے سے عاجز آ گئے اور پڑھ نہ سکے اور رُک گئے [''یَوْمَ'' کا نصب ''مبعوثون'' کی وجہ سے ہے]۔

۷ تا ۹۔ ﴿كَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! کیوں نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ ڈرایا دھمکایا اور متنبہ و خبردار کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب و کتاب سے غفلت برتنے پر اور ناپ تول میں کمی کرنے پر ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور انہیں اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا ہے کہ ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس گھناؤنے گناہ سے توبہ کریں اور اس پر نادم و پشیمان ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے فوراً بعد عمومی طور پر فاجروں، فاسقوں اور نافرمانوں کے لیے اپنی وعید و ڈراوے کا ذکر کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾ بے شک بدکاروں کے اعمال کے صحیفے ضرور سجین میں ہیں ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۞ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے O وہ ایک خوش خط مہر شدہ کتاب ہے، پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فجار و بدکاروں کی کتاب کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ سجین میں ہے اور سجین کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ کتابِ مرقوم ہے، تو گویا فرمایا گیا ہے کہ فجار کی کتاب مرقوم کتاب میں ہے، سو اس کا کیا معنی ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سجین ایک جامع کتاب ہے، وہ بُرائی کا بہت بڑا رجسٹر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شیطانوں اور انسانوں اور جنوں میں سے کافروں کے اعمال درج کر دیئے ہیں اور یہ ایک مہر شدہ لکھی ہوئی کتاب ہے، جس کی کتابت خوب واضح اور خوش خط کی گئی ہے یا وہ ایک ایسی علامت والی کتاب ہے کہ اسے جو شخص دیکھتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔ یہ ''رَقْمُ الثِّيَابِ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: کپڑوں کی علامت و نشانی اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک فجار و بدکاروں کے اعمال میں سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس دیوان اور رجسٹر میں موجود و ثابت ہے اور اس کا سجین نام رکھا گیا ہے اور سجین فعیل کے وزن پر ''سِجْنٌ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: محبوس رکھنا اور قید میں روکے رکھنا اور تنگی و سختی کرنا کیونکہ یہ کتاب فجار کے لیے دوزخ میں سختی و تنگی اور قید کا سبب بنے گی یا اس لیے کہ اسے ساتوں زمینوں کے نیچے ایک ایسے مکان میں پھینکا جائے گا جو ڈراؤنا اور سیاہ تاریک ہوگا اور یہ ابلیس اور اس کی اولاد کا مسکن و ٹھکانا ہے [اور یہ اسمِ علم ہے جو وصف سے منقول ہے جیسے حاتم ہے اور یہ منصرف ہے کیونکہ اس میں صرف ایک سبب ہے اور وہ فقط علمیت ہے]۔

۱۰، ۱۱۔ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی جس دن ان کا اعمال نامہ نکال کر انہیں دیا جائے گا ﴿الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں (یعنی) جزاء اور حساب کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷

اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش و گناہ گار شخص O جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں○ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے بُرے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جن کو وہ کمایا کرتے تھے○ یقیناً بلاشبہ وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار (کے دیدار) سے محروم رہیں گے○ پھر بے شک وہ دوزخ میں ضرور داخل ہوں گے○ پھر (انہیں) کہا جائے گا: یہ ہے وہ (عذاب) جسے تم جھٹلاتے تھے○

۱۲'۱۳- ﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ﴾ اور اس دن کو نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش اور حد سے بڑھنے والا ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہ گار (یعنی) گناہ کمانے والا ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ﴿قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں یعنی یہ پہلے لوگوں کی باتیں ہیں' اور علامہ زجاج نے کہا: ''اساطیر'' بہ معنی ''اباطیل'' ہے' جس کا مطلب ہے: جھوٹی اور غلط باتیں۔ اس کا واحد ''اسطورۃ'' جیسے ''احدوثۃ'' اور ''احادیث'' ہے۔

۱۴- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے والے گناہ گار کو اس باطل قول سے اور آیات کی تکذیب سے روکنا مقصود ہے ﴿بَلْ سَكْتَة﴾ کفار نے قیامت کے دن اور قرآن مجید کے بارے میں جو کہا یہ اس کی نفی کے لیے ہے اور امام حفص اس پر تھوڑا سا وقف کرتے ہیں (اور اس کا معنی ہے بلکہ) ﴿رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ان کے دلوں پر ان کے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جنہیں وہ کمایا کرتے تھے (یعنی) ان کی کمائی نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے یعنی ان کے کمائے ہوئے گناہ ان کے دلوں پر غالب آ گئے یہاں تک کہ ان کو ڈھانپ دیا۔

(۱) حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ گناہ پر گناہ کا ارتکاب کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۲) حضرت ضحاک نے فرمایا کہ گناہوں کا زنگ' دل کی موت ہے۔

(۳) حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گناہوں کے زنگ اور دل کی سختی غفلت کی لگام ہیں اور ان دونوں کا علاج مسلسل اور ہمیشہ روزے رکھنا ہے' پھر اگر اس کے بعد بھی دل میں سختی محسوس کرے تو سالن کھانا چھوڑ دے۔

۱۵- ﴿كَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! دل پر زنگ چڑھانے والے کاموں سے روکنا اور ڈرانا دھمکانا مقصود ہے ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ بے شک وہ اپنے پروردگار سے یعنی اس کے دیدار سے اس دن ممنوع و محروم رہیں گے۔ ''محجوب'' بہ معنی ممنوع ہے اور ''حجب'' کا معنی ہے: منع کرنا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیک مسلمان اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے ورنہ تخصیص مفید نہیں رہے گی۔

(۱) علامہ حسین بن الفضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح کفار دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید سے محروم رہے' اسی طرح وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

(۲) حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کے دیدار سے محروم رہیں گے اور وہ اس کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ اپنے دوستوں پر ضرور جلوہ فرمائے گا یہاں تک کہ وہ اس کا دیدار کر لیں گے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی عزت و کرامت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کی کرامت سے محروم رہیں گے' لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح ہے' اس لیے کہ دیدار تمام کرامات و اعزازات سے زیادہ قوی اعزاز و کرامت ہے' پس دیدار سے محروم ہونا عزت و کرامت سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔

۱۶- ﴿ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴾ پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو جانے کے بعد دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے۔

۱۷- ﴿ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا: یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے یعنی یہ عذاب وہی ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور جس کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کرتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیوں نہیں! بے شک نیک لوگوں کا نامۂ اعمال ضرور علّیین میں ہے O اور تمہیں کیا معلوم کہ علّیین کیا چیز ہے O وہ لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے O جس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں O بے شک نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں رہیں گے O مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے O آپ ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے O انہیں سربمہر شفاف و خالص شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہوگی' اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے O اور اس میں آبِ تسنیم کی ملاوٹ ہوگی O وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین پئیں گے O

نیک مسلمانوں کے لیے انعامات اور ان کا مذاق اُڑانے پر کفار کی سزا کا بیان

۱۸- ﴿ كَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو روزِ جزاء اور عذابِ آخرت کے جھٹلانے پر زجر و توبیخ کرنا اور ڈانٹنا مقصود ہے ﴿ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ ﴾ بے شک نیک لوگوں کی کتاب جس میں ان کے اعمال لکھے گئے ہیں اور نیک لوگ وہ اطاعت گزار فرماں بردار مسلمان ہیں' جو ناپ تول میں کمی نہیں کرتے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے اور حشر و نشر پر ایمان رکھتے ہیں' یہ اس لیے کہ ان کا ذکر فجار و بدکاروں کے مقابلہ میں کیا گیا ہے اور فجار کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیک وہ شخص ہے جو مخلوقِ خدا کو ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچاتا ﴿ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴾ ضرور علّیین میں ہے اور یہ نیک اعمال کے رجسٹر اور دفتر کا علم اور نام ہے' اس میں وہ تمام اعمالِ خیر لکھ دیئے گئے ہیں جن کو فرشتے اور جن و انس میں سے نیکوکار حضرات بجالائے اور یہ ''فِعِّیل'' کے وزن پر ''عِلِّی'' کی جمع سے منقول ہے اور ''عِلِّی''، ''عُلُوّ'' سے ماخوذ ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ جنت میں عالی شان بلند و بالا درجوں تک بلندی کا سبب ہے یا اس لیے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے' اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہے' اس کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس میں کرّوبیین رہتے ہیں۔

۱۹'۲۰- ﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ O كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ کو کس نے سکھلا دیا کہ علّیین کیا

چیز ہے؟O وہ سربمہر لکھی ہوئی ایک کتاب ہے۔

۲۱۔﴿ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ اس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر آسمان کے مقرب فرشتے نیک لوگوں کے ہر اس عمل کی زیارت کرتے ہیں جسے اوپر بلندی پر لے جایا جاتا ہے۔

۲۲۔﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴾ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

۲۳۔﴿ عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ وہ جنت میں دلہن کے کمرے کی طرح آراستہ اور خوب صورت تختوں اور مسندوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿ یَنْظُرُوْنَ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت وکرامت اور اس کی نعمتوں کی طرف اور اپنے دشمنوں کی طرف دیکھتے ہوں گے کہ انہیں کس طرح عذاب دیا جا رہا ہے۔

۲۴۔﴿ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴾ آپ ان کے چہروں میں جنتی نعمتوں کی رونق وخوشی اور ان کی تروتازگی پہچان لیں گے۔

۲۵، ۲۶۔﴿ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴾ انہیں سربمہر شفاف وخالص شراب پلائی جائے گی ﴿ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ﴾ اس کی مہر مشک ہوگی؛ دنیا میں جس گوندھی ہوئی مٹی کے ساتھ شراب کے برتنوں پر مہر لگائی جاتی تھی؛ اس کے بدلے جنت میں شراب کے برتنوں پر مشک کی مہر لگائی جائے گی؛ جنتی شراب پینے والوں کی تعظیم وتکریم کی خاطر شراب پر مشک کی مہر لگانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا ''خِتَامُهٗ مِسْكٌ'' کا معنی یہ ہے کہ شراب پینے کے اختتام پر مشک کی خوشبو ہوگی یعنی شراب پینے کے خاتمہ پر مشک کی خوشبو محسوس کی جائے گی [قاری علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''خَاتَمُهٗ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿ وَفِیْ ذٰلِكَ ﴾ اور اس میں (یعنی) خالص وشفاف شراب میں یا جنتی نعمتوں میں ﴿ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ پس رغبت کرنے والے ضرور رغبت کریں اور یہ رغبت نیکیوں کو جلد از جلد اپنانے اور برائیوں سے رکنے کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔

۲۷۔﴿ وَمِزَاجُهٗ ﴾ اور اس کی ملاوٹ وآمیزش (یعنی) شراب کی آمیزش ﴿ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴾ تسنیم کے پانی سے ہوگی اور یہ ایک جاری چشمہ کا علم اور نام ہے اور اس کو مصدر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلند وبالا کیونکہ یہ شراب جنت میں بلند قدر ہوگی یا اس لیے کہ یہ شراب ان پر اوپر سے آئے گی اور ان کے برتنوں میں بہائی جائے گی۔

۲۸۔﴿ عَیْنًا ﴾ وہ ایک چشمہ ہے [یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مدح کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ ''اَیْ مِنْهَا'' یعنی شراب کے اس چشمہ میں سے (نیکیوں کے ذریعے قرب پانے والے) اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے پئیں گے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس کو صرف مقربین پئیں گے اور یہ شراب دائیں جانب والوں کو دی جائے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْیَوْمَ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

بے شک مجرم لوگ مسلمانوں پر ہنستے تھے O اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے O اور جب وہ اپنے گھر لوٹتے تو خوش ہوتے ہوئے لوٹتے O اور جب وہ ان کو دیکھتے تو کہتے: بے شک یہ گمراہ لوگ ہیں O حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے O سو آج مسلمان کافروں پر ہنسیں گے O مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے O کیا کافروں کو ان کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے O

۲۹۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ بے شک جن لوگوں نے جرم کیا ہے (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ﴿كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ﴾ وہ دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اُڑانے کے لیے ان پر ہنستے تھے۔

۳۰۔ ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ اور جب وہ مسلمانوں کے پاس سے گزرتے تو ان پر طعن وطنز کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے کے لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند مسلمان ساتھیوں کے ساتھ منافقین کے پاس سے گزرے تو منافقوں نے ان کا مذاق اُڑایا اور ان پر خوب ہنسے اور آپس میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیے اور کہا: کیا تم اس گنجے کو دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت علی مرتضیٰ کے پہنچنے سے پہلے یہ آیت مبارکہ آپ پر نازل ہوگئی۔

۳۱۔ ﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمُ﴾ اور جب وہ اپنے گھر کی طرف لوٹتے یعنی جب کفار اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاتے ﴿انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾ تو وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے لوٹتے (یعنی) وہ مسلمانوں کا مذاق اُڑا کر اور ان کا تحقیر کے ساتھ ذکر کر کے لذت وخوشی محسوس کرتے اور امام حفص نے ''فاکھین'' پڑھا ہے' جس کا معنی ہے: خوش ہونے والے یعنی وہ خوش ہوتے ہوئے لوٹتے۔

۳۲۔ ﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ﴾ اور جب وہ ان کو دیکھتے یعنی جب کفار مسلمانوں کو دیکھتے ﴿قَالُوْا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾ کہتے: بے شک یہ ضرور گمراہ لوگ ہیں یعنی (سیّد عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے' سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ آخرت میں اعزازات کی امید رکھتے ہیں اور بلاشبہ انہوں نے خیالی باتوں کے بدلے حقیقت کو ترک کر دیا ہے اور یہ بعینہ گمراہی ہے۔

۳۳۔ ﴿وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ﴾ اور انہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا (یعنی) کفار کو مسلمانوں پر محافظ و نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ وہ ان پر ان کے احوال کی حفاظت ونگہبانی کریں اور ان کے اعمال کی نگرانی کریں بلکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کی اور اپنوں کی اصلاح کریں (اور کفر وشرک ترک کر کے موحّد ومسلمان اور نیک و پرہیزگار بن جائیں) کیونکہ ان کا اپنی اصلاح میں مشغول رہنا ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے علاوہ مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہیں اور ان کی عقل مندیوں پر حماقت وبے وقوفی کے فتوے لگائیں۔

۳۴۔ ﴿فَالْيَوْمَ﴾ سو آج یعنی قیامت کے دن ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ مسلمان کفار پر ہنسیں گے

جیسا کہ کفار دنیا میں مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

۳۵۔﴿عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ بہترین مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے [یہ "یضحکون" سے حال واقع ہورہا ہے] یعنی مسلمان کافروں کو ذلت ورسوائی میں مبتلا دیکھ کر ان پر اور ان کے اس حال پر ہنسیں گے کہ یہ بدنصیب لوگ دنیا میں عزت ووقار اور تکبر وغرور کے بعد آج کس قدر ذلیل ورسوا ہورہے ہیں اور اس وقت مسلمان امن وسکون کے ساتھ خوب صورت وآراستہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: تم جنت کی طرف چلو پھر جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو ان کے سامنے جنت کا دروازہ بند کردیا جائے گا اور مسلمان ان کی یہ ذلت ورسوائی دیکھ کر ان پر ہنسیں گے۔

۳۶۔﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ کیا کفار کو ان کے ان کاموں پر بدلہ دے دیا گیا ہے جو وہ کرتے تھے۔ جب کفار کے ساتھ وہ رسوا کن عمل کیا جائے گا جس کا ذکر (جنت کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا) ہو چکا ہے تو اس وقت کہا جائے گا کہ کیا کفار کو دنیا میں مسلمانوں کے مذاق اُڑانے کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟

سورۃ الانشقاق مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	آیاتہا ۲۵ رکوعہا ۱

سورۃ الانشقاق مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی پچیس آیات' ایک رکوع ہے

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گا اور اس کا یہی حق ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ○ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گی اور اس کا یہی حق ہے ○ اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کی بہت کوشش کرنے والا ہے' سو تو اس سے ملاقات کرنے والا ہے ○ سو لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ تو عنقریب اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش وخرم ہوتا ہوا لوٹے گا ○

زمین وآسمان کے فنا ومطیع ہونے اور مسلم وکافر کے حساب وانجام کا بیان

۱'۲۔﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کرلے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم سنے گا اور اسے قبول کرلے گا اور اطاعت کرتے ہوئے پھٹ جائے گا اور انکار نہیں کرے گا اور نہ پھٹنے سے رُکے گا ﴿وَحُقَّتْ﴾ اور اس کا یہی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنے اور اسے قبول کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔

۳تا۵-﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾ اور جب زمین کو دراز کر کے وسیع و کشادہ کیا جائے گا اور اسے ہر طرف پھیلا دیا جائے گا اور زمین کے پہاڑوں اور اس میں موجود اونچے ٹیلوں اور مکانوں کو ہموار کر کے زمین کو برابر کر دیا جائے گا ﴿وَاَلْقَتْ مَافِیْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں ہوگا وہ اُسے باہر ڈال دے گی (یعنی) خزانوں اور مُردوں میں سے جو کچھ زمین کے اندر مدفون مخفی ہوگا وہ اسے باہر پھینک دے گی ﴿وَتَخَلَّتْ﴾ اور وہ بالکل خالی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کے اندر کچھ باقی نہیں بچے گا گویا زمین نے اپنی انتہائی کوشش کر کے اپنے اندر کو خالی کرنے کی مشقت اٹھائی ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور زمین اپنے اندر کی ہر چیز کو باہر پھینکنے اور اپنے آپ کو خالی کرنے میں اپنے پروردگار کا حکم سن کو قبول کر لے گی ﴿وَحُقَّتْ﴾ اور وہ اسی لائق ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے اور بجا آوری سے نہ رُکے اور ''اِذَا'' کا جواب صرف اس پر اکتفاء کرنے کے لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس طرح کا جواب سورتِ انفطار اور سورتِ تکویر میں معلوم ہو چکا ہے یا اس کا جواب وہ ہے جس پر ''فَمُلَاقِیْهِ'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا تو انسان اپنی محنت و کوشش کو پا لے گا۔

٦-﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ﴾ جنس انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے انسان! ﴿اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا﴾ بے شک تو اپنے پروردگار کی طرف (یعنی) اپنے پروردگار کی ملاقات کی طرف خوب جدوجہد اور کوشش کرنے والا ہے اور وہ موت ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ ملاقات کے لیے حالِ مشلہ ہے ﴿فَمُلٰقِیْهِ﴾ سو وہ اس سے ملنے والا ہے اس کی ضمیر ''کدح'' کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ہے انسان کا عمل میں کوشش کرنا اور اس میں محنت و مشقت اٹھانا یہاں تک کہ وہ اس میں مؤثر ہو جائے اور ''کدح'' سے اس کی جزاء مراد ہے پھر اگر کدح و محنت اور کوشش نیک عمل کے لیے ہوگی تو جزاء نیک اور خیر و بھلائی ہو گی اور اگر محنت و کوشش بُرے عمل کے لیے ہوگی تو اس کی جزاء بھی بُری ہوگی اور بعض حضرات نے فرمایا: ''لقائے کدح'' سے کتاب مراد ہے جس میں ''کدح'' بھی شامل ہے جس پر یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ دلالت و رہنمائی کرتا ہے۔

۷،۸-﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ﴾ سو لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی یعنی اس کے عمل کی کتاب ﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾ سو عنقریب اس کا حساب آسان لیا جائے گا سہولت و نرمی کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ اسے نیکیوں پر بہترین جزاء اور صلہ عطا کیا جائے گا اور برائیوں سے درگزر کیا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے: جس شخص کا حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا' سو اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ پھر اس آیت مذکورہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے: اعمال اس کے سامنے پیش کرنا (پھر نیکیوں پر نیک جزاء جب کہ برائیوں سے درگزر) اور حدیث کا مطلب ہے کہ جس شخص پر حساب لینے میں سختی کی جائے گی تو اسے عذاب دیا جائے گا۔[1]

۹-﴿وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش لوٹے گا (یعنی) وہ اپنے خاندان کی طرف لوٹے گا' اگر وہ نیک مسلمان ہوں گے یا مؤمنوں کی جماعت کی طرف لوٹے گا یا جنت میں حورِعین کی طرف لوٹے گا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝١٠ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّیَصْلٰى سَعِیْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ۝١٥

معانقہ ۱۰ عند المتاخرین ۱۰

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳' مسلم رقم الحدیث: ۸۰-۲۸۷۶

اور لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گاO تو عنقریب وہ موت کی دعا کرے گاO اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گاO بے شک وہ اپنے گھر والوں میں خوش رہا کرتا تھاO بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گاO کیوں نہیں! بے شک اس کا پروردگار اسے خوب دیکھنے والا ہےO

۱۰ تا ۱۲- ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴾ اور لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دی جائے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کی گردن کی طرف باندھ دیا جائے گا اور اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور اس کی کتاب اس کی پشت کی طرف سے اس کے بائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی ﴿فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ پس وہ عنقریب موت کی دعا مانگے گا اور کہے گا: ''وَا ثبوراہ'' ہائے موت! اور ''ثبور'' کا معنی ہے: ہلاکت ﴿وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا﴾ اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا یعنی وہ جہنم میں داخل ہو گا [قاری علی کسائی کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں ''یَصْلٰی'' پڑھا جاتا ہے]۔

۱۳- ﴿اِنَّهٗ کَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ بے شک وہ دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کفر و شرک پر بڑا مسرور و خوش رہتا تھا اور ان پر ہنسا کرتا تھا' جو حشر و نشر پر ایمان لاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنے نفس کا پیرو کار تھا اور اپنی خواہشات کو آسودہ رکھنے میں مشغول رہتا تھا۔

۱٤- ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ﴾ بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کی تکذیب کی وجہ سے اس نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں ہرگز نہیں لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ''یحور'' کی تفسیر نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی (دیہاتی) عورت سے سنا جو اپنی بیٹی سے کہنے لگی: ''حوری'' یعنی تو واپس لوٹ کر آ جا!

۱۵- ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں! یہ ''لَنْ یَّحُوْرَ'' میں نفی کے مابعد کے لیے اثبات ہے یعنی کیوں نہیں! وہ ضرور لوٹے گا ﴿اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیْرًا﴾ اس کا پروردگار اسے اور اس کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے' اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے پس وہ ضرور اسے لوٹائے گا اور اسے اس کے (مشرکانہ) اعمال پر سزا دے گا۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدۃ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع

سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم!O اور رات کی قسم! اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہےO اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے!O تم ضرور منزل بہ منزل چڑھو گےO سو انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہیں لاتےO اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو

وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ جھٹلاتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں O سو (اے محبوب!) آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O

۱۶- ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم! (یعنی) مغرب کے وقت سرخی کے بعد پھیلنے والی سفیدی اور روشنی کی قسم! یا پھر خود سرخی کی قسم! (جو آسمان کے کناروں پر ہوتی ہے' تازہ غروبِ آفتاب کی وجہ سے اُجالا اور روشنی موجود ہوتی ہے' پھر بعد از مغرب' عشاء کے آتے ہی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے)۔

۱۷- ﴿وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ اور رات کی قسم! اور ان چیزوں کی قسم جن کو وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے! جمع کر لیتی ہے اور ملا لیتی ہے اور ان چیزوں سے ظلمت و تاریکی اور ستارے مراد ہیں جن کو رات اپنے اندر جمع کر لیتی ہے یا پھر نمازِ عشاء' تہجد' تلاوتِ قرآن' ذکر و فکر اور تسبیحات وغیرہ عبادات و اعمال مراد ہیں جو رات میں ادا کیے جاتے ہیں۔

۱۸- ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ﴾ اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے! مجتمع اور کامل ہو جائے جیسے چودھویں رات کا چاند ["اِتَّسَقَ" بابِ افتعال بروزن "اِفْتَعَلَ" "وَسْقٌ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: جمع کرنا]۔

۱۹- ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ اے انسان! تم ضرور سوار ہوگے۔ یہاں انسان سے اس کی جنس مراد ہے (عام انسان مراد ہے مسلم ہو یا کافر' مطیع ہو یا عاصی) ﴿طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ درجہ بہ درجہ' منزل بہ منزل یعنی ایک حال کے بعد دوسرے حال پر چڑھو گے' ہر حال شدت و سختی میں اپنے دوسرے حال کے مطابق و موافق ہوگا' پس "طبق" وہ ہے جو اپنے غیر کے مطابق ہو' چنانچہ کہا جاتا ہے: "مَا هٰذَا بِطَبَقِ هٰذَا" یعنی یہ اس کے مطابق نہیں اور اسی وجہ سے پردے کو "طبق" کہا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "طَبَقَةٌ" کی جمع ہو' جس کا معنی ہے: مرتبہ' جیسے عرب کا قول ہے: "هُوَ عَلٰى طَبَقَاتٍ" وہ بڑے مراتب پر فائز ہے یعنی تم احوال کے بعد دوسرے احوال پر چڑھو گے اور یہ طبقات و احوال شدت و سختی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے اور یہ احوال موت اور موت کے بعد قیامت کے مواطن و مقامات اور اس کے ہولناک مناظر ہیں ["عَنْ طَبَقٍ" محلاً منصوب ہے' اس بناء پر کہ یہ "طَبَقًا" کی صفت ہے یعنی ہر طبق دوسرے طبق سے بڑھ کر ہوگا' یا یہ "لَتَرْكَبُنَّ" میں ضمیر سے حال ہے یعنی تم ایک دوسرے سے بڑھ کر احوال پر چڑھو گے] حضرت مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم ہر بیس سال کے بعد ایسے نئے اُمور ایجاد کرو گے جن پر تم پہلے نہیں تھے [ابن کثیر مکی' علی کسائی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "لَتَرْكَبَنَّ" میں "با" مفتوح ہے اور فعل واحد مخاطب ہے] اور اس قراءت کے مطابق خطاب حضور سیّد عالم ﷺ کے لیے ہے' یعنی اے محبوب! آپ شبِ معراج میں تمام آسمانوں کے تمام طبقات پر چڑھیں گے (اور تمام مقامات طے کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں پہنچیں گے)۔

۲۰'۲۱- ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اصل میں "فَمَا لَهُمْ اَلَّا يُؤْمِنُوْا" ہے' پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ﴾ اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے (یعنی) وہ عاجزی اختیار نہیں کرتے۔

۲۲'۲۳- ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾ بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں' وہ حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قرآن مجید کو جھٹلاتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں محفوظ

رکھتے ہیں (یعنی) وہ لوگ جو کچھ اپنے سینوں میں (کفر وشرک اور بغض وحسد اور بغاوت وسرکشی) جمع کرتے ہیں اور وہ دلوں میں کفر اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کو چھپاتے ہیں یا وہ بُرے اعمال میں سے جو کچھ اپنے صحیفوں میں جمع کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کے لیے مختلف اقسام وانواع کے عذابوں کا ذخیرہ کر رہے ہیں۔

۲۴'۲۵۔﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں (یعنی) آپ انہیں ایسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں جس کا اثر ان کے اجسام کے ظاہری حصے (چمڑے) پر ظاہر ونمودار ہو جائے ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک اعمال کیے [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ ان کا اجر وثواب کبھی ختم نہ ہونے والا ہے یا ان کا اجر وثواب کبھی کم نہیں ہوگا۔

سورۃ البروج مکیۃ	بسم اللہ الرحمن الرحیم ○	آیاتھا ۲۲ رکوعھا ۱
سورۃ البروج مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی بائیس آیات' ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾

برجوں والے آسمان کی قسم! ○ اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا گیا ہے! ○ اور حاضر (کی قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا! ○ خندقوں والے لوگ ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○ جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے ○ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں ○ اور مسلمانوں کی طرف سے انہیں کوئی بات بُری نہیں لگی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہر طرح قابل حمد وستائش ہے ○

اصحاب اخدود کی مذمت وسزا' اور نیک مسلمانوں کی کامیابی کا بیان

۱۔﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ برجوں والے آسمان کی قسم! یہ بروج بارہ ہیں (جو یہ ہیں: (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت)! اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بروج'' سے ستارے مراد ہیں یا بڑے ستارے مراد ہیں۔

۲۔﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے! اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۳۔﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ﴾ اور اس دن (یعنی قیامت کے روز) میں حاضر ہونے والے کی قسم! اور جس کو اس دن میں حاضر کیا جائے گا' اور ''شاھد'' سے وہ تمام مخلوق مراد ہے جو اس دن میں حاضر ہوگی' اور ''مشھود فیہ'' سے وہ تمام عجائب وغرائب مراد ہیں جو اس دن میں حاضر کیے جائیں گے اور ان دونوں کو نکرہ (عام) لانے کا طریقہ یا تو وہی ہے جو ارشادِ باری تعالیٰ ''عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○'' (التکویر: ۱۴) میں بیان ہوا' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''شاھد و مشھود''

کس قدر کثرت کے ساتھ بہت زیادہ ہوں گے اور یا پھر ان کے وصف کو مبہم رکھنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ''شاھد و مشھود'' ایسی دو چیزیں ہیں جن کی کنہ اور حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور ان دونوں کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں' چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ (۱) ''شاھد'' سے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور ''مشھود'' سے قیامت کا دن مراد ہے (۲) ''شاھد'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ''مشھود'' سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ'' (المائدہ:۱۱۷) ''اور میں ان پر اس وقت تک نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا'' (۳) ''شاھد'' سے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور ''مشھود'' سے باقی تمام امتیں مراد ہیں (۴) ''شاھد'' سے حجر اسود مراد ہے اور ''مشھود'' سے تمام حجاج کرام مراد ہیں (۵) ''شاھد'' سے دن اور راتیں مراد ہیں اور ''مشھود'' سے تمام بنو آدم مراد ہیں' کیونکہ حدیث شریف میں ہے: کوئی ایسا دن نہیں آتا مگر وہ اعلان کرتا ہے: میں نیا دن ہوں اور میرے اندر جو کچھ کیا جائے گا' میں اس کی گواہی دوں گا' سو تم مجھے غنیمت سمجھو (۶) ''شاھد'' سے محافظ فرشتے مراد ہیں اور ''مشھود'' سے تمام بنو آدم مراد ہیں (۷) ''شاھد'' سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ''مشھود'' سے مخلوق مراد ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاO'' (الفتح:۲۸) ''اور اللہ تعالیٰ کافی نگہبان ہےO'' (۸) ''شاھد'' سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں (جو اپنے اپنے زمانے میں حضور کی نبوت ورسالت کی گواہی دیتے رہے) اور ''مشھود'' سے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور قسم کا جواب محذوف ہے' جس پر (درج ذیل آیت مبارکہ) دلالت ورہنمائی کرتی ہے۔

٤- ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ خندقوں والے ہلاک ہو جائیں یعنی ان پر لعنت و پھٹکار ہو' گویا فرمایا گیا ہے کہ میں ان تمام چیزوں کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ بے شک یہ لوگ لعنتی اور ملعون ہیں یعنی قریش مکہ کے کفار جیسا کہ خندقوں والوں پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے اور ''اُخْدُوْدٌ''' ''خَدٌّ'' کی جمع ہے اور ''خد'' کا معنی ہے: زمین میں بہت بڑا شگاف و گڑھا۔

حضور نبی کریم ﷺ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک بت پرست قوم کا خدائی کا دعوے دار بادشاہ تھا' جس کے پاس ایک جادوگر تھا جس کے جادو پر حکومت کا دارومدار تھا' جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: ایک لڑکا میرے سپرد کر دیں تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد تیرے کام آئے' چنانچہ بادشاہ نے ایک ذہین وہوشیار لڑکا اس کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس لڑکے کو جادو سکھا دے اور لڑکے کے راستے میں ایک راہب (دین دار بزرگ) تھا جس کے پاس یہ لڑکا بیٹھ جاتا اور اس سے دین کی باتیں سنتا' یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنے راستے میں ایک خونخوار جانور (سانپ وغیرہ) دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا' اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے میرے اللہ! اگر یہ راہب تجھے جادوگر سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے تو جانور کو ہلاک کر دے اور اس کا خاتمہ فرما' اور یہ کہہ کر اس نے زور سے وہ پتھر اس جانور کو مارا جس سے وہ جانور مر گیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہی لڑکا مادر زاد نابینوں کو شفاء یاب کرنے لگا اور برص کے داغ والے کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور بادشاہ کا ایک ہم نشین مصاحب بھی نابینا تھا' اسے پتا چلا تو وہ بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اس لڑکے نے اسے بھی شفاء یاب کر کے تندرست کر دیا اور وہ انکھیارا ہو گیا' جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تیری بینائی تجھے کس نے لوٹا دی ہے؟ اس نے کہا: میرے اللہ تعالیٰ نے جو میرا پروردگار ہے' یہ بات سنتے ہی بادشاہ غضب ناک ہو گیا اور اسے سخت ترین سزا دی تو اس نے لڑکے کے متعلق سب کچھ بتا دیا

اور بادشاہ نے اس لڑکے کو بلا کر سخت سزا دی تو اس نے راہب کا پتا بتا دیا' چنانچہ اسے بلایا گیا اور اس نے اپنے دین سے پھرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ڈٹ گیا تو بادشاہ نے آرہ منگوا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا اور لڑکے نے بھی اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیا' چنانچہ بادشاہ کے حکم پر اسے ایک بلند ترین پہاڑ پر لے جایا گیا تا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا کر ہلاک کر دیا جائے' سو لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور لے جانے والے سارے لوگ ہلاک ہو گئے اور وہ لڑکا صحیح سلامت نجات پا کر واپس آ گیا' پھر بادشاہ کے حکم پر اسے کشتی کی طرف لے جایا گیا' چنانچہ لوگوں نے دریا کے پاس لے جا کر کشتی میں سوار کیا تا کہ وہ اسے دریا میں غرق کر دیں تو لڑکے نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی' چنانچہ کشتی الٹ گئی اور لے جانے والے سارے ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ تم مجھے اس طرح ہرگز قتل نہیں کر سکتے' یہاں تک کہ تم تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کر لو اور مجھے کھجور کے تنے کے ساتھ سولی پر لٹکا دو اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال لو اور کہو: ''بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ'' اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا پروردگار ہے' پھر تم مجھے وہ تیر مارو' چنانچہ بادشاہ نے اس طرح اسے تیر مارا تو وہ اس کی کنپٹی پر جا لگا اور لڑکے نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور فوت ہو گیا تو لوگوں نے یہ دیکھ کر بہ یک آواز کہا: ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ'' ہم سب اس لڑکے کے ربِ تعالیٰ پر ایمان لائے' چنانچہ بادشاہ سے کہا گیا کہ جس بات سے تم ڈرتے تھے وہی ہو گیا کہ سب لوگ مسلمان ہو گئے' تو بادشاہ نے زمین میں گہری اور چوڑی خندقیں کھدوائیں اور لکڑیاں ڈلوا کر انہیں آگ سے بھر دیا اور جو شخص اپنے دین سے نہ پھرتا' بادشاہ اسے اسی آگ میں پھینکوا دیتا یہاں تک کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ آئی اور وہ اپنے بچے کی وجہ سے اس آگ کی خندق میں گرنے سے گھبرا گئی تو اس کے بچے نے کہا: اے اماں جان! صبر کیجئے بے شک آپ حق پر ہیں' چنانچہ بچے کو اس کی ماں سمیت آگ میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۵)

۵- ﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ بے شک یہ ایک بہت بڑی آگ تھی کیونکہ لوگوں کے بدنوں' جسموں اور لکڑیوں کی کثرت کے باعث اس آگ کے بھڑکنے کی وجہ سے اس کے شعلے جوش مارتے ہوئے بہت بلندی تک جاتے تھے [''النار''، ''الاخدود'' کا بدل الاشتمال ہے اور ''ذات الوقود'' اس کی صفت ہے]۔

۶- ﴿اِذْ﴾ [یہ ''قُتِلَ'' کا ظرف ہے] یعنی ان پر اس وقت لعنت کی گئی جب انہوں نے مسلمانوں کو آگ میں جلایا جب کہ خود اس کے ارد گرد بیٹھے تھے ﴿هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ﴾ وہ لوگ اس پر بیٹھے تھے یعنی کفار خندقوں کے کناروں پر آگ کے نزدیک کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

۷- ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں یعنی کفار مسلمانوں کو آگ میں جلانے کا جو کام کر رہے تھے اس پر وہ بادشاہ کے پاس ایک دوسرے کے لیے گواہی دیتے کہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی کوتاہی نہیں کی جو اسے حکم دیا گیا تھا اور جو سزا دینے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے پورا کیا ہے' اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر کرنے کی اور اہل مکہ کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کی ترغیب دی ہے اور انہیں اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

۸- ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا﴾ اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے کوئی چیز ناگوار نہیں لگی مگر یہ کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کے ایمان کے سوا انہیں کوئی چیز بری نہیں لگی جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

وَلَا عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوْفَهُمْ — فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

''اور ان میں اور کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے ٹکرانے سے کُند ہو چکی ہیں''۔

اور ایک شاعر کا قول ہے:

مَا نَقِمُوْا مِنْ بَنِیْ اُمَیَّةَ   اِلَّا اَنَّهُمْ یَحْلُمُوْنَ اِنْ غَضِبُوْا

''انہیں بنوامیہ میں کوئی عیب نظر نہیں آیا ماسوا اس کے کہ جب انہیں غضب ناک کیا جاتا ہے تو وہ بڑے حوصلے اور بردباری سے کام لیتے ہیں''۔

[قاف کے کسرہ کے ساتھ ''نَقِمُوْا'' بھی پڑھا جاتا ہے جب کہ فتح (زبر) فصیح ہے] ﴿بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ اللہ تعالیٰ پر جو غالب و قابلِ ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف کا ذکر کیا جن کے باعث وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا زبردست غالب و قادر ہونا جس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور حمید و محمود' منعم و محسن ہونا' اس کی نعمت و احسان پر اس کی حمد و ثناء واجب و لازم ہے اور اس بناء پر اس سے ثواب کی اُمید رکھنی چاہیے۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ﴿۱۱﴾

جس کے لیے آسمانوں اور زمین میں حکومت و سلطنت ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے O بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف دِہ آزمائش میں مبتلا کیا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے آگ میں جلنے کا عذاب ہے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

۹- ﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہی ایک ذات ہے جس کی آسمانوں میں اور زمین میں حکومت و سلطنت ہے' سو اس کی عبادت ہر اس ہستی پر واجب و لازم ہے جو ان دونوں کے درمیان موجود ہے' نیز اس کا عاجز و محتاج بندہ بننا بھی لازم ہے کیونکہ مسلمانوں کی جو چیز کافروں کو بُری اور ناگوار لگی وہ حق تھا جس کو بُرا نہیں سمجھتے مگر باطل پرست کافر اور بُرا منانے والے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر کے مسلمانوں کی طرف سے انتقام لے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ یہ کفار کے لیے وعید و دھمکی ہے یعنی وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے' وہ انہیں اس پر ضرور سزا دے گا۔

۱۰- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنہ میں ڈال دیا' اور یہ ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں سے صرف خندقوں والے لوگ مراد ہوں اور مسلمانوں سے صرف وہی اہل ایمان مراد ہوں جنہیں آگ کی خندقوں میں پھینکا گیا تھا اور انہیں فتنے میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ انہیں آگ کا عذاب دیا گیا اور انہیں آگ میں جلایا گیا ﴿ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا﴾ پھر انہوں نے توبہ کر کے کفر و شرک سے رجوع نہیں کیا ﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾

تو ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴾ اور ان کے لیے دنیا میں آگ میں جلانے کا عذاب ہوا' کیونکہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ وہی خندقوں والی آگ ان لوگوں پر بھی پلٹ گئی تھی اور انہیں جلا دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں یعنی اذیتیں اور تکلیفیں دینے والوں سے عمومی طور پر تمام کفار مراد ہوں اور مسلمانوں سے وہ تمام اہل ایمان مراد ہوں جنہیں ایمان لانے پر اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں اور دردناک اذیتوں کے فتنے میں مبتلا کرنے والوں کو آخرت میں دو عذاب دیئے جائیں گے' ایک عذاب ان کے کفر و شرک کرنے پر اور دوسرا عذاب مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانے پر۔

۱۱ - ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے یعنی وہ مسلمان جنہوں نے خندقوں کے عذاب پر صبر کیا تھا یا یہ عام ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے O بے شک پہلی مرتبہ وہی ایجاد کرتا ہے اور دوبارہ وہی لوٹائے گا O اور وہی بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے O عرش والا بڑی عظمت و بزرگی والا ہے O وہ جسے چاہتا ہے اسے خوب ایجاد کرتا ہے O کیا لشکروں کی خبر آپ کے پاس آ چکی ہے O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار جھٹلانے میں ہیں O اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ وہ عظمت و بزرگی والا قرآن ہے O لوحِ محفوظ میں O

اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور قرآن مجید کی عظمت کا بیان

۱۲ - ﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ''بَطْشٌ'' کا معنی ہے: سختی کے ساتھ پکڑنا' پھر جب اس کو شدت کے ساتھ متصف کیا گیا تو اس کے معنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا' اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جابر و ظالم لوگ سزا دینے اور انتقام لینے کے لیے بہت زیادہ سختی سے پکڑتے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو بہت سختی کے ساتھ پکڑے گا۔

۱۳ - ﴿ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴾ بے شک پہلی بار وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی پیدا کر کے اُٹھائے گا یعنی وہی ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی ان کو مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا پہلی بار پیدا کرنا اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اعادہ کر کے اٹھانے پر قادر و غالب ہونا' اس کی سخت ترین گرفت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا اور دھمکایا کہ وہ انہیں یقیناً مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے اٹھائے گا جیسا کہ انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا تا کہ سخت ترین گرفت و پکڑ میں لے کر سخت عذاب دے کیونکہ انہوں نے پہلی بار پیدا ہونے کی نعمت کا شکر ادا نہیں

کیا اور دوبارہ پیدا ہونے کو جھٹلا دیا۔

۱۴- ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ﴾ اور وہ عیبوں کو بہت چھپانے والا اور گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿الْوَدُوْدُ﴾ اپنے دوستوں سے بہت محبت کرنے والا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں کے ساتھ وہی کرے گا جو محبت کرنے والا اپنے پیاروں کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

۱۵- ﴿ذُوالْعَرْشِ﴾ عرش والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ عرش کا خالق و مالک ہے ﴿الْمَجِيْدُ﴾ بڑی بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی سے اس کی عظمت و کبریائی مراد ہے اور عرش کی بزرگی سے اس کی عظمت و بلندی مراد ہے [''مجید'' قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں ''عرش'' کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے]۔

۱۶- ﴿فَعَّالٌ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''ای هُوَ فَعَّالٌ'' ﴿لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ''تکوینہ'' یعنی وہ جس چیز کی تکوین و ایجاد چاہتا ہے' اسے بہت اچھی طرح پیدا کرتا ہے' پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ تمام بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۸'۱۷- ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ﴾ کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر آ چکی ہے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سرکشی و نافرمانی کرنے والی جماعتوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ چکی ہے ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ یعنی فرعون اور ثمود وغیرہ قوموں کی خبر [یہ ''الجنود'' سے بدل ہے] فرعون سے وہ خود اور اس کی قوم مراد ہے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ (اے محبوب!) آپ تو گزشتہ رسولوں اور ان کے جھٹلانے والے لشکروں (یعنی قوموں) کو اور ان لشکروں اور قوموں کے جھٹلانے کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

۱۹- ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ آپ کی قوم میں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ﴿فِيْ تَكْذِيْبٍ﴾ جھٹلانے میں اور اپنے اوپر عذاب واجب کرنے میں مشغول ہیں اور وہ گزشتہ امتوں کے سرکش و نافرمان لشکروں اور قوموں سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتے۔ ان پر گزشتہ سرکش و نافرمان لشکروں کا حال مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے لیکن وہ آپ کو عناد و بغض کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔

۲۰- ﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے احاطہ کرنے والا ہے' ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے اور ان پر قادر و غالب ہے جب کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کا پیچھے سے احاطہ کرنا بطور مثال اور بطور محاورہ بولا گیا کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بچ نہیں سکتے جیسا کہ احاطہ کرنے والے سے کوئی چیز بچ کر نہیں نکل سکتی۔

۲۲'۲۱- ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ بلکہ یہ جسے انہوں نے جھٹلایا ہے عظمت و بزرگی والا قرآن ہے' جو تمام کتابوں میں عالی مرتبت ہے اور اپنے نظم و اعجاز میں بے مثال ہے۔ جس طرح کفار مکہ گمان کرتے ہیں کہ یہ من گھڑت اور پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے ﴿فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ یہ لوح محفوظ میں شیطانوں کے وصول سے محفوظ ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں قرآن کی صفت ہونے کی بناء پر ''مَحْفُوْظٌ'' مرفوع پڑھا جاتا ہے] یعنی تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ ہے اور حضرت حسن بصری کے نزدیک ''لوح'' ایک ایسی چیز ہے جو فرشتوں کے لیے روشن اور ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے پڑھتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''لوح'' ایک سفید موتی ہے جس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کا قلم نور کا ہے اور اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب پر ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ

بندھا ہوا ہے اور اس کا زیریں حصہ ایک معزز فرشتہ کی گود میں ہے۔

سورۃ الطارق ۸٦ — بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ — رکوعہا ۱
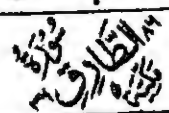
سورۃ الطارق مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی سترہ آیات ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع

قسم ہے آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے کی! ○ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ○ (وہ) خوب چمکنے والا ستارہ ہے ○ کوئی جان ایسی نہیں مگر اس پر محافظ مقرر ہوتا ہے ○ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ (مرد کی) پیٹھ اور (عورت کے) سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ○ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے واپس اعادہ کرنے پر ضرور قادر ہے ○ جس دن دلوں کے پوشیدہ بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے ○ سو اس وقت اس کے پاس نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا ○ بارش برسانے والے آسمان کی قسم! ○ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! ○ بے شک وہ (قرآن حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○ اور وہ لغو نہیں ہے ○ بے شک وہ (کفار) بہت خفیہ سازش کرتے ہیں ○ اور میں خوب خفیہ تدبیر کرتا ہوں ○ سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں ○

مؤکد بہ قسم انسان کی حفاظت وتخلیق اور قرآن کی عظمت اور کفار کی سازش کا بیان

۱ تا ۳- ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے ستارہ کی قسم! اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ○ وہ خوب چمکنے والا ستارہ ہے۔ مخلوق کی نگاہوں میں آسمان کی قدر و شان کو بڑھایا گیا ہے کیونکہ وہ مخلوق کے رزق کا معدن ومنبع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن و ٹھکانا ہے اور اس میں جنت کو پیدا کیا گیا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے اس کی اور ''طارق'' کی قسم اٹھائی ہے اور ''طارق'' سے تمام ستارے مراد ہیں کوئی مخصوص ستارہ نہیں' کیونکہ ''طارق'' سے ''نجوم'' کی جنس مراد ہے (یعنی ہر چمکنے والے ستارے کی قسم!) یا جنس ''شہب'' مراد ہے (یعنی) ہر وہ ستارہ جس کے ساتھ شیاطین کو مار کر بھگایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی بہت بڑی منفعت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''طارق'' کی ''نجم ثاقب'' کے ساتھ تفسیر وتوضیح فرمائی یعنی چمکنے والا اور خوب روشن ستارہ گویا

وہ تاریکی میں سوراخ کر دیتا ہے اور اس میں گھس جاتا ہے اور اس کو "طـارق" کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا کہ یہ ستارہ رات کے وقت طلوع ہوتا ہے اور رات کو نمودار ہوتا ہے' چنانچہ رات کے وقت آنے والے کو طارق کہا جاتا ہے۔

٤- ﴿ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ﴾ ہر جان پر محافظ مقرر ہے جو اس کی آفات وبلیات سے حفاظت کرتا ہے یا وہ اس کے عمل اور اس کے رزق اور اس کی زندگی کی حفاظت کرتا ہے' پھر جب اس کی یہ چیزیں پوری ہو جاتی ہیں تو وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس محافظ سے اعمال لکھنے والا فرشتہ مراد ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ "لَـمَّا" اگر مشدد بہ معنیٰ "اِلَّا" ہو جیسا کہ امام عاصم کوفی' قاری حمزہ کوفی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہے تو پھر "اِنۡ" نافیہ ہوگا یعنی کوئی جان نہیں ہے مگر اس پر محافظ مقرر ہے' اور اگر "لَـمَّا" مشدد کی بجائے مخفف "لَـمَا" ہو جیسا کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ہے تو پھر "اِنۡ" ثقیلہ سے مخففہ ہوگا یعنی بے شک ہر جان پر محافظ ضرور ہوتا ہے' اس صورت میں حرف "مَـا" زائدہ ہوگا اور لام "اِنۡ" نافیہ اور "اِنۡ" خفیفہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہوگا اور "حَـافِظٌ" مبتدا مؤخر ہے اور "عَـلَيۡهَا" خبر مقدم ہوگی اور مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر "كُلٌّ" کی خبر ہوگی اور ان دو صورتوں میں جو بھی صورت ہو قسم کا جواب یہی ہوگا]۔

٥'٦- ﴿ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴾ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ ہر انسان پر محافظ ہوتا ہے تو اسے اس آیت مبارکہ میں حکم دیا کہ وہ اپنی پہلی حالت کو غور سے دیکھے تاکہ وہ یہ جان لے کہ بے شک جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اس کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر اور اس کے اعمال پر جزاء وسزا دینے پر بھی قادر ہے' پس روزِ جزاء کے لیے عمل کرے اور وہ اپنے محافظ سے صرف ایسے اعمال لکھوائے جو اسے آخرت میں خوش وخرم اور کامیاب وکامران کر دیں [اور "مِـمَّ خُـلِقَ" استفہام (سوالیہ کلام) ہے یعنی اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور اس سوال کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے:] ﴿ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴾ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ "دفق" کا معنی ہے: تیزی سے دفعۃً گرنا اور یک دم بہنا اور ٹپکنا' اور حقیقت میں یہ صفت پانی گرانے والے انسان کی ہے اور یہاں "مَـآءٍ" کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے اور بعض اہل لغت سے منقول ہے: "دَفَـعۡتُ الۡمَـآءَ" کا معنی ہے: میں نے پانی کو بہا دیا اور "دَفَقَ الۡمَـآءُ بِنَفۡسِهٖ" پانی خود بخود بہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے "مِنۡ مَّـآءَيۡنِ" دو پانی نہیں فرمایا کیونکہ مرد اور عورت کے پانی رحم میں جا کر متصل ہو جاتے ہیں' مل جاتے ہیں اور مکس ہو جاتے ہیں اور دونوں کے متحد ہونے سے بچہ کی پیدائش کی ابتداء ہوتی ہے۔

٧- ﴿ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴾ وہ پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے (یعنی) مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہ سینے کی ہڈیاں ہیں جہاں ہار ٹھہرتا ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہڈیاں اور پٹھے مرد کی منی سے پیدا ہوتے ہیں اور گوشت اور خون عورت کی منی سے پیدا ہوتا ہے۔

٨- ﴿ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ﴾ بے شک وہ اسے دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کر کے لوٹانے پر ضرور قادر ہے ["اِنَّـهٗ" کی ضمیر خالق کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اس پر "خُـلِقَ" دلالت ورہنمائی کر رہا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جس نے انسان کو ابتداء میں نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ خصوصاً اس کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے' جس کی قدرت واضح اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز عاجز نہیں ہے جیسا کہ یہ قول ہے: "اِنِّيۡ لَفَقِيۡرٌ" بے شک میں فقیر ومحتاج ہوں یعنی یہ فقر واضح اور ظاہر ہے۔

٩- ﴿ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ﴾ جس دن دلوں میں چھپے عقائد ونیات اور ارادے اور مخفی اعمال ظاہر ہو جائیں گے ["يَوۡمَ"

کی نصب "رَجْعِہٖ" کی وجہ سے ہے یا پھر فعلِ مضمر کی وجہ سے ہے جس پر "رَجْعِہٖ" دلالت ورہنمائی کر رہا ہے "اَیْ یَبْعَثُہٗ"]۔

۱۰۔﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾ سو اس کے لیے نہ طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا (یعنی) انسان کے پاس نہ ذاتی قوت وطاقت ہوگی جس کے سبب اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت وعذاب کا دفاع کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو اس کی مدد کر سکے اور اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

۱۱۔﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ رجوع کرنے والے آسمان کی قسم! یعنی بارش والے آسمان کی قسم! اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ بارش بار بار گاہے بہ گاہے لوٹ کر برستی رہتی ہے۔

۱۲۔﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! جو نباتات وسبزہ جات کے اُگنے کی وجہ سے کھل جاتی ہے اور اُگنے والی نباتات زمین کو چیر کر باہر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

۱۳'۱۴۔﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ بے شک یہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے (یعنی) بے شک یہ قرآن حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا کلام ہے جیسا کہ اسے "فرقان" کہا گیا ہے ﴿وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ اور وہ لغو بات نہیں ہے (یعنی) قرآن مجید لہو ولعب کھیل تماشا اور باطل کلام نہیں ہے مطلب یہ کہ قرآن مجید سارے کا سارا عمدہ برحق اور سچا اور کھرا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یہی وصف بیان کیا ہے اور اس کا یہی حق ہے کہ سینوں میں اس کا خوف ودبدبہ اور رعب ہو اور دلوں میں اس کی عظمت ورفعت ہو اور جب اس کا پڑھنے والا یا سننے والا پڑھتے وقت یا سنتے وقت اس کا مذاق اُڑاتا ہے یا اس کے مذاق اُڑانے پر خوش ہوتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۱۵۔﴿اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا﴾ بے شک وہ لوگ یعنی مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باطل قرار دینے اور حق کے نور کو بجھانے کے لیے بہت سی سازشیں کرتے ہیں۔

۱۶۔﴿وَّاَكِیْدُ كَیْدًا﴾ اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں اور میں ان کے مکروفریب اور سازش کے بدلے میں انہیں مہلت دے کر ایسی سزا دوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہو سکے گا' سو "کید" (مکروفریب) کے بدلے کو کہا گیا ہے جیسا کہ زیادتی کے بدلے کو زیادتی اور بُرائی کے بدلے کو بُرائی کہا گیا ہے اگرچہ بدلہ لینا زیادتی اور بُرائی نہیں ہے اور اس وصف کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں مگر جزاء اور انتقام وبدلہ لینے کے معنی میں جیسا کہ ارشاد ہے: "نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ" (التوبہ:۶۷) "انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھولنے کی سزا دی"۔ "یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ" (النساء:۱۴۲) "وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ کی سزا دے گا"۔ "اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" (البقرہ:۱۵) "اللہ تعالیٰ انہیں استہزاء (مذاق اُڑانے) کی سزا دے گا۔

۱۷۔﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ پس آپ کافروں کو چھوڑ دیں یعنی آپ ان کی ہلاکت کی دعا نہ کریں اور نہ اس کی جلدی کریں ﴿اَمْهِلْهُمْ﴾ آپ انہیں مہلت دے دیں' یہاں امر کو مکرر ذکر کیا لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاکہ دونوں کے تکرار سے صبر وتسکین کا اضافہ کیا جائے ﴿رُوَیْدًا﴾ تھوڑی سی مہلت' اور اس کو فقط تصغیر کے کلمہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور یہ "رَادَتِ الرِّیحُ تَرُوْدُ رَوْدًا" سے ماخوذ ہے' ہوا بہت آہستہ اور کمزور چلی یعنی تھوڑی چلی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی انیس آیات' ایک رکوع ہے

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾ وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ وَالَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰى ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰى ؕ﴿۵﴾ سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى ؕ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلۡيُسۡرٰى ۚ ۖ﴿۸﴾ فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى ؕ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى ۙ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۙ﴿۱۱﴾

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند و برتر ہے○ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا' پھر درست بنایا○ اور جس نے مقدر بنایا' پھر (اس کی) ہدایت دی○ اور جس نے چارہ اُگایا○ پھر اسے خشک سیاہ بنا کر ریزہ ریزہ کر دیا○ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' سو آپ ہرگز نہیں بھولیں گے○ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا' بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور اسے بھی جو پوشیدہ ہے○ اور ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے○ سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت فائدہ دے○ عنقریب وہ شخص نصیحت قبول کرلے گا جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے○ اور اس سے بدترین بدبخت دور رہے گا○

حضور کے لیے تسبیح پڑھنے' قرآن نہ بھولنے اور نصیحت کرنے کا بیان

۱- ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند ہے (یعنی) آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان تمام چیزوں سے پاک بیان کیجئے جو اس کی ذاتِ اقدس کے لائق نہیں ہیں اور ''اسم'' صلہ ہے اور یہ اس بناء پر کہ ''اعلیٰ'' کی تفسیر علومرتبی کے ساتھ کی جائے' جس کا معنی غلبہ اور اقتدار ہے' یعنی اے محبوب! آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب پر غالب وقادر ہے' اس کی علومکانی کے ساتھ تفسیر نہ کی جائے' جس کا معنی ہے کہ وہ مکان اور جگہ کے اعتبار سے سب سے بلند ہے اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی ہے کہ اے محبوب! آپ ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی'' پڑھا کریں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اسے اپنے سجدوں میں پڑھا کرو[1]

۲- ﴿الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ جس نے پیدا کیا' پھر درست اور ٹھیک بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' پھر اس کی تخلیق کو یکساں اور برابر درست اور ٹھیک بنایا اور نہ تو کم وبیش بنایا اور نہ متفرق و جدا جدا بنایا بلکہ مضبوط و مستحکم اور مربوط و منتظم اور اس بات پر دلالت و رہنمائی کرنے والا بنایا کہ وہ ایک عالم وحکیم کی تخلیق کا نمونہ ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح درست وٹھیک پیدا فرمایا جس میں اس کی منفعت اور مصلحت تھی۔

۳- ﴿وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ اور جس نے مقدر بنایا اور ہدایت دی یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیے وہی مقدر کیا جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہے' پھر اسی کی طرف اس کو ہدایت عطا کی اور اس سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ اس کو سکھایا' بتلایا

[1] رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷' الدارمی ج ۱ ص ۲۹۹

اور اس کی پہچان کرادی' یا یہ معنی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت کا راستہ اور گمراہی کا راستہ بتلایا لیکن "فَھَدٰی" پر اکتفاء کرتے ہوئے "وَاَضَلَّ" کو حذف کر دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" (النحل: ۹۳) "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پہ ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے" [قاری علی کسائی کی قراءت میں بغیر شد کے "قَدَرَ" پڑھا جاتا ہے]۔

۴- ﴿وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی﴾ اور جس نے چارہ اُگایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ اُگایا جو جانور چرتے ہیں۔

۵- ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً﴾ پھر اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیا ﴿اَحْوٰی﴾ سیاہ کر دیا [سو "اَحْوٰی" "غُثَـآءً" کی صفت ہے]۔

۶'۷- ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی﴾ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' پس آپ ہرگز نہیں بھولیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ کو قرآن مجید سکھائیں گے یہاں تک کہ آپ اسے ہرگز نہیں بھولیں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ اسے منسوخ کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی کو محفوظ رکھے گا یہاں تک کہ آپ کو کوئی چیز نہیں بھولے گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہے گا تو اس کا حکم اور تلاوت اٹھا لے گا اور اسے آپ کے حفظ سے لے جائے گا اور ابن کیسان نحوی نے حضرت جنید سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "فَـلَا تَنْسٰی" کا معنی ہے کہ آپ اس پر عمل کرنے کو نہیں بھولیں گے' پھر فرمایا کہ تمہارے جیسے آدمی سے ترکِ عمل صادر ہو جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "فَـلَا تَـنْسٰی" فعل نہی ہے اور اس کے آخر میں فاصلہ کے لیے الف زائدہ ہے جیسے ارشاد ہے: "اَلسَّبِیْلَا" (الاحزاب: ۶۷) یعنی پس آپ اس کے پڑھنے سے اور اس کے دہرانے سے غافل نہ ہونا ورنہ بھول جائیں گے اور "اِلَّا مَـاشَـآءَ اللّٰهُ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت اٹھا کر اس کو آپ کے حفظ سے بھلا دے گا ﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کو جانتا ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے یعنی بے شک آپ بھول جانے کے خوف سے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ساتھ آپ کے بلند آواز سے پڑھنے کو بھی خوب جانتا ہے اور آپ کے دل کی اس کیفیت کو بھی خوب جانتا ہے جو آپ کو بلند آواز سے پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے یا یہ کہ آپ بھول جانے کے خوف کی وجہ سے جو کچھ اپنے دل میں پڑھتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یا یہ معنی ہے کہ (اے بنی نوع انسان!) تم اپنے اقوال اور افعال میں سے جو پوشیدہ کرتے ہو انہیں بھی اور جو تم اعلانیہ کرتے ہو انہیں بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' نیز وہ تمہارے ظاہری احوال کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے باطن کے احوال کو بھی جانتا ہے۔

۸- ﴿وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی﴾ اور ہم آپ کے لیے آسانی مہیا کر دیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو ایسے طریقہ کی توفیق عطا کریں گے جو سب سے زیادہ سہل اور آسان ترین ہوگا یعنی وحی کو حفظ کرنے کا طریقہ اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہم آپ کو شریعت مبارکہ کے لیے توفیق عطا کریں گے جو تمام شریعتوں میں سے آسان ترین شریعت ہے یا ہم آپ کو جنت کے اعمال کی توفیق عطا کریں گے [یہ "سَنُقْرِئُكَ" پر معطوف ہے اور یہ ارشاد کہ "اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی" جملہ معترضہ ہے]۔

۹- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو آپ قرآن کریم کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے ﴿اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی﴾ اگر وعظ و نصیحت نفع دے۔[1] بعض حضرات نے فرمایا: یہ بہ ظاہر شرط ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار میں وعظ و نصیحت کا اثر کرنا بہت بعید اور ناممکن

[1] فضیلۃ الشیخ علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: وعظ و نصیحت کو نفع کے ساتھ مقید کرنا اس لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ وعظ ونصیحت کا یہ امر مطلق ہے' نفع دینے کے ساتھ مشروط ومقید نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ O'' (الغاشیہ:۲۱) ''سو آپ نصیحت کیجئے بے شک آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں O''۔

۱۰-﴿سَيَذَّكَّرُ﴾ عنقریب نصیحت حاصل کرلے گا اور نصیحت قبول کرلے گا ﴿مَن يَخْشَىٰ﴾ جو اللہ تعالیٰ سے اور بُرے انجام سے اور عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے۔

۱۱-﴿وَيَتَجَنَّبُهَا﴾ اور اس سے کنارہ کشی کرتا ہے (یعنی) وعظ ونصیحت سے دور رہتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا ﴿الْأَشْقَى﴾ سب سے زیادہ بدبخت وکافر یا وہ شخص جو کفر میں سب سے زیادہ بدبخت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت ودشمنی رکھنے میں غلو کرتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾ قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٧﴾ إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾

جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا O پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا O بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے تزکیہ کیا O اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا O بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو O اور آخرت سب سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے O بے شک یہ پہلے صحیفوں میں (مذکور) ہے O ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں O

۱۲-﴿الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا (یعنی) وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا کیونکہ دنیا کی آگ چھوٹی (صغریٰ) ہے۔

۱۳-﴿ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا﴾ پھر وہ اس (دوزخ کی آگ) میں کبھی نہیں مرے گا کہ وہ عذاب سے راحت وآرام پا سکے ﴿وَلَا يَحْيَىٰ﴾ اور نہ وہ جئے گا (یعنی) ایسی زندگی کے ساتھ نہیں جئے گا جس کے ساتھ عذاب وتکلیف کی بجائے لذت وآرام اور نفع حاصل کرسکے اور ''ثُمَّ'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ موت وحیات کے درمیان تردد دوزخ میں داخل ہونے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ وعظ ونصیحت فرماتے یہاں تک کہ آپ اپنی تمام جدوجہد اس پر صَرف کر دیتے محض اس خواہش میں کہ کفار مسلمان ہوجائیں لیکن اس سے نفع کی بجائے بعض کفار کے کفروعناد میں اضافہ ہوجاتا' اس لیے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ وعظ ونصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی اُمید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کلی یا جزوی طور پر اسے فائدہ کی اُمید ہو تو وعظ ونصیحت کرو ورنہ خود کو تکلیف ومشقت میں نہ ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفروسرکشی اور لذتِ دنیا میں حد سے بڑھ چکا ہو کہ جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ O'' (ق:۴۵) ''سو آپ قرآن مجید کے ساتھ اس کو نصیحت کیجئے جو میری وعید (ڈراوے) سے ڈرتا ہے O'' حرف ''اِنْ'' شرط ہے جو شک کا فائدہ دیتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں۔

(تفسیر روح البیان جز ۳۰ ص ۲۹۳' مترجم)

زیادہ بُرا ہے' پس یہ تراخی شدت کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔

کامیابی کے اوصاف کا بیان

۱۴- ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ بے شک کامیابی حاصل کر لی ﴿مَنْ تَزَكّٰى﴾ جس نے اپنے آپ کو کفر و شرک سے پاک کر لیا' یا اپنے آپ کو نماز کے لیے پاک کر لیا' یا جس نے زکوٰۃ ادا کی۔ ''تَزَكّٰى'' بروزن ''تَفَعَّلَ'' ''زکٰوۃ'' سے ماخوذ ہے جیسے ''تَصَدَّقَ''، ''صدقة'' سے ماخوذ ہے۔

۱۵- ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ اور اس نے اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا اور نماز کے افتتاح کے لیے تکبیر پڑھتے ہوئے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہا ﴿فَصَلّٰى﴾ اور نماز پنجگانہ ادا کرتا رہا اور اس آیت مبارکہ سے تکبیرِ افتتاح اور تکبیرِ تحریمہ کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے اور اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ تکبیر نماز کے ارکان میں سے نہیں ہے (بلکہ نماز کی شرائط میں سے ہے) کیونکہ ''صلٰوۃ (فَصَلّٰى)'' کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے اور نیز اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ نماز کا آغاز کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے کو اور اپنی آخرت کو یاد رکھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھی' اور حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ اس نے عید کے روز عیدگاہ میں جانے کے لیے راستے میں تکبیریں پڑھیں اور وہاں پہنچ کر نمازِ عید ادا کی۔

۱۶- ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ بلکہ تم آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جب کہ کامیابی کے لیے دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینا واجب ہے) سو تم وہ کام نہیں کرتے جن کے ساتھ تم کامیابی حاصل کر لو اور اس کے مخاطب کفار ہیں' اس کی دلیل ابو عمرو کی قراءت ''يُؤْثِرُوْنَ''، ''يَا'' کے ساتھ ہے۔

۱۷- ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ اور آخرت سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے اور وہ بذات خود افضل و اعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

۱۸- ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ بے شک یہ پہلے صحیفوں میں مذکور ہے' اور ''هٰذَا''، ''قَدْ اَفْلَحَ'' سے لے کر ''اَبْقٰى'' تک کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک اس کلام کا معنی پہلے صحیفوں میں وارد ہو چکا ہے یا ''هٰذَا'' کا اشارہ اس تمام کلام کی طرف ہے جو اس سورت میں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قراءت فارسی زبان کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے صحیفوں میں مذکور قرار دیا ہے حالانکہ ان صحیفوں میں ان الفاظ کے ساتھ اور اس عربی زبان میں مذکور نہیں تھا۔

۱۹- ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں مذکور ہے [اور یہ ''الصحف الاولٰى'' سے بدل ہے] اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ نصیحت بھی درج ہے کہ عقل مند آدمی کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت و نگرانی کرتا رہے اور وہ اپنے زمانہ کا عارف ہو اور وہ اپنے حال اور شان کے سنوارنے پر متوجہ رہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الغاشیہ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی چھبیس آیات ایک رکوع ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

کیا آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے○ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے○ کام کرنے والے مشقت اٹھانے والے○ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے○ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی پلایا جائے گا○ ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر کانٹے دار زہریلی جھاڑی○ وہ نہ فربہ کرے گا اور نہ وہ بھوک سے بے نیاز کرے گا○ اس دن بہت سے چہرے خوش وخرم ہوں گے○ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے○ عالی شان جنت میں ہوں گے○ وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے○ اس میں بہت سے بہتے ہوئے چشمے ہوں گے○ اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے○ ترتیب سے رکھے ہوئے پیالے ہوں گے○ اور ایک دوسرے کے پہلو میں برابر برابر رکھے ہوئے گاؤ تکیے ہوں گے○ اور بہترین بچھی ہوئی چاندنیاں ہوں گی○

آخرت میں کافروں کے لیے سزاؤں اور نیک مسلمانوں کے لیے انعامات کا بیان

۱-﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ "هَلْ" بہ معنی "قَدْ" ہے یعنی بے شک آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے (یعنی) دہشت ناک چیز جو لوگوں کو اپنے شدائد و مصائب کے ساتھ ڈھانپ لے گی اور اس کی ہولناکیاں لوگوں کو گھیر لیں گی' اس سے قیامت مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ" (ابراہیم: ۵۰) "اور ان کے چہروں پر آگ چھا جائے گی"۔

۲-﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ﴾ بہت سے چہرے اس دن ذلیل و عاجز ہوں گے یعنی جس دن قیامت چھا جائے گی اس دن کفار کے چہرے ذلیل ہو کر جھکے ہوئے ہوں گے کیونکہ ان کے چہروں پر ذلت و رسوائی اور حقارت وخجالت چھائی ہوئی ہوگی اور چہروں کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ غم و رنج اور مسرت وخوشی جب آدمی میں مستحکم ہو جاتی ہیں تو ان کا اثر چہروں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

۳-﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ کام کرنے والے مشقت و محنت برداشت کرنے والے۔ وہ لوگ دوزخ کی آگ میں ایسے

کام کریں گے جن کی وجہ سے اس میں تھک جائیں گے اور وہ کام پاؤں میں ڈالی گئی زنجیروں' بیڑیوں اور گلے میں ڈالے گئے طوقوں کو کھینچنا اور دوزخ کی آگ میں غوطے لگانا ہے جیسے اونٹ کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور آگ کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور اس کے گہرے گڑھوں میں اترنا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار دنیا میں بُرے اعمال کرتے تھے اور ان پر خوش ہوتے اور محظوظ ہوتے' پس آخرت میں ان کے بدلے میں یہ مشقتیں اٹھائیں گے اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ ان سے بدمذہب و بدعقیدہ' گرجوں' مندروں اور کلیساؤں وغیرہ میں مشقتیں اٹھانے والے لوگ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتے اور ریاضتیں کرتے اور وہ اپنے اعمال میں روزوں کی مشقتیں اٹھاتے اور ہمیشہ تہجد کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔

٤-﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ وہ بھڑکتی ہوئی دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ ایسی آگ میں داخل ہوں گے جس کو عرصہ دراز تک جلایا اور بھڑکایا جائے گا یہاں تک کہ اس کی حرارت وتپش اور گرمی کے برابر کوئی حرارت وگرمی نہیں ہوگی [ابوبکر کوفی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تا'' مضموم کے ساتھ (فعل مضارع مجہول) ''تُصْلٰی'' پڑھا جاتا ہے]۔

٥-﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴾ انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا (یعنی) ایسے چشمے سے پانی پلایا جائے گا جس کے پانی کی حرارت وتپش اور گرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی [اور ان صفات اور افعال میں تانیث ''وُجُوْهٌ'' (چہروں) کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے اصحاب (چہروں والے) مراد ہیں جس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے]۔

٦-﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴾ ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر زہریلی خاردار جھاڑیاں۔ ''ضـریـع'' خودرو پودا' جھاڑی اور بوٹی ہوتی ہے اور جب ہری بھری اور تروتازہ ہوتی ہے تو اسے ''شبرق'' کہا جاتا ہے' پھر جب یہ خشک ہوجاتی ہے تو اسے ''ضـریـع'' کہا جاتا ہے اور یہ بڑی زہر قاتل ہوتی ہے اور آخرت میں مختلف عذاب ہوں گے اور عذاب پانے والے بھی مختلف طبقات میں ہوں گے' چنانچہ ان میں سے بعض ''زقـوم'' کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض ''غسلین'' کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض ''ضریع'' کھانے والے ہوں گے اور اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشاد میں کوئی تناقض وتضاد نہیں ہے: ''وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ O'' (الحاقۃ:٣٦) ''اور دوزخیوں کا کھانا صرف غسلین ہوگا O''۔

٧-﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ نہ وہ موٹا کرے گا اور نہ وہ بھوک مٹائے گا یعنی غذا کے دونوں فائدے اس سے منتفی ہوں گے اور وہ یہ ہیں: بھوک کا مٹانا اور بدن کا توانائی کے ساتھ موٹا پا ہونا [''لَا يُسْمِنُ'' محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''ضریع'' کا وصف ہے]۔

٨-﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ خوش وخرم ہوں گے' نرم وملائم' عیش وعشرت میں خوش اور ہشاش بشاش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے چہروں کی ذلت ورسوائی بیان کرنے کے بعد اب پھر اس آیت مبارکہ میں مؤمنوں کے چہروں کا وصف بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''وَوُجُوْهٌ'' نہیں فرمایا کیونکہ پہلا کلام بہت طویل و دراز اور منقطع ہو چکا ہے۔

٩-﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ﴾ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے (یعنی) جب وہ آخرت میں عزت وکرامت اور اجر وثواب کو دیکھیں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل اور عبادت کے صلہ میں عطا فرمائے گا تو اس پر راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

١٠-﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ عالی شان جنت میں۔ یہ جنت مکان کی وجہ سے یا مقدار کی وجہ سے بلند و بالا اور عالی

شان ہوگی۔

۱۱- ﴿لَا تَسْمَعُ فِيْهَا﴾ اے مخاطب! یا اے جنتی چہرے والو! تم اس میں ہرگز نہیں سنو گے ﴿لَاغِيَةً﴾ یعنی کوئی لغو بات یا لغو بات والا کوئی کلمہ یا تم خود کوئی لغو اور بے ہودہ بات نہیں کرو گے کیونکہ جنتی حضرات صرف حکمت و دانائی کی بات کریں گے یا جو دائمی انعامات اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں گے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لَا يُسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةٌ'' اور نافع مدنی کی قراءت میں ''لَا تُسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةٌ'' (فعل مضارع مجہول اور ''لاغية'' نائب فاعل مرفوع) پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲- ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾ اس میں بہنے والے چشمے ہوں گے یعنی بہت زیادہ چشمے بہتے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ''عَلِمَتْ نَفْسٌ'' (التکویر:۱۴)۔

۱۳- ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ﴾ اس میں بلند تخت اور پلنگ ہوں گے۔ یہ تخت اور پلنگ مسافت اور مرتبہ و شان دونوں لحاظ سے بلند ہوں گے یا یہ فضاء میں بلند ہوں گے (لفٹ سسٹم کی طرح) جب جنتی بیٹھنا چاہیں گے تو وہ نیچے آ جائیں گے جب وہ بیٹھ جائیں گے تو یہ بلند ہو جائیں گے) تاکہ ان پر مؤمنین بیٹھ کر وہ تمام نعمتیں اور سلطنت دیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہوں گی۔ ''سُرُرٌ''، ''سَرِيْرٌ'' کی جمع ہے۔

۱۴- ﴿وَّاَكْوَابٌ﴾ اور خوب صورت پیالے ہوں گے۔ ''اَكْوَابٌ''، ''كُوْبٌ'' کی جمع ہے اور ''كُوْبٌ'' بہ معنی ''قدح'' ہے یعنی پیالہ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ ایسے برتن ہوں گے جن کے دستے نہیں ہوں گے (ان میں جنتی شراب پیش کی جائے گی) ﴿مَّوْضُوْعَةٌ﴾ جنتیوں کے ہاتھوں کے آگے رکھے ہوئے ہوں گے تاکہ جنتی حضرات انہیں دیکھ کر لذت پائیں یا شراب پلانے کے لیے تیار کر کے انہیں چشموں کے کناروں پر رکھا جائے گا۔

۱۵- ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ﴾ اور قالینوں کو بچھا کر گاؤ تکیے پہلو بہ پہلو ترتیب وار برابر رکھے ہوئے ہوں گے جنتی حضرات جہاں بیٹھنا چاہیں گے وہاں تکیے کے اوپر بیٹھ کر دوسرے گاؤ تکیے پر ٹیک لگا لیں گے۔

۱۶- ﴿وَّزَرَابِيُّ﴾ اور قیمتی چاندنیاں اور خوب صورت چادریں۔ ''زَرْبِيَّةٌ'' کی جمع ہے ﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾ تختوں اور پلنگوں پر بچھائی جائیں گی یا خوب صورتی کے لیے ان پر (پلنگ پوشوں کی طرح) بکھیر دی جائیں گی۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

سو کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے ○ اور آسمان کی طرف کہ اسے کس طرح بلند و بالا بنایا گیا ہے ○ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح قائم کیا گیا ہے ○ اور زمین کی طرف کہ اسے کس طرح پھیلایا گیا ہے ○ سو آپ نصیحت کیجئے، بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں ○ آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں ○ مگر جس

نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیاO سو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گاO بے شک ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےO پھر بے شک ان کا حساب لینا ہماری ہی ذمہ داری ہےO

قدرتِ الٰہی کے عجائبات اور نصیحت کے لیے منکرین کے عذاب وحساب کا بیان

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی توصیف وتعریف میں یہ مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے جنت کے تختوں کی بلندی کی تفسیر وتوضیح ایک سوفرسخ (تین سو میل ہاشمی) بیان فرمائی اور بتایا کہ جنت میں اس قدر زیادہ پیالے رکھے گئے ہیں کہ ان کی کثرتِ تعداد مخلوق کے حساب میں نہیں آسکتی اور نیز اس طرح گاؤ تکیوں کی طوالت ودرازی اور اس طرح تختوں اور پلنگوں پر بچھائی گئی قیمتی چاندنیوں اور خوب صورت چادروں کی چوڑائی بیان فرمائی تو کفار نے انکار کیا اور انہوں نے کہا: اتنے بلند ترین تختوں پر کس طرح چڑھا جائے گا اور اس بیان کردہ کثرت کے ساتھ پیالوں کی اتنی زیادہ تعداد کس طرح ہو سکتی ہے اور اس قدر زیادہ گاؤ تکیوں کی طوالت ودرازی اور قیمتی چاندنیوں کی اس قدر زیادہ چوڑائی کس طرح ہو سکتی ہے اور ہم نے ایسی چیزیں دنیا میں نہیں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو دعوتِ غور وفکر دیتے ہوئے (درج ذیل آیات نازل کر کے) ارشاد فرمایا:

۱۷- ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ﴾ سو کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح طویل ولمبا اور دراز قد پیدا کیا گیا ہے' اس کے باوجود پھر وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سواری کی جاتی ہے اور اس پر بھاری سامان لادا (رکھا) جاتا ہے' پھر وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے' سو اسی طرح جنتی بلند وبالا تخت مؤمن کے لیے نیچے جھک جائے گا' جس طرح اونٹ دراز قد ہونے کے باوجود نیچے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔

۱۸- ﴿وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ﴾ اور کیا وہ آسمان کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بلند اور اونچا بنایا گیا ہے اور اسے بغیر ستونوں کے بہت دور فاصلے تک بلند بنایا گیا ہے' پھر اس میں اتنی زیادہ تعداد میں ستارے روشن کیے گئے کہ ان کی کثرت مخلوق کے شمار وحساب میں نہیں آسکتی' سو اسی طرح پیالوں کا حال ہے۔

۱۹- ﴿وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ﴾ اور کیا وہ پہاڑوں کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ انہیں زمین میں جما کر کس طرح قائم کیا گیا ہے' سو وہ اس قدر مضبوط ومستحکم ہیں کہ وہ طویل ودراز ہونے کے باوجود کسی طرف نہیں جھکتے بلکہ سیدھے اور اونچے کھڑے رہتے ہیں' پس جنتی گاؤ تکیوں کا یہی حال ہے۔

۲۰- ﴿وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ﴾ اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بچھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھونے اور بستر کی چادر کی طرح ہر طرف برابر وہموار اور نرم بنا کر بچھایا تو گویا پوری روئے زمین ایک بچھونا ہے جو ایک اُفق سے دوسرے اُفق تک ہر طرف بچھا دی گئی' سو اسی طرح جنت میں تختوں اور پلنگوں پر بے شمار چاندنیاں بچھائی جائیں گی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہو کہ کیا کفارِ مکہ ان مخلوقات کی طرف نہیں دیکھتے جو خالقِ کائنات کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ مرنے کے بعد اٹھانے پر اس کی قدرت کا انکار نہ کریں اور رسول اکرم ﷺ کے ڈراوے کو غور سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کریں اور ان چاروں کی تخصیص اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ یہ خطاب اہل عرب کے لیے ہے اور ان کو استدلال کرنے کی ترغیب وتحریک دینا ہے اور ہر آدمی اسی چیز سے استدلال کرتا ہے جس کا وہ کثرت سے مشاہدہ کرتا ہے اور عرب کے لوگ صحراؤں' جنگلوں اور دیہاتوں' گاؤں اور خیمہ بستیوں میں رہتے تھے اور ان کا ان علاقوں میں آسمان' زمین' پہاڑوں اور اونٹوں کا مشاہدہ کرنا عام اور کثرت سے ہوتا تھا جب کہ اونٹ تو

ان کے بالوں میں سے اہم ترین مال تھا اور عرب کے لوگ دیگر جانوروں میں سے زیادہ اونٹ سے کام لیتے ہیں کیونکہ یہ جانوروں کے تمام مطلوبہ فوائد ونوافع کا جامع جانور ہے' چنانچہ بعض جانور دودھ دیتے ہیں' بعض بوجھ اٹھاتے ہیں' بعض سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے اور یہ اونٹ نسل بھی بڑھاتا ہے' دودھ بھی دیتا ہے' بوجھ بھی اٹھاتا ہے' سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور اس کے چمڑے اور بالوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا مسخر کیا ہے کہ یہ ہر اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جو اس کی نکیل پکڑ کر لے چلتا ہے نہ کمزور پر سختی کرتا ہے اور نہ بچے سے سرکشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو لمبی گردن والا پیدا کیا تا کہ وہ بھاری بوجھ اٹھا سکے اور سواری اور سامان اٹھانے والے دوسرے جانور کھڑے رہتے ہیں بیٹھتے نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس طرح بنایا ہے کہ یہ بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سخت اور نرم بوجھ لادا جاتا ہے' پھر یہ بوجھ کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر دور دراز شہروں اور ملکوں تک لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو پیاس برداشت کرنے کا ایسا صبر عطا کیا ہے کہ یہ پانی پیے بغیر دس دن تک سامان اٹھا کر سفر کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہ جنگلوں میں اُگنے والی ہر قسم کی جڑی بوٹیاں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے جن کو دوسرے جانور نہیں کھاتے۔

۲۱- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ انہیں دلائل کے ساتھ وعظ ونصیحت کیجئے تا کہ وہ لوگ اس میں غور وفکر کریں اور سوچیں ﴿إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ﴾ بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا اور حق بات پہنچانا ہے اور بس!

۲۲- ﴿لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ﴾ آپ ان پر جبر کرنے کے لیے مسلط نہیں کیے گئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ'' (ق:۴۵) ''اور آپ ان پر جبر اور زبردستی کرنے والے نہیں ہیں'' [نافع مدنی' ابوعمرو بصری' امام عاصم کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں صاد کے ساتھ ''بِمُصَيْطِرٍ'' پڑھا جاتا ہے]۔

۲۳'۲۴- ﴿إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ﴾ مگر جس نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیا ۝ تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی ان کے خلاف آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا لیکن ان میں سے جس نے منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس پر پورا اختیار اور غلبہ حاصل ہے' سو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے [اور بعض کا قول ہے کہ یہ ''فَذَكِّرْ'' سے استثناء ہے] یعنی آپ انہیں وعظ ونصیحت کیجئے مگر جس کے ایمان لانے کی اُمید ختم ہو جائے اور وہ منہ پھیر لے تو وہ بہت بڑے عذاب کا مستحق ہے [اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے]۔

۲۵- ﴿إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ﴾ بے شک انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور ظرف کی تقدیم کا فائدہ ان کے ڈرانے اور دھمکانے میں شدت وسختی کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ انہیں انتقام کی پوری قدرت رکھنے والے جابر وغالب خدا کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

۲۶- ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم﴾ پھر بے شک ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ پر ہے' پس ان کے اعمال پر ان سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ان کے اعمال پر ان جیسے لوگوں کی سزا کی طرح انہیں سزا دی جائے گی' اور حرف ''عَلٰی'' وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ وعید وڈراوے کی تاکید کرنے کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ الفجر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی تیس آیات' ایک رکوع ہے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿۵﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

فجر کی قسم !○ اور دس راتوں کی !○ اور جفت کی اور طاق کی !○ اور رات کی جب وہ گزر جائے !○ بے شک اس میں عقل مند کے لیے بہت بڑی قسم ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ○ وہ اِرم کے باشندے اونچے ستونوں والے ○ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا ○ اور ثمود جنہوں نے وادی میں (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا ○ اور میخوں والا فرعون ○ جنہوں نے شہروں میں بغاوت و سرکشی کی ○ پھر انہوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا ○ سو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ○ بے شک آپ کا پروردگار ضرور (ان کی) گھات میں ہے ○

قسموں کے ساتھ مؤکد عاد و ثمود اور فرعونیوں کی سرکشی و ہلاکت کا بیان

۱- ﴿وَالْفَجْرِ﴾ فجر کی قسم! اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم اٹھائی ہے اور اس سے صبح کا وقت مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ○" (المدثر: ۳۴) "صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے !○" یا پھر نمازِ فجر کی قسم مراد ہے۔

۲- ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ اور دس راتوں کی قسم! ان راتوں سے ذی الحج کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا محرم الحرام کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں' اور ان کو نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں اضافہ ہو۔

۳- ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ اور جفت اور طاق کی قسم! تمام چیزوں کے جفت اور ان کے طاق کی قسم مراد ہے یا ان راتوں کے جفت (دو' چار' چھ' آٹھ اور دس راتیں) اور ان راتوں کے طاق (ایک' تین' پانچ' سات اور نو راتیں) کی قسم یا جفت نمازوں (فجر' ظہر' عصر اور عشاء) کی قسم اور طاق نمازوں (نمازِ مغرب اور عشاء کی نمازِ وتر) کی قسم یا قربانی کے دن کی قسم کیونکہ یہ دسواں دن ہے اور عرفہ کے دن کی قسم کیونکہ یہ نواں دن ہے یا جفت سے مخلوق (نر مادہ) اور طاق سے خالق مراد ہے [حمزہ کوفی' علی کسائی کی قراءت میں "وَالْوِتْرِ" (واؤ مکسور کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ کی قراءت میں واؤ مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں' چنانچہ واؤ مفتوح کے ساتھ حجازی لغت ہے اور واؤ مکسور کے ساتھ تمیمی لغت ہے]۔

٤- اللہ تعالیٰ نے مخصوص راتوں کی قسم کے ذکر کے بعد عمومی طور پر رات کی قسم فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَالَّيْلِ ﴾ رات کی قسم! اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس رات سے شب قدر مراد ہے ﴿ إِذَا يَسْرِ ﴾ جب گزر جائے [''یسر'' کی آخری ''یا'' ماقبل کے کسرہ پر اکتفاء کر کے لکھنے میں حذف کر دی گئی ہے] اور کسی ایک شخص نے اخفش سے اس ''یا'' کے سقوط کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: جب تک تم میری ایک سال تک خدمت نہیں کرو گے میں اس کا جواب نہیں بتاؤں گا' چنانچہ اس شخص نے ایک سال تک خدمت کرنے کے بعد یہی سوال دہرایا تو اخفش نے جواب دیا کہ ''اَلَّيْلُ لَا يَسْرِىْ' اِنَّمَا يُسْرٰى فِيْهِ'' ''رات نہیں چلتی بلکہ رات میں چلا جاتا ہے'' سو جب اس کے معنی سے عدول کیا گیا تو اس کی موافقت میں اس کے لفظ سے بھی عدول کیا گیا اور بعض کا قول ہے کہ ''يَسْرِىْ'' کا معنی ہے: ''يُسْرٰى فِيْهِ'' کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْلٌ نَائِمٌ اَىْ يُنَامُ فِيْهِ'' کہ رات سونے والی ہے یعنی رات میں سویا جاتا ہے۔

٥- ﴿ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ﴾ کیا اس میں عقل مند کے لیے قسم ہے؟ یعنی مذکورہ بالا چیزیں جن کی قسم کھائی گئی وہ یقیناً عقل مند کے لیے لائق قسم ہیں۔ ''حجر'' کا معنی عقل ہے اور عقل کا نام ''حجر'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ عقل انسان کو بے کار ولا یعنی کام میں مشغول ہونے سے روکتی ہے جیسا کہ اس کا نام عقل اور ''نُهيه'' رکھا گیا ہے کیونکہ یہ روکتی اور منع کرتی ہے' مقصد یہ ہے کہ کیا عقل مند کے نزدیک یہ حق ہے کہ ان قسموں کو عظیم الشان قرار دیا جائے؟ یا یہ کہ کیا یہ ایسی بڑی اہم ترین قسمیں ہیں کہ ان جیسی قسموں کے ساتھ مقسم علیہ کو مؤکد و مضبوط اور مستحکم کیا جائے' یا یہ کہ کیا ان چیزوں کی قسم عقل و خرد رکھنے والے انسان کے لیے کفایت کرنے والی قسم ہے؟ اور مقسم علیہ محذوف ہے اور وہ ''لَيُعَذَّبُنَّ'' ہے یعنی ان تمام چیزوں کی قسم! کفار کو ضرور عذاب دیا جائے گا' اور اس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ''اَلَمْ تَرَ'' سے لے کر ''فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ'' تک ہے۔

٦'٧- پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان امتوں کو عذاب دینے کا ذکر کیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی رسالتوں کا انکار کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے لمبے ستونوں والے اِرم کے رہنے والے عاد کی قوم کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ ایسا علم نہیں جانتے جو یقین میں مشاہدہ اور معائنہ کے مساوی اور برابر ہوتا ہے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ ضرور یقینی طور پر جانتے ہیں۔ عاد بن عوص بن اِرم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل کو عاد کہا گیا ہے جیسا کہ بنو ہاشم کو ہاشم اور بنو تمیم کو تمیم کہا جاتا ہے' پھر ان میں سے پہلے لوگوں کو عادِ اُولیٰ کہا جاتا ہے اور ان کے ایک بزرگ اِرم نامی شخص کے نام پر ان کو اِرم کہا جاتا ہے اور ان کے بعد آنے والوں کو عادِ اخیرہ کہا جاتا ہے' پس اِرم عاد کا عطف بیان ہے اور اس نام کے ذریعے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ عادِ اُولیٰ قدیم ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اِرم ان کے شہر اور ان کے علاقے کا نام ہے جس میں وہ رہتے تھے اور اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اضافت کے ساتھ ''بِعَادِ اِرَمَ'' کی قراءت دلالت و رہنمائی کرتی ہے اور اس کی تقدیر عبارت ''بِعَادِ اَهْلِ اِرَمَ'' ہے یعنی اِرم کی رہنے والی عاد کی قوم جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف: ۸۲) اور اِرم قبیلہ ہو یا شہر ہو بہرحال یہ تانیث اور معرفہ کی بناء پر غیر منصرف ہے اور ''ذَاتِ الْعِمَادِ'' جب قبیلہ کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ بدوی (جنگلی) لوگ ستونوں والے تھے (کہ جہاں پانی کا چشمہ ملتا وہیں ستونوں پر خیمے لگا کر بستیاں بسا لیتے) یا وہ دراز اور لمبے جسموں والے لوگ تھے' جس کی بناء پر ان کے قدوں کو ستونوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اگر یہ بلد (شہر) کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ لوگ صاحب

اساطین (کھبوں والے) تھے۔

مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شداد تھا اور دوسرے کا نام شدید تھا' چنانچہ یہ دونوں بادشاہ بنے اور انہوں نے لوگوں پر بڑا ظلم و جبر کیا' پھر شدید تو مر گیا اور حکومت و بادشاہت صرف شداد کے ساتھ مخصوص ہو گئی' پھر اس نے کافی دنیا پر حکومت و بادشاہی قائم کر لی اور وہاں کے بادشاہ اور حکمران اس کے ماتحت زیر فرمان ہو کر اطاعت گزار بن گئے اور جب اس نے جنت کا ذکر سنا تو اس نے کہا کہ اس کی مثل تم ایک شہر آباد کرو' چنانچہ ارم نامی یہ شہر عدن کے کسی ایک جنگل میں تین سو سال کے عرصہ میں تعمیر کیا گیا اور شداد کی عمر نو سو سال تھی اور یہ بہت بڑا شہر تھا' اس کے محلات سونے اور چاندی کے تھے اور اس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے تھے اور جب اس شہر کی تعمیر مکمل ہو گئی تو شداد اپنی مملکت کے اراکین کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا' پھر جب وہ اس شہر سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آسمان سے ایک گرج دار آندھی بھیجی' جس کی گرج و چیخ کی وجہ سے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن قلابہ عدن کے صحرا میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور وہاں سے جس قدر سونے اور چاندی کی اینٹیں اور جواہرات و موتی وغیرہ اٹھا کر لا سکتے تھے لائے اور ان کی یہ خبر حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے ان کو بلوالیا اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ کو سارا قصہ سنایا اور امیر معاویہ نے ایک آدمی بھیج کر حضرت کعب احبار کو بلوالیا اور آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ اِرم ذات العماد ہے اور عنقریب آپ کے زمانہ میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی سرخ رنگ کا' کوتاہ قد جس کے ابرو پر تل کا نشان ہوگا اور اس کے عقب میں بھی تل کا نشان ہوگا' وہ اس شہر میں داخل ہوگا اور وہ اپنے اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے گا' پھر جب حضرت کعب' حضرت عبداللہ بن قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ وہی آدمی ہے۔

۸- ﴿الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں ہوا یعنی عاد کی مثل کیونکہ قوت و طاقت میں اور قد و قامت میں عاد کی قوم جیسی کوئی قوم پیدا نہیں ہوئی' چنانچہ ان میں سے ایک آدمی کا قد چار سو ہاتھ ہوتا تھا یا یہ معنی ہے کہ دنیا کے تمام شہروں میں شداد کے شہر جیسا پیدا نہیں ہوا۔

۹- ﴿وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ﴾ اور ثمود (کے ساتھ آپ کے رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) جنہوں نے (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا' انہوں نے پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹا اور ان میں گھر بنائے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس نے پہاڑوں اور پتھروں کو تراشا وہ ثمود تھا اور انہوں نے ایک ہزار سات سو شہروں کو تعمیر کیا جو سب کے سب پتھروں کے تھے ﴿بِالْوَادِ﴾ وادی قریٰ (جو مدینہ منورہ کے قریب ملک شام کی جانب تھی)۔

۱۰- ﴿وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ﴾ اور میخوں والے فرعون (کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) یعنی بہت زیادہ لشکروں والے فرعون اور فرعونیوں کے پاس کثیر تعداد میں ہتھوڑے ہوتے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو مارا کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ فرعون کے پاس بہت زیادہ میخیں تھیں' جن کے ساتھ لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں جیسا کہ حضرت آسیہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

۱۱- ﴿الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ﴾ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور انہوں نے حد سے تجاوز کیا ["الذین" مخصوص بالذم ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں "هُمُ الَّذِیْنَ" ہے یا پھر مذکور عاد اور ثمود اور

فرعون کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے]۔

۱۲-﴿فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ﴾ سوانہوں نے ان شہروں میں کفروشرک اور قتل و غارت اور ظلم وستم کے ساتھ بہت فساد پھیلایا۔

۱۳-﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ سو آپ کے رب تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ دراصل یہ ان کو عذاب پہنچانے سے مجاز ہے اور یہ سب سے زیادہ بلیغ و فصیح طریقہ ہے کیونکہ ''صَبٌّ'' (بہانا) دوام و ہمیشگی کی نشاندہی کرتا ہے اور ''سَوْطٌ'' (کوڑا) تکلیف و درد پہنچانے کے اضافہ پر دلالت کرتا ہے یعنی ان کو ہمیشہ سخت ترین دردناک عذاب دیا جائے گا۔

۱۴-﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار گھات میں ہے۔ ''مرصاد'' وہ جگہ ہوتی ہے جس میں بیٹھ کر انتظار کیا جائے یعنی جس میں کسی کی نگرانی کرنے کے لیے انتظار کیا جائے اور یہ مفعال کے وزن پر ''رَصَدَهٗ'' سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بندوں کی نگرانی کر رہا ہے' اس کے لیے یہ مثال ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے بھاگ کر یا نکل کر بچ نہیں سکتے اور نہ اس سے غائب ہو سکتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ان تمام اعمال کو خوب جانتا ہے جو ان سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خوب محافظ ہے' سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور جزا دے گا' اگر نیک اعمال ہوں گے تو انہیں نیک جزاء عطا فرمائے گا اور اگر بُرے اعمال ہوں گے تو انہیں بدترین سزا دے گا۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾
كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے اور اسے عزت و نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ○ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ○ ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ○ اور تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ○ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ○ اور تم مال سے بہت شدید محبت کرتے ہو ○

مال و دولت عزت کا معیار نہیں

۱۶٬۱۵-﴿فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ○ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے ○ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے تو اس پر اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کا رزق کم کر دیتا ہے اور اس کو صرف اس قدر رزق عطا کرتا ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے [ابن عامر شامی اور یزید کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ ''فَقَدَّرَ'' پڑھا جاتا ہے] ﴿فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ تو وہ کہتا ہے: میرے

پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے یعنی جس شخص کا خالق و مالک اور پروردگار اس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہو اس پر تو واجب ہے کہ وہ اپنی عاقبت و آخرت سنوارنے کی کوشش کرے اور وہ دنیا کے غم و فکر میں نہ رہے لیکن اس نے اس کا برعکس کر دیا (کہ آخرت کی بجائے دنیا میں مشغول ہو گیا)' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نعمت و وسعت (مال و دولت اور خوش حالی) عطا کر کے اس کو آزماتا ہے تا کہ وہ شکر ادا کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے یعنی مجھے مال و دولت عطا فرما کر مجھے دوسروں پر فضیلت و برتری دے دی ہے' پس وہ دنیاوی نصیب کی وسعت و کثرت کو عزت خیال کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو فقر و غربت کے ذریعے آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تا کہ وہ صبر کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے' پس وہ دنیاوی نصیب کی کمی کو ذلت خیال کرتا ہے کیونکہ دنیا اور دنیا کی لذتیں اور اس کی نعمتیں اسے فکر مند رکھتی ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گمان کی تردید کرتے ہوئے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ارشاد فرمایا:

۱۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یعنی عزت مال و دولت کی کثرت میں اور ذلت و رسوائی مال و دولت کی کمی میں ہرگز نہیں ہے بلکہ عزت نیکی کی توفیق میں ہے اور ذلت و اہانت نیکی سے محرومی میں ہے [''فَيَقُوْلُ'' خبر ہے اور اس کا مبتدا ''اَلْاِنْسَانُ'' ہے اور ''فا'' کا دخول اس لیے ہے کہ ''اَمَّا'' شرط کے معنی میں ہے اور مبتدا اور خبر کے درمیان ظرف متوسط تاخیر کی تقدیر پر ہے گویا یوں کہا گیا: ''فَاَمَّا الْاِنْسَانُ فَقَائِلٌ رَبِّىْ اَكْرَمَنِىْ وَقْتَ الْاِبْتِلَاءِ'' اور اسی طرح دوسرا ''فَيَقُوْلُ'' بھی مبتدا کی خبر ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَاَمَّا هُوَ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ''] اور رزق کی وسعت اور رزق کی تنگی دونوں چیزوں کو ابتلاء اور آزمائش کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک چیز انسان کے لیے امتحان ہے' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو خوش حالی اور مالی وسعت عطا کرتا ہے تو اس کے حال کو آزماتا ہے کہ آیا وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے اور جب اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو اس کو اس حال میں بھی آزماتا ہے کہ آیا وہ صبر و استقامت سے کام لیتا ہے یا وہ جزع و فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء: ۳۵) ''اور ہم تمہیں امتحان کی غرض سے سختی اور بھلائی کے ساتھ آزماتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے قول ''رَبِّىْ اَكْرَمَنِ'' کا انکار کر دیا جب کہ خود اپنے ارشاد ''فَاَكْرَمَهٗ'' کو ثابت رکھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے اس کے برعکس قصد کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے صحیح قرار دیا اور اسے ثابت رکھا اور وہ یہ ہے کہ انسان نے یہ قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت کے لیے جو کچھ مال و دولت اسے عطا کیا ہے' وہ محض اس کے استحقاق کی بناء پر اسے عطا کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ'' (القصص: ۷۸) ''قارون نے کہا کہ مجھے جس قدر مال و دولت دیا گیا ہے وہ صرف میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ انسان کو جو مال و دولت عطا کرتا ہے وہ محض آزمائش کے لیے اس کے استحقاق کے بغیر اسے عطا کرتا ہے ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۝ اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو یعنی بلکہ یہاں تو انسان کا عمل اس کے قول سے بدتر ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ تو مال و دولت اور غنا کے ساتھ انہیں عزت عطا کرتا ہے لیکن وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے جو ان پر لازم ہیں کہ وہ یتیم کے ساتھ نیکی کر کے اس کی عزت کریں اور اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے رہیں۔

۱۸- ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھاتے ہو۔ ''لَمٌّ'' کا معنی ہے: جمع کرنا' اصل میں ''ذَا لَمٍّ'' ہے اور اس کا مطلب ہے: حلال اور حرام کو جمع کرنا اور عرب کے لوگ عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے ان کا

حق وراثت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی وراثت کو اپنی وراثت کے ساتھ ملا کر کھا جاتے تھے۔

۲۰- ﴿وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ﴾ اور تم مال سے محبت کرتے ہو۔ ''حَبَّہٗ'' اور ''اَحَبَّہٗ'' دونوں ہم معنی ہیں ﴿حُبًّا جَمًّا﴾ ایسی زیادہ سخت محبت جس میں حرص ولالچ اور لوگوں کے حقوق کو روک لینا ہو [ابو عمرو اور اہل حجاز کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''رَبِّیَ'' پڑھا جاتا ہے جب کہ ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''(لَا یُکْرِمُوْنَ) (وَلَا یَحَاضُّوْنَ) (وَیَاْکُلُوْنَ) (وَیُحِبُّوْنَ)'' پڑھا جاتا ہے]۔

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَٰنُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾

ہرگز نہیں! جب زمین توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی O اور آپ کے پروردگار کا حکم آ جائے گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے O اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اس کے لیے نصیحت کا فائدہ کہاں O وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا O

قیامت کا منظر اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب کا بیان

۲۱- ﴿کَلَّآ﴾ ہرگز نہیں! قریش مکہ کو اس عمل سے روکا گیا ہے اور ان کے اس فعلِ بد سے انکار کیا گیا ہے' پھر اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں وعید (ڈرانے دھمکانے) کو لایا گیا اور ان کی حسرت وافسوس کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کوتاہیوں پر اس وقت کریں گے جب ان کی حسرت انہیں نفع نہیں دے گی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ﴾ جب زمین کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا (یعنی) جب زلزلے کے ذریعے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا ﴿دَکًّا دَکًّا﴾ توڑنے کے بعد توڑنا یعنی اسے بار بار توڑنا یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتے ہوئے غبار کی طرح ہو جائے گی۔

۲۲- ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی علامات کے ظہور کے لیے اور اس کی حکومت وسلطنت اور اس کے قہر وغلبہ کے آثار کے ظہور کے لیے تمثیل ہے کیونکہ بادشاہوں میں سے جب کوئی بادشاہ بنفس نفیس تشریف لاتا ہے تو اس کے خود آنے کی وجہ سے رعب ودبدبہ اور ہیبت کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کی افواج اور اس کے خواص کے حاضر ہونے سے ظاہر نہیں ہوتے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا فیصلہ مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اور اس کا فیصلہ آ جائے گا ﴿وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور فرشتے صف بہ صف' قطار در قطار حاضر ہوں گے یعنی ہر آسمان کے فرشتے نازل ہوں گے اور تمام فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صف بستہ قطار در قطار اُتریں گے اور انسانوں اور جنوں کو چاروں اطراف سے گھیر لیں گے۔

۲۳- ﴿وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾ اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بے شک دوزخیوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغَاوِیْنَ O'' (الشعراء:۹۱) ''اور دوزخ گمراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی O'' اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ اپنی حقیقت پر جاری وساری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کو اس دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے لیے ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام

کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جوان ستر ہزار لگاموں کے ساتھ اسے کھینچ کر لائیں گے[1] ﴿یَوْمَىٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ﴾ اس دن انسان یاد کرے گا یعنی نصیحت کو یاد کر کے تسلیم کر لے گا ﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ اور اس کے لیے نصیحت کی یاد کس کام کی کیونکہ اس دن نصیحت یاد کرنے کا کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں ہوگا۔

۲۴- ﴿یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ﴾ وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا اور یہ آخرت کی زندگی ہے یعنی اے کاش! میں نے فانی زندگی (دنیا) میں نیک اعمال کر کے باقی رہنے والی زندگی کے لیے آگے بھیجے ہوتے۔

فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہیں دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا O اے اطمینان والی جان! O تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی O پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O

۲۵- ﴿فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی شخص متولی اور منتظم و مختار نہیں ہوگا (تو وہ کسی کو عذاب کیسے دے گا) کیونکہ اس دن حکم اور فیصلہ صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا نافذ ہوگا۔

۲۶- ﴿وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾ اور زنجیروں اور طوقوں میں اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح کوئی نہیں جکڑ سکے گا۔ تفسیر کشاف کے مصنف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح عذاب نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا [قاری علی کسائی کی قراءت میں فعل مضارع مجہول کے ساتھ "وَلَا یُعَذَّبُ" اور "وَلَا یُوْثَقُ" پڑھا جاتا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت ہے اور ابو عمرو نے اپنی آخری عمر میں اسی قراءت کی طرف رجوع کر لیا تھا اور ضمیر انسان موصوف کی طرف لوٹتی ہے] اور اس سے کافر مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے اُبی بن خلف مراد ہے' جس طرح ابی بن خلف کو سخت ترین اور بدترین عذاب دیا جائے گا' اس طرح کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور جس طرح زنجیروں اور طوقوں میں اس بے ایمان اور بدبخت کو جکڑا جائے گا' اس طرح کسی کو نہیں جکڑا جائے گا کیونکہ یہ شخص انتہائی بدترین کافر اور انتہائی بدترین عناد و بغض رکھنے والا شخص تھا۔

مؤمن کی شانِ آخرت کا بیان

۲۷- پھر اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے ارشاد فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ﴾ اے اطمینان والی جان! نداء کے ساتھ براہِ راست خطاب و کلام اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے براہِ راست کلام فرمایا تھا یا پھر فرشتے کی زبان پر خطاب و کلام فرمایا اور "مطمئنۃ" کا معنی ہے: امن والی جو نہ خوف و ڈر سے

[1] رواہ مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۲' الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۷

گھبراتی ہے اور نہ غم و رنج سے مضطرب ہوتی ہے اور اس سے نفسِ مؤمنہ مراد ہے یا حق تعالیٰ کی طرف اطمینان پانے والی جان مراد ہے' یہ وہ جان ہے جس میں یقین نہایت راسخ ہو چکا ہے' پس اب اس میں شک وشبہ داخل نہیں ہو سکتا اور حضرت ابی بن کعب کی قراءت پہلی تفسیر کی گواہی دیتی ہے' وہ یہ ہے: ''یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْاٰمِنَةُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' اے ایمان واطمینان والی جان! اور بلاشبہ یہ اسے موت کے وقت کہا جائے گا یا مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت کہا جائے گا یا جنت میں داخل ہونے کے وقت یہ کہا جائے گا۔

۲۸۔ ﴿ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ﴾ تو اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کی طرف لوٹ جا' یا اپنے رب تعالیٰ کے اجر وثواب کی طرف لوٹ جا ﴿رَاضِیَةً﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نعمتیں تجھے دی گئی ہیں ان پر تو اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہے ﴿مَّرْضِیَّةً﴾ جس قدر تو نے نیک اعمال کیے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور خوش ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۲۹۔ ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾ سو تو میرے بندوں میں داخل ہو جا (یعنی) تو میرے نیک اور مخلص بندوں کی جماعت میں داخل ہو جا اور میرے ان مخصوص بندوں میں شامل ہو جا اور ان کے سلسلہ سے وابستہ ہو جا۔

۳۰۔ ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ اور تو ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی میرے بندوں کے ساتھ اور میرے بندوں کے درمیان یعنی میرے خواص کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ○'' (النمل:۱۹) ''(حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما○'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نفس سے روح مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے روح! پس میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جا' جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے: ''فَادْخُلِیْ فِیْ جَسَدِ عَبْدِیْ'' سو اے روح! تو میرے بندے کے جسم میں داخل ہو جا' اور جب حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں فوت ہوئے تو ایک پرندہ آیا جب کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کبھی کوئی پرندہ نہیں دیکھا گیا' چنانچہ وہ پرندہ آپ کی نعش مبارک میں داخل ہو گیا' پھر جب آپ کو قبر میں دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کے کنارے پر یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی اور جس نے آپ کی قبر پر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی اس کا علم نہیں ہو سکا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جن کو اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمام مؤمنوں کے لیے عام ہے کیونکہ عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصِ سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی بیس آیات' ایک رکوع ہے

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ﴿۹﴾ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

مجھے اس شہر کی قسم!O اور آپ اس شہر میں رہائش پذیر ہیںO اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی (قسم)!O بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیاO کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی غالب نہیں ہو سکتاO وہ کہتا ہے: میں نے بہت زیادہ مال (خرچ کر کے) ختم کر دیا ہےO کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھاO کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیںO اور ایک زبان اور دو ہونٹO اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO پھر وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہواO اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہےO گردن آزاد کرانا ہےO یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہےO کسی رشتہ دار یتیم کوO یا کسی خاک نشین مسکین کوO پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو رحم و کرم کرنے کی وصیت کیO

قسموں کے ساتھ مؤکد نیک بختی اور بدبختی کے اسباب کا بیان

۲۰۱- ﴿لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ مجھے قسم ہے اس شہر کی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرمت والے شہر مکہ معظمہ کی اور اس کے مابعد کی قسم فرمائی ہے اور یہ اس بات کی تاکید ہے کہ انسان کو تکالیف وشدائد اور مصائب و آلام کے برداشت کرنے میں مقہور ومغلوب پیدا کیا گیا ہے ﴿وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور یہ کلام مبارک قسم اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی تکلیف دِہ بات یہ ہے کہ آپ کی حرمت وعزت کی عظمت کے باوجود آپ جیسی عظیم الشان محترم و مکرم ہستی (کے قتل) کو اس شہر یعنی مکہ معظمہ میں حلال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ حرم کے باہر شکار حلال سمجھا جاتا ہے۔ شرحبیل سے منقول ہے کہ قریش مکہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام قرار دیتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال سمجھتے تھے اور اس میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت وقائم رہنے پر اور اہل مکہ کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کے برداشت کرنے پر تلقین وتحریک اور برانگیختہ کرنا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عداوت ودشمنی رکھنے کی وجہ سے قریش مکہ کے حال پر تعجب کا اظہار ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر تسلی دی کہ بے شک کوئی انسان شدائد وتکالیف اور مصائب و آلام کی آزمائش سے خالی نہیں ہے اور اس معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم رسول معظم ﷺ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے جو تکالیف و شدائد کے غموں سے نجات ورہائی حاصل کرنے اور تسلی وتشفی کے لیے تکمیل ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' یعنی اے محبوب! آپ مستقبل میں اس شہر مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے نزول اجلال فرمانے والے اور تشریف فرما ہونے

والے ہیں اور آپ اس شہر میں کفارِ مکہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لیے جو چاہیں گے کر سکیں گے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور آپ کے لیے اس کو حلال قرار دے دیا حالانکہ آپ سے پہلے کسی کے ہاتھ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا اور آپ کے علاوہ کسی کے لیے مکہ مکرمہ کو حلال قرار نہیں دیا گیا مگر آپ نے جو چاہا حلال قرار دیا اور جو چاہا حرام قرار دیا اور آپ نے ابن خطل کو قتل کرا دیا حالانکہ وہ کعبہ معظمہ سے لپٹا ہوا تھا اور مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کرایا تھا اور ابوسفیان کے گھر کو حرم قرار دے دیا تھا اور ''وَاَنْتَ حِلٌّ'' کا یہ معنیٰ کہ آپ مستقبل میں مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوں گے' کی نظیر اور مثال یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ O'' (الزمر: ۳۰) ''بے شک آپ وفات پانے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں O'' اور اس آیت مبارکہ کے معنی استقبال کے لیے ہونے پر تمہیں یہی دلیل کافی ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ مکی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سورت کے نزول کے وقت نہ ہجرت تھی اور نہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔

۳۔ ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم! یاد رہے کہ والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے یا اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے یا پھر والد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے[1] اور لفظ ''مَا'' بہ معنیٰ ''مَنْ'' ہے یا بہ معنیٰ ''اَلَّذِیْ'' ہے۔

۴۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ﴾ بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کے شدائد کی مشقت اٹھاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ انسان ہمیشہ قضاء کی رسی میں بندھا ہوا اور امر و نہی کا پابند کیا ہوا ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

۵'۶۔ ﴿اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ﴾ کیا وہ (انسان) یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہیں ہے۔ ''یَحْسَبُ'' کی ضمیر قریشِ مکہ کے سرداروں میں سے کسی ایک سردار کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ قریش مکہ کے سردار رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچایا کرتے تھے جو تکالیف اور مشقتیں پہنچا سکتے تھے' پھر بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ حضور کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچانے والے سے ابوالاشد مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ مخزومی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا اپنی قوم کا یہ طاقتور سردار مسلمانوں کو کمزور سمجھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی اور اس سے انتقام لینے کی ہرگز کوئی قدرت نہیں رکھتا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وہ بات ذکر کی جو وہ اس دن کہے گا اور وہ یہ ہے: بے شک ﴿یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ وہ کہے گا: میں نے بہت زیادہ مال خرچ کر کے ختم کر دیا ہے یعنی کثیر مال خرچ کر دیا۔ ''لُبَدًا''، ''لُبْدَةٌ'' کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: زیادہ اور بہت سا مال یعنی ڈھیروں مال جمع ہو گیا' وہ سردار اس سے یہ کہنا

---

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ علامہ طبری اور علامہ ماوردی نے فرمایا کہ والد سے حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں اور ''مَا وَلَدَ'' سے آپ کی امت مرحومہ مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قراءت میں ہے: ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ'' یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور ہی کا ذکر ہوا ہے اور علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے حضور کی ازواج مطہرات کا مسلمانوں کی مائیں ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ حضور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۳۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر روح البیان جز ۳۰ ص ۳۵۸۔۳۵۷' مترجم' مکتبہ اویسیہ' بہاولپور)

چاہے گا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ مال خرچ کرتا رہا تھا کیونکہ عرب کے لوگ زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کو مکارم ومعالی (اچھی عادات اور بلند ہمتی) خیال کرتے تھے۔

۷-﴿ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا' جب وہ اپنا مال خرچ کرتا تھا تو وہ ریا اور دکھاوے کے لیے اور فخر وغرور اور تکبر کے ساتھ خرچ کرتا تھا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اسے ضرور دیکھ رہا تھا اور وہ اس پر محافظ ونگہبان تھا۔

۸ تا ۱۰-پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اسے عطا کیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴾ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں جن کے ذریعے وہ دکھائی دینے والی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے ﴿ وَلِسَانًا ﴾ اور ایک زبان بنائی جس کے ذریعے وہ اپنے دل کی تمام باتیں بیان کرتا ہے ﴿ وَّشَفَتَیْنِ ﴾ اور دو ہونٹ بنائے جن کے ذریعے وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں کی مدد سے بولتا اور کھاتا اور پیتا ہے اور ان کی مدد سے پھونکتا ہے ﴿ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴾ اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں (یعنی) خیر وشر کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں' خیر و بھلائی کا راستہ اسے جنت کی طرف لے جانے والا ہے اور شر و برائی کا راستہ اسے دوزخ کی آگ کی طرف لے جانے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''نجدین'' سے دونوں پستان مراد ہے۔

۱۱ تا ۱۷- ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ پھر وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۝ اور آپ کو کیا معلوم کہ گھاٹی کیا چیز ہے۝ وہ گردن چھڑانا ہے۝ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۝ رشتہ دار یتیم کو۝ یا خاک نشین مسکین کو۝ پھر وہ ایمان والوں میں سے ہو جاتا' یعنی وہ ان نعمتوں کا نیک اعمال کے ذریعے شکر ادا نہیں کرتا جیسے گردن چھڑانا یا یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا' پھر ایمان لانا جو ہر عبادت کی اصل ہے اور ہر نیکی کی بنیاد ہے بلکہ وہ نعمتوں پر ناشکری کرتا ہے اور انعام عطا فرمانے والے اپنے منعم اور محسن کے ساتھ کفر کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اس طریقہ پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مفید و نافع عمل ہے' نہ یہ کہ اپنا مال حد سے بڑھ کر بہت زیادہ ریا' دکھاوے اور فخر وغرور کے لیے خرچ کر کے ہلاک کر دے اور حرف ''لا'' فعل ماضی کے ساتھ بہت کم استعمال ہوتا ہے اور جب استعمال ہوتا ہے تو مکرر استعمال ہوتا ہے اور یہاں فصیح ترین کلام میں اس لیے مکرر استعمال نہیں ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھاٹی میں داخل ہونے کی تفسیر وتوضیح تین چیزوں کے ساتھ فرما دی تو گویا حرف ''لا'' کا تین مرتبہ اعادہ کر دیا اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''فَلَا فَكَّ رَقَبَةً وَّلَا اَطْعَمَ مِسْكِیْنًا وَّلَا اٰمَنَ'' سو اس نے نہ گردن چھڑائی اور نہ اس نے مسکین کو کھانا کھلایا اور نہ وہ ایمان لایا' اور ''اقتحام'' کا معنی ہے کہ شدت وسختی اور مشقت کے ساتھ داخل ہونا اور گزر جانا اور ''قُحْمَةٌ'' کا معنی شدت ہے' سو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو گھاٹی قرار دے دیا اور اس کے عمل کو اس میں داخل ہونا قرار دے دیا کیونکہ اس میں مشقت کا معنی پایا جاتا ہے اور نفس کا مجاہدہ پایا جاتا ہے' اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم شدید ترین گھاٹی انسان کا اپنے نفس اور اپنی خواہشات اور اپنے بدترین دشمن شیطان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ''مَا الْعَقَبَةُ'' سے یہ مراد ہے کہ اس گھاٹی میں داخل ہونا کس قدر مشکل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفس پر اس کی شدت ومشقت کی حقیقت کو تم نہیں جانتے اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اجر وثواب کی حقیقت کو جانتے ہو اور ''فَكُّ رَقَبَةٍ'' کا معنی ہے: غلام کو آزاد کرانا' یا مکاتبت کے مال میں اعانت وامداد کرنا [ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں (فعل ماضی کے ساتھ) ''فَكَّ رَقَبَةً اَوْ اَطْعَمَ''

پڑھا جاتا ہے یہ اس بناء پر کہ یہ "اِقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ" سے بدل ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں "فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ" پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ "اِقْتِحَامُ الْعَقَبَةِ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ" ہے یعنی گھاٹی میں داخل ہونا گردن چھڑانا اور کھانا کھلانا ہے] اور "مَسْغَبَةٌ" کا معنی بھوک ہے اور "مَقْرَبَةٌ" کا معنی قرابت و رشتہ داری ہے اور "مَتْرَبَةٌ" کا معنی فقر و محتاجی ہے یہ سب "مَفْعَلَةٌ" کے وزن پر ہیں اور "مَسْغَبَةٌ"، "سَغِبَ" سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بھوکا ہو اور "مَقْرَبَةٌ"، "قَرُبَ فِي النَّسَبِ" سے ماخوذ ہے یعنی وہ نسب میں قریب ہوا' چنانچہ کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ ذُوْ قَرَابَتِيْ' وَذُوْ مَقْرَبَتِيْ" کہ فلاں آدمی میرا قرابت دار اور رشتہ دار ہے اور "مَتْرَبَةٌ"، "تَرِبَ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی محتاج و نادار ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ہے کہ وہ مٹی سے چپک گیا' پس اس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہے اور "یوم" کو "ذِیْ مَسْغَبَةٍ" کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول "هَمٌّ نَاصِبٌ" یعنی وہ حصہ والے اور "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے: "ثُمَّ" بہ معنی واؤ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "ثُمَّ" اس لیے آیا ہے کہ ایمان فضیلت اور رتبہ میں غلام آزاد کرانے اور صدقہ و خیرات کرنے سے بہت دور اور پیچھے ہے' وقت میں نہیں کیونکہ ایمان تمام اعمال سے پہلے ہے اور کوئی نیک عمل ایمان کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ گناہوں سے بچنے اور عبادات بجالانے اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین اور وصیت و تاکید کرتے رہے' ایسی مشقتیں جن کے ساتھ مؤمنوں کو آزمایا جاتا ہے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو آپس میں باہمی رحم و کرم اور مہربانی کرنے کی وصیت و تاکید کرتے رہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہی بائیں طرف والے ہیں O ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی آگ ہوگی O

۱۸- ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں یعنی جو ان مذکورہ بالا صفات کے ساتھ متصف ہیں' وہ دائیں طرف والے ہیں۔

۱۹' ۲۰- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ یا ہمارے دلائل کے ساتھ کفر کیا ﴿اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ وہی بائیں طرف والے ہیں اور "المیمنة" کا معنی "الیمین" دائیں طرف ہے اور "المشئمة" کا معنی "الشمال" یعنی بائیں طرف ہے یا "مَيْمَنَة" بہ معنی "يُمْنٌ" خیر و برکت ہے اور "مَشْئَمَة" بہ معنی "شُؤْمٌ" نحوست ہے یعنی دائیں طرف والے اپنی جانوں کے لیے خیر و برکت پانے والے ہیں اور بائیں طرف والے اپنی جانوں پر نحوست ڈالنے والے ہیں ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ان پر آگ بند کی گئی ہے یعنی انہیں آگ میں ڈال کر ان پر ہر طرف سے آگ بند کر دی گئی [ابو عمرو' حمزہ کوفی اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "مُؤْصَدَةٌ" پڑھا جاتا ہے اور یہ "اَوْصَدْتُ الْبَابَ' وَاٰصَدْتُهٗ" (میں نے دروازہ بند کر دیا) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دروازہ بند کر دیا جائے]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشمس مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی پندرہ آیات' ایک رکوع ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾

سورج اور اس کی روشنی کی قسم! O اور چاند کی (قسم) جب وہ اس کے پیچھے آئے O اور دن کی (قسم) جب وہ اسے روشن کردے! O اور رات کی (قسم) جب وہ اسے ڈھانپ لے! O اور آسمان کی (قسم) اور جس نے اسے بنایا! O اور زمین کی (قسم) اور جس نے اسے پھیلایا! O اور جان کی (قسم) اور جس نے اسے درست بنایا! O پھر اس نے اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری اس کے دل میں الہام فرمادی O اور بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا O اور بے شک وہ شخص ناکام ہوگیا جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈبودیا O

قسموں کے ذریعے انسان کے لیے ترغیب وترہیب کا بیان

۱- ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم! جب وہ طلوع ہوکر پوری طرح روشن ہوجائے اور اس کا اقتدار قائم ہوجائے۔

۲- ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ اور چاند کی قسم! جب وہ روشنی اور نور میں اس (سورج) کے پیچھے آتا ہے اور یہ ہر مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے کہ چاند روشنی میں سورج کے پیچھے آتا ہے۔

۳- ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ اور دن کی قسم جب وہ اسے روشن کردیتا ہے! (یعنی) جب سورج کو روشن کردیتا ہے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے ظاہر کردے اور یہ دن کے کھلنے اور اس کے پھیلنے کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت سورج پوری طرح روشن ہوجاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ "جَلّٰهَا" میں ضمیر مؤنث ظلمت کی طرف لوٹتی ہے کہ دن کے اُجالے کے سبب جب تاریکی روشنی میں تبدیل ہوجاتی ہے یا یہ ضمیر دنیا کی طرف لوٹتی ہے یعنی اور دن کی قسم جب وہ دنیا کو روشن کردیتا ہے! یا یہ ضمیر "اَرْض" (زمین) کی طرف لوٹتی ہے یعنی دن کی قسم جب وہ زمین کو روشن کردیتا ہے! اگرچہ اس سے پہلے زمین کا ذکر نہیں ہوا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ" (فاطر: ۴۵) "اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو وہ زمین کی پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا"۔

۴- ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾ اور رات کی قسم جب وہ اسے ڈھانپ لے! (یعنی) جب رات سورج کو چھپالے اور تمام آفاق واکناف کو تاریک کردے [اور اس طرح کی جگہ میں متفقہ طور پر پہلی واؤ قسم کے لیے ہوتی ہے اور اسی طرح دوسری واؤ بھی بعض کے نزدیک قسم کے لیے ہوتی ہے اور علامہ خلیل کے نزدیک دوسری واؤ عطف کے لیے ہوتی ہے اس لیے کہ پہلی کے تمام ہونے سے پہلے قسم پر قسم داخل کرنا جائز نہیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر اس کی جگہ پر "فا" یا "ثم" کا کلمہ داخل کیا جاتا تو پھر بھی معنی اپنے حال پر رہتا حالانکہ وہ دونوں حروف عطف ہیں' پس واؤ بھی اسی طرح ہے اور جس نے کہا کہ بے شک یہ

قسم کے لیے ہے' اس نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر یہ واؤ عطف کے لیے ہو تو دو عاملوں پر عطف لازم آئے گا کیونکہ ارشاد ''وَالَّيْلِ''[1] مثلاً واؤ قسم کی وجہ سے مجرور ہے اور ''اِذَا يَغْشٰى'' فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جو ''اُقْسِمُ'' ہے' پس اگر ''وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى'' میں واؤ عطف کے لیے ہو تو ''اَلنَّهَارِ''، ''اَلَّيْلِ'' پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہوگا اور ''اِذَا تَجَلّٰى''، ''اِذَا يَغْشٰى'' پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا' پس یہ تمہارے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہو جائے گا: ''اِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًوا'' اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بے شک قسم کی واؤ حرف ''با'' اور فعل کے قائم مقام ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے ساتھ فعل کا اظہار جائز نہیں ہوتا' سو گویا وہ نصب اور جر دونوں میں عامل ہوتی ہے اور وہ ایسے ایک عامل کی طرح ہو جاتی ہے جس کے دو عمل ہوتے ہیں اور ہر ایسا عامل جس کے دو عمل ہوں تو متفقہ طور پر اس میں جائز ہوتا ہے کہ اسے اس کے دو معمولوں پر ایک عطف کے ساتھ معطوف کیا جائے جیسے ''ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا وَبَكْرٌ خَالِدًا'' سو ''بَكْرٌ'' واؤ کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''خَالِدًا'' منصوب ہے کیونکہ یہ واؤ ''ضَرَبَ'' کے قائم مقام ہے جو اس کا عامل ہے' پس یہاں بھی اسی طرح ہے]۔

۵ تا ۸- ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا﴾ آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا! ۝ اور زمین کی قسم اور جس نے اسے پھیلایا! ۝ اور جان کی قسم اور جس نے اسے درست کیا! بعض اہل علم حضرات کے نزدیک ان آیاتِ مبارکہ میں لفظ ''مَا'' مصدر یہ ہے یعنی آسمان اور اس کے بنانے کی قسم! اور زمین کی اور اس کے بچھانے اور ہر طرف پھیلانے کی قسم! اور جان کی اور بہترین صورت میں اس کی تخلیق کے درست کرنے کی قسم! اور اس صورت میں ارشادِ باری تعالیٰ ''فَاَلْهَمَهَا'' کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں نظم کا فساد لازم آتا ہے اور اس میں یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ لفظ ''مَا'' موصولہ ہو اور بے شک کلمہ ''مَنْ'' پر ''مَا'' کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ اس میں وصفیت کے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ آسمان کی قسم اور اس عظیم الشان قادر کی قسم! جس نے اس کو بنایا ہے اور جان کی قسم اور زبردست غالب حکمت والے حکیم کی قسم! جس نے اس کو حسین ترین صورت میں درست و ٹھیک بنایا اور نفس کو نکرہ اس لیے لایا گیا کہ تمام نفوس میں سے ایک مخصوص اور معروف نفس مراد ہے اور وہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کا نفس' گویا فرمایا گیا ہے کہ تمام نفوس میں سے ایک نفس وجان کی قسم یا پھر اس سے ہر نفس مراد ہے اور نکرہ کثرت کے لیے لایا گیا ہے جیسے ''عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ۝'' (التکویر: ۱۴) ''ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے ۝'' ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ سو اس نے اس کا فسق و فجور اور اس کا تقویٰ اسے الہام فرمایا (یعنی) پس اللہ تعالیٰ نے ہر جان کو اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی معصیت و نافرمانی اور گناہ کا طریقہ سکھا دیا یعنی اسے سمجھا دیا کہ بے شک ان دونوں (اطاعت و معصیت) میں سے ایک اچھا ہے اور دوسرا بُرا ہے۔

۹- ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ بے شک کامیاب ہو گیا [یہ قسم کا جواب ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَقَدْ اَفْلَحَ'' زجاج نے کہا کہ کلام کی طوالت لام کے عوض میں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قسم کا جواب محذوف ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَيُدَمْدِمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ''] مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر ضرور تباہی ڈالے گا یعنی اہل مکہ پر کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر تباہی ڈالی تھی کیونکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور لیکن رہا ''قَدْ اَفْلَحَ'' تو یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

[1] دراصل یہ سورۂ واللیل کی پہلی دو آیات کی نحوی بحث ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

وَتَقْوٰاهَا'' کے تابع کلام ہے اور اس کا قسم کے جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے] ﴿مَنْ زَكّٰهَا﴾ جس نے اسے ستھرا کیا (یعنی) وہی شخص کامیاب ہے جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اور اس کو سنوارا' اور اس کو پاکیزہ بنایا۔

۱۰- ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ اور بے شک وہ شخص ناکام ہو گیا جس کے نفس کو گناہوں میں ڈبو دیا (یعنی) جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک بنایا اور وہ شخص ناکام ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی پہ ڈال دیا' اور یہ بھی جائز ہے کہ نفس کو گناہوں سے آلودہ کرنا اور اسے پاک کرنا بندے کا فعل ہو اور ''تَدْسِيَةٌ'' کا معنی ہے: نقص اور گناہوں میں چھپانا اور ''دَسّٰی'' اصل میں ''دَسَّسَ'' تھا اور حرف ''یا'' مکررہ سین سے تبدیل ہوا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ع ۱۵ / ۱۶

ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا O جب اس کا سب سے زیادہ بد بخت اٹھ کھڑا ہوا O سو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کی مخالفت) سے بچو O پس انہوں نے اسے جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی' پھر ان کی بستی کو برابر کر دیا O اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا O

قومِ ثمود کی تکذیب و سرکشی اور ہلاکت کا بیان

۱۱- ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ﴾ ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا کیونکہ تکذیب و جھٹلانے پر ان کو ابھارنے والی چیز خود ان کی اپنی سرکشی تھی۔

۱۲- ﴿اِذِ انْبَعَثَ﴾ جب اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے کھڑا ہوا ﴿اَشْقٰىهَا﴾ ثمود کی قوم میں سب سے زیادہ بد بخت شخص قدار بن سالف تھا اور یہ بد بخت رنگ کا سرخ نیلی آنکھوں والا چھوٹے قد والا تھا [''كَذَّبَتْ'' کی وجہ سے یا ''بِطَغْوٰی'' کی وجہ سے ''اِذْ'' منصوب ہے]۔

۱۳- ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿نَاقَةَ اللّٰهِ﴾ یہ تحذیر کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے بچو ﴿وَسُقْيٰهَا﴾ اور اس کی پانی پینے کی باری کی مخالفت سے بچو اور یہ ایسے ہے جیسے ''الاسد' الاسد'' ہے۔

۱۴- ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ سو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان تمام باتوں میں جھٹلا دیا جن سے اس نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پس انہوں نے اس کی یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ فعل کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی اگرچہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے والا ایک شخص تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ O'' (القمر:۲۹) ''سو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا' پس اس نے دست درازی کر کے پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں O'' کیونکہ وہ سب لوگ اس کے اس فعل پر راضی تھے ﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ﴾

پھر ان کے پروردگار نے ان پر تباہی ڈال دی کہ انہیں جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کر دیا ﴿ بِذَنۡۢبِهِمۡ ﴾ ان کے گناہ کے سبب اور وہ گناہ ان کا رسول کو جھٹلانا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنا تھا ﴿ فَسَوّٰىهَا ﴾ پس ان پر ہلاکت وتباہی کو پوری طرح برابر کر دیا اور اس سے نہ ان کا کوئی چھوٹا بچا اور نہ ان کا کوئی بڑا بچا' سب ہلاک ہو گئے۔

۱۵- ﴿ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴾ اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اس ہلاکت وتباہی کے فعل کے انجام سے نہیں ڈرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ کام کیا تو اسے کسی کا خوف اور ڈر نہیں تھا کہ اس کا کوئی پیچھا کرے گا جیسا کہ ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے تعاقب وانتقام لینے کا خوف واندیشہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مملوکات اور اپنی مملکت وبادشاہت میں جو کچھ کیا اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ ۝'' (الانبیاء: ۲۳) ''اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا اور ان لوگوں سے ان کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا ۝'' [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فا'' کے ساتھ ''فَلَا يَخَافُ'' پڑھا جاتا ہے]۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

سورۃ الیل مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی اکیس آیات' ایک رکوع ہے

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰى ۝۱۳

رات کی قسم جب وہ چھا جائے! ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے! ۝ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا! ۝ بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے ۝ سو لیکن جس نے (راہِ خدا میں) عطا کیا اور وہ پرہیزگار ہو گیا ۝ اور اس نے اچھی باتوں کی تصدیق کی ۝ تو عنقریب ہم اس کے لیے آسانی کا سامان مہیا کر دیں گے ۝ اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بن گیا ۝ اور اس نے اچھی باتوں کو جھٹلایا ۝ تو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گے ۝ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا ۝ بے شک البتہ ہدایت دینا ہمارے ذمہ کرم پر ہے ۝ اور بے شک آخرت اور دنیا ضرور ہماری ملکیت ہیں ۝

قسموں کے ساتھ مؤکد انسانوں کے مختلف اعمال کی بناء پر مختلف انجاموں کا بیان

۱- ﴿ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ﴾ رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے! رات یا تو سورج کو ڈھانپ لینے والی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا ۝'' (الشمس: ۴) ''اور رات کی (قسم) جب وہ سورج کو ڈھانپ لے! ۝'' یا پھر

وہ دن کو ڈھانپنے والی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ'' (الاعراف: ۵۴) ''اللہ تعالیٰ دن رات کو ایک دوسرے سے ڈھانپ لیتا ہے'' یا ہر وہ چیز جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِذَا وَقَبَO'' (الفلق: ۳) ''جب رات چھا جائےO''۔

۲- ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی﴾ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے! رات کے اندھیرے اور اس کی تاریکی کے زائل ہونے کی وجہ سے خوب ظاہر ہو جائے۔

۳- ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی﴾ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا! اور عظیم الشان قدرت والے قادر کی قسم! جو ایک پانی سے نر اور مادہ کے پیدا کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے۔

۴- ﴿اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی﴾ بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے اور اختلاف کا بیان اسی میں ہے' جس میں اختلاف کی حدیث پر تفصیل کی گئی ہے۔

۵ تا ۷- ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی﴾ سو لیکن جس نے اپنے مال کے حقوق ادا کیے ﴿وَاتَّقٰی﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے ڈر گیا اور اس کے محارم سے پرہیز کیا ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾ اور اس نے اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی) اچھے مذہب کی تصدیق کی اور وہ مذہب اسلام ہے یا اچھے ثواب کی تصدیق کی اور وہ جنت ہے یا اچھے کلمہ کی تصدیق کی اور وہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' ہے ﴿فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی﴾ تو ہم عنقریب اس کو آسان خصلت مہیا کریں گے اور وہ ایسے اعمال بجا لانا ہے جن پر اس کا پروردگار راضی ہو جائے۔

۸ تا ۱۰- ﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ اور لیکن جس نے اپنے مال میں بخل کیا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کیا ﴿وَاسْتَغْنٰی﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے بے پرواہ ہو گیا اور اس سے نہ ڈرا' یا وہ دنیا کی خواہشات و شہوات میں مشغول ہو کر آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہ ہو گیا ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی﴾ اور اس نے اچھی چیز (یعنی) اسلام کو یا جنت کو جھٹلا دیا ﴿فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی﴾ سو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گے (یعنی) ہم اسے ایسی خصلت و عادت پہ ڈال دیں گے جو اسے دوزخ کی آگ میں پہنچا دے گی' چنانچہ عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری اس پر سب سے زیادہ مشکل ترین اور سب سے زیادہ سخت ترین ہو جائے گی' یا نیکی اور بھلائی کے راستے کو ''یُسْرٰی'' کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام آسان ہے اور برائی کے راستے کو ''عُسْرٰی'' کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام سخت مشکل ہے اور ان دونوں سے جنت کا راستہ اور دوزخ کا راستہ مراد ہیں۔

۱۱- ﴿وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی﴾ اور اس کو اس کا مال اس وقت کوئی فائدہ نہیں دے گا جس وقت وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے گا (یعنی) جب وہ ہلاک ہو گا اس وقت اس کا مال اسے کوئی نفع نہیں دے گا اور ''(تَرَدّٰی) تَفَعَّلَ'' کے وزن پر ہے اور ''رَدٰی'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا' یا اس کا معنی ہے کہ جب وہ قبر میں یا دوزخ کے گڑھے میں داخل ہو گا یعنی گرے گا۔

۱۲' ۱۳- ﴿اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی﴾ بے شک شریعت کے احکام بیان کر کے اور دلائل قائم کر کے حق کی طرف رہنمائی و رہبری کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی﴾ اور بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہماری ملکیت میں ہیں' پس کسی گمراہ کی گمراہی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی ہدایت یافتہ کی ہدایت ہمیں کوئی نفع نہیں دے گی' یا یہ معنی ہے کہ بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہمارے پاس ہیں' پس جس شخص نے ان دونوں کو ہمارے غیر سے طلب کیا تو بلاشبہ وہ راستہ بھول گیا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾
وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ
مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

سو میں تمہیں اس آگ سے ڈرا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہے O اس میں داخل نہیں ہوگا مگر سب سے بڑا بدبخت O جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا O اور عنقریب اس سے سب سے بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا O جو اپنا مال (اس لیے خدا کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے O اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے O مگر اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضا جوئی کے لیے O اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گا O

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ابوجہل کی مذمت کا بیان

۱۴ تا ۱۶ - ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى﴾ سو میں تمہیں ایسی آگ سے ڈرا چکا ہوں اور خوف دلا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہے اور بلند شعلے مار رہی ہے ﴿لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل نہیں ہوگا مگر بڑا بدبخت' جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا (یعنی) اس میں کافر داخل ہوگا جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے منہ پھیر لیا۔

۱۷'۱۸ - ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ اور عنقریب اس سے بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا (یعنی) مؤمن دوزخ کی آگ سے بہت دور رکھا جائے گا ﴿الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ جو اپنا مال فقیروں' غریبوں کو عطا کرتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاک ہونا چاہتا ہے' اس لیے وہ اس مال سے نہ تو ریا اور دکھاوا چاہتا ہے اور نہ وہ شہرت و ناموری چاہتا ہے [1] [''يَتَزَكّٰى'' بروزن ''يَتَفَعَّلُ'' ''زَكٰوة'' سے ماخوذ ہے اور اگر اس کو ''يُؤْتِىْ'' سے بدل قرار دیا

[1] شانِ نزول: جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو بہت حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا' شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جس کا بدلہ چکانے کے لیے انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس میں واضح طور پر ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرما دیا' چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرما دیا تھا' جن کے نام یہ ہیں: (۱) عامر بن فہیرہ (۲) ان کا بھائی (۳) عبید (۴) حضرت زنیرہ بی بی (۵) ان کی بیٹی اُم عمیس (۶) بنی المؤمل کی کنیز (۷) ان کی بیٹی نھدیہ۔
مشرکین مکہ ان مذکورہ بالا حضرات کو اذیتیں اور سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تاکہ یہ دین اسلام سے پھر جائیں جس کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ یہ سورت مبارکہ دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے: (۱) سب سے بڑے متقی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو تمام صدیقوں کے سردار اور امام ہیں (۲) سب سے بڑا شقی و بدبخت ابوجہل ہے جو تمام زندیقوں اور بے دینوں کا سردار ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح البیان جز ۳۰ ص ۳۹۶ تا ۳۹۷' مترجم' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

جائے تو اس کے اعراب کے لیے کوئی محل نہیں کیونکہ یہ صلہ کے حکم میں داخل ہے اور صلوں کے لیے کوئی محل نہیں اور اگر اس کو ''یُؤْتِیْ'' کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس کا محل نصب ہے]۔

حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''اَشْقٰی'' بہ معنی شقی ہے اور وہ کافر ہے جو بد بخت ہے اور ''اَتْقٰی'' بہ معنی تقی ہے اور وہ مؤمن ہے جو پرہیز گار و نیک بخت ہے کیونکہ دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کے ساتھ صرف سب سے بڑا بد بخت مخصوص نہیں ہے اور نہ نجات کے ساتھ سب سے بڑا متقی اور پرہیز گار مخصوص ہے اور اگر یہ گمان کیا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ''نَار'' کو نکرہ ذکر فرمایا ہے اس لیے اس سے ''اَشْقٰی'' (سب سے بڑا بد بخت) کے لیے مخصوص نار (آگ) مراد ہے تو پھر ''وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقٰی'' کا معنی کیا کیا جائے گا کیونکہ ہر متقی کو اس مخصوص آگ سے دور رکھا جائے گا نہ یہ کہ ان میں سے صرف ''اَتْقٰی'' (سب سے بڑے متقی) کو اس سے دور رکھا جائے گا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ مشرکین کی بڑی بُری حالت کے درمیان اور نیک مسلمانوں کی بڑی اچھی حالت کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے وارد کی گئی ہے' سو اس لیے ان دونوں فریقوں کی صفات میں مبالغہ کیا گیا ہے' چنانچہ مشرکین کے لیے شقی کی بجائے ''اَشْقٰی'' کہا گیا اور اس کو دوزخ میں داخلہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا گویا دوزخ کی آگ صرف اسی کے لیے مخصوص کی گئی ہے اور نیک مسلمان کے لیے تقی کی بجائے ''اَتْقٰی'' فرمایا گیا ہے اور اس کو نجات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے گویا جنت صرف اسی کے لیے پیدا کی گئی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اَشْقٰی'' (سب سے بڑے بد بخت) سے ابوجہل مراد ہے اور ''اَتْقٰی'' (سب سے بڑے متقی) سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور اس آیت مبارکہ میں مرجئہ فرقہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ میں صرف کافر جائیں گے۔

۱۹'۲۰۔ ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ﴾ اور اس کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے ○ سوائے اپنے پروردگار کی رضا کی طلب کے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں جس پر اسے بدلہ دیا جائے مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جس سے وہ اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہو تو ایسے عمل پر اسے جزائے خیر اور اچھا صلہ عطا کیا جائے ﴿الْاَعْلٰی﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہت میں بلند و برتر ہے' وہ اپنی شان اور اپنی برہان میں خوب قوت و شوکت والا ہے اور یاد رہے کہ مکان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رفعت و بلندی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو حدوث کی علامت ہے۔

۲۱۔ ﴿وَلَسَوْفَ یَرْضٰی﴾ اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گا (یعنی) ثواب کے وعدہ پر جو اسے راضی اور خوش کر دے گا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم نبی ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا: ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○'' (الضحیٰ:۵) ''اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں ○''۔

سورۃ الضحیٰ مکی ۹۳ | آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ الضحیٰ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

وَالضُّحٰی ۙ ① وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ؕ ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ ④ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ؕ ⑤ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا

فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞ ع ۱۱ ۱۸

چاشت کے وقت کی قسم!O اور رات کی (قسم) جب وہ (ہر سو پھیل کر) ٹھہر جائے!O آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ تو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہےO اور بے شک آپ کے لیے آنے والی ہر گھڑی پہلی سے بہت بہتر ہےO اور البتہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گےO کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر اس نے (آپ کو) ٹھہرنے کے لیے پناہ دے دیO اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود (مقامِ بقاء) تک پہنچا دیاO اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیاO سو رہا یتیم تو آپ (اس پر) سختی نہ کیجئےO اور رہا سوال کرنے والا تو آپ (اس کو) مت جھڑکیےO اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو (اسے) خوب بیان کیجئےO

سورۃ الضحٰی میں حضور سیّد عالم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بیان

۱ تا ۳-﴿وَالضُّحٰى﴾[1] چاشت کے وقت کی قسم! واضح رہے کہ "ضُحٰی" سے چاشت کا وقت مراد ہے اور یہ دن کے شروع کا وقت ہے' جب سورج بلند ہو جاتا ہے اور قسم کے ساتھ وقت چاشت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسی چاشت کے وقت

[1] واضح ہو کہ مفسرین کرام نے "ضُحٰی" اور "لیل" کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں' ان میں سے چند معانی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:
(۱) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "ضحٰی" سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شبِ معراج ہے۔ (تفسیر قرطبی)
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہل شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:
"بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحٰی روزِ ولادتِ پیغمبر است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مراد از لیل شب معراج است و بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی روئے پیغمبر است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و از لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است اور بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی نور علمے است کہ آنجناب را دادہ بودو بسبب آن پردہ نشینانِ عالمِ غیب منجلی و منکشف گشتند۔ و مراد از شب خلق عفو اوست کہ عیوبِ امت راپوشید۔ و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است یعنی احوالِ ظاہرہ آنجناب ست کہ خلق بران مطلع شد و مراد از شب سرّ آنجناب یعنی احوالِ باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسے بران مطلع نیست"۔
(ترجمہ) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ (۲) "ضحٰی" سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور "لیل" سے شبِ معراج مراد ہے (۳) اور بعض فرماتے ہیں کہ "ضحٰی" سے مراد حضور کا رخ انور ہے اور "لیل" سے آپ کی زلف عنبریں مراد ہیں جو سیاہی میں رات کی طرح ہیں (۴) اور بعض نے فرمایا کہ "ضحٰی" سے مراد نورِ علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالمِ غیب کے مخفی اسرار بے نقاب اور منکشف ہوئے اور "لیل" سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا (۵) اور بعض علماء کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوالِ باطن ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور اسی چاشت کے وقت فرعونی جادوگر مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے گر گئے تھے' یا پھر پورے دن کی قسم ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں پوری رات کی قسم فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى﴾ اور رات کی قسم جب وہ ہر چیز پر پھیل کر ٹھہر جائے! یعنی ''سَجٰی'' بہ معنیٰ ''سَكَنَ'' ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہو گئیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے:) ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار فرما لیا اور آپ کو پسند و منتخب کر لیا تب سے اس نے آپ کو کبھی نہیں چھوڑا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب و پیارا بنا لیا تب سے وہ آپ پر کبھی ناراض نہیں ہوا [اور ''تودیع'' (باب تفعیل سے) ''ودع'' میں مبالغہ ہے کیونکہ جس نے جدائی اختیار کر کے تمہیں چھوڑ دیا' اس نے تمہارے لیے ترک وجدائی میں بہت مبالغہ کیا اور ''قَلٰی'' کی ضمیر مفعول مخاطب اس طرح حذف کر دی گئی ہے جس طرح (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی اور امام فخر الدین رازی نے مزید معانی بھی بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۶) ''ضحٰی'' سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے مرد ہیں اور ''لیل'' سے آپ کے اہل بیت کی خواتین مراد ہیں (۷) ''ضحٰی'' سے حضور سیّد عالم ﷺ کی رسالت مراد ہے اور ''لیل'' سے وحی کی بندش کا زمانہ مراد ہے کیونکہ نزولِ وحی کی حالت میں انس و رغبت حاصل ہوتی ہے جب کہ وحی کے وقفہ کی حالت میں وحشت و گھبراہٹ حاصل ہوتی ہے (۸) ''ضحٰی'' سے اسلام کا ظہور اور غلبہ مراد ہے اور ''لیل'' سے قربِ قیامت میں اسلام کا لوگوں میں مخفی و متروک اور غریب و اجنبی ہو جانا مراد ہے (۹) ''ضحٰی'' سے اللہ تعالیٰ کا نورِ علم مراد ہے جس کے سبب مخفی غیوب متعارف و منکشف ہوتے ہیں اور ''لیل'' سے اللہ تعالیٰ کا عفو و درگزر مراد ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے (۱۰) ''ضحٰی'' سے کمالِ عقل مراد ہے اور ''لیل'' سے حالت موت مراد ہے (۱۱) ''ضحٰی'' سے دن کی ایک ساعت (یعنی ایک حصہ وقتِ چاشت) مراد ہے اور رات سے اس کی تمام ساعات (یعنی تمام اوقات) مراد ہیں' اس کے بارے میں اہل علم کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس تفریق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت وعظمت کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک جس طرح دن کی ایک ساعت رات کی تمام ساعتوں کے مساوی و برابر ہے' اسی طرح اکیلے حضور کے کمالات و معجزات تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات و معجزات کے (نہ صرف) مساوی و برابر ہیں (بلکہ ان سے افضل واعلیٰ اور زیادہ ہیں)۔

(۱۲) نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ طیبی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان دو وقتوں کی قسم اس لیے فرمائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کے قرب و انس کے اضافہ کا سبب قرار دی گئی ہیں' ایک نمازِ چاشت ہے جس کے بارے میں امام دار قطنی نے المجتبیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر قربانی فرض کر دی گئی ہے جب کہ تم پر فرض نہیں کی گئی اور مجھے نمازِ چاشت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اور دوسری رات کی نمازِ تہجد ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ'' (بنی اسرائیل: ۷۹) ''اور آپ رات کے کچھ حصہ میں نمازِ تہجد پڑھا کریں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۵۴۔۱۵۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"وَالذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّالذّٰکِرٰتِ" (الاحزاب: ۳۵) میں "الذاکرات" سے حذف کی گئی ہے کیونکہ اصل میں "اَلذّٰکِرَاتِہٖ" مراد ہے اور اسی طرح "فَاٰوٰی" "فَهَدٰی" اور "فَاَغۡنٰی" میں ضمیر مفعول مخاطب محذوف ہے اور یہ لفظی اختصار ہے کیونکہ محذوف کا حذف ظاہر وعیاں ہے]۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول میں چند دنوں تک تاخیر ہوگئی تو اس پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (سرورِ عالم حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے تو ان کے ردّ میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔

٤- ﴿وَلَلۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی﴾ اور آنے والی ہر گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ نے آخرت میں آپ کے لیے جو بے شمار عظمتیں اور نعمتیں تیار کر رکھی ہیں مثلاً مقامِ محمود پر فائز ہونا اور حوضِ کوثر پر ورود اور دیگر جن بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سب ان چیزوں سے بہتر ہیں جو دنیا میں آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کے اپنے ماقبل کے ساتھ ربط اور تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب "تودیع وقلی" (چھوڑنے اور ناراض ہونے) کی نفی کے ضمن میں یہ ثابت ہو گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی پہنچاتا رہے گا اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کوئی عزت وکرامت نہیں تو اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنائی ہے کہ آخرت میں آپ کا حال اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ہوگا کیونکہ وہاں آپ تمام انبیائے کرام کے پیشوا اور سب کے قائد ہوں گے اور وہ سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور آپ کی امت سابقہ تمام امتوں پر گواہ ہوگی اور اس کے علاوہ بھی بہت سے اعزازات آپ کو حاصل ہوں گے۔

۵- ﴿وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی﴾ اور البتہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کو آخرت میں اجر وثواب اور مقامِ شفاعت اور اس کے علاوہ دیگر اس قدر اعزازات وانعامات عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ کی آگ میں ہوگا[1] [اور "سَوۡفَ" پر داخل ہونے والا لام ابتداء کا لام ہے جو مضمون جملہ کی تاکید کے لیے ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کر دیئے گئے جس پر آپ بہت خوش ہوئے تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۷ ' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میری امت کو جو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سب مجھ پر پیش کی گئیں جن کو دیکھ کر میں بہت مسرور وخوش ہو گیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے "وَلَلۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی" نازل فرمائی یعنی ہماری نوازشات انہی فتوحات پر ہی منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ وبہتر ہوگی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۵۸ ' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[1] حضرت صدر الافاضل مراد آبادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کیا خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور مبتدا محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَلَاَنْتَ سَوْفَ یُعْطِیْكَ'' اور جس نے ''لَاُقْسِمُ'' پڑھا ہے وہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: ''لَاَنَا اُقْسِمُ'' اور یہ اس لیے کہ جب لامِ قسم ہوتا ہے تو اس وقت یہ لام فعل مضارع پر داخل نہیں ہوتا مگر نون تاکید کے ساتھ' سو اس لیے متعین ہو گیا کہ یہ لامِ ابتداء ہے اور یہ لام داخل نہیں ہوتا مگر مبتداء وخبر پر' پس مبتدا اور خبر کو مقدر ماننا ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے' صاحبِ کشاف نے اس کو اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ سے یہ وعدہ کریمہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں' کمالِ نفس اور علومِ اوّلین وآخرین اور ظہورِ امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور جو عہد صحابہ کرام میں ہوئیں اور جو تا قیامت مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی اور آپ کی دعوت کا تمام مخلوق کے لیے عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا تمام اُمم سے بہترین و برتر ہونا اور آپ کے وہ کرامات وکمالات جن کا اللہ تعالیٰ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت وتکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعتِ عامہ وخاصہ اور مقامِ محمود وحوضِ مورود وخیر موعود اور تمام انبیاء ورسل پر تقدم وغیرہ عظیم وجلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا: ''اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ'' اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو کہ رونے کا سبب کیا ہے' باوجودیکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر اور دانا ہے' حضرت جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا تو حضور سیّد عالم ﷺ نے انہیں تمام حال بتایا اور اپنی امت کے غم کا اظہار فرمایا۔ حضرت جبریل امین نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں' باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور میرے حبیب (ﷺ) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔ یہ آیت کریمہ صاف دلالت (رہنمائی) کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسولِ اکرم راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اسی میں ہے کہ سب گناہ گارانِ امت بخش دیئے جائیں تو آیت مبارکہ واحادیث طیبہ سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گناہ گارانِ امت بخشے جائیں گے۔

سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں' وہ اس حبیب اکرم ﷺ کو راضی کرنے کے لیے عطائے عام کرتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۷۵' ۱۰۹۷' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور۔ کراچی)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں خوب لکھا ہے' وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ وعدہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں یعنی کمالِ نفس' علومِ اوّلین وآخرین اور دین کا غلبہ' اسلام کی سربلندی اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں ہوئیں اور ان کے علاوہ دیگر اسلامی بادشاہوں کے دور میں ہوئیں اور آپ کی دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق ومغارب میں پھیل جانا اور یہ وعدہ ان کرامات واعزازات کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

(۱) حضرت حسن بصری اور بعض اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے: عطا سے شفاعت مراد ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذکر کیا ہے اور صاحب کشاف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ لامِ قسم ہے اور یہ نونِ تاکید سے مستغنی ہے کیونکہ نونِ تاکید تو اس لیے داخل کیا جاتا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ یہ لام لامِ قسم ہے لامِ ابتداء نہیں ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ لامِ ابتداء نہیں ہے کیونکہ یہ لام ''سَوْفَ'' پر داخل ہوا ہے اور لامِ ابتداء ''سَوْفَ'' پر داخل نہیں ہوتا اور اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کلام مبارک کا حرفِ تاکید اور حرفِ تاخیر کے ساتھ جمع ہونا اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ بے شک عطا ہر حال میں ضرور حاصل ہوگی اگرچہ یہ عطا تاخیر میں حاصل ہوگی]۔

٦۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو شمار فرمایا جو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن سے اب تک عطا فرماتا رہا تا کہ اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (٢) ابن المنذر' ابن مردویہ اور ابو نعیم نے حرب بن شریح سے نقل کیا کہ حرب بن شریح نے کہا: میں نے حضرت ابو جعفر محمد باقر بن زین العابدین علی اوسط بن امام حسین علی جدھم وعلیھم الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اہل عراق جس شفاعت کا ذکر کرتے ہیں' کیا یہ حق ہے؟ حضرت محمد باقر نے فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم! یہ حق ہے' مجھے حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیَ رَبِّیْ اَرَضِیْتَ یَامُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ'' میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں' تو میں عرض کروں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہوں' پھر حضرت محمد باقر نے مجھ سے فرمایا: اے اہل عراق! تم کہتے ہو کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ اُمید افزا آیت ''یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا'' (الزمر: ٥٣) ہے' میں نے عرض کیا کہ ہم تو یہی کہتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ ہم سب اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزاء آیت مبارکہ ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی'' ہے اور فرمایا: یہ آیت شفاعت ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ شفاعت وغیرہ تمام نعمتوں کے لیے عام ہے' چنانچہ علامہ ابو حیان نے فرمایا: سب سے اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ دنیا اور آخرت کے تمام انعامات وعنایات کے لیے عام ہے۔

(٣) علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ رضائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک آدمی بھی دوزخ میں نہ جائے۔

(٤) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں جائے۔

(٥) خطیب بغدادی نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا کوئی اُمتی دوزخ میں رہے۔

(٦) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ'' (ابراہیم: ٣٦) ''سو جس نے میری پیروی کی تو بے شک وہ میری جماعت میں سے ہے'' پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ'' (المائدہ: ١١٨) ''اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں'' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کی: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' پھر آپ زار وقطار رونے لگ گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم فرمایا کہ تم فوراً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ''اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ'' بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے حق میں راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو رسوا نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ٣٠ ص ١٦٠۔١٦١' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کے فضل وکرم پرنگاہ رکھنے والے یہ محبوب اندازہ کرسکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں آپ کی ابتدائی حالت سے لے کر اب تک آپ پر کس قدر فضل وکرم کیا تاکہ آپ آئندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ خیر و بھلائی کی توقع اور اُمید رکھیں اور آپ کا سینہ مبارک تنگ نہ ہو اور آپ کا صبر کم نہ ہو' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا ﴾ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ ''یَجِدْ''، ''وجود'' سے ماخوذ ہے جو بہ معنی علم ہے [اور دونوں منصوب اس کے مفعول ہیں] اور معنی یہ ہے کہ جب آپ کے دونوں ماں باپ انتقال کر گئے تو کیا اس وقت آپ یتیم نہیں تھے ﴿ فَاٰوٰی ﴾ تو اس نے آپ کو پناہ دی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے چچا جناب ابوطالب کے پاس پناہ دی اور آپ کو اس کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ اس نے آپ کی کفالت کی اور آپ کی تربیت کی۔[1]

۷- ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار پایا[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی علامات اور شریعت کے احکام اور اس کے معروف راستے سے ناواقف پایا ﴿ فَهَدٰی ﴾ تو آپ کو احکامِ شریعت اور قرآن مجید سکھا دیا

---

[1] حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے' دو ماہ کا حمل تھا کہ آپ کے والد ماجد نے مدینہ شریفہ میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا اور نہ کوئی جگہ چھوڑی اور آپ کی خدمت کے کفیل آپ کے دادا حضرت عبد المطلب ہوئے' جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی' پھر جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا جان نے بھی وفات پائی' انہوں نے وفات سے پہلے اپنے فرزند ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے' آپ کی نگرانی اور خدمت کی وصیت فرمائی' جناب ابوطالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ یتیم کا معنی یکتا و بے نظیر ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''دُرَّةٌ یَتِیْمَةٌ'' (خالص و بے مثل موتی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں آپ کو عز و شرف کے اعتبار سے یکتا و منفرد اور بے مثل و بے نظیر پایا اور آپ کو مقامِ قرب میں جگہ دی اور آپ کے دشمنوں کے اندر اپنی حفاظت میں آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت و رسالت اور اصطفاء (برگزیدہ ہونے) کے ساتھ مشرف فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' بحوالہ تفسیر خازن' جمل' روح البیان)

[2] ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدعیانِ علم نے بُری طرح ٹھوکر کھائی ہے' اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔

''ضَآلًّا'' ضلالت سے اسم فاعل ہے' عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے: راہِ راست سے بھٹک جانا' گمراہ ہونا' عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ حضور نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا' حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے: ''فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O'' (یونس:۱۶) ''میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے O''۔ سورۃ النجم کی اس آیت میں ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی O'' بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے' ان آیات کی موجودگی میں' تاریخ کی اٹل شہادت کے باوجود یہاں ''ضَآلًّا'' کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے' العیاذ باللہ۔ علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں' ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ان کی آپ کو پہچان کرادی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جب ابوطالب تجارت کی غرض سے آپ کو لے کر ملک شام روانہ ہوئے تو آپ راستے میں گم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ حق سے پھر گئے اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے (نعوذ باللّٰہ من ذالک) کیونکہ آپ اپنی زندگی کے آغاز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے: ''لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى O'' (طٰہٰ: ۵۲) ''ای لَا يَغْفُلُ'' ''میرا رب تعالیٰ نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ''ضَآلًّا'' بہ معنی غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکامِ شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکامِ شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ''اَیْ لَمْ تَكُنْ تَدْرِي الْقُرْاٰنَ وَالشَّرَائِعَ فَهَدَاكَ اللّٰهُ اِلَى الْقُرْاٰنِ وَشَرَآئِعِ الْاِسْلَامِ'' ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہما سے یہ قول منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی)

(۲) جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آ جائے تو عرب کہتے ہیں: ''ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ'' کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا' اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہوگا: ''كُنْتَ مَغْمُوْرًا بَيْنَ الْكُفَّارِ بِمَكَّةَ فَقَوَّاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى اَظْهَرْتَ دِيْنَهٗ'' (تفسیر کبیر) ''یعنی آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کر دیا''۔

(۳) ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں ''اَلضَّآلُّ'' کہتے ہیں: ''اَلْعَرَبُ تُسَمِّي الشَّجَرَةَ الْفَرِيْدَةَ فِي الْفَلَاةِ ضَآلَّةً'' اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرۂ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھل دار درخت کی مانند تھی' پس ہم نے آپ کے ذریعے سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ (تفسیر کبیر)

''فَاَنْتَ شَجَرَةٌ فَرِيْدَةٌ فِيْ مَفَازَةِ الْجَهْلِ فَوَجَدْتُكَ ضَآلًّا فَهَدَيْتُ بِكَ الْخَلْقَ''۔

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے' یہاں بھی یہی معنی ہے: ''اَیْ وَجَدَ قَوْمَكَ ضَآلًّا فَهَدَاهُمْ بِكَ'' ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعے سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں' میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے' اصل میں عبارت یوں ہے: ''وَجَدَ رَهْطَكَ ضَآلًّا فَهَدَاهُمْ بِكَ'' پھر میں نے کہا کہ جس طرح ''وَاسْئَلُوا الْقَرْيَةَ'' اصل میں ''وَاسْئَلُوْا اَهْلَ الْقَرْيَةِ'' ہے اور ''اہل'' جو مضاف ہے محذوف ہے' اسی طرح یہاں بھی ''رَهْط'' (قوم) مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

(۵) حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ''ضَآلًّا'' کا معنی ''مُتَحَيِّرًا'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرما دی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ ''اَلضَّلَالُ بِمَعْنَى الْمَحَبَّةِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ O'' یعنی یہاں ''ضلال'' سے مراد محبت ہے جس طرح سورۂ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوبِ حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں۔ علامہ پانی پتی نے اس قول کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''قَالَ بَعْضُ الصُّوْفِيَّةِ مَعْنَاهُ وَجَدَكَ مُحِبًّا عَاشِقًا مُفْرِطًا فِي الْحُبِّ وَالْعِشْقِ...... فَهَدَاكَ ......اِلٰى وَصْلِ مَحْبُوْبِكَ حَتّٰى كُنْتَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى'' یعنی بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے لے کر وحی کے نزول تک ہمیشہ بتوں کی عبادت اور فاسقوں' فاجروں اور نافرمانوں کی نجاستوں اور ناپاکیوں سے معصوم و محفوظ اور پاک صاف رہے ہیں۔

۸- ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیر و محتاج اور ضرورت مند پایا ﴿فَاَغْنٰى﴾ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کے ذریعے آپ کو غنی و مال دار کر دیا' یا پھر غنیموں کے اموال عطا فرما کر آپ کو غنی کر دیا۔

۹- ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ سو رہا یتیم تو آپ اس پر ہرگز سختی نہ کریں اور اس کی کمزوری کی وجہ سے اس کے حق اور اس کے مال پر غلبہ پا کر ہرگز قبضہ نہ کریں۔

۱۰- ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ اور رہا مانگنے والا تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں اور نہ اس کو ڈانٹیں بلکہ تھوڑا بہت اس پر خرچ کر دیں یا عمدہ طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ جواب دے دیں۔ اور امام سدی سے منقول ہے کہ ''سائل'' سے علم کا متلاشی مراد ہے یعنی جب آپ کے پاس کوئی طالب علم آ جائے تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں (بلکہ آپ اسے خداداد علوم سے مالا مال فرما دیں)۔

۱۱- ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو آپ اسے بیان کر کے اس کا خوب چرچا کریں یعنی آپ اپنی نبوت و رسالت کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے خوب بیان کریں اور یہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو شامل ہے اور ان سب کے لیے عام ہے جو اس نے اپنے محبوب کو عطا کی ہیں اور اس کے تحت قرآن مجید کی تعلیم اور شریعت کے احکام بھی داخل ہیں[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں حد سے بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کے مقام پر فائز ہوئے۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبد المطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس کی وجہ سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے کہ اسی اثناء میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اتر کر حضور کو جا لیا اور اپنے پیچھے بٹھا لیا اور خود آگے بیٹھ گیا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی' جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوتِ گویائی بخشی اور اس نے کہا: ''يَا اَحْمَقُ هُوَ الْاِمَامُ وَكَيْفَ يَكُوْنُ خَلْفَ الْمُقْتَدِىْ'' اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جدِ امجد تک پہنچایا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۹۔۵۹۰)

[1] جب اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے اور حضور سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہیں تو آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر فضول رسموں سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر محافل میلاد منعقد کر کے آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے' اس لیے ایسی محافل کو کم از کم مستحسن و محمود قرار دینا واجب و ضروری ہے کیونکہ نعمت الٰہی کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا تحدیث نعمت ہے جو اس آیت مبارکہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اور درج ذیل احادیث مبارکہ سے اسی کی تائید و توثیق ہوتی ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الم نشرح مکی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا

فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیاO جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھاO اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیاO بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہےO بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہےO سو جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں مشغول ہو جایئےO اور صرف اپنے پروردگار کی طرف راغب ہو جایئےO

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر کوئی احسان کیا جائے تو اسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس نعمت پر محسن کی حمد وثناء اور تعریف بیان کرے' سو جس نے ثناء اور تعریف بیان کی تو وہ یقیناً شکر گزار ہوا' اور جس نے اس نعمت کو چھپایا اور اس کا اظہار نہ کیا تو اس نے بے شک کفرانِ نعمت کیا اور ناشکری کی۔

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے برسر منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تھوڑی اور کم نعمت پر شکر ادا نہیں کیا' اس نے زیادہ پر بھی شکر ادا نہیں کیا' جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اس کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے اور جماعت کا ساتھ دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور فرقہ بازی خدا کا عذاب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر معالم التنزیل المعروف بغوی ج ۴ ص ۵۰۰' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' لبنان' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۱۶' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' مصر' تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(۳) علامہ ابن کثیر نے اس جگہ ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''اَلتَّحَدُّثُ بِالنِّعَمِ شُكْرٌ وَتَرْكُهٗ كُفْرٌ'' یعنی نعمتوں کو خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اسے ترک کر دینا اور بیان نہ کرنا ناشکری ہے۔

(تفسیر روح البیان مترجم جزء ۳۰ ص ۴۲۱' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

''اَلشُّكْرُ عَلٰى كُلِّ نِعْمَةٍ دِيْنِيَّةً كَانَتْ اَوْ دُنْيَوِيَّةً وَاجِبٌ'' یعنی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ولازم ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مزید احسانات الٰہیہ کا بیان

۱- ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ کیا ہم نے آپ کا سینہ مبارک آپ کے لیے کھول نہیں دیا[1] اس آیت مبارکہ میں شرح صدر کی نفی کو انکار کے طریقہ پر سوالیہ بیان کیا گیا ہے' سو اس لیے اس نے شرح صدر کے اثبات کا فائدہ دیا ہے' گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ مبارک کشادہ اور وسیع کر دیا ہے اور اس لیے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ''وَضَعْنَا'' کا اس پر عطف کیا گیا ہے یعنی ہم نے آپ کے سینہ انور کو اس لیے کشادہ کر دیا ہے تاکہ ہم اس میں علوم و معارف اور حکمتوں اور بصیرتوں کو ودیعت فرما دیں یہاں تک کہ وہ ثقلین (جن وانس) کی دعوت و تبلیغ اور فرائض نبوت کی بجا آوری میں آنے والی مشکلات پر غموں کو برداشت کر سکے اور ہم نے آپ کے سینہ اقدس سے وہ تنگی اور حرج دور کر دیا ہے جو جاہلوں کی جہالت اور گمراہوں کی گمراہی کے ساتھ پیش آئے گا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

۲- ﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴾ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا اور ہم نے نبوت اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں درپیش مشکلات و مشقتوں کو آپ سے کم کر دیا اور ان میں تخفیف کر دی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ''وِزْرٌ'' سے قصور و کوتاہی مراد ہے جس کو ہم بعینہٖ نہیں جانتے اور وہ افضل و اعلیٰ اور بہترین عمل کو کسی حکمت کی بناء پر ترک کر کے جائز عمل کو اپنا لینا ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح کے معاملہ میں بھی عتاب و انتباہ کیا جاتا ہے اور آپ سے اس بوجھ کو اتارنے کا مطلب آپ کی مغفرت و بخشش ہے اور ''وِزْرٌ'' کا معنی ہے: بھاری بوجھ برداشت کرنا۔

۳- ﴿ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴾ جس نے آپ کی پشت مبارک کو بوجھل کر دیا تھا (یعنی) اس نے آپ کی پشت مبارک کو ثقیل و بھاری اور وزنی بنا دیا یہاں تک کہ اس کی نقیض سنی گئی اور وہ انتقاض کی آواز مراد ہے (جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے کجاوے سے کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے' یہ ایک تمثیل ہے)۔

۴- ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا ہے۔[2] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر

---

[1] یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو ہدایت و معرفت اور نبوت و رسالت اور موعظت و نصیحت اور علم و حکمت کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے یہاں تک کہ غیب و شہادت کے دونوں جہاں اس کی وسعت میں سما گئے اور افادہ اور استفادہ کی دونوں مملکتیں جمع ہو گئیں اور علائق جسمانیہ سے تعلق انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکا اور خلق کی اصلاح کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہ ہو سکا اور علوم لدنیہ و حکم الٰہیہ اور معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ آپ کے سینہ اقدس میں جلوہ نما ہو گئے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۶' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹۰' مطبوعہ دار المصنفین' دہلی' تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا' ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج میں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے' اس کی شکل یہ تھی کہ حضرت جبریل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا اور زریں طشت میں آب زمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹۷' مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

[2] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيَ'' یعنی جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا اور حضرت حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اذان' اقامت' تشہد اور منبروں پر خطبوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبارک کو یوں بلند کیا گیا ہے کہ کلمہ شہادت میں' اذان میں' اقامت میں' خطبوں میں اور تشہد میں اور قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کے ساتھ آپ کا ذکر ملا کر بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' (المائدہ:۹۲) ''تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسولِ اکرم کی اطاعت کرو''۔ ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○'' (النساء:۱۳) ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے○''۔ ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ'' (التوبہ:۶۲) ''اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ (منافقین) انہیں راضی کریں''۔ اور آپ کا نام ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اور ''نَبِىُّ اللّٰهِ'' رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور کا نام ملا ہوا ہے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت و بلندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کا ذکر تمام پہلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے' اور ''لَكَ'' کے اضافہ میں وہی فائدہ ہے جو ابہام اور ایضاح کے طریقہ میں معروف و مشہور ہے کیونکہ ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ'' فرمانے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہاں کسی کی شرح اور کشائش ہوئی ہے (مگر اس میں ابہام ہے اس لیے) پھر ''صَدْرَكَ'' فرمانے میں اس کی وضاحت ہوگئی جو پہلے مبہم معلوم ہوئی تھی اور اسی طرح ''لَكَ ذِكْرَكَ'' اور ''عَنْكَ وِزْرَكَ'' میں ہے۔

۵'۶- ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے یعنی بے شک ہر ایسی سختی و مشقت جس میں آپ مشرکین کی طرف سے دکھ' تکلیف اور اذیت برداشت کرتے ہیں' کے ساتھ آسانی ہوتی ہے کہ میں آپ کو ان پر غلبہ کی قوت دے دیتا ہوں یہاں تک کہ آپ ان پر غالب آجاتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور مسلمانوں کو فقر و فاقہ اور غربت و ناداری پر عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے یہاں تک کہ بسا اوقات حضور کے دل میں یہ خیال سبقت کر جاتا کہ اہل اسلام کے فقر و غربت کی وجہ سے ممکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملایا گیا ہے' چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور دین اسلام کی ہر ضروری بات کی تصدیق کرتا ہو لیکن وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم نہ کرتا ہو تو اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور وہ کافر ہی رہے گا اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک دنیا میں بھی بلند کر دیا اور آخرت میں بھی بلند کر دے گا' چنانچہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اور ہر کلمہ شہادت پڑھنے والا کلمہ شہادت میں اور ہر نمازی اپنی نماز (کے تشہد) میں ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ساتھ ''وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھتا ہے' اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ کوئی نماز اور کوئی خطبہ اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔
(تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۱۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اور اس سے بڑھ کر آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ملا دیا اور حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا' اور فرشتوں کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مؤمنوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور آپ کو معزز و محترم القاب کے ساتھ مخاطب فرمایا جیسے ''يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ' يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ' يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ' يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ'' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر فرمایا ہے اور تمام انبیائے کرام اور ان کی امتوں سے یہ وعدہ لیا کہ وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ضرور ایمان لائیں۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

ہے بعض لوگ اسلام سے پھر جائیں' سو اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو وہ جلیل القدر نعمتیں یاد دلائیں جو آپ پر انعام فرمائیں' پھر فرمایا: ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا'' بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ضرور ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں جس قدر بھی ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں' سو آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہرگز مایوس نہ ہوں کیونکہ جس مشکل میں آپ اور صحابہ کرام مبتلا ہیں' اس کے ساتھ بھی آسانی ضرور آئے گی اور یہاں ''عسر'' کے ساتھ لفظ ''مع'' اس لیے لایا گیا ہے کہ مشکل و تنگی کے ساتھ آسانی کے انتہائی قرب کا اظہار ہو جائے تاکہ آپ اور مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو جائے اور ان کے دلوں کو تقویت و استحکام حاصل ہو جائے' چنانچہ اس کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب کبھی کوئی مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکے گی کیونکہ ''العسر'' کو معرفہ کر کے دوبارہ لوٹا دیا گیا ہے' اس لیے عسر و تنگی ایک ہے اس لیے کہ معرفہ کو جب دوبارہ دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے (یعنی دوسرے سے بعینہٖ پہلا مراد ہوتا ہے) اور ''یسر'' کو نکرہ کر کے دہرایا گیا ہے اور نکرہ کو جب دوبارہ نکرہ کر کے دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے' پس اب معنی یہ ہوگا کہ بے شک ہر ایک مشکل و تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہوتی ہیں اور جناب ابو معاذ نے کہا کہ جب ''اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ غُلَامًا اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ غُلَامًا'' کہا جاتا ہے تو اس وقت ایک امیر اور دو غلام ہوتے ہیں اور جب ''اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ الْغُلَامَ اِنَّ مَعَ الْاَمِیْرِ الْغُلَامَ'' تو ایک امیر اور ایک غلام ہوگا اور جب ''اِنَّ مَعَ اَمِیْرٍ غُلَامًا اِنَّ مَعَ اَمِیْرٍ غُلَامًا'' کہا جائے گا تو دو امیر اور دو غلام ہوں گے' شرح التاویلات میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔

٧- ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ سو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت و کوشش کیجئے' یعنی جب آپ مخلوق کو دعوتِ حق دینے سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد اور محنت و کوشش کیجئے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں جدوجہد اور کوشش کیجئے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دعا سلام سے پہلے نماز کے اندر مانگنی ہے یا پھر نماز پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگنے کا حکم ہے اور اس کے ماقبل کے ساتھ تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور پر سابقہ نعمتوں کو شمار کیا اور آئندہ نعمتوں کے عطا کرنے کا آپ سے وعدہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کو شکر ادا کرنے اور عبادت میں کوشش کرنے کی ترغیب دی اور بعض کو بعض کے ساتھ ملانے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ کے اوقات میں سے کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گزرے' پس جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد فوراً دوسری عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

٨- ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رغبت کیجئے اور آپ خصوصی طور پر صرف اسی طرف اپنی رغبت کر دیجئے اور کسی سے کچھ نہ مانگئے' صرف اسی سے اس کا فضل و کرم مانگئے اور اسی پر بھروسا کیجئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ التین مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

انجیر اور زیتون کی قسم O اور طور سینا کی (قسم) O اور اس امن والے شہر کی (قسم) O بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا O پھر ہم نے اس کو سب سے پست حالت میں لوٹا دیا O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' پس ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے O سو اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گا O کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں O

اہم قسموں کے ساتھ انسان کی حسین تخلیق اور اس کے اشرف و اسفل ہونے کا بیان

۱- ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ انجیر اور زیتون کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی قسم اس لیے فرمائی کہ یہ پھل دار درختوں میں سے عجیب ترین پھل ہیں[1]

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں انجیر سے بھری ہوئی ایک پلیٹ پیش کی گئی' چنانچہ آپ نے بھی اس میں سے کچھ کھایا اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ تم اسے کھاؤ' سو اگر میں یہ کہوں کہ جنت سے پھل نازل کیا گیا ہے تو میں

[1] ''تین'' کا معنی انجیر ہے' انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں' انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے' اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا' اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے' یہ زود ہضم ہے' نفع آور دوا ہے' طبیعت کو نرم کرتا ہے' بلغم کو تحلیل کرتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے' مثانہ کی پتھری توڑتا ہے' جگر اور تلی کے سدّوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ اور مضبوط کرتا ہے۔ انجیر یونان' ترکی' اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے' انجیر قبض کشاء ہے' انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے' اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بہ خود دور ہو جاتا ہے اور مستا جھڑ جاتا ہے' بلغم کو پکا کر خارج کر دیتا ہے' اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے' پسینہ آور ہے' اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

زیتون مشہور پھل ہے' یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے مثلاً یونان' فلسطین اور اسپین وغیرہ میں' اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے' اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغنِ زیتون کہتے ہیں۔ روغنِ زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا' اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

''وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ O'' (المؤمنون: ۲۰) ''اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے وہ تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے O''۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور طور سیناء اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۰)

ملک شام کے اکثر لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں اور اسی سے سالن پکاتے ہیں اور پیٹ کے امراض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۶۹-۸۷۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

کہوں گا: یہ وہ پھل ہے جو جنت سے اتارا گیا ہے کیونکہ جنت کا پھل (انجیر کی طرح) بغیر گٹھلی کے ہوتا ہے' سو تم اسے کھایا کرو کیونکہ یہ بواسیر کو ختم کرتا ہے اور گیٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے' اور فرمایا کہ بہترین مسواک زیتون کے مبارک درخت کی ہوتی ہے جو منہ کو پاک اور خوشبودار صاف کرتی ہے اور بدبو کو ختم کر دیتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ زیتون میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مسواک ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارا انجیر یہی ہے اور تمہارا زیتون یہی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں شام کے دو پہاڑ ہیں جہاں انجیر اور زیتون کے درخت اُگتے ہیں۔

۲- ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ اور سینین کے پہاڑ طور کی قسم! طور کا معنی پہاڑ ہے اور ''سینین'' کا معنی ہے: جگہ [''طور'' کو ''سینین'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور واؤ اور ''یا'' کے ساتھ اعراب کے جواز میں ''سینون'' بیرون کی طرح ہے اور اعراب بالحرکت کی صورت میں ''یا'' برقرار رہے گی اور نون کو متحرک بحرکات ثلاثہ پڑھا جائے گا (اور آخری نون کو آیات کی موافقت میں بڑھایا گیا ہے جیسے ''سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْيَاسِيْنَ O'' (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) میں بڑھایا گیا ہے)]۔

۳- ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ اور اس شہر یعنی مکہ مکرمہ کی قسم جو امن والا ہے اور ''امین''، ''اَمَنَ الرَّجُلُ اَمَانَةً فَهُوَ اَمِيْنٌ'' سے ماخوذ ہے یعنی آدمی نے امانت کی حفاظت کی' پس وہ ''امین'' ہے اور اس شہر مکہ کی امانت داری یہ ہے کہ یہ شہر ہر اس شخص کی حفاظت کرتا ہے جو اس میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح امین اپنے پاس رکھی گئی امانت کی حفاظت کرتا ہے اور ان چیزوں کی قسم کا مطلب مبارک و مقدس جگہ کی فضیلت و عظمت کا اظہار کرنا ہے اور انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے اس جگہ میں جو خیر و برکت کا ظہور ہوا ہے' اس کی فضیلت و عظمت کا اظہار کرنا ہے' سو انجیر اور زیتون کی پیداوار کا علاقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ اور تربیت و پرورش گاہ بھی ہے اور طور وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے لیے پکارا گیا اور مکہ اس محترم گھر کی جگہ ہے جو تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہمارے محترم و مکرم نبی کی ولادت گاہ بھی ہے اور اعلانِ نبوت کا مقام بھی ہے یا پہلے دو (انجیر و زیتون) میں اس جگہ کی قسم فرمائی گئی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور تیسری طور سینا کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور چوتھی جگہ مکہ مکرمہ کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضور نبی کریم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔

٤- ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے (یعنی) انسان کی شکل و صورت حسین و جمیل اور معتدل و مناسب ہے اور اس کے تمام اعضاء مساوی و برابر اور مکمل ہیں[1] [یہ آیت مبارکہ جوابِ قسم ہے اور ''الانسان'' سے جنسِ انسان (مطلق انسان) مراد ہے]۔

۵- ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾ پھر ہم نے اس کو سب سے زیادہ نچلی حالت میں لوٹا دیا ہے یعنی جب انسان نے

---

[1] انسان کی بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے' اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے' وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے' منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم' قدرت' ارادہ کرنے' باتیں کرنے' سننے' دیکھنے' تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی ہے اور یہ تمام رب تبارک و تعالیٰ کی صفات ہیں' گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ حدیث شریف میں ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی معتدل ومناسب اور برابر و یکساں اور سیدھی قامت اور حسین وجمیل خلقت کی نعمت پر شکر ادا نہیں کیا تو پھر ہم نے آخر کار اس کا انجام یہ کیا کہ اس کو تخلیق وترکیب کے اعتبار سے سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یعنی قبیح و بدترین صورت میں لوٹا دیا اور اس سے دوزخی لوگ (یعنی کفار) مراد ہیں یا یہ کہ ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں کر دیا' یا یہ معنی ہے کہ پھر ہم نے حسین وجمیل شکل وصورت اور بہترین ساخت کے بعد اس کو شکل وصورت اور خلقت وساخت میں سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یہاں تک کہ ہم نے اس کو خلقت میں برعکس والٹ کر دیا' چنانچہ معتدل وسیدھی قامت ہونے کے بعد اس کی پشت جھک گئی اور اس کے بال سیاہ ہونے کے بعد سفید ہو گئے اور اس کی جلد خشک ہو گئی اور اس کی قوتِ سماعت اور اس کی قوتِ بصارت کمزور ہو گئی اور اس کی ہر چیز متغیر وتبدیل ہو گئی اور اس کے چلنے کی رفتار کم ہو گئی کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم چلنے لگا اور اس کی آواز پست وہلکی ہو گئی اور اس کی قوت کمزور ہو گئی اور اس کے حواس معطل ہو گئے اور اس کی قوتِ عقل فاسد ہو گئی۔

٦- ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہے [اور یہاں (''فَلَهُمْ'' میں) حرف ''فا'' داخل کیا گیا ہے لیکن سورۃ الانشقاق میں داخل نہیں کیا گیا' اس لیے کہ دونوں لغتوں کو جمع کیا گیا ہے اور پہلی صورت میں استثناء متصل ہے اور دوسری صورت میں استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن جو لوگ بڑھاپے کی عمر تک ایمان پر اور نیک اعمال کرتے رہنے پر قائم رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے' یہ ان کی اطاعت وفرماں برداری اور عبادت وریاضت کرتے رہنے اور صبر کرتے رہنے پر عطا کیا جائے گا کیونکہ وہ بڑھاپے اور بہت بڑی عمر میں مبتلا ہو جانے کے باوجود مشقتوں کے برداشت کرنے پر صبر کرنے اور عبادت کرنے پر قائم رہے۔

٧- ﴿فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ﴾ سو اب اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں التفات کے طور پر یا تو انسان کو خطاب کیا گیا ہے یعنی (اے انسان!) اس یقینی اور قطعی بیان کے بعد اور جزاء کی روشن دلیل کے بعد تیرے جھٹلانے کا سبب کیا ہے' تو قیامت کو کیوں جھٹلاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور ایک مکمل انسان کی شکل وصورت دی گئی ہے اور اس کو تدریجی مراحل میں بڑھایا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایک مکمل و یکساں انسان بن گیا' پھر اس کو الٹ کر دیا گیا یہاں تک کہ بڑھاپے کی آخری عمر کو پہنچ گیا' (اے انسان!) تم خالق ومالک کی قدرت پر اس سے زیادہ واضح دلیل نہیں دیکھو گے اور بے شک جو ان تمام مراحل کے ساتھ انسان کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے زندہ لوٹانے پر بھی قادر ہے' سو اب روزِ جزاء کو جھٹلانے کے لیے کیا سبب ہے؟ یا یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یعنی اس قدر واضح اور روشن دلیل کے بعد اب آپ کو قیامت کے بارے میں کون جھٹلائے گا اور کون آپ کی طرف کذب وجھوٹ کو منسوب کرے گا؟ [سو یہاں (''فَمَا'' میں) ''مَا'' بہ معنی ''مَنْ'' ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ٦٢٢٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٤١) علمائے اسلام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے' انسان عالمِ صغیر ہے اور عالمِ کبیر کی ہر نشانی اس عالمِ صغیر میں موجود ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ٨٧٢)

۸- ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں (یقیناً اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے) یہ کفار کے لیے سخت وعید (دھمکی) ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے خلاف وہی فیصلہ فرمائے گا جس کے وہ اہل اور مستحق ہیں اور یہ "حکم" سے بنا ہے جس کا معنی ہے: فیصلہ۔

سورۃ العلق مکی ہے	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اس کی انیس آیات ایک رکوع ہے

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۝۶ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۝۱۱ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝۱۲ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۳ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝۱۴

(اے محبوب!) اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا○ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا○ پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے○ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنا) سکھایا○ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا○ ہاں ہاں! بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے○ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے○ بے شک (تجھے) اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے○ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے○ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہوتا○ یا وہ پرہیزگاری کا حکم دیتا○ کیا آپ نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا○ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے○

انسان کی تخلیق و تعلیم اور ابوجہل کی مذمت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی' وہ یہی سورۃ العلق ہے اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی' پھر سورۃ القلم نازل ہوئی[1]

[1] امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں اور عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے:
مفسرین کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یہی سورت علق ہے اور سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورۃ العلق کی ایک سے پانچ آیات "اِقْرَاْ" سے "مَالَمْ يَعْلَمْ" تک ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۰۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)
حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:
مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی آیات نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱- ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے[''بِاسْمِ رَبِّكَ'' حال واقع ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ''اَیْ اِقْرَاْ مُفْتَتِحًا بِاسْمِ رَبِّكَ'' یعنی آپ اپنے پروردگار کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے پڑھئے' گویا فرمایا گیا کہ پہلے ''بِسْمِ اللّٰہ'' کہو پھر پڑھو ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ﴾ جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا[یہاں ''خَلَقَ'' کا مفعول ''اَلْخَلْقَ'' کو ذکر نہیں کیا گیا] اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس سے تمام مخلوق کی تخلیق حاصل ہوئی ہے اور تخلیق خلق کے ساتھ صرف وہی مختص ہے' اس کے سوا کوئی خالق کائنات نہیں ہے یا اس کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ'' اس نے ہر چیز کو پیدا کیا' پس ''خَلَقَ'' تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ یہ مطلق ہے اور ''بَعْض

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں' جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۱۱)

حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی اور اس کی پہلی پانچ آیتیں ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک غارِ حرا میں نازل ہوئیں' فرشتے نے آ کر حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''اِقْرَاْ'' یعنی پڑھئے' فرمایا: ہم پڑھے نہیں' اس نے سینہ سے لگا کر بہت زور سے دبایا' پھر چھوڑ کر ''اِقْرَاْ'' کہا' آپ نے وہی جواب دیا' تین مرتبہ ایسا ہی ہوا' پھر اس نے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' کہا اور ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک پڑھ دیا تو آپ نے اس کے ساتھ ساتھ ''مَالَمْ یَعْلَمْ'' تک پڑھا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۷۶' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

عمدۃ المحققین حضرت استاذی المکرم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے تین بار ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا' دوسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھتا نہیں ہوں اور تیسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں کیا پڑھوں؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوالاسود نے مغازی میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے: ''کَیْفَ اَقْرَءُ'' میں کیسے پڑھوں' اور سیرت ابن اسحاق میں حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے: ''مَاذَا اَقْرَءُ'' میں کیا پڑھوں؟ اور دلائل بیہقی میں امام زہری سے مرسل روایت میں ہے: ''کَیْفَ اَقْرَءُ'' میں کیسے پڑھوں؟ اور ان تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ''ما'' استفہامیہ (سوالیہ) ہے۔

(تبیان القرآن بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۔ ۲۳' دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور)

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اس لیے مجھ سے پڑھا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو دہشت و رعب اور خوب لاحق ہوا ہو اور اس خوف و دہشت کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے امّی ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا کیونکہ جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو' وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا اُمیّت کے منافی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے' ہاں کسی کی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا امیت کے منافی ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ امّی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل جواہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے' انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا: پڑھئے! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے پڑھوں؟ یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔ (تبیان القرآن' اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۰۶۔ ۵۰۷)

الْمَخْلُوْقَاتِ'' مقدر ماننا بہتر نہیں ہے۔

۲- ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ﴾ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کے ذکر کی تخصیص کی وجہ اس کی فضیلت وشرف ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس لیے بھی کہ کتب سماوی اور وحی کا نزول انسان کی طرف ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَلَّذِیْ خَلَقَ'' میں انسان مراد ہو مگر پہلے مبہم ذکر کیا گیا ہے' پھر اس آیت مبارکہ میں انسانی تخلیق کی تعظیم وتکریم کی بناء پر اس کی تفسیر بیان کی گئی اور اس کی عجیب وغریب فطرت پر دلالت کرنے کی بناء پر اس کی تفسیر کی گئی ﴿مِنْ عَلَقٍ﴾ جمے ہوئے خون سے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ''عَلَقٍ'' جمع ذکر کیا ہے اور واحد ''عَلَقَةٍ'' نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جمع کے معنی میں مذکور ہے۔

۳ تا ۵- ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (اے محبوب!) پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب سے بڑا کریم ہے' اسے یہ کمال حاصل ہے کہ وہ ہر کریم سے زیادہ کریم ہے' وہ اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے اور ان سے حلم کے ساتھ پیش آتا ہے اور ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا اور ان کے کفر وشرک اور نعمتوں کے انکار کرنے کے باوجود ان کو سزاء وعذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انہیں راہِ راست پر آنے کی مہلت دیتا ہے اور گویا علمی فوائد کے افادہ کے تکرم سے بڑھ کر کوئی تکرم نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ﴾ ''الکتابة'' ﴿بِالْقَلَمِ﴾ جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ اس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا[1] یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ کرم اور کثرتِ کرم پر واضح دلیل ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کے نور کی طرف منتقل کر دیا اور کتابت کے علم کی فضیلت واہمیت سے آگاہ فرمایا' کیونکہ اس میں عظیم منافع اور کثیر فوائد ہیں اور صرف کتابت کے ذریعہ علوم کو مدوّن کیا گیا اور حکمتوں کو مقید کیا گیا اور پہلے لوگوں کی خبروں اور واقعات کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آسمانی کتب کو محفوظ

---

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں ''الانسان'' سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد لینا بھی جائز ہے' پھر آگے لکھتے ہیں: سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے تین بار سینے سے لگا کر بھینچنے سے اپنے محترم ومکرم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اوّلین وآخرین کے تمام علوم سکھا دیئے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرما کر اسے آپ کے لیے شمار کیا اور فرمایا: ''عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو کچھ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO'' (النساء: ۱۱۳) ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیئے جو اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہےO''۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۰۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۲۲' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی ج ۴ ص ۳۱۷' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنے علوم عطا فرمائے گا جن کا عقول احاطہ نہیں کر سکیں گی اور اس قدر علوم عطا فرمائے گا کہ آپ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہے گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

کیا گیا اور اگر یہ کتابت ولکھائی نہ ہوتی تو دین و دنیا کے معاملات واحکام قائم نہ رہتے اور اگر اللہ تعالیٰ کی لطیف و باریک حکمت پر قلم اور خط و کتابت کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہی قلم کی کتابت دلیل کے لیے کافی ہو جاتی۔

۶-﴿ کَلَّآ ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ہر اس شخص کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے جس نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کیا اور اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کیا ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ﴾ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔اس آیت مبارکہ سے لے کر آخرت سورت تک یہ تمام آیات شریفہ ابوجہل کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔

۷-﴿ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ﴾ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے [افعال قلوب میں ''رَاَیْتُنِیْ وَعَلِمْتُنِیْ'' کہا جاتا ہے اور یہاں ''رُؤْیَۃٌ'' کا معنی علم ہے اور اگر وہ دکھانے کے معنی میں ہوتا تو اس کے فعل میں دو ضمیریں جمع کرنا ممنوع ہوتا اور ''اِسْتَغْنٰی'' دوسرا مفعول ہے اور یہ مفعول لہ ہے]۔

۸-﴿ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ﴾ بے شک (تجھے) اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یہاں التفات کے طریقہ پر سرکشی کے انجام سے انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور ''اَلرُّجْعٰی'' مصدر ہے اس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹ جانا یعنی اے انسان! تجھے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تجھے تیری سرکشی اختیار کرنے پر سخت سزا دے گا۔

۹ تا ۱۴-﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے یعنی کیا آپ نے ابوجہل کو دیکھا ہے کہ وہ (سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے[1] ﴿ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ﴾ کیا آپ نے دیکھا ہے اگر وہ ہدایت پر ہوتا یعنی اگر یہ روکنے والا اور منع کرنے والا صحیح اور سیدھے راستہ پر ہوتا جس میں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے ﴿ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ﴾ یا وہ نیکی اور پرہیزگاری کا حکم دینے والا ہوتا جس میں وہ نیکی اور تقویٰ کی بجائے بتوں کی عبادت کا حکم دیتا ہے جیسا کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے ﴿ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴾ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ تکذیب کرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے (یعنی) کیا آپ نے دیکھا اگر یہ منع کرنے والا (ابوجہل) حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴾ تو کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے تمام احوال سے' اس کی ہدایت اور اس کی گمراہی سے پوری طرح آگاہ ہے' سو وہ اسے اس کے حسب حال بدلہ دے گا اور یہ وعید (یعنی دھمکی) ہے [''الذی ینھٰی''

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ابوجہل نے ایک روز اپنے بتوں لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو (العیاذ باللہ) وہ حضور کی گردن روند دے گا اور آپ کے منہ مبارک کو خاک آلود کر دے گا' چنانچہ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تا کہ وہ اپنا کام کرے' جب وہ اس بُری نیت سے ڈگ بھرتے ہوئے آپ کے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے' لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ کیا ہوا تم پیچھے کیوں ہٹ آئے؟ کہنے لگا: جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان آگ سے بھری ہوئی ایک خندق دکھائی دی جس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے' اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ)

جملہ شرطیہ سمیت ''اَرَءَیْتَ'' کا مفعول ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى' اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى'' اور اس کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ شرط ثانی کے جواب میں اس کا ذکر اس کے حذف پر دلالت کر رہا ہے اور یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ ''اِنْ اَكْرَمْتُكَ اَتُكْرِمُنِىْ'' اگر میں تیری عزت کروں تو کیا تم میری عزت کرو گے اور دوسرا ''اَرَءَيْتَ'' تاکید کے لیے دوبارہ زیادہ کیا گیا ہے]'

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

ہاں ہاں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹیں گے O ایسی پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے O پس اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو پکارے O عنقریب ہم جہنم کے فرشتوں کو بلالیں گے O ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کیجئے اور آپ (اپنے رب تعالیٰ کو) سجدہ کیجئے اور (اس کا) قرب حاصل کیجئے O

۱۵- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابوجہل کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے اور بتوں کی عبادت کا حکم دینے پر ڈرایا دھمکایا اور ڈانٹا گیا ہے' پھر ارشاد فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ﴾ اگر وہ (ابوجہل) اس حرکت سے باز نہ آیا جس میں وہ مشغول ہے تو ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ہم ضرور (اس کی) پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچیں گے (یعنی) ہم ضرور اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑیں گے اور ہم ضرور اسے کھینچتے ہوئے گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے[1] ''سفع'' کا معنی ہے: کسی چیز پر قبضہ کرنا اور زور سے کھینچنا [''لَنَسْفَعًا'' کے آخر میں مصحف عثمانی میں وقف کے حکم کی بناء پر الف لکھا جاتا ہے اور ''بِالنَّاصِيَةِ'' میں اضافت کے عوض میں لام عہد پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ مذکور شخص کی پیشانی ہے]۔

۱۶- ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ جھوٹی گناہ گار پیشانی [یہ ''الناصية'' سے بدل ہے کیونکہ یہ ''كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ'' کے ساتھ موصوف ہے اور ''كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ'' میں مجاز اسنادی ہے کیونکہ یہ دونوں حقیقت میں ''كَاذِبٌ وَخَاطِىءٌ'' کی صفات ہیں (جب کہ ''نَاصِيَةٍ'' کی مجازی صفات ہیں) اور اس میں جو حسن ہے وہ تمہارے قول ''نَاصِيَةِ كَاذِبٍ خَاطِىءٍ'' میں نہیں ہے]۔

۱۷'۱۸- ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ سو اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلالے O عنقریب ہم فرشتوں کی سپاہ بلالیں گے۔ ''نادی'' مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں ساری قوم جمع ہوتی ہے اور مراد اہل مجلس ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ایک دن ابوجہل حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا' آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ نے اس کو سخت جواب دیا تو کہنے لگا:

[1] مروی ہے کہ جب سورۃ الرحمٰن نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قریش کے سرداروں کے سامنے اس سورت کو کون پڑھ کر سنائے گا؟ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے' عرض کی: یارسول اللہ! میں سناؤں گا' مگر حضور نے انہیں اجازت نہ دی کیونکہ حضرت ابن مسعود دبلے پتلے' کمزور بدن اور چھوٹی عمر کے تھے' یہاں تک کہ حضور نے تین بار یہ اعلان فرمایا اور تینوں مرتبہ حضرت ابن مسعود عرض کرتے رہے کہ یارسول اللہ! میں سناؤں گا' آخر کار حضور نے انہیں اجازت دے دی اور وہ قریش کے سرداروں کے ہاں پہنچے جب کہ وہ لوگ کعبہ معظمہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے' چنانچہ حضرت ابن مسعود نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ مجھے ڈانٹتے ہیں حالانکہ میں اس مکہ کی وادی میں سب سے زیادہ مجلس والا ہوں (یعنی میرے معاون ومددگار بہت ہیں)' تو اس موقع پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ لغت میں ''زَبَانِیَةٌ'' کا معنی ہے: سپاہیوں کا گروہ اور اس کا واحد ''زِبْنِیَةٌ'' ہے' یہ ''زَبْنٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: دفع کرنا' اور ''زَبَانِیَةٌ'' سے عذاب کے فرشتے مراد ہیں' حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو مدد کے لیے بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے سب کے سامنے پکڑ لیتے۔[۲]

۱۹- ﴿کَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابوجہل کو زجر وتوبیخ کی گئی ہے ﴿لَا تُطِعْهُ﴾ آپ اس کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے یعنی ابوجہل کی نافرمانی سے دور رہ کر آپ اسی حال پر ثابت قدم رہیں جس پر آپ پہلے قائم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ O'' (القلم:۸) ''سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں O'' ﴿وَاسْجُدْ﴾ اور سجدہ کیجئے (یعنی) اور آپ اپنے سجدہ پر قائم ودائم رہیے اور سجدہ سے نماز پڑھنا مراد ہے یعنی ہمیشہ نماز پڑھتے رہیے ﴿وَاقْتَرِبْ﴾ اور قریب ہو جائیے (یعنی) سجدہ کے ذریعے اپنے پروردگار کا قرب حاصل کیجئے' بے شک بندہ اپنے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اس وقت قریب ہو جاتا ہے جب وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتا ہے۔[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑی سریلی آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی' ابوجہل اٹھا اور حضرت ابن مسعود کو زوردار طمانچہ رسید کر دیا اور ان کا کان چیر دیا اور لہولہان کر دیا' وہ روتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے بات کی اور مسکرانے کا سبب پوچھا تو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ عنقریب آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا' چنانچہ غزوۂ بدر کے دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے صحابہ! مقتولوں میں جا کر ابوجہل کو تلاش کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ بدر میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل زخموں سے چور ہے اور آخری سانس لے رہا ہے' آپ فوراً اس کے سینہ پر چڑھ گئے' ابوجہل نے کراہتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں اور آپ کو پہچان لیا تو یہ لعین کہنے لگا: اے بکریاں چرانے والے لڑکے! تو ایک اونچے اور سخت پہاڑ پر چڑھ بیٹھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اسلام ہمیشہ غالب رہتا ہے اور اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا' پھر آپ اس کا سر کاٹنے لگے تو اس لعین نے کہا: ٹھہر جا! اور میری تلوار سے کاٹ کیونکہ میری تلوار تیزی سے کاٹنے والی ہے' چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کا سر قلم کر دیا اور کمزوری کی وجہ سے اس کا سر نہ اٹھا سکے تو اس کا کان چیر کر اس میں مضبوط دھاگا ڈالا اور اسے گھسیٹتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کان کے بدلے کان رہا اور سر کاٹنا اور کھینچ کر لانا مزید ہوا۔ (تفسیر روح المعانی جز۳۰ ص۱۸۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر روح البیان مترجم جز۳۰ ص۴۶۴۔۴۶۵' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

[۱] رواہ الترمذی رقم الحدیث:۳۳۴۹

[۲] رواہ احمد ج۲ ص۳۷۰' مسلم رقم الحدیث:۲۷۹۷

[۳] رواہ مسلم رقم الحدیث:۴۸۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

سورۃ القدر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝١ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝٢ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝٣ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝٤ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝٥

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ۝ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے ۝ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ۝ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں ۝ وہ سلامتی ہی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ۝

شبِ قدر کی اہمیت وفضیلت کا بیان

نوٹ: سورۃ القدر مکی ہے اور ایک قول میں مدنی ہے۔

۱- ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ﴾ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن کریم کی عظمت وشرف اور اس کی فضیلت وبزرگی کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کے نازل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے' اس کے علاوہ کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی اور قرآن مجید کو اسمِ ظاہر کے ساتھ ذکر کرنے کی بجائے اس کی طرف ضمیر لوٹائی گئی ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ قرآن مجید اس قدر عظمت ورفعت رکھتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اس پر اسمِ ظاہر کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ جس وقت میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اس وقت کی قدر وعظمت بہت بلند ہے۔

مروی ہے کہ قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف (بیت العزۃ میں رکھنے کے لیے) بہ یک وقت شب قدر میں نازل کیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام تیئیس سال کے عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کرتے رہے' اور "لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ" کا معنی ہے: تمام طے پانے والے کاموں کی تقدیر اور ان کے فیصلے کی رات اور "قدر" بہ معنی تقدیر ہے یا اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ رات باقی تمام راتوں پر شرف وعظمت اور فضیلت وبزرگی رکھتی ہے اور یہ ماہِ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے اور جمہور اہل اسلام اس پر متفق ہیں[1] اور اس رات کے مخفی اور پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جو شخص شب قدر میں عبادت کرنا چاہتا ہے' وہ اس کو طلب کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت کرتا رہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح پنجگانہ نمازوں میں نمازِ وسطیٰ (یعنی

[1] حضرت ابی بن کعب' امام احمد بن حنبل اور جمہور علمائے اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درمیانی نماز) کو اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو اور جمعۃ المبارک میں مقبول ساعت کو اور عبادات میں اس کی رضا کو اور گناہوں میں اس کے غضب کو (مؤمنوں میں ولی کو اور موت کو نیز قیامت کے دن کو) مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس رات کو پائے وہ یہ دعا مانگے: "اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ" اے اللہ! بے شک تو عفوودرگزر کرنے والا (اور) عفوودرگزر کو تو پسند کرتا ہے پس تو مجھ سے عفوودرگزر فرما۔[1]

۲-۳ ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ یعنی اس رات کی فضیلت و بزرگی[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سات اعضاء پر سجدہ مشروع فرمایا' طواف کعبہ کے سات پھیرے مقرر کیے اور ہفتہ کے سات دن بنائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات ماہ رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجر اور امام رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ استدلال بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حروف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین بار ذکر کیا گیا ہے جن کا حاصل ضرب ستائیس ہے' اس لیے یہ ستائیسویں رات ہونی چاہیے۔ امام رازی نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی اس سورت مبارکہ میں "هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" (القدر:۵) میں "هِیَ" ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے' اس اشارے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۹۳)

[1] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۰

[2] واضح ہو کہ سرور عالم ﷺ کو شب قدر اور اس کی تعیین کا علم تھا لیکن دو مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے اس کی تعیین کا علم مسلمانوں کو بتانے سے اٹھا لیا گیا اور اسے مخفی رکھا گیا تا کہ مسلمان اس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں' یہاں اس سلسلہ میں چند احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان کے پہلے دس دن اعتکاف کیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے' پھر آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ جسے تلاش کرتے ہیں وہ آگے ہے' پھر آپ نے دس سے بیس رمضان تک اعتکاف کیا' ہم بھی آپ کے ساتھ تھے' پھر حضرت جبریل آئے اور عرض کیا: جسے آپ تلاش کرتے ہیں یعنی لیلۃ القدر وہ آگے (آخری دس دنوں میں) ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماہ رمضان کی بیسویں کی صبح کو کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والے دوبارہ اعتکاف بیٹھ جائیں کیونکہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی ہے لیکن میں اسے بھول گیا ہوں' سو اب تم لیلۃ القدر کو ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو' اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گویا مٹی اور پانی یعنی کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں' حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجوروں کے پتوں کی تھی اور اس وقت آسمان پر بادل وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا' پھر اچانک بادل آیا اور بارش شروع ہو گئی اور حضور نبی کریم ﷺ کا خواب سچا ہو گیا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی مبارک پر تر مٹی لگی ہوئی تھی' اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

(۲) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تا کہ آپ ہمیں شب قدر کے بارے میں بتلائیں کہ وہ کون سی رات ہے لیکن دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے آیا لیکن فلاں' فلاں کے جھگڑے کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھا لی گئی ہے' ممکن ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہو' سو اب تم اسے انتیس' ستائیس اور پچیس کی رات میں تلاش کرو۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی انتہا تک آپ کی فہم وفراست اور عقل وخرد نہیں پہنچتی' پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہیں اور اس قدر اس رات کی فضیلت و بزرگی کی بلندی کا سبب یہ ہے کہ اس رات میں رحمت کے فرشتے اور حضرت روح الامین اترتے ہیں اور اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس مدت کی تخصیص کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار مجاہد آدمی کا ذکر فرمایا کہ وہ ایک ہزار مہینے تک روزانہ دن کو مسلح ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جہاد کرتا اور رات کو عبادت کرتا رہا' پس یہ بات سن کر صحابہ کرام کو اس پر بہت تعجب ہوا اور انہیں اپنے اعمال اس شخص کے اعمال کے مقابلے میں کم نظر آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اپنے محبوب کو یہ رات عطا فرمائی جو اس غازی کی مدتِ عبادت سے بہتر ہے۔

٤- ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ فرشتے آسمانِ دنیا کی طرف یا زمین کی طرف اترتے ہیں ﴿وَالرُّوحُ﴾ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام اترتے ہیں یا فرشتوں کا ایک خاص گروہ صرف اس رات میں اترتا ہے جنہیں دیگر فرشتے بھی اس رات کے علاوہ نہیں دیکھتے یا اس رات میں رحمتِ خدا سرِشام سے شروع ہو کر صبح تک اترتی ہے ﴿فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اس قدر والی رات میں یعنی فرشتے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اس قدر والی رات میں ہر اس کام کے لیے اترتے ہیں جس کے نفاذ کا اللہ تعالیٰ اس سال سے لے کر آئندہ سال تک فیصلہ فرما چکا ہے [اس پر وقف کرنا چاہیے]۔

٥- ﴿سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی والی ہے (یعنی) اس رات میں صرف سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے ["سَلٰمٌ" خبر مقدم ہے "هِيَ" مبتدا مؤخر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اس قدر و مرتبہ والی رات میں صرف سلامتی اور خیر و بھلائی مقدر فرماتا ہے اور اس رات کے علاوہ دیگر راتوں میں مصیبت اور سلامتی دونوں کا فیصلہ فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اس رات میں صرف سلام ہی ہوتا ہے کیونکہ اس رات کثیر تعداد میں فرشتے عبادت کرنے والوں کو سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (٣) حضرت مسروق' ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے (یعنی عبادت میں خوب کوشش کرتے) اور رات کو بیدار رہ کر عبادت کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگا دیتے تھے۔

(٤) ابو سہیل اپنے باپ کے واسطے سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ماہِ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو۔

(٥) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں شب قدر کو خواب دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں متفق ہیں' سو تم شب قدر کو ماہِ رمضان کے آخری ہفتہ میں تلاش کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ٤ ص ٥١٠-٥١١' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ٥ ص ٨٥-٨٧' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

فائدہ: شارحین نے (حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث کی تشریح میں) کہا ہے کہ صرف اس سال نبی کریم ﷺ سے لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھا لیا گیا تھا اور دوسرے سال آپ کو پھر اس کا علم عطا کر دیا گیا۔

(تبیان القرآن ج ١٢ ص ٨٩٢' بحوالہ فتح الباری ج ٤ ص ٨٧٧' عمدۃ القاری ج ١١ ص ١٩٧' فیض الباری ج ٣ ص ١٨٣)

کرتے ہیں' بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس رات میں فرشتے جس مسلمان مرد وعورت سے ملاقات کرتے ہیں' اسے سلام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ فجر کے طلوع ہونے تک رات بھر جاری رہتا ہے مگر کفار و مشرکین اس رات کی خیر و بھلائی اور سلامتی سے محروم رہتے ہیں [قاری علی کسائی اور قاری خلف کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ "مَطْلِع" پڑھا جاتا ہے]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ البینۃ مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجائے○ (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے تلاوت کرتے ہیں○ ان میں برحق پختہ احکام لکھے ہوئے ہیں○ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر ان کے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد○ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے عقیدۂ توحید پر قائم رہیں' اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سیدھا دین ہے○ بے شک اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہو گئے اور مشرکین دوزخ کی آگ میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں○

اہل کتاب و مشرکین کے عناد و ہٹ دھرمی اور بُرے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ البینۃ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ﴾ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین (اپنے باطل دین کو) چھوڑنے والے نہیں یعنی یہود و نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے (سرورِ عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور بتوں کی عبادت و پوجا کرنے والے کفر کو چھوڑنے اور اس سے جدا ہونے والے نہیں' سو "اھل الرجل" کہنے سے "رجل" یعنی آدمی اہل کی وجہ سے لوگوں میں خاص ہو جاتا ہے اور اہل اسلام کہنے سے مسلمان اہل کی وجہ سے دیگر مذاہب والوں سے خاص ہو جاتا ہے ["مُنْفَكِّيْنَ" کے بعد "عَنِ الْكُفْرِ" محذوف ہے کیونکہ "الذین" کا صلہ اس پر دلالت کرتا ہے] ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل اور واضح حجت آجائے اور اس

سے مراد حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اس وقت تک اپنے کفر کو نہیں چھوڑیں گے جب تک سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت و رسالت کے ساتھ ان کے پاس نہیں بھیجا جاتا' پھر جب آپ کو نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا تو بعض لوگ ایمان لا کر مسلمان ہو گئے اور بعض لوگ اپنے کفر پر قائم رہے۔

۲-﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول (ان کے پاس تشریف لائے) یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے [اور یہ ''اَلْبَیِّنَةُ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ وہ رسول ان کو باطل سے پاک اوراق میں لکھے ہوئے صحیفے (قرآن مجید جو تمام صحیفوں کے علوم و اسرار کا جامع ہے) پڑھ کر سنائے۔

۳-﴿ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ﴾ ان میں سیدھی باتیں لکھی ہوئی ہیں (یعنی) ان صحیفوں میں (یعنی قرآن مجید میں) مضبوط و مستحکم اور سیدھے احکام لکھے ہوئے ہیں جو حق سچ اور عدل و انصاف بولتے ہیں۔

٤-﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ ﴾ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے' مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی' چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے بغض و حسد اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا اور ان میں سے بعض لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور یہاں صرف اہل کتاب کا الگ ذکر کیا گیا ہے جب کہ اس سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین دونوں کو جمع کر کے بیان کیا گیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب اہل علم تھے اور مشرکین جاہل وان پڑھ لوگ تھے' اور اہل کتاب کی کتابوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا ذکر موجود تھا' لیکن جب یہ اہل علم ہونے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو بھلا جن کے پاس کتاب کا علم نہیں تھا' ان کا کئی گروہوں میں بٹ جانا اس قدر معیوب اور قبیح نہیں' جس قدر اہل علم کا گروہوں میں بٹ جانا معیوب و قبیح ہے۔

۵ -﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا ﴾ اور ان اہل کتاب کو حکم نہیں دیا گیا یعنی تورات اور انجیل میں ﴿ اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾ مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے جب کہ وہ کفر و شرک اور نفاق کے بغیر اپنی بندگی کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہوں گے ﴿ حُنَفَآءَ ﴾ جب کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ پھیرنے والے بغیر کسی تفریق کے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے ہوں گے ﴿ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور یہی دین و ملت ہمیشہ قائم رہنے والی اور مضبوط و مستحکم اور ہر اعتبار سے درست ہے۔

٦ -﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ﴾ بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ع ﴿۸﴾

ع ۲۲

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں O ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اس سے راضی ہو چکے' یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا O

نیک اہل ایمان کی فضیلت و برتری اور اچھے انجام کا بیان

۷ - ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں [قاری نافع مدنی نے ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ "اَلْبَرِیْئَةِ" پڑھا ہے اور دیگر قراء نے (بغیر ہمزہ کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور "نَبِیٌّ" اور "بَرِیَّةٌ" ان کلمات میں سے ہیں جن کو ہمیشہ تخفیف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اصل کو ترک کر دیا گیا ہے]۔

۸ - ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ قائم رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ "عدن" بہ معنی اقامت و دوام ہے ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال قبول فرما کر ان سے راضی اور خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب پا کر اس سے راضی اور خوش ہو گئے ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾ یہ باہمی رضا اور خوشنودی ہر اس شخص کے لیے ہے جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا' اور ارشادِ باری تعالیٰ "خَیْرُ الْبَرِیَّةِ" اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے کہ انسانوں میں سے نیک مسلمان عام فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ "بَرِیَّةٌ" کا معنی ہے: خلق اور یہ "بَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا' اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ "بَرًی" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مٹی' اور اگر یہ اسی طرح ہوتا تو عرب کے لوگ اور قراء اس کو ہمزہ کے ساتھ "بَرِیْئَةٌ" نہ پڑھتے۔ علامہ زجاج نے بھی اس کے بارے میں اسی طرح کہا ہے۔

سورۃ الزلزال مدنی ہے — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O — آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ ② وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ ③ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ ⑤ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ ⑥ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ ⑦ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ⑧

جب پوری زمین شدید زلزلہ کی وجہ سے تھرتھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے O اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی O اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے O اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی O اس لیے کہ بے شک آپ کے پروردگار نے اسے حکم دیا ہے O اس دن لوگ جدا جدا ہو کر (اپنی قبروں سے) نکلیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے

جائیں○ پس جو شخص ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا○ اور جو شخص ذرّہ برابر بُرائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا○

قیامت کے زلزلہ اور حشر برپا کر کے جزاء وسزا کا بیان

نوٹ: سورۃ الزلزال کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ جب پوری زمین شدت کے ساتھ تھرتھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے یعنی شدید زلزلہ کی وجہ سے پوری زمین جھٹکوں سے ہلادی جائے گی جس کے بعد پھر زلزلہ نہیں آئے گا [''زا'' پر فتح کے ساتھ ''زَلْزَالَهَا'' بھی پڑھا گیا ہے' پس ''زا'' مکسور کی صورت میں یہ مصدر ہے اور مفتوح کی صورت میں یہ اسم ہے]۔

۲- ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ اور زمین سارے بوجھ باہر نکال دے گی (یعنی) قیامت آنے پر زمین اپنے اندر تمام پوشیدہ خزانے اور مُردے باہر نکال دے گی' اور ''اَثْقَال''، ''ثِقْل'' کی جمع ہے اور یہ گھر کے سامان پر بولا جاتا ہے اور گھر کے اندر جو کچھ دفن کیا جاتا ہے' ان دفائن کو گھر کا ''اثقال'' یعنی سامان کہا جاتا ہے۔

۳- ﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا﴾ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا (یعنی) شدید ترین زلزلے کی وجہ سے زمین تھرتھر کانپنے لگے گی اور سخت ترین جھٹکے کھانے لگ جائے گی اور اپنے اندر تمام پوشیدہ چیزوں کو باہر پھینک دے گی اور یہ سب کچھ نفخۂ ثانی کے وقت ہوگا[1] جب شدت کے ساتھ زلزلہ آئے گا اور زمین تمام مُردوں کو زندہ باہر پھینک دے گی' سو اس وقت انسان کہیں گے کہ اسے کیا ہوا ہے؟ کیونکہ اس وقت خوف ناک اور دہشت ناک حالات ان کے سامنے ظاہر ہوں گے جیسا کہ وہ یہ بھی کہیں گے: ''مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا'' (یٰسین: ۵۲) ''کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھا دیا''۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ بات کافر انسان کہے گا کیونکہ وہ حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن رہا مسلمان تو وہ یہ کہے گا: ''هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ○'' (یٰسین: ۵۲) ''یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا اور رسولوں نے حق فرمایا○''۔

٤- ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کرے گی یعنی مخلوق اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ اس کے بیان سے مقصود خبروں کا ذکر ہے نہ کہ مخلوق کا ذکر۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دن زمین کو قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور وہ اپنے اوپر کیے گئے نیک و بد عمل کے بارے میں بتائے گی اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر ایک آدمی کے بارے میں گواہی دے گی جو کچھ اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا[2] [''يَوْمَئِذٍ''، ''اِذَا'' سے بدل ہے اور ان دونوں کا ناصب ''تُحَدِّثُ'' ہے]۔

---

[1] قیامت کے دن جب پہلی بار حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو اس وقت شدید زلزلہ آئے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) جس سے زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی' لمبے لمبے درخت اور اونچے اونچے پہاڑ اور ٹیلے زمین دوز ہو جائیں گے اور تمام روئے زمین ہموار چٹیل میدان بن جائے گی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا○ لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا○'' (طٰہٰ: ۱۰۶۔۱۰۷) ''سو وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان بنا دے گا○ تم اس میں نہ کوئی کجی دیکھو گے اور نہ اونچ نیچ○''۔

پھر چالیس سال بعد دوبارہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو شدید ترین زلزلہ آئے گا جس سے پوری زمین تھرتھر کانپے گی اور تمام دفینوں اور مُردوں کو باہر پھینک دے گی' اسی کو نفخۂ ثانی کہا جاتا ہے۔ غوثوی

[2] رواہ احمد ج ۲۔ رقم الحدیث: ۸۸۷۴' الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۳' الحاکم ج ۲۔ رقم الحدیث: ۵۳۲' ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۷۳۶۰۔

۵۔﴿ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴾ اس لیے کہ آپ کا پروردگار اس کو حکم دے گا یعنی زمین اس بناء پر اپنی خبریں بیان کرے گی کہ آپ کا رب تعالیٰ اس کی طرف الہام کرے گا اور اسے خبریں بیان کرنے کا حکم دے گا۔

٦۔﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ ﴾ اس دن تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے مؤقف کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿ اَشْتَاتًا ﴾ جدا جدا اور متفرق ہو کر بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے' وہ امن وسکون میں ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ کالے ہوں گے' وہ پریشان و مغموم اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ لوگ مؤقف سے مختلف گروہوں میں متفرق ہو کر جنتی لوگ جنت کے راستے پر روانہ ہو کر جنت کی طرف اور دوزخی دوزخ کے راستے پر روانہ ہو کر دوزخ کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴾ تا کہ ان کے اعمال دکھائے جائیں یعنی تا کہ انہیں ان کے اعمال پر جزائے خیر یا جزائے شر دکھائی جائے۔

۷۔﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾ سو جو شخص ذرہ برابر (یعنی) چھوٹی چیونٹی کے برابر بھی کوئی نیک عمل کرے گا تو اسے دیکھ لے گا یعنی اس نیک عمل کی جزائے خیر دیکھ لے گا ["خَيْرًا" تمیز ہے]۔

۸۔﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ اور جو شخص ذرہ برابر کوئی برا عمل کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور پہلی آیت مبارکہ مؤمنوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

حکایت: اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے تلاوت کرتے ہوئے "شَرًّا يَّرَهٗ" کو پہلے اور "خَيْرًا يَّرَهٗ" کو اس کے بعد مؤخر کر دیا (یعنی ایک دوسرے کی جگہ پڑھ دیا) تو اس سے کہا گیا کہ تم نے اس کلام کو آگے پیچھے کر دیا ہے' سو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: "خُذَا بَطْنَ هَرْشٰى اَوْ قَفَاهَا فَاِنَّهٗ كِلَا جَانِبَيْ هَرْشٰى لَهُنَّ طَرِيْقٌ" ہرشیٰ نامی وادی کے نشیب سے چلو یا اس کے بالائی عقب سے' سو وہ یقیناً ہرشیٰ کی دو سمتیں ہیں' ان کے لیے یہی راستہ ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرزدق کے دادا حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تا کہ وہ آپ سے قرآن مجید میں سے کچھ کلام پاک کی تلاوت سنیں تو آپ نے ان کو یہ دونوں آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ سن کر کہنے لگے: "حَسْبِيْ حَسْبِيْ" مجھے کافی ہے! مجھے کافی ہے! (تفسیر در منثور ج ۸ ص ۵۹٦) اور یہ سب سے زیادہ محکم ہیں اور ان کا جامعہ نام رکھا گیا ہے۔

سورۃ العادیات ۱۰۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

سورۃ العادیات مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ

لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

قسم ہے تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی!O پھر پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑانے والوں کی!O پھر صبح کے وقت حملہ آور ہونے والوں کی!O سو وہ اس وقت غبار اڑاتے ہیںO اور وہ اس وقت دشمن کی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیںO بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بہت بڑا ناشکرا ہےO اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہےO اور بے شک وہ مال کی محبت میں ضرور سخت (حریص) ہےO تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب اٹھا لیے جائیں گے جو بھی قبروں میں ہیںO اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے ظاہر کر دیا جائے گاO بے شک ان کا پروردگار اس دن (بھی) ضرور خبر رکھنے والا ہےO

جہادی گھوڑوں کی قسم کے ساتھ انسان کی ناشکری اور مال سے محبت کا بیان

نوٹ: سورۃ العادیات کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾ تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی قسم! ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی جنگ میں کفار سے جنگ کرنے والے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم فرمائی ہے کہ جب وہ تیز دوڑتے ہیں تو ہانپتے ہیں' اور ''ضَبْحٌ'' کا معنی ہے: گھوڑوں کے سانسوں کی آواز جو ان کے دوڑنے کے وقت ان کے سینوں سے برآمد ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے اس آواز کو اپنے الفاظ میں بیان کیا' چنانچہ فرمایا: ''اَحْ اَحْ'' [''ضَبْحًا'' محذوف فعل سے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے' اصل میں ''یَضْبَحْنَ ضَبْحًا'' ہے]۔

۲۔ ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ﴾ اور آگ نکالنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) جیسے حباحب نامی (بخیل) شخص کے گھر میں کمزور اور ہلکی آگ کا نکلنا (کہ کہیں زیادہ آگ کے ظاہر ہونے کی صورت میں مہمان نہ آ جائے) اور یہ وہ آگ ہے جو گھوڑوں کے پتھریلی زمین پر سم مارنے کی وجہ سے پتھروں سے نکلتی ہے ﴿قَدْحًا﴾ اصل میں ''قَادِحَاتٍ'' کے معنی میں ہے کہ اپنے سم پتھروں پر مارنے والے گھوڑے اور ''قَدْحٌ'' کا معنی ہے: کھر یا سم پتھر پر مارنا' اور ''ایراء'' کا معنی ہے: آگ کا نکالنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''قَدَحَ فَاَوْرٰی'' چقماق رگڑا تو اس نے آگ نکالی' اور ''قَدَحَ فَاَصْلَدَ'' اس نے چقماق رگڑا تو چقماق نے آگ نکالے بغیر آواز نکالی [''قَدْحًا'' بھی ''ضَبْحًا'' کی طرح فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳۔ ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾ اور صبح کے وقت حملہ کرنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرنے والے گھوڑوں پر سوار مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم!

۵٬۴۔ ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ سو وہ غبار اُڑاتے ہیں (یعنی) پس اس صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوڑتے ہوئے غبار اُڑاتے ہیں ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ پھر وہ اس وقت دشمنوں کی جماعتوں میں سے مدمقابل آ کر لڑنے والی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ ''وسط'' بہ معنی درمیان ہے [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بہٖ'' کی ضمیر غارت گری کی جگہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسلامی فوج دشمن کے لشکر سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ کے درمیان گھس جاتے ہیں یا پھر دشمن کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''وَالْعَادِیَاتِ'' دلالت و رہنمائی کرتا ہے اور ''فَاَثَرْنَ'' کو اس فعل پر معطوف کیا گیا ہے جس کی جگہ پر اسم فاعل رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: ''وَاللَّاتِیْ عَدَوْنَ فَاَوْرَیْنَ' فَاَغَرْنَ فَاَثَرْنَ'' قسم ہے ان گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے ہیں! اور سم مار کر چنگاریاں اُڑاتے ہیں! پھر حملہ کرتے ہیں اور غبار اُڑاتے ہیں' اور قسم کا جواب (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ ہے:]

٦- ﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ﴾ بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بڑا ناشکرا ہے یعنی بے شک انسان خصوصی طور پر اپنے رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی بجائے بہت سخت ناشکرا ہے۔ ''کَنُوۡدٌ'' بہ معنیٰ ''کَفُوۡرٌ'' ہے یعنی بہت ناشکرا۔

۷- ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ﴾ اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے یعنی بے شک وہ انسان اپنی اس ناشکری پر خود گواہ ہے کہ وہ اپنے خلاف گواہی دے گا' یا یہ معنیٰ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ناشکری پر گواہ ہے۔ یہ کلام مبارک انسان کی وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے۔

۸- ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ﴾ اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے (یعنی) بے شک انسان مال کی محبت کی وجہ سے سخت بخیل ہے' اپنے مال ودولت کو روک کر ذخیرہ کرنے والا اور کنجوس ہے' یا یہ معنیٰ ہے کہ بے شک انسان مال ودولت کی محبت میں بہت قوی اور طاقتور ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی محبت میں نہایت کمزور ہے۔

۹' ۱۰- ﴿اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِى الۡقُبُوۡرِ ۙ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوۡرِ﴾ تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب باہر نکالا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۝ اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ سب ظاہر کر دیا جائے گا یعنی کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ بروز قیامت جب قبروں میں سے تمام مُردوں کو زندہ کر کے (حساب وکتاب کے لیے) باہر نکالا جائے گا اور لوگوں کے دلوں اور سینوں میں جو کچھ نیکی اور برائی ہوگی اسے الگ الگ کر کے ظاہر کر دیا جائے گا اور ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا اور یہاں ''مَا'' بہ معنیٰ ''مَنۡ'' استعمال ہوا ہے۔

۱۱- ﴿اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ﴾ بے شک ان کا پروردگار اس دن بھی ان سے پوری طرح باخبر ہوگا اور وہ انہیں ان کے نیک اعمال پر جزائے خیر اور بُرے اعمال پر سزا دے گا اور یہاں ''يَوۡمَئِذٍ'' کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے اعمال واحوال کو خوب جاننے والا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے نیک وبد اعمال پر جزاء وسزا اس (قیامت کے) دن واقع ہوگی۔

(۱۰۱) سُوۡرَةُ الۡقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰)	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝	اٰيَاتُهَا ۱۱ رُكُوۡعُهَا ۱
سورۃ القارعۃ مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۝	اس کی گیارہ آیات' ایک رکوع ہے

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا هِيَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ع

کھڑکھڑانے والی۝ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟۝ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟۝ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۝ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۝ سو لیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے۝ تو وہ پسندیدہ زندگی میں مسرور ہوگا۝ اور لیکن جس شخص (کی نیکیوں)

کے پلڑے ہلکے ہوں گےO تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگاO اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟O وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہےO

قیامت کے خوف ناک منظر اور جزاء وسزا کا بیان

۱'۲- ﴿اَلْقَارِعَةُO مَا الْقَارِعَةُ﴾ کھڑکھڑانے والیO کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟ [''اَلْقَـارِعَةُ'' پہلا مبتدا ہے اور ''مَا'' دوسرا مبتدا ہے اور ''الـقـارعة'' دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور یہ جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا حق یہ تھا کہ یہ ''مَا الْقَارِعَةُ'' کی بجائے ''مَا هِيَ'' ہوتا لیکن ''الـقـارعة'' کو دوبارہ صرف اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کے حال کی بڑائی بیان کی جائے]۔

۳- ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ یعنی آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور آپ نے اس کو کہاں سے معلوم کرلیا ہے؟

٤- ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔ لوگوں کی کثرت وزیادہ ہونے میں اور منتشر وبکھرنے اور ضعف وکمزوری اور ذلت وحقارت میں اور ہر طرف سے بلانے والے کے پاس بہت جلد پہنچنے میں پتنگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس طرح پتنگے آگ کے پاس بہت جلد اُڑ کر پہنچ جاتے ہیں اور پتنگوں کو ''فـراش'' کے نام سے اس لیے یاد کیا گیا ہے کہ وہ اُڑتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں [''يَوْمَ'' فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ''الـقـارعة'' دلالت ورہنمائی کر رہا ہے یعنی ''تَقْرَعُ'']۔

٥- ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ اور (اس دن) پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے یہاں پہاڑوں کو ''عِهْنٌ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ''عِهْنٌ'' کا معنی ہے: مختلف رنگوں کی رنگین اُون کیونکہ پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌO'' (فاطر:۲۷) ''اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ جدا جدا ہیں اور بہت سے پہاڑ گہرے کالے سیاہ ہوتے ہیںO''۔ ''مـنـفـوش'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دھنکی ہوئی روئی کے اجزاء بکھر جاتے ہیں' اسی طرح قیامت کے روز پہاڑ بھی مختلف اجزاء اور مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہوکر بکھر جائیں گے۔

٦- ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ سو لیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے یعنی حق کی اتباع اور پیروی کرنے کی وجہ سے جن کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے۔ ''مـوازيـن'' ''مـوزون'' کی جمع ہے' اور اس سے وہ عمل مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے پاس وزن وقدر ومنزلت ہوگی یا یہ میزان کی جمع ہے اور اس کے ثقیل و بھاری ہونے سے اس کا راجح اور زیادہ وزنی ہونا مراد ہے۔

٧- ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ دل پسند زندگی میں ہوگا جس میں زندگی گزارنے والا خوش اور راضی رہے گا یا بذات خود زندگی پسندیدہ خوش وخرم ہوگی۔

۸'۹- ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور جن لوگوں کے پلڑے باطل کی اتباع کی وجہ سے ہلکے ہوں گے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگی' پس اس کا مسکن اور پناہ گاہ دوزخ کی آگ ہوگی اور ''مـاوٰی'' کو تشبیہ کے طور پر ''اُمٌّ'' کہا گیا ہے کیونکہ ''اُمّ'' (یعنی ماں) بچے کے لیے جائے سکون اور جائے پناہ ہوتی ہے۔

۱۰'۱۱- ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کیا ہے [''هِيَ'' کی ضمیر ''هَاوِيَة'' کی طرف لوٹتی ہے اور سکتہ (ہلکا وقف) کی صورت میں آخر میں ''هـا'' پڑھا جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتوضیح بیان کی' چنانچہ ارشاد

فرمایا ہے ﴿ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ جس کی حرارت وگرمی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

سورۃ التکاثر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی آٹھ آیات' ایک رکوع ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر دیا ○ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی ○ ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لوگے ○ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لوگے ○ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے (تو غافل نہ رہتے) ○ بے شک تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے ○ پھر البتہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ اس کو ضرور دیکھو گے ○ پھر البتہ اس دن نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا ○

دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہونے پر انسان کی مذمت

1- ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر رکھا ہے (یعنی) مال و دولت کی کثرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی حرص نے اور اموال و اولاد کی کثرت پر فخر و مباہات کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیا[1]

[1] یہ آیت مبارکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس فکر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' اس وقت آپ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" کی تلاوت فرمار ہے تھے' آپ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال' اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تو نے کھالیا اور جس کو فنا کر دیا' یا جس کو تو نے پہن کر استعمال کر لیا' پھر اس کو بوسیدہ کر دیا' یا تو نے اس کو صدقہ کر دیا اور اس کو اپنے لیے آگے بھیج دیا (تاکہ قیامت کے دن کام آئے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲) ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے سوا جو بھی مال ہے اس کو تم لوگوں کے لیے چھوڑ کر (دنیا سے) جانے والے ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں اور اس کا منہ مٹی کے سوا ہرگز نہیں بھرے گا اور جو آدمی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷)

ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا۔

اس آیت مبارکہ میں کثرت کو طلب کرنے کی مذمت فرمائی ہے لیکن مطلق کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے بلکہ اطاعات' عبادات اور محاسنِ اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا مطلوب ہے اور مال میں کثرت طلب کرنا اگر فسق و فجور کے لیے ہو تو مذموم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن و بہتر ہے' حدیث شریف میں ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٢-﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی (یعنی) یہاں تک کہ اس غفلت و دنیاداری کے حال میں موت نے تمہیں گھیر لیا' یا یہ معنی ہے کہ یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھا اور قبروں میں دفن ہونے والے مُردوں کو تم نے گن گن کر دفن کیا۔

٣-﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس میں انسان کو کثرتِ اموال و اولاد کے خیال سے روکنا اور اس پہ ڈانٹنا اور ناراضگی کا اظہار کرنا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ اپنے آپ پر نظر رکھنے والے عقل مند آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس کا تمام کا تمام مقصدِ حیات صرف دنیا ہو اور وہ اپنے دین کا اہتمام نہ کرے اور نہ اس کی تیاری کرے ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ تم عنقریب قبر میں پہنچ کر جان لو گے' یا تم عنقریب موت کے وقت جس حال پر تم دنیا میں رہے اس کے بُرے انجام کو جان لو گے۔

٤-﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔

٥-﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! لفظ ''كَلَّا'' کا دوبارہ تکرار محض انسان کو ڈرانے دھمکانے اور اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿لَوْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جان لیتے [''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی جو کچھ تمہارے سامنے ہو رہا ہے اس کو تم اگر جان لیتے ﴿عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ یقینی علم کے ساتھ یعنی جیسے دوسرے اُمور کو یقینی طور پر جانتے ہو تو تمہیں مال و دولت کی کثرت غافل نہ کرتی' یا یہ معنی ہے کہ اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے تو تم ایسے عمدہ کام کرتے جن کا کما حقہ وصف بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن تم تو جہالت کے سبب گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو۔

٦-﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾ البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے [یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور یہ قسم محض وعید (ڈرانے دھمکانے) کی تاکید کے لیے ہے' ابن عامر شامی اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ''تا'' مضموم کے ساتھ ''لَتُرَوُنَّ'' پڑھا جاتا ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستے میں خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور وہ لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٨١٦' مسند احمد ج ١ ص ٣٨٥)

اسی طرح اولاد میں کثرت اگر صرف اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہو تو یہ مستحسن نہیں ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ کی امت میں اضافہ کے لیے ہو تو یہ مستحسن ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے جس کا خاندان بھی اچھا ہے اور وہ بہت خوب صورت بھی ہے لیکن اس کی اولاد نہیں ہوتی' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ پھر دوسری بار آیا' آپ نے پھر منع فرمایا' وہ پھر تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٠٥٠)

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جو ''تکاثر'' مذموم و بُرا ہے' وہ یہ ہے کہ فسق و فجور کے لیے مال و دولت میں کثرت کو طلب کیا جائے' اور علم میں زیادتی اور اطاعت اور عبادت میں کثرت اور اخلاقِ حمیدہ میں اضافہ محمود و مستحسن اور بہتر ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ١٢ ص ٩٥٨)

۷۔ ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ پھر تم اسے البتہ ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے یعنی ایسا مشاہدہ جو یقین کا عین ہے (بعینہٖ یقین ہے) اور وہ خالص یقین ہے' اور ڈرانے دھمکانے میں سختی کرنے اور خوف دلانے اور ہولناک کرنے میں اضافہ کرنے کے لیے "لَتَرَوُنَّهَا" کو "ثُمَّ" کے ساتھ معطوف کر کے دوبارہ لایا گیا ہے اور پہلے کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اس دوسرے کا تعلق آنکھ اور مشاہدہ کے ساتھ ہے۔

۸۔ ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا (یعنی) امن وسکون اور صحت وتندرستی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو کیسے خرچ کر کے فنا کیا' حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا جن کی لذتوں نے تمہیں دین اسلام اور اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے سے غافل کر دیا تھا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ماسوا اس رہائش کے مکان کے جس میں وہ سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے پناہ لیتا ہے اور ماسوا اس لباس کے جس کو جسم ڈھانپنے کے لیے پہنتا ہے اور ماسوا روٹی کے ان ٹکڑوں کے جن سے (عبادت کے لیے) قوت حاصل کرتا ہے (اور ماسوا پانی کے جو بقدر ضرورت استعمال کرتا ہے) باقی سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا' اور یہ روایت مرفوع بھی بیان کی گئی ہے۔

سورۃ العصر مکیۃ ۱۰۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی تین آیات' ایک رکوع ہے

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

زمانۂ نبوی کی قسم! ○ بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ○

انسان کی کامیابی کے لیے چار اہم ترین خوبیوں کا بیان

نوٹ: سورۃ العصر مکی ہے یا مدنی ہے۔

۱۔ ﴿وَالْعَصْرِ﴾[1] اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نمازِ عصر کی قسم فرمائی ہے کیونکہ یہ نمازِ عصر دیگر نمازوں پر فضیلت و برتری رکھتی ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصحف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ" اور درمیانی نماز (یعنی) نمازِ عصر کی حفاظت کرو' اور اس لیے بھی اس کی زیادہ فضیلت ہے کہ اس

[1] اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: بعض مفسرین کے نزدیک "العصر" سے زمانۂ نبوت مراد ہے کیونکہ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذاتِ خود تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں' اسی طرح آپ کا زمانۂ نبوت بھی تمام زمانوں سے افضل واعلیٰ ہے اور بعض دیگر اہل علم حضرات کا قول ہے کہ "العصر" سے حضور سید عالم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کا سارا زمانہ مراد ہے کیونکہ آپ کی حیاتِ مبارکہ سے قیامت تک کا پورا زمانہ گزشتہ تمام زمانوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح عصر سے مغرب تک کا زمانہ پورے دن کے مقابلے میں ہے اور اس کی تصدیق وتائید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ادا کرنے میں زیادہ مشقت وتکلیف اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ لوگ دن کے آخر میں اپنی اپنی تجارت اور کاروبار میں بہت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس حدیث مبارکہ سے ہوجاتی ہے جس کو امام بخاری نے حضرت سالم بن عبد اللہ کے ذریعے ان کے والد سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ (اے مسلمانو!) بے شک تمہاری زندگی پہلی امتوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح پورے دن کے مقابلے میں عصر سے مغرب تک کا زمانہ ہے اور اس کی عظمت وفضیلت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ مبارک ہے اور آپ کی امت کا زمانہ ہے جو تمام امتوں سے افضل وبہتر ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے ایک دوسری حدیث شریف کی تصدیق وتائید سے یہ قول اسی طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی اور ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِO وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِO'' (البلد: ۱۔۲) میں آپ کے مکان ومسکن اور شہر کی قسم فرمائی' اور ان دو آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ ''میں اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم اٹھاتا ہوںO اس لیے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیںO'' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی جانِ اقدس اور حیاتِ مبارکہ کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا: ''لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَO'' (الحجر: ۷۲) ''(اے محبوب!) آپ کی جان کی قسم! بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیںO'' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم! اور آپ کے شہر اقدس کی قسم! اور آپ کی معظم ومکرم جان کی قسم!

علامہ علاؤ الدین علی صوفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق ''العصر'' سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ مبارک مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی اس طرح قسم فرمائی ہے جس طرح ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِO وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِO'' میں آپ کے پیدائشی اور اقامتی شہر مکہ مکرمہ کی قسم فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ذریعہ اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ آپ کا زمانہ اقدس دیگر تمام زمانوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

عارف باللہ علامہ صاوی مالکی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''العصر'' سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اقدس مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' میں آپ کے مکان ومسکن اور آپ کے شہر کی قسم فرمائی ہے اور ''لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ O'' (الحجر: ۷۲) میں آپ کی مقدس زندگی کی قسم فرمائی' پس اس میں تنبیہ ہے کہ آپ کا زمانہ مبارک تمام زمانوں سے افضل ہے اور آپ کا شہر تمام شہروں سے افضل ہے اور آپ کی حیاتِ طیبہ تمام زندگیوں سے افضل وبرتر ہے' اور بعض حضرات کا یہ مؤقف ہے کہ ''العصر'' سے آپ کا اور آپ کی امت کا زمانہ مراد ہے کیونکہ یہ زمانوں کا خاتم اور آخری زمانہ ہے اور یہی سب زمانوں سے افضل وبرتر ہے اور اسی کے آخر میں قیامت اور اس کے عجائبات کا ظہور ہوگا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۷۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۳۳۵' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۳۳۱' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی' مصر)

حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

اور سب سے لذیذ وراجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سیّد عالم ﷺ کا مراد ہے جو بڑی خیر وبرکت کا زمانہ ہے اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت وشرف والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' میں حضور ﷺ کے مسکن ومکان کی قسم یاد فرمائی اور جیسا کہ ''لَعَمْرُكَ'' میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شانِ محبوبیت کا اظہار ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور اپنے اپنے معاش میں مشغول ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شام (عصر سے مغرب تک) کی قسم فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ''وَالضُّحٰی'' میں فجر کی قسم فرمائی کیونکہ اس میں قدرت کے دلائل ہیں یا اللہ تعالیٰ نے مطلق زمانہ کی قسم فرمائی کیونکہ اس کے گزرنے میں مختلف اقسام کے عجائبات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ بے شک انسان نقصان میں ہے یعنی جنس انسان اپنی تجارت میں سراسر نقصان و خسارے میں ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

۳۔ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کیونکہ انہوں نے دنیا کے عوض میں آخرت کو خرید لیا' سو انہوں نے اپنی تجارت میں نفع حاصل کر لیا اور وہ کامیاب و کامران اور نیک بخت و سعادت مند ہو گئے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت و تاکید کرتے رہے (یعنی) ایسے کام کی تاکید کرتے رہے جو ثابت و برحق اور مبنی برصداقت ہے جس کا انکار جائز نہیں اور وہ سراسر تمام کا تمام خیر و بھلائی پر مشتمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی اتباع و پیروی ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (یعنی) وہ لوگوں کو گناہوں سے بچنے اور عبادات و اطاعات پر قائم رہنے اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا رہتا ہے [''وَتَوَاصَوْا'' دونوں جگہ فعل ماضی ہونے کی بناء پر اپنے سے پہلے ''وَعَمِلُوْا'' فعل ماضی پر معطوف ہے]۔

آیاتہا ۹ ۔ رکوعہا ۱	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	(۱۰۴) سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۲)
اس کی نو آیات' ایک رکوع ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	سورۃ الھمزہ مکی ہے

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۫ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىکَ مَا الْحُطَمَۃُ ؕ﴿۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ''وَالْعَصْرِ'' سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے جب یہ جہاں حضرت محمد عربی ﷺ کے وجودِ مسعود سے منور ہوا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی اٹل' ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی' جن لوگوں نے دعوتِ محمدی ﷺ کو قبول نہ کیا' وہ اپنی امارتوں' ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود دنیا سے مٹ گئے' نیست و نابود ہو گئے' انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے' لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادیٔ برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا' وہ انسانیت کی آبرو بن گئے' چشم گیتی کا نور' گلشن ہستی کی بہار اور فخر روزگار بن گئے' ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاک بازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے' ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوشِ پا کو خضر راہ بنانے والے' کاروانِ انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں' انہوں نے اپنی للّٰہیت اور خلوصِ عمل سے انسان کے سرافتخار کو بلند کر دیا ہے اس لیے اگر ''والعصر'' سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۳ ۔ ۶۵۴)

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

ہر طعنہ زنی کرنے والے چغل خور کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ ضرور توڑ کر ریزہ ریزہ کرنے والی (آگ) میں پھینکا جائے گا O اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ توڑ پھوڑ کر کے ریزہ ریزہ کرنے والی کیا چیز ہے؟ O وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے O جو دلوں پر چڑھ جائے گی O بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی O لمبے لمبے ستونوں میں O

طعنہ دینے والے چغل خوروں اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کی مذمت

۱- ﴿وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ﴾ ہر زبان طعن دراز کرنے والے کے لیے ہلاکت و تباہی ہے یعنی جو شخص لوگوں کے پیچھے ان کی غیر موجودگی میں ان کے عیب بیان کرتا ہے ﴿لُّمَزَةٍ﴾ عیب جوئی کرنے والا ہے یعنی جو شخص لوگوں کے سامنے ان کی عیب جوئی کرتا ہے اور یہ ''فُعَلَةٌ'' کے وزن پر ہے' جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عیب جوئی کرنا اس بدبخت کی عادت ہے [''وَیْلٌ'' مبتدا ہے جب کہ ''لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ'' اس کی خبر ہے]۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیاتِ مبارکہ اخنس بن شُریق کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیاتِ مبارکہ اُمیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیاتِ مبارکہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ ممکن و جائز ہے کہ ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کا سبب خاص ہو اور ان کی وعید و دھمکی عام ہو' تاکہ یہ آیاتِ مبارکہ ہر اس شخص کو شامل ہوں جو اس قبیح و بدترین بُرائی میں مبتلا ہو[1]۔

۲- ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ جس نے مال کو جمع کیا اور اسے گن گن کر ذخیرہ کر رکھا یعنی وہ اپنا مال گن گن کر جمع کرتا رہا تاکہ اس کا یہ مال زمانہ کے مصائب و آلام اور حوادثات میں کام آسکے [''اَلَّذِیْ''، ''كُلِّ'' سے بدل ہے یا پھر ذم کی بناء پر منصوب ہے اور قاری ابن عامر شامی' حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے لیے (میم مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ''جَمَّعَ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ارشادِ باری تعالیٰ ''عَدَّدَهٗ'' کے مطابق ہے]۔

۳- ﴿یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ﴾ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ زندہ و جاوداں رکھے گا' وہ کبھی نہیں مرے گا یا پھر یہ کلام مبارک نیک اعمال اپنانے کے لیے

[1] کفارِ مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرورِ عالم ﷺ سے بغض و عناد رکھتے تھے لیکن ان میں چند ایسے گستاخ و بدباطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی' کچھ ایسے تھے جو پسِ پشت تو غیبت و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے لیکن روبرو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے۔ بعض بدبخت اور بے حیاء ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ یہ آیاتِ مبارکہ انہیں کفار کے بارے میں نازل ہوئیں جو حضور سیدِ عالم ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام پر زبانِ طعن کھولتے تھے اور ان حضرات کی غیبت و عیب جوئی کرتے تھے' جیسے اخنس بن شریق' امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہم اور اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا اور یہ حکم ہر غیبت کرنے والے کے لیے عام ہے۔
(ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۶' تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)

تعریض ہے کہ اسے مال جمع کرنے کی بجائے نیک اعمال کرنے چاہئیں اور بے شک یہ نیک اعمال ہی ہیں جو اپنے ساتھی کو دائمی نعمتوں میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے لیکن رہا مال تو یہ کسی کو ہمیشہ زندہ نہیں رکھ سکتا۔

٤-﴿ کَلَّا ﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اسے گمان باطل اور خیال فاسد سے روکا گیا ہے ﴿ لَیُنۡۢبَذَنَّ ﴾ البتہ اسے ضرور پھینکا جائے گا جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر ذخیرہ کرتا رہا ﴿ فِی الۡحُطَمَةِ ﴾ توڑ پھوڑ کر چورہ چورہ کرنے والی آگ میں جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جو اس میں ڈال دی جائے۔

٥-﴿ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ چورہ چورہ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ اس کلام مبارک سے دوزخ کی آگ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور اس آگ کی سخت ترین بڑائی کا اظہار کیا گیا ہے۔

٦'٧-﴿ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے ["نَارُ اللّٰهِ" مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں "هِیَ نَارُ اللّٰهِ" ہے "اَلۡمُوۡقَدَةُ" اس کی صفت ہے] ﴿ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَةِ ﴾ وہ دلوں پر چڑھ جائے گی یعنی بے شک یہ آگ ان کے پیٹوں میں داخل ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ ان کے سینوں میں پہنچ جائے گی اور ان کے دلوں کے درمیان میں پہنچ کر ان پر چھا جائے گی۔ "اَفۡئِدَةٌ"، "فُؤَادٌ" کی جمع ہے اور "فُؤَاد" روح کے متصل دل کے وسط اور درمیان میں ہوتا ہے اور انسان کے بدن میں "فُؤاد" سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور انسان کے جسم میں ادنیٰ سی اذیت پہنچنے پر یہ سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے' پھر بھلا جب اس پر دوزخ کی آگ چڑھ جائے گی اور اس پر غالب آ جائے گی اور ہر طرف سے گھیر لے گی تو اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی[1] اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دلوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہی دل کفر وشرک اور عقائد باطلہ اور فاسدہ کا مرکز ومنبع ہوتے ہیں اور ان پر آگ کے چڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور ان پر چھا جائے گی۔

---

[1] یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی' یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے جو آخر کار بجھ جاتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے' حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے' عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ پر انہتر درجہ زیادہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا اور تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی' پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی' پھر اس کو ایک ہزار سال بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی' پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی و بدبخت داخل ہوگا' پوچھا گیا: یارسول اللہ! شقی (بدبخت) کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے کوئی عبادت وطاعت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

(ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۷۷)

۸ - ﴿ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴾ یعنی بے شک ان لوگوں پر دوزخ کی آگ یا حطمہ بند کی جائے گی (نہ نکل سکیں گے نہ نجات حاصل کر سکیں گے بلکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

۹ - ﴿ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾ لمبے لمبے ستونوں میں ہوں گے یعنی ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور دروازوں پر لمبے لمبے مضبوط و پختہ ستون ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن عقل مند' ہوشیار' ذہین و سمجھ دار' خوب آ گاہی رکھنے والا' صائب رائے رکھنے والا' بردبار ہوتا ہے' وہ جلد بازی نہیں کرتا' وہ علم والا پرہیزگار ہوتا ہے اور منافق زبانِ طعن دراز کرنے والا' چغل خور' عیب جوئی کرنے والا' لوگوں کو لڑانے والا فسادی ہوتا ہے' وہ کلام میں رطب و یابس ملانے والے شخص کی طرح ہر سنی سنائی باتوں کے ذریعے لگائی بجھائی میں لگا رہتا ہے' وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا [امام حفص کی قراءت میں "فِىْ عَمَدٍ" میں عین اور میم کو مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر کوفیوں کی قراءت میں عین اور میم کو مضموم کے ساتھ "فِىْ عُمُدٍ" پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں اور یہ "عِمَاد" کی جمع ہے' جیسے "اِهَاب" اور "اُهُب" اور "حِمَار" اور "حُمُر" ہے]۔

(۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۵ رُكُوْعُهَا ۱
سورۃ الفیل مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ○ کیا اس نے ان کے مکر و فریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا؟ ○ اور اس نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ○ وہ ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے ○ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ○

کعبہ شریف کی عظمت اور حملہ آور ہاتھی والوں کی ہلاکت کا بیان

۱ - ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اور "اَلَمْ تَرَ" میں استفہام (سوالیہ کلام) کے ذریعے تعجب دلایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب کے کفر پر تعجب دلایا ہے (کہ عرب کے لوگ اس واقعہ کے مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ابھی تک کفر پر قائم ہیں) حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس عظیم ترین نشانی کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک حبشہ والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور گرفت کے آثار آپ دیکھ چکے ہیں اور اس کے متعلق آپ متواتر خبریں سن چکے ہیں' سو یہ واقعہ آپ کے لیے مشاہدہ کے قائم مقام ہو چکا ہے[1]۔

[1] واضح ہو کہ پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مروی ہے کہ حبشہ (جسے ایتھوپیا کہا جاتا ہے) کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کی طرف سے یمن کے گورنر ابرہہ بن صبّاح نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ایک بہت بڑا قیمتی گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام قلّیس رکھا اور اس نے چاہا کہ حج کرنے والے لوگ بجائے کعبہ شریف میں جانے کے صنعاء میں آ کر اس گرجے کا طواف کیا کریں (جب یہ خبر عرب کو پہنچی) تو قبیلہ بنو کنانہ کا ایک آدمی گھر سے روانہ ہو کر صنعاء میں پہنچا اور رات کو گرجا میں ٹھہرا اور اس میں بول و براز کر دیا' پھر اسے آگ لگا دی' جس کی وجہ سے ابرہہ غضب ناک ہو گیا' ایک اور روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ عرب کے چند نوجوانوں نے گرجا میں جا کر آگ جلائی اور ہوا بہت تیز تھی جس کی وجہ سے آگ زبردست بھڑک اٹھی اور سارے گرجے کو جلا دیا' سو ابرہہ نے قسم کھالی کہ وہ کعبہ معظمہ کو ضرور گرا دے گا' پھر وہ ایک بھاری لشکر لے کر حبشہ سے روانہ ہوا' اور اس کے ساتھ ایک ہاتھی تھا' جس کا نام محمود تھا اور یہ ہاتھی بہت قوی و طاقتور اور بہت بڑا تھا اور اس کے علاوہ ابرہہ کے ساتھ مزید بارہ ہاتھی بھی تھے' چنانچہ جب ابرہہ (مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلے پر) مغمّس کے مقام پر پہنچا تو اس کے پاس حضرت عبدالمطلب تشریف لائے اور وادیٔ تہامہ کے اموال میں سے ایک تہائی مال دینے کی اسے پیش کش فرمائی تا کہ ابرہہ کعبہ معظمہ کو گرائے بغیر واپس لوٹ جائے' سو اس نے انکار کر دیا اور اپنے لشکر کو پیش قدمی کی تیاری کا حکم دے دیا اور محمود نامی ہاتھی کو سب سے آگے رکھا' چنانچہ جب وہ لوگ اس ہاتھی کا منہ حرم شریف کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ جاتا اور کوشش کے باوجود نہ اٹھتا اور جب اس کا منہ یمن کی طرف کرتے تو وہ دوڑ پڑتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ابابیل نامی پرندوں کو بھیج دیا' ہر پرندہ کے ساتھ تین کنکریاں ہوتی تھیں' ایک اس کی چونچ میں اور دو کنکریاں اس کے دونوں پنجوں میں ہوتی تھیں اور یہ کنکریاں مقدار میں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے قدرے چھوٹی ہوتی تھیں (لیکن زخمی کرنے اور کاٹنے میں ایٹم بم کی طرح تیز تھیں)' چنانچہ جس شخص کے سر پر کنکری گرتی تو وہ پورے جسم کو چیرتے ہوئے اس کی مقعد (پاخانہ کی جگہ) سے پار نکل جاتی اور پتھر کی ہر کنکری پر اس شخص کا نام درج ہوتا جس پر وہ کنکری گری' سو تمام لوگ ابابیل کو حملہ آور دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن ان پرندوں کے حملوں کی زد میں آ کر سب کے سب ہلاک ہو گئے اور رہا ابرہہ تو وہ نہ مرا یہاں تک کہ اس کا سینہ اس کے دل کی جانب سے پھٹ گیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقعہ ہو گئی اور ابرہہ کا وزیر ابو یکسوم چپکے سے بھاگ نکلا' لیکن ایک پرندہ اس کے سر کے اوپر اس کے اردگرد حلقہ کی صورت میں اُڑتا رہا یہاں تک کہ وہ نجاشی کے پاس پہنچ گیا اور اسے سارا قصہ بیان کیا اور جب وہ یہ قصہ پورا بیان کر چکا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور نبی کریم ﷺ کے شرف و عظمت کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلاف عادت اور خلاف معمول امر (معجزہ) ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں' اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کوئی شعبدہ یا کوئی حیلہ ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا' اسی سال ہمارے محترم و مکرم نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور اس کے کچھ دنوں بعد مکہ مکرمہ میں یہ سورت نازل ہوئی' اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے' وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' نہ ابرہہ ہاتھیوں کے ساتھ فوج لے کر آیا تھا نہ اس کی فوج کے اوپر پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں' ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی اور اس کو نہیں جھٹلایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور مشہور و معروف تھا' لہٰذا یہ واقعہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ظاہر ہوا۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۱-۹۸۲)

پرندے نے اس کے سر پر کنکری گرا دی جس کے سبب وہ نجاشی بادشاہ کے سامنے مر کر گر پڑا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ پکڑ لیے تھے اور حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لینے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی نظر اور دل میں آپ کی ہیبت و عظمت موجزن ہو گئی کیونکہ آپ گورے چٹے' سڈول اور مضبوط قویٰ والے نہایت حسین و جمیل اور بارعب انسان تھے اور ابرہہ کو بتایا گیا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ مکرمہ میں آنے والے قافلوں کے منتظم ہیں' جو میدان میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کو کھانا کھلاتے ہیں' پھر آپ نے اس کے سامنے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو ابرہہ نے کہا کہ آپ کے محترم و معزز ہونے کے باوجود اب میری نظر میں آپ کی وقعت گر گئی ہے کیونکہ میں تو اس گھر کو مٹانے اور گرانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد کا دین و مذہب ہے اور زمانہ قدیم سے تمہاری عظمت و فضیلت کا سبب ہے لیکن آپ کو چند اونٹوں نے اس گھر سے غافل کر دیا ہے جن کو میں نے پکڑ لیا ہے' حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس مقدس گھر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے' وہ عنقریب اس کی ضرور حفاظت فرمائے گا اور اس کو ضرور بچائے گا۔

۲۔ ﴿ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا (یعنی) ان کے مکر و فریب کو ضائع اور نیست و نابود کر دیا' چنانچہ جب کوئی شخص کسی کے مکر و فریب کو ضائع اور باطل کر دے تو کہا جاتا ہے: ''ضَلَّلَ کَیْدَهٗ'' اور امراء القیس کے لیے ''اَلْمَلِکُ الضَّلِیْلُ'' کہا گیا کیونکہ اس نے اپنے باپ کی بادشاہی کو ضائع کر دیا تھا یعنی حبشہ والوں نے پہلے قُلّیس نامی عظیم الشان قیمتی گرجا تعمیر کر کے بیت اللہ شریف کے خلاف مکر و فریب کیا تاکہ حج کرنے والوں کو بیت اللہ شریف کی بجائے گرجا کی طرف متوجہ کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں آگ بھڑکا کر اسے جلا دیا اور ان کے مکر و فریب کو ضائع اور نیست و نابود کر دیا' پھر بعد ازاں انہوں نے بیت اللہ شریف کو گرانے اور اسے مٹانے کا ارادہ کر کے دوسری بار اس کے ساتھ مکر و فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر ان کے مکر و فریب کو ضائع اور باطل کر دیا۔

۳۔ ﴿ وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرندے بھیج دیئے۔ ''ابابیل'' کا معنی ہے: مختلف و متفرق جماعتیں' گروہ در گروہ اور جھنڈ کے جھنڈ' اس کا واحد ''اِبَالَةٌ'' ہے' علامہ زجاج نے کہا کہ اِدھر سے اُدھر سے (چاروں اطراف سے) پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اور گروہ در گروہ ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آنے والے۔

٤۔ ﴿ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴾ وہ (پرندے) ان پر پتھریلے کنکر مارتے تھے [حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں ''یَرْمِیْهِمْ'' پڑھا گیا ہے' اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر پتھر کے کنکر مارتا تھا' یا اس کا فاعل ''طَیْرًا'' ہے یعنی پرندے ان پر پتھریلی کنکریاں پھینکتے تھے کیونکہ ''طَیْرًا'' اسم جمع مذکر ہے اور یہ صرف معنی کی تاویل پر مؤنث ہے اور ''سِجِّیْل'' ''سنگ گل'' سے معرب ہے اور جمہور مفسرین اسی پر متفق ہیں یعنی پکی اینٹ]۔

۵۔ ﴿ فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا (یعنی) ایسی کھیتی کی طرح جس کو کیڑے کھا جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ قریش مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چار آیات ایک رکوع ہے

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

قریش کو مانوس کرنے کے لیے ○ ان کو سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر کی الفت عطا کی گئی ○ سو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کیا کریں ○ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن عطا کیا ○

قریش کی فضیلت اور عظیم ترین احسان کے سبب انہیں عبادت کا حکم

۱۔ ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے۔ اس کا ''فَلْیَعْبُدُوْا'' سے تعلق ہے (یعنی) دو تجارتی سفروں کے لیے قریش کو راغب و مانوس کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کیا کریں[1] [''فَلْیَعْبُدُوْا'' میں حرف ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ اس کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے] یعنی بے شک ان پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر بے حساب نعمتیں ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا' سو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی عبادت نہیں کر سکتے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس ایک عظیم الشان نعمت (یعنی تجارتی سفر کی رغبت دلانے) پر صرف اسی کی عبادت کریں' یہ نعمت ظاہر وعیاں ہے [یا ''لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ'' کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی ''فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ'' (الفیل:۵) سے تعلق ہے] (ترجمہ:) سو اللہ تعالیٰ نے قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے ہاتھی والوں کو ہلاک کر کے کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا یعنی وہ ہلاکت قریش کو رغبت و انس دلانے کے لیے تھی اور یہ اس طرح ہے جس طرح شعر میں تضمین ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بیت اللہ شریف جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کے معنی کا صحیح تعلق اس کے بغیر ہو نہیں سکتا اور ان دونوں سورتوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں بغیر کسی فاصلہ کے ایک سورت قرار دیا گیا ہے اور قاری علی کسائی سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف کو ترک کر کے متصل پڑھنا روایت کیا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کو ہلاک کر دیا جنہوں نے قریش کو رسوا کرنے کا قصد و ارادہ کر لیا تھا تا کہ لوگ (ہلاکت کی) یہ

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرر کو دور کرنا' (۲) نفع عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ نے قریش پر دونوں قسم کے انعامات فرمائے' اور چونکہ دفع ضرر' حصول نفع پر مقدم ہے' اس لیے سورۃ الفیل میں ان کے دشمن ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا جو بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا تھا جس کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں ان کی عزت اور وقار تھا اور سورۃ القریش میں ان کو تجارتی سفر کے لیے راغب کرنے کی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسم گرما میں اور موسم سرما میں ان کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا جس کی وجہ سے وہ خوش حال ہو گئے' گرمیوں میں وہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور چونکہ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب و لازم ہوتا ہے' اس لیے فرمایا: چونکہ ہم نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کے رب تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔

(ماخوذ بمع تقدیم وتاخیر از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۹۔۹۸۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

خبر سنیں تو وہ قریش کا اس طرح احترام کریں جس طرح صاحب فضیلت بزرگ کا احترام کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے ان کے دونوں سفروں میں امن وسکون کا انتظام فرما دیا' چنانچہ کوئی شخص ان پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کی جراءت نہیں کرسکتا تھا (جب کہ دیگر قافلوں کو دورانِ سفر لوٹ لیا جاتا تھا) اور بعض حضرات کا فرمان ہے کہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے قریش کی تجارتی سفر کے لیے ترغیب وتحریک پر تعجب کیا اور جب کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "اَلِفْتُهٗ اِلْفًا وَّاِلَافًا" (فعل لازم سے) بولا اور پڑھا جاتا ہے' اور قریش حضرت نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جاتا ہے[1]

---

[1] قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے' اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے' جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے' ارشاد ہے:

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں' نہ ہم اپنی ماؤں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ ہم اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت و پاک دامنی اور اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی پر ناز ہے۔

دوسرا ارشاد ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد کو اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمالیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلائی۔ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) قریش میں نہیں ہوتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۷۱)

قریش کے فضائل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک لوگ دین میں قریش کے تابع ہیں' مسلمان مسلمان کے تابع ہیں اور کافر کافر کے تابع ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۱)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ خیر اور شر (یعنی نیکی اور بدی) میں قریش کے تابع ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۹)

(۳) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین اسلام بارہ خلفاء تک مسلسل غالب رہے گا' وہ تمام خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۱)

(۳) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا' اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کردے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱)

(۴) حضرت ام ھانیء بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات وجوہ سے قریش کو فضیلت دی ہے: (۱) میں قریش میں ہوں (۲) نبوت ان میں ہے (۳) حجابت ان میں ہے (۴) زمزم سے پانی پلانے کا منصب ان میں ہے (۵) اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی (۶) انہوں نے دس سال اللہ سبحانہ کی عبادت کی' اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی عبادت نہیں کرتا تھا (۷) اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق قرآن مجید کی ایک سورت نازل فرمائی' پھر آپ نے سورۂ قریش کی تلاوت فرمائی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۷۵' المکتبۃ العصریۃ' کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷)

(نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۷' نیز تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۴۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۱) اور اہل عرب نے ان کا یہ نام قریش سے تصغیر کی بناء پر رکھا ہے اور قریش سمندری جانوروں میں سب سے بڑا اور طاقتور جانور ہے (جو مقابلہ میں ہمیشہ غالب رہتا ہے' مغلوب نہیں ہوتا) اور وہ کشتیوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور انہیں الٹا دیتا ہے اور اسے صرف آگ کے ذریعے پکڑا جاسکتا ہے' اور یہ تصغیر تعظیم کے لیے ہے اور اہل عرب نے اس قبیلہ کا قریش نام اس لیے رکھا ہے کہ یہ قبیلہ بڑا طاقتور اور مخالفین کی گرفت کرنے میں بہت سخت تھا اور اپنی حفاظت و دفاع میں بہت ہوشیار تھا' اس لیے اسے سمندری طاقتور اور غالب رہنے والے قریش نامی جانور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (۲) بعض حضرات نے کہا ہے کہ قریش بہ معنی کسب (یعنی کمانا) ہے کیونکہ قریش کے لوگ اپنی تجارت اور مختلف ممالک کے سفر کے ذریعہ خوب کماتے تھے' اس لیے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔

۲- ﴿اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ ان کو سردیوں میں اور گرمیوں میں تجارتی سفر کے لیے راغب کیا گیا ہے [پہلے "ایلاف" مطلق بیان کیا گیا' پھر دو سفروں کے ساتھ مقید "ایلاف" کو اس سے بدل بنایا گیا تا کہ "ایلاف" کے عمل کے لیے تعظیم کا اظہار ہو جائے اور اس میں عظیم الشان نعمت کی یاد دہانی ہو جائے اور "رِحْلَةَ" کا نصب "اِيْـلٰفِهِمْ" کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر ہے اور اس سے "رِحْلَتَيِ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ" مراد ہے اور التباس واشتباہ سے امن ہونے کی بناء پر مفرد ذکر کیا گیا ہے] اور قریش کے لیے دو تجارتی سفر تھے کیونکہ سردیوں میں وہ یمن کی طرف تجارت کے لیے سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے' سو اس لیے وہ سفر کے لیے بہت آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور ان کے سفروں میں امن ہوتا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرم شریف کے پڑوس میں رہنے والے اور اس کے متولی تھے' اس لیے ان کا تعاقب نہیں کیا جاتا تھا اور جب کہ ان کے علاوہ دوسرے قافلوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا جاتا تھا۔

۳'۴- ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ۝ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور انہیں خوف سے امن و سکون بخشا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں تجارتی سفروں کے ذریعے سخت بھوک میں کھانا کھلایا اور انہیں خوش حال کر دیا جب کہ ان تجارتی سفروں سے پہلے وہ سخت بھوک و افلاس میں مبتلا رہتے تھے' اور انہیں ایک بہت بڑے خوف سے امن و سکون عطا فرمایا اور وہ اصحاب فیل (یعنی ہاتھی والوں) کا خوف تھا یا انہیں شہروں میں اغوا ہونے کے خوف سے اور دورانِ سفر لوٹ مار کے خوف سے امن عطا فرمایا' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ایک دفعہ قریش مکہ کو سخت قحط سالی اور خشک سالی کا شکار ہونا پڑا تھا یہاں تک کہ انہوں نے مردار کھایا اور ہڈیاں جلا کر کھائیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جذام کی بیماری کے خوف سے امن بخشا' سو اس لیے جذام کا مرض ان کے شہر میں نہیں پہنچا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سہولتیں اور نعمتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں۔

سورۃ الماعون مکیۃ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝	آیاتہا ۷ رکوعہا ۱

سورۃ الماعون مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی سات آیات' ایک رکوع ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے O سو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے O اور وہ مسکین کو کھانے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا O سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں کو بھولنے والے ہیں O وہ جو دکھاوا کرتے ہیں O اور عام برتنے والی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے O

کافروں اور منافقوں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورۃ الماعون کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱ تا ۳- ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی کیا آپ نے اس شخص کو پہچان لیا ہے جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہ کون ہے؟ اگر آپ نے اس کو نہیں پہچانا ﴿ فَذٰلِكَ ﴾ تو وہ جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہی ہے ﴿ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴾ جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی وہ یتیم کو سختی کے ساتھ اور اذیت دے کر بہت زور سے دھکے دیتا ہے اور وہ اسے بدسلوکی کے ساتھ ڈانٹ کر بہت بُرے طریقے سے واپس لوٹا دیتا ہے[1] ﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی) وہ اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ جزاء کے جھٹلانے کے علم کو نیکی سے روکنا اور کمزور کو اذیت دینے کا اقدام قرار دیا گیا ہے یعنی اگر وہ جزاء پر ایمان لاتا اور عذاب پر یقین رکھتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے ڈرتا اور یتیم کو دھکے دینے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کے عمل پر جراءت نہ کرتا لیکن جب یہ اقدام کرلیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یقیناً جزاء کو جھٹلانے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متصل منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

۴ تا ۷- ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴾ سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے O جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں O وہ جو ریاکاری اور دکھاوا کرتے ہیں O اور عام استعمال کی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے یعنی ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو تنہائی میں اور پوشیدہ طور پر نمازیں نہیں پڑھتے کیونکہ وہ نمازوں کو فرض اعتقاد نہیں کرتے اور وہ اعلانیہ اور لوگوں کے سامنے ریاکاری اور دکھاوے کے

[1] شانِ نزول: علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے ابوجہل مراد ہے' جو ایک یتیم بچے کا وصی اور سربراہ مقرر کیا گیا' چنانچہ ایک دفعہ وہی یتیم بچہ ابوجہل کے پاس کپڑوں سے عاری اور برہنہ آیا اور ابوجہل سے نئے کپڑوں کا سوال کیا تو ابوجہل نے اسے ڈانٹا اور دھکے دے کر مایوس کر دیا' قریش کے سرداروں نے بچے سے کہا کہ ابوجہل کے پاس (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سفارش کے لیے لے جا۔ اس سے ان کا مقصد استہزاء اور مذاق اُڑانا تھا' کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سائل کو محروم نہیں لوٹاتے تھے اس لیے آپ اس یتیم کے کہنے پر اس کے ساتھ سفارش کے لیے ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے' ابوجہل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر (مجبوراً تعظیم کے لیے) کھڑا ہو گیا اور آپ کے سفارش کرنے پر یتیم کو بہت سامال دے دیا۔ قریش کے سرداروں نے ابوجہل کو شرم و عار دلائی اور کہا کہ تو صابی (بے دین) ہو گیا ہے' ابوجہل نے کہا: بخدا! میں صابی نہیں ہوا' دراصل بات یہ ہوئی کہ میں نے ان کے (یعنی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام) ساتھ ان کے اردگرد نیزے ہی نیزے بردار دیکھے اگر میں ان کی بات نہ مانتا تو وہ نیزے بردار مجھ پر نیزوں سے حملہ کر دیتے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۵۷۹' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

لیے نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے آپ کو صورت اور ظاہر کے اعتبار سے نمازیوں کی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور ان میں شامل ہو کر اپنے آپ کو نمازی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں اور وہ ان نمازوں کے ساتھ اپنے پروردگار کے قرب و رضا کا ارادہ نہیں کرتے اور نہ وہ فرض کی ادائیگی کا اعتقاد رکھتے ہیں' سو وہ یوں ہی اٹھتے بیٹھتے اور جھکتے اور سیدھے ہوتے رہتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فرائض ادا کر رہے ہیں اور وہ زکوٰۃ اور اس کی منفعت کو روکتے ہیں۔

حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''عَنْ صَلَاتِهِمْ'' فرمایا اور ''فِیْ صَلَاتِهِمْ'' نہیں فرمایا کیونکہ ''عَنْ'' کا معنی ہے کہ وہ نمازوں سے غافل ہو چکے ہیں' اس غفلت کی وجہ سے انہوں نے نمازوں کو ترک کر دیا ہے اور ان کی توجہ نمازوں کی طرف کم ہو گئی ہے اور یہ پکی اور سخت غفلت منافقوں کا فعل ہے جب کہ ''فِیْ'' کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ سے یا نفس امارہ کے اُکسانے کی وجہ سے ان پر غفلت عارضی طور پر طاری ہو جاتی ہے اور اس غفلت سے کوئی مسلمان خالی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر نماز میں عارضی طور پر کبھی سہو لاحق ہو جاتا تھا تو بھلا دوسرے لوگ اس سے کیسے خالی رہ سکتے۔

اور ''یُرَآءُوْنَ'' باب مفاعلۃ ''مُرَاءَاۃٌ'' سے ماخوذ ہے اور یہ ''اِرَاءَۃٌ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ ''مُرَائِی'' (دکھاوا کرنے والا) لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے جس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے عمل پر تعجب کرتے ہیں اور فرائض کو ظاہر کر کے ادا کرنے والا ریا کار نہیں ہوتا کیونکہ فرائض کا حق ہے کہ انہیں اعلانیہ ادا کیا جائے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''وَلَا غُمَّۃَ فِیْ فَرَائِضِ اللّٰہِ'' اور اللہ تعالیٰ کے فرضوں میں اخفاء نہیں اور اخفاء نوافل میں بہتر ہوتا ہے' پھر اگر کوئی شخص نفلی عبادت کو اس لیے اعلانیہ ادا کرے تاکہ اس کی پیروی کی جائے تو یہ بھی بہتر ہے اور ''ماعون'' سے زکوٰۃ مراد ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''ماعون'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جو لوگوں کے عرف و عادت میں ایک دوسرے سے استعمال کے لیے مانگ کر لی جاتی ہے مثلاً ہانڈی' ڈول' بالٹی' چمچہ' کف گیر' نمک' مرچ' جگ' گلاس وغیرہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ''ماعون'' سے پانی' آگ' نمک وغیرہ مراد ہیں۔

(۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۳ رُكُوْعُهَا ۱
سورۃ الکوثر مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی تین آیات' ایک رکوع ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ○ سو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور قربانی کرتے رہیں ○ بے شک آپ کا دشمن ہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے ○

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وفضیلت اور آپ کے دشمن کی مذمت کا بیان

۱- ﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ (اے محبوب!) بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمادی ہیں۔ ''کَوْثَر'' ''فَوْعَل'' کے وزن پر ''کثرۃ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: بے حد زیادہ اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ کوثر سے جنت میں ایک عظیم الشان نہر مراد ہے جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور دودھ سے زیادہ سفید ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے اور مکھن سے زیادہ نرم ہے' اس کے کنارے زبرجد کے ہیں اور اس کے برتن چاندی کے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر (بہت زیادہ خیر و بھلائی) مراد ہے' سو ان سے کہا گیا کہ بے شک لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے' تو آپ نے فرمایا: جنت کی وہ نہر بھی خیر کثیر میں سے ہے[1]

---

[1] واضح رہے کہ کوثر کے متعلق بہت سے اقوال بیان کیے گئے ہیں اور در حقیقت ان اقوال میں جو کمالات اور انعامات ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیئے ہیں' اس لیے مفسرین کرام نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں۔ قارئین کرام کے ذوق وشوق کے لیے انہیں یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) جنت میں ایک نہر ہے' جس کو کوثر کا نام دیا گیا جو آپ کو عطا فرمائی گئی ہے' چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں (شب معراج) جنت میں داخل ہوا تو میں نے اچانک ایک نہر دیکھی جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے' جس کے دونوں کناروں پر بے شمار موتیوں کے خیمے نصب تھے' سو میں نے پانی کے بہنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ مارا تو اس سے مشک کی خوشبو مہکنے لگی' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

(۲) حوضِ کوثر مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں' جو شخص ایک دفعہ اس کا پانی پی لے گا تو کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر مراد ہے اور جنتی نہر اور حوضِ کوثر اسی میں شامل ہیں۔

(۴) آپ کی اولاد یعنی اہل بیت اطہار مراد ہیں کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے ردّ میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادگان کے وصال کے بعد آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا' چنانچہ آپ کے شاہزادگان حسنین کریمین اور ان کی اولاد و اقارب کو بے دریغ شہید کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج پوری دنیا سادات کرام سے بھری پڑی ہے' مگر بنوامیہ کا کوئی نام ونشان نہیں رہا' نیز اہل بیت پاک میں اکابر علماء پیدا ہوئے جیسے حضرت امام محمد باقر' حضرت امام جعفر صادق' حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۵) حضور کی امت کے علمائے اسلام مراد ہیں' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ'' میری امت کے علمائے دین (منصب تبلیغ میں) بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی طرح ہیں کہ دین اسلام کے احکام کی نشر واشاعت اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں اور ذکر رسول سے محبت کرتے ہیں۔

(۶) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت مراد ہے کیونکہ آپ کی نبوت ورسالت کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے اور یہ قول حضرت عکرمہ کا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے (یعنی) پس آپ اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے جس نے آپ کو یہ کوثر (بے شمار خوبیاں) عطا فرما کر عزت وشرافت بخشی اور سب پر فضیلت وبزرگ عنایت فرمائی اور آپ کو مخلوق کے احسانات سے محفوظ رکھا اور آپ کی اس قوم کو ذلیل وپست کر دیا جو غیر خدا کی عبادت وپرستش کرتے ہیں ﴿وَانْحَرْ﴾ اور آپ اسی کی رضا کے لیے اور اسی کا نام مبارک لے کر قربانی کرتے رہیے اور آپ جب بھی قربانی دینے لگیں تو بت پرستوں کی طرح جانوروں پر بوقتِ ذبح بتوں کا نام لینے کے بجائے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے برعکس آپ صرف اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لے کر قربانی کیا کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۷) حضرت حسن بصری نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید مراد ہے جو تمام جہان والوں کے لیے سرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوثر سے قلب مصطفےٰ ﷺ کا نور مراد ہے۔

(۹) کوثر سے حضور فخر عالم ﷺ کے فضائل کثیرہ مراد ہیں جن کے ساتھ آپ کو متصف کر کے بھیجا گیا ہے۔

(۱۰) کوثر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین کی کثرت مراد ہے۔

(۱۱) کوثر سے علم وحکمت مراد ہے کیونکہ سورۃ النساء میں آپ کے علم کو فضل عظیم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو خیر کثیر فرمایا گیا ہے۔

(۱۲) کوثر سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہ اقتصادیات‘ معاشیات‘ اخلاقیات‘ معاملات‘ عبادات‘ عقائد ونظریات اور حقوق وفرائض غرضیکہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا جامع دین ہے۔

(۱۳) حضرت الحسین بن الفضل نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید کو آسان کرنا اور احکامِ شریعت میں تخفیف کرنا مراد ہے۔

(۱۴) مقام محمود مراد ہے جہاں آپ حمد الٰہی بجالانے کے بعد شفاعت فرمائیں گے۔

(۱۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن خلق مراد ہے۔

(۱۶) ابن کیسان نے کہا: کوثر سے ایثار وقربانی مراد ہے۔

(۱۷) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت وبلندی مراد ہے۔

(۱۸) ھلال بن سیاف نے کہا کہ کوثر سے کلمہ توحید ورسالت ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ مراد ہے۔

(۱۹) کوثر سے تمام دینوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمادیں اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

(۲۰) امام ثعلبی نے کہا: کوثر سے آپ کے معجزات مراد ہیں جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(۲۱) دین کی فہم وفراست اور اس کی بصیرت مراد ہے۔

(۲۲) پانچ فرض نمازیں مراد ہیں۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۴۔۲۲۵‘ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور‘ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۹۸۔۵۰۱‘ مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت ۱۹۷۸ء‘ تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۰۱۔۱۰۰۵‘ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت صدر الافاضل مراد آبادی لکھتے ہیں:

اور (اللہ تعالیٰ نے حضور کو) فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا‘ حسن ظاہر بھی دیا‘ حسن باطن بھی‘ نسب عالی بھی‘ نبوت و رسالت بھی‘ کتاب بھی‘ حکمت بھی‘ علم بھی‘ شفاعت بھی‘ حوضِ کوثر بھی‘ مقام محمود بھی‘ کثرتِ امت بھی‘ اعدائے دین پر غلبہ بھی‘ کثرتِ فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائیں جن کی نہایت نہیں۔

(تفسیر خزائن القرآن ص ۱۰۸۴‘ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی)

۳-﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور خیر و بھلائی سے محروم ہے (یعنی) بے شک آپ کی قوم میں سے جس نے آپ سے محض اس بناء پر بغض و عناد اور کینہ رکھا کہ آپ ان کے مشرکانہ عقائد و نظریات کی مخالفت کرتے ہیں تو بلاشبہ وہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے اور آپ نہیں کیونکہ قیامت تک مسلمانوں میں جس قدر مسلمان اولاد پیدا ہوتی رہے گی وہ سب آپ کی اولاد ہیں اور آپ کے (تبلیغی مشن میں) جانشین ہیں اور قیامت تک آپ کا ذکر مبارک منبروں پر اور ہر عالم دین کی زبان پر جاری و ساری اور بلند سے بلند ہوتا رہے گا اور ہر عالم وذاکر قیامت تک جب اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کرے گا تو اس کے بعد متصل آپ کا ذکر اور آپ کی ثناء و تعریف کرتا رہے گا اور آخرت میں آپ کو اس قدر بے شمار شانیں، عظمتیں، فضیلتیں اور نعمتیں ملیں گی جو وصف و بیان میں نہیں آ سکتیں، پس آپ جیسے عظیم الشان پیغمبر کو "اَبْتَر" نہیں کہا جا سکتا اور نہ کہا جائے گا کیونکہ "ابتر" تو صرف آپ کا دشمن ہے جسے دنیا اور آخرت میں بھلا دیا جائے گا اور اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

شانِ نزول: بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عاص بن وائل کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی کیونکہ (جب آپ کے صاحبزادگان ایک ایک کر کے انتقال کر گئے تو) عاص بن وائل نے آپ کو "ابتر" کہا کہ آپ کا سلسلہ نسل ختم ہو گیا تو اس موقع پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی (جس کی پہلی آیت میں حضور کی فضیلت و عظمت بیان کی گئی اور دوسری آیت میں آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا گیا اور اس آخری آیت میں عاص بن وائل کی مذمت بیان کی گئی) اور "ابتر" اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے انتقال کے بعد سلسلۂ نسل باقی نہ رہے (جسے پنجابی میں اوتر کہا جاتا ہے) ["اَلْاَبْتَرُ" "اِنَّ" کی خبر ہے اور "هُوَ" ضمیر فصل ہے]۔

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ الکافرون مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی چھ آیات، ایک رکوع ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے کافرو! ○ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ○ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ○ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ○ تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے ہے ○

کافروں اور ان کے معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اعلان

۱-﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے کافرو! اس آیت مبارکہ میں مخصوص کافروں کو خطاب کیا گیا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قریش مکہ کے ایک گروہ نے حضور سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ ہمارے دین کی پیروی اختیار کرلیں اور ہم آپ کے دین کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں' ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرتے رہیں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرتے رہیں گے' سو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہراؤں' انہوں نے کہا: پس آپ ہمارے بعض معبودوں پر اپنا ہاتھ مبارک مس فرمالیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور ہم آپ کے معبود کی عبادت شروع کر دیں گے' سو اس موقع پر یہ سورتِ مبارکہ نازل ہوئی' چنانچہ آپ صبح سویرے مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور اس میں قریش کے سردار موجود تھے تو آپ نے یہ سورت ان کو پڑھ کر سنائی اور وہ مایوس ہو گئے۔

۲۔﴿ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو یعنی میں موجودہ زمانہ حال میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

۳۔﴿ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ ﴾ اور نہ تم اس وقت (زمانہ حال میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو ﴿ مَآ اَعْبُدُ ﴾ جس کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ وعز برھانہ۔

٤۔﴿ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴾ اور نہ میں آئندہ (زمانہ مستقبل میں) ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے رہتے ہو۔

٥۔﴿ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴾ اور نہ تم آئندہ (زمانہ مستقبل میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں' اور لفظ ''مَا'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے صفت مراد ہے یعنی میں باطل کی کبھی عبادت نہیں کروں گا اور تم حق کی عبادت نہیں کرو گے یا لفظ ''مَا'' ذکر کیا گیا ہے تا کہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں اور پہلے کلام (یعنی ''لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'') میں لفظ ''مَا'' کی بجائے لفظ ''مَنْ'' لانا صحیح نہیں اور دوسرے کلام (یعنی ''وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ'') میں لفظ ''مَنْ'' کو لانا صحیح ہے اور لفظ ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے۔

٦۔﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِیَ دِيْنِ ﴾ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے (یعنی) تمہارا کفر وشرک تمہارے لیے ہے اور میرا عقیدۂ توحید میرے لیے ہے [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ ''وَلِیَ'' پڑھا جاتا ہے][1]

مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: اے ابن مسعود! تھوڑا سا قرآن مجید سناؤ تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ'' پڑھ کر سنائی' پھر آپ نے دوبارہ ان سے فرمایا کہ تم دوسری رکعت میں سورتِ اخلاص پڑھ کر سناؤ تو حضرت ابن مسعود نے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ کر سنائی' پھر جب ابن مسعود نے سلام پھیرا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابن مسعود! اب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تمہارا سوال قبول کر لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

---

[1] جب کہ قاری ابو عمرو' ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی وغیرہم کی قراءت میں ''یا'' ساکن کے ساتھ ''وَلِیْ'' پڑھا جاتا ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۲۵۷)

(۱۱۰) سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ النصر مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی تین آیات ایک رکوع ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے○ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ گروہ در گروہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں○ تو آپ اپنے پروردگار کی حمد وثناء کے ساتھ (اس کی) تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے' بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے○

دین اسلام کے غلبہ کی بشارت

۱۔﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔ ''نصر'' سے امداد و اعانت اور دشمنوں پر غلبہ پانا مراد ہے اور ''فتح'' سے شہروں اور ملکوں کو فتح کرنا مراد ہے اور اس کا (ایک) معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عرب پر یا قریش پر مدد کی گئی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا' یا (دوسرا) یہ معنی ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جنس نصرت اور مطلق فتح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے عرب میں کفر و شرک کے تمام شہروں اور ملکوں کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کو نصرت و مدد عطا فرمائے گا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایامِ تشریق میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی [''اِذَا'' کا عامل ''سَبِّحْ'' ہے جس کی وجہ سے ''اِذَا'' منصوب ہے اور یہ مستقبل کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قبل از وقت اس کے ساتھ فتح و نصرت کی اطلاع دینا نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے]۔

۲۔﴿ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں یعنی جب آپ کو آپ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت مل جائے اور شہر اور ملک فتح ہو جائیں اور یمن والوں کو دیکھیں کہ وہ بڑے بڑے گروہوں کی صورت میں ملت اسلام میں داخل ہو رہے ہیں جب کہ اس سے پہلے لوگ دین اسلام میں ایک ایک اور دو دو کر کے داخل ہوتے رہے [''يَدْخُلُوْنَ'' ''النَّاسَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اس بناء پر کہ ''رَاَيْتَ'' بہ معنی ''اَبْصَرْتَ'' ہے یا بہ معنی ''عَرَفْتَ'' ہے یا پھر ''يَدْخُلُوْنَ'' ''رَاَيْتَ'' کا دوسرا مفعول ہے' اس بناء پر کہ ''رَاَيْتَ'' بہ معنی ''عَلِمْتَ'' ہے اور ''اَفْوَاجًا'' ''يَدْخُلُوْنَ'' کے فاعل سے حال ہے اور ''اِذَا'' کا جواب ''فَسَبِّحْ'' ہے]۔

۳۔﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ سو آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ حَامِدًا لَهٗ'' کہا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے' میں اسی کی حمد و ثناء کرنے والا ہوں' یا آپ اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھا کریں ﴿ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾ اور آپ تواضع و عاجزی اور کسر نفسی کے لیے اس سے مغفرت و بخشش طلب کیجئے یا آپ استغفار کرنے پر ہمیشہ قائم رہیں[1] ﴿ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیشہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے' اور یہاں لفظ ''كَانَ'' بہ معنی ''لَمْ يَزَلْ'' ہے یعنی ہمیشہ۔

[1] واضح رہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم کیوں دیا؟ سو اس کے متعلق علامہ سیّد محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سورۃ اللھب مکی ہے ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اس کی پانچ آیات ایک رکوع ہے

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿١﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٣﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿٤﴾ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے کوئی فائدہ پہنچایا O عنقریب وہ سخت شعلے مارنے والی آگ میں داخل ہوگا O اور اس کی بیوی بھی' لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی O اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا ہوگا O

ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کا بیان

۱۔﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ﴾ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ ''تباب'' کا معنی ہلاکت ہے اور اسی سے عرب کا یہ قول ہے کہ ''اَشَابَّةٌ اَمْ تَابَّةٌ'' کیا وہ نوجوان ہے یا بوڑھا ہے؟ یعنی بڑھاپے کی وجہ سے ہلاک ہونے والا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابولہب' سرور انبیاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر میں درج ذیل چند حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مراتب میں ترقی کرتے رہتے ہیں' چنانچہ جب آپ ترقی کر کے پہلے سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے ہیں۔

(۲) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ کے عالی شان منصب و مرتبہ کے اعتبار سے آپ کی نظر مبارک میں خلاف اولیٰ ہوتا۔

(۳) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ سے سہواً صادر ہوا ہوتا اگرچہ وہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہوتا۔

(۴) آپ اپنی امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تاکہ آپ کی امت آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کیا کرے۔

(۵) آپ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرتے: ''اَیْ وَاسْتَغْفِرْهُ لِاُمَّتِكَ'' یعنی آپ اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔

(۶) آپ کی عبادت اگرچہ تمام عابدین کی عبادتوں سے بلند و برتر ہوتی تھی لیکن آپ اپنی عبادت کو کماحقہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان اور اس کی جلالت و کبریائی کے لائق نہیں سمجھتے تھے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنی عبادت کو کم تر خیال فرما کر شرم و حیاء محسوس کرتے ہوئے استغفار کرتے رہتے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سورت مبارکہ کی تلاوت کو سنا تو رونے لگ گئے اور فرمایا کہ کمال زوال کی دلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت مبارکہ کے نزول کے بعد دو سال تک ظاہری حیات مبارکہ کے ساتھ زندہ رہے' اس کے بعد آپ وصال فرما گئے۔

کو پتھر مارنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو پتھر اٹھا کر مارنے لگا (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو روک دیا) ﴿وَّتَبَّ﴾ اور وہ ہلاک ہو جائے (یعنی) وہ تمام کا تمام ہلاک ہو جائے 'تباہ و برباد ہو جائے یا اس کے دونوں ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے والا قرار دیا گیا ہے اور اس سے اس کے پورے وجود کا ہلاک ہو جانا مراد ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ" (الحج:۱۰) "یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے" اور "وَتَبَّ" کا معنی ہے: اور وہ ہلاک ہو گیا' جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

جَزَانِي جَزَاهُ اللّٰهُ شَرَّ جَزَائِهٖ جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

اس نے مجھ سے بدلہ لیا' اللہ تعالیٰ اس کے بُرے بدلہ کا بدلہ لے جیسے بھونکنے والے کتوں سے بدلہ لیا جاتا ہے اور بے شک وہ کر چکا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس پر قوی دلیل ہے جس میں "وَقَدْ تَبَّ" پڑھا گیا ہے۔

مروی ہے کہ جب "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ○" (الشعراء:۲۱۴) اور (اے محبوب!) آپ اپنے سب سے زیادہ قریبی قبیلہ والوں کو ڈرسنائیں○" نازل ہوئی تو حضور سیّد عالم ﷺ صفا نامی پہاڑ پر چڑھ گئے اور آپ نے بہ آوازِ بلند اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکارا تو ہر طرف سے آ کر لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے بنی عبد المطلب! اے بنی فہر! اگر میں تمہیں یہ خبر سناؤں کہ بے شک اس پہاڑ کے پیچھے گھڑ سواروں کا بہت بڑا حملہ آور لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم ضرور تصدیق کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو سنو! بے شک میں تمہیں قیامت آنے سے پہلے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہوں (کہ اگر تم نے کفر و شرک ترک نہ کیا تو تم خدا کے شدید عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے) چنانچہ ابولہب نے یہ بات سن کر کہا کہ تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ تو اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تھی[1]

اللہ تعالیٰ نے نام کی بجائے ابولہب کہہ کر کنیت کے ساتھ ذکر فرمایا حالانکہ کنیت میں تعظیم و تکریم ہوتی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ابولہب اپنے نام کی بجائے کنیت کے ساتھ بہت مشہور و معروف تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نام سے کراہت کی اور اسے ناپسند کرنے کی بناء پر نام کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس کا نام عبد العزیٰ تھا (یعنی عُزیٰ بت کا بندہ) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ابولہب کا انجام بھڑکتی شعلے مارنے والی آگ تھا' اس لیے کہ لہب کا معنی آگ کا شعلہ ہے تو اس طرح اس کی کنیت اس کے حال کی ترجمان ہو گئی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ھَا" ساکن کے ساتھ "اَبِیْ لَھْبٍ" ہے]۔

۲- ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾ نہ اس کے مال نے اس کو فائدہ دیا اور نہ اُس کی کمائی نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا [پہلا حرف "مَا" نافیہ ہے اور دوسرا "مَا" موصولہ مرفوع ہے یعنی اس کا مکسوب (کمایا ہوا مال) یا "مَا" مصدریہ مرفوع ہے] یعنی اس کا کسب (کمانا) یعنی جو مال اسے اس کے باپ کی طرف سے وراثت میں ملا' اس نے اسے کوئی نفع نہیں پہنچایا اور جو مال اس نے بذاتِ خود کمایا اس نے بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دیا' یا یہ معنی ہے کہ نہ اسے اس کے پرانے موروثی مال نے فائدہ دیا اور نہ اس کے اپنے حاصل کردہ نئے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "مَا كَسَبَ" سے ابولہب کی اولاد مراد ہے' مروی ہے کہ ابولہب کہا کرتا تھا کہ اگر میرا بھتیجا (حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ) جو کچھ کہتا ہے وہ سچ اور حق ہے تو میں اپنی جان چھڑانے کے لیے اپنا مال اور اپنی

[1] صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸

اولاد بطور فدیہ دے دوں گا۔

۳۔ ﴿سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ﴾[1] عنقریب وہ شعلے مارنے والی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور سین وعید (یعنی ڈرانے دھمکانے کے لیے) ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ضرور ہوگا اور ہر حال میں ابولہب بھڑکتی ہوئی آگ میں ضرور داخل ہو گا اگرچہ اس کا وقت مؤخر ہے [ابوبکر کوفی کی روایت سے البرجمی نے "سَیُصْلٰی" (فعل مضارع مجہول یعنی "یا" مضموم کے ساتھ) پڑھا ہے]۔

---

[1] حضرت ابورافع بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا' حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا' اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا' اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے' اسی بیماری میں وہ مرگیا' اس کے جسم سے سخت بدبو آرہی تھی' تین دن تک اس کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی' لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا: تم کو شرم وحیاء نہیں آتی' تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی لاش سے بدبو پھیل رہی ہے اور تم اس کو دفن نہیں کرتے' انہوں نے کہا: ہم ڈرتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگانے سے کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے' اس نے کہا: تم اس کو دفن کرو' میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔ حضرت ابورافع نے کہا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! انہوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے۔ نعوذ باللہ منہ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۰' بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۲ـ۳۵۳)

گستاخ رسول کی سخت مذمت: جب کسی شریف اور مہذب انسان کو کوئی شخص بُرا کہے یا گالی دے تو وہ صبر کرتے ہوئے برداشت کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے عزیز دوست یا اس کے محبوب کو کوئی بُرا کہے تو پھر وہ ضبط نہیں کرتا اور ایک کی دس سناتا ہے' چنانچہ جب ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب کا دفاع کیا اور فرمایا: اے محبوب! آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور آخری عیب یہ بیان فرمایا کہ وہ بداصل ہے یعنی ولد الحرام ہے۔

اسی طرح کسی معزز شخص کے محبوب کو کوئی بُرا کہے تو وہ اس کی بھی مذمت کرتا ہے اور اس کے متعلقین کی بھی مذمت کرتا ہے کہ تم ایسے ہو اور تمہاری اولاد ایسی ہے اور تمہاری بیوی ایسی ہے۔ اسی طریقے پر جب ابولہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود ہلاک ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا بھی ہلاک ہوگیا اور آخرت میں وہ دونوں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور اس کی بیوی بھی دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جائے گی اور اس کے گلے میں رسّی پڑی ہوگی۔

اس سورت سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگر ہمیں بُرا کہا جائے تو ہم اس پر صبر کرلیں لیکن اگر کوئی بدبخت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بُرا کہے تو ہم اس پر بالکل صبر نہ کریں اور بُرا کہنے والے کو ایک کی دس سنائیں' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں کی کتابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں توہین آمیز عبارات تھیں ان پر صبر نہیں کیا اور ایک کی بجائے دس سنائیں' ان کی زبردست تکفیر کی اور ان کے خلاف "الکوکبۃ الشہابیۃ" "تمہید ایمان اور حسام الحرمین وغیرہ لکھیں' اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مؤقف پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

٤-﴿ وَّامْرَاَتُهٗ ﴾ اور اس کی بیوی (بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی) وہ اُم جمیل بنت حرب ہے اور ابوسفیان کی بہن ہے ﴿ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴾ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی۔ مروی ہے کہ اُم جمیل (اس کا نام اروی تھا) خاردار پودوں اور خاردار لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے اٹھا کر لاتی اور پھر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے راستے میں اس خاردار گٹھے کو پھیلا کر بچھا دیتی تاکہ آپ کو ایذاء اور تکلیف پہنچے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغل خوری میں لگی رہتی تھی اور لوگوں میں عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکاتی رہتی تھی' اور جس شخص نے اُم جمیل کی مذمت کو پسند کیا' اس نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بہترین وسیلہ پیش کیا [اور اسی بناء پر ''اِمْرَاَتُهٗ'' پر وقف کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ''سیصلی'' میں ضمیر فاعل پر معطوف ہے: ''اَیْ سَیَدْخُلُ هُوَ وَامْرَاَتُهٗ'' یعنی عنقریب وہ خود اور اس کی بیوی نارِ دوزخ میں داخل ہوں گے' اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَعْنِیْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' میری مراد گٹھا اٹھانے والی ہے' اس کا سب و شتم اور مذمت کے طور پر منصوب ہونا امام عاصم کی قراءت میں ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع (پیش) کے ساتھ ''حَمَّالَةُ الْحَطَبِ'' پڑھا جاتا ہے اور یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ ''وَامْرَاَتُهٗ'' کی خبر ہے یا پھر ''هِیَ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ'' ہے]۔

٥-﴿ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴾ اس کے گلے میں کھجور کے چھال سے بٹ دے کر بُنی ہوئی رسّی ہے اور ''مسد'' اس رسّی کو کہا جاتا ہے جو سخت طریقے سے بٹی گئی ہو خواہ وہ رسّی کھجور کی چھال سے بٹی گئی ہو خواہ چمڑے سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور چیز سے بُنی گئی ہو اور معنی یہ ہے کہ اس کے گلے میں رسّی ہے جو کھجور کی چھال سے تیار کی گئی ہے اور اُم جمیل خاردار لکڑیوں کا گٹھا تیار کر کے اٹھاتی اور اپنے گلے میں باندھ لیتی جیسا کہ لکڑیاں اٹھانے والے مزدور کرتے ہیں۔ یہ بیان اس کی تحقیر کرنے کے لیے کیا گیا ہے اور بعض لکڑیاں اٹھانے والوں کی صورت میں اس کا ہتک آمیز نقشہ بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ خود اس عار والے کام سے ڈرے اور گھبرا جائے اور اس کا خاوند ابولہب بھی عار و شرم محسوس کر کے گھبرا جائے اور ڈر جائے کیونکہ وہ دونوں عزت دار اور مال دار گھرانے سے وابستہ تھے اور بڑے دولت مند اور خوش حال تھے۔

آیاتها ۴ سورة الاخلاص مکیة	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	رکوعها ۱

سورۃ الاخلاص مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چار آیات' ایک رکوع ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠ ﴿۴﴾

ع ۳۷

۔(اے محبوب!) فرمادیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ○ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ○ نہ اس کی کوئی اولاد ہے' اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ○ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے ○

اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کا بیان

نوٹ: سورۃ الاخلاص جمہور کے نزدیک مکی ہے' بعض کے قول کے مطابق اہل بصرہ کے نزدیک مدنی ہے۔

١-﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ہمارے لیے اپنے رب تعالیٰ کا نسب بیان کیجئے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے اور دعوت دیتے ہیں' تو اس موقع پر یہ سورتِ مبارکہ نازل ہوئی یعنی تم نے جس ذاتِ اقدس کے نسب کے متعلق مجھ سے سوال کیا ہے' "ھُوَ اللّٰہُ" وہ اللہ تعالیٰ ہے اور [اس بناء پر "اَحَدٌ" مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں "ھُوَ (اَحَدٌ)" ہے] یعنی وہ ایک ہے' اب اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محبوب! فرما دیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے اور "اَحَدٌ" بہ معنی واحد ہے اور اس کی اصل "وَحَدٌ" ہے پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ واؤ ایک طرف واقع ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے اور اس کے ایک اور یکتا ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے (کہ دو معبودوں کے فرض کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے) کہ ایک معبود یا تو تمام عالم کی تدبیر میں اور اس کی تخلیق میں کافی ہوگا یا کافی نہیں ہوگا' پھر اگر ایک معبود تمام عالم کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی ہے تو دوسرا معبود بے کار اور فضول ہوگا اور اس کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ دوسرے معبود کے لیے نقص و عیب ہے اور ناقص و عیب دار معبود نہیں ہو سکتا (تو دو معبودوں کا ہونا باطل ہو گیا اور ایک معبود کا ہونا ثابت ہو گیا) اور اگر ایک معبود تمام عالم (جہاں) کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی نہ ہو تو پھر یہ ناقص ہوگا کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مفعول و مصنوع ایک فاعل اور ایک صانع کی طرف محتاج ہو اور ایک فاعل ہی کافی ہو اور ایک کے علاوہ باقی اعداد میں کوئی عدد کسی سے قابل ترجیح اور بہتر و اولیٰ نہیں ہے' سب عدد یکساں ہیں (تو دو معبودوں کی صورت میں دوسرا عدد قابل ترجیح ہو جائے گا ورنہ تیسرا اور چوتھا' پانچواں' چھٹا وغیرہ وغیرہ اعداد معبود کیوں نہیں ہوئے دوسرا کیوں ہوا ہے) سو یہ بات تو اعداد غیر متناہی کے وجود کی طرف لے جاتی ہے اور یہ محال اور ناممکن ہے' پس دو معبودوں کا قول باطل اور محال ہو گیا اور اس لیے بھی کہ دو معبودوں میں سے ایک معبود یا تو اپنے افعال میں سے کسی فعل کو دوسرے معبود سے چھپانے پر قادر ہوگا یا قادر نہیں ہوگا' سو اگر وہ قادر ہے تو دوسرا معبود جس سے کسی فعل کو چھپایا گیا ہے' اس کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور اگر وہ قادر نہ ہوا تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا' اور اس لیے کہ اگر ہم کسی معدوم (غیر موجود) کو ممکن الوجود فرض کر لیں' پھر اگر ان دونوں معبودوں میں سے کوئی بھی اس کے ایجاد کرنے پر قادر نہ ہوا تو ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور عاجز معبود نہیں ہوتا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قادر ہو اور دوسرا قادر نہ ہو تو دوسرا عاجز ہونے کی بناء پر معبود نہیں ہوگا اور اگر وہ دونوں معبود مل کر اس پر قادر ہوں تو پھر اگر وہ معدوم دونوں معبودوں کی باہمی امداد سے موجود و مخلوق ہوا تو ان دونوں میں ہر ایک دوسرے کی امداد کا محتاج ہوگا' سو اس طرح ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور اگر ان دونوں معبودوں میں سے ہر معبود مستقل اس معدوم کے ایجاد کرنے پر قادر ہوا تو پھر جب ان میں سے ایک نے اسے ایجاد کر لیا تو دوسرے معبود کی قدرت اگر باقی ہے تو وہ محال ہے (کیونکہ محل قدرت باقی نہیں رہا) اور اگر اس کی قدرت باقی نہیں رہی تو پھر لازم آئے گا کہ پہلے معبود نے دوسرے معبود کی قدرت زائل کر دی' پس وہ عاجز و مغلوب ہو کر پہلے کی قدرت کے زیر ہو جائے گا' سو وہ معبود نہیں رہے گا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک معبود نے بذاتِ خود کسی مقدور کو ایجاد کر لیا تو اس کی قدرت زائل ہو گئی تو لازم آئے گا کہ اس ایک نے بھی اپنے آپ کو عاجز کر لیا ہے۔

سو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب ایک معبود نے کسی مقدور کو بذاتِ خود ایجاد کر لیا تو بلاشبہ اس کی قدرت نافذ ہو گئی اور جس کی قدرت نافذ ہو جائے وہ عاجز نہیں ہوتا اور لیکن رہا شریک معبود تو اس کی قدرت نافذ نہیں ہوئی بلکہ اس کی قدرت تو غیر کی قدرت کے سبب زائل ہو گئی جس کی وجہ سے وہ عاجز ہو گیا تو ایک معبود صاحب قدرت باقی رہ گیا اور عقیدۂ توحید ثابت

ہو گیا[1] [''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں ''هُوَ'' ضمیر شان ہے اور ''اَللّٰهُ اَحَدٌ'' کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے' یہ شان ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''هُوَ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ'' گویا فرمایا گیا کہ شان یہ ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں اور ''هُوَ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''اَللّٰهُ اَحَدٌ'' جملہ اس کی خبر ہے اور یہ ضمیر عائد کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے قول ''زَيْدٌ غُلَامُكَ'' کی طرح مفرد کے حکم میں ہے' اس بات میں کہ معنی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور یہ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اَللّٰهُ اَحَدٌ'' یہ ''هُوَ'' ضمیر شان کی شان ہے تو گویا یہ بعینہٖ ضمیر شان ہے اور ''زَيْدٌ اَبُوْهُ مُنْطَلِقٌ'' اس طرح نہیں ہے کیونکہ ''زَيْدٌ'' اور ''اَبُوْهُ مُنْطَلِقٌ'' کا جملہ دو مختلف معنوں پر دلالت ورہنمائی کرتے ہیں' سو اس لیے ان دونوں کے درمیان رابطہ کے لیے ضمیر عائد ضروری ہے]۔

۲-﴿ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ یہ ''فَعَلٌ'' کے وزن پر بہ معنی ''مَفْعُوْلٌ'' ہے اور (''صَمَدَ اِلَيْهِ'' باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'') سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کا ارادہ کرتا ہے اور ''اَلصَّمَدُ'' کا معنی ہے: ''هُوَ السَّيِّدُ الْمَصْمُوْدُ اِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ'' وہ آقا جس کی طرف حاجات کے وقت قصد اور ارادہ کیا جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کو تم پہچانتے ہو اور تم یہ اقرار کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمہارا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی تو ہے جس کی طرف تمام مخلوق رجوع اور قصد کرتی ہے اور تمام مخلوق اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتی جب کہ وہ ان سے مستغنی اور ان سے بے

---

[1] (۱) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت اور تغیر و تبدل ایک ہی نظام پر چل رہا ہے' چنانچہ سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوتا ہے' اسی طرح چاند اور ستارے بھی ایک ہی نظام کے موافق طلوع اور غروب ہو رہے ہیں' نیز زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور موت ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے' سو اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام بھی متعدد ہوتے' ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں ایک مربوط نظام ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا منتظم اور خالق اور موجد بھی واحد لاشریک ہے۔

(۲) اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے' اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے' صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے' وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم ایک ہوتا ہے' اور جس ملک میں صدارتی نظام ہو' وہاں صدر ایک ہوتا ہے تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں' رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا' سو اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق ہوتا تو اس پر لازم ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا جو آ کر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے' لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا اور ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کا دعویٰ مبنی برحق اور سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم و واجب نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر و بھلائی کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور دوسرا شر و برائی کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں: اللہ تعالیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم' اور مشرکین کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۷)

نیاز ہے۔

۳۔﴿لَمْ يَلِدْ﴾ اس نے کسی کو نہیں جنا اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے' اس لیے کہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں ہے تاکہ اس کے لیے اس کی جنس سے کوئی بیوی ہو اور وہ (میاں بیوی) بچے جنیں' اور اس معنی پر یہ (درج ذیل) ارشاد دلیل ہے: "اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ" (الانعام:۱۰۱) "اس کی اولاد کہاں ہوگی حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے" ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ اور نہ وہ جنا گیا ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ ہر مولود حادث اور جسم والا ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے وہی سب سے پہلے موجود ہے' اس سے پہلے کوئی موجود نہیں کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہوتا تو وہ ضرور حادث ہوتا ورنہ باپ بیٹے کے درمیان واسطہ نہیں رہتا اور اگر وہ حادث ہوتا تو وہ محدث کا محتاج ہوتا اور وہ دوسرے محدث کا محتاج ہوتا اور دوسرا تیسرے کا اور یہ طریقہ تسلسل کی طرف لے جائے گا اور تسلسل باطل ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم کئی اجزاء سے مرکب کا نام ہے' سو اگر اللہ تعالیٰ جسم والا ہو تو پھر وہ مرکب ہوگا اور اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں ہوگا' یا اس کا ہر جز صفاتِ کمال سے متصف ہوگا تو پھر ہر جز معبود ہو جائے گا اور یہ قول فاسد و غلط ہے جیسا کہ دو معبودوں کا قول باطل ہے' یا اس کا ہر جز صفاتِ کمال سے متصف نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف کے ساتھ متصف ہوگا اور وہ حدوث کی علامات میں سے ہے اور وہ بھی محال و ناممکن ہے۔

۴۔﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ اور اس کا کوئی ہم سر نہیں ہے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے مشابہ اور مماثل نہیں بلکہ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

ایک دفعہ قریش میں سے کفار نے حضور سیّد عالم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر یہ سورت نازل فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے' جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "هُوَ اللّٰهُ" اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے اور ان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بھی شامل ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا عالم ہے کیونکہ کسی چیز کی تخلیق خالق کے علم و قدرت کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ ہر چیز کی تخلیق نہایت محکم و مضبوط اور مربوط و منظم طریقہ پر واقع ہوئی ہے اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ "حَيٌّ" (یعنی ہمیشہ کے لیے از خود زندہ ہے) کیونکہ قدرت و علم کے ساتھ متصف ہونے کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ "حَيٌّ" یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ از خود زندہ ہو' اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع' بصیر' مرید اور متکلم وغیرہ تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہو کیونکہ اگر وہ ان صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف نہیں ہوگا تو ان کی اضداد (برعکس صفات) کے ساتھ موصوف ہوگا اور وہ نقائص ہیں اور یہ حدوث کی علامات ہیں' پس ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا محال اور ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کا حدوث کے ساتھ موصوف ہونا محال ہے اور ناممکن ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ "اَحَدٌ" میں اللہ تعالیٰ کے لیے وحدانیت کے ساتھ انصاف اور شرک کی نفی بیان کی گئی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام معدومات کے ایجاد و تخلیق کرنے میں منفرد و یکتا ہے اور وہ تمام مخفیات (پوشیدہ چیزوں) کے علم کے ساتھ متوحد اور اکیلا متصف ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "اَلصَّمَدُ" میں یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور بے نیاز ہے اور کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور جب کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہے تو وہ غنی اور بے نیاز ہوا' سو اس لیے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہر چیز اس کی محتاج ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "لَمْ يَلِدْ" میں مشابہت اور مجانست کی نفی کی گئی ہے کہ کائنات میں کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم شکل اور ہم جنس نہیں ہے' اور ارشادِ باری تعالیٰ "وَلَمْ يُوْلَدْ" میں

اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز مماثل و مشابہ نہیں اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کی نفی زمانہ ماضی میں کی گئی ہے جو زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور کفارِ عرب زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کا دعویٰ کرتے ہیں تو بے شک وہ اپنی سرکشی میں گمراہ ہو گیا ہے اس لیے کہ جب زمانہ ماضی میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ اور اس کے مساوی و ہم پلہ کوئی نہیں ہوا تو واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زمانہ حال میں بھی بطریق اولیٰ اس کی مثل او رمساوی کوئی نہیں ہے کیونکہ حادث کسی زمانہ میں قدیم کے مماثل اور مساوی نہیں ہو سکتا اور کفار کے کلام کا حاصل اشراک و تشبیہ اور تعطیل کی طرف لوٹتا ہے اور یہ سورتِ مبارکہ ان تمام باتوں کا رد کرتی ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔[1]

---

[1] سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا اور شرک کا رد کیا ہے' اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب اور قدیم ماننا اور اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا اور اسے مستحق عبادت ماننا شرک ہے' ان کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت' صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں یا اسنادِ مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں' جیسے حضرت ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبریل کی آواز سنی تو کہا: ''اَغِثْ اِنْ کَانَ عِنْدَكَ خَیْرٌ'' اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳)

یا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: ''اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَکِیًّا O'' (مریم: ۱۹) ''بے شک میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں O''۔

جب حضرت جبریل بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسنادِ مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے' ورنہ حضرت ہاجرہ اور حضرت جبریل کو بھی مشرک قرار دینا ہو گا۔ العیاذ باللہ! مخالفین اس قسم کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں' نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے یا ان کی عبادت کرتے تھے' بلکہ قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ (یعنی فرشتوں) کی' جنات کی' ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے' مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

''وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُکْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْئَلُوْنَ O وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ O'' (الزخرف: ۱۹-۲۰) ''اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کی عبادت کرنے والے ہیں عورتیں قرار دیا' کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعلق باز پرس کی جائے گی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیں O''۔

اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[سیبویہ نے اس آیت مبارکہ میں ظرف "لَـهٗ" کی تقدیم کو مستحسن قرار دیا ہے جب یہ ظرف مستقر ہو یعنی خبر واقع ہو رہی ہو کیونکہ جب اس کی ضرورت ہوئی تو اسے مقدم کیا گیا تا کہ پہلی مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ کلام میں خبر واقع ہو رہی ہے کوئی زائد اور اضافی معمول نہیں ہے اور اس ظرف کی تاخیر کو مستحسن قرار دیا جب یہ ظرف لغو ہو یعنی زائد معمول ہو (منصوبات میں سے ہو) کیونکہ تاخیر کے مستحق فضلات (زوائد معمولات) ہوتے ہیں اور رہا یہ کہ فصیح ترین کلام پاک میں ظرف کو مقدم کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام پاک ذاتِ باری تعالیٰ سے مشابہت و مماثلت کی نفی کرنے کے لیے چلایا گیا ہے اور اس معنی کا منبع و مرکز یہی ظرف ہے اور ابو عمرو "اَحَدٌ" پر وقف کو پسند کرتے تھے اور وصل کو پسند نہیں کرتے تھے اور عبد الوارث نے کہا کہ ہم نے قراء کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور جب اسے وصل کے ساتھ پڑھا جائے گا تو اس وقت اس پر تنوین کی بجائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

"وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○" (الانعام: ۱۰۰) "اور انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بغیر علم کے ان کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنالیا' اللہ تعالیٰ ان کی بیان کی ہوئی صفات سے پاک اور بہت بلند ہے ○"۔

"وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا" (الصّٰفّٰت: ۱۵۸) "اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا"۔

مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں سے کوئی چیز صالح انسان نہیں ہے' قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔

مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے' ان کی نذر کو ایصالِ ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے' ہمارے نزدیک نذر اللہ تعالیٰ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفاء دے دی تو میں تیری رضا کے لیے اتنا طعام صدقہ کروں گا' پھر اس طعام کو صدقہ کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۱)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس سورت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سے تیری محبت تجھے جنت میں داخل کرے گی۔ (رواہ الترمذی)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضور نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونا چاہتا ہو تو وہ اپنی دائیں طرف سو جائے اور سورت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھ لے تو جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو اپنی دائیں طرف سے جنت میں داخل ہو جا۔ (رواہ الترمذی)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص روزانہ ایک سو (خازن میں ہے کہ دو سو) مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (پوری سورت) پڑھتا رہے گا تو اس شخص کے پچاس سال کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے ماسوا قرض کے۔ (رواہ الترمذی) (ماخوذ: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۴۷' تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۵۷)

(۵) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے "قل ھو اللہ احد" (پوری سورت) کو دس مرتبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنادے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لیے جنت میں دو محل اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں تین محلات بنادے گا' سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا: یارسول اللہ! قسم اللہ تعالیٰ کی! پھر تو ہمارے محلات بہت زیادہ ہوں گے' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۴۷)

اس کے نیچے نون مکسور پڑھا جائے گا (''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ اللّٰهُ الصَّمَدُ'' اور ''وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدُ بِسْمِ اللّٰهِ الخ'' پڑھا جائے گا) یا پھر تنوین کو حذف کر دیا جائے گا جیسے ''عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبہ: ۳۰) کی قراءت ہے اور حمزہ کوفی اور خلف کی قراءت میں ''فـا'' ساکن اور واؤ کی بجائے ہمزہ کے ساتھ ''كُـفْـؤًا'' پڑھا جاتا ہے اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کی بجائے واؤ اور ''فـا'' متحرک کے ساتھ ''كُفُوًا'' پڑھا جائے گا اور باقی قراء کی قراءت میں ''فـا'' متحرک مہموز پڑھا جائے گا]۔

سورۃ الاخلاص کی تلاوت کے فضائل

(۱) اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے صرف سورۃ الاخلاص کو پڑھ لیا تو بے شک اس نے قرآن مجید کا ایک تہائی (یعنی تیسرا حصہ) پڑھ لیا[۱] کیونکہ قرآن مجید تین مضامین پر مشتمل ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات (۲) اوامر اور نواھی (۳) قصص اور مواعظ' اور یہ سورت صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر مشتمل ہے' سو اس لیے یہ قرآن مجید کی ایک تہائی کو متضمن ہے اور اس حدیث شریف میں علم توحید کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس طرح کیسے نہیں ہوسکتا حالانکہ علم معلوم کی فضیلت کے مطابق فضیلت رکھتا ہے' اور اس علم کا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی صفاتِ مبارکہ ہیں اور جو اس پر جائز ہیں اور جو اس پر جائز نہیں ہے' سو اس علم کے محل کی جلالت و عظمت اور اس کے مرتبہ و شان کی فضیلت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے' اے اللہ تعالیٰ! آپ ہمیں ان لوگوں کے گروہ میں اٹھانا جو تیری معرفت رکھنے والے اور تیری رضا کے لیے عمل کرنے والے اور تیرے ثواب کی اُمید رکھنے والے اور تیرے عذاب سے ڈرنے والے' تیرے دیدار کے ساتھ معزز و محترم ہونے والے ہیں۔

(۲) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' شریف پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: بے شک واجب ہوگئی' چنانچہ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔[۲]

سورۃ الفلق مکیۃ ۱۱۳	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	آیاتہا ۵ رکوعہا ۱
سورۃ الفلق مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی پانچ آیات' ایک رکوع ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

(اے محبوب!) فرمایئے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ○ اس کی تمام مخلوق کے شر سے ○ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے ○ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے ○ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ○

سرکشوں کی شرارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورۃ الفلق کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ رواہ النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۱۱۸

۲۔ رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۷

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ﴾ (اے محبوب!) فرمایئے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی ''فَلَق'' سے مراد صبح ہے یا خلق مراد ہے یا یہ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے یا جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے۔

۲۔ ﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ مخلوق کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں) یعنی دوزخ کی آگ سے یا شیطان کے شر سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں [اور ''مَا'' موصولہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یا یہ ''مَا'' مصدریہ ہے اور ''خلق'' بہ معنی مخلوق ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مِنْ شَرٍّ'' تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قراءت کی بناء پر ''مَا'' اپنے فعل سمیت مصدر کی تاویل میں ہو کر محلاً مجرور ہوگا اور ''مِنْ شَرٍّ'' سے بدل ہوگا یعنی اس کی مخلوق کے شر سے یا شر پر مخلوق سے یا ''مَا'' زائدہ ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن مسعود پر انکارِ معوذتین کے الزام کی تحقیق

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو قرآن مجید میں شمار نہیں کرتے تھے' جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا' اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہیں تھیں' لہٰذا علمائے اسلام نے اس کے چند جوابات ذکر کیے ہیں:

(ا) یہ حضرت ابن مسعود پر جھوٹا الزام ہے۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

وہ قرآن جو اس وقت شرقاً غرباً تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے' اس میں سورۂ فاتحہ سے لے کر معوذتین تک جو مصاحف میں بیان کیا گیا ہے' وہ سب اللہ تعالیٰ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے' جس شخص نے اس میں سے ایک حرف کا بھی انکار کیا وہ کافر ہے' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ ان کے مصحف میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھیں سو وہ جھوٹ ہے' موضوع (من گھڑت روایت) ہے صحیح نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت زر بن حبیش' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین موجود تھیں۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۳۲' مسئلہ: ۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں واضح دلیل ہے کہ معوذتان قرآن مجید میں سے ہیں اور جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا ہے اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۸۲' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کتب قدیمہ میں یہ منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس مسئلہ میں بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے پر نقل متواتر حاصل تھی اور حضرت ابن مسعود کو اس کا علم تھا اور پھر انہوں نے اس کے قرآن ہونے کا انکار کیا تو یہ انکار ان کے کفر کو یا ان کی عقل کی کمی کو واجب کرے گا اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں ان کے قرآن ہونے پر نقل متواتر نہیں تھی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصل میں قرآن مجید نقل متواتر سے ثابت نہیں ہے' اس سے قرآن مجید یقینی حجت اور مستحکم دلیل نہیں رہے گا' اس لیے ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ مذہب منقول ہے یہ نقل کاذب (جھوٹی) ہے اور باطل ہے اور اسی بات سے اس اشکال کا حل نکل سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۹۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳-﴿ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴾ اور رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا ہر طرف چھا جائے۔ ''غَاسِقٍ'' کا معنی ہے: رات جب اس کا اندھیرا اور تاریکی بہت سخت ہو جائے اور ''وَقَبَ'' کا معنی ہے کہ اس کا اندھیرا ہر چیز میں داخل ہو جائے اور کوئی چیز رات کے اندھیرے سے خالی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھوں کو پکڑا اور چاند کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر' سو بے شک یہ اندھیرا لانے والا ہے جب یہ ڈوبے' اور اس کا ''وقوب'' یعنی ڈوبنا گہن میں داخل ہونا اور اس کا سیاہ ہونا ہے۔

٤-﴿ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴾ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔ ''نَفَّاثَات'' (مؤنث اس لیے ہے کہ اس) سے عورتیں مراد ہیں یا نفوس (اشخاص) مراد ہیں یا پھر جادو کرنے والی عورتوں کی جماعتیں مراد ہیں جو دھاگوں میں گرہ لگاتی ہیں اور وہ ان پر پھونکیں مارتی ہیں اور وہ منتر وغیرہ پڑھتی ہیں۔ ''نفث'' کا معنی ہے: لعاب کی آمیزش کے ساتھ پھونک مارنا' اور یہ آیت مبارکہ واضح دلیل ہے کہ جادو کے تحقق اور اس کے اثر کے ظہور کا انکار کرنے والے معتزلہ کا قول باطل اور غلط ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم شریف کی حدیث: ۸۱۴ میں اس پر واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور حضرت ابن مسعود سے جو اس کے خلاف منقول ہیں وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس شخص نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا' اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شیخ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے' صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان دو سورتوں کے جزء ہونے کے قائل نہیں' یہ غلط ہے' اس لیے کہ انہوں نے اپنے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھول جانے کا خطرہ تھا اور ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے اور بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کو یاد تھیں اور ان کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں۔ (تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۶۳۸' مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

(۲) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور شرح المواقف میں مذکور ہے کہ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے بارے میں بعض صحابہ کرام کا اختلاف اخبار احاد سے مروی ہے' جو صرف ظن وگمان کا فائدہ دیتی ہیں اور مکمل قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے منقول ہے جو یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور یقین کے مقابلہ میں ظن وگمان ختم ہو جاتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے اور غیر معتبر ہوتا ہے' سو اس لیے ان اخبار احاد کو غیر معتبر و کالعدم قرار دے کر ان کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۷۹' مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(۳) اس میں تو کلام نہیں کہ یہ سب اخبار احاد ہیں' علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار احاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار احاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بداہت عقل کے خلاف نہ ہوں' اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵- ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی جب اس کے حسد کا ظہور ہو اور وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے کیونکہ جب تک حسد ظاہر نہیں ہوگا تو اس کا ضرر اور نقصان حاسد کی طرف سے اس شخص پر وارد نہیں ہوگا جس پر حسد کیا گیا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان دے گا' اس لیے کہ حاسد اپنے غیر کی مسرت وخوشی پر غمگین ہو جائے گا اور اپنے غیر کے پاس خیر و بھلائی پر افسوس کرے گا' اور تمام مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے بعد اس کے علاوہ دیگر چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا' اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ ان دیگر چیزوں کا شر بہت زیادہ سخت ہے اور اس سورت مبارکہ کو حسد پر اس لیے ختم کیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حسد بھی شر ہے اور یہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے آسمان میں ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور زمین میں قابیل کی طرف سے اسی حسد کی بناء پر نافرمانی کی گئی' اور بے شک جن چیزوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے ان میں سے بعض کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور بعض کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے' چونکہ ہر جادو بُرا ہے' سو اس لیے ''اَلنَّفّٰثٰتِ'' کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور ''غَاسِقٍ'' اور ''حَاسِدٍ'' کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ہر ''غاسق'' میں بُرائی نہیں ہوتی بلکہ بعض میں شر اور بُرائی ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر حاسد مضر اور نقصان دِہ نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات حسد محمود اور پسندیدہ ہوتا ہے جیسے نیکی اور خیر و بھلائی کے کاموں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانش مندی نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے' آپ کا شمار اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور کی زیارت' خدمت میں حاضری' ارشادات رسالت کو سننا' ان کو یاد رکھنا اور قرآن مجید کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا' ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہیں چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ کرام نے اپنے کانوں سے اسے سنا' یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش' ہر نماز حضور کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کریم کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔ علامہ سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے: (ترجمہ) طبرانی نے اوسط میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئیں اور وہ معوذتین ہیں۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرما دیا۔

(۴) ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ (دونوں سورتیں) محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جملے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا تو وہ بھی دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۲۰-۷۲۱)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اور فقہائے اسلام نے کہا ہے کہ اب معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے اور شاید کہ حضرت ابن مسعود نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۹-۴۷۹ مکتبہ رشیدیہ لاہور' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود کے رجوع کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے خود حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنانے میں سبقت کرنے کے لیے حسد (یعنی رشک) کرنا۔

سورۃ الناس مکیۃ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	آیاتہا ۶ رکوعہا ۱

سورۃ الناس مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی چھ آیات' ایک رکوع ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ۬ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

(اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ○ تمام انسانوں کے بادشاہ کی ○ تمام انسانوں کے معبود کی ○ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ کر دبک جانے والے کے شر سے ○ جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے ○ جنوں اور انسانوں میں سے ○

سرکشوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورۃ الناس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان سورتوں کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے ان کو پڑھا' سو تم بھی ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۵' بحوالہ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے' لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا' وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے' مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ (یعنی ان کو پڑھ کر دَم کرنا) اور علاج تھا' معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی ہیں یا نہیں' اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اُس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے' خلاف احتیاط ہے' اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہوگیا ہو کہ یہ بھی قرآنِ متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں (بلکہ رجوع کر لیا ہو) اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواترِ قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ از: تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۸۰۴' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

[1] اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں (الفلق اور الناس) ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری' عطاء' عکرمہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا' حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' لیکن حضرت قتادہ' ابو صالح اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم' نیز ان کے علاوہ علمائے اسلام کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں' اس لیے مرفوع احادیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے' ایک مرفوع حدیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱- ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی میں ان کے مربی اوران کے مصلح کی پناہ لیتا ہوں جوان کی تربیت فرمانے اوران کی اصلاح کرنے والا ہے۔

۲- ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے مالک کی (میں پناہ لیتا ہوں) جوان سب کا مالک وخالق ہے اوران کے تمام معاملات کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

۳- ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے معبود کی (میں پناہ لیتا ہوں) جوان کا اصل اور برحق معبود ہے' اوراللہ تعالیٰ نے مضاف الیہ ''اَلنَّاس'' کے اظہار کے لیے ایک دفعہ ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا (بلکہ تین دفعہ ذکر فرما کر اس کا اظہار فرمایا ہے) کیونکہ ''مَلِكِ النَّاسِ'' اور ''اِلٰهِ النَّاسِ'' کا ارشادِ باری تعالیٰ ''رَبِّ النَّاسِ'' کا عطف بیان ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو (مجازی طور پر) ''رَبُّ النَّاسِ'' اور ''مَالِكُ النَّاسِ'' کہا جاتا ہے' لیکن رہا ''اِلٰهِ النَّاسِ'' تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ بہرحال بیان کے لیے عطف بیان گویا اظہار کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ اضمار کا' اور اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے' لیکن رب کی اضافت ونسبت خاص کر ''الناس'' کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ انسان کی فضیلت وشرف کا اظہار کیا جائے[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جسے مسلم' ترمذی' نسائی اور احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ فرماتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ آيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ' اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' یعنی کیا تمہیں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی' وہ ''اعوذ برب الفلق'' اور ''اعوذ برب الناس'' ہیں۔

حضرت عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی' یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث مبارکہ جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شانِ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغوی' نسفی' بیہقی اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ (یعنی کتب عظیمہ) میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا اس وقت جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ بن عامر کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۱۹)

[1] اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں انسانوں کے رب تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک' مربی اور مصلح ہے' اس میں تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبودِ برحق کا ذکر فرمایا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں' عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے' وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے' پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَلِكِ النَّاسِ'' (الناس: ۲) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے' اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے' اس نے ارشاد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس لیے کہ انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ طلب کرنا واقع ہوا' سو گویا کہا گیا ہے کہ میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے ان کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو ان پر ان کے تمام اُمور و معاملات کا مالک و منتظم ہے اور وہی ان کا ''اِلٰـه'' اور معبود برحق ہے' اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ پہلی آیت مبارکہ میں ''النّاس'' سے اطفال (یعنی بچے) مراد ہیں اور اس پر ربوبیت کا معنی (پرورش کرنا) دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور دوسری آیت مبارکہ میں ''النّـاس'' سے شباب (یعنی نوجوان) مراد ہیں ''مَلِك'' سیاست (یعنی ملکی تدبیر و انتظام) سے آگاہ کرنے والا' اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تیسری آیت مبارکہ میں ''النّـاس'' سے شیوخ (یعنی عمر رسیدہ بزرگ) مراد ہیں' اور لفظ ''اِلٰه'' عبادت و بندگی کی خبر دینے والا اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور پانچویں آیت مبارکہ میں ''النّاس'' سے صالحین مراد ہیں کیونکہ شیطان اپنے اغوا و دھوکا اور وسوسہ کے ذریعے انہیں راہِ حق سے روکتا ہے اور چھٹی آیت مبارکہ میں ''النّاس'' سے فساد پھیلانے والے لوگ مراد ہیں کیونکہ اس کا عطف معوذ منہ پر ہے۔

٤- ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں)' یہ اسم بہ معنی وسوسہ ہے جیسے ''زلزال'' بہ معنی زلزلہ ہے لیکن مصدر کی صورت میں پہلی واؤ مکسور کے ساتھ ''وِسْوَاس'' پڑھا جائے گا جیسے ''زِلْزَال'' ہے اور اس سے شیطان مراد ہے' اس کو مصدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گویا شیطان بذاتِ خود وسوسہ ہے کیونکہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا اس کا شغل ہے جس پر وہ ہمیشہ جھکا رہتا ہے یا پھر اس سے ''ذُو الْوَسْوَاسِ'' مراد ہے' جس کا معنی ہے: وسوسہ ڈالنے والا اور وسوسہ کا معنی ہے: پوشیدہ آواز ﴿الْخَنَّاسِ﴾ پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا۔ یہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یہ ''خنوس'' کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانا' جیسے ''عَوَّاجٌ'' (ہاتھی دانت بیچنے والا) اور ''بَتَّاتٌ'' (موٹا کپڑا بیچنے والا) ہے اس لیے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پیٹھ پھیر کر مڑ جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر شیطان واپس لوٹ آتا ہے اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

٥- ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو انسانوں کے سینوں میں اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [یہ اسم موصول ''خَنَّاسِ'' کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے یا پھر ذم و شتم کی بناء پر مرفوع یا منصوب ہے اور ان دونوں صورتوں میں ''اَلْخَنَّاسِ'' پر وقف کرنا بہتر ہے]۔

٦- ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ یہ آیت مبارکہ ''اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ'' کا بیان ہے' یہ اس بناء پر کہ شیطان دو قسم کے ہیں: (۱) جن (۲) انسان' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا'' (الانعام: ۱۱۲) ''اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا کہ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف جھوٹی اور بناوٹی باتیں ڈالتے ہیں''۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ کیا تم نے انسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا: ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' (الانعام: ۵۷) ''حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے''۔
جب سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے ان کی تربیت اور پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' نیز فرمایا: ''اِلٰـهِ النَّاسِ'' یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے خواہ انسان کسی کی عبادت کرے' تمام لوگوں کی عبادت کا مستحق صرف وہی واحد لاشریک ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴)

شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر لی؟

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا تو آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے پاس دو فرشتے (بعض روایات کے مطابق حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) حاضر ہوئے اور آپ اس وقت نیند کی حالت میں آرام فرما رہے تھے' ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم یہودی نے کیا ہے' پوچھا کہ اس نے آپ پر کس چیز کے ساتھ جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کی کنگھی اور آپ کے چند بال لے کر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں لپیٹ کر ذی اروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیئے گئے ہیں' چنانچہ جب حضور نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر' حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذی اروان کے کنویں کی طرف بھیجا' سو انہوں نے وہاں کنویں کا پانی نکالا اور انہوں نے غلاف نکالا تو دیکھا کہ اس میں آپ کے سر مبارک کے چند بال شریف اور آپ کی کنگھی مبارک کے چند دندانے لپٹے ہوئے تھے اور اس میں چمڑے کا تانت نما ایک دھاگا تھا' جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ میں سوئی چبھوئی ہوئی تھی' سو اس موقع پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ہر آیت پر ایک ایک گرہ کھلتی گئی اور سوئیاں بھی نکلتی گئیں یہاں تک کہ دونوں سورتوں کی تلاوت کے اختتام پر آخری گرہ کھلتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحیح سلامت ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ ہشاش بشاش ہو گئے اور جادو کا اثر زائل ہو گیا[1] (اور کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا)۔

حدیث شریف: ایک روایت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دَم

---

[1] اس جادو سے حضور نبی کریم ﷺ کو کس قسم کی تکلیف ہوتی تھی' اس کے بارے میں تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی' نقاہت بڑھنے لگی اور کمزوری محسوس ہونے لگی' لیکن بہ ظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا' اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔

کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں' ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو' یا تلاوتِ قرآن مجید کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو' یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو (ہرگز نہیں) لیکن معتزلہ اور عقل کے جدید و قدیم پرستار جادو کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ ارکان پر سے وثوق و اعتماد اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو' قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو' نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں: "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" "کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے' جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں: ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذاتِ اقدس پر ہوتا رہتا تھا' بخار' درد' چوٹ لگنا' دندانِ مبارک کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہوئے یہ پڑھا کرتے تھے: "بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ، وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ" (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹) "اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میں آپ پر دَم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفاء عطا فرمائے جو آپ کو اذیت و تکلیف دیتی ہے" اور اسی لیے علمائے اسلام نے کلام اللہ یعنی قرآن مجید اور کلام رسول اللہ یعنی احادیث مبارکہ سے دَم کرنا، تعویذ لکھ کر دینا اور جھاڑ پھونک کرنا جائز قرار دیا ہے اور سریانی، عبرانی اور ہندی وغیرہ کلام سے دَم وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے (جب کہ اس کا معنی اور مفہوم معلوم نہ ہو یا وہ شرکیہ کلمات ہوں) کیونکہ ایسے کلام پر اعتقاد جائز نہیں اور نہ اس پر اعتماد جائز ہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور اُحد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا، یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا۔ شانِ رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا بلکہ آپ کی شانِ رسالت ونبوت معصوم ومحفوظ تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم وتاخیر کر دیتے، یا قرآن مجید میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے، یا نماز کے ارکان میں ردّ و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور وغل مچاتے کہ الامان والحفیظ! بطلانِ رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی، لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں، ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ حضور کی صرف صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

(ماخوذ مع الانتخاب از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۲۳-۷۲۵)

[1] واضح ہو کہ جادو کے کلمات پڑھ کر گرہوں میں پھونک مارنا باطل اور حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول) کا کلام پڑھ کر کسی بیمار پر پھونک مارنا مستحب ہے اور اس کے استحباب میں حسب ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر پر لیٹتے تو آپ اپنی ہتھیلیوں پر "قل هو اللّٰه احد" اور معوذتین پڑھ کر پھونک مارتے، پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرے مبارک پر ملتے اور ان ہتھیلیوں کو جہاں تک آپ کے ہاتھ مبارک پہنچتے وہاں تک اپنے جسم پر ملتے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب حضور بیمار ہو گئے تو آپ مجھے اس طرح پھونک مار کر اپنی ہتھیلیوں کو ملنے کا حکم دیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲، سنن ابوداود رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایک سفر میں گئے اور عرب کے کسی قبیلہ میں پہنچے انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا: ہماری مہمانی کرو (یعنی ہمیں کھانا کھلاؤ) قبیلہ والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کیا، اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنگ مارا ہوا تھا، انہوں نے اس کے علاج کے بہت جتن کیے لیکن کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، ان میں سے کسی نے کہا: یہ لوگ جو تمہاری بستی میں آئے ہیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفا ہو جائے، سو ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا: اے نو واردوں کی جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈنگ مارا ہے، ہم نے اس کے علاج کی پوری کوشش کر لی لیکن اس کو فائدہ نہیں ہوا، کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں ہے اللہ کی قسم! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ہم اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال واقوال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم نے جو کام کیے ان کے شر سے بھی اور جو کام نہیں کیے ان کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور اس کے آخری رسول اور اس کے آخری نبی اور اس کے برگزیدہ ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔ (التوبہ: ۳۳) اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کامل ترین درود ورحمت نازل فرمائے اور آپ کی آل پر جو لوگوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بے شک میں ضرور دَم کرتا ہوں' لیکن اللہ کی قسم! ہم نے مہمانی طلب کی تھی تم نے ہماری مہمانی نہیں کی' لہٰذا اب میں تمہیں دَم کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ تم ہمیں معاوضہ دو' پس انہوں نے بکریوں کے ایک ریوڑ پر صلح کرلی (وہ تیس بکریاں تھیں)۔ (ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲) پھر وہ صحابی گئے اور سورت فاتحہ پڑھ کر اس سردار پر لعاب آمیز پھونک ماری حتیٰ کہ وہ ایسے ہو گیا جیسے رسّی سے (بندھا ہوا) کھل گیا ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی' پھر قبیلہ والوں نے ان کو بکریوں کا ریوڑ دے دیا۔ بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو' دَم کرنے والے صحابی نے کہا: نہیں! حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق معلوم کرلیں' ہم آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے' پھر دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دَم ہے' بہرحال تم نے درست کیا' ان بکریوں کو تقسیم کرلو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶) بعض روایات میں دم کرنے کی ممانعت ہے' اس سے مراد شرکیہ کلمات پڑھ کر دَم کرنا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۰)

(۳) نیز امام بخاری' امام احمد' ترمذی' ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیّدنا امام حسن اور سیّدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے: "اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ"۔

(۴) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یارسول اللہ! جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے' یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ درد جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو' پھر تین بار بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ"۔

(۵) مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا' حضور نے مجھے دَم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

(۶) مسند امام احمد میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے' میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دَم کیا کرتی تھی' حضور نے فرمایا: شفاء تم یہ دَم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا' پڑھنا سکھایا ہے' نملہ کا دَم بھی سکھا دو۔

(مسند امام احمد' ابوداؤد' نسائی)

(۷) صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے' اب اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دَم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ' جھاڑ پھونک میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے چراغ ہدایت ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو دار السلام (جنت) کی چابیاں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا' پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو سانپ کے کاٹے کو دَم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرمادیا ہے' پھر انہوں نے وہ دَم پڑھ کر سنایا' حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا' تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ ضرور پہنچائے۔ (مسند احمد' صحیح مسلم' ابن ماجہ) (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ٢٦-٢٧)

ختم قرآن کے وقت مستحب اعمال کا بیان

(۱) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ قرآن مجید ختم کرتا ہے تو قرآن کے ختم کے وقت اس پر ستر ہزار فرشتے نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ٢٢٥٥' بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی)

(۲) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان شخص دن کے آغاز میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو شام تک سارا دن فرشتے اس پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص دن کے آخر میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو ساری رات صبح ہونے تک فرشتے اس پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ٢٣١٦' بحوالہ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

(۳) حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت تلاوت کرنے والے آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک درخت عطا کیا جاتا ہے' جس کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی پرندہ اس کی جڑ سے اس کی بلندی کی طرف اُڑتا رہے تو اس کی شاخوں تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو جائے گا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ٢٢٧٧' بحوالہ کتاب التاریخ للخطیب البغدادی)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک قرآن مجید پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے' سو اگر وہ چاہے تو اسے دنیا میں مانگ لے اور اگر چاہے تو اسے آخرت تک مؤخر کردے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ٢٢٧٨)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر ختم پر دعا قبول کی جاتی ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ٢٣١١' بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

(۶) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی محفل کے آغاز میں حاضر ہوا تو وہ گویا مسلمانوں کی فتح میں حاضر ہوا اور جو شخص ختم قرآن کی محفل میں حاضر ہوا تو وہ گویا غنیموں کے احوال میں حاضر ہوا جب انہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ٢٤٢٨)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے' بعض احادیث صحیحہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے' اس وقت اپنے اہم کاموں اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۸-۵۹) نیز ابن ابی داؤد نے دو صحیح سندوں کے ساتھ حضرت قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور (اجتماعی) دعا کرتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ١١٥٢۔ ج ۲ ص ١٢٢٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کی تلاوت فرمالیتے تو (دوبارہ) "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" سے پڑھنا شروع کردیتے (پوری سورت پڑھ کر) پھر آپ سورۃ البقرہ کے شروع سے لے کر "هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" تک پڑھتے' پھر آپ ختم قرآن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ ہی حق وصواب کو خوب جاننے والا ہے اور وہی سب کی پناہ گاہ اور رجوع گاہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی دعا کرتے' پھر آپ کھڑے ہوتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۱۔ ج ۳ ص ۱۲۲۶ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

(۹) حضرت داؤد بن قیس تابعی نے مرسل روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ ختم قرآن کے وقت یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ' وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ' وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ'' (ترجمہ) اے اللہ! قرآن عظیم کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور اس کو میرے لیے پیشوا اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا' اے اللہ! اس میں سے جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد کرا دے اور میں جس سے بے خبر رہا ہوں وہ مجھے سکھا دے اور رات اور دن کے تمام اوقات میں اس کی تلاوت کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے تمام جہانوں کے پروردگار! تو اسے میرے لیے حجت و دلیل بنا۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۴۔ ج ۳ ص ۱۲۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۵۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ)

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ بقرہ کو تمام حقائق و دقائق اور تمام اسرار و رموز کے ساتھ پورے بارہ سال تک پڑھتے رہے اور جس روز اسے مکمل پڑھ کر فارغ ہوئے تو ختم کے روز ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور تمام اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانا کھلایا۔

(تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۶۶' مطبوعہ افغانی دار الکتب' لال کنواں' دہلی' بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

فائدہ: حفظ و ناظرہ اور تفسیر و تجوید قرآن کے اختتام پر اور تراویح میں اختتامِ قرآن پر اور جشن نزولِ قرآن پر مسلمانانِ عالم جو اہتمام اور تبرکات تقسیم کرتے ہیں' ان سب معمولات کی اصل دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی ہے۔

(۱۱) قاری ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے آخر میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر قرآن ختم کرتے تو اس کے ساتھ ہی سورۂ ''اَلْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' پڑھ کر سورۂ بقرہ کی پہلی پانچ آیات ''هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تک پڑھ کر آئندہ کے لیے تلاوتِ قرآن کا آغاز کر دیتے تاکہ شیطان مردود ذلیل و رسوا ہو کر مایوس ہو جائے اور اسی عمل کو حدیث شریف میں ''حال المرتحل'' کہا گیا ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا اپنی تلاوت میں قرآن کو آخر تک ختم کر کے' پھر شروع قرآن سے آغاز کرتے ہوئے دوسرے ختم کی طرف کوچ کرنے والا (یہ طریقہ کار مسنون ہونے کی بناء پر مستحب و پسندیدہ اور پیارا عمل ہے) اور تمام اسلامی ممالک میں ابن کثیر مکی کے معمول کے مطابق عمل ہوتا ہے' اور امام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق یہ مستحب عمل ہے۔

(۱۲) عراق کے مشائخ نے ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا مستحسن قرار دیا ہے البتہ فرض نماز میں قرآن مجید کا ختم ہو تو پھر سورۂ اخلاص کو نہیں دہرایا جائے گا۔

(۱۳) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے اور جب آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے اور جو شخص ختم کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کی بخشش نہیں ہوتی۔

(۱۴) حضرت امام احمد بن حنبل اور اسی طرح سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت نے ختم قرآن کے وقت دعا مانگنے کو مستحب قرار دیا ہے' سو جو چاہے دعائے خیر کرے' تلاوت کرنے والا قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ دعا کی قبولیت پر مکمل یقین کرتے ہوئے دعا کرے اور دعا میں تکلف نہ کرے بلکہ اس سے اجتناب کرے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کرے' پھر اس کے بعد حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھے اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے محبوب مکرم کے توسل سے آج بروز جمعۃ المبارک ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/۱۱ اپریل ۲۰۰۸ء میں قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ اور اس پر حواشی مکمل ہوئے۔ **فالحمد علی ذالك**

بندۂ ناچیز نے ۲۴ مئی ۲۰۰۱ء میں تفسیر مدارک التنزیل اور قرآن مجید کا ترجمہ اور حسب ضرورت حواشی کا آغاز کیا تھا' الحمد للہ! آج بروز جمعۃ المبارک ۱۱ اپریل ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا ہے' تقریباً سات سال صرف ہوئے ہیں' اس کی ایک وجہ تدریسی مصروفیت' دوسری وجہ دمہ کی بیماری اور گھٹنوں کی تکلیف ہے اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بندۂ ناچیز پر تقصیر' علوم عربیہ کی مہارت میں تہی دست ہے' البتہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا ہی بہتر ہے' اسی جذبہ کے تحت خدمت دین اور اپنی مغفرت کی نیت سے یہ کام شروع کیا تھا' اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ اس کی عطا کردہ زندگی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ صحت و تندرستی اور مزید زندگی عطا فرمائے تا کہ احادیث مبارکہ کی خدمت کر سکوں۔ آمین ثم آمین!

میں اپنے محترم جناب سید محسن اعجاز شاہ صاحب کا شکر گزار ہوں' جنہوں نے قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ کرنے کی پیش کش کر کے مجھے اس کام کی طرف راغب کیا اور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلہ شاہ صاحب کو دین و دنیا میں دن دگنی رات چگنی مزید ترقی و خوش حالی عطا فرمائے اور جس طرح وہ تفاسیر و احادیث اور دیگر اسلامی کتب کی طباعت میں انتہائی گہری دلچسپی لے کر بہت محنت' جاں فشانی اور باریک بینی کے ساتھ حسن طباعت میں امتیازی شان سے خدمت دین کا کام کر رہے ہیں' آئندہ بھی اسی لگن کے ساتھ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ادارہ کو خوب ترقی عطا فرمائے۔

آخر میں اپنے عزیز القدر فاضل جلیل حضرت علامہ قاری فدا حسین صاحب کا بھی ممنون ہوں' جو علمی تعاون کے ذریعہ میرا حوصلہ بڑھاتے رہے' اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

طالب دعا: **حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی**
سابق مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ' گڑھی شاہو' لاہور
موبائل: 0322-4042114

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱۵) سید الانام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ختم قرآن کے وقت یہ (درج ذیل) دعا مانگنے کا حکم فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِخْبَاتَ الْمُخْبِتِیْنَ وَاِخْلَاصَ الْمُوْقِنِیْنَ وَمُرَافَقَةَ الْاَبْرَارِ وَاسْتِحْقَاقَ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَوُجُوْبَ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالْخَلَاصَ مِنَ النَّارِ" (ترجمہ) اے اللہ! بے شک میں تجھ سے عجز و انکساری کے ساتھ عبادت کرنے والوں کی عبادت جیسی عجز و تواضع والی عبادت اور یقین رکھنے والوں کے اخلاص اور نیکوں کی رفاقت اور ایمان کے حقائق کے استحقاق اور ہر نیکی سے حصہ پانے اور ہر گناہ سے بچنے اور تیری بہت بڑی رحمت اور تیری مستحکم و یقینی مغفرت و بخشش اور جنت کی کامیابی اور دوزخ کی آگ سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔

(۱۶) ابن المصنف کی کتاب شرح الجزری میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ انسان آہ و زاری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرے اور وہ تمام اہم کاموں کے لیے جامع الفاظ کے ساتھ دعا کرے اور جملہ اُمور آخرت اور مسلمانوں کے معاملات کی دعا کرے اور اسلامی بادشاہوں اور دیگر حکامِ بالا کی اصلاح کی دعا کرے اور ان کے لیے عبادات کے بجالانے اور اسلام کی مخالفتوں سے بچنے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق کی دعا کرے اور دشمنانِ دین اور دیگر مخالفین پر ان کے لیے غلبہ کی دعا کرے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۵۱-۵۵۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۹۲ء)